دل دیا دھلیز



رفعت سراج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اس دنیا میں ہر متحرک انسانی وجود ایک کہانی ہے۔

دل، دیا، دہلیز کو ایک آئیڈیل ''لو اسٹوری'' کا سرٹیفکیٹ (قارئین کی طرف سے) ایشو ہوا۔ 48 ماہ تک یہ ناول قسط وار شائع ہوا۔

اس دوران مجھ سے اس کے نام کے معنی و مقصد دریافت کیا جاتا رہا......

جہاں دل ہے وہاں انتظار کی کیفیت سے گزرنا اس کی قسمت ہے...... دل...... کھلنے کا انتظار دہلیز پر ساعت ٹھہری رہتی ہے...... کسی کے قدموں کی آہٹ پر کان لگے رہتے ہیں۔ دہلیز پر جلتا ہوا دیا اس بات کا غماز ہے کہ اندر کوئی جاگ رہا ہے۔ اندھیری دہلیز سے تو یہ خوشہ ہے آنے والا یہ سمجھ کر واپس نہ پلٹ جائے کہ انتظار کرنے والے سو چکے ہیں۔

محبت کہ اندیشے و دھڑکے بہت ہوتے ہیں...... ہر آن کوئی تسلی کی تھپکی چاہیے ہوتی ہے جلتا ہوا دیا...... اندیشوں میں سہارا ہے...... کہیں دور سے آنے والے کیلئے خوش امیدی کی کرن ہے...... اس کی روشنی میں وصال کی آس ہے۔

یہ دل کی کہانی ہے۔ دل والوں کی کہانی ہے۔ پھول کھلنے کی کہانی ہے۔ آگ لگنے کی کہانی ہے وہ آگ جو دل میں سلگتی رہے تو محبت کہلائے۔

بھڑک اُٹھے تو سب کچھ بھسم کر ڈالے۔ اس آگ کا نام ہے۔ حسد انتقام

یہ وہ جذباتی کیفیات ہیں .جو ازل سے انسان کو زنجیر کرتی آ رہی ہیں......

انسانوں کے موڈ اور رویے بناتی ہیں......جن سے واقعات جنم لیتے ہیں جن کو مرتب کردیں

تو کہانی کہلائے بے ترتیب رہنے دیں تو صرف مسائل کا انبار ہوں۔

میں نے دل کی کہانی لکھی ہے......

دل والوں نے بڑے پیار سے پڑھی ہے اور انشاء اللہ پڑھتے رہیں گے......

جنریشن خواہ کوئی ہو۔

دل تو سب کا ہے

سب کے پاس ہے

اس خوف سے کہ

آنے والا اندھیرا دیکھ کر

پلٹ نہ جائے......

بے وفائی کے اندیشوں کے

گھنے جنگل میں بھٹک جائے

دل کی دہلیز پہ

اک دیا جلا رکھا ہے

وے بول سانول وے بول سانول

نہ رولیں سانوں ، نہ رولیں سانوں

ویکھیں کنڈیاں دے وچ نہ تو ، تولیں سانوں

وگدی اے راوی وچ ، ستاں مہندیاں۔ستاں مہندیاں

تیرا ڈھولا بڑا سوہنا مینوں سئیاں کہندیاں۔

''روشی آپا۔آپ کو بابا صاحب بلا رہے ہیں''۔خادمہ اس کے کان میں بولی تھی۔

ڈھول کی تھاپ یکدم رک گئی۔اور اس کی سانس بھی۔

''لائبریری میں ہیں؟''۔وہ کہہ کر روبوٹ کی طرح نکل گئی۔

روشی نے اپنے چاروں طرف بیٹھی ہوئی لڑکیوں کو اس طرح دیکھا۔جیسے ان میں سے کوئی آنے والے لمحات کی پیشگوئی کرے گی۔

وہ بدقت تمام اٹھی اور ڈرے ڈرے انداز میں چلتی لائبریری کے دروازے پر آ کر رک گئی اور بہت مشکل سے جیسے دستک دی۔

''آ جاؤ۔بابا صاحب کی خشک اور بے تاثر آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔وہ اندر داخل ہو کر مزید آگے نہیں بڑھی۔

بابا صاحب نے کتاب چہرے کے سامنے کی ہوئی تھی۔اور روشی کو جیسے یہ پردہ غنیمت تھا۔ایک ڈھال۔ایک دیوار سی درمیان میں حائل پا کر جیسے اس کے خوف میں کمی واقع ہو رہی تھی۔

''ڈھولک کون بجا رہا تھا؟''۔بابا صاحب کی سرد آواز سے جیسے وجود برف ہونے لگا۔

''مم......میں......بجا رہی تھی بابا صاحب''۔

''کیوں؟''۔

''ظفری بھائی کی شادی جو ہے'' اس نے بمشکل تھوک نگلا۔

''اور یہ شادی کس کے ساتھ ہو رہی ہے؟'' لہجہ ہنوز پتھریلا تھا۔

روشی نے حیران نظروں سے انہیں دیکھا۔

''جھومر کے ساتھ بابا صاحب''۔اس کے لہجے میں الجھن تھی۔

''جھومر کون ہے؟'' وہ برہمی سے پوچھ رہے تھے۔

اللہ۔(معاملہ کیا ہے آخر؟) اب خوف کی جگہ پریشانی نے لے لی۔

''کاکا جان کے شوفر عنایت علی کی بیٹی ہے بابا صاحب''۔اس نے اس بار قدرے سنبھل کر جواب دیا۔

''بے وقوف لڑکی۔ یہ بات جو چند افراد کے علاوہ کسی کو پتا نہیں۔تم ڈھول پیٹ کر گویا اعلان کی صورت بتا رہی ہو''۔وہ گرجے۔

روشی کی تو ٹانگیں کانپنے لگیں۔

''بابا صاحب! یا یہ تو کوئی بھی لڑکی نہیں ہے۔ہماری تینوں چاروں نوکرانیاں ہیں اور میں۔زری آپا' موناباجی' گلو آپا' حنا' ثانیہ' لالی' روبی' مریم' شنو آپا' بیہ' سونی۔کوئی بھی تو نہیں گا رہا تھا۔تو''۔

''اس لئے کہ وہ تمہاری طرح بے وقوف اور کم عقل نہیں ہیں۔اور تمہارا اس قدر حرج ہو رہا تھا کہ خادماؤں کو لیکر بیٹھ گئیں''۔

ان کی پرجلال آواز پر روشی کی رہی سہی طاقت بھی جواب دے گئی۔

''جو وقت کالج میں اور تصویریں بنانے میں گزارتی ہو' گنواتی ہو۔کسی سمجھدار لڑکی کے ساتھ گھر میں مصروف رہا کرو۔ شاید تھوڑی بہت عقل آجائے''۔

بڑی زبردست لتاڑ تھی۔اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔مگر بابا صاحب کو چہرہ دیکھنے کی نہ عادت تھی نہ فرصت۔

''جاؤ۔اور آئندہ دھیان رکھنا۔جو کچھ آج ہوا اس پر غور کرنا۔غور و فکر کرنے سے بھی عقل میں اضافہ ہوتا ہے''۔

کس قدر کاٹ تھی ان جملے میں

اتنی سخت سست پر اس کا دل چاہ رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔

وہ نیم تاریک راہداری میں نکل آئی۔کس جوش و ولولے سے وہ گا رہی تھی۔کیا بے چارے ظفری بھائی انسان نہیں؟ کیا ان کا دل نہیں؟ کتنے پتھر ہیں بابا صاحب۔میں نے تو گلو کو بھیجا ہوا تھا کہ وہ ظفری بھائی کو بلا لائے۔وہ کتنا خوش ہوں گے۔ ہائے۔کاش بچپن میں انہیں خرکار اٹھا کر لے جاتے۔کم از کم ان کی شادی پر سارے بیگار کیمپ میں شادی والی رونق تو ہوتی۔

روشی نے اپنی سمجھ عقل کے مطابق تمنا کی۔

''ادھر اندھیرے میں کہاں جا رہی ہیں؟'' وہ کیونکہ سوچوں میں غلطاں تھی۔اچانک آواز پر جیسے اچھل پڑی۔

''جہنم میں بھی جا رہی ہوں تو۔تم سے مطلب؟'' وہ بھوکی شیرنی کی طرح غرائی۔

''میں تو پوچھ رہا تھا۔وہ خفیف سا ہو کر گویا ہوا تھا۔

''کس قدر شوق ہے تمہیں پوچھنے کا۔کسی روز تمہیں پوچھ لیا ناں تو پتہ لگ جائے گا''۔وہ علی علی کرتی جیسے اس پر چڑھ دوڑی۔

''ارے ہم تو عاجز ہیں بالکل آپ کے نوکر جیسے۔دبے دبائے سے۔کیوں بلاوجہ اپنی انرجی ضائع کرتی ہیں''۔وہ عجیب سی تلخی سے ہنسا اور آگے موڑ پر گم ہو گیا۔

''لو۔ہر بات دل پر لے لیتے ہیں۔حالانکہ یہ حضرت جانتے ہیں سارے گھر میں سب سے زیادہ نرم گوشہ رکھتی ہوں ان کیلئے''۔

''اب بھئی ان کی قسمت ایسی ہے تو میرا کیا قصور ہے اس میں''۔اب وہ نئے سرے سے کڑھ رہی تھی۔

....

''اے۔شی!'' مونا نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور سب کو کھڑکی کی سمت آنے کا اشارہ بھی ساتھ ہی کیا۔

وہ سب گرتی پڑتی کھڑکی کی سمت بڑھی تھیں سوائے روشی کے۔وہ اسی طرح بیڈ پر سر جھکائے پاؤں کے ناخنوں پر سے کیوٹکس کھرچ رہی تھی۔

''اے روشی آؤ ناں''۔گلو آپا نے جیسے اس کے ٹس سے مس بیٹھے رہنے پر تعجب کا اظہار بھی کیا تھا۔

روشی اسی طرح بہری گونگی بنی بیٹھی رہی۔

گلو آپا۔جیسے بیزار کن انداز میں شانے جھٹک دیئے تھے اور دوسری لڑکیوں کی سمت بڑھ گئی تھیں۔

''دو پہر سے تو ڈھول پھاڑے جا رہے تھے اور اب حرکت بھی دشوار ہے''۔وہ بڑبڑائی تھیں۔

''یہ ظفری بھائی کو گاڑی میں کون بٹھا رہا ہے؟'' سونی کی آواز کمرے میں ابھری۔

''چھوٹے چچا ہیں''۔مونا نے جواب دیا تھا۔

''بابا صاحب نظر نہیں آرہے؟'' بیہ نے ذرا دور تک تاک جھانک کی۔

''ان کی تکبیر و دیر ہوئی۔روانہ ہو چکی''۔مریم نے اطلاع بہم پہنچائی۔

''وہ ساتھ کیوں نہیں گئے؟'' بیہ نے حیرت سے پوچھا۔

''آئیں گے تو پوچھ لینا''۔زری آپی نے جیسے ڈانٹا تھا۔

''لو بابا۔ان سے کون پوچھ سکتا ہے''۔بیہ نے کانوں کو ہاتھوں سے چھوا۔

"تو پھر چپ رہو"۔ مریم کو جیسے یہ بے نتیجہ گفتگو بہت کھل رہی تھی۔

"ارے بڑی امی بھی جا رہی ہیں"۔ حنا کی تعجب خیز آواز روشی کے کانوں میں پڑی۔

"لو تو کیا وہ نہیں جائینگی اپنے نور چشم ظفریاب بن خان آفتاب کے عقد مسنونہ میں"۔ ثانیہ نے چڑ کر قدرے سوالیہ انداز میں جواب دیا تھا۔

"اللہ کتنا دل چاہ رہا ہے ظفری بھائی کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کو"۔ شینو بڑی بے بسی سے گرل تھام کر بولی تھی۔

"جاؤ دیکھ آؤ۔ ابھی مریم نے بتایا نہیں۔ بابا صاحب تو دیر ہوئی جا چکے"۔ گلو آپا نے جیسے اس کی بے بسی سب سے زیادہ محسوس کی تھی اسی لئے فوراً حل بھی بتایا تھا۔

"مگر گلو آپا۔ اس وقت جتنے بھی لوگ پورٹیکو میں کھڑے ہیں۔ سب تقریباً بابا صاحب جیسے ہی ہیں۔ کوئی کم' کوئی زیادہ"۔ شینو نے خاصی تلخی سے جواب دیا"۔

"لو بھئی۔ روانگی شروع"۔ بیہ نے کن اکھیوں سے بظاہر بے نیاز روشی کی طرف دیکھ کر رننگ کمنٹری کی تھی۔

"آج تو ظفری بھائی بہت خوش ہوں گے"۔ بیہ دھپ سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"لو۔ ایسے۔ ویسے۔ اب تو انہوں نے سب کی شادیوں پر "رونا" شروع کر دیا تھا۔ انیق بھیا کا سہرا انہیں نوچ ڈالا تھا۔ اسی دن تو بابا صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ ان سے کہ ان کی شادی بھی بہت جلد کر دیں گے"۔

روبی جواب تک بڑی خاموشی سے تمام کارروائی دیکھ رہی تھی۔ بڑی تفصیل سے شروع ہوئی تھی۔

"مگر۔ ہائے بے چاری جھومر۔ اس کے بھی تو۔ خواب ہوں گے۔ کچھ ارمان ہوں گے۔ ماما بلی بتا رہی تھی کہ بہت حسین ہے"۔

روبی کی معلومات واقعی وسیع تھیں۔

"لو۔ ماما بلی کو کیسے پتا"۔ زری آپی نے تنک کر جھوٹ پکڑنے کی کوشش کی تھی۔

"جب ٹیپو کی آپا اس دار فانی سے کوچ کر گئی تھیں۔ تو کاکا جان نہیں لے گئے تھے ماما بلی کو"۔ روبی کو "شک" کرنے پر شدید غصہ آیا تھا۔ (ہونہہ۔ یہ ہر ایک کو جھوٹا ہی سمجھتی ہیں)

"اوہ۔ ہاں۔ اس کا تو مجھے دھیان ہی نہیں آیا پورے چار مہینے رہ کر آئی تھی ماما بلی سرائے"۔

"اور واپسی کے بعد سینکڑوں قصے بھی سنائے تھے۔ سرائے کے"۔ زری آپی کو یاد آ گیا۔

روبی کا موڈ خاصا آف ہو چکا تھا اس لئے اس نے کسی قسم کے تاثرات دینا مناسب نہ سمجھے۔

"اچھا۔ تو روبی تم بتا رہی تھیں۔ جھومر بہت حسین ہے"۔ زری آپی کا اشتیاق دو آتشہ تھا۔

"بس بتا تو دیا"۔ روبی نے اسی بگڑے بگڑے انداز میں کہا۔

"ایک تو تم نازک مزاج بہت ہو۔ فٹ برا مان جاتی ہو۔ وہ تو میں اپنی یادداشت کیلئے ہی پوچھ رہی تھی"
زری آپی۔ نے اسے دونوں بانہوں میں دبوچ لیا اور کھلکھلائیں۔

"زری۔ یہ جھومر بھلا کیا نام ہوا؟" مونا باجی کی انشا پردازی والی حس بیدار ہو چکی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ اسم ہے۔ مگر مذکر ہے"۔ مونا باجی بڑی سوچ بچار میں مبتلا تھیں۔

"حد ہے تم سے مونا۔ ہمہ وقت ٹائم سپیس سے باہر ہی رہتی ہو۔ کاکا جان کے ملازم زیادہ تر قبائلی اور علاقہ غیر سے تعلق رکھتے ہیں اور تم تو جانتی ہو' وہاں نام رکھنا بالکل بھی دردسر نہیں۔ پھول پتے' دیوار' پہاڑ' جز' بیج' کہیں سے اٹھا کر اپنی اولاد کو نام دے دیتے ہیں"۔ شینو کے انداز میں ازلی زہریلا پن موجود تھا۔

"پتا نہیں واپسی کب تک ہوگی؟"۔

"لو۔ ان کی واپسی بھی شروع ہوگئی۔ انہوں نے تو ابھی آدھا فاصلہ بھی طے نہ کیا ہوگا"۔ روبی ہنسی۔

"اچھا جب جھومر بھابی آئینگی تو کیا ہم سب سواگت کو جائینگے؟" مونا باجی' گلو آپا سے مخاطب ہوئیں۔

"بابا صاحب نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ آپ لوگوں کی صحبت میں بیٹھا کروں کہ مجھے بھی دانشمندی کا ذائقہ معلوم ہو۔ اور آپ لوگوں کا یہ حال ہے"۔ روشی نے معنی خیز انداز میں بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کیا حال ہے ہمارا؟" مونا کو وہ بہت ہی بے ادب لگی تھی۔

"یہ مسٹری میرج ہے بھولی آپی"۔ روشی کے اب سارا سمجھ میں آ چکا تھا اس نے علم تقسیم کرنا شروع کر دیا تھا۔

"لو بھئی۔ یہاں تو ہر چیز ہی "مسٹری" ہے' یہ صرف میرج پکڑے بیٹھی ہیں"۔ زری آپی نے ہنس کر مونا کو آنکھ ماری۔

"مجھے تو ان سب کی واپسی تک نیند بالکل نہیں آئے گی"۔ بیہ نے اپنی مشکل بیان کی۔

"اور ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ بتانا پڑ رہا ہے کہ جن راستوں سے یہ باراتی گئے ہیں ان راستوں سے واپس نہیں آئیں گے۔ پچھلے بڑے پھاٹک سے دلہن سیدھی حجلہ عروسی میں پہنچا دی جائے گی۔ اسے اس طرف کبھی بھی نہیں آنا۔ کچھ سمجھیں"۔

"ہائے گلو آپا آپ کتنی بے درد ہیں۔ ایسی شام غریباں جیسی شادی۔ آپ کو ترس نہیں آ رہا جھومر پر"۔
سونی نے خاصی دیر بعد حصہ لیا۔

گلو آپا نے اپنی حسین بلوریں آنکھیں ایک جھٹکے کو سونی کی آنکھوں میں ڈالیں اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"بہت ہی ناسمجھ ہو سونی"۔ وہ گم صم سے انداز میں مسکرائیں۔

"کہاں چلیں گلو؟" زری بھی اب ہر پہلو سے متجسس تھیں۔

"نیند آ رہی ہے' سونا چاہتی ہوں"۔

"ابھی سے"۔

"ہاں۔ اگر سونا بائی تو پندرہ دن تک ڈپریشن رہے گا۔ نیند کیسی اچھی راہ فرار ہے' گر آ جائے تو"۔

وہ سرگوشی کے انداز میں کہہ کر مسکرائیں اور باہر نکل گئیں۔

"ظفری بھائی کو دولہا تو بنایا ہوگا بڑی امی نے" بیہ کو یکدم پھر کچھ یاد آیا۔

''ہاں۔ظاہر ہے آخر اکلوتے بیٹے ہیں ان کے''۔شینو نے پھر تلخ انداز میں شرکت کی۔

''آپ کو جیسے بڑا دکھ ہے''۔روبی نے شینو کی سمت دیکھا۔

''تم بس اپنی حد میں رہا کرو۔بڑی آئیں خوش ہونے والی''۔شینو کو تاؤ آگیا۔

روبی بے نیازی سے شانے جھٹک کر باہر نکل گئی۔

''اے۔بی بی سی جا رہا ہے''۔مونا نے کھڑکی میں کھڑے کھڑے ان سب کو مخاطب کیا۔

''بلائیں اسے۔اسے تو سارا ایجنڈا از بر ہوگا''۔زری نے مارے اشتیاق کے کھڑکی کی سمت دوڑ لگائی

''بی بی سی نہیں۔غیر ضروری مبالغہ۔جو کچھ وہ سنائیں گے اس میں سے سچ چھاننے کے کیلئے دو راتیں درکار ہوں گی''۔ روشی جل کر بولی تھی۔

''پھر بھی کچھ تو پتہ چلے گا''۔

''باری بھائی۔ششش۔ادھر آئیں۔ہمارے کمرے میں''۔مونا نے کھڑکی سے پیغام رسانی شروع کی۔

''ارے آئیں ناں''۔وہ جیسے اس کی ہچکچاہٹ پر جھلائی۔

''سب ہیں اور سب تو ہمیشہ سے ہی ہیں۔آج کیا نئی ہے۔جلدی سے آئیں''۔مونا کہہ کر کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی اور جلدی سے دروازے کے بیچ جا کھڑی ہوئی۔

''توبہ۔کتنے نخرے ہیں۔جلدی سے آئیں۔ارے بھئی ریڈ کارپٹ ریسپشن دیں آپ لوگ''

''السلام علیکم''وہ چند لمحے گزرنے کے بعد نمودار ہو چکا تھا۔

''وعلیکم السلام''سب نے کورس کے انداز میں جواب دیا سوائے روشی کے۔

''فرمایئے!''وہ پشت پر ہاتھ باندھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''ہم نے نہیں فرمانا۔اس وقت تو جو فرمانا ہے۔آپ نے فرمانا ہے۔حاضرین سوالات کی بارش فرمایئے''۔ حنا نے شرارت بھرے انداز میں اس کے مقابل میں آ کر کہا۔

''میں۔میں کیا فرما سکتا ہوں؟ حد کرتی ہیں آپ لوگ''۔وہ بری طرح بوکھلا گیا تھا۔

''ابھی پتہ چل جائے گا۔آپ کیا فرما سکتے ہیں اور کیا نہیں۔پہلے تشریف تو رکھئے''۔سونی نے موڑھا اس کے سامنے کیا۔

''گلو کہاں ہے؟''وہ سٹپٹا کر ادھر دیکھنے لگا۔

''نعوذ باللہ۔غیاث اللہ متعنین بنا رکھا ہے انہیں''۔زری چڑ گئیں۔

''ہر بات کی فریاد ان سے''۔

''اوئی!''روبی چیخ مار کر سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''دماغ میں پھنس گیا۔اوئی''۔وہ سر پکڑ کر بیڈ پر اوندھ گئی۔

''کیا پھنس گیا؟''حیرت آمیز آوازیں بلند ہوئیں''۔

''وہ کیا تھا۔غیاث۔!''

''بدتمیز''۔سونی نے خفت مٹانے کی کوشش میں اس کے ایک دھپ جڑا۔

''آپ نے تو ہاتھ پاؤں پھلا دیئے''۔باری موڑھا کھینچ کر بیٹھتے ہی بولا۔

''مگر آپ فکرمند نہ ہوں۔اگر ہاتھ پاؤں پھول بھی گئے تو کل اس وقت تک واپس آ جائیں گے''۔

''وہ کیسے؟''روبی شینو کے تلخ انداز سمجھنے میں ہمیشہ ہی ناکام رہتی تھی۔

''فجر سے تہجد تک معمول کی چک پھیریاں لگیں گی اور یہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر فٹ ہو جائیں گے''۔کچھ آیا سمجھ؟''شینو اپنی مخصوص زہریلی ہنسی ہنس کر بولی۔

روشی نے جھکا سر اٹھا کر باری کی سمت دیکھا۔

وہ ہمیشہ کی طرح بے تاثر تھا:اس نے گہری سانس لیکر نیل فائل بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''کیا میں یاد دلاؤں کہ میں یہاں کیوں مدعو ہوں؟''باری نے حنا کی سمت دیکھا۔

''نہیں نہیں زحمت نہ کریں۔ہمیں یاد ہے''۔حنا دوسرا موڑھا کھینچ کر اس کے برابر بیٹھ گئی۔

''باری۔کیا تمہیں علم ہے۔بابا صاحب دلہن لیکر کب تک آ جائیں گے؟''زری آپی نے قدرے آہستگی سے سوال کیا تھا۔

''لیجئے۔یہ آپ لوگوں کے پروگرام مجھے کیوں معلوم ہونے لگے''۔وہ جیسے ان کی سادگی پر ہنس دیا۔

''اچھا یہ بتاؤ۔بارات تو سرائے ہی گئی ہے ناں''زری آپی اب اندازوں میں کھیلنے لگی تھیں۔

''جی۔یہ بات تو اچھی طرح کنفرم ہے کہ بارات (اس نے بارات پر خاصا زور دیا) سرائے ہی گئی ہے۔ دو گھنٹے کا راستہ ہے۔سات بجے وہ لوگ یہاں سے گئے ہیں۔بارہ بجے تک ہی واپس ہوں گے''۔وہ حساب کتاب میں لگ گئیں۔

''ہاں۔یہ تو ہے۔وہاں کون سا حضرت بل کیا جائے گا''۔شینو نے مسکرا کر لقمہ لگایا۔

''وہاں نہ سہی۔کاکا جان تو ڈنر کے بغیر نہیں آنے دیں گے''۔

''تو کیا ایک بجے تک جاگیں''۔حنا نے یہ بڑی سی جماہی لی۔

''برات کی ایک صبح بھی ہوتی ہے''۔روبی نے یاد دلایا۔

''اوہ ہاں۔میں تو بھول ہی گئی تھی۔حنا نے اسے چڑایا۔

''ظفری بھائی تو بہت خوش ہوں گے۔ہے نا باری بھائی''۔مریم نے بھی حصہ لیا۔

''بہت۔میں تو ہلکی روشنی میں بس کانوں تک چری باچھیں ہی دیکھ سکا''۔اس نے بھی سامنے بیٹھنے کا فیصلہ کیا۔

''اچھا۔اب ذرا صبر ہی رکھو''۔شینو کی سنجیدہ روح بلبلائی۔

''کیا سہرا باندھا تھا؟''

''نہیں''۔

''تو پھر پھولوں کے ہار ہی پہنے ہوں گے؟'' ...۔

''صرف ایک ہی تھا''۔ وہ فوراً گویا ہوا۔

''اس کی بھی کیا ضرورت تھی۔ اس سے زیادہ پھول تو لوگ قبر پر ڈال دیتے ہیں''۔ روبی آزردگی سے گویا ہوئی۔

''ساتھ لے گئے ہوں گے۔ لا رہے ہیں ایک چلتی پھرتی قبر''۔ شینو کی زہر میں بجھی آواز نے کمرے میں سکوت طاری کر دیا۔

''کون کون گیا ہے؟'' ... حنا نے خاموشی توڑی۔

''بابا صاحب ہیں۔ بڑے ابا ہیں۔ بصیر چچا ہیں۔ بہادر ماموں' کبیر ماموں' عباد پھوپھا' منجھلے پھوپھا' ظہیر پھوپھا۔ اکا۔ میاں صاحب۔ چھوٹے بھیا۔ ثمر' جواد' فاران' امیر' حماد' مصور' منہاج' مظاہر' منہاج' وہاج......۔

''یوں کیوں نہیں کہتے کہ سب گئے ہیں''۔ شینو نے زچ ہو کر اسے درمیان میں ٹوک دیا۔

''سب نہیں گئے۔ زدار ماموں' یاور چچا اور ندیم نہیں گئے۔ بڑی امی کے علاوہ کوئی خاتون نہیں گئیں۔ اب مجھے اجازت؟'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہم اجازت دیں گے تو جانا۔ مانگتے کیوں ہو''۔ شینو نے خاص تکبرانہ انداز سے اس کی سمت دیکھا۔

بیڈ پر خاموش بیٹھی روشی نے باری کی طرف بڑی جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

ایک خفت کی لہر لحظے بھر کو ابھری تھی اور فوراً ہی معدوم ہو گئی تھی۔

''جایئے باری بھائی۔ بس یہی پوچھنا تھا'' حنا نے جیسے اس کی جان چھڑائی۔

''بیٹھا رہنے دو۔ اس بہانے کچھ آرام ہی مل رہا ہوگا''۔ شینو ہنسی۔

''ارے نہیں۔ نہیں بس جاؤ تم'' زری نے بھی جیسے اس پر ترس کھایا۔

''تھینک یو''۔ وہ بے تاثر مسکراہٹ پھینک کر چلا گیا۔

''کچھ زیادہ فری نہیں ہو گیا''۔ شینو نے نخوت سے ناک سکیڑ کر زری آپا کی سمت دیکھا۔

''کیوں خوامخواہ پیچھا لیتی ہو۔ وہ کیا کر سکتا ہے بے چارا بے بس و مجبور۔ زری آپا نے شینو کو جیسے اس کے بے رحم رویئے کی جانب توجہ دلائی تھی۔

''اور بھئی لڑکیو! چلو اپنے اپنے ٹھکانے پر۔ میں تو کچن دیکھتی ہوں۔ ماما بلی تو ہمیں غائب پا کر خود بھی ستر میں غائب ہو چکی ہوگی''۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرائیں۔

چند لمحات کے بعد کمرا منتشر محفل کا منظر پیش کرنے لگا۔ باقاعدہ دھکم پیل تھی۔

....

''کب تک بیٹھا رہوں۔ ارے بیمار ہی تو ہے' تم تو اس طرح بیٹھی ہو جیسے میت کے سرہانے پر''۔

وہ بری طرح حالت غیض میں تھا۔

''تمہارے منہ میں خاک''۔ زبیدہ بلبلا کر رہ گئی۔

''اسی لئے لائے تھے مجھے گھر میں۔ بیٹھی جنازے روتی رہوں۔ تین تو ان ہاتھوں سے مٹی تلے سلائے ہیں۔ اب کیا؟'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''خبر بھی ہے تمہیں تین دفعہ بے ہوش ہو چکا ہے بدنصیب۔ تمہیں گھر میں گھستے ہی سوائے روٹی کے کچھ نظر نہیں آتا''۔ وہ رو دی۔

''ڈاکٹر کے پاس نہیں لے گئی''۔ پدری محبت نے یکدم جوش مارا تھا۔ اٹھ کر اس کے پلنگ کے نزدیک چلا آیا۔

''ارے یہاں تو چنے بھنے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر''

''کیا رٹ لگا رکھی ہے ڈاکٹر۔ ڈاکٹر۔ روکڑے دفن ہیں اس کچے مکان میں''۔ وہ چیخ پڑی۔

بچے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے جھک کر بچے کو بازوؤں میں اٹھا لیا۔

دن بھر منوں وزن کی بوریاں اٹھانے والے کو بچہ پھول کی طرح ہلکا لگا تھا۔

''چل رہی ہے تو چل''۔ اس نے بیوی کی طرف دیکھا۔

''ذرا صبر کرو۔ برقعہ لے کر آتی ہوں۔ بالو۔ دروازہ اچھی طرح بند کر لیجیو''۔ اس نے چولہے کی راکھ کرید کر مسئلے کا حل ڈھونڈتی اپنی پہلوٹھی کی بیٹی کو تاکید کی۔

''اور دیکھ...... بچوں کو یہ کہہ کر سلانے کی کوشش کیجیو کہ اماں ابا ابھی روٹی لیکر آتے ہیں''۔

''یہ کیوں نہ کہہ دوں کہ چندا ماموں آئینگے۔ دودھ ملائی لائینگے۔ کہ روٹی کا یقین تو انہیں شاید ہی آئے''۔ وہ زہریلے انداز میں ہنس کر بولی۔

برقعہ پہنتی زبیدہ نے اپنی مصروفیت میں اس کا جملہ نہیں سنا۔ خاوند اور بچے کے پیچھے تیزی سے نکل گئی۔

ایمرجنسی کی وجہ سے شنوائی تو جلدی ہو گئی مگر ساتھ ہی دواؤں کی فہرست بھی اس کے ہاتھ میں تھما دی گئی۔ وہ ششدر سا دواؤں کی فہرست اور قیمت کا اندازہ لگا رہا تھا۔ زبیدہ تو فہرست تھما کر اندر بچے کے پاس چلی گئی تھی۔

وہ شکست خوردہ انداز میں ہاسپٹل کے پچھواڑے آ کر ٹہلنے لگا تھا۔

سیٹھ نے جو رقم دی تھی' وہ تو پچھلے تین دنوں میں دواؤں اور گھر کے اخراجات میں اٹھ گئی تھی۔

ایک سوالیہ نشان اب دل میں ترازو تھا۔

خالی کشکول نظر آ جاتا ہے۔ خالی جیب' خالی پیٹ نظر نہیں آتا۔ آنکھوں کی ویرانی دکھائی دے جاتی ہے۔ وجہ دکھائی نہیں دیتی۔

ایک دولت اولاد ہے

ایک دولت غیرت ہے

کیا لٹاؤں؟

کیا گنواؤں؟

نفع کا سودا کون سا ہوگا؟

جان گنوادوں' خلوص مشہور کردوں۔

پر پیچھے رہ جانے والوں کا گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔

ہر طرف خسارے کا سودا ہے۔

کوئی تجارت کروں۔ ہاتھ خالی کے خالی۔ ازلی مزدور کی آنکھیں بے قیمت موتیوں سے جھلملانے لگیں۔

''اندھیرے میں روٹی ڈھونڈنے آیا ہے''۔ اچانک اس کے قریب سے نحیف آواز آئی۔

وہ چونک پڑا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آواز کی سمت دیکھنے لگا۔

''بھائی! میں یہ رہا۔ ابھی زمین کے اوپر ہی ہوں۔ آواز پھر آئی۔

ذرا سا آگے بڑھ کر اسے بالآخر وہ زندہ لاش نظر آ گئی۔

''تم یہاں زمین پر اس طرح کیوں لیٹے ہو۔ اندر اسپتال میں کیوں نہیں آتے؟ تم تو بیمار دکھائی پڑتے ہو''۔ وہ اس کے قریب ہوا تو مخاطب کی حالت فوراً آشکار ہوگئی۔

''ابھی خادمائیں چھپر کھٹ سجا رہی ہیں۔ سجا چکیں گی تو صندل لگا کر مجھے عرق گلاب سے غسل دینگی۔ پھر احتیاط سے چھپر کھٹ پر رکھ دینگی اور ریشمی زلفوں سے ہوا دیں گی۔ ہاہا۔ ہا۔ ہاہاہا''۔

''کیا مجھ سے بھی زیادہ بدنصیب ہو؟'' میں تو ابھی تک اتنا زہریلا نہیں ہوا''۔

وہ آہستگی سے اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

''ہو جاؤ گے۔ ہر بات کا آغاز بھی ہوا کرتا ہے یا نہیں''۔

''مت ڈراؤ بھائی۔ آٹھ پہر کوئی اچھی بات سننے کو نہیں ملتی۔ میں تو کوئی حل سوچنے اس طرف نکل آیا تھا''۔ وہ بے چارگی سے بولا۔

جن کی جیب خالی ہو۔ سوچ سے نہیں بھرا کرتی''۔ وہ اجنبی پھر تلخی سے ہنسا۔

''کیا کرتے ہو ویسے؟''

''خون پلا رہا ہوں اولاد کو۔ ایک ایک کر کے چراغ بجھ رہے ہیں۔ خون بھی کافی نہیں' مزدوری کرتا ہوں اور کوئی ہنر پاس نہیں''۔ وہ لاچار انداز میں بیٹھ گیا۔

''محاورے والا خون پلاتے ہو یا اصلی؟'' اجنبی نے چمکتے ستاروں پر نظریں جما کر سوال کیا۔

''اصلی؟ کیا مطلب؟'' میں واقعی نہیں سمجھا۔

''مال تمہاری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ اندر ہسپتال میں تمہارے خون کے طلب گار لال ہرے سرمئی کڑک کاغذ لئے تمہارے انتظار میں ہیں۔ منت مان لو اگر تمہارے خون کی طلب گار کوئی موٹی آسامی مل گئی تو روپے کا تیل مسجد میں چراغ میں ڈالو گے''۔

''اب مسجدوں میں چراغ کہاں جلتے ہیں؟ بجلی کے فانوس چمکتے ہیں''۔ وہ گم صم انداز میں گویا ہوا۔

''ہاں۔ مسجد کی دیواریں ہیٹر سے گرم ہوتی ہیں۔ ایک ایک کے سر پر دو دو پنکھے چلتے ہیں۔ گیزر ہے' اوور ہیڈ ٹینک ہے۔ انڈر گراؤنڈ ٹینک ہے۔ موزیک فلور ہیں۔ ٹائلوں والے برآمدے ہیں۔ کیسی سہولت کی نماز ہے۔ کاش ہم کوئی مسجد ہی ہوتے''۔

''لاحول ولاقوۃ''۔ اس نے فوراً اجنبی کی گفتگو پر لاحول پڑھ کر مداخلت کی۔

برا کیوں مانتے ہو؟'' اتنے چاؤ سے انسان مسجد سنوارتا ہے۔ تھوڑا قصیدہ تو چلنے دو۔

''سنوارنا بھی چاہیے مسجد اللہ کا گھر ہے''۔ اس کی مذہبی حس اجنبی کی ذہنی آوارگی پر تڑپ کر رہ گئی۔

''اور قرآن میں وہ خود کہتا ہے کہ ہم انسان کے اتنے قریب ہیں۔ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ۔ وہ تو صاحب قدرت و مختار ہے۔ اس کے سامنے تو دیواریں بھی گونگی نہیں۔ مگر بھائی۔ ہم تو پھر انسان ہیں۔ کوئی دیوار تو نہیں''۔

''یہ فیصلے کرنے والے کا اختیار ہے کہ وہ دیواریں سجائیں یا انسان کی مدد کو آئیں۔ اس نے تو دیواروں میں موتی پرونے کا حکم نہیں دیا۔

''اس نے تو جگہ جگہ انسان کو ہی اہمیت دی ہے۔ یہ اندھی عقیدت بھی نہیں ہے۔ محض برتری کی دوڑ ہے۔ کلیسا سجے' مندر جواہر سے چمکے' ہیکل میں سونے کی کیلیں گڑیں۔ ہم کیوں پیچھے رہیں۔ انسان تو روز پیدا ہوتے ہیں۔ عبادت گاہیں روز تھوڑا ہی بنتی ہیں''۔

''چلو مسجد والی منت نہ مانو' یہی مان لو اگر کسی ساہوکار کو میرے خون کی پیاس لگی تو کسی بھوکے کو پیٹ بھر کھانا کھلاؤں گا۔ اب تو ٹھیک ہے''۔ اجنبی نے اندھیرے میں اس کے تاثرات دیکھنے کی کوشش کی۔

''کیا خون بیچ کر اتنے پیسے مل جائیں گے کہ بچے کی ساری دوائیاں آ جائیں؟'' اس کے اندر ایک عجیب ولولہ سا بیدار ہو چکا تھا۔

''ارے۔ دوائیاں بھی آ جائینگی' رضائیاں' دلائیاں' ملائیاں' سب آ جائینگی۔ جا اندر جا کر کسی گرگے کو ذرا اپنے خون کا ذائقہ تو چکھا۔ پھر دیکھ تماشا''۔

''اتنا آسان حل!'' اس کی رگ رگ میں خوشی دوڑنے لگی۔ آنکھوں کے سامنے بچہ۔ جاوید میانداد والے شاٹ کھیلنے گا''۔ وہ یکدم اٹھ کھڑا ہوا۔

''بچہ کھیل رہا تھا۔ گلاس بھر دودھ پی رہا تھا۔ سارے گھر والے کباب پراٹھے کھا رہے تھے''۔

''بھائی تمہارا نام کیا ہے''؟

''گم ہوگیا ہے''۔وہاں سے بڑا فلسفیانہ جواب آیا۔

''کیا نشہ کرتے ہو؟'' وہ جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگا۔

''جس طرح کامیابی کا نشہ ہوتا ہے اسی طرح نامرادی کا بھی ایک نشہ ہوتا ہے۔عادت ہر شے کی بری۔تم نے پوچھا ہے کیا نشہ کرتا ہوں''؟ وہ ہنسا۔

آپ کی مخمور آنکھوں کی قسم
میری مے خواری ابھی تک راز ہے

وہ تھکن تھکن لہجے میں شوخی پرونے کی کوشش کر رہا تھا۔

''پڑھے لکھے بھی لگتے ہو''۔اسے حیرت بھی ہوئی تھی اور ترس بھی آیا تھا۔

''لگتا تو جانے کیا کیا ہوں۔پر وہ نہیں لگتا جو ہوں''۔اجنبی بھرپور قوت لگا کر ہنسا۔

مگر اب وہ دوسرے مرحلے میں تھا۔توجہ تقسیم ہو چکی تھی۔

''بھائی! کہاں کھڑے ہو کر اعلان کروں کہ میرا خون لے لو''۔ایک بنیادی سوال پیدا ہوا تو اس کے قدموں کی حرکت خود بخود رک گئی۔

''اعلان کرنے کی کیا ضرورت۔پیاسے خود تاڑتے ہیں۔ابھی تک تو رشتوں کی جونکیں چمٹی ہوئی تھیں۔اب ذرا باہر کی جونکوں کا تماشا دیکھو۔اور نیورو سرجری کی طرف چلے جاؤ۔لال مفلر پہنے ایک موٹی سی جونک سٹہ لگا رہی ہو گی۔کہنا عارف نے بھیجا ہے''۔

''بس؟''

''اور نہیں تو ٹرک''۔اجنبی جھلا گیا۔بڑی اپروچ ہے اس لال مفلر کی'ذرا پھنسو تو''۔

'' کتنے پیسے دے گا وہ؟''

''کہا تو ہے منت مان۔آسامی وہ پھانسے گا تو کمیشن بھی لے گا۔دیکھ بھائی بانٹ کر کھانا ہو گا۔پہلے بتائے دیتا ہوں''۔

''سمجھ گیا''۔وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

''بھائی ذرا سننا''۔اجنبی نے پھر اس کے بڑھتے قدموں کو زنجیر کیا۔

''اب کیا ہے؟'' وہ جھلایا۔میرا بچہ اندر دوا کے انتظار میں ہے۔جلدی کہو''۔

''نسخہ ہاتھ لگتے ہی انداز بدل گئے۔شکریہ ادا کرنے سے گئے۔بھائی میں وہ ایک شعر سنا رہا تھا۔وہ کیا ہے کہ۔

زمانے بھر کے غموں کو ہے دعوت آزار
کہ اک جام میں سب کا جواب ہے ساقی
چل اک بہشت بسائیں سرور مستی کی
بہشت دہر تو غم سے خراب ہے ساقی

اشعار کی زنجیر جان کر وہ آگے بڑھ چکا تھا۔آخر مصرعہ آتے آتے وہ بہت آگے بڑھ چکا تھا۔

''نا معقول انسان۔باتوں سے تو پڑھا لکھا لگتا ہے'روشنی اندر لئے اندھیروں میں پھرتا ہے۔احمق''۔

وہ نہایت تیز چلتا ہوا نیورو سرجری کی طرف آیا تھا۔

....

ساری عمارت پر سناٹے کا راج تھا۔

کچھ دیر قبل کسی مرغے نے بے وقت اذان دی تھی۔اس کے فوراً بعد شیخو کے بیڑے میں بندھی سفید گائیں ڈکرائی تھی۔ جس کے جواب میں اصغر تیلی کا بیل بھی ڈکرا کر اس طرح خاموش تھا جیسے ڈیوٹی بھگتا کر فارغ ہو گیا ہو۔کافی دیر سے تو کوئی کتا بھی نہیں بھونکا تھا۔جھینگروں کے ٹرانے میں بھی تسلسل نہیں تھا۔

وال کلاک کی ٹک ٹک۔دل کی دھک دھک کے ساتھ مل کر ماحول میں ردھم کی کیفیت برپا کر رہی تھی۔

وہ کروٹیں بدل بدل کر تھک چکی تھی۔

معاً۔اسے محسوس ہوا۔کہ ماحول کا سکوت ٹوٹ گیا ہے۔پہلے تو کتوں کے بھونکنے میں ترتیب سی محسوس ہوئی۔پھر اسی شور میں گاڑیوں کی آواز واضح سنائی دی۔وہ اچھل کر بستر سے کودی اور تقریباً دوڑتی ہوئی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔

پورٹیکو کی چھت میں لٹکا نحیف نزار روشنی پھینکتا بلب وہاں کے مناظر اجاگر کرنے میں ناکام رہا تھا۔اس نے بے بسی سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔پھر کچھ سوچنے لگی۔

''اوہ''۔جیسے اسے اپنے مسئلے کا حل مل گیا۔وہ دوپٹا شانوں پر پھیلا کر دبے پاؤں کمرے سے نکل آئی اور چھت کی طرف جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

محتاط انداز میں زینے طے کر کے اس منڈیر کی طرف آئی جہاں سے پورٹیکو کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔اس نے کہنیاں منڈیر پر ٹکا دیں اور غور سے نیچے دیکھنے لگی۔

بابا صاحب اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔بڑے آبا گاڑی کے دروازے چیک کر رہے تھے یاور چچا۔چھوٹے بھیا سے بات چیت میں مصروف تھے۔

''اللہ۔ظفری بھائی اور دلہن کہاں ہیں؟'' اس کی سوچ یہاں آ کر منجمد ہو گئی۔

معاً اسے پیچھے کی جانب کچھ کھڑ پڑ محسوس ہوئی۔وہ بھاگ کر پچھلی منڈیر تک آ گئی اور منڈیر پر ہاتھ جما کر نیچے جھانکنے لگی۔

بڑی امی پچھلے پورچ میں سرخ گٹھڑی تھامے اندر کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

''ہوں۔تو دلہن کو یہاں رکھا جائے گا۔مگر کیوں۔وہ تو معذور نہیں ہے۔اچھی بھلی کھڑی ہے''۔

وہ سوچنے لگی۔بڑی امی دلہن سمیت اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اندر چلی گئیں۔اسی دم بڑے ابو بھی پچھلے پورچ میں نمودار ہوئے اور لحظہ بھر میں اندر غائب ہو گئے۔پھر بصیر چچا جواد کے ساتھ وہاں دکھائی دیئے پھر وہ بھی وہیں چلے گئے جہاں بڑی

امی دلہن کو لے کر گئی تھیں۔

وہ بڑے غور سے نیچے دیکھ رہی تھی۔ معاً اسے محسوس ہوا کہ اس کے علاوہ بھی چھت پر کوئی موجود ہے۔ یہ محسوس کرتے ہی اس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے۔

اماوس کی کالی رات میں تاروں کی چھاؤں میں بھٹکتے اسے خیال تک نہ آیا تھا کہ چہار سو کس قدر اندھیرا ہے۔ شوق نے کچھ مہلت ہی نہ دی تھی کہ اسباب و ماحول پر غور کرتی۔ ستاروں کی روشنی اس کے شوق کو کافی تھی جیسے۔

مگر اب صورتحال خاصی کٹھن تھی۔ ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا تھا۔ جنبش گراں تھی۔

''ڈریں نہیں۔ میں ہوں باری''۔

اس کے کانوں میں باری کی آواز کیا آئی' مستعدی از سر نو بیدار ہوئی۔

''یہ۔ تم کیا میری بو سونگھتے پھرتے ہو؟'' وہ تنتنائی۔

''اب ان ڈائریکٹ حیوان تو نہ کہیں۔ بابا صاحب جس وقت جیپ سے اتر رہے تھے۔ میں نے آپ کو کھڑکی میں کھڑا دیکھ لیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آپ کو کھلی چھت سے جھانکتے پایا تو یہ پوچھنے چلا آیا۔ یہ بے قراری کیوں؟ آپ بھی اس طرح کیوں نہیں سو جاتیں جیسے اس گھر کے سارے مکین سو رہے ہیں؟''

''سارے کہاں سو رہے ہیں۔ ستر فیصد تو جاگ رہے ہیں''۔ وہ ترخ کر بولی۔

''آپ کو ملا کر اکہتر بن گئے ہیں''۔

''تم آدمی ہو یا جن' رات کو بھی آرام نہیں کرتے؟'' وہ زچ ہو کر بولی۔

''پری زاد کہہ لیں' آپ سے کچھ نسبت ہو جائیگی''۔

''وہ ڈائیلاگ بولا کرو جو تمہارے منصب کے لحاظ سے سوٹ کریں''۔ وہ آگ بگولا ہو گئی۔

''آہستہ' روشی بی بی۔ آہستہ۔ میں تو آپ کی مدد کو حاضر ہوا ہوں''۔

''کیسی مدد۔ مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ جاؤ تم یہاں سے''۔ وہ رکھائی سے گویا ہوئی۔

''دلہن دیکھے بغیر تو آپ کو نیند نہیں آئیگی۔ آپ فکر نہ کریں جیسے ہی سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے جائینگے۔ میں لائن کلیر دیکھ کر آپ کو لے جاؤں گا۔ مگر گھر کے سارے راستے جو پچھلے حصے کو جاتے ہیں' بند ہیں''۔

''آپ کو کھوکھر کے کوارٹر سے لے جاؤں گا۔ اس کا کتا بھونکے تو آپ ڈریئے گا نہیں رات کو بندھا ہوتا ہے''۔

''کھوکھر جاگ رہا ہے؟'' وہ اور الجھ گئی۔

''بابا صاحب کے ذاتی خدمت گار اس وقت تک نہیں سوتے جب تک بابا صاحب نہ سو جائیں''۔

''جیسے تم''۔ روشی نے فوراً بات کاٹ دی۔

ہ ایک ثانیے کو چپ سا ہو گیا۔ پھر آہستگی سے گویا ہوا۔

''جی۔ جیسے میں''۔

''ارے نہیں۔ میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی''۔ اسے نہ جانے کیوں وضاحت کرنا پڑی۔

''باری۔ کھوکھر کہیں بابا صاحب سے نہ کہہ دے''۔ اسے خدشہ ہوا۔

''فکر ہی نہ کریں۔ یہ میرا دردِ سر ہے۔ آپ کو کچھ نہیں ہوگا''۔

''آیئے۔ آپ اپنے کمرے میں میرا انتظار کریں''۔

وہ زینے کی طرف بڑھا تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

....

اسے بیٹھے بیٹھے پے در پے جمائیاں آنا شروع ہو گئیں مگر باری کی طرف سے کوئی سگنل نہ ملا۔ یا اللہ۔ کہیں بھول تو نہیں گیا؟''۔

اس نے گردن موڑ کر گہری نیند سوئی ہوئی حنا کو دیکھا۔

''ایک یہ لوگ ہیں انہیں کوئی فکر ہی نہیں۔ دن بھر ہڑبونگ' رات ہوئی پڑ کر سو گئے۔ یہ صرف میرے ذہن میں ہی کیوں سوال جاگتے ہیں۔ ان سب کی طرح کیوں نہیں ہوں میں۔ مجھے کیا تجسس ہے؟ میں حاصل اور موجودہ پر مطمئن کیوں نہیں ہوں؟''۔

وہ انگلیاں چٹخا چٹخا کر سوچوں کے جال میں الجھی ہوئی تھی۔

''گلو آپا۔ مونا باجی۔ یہ لوگ بھی کتنی سنجیدہ ہیں مگر عجیب بے حس ہیں۔ کسی بات پر چونکتی ہی نہیں۔ کسی بات کا نوٹس ہی نہیں لیتیں''۔

''اور بابا صاحب کہتے ہیں میں بے وقوف ہوں۔ ہونہہ۔ کیا عقلمندی بے حسی کو کہتے ہیں؟''۔

''لگتا ہے۔ باری واقعی بھول گیا؟''

وہ دوبارہ کمرے سے باہر آئی۔ چین ہی نہیں آ رہا تھا۔

''اس گھر میں کیا چھپایا جاتا ہے۔ بس میں جاننا چاہتی ہوں''۔ وہ جیسے خود سے الجھی۔

''روشی!'' اسے محسوس ہوا جیسے کسی نے پکارا ہو۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ واقعی دائیں جانب باری موجود تھا۔

''آ جائیں۔ آرام سے بالکل بے آواز''۔ وہ سرگوشی میں گویا ہوا۔

''اب کیا پاؤں سر پر رکھ لوں؟ اتنی آواز تو پیدا ہو گی ہی''۔

وہ بھنائی۔ طویل انتظار نے جان جلا کر رکھ دی تھی۔

باری آگے آگے چلنے لگا اور وہ اس کے پیچھے۔

طویل راہ داری سے گزر کر انہوں نے بائیں طرف بنا ہوا چھوٹا سا گارڈن طے کیا۔ اور کھوکھر کے کوارٹر کی زنجیر آہستگی سے کھڑکائی۔

''آ جاؤ صاحب جی۔ دروازہ کھلا ہے''۔

کھوکھر کی نیند سے بوجھل آواز آئی۔ باری نے آہستگی سے پٹ دھکیلا۔ ہلکی سی چرچراہٹ کی آواز پیدا ہوئی۔ باری نے مڑ کر گویا اسے پیچھے آنے کو کہا۔ وہ کون سا اس کے اشاروں کی منتظر تھی۔ اس کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ پلک جھپکتے سارا راستہ طے ہو جائے۔

جھلنگا سے پلنگ پر کھوکھر جیسے انہی کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ بجلی بچایئے مہم پر غالباً سب سے زیادہ عمل کھوکھر کے گھر میں ہو رہا تھا۔ چالیس واٹ کا بلب سارے گھر میں روشنی پھیلانے کا فریضہ تن تنہا انجام دے رہا تھا۔

''سلام بی بی''۔

''وعلیکم السلام۔ جلدی چلو باری''۔ اس نے جلدی سے کہا۔ مبادا وہاں مکالمات شروع ہو جائیں۔

وہ گھر سے نکل کر بیڑے میں آ گئے۔ کھوکھر کے کتے نے وفاداری کے تقاضے پورے کرنا شروع کیے۔

روشی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے بے اختیار باری کا بازو سختی سے تھام لیا۔ کتے نے اب زیادہ قوت سے بھونکنا شروع کر دیا تھا۔ روشی پر لرزہ طاری ہو گیا۔

''باری!'' وہ گھگھیائی۔

باری نے اسے بائیں بازو کے گھیرے میں محفوظ کر لیا۔

''گھبرائیں نہیں۔ کچھ نہیں کہے گا''۔ وہ رسانیت سے تسلی دینے لگا۔

''مجھے کتوں کے بھونکنے سے بہت وحشت ہوتی ہے لگتا ہے جیسے بوٹی نوچ کر اب گئے کہ تب گئے''۔

''حد ہو گئی۔ آپ تو واقعی کانپ رہی ہیں؟'' وہ ہنس دیا غیر ارادی طور پر اسے خود سے قریب کر لیا۔ ایسا ہمدردانہ طرز عمل جو کسی کیلئے مخصوص نہیں ہوتا۔ بیڑے سے باہر آتے ہی روشی اپنے حواسوں میں آ گئی اور جیسے تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلی''۔

یہ کیا حرکت تھی بھلا؟'' انداز میں خفت بھی تھی اور جلال بھی۔

''یہ صرف جوابی حرکت تھی۔ وقتی کارروائی۔ مت لیں اتنی گہرائی سے''۔ وہ بے تاثر سا تھا بلکہ خاصا تلخ بھی۔

''عجیب کتا ہے۔ مالکوں کو بھی نہیں پہچانتا''۔ اس کے کچھ سمجھ میں نہ آیا تو کتے پر لعنت ملامت کرنے لگی۔

''اس کا مالک کھوکھر ہے''۔ اس نے تصحیح کی۔

''کھوکھر کو بھلا کیا پڑی ہے کتے پالنے کی۔ بڑے خزانے دفن ہیں یہاں''۔ اس نے نخوت سے ناک چڑھائی۔

باری خاموش رہا۔ اور بالآخر اسے عمارت کے پچھلے حصے میں لے کر داخل ہو گیا۔

یہ وہ حصہ تھا جو اس عمارت کے مکین کسی ایمرجنسی میں بھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ بہرحال یہ حصہ آباد ضرور تھا۔ اس کی آبادی سے متعلق عمارت میں گفتگو کرنے پر سخت ممانعت تھی اور روشی اس پابندی کے اسرار سے واقف ہونے پر بضد تھی۔ گھر کے افراد آپس میں بہت بے تکلف تھے۔ مگر پچھلے حصے کے بارے میں بات چیت کرتے ہوئے اس طرح کتراتے تھے جیسے بھاری جرمانے کا ڈر ہو۔

عجیب طرح کا شوق روشی کے وجود میں اچھل مچانے لگا فاتحانہ جذبہ تھا کوئی بڑی مہم سر کرنے کا۔ کسی میدان میں نمبر ون

ہونے کا اعزاز۔ کچھ اپنی خودسری کی احمقانہ سی خوشی۔

''آیئے''۔ وہ ایک تاریک راہداری میں بند دروازے کے سامنے رک گیا۔

''کیا ظفری بھائی بھی اندر ہیں؟'' وہ ہچکچائی۔

''نہیں۔ وہ بڑی امی کے ساتھ اس طرف گول کمرے میں ہیں''۔

''بڑی امی! کیا وہ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟''۔ وہ گھبرا گئی۔

''جی ہاں۔ ظفری کی طبیعت کچھ اچھی نہیں ہے''۔

''اب بھی نہیں۔ آج بھی نہیں؟'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ باری خاموش رہا۔

''کیا اس حصے میں بھی کوئی گول کمرا ہے؟''۔

''جی'' باری نے نہایت اختصار سے کام لیا۔

''میں اندر چلی جاؤں اگر بڑی امی آ گئیں؟''

''یہ سوچنا اب آپ کا کام ہے'' وہ جھلا گیا۔

''سارے حل بتائے ہیں' اب یہ بھی بتاؤ''

''کتنا سخت گناہ کیا ہے میں نے۔ ایک منٹ کی بات ہے' دلہن دیکھئے اور واپس آ جایئے۔ آپ نے کیا قصیدہ کہنا ہے؟'' وہ زچ ہو کر بولا۔

''دلہن ہی تو دیکھنا چاہتی تھیں آپ؟''

''ہاں ہاں۔ اچھا اب بگڑو تو مت''۔ وہ جھپاک سے اندر داخل ہو گئی۔

....

''دیکھئے پپا! اگر میرا دل وہاں نہیں لگا ناں تو میں راتوں رات واپس آ جاؤں گی۔ پہلے سے بتائے دے رہی ہوں''۔

''ارے بھئی' وہاں سے تو تمہارا دل کبھی واپسی نہیں چاہے گا۔ درجن بھر خوبصورت لڑکیوں کی تو تم آنٹی ہو''۔

''ہائے اللہ۔ اب اتنی بزرگ نہیں بن رہی میں''۔ وہ بسوری۔

''بھئی بزرگی تو تمہیں۔ تمہاری پیدائش سے پہلے مل چکی ہے۔ تمہاری تین چار بھانجیاں تو تم سے پہلے استقبال کو موجود تھیں''۔ منیب احمد نے قہقہہ لگایا۔

''اچھا جب میں جاؤں گی تو کیا وہ سب خالہ خالہ کہہ کر مجھ سے لپٹ جائیں گی؟''

''یہ تم اچھا خاصا قابل قبول جملہ کہہ کس طرح رہی ہو؟ مجھے تو یوں محسوس ہوا جیسے کہہ رہی ہو' چڑیلیں چمٹ جائیں گی۔ لاحول ولا قوۃ''۔

''نومی بھائی۔ آپ بھی چلیں ناں''۔

''اللہ کی پناہ۔ میں باز آیا اس قدر خوفناک بزرگی سے' درجن بھر حسین زنانہ آوازیں۔ وہ بھی ماموں' ماموں کی۔ توبہ

توبہ"۔اس نے پاؤں سے جرابیں کھینچ کے ماہین کے سامنے نچائیں۔

"اچھا یہ مت کریں۔ مجھے متلی ہونے لگتی ہے"۔اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"تم بھی چلے جاؤ۔ کوئی حرج نہیں۔ابھی تو پورے بیس دن ہیں تمہاری واپسی میں"۔منیب احمد نے نعمان احمد کو جوان کے اکلوتے فرزند ارجمند تھے مخاطب کیا۔

"موڈ نہیں بن پا رہا۔پھر سہی"۔اس نے شاہانہ انداز میں ماہین کو چڑایا۔

"ممکن ہے جبین اور شاہین بھی آج کل یہاں آموجود ہوں"۔

"پھر تو آپ مجھے آج ہی روانہ کر دیں۔دونوں کے بچے جب اکٹھے ہوں گے تو۔اف میری توبہ۔لگتا ہے یوگنڈا میں انہیں خیمہ میسر نہیں۔جنگل میں رہتے ہیں"۔

"بری بات بیٹا۔وہ بچے ہیں۔اور بچے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں"۔

ماہین منہ بنا کر بیٹھ گئی۔

نعمان کمرے سے باہر چلا گیا۔

"ماہی۔بیٹا ادھر آؤ میرے قریب"۔منیب احمد نے اسے محبت سے اپنے پاس بلایا۔

جی! وہ آہستگی سے اٹھ کر ان کے قریب چلی آئی۔

"دیکھو بیٹا! تمہاری بجو نازنین کا سسرال دو حصوں میں بٹا ہوا ہے"۔

"دو حصوں میں! ماہین نے حیرت سے منیب احمد کے سفید ریش سے آراستہ چہرے کی سمت دیکھا۔

"ہاں۔تمہاری بجو کے دادا سسر بہاول علی خان کو انگریز سرکار نے جنگ عظیم اول میں شاندار کارکردگی پیش کرنے پر جاگیریں عطا کی تھیں۔ابھی وہ جرمنی میں ہی تھے کہ انگریز سرکار نے بہاول علی خان اور ان کے بیٹے دلاور کے نام جاگیر عطا کرنے کا اعلان کیا تھا۔وہ انگریز کی خوشی کی انتہا تھی۔

ایک چھوٹی سی جاگیر تمہاری بجو کے سسر دلاور علی خان سنبھالتے ہیں۔اس کا نام دریابستی ہے۔دوسری ان کے دو بیٹوں کے سپرد ہے۔جو دریابستی سے ستائیس میل کے فاصلے پر ہے۔اسے یہ لوگ سرائے کہتے ہیں۔وہ بھی چھوٹے چھوٹے دو تین دیہاتوں پر مشتمل ہے۔

"مگر پپا۔بجو کی وفات کے بعد دریابستی والے مجھے کیا حیثیت دینگے؟"

"ہمارا ان سے رشتہ برقرار ہے بیٹی۔نازنین کے دو بچے وہاں موجود ہے۔ایک لڑکی روشانے' دوسرا اس سے بڑا بیٹا جواد"۔

"تو پھر؟" وہ الجھی۔

"تو پھر یہ کہ تم ان کی خالہ ہو۔حقیقی خالہ"۔

"آپ بھی تو نانا ہیں۔آپ کیوں نہیں جاتے؟"۔

"میں بھی جاؤں گا"۔

"پہلے آپ کبھی وہاں گئے ہیں؟" ماہی کے ذہن میں ایک دم سوال پیدا ہوا۔

"ہاں ناز کی شادی کے بعد دو تین مرتبہ جانا ہوا۔پھر میں یوگنڈا واپس چلا گیا۔اس وقت تم پیدا نہیں ہوئی تھیں"۔

"پھر؟"

"پھر کیا۔مدتوں وطن واپس آنا نہ ہوا۔ناز کے خط وفون پہنچتے رہتے تھے۔پھر اچانک یہ رابطے بھی ختم ہو گئے۔اور ایک روز اس کے انتقال کی خبر پہنچ گئی۔اس وضاحت کے ساتھ کہ وہ عرصے سے بیمار تھی"۔

"میری سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کیا بیماری تھی۔سترہ سال کی عمر میں اس کی شادی ہوئی تھی۔نہایت قابل رشک اٹھان اور صحت تھی۔اللہ نے حسن بہت دیا تھا۔اپنی سہیلی کی سالگرہ پر گئی تھی وہیں دلاور علی خان کی اہلیہ نے پسند کر لیا تھا۔ہم اتنی کم عمری میں اس کی شادی کے حق میں نہیں تھے۔مگر بھئی ان کے سامنے کچھ پیش نہ گئی۔تمہاری امی بھی رشتے پر بہت خوش تھیں۔وہ کہا کرتی تھیں' اس کی تو شکل مہارانیوں جیسی ہے۔اس لئے اللہ نے یہ سب کیا ہے' اس کی شادی ایسی ہی جگہ پر مناسب ہے۔ دولت' اقتدار اور رسوخ خدام۔میں نے ایسے ہی خواب دیکھے تھے اپنی بیٹی کیلئے"۔

"ان لوگوں نے فی الفور شادی مانگی۔وہ سینئر کیمبرج سے فارغ ہوئی اور ہم نے شادی کر دی"۔

"وہ خوش تھیں؟" ماہین نے کھوئے انداز میں سوال کیا۔

"تمہاری ماں کے بقول بہت خوش۔ورنہ ہمیں کیا پڑی تھی اسے بوجھ کی طرح اتار پھینکنے کی؟ کون سی عمر نکلی جا رہی تھی"۔

"اور ان کے دولہا کیسے تھے؟"

"اللہ اسے سلامت رکھے۔موجود ہے۔تم خود دیکھ لینا"۔

"اچھا۔وہ دریابستی رہتی تھیں یا سرائے"

"بیاہ کر تو وہ دریابستی گئی تھی۔بعد میں جو اس کے خط آئے تھے۔ان پر سرائے کا پتا درج ہوتا تھا۔مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے' دونوں جاگیریں انہی کی ہیں"۔

"جی!

"تم کیا سوچنے لگیں؟" منیب احمد نے عینک کے پار سے اسے گھورا۔

"کیا وہ کبھی یوگنڈا گئیں؟"

"نہیں۔لکھا کرتی تھی کہ آئیں گے۔یاور کو جاگیر کے بکھیڑوں سے فرصت نہیں ملتی۔یہ ہے وہ ہے۔ہم نے بھی زور نہیں دیا۔بھئی وہ اپنے گھر خوش تھی۔ہمیں اور چاہیے بھی کیا تھا؟"

"کیوں؟"

"جی۔مگر اتنی دولت وحشمت کے ہوتے ہوئے یوگنڈا کا چکر لگانا ان کیلئے کوئی مسئلہ نہ تھا۔بالکل ایسے ہی جیسے جیپ میں بیٹھ کر اپنی زمینوں کا چکر لگا آئیں"۔

''سوچنے کی حد تک تو یہ بہت آسان بات ہے''۔منیب احمد ہنسے۔

''آپ ان کے انتقال پر آئے تو کیا فاتحہ پڑھی تھی۔وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

''مجھے افسوس ہے۔ہوا یہ کہ جب میں وطن واپس آیا تو دلاور علی خاں خود میرے پاس آ گئے۔تعزیت کیلئے''۔

''وہ خود کیوں آ گئے۔جاگیر کا حرج نہیں ہوا؟'' وہ تنک کر گویا ہوئی۔

''اتفاق سے وہ شہر آئے ہوئے تھے۔وہ اپنے کاموں کے سلسلے میں شہر آتے ہی رہتے تھے۔یہ کوئی نئی بات نہیں تھی''۔

''چلیں خیر۔وہ آ گئے تھے۔پر آپ کو جانا تو چاہیے تھا ناں؟''

''ہماری سات پشتوں میں کوئی وکیل نہیں گزرا پھر یہ روح تم میں کہاں سے آ گئی؟''

وہ مسکرا کر بیٹی کو دیکھنے لگے۔

''دیکھئے پپا! میں تو اس جاگیردارانہ نظام کے ہی سخت خلاف ہوں۔یہاں انسانیت نہیں ملتی۔آپ نے سب سے بڑی اور پہلی غلطی یہ کی کہ بیٹی جاگیردار سے بیاہی۔دوسری یہ کہ پلٹ کر خبر نہیں لی۔تیسری یہ کہ بیٹی کو ملوانے کیلئے ان پر دباؤ نہیں ڈالا۔چوتھی یہ کہ ان کی فاتحہ ان کی قبر پر پڑھنے نہیں گئے۔

''آپ ہم سب سے اتنا پیار کرتے ہیں تو کیا بجو سے آپ کو محبت نہیں تھی؟''

وہ قدرے خفگی سے گویا ہوئی۔

''وہ لوگ اور طرح کے جاگیردار ہیں۔وہ نہیں جو تم فلموں' کہانیوں میں دیکھتی یا پڑھتی ہو۔میری لائبریری میں سرخ لیدر کی فائل موجود ہے۔اس میں ناز کے سارے خطوط موجود ہیں۔پڑھ لو۔وہ تو ان میں اس طرح مدغم ہو گئی تھی کہ انہی کا حصہ بن گئی تھی۔ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھا ہوا تھا۔دلاور علی خان اور ان کی اہلیہ نے۔ایک مرتبہ جب ہم وطن آئے تو وہ ہمارے پاس دو تین دن رہنے کیلئے آئی۔یقین کرو چند گھنٹوں میں پریشان ہو گئی۔فوراً فون کر کے اپنی ذاتی ملازمہ کو بلوایا۔حالانکہ جواد کی آیا ساتھ تھی جو اس کے بھی سارے کام کرتی تھی۔اس کے بال بہت حسین تھے۔بہت لانبے۔جنہیں اس کی ملازمہ دھوتی تھی اور وہی سنوارتی تھی۔اس قدر نازک مزاج ہو گئی تھی کہ اسے معمولی سی زحمت دینے کے خیال سے گھبراہٹ ہوتی تھی۔ دوسرے دن اس نے سامان سمیٹ لیا تھا کہ سڑک پر دوڑتی ٹریفک کی وجہ سے اسے نیند نہیں آتی۔اس کا نروس سسٹم متاثر ہو رہا ہے۔امید ہے اب تمہاری سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ ہم اسے بلانے پر اصرار کیوں نہیں کرتے تھے''۔

منیب احمد پائپ میں تمبا کو بھرنے لگے۔

''میں کیونکہ اس کے انتقال کی خبر پر جلدی میں آیا تھا۔اس لئے دلاور علی خان صاحب سے ملاقات پر دریا بستی جانے کا خیال موقوف کر دیا۔پھر وہاں تمہاری امی اسپتال میں داخل تھیں۔یہ وجہ تھی اور کوئی بات نہیں۔وہ ہماری اولاد تھی اور اولاد سے کسے محبت نہیں ہوتی؟''

''بہر حال۔آپ کو ان کی شادی اتنے بڑے لوگوں میں نہیں کرنی چاہیے تھی۔بتائیے رشتہ دار ایسے ہوتے ہیں؟ جو ایک دوسرے سے واقف تک نہ ہوں۔ہونہہ اب میں جا کر وہاں تعارف اس طرح کراؤں گی''۔

مجھ سے ملئے۔مجھے ماہین احمد کہتے ہیں۔میں آپ کی بہو نازنین یا دلاور علی خان کی حقیقی بہن ہوں۔گڑے مردے اکھاڑنے آئی ہوں یعنی پرانی یادیں تازہ کرنے۔کس قدر مضحکہ خیز تعارف ہے۔لاحول ولاقوۃ''۔

''ہو۔ہو ہو''۔منیب احمد بے ساختہ ہنسنے لگے۔

''پر۔میں وہاں کروں گی کیا؟ اسے نئی فکر نے ستایا''۔

''بجو کی جاگیر کا دورہ کرنا' پھل توڑ توڑ کر کھانا' بجو کے بچوں کو کہانیاں سنانا''۔

نعمان نے کمرے میں داخل ہو کر مداخلت کی۔

''بجو کے بچے تو خود کہانیاں سنانے والے ہو چکے ہوں گے۔جواد مجھ سے ڈیڑھ برس بڑے ہیں۔اور روشی تو تقریباً میری ہم عمر ہو گی۔کیوں پپا؟''

''ہاں۔ہاں۔بالکل''۔

پتا نہیں وہاں کا ماحول کیسا ہو گا۔میرے پاس تو سارے کپڑے جدید فیشن کے ہیں''۔

''تم کون سا وہاں مستقل رہنے جا رہی ہو۔تم کھانے پہننے میں ان کی پابند نہیں ہو''۔نعمان نے اسے تردد سے آزاد کیا۔

''ہاں۔ہاں۔بیٹے یہ کوئی مسئلہ نہیں''۔منیب احمد نے بھی تسلی دی۔

''پپا۔بچے تو بڑے ہیں۔جانے کس طرح بی ہیو کریں''۔

''بھئی تم ان کی خالہ ہو۔رشتہ بڑا ہے۔وہ تمہارا احترام کریں گے۔مجھے یقین ہے۔تمہارا وہاں بہت دل لگے گا۔ نازنین کی طرح''۔

''خدا نہ کرے میرا دل اس طرح لگے کہ ماں باپ کی فاتحہ تک نصیب نہ ہو''۔وہ جل کر بولی۔

''یہی تو دیکھنے جا رہی ہوں کہ نازنین بجو پر وہاں کیا گزری''۔

''تمہاری واپسی پر میں ایک ناول لکھوں گا۔میڈم ان دریا بستی''۔نعمان نے سر پر [illegible] چپاتے ہوئے شرارت سے کہا۔

''ہاں اگر خیریت سے واپس آ گئی''۔وہ نہ جانے کیوں اتنا جھلا رہی تھی۔

''زبردستی نہیں ہے بیٹا۔نہیں موڈ تو نہ جاؤ۔میں تو تمہارا شوق دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا''۔منیب احمد نے جیسے اس کا وزن ہلکا کرنے کی کوشش کی۔

''جاؤں گی تو خیر ضرور۔چاہے کچھ بھی ہو''۔وہ بڑے مستحکم انداز میں اٹھ گئی ہوئی۔

''بیٹے۔کچھ تحائف ضرور ساتھ لے کر جانا''۔

''تحائف''۔وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی''۔سنا نعمان بھائی؟''

''پھر تو ریوڑیاں ہی مناسب رہیں گی۔دریا بستی کی آدھی بستی تو اس عمارت میں ہے''۔ہاہا۔ہا۔نعمان کا قہقہہ بے حد بھرپور تھا۔

منیب احمد بھی مسکرا دیئے۔

''اچھا بیٹی اب تم تیاری کرو۔ میں دریا بستی اطلاع کرا چکا ہوں۔ وہاں سب تمہارے منتظر ہیں۔

''آپ کیوں نہیں چل رہے پپا؟''

''میں بھی دو چار روز میں آ جاؤں گا۔ پھر تمہیں ساتھ لے کر ہی واپسی ہوگی۔ ابھی ذرا یہاں کام ہے''۔

''بہت اچھا۔ میں تھوڑی دیر سو جاؤں پھر پیکنگ کروں گی۔ ٹھیک ہے ناں پپا؟''

''ہوں ٹھیک ہے۔ دس پندرہ ریسٹ واچز تو تمہاری امی کے لاکر میں ہیں رکھ لینا۔ باقی کچھ چیزیں میں کل شام سے پہلے تمہیں بھجوا دوں گا۔ میرا خیال ہے تمہارے پاس تو اب شاپنگ کا ٹائم نہیں''۔

''جی پپا۔ یہ تو ہے''۔

وہ آئندہ کی تیاری کے خیال سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس وقت عصر کی اذانیں ہو رہی تھیں اور اس کے ذہن کے افق پر دریا بستی طلوع تھی۔

....

وہ دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی تھی

پیچھے ہاتھ کر کے اس نے دروازہ آہستگی سے بند کر دیا تھا اور وہیں کھڑی ہو کر کمرے میں نظر دوڑانے لگی۔

سادہ سے فرنیچر سے آراستہ کمرا کسی طور دلہن کا کمرا نہیں لگ رہا تھا۔

اس قسم کی بے توجہی بابا صاحب سے تو ممکن ہے مگر بڑی امی۔ وہ تو جانتی ہیں کہ ظفری بھائی کس قدر حساس ہیں۔

سامنے سنہری بنارسی سوٹ میں طویل گھونگھٹ نکالے دلہن جیسے سانس روکے منتظر تھی۔ وہ آگے بڑھی اور ہولے سے کھنکاری تاکہ دلہن مونث، مذکر کی پہچان کر کے پرسکون ہو جائے۔ اس نے قدرے جھک کر گھونگھٹ الٹ دیا۔

گویا بجلی کا شاک لگا تھا۔ وہ منہ کھولے حیران دیکھتی رہ گئی تھی۔

اس قدر...... ہوشربا حسن آج سے پہلے اس حویلی میں نہیں تھا۔ میک اپ سے بے نیاز چہرہ۔ ہلکا پھلکا میک اپ اور صرف پھول...... اتنے سے سنگھار پر وہ ہوش اڑا رہی تھی۔

وہ دم بخود کھڑی تھی۔

حسن جو دیکھنے والے کیلئے بجائے خود ایک الوہی خوشی ہے۔ ایک آسان ساتحفہ ہے جو دیدار سے فیضیاب ہونے والے کو دنیا سے بیگانہ کر دینے والی عطا ہے۔

اس نوخیز و کم آگاہ لڑکی پر کیونکر بجلیاں نہ گرتیں۔

''آداب!'' اس نے کسی خواب سے جاگ کر اسے متوجہ کیا۔

پلکیں دھیرے دھیرے لرز رہی تھیں۔ بدقت تمام اوپر اٹھیں۔

نیلا جھاگ سا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

وہ جیسے نشے میں ڈوب کر بستر پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

''آپ واقعی جھومر ہیں، جس میں نورتن جڑے ہیں''۔

وہ لوٹ پوٹ ہوئی جا رہی تھی اور والہانہ انداز میں اس کے ہاتھ تھام لئے۔

دلہن نے دوبارہ نظریں جھکا لیں۔

اس نے دلہن کے سراپے پر نظر ڈالی۔ ایک میکدہ جیسے اپنے اندر حشر سمیٹے ہوئے تھا۔ وہ کچھ بولنے کو وقت کا زیاں سمجھ رہی تھی، بس اسے دیکھتے رہنا چاہتی تھی۔

''آپ ہماری بڑی آفت سی بھابی ہیں' مجھے آپ کے دیدار کے شوق نے اس قدر حواس باختہ کر دیا تھا کہ رونمائی کی طرف دھیان ہی نہیں گیا' بہرحال......؟''

اس نے سونے کا چھلا اپنی انگلی سے تقریباً کھسوٹا اور اس کا ہاتھ تھام کر ایک انگلی میں ڈال دیا۔

''آپ کوئی بات نہیں کریں گی؟ حالانکہ اب تو ساری زندگی آپ نے ہی باتیں کرنا ہیں۔ کیونکہ ظفری بھائی......؟''

ٹک...... ٹک...... ٹک...... دروازے پر دستک ہوئی۔ جملہ ادھورا رہ گیا اور وہ جیسے یک دم ہوش میں آ گئی۔

''اف کون آ گیا؟ ظفری بھائی تو دستک دے کر آنے سے رہے' وہ بےچارے''۔

وہ کانپتے قدموں سے دروازے کی سمت آئی تھی۔ دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔

اس نے گویا خوف کی تلوار پر پاؤں رکھ کر دروازہ کھولا۔

''اوہ''۔ دیر سے رکی سانس بالآخر خارج ہوئی۔

''تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا باری۔ حد ہو گئی۔ وہ خوف سے رہائی کے بعد کی خوشی سے دوچار تھی۔

''مزید تفصیل بعد میں''۔ وہ عجلت میں بولا''۔ فوراً سے پیشتر یہاں سے روانہ ہوں' بابا صاحب دلہن کے پاس آ رہے ہیں''۔

''ہیں!'' وہ سرپٹ دوڑی تھی' دروازہ بھی بند نہیں کیا تھا۔

ایک منٹ میں باری نے اسے جا لیا اور ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو تقریباً کھینچا۔

وہ کھوکھر کے دروازے سے ابھی کافی دور تھے۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' وہ برہمی سے کہہ رہی تھی۔ کس بری طرح اس کا بازو دبوچا تھا۔

''یہ جو آپ دوڑیں لگا رہی ہیں اس میں کوئی شک نہیں' آپ دوڑ کے مقابلے میں وکٹری پوائنٹ پر ضرور پہنچتی ہوں گی' آپ ضرور شوق فرمائیں۔ بس ذرا اپنے یہ پیپر ہاتھ میں لے لیں۔ پورا گاؤں سارے کھلیان گونج اٹھے ہیں۔ ان کی ٹھک ٹھک سے''۔

وہ بھی چڑ کر بولا تھا۔

''جبکہ ابھی آپ نے کھوکھر کے کتے سے دادرا بھی سننا ہے''۔

روشی اپنے بازو کو سہلا رہی تھی۔

''بالکل ہی اجڈ ہو؟ اتنی زور سے پکڑنے کی کیا تک تھی۔ اتنا درد ہو رہا ہے''۔ اس کی آنکھوں میں پانی تیر گیا۔

''آئی ایم سوری روشی! یہ تو بڑا ایمرجنسی اقدام تھا۔ اس عمارت میں چاروں طرف کھڑکیاں ہیں' آپ کو تو شاید یہاں کے مکینوں سے رعایت مل جائے' مگر آپ کو میرے پاؤں میں پڑی زنجیروں کی آواز نہیں آتی؟''

اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

''سوری! مجھے واقعی خیال نہیں آ رہا تھا۔ اس نے رخسار تک آ جانے والا اکلوتا آنسو اپنی انگلیوں سے صاف کیا۔

''ارے آپ تو رو پڑیں''۔ وہ از سر نو احساس جرم میں مبتلا ہوا۔

دونوں آگے پیچھے کھوکھر کے کوارٹر میں داخل ہوئے' وہ ابھی تک منتظر بیٹھا تھا۔

انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہمیں زیادہ دیر تو نہیں ہوئی؟'' باری' کھوکھر سے مخاطب تھا''۔

''نہیں سرکار''۔

''تمہارا کتا نہیں بھونک رہا اب''۔ روشی نے حیرانی سے چاروں طرف دیکھا۔

''وہ جو آپ بہت ڈر رہی تھیں ناں' تو میں اسے استھان پر باندھ آیا''۔

''اچھا...... اچھا......!'' وہ جلدی سے اس کے کوارٹر سے باہر آ گئی۔

''باری! تم کھوکھر کو احتیاطاً تاکید ضرور کر دینا۔ بابا صاحب کو ویسے ہی مجھ سے شکایت رہتی ہے''۔ اس نے پلٹ کر باری کو یاد دہانی کرائی۔

وہ خاموش رہا۔

''جواب کیوں نہیں دے رہے؟'' وہ جھلائی۔

''آپ نے حکم دیا' میں نے سن لیا''۔

''رات بہت ہو گئی ہے' ورنہ پوچھتی تمہیں''۔

''دن میں تو آپ اتنا بھی نہیں پوچھ سکتیں' جتنا اب پوچھ لیا ہے''۔ وہ مسکرایا۔

''ہمت ہے''۔

''نان سینس...... اچھا شب بخیر''۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

....

''بالو!''

''ہاں اماں!''

''دیکھ تیرے باپ کو بھنا ہوا قیمہ بہت پسند ہے' اچھی طرح بھون لیجیو''۔

''کیا ہے اماں''۔

''لے...... دین محمد کو جا کر یہ بانوے روپے چار آنے دے اور اسے کہہ دیجیو' بار بار تقاضے نہ بھیجا کر' بھاگ نہیں جائیں گے تیرے ذرا سے روپے لیکر۔ اور دیکھ اپنی آپا سے پوچھ لے' کچھ منگوانا تو نہیں ہے' پھر تو چڑ چڑ کرے گا کہ بار بار چکر لگواتی ہو''۔

''اے بالو! پراٹھوں میں گھی ٹھیک سے بھرا کر...... سوکھ کر پاپڑ بنے ہوئے تھے۔ اے میں کہہ رہی ہوں' سن رہی ہے؟''

وہ اس حصے کی طرف منہ کر کے چلائی' جہاں بالو کی موجودگی کا احتمال تھا۔

''سن رہی ہوں اماں' بولو''۔ بالو کی آواز کسی کونے سے برآمد ہوئی۔

''دیکھ! پچاس روپے ہفتہ سنبھال کر رکھا کر' شیخانی ایک پرانی مشین بیچنے کو کہہ رہی تھیں' دو تین سودے کر لے لیں گے' باقی بعد میں دیتے رہیں گے۔ گھر میں سلائی کا کام آئیگا تو دال آٹا موجود رہے گا کیوں؟''

''ٹھیک ہے اماں!'' اس نے مصروف انداز میں تائید کی۔

''اللہ کرے' تیرے باپ کا بھی روزگار لگا رہے' سال بھر میں تیری شادی بھی کر دیں گے''۔

بالو اس جملے کے جواب میں اقرار و انکار دونوں سے معذور تھی۔ لہٰذا چپ رہی۔ مگر روشنی کے جھماکے چہار اور ضرور محسوس ہوئے۔

غریب لڑکی کی بے مقصد زندگی میں ایک یہی تو روزن ہوتا ہے' جس میں جھانک جھانک کر آنے والی اس عظیم خوشی کا راستہ دیکھتی رہتی ہے۔

سونے کے چند زیورات' گوٹا لگے چند شوخ جوڑے' ایک ساتھ ایک دم کئی نئے جوڑے۔

اور آنے والے اجنبی ساتھی کی رومان بھری باتیں۔

اس کی انتہائی قربت کے وہ پرفسوں لمحات...... جہاں ذات تکمیل کے لمحے سے گزر کر بے نیاز و بے فکر ہو جاتی ہے۔

زندگی جو جھجک کر' ٹھٹک کر گزر رہی ہوتی ہے' ایک دم سے رواں ہو جاتی ہے۔ محبت بھری قربتوں کے ان سنہرے لمحوں کا تصور غربت کی آزمائشوں کو بہت بے وزن کر دیتا ہے۔ کڑے کوس طے کرنے کی لگن بیدار ہو کر زندگی کو قدرے آسان بنا دیتی ہے۔

ماں کے اگلے سنہرے پروگرام نے جیسے اس کے ذہن پر پڑا جالا کاٹ دیا تھا۔ اسے نئے نئے کام یاد آنے لگے۔

روزانہ کی صفائی میں رہ جانے والے سقم دکھائی دینے لگے۔ کچے صحن میں پھول پودے لگانے کا خیال از سر نو یاد آیا۔

صندوق میں پڑے چند ان سلے کپڑے بھی دھیان میں آئے۔ جن پر سلائی کڑھائی کا پروگرام بھی ساتھ ہی بننے لگا۔

وہ بڑی ترنگ کے ساتھ روزانہ کے معمول میں مصروف ہو گئی۔

اس کا رشتہ کہاں ہو سکتا ہے؟

''بڑی پھپھو کے جمیل کے ساتھ؟''

نہیں' وہ تو خود بے چارے بڑے غریب ہیں۔ کیا وہاں جا کر بھی سلائیاں کروں گی۔ گھر بدلنے سے کیا ہوتا ہے' حالات

بھی بدلنا چاہیں۔

چچا انور کے رشید کے ساتھ؟

نہیں اس کا تو غصہ بہت تیز ہے' وہ محبت بھلا کیا کریگا؟ ہر وقت تو انگارے چباتا ہے۔

''ہائے کیا پتا...... زاہدہ (سہیلی) کا بھائی رشتہ بھیج دے۔ کیسے دیکھتا ہے' گھنٹوں میرا دل کانپتا ہے''۔

نہیں۔ وہ جو کرکٹ کھیلتا ہے' ہمارے ہاں سے جگ بھروا کر لے جاتا ہے جمعے کے جمعے۔ اس نے اس روز مجھے کس طرح دیکھا تھا؟ میں دھک سے رہ گئی تھی۔ شاید وہ اپنی ماں کو ہمارے ہاں بھیج دے۔

شاید...... حمیدہ بھابی اپنے دیور کا رشتہ لے آئیں۔ مجھے کتنا چاہتی ہیں اور ان کا دیور بھی تو اس شب برات پر حلوہ لایا تھا اور کتنی دیر تک ابا سے باتیں کرتا رہا تھا۔

''بالو کی ماں...... جلدی سے ایک گلاس ٹھنڈا پانی لے آ''۔

چھناک! ایک خیالی سوئمبر رچانے ہی والی تھی...... کٹ...... ورمالا ٹوٹ گئی۔

باپ کی تھکی اور لرزتی آواز پر وہ ننگے پاؤں دوڑی تھی۔ اس کی ماں اس سے پہلے پانی کا گلاس لیکر پہنچ چکی تھی۔

''ارے کیوں کرتے ہوں اتنی محنت۔ چہرہ ایک دم پیلا ہو رہا ہے۔ چھوڑو یہ دو دو نوکریاں' شیخانی سے مشین لے آؤں گی کچھ پیسے جمع کر کے۔ پھر تم بس ایک ہی کام پکڑنا''۔

''ابا! طبیعت تو ٹھیک ہے' باپ کی بے وقت آمد نے اسے ہولا کر رکھ دیا' سارے سپنوں کی ڈور اس کے باپ سے تو بندھی تھی۔

''ہاں ٹھیک ہوں' آج دھوپ بھی تو بہت تیز ہے' چکر آ گیا تھا''۔ وہ ہانپتے ہوئے وجہ بیان کر رہا تھا

''چکر آ گیا تھا۔ پہلے تو ابا کو کبھی چکر نہیں آیا''۔ اسے بے حد تشویش ہوئی۔

''ہاں' مگر اب نوکریاں بھی تو دو دو کرتے ہیں''۔ اس نے عقیدت سے باپ کا ہاتھ تھام کر سہلایا۔

''ابا! سیون اپ منگواؤں؟''

''نہیں نہیں! پانچ روپے کی ذرا سی بوتل آتی ہے' پانچ روپے بڑی مشکل سے پیدا ہوتے ہیں۔ پانچ روپے کی ایک ڈکار' اتنی ہستی نہیں میری۔ بشیر کو بھیج کر گولے گنڈے والے سے ایک روپے کا شربت منگا لے۔ بس!''

وہ فکرمندی سے باپ کے زرد چہرے کو دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں خوامخواہ پندرہ روپے کا پراندہ لے آئی۔ تین بوتلیں آجاتیں ابا کیلئے۔ اس نے اپنی فضول خرچی پر خود کو لعنت ملامت کی۔

باورچی خانے سے تانبے کا گلاس لیا اور دروازے کی سمت آ گئی۔

اس نے پردے کی اوٹ سے گلی میں جھانکا۔

بشیر سامنے ہی کھڑا تھا۔

''کیا ہے آپا؟''

''ابا کیلئے ایک گلاس ٹھنڈا شربت لے آؤ''۔

''آج ابا شربت پئیں گے؟ (وہ تو آٹھ آنے کی برف منگاتے سوچتے ہیں)

''ہاں' ان کی طبیعت ٹھیک نہیں''۔

اس نے پلٹ کر پلنگ پر پڑے باپ کو دیکھا' جو چند دنوں میں ہی بہت بوڑھا لگنے لگا تھا۔

....

پشاور ایئر پورٹ کے لاؤنج سے باہر آ کر وہ حیران پریشان کھڑی تھی۔ بقول منیب احمد کے وہ اس کی انلارجڈ تصویر دریا بستی بھیج چکے تھے۔ اگر وہ تصویر سے نہ بھی پہچانی جاتی تو پلے کارڈ اس کی مدد کیلئے موجود ہوگا۔

منیب احمد نے یہ بھی کہا تھا کہ توقع تو یہی ہے کہ یاور اسے ریسو کرنے خود آئینگے۔ انہوں نے بچپن میں اسے دیکھا ہوا ہے۔ تصویر بھجوانے کی وجہ سے بھی وہ اسے فوراً ہی پہچان جائینگے۔ دوسری بات نازنین سے بے حد مشابہت کی وجہ سے بھی کوئی مسئلہ نہ ہوگا۔

دلاور علی خان کی جاگیر اگرچہ پنجاب کے علاقے میں گنی جاتی تھی۔ مگر لاہور ایئر پورٹ سے اس کا فاصلہ زیادہ تھا۔ بہ نسبت پشاور ایئر پورٹ کے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ صوبہ سرحد کے اس حصے میں تھی جو پنجاب کا آخری اور سرحد کا ابتدائی تھا۔

منیب احمد نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ ایئر پورٹ سے جاگیر تک کا سات گھنٹے سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔ ابھی اتنا طویل فاصلہ طے کرنا تھا اور اس سے پہلے کی پریشانی یہ تھی کہ اسے لینے کوئی آیا بھی ہے یا نہیں؟''

وہ ریلنگ تھام کر ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگی۔

گھڑی کی سوئیاں اس کا فشار خون بڑھا رہی تھیں' اگر کوئی نہ آیا تو آسیہ پھپھو کے ہاں صدر چلی جاؤں گی۔ یہاں سے صدر کا فاصلہ بھی زیادہ نہیں۔ اس نے متبادل حل سوچ کر جیسے خود ہی اپنی ڈھارس بندھائی۔

سہ پہر کے پانچ بجنے والے تھے۔ اس نے جیسے مایوس ہو کر ٹرالی سے بھاری بھرکم سوٹ کیس کھینچا۔

''پتا نہیں مجھے کیا جلدی ہوئی تھی۔ پاپا کے ساتھ ہی آجاتی تو ٹھیک تھا''۔ اس نے اپنے غلط اقدام پر خود ہی تنقیدی حملہ کیا۔

''السلام علیکم!''

اس سے پہلے کہ وہ چونک کر صورتحال سمجھتی' سلام کرنے والے نے اس کا سوٹ کیس اٹھا لیا۔

''دیکھیں جی...... وہ...... یہ کہ......؟'' وہ اس قدر پراعتماد عمل کے سامنے گڑبڑا کر رہ گئی۔

''یاور علی خان۔ آپ ماہین ہیں۔ کم آن پلیز......؟'' وہ اس کا بھاری سوٹ کیس اٹھا کر سامنے گاڑی کی قطار کی سمت بڑھے تو اسے بھی ان کے پیچھے تقریباً بھاگنا پڑا۔

''یا اللہ' یہ ان لوگوں کا انداز ملاقات ہے۔ استغفر اللہ''۔ وہ اپنے دوڑنے بھاگنے پر جھلا کر رہ گئی تھی۔ سیاہ رنگ کی

پٹھوہار جیپ کے پچھلے دروازے کو کھول کر انہوں نے سوٹ کیس رکھ کر پلٹ کر پیچھے دیکھا۔

"تو یہ انسان ہے یا جیٹ طیارہ۔ ایسے دھیمے سروں جیسی بجو کو تو یقیناً انہوں نے دوڑا بھگا کر مارا ہے"۔

وہ ان کے نزدیک پہنچ کر سانس درست کرنے لگی۔

انہوں نے جیپ کا اگلا دروازہ کھول کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ سیٹ پر بیٹھ کر ان کا چہرہ غور سے دیکھنے کی نیت سے بائیں طرف دیکھنے لگی اور وہ کھٹاک سے دروازہ بند کر کے دائیں طرف بھی آ گئے۔ اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ تب اس نے بھی گویا طمانیت کا سانس بھرا اور دائیں طرف چہرہ موڑ کر ان کے رخ انور پر تفصیلی نگاہ دوڑائی۔ البم میں لگی تصویروں سے بے حد مختلف دکھائی دے رہے تھے۔ جب ہی تو وہ فوراً پہچان نہیں پائی۔ تصویریں بھی جانے کون سے زمانے کی لگی ہوئی تھیں البم میں۔

چھ فٹ سے اونچا قد و قامت، جاگیرداروں کی نمایاں نشانی گھنی مونچھیں۔ مگر وہ تلوار مارکہ طرز کی نہیں تھیں۔ آنکھوں پر انتہائی تاریک گلاسز...... کنپٹیوں پر سفیدی، بالوں کی تراش فوجی انداز کی، سیاہ پینٹ، سفید بے داغ قمیض، سفید و سیاہ ڈاٹس کی خوبصورت ٹائی، جس میں لگی ٹائی پن کے نگینے نیم تاریک ماحول میں جگنوؤں کی طرح دمک رہے تھے۔

"اچھی پرسنالٹی ہے"۔ اس نے فوراً نمبر دے دیئے۔

"اگر یہ روایتی بے تکلف اور ملنے ملانے والے دولہا بھائی ہوتے تو بڑی شان بڑھاتے، ہمارے خاندان کی مگر اب کیا، جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا"۔

اس نے شانے اچکائے۔

"کیا کچھ بولیں گے نہیں؟" وہ حیرت سے سوچنے لگی۔

"آپ غالباً بہت جلدی میں ہیں"۔ بالآخر وہ خود ہی بولی۔

وہ گاڑیوں کے ہجوم سے بڑی احتیاط سے جیپ نکال رہے تھے، کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خجل سی ہو کر رہ گئی۔

چند منٹوں کے بعد جیپ ایک شفاف کشادہ سڑک پر دوڑنے لگی۔

"آئی سے اگین موسٹ ویلکم ٹو یو۔ جلدی میں نہیں ہوں۔ سفر بہت لمبا ہے راستے میں رات ہو جائیگی"۔ ان کی بھاری و پختہ آواز جو کچھ زیادہ ہی دھیمی تھی، بڑی تفصیل سے محدود فضا میں مرتعش ہوئی۔

"آپ اکیلے...... میرا مطلب ہے بچے نہیں آئے؟" اس نے قدرے احتیاط سے گفتگو شروع کی۔

یاور علی خان نے قدرے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

بہت ہی بزرگانہ انداز میں اس نے بچوں کی بابت دریافت کیا تھا۔

"شاید انہیں پتا نہیں چل سکا، میں زمینوں سے واپس آیا تو پتا چلا، آپ تشریف لا رہی ہیں، مجھے اس لئے لازمی آنا پڑا کہ میرے علاوہ شاید کوئی دوسرا آپ کو آسانی سے نہ پہچان پاتا"۔

"پاپا نے تصویر بھی تو بھجوائی تھی"۔ اب ذرا اس کے اوسان بحال ہوئے۔

"ضرورت ہی نہیں تھی کسی تصویر کی۔ سب زبانی یاد ہے"۔ وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئے۔

"جی!" وہ تعجب سے ان کی سمت دیکھنے لگی۔

"کچھ نہیں"

"اگر آپ کو تھکن محسوس ہو تو آپ پچھلی سیٹ پر جا کر آرام کر سکتی ہیں"۔ ان کی پر اثر گہری آواز میں اس بار خاصی ملائمت تھی۔

تیس چالیس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد انہوں نے سڑک کے کنارے جیپ روک دی اور سگریٹ لگانے لگے۔ "میں آپ سے اخلاقاً بھی اس کی اجازت نہیں لے سکتا کیونکہ یہ میری مجبوری ہے...... ڈرائیونگ طویل ہے"۔

"کوئی بات نہیں"۔ اس نے رواداری سے کہا۔

"مجھے دیکھ کر آپ کو بجو تو بہت یاد آئی ہوں گی"۔ اس نے وجہ تعلق کا تذکرہ کر کے گویا اپنی اہمیت کا احساس لاشعوری طور پر دلایا۔

وہ حیرت انگیز طور پر قطعی خاموش رہے۔ وہ تو سوچ رہی تھی کہ اپنی چہیتی مگر مرحومہ بیوی کے تذکرے پر وہ ایک دم خوش ہو جائینگے اور جانے نازنین کی کیا کیا باتیں شروع کر دیں گے۔

"اس سے پہلے آپ کبھی پشاور آئی ہیں؟" انہوں نے اس کی سوچ سے بہت ہی مختلف گفتگو شروع کی۔

"جی نہیں"۔ اس نے جھلا کر جواب دیا۔

سگریٹ کے دو چار کش لگا کر انہوں نے ڈرائیونگ پھر شروع کر دی۔

اب شام کا جھٹپٹا تھا۔ یاور علی خان نے گلاسز اتار کر جیب میں اٹکا لئے۔ ماہین نے نہایت پرشوق انداز میں ان کی سمت دیکھا تھا۔

خوابیدہ، بھاری سیاہ اور سوچتی ہوئی گہری آنکھیں، عادی "پینے" والوں جیسی۔

ماہین کو عجیب سا خوف محسوس ہوا۔

"میں اسی لئے ڈارک گلاسز استعمال کرتا ہوں۔ دھوپ میری آنکھوں کو کچھ نہیں کہتی مگر یہ آنکھیں...... دوسروں کو پریشان کر دیتی ہیں۔ دراصل برسوں سے اصلی اور سچی نیند نہیں سویا۔ نیند کے قرض سے سرخ سی ہیں اور کوئی بات نہیں، آپ پریشان نہ ہوں"۔

(واقعی کس قدر محبت کرتے ہیں یہ بجو سے۔ ان کی جدائی سے نیندیں ہی پریشان ہو گئیں)

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا"۔ وہ ٹپٹا کر رہ گئی اور بوکھلا کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

یاور علی خان نے اندرونی لائٹ آن کر دی۔ گھنی مونچھوں تلے ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ یوں نمودار ہو کر غائب ہوئی تھی جیسے بادلوں کی اوٹ سے لمحہ بھر کو چاند جھلکتا ہے۔

ماہین دور تک نظر آنے والی سڑک پر نظر دوڑا کر فاصلے کی طوالت محسوس کر کے منزل تک پہنچنے کے بعد کی تھکن کو ابھی سے

محسوس کر رہی تھی۔

......

''باری!''

''جی بابا صاحب!''

''وہ ہمارے برابر والا کمرا مہمان کیلئے صاف ہو گیا؟''

''جی بابا صاحب! دیکھ کر آیا ہوں''۔اس نے مودبانہ کہا۔

''ہوں''۔انہوں نے گہری سوچ کے درمیان ''ہوں'' کہہ کر گویا اپنے متوجہ ہونے کا اظہار کیا۔

''دیکھو! اس کا پچھلا دروازہ باہر سے بند کرا دو اور اس میں تالا ڈال دو''۔

''جی بہتر''۔

''دھیان رہے سوائے بڑی دلہن کے مہمان کے پاس زیادہ دیر کوئی نہ رہے''۔

''جی''۔

''خاص طور پر روشانے''۔

''جی''۔

''یہ مہمان کہاں سے آ رہی ہیں بابا صاحب؟''اس نے عام سے انداز میں سوال کیا۔

''کراچی سے...... ماہین نام ہے۔روشانے کی سگی خالہ ہیں''۔

''اوہ! ناز چچی کی سگی بہن''۔

''ہاں''۔

''گھر میں اور کسی کو خبر نہیں''۔اس نے گویا کوئی لائحہ عمل ترتیب دینا شروع کیا۔

''تمہاری بڑی امی اور بڑے ابا کو اطلاع ہے''۔

''انہوں نے آہستگی سے جواب دیا''۔

بابا صاحب نے جتنی ڈھیل اور رعایت باری کو دے رکھی تھی' وہ گھر میں اور کسی کو حاصل نہیں تھی' جس پر سارے گھر والوں کو بہت تعجب تھا۔اسے ان کے معتمد خاص کی حیثیت حاصل تھی۔

''دیکھو جیسے ہی یاور' مہمان کو لیکر گھر میں داخل ہوں' سیدھے میرے پاس لے کر چلے آنا۔مامالی کو تاکید کر دینا' مہمان سے پہلے وہ نہیں سوئے گی۔نہ جانے وہ کس وقت آئیں۔کھانا دانا بھی تو پوچھنا ہوگا۔

کیوں......؟''

''جی۔!''

''اور اسے کہنا سونے سے پہلے مہمان کیلئے دودھ ضرور لے جائے' خواہ وہ پیے یا نہ پیے۔ضروری اشیا اس تک پہنچ جانی

چاہئیں چاہے وہ استعمال کرے یا نہ کرے' سمجھ گئے؟''

''بہت اچھی طرح''۔اس نے بابا صاحب کو مطمئن کیا۔

''اب تم جا سکتے ہو''۔

وہ الٹے قدموں باہر نکل آیا اور سیدھا برابر والے کمرے میں چلا گیا۔

''خان! اس کمرے میں نائٹ بلب نہیں''۔کمرے میں پہنچتے ہی مامالی نے اطلاع دی۔

''کوئی بات نہیں' انہیں اندھیرے میں رکھیں گے''۔اس نے ذومعنی جملہ پھینکا۔

''جی!''مامالی نے آنکھیں پھاڑیں۔

''لگا دیں گے بھئی''۔

''لگائی بجھائی آپ سے زیادہ کون کر سکتا ہے' وہ بھی عمدہ طریقے سے۔روشی ویلوٹ کے پردے کے پیچھے سے نمودار ہوئی۔

''میں خوش قسمتی سے خاتون نہیں ہوں' یہ آپ لوگوں کا ڈیپارٹمنٹ ہے اور آپ یہاں کیا کر رہی ہے؟''وہ کسی خیال کے تحت فوراً چونکا۔

''گھر ہے ہمارا' کہیں بھی' کچھ بھی کر سکتے ہیں' آپ کو اعتراض کیا ہے؟''

''مجھے بھلا کیوں اعتراض ہونے لگا''۔وہ نائٹ بلب لانے کے خیال سے باہر نکلنے لگا۔

''باری!''

''فرمائیے''

''کون آ رہا ہے''

''مہمان''۔وہ اختصار سے کہہ کر بڑھا۔

''کون مہمان؟''وہ ٹھٹکی۔

''یہ سارے گھر میں آپ ہی کیوں اس قدر تجسس کی حالت میں رہتی ہیں؟''وہ مسکرایا۔

''بتاؤ نا باری' کون مہمان ہے؟''

''مامالی تمہیں کچھ پتا ہے؟''

''بتا دیں گے' جلدی کیا ہے''۔وہ تیزی سے باہر آیا۔مبادا کوئی نیا سوال حملہ آور ہو۔

''آپ سے پہلے مجھے کیا پتا ہو سکتا ہے بی بی''مامالی مسکرا دی۔

''لینے تو میرے پیا ہی گئے ہیں' چل جائے گا پتا''۔وہ شانے اچکا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ تو کزنز پارٹی میں اپنی معلومات سے کوئی دھاکہ کرنا چاہتی تھی' مگر کچھ پتا ہی نہ چل سکا تھا۔وہ بددلی سے اس سمت آئی جہاں ''کزنز اجتماع'' نہایت ہی ذوق وشوق سے کراچی جانے کے پروگرام پر بحث وتمحیص میں مشغول تھا۔

''یہ آپ کی شکل کیوں ''ہجریائی'' ہو رہی ہے؟'' شینو نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

''جیسے آپ کو بڑا تجربہ ہے ہجر و فراق کا۔ ملا کی دوڑ مسجد تک اور آپ کی دوڑ اس گھر میں موجود کزنز تک۔ کل کلاں کو خبر ملے گی شینو آپا کی فلاں بھائی سے نسبت ٹھہر گئی ہے اور پھر ان کا ہجر اس کھڑکی سے شروع اور اس کھڑکی پر ختم''۔

وہ برا سا منہ بنا کر کارپٹ پر ڈھے گئی۔ ایک زبردست قہقہہ پڑا تھا۔

''شینو بلبلا کر رہ گئی' ایک تو تمہیں بڑے چھوٹے کا ذرا لحاظ نہیں''۔ وہ بالآخر جھلا کر بولی۔

''تو مجھے کیوں ہجریائی'' کہا؟ ہجریائی ہوں میرے دشمن''۔

''ان کی تاریخ تو وصال و ملاپ سے ترتیب پائے گی اور سنہری حروف سے لکھی جائیگی''۔

حنا نے ریموٹ کے ذریعے ٹی وی کی آواز اونچی کی۔ اس شور شرابے میں اس کی فلم خراب ہو رہی تھی۔

''تمہیں کوئی اس کا بھید پتہ لگا ہے؟'' گلو آپا نے فوراً ہی تفتیش شروع کر دی۔

''جو باتیں جاننا چاہیں' وہ تو کوئی جاننے کی کوشش نہیں کرتا۔ خوامخواہ اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں۔ جس کا حاصل نہ وصول''۔ وہ ایک دم چڑ گئی۔

''تم نے دیکھا۔ یہ باری کو بھائی نہیں کہتی''۔ زری نے وکیلوں کی طرح نکتہ اٹھایا۔

''یہ تو ہے''۔

''میں زبردستی کے بھائی نہیں بناتی۔ اچھی خاصی خود کفیل ہوں۔ بھائیوں کے سلسلے میں''۔

''اچھا پھر کل ذرا اسے بھائی کہہ کر ہمارے سامنے بلانا۔ اگر کوئی بات نہیں۔ شینو نے جیسے اپنا بدلہ لے لیا۔

''میں اسے تایا' خالو حتیٰ کہ دولہا بھائی تک کہنے کو تیار ہوں' اگر آپ برا نہ مانیں' مگر بھائی نہیں کہوں گی۔ اب تو میری انا کا مسئلہ ہے''۔ وہ تو جیسے اڑ گئی۔

اور شینو تو معنی خیز انداز میں دولہا بھائی کہنے پر گویا جلتے توے پر جا بیٹھی۔

''خبردار! جو تم نے میرے ساتھ کسی ایسے ویسے کا تعلق مذاق میں بھی جوڑا''۔

''میں اس سے شادی کروں؟ اس سے لاکھ درجے بہتر ہے کنواری مر جاؤں؟''

''ارے شینو! چھوڑو مذاق ہے''۔ گلو آپا نے بیچ بچاؤ کرایا۔

''ارے نہیں' یہ یونہی بدتمیزی کرتی ہے''۔ شینو کا غصہ ٹھنڈا ہو کر نہیں دے رہا تھا۔

''بری بات' چھوٹی ہے''۔ بابا صاحب سمیت سب نے اسے سر پڑ چڑھا رکھا ہے''۔ شینو کے انداز شدید تر ہو گئے۔

''چھوڑو شینو! عمر بھی کم ہے اور عقل بھی' ہوش کی دوا کرو۔ ایمانداری کی بات ہے' یہ بے چاری اول تو کسی کو کچھ کہتی بھی نہیں ہے''۔

گلو آپا نے ماحول میں امن پیدا کرنے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ کلمہ حق بھی بلند کیا۔

''یا اللہ توبہ! یہ کیا شروع ہو گیا۔ کتنا اچھا پروگرام بنا رہے تھے ہم لوگ۔ خوش قسمتی سے پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ بابا صاحب

نے ہم سب کو کراچی جانے کیلئے خود کہا ہے' ورنہ تو اجازت بھی مشکل سے دیتے تھے''۔

''حالانکہ نہیں پتا ہے ہم سب ''سیون سی'' جانے کیلئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ اف وہ جھاگ اڑاتا سمندر' وہ بھی رات کے وقت۔ چلو بس ہنگامہ ختم۔ ہاں! تو کیا بات کر رہے تھے ہم۔ بیہ بڑی تفصیل سے شروع ہوئی۔

''یہی کہ بابا صاحب لاکھ کہیں دو مہینے سے پہلے واپسی نہیں ہو گی۔ جب بھی آنے کو کہیں گے' کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیا کریں گے''۔

مونا جو کسی کام سے باہر گئی ہوئی تھی' اندر داخل ہو کر وزیر با تدبیر کا رول ادا کرنے لگی۔ وہ کچھ دیر پہلے کی صورتحال سے قطعی لاعلم تھی۔

''مونا باجی! سارے بہانے بنا لیں گی آپ؟'' سونی نے مونا کو یوں تعجب سے دیکھا جیسے خرگوش گوریلے کو دیکھ رہا ہو۔

''تم سب کے ساتھ مل کر بناؤں گی' اکیلے تھوڑا ہی''۔ وہ زری کو آنکھ مار کر ہنس دی۔

''ارے یہ روشی کیوں چپ ہے؟'' مونا نے روشی کی خاموشی نوٹ کی۔

''ایسے ہی طبیعت ٹھیک نہیں کچھ' تھک گئی ہو گی' شام سے پینٹنگ کر رہی تھی''۔

روشی کشن پر سر رکھے دراز تھی۔ گلو آپا اس کے برابر بیٹھی ہوئی تھیں۔ بہت محبت سے انہوں نے روشی کی پیشانی پر بکھرے بال سمیٹ کر مونا کو جواب بھی دیا تھا اور دوسری موجود لڑکیوں کے ذہن میں جلسے کے اندرونی اثرات اتارنے کی شعوری کوشش بھی کی تھی۔ مبادا وہ کچھ دیر قبل کی ناپسندیدہ صورتحال کو دوبارہ موضوع بنا ڈالیں۔

الفاظ مونا کیلئے تھے اور معنی خیز بلکہ پر معنی لہجہ' باقی تمام لڑکیوں کیلئے۔

لڑکیاں بھی پچھلی صورتحال کی طرف پلٹنے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ اس لئے گلو کو زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی۔

''جن لوگوں کے امتحانات نزدیک ہیں' وہ ہمارے اس پروگرام میں بالکل شامل نہ ہوں' اس لئے کہ ان قصورواروں کی وجہ سے ہم بے قصوروں کو بھی جلد بوریا بستر سمیٹنا پڑ جائیگا''۔ تانیہ جو انٹر کے بعد کی طویل تعطیلات منانے کے موڈ میں تھی فوراً ہی پیش بندی کی نیت سے بول پڑی۔

''پہلے چلے تو جائیں''۔ حنا نے بے مزا ہو کر اسکرین سے نظریں ہٹائے بغیر چڑ کر کہا۔

''لو پروگرام تو پکا ہے''۔ اماں نے تو مجھے پورے ایک ہزار روپے بھی دے دیئے۔ زری نے انکشاف کیا۔

''ایک ہزار! آپ کیا کریں گی اتنے سارے روپوں کا؟'' روبی جو صرف سن رہی تھی' ایک ہزار کا سن کر جیسے سوتے سے جاگ گئی''۔

''بے چاری روبی! دو سو روپے مہینہ دیتی ہیں پھپھو''۔ تانیہ نے ترس کھایا۔

''دو سو روپے تو نام کے ہیں' کپڑے وہ بناتی ہیں' ہر فرمائش پوری کرتی ہیں' سب کچھ تو میسر ہے۔ [illegible] ہی کرتی ہو گی''۔ زردی نے کہا۔

''کہاں جمع ہوتے ہیں۔ کالج کینٹین کا خرچ چار سو روپے کا ہے' امی دو سو دیتی ہیں''۔ روبی نے فریاد کی۔

''آپ کتنی لکی ہیں' زری آپی' پورے ایک ہزار......اور باقی لوگوں کو کتنے ملے ہیں؟''

''ملیں گے۔ملیں گے۔......سب کو ملیں گے......مگر امید ہے' دو سو سے زیادہ ہی ملیں گے' ظاہر ہے ہم کراچی میں جی بھر کر رہیں گے۔اتنا مہنگا شہر ہے''۔

''لو! مہنگی تو ہر جگہ ہی ہے''۔شینو نے مونا کی بات کاٹ دی۔

''کیا لڑکوں میں سے بھی کوئی جائیگا؟'' حنا کی نظریں ہنوز ٹی وی اسکرین پر تھیں' مگر بہر حال وہ مذاکرات میں شامل تھی۔

''لو' ان شتر بے مہاروں کو گھر کے اندرونی حصے میں دندنانے کی اجازت نہیں' اتنی لمبی رفاقت کی اجازت تو انہیں ضرور ملے گی''۔شینو نے استہزائیہ انداز میں حنا کی طرف دیکھا۔

''اکا تو بہت سنجیدہ ہیں شاید انہیں بھیج دیں بابا صاحب!'' تانیہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''مگر انہیں تو خواتین سے الرجی ہے۔انہیں بھیجیں گے بھی تو وہ نہیں جائینگے''۔

مونا نے تجزیہ کیا۔ظاہر ہے' وہ ان کی حقیقی بہن تھی۔

''مگر بغیر کسی مرد کے بابا صاحب' ہمیں جانے کیسے دینگے؟'' لالی بہت دیر سے خاموش بیٹھی تھی۔اس لئے سب سے زیادہ سوچ کر پتے کی بات کہی تھی۔

''شاید خواتین میں سے کسی کو بھیج دیں۔کراچی میں دو ملازم تو ویسے ہی موجود ہیں''۔زری نے اندازہ لگایا''۔ہوسکتا ہے''۔

''شاید باری بھائی کو بھیج دیں''۔تانیہ بھی اندازوں میں شریک ہوئی۔

''کبھی بھی نہیں......بابا صاحب کا ان موصوف کے بغیر ایک پل......گزارا نہیں۔وہ بھی اتنے عرصے کے لئے''۔مونا نے فوراً اختلاف کیا۔

''ہوسکتا ہے' بھیج بھی دیں۔بابا صاحب کی طرف سے انہونی ہوسکتی ہے''۔روشی نے بڑی طویل خاموشی کے بعد برجستہ کہا۔

''کبھی بھی نہیں......ہرگز نہیں......ایسا ہو ہی نہیں سکتا''۔شینو نے فوراً تڑخ کر کہا۔

''اگر ایسا ہو گیا؟'' گلو آپا نے شرارت سے پوچھا۔

''تو میں تو ہرگز نہیں جاؤں گی۔آدمی ہے یا اس گھر کا آسیب''۔وہ جل کر بولی۔

ایک فرمائشی قہقہہ پڑا تھا' جس میں روشی نے حصہ نہیں لیا تھا۔

''خیر جانے دو کوئی بھی جائے۔اصل بات یہ ہے کہ ہمیں خوشی سے بھیجا جا رہا ہے''۔مونا نے سفید جھنڈا لہرایا۔

''ارے صبح ظفری بھائی کو دیکھا تھا' جب وہ بابا صاحب کے کمرے سے نکلے تھے''۔تانیہ نے حاضرین سے دریافت کیا۔

''ہاں بہت خوش نظر آرہے تھے''۔لالی نے دیکھے جانے کی بھرپور گواہی دی۔

''اس کا مطلب ہے' دلہن پسند آگئی؟'' زری نے گلو کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

''پسند کیوں نہیں آئیگی' ایسا حسن تو ہماری سات پشتوں میں نہ ہوا ہوگا''۔روشی کے منہ سے بلا ارادہ نکل گیا۔

''کتنے وثوق سے کہہ رہی ہو جیسے دیکھ کر آئی ہو''۔زری نے تعجب سے اسے پوچھا۔

روشی یک دم خاموش ہوگئی۔وہ اپنے بلا ارادہ بول پڑنے پر خجل سی تھی۔

اس کی خاموشی کے اصرار کو گلو نے بھانپ لیا تھا۔

''کوئی بات ہے ضرور! تم نے دیکھا ہے؟''

''میں کیسے دیکھ سکتی ہوں''۔وہ انجان بن کر لاپرواہی سے بولی۔

''مگر جس انداز میں تم بولی تھیں۔اس سے تو صاف اشارا مل رہا ہے کہ تم دیکھ چکی ہو''۔

''ہاں! میں نے سلیمانی ٹوپی پہن کر آپ سب کی آنکھوں میں دھول جھونکی تھی''۔

اس نے گلو آپا کی بات کاٹ کر تڑخ کر کہا۔

''پھر تم نے اس کے حسن کے بارے میں اتنے وثوق سے کیسے کہا؟'' گلو آپا کا شک برقرار تھا۔

''ماما بلی جو کہہ رہی تھی''۔

''مگر سنی سنائی بات اس انداز میں تو نہیں کی جاتی' جس طرح تم نے کی ہے''۔

''اللہ! مجھے معاف کر دیں' ویسے ہی کہہ دیا تھا''۔روشی نے زچ ہو کر ہاتھ جوڑ دیئے۔

وہ اس انداز پر خاموش ہوگئیں۔

روشی نے قدرے سکون کا سانس لیا۔

....

ہلکے ہلکے سبزے سے ڈھکے پہاڑ اردگرد کے ماحول کی سیاہی میں اضافہ کر رہے تھے۔شام کا تاثر ختم ہو کر رات کے مظاہر میں تبدیل ہو چکا تھا۔

یاور علی خان نے تو جیسے ہونٹ سی رکھے تھے۔وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر بہت اکتائے ہوئے انداز میں بیٹھی تھی۔نہ جانے کب اسے اونگھ آئی تھی۔اس وقت وہ چونک کر جاگ پڑی۔جب اس نے اپنے رخسار پر بھاری ہاتھ کی گرمی محسوس کی۔وہ اس کا رخسار تھپتھپا رہے تھے۔

''ماہین! آپ پچھلی سیٹ پر جا کر آرام سے سو جائیں''۔

''ہیں!'' وہ بدحواس ہو کر سیدھی ہوگئی۔جانے کتنی دیر سے وہ ان کے شانے سے لگی ہوئی تھی۔

''آ......ئم......سوری''۔اس نے شرمندہ سے انداز میں کہا۔

''ڈزنٹ میٹر......پلیز گو بیک''۔ان کے انداز ہر طرح سے بے تاثر تھے۔جیسے کوئی روبوٹ......''مجھے سوتا دیکھ کر کہیں

آپ پر بھی تیندھ ری نہ ہو جائے''۔اس نے ان کا سپاٹ چہرہ دیکھ کر جھجکتے ہوئے کہا۔

''مجھے عادت ہے''۔انہوں نے نہایت مہارت سے ایک اندھا موڑ کاٹا۔

''پیچھے چائے اور کھانے پینے کی چیزیں تھیں' شاید آپ کو بھوک لگی ہو''۔

''آپ بھی کسی جگہ رک کر چائے پی لیجئے''۔اس نے بہنوئی کی سمت دیکھا۔

''ٹھیک ہے''۔

''کیا ہم اٹک سے نکل آئے؟''اس نے باہر جھانکا۔

''بہت دیر ہوئی''۔

''سنا ہے وہاں دو دریاؤں کا بہت خوبصورت سنگم ہوتا ہے۔دونوں کے پانیوں کا رنگ مختلف ہے۔ایک میں نیلاہٹ ہے' دوسرے میں سبز رنگ کی جھلک''۔

''جی ہاں''۔

''آپ تو آئے دن دیکھتے ہوں گے؟''

''بجو بھی آتی تھیں اس طرف؟''

وہ خاموش رہے جیسے اس کا سوال نہ سنا ہو۔

وہ خجل سی ہو گئی۔سوال کرنے والے کو جواب میں خاموشی ملے تو اس کی عجیب کیفیت ہو جاتی ہے۔تھوڑی دیر کیلئے ہی سہی اپنی نظروں میں ہی غیر اہم سا ہو جاتا ہے۔

''آپ کو بجو یاد تو آتی ہوں گی؟''بہر حال اس نے خود کو نارمل کیا۔

''ہوں''۔وہ ہنوز سامنے دیکھ رہے تھے۔

''یہ سامنے لائٹیں نظر آ رہی ہیں۔یہاں جیپ روک لیجئے گا۔چائے پی لیتے ہیں''۔

یاور علی خان نے کچھ بولے بنا ایک چھوٹے سے کریانہ اسٹور کے سامنے جیپ روک دی تھی۔

....

''باری!''

''جی''۔

''میں کل والے راستے سے پچھلے حصے میں جا رہی ہوں''۔

''اب کیا ہے؟''اس نے چونک کر روشی کی صورت دیکھی۔

''ہے تو کچھ نہیں' دلہن سے باتیں کرنے کو جی چاہ رہا ہے''۔وہ سادگی سے گویا ہوئی۔

''اچھا جی ہے آپ کا''۔وہ آگے بڑھ گیا۔''مجھے نہیں پتا آپ خود ذمہ دار ہیں''۔

''توبہ! کتنے ویسے ہو تم۔میں یہ تو نہیں کہہ رہی کہ تم مجھے لے کر چلو۔کوئی پوچھے تو کہہ دینا کہ [illegible]

ہوں''۔وہ دبے پاؤں آگے بڑھ گئی۔

اس نے پچھلے حصے میں قدم رکھا تو دل پریشان سا ہو گیا۔بند دروازوں کے پیچھے سے آتی نامانوس آوازیں اس کے باوجود ماحول پر ویرانی۔

اس نے ظفری بھائی کے کمرے کا دروازہ دھکیلا جو فوراً ہی کھل گیا۔

جھومر نیچے فرش پر بیٹھی سر میں تیل ڈال رہی تھی۔

اسے دیکھ کر تیر کی طرح اٹھی اور اس سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''باجی! مجھے اتنی بڑی قبر میں دفن کر دیا ہے۔میں پاگل ہو جاؤں گی''۔

''ارے نہیں بھابی' آپ اس طرف گھوما پھرا کریں' آپ پر کوئی پابندی تو نہیں ہے''۔

اس کی اپنی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔اسے ''اس دل'' کی ویرانی کا بہت خوب ادراک تھا۔

''آپ گھبرائیں نہیں' یہ آپ کا گھر ہے''۔

''بڑی امی آئی تھیں''

جھومر نے سوالیہ انداز میں اس کی سمت دیکھا۔

''ظفری بھائی کی امی''۔

''صبح آئی تھی''۔اس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

''کچھ کہہ رہی تھیں؟''روشی نے بڑی محبت سے اس کے پھیلے ہوئے بال چہرے سے سمیٹے۔

''نہیں تو' بس یہی کہ ظفری کی خوشی کا خیال رکھوں۔ہم ایک ہزار روپے مہینہ تمہارے باپ کو دے رہے ہیں''۔

روشی کا کلیجہ پھٹ گیا۔

قربانی کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں بڑی امی' قصاب بھی ایک وار میں شہ رگ پر چھری رکھتا ہے' دوسرے مرحلے میں نیچے اتارتا ہے' ایک دم سر تن سے جدا نہیں کرتا۔

اس کا دل بھر آیا۔وہ خود سسک سسک کر رو دی۔

جھومر اپنا دکھ بھول کر اس کے رونے پر حواس باختہ سی ہو گئی۔

''باجی! آپ کو کیا ہوا؟ آپ روئیں نہیں......دیکھیں......''

اس کی حالت قابل دید تھی۔روشی نے بمشکل خود پر قابو پایا۔جھومر نے اسے بہت اپنائیت سے سینے سے لگا لیا۔

''باجی''۔

''ہوں''۔

''آپ اس گھر کی بیٹی ہیں یا بہو؟''جھومر نے اسے شانوں سے تھام کر بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''بیٹی ہوں''۔اس کی آواز میں آنسوؤں کا اثر تھا۔

''پھر کیوں روتی ہیں؟''

وہ اس کی سادگی پر مسکرا دی۔

''اگر تقدیر میں رونا ہو تو بیٹی یا بہو ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا''۔ اس نے ہتھیلی سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

''خدا نہ کرے' آپ تو شہزادی ہیں' مالکن ہیں''۔

روشی تلخی سے مسکرا دی۔

''بھابی! ظفری بھائی مجھ سے بہت بڑے ہیں' آپ میری بڑی بھابی ہیں' مجھے باجی نہ کہا کریں۔ میں تو آپ کی چھوٹی نند ہوں۔ روشانے نام ہے میرا' سب مجھے روشی کہتے ہیں' آپ بھی مجھے روشی کہا کریں''۔

اس نے جھومر کو شانوں سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھا دیا۔

''اچھا یہ بتائیں' ظفری بھائی نے آپ سے کیا باتیں کیں''۔

''باتیں ‡ § ¢ Ÿ ž ! نے حیرانی سے روشی کی سمت دیکھا۔

''میرا مطلب ہے' اشاروں ہی سے سہی''۔ اس نے شرمندہ سے لہجے میں وضاحت کی۔

''ابھی مجھے ان کے اشارے سمجھ نہیں آتے''۔ جھومر نے نظریں جھکا کر کہا۔

''محبت کے اشارے بھی نہیں؟'' روشی نے شرارت سے جھومر کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

شرم سے جھومر کے چہرے پر لالی کھیلنے لگی۔

''بھابی! ظفری بھائی آپ کو بہت چاہیں گے' یقین کیجئے آپ ان کی معذوری نہیں' ان کی محبت کو نظر میں رکھیے گا''۔

''یہی تو کرنا ہوگا' ورنہ دن کیسے کٹیں گے؟'' اس نے ایک سرد آہ کھینچی۔

''اچھا مجھے اپنے کپڑے دکھایئے''۔ روشی نے اس کی توجہ بٹانا چاہی۔

''کپڑے تو ڈھیر سارے ہیں' مگر دل نہیں چاہتا''۔

''ارے کیوں دل نہیں چاہتا' صبح شام تبدیل کیا کریں' ظفری بھائی بہت خوش ہوں گے''۔

''وہ تو خیر ویسے بھی بہت خوش ہیں''۔ اس کے لہجے میں یاسیت تھی۔

روشی خاموش ہوگئی۔ مجرموں کی طرح خاموش جیسے دعا کر رہی ہوں کہ جھومر اپنی محرومی آشکارنہ کرے پی جائے' ضبط کر جائے کہ آخر وہ استحصال کردہ گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اس میں کسی سنگین صداقت کو روبرو سننے کا حوصلہ نہ تھا۔

اس کا جی چاہا' جھومر کہے۔

''میں خوش ہوں' میرے ساتھ کسی نے زیادتی نہیں کی۔ یہ میری تقدیر ہے۔ ظفری معذور ہیں تو کیا' میں ان کے دل کی تسکین و خوشی ہوں اور اس بات پر خوش ہوں کہ مجھے بے لوث' بے کھوٹ محبت کی دولت حاصل ہے''۔ تاکہ وہ اس تکلیف دہ احساس سے نجات پا جائے کہ وہ اپنے سامنے ضمیر فروشی کے عمل کو جاری دیکھ رہی ہے اور خاموش ہے۔

جھومر نے جس انداز میں ظفری کی خوشی کا ذکر کیا تھا' وہ انداز اس کی اپنی خوشی کی کوئی گواہی نہیں دے رہا تھا۔

''بھابی! آپ خالص قبائلی ہیں' مگر لگتا ہے آپ نے پڑھا لکھا بھی ہے''۔ وہ اس کی متناسب گفتگو سے بہت کچھ اخذ کر چکی تھی۔

''ہاں' میں میٹرک کر چکی ہوں۔ انٹر کی تیاری کر رہی تھی''۔ اس نے بنا رد و کد فوراً اقرار کر لیا۔

''جی!'' وہ واقعی بھونچکی رہ گئی۔

''تیمور خان جی نے میرے ساتھ آج تک بڑی مہربانی کی تھی' مگر شاید وہ تو یہاں تک پہنچانے کی تیاری تھی''۔ اس کی آنکھیں پھر بھیگ چلیں۔

''کیا آپ کو کاکا جان نے پڑھایا ہے؟''

''جی..... پر مجھے وہم سا پڑتا تھا' وہ میرا اتنا خیال کیوں کرتے ہیں؟'' جھومر خاصی گہری تھی۔

''آپ کی اور بہنیں بھی ہیں؟''۔

''نہیں..... تین چھوٹے بھائی ہیں' اگر میری اور بہنیں ہوتیں تو شاید میں آج یہاں نہ ہوتی' میرے لالہ کو سب کچھ مجھ سے ہی حاصل کرنے کا لالچ نہ ہوتا۔ بھلے اس کی ڈرائیوری چھوٹ جاتی' اسے کوئی فکر نہ ہوتی''۔

''باجی!''

''اوں..... ہوں..... روشی۔!'' روشی نے اسے ٹوک دیا۔

''جی..... روشی بی بی!''

''صرف روشی''۔ اس نے دوبارہ ٹوکا۔

''اچھا جی' صرف روشی''۔ وہ معصوم سے انداز میں جیسے زچ ہو کر بولی۔

روشی بے ساختہ کھلکھلا اٹھی..... تو جھومر کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

''روشی! آپ کے اور ظفری کی امی کے علاوہ اور عورتیں نہیں ہیں گھر میں؟''

''ایک ہجوم بیکراں ہے' جب ہم سب کھانا کھاتے ہیں تو لگتا ہے دعوت میں ''زنانہ کھانا'' ہو رہا ہے''۔ وہ ہنس کر بولی۔

''پھر..... وہ یہاں کیوں نہیں آئیں؟''

روشی نے جیسے ترحم آمیز انداز میں اس کی سمت دیکھا۔

''باباصاحب کا نام سنا ہے؟''

''جی' تیمور خان جی کے والد''۔

''ہاں' وہی..... ان کی اجازت نہیں ہے''۔

''آپ کو ہے؟'' اس نے تعجب سے روشی کو دیکھا۔

''مجھے بھی نہیں ہے' جب ہی تو رات کے اندھیرے میں چھپ چھپ کر آتی ہوں''۔

''آپ کیوں خطرہ مول لیتی ہیں؟''

''جن کو کچھ کھو جانے کا خطرہ ہوتا ہے' وہ خطرہ مول لیتے ڈرتے ہیں' میرے بہت بڑے بڑے نقصان ہو چکے ہیں' مجھے کچھ کھو جانے کا خوف نہیں''۔

اس نے بات کے اختتام پر گہری سانس لی۔

''دو اور خواتین بھی تو بڑی امی کے علاوہ یہاں آتی ہیں' آپ سے نہیں ملیں؟''

روشی کسی خیال سے چونک کر پوچھنے لگی۔

''نہیں' میرے پاس بڑی امی کے علاوہ اور کوئی نہیں آیا''۔ جھومر نے کہا۔

(حالانکہ میرے علم میں ہے ارجمند چچی اور بڑی پھپھو بڑی باقاعدگی سے یہاں آتی ہیں)

''روشی! مجھے یہاں بہت ڈر لگتا ہے۔ دیکھو ناں' کوئی نظر نہ آئے' خالی آوازیں آئیں' تو کیا ڈر نہیں لگے گا؟''

''کیسی آوازیں؟''

''زیادہ تو نہیں سمجھ سکی' مگر ایسا لگتا ہے' کوئی روتا ہے''۔

روشی کے دل پر ایک دھکا سا لگا۔

(ہائیں...... اور کون روتا ہے؟) ''آپ کو یقین ہے؟'' اس نے الجھ کر پوچھا۔

''آپ کا گھر ہے' آپ کو نہیں پتا؟'' اسے اچنبھا ہوا جو کہ لازمی امر تھا۔

''یہ گھر نہیں ہے بھابی! بابا صاحب کی سلطنت ہے''۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ معاً اسے پیچھے سے بڑی امی کی بارعب آواز سنائی دی۔

ایک لمحے کو تو وہ چکرا کر رہ گئی' پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے خوف آیا۔

وہ خود ہی سامنے آ گئیں۔ ان کی آنکھیں اس کی ریڑھ کی ہڈی میں کپکپاہٹ پیدا کر رہی تھیں۔

ساتھ ہی حیرانی بھی عیاں تھی۔

''تم یہاں کس طرح آئیں' وہ بھی اتنی رات کو۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟ تم سمجھتی کیا ہو اپنے آپ کو۔ یہاں وہاں اپنی من مانی کرتی ہو۔ تمہیں احساس نہیں کہ ساری مصیبت مجھ پر آ گیگی۔ یہاں میرے خزانے دفن ہیں۔ تمہیں یا کسی اور کو کیوں دلچسپی ہو؟۔ یک دم ان کی آواز بھرا گئی۔

''یہاں حکمرانی ہوتی ہے' رشتے داری نہیں' دفع ہو جاؤ یہاں سے' آئندہ یہ حرکت نہ دہرانا' میں کہہ رہی ہوں جاؤ یہاں سے''۔ وہ دبے دبے لہجے میں برہمی کا اظہار کر رہی تھیں۔

روشی تو وہاں سے بگٹٹ بھاگ کھڑی ہوئی۔

''اف میرے خدا''۔ اس نے کھوکھر کے کوارٹر میں جا کر گہرے گہرے سانس کھینچے۔

''کھوکھر! بی بی کو ٹھنڈا پانی پلاؤ''۔ اسے نہایت قریب سے باری کی آواز آئی۔

''باری! میں تمہیں شوٹ کر دوں گی۔ جنات کی طرح میرا پیچھا لیا ہوا ہے''۔

''بہت ہی خوش فہم ہیں حضور' یہاں سے وہاں میرے سینکڑوں چکر لگتے ہیں' اگر کہیں آپ کھڑی ہوں تو آپ کا قصور ہے' میرا نہیں''۔

''خان! بسنتی آج بھوکی ہے''۔ کھوکھر کو باری کی صورت دیکھتے ہی اپنا مسئلہ یاد آیا۔

''تمہیں اسے عادی بنانا ہے کھوکھر! یہ تمہارا دردِ سر ہے''۔

''ویسے خان! نخرے باز لگتی ہے' بہت ستائے گی''۔

''کوئی نخرے دکھاتا ہی اس لئے ہے کہ اس کے نخرے کو توڑا جائے' ٹرک لگاؤ یار کوئی''۔ وہ اپنے مضبوط بازوؤں پر باری باری ہاتھ مارتے ہوئے مسکرایا۔

''یہ بسنتی کون ہے؟'' روشی نے فوراً مداخلت کی۔ عجیب سا تیکھا پن تھا سوال میں۔

''نئی گھوڑی آئی ہے اصطبل میں' کوئی اعتراض؟'' وہ باہر کی جانب بڑھ رہا تھا۔

وہ کھسیا کر رہ گئی۔ اس پر مستزاد باری کی مسکراہٹ اور گنگناہٹ۔

مجھ کو اس رات کی تنہائی میں آواز نہ دو

آواز نہ دو

''ہونہہ! بابا صاحب کا چمچہ'' وہ پاؤں پٹختی ہوئی باہر آ گئی۔ کھوکھر کی بیوی بے چاری باری کے حکم کی تعمیل میں پانی کا گلاس لئے پیچھے پیچھے آئی تھی۔

....

آج ہم نے بھی جبر سے ہنس کر

جینے والوں کی نقل اتاری ہے

''بھائی! وہاں کہاں...... یہ رہے ہم ادھر'' اس نے اندھیرے میں سرگوشی سے آتی عارف کی آواز سنی۔

''بھائی! تو کتنا اچھا ہے' نہ فکر نہ فاقہ' بس شعر پڑھتا رہتا ہے''۔ وہ اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

''اور کیا حال ہیں تمہارے؟'' اس نے تھکے تھکے انداز میں عارف کا احوال پوچھا۔

کہتے ہیں عمر رفتہ کبھی لوٹتی نہیں

جا میکدے سے میری جوانی اٹھا کے لا

''کیا حال ہونا ہے اب ہمارا؟'' وہ اپنی مخصوص زہریلی ہنسی ہنسا۔

''میں تیرے بارے میں سوچ رہا تھا۔ تیری نشے سے یہ حالت ہوئی ہے یا خون بیچنے سے؟''

وہ عارف کی سمت گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ہمارے متعلق نہ سوچا کر' تیرے اپنے دکھڑے کم ہو گئے ہیں؟'' عارف بالکل چت لیٹا تھا۔ پیٹ پر سے قمیض ہٹا کر سینے تک چڑھائی ہوئی تھی اور ننگے پیٹ پر ہاتھ پھیر رہا تھا اور پیٹ بھی کیا تھا۔ پسلیاں بلندی پر تھیں اور پیٹ کھائی میں۔ جیسے

''معدہ'' نام کا تھیلا بھی اندر نہ رہا ہو۔

''عارف یار...... لال خان بہت تنگ کرتا ہے''۔

''پے منٹ نہیں کرتا پوری؟'' عارف نے بیچ میں سے بات اچک لی۔

''ہاں بھائی''۔

''یہ تو ہے اس دھندے میں' بلکہ ہر دھندے میں سالی گردن پتلی ہو تو...... ہر کوئی نظر رکھتا ہے...... بات کروں گا اس سے''۔

''ابھی کر لو یار' آج مجھے چکر آ گیا تھا۔ سیٹھ نے پیسے نہیں دیئے' واپس گھر جو آنا پڑا''۔

''کوئی تگڑی چیز کھایا کر' رس بنے گا تو رس نکلے گا نا''۔

''کہاں سے کھاؤں؟'' ابھی کچھ بچتا ہی نہیں''۔

''ابھی بھی نہیں بچتا؟ کیا سونے کے نوالے کھلا رہا ہے اولاد کو؟'' وہ بے ہنگم انداز میں ہنسا۔

''ابھی وہ پوری اجرت دیتا ہی کب ہے۔ یہ سالا بھی اپنے سیٹھ ہی جیسا ہے۔ قسمت ہی خراب ہے''۔

''پھر بھی کچھ تو دیتا ہو گا؟''

''لونڈے کی دوائیاں بڑی مہنگی ہیں' پھر پچھلا ادھار بھی تھا''۔

''دو دن میں تو حالات نہیں بدلیں گے' ذرا انتظار کر' ہمارے جیسے ضرورت مندوں نے ہی ان کے دماغ آسمان پر چڑھائے ہیں''۔

انہیں اپنی صورت پہ یوں ناز کب تھا
مرے عشق رسوا کو اختر دعا دیں

''تو پھر چل رہے ہو؟'' اس نے عارف کی سمت بہت امید سے دیکھا۔

''چلیے سرکار' بولے تو کنڈی بھی کھولیں گے' پر ذرا ٹائم لگے گا اٹھنے میں' ہمت باندھ رہے ہیں۔ ذرا ہاتھ تھام کر اٹھا کر تو بٹھاؤ''۔

''یار تم سے تو اٹھنا محال ہے' پھر تمہاری اتنی چلتی کیسے ہے؟'' اسے حیرانی ہوئی۔

''زہر' زہر کو مارتا ہے سنا نہیں؟ لوہا لوہے کو کاٹتا ہے' زندہ لاش ہیں تو کیا ہوا؟ سانس تو پوری کرنی ہے۔ ایک آدھ چابی تو رکھنی پڑتی ہے جیب میں''۔

اس نے جیب سے سگریٹ اور ماچس کی ڈبیا نکالتے ہوئے بڑی تفصیل سے جواب دیا۔

''اب تم سگریٹ پورا کرو گے؟'' اسے جتنی جلدی تھی عارف اتنی دیر لگا رہا تھا۔

''کہو گے تو آدھا پی لیں گے۔ بات یہ ہے بھائی سٹہ لگائے بغیر اپنی گاڑی موڑ نہیں لیتی''۔

''ویسے لونڈا اب پہلے سے بہتر ہے' تم تو یار میرے محسن ہو' بھیک بھی مانگتا تو اس وقت اتنی تو نہ ملتی''۔ اس کے لہجے میں

ممنونیت تھی۔

''ہاں بھائی! جب کھڑے تھے تو کسی کے کام کے نہیں تھے' لیٹے ہیں تو بڑے کارآمد ہیں''۔ وہ ہنسا' تو دھوئیں کی وجہ سے کھانسی شروع ہو گئی۔

بڑی مشکل سے کھانسی تھمی' ''تمہیں تو بڑی سخت کھانسی ہے''۔ اس نے بہت ترس کھا کر جیسے اظہار ہمدردی کیا تھا۔

''وہ کہ کبھی سینے سے نہ گئی اور یہ ہے کہ چھاتی سے الگ نہیں ہوتی''۔ وہ بھونڈے پن سے ہنسا۔

''وہ کون؟''

''پھر سنائیں گے یہ داستان الم''۔

چھپ گئے وہ ساز ہستی چھیڑ کر
اب تو بس آواز ہی آواز ہے

''بیوی تھی وہ تمہاری؟'' وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

''بیویوں کا ذکر بھی اتنے اہتمام سے کیا جاتا ہے نادان؟'' وہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسا۔

''تم تو بیوی والے ہو کر بھی بڑے ناتجربہ کار ہو' پر تم بھی کیا کرو' تمہاری زندگی میں ڈائریکٹ آئی ہی بیوی ہے۔ ہم سے پہلے ملتے تو ہم مشورہ دیتے کہ معاشقے بنا بیوی نہیں لاتے''۔

''یہ اور بات ہے' معاشقہ کسی اور سے' شادی کسی اور سے''۔

''بھائی تیری باتیں اپنے کھاتے میں نہیں لگ رہیں' چل یار دیر نہ کر''۔

''ذرا سہارا دو''۔ عارف بمشکل اٹھتے ہوئے مدد کا طالب ہوا۔

اس نے دل و جان سے اسے سہارا دیا اور اسے تھامے ہوئے نیورو سرجری کی طرف آیا۔

''لال خان!'' اس نے پوری قوت اکٹھی کر کے آواز دی' جو پھر بھی کافی نہ تھی۔

لال خان ایک پاؤں بینچ پر اور دوسرا زمین پر رکھے بڑے زوروں کا سٹہ لگا رہا تھا۔

عارف کی آواز سن کر دوڑا چلا آیا۔

''یار! ادھر کھڑے کھڑے تیرے بالوں میں سفیدی آ گئی۔ انسان اب بھی نہ پہچانے گئے تجھ سے؟'' عارف کی نحیف آواز میں گویا یہ ملامت تھی۔

''کیا غلطی ہو گئی باؤ جی؟؟''

''اس کا چھوکرا بیمار ہے' اتنے آرام سے یہ عادی بننے والا نہیں' چھوکرا مر گیا تو آئے گا پھر یہ تیرے پاس؟''

''او نیکو آسامی ہے' تیرے سے بڑا پاگل نہیں ادھر کوئی''۔ عارف اس کے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔

''اس کی پے منٹ پوری کر' بلکہ پچاس روپے ہر جانے کے دے' غریب کوئی تگڑا مال کھائے گا' پچاس روپے لگائے گا تو پانچ سو بنیں گے''۔

لال خان نے کسی معمول کی مانند عارف کے حکم کی تعمیل کی۔ جسے ہوا کے جھونکے ہلائے جا رہے تھے۔ اسے عارف کے دبدبے پر سخت حیرانی ہوئی۔

''دو سو رہ گئے تھے' یہ پکڑ اور یہ پچاس روپے اوپر سے..... خوش؟''

''مہربانی تمہاری..... وہ اتنی آسانی سے کام ہوتا دیکھ کر نہال ہو گیا۔

''صبح نو بجے پہنچ جائیو' بڑی تگڑی پرائیوٹ آسامی ہے' وارے نیارے ہو جائینگے' فیکٹریوں زمینوں کا اکیلا وارث' مہینے بھر کا کل ہی کما لیجیو''۔

''اچھا!'' اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں''۔ اب میں جاؤں؟''

''بھائی! مجھے بھی ذرا رکشہ کرا دے' میری ماں میرے حصے کا بھی رو چکی ہو گی''۔

اس نے ادھر ادھر ڈولتے ہوئے بے نیازی سے ماں کا دکھ بیان کیا۔

''ماں کو نہیں رلاتے عارف بھائی!'' وہ اسے تھام کر باہر کی سمت بڑھا۔

''یہ ماں بھی عجیب ہوتی ہے۔ نوٹ دو' تب بھی روتی ہے' نہ دو تب بھی روتی ہے''۔ وہ مسکرایا۔

''جو امرت اس نے تمہیں دودھ میں پلایا' بیچو گے تو روئے گی نہیں؟''

وہ اس کی ماں کا دکھ محسوس کر کے اداس ہو گیا۔

''اس امرت دھارے سے نہ جانے ہم نے کتنی زندگیوں کو کھلا دیا ہے۔ پھول کی طرح میرے یار! سود کے ساتھ اصل لوٹایا ہے''۔ ہاہا..... ہا..... !اس کی ہنسی میں نوحہ تھا۔

اس نے عارف کی سمت دیکھا' اس کی آنکھوں کے دونوں گوشوں سے آنسوؤں کی چمک ظاہر تھی۔

....

''روشی''۔ وہ لاؤنج کی طرف جا رہی تھی کہ بڑی امی کی آواز آئی۔ وہ وہیں رک گئی۔

''جی بڑی امی''۔ اس نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا۔

''میرے کمرے میں آؤ''۔ وہ بائیں طرف بنی طویل راہداری کی سمت بڑھ گئیں۔

وہ دل ہی دل میں اللہ کی پناہ مانگتی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

وہ ایک دروازے پر جا کر ٹھہر گئیں اور مڑ کر دیکھا کہ وہ ان کے پیچھے آ رہی ہے یا نہیں اور دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گئیں اور ان کے پیچھے روشی بھی چند لمحوں کے توقف کے بعد کمرے میں داخل ہو گئی۔

بڑی امی ایک طرف پڑی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

''ادھر بیٹھو! انہوں نے قریب پڑی دوسری کرسی کی سمت اشارا کیا۔ وہ بے چوں و چرا کیے دم سادھ کر بیٹھ گئی۔

''تم پچھلے حصے کی طرف کیا کرنے گئی تھیں؟'' ان کے لہجے میں برہمی تھی۔

''ایسے ہی''۔ اس کے منہ سے نکل گیا۔

''یہ ایسے ہی کیا ہوتا ہے؟'' وہ ڈپٹ کر پوچھنے لگیں۔

''جھومر بھابی کے پاس گئی تھی بڑی امی''۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ان کی سمت دیکھا۔

''تمہیں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟ گھر کے بچوں میں سب سے زیادہ شکایت تمہاری سننے کو ملتی ہے' جس طرح اور لڑکیاں ہیں' تم اس طرح کیوں نہیں رہتیں' کیا تکلیف ہے تمہیں؟'' ان کے لہجے میں بلا کا جلال تھا۔

''کوئی تکلیف نہیں' میں تو جھومر..........''۔

''کوئی تعلق نہیں ہے کسی کا جھومر سے' جب تمہیں پتا ہے بڑے خان نے سختی سے منع کیا ہوا ہے کہ کوئی غلطی سے بھی پیچھے نہیں جائے گا تو تمہاری سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی؟'' انہوں نے شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھورا۔

''یہی سمجھنے تو گئی تھی''۔ اس نے بڑی جرات سے کہہ دیا۔

''خبردار! کوئی ضرورت نہیں' تمہاری دلچسپی کی کوئی چیز ادھر نہیں ہے' اگر تم نے آئندہ یہ حرکت کی تو اچھا نہیں ہو گا''۔

''بڑی امی! ظفری بھائی کی جھومر سے شادی ہوئی ہے' اب وہ ہمارے گھرانے میں شامل ہے''۔ اس نے جھجکتے ہوئے بالآخر کہہ دیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے' ہمیں یہ بات معلوم نہیں۔ جو حدیں لگا دی گئی ہیں' ان کے اندر رہو' ورنہ.....''۔

''ورنہ.....''۔ وہ سوالیہ انداز میں ان کی سمت دیکھنے لگی۔

''ہم تمہیں سرائے بھجوا دیں گے' پھر کبھی تم یہاں قدم نہیں رکھو گی۔ سن لیا؟'' اب تم جاؤ اور آئندہ خیال رکھنا۔ بڑے خان کو پتا چل گیا تو میں تمہارے لئے کچھ نہ کر سکوں گی''۔ وہ اٹھ کر وارڈروب کھولنے لگیں۔

اس نے طمانیت بھرا گہرا سانس لیا اور اٹھ کر باہر آ گئی۔

''اس کا مطلب ہے' یہ والی شکایت بڑی امی ابھی بابا صاحب سے نہیں کریں گی''۔

وہ اب دوبارہ لاؤنج کی طرف بڑھی۔ اسی دم پورچ میں جیپ کی ہیڈ لائٹس جگمگائیں۔ اس نے کلائی میں بندھی گھڑی کی سمت دیکھا۔ بارہ بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ وہ رک کر سامنے دیکھنے لگی۔ اس نے دیکھا اس کے پپا یاور علی خان جیپ سے اتر رہے تھے۔

☆......☆......☆......☆

وہ ٹھٹک کر دیکھنے لگی۔ بے بی پنک کاٹن کے جدید فیشن کے لباس میں۔ دوسری جانب سے بڑی کیوٹ سی لڑکی اتری تھی۔ وہ مارے اشتیاق کے فوراً پیش قدمی کرنا چاہتی تھی۔ مگر باپ کی سمت دیکھ کر وہیں رکی رہی۔

معاً یاور علی خان کی نظر بیٹی کی سمت اٹھی۔ ان کے سرد چہرے کے تاثرات قدرے بدل گئے۔

''آؤ بیٹا۔ وہاں کیوں کھڑی ہو؟'' انہوں نے اسے مخاطب کیا۔

''ماہین...... یہ روشانے ہے''۔

''اور...... یہ آپ کی خالہ جان ہیں''۔ انہوں نے روایتی انداز میں تعارف کرایا۔

''اوہ...... نو''۔ اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

ایسی گھٹی بندھی زندگی میں اتنی حسین تبدیلی کا تو خواب بھی نہ آتا تھا۔ اس نے غور سے ماہین کی شکل دیکھی۔ واقعی وہ اس کی خالہ ہر لحاظ سے ثابت ہو رہی تھی۔

نگاہ میں والہانہ اپنائیت۔

لبوں پر بے تکلف مشفقانہ سی مسکراہٹ۔

سب سے بڑھ کر بالکل نازنین جیسی۔ بس فرق تو اتنا کہ ماہین کے بال شانوں تک جدید انداز میں ترشے ہوئے تھے جبکہ اس کی امی کے بال مثالی لحاظ سے دراز اور گھنے تھے۔ اس نے اپنے ہوش میں ماں کو نہیں پایا تھا۔ مگر ان کی بے شمار تصویریں اس کے پاس محفوظ تھیں۔

''السلام علیکم''۔

''وعلیکم السلام۔ صرف سلام کرو گی۔ گلے نہیں ملو گی''۔ ماہین نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگایا۔ اس کے رخسار پر پیار کیا۔

''پپا۔ آپ کہاں سے لے آئے میری خالہ کو؟'' وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

''آیئے۔ پپا میں لاؤنج میں لے جا رہی ہوں خالہ جانی کو۔ وہاں سب موجود ہیں۔ اف سب کتنا حیران ہوں گی''۔

مارے خوشی کے روشی کے قدم زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔

''یہ...... ابھی وہاں نہیں جائینگی۔ بابا صاحب انتظار کر رہے ہیں۔ پہلے ان سے ملاقات ہو گی۔

آیئے ماہین! وہ روشی کی سمت دیکھے بغیر ماہین سے گویا ہوئے اور بابا صاحب کی خوابگاہ کی سمت قدم بڑھا دیئے۔

ماہین نے روشی کا ہاتھ تھام لیا۔ تم بھی آ جاؤ روشی''۔

''روشی کو رہنے دیں۔ اس وقت بابا صاحب سے صرف آپ ملیں گی۔ پلیز''۔

یاور علی خان نے رک کر ماہین کو ٹوک دیا۔

ماہین نے قدرے ہچکچاتے ہوئے روشی کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ لب بستہ سی کھڑی رہ گئی۔

اسے باپ سے ڈھیروں شکایتیں تھیں۔ ایک اور کا اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ بسورتے چہرے کے ساتھ مسلسل اس راستے کو گھور رہی تھی جہاں سے ماہین اور یاور علی خان گزر کر ایک موڑ پر غائب ہو چکے تھے۔

''کیا بچے اسٹاپ (STOP) کہہ کر غائب ہو گئے؟'' غالباً نہیں واقعی یہ باری کی آواز تھی۔

اس نے اسی کیفیت میں گردن موڑ کر باری کی سمت دیکھا۔

''خالہ آئی ہیں''۔ اس نے باری کو مطلع کیا جیسے خود کو یقین دلا رہی ہو۔

''حج کر کے؟'' حج کا سیزن تو اگلے ماہ ہے''۔

''جاؤ تم یہاں سے تمہارا تو کوئی فائدہ ہی نہیں''۔ ماہین کے اس طرح ہٹ جانے کے بعد وہ خود کو بہت بے زار و مضمحل محسوس کر رہی تھی۔

''تم بہت بنتے ہو۔ تم کمرا سیٹ کرا رہے تھے تمہیں سب پتا تھا''۔ معاً وہ باری پر برس پڑی۔

''جانے کیا سمجھ بیٹھی ہیں آپ مجھے۔ میں صرف حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ اور مجھے تفصیلات بتائی جائیں تو کیوں؟ فرق کیا پڑتا ہے اس سے؟'' وہ شانے اچکا کر آگے بڑھا۔

''باری!''اس نے بے ساختہ پکارا۔

''جی۔ارشاد'' وہ واپس پلٹا۔

''کچھ نہیں جاؤ''۔وہ بہت الجھ رہی تھی۔

''جی بہتر۔پہلے اپنی مرضی سے جا رہا تھا اب آپ کے حکم سے''۔وہ مسکرایا۔

''پیچ۔یہ تم اتنا خوش کیوں رہتے ہو''۔وہ اسے مسکراتے دیکھ کر جھلائی۔

''بدعا پروف ہوں۔ورنہ لوگوں کا تو حلق بیٹھ جاتا ہے کوس کوس کر''۔وہ ہنستا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اسے کھڑے کھڑے دس منٹ سے زائد ہو چکے تھے۔معاً اس نے یاور علی خان کو بابا صاحب کے کمرے سے باہر آتے دیکھا۔''خالہ جانی کو کیوں روکا ہوا ہے بابا صاحب نے''۔اسے غصہ آ گیا۔

''تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو؟''یاور علی اس کے قریب آ کر گویا ہوئے۔

''جی۔میں خالہ جانی کا انتظار کر رہی ہوں''۔

''اب تم ان سے صبح ملو گی؟''انہوں نے بے تاثر اور دھیمی آواز میں اسے بتایا۔

''کیوں؟''

''یہ تمہارے پاس بہت سے کیوں کہاں سے آ گئے؟''

''میں ان سے ابھی کیوں نہیں مل سکتی؟''

''ابھی وہ کھانا کھائیں گی بابا صاحب اور جواد کے ساتھ''۔

''تو میں بھی ویسے ہی بیٹھ جاؤں گی؟''اس نے ضد کی۔

''نہیں۔نہ ایسے نہ ویسے۔جاؤ اپنے کمرے میں''۔وہ سختی سے بولے۔

''پپا۔جواد بھائی بھی تو ہوں گے''۔

''بابا صاحب کا حکم نہیں ہے''۔انہوں نے قدرے نرمی سے سمجھایا۔

''اللہ کرے میں اپنی ماں کے پاس چلی جاؤں' یہاں تو کوئی بھی مجھ سے محبت نہیں کرتا''۔اسکی آنکھوں میں آنسو جھلملا گئے۔

یاور علی خان کے دل کو کچھ ہوا۔مگر وہ خود پر قابو پا کر اس سمت بڑھے جہاں جواد کی موجودگی کی امکان تھا۔

....

وہ کافی دیر سے انیکٹو آسامی کا انتظار کر رہا تھا۔کافی دیر تو وہ ٹھنڈے ہوا دار برآمدے میں بیٹھا رہا''۔لال مفلر'' نے اسے انتظار کرنے کو کہا تھا۔معاً برآمدے سے باہر ہری ہری گھاس پر اسے عارف لیٹا نظر آ گیا۔وہ انتظار کی کوفت سے بچنے کیلئے اس کے پاس چلا آیا۔عارف نے اسے دیکھتے ہی آنکھ ماری۔

''بڑا تیز دھڑک رہا ہے تیرا دل''۔اس نے اپنے ہاتھ سے تصوراتی ریسیور کا کام کیا اور کان سے اس طرح لگایا جیسے

حقیقت میں فون سن رہا ہو۔

''بھائی تمہیں دیکھ کر سوچتا ہوں کہ تم بڑے خوش نصیب ہو۔ہر طرح کی فکر سے آزاد''۔

''او بندہ خدا!ڈیوٹی سے بھی کبھی فراغت ہوتی ہے کہ نہیں؟ ظاہر دیکھ کر دھوکہ کھانے والے عقل کے اندھے ہوتے ہیں''۔

''کیا بنا۔آسامی سے ملاقات نہیں ہوئی؟''اس نے مزید فلسفہ موخر کر دیا۔

''کہہ رہا ہے۔ابھی پتا لگے گا کہ آپریشن کب ہے۔ابھی تو بے چارے کو''مشینوں''میں پھنسا رکھا ہے''۔

اس نے اپنی فکر معاش سے سکڑی آنکھیں مزید سکیڑ کر آنے جانے والوں پر مرکوز کر دیں۔صبح کا وقت تھا۔او پی ڈی کی وجہ سے خلقت خدا کا ایک ہجوم بے کراں تھا جو مزید پھیلتا جا رہا تھا۔

''تم ہمیشہ سے یہیں رہتے ہو بھائی''۔

''نہیں۔پیدائش کے بعد اماں گھر لے گئی ہو گی۔پھر بعد میں آ گیا تھا''۔وہ حلق پھاڑ کر ہنسا۔

یہ اس کی بڑی بری عادت تھی اپنے مذاق پر سب سے پہلے خود ہی قہقہہ لگاتا تھا۔اس نے قدرے برا مان کر عارف کی طرف دیکھا۔

''میرا مطلب یہ تھا کہ اسی شہر میں رہتے ہو شروع سے؟اس کے پریشان ذہن کو مذاق سے اور الجھن ہوتی تھی۔جب ہی تو کسی دانش مند نے کہا ہے کہ''بے موقع مزاح دشمنی پیدا کرتا ہے''۔

''بھائی صاحب۔بڑے شہروں کی خاک چھان رکھی ہے۔تفصیل سنو گے تو دونوں تھک جائیں گے۔میں بھی۔تم بھی''۔

''گانا سنو گے؟بڑی اچھی آواز ہے میری''۔وہ جیسے اسے چھیڑ رہا تھا۔

''میں نے کبھی گانا نہیں سنا۔خود بخود کان میں پڑ جائے' وہ دوسری بات ہے''۔اس کا ذہن برآمدے میں بھٹک رہا تھا۔جہاں سے''لال مفلر''نے طلوع ہونا تھا۔

''میں گا رہا ہوں۔تمہارے کان میں خود بخود پڑ جائے گا۔لوٹے سے ڈالنا نہیں پڑے گا''۔وہ پھر بے ہنگم قہقہے میں الجھ گیا۔

وہ چپ رہا۔وہ بہرحال اس کا محسن تھا۔وہ ایک حد تک ہی اس پر ناراض ہو سکتا تھا۔

پتھر کے خدا' پتھر کے صنم' پتھر کے ہی انساں پائے ہیں
تم شہر محبت کہتے ہیں' ہم جان بچا کر آئے ہیں

وہ گنگنانے لگا۔

''رہنے دو یار یہ گانا وانا''۔

اس کے اندیشوں بھرے ذہن کو اس بے وقت کی راگنی سے چڑ سی پیدا ہوئی۔جوں جوں وقت سرک رہا تھا۔اس کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔

''کہیں مریض کے رشتے داروں نے خون نہ دیدیا ہو۔ کہیں اور سے انتظام نہ ہوگیا ہو۔ بلڈ بینک سے ڈائریکٹ نہ لے لیا ہو۔ فاطمید والوں سے نہ مل گیا ہو۔ کہیں یہ نہ ہوگیا ہو۔ کہیں وہ نہ ہوگیا ہو۔ ہم تو مگر ان سب سے سستا ہی دیتے۔ مگر انہیں مہنگے سستے سے کیا وہ تو پیسے والے لوگ ہیں۔

''کہاں گم ہو گئے۔ پریشانی میں اتنی طاقت ہوتی تو بات ہی کیا تھی؟ ادھر پریشان ہوئے ادھر مسئلہ حل۔ ہوتا تو وہی ہے جو ہونا ہوتا ہے شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

نیند سے بھی سکون نہیں ہوتا
آنکھ سوتی ہے' دل نہیں سوتا
عمر گزری اسی کشاکش میں!
یوں نہ ہوتا عدم تو یوں ہوتا

مگر ازل سے یہی فطرت کی پابندیاں ہیں اور انسان کی بے بسی۔ پھر ایسی بے کار سوچوں میں پڑ کر کیا فائدہ۔ آرام نں رہو یہ سوچ کر کہ جو ہونا ہوگا وہ ہو جائے گا۔ ایک تو ویسے ہی پریشانی۔

پھر پریشانی کی پریشانی۔ ایک خدشہ' ایک ڈر' ایک وہم۔ جس کا کوئی سر نہ پیر۔

یہ ٹھیک ہے جب قسمت خراب ہو تو دل ڈرتا ہی رہتا ہے کہ نہ جانے اب کیا ہو۔ مگر بھائی جو ہونا ہوگا وہ تو بغیر ڈرے' کانپے بھی ہو جائے گا۔

''بھائی عقلمند ہو کے بھی یہاں پڑے ہو؟'' اس نے بالآخر اس کی قابلیت کا اعتراف کیا۔

''پھر کہاں پڑوں؟ جس دن زیادہ عقلمند ہوگیا۔ پاگل خانے پہنچ جاؤں گا۔ جو زیادہ عقلمندی دکھاتا ہے۔ لوگ پکڑ کر وہاں پہنچا دیتے ہیں۔

''اور تم ان چکروں میں نہ پڑو۔ عقل وقل اٹھا کے رکھو کسی طاق میں۔ نہ چھیڑو ذکر اس کا۔ کیا سمجھے؟''

جس کے پاس جتنا پیسہ ہے۔ یہاں وہ عقلمند ہے۔ جس کے ہاتھ اتفاقاً کرسی لگ جائے۔ وہ عقلمند ہے''۔

''بھائی کیا تمہاری گھر گرہستی نہیں ہے؟'' اسے عارف کی بے فکری سے ایک نیا سوال سوجھا۔

''گھر ہے......اور گرہستی؟'' وہ ہنسا''۔ جب ہستی نہیں تو گرہستی کیا''۔

''مجھے یاد نہیں پڑتا میں نے تم سے کچھ پوچھا ہو اور تم نے سیدھا جواب دیا ہو''۔ وہ چڑ گیا۔

''پھر کیوں پوچھتے ہو؟'' عارف نے خلا میں گھورتے ہوئے سوال کیا۔

وہ لاجواب ہو کر چپ ہوگیا۔

سورج ذرا ۔ آ پاس آ
آج سپنوں کی روٹی پکائیں گے ہم

عارف نے بے سرے انداز میں نغمہ شروع کیا۔

''ارے بھائی......چپ ہو جا......اللہ کے واسطے''۔ اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے۔

''عجب رنگ ہیں قدرت کے۔ کوئی خون بنانے کیلئے پریشان۔ کوئی نکالنے کیلئے پریشان' کوئی نچوڑنے کیلئے بے تاب''۔ عارف ہنسا۔

وہ بدستور برآمدے کی سمت دیکھتا رہا۔

''یار۔ ایک سوال مجھے پریشان کر رہا ہے''۔ عارف کے لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی۔

''کیا؟'' اس نے ایک لمحے کو برآمدے سے نظریں ہٹائیں۔

''یہی کہ سورج اگر مشرق کے بجائے مغرب سے نکلتا تو دھوپ یہاں تک کتنے بجے پہنچتی؟''

اس کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

''وہ اٹھ کھڑا ہوا''۔ میں جا رہا ہوں۔ اب نہیں آؤں گا تمہارے پاس''۔

''ارے یہ تو ہمیں پتا تھا''۔ وہ لاپرواہی سے مسکرایا''۔ کیا کہا ہے شاعر نے کہ

محسن! لگی نا چوٹ پھر خلوص میں
میں نے کہا نہ تھا کہ میرے یار سوچنا

وہ عارف کی سمت بے بسی سے دیکھتے ہوئے پھر بیٹھ گیا۔

''تم اتنی بے سری باتیں کیوں کرتے ہو؟'' وہ لاچاری سے پوچھ رہا تھا۔

''سارے سر جو ٹوٹ گئے ہیں''۔ عارف کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''مجھے تم پر بڑا ترس آتا ہے''۔ اس نے ترحم بھری نظروں سے عارف کی سمت دیکھا۔

''اچھا''۔ عارف یوں ہنسا جیسے اس نے کوئی دلچسپ لطیفہ سنایا ہو۔

''تمہارے پاس تو بڑا دماغ ہے' تم تو کہیں افسر لگ سکتے تھے''۔ اس نے تجزیہ کیا۔

''ابھی بھی افسر ہی ہوں تم جیسوں کا''۔ وہ مسکرایا۔

تو وہ بے بس ہو کر خاموش ہوگیا۔ اور الجھی ہوئی نظروں سے عارف کو دیکھنے لگا۔

''کیا تمہارے گھر میں صرف ایک اماں ہی ہے؟'' پانچ منٹ کی خاموشی بالآخر اس نے توڑ دی۔

''ابا کی آمدنی زیادہ نہیں تھی۔ اس لئے اماں ایک ہی ہے''۔ وہ آسمان کی سمت دیکھ رہا تھا۔

اب اس نے پکا تہیہ کر لیا تھا کہ ایک لفظ منہ سے نہیں نکالے گا۔

....

وہ جیسے ہی بیدار ہوئی۔ بلی آنکھوں والی خادمہ کو منتظر پایا۔

''بڑے خان نے کہا ہے آپ ناشتا ان کے کمرے میں کریں گی''۔ وہ مودبانہ انداز میں گویا ہوئی۔

''بڑے خان؟'' وہ الجھی۔

''باباصاحب۔بی بی جی''۔

''اوہ!'' کوفت اس کی نس نس میں اتر گئی۔رات کا منظر نگاہوں میں گھوم گیا۔وہ جواد سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہ رہی تھی مگر باباصاحب نے موقع ہی نہیں دیا۔ایسی کلف گی فضا میں ایک گھنٹا اسے ایک صدی کے برابر لگا تھا۔یاور علی خان اور جواد تو اس طرح بیٹھے تھے گویا موجود ہی نہ ہوں۔کھانے کے دوران زیادہ باتیں تو نہیں کی تھیں۔بس سفر کا اور پپا کا حال احوال دریافت کیا تھا۔

''اچھا''۔وہ کچھ سوچتے ہوئے وارڈ روب کی سمت بڑھی''۔باباصاحب سے کہنا بی بی کہہ رہی ہیں کہ روشی اور جواد کو بلا لیں۔میں ان سے باتیں کرنا چاہ رہی ہوں''۔

خادمہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔اس نے بلیک کلر کا سوٹ نکالا۔اسے بالکل بھی حیرت نہیں ہوئی تھی۔یہ دیکھ کر کہ اس کے کئی استری شدہ سوٹ وارڈ روب میں لٹک رہے تھے۔رات اس نے یہ کپڑے سوٹ کیس سے نکال کر صوفے پر ڈال دیئے تھے۔

یہ سوٹ جدید فیشن کا تھا۔جس پر سرخ و زرد ریشم سے کڑھائی کی گئی تھی۔

اس نے غسل کر کے بال سکھانے کا تردد نہیں کیا۔ویسے ہی سلجھا کر کھلے چھوڑ دیئے۔نہ ہی کسی قسم کے میک اپ کا اہتمام کیا۔

جدید فیشن کو قدرے مشرقیت کا رنگ دینے کیلئے اس نے کڑھائی سے بوجھل سیاہ دوپٹا سر پر ڈال لیا۔بیس پچیس منٹ بعد خادمہ اسے لینے آ گئی۔

وہ اس کے پیچھے پیچھے باباصاحب کی خواب گاہ میں داخل ہوئی۔

بھاری بھر کم صوفے پر سامنے ہی باباصاحب بیٹھے تھے۔ان کے سامنے بڑی سی میز اور لدی پھندی ٹرالی تھی۔دائیں جانب صوفے کے سنگل پیس پر یاور علی خان تازہ اخبار لئے بیٹھے تھے۔معاً اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

اخبار ایک سمت سے نیچا کئے یاور علی خان اسے بڑی چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔اس نے مارے گھبراہٹ کے دوپٹا مزید آگے سرکایا۔اور بمشکل سلام کیا۔

نظر کا ایسا طلسم تھا کہ اس کی خود اعتمادی کا آئینہ دھندلا کر رہ گیا تھا۔

وہ میز کے قریب پڑی ایک خوبصورت کرسی پر بیٹھ گئی۔

''روشی اور جواد نہیں آئے؟''اس نے بڑی ہمت کر کے باباصاحب اور یاور علی خان کو باری باری دیکھا۔

یاور علی خان نے اخبار کو پھیلا کر صفحہ تبدیل کیا جیسے انہیں اس کی آواز نہ پہنچی ہو۔

''روشی کالج گئی ہوئی ہے اور جواد ضروری کام سے زمینوں پر گیا ہے''۔

باباصاحب نے جواب دینے کے ساتھ خادمہ کو ناشتا پیش کرنے کا اشارا بھی کیا۔وہ تو منتظر تھی۔روبوٹ کی طرح شروع ہو گئی۔

''کب تک آتی ہے کالج سے؟''اس نے خادمہ کے ہاتھ سے ایک پلیٹ لے کر باباصاحب کے سامنے رکھی۔

تین بجے تک۔یہاں سے ایک گھنٹے سے زیادہ کا فاصلہ ہے اس کے کالج کا''۔

وہ اس کی سمت دیکھے بغیر کہہ رہے تھے۔

''اور یوں بھی بہت سویرے ناشتا کرتے ہیں۔سب دوپہر کا کھانا ایک بجے اور رات کا کھانا آٹھ بجے تک ہو جاتا ہے''۔

''آپ نے کیوں زحمت کی میری وجہ سے''۔وہ شرمندہ ہوئی۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔تم ہماری مہمان ہو۔ہمیں احساس ہے کہ راستہ بہت تھکا دینے والا ہے۔آج تم اپنی تھکن اتارو کل سے یہاں کے معمول کے مطابق سب میں شامل ہو جاؤ گی ان کے لہجہ و آواز میں بہت دھیمے پن کا تاثر تھا۔

جس سے وہ ان کے بارے میں کوئی اندازہ نہ لگا پا رہی تھی۔

''ماما بلی! مجھے صرف ایک کپ کافی دینا''۔

''کیا ناشتا کر لیا تھا؟''باباصاحب نے یاور علی خان سے دریافت کیا۔

''جی!''انہوں نے اخبار سے نظریں ایک لمحے کو ہٹا کر باپ کی سمت دیکھا۔

''مہمان کا انتظار نہیں کیا؟''انہوں نے حیرت سے یاور علی خان کی سمت دیکھا۔

''یہ زنانہ مہمان ہیں۔اس لئے دھیان نہیں رہا کیونکہ ہمارے ہاں تو خواتین کی اپنی الگ ٹائمنگ ہے''۔انہوں نے وضاحت کی۔

''یہ زنانہ مہمان ضرور ہیں مگر خصوصیت کے ساتھ تمہاری مہمان ہیں''۔ماہین دلاور علی خان کے تاثرات سمجھنے سے قاصر رہی۔

''حالانکہ آپ کو یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں کہ میں خصوصیت سے آپ کی مہمان ہوں''۔

اس نے چہرہ موڑ کر یاور علی خان کی طرف دیکھا۔جو ماما بلی سے کافی کی پیالی لے رہے تھے۔سفید شلوار سوٹ اور اخبار کے مطالعے کی وجہ سے سنہری فریم کی عینک لگائے ہوئے وہ رات سے خاصے مختلف دکھائی دے رہے تھے۔اب اخبار ان کی گود میں اور پیالی ہاتھ میں تھی۔انہوں نے ماہین کو بہت توجہ سے اپنی سمت دیکھتا پا کر خود ہی نگاہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''اگر تم پیچھے سے انہیں پہچاننے اور یاد کرنے کی کوشش میں ہو تو کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ جب ہم بارات لیکر تمہارے ہاں''۔

''آپ نے بلایا تھا باباصاحب''۔اسی دم باری خواب گاہ میں داخل ہوا۔

ماہین جو دلاور علی خان کی گرفت میں لینے والی نگاہوں میں خود کو پا کر حواس باختہ سی ہو گئی تھی ایک دم حالت سکون میں آ گئی۔اس نے نووارد فرشتے کو دیکھا۔

''یہ روشی کی خالہ ہیں باری''۔

''اور یہ بھی ہمارا بچہ ہے''۔ انہوں نے تعارف کرایا۔

''یہ بھی۔ ماہین کی سمجھ میں خاک نہ آیا کہ ''یہ بھی'' سے ان کی کیا مراد ہے؟''

''بیٹھ جاؤ باری۔ ناشتا کر چکے؟''

''جی بابا صاحب''۔

''دیکھو' یہ ہماری خاص مہمان ہیں' وہی ہیں جن کا تذکرہ میں نے تم سے کیا تھا''۔ باری نے نئے سرے سے اس پر ایک تفصیلی نظر ڈالی۔ بے ساختہ غیر شعوری۔

''جی''۔

''ان کا خیال رکھنا۔ کوئی شکایت پیدا نہ ہو''۔

''کیا یہ دلاور علی خان کے اے ڈی سی ہیں۔ اتنی خلقت کی موجودگی کے باوجود یہی کیوں میرا خیال رکھیں گے؟'' وہ پھر الجھی۔

''ماما! بڑی دلہن کو کہہ دیا تھا؟''

''جی خان!'' وہ مودبانہ انداز میں انڈوں کا حلوہ ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

• ''ماما۔ بی بی کو میٹھے کا حلوہ دو۔ ہمارے ہاں ناشتے کی خاص چیز''۔

''یا اللہ۔ ناشتے کے نام پر پورے ''ماحضر'' کا سامنا تھا۔ وہ پریشان ہوگئی۔ حلوہ چکھنے کے ارادے سے لیا۔ مگر واقعی بہت مزے دار تھا۔

''یہ تو بہت مزے کا ہے۔ میں اس کی ترکیب سیکھ کر جاؤں گی''۔ اس نے بے ساختہ تعریف کی۔

''ایسی الجھن میں پڑنے کی بھلا کیا ضرورت۔ ہم آپ کے ہاں وقتاً فوقتاً بطور تحفہ بھجوا دیا کریں گے۔ کراچی تو بڑا آنا جانا رہتا ہے۔ ہمارے بندوں کا بھی اور ہمارا بھی''۔

وہ بڑی تمکنت سے اپنی فیاض طبع کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

وہ اس دریا دلی پر محجوب سی ہوگئی۔

''آپ لیجئے ناں! اس نے یاور علی خاں کی سمت پلیٹ بڑھائی۔ وہ بائیں ہاتھ سے عینک اتار رہے تھے۔ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

''شکریہ اس وقت میں صرف کافی سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں''۔

ماہین ان کی سرخ آنکھوں کی تاب نہ لاکر ایک دم ہی باری کی سمت مڑ گئی۔

''آپ لیجئے ناں''۔

''جی بس شکریہ''۔

''لے لو باری''۔ بابا صاحب نے بھی اس سے کہا۔

تب باری نے ایک چھوٹی پلیٹ میں ذرا سا حلوہ نکالا۔ اور بڑی سادگی سے کھانے لگا۔

''آپ صرف زمینداری کرتے ہیں؟'' اب اس نے مصمم ارادہ کرلیا' وہ ان سرخ آنکھوں سے بالکل خائف نہیں ہوگی۔

''آپ بتایئے اور کیا کروں؟'' یاور علی خان برسوں بعد قدرے ہشاش بشاش دکھائی دے رہے تھے۔ یہ بات دلاور علی خاں اور باری دونوں محسوس کر رہے تھے۔

''میرا مطلب ہے''۔

وہ ان کے غیر متوقع انداز پر گڑبڑا کر رہ گئی۔

''یہ ڈی سی ہوتے ہیں سرحد کے ایک ضلع میں''۔

ماہین ہکا بکا ہوکر ان کی صورت دیکھنے لگی۔ ڈی سی؟ اس قدر کوالیفائیڈ اور اپروچ فل بہنوئی۔

اسے بے حد مسرت ہوئی۔

''پھر آپ ڈیوٹی پر نہیں ہیں آج''۔ وہ اب پہلے سے زیادہ خوش نظر آرہی تھی۔

''آج کل آرام کر رہے ہیں''۔

''آپ اکیلے ہوتے ہیں وہاں''۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

یاور علی خان خاموش رہے۔

''ہم تو بہت چاہتے تھے کہ یہ دوسری شادی کرلیں۔ مگر......'' انہوں نے ایک اچٹتی نظر بیٹے پر ڈالی۔

''آپ تو بور ہوتے ہوں گے بہت''۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بڑا دور افتادہ ضلع ہے۔ ملازمین' عرضی گزار' خدمت گزار' سیدھے سادے لوگوں کی نہ ختم ہونے والی عرضداشتیں۔ وہاں تو خالی وقت ملنا دشوار ہے''۔

''پپا نے تو آپ کی یہ اضافی قابلیت مجھے نہیں بتائی''۔ وہ حیران تھی۔

''انہوں نے سول سروس کا امتحان شادی کے بعد دیا تھا''۔ اس بار بھی جواب دلاور علی خان نے دیا تھا۔

''آپ اگر اسلام آباد سے آتیں تو راستہ بہت شارٹ کٹ ہو جاتا''۔ باری ابھی تک اس بات پر حیران تھا کہ وہ پشاور سے کیوں آئی۔

دراصل اسلام آباد والی فلائٹس کی ٹائمنگ مجھے سوٹ نہیں کر رہی تھی۔ دن کی فلائٹس پر رش کی وجہ سے سیٹ نہیں مل رہی تھی اور مجھے بہت جلدی تھی۔ میں بہت تھوڑے عرصے کیلئے وطن آئی ہوں''۔

''کیا ابھی پڑھ رہی ہو؟'' بابا صاحب نے سوال کیا۔

''جی......لاء کر رہی ہوں''۔

''بہت خوب!'' وہ خوش ہوئے۔

''السلام علیکم''۔ معاً ایک پروقار نسوانی آواز دروازے کی سمت سے آئی۔

''وعلیکم السلام۔ آؤ عالم تاب۔ تمہارا ہی انتظار ہو رہا ہے''۔

باری اپنی جگہ سے اٹھا اور آنے والی خاتون کو مودبانہ انداز میں وش کیا۔

یاور علی خان نے بھی سلام کیا تھا۔

باری کو دیکھ کر وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور انہیں آداب کیا تھا۔

وہ آسمانی ریشمی شلوار سوٹ میں ملبوس تھیں۔ ہم رنگ نفیس شفون کا دوپٹا انہوں نے سر پر اچھی طرح جما کر پورے وجود پر پھیلا رکھا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں ڈھیروں سونے کی چوڑیاں اور کڑے تھے۔ رنگت بالکل گلابی تھی۔ ان کے خوبصورت پاؤں میں سیاہ گرگابیاں اس قدر نمایاں ہو رہی تھیں کہ چند لمحوں کیلئے تو اس کی نظریں ان کے پاؤں پر جم کر رہ گئیں۔ تن و توش روایتی چودھرانیوں سے خاصا کم تھا۔ قد البتہ دراز تھا۔

''یہ ہماری سگی بھتیجی اور اس گھر کی سب سے بڑی بہو ہیں۔ یہاں سب بچے انہیں بڑی امی کہتے ہیں''۔

''عالم تاب! یہ ماہین ہیں...... نازنین کی سب سے چھوٹی بہن''۔ بابا صاحب نے تعارف مکمل کیا۔

''کوئی نہ بھی بتائے تو بھی میں پہچان لیتی''۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

عالم تاب کے کانوں میں بڑی موتیے کے پھولوں کی بالیاں۔ اس کے مسام جاں کو معطر کر گئیں۔ ''سب سے زیادہ تمہاری تھکن کا خیال تھا''۔

''سفر تو آرام سے گزرا؟''

''جی''۔ اسے جانے کیا یاد آیا کہ اس نے ایک نظر یاور علی خان کو دیکھا تھا۔

''ناشتا کرو۔ ٹھیک سے۔ یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے''۔ انہوں نے اس کے شانے پر محبت سے ہاتھ رکھ کر گویا اصرار کیا۔

''جی۔ بس کر لیا ہے''۔

''بی بی۔ آپ چائے میں دودھ کم لیتی ہیں؟'' ماما بلی اس کی چائے تیار کر رہی تھی۔

''اوہ''۔ اس نے جذبہ تشکر کے ساتھ ماما بلی کو دیکھا۔

''شکر ہے بڑی کوالیفائیڈ ملازمہ ہے۔ چائے کے نام پر نرا دودھ تھما دیتی تو مروتاً پینا پڑتا۔ اسے معلوم ہوا تھا کہ دیہاتوں میں چائے کو بھی حفظان صحت کے معیار سے ناپتے ہیں۔ چائے کا مطلب یہاں یہ ہوتا ہے کہ دماغ میں خشکی اور شریانوں میں آگ بھر دینے والی شے۔ لہٰذا کثرت شیر سے اس کے ان عیوب کا ازالہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دودھ میں برائے نام چائے کا استعمال کرنے والوں سے آج تک غالباً یہ سوال کسی نے نہیں کیا۔ کہ آخر اس رسمی کارروائی کی ضرورت ہی کیا ہے۔

ماما بلی نے بہت حسین کپ میں بڑی خوبصورت سی رنگت کی چائے پیش کی تو اس کا جی خوش ہو گیا اب یہ اطمینان تو اسے ہو گیا کہ وہ جب بھی چائے طلب کریگی تو بڑی اچھی چائے ملے گی۔ اس نے ریلیکس ہو کر پشت سے ٹیک لگا لی۔

''یاور! تم کب تک ہو؟'' عالم تاب پوچھ رہی تھیں۔

''میں کل تک ہوں یہاں۔ خیریت؟''

''کچھ نہیں...... ویسے ہی پوچھ رہی تھی''۔ وہ کچھ سوچنے لگیں۔

''خیر آباد کے فارمز میں پھل تیار ہیں۔ ماہین بی بی کو وہاں گھما پھرا لاتا۔ پھر یہ کس کے ساتھ جائینگی''۔

دلاور علی خان نے بیٹے کی سمت سوالیہ انداز میں دیکھا''۔

''یہاں تو عالم تاب اور باری انہیں سیر کرا سکتے ہیں۔ کیا خیال ہے تمہارا؟''

''جی...... مگر مجھے پرسوں ڈیوٹی پر ہونا ہے۔ ڈی آئی جی سے بہت ضروری میٹنگ طے ہے''۔

''گھر میں اور بھی تو لوگ ہوں گے۔ میں نے تو سنا ہے''۔

''آپ نے ٹھیک سنا ہے ماہین بی بی! مگر ہمارا ماحول ذرا مختلف ہے۔ یہاں مردانہ زنانہ الگ الگ ہے۔ بچیاں پردے میں ہوتی ہیں۔ آزادانہ میل جول یہاں پسند نہیں کیا جاتا''۔ عالم تاب نے رسانیت سے سمجھایا۔

''مگر میں جواد کے ساتھ تو جا سکتی ہوں۔ اس کی تو حقیقی خالہ ہوں''۔ اس نے دلیل دی۔

''بالکل...... کیوں نہیں...... مگر جواد آج کل بہت مصروف ہے امتحان کی تیاری کر رہا ہے اور ایک مقامی تنازعے کی وجہ سے کچہری بھی جاتا ہے۔

''جواد کے علاوہ ماشاء اللہ یہاں اور بہت لوگ ہیں۔ میں نے سنا ہے''۔

''آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے ماہین بی بی''۔

بابا کی پیشانی کی لکیریں گہری ہو گئیں۔ انہوں نے قدرے خشک انداز میں اس کی سمت دیکھا تھا۔ ان کے سامنے کبھی کوئی دوسری بات نہیں ہوتی تھی۔ صرف ایک بات ہوتی تھی اور وہ بھی ان کی اپنی زبان سے نکلی ہوئی۔

''مگر آپ بچی ہیں اور سراسر ہماری ذمہ داری۔ اس لئے یاور اور باری' یہ دو افراد ہیں۔ ان میں سے آپ کسی کے ساتھ ہوں گی تو مجھے بہت اطمینان رہے گا''۔

ماہین کی سمجھ میں ''یاور'' والی بات تو آ سکتی تھی مگر باری۔ اس نے چہرہ موڑ کر اپنے بائیں جانب دیکھا۔ سفید کاٹن کے کلف شدہ سوٹ میں ملبوس وہ ایک مہذب نوجوان نظر آیا تھا۔ اچھی اٹھان کا حامل ورزشی جسم' بھرپور مردانگی کا احساس دلاتی گھنی مونچھیں۔ بالوں کی تراش میں نفاست۔ چہرے کے تاثرات میں بلا کی سادگی۔

''یہ کون ہے؟'' اس کے ذہن میں فطری سوال پیدا ہوا۔ مگر اب وہ بابا صاحب کے برفیلے تاثرات کے سبب خاموش رہی۔

''ایسے کرنا یاور''۔

''جی بابا صاحب''۔ یاور علی خان بہت دیر سے خاموش تھے۔ اتنی دیر کی گفتگو میں کسی قسم کے تردیدی و تائیدی تاثرات انکی جانب سے غلطی سے بھی نہیں آئے تھے۔

''تم ماہین بی بی کو خیر آباد کے فارمز کی سیر کے بعد اپنے ڈاک بنگلے پر لے جانا۔ وہاں کی سیر بھی ہو جائیگی۔ دو دن بعد

جمعہ ہے۔ جمعرات کو آف ہو کر یہاں لے آنا۔ کیا خیال ہے؟''

(مگر وہ تو یہاں آئی ہے) اس نے چونک کر بابا صاحب کی شکل دیکھی تھی۔

''جیسے آپ مناسب سمجھیں''۔ انہوں نے باپ سے اتفاق کرنے میں ذرا دیر نہ لگائی تھی۔

''اف خدایا۔ وہ تو یہاں آئی ہے۔ یہ یہاں وہاں۔ کدھر بھیج رہے ہیں؟ یاور کے ساتھ اکیلی۔ ہرگز نہیں۔ وہ اس کے بہنوئی سہی۔ اس سے عمر میں بڑے سہی۔ مگر ان کے ڈاک بنگلے پر ان کے ساتھ تنہا دو دن۔ ناں بھئی ناں''۔

اس نے چوری سے ان کی سرخ آنکھیں دیکھ کر گویا جھرجھری لی۔

''روشی کو بھی ساتھ لیں گے۔ پھر میں بالکل بور نہیں ہوں گی''۔ اس نے تجویز پیش کی۔

''مگر روشی تو کالج.....'' عالم تاب نے جملہ ادھورا چھوڑ کر سسر کی شکل دیکھی۔

''ایک دو دن کی چھٹی سے کوئی مضائقہ نہیں''۔ یاور علی خان جیسے اس کی سوچ پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے پہلی بار فیصلہ کن انداز میں حصہ لیا۔

''ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی۔ مگر بچی کا خیال رکھنا''۔ بابا صاحب کے لہجے میں غیر معمولی پن ماہین نے صاف محسوس کیا۔

''تو کیا روشی۔ لڑکیوں کے ساتھ کراچی نہیں جا رہی؟'' عالم تاب نے یاور علی خان سے پوچھا۔

(کراچی............!!!

کراچی والے یہاں آئے ہیں۔ یہاں والے کراچی جا رہے ہیں۔ لڑکیاں کیا مجھے کمپنی نہیں دیں گی؟ میں یہاں۔ کیا بزرگی کی تربیت لینے آئی ہوں؟)

''باقی گھر والوں سے نہیں ملوائیں گے آپ؟'' وہ یاور علی خاں کی سمت متوجہ ہوئی۔ اس کے چہرے پر پھیلی الجھن پوشیدہ نہ تھی۔

''اچھا تم لوگ باتیں کرو۔ مجھے ضروری کام سے شہر جانا ہے۔ رات کھانے پر انشاء اللہ ملاقات ہوگی''۔ دلاور علی خان اپنی آبنوسی چھڑی تھام کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اگر اس علاقے کی سیر کرنا چاہو تو یاور بھی موجود ہیں اور باری بھی''۔

(انہیں سیر کی پڑی ہوئی ہے۔ اس گھر کے درجنوں لوگوں کا ذکر سنا ہے۔ جن کی نقاب کشائی ہو کر نہیں دے رہی۔ وہ جل کر سوچ رہی تھی)

بابا صاحب اٹھ کھڑے ہوئے یاور علی خان' باری اور عالم تاب بھی اٹھ کھڑی ہوئیں تو وہ بھی ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔ اس بڑھاپے میں بھی دلاور علی خان کی چال میں بلا کا دباؤ اور مضبوطی تھی۔

یاور علی خان اور باری دوبارہ بیٹھ گئے۔ عالم تاب البتہ سسر کے پیچھے ہی چل پڑی تھیں۔

''دیکھو...... بالکل نہ گھبرانا...... یہ تمہارا اپنا گھر ہے''۔ وہ جاتے جاتے مڑ کر بڑی شفقت سے مسکرائیں۔

''ظاہر ہے یہاں میری سگی بہن کا وارث موجود ہے' گھر تو ہے ہی میرا۔ وہ کیا کہہ گئے ہیں بزرگ'' ماں مری ماسی جئے'' بائے کیا لفظ ہے۔ ماسی۔ یعنی ماں سی LIKE MOTHER اس نے اپنے ہم عمر بھانجے' بھانجی کیلئے اپنے اندر شفقت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا محسوس کیا۔

''بسنتی ایڈجسٹ ہوئی باری؟'' یاور علی خان نے بغلی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکالا۔

''تھوڑی بہت۔ علاقہ' ماحول' لوگ' آب وہوا۔ ہر چیز اس کیلئے نئی ہے۔ ٹائم تو لے گی۔ باری نے ان کی طرف تائید طلب نظروں سے دیکھا۔

''یہ تو ہے۔ حسن بہت ہے۔ یقیناً نازبرداری بھی بڑی ہوئی ہوگی''۔ وہ دھواں بکھیرتے ہوئے برائے نام مسکرائے۔

''آف کورس سر! باری ہنس دیا۔

''اف اللہ!'' وہ ان کی بے تکلفانہ گفتگو پر حیران ہوئی۔ اتنا پردہ دار ماحول اور بسنتی کے حسن کے تذکرے۔

''کیا فارنر ہیں؟'' اس نے ان کی گفتگو سے نتیجہ اخذ کر کے خوامخواہ ٹانگ اڑائی۔

یاور علی خان کے لبوں پر پہلی مرتبہ طویل عرصے کیلئے مسکراہٹ پھیلی جس کا دورانیہ کم و بیش ایک منٹ ہوگا۔ البتہ باری کھل کر ہنس پڑا تھا۔

وہ بگوسی بن کر باری باری دونوں کو دیکھنے لگی۔

''بسنتی ہماری نئی گھوڑی ہے''۔ باری نے اطلاع دی تو وہ ہونق سی بن کر رہ گئی۔

''آپ سائیس ہیں''۔ اس نے سادگی سے بڑا احمقانہ سوال کیا تھا۔

''آپ سمجھ لیں''۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔

(لو میں سمجھ لوں؟ اس گھر کا سارا نظام میری سوجھ بوجھ سے تو چل رہا ہے۔ ہونہہ)

''گھر کے اور لوگ کہاں ہے؟'' اس نے بہنوئی کا پیچھا لیا۔

''سب سے ملوائیں گے۔ آپ فکر کیوں کرتی ہیں''۔ انہوں نے احتیاطاً نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔

نگاہ ملتے ہی۔ اس کا خائف سا ہو کر ادھر ادھر دیکھنا ان سے پوشیدہ نہ رہ سکا تھا۔

''وہ...... کیا ہے کہ......'' ماہین' باری کی سمت متوجہ ہوئی۔

''جی؟'' وہ ہمہ تن گوش ہو گیا۔

''میں آپ کو کیا کہوں؟''

''مجھے باری کہتے ہیں' گھریلو ملازمین خان کہتے ہیں۔ آپ جو چاہے کہیے۔ ویسے خادم ہیں آپ کے''۔ اس نے چبھتی ہوئی سنجیدگی سے جواب دیتے ہوئے ایک نظر یاور علی خان کی سمت دوڑائی تھی۔

''یہاں بھی کھیت اور باغات ہوں گے آپ کے؟ وہی دکھا لائیے۔ روشی کی واپسی تک وقت تو گزر جائے گا''۔

''کیا میں جا سکتی ہوں؟'' وہ یاور علی خاں سے اجازت لے رہی تھی۔

''اوہ شیور......کیوں نہیں''۔انہوں نے آگے کی طرف جھک کر راکھ جھاڑی۔

''چلیے باری!'' وہ دوپٹا درست کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''باری جیپ کون سی لے جاؤ گے؟''

''کون سی لے جاؤں؟''

''اوپن لے جاؤ''۔

''ارے نہیں پلیز اوپن نہیں۔آج کل تو ہوا بہت گرم ہے''۔وہ دونوں کے بیچ مخل ہوئی۔

بڑی بے ساختہ مداخلت تھی۔دونوں کے سوال جواب کا سلسلہ چند لمحات کیلئے موقوف ہوگیا۔پھر میری والی لے جاؤ۔ چابی میرے بیڈ روم میں ہے۔انہوں نے عینک چڑھا کر اخبار دوبارہ کھول لیا تھا۔

ماما بلی برتن سمیٹ رہی تھی۔وہ باری کے پیچھے دلاور علی خان کی خوابگاہ سے باہر آ گئی۔

....

''گلو آپا''۔

ہوں؟''

''یہ حیدرآبادی سوٹ رکھ لوں؟'' حنا نے کرتا اپنے ساتھ لگا کر خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''سمیہ' بھابی کا نکاح کا سوٹ بھی رکھ لو۔کہہ دینا کراچی سے واپس آ کر دیدوں گی''۔شینو نے استہزائیہ انداز میں مفت مشورہ دیا۔

حنا کی جان جل کر رہ گئی۔اس نے پوری قوت سے کرتا بیڈ کی طرف اچھال دیا۔

''توبہ ہے شینو آرام سے بھی کہہ سکتی تھی۔بچی ہی تو ہے''۔گلو کو بھی شینو کا انداز ناگوار گزرا۔

''تو اسے اتنی سمجھ نہیں۔وہاں کون سا ہم تقریبات اٹینڈ کرنے جا رہے ہیں''۔شینو کو اپنے رویئے پر ذرا ملال نہ تھا۔

''دیکھو بیہ! تم لوگ زیادہ سامان نہ باندھ لینا۔پلین تو جلدی پہنچا دیتا ہے۔سامان کی وصولی میں اس سے ڈبل ٹائم لگتا ہے۔ویسے بھی بوئنگ کی سیٹیں ہیں۔چار پانچ سو مسافر۔ہر ایک کے دو دو ٹگ لازمی۔گھنٹہ بھر تک چھکڑے بھر بھر سامان آتا رہتا ہے۔شیشے کے پار تکتے تکتے آنکھیں پتھرا جاتی ہیں۔پچھلی مرتبہ جب کراچی گئی تھی تو دو سو سے زیادہ مرتبہ میں نے بورڈ پڑھا تھا۔برائے مہربانی باہر نکلنے سے پہلے گمشدگی کا کلیم کریں۔بعد میں کوئی کلیم قبول نہیں کیا جائیگا''۔

زری نے اپنے سابقہ تجربات کا نچوڑ پیش کیا۔

''ایسے کرو' دو دو تین تین لڑکیوں کا سامان بڑے سوٹ کیس میں کر دو۔ٹگ کی گنتی میں بھی آسانی رہے گی''۔

''تمہیں نہیں پتا پلین سے اتر کر سامان کا انتظار تھکا مارتا ہے''۔زری نے مشورے کے ساتھ ساتھ اگلی صورتحال بھی واضح کی۔

''اسلام آباد سے جائینگے ناں''۔لالی نے پوچھا۔

''ظاہر ہے''۔مونا نے اپنی قمیض کی ترپائی کے دوران جواب دینے کی فرصت نکالی۔

''پانچ بج رہے ہیں۔روشی کہاں ہے؟'' تانیہ کو روشی کی غیر موجودگی محسوس ہوئی۔

''سمیہ بھابی کے بیڈ روم میں ہوگی۔وہ میکے چلی جاتی ہیں تو اس کے مزے آجاتے ہیں۔اے سی چلا کر ٹھاٹھ سے سوتی ہے''۔شینو مخصوص انداز میں ہنسی۔

''کوئی مزے وزے نہیں آ رہے۔تین بجے سے بیٹھی اپنی خالہ کا انتظار کر رہی ہوں''۔

روشی بگڑتے تیور کے ساتھ ہال میں داخل ہوئی۔

''ارے ہاں۔بڑی امی بتا رہی تھیں کہ تمہاری خالہ آئی ہوئی ہیں۔کمال ہے' ہم نے ابھی تک انہیں دیکھا ہی نہیں۔ ویسے یہ اچانک ان میں کیسے ولولے جاگے۔آج تک تو تمہارے خالہ' ماموں کا کوئی ذکر نہیں تھا''۔شینو کو اچنبھا ہوا۔

''کل تک کہیے۔آج تو ہو رہا ہے''۔ وہ ایک کشن پھینک کر دھپ سے بیٹھ گئی۔

''اتنے دنوں بعد آئیں اور پھر۔کہاں چلی گئیں؟ مونا کو حقیقت میں سخت حیرانی تھی۔

''باری کے ساتھ سیر کیلئے گئی ہیں۔بڑی امی بتا رہی تھیں''۔

''باری کے ساتھ؟ کیا عمر ہے ان کی؟شینو کی زہریلی ہنسی جیسے انگارے برسا گئی۔

''ماما بلی بتا رہی تھی کہ بیس پچیس سال کے درمیان ہوگی''۔گلو نے سادگی سے کہا۔

''ارے۔پھر باری کے ساتھ کیسے چلی گئیں؟ بابا صاحب کو پتا نہیں کیا؟''

زری نے تعجب سے مونا کی طرف دیکھا۔

''لو۔وہ بابا صاحب کا چمچہ ان کی مرضی کیخلاف سانس نہیں لیتا۔انہی کی مرضی سے گیا ہوگا''۔شینو نے پھر مداخلت کی۔

کمرے میں لحظہ بھر کو سکوت چھا گیا۔

''ویسے دیکھنے میں کیسی ہیں؟ تم ملی تو ہوگی ان سے'' گلو کے اندر تجسس جاگا۔

''اسی جیسی ہیں''۔اس نے معصومیت سے کہا۔

''ہائے۔پھر کیوں بھیج دیا باری کے ساتھ؟'' ناز آنٹی کے حسن کے چرچے تو آج تک جاری ہیں''۔شینو نے کن اکھیوں سے روشی کی طرف دیکھ کر گویا اسے چڑایا۔

روشی لاپرواہ انداز میں بیٹھی رہی۔

''انہیں ریسیو کرنے کون گیا تھا؟'' زری نے سوال کیا۔ایسی غیر متوقع......باتیں اس عمارت کے مکینوں پر اثر انداز نہیں ہوتی تھیں۔وہ ان طور طریقوں کے عادی تھے۔

''پپا''۔روشی نے مونا کی قمیض کا جائزہ لیتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

''یہ ٹھیک ہے۔وہ چند برس پہلے کیوں نہ آ گئیں۔شاید یاور ماموں مان جاتے''۔شینو ہنسی۔

روشی کا چہرہ ضبط سے سرخ ہوگیا۔

''مگراب تو وہ باری کے ساتھ سیر کرنے جاچکی ہیں''۔وہ مزید گویا ہوئی۔

''شینو۔یہ زیادتی ہے''۔زری نے فہمائش کی۔

روشی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔گلونے لپک کراسے گلے سے لگالیا۔

''بعض اوقات تم حد کردیتی ہو۔کیاضرورت ہے اس طرح کی باتیں کرنے کی؟''
گلونے ناراضگی سے کہا

''لو......میں نے کیا کہا ہے۔یہی تو کہا ہے کہ خالہ' باری کے ساتھ سیر کرنے چلی گئیں''۔شینو کی بے حسی قابل دید تھی۔

''بری بات ہے' تم اسے خوامخواہ رلادیتی ہو''۔گلونے ملامت کی۔

''رونا تواسے کسی اور بات پر آرہا ہے''۔ان کے طنز بدستور تھے۔

روشی جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔قالین پر پڑادوپٹا اٹھایااور ہاتھ میں لئے لئے باہر نکل گئی۔

''نان اسٹاپ کا بھی کوئی اسٹاپ ہوتا ہے''۔وہ اس سے برآمدے میں ہی بھڑ گیا۔

''میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں''۔وہ غرائی۔

''خالہ کو کہاں لے گئے تھے؟''وہ برہمی سے پوچھنے لگی۔

''کہیں بھی۔خیریت؟''وہ حیران ہوا۔

''اورکوئی نہیں تھا انہیں لے جانے کیلئے۔مگر تم جو ہر جگہ مفت خدمات کے ٹوکرے اٹھا کر پہنچ جاتے ہو۔وہ میری خالہ ہیں۔کوئی ضرورت نہیں ہے۔ان سے بے تکلف ہونے کی''۔

''میں نے کب کہا' میری خالہ ہیں؟یوں بھی خوبصورت لڑکی کو چھوٹتے ہی''خالہ' بنانے والے کا ذہنی توازن درست نہیں سمجھا جاتا''۔

''شٹ اپ۔تمہیں کیا پڑی ہے یہ نوٹ کرنے کی کہ وہ خوبصورت ہیں یا بدصورت؟''وہ بھڑک گئی۔

''آپ کواتنا غصہ کس بات پر ہے' کہ آپ کی خالہ میرے ساتھ سیر پر کیوں گئیں؟''

''تو اور کیا''۔وہ اسی انداز میں بگڑ کر بولی۔

''مگر میں انہیں پٹا کر تو نہیں لے گیا۔وہ اپنی خوشی سے میرے ساتھ گئیں۔باباصاحب کی اجازت سے''۔اس کا لہجہ بظاہر بڑا سادہ مگر عزائم بہت شوخ تھے۔

''ہونہہ۔پٹا کر۔ہے صلاحیت تم میں؟''وہ طنزیہ بولی۔

''پٹنے کیلئے کوئی تیار ہو تو اس صلاحیت کا مظاہرہ ابھی بھی کرسکتا ہوں''۔اس کی شریر مسکراہٹ دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''بس تم باباصاحب کو ہی پٹاؤ۔تمہاری قسمت میں یہی ہے''۔وہ چڑ کر بولی۔

''یہ کام تو میں بغیر تاکید کے کررہا ہوں۔کوئی نیا حکم؟''

اس کی مسکراہٹ بدستور تھی۔وہ پاؤں پٹختی اس کمرے کی سمت بڑھی جہاں ماہین کا قیام تھا۔

....

ماہین کا انگ انگ تھکن سے چور تھا۔پسینے میں بھیگے ہوئے کپڑے اس کے ذہن پر بوجھ بن رہے تھے۔چہرہ دھوپ کی تپش سے کملا کر رہ گیا تھا۔

سیر اگرچہ بہت دلچسپ تھی۔سرسبز کھیت و باغات۔دیہاتی عورتوں سے گپ شپ مگر بہر حال وہ بہت تھک گئی تھی۔

اس نے وارڈروب سے سفید و گلابی پھولوں کا ہلکا پھلکا سوٹ نکالا اور بڑے تھکے تھکے انداز میں پلٹی تو روشی کو دروازے پر کھڑا پایا۔

''آؤ روشی۔وہاں کیوں کھڑی ہو؟میں تو تم تمہیں دیکھنے کو ترس گئی''۔وہ مسکرائی۔

''ایسے ہی کہہ رہی ہیں۔میرا انتظار بھی نہیں کیا اور سیر کرنے چلی گئیں''۔روشی نے شکوہ کیا۔

''بھئی' یہاں تو تمہارے باباصاحب کے پروگرام چلتے ہیں''۔وہ دھیرے سے ہنس پڑی''۔آؤ بیٹھو''۔

روشی فوراً بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''پپا بھی تو تھے۔وہ نہیں لے گئے آپ کو؟''

''باباصاحب نے تو آپشن دیا تھا مگر انہوں نے کوئی ردعمل ہی ظاہر نہیں کیا۔پھر میں نے سوچا باری کے ساتھ ایزی فیل کروں گی۔بھائی صاحب کے ساتھ تو بہت تکلف رہتا۔ویسے باری بہت اچھا ہے۔ذرا بوریت نہیں ہوئی۔بہت مزے کی باتیں کرتا ہے۔تمہارے باباصاحب نے ہمارے لئے خیرآباد کے فارمز کی سیر کا پروگرام سیٹ کیا ہے اور تمہیں بھی ساتھ لے جانے کی اجازت دیدی ہے میں سوچ رہی ہوں' باری کو بھی لے چلیں۔

''ہم تینوں؟؟''روشی کی حیرانی قابل دید تھی۔

''ارے نہیں بھائی صاحب بھی ہوں گے''۔انہوں نے بالوں میں لگا کلپ نکالا۔

''پپا؟''

''ہاں اور کون؟ان کے ڈاک بنگلے میں رکنے کا پروگرام ہے''۔

''پپا مان گئے؟''وہ ہنوز حیران تھی۔

''نہ ماننے کی وجہ؟انہیں تو کوئی اعتراض نہیں''۔

''کمال ہے۔میں تو جب بھی ان کے ساتھ چلنے کو کہتی تھی تو کہتے تھے۔کیا کروگی۔بور ہوگی وغیرہ وغیرہ''۔

اس کی حیرانی میں کوئی کمی واقع نہیں ہورہی تھی۔

''ہوسکتا ہے' ایسا امکان ہو۔جب ہی تو کہہ رہی ہوں' باری کو بھی لے چلیں گے۔کیوں؟''

''وہ نہیں جاسکتا''۔اس نے منہ بنا کر کہا۔

''کیوں؟''ماہین نے حیرانی سے پوچھا۔

''باباصاحب کا اس سے بغیر گزارا نہیں''۔

''سب گزارے ہو جاتے ہیں۔ مگر میں اس کے بغیر سیر کا تصور نہیں کر سکتی''۔

روشی کو جیسے جھٹکا سا لگا۔ وہ ایک دم ماہین کی صورت دیکھنے لگی۔

''ایسا تو قابل ذکر نہیں وہ''۔ وہ ناگواری سے ناک چڑھا کر بولی۔

''ارے نہیں۔ بڑا نائس بندہ ہے۔ لائق بھی بہت ہے''۔

''یہ تو ہے' بڑی جلدی گھوڑے سدھا لیتا ہے''۔ اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''لگتا ہے' باباصاحب کا خاص ملازم ہے۔ کیوں''

''وہ ملازم تو نہیں ہے''۔ روشی نے فوراً کہا۔

''کزن ہے؟''

''نہیں''۔

''پھر کیا ہے؟'' ماہین کا تعجب بھرا لہجہ فطری تھا۔

''پتا نہیں۔ بس اچھا خاصا احمق ہے۔ آپ باتھ لینے جاری رہی ہیں''۔ اس نے فوراً موضوع بدل دیا۔

''ہاں''۔

''پھر چائے پئیں گی؟''

''نہیں۔ ذرا آرام کروں گی۔ یہاں کسی کو اعتراض تو نہیں ہوگا بے وقت آرام کرنے پر؟''

''کیوں؟ آپ مہمان ہیں۔ ہمیں آپ کے موڈ کا خیال کرنا چاہیے''۔

''آپ کے سوٹ کا پرنٹ بہت پیارا ہے۔ کراچی سے لیا ہے''۔ اس نے پھر پٹڑی بدلی۔

''نہیں...... یوگنڈا میں ہی بنایا تھا لاسٹ ایئر۔ تمہیں اچھا لگا' تم پہن لو۔ ویسے میں تمہارے لئے کئی سوٹ پیس لائی ہوں۔ اللہ کرے تمہیں پسند آ جائیں''۔

ارے نہیں یہ تو آپ پہنیئے۔ کوئی چیز اچھی لگنے کا مطلب لینا تو نہیں ہوتا''۔ وہ جھینپ کر بولی۔

''رہی سوٹ پیس پسند آنے کی بات۔ میری خالہ نے بہت محبت سے ہی پسند کئے ہوں گے وہ''۔

''سو نائس''۔ ماہین کو اس پر بے ساختہ پیار آ گیا۔ اس نے روشی کے رخسار پر پیار کیا۔

''اچھا آپ آرام کیجئے۔ تھوڑی دیر بعد ملیں گے''۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ اور وہاں سے کچن کا رخ کیا۔

''ماما بلی۔ ہماری خالہ کیلئے آج کون سی خاص ڈش بنائیں گی؟'' اس نے دو ملازم حضرات کے ساتھ ماما بلی کی ازحد مصروفیت دیکھ کر سوال کیا تھا۔

''آپ یہاں کیسے بی بی؟ چائے پئیں گی؟'' ماما بلی نے مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

''نہیں چائے تو میں خالہ کے ساتھ پیوں گی۔ آج تصویریں بنانے کا موڈ نہیں تھا تو سوچا کچن میں ہی کچھ کر لیں''۔

''اس کا مطلب ہے کھانا باہر سے منگوانا پڑے گا''۔ باری اندر داخل ہوا۔

وہ منہ بنا کر کونے میں لگی چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل کی چیئر پر بیٹھ گئی۔

''ماما۔ کھانا کھلاؤ۔ بی بی تو شہری ہیں۔ پھل کھا کر شکم سیر ہو گئیں۔ مگر بھئی ہم تو قضا ہی سہی مگر کھائیں گے ضرور''۔

''ہائے اللہ۔ بی بی نے دوپہر کو کچھ بھی نہیں کھایا''۔ ماما بلی کو تشویش ہوئی۔

''نہیں خیر...... ایک دیہاتی دوشیزہ کی محبت میں سرتاپا ڈوب کر اچار اور بیسن کی روٹی تناول فرمائی تھی''۔

''تو آپ نے نہیں کھائی؟'' ماما بلی نے پوچھا۔

''بھئی یہ اچار وچار خاصا زنانہ کھاجا ہے' مجھے تو بالکل بھی دلچسپی نہیں''۔

اس نے کن اکھیوں سے روشی کی طرف دیکھ کر بظاہر بڑی بےزاری سے کہا۔ روشی تو اچار کی رسیا تھی۔ اب بھی ذکر سے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ مگر باری کی سمت سے منہ موڑے ایک ہی زاویے سے بیٹھی رہی۔ وہ اس کے سامنے ڈٹ گیا۔

''ماما! کوئی گوشت کا اچھا سا آئٹم ہو تو لانا''۔

''کوفتے اور قیمہ مٹر بنایا تھا دوپہر کو''۔

''واہ بھئی۔ کھانے سے پہلے ہی مزا آ گیا۔ ویسے ماہین بی بی سے اخلاقاً تو پوچھ لینا چاہیے''۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''وہ نہیں کھائیں گی۔ صرف چائے پئیں گی۔ تم اپنے اخلاق آڑے وقتوں کیلئے اٹھا رکھو''۔ وہ قدرے تیکھے انداز میں گویا ہوئی۔

باری اس کے انداز پر قدرے الجھا' پھر بیٹھ گیا۔

''میں نہ ہوں تو دوسری بات۔ مگر میری موجودگی میں اس قدر ایفیشنسی دکھانے کی کیا ضرورت ہے؟'' اس کے انداز میں تلخی تھی۔

''پتا نہیں کیا کیا ڈرامے کئے ہیں جو خالہ اس قدر تعریفوں کے پل باندھ رہی ہیں''۔ وہ بڑبڑائی۔

''مت اتنا کڑھا کریں۔ مزید پیچیدہ ہو جائیں گی''۔ باری کے لب مسکراہٹ سے منور ہو رہے تھے۔

''مجھے کیا ضرورت ہے کڑھنے کی۔ ہونہہ۔ تم اتنے اہم تو نہیں ہو کہ تمہاری وجہ سے کڑھا جائے''۔ اس نے نخوت سے ناک سکوڑی۔

''پھر تو مسئلہ ہی کوئی نہیں''۔ اس کی نظر بھی مسکرا رہی تھی اور ہونٹ بھی۔

''اور سنو''۔ وہ تحکمانہ گویا ہوئی۔

''جی حکم''۔

''ہمارا خیرآباد جانے کا پروگرام سیٹ ہو گیا ہے' خالہ تم سے چلنے کو کہیں تو انکار کر دینا''۔

''جی بہتر۔ پھر تو آپ کے ذہن سے بوجھ اتر جائیگا ناں؟'' اس نے آواز مزید دھیمی کی۔ ماما کھانا کے برتن اس کے سامنے رکھ رہی تھی۔

"میرے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ہے۔ بس ہم تمہیں اپنے پروگرام میں دیکھا پسند نہیں کرتے"۔

"یاد رکھیے گا' اپنی ہی کہی بات"۔ وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔

"ہم کچھ نہیں بھولتے"۔ وہ بڑے ناز وغرور سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ماما"۔ اس نے نوالہ حلق سے اتارتے ہوئے ماما بلی کو مخاطب کیا۔

"جی خان؟" وہ بڑی شفقت سے مسکرا کر متوجہ ہوئی۔

"اندر ایک غزل جوش مار رہی ہے' کہیں پسلیاں توڑ کر باہر نہ آجائے۔ حلق سے نکال دوں؟"

"جی!" ماما بلی ہنسنے لگی۔

دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے

وہ گنگنایا۔

"میری ہانڈی سے تو ہرگز نہیں اٹھ سکتا۔ اس لئے کہ ہلکی آنچ پر پک رہی ہے"۔ وہ مسکرائی۔

اس نے کھا جانے والی نظروں سے باری کی سمت دیکھا تھا جو بڑی معصومیت سے دوبارہ کھانے میں مصروف ہو گیا تھا۔

....

بعض اوقات بہار کی دعا مانگی جائے تو آشیانے کو جگہ نہیں رہتی۔

بارش کی دعا مانگو تو وہ جل تھل ہوتا ہے کہ چھت ٹپکنے لگتی ہے۔

اس کی خوشحالی کا بھی ایسا ہی مزاج تھا۔

وہ ہانپتے وجود کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو در و دیوار سے خوشی وطمانیت کی مہک آئی۔

آج اس کا عرصے سے بیمار بچہ محلے کے ہم عمر بچوں کے ساتھ ہڑبونگ میں مگن تھا۔ اس نے ایک نگاہ غلط باپ کی سمت دوڑائی پھر لاپرواہی سے سامنے کھڑے بچے کی ٹانگ میں ٹانگ پھنسا کر گرا دیا۔ بچوں نے سرمستی میں نعرے لگائے اور گھر سر پر اٹھا لیا۔

"کم بختو! چپ ہو جاؤ۔ چلو رات ہو رہی ہے۔ اپنے اپنے گھر جاؤ۔ او سعید چل ایک طرف بیٹھ۔ دیکھ نہیں رہا باپ تھکا ہوا آیا ہے"۔

اس کی بیوی کی للکار پر ایک دم خاموشی چھا گئی۔ بچے اس کے تیور دیکھ کر ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔

"چلو تم منہ ہاتھ دھو لو۔ آج قیمہ کریلے پکائے ہیں"۔

وہ بنا کچھ بولے نل کی طرف بڑھ گیا۔

اس کی بیوی بیٹی کو تاکید کرنے لگی کہ وہ جلدی سے کھانا لے آئے۔

وہ کاندھے پر پڑے رومال سے ہاتھ منہ پونچھتا واپس پلنگ پر آبیٹھا تھا۔

"تمہاری صحت کو دن بدن گھن لگتا جا رہا ہے۔ کسی ڈاکٹر کو تو دکھاؤ۔ مجھے بڑی فکر رہتی ہے"۔ اس نے تشویش بھری نظروں سے اپنے شوہر کو دیکھا تھا۔

"دکھا دیں گے ڈاکٹر کو بھی"۔ وہ کہتے ہوئے جیب میں جھانک کر پیسے نکالنے لگا۔

"لے۔ یہ رکھ لے۔ دو ہزار ہیں"۔ اس نے رقم بیوی کی طرف بڑھائی۔

"دو ہزار!" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ایڈوانس لیا ہے؟"

"نہیں...... مزدوری ہے"۔

"اتنی مزدوری؟ کیا حکومت نے مزدوری بڑھا دی ہے"۔ وہ خوشی کی بجائے حیرت میں مبتلا تھی۔

"ہم حکومت کے نوکر تھوڑا ہی ہیں"۔ وہ پرمژدہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"سیٹھ اتنا مہربان ہو گیا؟" وہ کچھ الجھن میں تھی۔

"تجھے نہیں چاہئیں تو واپس دے دے' پر لمبی بات نہ کر میرا سر دکھتا ہے"۔

وہ اکتاہٹ بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔ مجھے کیا نظر نہیں آ رہا کہ تم پہلے سے کتنی زیادہ محنت کرتے ہو۔ برسوں کے بیمار لگنے لگے ہو۔ روٹی کھا لو۔ میں تمہارا سر دبا دوں گی۔ اور دیکھو اپنا خیال رکھا کرو۔ میرے منہ میں خاک۔ تمہیں کچھ ہو گیا تو یہاں کون بیٹھا ہے ہمارا"۔

بالو نے سلور کی ٹرے میں سلیقے سے کھانا سجا کر باپ کے سامنے رکھ دیا تھا۔

"اگر تم کہو تو مشین اٹھا لوں۔ بالو اور میں سلائی کا کام پکڑ لیں گے تو تمہیں اتنی محنت نہیں کرنا پڑے گی"۔

"پہلے قرضہ اتار دے۔ تاکہ دماغ کو کچھ آرام ملے۔ بہت ذلیل کرنے لگے ہیں لوگ۔ اسی طرح ذلیل ہوتے رہے تو بیٹی کیلئے بر کہاں سے لائے گی۔ انسان کی تھوڑی بہت عزت ہو تو ایسے کام آسان ہو جاتے ہیں"۔ اس نے بڑی عقلمندی سے بیوی کو سمجھایا۔

بات عورت کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ گہری سانس لیکر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو۔ بنو کی ماں نے بیٹی پانچ تولے زیور کے ساتھ بیاہی ہے تب سے وہ ہماری کھوج میں پڑی ہے۔ بیٹی کیلئے کچھ جوڑا' کچھ بنایا"۔

"کسی کو ہم سے مطلب۔ کیوں میل جول رکھتی ہو ایسی عورتوں سے۔ یہ عورتیں ہی ہیں جو مردوں کو حرام کمائی کی طرف دھکیلتی ہیں"۔

"میں کب جاتی ہوں۔ کوئی خود آ جائے تو گھر سے نکالا تو نہیں جاتا"۔ وہ نرمی سے بولی۔ اب وہ اس کی ترشی کے جواب میں بڑی دھیمی رہتی تھی۔ مرد کما رہا ہو تو اور حاوی ہونے لگتا ہے۔

"ابا! اس کے بڑے بیٹے نے اسے مخاطب کیا۔

"کیا ہے بے۔ اب کیا رات کو بھی پیسے چاہئیں؟" اب تو اسے بات بات پر جھنجلاہٹ ہونے لگی تھی۔

"باہر ایک آدمی آیا ہے رکشے میں، تمہیں بلا رہا ہے"۔

"کون آگیا ہے بھائی!" وہ برتن ایک طرف ہٹا کر پاؤں میں چپل ڈالنے لگا۔

"سوکھا سا ہے۔ بھولے دودھ والے جیسا۔ ابا۔ دودھ والے سوکھے بھی ہوتے ہیں؟"

"چل ہٹ ادھر سے۔ افلاطون کی روح۔ وہ جھلا کر کہتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ سامنے رکشہ میں عارف کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔

"خیر تو ہے بھائی؟"

"خیر ہے۔ فٹافٹ رکشے میں بیٹھ جاؤ"۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی سگریٹ کی راکھ جھاڑی۔

"ابھی تو آیا ہوں۔ اب کہاں جانا ہے؟"

"انہیں اور خون کی ضرورت پڑ گئی ہے"۔

"مگر اب ہمت نہیں ہے بھائی"۔ اس نے معذرت کی۔

"ایسی آسامی روز نہیں پھنستی۔ تیری تو قسمت زوروں پر ہے۔ خون تو بنتا ہی رہتا ہے"۔

"یقین کرو بھائی ذرا ہمت نہیں ہو رہی"۔ اس نے لاچاری سے کہا۔

بالو نے یونہی تجسس میں پردے کی اوٹ سے جھانکا تھا کہ ابا سے کون ملنے آیا ہے؟

سعید نے ایک دم پردہ ہٹا دیا تھا۔ جیسے بہن کو تنگ کر رہا ہو۔

بالو فوراً پلٹ گئی۔

ابا نے دیکھ لیا ہوگا تو بہت بگڑیں گے۔ اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا تھا۔

"بے وقوفی مت کرو۔ بیٹیاں نہیں بیاہنی تم نے؟" اس نے گہرا کش لگایا۔

"ایک ہی بیٹی ہے میری۔ اللہ مدد کرے گا"۔ اس نے اب بھی اسی بے زار لہجے میں جواب دیا۔

"کر تو رہا ہے اللہ مدد۔ ارے بھائی تجھے سمجھ نہیں تو کتنا بڑا نقصان کر رہا ہے اپنا۔ ہمدردی میں آیا ہوں تیری۔ اس لال مظفر کو کوئی تازہ ہٹی کٹی آسامی مل گئی تو تیرا دھندا مندا ہو جائے گا۔ آگے کی فکر کرو۔ مال بناؤ، خون بھی بن جائیگا"۔

"ابھی تو میں نے کھانا بھی نہیں کھایا پیٹ بھر کر"۔ اس نے تھکے ہوئے اعصاب کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"عارف یار۔ مجھے چکر آنے لگے ہیں۔ کل بوری اٹھائی تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ سیٹھ کہہ رہا تھا کہ ست ہو گیا ہوں۔ فارغ کرنے کی دھمکی دے رہا تھا۔ خون روز تو نہیں دیا جاتا پر روٹی تو روز چاہیے"۔

"جب ہی تو کہہ رہا ہوں۔ آجاؤ مہینہ میں چار دفعہ خون بیچا کرو۔ باقی دن آرام سے کھایا کرو۔ چلو شاباش آسامی بہت پریشان ہے۔ اس وقت ہماری مٹھی میں ہے۔ ارے لکشمی برس رہی ہے تیرے سر پر۔ چل بیٹھ شاباش"۔

"اچھا میں ذرا گھر والی کو بتا دوں"۔

"ہاں ہاں۔ مگر جلدی" اس کی نظریں پردے کے اس پار کچھ دیکھ رہی تھیں

....

ماما بی نے اسے رات کا کھانا لگنے کی اطلاع دی اور اپنے ساتھ آنے کو کہا۔

وہ خاصی دیر سے ایک میگزین کی ورق گردانی میں مگن تھی۔ فوراً ماما کے ساتھ چل پڑی۔ ماما نے اسے بتایا تھا کہ ڈنر سب لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ بہت تجسس اور اشتیاق کے ساتھ اس نے ہال میں قدم رکھا تھا۔

اوہ۔ جیسے کسی دعوت کا منظر تھا۔ اچھی اچھی صورتوں والی رنگین آنچل لہراتی لڑکیاں۔ بارعب اور قدرے سرد و مغرور سی خواتین۔ فرشی دسترخوان تھا۔ سارے ہال پر بڑی امی (عالم تاب) کا کنٹرول دکھائی دیتا تھا۔

اس نے اندر داخل ہو کر سلام کیا۔

جس کے جواب میں سلام کے ساتھ ساتھ کچھ سرگوشیاں بھی ابھری تھیں۔

"آؤ بیٹا! ادھر بیٹھو میرے پاس"۔ بڑی امی نے اپنے پاس جگہ بنائی۔

"روشی کہاں ہے؟" انہوں نے نظر دوڑائی۔

"آرہی ہیں...... میں نے کہہ دیا ہے"۔ ماما نے کہا۔

"یہ میرے بھائی زوار کی بیگم شفیقہ ہیں"۔ انہوں نے دائیں طرف بیٹھی ایک سونے میں لدی پھندی خاتون کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ روشی کی سب سے بڑی پھوپھی ہیں رئیسہ۔ یہ ان سے چھوٹی ہیں تزئین اور یہ منجھلی پھوپھی جہاں آراء ہیں"۔ انہوں نے بائیں طرف بیٹھی خواتین کی طرف اشارہ کیا۔ "سب سے چھوٹی پھوپھو امریکہ میں ہوتی ہیں اور یہ میری چھوٹی بھاوج امینہ ہیں۔ اور یہ ان سے بڑی بھاوج سائرہ ہیں"۔

ابھی تعارف آدھا بھی نہیں ہوا تھا کہ ماہین چکرا کر رہ گئی تھی۔

"ہم سب ساتھ رہتے ہیں۔ میری بھاوجیں، بھائی کیونکہ بابا صاحب ہمارے حقیقی چچا بھی ہیں اور ادھر یہ میری دیورانی ہیں۔ روشی کی چچی۔ بصیر چچا کی بیگم ارجمند۔ گھر کے بڑوں کا تعارف تو میں نے کرا دیا ہے۔ اب لڑکیو اپنا اپنا تعارف کراؤ"۔ وہ مسکرائیں۔

سب اپنی اپنی ماؤں کی طرف اشارا کر کے حوالے کے ساتھ ساتھ اپنا نام بتانے لگیں۔

تعارف کے مرحلے میں ہی ماہین "سیر" ہو گئی۔

"ہمارے ہاں لڑکے لڑکیوں کی بے تکلفی پسند نہیں کی جاتی۔ گھر میں آتے جاتے، بات چیت کرتے ہیں مگر کچھ حدیں قائم ہیں۔ بڑے ہونے پر نہ ساتھ کھیلتے ہیں نہ ساتھ دسترخوان پر بیٹھتے ہیں۔ نہ بلاضرورت لڑکیوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ یہ بابا صاحب کے اصول ہیں۔ پیچھے سے ہم افغانی ہیں۔ مگر ہمارے پچھلے مدتوں یوپی میں رہے ہیں۔ میرا ایک بیٹا انیق اور اس

کی بیوی بچے سوئٹزر لینڈ میں رہتے ہیں۔ایک اور ہماری بہو سمیہ ہے۔اس کا میکہ پشاور میں ہے۔آج کل گئی ہوئی ہے۔میری بڑی نند رئیسہ کی بہو ہے''۔

''ہائے خالہ! مجھے آپ پر ترس آ رہا ہے''۔روشی کب سے دروازے میں کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔

ماہین مسکرا دی۔

''لو اس میں ترس آنے کی کیا بات ہے۔اتنا بڑا کنبہ تو قسمت والوں کا ہوتا ہے''۔سائرہ ممانی یعنی بیہ اور سونی کی والدہ نے خاصی ناگواری سے کہا۔

''بجو تو آپ لوگوں میں گھل مل گئی تھیں۔پپا بتا رہے تھے''۔ماہین نے اتنی دیر میں پہلی بات کی۔

''بجو؟ امینہ ممانی نے بڑی امی کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''نازنین کی بات کر رہی ہے''۔

''اوہ۔حاضرین میں سے بہت ساری ''اوہ'' کی آوازیں بلند ہوئیں۔

''اچھا بھئی چلو۔کھانا شروع کرو''۔بڑی امی نے سب کو کھانے کی طرف متوجہ کر دیا۔

وہ سب کی سب بڑے صبر سے بیٹھی ہوئی تھیں۔مگر اشارا ملتے ہیں جیسے ٹوٹ پڑیں۔

''آپ پڑھتی ہیں؟''زری سے سوال کیا۔

''جی۔لاء کر رہی ہوں''۔

''پھر تو ہمارے پاس آ جایئے گا۔دیوانی مقدمات کی ایک قطار کھڑی ہے۔آپ کو کام پر لگا دیں گے''۔مونا مسکرائی۔

''ہمارے پاس یہاں ہر چیز ہے۔ہر رشتہ ہے۔وکیل بھی گھر کا ہو جائیگا۔ہمارے ہاں ماشاءاللہ اتنے لڑکے ہیں مگر کوئی بھی وکالت کی طرف نہیں گیا۔کچھ بزنس کر رہے ہیں' کچھ میڈیکل میں ہیں۔زیادہ کا رجحان سول سروسز کی طرف ہے''۔گلو بولیں۔

''تو کیا ان کے ساتھ ان کے میاں کو بھی یہیں رکھو گی''۔شینو کی رگ پھڑکی۔

''میاں؟ کیا شادی شدہ ہیں؟''چند حیرت آمیز آوازیں ابھریں۔

''بھئی کبھی تو ہوں گی۔یہ مطلب ہے شینو کا''۔سائرہ ممانی نے اپنی عقل سمجھ کے مطابق بات کی۔

محفل میں سناٹا سا چھا گیا۔چمچے پلیٹوں کی کھنکناہٹ بہت محسوس ہونے لگی۔

''سنا تھا' تمہارے والد بھی آئینگے؟''بڑی امی نے فوراً موضوع بدل دیا۔اس کی نظر ان پر پڑی تو وہ لڑکیوں کو اجتمائی انداز میں گھور رہی تھیں۔چہرے کی ساری ملائمت غائب ہو گئی تھی۔لڑکیوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

''جی تین چار روز میں آئینگے''۔وہ ایسے ہو گئی جیسے اس نے کچھ دیکھا ہی نہ ہو۔

''وطن' مستقل کب آنے کا ارادہ ہے؟''انہوں نے عجب شور ڈال دیا تھا۔

''ابھی تو کوئی ارادہ نہیں۔برسوں کا جما ہوا بزنس ہے''۔اس نے پانی کا گلاس اٹھایا۔

''خالہ جانی۔میں آپ کے ساتھ ہی سوؤں گی آج۔رات کو باتیں کرینگے''۔روشی نے کہا۔

''کیوں پریشان کرو گی مہمان کو۔ویسے بھی بے چاری کی نیند پوری نہیں ہوئی''۔

''ارے نہیں' ایسی کوئی بات نہیں۔روشی کی موجودگی سے اور دل لگے گا''۔ماہین نے روشی کی تائید کی۔

''باباصاحب پسند نہیں کرتے''۔

''لیکن اس میں ہرج ہی کیا ہے۔یہ تو کوئی قابل اعتراض بات نہیں''۔ماہین حیران ہوئی۔

''بس باباصاحب کے اپنے کچھ اصول وضوابط ہیں۔ان کی بات کے آگے کسی کی بات نہیں ہوتی''۔بڑی امی کے لہجے میں قطعیت تھی۔

''کوئی بات نہیں۔ذرا سی ڈانٹ کھا لیں گے''۔وہ لاپرواہی سے بولی۔

''ماما۔یاور باہر گئے ہوئے تھے۔آ گئے؟''بڑی امی نے ماما بلی کو مخاطب کیا۔

''جی۔پتا کرتی ہوں''۔وہ باہر نکل گئی۔

ماہین کے ہونٹوں سے گلاس لگا تھا۔یونہی اس کی نظر عالم تاب کی طرف اٹھی۔وہ ٹھٹھک سی گئی۔

وہ شعلہ بار نظروں سے روشی کو دیکھ رہی تھیں۔

☆......☆......☆......☆......☆

ایک سنسناہٹ سی ماہین کے وجود میں دوڑنے لگی۔ اس نے فوراً اپنی نظریں پلیٹ پر مرکوز کردیں۔ مبادا بڑی امی یہ جان بیٹھیں کہ وہ ان کی ''حرکت'' دیکھ چکی ہے۔

روشی کے وجود پر ایک مکمل سناٹا طاری ہو چکا تھا۔

اف۔ کس قدر گھٹن ہے یہاں۔ اور معصوم سی روشی بغیر ماں کے یہاں ''آمروں'' کے زیرسایہ کس طرح زندگی گزار رہی ہے۔ یاور بھائی اور جواد کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ مگر انہیں اپنی کمشنری اور جواد کو اپنے جھمیلوں سے فرصت ہی کب ہوگی۔ میں اگر اسے ساتھ لے جانا چاہتی تو یہ لوگ کبھی بھی لے جانے نہیں دیں گے۔

کاش اس کی شادی کہیں بیرون ملک ہو جائے اور جلدی ہو جائے تاکہ اس زندان سے چھٹکارا ملے۔ اسے تو یہ سوچ سوچ کر پریشانی ہو رہی تھی کہ یہاں سے واپسی کے بعد وہ ایک لمحہ بھی خوشی اور سکون سے نہ رہ سکے گی۔ رہ رہ کر اسے روشی کی قیدیوں جیسی حالت یاد آئیگی۔

''ٹھیک ہے۔ یہاں سب ہی اس طرح رہ رہے ہیں۔ مگر ان سب کی آنسو پونچھنے والی مائیں تو ہیں۔ یہ بے ماں کی بچی اس پر دادی بھی نہیں ہیں۔ دادی بھی ایک نعمت ہوتی ہے جو اپنے پوتی پوتے کے لئے خالص اور بے کھوٹ محبت رکھتی

ہے۔ اس سے کھانا بھی نہیں کھایا جا رہا تھا۔

''آپ جب یوگنڈا میں ہوں گی تو بڑا برتری کا احساس ہوتا ہوگا۔ ان کالوں کے بیچ''۔ شینو نے مسکراتے ہوئے اس کا گلاب جیسا تروتازہ چہرہ دیکھا۔

''ارے نہیں اس طرح کی باتیں کمپلیکس کی نشاندہی کرتی ہیں۔ زندگی بامقصد ہو تو اس طرح کی الٹی سیدھی سوچیں حملہ نہیں کرتیں، ہمارے والدین بہت سلجھی ہوئی فطرت کے حامل رہے ہیں۔ امی مرحومہ گھریلو خاتون ہونے کے باوجود بہت فعال تھیں۔ یہی حال بابا کا ہے۔ تقدیر میں مصروفیت ہے اور فطرت میں محبت۔ اس طرح کے لوگ ماحول کو خوشگوار رہنے دیتے ہیں کیونکہ واضح ہوتے ہیں۔ کمپلیکسڈ نہیں ہوتے تو اس طرح کے ماحول میں پرورش پانے کے بعد کمتری و برتری کے احساس سے الجھے رہنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہمارے آس پاس رہنے والے مقامی باشندے ہم سے اس درجہ محبت کرتے ہیں کہ سارے ماحول سے حسن ٹپکتا ہے''۔

وہ ہنسی۔

شینو نے گہری سانس لیکر گلو کی طرف بڑے تمسخرانہ انداز میں مسکرا کر دیکھا۔

''یہ تو خیر بہت سمجھداری کی بات ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں تمہارے باپ بہت قابل اور لائق انسان ہیں''۔ بڑی امی نے بھی حصہ لیا۔

ماہین کے چہرے پر روشنی سی پھیل گئی۔ اسے یکدم بڑی امی اچھی لگنے لگیں جو اس کے پاپا کی تعریف کر رہی تھیں۔

''اس کا مطلب ہے بڑی تیز نظر تھی ہماری دادی جان کی۔ ناز آنٹی بھی ظاہر ہے ماہین آپی جیسی ہی ہوں گی''۔ حنا نے جیسے بڑی امی سے تائید چاہی۔

''بالکل''۔ ریسہ پھوپھو نے جلدی سے کہا۔

''اللہ میاں کو بھی پتا نہیں کیا جلدی تھی' اتنی پیاری چیز فٹافٹ لے لی۔ ایک گلو (ملازمہ) کا نانا ہے میری پیدائش سے پہلے سے کھانس رہا ہے اسے کچھ نہ ہوا''۔ روبی نے آزردگی سے کہا۔

''ہوں۔ اوں۔ بری بات اس طرح نہیں کہتے''۔ محفل کو ایک دم سانپ سونگھ گیا تھا۔ بڑی امی کی سرزنش بھری آواز سے جیسے دوبارہ زندہ ہوگئی۔

اچانک ماہین کی نظر روشی کی سمت اٹھی۔ اس کے ہاتھ میں نوالہ تھا۔ سر جھکا ہوا تھا اور آنسو بڑی خاموشی سے بہہ رہے تھے۔

ماہین نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے گلے لگا کر خاموش کرنے کا ارادہ کیا تو بڑی امی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

''اس طرح سے اور زیادہ رونا آئے گا پھر مشکل سے چپ ہوگی''۔ انہوں نے دھیمی آواز میں ماہین کو کہا۔

''روشی۔ بری بات بیٹا دسترخوان پر بیٹھ کر ایسے نہیں رویا کرتے۔ بے ادبی ہے رزق کی' چلو شاباش کھانا کھاؤ۔ تزئین

پھو پھو جو اس کے قریب بیٹھی تھیں اسے چمکارنے اور سمجھانے لگیں۔

ماحول ایک دم بدل گیا تھا۔

ہر شخص اپنی جگہ یوں خاموش تھا جیسے اس صورتحال کا وہی ذمہ دار ہے۔ ماہین جو بڑی چاہ اور خواہش سے شاہی ٹکڑے پلیٹ میں نکالے بیٹھی تھی اور مہکتے کھانوں کی خوشبوؤں سے الگ لطف اندوز ہو رہی تھی' ایک دم افسردہ سی نظر آنے لگی۔ اس کے تصور کی اڑان کھانے کے ماحول سے نکل کر کافور و اگربتی کی خوشبوؤں سے گلے مل رہی تھی اور کھانا کڑوا ہو رہا تھا۔

کھانا کھا کر وہ سب نماز پڑھنے چھت پر چلی گئیں تو وہ یہ کہہ کر اپنے رہائشی کمرے میں آ گئی کہ وہ اپنے کمرے میں ہی نماز پڑھے گی اور یہ کہ جلدی سونا چاہتی ہے۔

نماز پڑھ کر اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ ہر سمت نیم تاریکی اور سناٹا تھا۔ دوپٹا پھیلا کر پورا وجود ڈھانپ لیا اور یاور علی خان کے بیڈروم میں چلی آئی اور دروازے پر دستک دی۔

''ہوں''۔ ان کی آواز کے بجائے ہلکی سی ہنکارا ابھری جو گویا اجازت تھی۔ وہ آہستگی سے دروازہ وا کر کے اندر چلی آئی۔

انتہائی شاہانہ انداز میں سجا ہوا بیڈروم تھا اور بے حد وسیع تھا۔ باغ کی طرف کھلنے والے دریچے کے ساتھ ان کا بیڈ تھا اور بیڈ سے ذرا فاصلے پر ان کی رائٹنگ ٹیبل اور چیئر تھی۔ وہ وہیں مصروف تھے۔ کمرے میں لائٹ آف تھی۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی کی وجہ سے ایک دم تاریکی نہیں تھی۔

وہ آگے نہیں بڑھی۔ دروازے کی طرف ان کی مکمل پشت تھی۔ وہ کھنکاری۔

''کون۔ روشی؟''

''جی نہیں۔ میں ماہین''۔ وہ وہیں کھڑے کھڑے گویا ہوئی۔ وہ بہت آہستگی سے گھومے''۔ آپ اس وقت؟'' ان کی آواز مدھم اور لہجہ معمول کا تھا۔

''کیا کریں۔ یہاں تو ہر بات ہی باضابطہ ہے۔ کوئی تنہا اور ذاتی بات کرنا چاہے تو کیا کرے؟'' اس نے ہنوز اسی جگہ کھڑے کھڑے الٹا سوال جڑ دیا۔

یاور علی خان اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اسے اپنی جانب آتے دکھائی دیئے۔ وہ کچھ بھی نہیں مگر اپنی جگہ سے ہلی بھی نہیں۔

وہ دراصل سوئچ بورڈ کی جانب بڑھے تھے۔ کھٹ کھٹ کی کئی آوازیں ابھریں۔ چاروں طرف لگی فینسی لائٹس روشن ہو گئیں۔ کمرا ایک دم جگمگا اٹھا۔ وہ گویا روشنی میں نہا گئی۔ ٹیبل لیمپ تو بے چارا سا لگنے لگا تھا۔

''آیئے تشریف رکھئے''۔ انہوں نے گہرے جامنی مخملی صوفے کی سمت اشارہ کیا۔

وہ سوچ رہی تھی کہ وہ شاید حیران ہوں گے کہ وہ اتنی رات کو کیوں ان سے ملنے آئی۔ مگر وہ بلا کے پرسکون اور نارمل تھے۔ اس کے مقابل خود بھی بیٹھ گئے تھے۔ ادھ جلا سگریٹ ان کی انگلیوں میں دبا ہوا تھا۔ اور نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ دریچے کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ اور باغ میں لگے دیوقامت درخت بڑے عجیب سے دکھائی دے رہے تھے اور جب ہوا سے شاخیں

ہلتی تھیں تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے جن بھوت قدم بڑھا رہے ہوں۔ بلا کی تاریکی تھی باہر۔

''میں جو کچھ کہوں آپ مائنڈ تو نہیں کریں گے؟'' اس نے قدرے جھجک کر پوچھا۔

''آپ کہئے۔ میں کوشش کروں گا کہ مائنڈ نہ کروں۔ اگر کروں بھی تو اظہار نہ کروں''۔ انہوں نے بچے کھچے سگریٹ کو چٹکی میں پکڑ کر لمبا کش لیا۔

''یہ کیا بات ہوئی۔ اس طرح تو مجھے اپنی بات کہنے کی ہمت نہ ہوگی؟'' اس نے بے دلی سے منہ بنا کر کہا۔

''مگر میں مائنڈ نہ کرنے کا وعدہ بھی تو نہیں کر سکتا کہ موضوع جانے بغیر اس طرح کا وعدہ بڑی غیر ذمہ داری کی بات ہو گی''۔ وہ مبہم سا مسکرائے۔

''مگر سیلف کنٹرول کے سبب آپ ایسا کر بھی سکتے ہیں''۔ وہ بھی مسکرا دی۔

''لیکن سیلف کنٹرول کا فیصلہ کن لمحہ بھی بات یا موضوع کی نوعیت سے ہی مشروط ہے''۔

''اف اللہ''۔ ماہین نے سر تھام لیا۔

''آپ بات کہیے۔ اور اس چکر میں مت پڑیئے کہ میں مائنڈ کروں گا یا نہیں کروں گا۔ جو کچھ مجھ پر گزرے گی منفی یا مثبت آپ کو کیا پتہ چلے گا؟ ہے کوئی پیمانہ؟ فرض کیجئے میں مائنڈ نہ کرنے کا وعدہ کر لوں اور آپ کی بات مجھے نہایت نامناسب محسوس ہو اور میں محض وعدے کی بنا پر اظہار ناپسندیدگی نہ کروں تو ایسی صورتحال کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

''جب بات کہے بنا کوئی چارہ نہ ہو تو بات کہنے یا کرنے سے پہلے اپنے اندر جرات پیدا کرتے ہیں' ہر طرح کے ردعمل کا سامنا کرنے کی جرات۔ جی۔ فرمایئے۔ ارشاد''۔

''آپ ویل ایجوکیٹڈ ہیں۔ ناز بجو بھی تعلیم یافتہ تھیں۔ آپ کو ذرا احساس نہیں کہ آپ نے اپنے بچوں کو انقلاب فرانس سے قبل کے ماحول میں قید کیا ہوا ہے۔ آپ خود کلاس ون سرکل موو کرتے ہیں۔ آپ کو چاہیے تھا کہ آپ اپنے بچوں کو ساتھ رکھتے''۔

''یہاں کیا ستم ہے''۔ انہوں نے رسانیت سے مگر وکیلوں کے ہی انداز میں کہا۔

''آپ اپنے بچوں کو کتنا وقت دیتے رہے ہیں؟'' اس نے پینترا بدلا اور نکتہ اٹھایا۔

''جب وہ چھوٹے تھے تو وقت زیادہ تر ان ہی پر خرچ ہوتا تھا''۔ ان کا انداز بدستور تھا۔

''اور اب...... اب آپ جائزہ لیتے ہیں کہ آپ کے بچوں پر تعلیم' تہذیب اور جدید تمدن کا کتنا اثر ہے۔ وہ بہترین دماغوں کے ساتھ کس درجہ اعتماد سے اٹھنے بیٹھنے کے قابل ہوئے ہیں؟''

''انہیں کوئی کمپلیکس نہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے معاشی الجھنوں کے بارے میں صرف سنا ہے۔ اور زیادہ تر الجھنیں اسی ایک کمی کے سبب بیدار ہوتی ہیں''۔ انہوں نے غایت درجہ استغنا سے نیا سگریٹ سلگایا۔

''مگر ایک ویل ایجوکیٹڈ اور ایک صرف ''ویل آف'' یعنی امیر کبیر کا فرق آپ سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ آپ کوالیفائیڈ بھی ہیں اور ویل آف بھی۔ اس وقت کو یاد کیجئے بلکہ اس دور کی تصاویر ہی دیکھ لیجئے جب آپ صرف دولت مند

تھے۔ اور آج خود پر نظر ڈالیے۔ بہت فرق محسوس کریں گے۔

''وہ اچھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں''۔ یاور علی خان نے تحمل سے بات کاٹی تھی۔

''مگر جو کچھ کتابوں اور لیکچرز سے سیکھتے ہیں۔ یہاں وہ یاد ہی کہاں رہنے دیا جاتا ہے۔ ایک ایک حرف پھونک کے اس پار خیر باد کہہ کر اندر داخل ہوتے ہیں''۔ وہ طنزیہ انداز میں ہنس پڑی۔

پہلی مرتبہ یاور علی خان کی پیشانی کی عمودی لکیریں گہری ہوئیں۔ ''میں اچھا محسوس کروں گا اگر آپ وضاحت کر سکیں''۔ انہوں نے سگریٹ ہونٹوں میں دبا لیا اور بہت سرسری سا اس کی سمت دیکھا۔

''بڑی سادہ سی بات کہی تھی میں نے۔ یہاں اس ماحول میں ذاتی شعور اور جائز آزادی کے تمام دستور کالعدم ہیں''۔

''یہ ان کے حق میں اچھا ہے کیونکہ ابھی ان کا ذاتی شعور کانفیڈنشل نہیں''۔ ان کے سکون میں ذرا فرق نہ آیا۔

''کیا اس کی کوئی مخصوص عمر یا پیمانہ ہوتا ہے''۔ اس نے برجستہ سوال کیا۔

''نہیں۔ مگر والدین اپنی اولاد کے تمام ادوار سے آگاہ ہوتے ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں''۔

''مگر والدین''۔ وہ اپنی نکتہ رسی پر بڑے افتخار سے مسکرائی۔

''ٹھیک ہے۔ مگر میں تو ہوں ناں؟'' وہ قدرے جز بز دکھائی دیئے۔

''ماں تو بچے کی زندگی میں بڑی اہم ہوتی ہے۔ اس کمی کے ازالے کیلئے میری بہن کے پیارے بچوں کے ساتھ آپ نے کیا رول ادا کیا؟'' بڑا بے رحم سوال تھا۔

''انہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں۔ انہیں معلوم ہے''۔

''کہ اکیسویں' بائیسویں گریڈ کے افسران ہوتے ہی پرتکلف ہیں۔ خواہ باپ ہوں۔ بڑے باضابطہ اور پروٹوکول کانشس ہوتے ہیں۔ بچوں کو بھول جانا چاہیے کہ ان کا کوئی باپ بھی ہے۔ بس اس بات پر خوش اور مست رہنا چاہیے کہ وہ بڑے افسر کی اولاد ہیں''۔ اس نے ایک اور جارحانہ حملہ کیا۔

وہ خاموش رہے۔

''کچھ کہیے ناں۔ کیا سوچ رہے ہیں''۔ اسے ان کی خاموشی پر حیرانی ہوئی۔

انہوں نے بہت سا دھواں ناک و منہ سے خارج کیا۔ چند لمحوں کیلئے اس کے اور یاور علی خان کے درمیان دھوئیں کے مرغولے حائل رہے۔

غبار چھٹا تو اس نے دیکھا ان کی سرخ اور بوجھل نظریں اس کے چہرے پر ٹکی تھیں۔

''ایک نتیجے پر پہنچنا چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ آپ ناسمجھی کی وجہ سے اتنی جرات مند ہیں کہ دانائی کی وجہ سے''۔

''آپ کسی نتیجے پر نہ پہنچیں مگر مجھے آپ کی قوت برداشت اور طرز گفتگو نے بہت امپریس کیا ہے''۔ وہ مسکرائی۔

''اور میں نے آپ کی ساری گفتگو سے ایک ہیڈ لائن تیار کی ہے۔ کیا آپ کو اس ہیڈ لائن سے دلچسپی ہوگی؟'' انہوں نے دائیں طرف جھک کر راکھ جھاڑی۔

''اوہ۔ شیور''۔ وہ ایک دم مستعد سی دکھائی دی۔

''یہی کہ آپ مجھے غافل' غیر ذمہ دار' خودغرض' خود میں مگن' اپنی کوالیفیکیشن پر نازاں' مغرور' حقائق سے نظر چرانے والا فرد ثابت کرنا چاہ رہی ہیں۔

انہوں نے اسی اطمینان سے پشت صوفے کی بیک سے ٹکائی جس کا مظاہرہ وہ شروع سے کر رہے تھے۔

وہ واقعی دھک سے رہ گئی۔ حقیقتاً جب انسان کسی پر تنقیدی حملہ کر رہا ہوتا ہے تو اس کے جذبات بڑے آزادی سے مظاہرے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ مگر رشتے' تعلق' ماحول و فضا کو مدنظر رکھتے ہوئے خود پر ہی کچھ پابندیاں عائد کرنا پڑ جاتی ہیں۔ نرم نرم الفاظ استعمال کرنے کے باوجود انسان چاہتا ہے کہ اس کی بات اسی تاثر کے ساتھ اپنے ہدف تک پہنچے جس تاثر نے اس کے دل و دماغ کی دنیا میں تہلکہ مچایا ہوا ہوتا ہے۔ اس طرح کی لفاظی کی جنگ ذرا کامیاب رہتی ہے۔

اگر مخاطب نے تنقیدی حملہ ظرف سے برداشت کر لیا تو طبیعت خوش کہ غبار نکل گیا۔

اور جو آستینیں چڑھا لیں تو نہایت سادگی سے کہہ دیا ''نہیں جی۔ آپ غلط سمجھے۔ میرا مطلب یہ نہیں۔ یہ ہے''۔

اسے بھی اسی طرح کی صورتحال درپیش تھی۔ لفاظی کی جنگ میں بلاشبہ اس کا فطری خلوص کارفرما تھا۔ اور وہ ان کی کوتاہیوں کی نشاندہی کرنا چاہ رہی تھی۔ مگر اب جو انہوں نے خود اپنے لئے الفاظ استعمال کیے۔ انہیں سن کر وہ خاصی خجل سی ہو گئی تھی۔

خجل ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ایک لمحے کیلئے بھی اس سے تلخی یا برہمی سے مخاطب نہیں ہوئے تھے کہ وہ اپنی تنقید کو جائز قرار دے سکتی۔ ان کے برا ماننے کی صورت میں وہ شک کا فائدہ حاصل کر لیتی کہ

''دیکھا لگا ناں برا۔ ہیں جو ایسے''۔ مگر ان کی مستقل حالت سکون اسے الٹا مضطرب کرنے لگی تھی کہ مبادا وہ انہیں غلط سمجھ رہی ہو۔

''اگر میں آپ کے پیارے بھانجے کو کہیں سے ایک ماں مہیا کر دیتا تو بھی آپ کو مجھ سے شکایت ہوتی''۔ وہ اسے خاموش پا کر گویا ہوئے۔

''آپ کو تو میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ میں نے بچوں کو اپنے ذاتی مقاصد کی نذر نہیں کیا۔ جی؟''

''آپ کا بہت بہت شکریہ''۔ وہ شریر انداز میں زیر لب مسکرائی۔

''مگر میں یہ عرض کروں گی آپ ماں کی کمی تو کیا پوری کرتے' آپ نے تو باپ کا رول بھی ٹھیک طرح سے ادا نہیں کیا۔ آپ نے شاید نوٹ نہیں کیا ہوگا جو چوبیس گھنٹے میں میں نے نوٹ کر لیا ہے''۔

بالآخر وہ یاور علی خان کو چونکانے میں کامیاب ہو گئی۔ وہ سگریٹ کا ٹکڑا ایش ٹرے میں مسلنا بھول گئے تھے۔ آنکھوں کی سرخی کچھ گہری سی ہو گئی۔ ''بات بات پر روشی کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ مجھے لگتا ہے خدانخواستہ اسے کبھی کسی وجہ سے رونا پڑا تو وہ پھٹ پڑے گی''۔

''مگر یہاں تو سب اس سے بہت پیار کرتے ہیں''۔ انہیں جیسے گہرا صدمہ ہوا تھا یہ سن کر۔

''اگر اس کیلئے ماں کی موجودگی ضروری نہیں' اور کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ پورا خاندان مل کر 'بجو' بنا ہوا ہے۔ تو اس کا مطلب ہے کہ اس حویلی میں موجود تمام بچوں کی مائیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں کہ یہاں ماں ہونے یا نہ ہونے سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا''۔

''دنیا کی کوئی عورت میرے بچوں کی ماں نہیں بن سکتی۔ یہ میری محبت کی انتہا ہی تو ہے کہ میں نے اپنے بچوں کے سر پر ''دوسری بیوی'' مسلط نہیں کی۔ اور معاف کیجئے گا۔ آپ کو میری اولاد سے کتنی ہی محبت کیوں نہ ہو' مگر آپ مجھ سے زیادہ میرے بچوں سے محبت تو نہیں کر سکتیں''۔

''میں اس طرح کے احمقانہ دعوے کبھی نہیں کروں گی۔ مگر یہ ضرور کہوں گی اپنے بچوں کو دوسری کی محبت کے بھروسے پر چھوڑ دینا بھی کوئی اچھی بات نہیں۔ میں محسوس کرتی ہوں کہ آپ مدت سے اپنے بچوں کو میسر نہیں ہیں۔ اب دیکھئے۔ ہم نے نہیں دیکھا کہ جواد اور آپ آپ سارا دن میں ایک بار بھی ملے ہیں۔ ایک گھر میں ہوتے ہوئے بھی''۔

''ہم عام لوگ نہیں ہیں مادام۔ اس لئے ہمارا انداز زندگی بھی عام نہیں ہے''۔

''آپ بزنس مین لوگ ہیں' پیسہ بھی بہت ہے مگر حکم و حکمرانی کے ساتھ زندگی کا ذائقہ کیا ہوتا ہے۔ آپ نہیں جانتیں۔ حکومت کرنے والے گھرانے کے افراد عام نہیں ہوتے ان کی سوچ بھی عام آدمی سے مختلف ہوتی ہے۔ جواد نے ہوش سنبھالنے کے بعد اب تک خود کو حکم دینے والوں میں پایا ہے۔ اس کے خون میں بھی یہی اثر ہے اور ماحول نے بھی اسے از بر کرا دیا ہے کہ وہ کیا ہے۔ وہ ایک وقت بھوکا رہ سکتا ہے مگر خود کو رعایا میں دیکھنا کبھی پسند نہیں کر سکتا۔ وہ خوش ہے۔ آپ یقین کریں''۔

''میں نہیں جانتی۔ یہ محض خود فریبی ہے۔ خاص طور پر مجھے روشی سے تو بہت ہی ہمدردی ہو رہی ہے' وہ اپنی بات پر قائم تھی''۔

''اور آپ کیلئے اچھی اطلاع یہ ہے کہ مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ آپ میرے بچوں کیلئے اس قدر فکر مند اور پرخلوص ہیں''۔

''تو شکر تو ہونا بھی نہیں چاہیے آپ کو۔ آپ نے سنا نہیں 'ماں مرے ماسی جئے''۔ یہ اور بات کہ میں ہمیشہ سے یوگنڈا میں رہی ہوں۔ مگر فطری دلچسپی تو ہمیشہ رہی ہے۔ اپنی بہن سے' اس کے بچوں سے۔ اگر میں مستقل یہاں وطن میں ہوتی تو یہ مثل کب کی ثابت کر چکی ہوتی''۔ وہ بڑے اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

یاور علی خان مبہم سا مسکرائے۔ وہ بہت چھوٹی سی گڑیا محسوس ہو رہی تھی۔ ٹانگ پر ٹانگ اور گود میں ہاتھ رکھے بڑی بزرگانہ قسم کی سنجیدگی اس کے چہرے سے مترشح تھی۔ شانوں تک کٹے ہوئے بال دونوں طرف برابر پڑے ہوئے تھے۔ کھلی پیشانی پر بھی دو چار لٹیں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ بہت اچھے ماڈل کی بہت شاندار سی گڑیا محسوس ہوئی۔

انہیں جانے کیا یاد آنے لگا۔ وجود حاضر اور دماغ غائب ہونے لگا۔

قیمتی ریشمی چست قمیض میں سانچے میں ڈھلا سراپا۔

ٹخنوں سے ذرا اونچے سیاہ دراز گیسو گلے میں چنا ہوا دوپٹا۔

ساس کے ٹوکنے کے باوجود اس کے دوپٹے کو پھیلنا نہیں آیا تھا۔

بلا کی فیشن ایبل۔

غضب کی جامہ زیب۔

بے حد طرح دار۔

جس کی معمولی سے معمولی ادا بھی دودھاری تلوار تھی۔

ان کی سرخ آنکھیں بے خیالی میں اس پر مرکوز تھیں۔ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

''کہنا تو بہت کچھ ہے مگر باقی باتیں آپ سے پھر کروں گی''۔

وہ چونک پڑے''۔ جی کچھ کہا آپ نے؟'' ان کے تاثرات بدل گئے۔ بہت کھردرا اور خشک لہجہ تھا اب۔

''جی نہیں۔ میں نے کچھ نہیں کہا''۔ وہ جل کر بولی اور شب بخیر کہہ کر باہر آ گئی۔

ماما لبی کی اسسٹنٹ سرسوتی بیچ راہداری میں ننگے فرش پر اپنی چادر کا تکیہ بنائے خراٹے شارٹ ویوز پر نشر کر رہی تھی۔

جانے کیوں اسے سامنے پا کر ایک نیا خیال وہم کی صورت اسے پریشان کرنے لگا۔ یہ سونے کے بجائے جاگتی ہوئی بھی پائی جا سکتی تھی۔

اسے اس طرح رات کے اس پہر یاور علی خان کے کمرے میں نہیں جانا چاہیے تھا۔ محلاتی سازشیں تو یوں بھی بڑی مشہور ہیں۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے بڑے قریب سرسوتی کا چہرہ دیکھا۔

آیا وہ سچ مچ سو رہی ہے۔ کہیں بن تو نہیں رہی؟

''یہ واقعی سو رہی ہے۔ یہ اسی طرح گھوڑے بیچ کر سوتی ہے۔ اب تو صبح ماما لبی دو چار دھموکڑے مار کر ہی اسے اٹھا سکے گی۔ آپ فکر مند نہ ہوں''۔ باری کی دھیمی آواز اس کے کان میں آئی تھی۔

وہ چونکی۔ پھر خفیف سی ہو کر رہ گئی''۔ تم جاگ رہے ہو اب تک؟ وہ دراصل میں۔ یاور بھائی سے''۔

''آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟'' اس نے جیسے سنی ان سنی کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں''۔ وہ اس کی سمت دیکھے بنا بولی تھی۔

''اچھا تو پھر۔ شب بخیر''۔ وہ تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا ایک موڑ پر غائب ہو گیا۔

....

''باری!''

''یا الٰہی اتنی صبح صبح''۔ وہ باغ کے انتہائی کونے میں ایک کتاب لئے بیٹھا تھا اور وہ اسے ڈھونڈتی ہوئی اس کونے میں بھی پہنچ گئی تھی۔

''باری...... پلیز ہیلپ می''۔

''خدا خیر کرے۔ زیادہ ایمرجنسیز یہاں آپ ہی کو پیش آتی ہیں''۔

''باری۔ آج میں خالہ سے ڈھیروں باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ میرا دل نہیں چاہ رہا کالج جانے کو''۔

''مگر میں آپ کے بدلے کالج نہیں جا سکتا۔ مجھے افسوس ہے''۔ وہ دوبارہ کتاب سے آنکھیں لگا کر بیٹھ گیا۔

''پوری بات بھی تو سن لیا کرو''۔ وہ بھنائی۔

''اچھا! ابھی بات آدھی تھی۔ اوہ۔ فرمایئے''۔

''پتا ہے کیا تم گھر میں شور ڈال دو۔ مجھے وومیٹنگ ہو رہی ہے رات سے''۔

''یعنی مجھے اب ڈھنڈورچی کا عہدہ بھی تفویض فرما رہی ہیں آپ؟''

''مت بولا کرو اتنی مشکل اردو۔ میری دماغ میں کنکر چبھنے لگتے ہیں''۔ وہ جھلا گئی۔ ''بس اتنا سا کام ہے کوئی بڑا کام نہیں نہیں''۔

''آپ کے تو سارے کام ہی اتنے سے ہوتے ہیں۔ یوں تو میں آپ کو زہر لگتا ہوں۔ مگر کام پڑتے ہی یکا یک آنکھوں کا تارا بن جاتا ہوں۔ پھر کام نکلتے ہی آنکھیں پھیرتی ہیں کہ طوطے احتجاجی تحریک شروع کرنے کا پروگرام بنانے لگے ہیں''۔

''نہیں تو پھر کیا ہر وقت تمہارے گھٹنے سے لگی بیٹھی رہوں؟'' وہ فطری نخوت سے ناک چڑھا کر بولی۔ باری کی باقی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی۔

''کیسے دیوانے کے خواب دکھا رہی ہیں آپ''۔ وہ کتاب بالکل چہرے کے قریب لے گیا۔

''باری۔ سمجھو ناں۔ پرابلم یہ ہے کہ صرف بابا صاحب اور بڑی امی کا مسئلہ نہیں بلکہ آج کل تو پپا بھی گھر پر ہیں۔ بس میرا دل نہیں چاہ رہا کالج جانے کو۔ باری پلیز''۔

''میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اصولی مدد کر سکتا ہوں''۔ اس کی بے نیازی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

''بڑے آئے وہاں سے اصول پرست۔ اچھا اگر میں منہ میں انگلی ڈال کر قے کر دوں پھر تو کہہ دو گے؟''

''مگر اتنی صبح صبح نکلے گا کیا؟ ناشتے کے بعد پروگرام بنایئے گا''۔ اس نے انگلی میں تھوک لگا کر کتاب کا صفحہ پلٹا۔

''ویسے آپ کی چھٹی بے کار ہی جائیگی۔ آج تو میں آپ کی خالہ کو نہر والا علاقہ دکھانے لے جاؤں گا''۔

''تو پھر کیا ہوا۔ میں بھی چلوں گی''۔ وہ ٹھنکی۔

''نہیں بھئی، سارا مزا خراب ہو جائے گا سیر کا۔ وہ اتنی سیریس اور نپی تلی باتیں کرنے والی اور کہاں آپ کی ایک زمین کی ایک آسمان کی بے ربط گفتگو۔ کیا باتیں کرتی ہیں۔ واہ''

''واہ''۔ اس نے نقل اتاری''۔ خالہ میری ہیں۔ باتیں تم سنو گے؟'' وہ طیش میں آ گئی۔

''اگر آپ کہیں تو آپ کو 'دو چار' سنوا سکتا ہوں''۔ اس نے سادگی سے آفر کی۔

''دیکھنا اب مجھ سے بات کر کے''۔ وہ پاؤں پٹختی آگے بڑھی۔

''اگر کبھی ایسی غلطی سرزد ہو گئی تو کیا ہو گا؟'' وہ مسکرایا۔

''خون پی جاؤں گی تمہارا''۔ وہ غرائی۔

''کوئی بات نہیں۔ میں شام کے اخبار میں آپ کی سچی کہانی شروع کرا دوں گا قسط وار'' آدم خود بننے سے پہلے'' کیسا عنوان ہے''۔

''بالکل تمہاری طرح بدشکل''۔ وہ رک کر پھنکاری۔ باری بہت کوشش کے باوجود اپنے بلند قہقہے پر قابو نہ رکھ سکا تھا۔

....

ہال کمرے میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔

وقت پر سونے کی وجہ سے وہ علی الصبح بیدار ہو گئی تھی۔ نماز پڑھی کیونکہ سورج طلوع ہونے والا تھا اس لئے پہلے نماز بعد میں صبح کے غسل کا اہتمام کیا۔

کلف لگے شلوار کاٹن کے کھڑ کھڑاتے ہوئے سفید کرتا شلوار اور چوڑے سے دوپٹے میں ملبوس جیسے سحر کے اہتمام کا حصہ ہو رہی تھی۔ بال سوکھتے ہی عمارت کے بائیں طرف کمروں کی طرف آ گئی تھی۔

لڑکوں کی صبح کی بھاگ دوڑ اپنے عروج پر تھی۔ ٹی وی آن تھا۔ صبح کی نشریات سے بھی لطف اندوز ہوا جا رہا تھا۔

''یار! ٹی وی کی آواز آہستہ کرو۔ رفیع کا بڑا اچھا گانا شروع ہوا ہے''۔ ثمر نے جھلا کر وہاج کو مخاطب کیا تھا۔ وہ ریڈیو سے چپکا بیٹھا تھا۔

''آپ کی فرمائش'' سن رہا ہے۔ غدار کہیں کا''۔ ندیم نے کھنچائی کی۔

''ڈوپٹے رنگنے کی ترکیبیں سیکھ رہے ہو محب وطن؟ کشمیر میں جا کر لڑو۔ بڑا آیا جنگجو مجاہد۔ خود تو جیسے ''ریسٹ'' پر آیا ہوا ہے''۔ اس نے جواباً ندیم کو دبوچا۔

''یار! کتنی مرتبہ کہا ہے کہ جب ریزر تباہ کیا کرو تو انفارم کر دیا کرو''۔ چھوٹے بھیا جھلاتے ہوئے ہال میں داخل ہوئے اور منہاج پر برسنے لگے۔ جوان کا ریزر استعمال کرتے ہوئے کئی بار پکڑا جا چکا تھا۔

''بد اچھا۔ بدنام برا۔ کیا ضروری ہے کہ اس بار بھی مجرم میں ہی ہوں''۔ وہ بے بسی کی تصویر بن گیا۔

''تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا''۔ چھوٹے بھیا نے پر یقین انداز میں کہا۔

''کیوں۔ کیا ان سب نے ''مجنوں لیگ'' بنا لی ہے۔ داڑھیاں رکھیں گے؟''

ندیم کی زبان پر کچھ نہ کچھ پھسل جاتا تھا۔ اور اس کے بارے میں سب ہی کو پتا تھا کہ نمبر ایک کا ہل ہے۔ بار بر سے شیو بنواتا ہے۔

وہ بے ساختہ ہنس دی تھی۔ دھیرے سے۔ مگر امیر نے دیکھ لیا تھا بے چارا بغیر قمیض کے بے تکلف حلیے میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔

''شیر آیا۔ شیر آیا''۔ اس نے رونی شکل بنا کر آواز نکالی۔

''آئے گا تب ہی بھاگیں گے''۔ فاران تو ویسے ہی ڈھیٹ مشہور تھا۔

تب وہ کھنکھارتی ہوئی باقاعدہ اندر آ گئی۔

''السلام علیکم!'' اس نے بڑے اعتماد سے حاضرین کو سلام کیا۔

جو جہاں تھا وہیں جم گیا تھا۔ چھوٹے بھیا کو تو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ ان کے آدھے چہرے پر کریم کا جھاگ لگا ہوا تھا۔ ثمر کو 'رفیع' بھول گیا۔

جو کاندھوں پر تولیے ڈالے گھوم رہے تھے۔ انہوں نے تولیے اچھی طرح لپیٹ لئے۔

''معاف کیجئے گا۔ مجھے اس طرح کی صورتحال کا اندازہ نہیں تھا''۔ وہ واقعی شرمندہ ہو گئی۔

''میں تو جواد کے پاس آئی تھی۔ نظر نہیں آ رہا وہ''۔ اس نے طویل و عریض ہال پر نظر دوڑائی۔

''وہ 'حکیم سعید' بننے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ دو میل پیدل آنے کے دو میل جانے کے''۔ ندیم نے تفصیلاً جواب دیا۔

''اوہ۔ مارننگ واک۔ گڈ''۔ اسے بھانجے کی صحت مندانہ عادت جان کر خوشی ہوئی۔

''کتنے بجے تک آ جاتا ہے''۔ اس نے ندیم ہی کو مخاطب کیا۔

''آتا ہو گا''۔ وہاج نے بڑے سلیقے سے جواب دیا۔

''آپ؟''

''خالہ ہوں جواد کی''۔

''خالہ!'' دو چار حیرت آمیز آوازیں بلند ہوئیں۔

''جی بتایا تھا جواد نے کہ اس کی خالہ آئی ہوئی ہیں''۔ چھوٹے بھیا نے کہا۔

''مگر ہمیں تو معلوم نہیں تھا۔ خیر۔'' ثمر نے شانے اچکائے۔

''ایک بات بتایئے۔ کیا ہم سب کو بھی خالہ ہی کہنا چاہیئے''۔ وہاج کو بہت زیادہ تشویش ہوئی۔

''ویسے یہ اس حویلی کا سب سے بھیانک حادثہ ہے''۔ منہاج نے اس کے سراپے پر نظر ڈالی۔ چھوٹے بھیا اسے گھور کر رہ گئے۔

''شیو مکمل کر لیجئے۔ کہیں بھول گئے تو ہم سب کو بھی پھنسوا دیں گے۔ کل کو فیشن چل پڑے گا۔ آدھی شیو کا''۔ ندیم ان کے کان میں منمنایا۔

وہ قدرے کھسیا کر باتھ روم کی طرف بڑھ گئے۔

''آپ جو چاہے کہیے۔ جواد آپ کے برادر عزیز ہیں۔ اصولاً تو آپ سب مجھے خالہ ہی کہیں''۔ اس کی ہنسی میں بلا کا اعتماد تھا۔

''آپ بالکل مس فٹ ہیں اس رشتے کیلئے''۔ امیر نے بڑی تیزی سے اظہار ناپسندیدگی کیا۔

''مردانے زنانے الگ ہونے پر آپ لوگوں کا یہ حال ہے؟'' اسے بہت ہنسی آ رہی تھی۔

''اسی وجہ سے یہ حال ہے''۔ مصور نے بہت سوچ سمجھ کر حصہ لیا۔ ایک فرمائشی قہقہہ پڑا۔

''آپ ذرا۔ این۔ او۔ سی تو چیک کرایئے''۔ ندیم آگے بڑھا۔

''این۔ او۔ سی؟'' اس نے حیرت سے پوچھا حالانکہ سمجھ تو گئی تھی کہ ضرور مذاق ہی ہو رہا ہو گا۔

''بابا صاحب جاری کرتے ہیں۔ آپ کو چاہیے تھا بیج کی شکل میں ڈوپٹے پر لگا لیتیں۔ تاکہ ہمیں بھی اطمینان رہتا کہ کوئی غیر قانونی ملاقات نہیں ہو رہی''۔ ندیم نے اسے بیٹھنے کیلئے موڑھا پیش کیا۔

''شکریہ''۔ وہ موڑھا مزید سرکا کر بیٹھ گئی۔

''میرے خیال میں این او سی کا تعلق ان لوگوں سے ہوتا ہے جو ریاست کے شہری ہوتے ہیں اور ریاست سے شہریت کے مخصوص فوائد حاصل کرتے ہیں''۔

''پالیٹکس......'' ثمر نے حیرت سے ندیم کی سمت دیکھا۔ اس نے بھی شانے اچکا دیئے۔

''بھئی! میں یہاں آپ کے گھر میں ہوں...... یہی میرا این او سی ہے۔ آپ فکرمند نہ ہوں۔ میں اپنی ذمہ داری پر آپ لوگوں کے درمیان ہوں''۔

''میرے خیال میں مطمئن ہو ہی جاؤں''۔ وہاج ایک کرسی پر گر گیا۔

''دراصل جواد مل ہی نہیں پا رہا ہے۔ ایک کے بعد دوسرے کام سے کہیں چلے جاتے ہیں اور مجھے بہت کوفت ہو رہی ہے''۔

اسی وقت جواد سیاہ ٹریک سوٹ میں اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے منحنی سا ملازم جوس کا گلاس لئے آ رہا تھا۔

ماتین کی آنکھوں میں محبت اور اپنائیت کی روشنی سی کوند گئی۔

جواد کے چہرے پر حیرت آمیز تاثرات نمودار ہوئے۔ وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔

''آپ......؟''

''تو کیا کریں؟ خود تو آپ ہمارے پاس آئے نہیں' ہم خود چل کر آئے ہیں تو جناب پھر بھی ہاتھ نہیں لگتے''۔ اس نے پیار سے اس کی سمت دیکھ کر شکوہ کیا۔

''رات میں آپ کی وجہ سے جلدی آ گیا تھا''۔

''کتنی جلدی؟'' اس نے بے یقینی کے انداز میں اس کی طرف دیکھا اور گویا جھوٹ پکڑنے کی کوشش کی۔

''ساڑھے نو بجے۔ آپ کے کمرے کا دروازہ نوک کیا' کوئی آواز ہی نہیں آئی''۔

''ہاں' ہو سکتا ہے' شاید میں نماز پڑھ رہی ہوں گی''۔

''پھر میں پندرہ منٹ کے وقفے کے بعد دوبارہ گیا' دروازہ ناک کیا پھر کوئی آواز ہی نہیں آئی۔ یہ سوچ کر زیادہ زور سے ناک نہیں کیا کہ آپ سو نہ گئی ہوں''۔

(اس وقت تو میں غالباً یاور بھائی سے باتیں کر رہی تھی)'' ہاں ہو سکتا ہے میں سو گئی ہوں اور مجھے پتا نہ چل سکا ناکنگ کا۔ بہر حال یہ سن کر میرا سیروں خون بڑھ گیا ہے کہ تمہیں اس درجہ خیال آیا' ورنہ میں تو یہی سمجھی تھی' تمہیں پرواہ بھی نہیں

ہے“۔

”یہ کیسے ہوسکتا ہے؟“ وہ ہنس دیا

”خیر! پہلے تو تم یہ جوس پیو“۔ اس نے بالکل مادرانہ انداز میں کہا تھا۔

”آپ لیں ناں پلیز...... اور منگا لیتے ہیں“۔ اس نے گلاس ماہین کی طرف بڑھایا۔

”میں تو بیڈ ٹی لے چکی ہوں‘ بالکل بھی میچنگ نہیں ہو رہی“۔ وہ دھیرے سے ہنس دی۔

جواد نے جوس کے گھونٹ بھرنے شروع کر دیئے۔

”کہاں کہاں سیر کی آپ نے؟“

”کل باری کے ساتھ گئی تھی۔ آج بھی جانے کا پروگرام ہے‘ تم چلو گے؟“

”سوری! آج کچہری جانا بہت ضروری ہے۔ بابا صاحب......!“

”ماشاءاللہ! اتنے سارے لوگ موجود ہیں‘ کوئی اور چلا جائے گا کچہری“۔ اسے سراسر عذر لنگ محسوس ہوا تھا۔ ایک دم بجھ گئی تھی۔

”بابا صاحب جسے کام سونپ دیں اسے ہی مکمل کرنا ہوتا ہے“۔ اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

”یہ بہت لاڈلے ہیں‘ بابا صاحب کے“۔ منہاج نے مطلع کیا۔

”وہ تو میں دیکھ رہی ہوں۔ دوپہر کا‘ رات کا کسی وقت کا کھانا تو وقت پر کھاتا نہیں ہے“۔ اس نے تنک کر کہا۔ (بے ماں کے بچوں پر حد ہے کوئی ظلم کی)

”روشی بتا رہی تھی‘ دن کے اجالے میں تو بھائی نظر ہی نہیں آتے۔ تم تنگ نہیں پڑتے اس ظالمانہ لاڈ پیار سے؟“ اسے غصہ آ گیا تھا۔

ایسی فطری اپنائیت کے اظہار نے جیسے جواد کا دل موہ لیا۔

”آپ کو نہیں پتا بڑے ”ٹور“ ہیں اس کے...... ڈی سی کا بیٹا ہے۔ سب کی نظروں میں رہتا ہے‘ آپ ترس نہ کھائیں۔ ہم سب تو اس سے جلنے کا پروگرام بنا رہے ہیں“۔ فاران نے صورتحال کلیئر کرنے کی کوشش کی۔

”یہ سارے کام پروگرام بنا کر کرتا ہے مرنے سے پہلے بھی پروگرام بنائے گا“۔ امیر کو فاران سے خاصی پرخاش رہتی تھی۔

ماہین بے ساختہ ہنسی پڑی تھی۔ اف خدایا کتنے دلچسپ ہیں یہ لوگ۔ بلکہ سارا گھر۔ اب سمجھ میں آیا بجو کا میکے میں دل کیوں نہیں لگتا تھا“۔

”بجو! جواد نے اس کی سمت سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”تمہاری امی بھئی‘ ہم سب بہن بھائیوں کی بجو“۔ اس نے بتایا۔

”اوہ! وہ خاموش سا ہو گیا۔

ماہین کو افسوس ہوا کہ اس کی ماں کا ذکر چھیڑ کر خوامخواہ اداس کر دیا۔

”ویسے آپ کو شائد یہ سن کر خوشی ہو کہ خیر آباد کے پروگرام میں‘ میں بھی شامل ہوں“۔

”سچ“۔ ماہین کو بے انتہا خوشی ہوئی۔

”بالکل سچ! ابھی پپا میرے ساتھ ہی تھے‘ مجھے کہہ رہے تھے کہ مجھے ضرور چلنا ہے“۔

”اب آئے گا مزا تو‘ ورنہ میں سوچ رہی تھی جب تمہارے نانا جان مجھ سے پوچھیں گے کہ بھانجی بھانجے کے ساتھ کیسا وقت گزرا تو کیا جواب دوں گی“۔

”پپا تو بتا رہے تھے‘ نانا جان بھی آ رہے ہیں“۔

”ہاں‘ مگر ابھی دیر ہے ان کے آنے میں‘ روشی بھی تو ہمارے ساتھ ہوگی“۔

”پتا نہیں‘ پپا نے تو کوئی ذکر نہیں کیا۔ باری کے متعلق البتہ کہہ رہے تھے کہ شاید وہ ہمارے ساتھ چلے گا۔ اسے بابا صاحب کا کوئی کام بھی کرنا ہے ادھر“۔

”وہی میں سوچ رہا تھا‘ بغیر کسی بھاری وجہ کے باری صاحب یہاں سے ہل کیسے سکتے ہیں۔ وہ تو بابا صاحب کے آکسیجن ماسک ہیں“۔ ثمر نے ذرا سی دیر میں خاصا غور و خوص کر لیا تھا۔

”اچھا میں چلتی ہوں‘ تم لوگ اپنی تیاری کرو‘ ویسے تو میں ماما بلی کو بتا کر آئی تھی۔ اگر وہ بتاتا...... بھول گئی ہوگی تو سب یہی سوچ رہے ہوں گے کہ میں ابھی تک سو رہی ہوں“۔

وہ باہر نکل گئی۔

”بڑی بولڈ خالہ ہیں یار...... خالہ......“۔ چھوٹے بھیا تولیے سے سر رگڑتے ہوئے ہال میں داخل ہوئے۔

”آپ کو سوٹ نہیں کر رہا یہ رشتہ۔ آپ انہیں صرف میری خالہ رہنے دیں“۔ جواد شرٹ اتارتے ہوئے تقریباً جھلا کر بولا تھا۔

”یار! بڑے لکی ہو۔ ایسی شاندار خالہ! اللہ ہر کسی کو ایسی ہزاروں خالائیں دے“۔ امیر نے دعائیہ انداز میں ہاتھ بلند کیے۔

”تمنائیں کرنے سے غرض ہے‘ نتیجے کی طرف کبھی دھیان نہیں دیتا“۔ ہزاروں خالائیں“...... ہونہہ! سالی آدھی گھر والی ہوتی ہے۔ انسان کو تھوڑی بہت ہمدردی اپنے باپ سے بھی ہونی چاہیے“۔ ندیم نے جھاڑ پلائی۔

اسی وقت کھوکھر نے اندر آ کر ناشتا لگنے کی اطلاع دی تھی اور اب نئے سرے سے آپا دھاپی شروع ہو گئی تھی۔ ہر ایک پر عجلت سوار تھی۔ اس کی خاص وجہ یہی تھی کہ بابا صاحب اکثر انہی سب کے ساتھ ناشتہ کرتے تھے۔

....

”خان! آپ کو بڑے خان بلا رہے ہیں“۔ سرسوتی پیغام دے کر فوراً ہی پلٹ گئی تھی۔

وہ اپنے کسی ضروری کام سے شہر جانے کا پروگرام بنا رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ دس گیارہ بجے تک واپس آ جائیگا۔ وہ گھری

سوچ میں مستغرق ان کی خوابگاہ میں چلا آیا۔ اور اندر داخل ہوتے ہی چونک پڑا۔

روشی کالج یونیفارم میں ملبوس بابا صاحب اور یاور علی خان کے درمیان بے چاری سی بنی بیٹھی تھی۔ یاور علی خان حسب معمول اردو اور انگریزی اخبارات میں الجھے ہوئے تھے۔ بابا صاحب' روشی سے باتیں کر رہے تھے۔

''آؤ باری' کہاں تھے بھئی؟ آج تو صبح سے نظر ہی نہیں آئے''۔

''میں تو یہیں ہوں گھر میں''۔ ابھی البتہ باہر جانے والا تھا اور یہی بتانے آرہا تھا آپ کو......''

''بہت اچھے۔ بھئی آج روشی کی آنکھ نہیں کھلی جلدی' ماما نے بھی نہیں اٹھایا۔ سب بچیاں تو چلی گئیں۔ امتحان نزدیک ہیں چھٹی سے حرج ہوگا۔ تم شہر تو جا رہے ہو' یہ اور اچھا ہوا۔ اسے کالج چھوڑتے جانا۔ جاؤ بیٹی تمہارا تو مسئلہ حل ہوگیا''۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

باری نے بمشکل اپنی مسکراہٹ دبائی۔

''بہتر بابا صاحب؟''

''چلیے روشی بی بی! آپ کی جیپ لے جاؤں بابا صاحب؟''

''ہاں ہاں' وہی لے جاؤ' چابی جواد کے پاس ہوگی''۔

وہ پلٹ گیا یہ دیکھے بغیر کہ وہ آرہی ہے یا نہیں۔ بابا صاحب کا حکم ہو چکا تھا۔ اب تعمیل تو ہونا ہی تھی۔ وہ جواد سے چابی لے کر آیا تو وہ جیپ کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ملی۔

وہ بڑے زناٹے سے جیپ لے اڑا۔ کچا راستہ طے کر کے جب بڑی سڑک پر آئی تو رفتار دھیمی کر کے بیک مرر سیٹ کرنے لگا۔

''اگر تم نے مرر میں مجھے دیکھنے کی کوشش کی تو میں جیپ سے چھلانگ مار دوں گی''۔ وہ بھوکی شیرنی کی طرح غرائی۔ مرر پر ہاتھ رکھتے ہی وہ اس کی نیت بھانپ گئی تھی۔

اس نے ہاتھ ہٹا لیا۔ ایک جھلک تو بہرحال دیکھ لی تھی۔ وہ رو رہی تھی۔ اس کے دل کو بہت افسوس سا ہوا تھا۔

''آپ کے پپا تو وہیں موجود تھے' آپ اپنے دل کی بات ان سے کہہ سکتی تھیں۔ وہ آپ کی سفارش کر سکتے تھے''۔

''نہیں ہیں وہ میرے پپا' بابا صاحب کو کسی کی بھی پڑھائی لکھائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ پپا ہی کی وجہ سے وہ اتنا زور دیتے ہیں''۔

''اور پپا! وہ صرف ڈی سی ہیں۔ ہر شے اے کلاس پسند کرتے ہیں۔ اولاد کو بھی چیز ہی سمجھتے ہیں' کم پڑھے لکھے رہ گئے تو انسلٹ ہوگی۔ کالج میں حاضریاں پوری ہونا چاہیں' ورنہ کالج میں سب کیا کہیں گے ڈی سی کی بیٹی کس قدر غیر منظم اور بے ڈھنگی طالبہ ہے۔ خود بھی پتھر کے ہیں اور ہمیں بھی پتھر کا سمجھ...... رکھا ہے۔

اس کی باقاعدہ سسکیاں شروع ہوگئی تھیں۔

''میری ماں کو بھی ان لوگوں نے اسی طرح سسکا سسکا کر مارا ہوگا اور اب خالہ سے دور رکھنے کی کوشش کرتے رہتے

ہیں۔ خود تو کبھی شاید...... خالہ' ماموں سے ملانے بھی نہ لے جاتے۔ ان کی مہربانی کہ وہ آگئیں۔ تو بھی ان کے ساتھ وقت گزارنے نہیں دیتے''۔

اب ہچکیاں بندھ گئی تھیں اور باری کیلئے ناقابل برداشت ہوگیا تھا۔

اس نے گھنے درخت کے نیچے جیپ روک دی۔ اور آنکھ بچا کر مرر سیٹ کر لیا۔

''آپ اسی طرح روتی دھوتی کالج پہنچیں گی؟'' اس نے اسے مرر میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''تمہیں کیا''۔

''اور جو راستے میں کسی نے مجھے پکڑ لیا کہ ساتھ بیٹھی لڑکی روتی کیوں جا رہی ہے؟''

''اپنی آنکھوں سے رو رہی ہوں کسی کو کیا تکلیف ہے''۔ وہ بگڑ اٹھی۔

''مگر دیکھنے والے تو مجھے ہی ذمہ دار سمجھیں گے''۔ وہ زچ ہوگیا۔

''تو تم ہی تو ہو ذمہ دار۔ اگر ذرا سا ساتھ دے دیتے...... اچھا بس بات نہیں کرو مجھ سے۔ میں رونا چاہتی ہوں۔ مجھے رونے دو' تمہیں کیا تکلیف ہے؟''

''یہی تکلیف ہے۔ جیپ چلانا مشکل ہو رہی ہے''۔ وہ بڑبڑایا۔

''باری! مجھے یہیں اتار دو۔ نہ میں کالج جاؤں گی نہ گھر۔ یہیں کسی کنوئیں میں چھلانگ مار دوں گی''۔ وہ جیپ سے اترنے لگی۔

باری نے بڑی پھرتی سے گھوم کا اس کا بازو دبوچ لیا۔

''ہوش میں تو ہیں آپ؟'' اسے سچ مچ غصہ آگیا ''باری پلیز!'' وہ اس کے بازو سے چہرہ ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ سوچتی نظروں سے اسے بغور دیکھنے لگا۔

یقیناً اس پر اعلیٰ درجے کا ڈپریشن طاری تھا۔

''شی! کیا عین سڑک پر تماشا بنوائیں گی آپ؟ آپ سے درخواست کر رہا ہوں کہ آگے آجائیے کیونکہ اس طرح کی صورتحال میں مجھ سے ڈرائیو نہ ہو سکے گی...... پلیز روشی!''

وہ خاموشی سے سسکیاں بھرتے ہوئے اس کے برابر آکر بیٹھ گئی۔ باری اس وقت شدید دکھ کی کیفیت میں مبتلا تھا۔

''روشی! اگر میں یہ کہوں کہ آپ کا ایک ایک آنسو مجھ پر عذاب بن کر نازل ہو رہا ہے تو کیا آپ مجھ پر رحم کریں گی؟''

''سب لفاظی ہے' کسی پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا میں تو خونی رشتوں کو بھی دیکھ چکی ہوں؟'' وہ پھنکاری۔

''محبتیں' عنائتیں تلاش کرنے اور غور کرنے سے نہیں ملا کرتیں' قسمت سے ملتی ہیں''۔

''تمہاری عنایت بھی میں نے دیکھ لی۔ ایک تم پر ہی بھروسا تھا۔ تم سے ہی تو امید تھی' اسی لئے تو ہر مسئلے پر دوڑی دوڑی تمہارے پاس جاتی تھی۔ مجھے ہمیشہ سے یونہی محسوس ہوتا تھا کہ میرا کوئی بھی مسئلہ ہوگا اور تم منٹوں میں حل کر دو گے۔ مگر نہیں تم بھی اسی سسٹم کا ایک پرزہ ہو۔ اب مجھے تم سے کبھی کوئی امید نہیں ہوگی''۔

''میرے سینے میں بھی ایک دل ہے روشی! اتنا آزمانا بھی اچھا نہیں ہوتا''۔ اس کے لہجے میں بے حد شائستگی تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

''یہی کہ میں ایک انسان ہوں۔ باتوں کے زخم مجھے بھی اسی طرح کھاتے ہیں جیسے دوسرے انسانوں کو۔ مگر آپ کو میری پرواہ کیوں ہو؟'' اس نے اسپیڈ بہت آہستہ کر دی تھی۔

''مجھے اب دنیا کے کسی انسان پر بھروسا نہیں۔ میں اپنوں کی زخم خوردہ ہوں''۔ وہ پھنکاری۔

''آپ اپنی سوچ پہ مختار ہیں جو چاہے سوچ لیں''۔ اس نے بے دلی سے گیئر بدلا۔

''تم بہت لکی ہو باری! تمہارا یہاں کوئی خونی رشتہ نہیں۔ تم بہت سارے تکلیف دہ انکشافات سے محفوظ ہو۔ تم میرے مسائل نہیں سمجھ سکتے۔'' اس نے چادر سے آنکھیں پونچھ ڈالیں۔

''انسان کو غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے''۔ باری نے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی۔

''ہونہہ! غلط فہمی' کلیجہ میرا پھٹتا ہے۔ راتوں کو میں جاگتی ہوں' خون کے آنسو میری آنکھوں سے بہتے ہیں۔ یہ سب غلط فہمی کا کرشمہ ہے۔ جو چیز جو بات غلط محسوس ہوتی ہے' وہ اگر محض وہم ہو تو کچھ عرصے بعد سچائی ثابت ہو ہی جاتی ہے۔ یہ کیسی مسلسل غلط فہمی ہے''۔ وہ تلخی سے بولی۔

باری نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبالیا۔

''باری!''

''جی؟''

''یہ جو لڑکیاں گھروں سے بھاگتی ہیں سب کی سب فلم ایکٹریس بننے کیلئے تھوڑا ہی بھاگتی ہوں گی۔ میری جیسی بھی ہوتی ہیں جو زنجیریں توڑنا چاہتی ہوں گی''۔

''شٹ اپ پلیز۔ کیا واہی تباہی شروع کر دی ہے آپ نے؟'' وہ برہم ہو گیا۔

''تم کرو نمک حلالی' کون روک رہا ہے تمہیں' مگر میں سچ کہہ رہی ہوں''۔

وہ اٹل تھی۔

''اللہ کا شکر ادا کریں اس نے آپ کو عزت داروں میں پیدا کیا۔ روٹی کپڑے کے مسئلے سے بے نیاز کیا۔ سلام لینے والوں میں شامل کیا۔ محض ایک آدھ ارمان رہ جانے پر سارا ملیا میٹ تو نہ کریں''۔

اس دنیا میں کروڑوں' اربوں لوگ ہیں جو روٹی کے مسئلے میں الجھ کر بھی باعزت زندگی کی جدوجہد کرتے ہیں کتنے لڑکے لڑکیاں ایسی ہیں جو مسائل کے انبار میں دبے ہوئے ہیں اور ساتھ اپنی تعلیم کے بندوبست میں بھی الجھے رہتے ہیں۔ گھنٹوں دھوپ میں چلتے ہیں۔ لالٹینوں میں ساٹھ پاور کے بلب میں راتوں کو جاگ کر پڑھتے ہیں۔ جبکہ اگلے دن انہیں صرف امتحان ہی دینا نہیں پڑتا۔ روٹی کی فکر بھی کرنا ہوتی ہے۔ آپ حاصل نعمتوں پر شکر ادا کرنا شروع کر دیں' ناشکری کی فرصت نہیں ملے گی''۔

''مت بولو اتنا' دل میں آگ لگی ہو تو کسی بات کا اثر نہیں ہوتا''۔ اس نے تلخی سے باری کی بات کاٹ دی۔

''تم مجھے کالج کے گیٹ پر اتار دینا' مگر میں اندر نہیں جاؤں گی۔ اس کے لہجے میں ضد تھی۔

''پھر کہاں جائیں گی؟'' اس نے حیرت سے مگر برہم انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''جہاں میرا دل چاہے گا''۔ وہ اطمینان سے گویا ہوئی۔

''کہیں کا نہیں رکھے گا آپ کو یہ دل''۔ وہ ناراضگی سے کہہ رہا تھا۔

''تمہیں کیا' تمہیں کون سی میری پرواہ ہے''۔ وہ ناراضگی سے بولی۔

''تو پھر ایسا کرتا ہوں یہ جیپ کہیں دے مارتا ہوں' یہ سب سے اچھا حل ہے' سب مسئلے ختم''۔

''مگر تم کیوں نقصان کا سودا کرتے ہو؟'' وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

''تو پھر اس کا مطلب ہے دو بجے تک میں کالج کے گیٹ پر ہی موجود رہوں؟'' اس نے طویل سڑک پر پہلا موڑ کاٹا۔

''فائدہ...... اس کالج میں تو تین گیٹ ہیں۔ دو بڑے اور ایک چھوٹا''۔ وہ دل جلانے والے انداز میں ہنسی۔

''شہر پہنچتے ہی پہلا کام یہ کرتا ہوں کہ گھر فون کر کے یاور چچا کو بلاتا ہوں' وہ خود سنبھالیں گے''۔ اس نے گویا دھمکی دی۔

''بلالو''۔

''آپ کیا چاہتی ہیں؟'' وہ جھلایا۔

''باری! تمہیں مجھ سے ذرا ہمدردی نہیں؟'' وہ پھر رونے کو ہو گئی۔

باری نے گردن موڑ کر اس کی سمت دیکھا۔

''مجھے اتنا مت بلوائیں کہ منہ سے کچھ سرزد ہو جائے''۔ وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

''کیا مطلب؟'' اسے واقعی کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا۔

''مطلب یہ کہ مجھے میری اوقات میں رہنے دیں''۔ اس کی نظریں سامنے جمی ہوئی تھیں۔

روشی نے اس کی سمت بغور دیکھا۔

''آف وہائٹ شلوار سوٹ میں ملبوس آنکھوں پر سن گلاسز چڑھائے گرمی کی وجہ سے قمیص کی آستینیں کہنیوں تک پلٹے وہ بہت شاندار نظر آرہا تھا۔

''اگر تمہاری امی ہوتیں تو تمہیں دیکھ کر کتنا خوش ہوتیں''۔ اس کی رو بہک گئی۔

''کیوں؟''

''تم بہت سمارٹ ہو؟'' وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی۔

باری مسکرا دیا۔

''آپ کی اطلاع کیلئے عرض ہے۔ ماں اپنے بچے سے کسی وجہ سے محبت نہیں کرتی وہ بس محبت کرتی ہے' چاہے اس کی اولاد بدشکل ہو یا خوش شکل''۔

''باری! تم اور چھوٹے بھیا تو کو ایجوکیشن میں پڑھتے تھے۔ تمہیں لڑکیاں پسند تو کرتی ہوں گی؟''

باری نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی توجہ ادھر ادھر ہوئی رونے پیٹنے کا عمل تو تمام ہوا۔

''ہاں! بعض تو ابھی بھی فون کرتی ہیں''۔ وہ مسکرا دیا۔

''کیوں؟''

''پسند جو کرتی ہیں''۔

''پھر تم کیا کہتے ہو؟'' اس نے اچٹتی نظر اس پر ڈالی۔

''یہی کہ شادی تو میں اپنی پسند سے کروں گا''۔

''تم کسی کو پسند کرتے ہو؟'' اس کے دل کو جانے کیا ہوا۔

''بھئی کیا پتا کون کب پسند آ جائے''۔

''تمہارے خیال میں تمہاری دلہن کیسی ہونی چاہیے؟''

''ساڑھے پانچ فٹ قد ہونا چاہیے اور سوا پانچ فٹ لمبے بال۔ چہرہ ایسا ہو جسے دیکھ کر دل نہ بھرے''۔

''سوا پانچ فٹ لمبے بال؟'' روشی کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے لاشعوری طور پر اپنے کٹے ہوئے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ (چادر کے اوپر ہی سہی۔)

''پھر تو تمہاری شادی کبھی نہیں ہوگی۔ اتنے لمبے بال تو شاید ہی کہیں ہوں''۔ اس نے مایوسی سے کہا۔

''آپ غمگین نہ ہوں' ہے ایک ایسی لڑکی''۔ اس نے گویا تسلی دی۔

''کہاں؟''

''زمین پر''۔

''ظاہر ہے آسمان پر تو ہونے سے رہی''۔

نہ جانے کیوں اس کا موڈ آف ہو گیا۔

''نام کیا ہے؟'' وہ بد دلی سے پوچھ رہی تھی۔

''جلدی کیا ہے۔ نام بھی بتا دیں گے' بلکہ ملوا بھی دینگے''۔ وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

روشی چپ ہو گئی تھی۔

''کالج آنے والا ہے''۔

''تم چلے جانا اندر' میں تو یہیں بیٹھی رہوں گی''۔ وہ پھر اڑ گئی۔

''کہاں بیٹھی رہیں گی؟'' وہ حیران ہوا۔

''جیپ میں اور کہاں''۔ وہ جھلائی۔

''اور جو میرا کام ہے' وہ کب کروں گا؟''

''تو پھر اپنے کام سے چلو۔ جہاں تم جاؤ گے میں تمہارے ساتھ جاؤں گی''۔

''مجھے تو آج' اس کے پاس بھی جانا تھا''۔ اس نے مسکراہٹ روک کر قدرے سنجیدگی سے کہا۔

''تو مجھے بھی ملواؤ ناں اس سے''۔ اس نے آہستگی سے کہا۔

''ابھی نہیں پھر سہی''۔ اس نے اسپیڈ ایک دم بڑھا دی۔

روشی ایک دم چپ سی ہو گئی' جیسے الجھی گئی ہو۔

باری نے خاصی دیر اسے مخاطب نہیں کیا' وہ سامنے بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔ سر جھکائے کسی خیال میں گم تھی۔

''کیا سوچ رہی ہیں؟'' اسے جیسے روشی پر ترس آ گیا۔ جیپ کے بخ ماحول میں جیسے باد نسیم چلنے لگی تھی۔

بعض اوقات کسی کی چپ کتنی خوشگوار ہوتی ہے۔ لاکھوں خطیبوں کے خطاب پر بھاری۔

''سوچ رہی ہوں بعض لوگ کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں۔ کتنی آسانی سے محبت اور توجہ حاصل کر لیتے ہیں اور بعض انسان کتنے برتر اور معزز ہوتے ہیں' مگر کتنے محروم ہوتے ہیں''۔ اس کے لہجے میں عجیب سا دکھ تھا۔

''باری!''

''جی!''

''وہاں حویلی میں ہر کوئی تمہیں عزیز رکھتا ہے' کیسا لگتا ہے تمہیں؟''

''بہت اچھا لگتا ہے' تابعداروں سے سب اسی طرح محبت کرتے ہیں''۔

اس کے لہجے میں نامعلوم سی چبھن در آئی۔

''کالج آ گیا ہے''۔ اس نے گیٹ کے سامنے جیپ کو بریک لگائے۔

''تم پڑھ لو میرے حصے کا جا کر' کہہ تو دیا تمہیں کہ نہیں جاؤں گی''۔ وہ پھر سے کاٹ کھانے کو دوڑی۔

''گھر کی دوسری لڑکیاں بھی کالج میں موجود ہیں' بابا صاحب کو پتا چل جائے گا''۔

''تو چل جائے''۔ اس نے ضدی انداز میں باری کی بات کاٹ دی تھی۔

''میرے بارے میں بھی کچھ سوچئے''۔ وہ بے بسی سے کہہ رہا تھا۔

''میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے بے کار باتیں سوچنے کیلئے۔ تمہارے بارے میں تو وہی ''لمبے بالوں'' والی سوچے گی''۔ جس کی شامت نے دھکا دیا ہے۔

وہ تلخی سے کہہ کر اطمینان سے پھیل کر بیٹھ گئی۔

باری کی مسکراہٹ بڑی بے ساختہ تھی۔

''روشی پلیز! آج کالج چلی جائیے۔ آئندہ میں آپ کے ہر گھریلو جھوٹ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ مہینے میں دو چار مرتبہ آپ کو''۔ وومیٹنگ کروا کر چھٹیاں دلوا دیا کروں گا۔

آپ کے کسی من پسند رشتے دار کی آمد پر آپ کی سخت طبیعت خرابی کا اشتہار مشتہر کرا دیا کروں گا۔ آپ کے ہر معمولی

نزلہ وزکام کو ایک سو دو بخار میں تبدیل نہ کردوں تو میرا نام باری نہیں۔ پلیز روشی صرف آج''۔

''اچھا میں کالج میں خشک لیکچر سنوں اور تم اس ''لمبے بالوں والی کے ساتھ مزے اڑاؤ''۔

وہ تو دوسری طرف سے پٹڑی سے اتر گئی تھی۔ ذرا ٹس سے مس نہ ہوئی۔

''آپ کے سر کی قسم۔ آپ کی اجازت کے بغیر نہیں جاؤں گا اس کے پاس''۔ اس نے گویا اپنا سر پیٹ لیا تھا۔

روشی بڑے تفاخر سے مسکرائی۔

''پھر اب کہاں جاؤں گے؟''

''ایک ضروری کام ہے اور بھی کام ہیں زمانے میں محبت کے سوا''۔ وہ بے چارگی سے بولا۔

''باری! تم مجھے پٹا کر کالج میں بھیج رہے ہو' اگر آئندہ تم نے بہانہ بنانے میں میرا ساتھ نہ دیا تو میں بڑی بھیانک بلا ثابت کروں گی''۔ اس نے دھمکی دی۔

''مثلاً......!'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''یہی کہ اللہ کرے' اس کے سر میں خشکی ہو جائے' اس کے سارے لمبے بال گر جائیں''۔

باری کا قہقہہ بے ساختہ اور بھرپور تھا۔

وہ جیپ سے اتر گئی تھی۔

باری نے اس کی فائل اور کتابیں آگے کو جھک کر اسے تھما دیں۔

''باری! تم یہ مت سمجھنا کہ میں ہار گئی ہوں۔ میں صرف تمہاری خاطر اپنی ضد توڑ رہی ہوں' اس لئے کہ ادھر سب بہت بے رحم ہیں۔ جانے تمہارے ساتھ کیا کریں''۔ اس نے کھٹاک سے جیپ کا دروازہ بند کیا۔

''میری خاطر......؟'' وہ مسکرا دیا۔

''ابھی تو بہت مزے ہیں روشانے یاور علی خان! کہیں اپنی ''خاطر'' پہ لگا دیا تو......ہم اپنے ضبط اور ظرف کو آزمائیں گے۔ پر تمہیں مشکل میں نہیں ڈالیں گے۔

''یہ کیسے پھول کھلائے ہیں میرے چہار سو......کہ بجائے مہک کے تپش آ رہی ہے''۔

اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور بڑے ڈھیلے ڈھالے انداز میں ایکسیلیٹر پر پاؤں دے مارا تھا۔

....

''کیا سوچ رہے ہو؟'' وہ اس کے قریب بیٹھ گیا

''دیوانے کے خواب......مثلاً

اف وہ روئے تابناک وہ چشم تر میرے لئے

ہائے وہ زلف پریشاں تا کمر میرے لئے

وہ شعر پڑھتے ہوئے ہنس دیا۔

''اس حال میں بھی ایسا سوچتے ہو''۔ اس نے ہمدردانہ نظر اس کے وجود پر ڈالی۔

''اس حال ہی میں تو ان خوابوں کا مزا ہے' مگر تم کیا جانو''۔

''بھائی! زندگی خراب کر رہے ہو' کچھ آگے کا بھی سوچو''۔ اس نے مخلصانہ مشورہ دیا۔

''کیا سوچنا ہے آگے کا' جو سوچنا تھا۔ سوچ لیا۔ مست از سرشار الست ہیں۔

جو جہنم میں بھی فردوس بداماں ہوں گے

دیکھ لینا وہ ہمی سوختہ ساماں ہوں گے

وہ تلخی سے ہنس دیا'' تم سناؤ یار! کیسی زندگی گزر رہی ہے؟''

''تمہاری مرضی کی گزر رہی ہے۔ اب تو ذرا چلتا ہوں تو ٹانگیں جواب دے جاتی ہیں۔ سوچتا ہوں میرے مرنے کے بعد گھر والوں کا کیا ہوگا؟'' وہ آزردگی سے گویا ہوا۔

''لڑکی کہیں مانگی ہوئی ہے؟''

''کون مانگنے آتا ہے غریب کی بیٹی' اب تو دن رات یہی فکر ہے' کوئی اچھا بر ملے تو اس کے ہاتھ پیلے کر دوں''۔ وہ یاسیت سے آسمان تکنے لگا۔

''تیرے اپنے بھی تو ہوں گے''۔

''اندھیرے میں تو سایہ بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے' کہاں لاؤں اپنے......؟''

''لال خان بھی آج کل شادی کے چکر میں ہے''۔

''کیا ہانک رہا ہے؟ میری لونڈیا تو مشکل سے انیسویں میں لگی ہوگی''۔ اسے غصہ آ گیا۔

''جہیز نہیں لے گا' روپے پیسے کی کمی نہیں ہے۔ عمر کی بات چھوڑ' مرد تو ساٹھا اور پاٹھا ہوتا ہے''۔

''بھائی' کوئی عمر نہیں نکلی جا رہی' تین مردہ دفن کیے ہیں' ایک زندہ دفن کر دوں؟''

وہ مزید بھڑک گیا۔

''ارے تیری سوچ کا پھیر ہے' عیش کرے گی تیری لونڈیا''۔ وہ بے نیازی سے کہہ رہا تھا۔

''بڈھے کے ساتھ؟'' وہ مزید مشتعل ہوا۔

''میرے جیسے دس جوانوں پہ بھاری ہے وہ......ہائے ہماری گمشدہ جوانی

کیا کہیے کس طرح سے جوانی گزر گئی

بدنام کرنے آئی تھی' بدنام کر گئی

دیکھ بھئی غریب کے مکان میں راستے بہت ہوتے ہیں' کب تک کرے گا لونڈیا کی حفاظت؟ اپنی زندگی میں اس کی شادی کر دے' وقت کا کیا بھروسا ہے''۔

''یہی تو میں چاہتا ہوں' مگر کوئی ڈھنگ کا رشتہ ملے تو''۔

''پتانہیں تم ڈھنگ کا رشتہ کسے کہتے ہو؟ لال خان نر بچہ ہے' پیسے میں کھیلتا ہے' بھوکا نہیں مارے گا تیری لونڈیا کو'۔

''نہ بھائی! عمر کا بڑا فرق ہے' تیری عمر کا بھی ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی''۔اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''بس تو پھر بیاہ دی تو نے لڑکی''۔اس نے گھاس نوچتے ہوئے مایوسی سے کہا۔

''خون ڈال رہا ہوں گھر کے چراغ میں روشنی ہو ہی جائیگی۔اس نے نقاہت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

''واہ بھئی واہ! کیا ڈائیلاگ مارا ہے' مگر بھائی ڈائیلاگوں سے لڑکی کی شادی نہیں ہوگی' میں تو خود تیری بیٹی کا رشتہ مانگ لیتا پر مردوں کی شادیاں نہیں ہوتیں''۔

''یہ تو تیرے اپنے کرن ہیں' مجھے تو بڑا ترس آتا ہے''۔اس نے دکھ سے اس ہڈیوں کے پنجر پر نظر ڈالی۔

''دیکھ' بھائی غلام احمد! مذاق نہیں کر رہا ہوں تجھ سے۔گھر والی سے بات کر کے دیکھ' شاید اسے یہ بات سمجھ میں آجائے''۔

''ہاں' اب تو میرے گھر میں فساد ڈلوادے''۔اس نے تلخی سے جواب دیا۔

''تو مجھے گھر لے چل میں کر لیتا ہوں بات''۔

''سارے گھر کے برتن توڑ ڈالے گی تجھ پر...... تجھے اس کا پتا نہیں ہے......''اس نے اس کی ناسمجھی پر گویا ماتم کیا۔

''دیکھ غلام احمد! آج لال خان جیسے قسمت سے تیرے دروازے پر دستک دے رہا ہے' تو کیوں اپنی اولاد کا دشمن ہو رہا ہے۔اپنے جیسے نصیب کا داماد دیکھ رہا ہے' جو خون بیچ بیچ کر وقت سے پہلے ہی بوڑھا ہو جائے''۔

''یہ کوئی ضروری تو نہیں''۔ وہ واقعی مایوس نہیں تھا۔

''تیرے گھر میں تیسرے دن گوشت پکنے لگا ہے' نواب پہنچنا شروع ہو جائینگے اب''۔

''وہ تلخی سے ہنسا۔غور کر میری بات پر''۔

وہ سوچ میں گم ہو گیا۔

''کیا سوچنے لگا؟'' عارف کو اپنی بیرسٹری پر بڑا بھروسہ رہتا تھا۔اس کی آنکھیں معنی خیز انداز میں چمکنے لگی تھیں۔

''سوچ رہا ہوں' شاید تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔بات کر کے دیکھوں گا گھر والی سے''۔

''یہ ہوئی بات...... بات ہی نہیں کرنی اونچ نیچ بھی سمجھانا ہے''۔اس نے پتا پھینکا۔

وہ سر ڈال کر پھر گہری سوچ میں غرق ہو گیا۔

جنوں سے معصوم کون سی چیز ہے بتا دے
وفا کے شعلوں کو سرد کرنا ہے' آگ لا دے
دلِ حزیں کو تیرا یہ پیغام ڈس رہا ہے
کہ میں نے تجھ کو بھلا دیا' تو مجھے بھلا دے

عارف کی آواز میں دل چیرنے والا سوز تھا۔وہ خیال سے چونکا تھا۔دو موتی عارف کی آنکھوں کے گوشوں سے ٹوٹ کر

گرے تھے۔جو اس نے دیکھ لئے تھے۔

....

ساڑھے گیارہ یا گیارہ کا عمل تھا۔جب اس نے گاڑیوں کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تھی۔نیند ضرور ٹوٹی تھی۔مگر شاید تکان کی وجہ سے دوبارہ غافل ہو گئی تھی۔

مگر اس بار ایک دم ہڑبڑا کر جاگی تھی۔یوں محسوس ہوا تھا جیسے پردے کے پیچھے مقفل دروازے پر کوئی دھڑام سے آ کر گرا ہو۔دھپ کی آواز کے ساتھ زنجیر کے چھنکنے کی آواز بھی واضح تھی۔وہ چھلانگ مارنے کی صورت میں بستر سے نیچے آئی تھی۔دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔وہ سیدھی دروازے سے ملحق بند دریچے کی طرف آئی تھی۔شیشوں کے اس پار پردہ ہٹا کر بھی کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔اس نے دریچہ نیم وا کر کے باہر جھانکنے کی کوشش کی۔

''باری! خدا کیلئے میرے حال پر رحم کرو' میں کہیں نہیں جا رہی' بس کھلی ہوا میں ذرا سانس لے رہی ہوں۔دیکھو میرے پاؤں میں زنجیر موجود ہے' اتنا وزن اٹھا کر کہاں بھاگوں گی؟'' (ہچکیاں اور سسکیاں......)

ماہین کی تو ٹانگیں جیسے بے جان ہو رہی تھیں۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔

بالآخر دو ہیولے نظر آ گئے۔ نگاہ ذرا جمی تو ہیولے واضح ہونے لگے۔

باری پشت پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ نیچے گھاس پر ایک عورت دوزانو اس کے سامنے ہاتھ جوڑے ہوئے گڑگڑا رہی تھی۔

ماہین کی سانسیں قدرے بحال ہوئیں مگر حلق ایک دم خشک ہو رہا تھا۔

''دیکھو...... تمہاری سزا تکلیف دہ ہو سکتی ہے۔ اگر بابا صاحب کو بھنک پڑ گئی''۔

''سب سو رہے ہیں...... اپنے ٹھنڈے کمروں میں...... کسی کو ہوش نہیں...... میں ذرا دیر ہوا میں بیٹھوں گی''۔ عورت نے باری کی بات کاٹ دی تھی۔

''میں بھی تو سونا چاہتا ہوں۔ تمہیں یہاں چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں؟'' اس کی آواز بے حد آہستہ تھی۔

''تو سو جاؤ۔ میں تھوڑی دیر بعد چلی جاؤں گی۔ دیکھو کتنی وزنی بیڑیاں ہیں۔ میں اتنا وزن اٹھا کر بھلا بھاگ سکتی ہوں؟'' وہ سسک پڑی۔

''یہ کون ہے؟'' ماہین کے ذہن میں سوال بیدار ہوا۔

''خدا کیلئے مجھے پریشان نہیں کرو۔ چلو اپنے ٹھکانے پر''۔ لمحاتی سکوت پھر ٹوٹ گیا۔ ادھر کوٹھڑی میں بہت حبس ہے۔ دم گھٹ جائے گا میرا''۔

''تم سزا کاٹ رہی ہوں۔ غلاموں کو فرمائشیں نہیں سجتیں''۔ باری کتنا مختلف دکھائی دے رہا تھا۔

''یہ تو عمر بھر کی سزا ہے۔ دو گھڑی کھلی فضا میں گزارنے دو''۔ وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''دیکھو، اگر تم باز نہیں آؤ گی تو میں خان کو بلا لاؤں گا''۔ وہ زچ ہو کر کہہ رہا تھا۔

وہ جیسے ایک دم لرز کر کھڑی ہو گئی۔ بیڑیوں کا شور سناٹے میں گونجا۔

''تم تو بہت اچھے ہو باری!'' وہ لجاجت سے کہہ رہی تھی۔

''نہ میں اچھا ہوں نہ برا۔ میں بس وہی ہوں جو خان کی مرضی ہے''۔ وہ خاصی تلخی سے کہہ رہا تھا۔

''دو گھڑیاں ہو گئی ہیں۔ چلو۔ یا بلاؤں خان کو؟'' اس نے برہمی سے کہا۔

''ایسا کرو۔ خان کو بلا لو۔ شاید وہ طیش میں آ کر مجھے زندگی کے جال سے آزاد کر دیں۔ یہ روز روز کا مرن تو ختم ہو''۔ وہ گھاس پر بیٹھ گئی۔

باری الجھ کر اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ فطری اضطراری کیفیت تھی۔

اسی دم بڑے پھاٹک پر گاڑی کی ہیڈ لائٹس پڑیں اور زور سے ہارن چیخا۔ باری نے چونک کر پھاٹک کی سمت دیکھا۔

''دیکھو، خدا کیلئے اندر بھاگ جاؤ۔ پتا نہیں کون آ گیا ہے''۔ اس نے جیسے اس بار التجا کی تھی۔ ہارن پھر زور سے بجا۔

باری کبھی گیٹ کی طرف، کبھی عورت کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ ہارن پے در پے بجا۔ باری نے پھاٹک کی طرف قدم بڑھائے مگر اس سے پہلے کھوکھر وہاں پہنچ چکا تھا۔ کھٹ کھٹ کی آواز کے ساتھ پھاٹک وا ہوا اور ایک جیپ تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی سے لمحے بھر کو باہر کی ایک ایک چیز واضح ہو گئی۔ باری نے پھاٹک کی طرف سے تیزی سے پیٹھ موڑ لی تھی۔ نیچے بیٹھی ہوئی عورت اپنے بیٹھنے کے انداز اور کھلے بالوں کے ساتھ کسی عظیم مصور کا انمول فن پارہ نظر آئی۔ اس کا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔

جیپ پورٹیکو میں جا کر رک گئی تھی۔ ماحول پر پھر سے تاریکی کا غلاف چڑھ چکا تھا۔ ماہین ایک ٹک۔ ساکت کھڑی سن بھی رہی تھی، دیکھ بھی رہی تھی۔

معاً اس نے ایک دراز قامت مرد کو ان دونوں کی طرف آتے دیکھا۔ منظر پہلے سے زیادہ قابل توجہ ہو رہا تھا۔

آنے والا سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ رنگ صاف تھا جو اندھیرے میں بھی واضح ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اندھیرا ابھی ہلکا پڑ جاتا ہے۔ اگر انسان خاصی دیر سے اندھیرے میں دیکھ رہا ہو، مگر یہاں مسئلہ یہ تھا جس جگہ وہ واقعہ عمل پذیر تھا۔ وہاں درخت۔ بے حد گھنے تھے۔

''السلام علیکم خان''۔ باری کی آواز نے ماحول میں ارتعاش پیدا کیا۔

''وسلام۔ یہ یہاں کیا کررہی ہے؟'' آواز میں بلا کی گھمبیرتا تھی۔

''باہر آگئی جانے کیسے۔ سن نہیں رہی'' یہ جیسے شکایت تھی۔

''اب بھی اس کے دماغ ٹھکانے نہیں لگے۔ اور کیا چاہتی ہے؟'' لہجے میں سخت برہمی تھی۔

''اس کی بیڑیاں کھولنا بند کردو۔ یہ اس قابل نہیں کہ اس کے ساتھ ذرا سی بھی رعایت کی جائے'' بلا کی ناراضگی تھی۔

عورت نے آگے بڑھ کر آنے والے کے پاؤں تھام لئے'' آپ کی گناہ گار ہوں' آپ ہی رحم کریں گے تو جان چھوٹے گی''۔

''سب سے آخر میں آج تمہاری کوٹھڑی میں کون گیا تھا؟'' نووارد کے لہجے میں غضب بھی تھا اور سوال بھی۔ بڑی حقارت سے اس نے پاؤں پیچھے ہٹائے تھے۔ وہ سسکتی رہی۔

''کیا پوچھ رہا ہوں؟'' نووارد کے لہجے میں پھنکار تھی۔

''سرسوتی کھانا لائی تھی''۔ میرے خان۔ بڑا نہ سمجھ میں آنے والا اسٹائل تھا۔

''باری۔ سرسوتی اگر سوچکی ہے تو اسے اٹھاؤ۔ اس کے ساتھ اس کی کوٹھڑی میں دو دن کے لئے بند کردو۔ اسے کھانا دینا بند رہو۔ سرسوتی کا بند کردو جب وہ کوٹھڑی سے باہر آئے گی تب ہی کھانا کھائے گی۔ چلو اٹھو جاؤ کوٹھڑی میں''۔ لہجہ واضح تحکمانہ تھا۔

''عورت کھڑی ہوگئی''۔ ایک بار کہہ دیں کہ آپ نے مجھے معاف کردیا۔ پھر چاہے میری جان لے لیں۔ آپ کا نام لے کر سولی چڑھوں۔ زندہ جلوں۔ دیوار میں چنوادی جاؤں۔ پتھر کھاؤں''۔

''شٹ اپ''۔ نووارد نے خاصی بلند آواز سے اسے ٹوکا۔

''دیکھ رہے ہو باری؟ نان سینس۔ اسے لے جاؤ یہاں سے۔ فار گاڈ سیک''۔ نووارد نے جیسے بمشکل اپنے غضب پر قابو پایا تھا۔

عورت دھیرے دھیرے چلتے ہوئے پچھلے حصے کی طرف بڑھی۔ اس کی سسکیاں ماحول میں ایک دکھ کا دل ہلا دینے تاثر بکھیر رہی تھیں۔ اس پر مستزاد بیڑیوں کی جھنک۔

''میں نے سنا ہے گھر میں مہمان آئے ہیں؟'' نووارد جاتے جاتے پھر باری کی سمت پلٹا۔

''منیب احمد کی سب سے چھوٹی صاحبزادی آئی ہوئی ہیں''۔ باری کی آواز ہنوز دھیمی تھی۔

''یاور بھائی یہیں ہیں؟''

''جی''۔

''کتنے دن سے چھٹیوں پر ہیں؟''

''پانچ دن ہوگئے ہیں''۔

''اچھا...... میں چلتا ہوں۔ پھر آؤں گا''۔

''اتنی رات کو پھر واپس جارہے۔ ہیں؟'' باری نے حیرت سے سوال کیا تھا۔

''ہم چند دوست یہاں شکار پر آئے تھے۔ وہ ساتھ والے گاؤں میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ تم مت ذکر کرنا میرے آنے کا۔ دو چار دن بعد آجاؤں گا۔ اور ہاں ''اس کا'' دھیان رکھا کرو۔ بعض اوقات بچے اسٹڈی کی وجہ سے جاگ رہے ہوتے ہیں۔

سرسوتی کو سزا ضرور ملنی چاہیے۔ بابا صاحب پوچھیں تو بتادینا میں نے کہا ہے''۔

''بہتر''۔ باری گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں عورت گئی تھی۔

نووارد نے چند منٹوں بعد ہی جیپ بیک کی تھی اور باری نے پھاٹک کھول دیا تھا۔

ماہین تو کھڑے کھڑے جیسے پتھر ہوگئی تھی۔

دل اس طرح دھک دھک کررہا تھا جیسے اندر نوبت بج رہی ہو۔

وہ اپنے آپ کو تقریباً گھسیٹتی ہوئی بستر تک آئی۔

کون تھی یہ عورت؟

بہن ایک دم منظر سے غائب ہوئی تھی' اس طرح کا شک پیدا ہوجانا کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ مگر باری کا اس کے ساتھ طرز کلام کسی طرح ''سابقہ مالکن'' ہونے کا پتا نہیں دے رہا تھا۔ بلکہ باری کا انداز مالکانہ' آزادانہ اور قدرے تحکمانہ تھا۔

پھر کون ہے؟

آنے والا کون تھا؟

اپنے انداز سے تو یہاں کے حاکموں میں سے ایک لگتا تھا۔

آیا تھا۔ تو چلا کیوں گیا؟

عورت اسے فوراً پہچان گئیں۔ اس کا انداز بتا رہا تھا۔ وہ کس بات کی معافی مانگ رہی تھی؟

ماہین کو یوں محسوس ہوا اس کے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔ اس نے پاس رکھے سے گلاس میں پانی انڈیلا اور ایک سانس میں پی گئی۔ قدرے بحالی محسوس ہوئی۔ نیند کا تو اب دور دور پتا نہ تھا۔ کیا باری آنے والے کا حکم بجا لائے گا۔ سرسوتی کو جگائے گا۔؟ ذہن نے ایک دم پلٹا کھایا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب اس کے قدم دروازے کی سمت اٹھ رہے تھے۔ وہ دروازے کے پاس ٹھہر گئی۔

نائٹی کے گلے میں پڑی ڈوری لوز ہورہی تھی۔ اس نے ڈوری کھینچ کر گلا تنگ کیا اور بہت آہستگی سے دروازہ کھولا۔ مگر خوف و وحشت سے ایک ثانیے کو اپنی جگہ جم کر رہ گئی۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ اس نے وحشت زدہ ہوکر دروازے کو دو تین جھٹکے دیئے۔ مگر وہ کسی گہرے راز کی طرح مقفل تھا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی واپس اپنے بستر پر آگئی۔

بجو...... آپ پر کیا گزری تھی؟ کتنا نامانوس اور سفاک ماحول ہے اجنبیوں کیلئے۔ وہ آڑی ترچھی بیڈ پر ڈھے گئی۔ کچھ دیر

پہلے کے واقعات بار بار کسی فلم کی طرح ذہن کی اسکرین پر متحرک ہو رہے تھے۔ بظاہر اس کی آنکھیں چھت کو گھور رہی تھیں۔

....

ٹرن۔ٹرن۔

وہ سرسوتی کو کوٹھڑی میں پہنچا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔فون کی گھنٹی نے اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

وہ زنانہ ہال کمرے میں داخل ہوا۔دروازے کے بالکل ساتھ فون لگا تھا۔اس نے ریسیور اٹھاتے ہوئے سامنے وال کلاک پر نظر ڈالی۔رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔

''اللہ رحم کرے''۔اس نے دل ہی دل میں کہا۔

''ہیلو۔باری بات کر رہا ہوں''۔

''روشی بول رہی ہوں''۔

''اوہ''۔وہ بری طرح چونک پڑا تھا۔

''کہاں سے؟''اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''فی الحال دنیا سے''۔اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

''باری۔میں کراچی جانا نہیں چاہ رہی۔میں کیا کروں؟''

''مگر اب تو آپ ایئرپورٹ پہنچ چکی ہیں''۔اسے حیرت ہوئی تھی۔

''تو کیا ہوا۔میں یہاں ہنگامہ مچا دوں گی۔تم آ کر لے جانا''۔وہ بہت سکون سے بات کر رہی تھی۔

''یہیں مچا لیا ہوتا ہنگامہ''۔وہ اس کے بے سروپا پروگرام پر جھلا گیا۔

''موقع نہیں ملا۔ارادہ تو تھا''۔وہ اطمینان سے کہہ رہی تھی۔

''دیکھیں' آپ کوئی الٹی سیدھی حرکت نہیں کریں گی''۔اس نے تنبیہ کی۔

''تم مجھے نہیں روک سکتے۔دیکھ لینا میں ثابت کر دوں گی کہ میں دلاور خان کی پوتی ہوں''۔

''مجھے افسوس ہے' میں آپ کے پروگرام میں شامل نہیں ہو سکتا''۔اس نے ریسیور لٹکا دیا۔اور باہر کی طرف بڑھا۔

گھنٹی دوبارہ چیخ پڑی۔

باری نے گہرا سانس لے کر فون کی طرف بڑھا۔گھنٹی بجتی رہی۔ناچار اسے ریسیور اٹھانا پڑا۔

''جی؟''

''فون کیوں بند کر دیا۔کیا تم مجھے اس طرح روک سکتے ہو جو میں کرنے جا رہی ہوں؟''وہ برہمی سے کہہ رہی تھی۔

''باری کی پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا''۔کیا کرنے جا رہی ہیں آپ؟''وہ جیسے بے چارگی سے پوچھ رہا تھا۔

''جب میں تکلیف میں ہوتی ہوں تو تمہیں کچھ نہیں ہوتا؟''

''جس کے پاس آزادی ہے۔اسی کے پاس راحت ہے' اللہ کا شکر ادا کریں''۔

''شکرانے تو اب تم پڑھو گے''۔روشی نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''آ رہے ہو مجھے لینے یا کراچی آؤ گے میری ڈیڈ باڈی لینے۔ظاہر ہے' بابا صاحب مجھے جاگیر سے باہر تو دفن نہیں کریں گے''۔

''گلو سے بات کرائیں''۔وہ واقعی پریشان ہو گیا۔

''وہ بورڈنگ کارڈز کے چکر میں مجھ سے خاصی دور ہے۔یوں بھی بات کرنا بے کار ہے''۔اس نے ریسیور رکھ دیا تھا۔

باری ریسیور کو گھورتا رہ گیا۔وہ سخت تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔اس کی چال بہت آہستہ تھی۔وہ ڈھیلے ڈھیلے ہاتھوں سے اپنے گریبان کے بٹن کھولتا ہوئے زینہ طے کر رہا تھا۔

....

سب کی سب گھوڑے بیچ کر سو رہی تھیں۔یہاں والے مستقل ملازمین اور ساتھی آئی ہوئی کلوان کے جاگنے کے انتظار میں اپنے کئی کام روکے بیٹھے تھے کہ خدا معلوم کب محشر جاگ اٹھے اور ناشتے کا رن پڑے

''آپ جب سے آئی ہو بی بی اسی طرح بیٹھی ہو۔چائے لاؤں آپ کیلئے؟''کلو نے اس کے چہرے سے اس کے موڈ کا اندازہ لگا لیا تھا۔لہٰذا ڈرتے ڈرتے پوچھ رہی تھی۔

''اپنے پاس رکھو اپنی چائے''۔وہ پلٹ کر غرائی۔کلو بے چاری الٹے پاؤں دوڑ گئی۔

روشی نے چاروں طرف دیکھا اور فون کی طرف بڑھی۔فون گلو کے قریب تھا جو بے سدھ سو رہی تھی۔اس نے نمبر ڈائل کیا اور دو زانو ہو کر بیٹھ گئی۔

''ہیلو''دوسری طرف ماما بلی تھی۔

''ماما''۔خالہ سو رہی ہیں یا جاگ رہی ہیں؟''

''پتا نہیں بی بی۔میں کافی دیر سے بچوں کو ناشتا کرا رہی ہوں''۔ان کا اشارہ لڑکوں کی طرف تھا۔

''اتنی لیٹ ہو گئیں آج''۔روشی کو حیرت تھی۔

''بابا صاحب''سرائے''گئے ہوئے ہیں آج پانچ بجے صبح سے۔سب کے مزے آئے ہوئے ہیں''۔وہ ہنس کر بتا رہی تھی۔

''ہائیں۔اچھا۔کہیں باری تو ان کے ساتھ نہیں گیا؟''اس کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔

''نہیں......وہ نہیں گئے''۔

''اچھا ذرا بلا دو''۔

''آپ ہولڈ کریں۔بلاتی ہوں''۔

روشی بے چینی سے انتظار کرنے لگی۔ساتھ ساتھ گلو کو بھی دیکھتی جاتی تھی۔

"اب کیا ہے؟" ایرپیس میں باری کی بیزاری سی آواز ابھری۔

"میرے دل کو ذرا چین نہیں' تم بہت یاد آ رہے ہو۔ خالہ بہت یاد آ رہی ہیں۔ کیا کروں؟"

"اتنی دور پہنچ کر بھی آپ مجھے چین سے نہیں بیٹھنے دیں گی؟" وہ جھلا رہا تھا۔

"میں بے چین ہوں تو تمہیں کیوں چین سے بیٹھنے دوں"۔ وہ الٹ پڑی۔

"باری"۔

"جی"۔

"دیکھو مجھے سنبھالو۔ مجھے کسی طرح بہلاؤ۔ ورنہ یاد رکھو' یہی کیفیت چند گھنٹے اور رہی تو میں موت کو گلے لگا لوں گی"۔

"وہ سب کیا کر رہی ہیں؟" باری کا لہجہ سرد تھا۔

"سو رہی ہیں؟" اس کی آواز بھرا گئی۔

"آپ بھی سو جائیے۔ نیند پوری ہوگی تو طبیعت ٹھیک ہو جائیگی"۔ باری نے بڑے بے رحم انداز میں مشورہ دے کر کھٹاک سے ریسیور رکھ دیا تھا۔

"اب ایسی طبیعت نہیں ہماری جو سونے سے ٹھیک ہو جائیگی"۔ ریسیور ہنوز اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے قریب سوئی ہوئی گلو کی سمت دیکھا پھر صوفہ کم بیڈ پر لیٹی ہوئی روبی پر نظر ڈالی۔ اس کے بالکل نزدیک کارپٹ پر مونا کشن کے جم غفیر میں بے سدھ ہو رہی تھی۔ باقی لڑکیاں اوپر کمروں میں تھیں۔

کتنی خوش نصیب ہیں یہ سب۔ اسے رشک آیا۔

ایک میں ہوں۔

اور میرا دل ہے' جیسے قید میں پھڑ پھڑاتا ہوا پرندہ۔

کاش میں کوئی چڑیا ہوتی۔

دانہ ڈھونڈتی۔ انڈے سیتی' تنکے جمع کرتی۔

کتنی مصروفیت ہوتی۔ اور کتنا سکھ ہوتا۔

پرندوں کے دل تو اس طرح نہیں ستاتے ہوں گے۔ صرف خون پمپ کرتے ہوں گے۔ نہ بے قرار ہوتے ہوں گے، نہ اداس۔

نہ گرفتار ہوں گے نہ پاگل۔

نہ تڑپتے ہوں گے نہ پھڑ پھڑاتے ہوں گے۔

کھلی وبسیط فضا کی طرح ان کا عشق بھی آزاد ہوتا ہوگا۔ نہ وسواس میں الجھتا ہوگا نہ ترستا ہوگا۔ خوشی انہیں ڈھونڈتی پھرتی ہوگی۔

کاش میرا دل میری دسترس میں ہوتا۔

بالکل اسی طرح جیسے ڈال میں اگی کونپل۔

میں ہاتھ بڑھا کر نوچ کر پھینک دیتی۔ جسم و جاں آرام میں آ جاتے۔ اور پھر میں بھی ان سب کی طرح ہاتھ پھیلا کر بے خبر سوتی۔

اس پر عجیب دیوانگی طاری تھی۔

اس نے پھر نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف فون باری نے اٹھایا تھا۔

"جی؟"

"میں ہوں روشی"۔

"مزارعوں کا خون پسینہ ٹیلی فون کے بلوں کے ذریعے بہا دینا کوئی انسانیت نہیں ہے"۔ اس کا لہجہ بڑا گستاخ سا تھا۔

"میرے باپ کا مال ہے جیسے چاہے اڑاؤں۔ کسی کو کیا؟" وہ تلخی سے بولی۔

"اب کیا ہوا؟" اس نے کوفت بھرے انداز میں سوال کیا۔

"باری...... مجھے یقین ہے تمہیں سب پتا ہوگا۔ مجھے بتاؤ بابا صاحب مجھے خالہ سے دور کیوں رکھنا چاہ رہے ہیں۔ اتنی اچھی تو ہیں وہ۔ کیا پتا نہیں آج ہری پور لے جائینگے؟" اس نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے۔

"میرے پاس کسی سوال کا جواب نہیں ہے' براہ مہربانی اب آپ مجھے۔ سن رہی ہیں"۔ مجھے" ہرگز فون مت کیجئے گا۔ ہاتھ جوڑ کر درخواست کر رہا ہوں"۔ اس نے بات مکمل ہوتے ہی فوراً ریسیور رکھ دیا تھا۔

مارے طیش کے روشی کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ایسا لگا پورا وجود دھماکے سے اڑ جائیگا۔

وہ ریسیور کریڈل پر ڈالنا بھول گئی تھی۔ سارا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

"کس کا فون تھا؟" گلو نے کروٹ بدلتے ہوئے غنودگی کے عالم میں اسے دیکھ کر سوال کیا۔

"کسی کا نہیں۔ میں نے گھر کیا تھا"۔ اس نے آہستگی سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

"باری۔ جی چاہ رہا ہے ٹکٹکی پر بندھوا کر اتنے کوڑے لگواؤں کہ تمہارے خون سے زمین رنگین ہو جائے اور تمہارا بے بنیاد غرور خاک میں مل جائے"۔

اس کے دماغ میں چنگیزی قسم کے خیالات برپا ہونے لگے۔ مٹھیاں کھول رہی تھی بھینچ رہی تھی۔

....

"سیون سی" سے باہر سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور اندر شور و غل کا ایک سمندر برپا ہوا تھا۔ وہ سب جاگ چکی تھیں۔ آزادی کے احساس سے خوامخواہ قہقہے امڈ رہے تھے۔

"بھئی' یہ بابا صاحب کی آناً فاناً مہربانی بالکل سمجھ میں نہیں آئی"۔ مونا سب سے پہلے باتھ روم سے برآمد ہوئی تھی۔ اور حیرانی کا اظہار کر رہی تھی۔

"جبکہ گھر میں خصوصی مہمان موجود تھے"۔ شینو نے اچٹتی نظر روشی پر ڈالی جو سوٹ کیس سے اپنے کپڑے نکال رہی

دی تھی۔

''یہ تو ہے''۔زری نے اپنی چوٹی کے بل کھولنا شروع کیے۔

''شاید روشی کو آئیڈیا ہو''۔روبی نے متوقع انکشاف کی آس میں روشی کی طرف دیکھا۔

''مجھ سے کوئی بات نہ کرے''۔وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

''ہاں۔اس سے کوئی بات نہ کرے۔یہ یوں بھی اپ سیٹ ہوگی''۔شینو اپنے کپڑے اٹھا کر ہنس پڑی۔اس کی ہر زہر روشی کی نس نس میں اتر گیا۔

''اف کتنے شاندار پراٹھے بن رہے ہیں۔خوشبو بتا رہی ہے''۔تانیہ نے اندر سانس کھینچ کر جلدی سے فضا بحال کرنے کی کوشش کی۔

''ماما سے اچھے پراٹھے تو کوئی نہیں بنا سکتا''۔مونا کو ماما کے پراٹھے یاد آئے۔

''کلو بھی انہی کی اسسٹنٹ ہے۔فکر نہ کریں''۔گلو مسکرائیں۔

''اسسٹنٹ تو ان کی سرسوتی بھی ہے۔کیسا نقشہ بناتی ہے پاکستان کا بغیر کشمیر کے''۔زری نے گرہ لگا کر سب کو قہقہہ لگانے پر مجبور کر دیا۔

''آپی۔میں ڈرائیور کے ساتھ قریبی بازار تک ہو آؤں''۔روشی نے بازو پر کپڑے لٹکائے زری سے مخاطب تھی۔

''اکیلی؟ کیا لوگی......ابھی تو ہمارے پاس بہت وقت ہے''۔مونا نے مداخلت کی۔

''اکیلی کہاں......ڈرائیور بھی تو ہوگا۔اور یہ کہ میرے پاس وقت نہیں ہے''۔اس کے انداز میں عجیب کھویا کھویا پن صاف محسوس ہو رہا تھا۔وہ سب چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

''جلدی آجاؤں گی''۔وہ پھر بولی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔مگر دیکھو جلدی آجانا''۔زری نے کچھ سوچتے ہوئے اجازت دیدی۔

''آپ فکر نہ کریں''۔

''غسل کرکے پہلے ناشتہ تو کرلو''۔گلو نے ٹوکا۔

''غسل کرنے جا رہی ہوں مگر ناشتا کرنے کا موڈ نہیں ہے''۔وہ اسی طرح گم صم انداز میں کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔

''اس کی تھکن نہیں اتری ابھی شاید''۔مونا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''پھر باہر جانے کی کیا ضرورت ہے۔بازار تو رات تک کھلے رہتے ہیں''۔شینو نے تلخی سے کہا۔تو مونا بس اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

غسل کے بعد ناشتے کا غلغلہ شروع ہوا۔صبح کے دس بج رہے تھے۔روشی سیاہ کپڑے بدل کر جا چکی تھی۔وہ سب فلم دیکھنے لاؤنج میں ڈھیر ہو گئی تھیں۔انہیں پتا تک نہ چلا کہ روشی کب واپس آئی اور اوپر کمرے میں چلی گئی۔

فلم دیکھنے کے بعد وہ شام کو سمندر کی سیر کا پروگرام بنا رہی تھی۔جب فاطمہ (نوکرانی) نے انہیں بتایا کہ اوپر کے کمرے کا لاک نہیں کھل رہا۔اسے صفائی کرنا ہے۔شاید لاک خراب ہو گیا ہے۔یا اندر سے بند ہو گیا ہے۔

''اندر کون ہے جو بند کرے گا؟''زری نے مونا کی شکل دیکھی۔

''روشی نہیں آئی ابھی تک''۔معاً گلو نے چونک کر وال کلاک پر نظر ڈالی۔دوپہر کا ایک بج چکا تھا۔

''مونا' روشی نہیں آئی''۔زری کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

''تفصیلی شاپنگ کر رہی ہوں گی''۔مال پیسہ بہت ہے''۔شینو ہنسی۔

''آپ کے پاس چابی ہوگی۔مجھے دے دیجئے۔شاید خود بخود لاک ہو گیا ہو۔ان تالوں میں یہی تو خرابی ہے''۔فاطمہ نے زری سے چابی مانگی۔

''ارے تمہیں چابی کی پڑی ہوئی ہے۔مجھے روشی کی فکر لگ گئی ہے۔بابا صاحب کھال کھنچوا دینگے میری''۔گلو بے حد پریشان تھیں۔

''اسے اکیلا بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی''۔شینو نے پھر تڑخ کر کہا۔

''مونا! فاطمہ کو چابیاں دے۔دو دروازوں کی۔اسے تو ٹالو''۔شینو بڑبڑائی۔گلو نے سنی ان سنی کر دی تھی۔

وہ ابھی پیچ میں ہی تھیں کہ اختر (ڈرائیور) گیٹ پر چوکیدار سے باتیں بناتا دکھائی دے گیا۔

''ہائیں۔ڈرائیور تو یہ رہا۔پھر روشی کہاں ہے؟ کیا وہ اکیلی گئی ہے؟''انہیں جیسے شاک لگا۔

''اختر''۔وہ دور ہی سے پکاریں۔

''جی''۔وہ ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

''روشی بی بی گئی تھیں تمہارے ساتھ؟''ان کا دل انجانے خدشات سے کانپ رہا تھا' اسے تو یہاں کے راستے کا بھی نہیں پتا۔

''جی ہاں''۔

''تو پھر کہاں ہیں وہ؟''گلو کی جان میں جان آئی۔

''وہ تو جی جلدی آگئی تھیں۔میڈیکل سٹور سے شاید دوائی لینا تھی انہیں۔بس دوائی لی اور فوراً ہی میں انہیں واپس لے آیا تھا''۔

''کس بات کی دوا؟''انہیں مزید تشویش ہو گئی۔

''اگر کوئی دوا چاہیے بھی تھی تو وہ ڈرائیور بھی لا سکتا تھا۔مگر دوا کس مرض کی۔کیا ہوا ہے اسے؟''وہ ازحد فکرمند تھیں۔

''پھر کہاں ہے وہ؟''وہ جیسے جھلائیں۔

''میرے سامنے تو اندر گئی تھیں۔پھر میں نے انہیں نہیں دیکھا۔

''وہ یہاں آنے پر بالکل رضامند نہیں تھی۔سارا سفر اس نے بنا بات کیے کاٹا تھا۔یہاں آکر بھی وہ بے چین تھی۔سوئی بھی نہیں تھی۔ناشتا بھی نہیں کیا تھا''۔گلو کے دماغ میں فلم سی چل پڑی۔

''میڈیکل اسٹور سے کیا لینے گئی تھی''۔ انہوں نے پلٹ کر روبی اور بیہ کی طرف دیکھا اور پھر جیسے کسی خیال سے چونک کر اوپر کی طرف دوڑ پڑیں۔

انہیں اس کا جملہ یاد آ گیا تھا جو اس نے دریا بستی سے روانہ ہوتے ہوئے بڑے روہانسے انداز میں کہا تھا۔ ''اللہ کرے میری میت ہی اب یہاں آئے''۔

گلو سرپٹ دوڑتی ہوئی اس کمرے کی طرف آئی تھیں۔ جہاں فاطمہ لاک کھولنے کی سرتوڑ کوشش کر رہی تھی۔

''یہ نہیں کھل رہا بی بی''۔ وہ جیسے تھک کر بولی تھی۔ گلو نے جیسے اس کی بات نہیں سنی۔ وہ زمین سے چھت تک بنے دریچے کی طرف آئی تھیں۔ جس کے درمیانی پٹ انہوں نے صبح کھلے ہوئے دیکھے تھے۔ مگر اب وہ بھی بند تھے اور اندر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے''۔

گلو پر جیسے وحشت سی طاری ہو گئی۔ انہوں نے پاس پڑا ہوا گملا شیشے پر دے مارا۔

''آئیں۔ ہائیں''۔ روبی اور بیہ کی سمجھ میں خاک نہیں آ رہا تھا۔ وہ حیران پریشان گلو کو دیکھ رہی تھی۔

فاطمہ نے بھی اپنی ''کوششیں'' ملتوی کر دیں۔ چھناک کی آواز کے ساتھ شیشہ ٹوٹ چکا تھا۔ گلو دیوانہ وار پردہ ہٹا کر اندر جھانکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کمرے کا ماحول چونکہ نیم تاریک تھا اس لئے فوری طور پر کچھ بھی واضح طور پر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر وہ بدستور بغیر پلک جھپکے اندر گھور رہی تھیں۔

چند لمحوں بعد انہیں اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین سرکتی محسوس ہوئی۔ روشی سیاہ کپڑوں میں آڑی ترچھی لیٹی ہوئی نظر آ گئی۔

''روبی'' اختر کو اور چوکیدار کو بلا کر لا۔ بھاگ کر۔ جلدی سے''۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر وہیں بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا آپا؟ وہ دونوں بدحواس ہو گئیں۔

''دیر نہیں کرو جلدی جاؤ''۔ انجانے وسواس نے انہیں جیسے بے دم کر دیا تھا۔ یہ کیا کیا روشی؟ اور کیوں کیا؟ انہیں پتہ تھا وہ دریا بستی سے روانہ ہونے سے بہت پہلے بہت چپ چاپ سی تھی۔ جانے اس نے کتنی بار ان سے کہا تھا وہ کراچی جانا نہیں چاہتی۔ وہ خالہ کے پاس رہنا چاہتی ہے۔

مگر یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں کہ جان پر بنا لی جائے ان کا دل ڈوب رہا تھا۔ روبی ڈرائیور کی طرف دوڑی اور بیہ لاؤنج کی طرف۔ آناً فاناً افراتفری پھیل گئی تھی' اختر چوکیدار کے ساتھ مل کر دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لڑکیاں اور ملازمین حواس باختہ ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔

مونا اور تانیہ تو باقاعدہ رو رہی تھیں۔

''تمہیں کیسے دھیان آیا''۔ شینو کے بھی سارے کس بل نکلے ہوئے تھے۔

''ڈرائیور جو سامنے نظر آ گیا تھا۔ کہہ رہا تھا' وہ میڈیکل اسٹور سے کوئی دوا لائی تھی۔ چلتے ہوئے وہ اپ سیٹ بھی بہت تھی''۔ گلو روہانسی ہو کر بتا رہی تھیں۔

دروازے پر پڑنے والی ہر ضرب پر ان کے دل دھڑک اٹھتے۔ شاید اس بار دروازہ کھلے گا۔

بالآخر دروازہ ٹوٹ گیا۔ اور وہ سب دروازے پر ٹوٹ پڑیں۔ سب سے پہلی جست زری نے لگائی تھی۔ فاطمہ نے کمرے کی لائٹیں آن کر دیں۔ سرخ کارپٹ پر سیاہ کپڑوں میں ملبوس بے ترتیب لیٹی ہوئی روشی کا چہرہ سفید اور پرسکون تھا۔

مونا نے اس کے رخسار تھپتھپائے''۔ روشی ...... جان ......اف خدایا''۔ روشی کی مردنی نے جیسے اس کے حواس بھی مردہ کر دیے تھے۔

''مونا خود کو سنبھالو''۔ زری نے ٹوکا۔

''گاڑی نکالو ڈرائیور''۔ چوکیدار بہت بوڑھا تھا۔ زری نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

''دریا خان......اٹھا لوگے اسے؟'' وہ بہت مضبوط اعصابی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

چوکیدار نے روشی کو کاندھے پر لاد لیا۔

آؤ گلو......تم لوگ آرام سے بیٹھو۔ ان شاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔ کوئی ضرورت نہیں رونے دھونے کی۔ فون کر دوں گی''۔ زری نے دوپٹا سر پر جماتے ہوئے انہیں تسلی دی۔ اور دریا خان کے پیچھے چل پڑی۔ گلو بھی بمشکل خود کو گھسیٹ رہی تھیں۔

''سر سے پیر تک پرابلم ہے یہ لڑکی''۔ شینو کے انداز میں برہمی بھی تھی اور جھنجھلاہٹ بھی۔

''فی الحال تو اسے بخش دیں''۔ مونا نے آنکھیں پونچھیں۔ عجیب سا سکوت طاری ہو چکا تھا۔

''یہ اتنی دور بھی نکل سکتی ہے' میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی''۔ تانیہ نے لمحے بھر کو رونا دھونا موقوف کیا۔ ''ناشکری اور پاگل پن کا جیتا جاگتا نمونہ ہے بس''۔ شینو کی ساری تفریح خطرے میں تھی۔ وہ تو سب ہی اس کے ساتھ ہاسپٹل جانا چاہتی تھیں۔ مگر زری نے سختی سے منع کر دیا تھا۔

ابھی گاڑی نے آدھا فاصلہ بھی طے نہیں کیا ہوگا اور وہ فون کی گھنٹی کے انتظار میں اپنی اپنی جگہ چپ تھیں۔

''مونا باجی......گھر فون کروں؟'' روبی کو فوراً خیال آیا۔

''نہیں ابھی نہیں''۔ لالی نے منع کر دیا۔

''ہاں ابھی ذرا ہاسپٹل کے فون کا انتظار کرتے ہیں''۔ مونا نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

کمرے میں ایک بار پھر سکوت طاری ہو گیا

....

ماہین بستر پر خاموش لیٹی تھی ماما بلی دو مرتبہ اسے ناشتے کا پوچھ چکی تھی۔ اب پھر دروازہ پر دستک ہوئی تھی۔

''آ جاؤ''۔ اس نے کوفت بھرے انداز میں دروازے کی سمت دیکھا۔

دروازہ کھلا اور باری داخل ہوا۔

ماہین ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''آپ نے ناشتا نہیں کیا؟'' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد باری نے پوچھا۔

’’بری امی کہہ رہی ہیں؟‘‘ ’’آپ نے چونکہ ناشتا نہیں کیا تھا‘ اس لئے کھانا جلدی لگا دیا ہے‘‘۔

’’مجھے بھوک نہیں ہے‘‘۔اس نے رکھائی سے جواب دیا۔

’’جی‘‘۔باری نے الجھ کر اس کی سمت بغور دیکھا۔

’’آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟‘‘ وہ فکرمندی سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

’’میں بالکل ٹھیک ہوں الحمداللہ‘‘۔اس کے انداز بدستور تھے۔

’’پھر......؟‘‘ وہ کچھ کہنے کی خواہش کے باوجود پھر کہہ کر خاموش ہو گیا۔

’’کچھ بھی نہیں پھر‘‘۔وہ بےزاری سے گویا ہوئی۔

باری نے سوچتی ہوئی نظروں سے اس کو دیکھا۔

اس کے اردگرد بے شمار رویوں کی گزرگاہیں تھیں۔جن سے وہ روز لمحہ لمحہ گزرتا تھا۔رویئے کی معمولی سی تبدیلی حساس طبع پر الہام کی طرح اترتی تھی۔

اس نے باغ کی سمت کھلنے والی کھڑکی کی طرف دیکھا۔جوادھ کھلی تھی۔پردہ گرا ہوا تھا۔اس کے باوجود ادھ کھلے کا اشارہ واضح تھا۔

’’کل میں نے سرسوتی کو دوپٹا دھونے کیلئے دیا تھا‘ نہ معلوم کہاں رکھ گئی‘ ملا ہی نہیں‘ تم اسے ذرا میرے پاس بھیج دو‘‘۔ماہین کے لہجے میں قدرے سکون تھا۔

باری کے ہاتھ پشت پر بندھے تھے۔وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دریچے کی سمت بڑھا‘ پردہ پیچھے سرکایا‘ دریچے کے دونوں پٹ کھول دیئے۔

’’صبح کے وقت اسے کھول لیا کریں‘ تازہ ہوا آتی ہے‘‘۔اس نے پلٹ کر ماہین کو دیکھا۔

’’اور رات کیلئے کیا حکم ہے؟‘‘ وہ طنز سے مسکرائی۔

’’یہ آپ کا رہائشی کمرہ ہے‘ جیسے چاہے تصرف کریں‘‘۔وہ بھی مسکرایا۔

’’تو پھر آپ کھانا نہیں کھا رہیں؟‘‘

’’نہیں‘ مجھے بالکل بھوک نہیں‘‘۔اس نے منہ بنا کر جواب دیا۔

’’تھوڑا سا کھا لیں‘ شام کو آپ یاور چچا اور جواد کے ساتھ لمبے سفر پر روانہ ہوں گی‘‘۔

’’کہیں نہیں جا رہی میں‘ روشی کالج سے آئے تو اسے میرے پاس بھیج دینا‘‘

’’آپ یاور چچا سے خود بات کر لیں‘‘۔

’’روشی کالج سے آئے تو بھیج دینا‘ یہ یاور بھائی کا مقدمہ کہاں سے شروع ہو گیا؟ بس تو میری طرف سے انہیں یہ پہنچا دو‘ میرے دل میں خیرآباد دیکھنے کی کوئی حسرت نہیں‘ وہ میری سیٹ بک کرا دیں‘ میں جلد کراچی جانا چاہتی ہوں‘‘۔

’’سرسوتی کو بلا دو‘‘۔اس نے گہری نظر سے باری کا جائزہ لیا۔

ہلکے بادامی رنگ کے شلوار قمیض میں ملبوس‘ ہاتھ پشت پر باندھے ہوئے کسی خیال میں الجھا ہوا وہ بہت بےضرر دکھائی د

’’ظالموں کا آلہ کار......مگر کیا سادگی ہے‘‘۔اس نے دل ہی دل میں داد دی تھی۔

’’فی الحال تو کوئی نیا پروگرام سیٹ نہیں ہو سکتا‘ اس لئے کہ بابا صاحب سرائے گئے ہوئے ہیں‘‘۔وہ گویا اطلاع تھی۔

’’اچھا؟‘‘ اسے حیرت ہوئی‘ ’’لڑکیاں تو آج بہت خوش ہوں گی‘‘۔اس کے منہ سے نکل گیا۔

باری چپ رہا۔

ماہین نے اس کی چپ کوئی کوئی اہمیت نہ دی۔

’’سرسوتی‘‘۔

’’میں اس سے معلوم کر لیتا ہوں‘ کہ اس نے دوپٹا کہاں رکھا ہے‘‘۔باری نے باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ماہین کی بات اس نے فوراً کاٹ دی تھی۔

’’مجھے اس سے ایک اور بات کرنا ہے‘‘۔اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر باری کو سلگتی نگاہ میں تولا۔

باری جاتے جاتے رک گیا۔پھر کچھ سوچ کر پلٹا۔نہایت خوداعتمادی سے اس نے ماہین کے چہرے پر نظریں جما دی تھیں۔ایک لمحے کو تو ماہین بھی سٹپٹا گئی تھی۔

’’ماہین بی بی! جب سب کچھ دیکھ لیا‘ سن لیا‘ پھر کیوں مجھے پریشان کر رہی ہیں؟‘‘ اس کے سادہ سے لہجے میں بلا کی گمبھیرتا تھی۔

ماہین نے بری طرح چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

’’تھوڑے سے شرمندہ ہی نظر آ جاؤ تو ذرا سا بھرم رہ جائے‘ زندگی کا‘ انسانیت کا‘‘۔ماہین کے لہجے میں بہت تپش تھی۔

باری نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی‘ پھر مبہم سا مسکرایا۔

’’یوں بھی زیادہ باتیں کرنا میری عادت نہیں‘ اس لئے بس یہی کہوں گا‘ مجھے وضاحتوں کی اجازت نہیں‘‘۔اس نے اتنا کہہ کر دروازہ کھولا۔

’’باری‘‘۔ماہین نے بےساختہ اسے آواز دی۔

وہ رک گیا اور اس کی آواز کا انتظار کرنے لگا۔

’’تم کون ہو؟‘‘

’’آپ کی طرح مجھے بھی اس سوال کے جواب کی تلاش ہے‘‘۔وہ فوراً باہر نکل گیا تھا۔

....

گلو نے سہ پہر تین بجے ہاسپٹل سے فون کیا تھا۔اس کے لہجے میں بےحد پریشانی تھی اس نے تاکید کی تھی‘ کہ فی الفور دریا بستی فون کر کے بابا صاحب کو اطلاع کی جائے۔روشی کی حالت سخت خطرے میں ہے۔

ان کا فون بند ہوتے ہی مونا نے بڑی عجلت میں دریا بستی ڈائل کیا تھا۔

اس کی آواز بھی کپکپا رہی تھی اور ہاتھ بھی۔

حویلی میں اٹینڈنٹ تو ظاہر ہے باری ہی تھا۔ دوسری طرف سے ریسیور اسی نے اٹھایا تھا۔

ریسیور اٹھاتے ہوئے' اس کا دھیان روشی کی طرف ہی گیا تھا۔ اس نے خود کو جیسے تیار کیا۔ لہجہ اس کا انتہائی گہ

''ہیلو......!'' اس نے جیسے پتھر پھوڑے۔

''مونا بات کر رہی ہوں''۔ مونا کے لہجے میں غیر معمولی پن واضح تھا۔

''جی مونا بی بی! وہ فوراً سنبھل گیا۔

''کون...... باری؟''

''جی! میں ہوں''۔

''بابا صاحب سو رہے ہیں؟'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''جی کچھ کہہ نہیں سکتا۔ وہ صبح پانچ بجے سرائے چلے گئے تھے''۔ اس نے تفصیل سے جواب دیا۔

''اوہ! اور یاور ماموں؟''

''وہ بھی صبح سے کہیں گئے ہوئے ہیں''۔ اب وہ الجھنے لگا ''خیریت......؟''

''خیریت نہیں ہے۔ بابا صاحب کو سرائے فون کر کے فوراً اطلاع کر دو کہ روشی نے خودکشی کر لی ہے''۔

ریسیور باری کے ہاتھوں سے پھسلنے لگا۔

''جی......؟'' اسے اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا۔

''ہاں' بس یہی کہنا''۔ مونا کی آواز بھرا گئی

''کیا' کیا ہے انہوں نے؟'' اس کی آواز بہت کمزور تھی۔

''گولیاں کھائی ہیں...... پوائزن...... اچھا دعا کرو...... خدا حافظ''۔ مونا نے ریسیور رکھ دیا تھا' مگر وہ ابھی تک کا

لگائے کھڑا تھا۔

روشی کی اپ سیٹ کیفیت یادداشت میں فلم بن کر چل پڑی تو عنوان سمجھ میں آنے لگا۔ اسے اپنے انداز پر بھی بڑ

ندامت ہوئی۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو ضمیر کی خلش اسے کبھی خوش ہونے کا موقع نہیں دے گی۔ اس کا ذہن ماؤف ہو

اتنی بہادر ہو روشی؟ یا......!

اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور سر تھام کر سوچنے لگا۔ آس پاس موجود ہر شے اپنی حقیقت اور اثر کھو رہی تھی

ایک دم سے خالی خالی اور ویران لگنے لگی۔ اس نے بمشکل خود کو سنبھال کر سرائے ڈائل کیا۔ اٹینڈنٹ نے فوراً بابا صا

ملا دیا۔

''باری بات کر رہا ہوں خان......''

''ہوں...... بولو''۔

''کراچی سے فون آیا ہے ابھی ابھی...... مونا بی بی کا''۔

''مونا کا؟ خیریت...... کیا کہہ رہی تھی وہ......؟'' بابا صاحب ایک دم مستعد ہو گئے۔

''اچھی خبر نہیں ہے خان''۔ باری نے انہیں خبر کیلئے تیار کیا۔

''جلدی بولو''۔ بابا صاحب کے لہجے میں ایک دم سختی آ گئی۔

''روشی بی بی نے خودکشی کر لی ہے''۔

''زور سے بولو' آواز صاف نہیں آ رہی''۔ ان کی حواس باختگی واضح تھی۔

باری نے دائیں بائیں دیکھ کر اپنے ہونٹ تقریباً ماؤتھ پیس سے لگا دیئے۔

''خان! روشی بی بی نے پوائزن کھایا ہے' ہاسپٹل میں ہیں۔ مونا بی بی بتا رہی تھیں' ان کی حالت بہت ہی خراب ہے''۔

''کیوں کیا اس نے یہ سب......؟'' ان کی آواز غصے اور صدمے کے ملے جلے اثر سے کانپ رہی تھی۔

''اور کچھ نہیں بتایا انہوں نے''۔

''اچھا تم ایسا کرو' گھر میں یاور اور جواد سمیت فی الحال کسی کو اطلاع نہ دو''۔

''جی بہتر''۔

''آج کی کراچی جانے والی کسی فلائٹ سے میری اور اپنی سیٹ بک کراؤ۔ پھر مجھے اطلاع دو' میں ڈائریکٹ ایئرپورٹ پہنچوں گا' تم کراچی فون نہ کرنا' میں کر رہا ہوں''۔ ان کی آواز میں جیسے صدیوں کی تھکن اتر آئی تھی۔

''پھر تاکید کر رہا ہوں' گھر میں کسی کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں' آج کل وہاں اس کی خالہ بھی موجود ہے...... میرے پاس پہلے ہی بہت سے مسئلے موجود ہیں''۔ انہوں نے یہ کہتے ہی ریسیور رکھ دیا تھا۔

باری نے ریسیور رکھتے ہوئے گھڑی کی سمت دیکھا۔ پھر فوراً ہی ریسیور دوبارہ اٹھا لیا۔ اب وہ اسلام آباد ایئرپورٹ ڈائل کر رہا تھا۔

....

''بھائی تمہارے اپنے بھی تو دنیا میں ہوں گے' جو تمہاری فکر کرتے ہوں گے۔ تمہاری حالت پر کڑھتے ہوں گے''۔

آج وہ بھی مارے نقاہت کے عارف کے برابر لیٹا ہوا تھا۔

''بس یار' کون اپنا کون پرایا' اب تو سب برابر ہیں''۔ وہ ہنسا۔

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد

اور وہ کیا ہے کہ

دو گھڑی غم زیست اٹھا میری روح

پھر نظر آئے گا تجھ کو بھی خدا میری طرح

یہ دعا ' مانگو برا وقت نہ آئے ورنہ

آپ بھی ڈھونڈیں گے اپنوں میں وفا میری طرح

کیا سمجھے۔اپنے پن کی بھی کچھ شرطیں ہوتی ہیں یہاں' بلاوجہ کوئی اپنا نہیں ہوتا''۔وہ زہر زہر ہوکر ہنس رہا تھا۔

''چھوڑو یہ سب باتیں' یہ بتاؤ ہماری درخواست آگے پہنچائی؟'' عارف نے نیا موڑ لیا۔

''پہنچادی' مگرابھی لال خان کی عمر نہیں بتائی' ذرا تیز مزاج کی ہے گھروالی' آہستہ آہستہ لائن پہ لاؤں گا''۔

اس نے آسمان کی طرف اڑتے پرندوں کا نظروں سے تعاقب کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اتنی احتیاطیں بھی دروازے بند کردیتی ہیں قسمت کے بند دروازے کو دھکا لگانے کیلئے ذرا ہمت بھی کرنا چاہیے۔خیر' لال خان سے کہوں گا بردکھوے کو جائے تو ایک ٹوکرا پھلوں کا اور ایک ٹوکرا مٹھائی کا لیتا جائے۔ جتنے دن گھر والے پھل' مٹھائی کھائینگے۔ذرا نرمی سے سوچیں گے۔ہوسکتا ہے کام بغیر محنت کے بن جائے''۔ وہ بڑا پرامید تھا۔

''مال کھاکے ٹرخانا کوئی اچھی بات تو نہیں''۔اس کی خوددار طبیعت بلبلائی۔

''ٹرخائیں گے کیوں' کام کر کے دکھائیں گے۔ارے مٹھائی کے ٹوکرے پر شاہ جی سے دم کرالیں گے..... اور بول''۔ وہ ہنسا۔

''صحت دیکھی ہے لال خان کی؟ دس جوانوں پہ بھاری ہے۔تیس سال اور چلے گا ابھی۔اتنی جلدی بوڑھی ہونے والی آسامی نہیں۔عورت تو چار بچے پیدا کرتی ہے' وقت سے پہلے نانی لگنے لگتی ہے''۔ عارف نے ایک اور پتا پھینکا۔

''ابھی تمہاری لڑکی کے جوڑ کا نہیں لگتا' شادی کو دوسال ہوگزریں گے تو تمہاری لڑکی برابر کی لگے گی''۔

عارف نے بات اور آگے بڑھائی۔

''کیوں بولے جا رہا ہے؟ میں تو لائن پر ہوں۔مسئلہ تو گھر والی کا ہے''۔وہ چڑ گیا۔

''تو تیرے لئے تھوڑا ہی بول رہا ہوں' ڈکٹیشن دے رہا ہوں''۔ وہ حلق پھاڑ کر ہنسا۔

''کیا دے رہا ہے بھائی؟'' یہی کچھ تم اپنی گھر والی کے آگے اگل دینا اور بس''۔

''اتنا آسان کہاں یہ سب اگل دینا''۔ وہ زبردستی مسکرایا۔

''اب تو کما کردے رہا ہے یار۔کمائی والے مرد کے آگے تو عورت بچھی جاتی ہے''۔ اس نے بے حد حیرانی کا مظاہرہ کیا۔

''ارے تابعدار تو بہت ہورہی ہے ان دنوں ' رات کو میرے پیر دبا کر سوتی ہے۔ پر بھائی یہ اولاد کا معاملہ ہے''۔ اس نے بہت سوچتے ہوئے جواب دیا۔ذہن ایک وقت میں جانے کہاں کہاں بھٹک گیا تھا۔

''مگر اب تم شروع کرو سلسلہ' دیکھ بڑی ہمدردی کررہا ہوں تم سے''۔

''بڑی مہربانی' اس نے عارف کی بات کاٹ دی' دیکھ رہا ہوں ذرا ہوا کا رخ' یہ چلتی ہوا کہیں بیچ میں رک نہ جائے''۔

عارف نے پھر اسے بیچ میں ٹوک دیا۔

''میری سمجھ میں نہیں آرہا' تم مجھ پر اتنی مہربانیاں کیوں کررہے ہو۔میں تو تمہارے کسی کام کا بھی نہیں''۔ اس کے ذہن میں شک کا ناگ سرسرایا تو اس نے ازلی سادگی سے مجبور ہوکر سچ اگلنے میں ذرا دیر نہ لگائی۔

''میں برا نہیں مان رہا' خوش ہوجاؤ''۔عارف نے شاہانہ ادا سے کہا۔

''جس نے کبھی ہمدردی کا مزانہ چکھا ہو' جس کی سیدھی تدبیریں بھی الٹی پڑی ہوں۔اسے اتنی جلدی کسی کا اعتبار کیسے ہوگا' تم بےقصور ہو''۔ اس نے بڑے عدل کا مظاہرہ کیا۔

''دیکھ بھائی اجڑے ہوئے سے دوسرا اجڑا ہوا دکھ برداشت نہیں ہوتا۔بس اتنی سی بات ہے۔بھوکے کو دوسرے بھوکے کی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔پیٹ بھرے کو بھوکے کے دکھ کا پتا نہیں لگتا یا وہ پتا لگانا نہیں چاہتا''۔ عارف نے کہا۔

''تم اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتے' جب بھی تمہاری بات کرتا ہوں ادھر ادھر کی ہانکنے لگتے ہو''۔ اس نے بمشکل اٹھتے ہوئے عارف کی صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

''جس بات سے کچھ حاصل نہ ہوتا ہو' وہ بات کرنے کا کیا فائدہ۔اب ہم تو تجھ سے وہ باتیں کرتے ہیں جن میں ''حل'' بھی ہیں اور ''حلوے'' بھی''۔ پھر وہ بے ہنگم ہنسی ہنسا۔

پھر بھی مجھے خیال تو آتا ہے تمہار۔تم اتنے اکیلے کیوں ہو؟ تمہارے آگے پیچھے کوئی نہیں اور پھر لگتا...... بہت دکھی ہو''۔اس نے عارف کے چہرے پر نظریں جمادیں' جیسے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

تمہیں کس بات نے یا کس نے اجاڑ دیا۔تم اتنے دماغ والے ہو تو تم پر کس کا داؤ چل گیا''۔

''بس...... بھائی...... پریس کانفرنس میں بٹھادیا مجھے''۔ وہ ہنسا اور کھانسی شروع ہوگئی۔

''وہ پریشان ہوکر اذیت میں مبتلا اسے دیکھے گا' جلدی جلدی سینے پر ہاتھ بھی پھیرا' مگر کھانسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

''جب ہنسنے سے پھندا لگ جاتا ہے تو ہنستے کیوں ہو؟''اس نے ناراضگی سے کہا۔

یہی تو بات ہے' اوپر والا نہیں چاہتا کہ ہم ہنسیں۔حکم عدولی کرتے ہیں اور پھنس جاتے ہیں''۔ وہ کھانستے کھانستے بھی بولنے سے باز نہیں آیا۔تب وہ اس کیلئے پانی لینے چلا گیا۔

واپس آیا تو وہ اپنی کھانسی پر قابو پا چکا تھا۔

اس نے گلاس اسے تھمادیا' جو عارف نے ایک سانس میں خالی کردیا۔

''مت پوچھا کرو ایسے سوال جنہیں سن کر پہلے ہنسی کا پھر کھانسی کا دورہ پڑ جائے''۔

عارف نے گلاس گھاس پر پٹخنے کے انداز میں رکھا۔

''میں نے تو کوئی ایسا سوال نہیں کیا' جسے سن کر ہنسی آئے''۔وہ الجھا۔

''اچھا!'' عارف مسکرا کر برآمدے کی طرف دیکھنے لگا'' مجھے تمہارے سوال سن کر بہرحال ایک شعر یاد آگیا۔وہ کیا کہا

ہے مرزا نوشہ نے

نظر لگے نہ کہیں' اس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں میرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

''پر تمہاری سمجھ میں خاک نہ آیا ہوگا' مگر خیر ہم دوسروں کو کہاں سناتے ہیں''۔

''سچی بات ہے' مجھے واقعی سمجھ نہیں آتے تمہارے شعر''۔ اس نے اعتراف کیا۔

''ایک تو تم بات پوری کرنے نہیں دیتے بیچ میں چھلانگ مار دیتے ہو''۔ عارف کے فلسفیانہ تواتر میں پھر خلل پڑا تو وہ جھلا گیا۔ فلسفے کا تسلسل ٹوٹنے سے ایک ضرب سی پڑی تھی دماغ پر۔ وہ ''بحالی'' کے انتظار میں خاموش ہو گیا اور سانس لینے لگا۔

''ناراض ہو گئے۔ اچھا اب بیچ میں نہیں بولوں گا''۔ وہ اسے چپ دیکھ کر شرمندہ سا ہو گیا۔

''ارے نہیں یار! ناراض واراض نہیں ہوتے ہم۔ جب چپ ہوتے ہیں تو کچھ سوچ رہے ہوتے ہیں''۔ اس گھاس نوچتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

''اب کیا سوچنے لگے؟'' اسے نہ جانے کیوں عارف کی سوچ سے دلچسپی ہو جاتی تھی۔

''کچھ نہیں' بس یہی کہ

آئے ہے بے کسیء عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد

اسے افسوس ہوا خوامخواہ اسے چھیڑا' پھر ایک شعر...... اس کا سر پیٹنے کو دل چاہا تھا۔

....

یہ کوئی سکون کا موقع نہیں تھا کہ وہ ڈریسنگ کا اہتمام کرتا۔ اس نے وارڈروب کھولی تو سامنے سرمئی سفاری سوٹ تھا اس نے وہی پہن لیا۔ تین چار شلوار سوٹ ایک چھوٹے سے سفری بیگ میں رکھے' ایک دو کتابیں' تین چار رومال' ایک گھر میں پہننے والی چپل اور ایک واک مین۔ اس نے بارہا روشی کو باغ کے کونے میں کتاب ہاتھ میں تھامے واک مین پر موسیقی سنتے دیکھا تھا''۔

''کہاں کی تیاری ہے؟'' وہ بڑی امی کو یہ بتا کر کہ وہ بابا صاحب کے ساتھ کراچی جا رہا ہے۔ راہداری عبور کر رہا تھا کہ اسے عقب سے ماہین کی آواز آئی۔

وہ قدرے چونک کر رہ گیا۔

''کہیں نہیں' بس ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں''۔ وہ نظریں چرا کر سامنے دیکھنے لگا۔

''مگر یہ تو پارٹی میک اپ ہے''۔ وہ اسے مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''ارے نہیں' اتنا تو باہر جاتے ہوئے چل جاتا ہے''۔ وہ خفیف سا ہو کر مسکرا دیا۔

نہایت مصنوعی اور سطحی مسکراہٹ تھی۔

''مجھے تم سے نہایت ضروری باتیں کرنا ہیں' چاہے کچھ بھی ہو' ورنہ میں اپنا سوٹ کیس اٹھا کر کسی کو مطلع کئے بغیر یہاں سے چلی جاؤں گی' سنا؟''

وہ بہت سنجیدگی سے دھمکی آمیز گفتگو کر رہی تھی۔

''جی سمجھ گیا''۔

''کیا سمجھے؟'' وہ سنجیدہ بھی تھی اور قدرے برہم بھی۔

''یہی کہ آپ کو مجھ سے بہت ضروری باتیں کرنا ہیں' اچھا خدا حافظ''۔ اس نے قدم بڑھائے۔

''میں انتظار کروں گی''۔

''جی بہتر''۔ اسے اس وقت کسی بھی قیمت پر جان چھڑانا تھی۔

ڈرائیور تو بابا صاحب کے ساتھ سرائے گیا ہوا تھا۔ وہ مردانہ ہال کی طرف چلا آیا۔

''فاران! یار ذرا شہر تک ڈراپ تو کر دو''۔

''کہاں جا رہی ہے تشریف؟'' اسے شہر جانے کے خیال سے بخار چڑھنے لگا۔

''ایمرجنسی ہے' دیر نہ کرو! بابا صاحب نے بلایا ہے''۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

بابا صاحب نے! سرائے تک چھوڑ آؤں؟'' اس نے بدحواس ہو کر کھونٹی سے لٹکی شرٹ اتاری اور جلدی جلدی پہننے لگا۔

''نہیں بس۔ شہر سے ہائر کر لوں گا کچھ نہ کچھ۔ وہ مسئلہ اس لئے ہے کہ ڈرائیور تو ہے نہیں' گاڑی لے جاؤں تو واپس کون لائے گا؟''

''تو کیا کئی دن قیام و طعام ہوگا سرائے میں؟''

''چابی...... !'' اس نے سوالیہ انداز سے باری کو دیکھا۔

''ہے میرے پاس' ہری اپ پلیز' ایک ایک لمحہ قیمتی ہے''۔ وہ بہت الجھا ہوا تھا۔

''بڑی کٹ میں ہو' کہاں کی تیاری ہے؟'' جواد ہال میں داخل ہوا۔

''کام سے جا رہا ہوں''۔ اس نے جواد سے نظریں چرائیں۔

''کام سے تو نہیں لگ گئے؟'' اس نے پاؤں جوتوں سے آزاد کر کے سکون کا سانس لیا۔

وہ اتنا الجھا ہوا تھا کہ اس کی شرارت سے حظ نہ اٹھا سکا۔ اس سے پیشتر کہ مزید گفتگو ہوتی یا بات آگے بڑھتی ہے وہ باہر نکل آیا۔ بابا صاحب کو اس نے فون کر دیا تھا اور اسے یقین تھا' وہ اس سے پہلے ایئرپورٹ پہنچ جائیں گے۔

اور جب رات سوا آٹھ بجے اس نے ایئرپورٹ کے احاطے میں قدم رکھا تو بابا صاحب کے ڈرائیور نے آگے بڑھ کر اپنی موجودگی کی اطلاع دی۔ اس نے بابا صاحب کو سلام کیا اور کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ ٹکٹ حاصل کئے پھر بابا صاحب کو لے کر اندر چلا گیا۔

بورڈنگ کارڈز کیلئے بھیڑ میں کھڑے کھڑے اس نے بابا صاحب کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی چھڑی کو......اضطراری انداز میں زمین پر مار رہے تھے' پیشانی پر لکیروں کا جال گہرا تھا۔ اتنی بھیڑ اور شور کے باوجود وہ ایک بے خبری کی کیفیت میں تھے۔ باری کو کئی بار محسوس ہوا جیسے وہ خود سے باتیں کر رہے ہوں۔

فلائٹ میں ابھی دیر تھی' وہ لاؤنج میں ایک صوفے پر برابر بیٹھ گئے۔

یہ ایئرپورٹ کا سب سے بارونق حصہ تھا۔ مختلف شہروں کے باسی یا مسافر اپنی اپنی فلائٹ کا انتظار کر رہے تھے۔

بچوں نے عجب چہل پہل کر رکھی تھی۔ بھاگ دوڑ بھی رہے تھے اور اپنے اپنے سرپرستوں سے شکایتیں بھی کر رہے تھے۔

گود کے بچے کا رونا دھونا بھی شور کا ایک حصہ تھا۔ گاہے بگاہے اردو انگریزی میں ہونے والی اناؤنسمنٹ ماحول میں نئے سرے سے ہلچل پیدا کر دیتی تھی۔

اور اس کے باوجود وہ دونوں اپنے اپنے دھیان میں تھے۔ ان کی فکر کا تسلسل کوئی بات' کوئی چیز توڑ نہیں پا رہی تھی۔

''اور کچھ بھی کہا تھا مونا نے......؟'' آخر بابا صاحب نے چپ توڑی۔

''جی نہیں''۔

''دوبارہ فون نہیں آیا؟''

''جی نہیں''۔

''تم نے اطلاع دی؟''

''جی''۔

''کون ملا تھا فون پر؟''

''روبی''۔

''کچھ کہا نہیں اس نے؟''

''جی نہیں''۔

''تم نے بھی کچھ نہیں پوچھا؟''

''وہ بہت رو رہی تھی''۔

''تمہیں چاہیے تھا گلو سے بات کرتے''۔

وہ اسپتال میں ہیں' روشی بی بی کے پاس''۔

''اور زری؟''

''وہ بھی''۔

''پھر تو مونا کو بلاتے فون پر''۔

''وہ بھی شام کو اسپتال چلی گئیں......روبی نے بتایا تھا''۔

''یاور آ گئے تھے گھر پر؟''

''جی نہیں''۔

''ماہین سے ملاقات ہوئی؟''

''جی''۔

''کیا بات ہوئی؟''

''میں نے ضروری کام کا کہہ کر جلدی کا مظاہرہ کیا۔ موقع نہیں دیا انہیں بات کرنے کا''۔

''ہوں' روشی کا نہیں پوچھا؟''

''میں نے زیادہ بات کرنے کا موقع نہیں دیا''۔

''اچھا کیا۔ یہ لڑکی ایک مسئلے کی طرح اٹل ہو رہی ہے۔ ہمیں اس کا حل ڈھونڈنا ہے''۔

باری خاموش رہا۔

''اس نے اتنا بڑا قدم اٹھا کر ہماری نسلوں کی محنت پر پانی پھیرنے کی کوشش کی ہے' ہم اسے معاف نہیں کر سکتے''۔ ان کا چہرہ مارے جذب کے سرخ ہونے لگا۔

''فی الحال تو وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے''۔

''ہمیں اس کی موت کا ذرا افسوس نہ ہوگا''۔ ان کا لہجہ پرجلال تھا۔

باری کا دل کہیں کسی اتھاہ میں اترا۔

''باری؟''

''جی خان''۔

''خاندانی وقار نہ جانے کتنی نسلوں کی محنت کا جوہر ہوتا ہے' دولت صرف عیب چھپاتی ہے' خون نہیں بدلتی۔ ہم اپنے پرکھوں کی محنت ایک گھڑی میں ٹھکانے لگانے کی اجازت نہیں دیں گے۔

ہر روشنی نور نہیں ہوتی۔ چھن چھن کر مختلف مرحلوں سے گزرتی ہے' تو نور بنتی ہے۔

اسی طرح خاندان کا تاج ہوتا ہے' جس کی بنت و بناوٹ میں صدیوں اور پرکھوں کے کشٹ کا حصہ ہوتا ہے''۔

دولت مندوں کا شمار نہیں ہو سکتا' مگر خاندانوں کا شمار ہو سکتا ہے۔ اچھا نسب اس دنیا میں اعزاز ہے۔ حکمرانی نمبر دو چیز ہے' مگر نسب نمبر ایک ہے' ہم نگراں ہیں اپنے نسب کے' دو چار لوگوں کی خاطر ہزاروں کا نقصان نہیں کر سکتے۔ تمہیں شاید پتا نہ ہو۔ ظفری کی بیوی کم نسب ضرور لائے ہیں' وہ اس لئے کہ ظفری میں باپ بننے کی صلاحیت نہیں۔ بچپن سے آج تک اس کے سینکڑوں میڈیکل ٹیسٹ ہوئے ہیں' ہم اپنے ایک ایک بچے سے باخبر ہیں''۔

باری جو مستقل خاموشی اختیار کئے ہوئے تھا' ایک دم چونک پڑا۔

جھومر کی مظلومیت اس کے سینے پر ہاتھ مارنے لگی۔

''ہم خاندان سے باہر شادی کیخلاف نہیں' ہم نے اپنی بیٹیوں اور بیٹوں کی شادیاں باہر کی ہیں۔مگر خاندانی ہونے کی سند جن کے پاس ہے وہاں۔ہم نے بہوؤں کے جہیز کا لالچ نہیں کیا اور بیٹیاں باہر دیتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ جائیداد بٹ جائے گی۔

''ہم دولت کی ضرورت اور اہمیت سے بے خبر نہیں' مگر ہم خاندان کی اہمیت کو ہر چیز سے بڑھ کر سمجھتے ہیں''۔

''ہم اپنے خاندانی وقار کی خاطر اپنی اولاد کو قربان کرنے کی ہمت بھی رکھتے ہیں''۔ ان کا لہجہ بہت مستحکم اور مضبوط تھا۔

''ہم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اگر روشی کو اللہ نے زندہ رکھا تو ہم اسی ہفتے اس کی شادی کردیں گے''۔

''جی!'' باری نے چونک کر ان کی شکل دیکھی۔

''ہوں......ہم چاہتے تھے کہ اس کی شادی گھر کے ہی کسی قابل بچے سے کریں۔مگر اب ہم اسے حویلی میں نہیں رکھیں گے''۔ ان کے انداز سے غیظ وغضب ظاہر تھا۔

''پھر کہاں؟'' باری کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

''کسی غریب خاندان کے......کے ساتھ بیاہنے پر بھی ہم راضی ہوں گے۔خاندانی ہوگا تو ہم یہ بھی نہیں دیکھیں گے کہ وہ میٹرک بھی ہے یا نہیں''۔

''جی......؟'' باری کو ایک اور دھچکا لگا۔

''گونگا' بہرا بھی ہوا تو بیاہ دیں گے''۔

''جی''۔ باری کی پیشانی پر موتی چمکنے لگے۔

''یاور چاچا''۔ اس نے بابا صاحب کو کچھ یاد دلانے کی کوشش کی۔

''وہ کچھ نہیں بول سکتے۔وہ ہمیشہ ہمارے فیصلوں سے اتفاق کرتے ہیں۔وہ عزت ووقار کے مسئلے پر ہم سے بھی زیادہ حساس ہیں۔اسی وجہ سے ہمیں بہت عزیز بھی ہیں۔انہوں نے زندگی میں بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ہمیں روشی پر اس لئے بہت زیادہ غصہ ہے کہ اس نے یاور کو ایک اور زخم لگانے کی کوشش کی۔ہم اسے ہرگز معاف نہیں کرسکتے''۔

باری کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ ان اداؤں کو کیا نام دے۔سفاکی یا عدل۔

کراچی جانے والی پرواز پی کے 302 روانگی کیلئے تیار ہے۔اناؤنسمنٹ ہورہی تھی' وہ ایک دم سر جھٹک کر کھڑا ہوگیا۔

''آیئے بابا صاحب! اس نے بابا صاحب کا ہاتھ تھام کر اٹھایا۔

اسے لگا جیسے اس نے بابا صاحب کو نہیں اٹھایا......روشی کی قضا کو اٹھایا۔

☆......☆......☆......☆......☆

ماحول اس وقت زیادہ پریشان کن ہوگیا جب مونا روتے روتے ایک طرف ڈھے گئی۔

گلو ہاسپٹل کے کاریڈور میں نفل پڑھنے میں مصروف تھیں۔زری کی چیخ پر نیت توڑ کر بھاگیں۔میں نے کہا بھی تھا کہ مت آؤ مگر یہ سنتی کب ہے''۔ انہوں نے اس کے رخسار تھپتھپاتے ہوئے شیشے کے اس پار موت وزندگی کی کشمکش میں مبتلا روشی کی طرف آئی۔

''ایسا دیک لوگ پیشنٹ کے ساتھ نہیں آنا چاہیے بابا''۔ نرس نری بدمزاجی سے مونا کو چیک کرنے لگی۔

''مین......تم اسٹریچر لاؤ......ام دیکھتا ہوں......ادھر کوئی ڈاکٹر نہیں اے......ڈیوٹی ڈاکٹر ابھی نہیں آیا۔جو ہے وہ تمہارے مریض کے ساتھ مصروف اے''۔ وہ مونا کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ جہاں سے وارڈ بوائے نے ''طلوع'' ہونا تھا۔

چند منٹوں کے بعد آخر اسٹریچر آگیا۔زری' گلو اور نرس نے مونا کو اسٹریچر پر لٹایا اور اس کے ساتھ ساتھ چل دیں۔

''گلو! تم یہیں ٹھہرو۔روشی کے پاس......میں ہوں مونا کے ساتھ......''۔ زری نے گلو کے بڑھتے قدم روک دیئے تھے۔

زری نے ڈاکٹر کو روک کر بس اتنا پوچھ لیا تھا کہ کوئی خطرناک بات تو نہیں اور ہر چند ڈاکٹر نے نفی میں جواب
اس کی آنکھوں میں جو تفکر اور الجھن تھی مونا تو اسے دیکھ کر ہی حواس کھو بیٹھی تھی۔

اب گلو ادھر روشی کی طرف ٹکٹکی لگا کر بیٹھ گئیں اور ادھر زری مونا کی طرف......

رات کے پونے گیارہ بج چکے تھے۔ بابا صاحب بس پہنچنے ہی والے تھے۔

ایک تو ناگہانی اس پر مستزاد بابا صاحب کی آمد...... گلو کے کلیجے میں ایک دھکڑ پکڑ شروع ہوگئی تھی۔

''ہائے روشی! کیا ہوگا تیرا؟'' انہوں نے ترحم بھری نظروں سے ہوش وحواس سے بیگانہ روشی کی طرف دیکھا
! مگر فی الحال روشی کی جان بچ جائے...... افسوس جان بچ کر بھی نہ بچے گی' کیسی نادانی کی ہے تو نے''۔ ان کی آنکھوں
آنسو بہنے لگے۔

وہ گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گئیں۔ اب تک بہت ضبط سے کام لیا تھا' مگر جیسے اب دل پر اختیار نہ رہا تھا۔ پھر بھی
محتاط ضرور تھیں کہ آس پاس چلتے پھرتے لوگوں کو شبہ بھی نہ ہو کہ وہ رو رہی ہیں' ناک بہتی تو رومال سے پونچھ لیتیں۔ بس
دیر کو سر اٹھاتی تھیں' پھر گھٹنوں میں دے لیتی تھیں۔

پندرہ بیس منٹ گزر گئے۔ تب زری نے آ کر بتایا کہ مونا کو ہوش آ گیا ہے مگر سسٹر کہہ رہی ہے' اسے ابھی وہیں لے
دو یا فوراً گھر لے جاؤ''۔

''اختر تو بابا صاحب کو لینے ایئر پورٹ گیا ہوا ہے۔ وہ آ جائے تب ہی لے جا سکتے ہیں''۔ وہ زری سے نظریں
جواب بھی دے رہی تھیں اور ناک بھی پونچھ رہی تھیں۔

''رو رہی ہو گلو......؟'' زری کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ اس نے چونک کر شیشے کے پار دیکھا تھا۔ روشی ہنوز پہلی سی
میں تھی۔

''بس ایسے ہی...... سگی بہنوں سے بڑھ کر نخرے ہیں اس کے' اگر اسے کچھ ہو گیا تو میرا دل پھٹ جائیگا''۔ وہ
پھوٹ کر رونے لگیں۔

''اللہ نہ کرے''۔ زری نے سر اپنے سینے پر لگا لیا۔

''اس نے کیوں کیا یہ سب؟ کس شے کی کمی ہے اس کے پاس۔ بابا صاحب تک اس کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کر
ہیں''۔ وہ اس طرح رو رہی تھیں' جیسے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے ہوں۔

زری' جو گلو کے حوصلے سے تقویت پکڑے ہوئے تھی' خود بھی آنسو بہانے لگی۔

باری' بابا صاحب اور اختر سے چار قدم پیچھے ہی چل رہا تھا۔ بہت سارے وسوسے اس کی جان کو لگے تھے۔ قدم من
بھر کے ہو رہے تھے۔ اب جو سامنے گلو' زری کو گلے مل کے روتے دیکھا تو جیسے اپنی جگہ پتھر کا ہو گیا۔

اس حویلی میں ڈھیروں لڑکیاں ہیں...... مگر......!

جو شہزادیوں کا سا طمطراق۔

حاکموں کی سی تمکنت۔

آقاؤں جیسا قطعی پن وحتمی انداز اس کے اندر سے ابل ابل کر بہتا دکھائی دیتا تھا' وہی جیسے اس کیلئے چیلنج سا بن گیا تھا۔

وہ اتنی بے خوف تھی کہ اس کی مردانگی زنجیروں میں پھڑ پھڑانے لگتی۔

وہ ستون تھام کر اپنی جگہ کھڑا رہ گیا تھا۔

''بی بی! خان تشریف لے آئے ہیں''۔ اختر نے رونے دھونے میں مصروف گلو اور زری کو متوجہ کیا۔

گلو تو بدحواس ہو کر ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ زری کے البتہ سارے ایمرجنسی سوئچ بے کار ہو گئے۔ وہ بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

بمشکل منہ سے ''السلام علیکم'' نکل سکا تھا۔

''وعلیکم السلام! ڈاکٹر کدھر ہے؟ بات کراؤ''۔ بابا صاحب جوان کے رونے کی وجہ سے قدرے ٹھٹک گئے تھے شیشے کے
پار نظر پڑتے ہی اپنی وضع میں واپس آ گئے۔

''جی اچھا! زری ڈاکٹر کو بلانے دوڑی گئی۔

''کوئی ایسی بات جو تمہارے علم میں ہو جس کی وجہ سے یہ سب ہوا؟'' وہ چھڑی پر زور ڈال کر پاس رکھی بینچ پر بیٹھ گئے۔

''جی نہیں' میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں۔ شاید وہ کراچی آنا نہیں چاہتی تھی''۔ گلو قدرے جھجک کر گویا ہوئی تھیں۔

''ہوں!'' بابا صاحب نے گہری سوچ کا غماز ایک لمبا ہنکارا ابھرا۔

''مگر بیٹی! کراچی آنا یا نہ آنا ایسی خاص بات نہیں کہ انسان زندگی داؤ پر لگا بیٹھے۔ مسئلہ کچھ اور ہے' بلکہ کچھ نہ کچھ ہے
ضرور''۔ ان کی پیشانی کی لکیریں گہری ہو گئیں۔

''بابا صاحب! ڈاکٹر اپنے کمرے میں ہیں' آپ وہیں آ جائیے' آرام سے بات ہو جائیگی وہاں''۔ زری نے آ کر
انہیں گہری سوچ کی دلدل سے باہر نکالا۔

''یہاں بچی موت سے لڑ رہی ہے۔ وہ وہاں جھک مار رہے ہیں''۔ اصولاً تو انہیں اس کے ہوش آنے تک کمرے سے
باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ اب میں ان نوابوں سے دفتر میں ملوں''۔ دلاور علی خان چل کر جانے کے احساس سے ایک دم مشتعل ہو
گئے۔

ایک قہر آلود نظر انہوں نے آکسیجن ماسک کی مرہون منت روشی پر بھی ڈالی تھی۔

''یہ ہاسپٹل پرائیوٹ ہے؟'' وہ زری سے مخاطب ہوئے۔

''جی...... بابا صاحب!'' ان کو برہم دیکھ کر ویسے ہی حلق میں کانٹے پڑ جاتے تھے۔

''پیسہ بھی ہم جھاڑیں گے اور نخرے بھی ہم اٹھائیں گے۔ تف ہے ایسی اولاد پر جو ایسے ویسے لوگوں کے سامنے دو کوڑی
کا کر کے رکھ دے''۔

وہ دونوں بے بسی سے دلاور علی خان کی صورت دیکھنے لگیں۔

اس وقت مشکل گھڑی تھی۔ ڈاکٹروں سے بدمزگی کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔ جبکہ کیس بھی ''خودکشی'' کا تھا۔

باری کے اوسان بحال ہو چکے تھے۔ اصل صورتحال تک پہنچنے تک اب اس کی رسائی تھی۔ وہ نئے سرے سے تازہ دم کران کی جانب بڑھا تا کہ بات تکرار تک نہ پہنچے۔

"خان"۔ اس نے انہیں پشت کی طرف سے پکارا۔

"خان! ڈاکٹر تو دوپہر سے ظاہر ہے یہیں ہوگا۔ اب رات بڑھ گئی ہے' اس لئے تھوڑی دیر کو چلا گیا ہوگا"۔ ذہنی کیس ہے۔ ابھی ذرا نرمی ہوگی خان۔ پھر صورتحال کنٹرول میں ہوگی۔ ورنہ مسئلہ ہو جائیگا"۔

اس کو سب بابا صاحب کا ریموٹ کنٹرول کہہ کر چھیڑتے تھے۔ اس لئے کہ حیرت انگیز بات تھی...... کہ بابا صاحب اس کی ہر بات کو سنتے تھے اور باقاعدہ نوٹس لیتے تھے۔ یہی ہوا۔ اس کی دھیمی آواز اور نپے تلے الفاظ جیسے ہی ان کے کان میں اترے۔ ان کے چہرے پر موجود تناؤ کی کیفیت معدوم ہونے لگی۔

"تم بھی چلو ہمارے ساتھ' تم ہی بات کرو گے ان "افلاطونوں" سے۔ ہم کلام نہیں کرینگے جو مریض سے پیٹھ پھیر خوش گپیاں کر رہے ہیں"۔ وہ چھڑی پر زور ڈال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جی"۔ باری شیشے کے اس پار نہ جانے کیا ڈھونڈ رہا تھا۔ ایک دم چونک کر ان کے پیچھے ہولیا۔ گلو اور زری کو وہیں ٹھہرے رہنے کا اشارہ کیا۔

"شکر ہے باری ساتھ آیا ہے"۔

"نامعقولیت کی حد تک ہم اس کے عادی ہو چکے ہیں۔ ایسا لگا۔ جیسے "بچوں کی ماں آ گئی ہو"۔ زری کھسیا کر کہہ رہی تھی۔ افسردگی کے ماحول میں لمحے بھر کیلئے مسکراہٹ کی کرنیں چمکی تھیں۔ ایسی ہی بے ساختہ مسکراہٹ جیسے کہ بے ساختہ آنسو ہوتے ہیں۔

دونوں سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ بابا صاحب اور باری کو دوبارہ اس طرف آتے آتے آدھا گھنٹہ لگ گیا تھا۔

"زری بی بی! آپ لوگ جائیں' میں ہوں یہاں پر"۔ باری ان سے مخاطب تھا۔

"ہم یہیں ٹھیک ہیں' تم تھک گئے ہو' آرام کرلو"۔ گلو وہاں سے کسی طرح ہلنے کو راضی نہ تھیں۔

"باری ٹھیک کہہ رہا ہے' تم لوگ گھر چلو' اب کوئی بات نہیں"۔ بابا صاحب اپنے مخصوص فیصلہ کن لہجے میں مخاطب ہوئے۔

دونوں نے بے بسی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھی۔

"میں مونا کو لے کر آتی ہے"۔ زری با دل نخواستہ انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مونا کہاں ہے؟" بابا صاحب جو گم صم کیفیت میں روشی کی سمت متوجہ تھے' ایک دم چونک پڑے۔

"وہ ادھر وارڈ میں ہے' بے ہوش ہو گئی تھی"۔ زری جلدی سے بولی۔

"کیوں بے ہوش ہو گئی تھی' طبیعت تو ٹھیک ہے اس کی؟" وہ پریشان سے نظر آئے۔

"وہ رو بہت رہی تھی' روشی کی وجہ سے"۔ گلو نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔

"احمق"۔ انہوں نے بہت کوفت محسوس کی" اب ایسی ہے؟"

"ٹھیک ہے' آپ لوگ چلیں میں لاتی ہوں اسے' گاڑی گیٹ کے ساتھ ہی ہے ناں اختر؟" زری نے فاصلے پر کھڑے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

"جی بی بی؟"

"ہوں' اچھا ہم گاڑی میں بیٹھتے ہیں' تم مونا کو لے آؤ۔ گلو اٹھو بیٹی"۔

گلو روشی کی طرف دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"باری! میرا ذرا بھی دل نہیں چاہ رہا۔ یوں بھی نیند تو آ ئیگی نہیں"۔ وہ افسردگی کا مجسمہ بنی ہوئی تھیں۔

"پلیز...... !" باری نے بس ان سے اتنا ہی کہا۔ تب وہ آہستہ قدموں سے ڈرائیور اور بابا صاحب کے پیچھے چل پڑیں۔

"باری!" وہ جاتے جاتے ٹھہر گئیں۔

"جی!"

"فون کر کے صورتحال بتاتے رہنا۔ میں تمہیں جاگتی ہوئی ملوں گی"۔

"بہتر...... آپ اطمینان رکھیں"۔ وہ اس جگہ بیٹھ گیا جہاں اب تک گلو بیٹھی ہوئی تھیں۔

....

"بی بی! کھانا کھالیں۔ بڑی بیگم کہہ رہی ہیں' بھوک نہ ہو تو تھوڑا سا ہی کھالیں"۔ ماما بلی دروازے میں کھڑی تھی اور بہت مودبانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

"پہلے روشی کی شکل دکھاؤ؟" ڈائننگ ہال میں اسی کے ساتھ جاؤں گی"۔ وہ تو جیسے بھری بیٹھی تھی۔

"وہ تو جی رات کراچی چلی گئی تھیں"۔ ماما نے سادگی سے بتایا' جس میں قدرے حیرانی بھی شامل تھی۔

"کیا......؟" وہ ایک دم اچھل کر کھڑی ہو گئی"۔ کیا کہا تم نے رات کراچی چلی گئی' مجھ سے ملے بغیر...... اوہ نو؟" اس کا ذہن تیزی سے چک پھیریاں کھانے لگا۔

"رات...... تمہارا مطلب ہے کل رات؟" وہ ماما کے نزدیک چلی آئی۔

"جی بی بی! کل رات"۔ وہ ماہین کے انداز پر قدرے پریشان نظر آنے لگی تھی۔

"اکیلی یا اپنے پپا کے ساتھ؟" اس نے کل سے یاور علی خان کو بھی تو نہیں دیکھا تھا۔

"ساری لڑکیاں گئی ہیں بی بی' سبوں کے ساتھ گئی ہیں وہ"۔ ماما نے وضاحت کی۔

"سب گئی ہیں"۔ یہ ایک اور چونکا دینے والا انکشاف تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"اچھا! ماما ذرا باری کو بلواؤ"۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔

"وہ جی...... خان حویلی میں نہیں ہیں"۔ وہ دھیرے سے بولی۔

"پھر کہاں ہیں......؟" وہ ناراضگی سے ماما کو دیکھنے لگی۔

"جی مجھے پتا نہیں۔ بڑے خان بھی تو نہیں ہیں' جہاں بڑے خان ہوتے ہیں تو خان (باری) انہی کے ساتھ ہوتے ہیں"۔ ماما پے در پے سوالات سے پریشان نظر آ رہی تھی۔

"بڑے خان کہاں گئے ہوئے ہیں؟" اس سوال کے جواب میں ہی باری کا اتا پتا چھپا ہوا تھا۔

"جی مجھے پتا نہیں' ہم ملازموں کو ایسی باتیں پتا نہیں ہوتیں؟" ماما نے اس کے مزید سوالات کے حملوں کو روکنا چاہا۔

"پھر کیسی باتیں پتا ہوتی ہیں؟" اس نے دانت پیس کر پاس رکھی کتاب اٹھا کر پٹخی۔

"ملازم کو تو جی صرف اپنے کام سے مطلب ہونا چاہیے۔ ہمیں ضرورت بھی کیا ہے پتا کرنے کی' آقا کے کاموں سے ہمیں کیا مطلب جی۔" وہ ماہین کو غصے میں دیکھ کر پریشان سی ہو گئی۔

"اچھا تم جاؤ۔" اسے مزید روکنا بے کار ہی تھا۔

"آپ آ رہی ہیں کھانا کھانے' میں بڑی بیگم کو کیا جواب دوں؟"

"آ رہی ہوں میں۔" اس نے جیسے کوئی تہیہ کر لیا تھا۔

ماما کے جاتے ہی اس نے خود پر نظر ڈالی۔ رات سے اتنا موڈ خراب تھا کہ اس نے خود پر توجہ ہی نہیں دی تھی۔ اب تو ہے کھانا تو محفل میں ہونا تھا۔

اس نے فیروزی شلوار کرتا اور سیاہ دوپٹے کا انتخاب کیا۔ فیروزی کپڑوں پر سیاہ کشیدہ کاری اور کالے دوپٹے پر فیروزی کشیدہ کاری نے لباس کو بہت خوبصورت اور جاندار بنا دیا تھا۔ جیولری تو وہ کبھی کبھار خاص مواقع پر ہی تبدیل کرتی تھی ڈائمنڈ کے ننھے منے آویزے ہمیشہ اس کے کانوں میں رہتے تھے۔ ہونٹوں پر پنک لپ اسٹک کا ٹچ دیا اور دوپٹا شانوں پر پھیلا کر اپنے رہائشی کمرے سے باہر آ گئی۔

ذہن میں ادھیڑ بن جاری تھا' مگر چہرہ پرسکون تھا۔ وہ ڈائننگ ہال تک پہنچانے والے پیسج میں داخل ہی ہوئی تھی سامنے سے یاور علی خان آتے ہوئے دکھائی دیے۔

وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ "اسلام علیکم" اس کا انداز غیر شعوری طور پر طنزیہ ہو گیا۔

"وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہیں آپ؟"

"میں کھانا کھا کر ابھی آتی ہوں' سومت جایئے گا۔" اس نے ان کا سوال نظرانداز کر کے اپنی بات کی......اور آگے بڑھ گئی۔

یاور علی خان اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگے یہاں تک کہ اس کا سیاہ لہراتا ہوا آنچل موڑ پر غائب ہو گیا۔ تب وہ چونک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھے۔

....

آج کھانے پر وہ چہل پہل نہیں تھی' جو لڑکیوں کی موجودگی میں نظر آتی تھی۔

یہاں سے وہاں تک سنجیدہ' تجربہ کار اور محتاط خواتین تشریف فرما تھیں۔ سامنے ہی عالم تاب زرد اور سیاہ شلوار قمیص اور زرد چوڑے سے دوپٹے میں ملبوس اس طرح فرشی نشست پر بیٹھی تھیں کہ ایک گھٹنا فرش پر اور دوسرا دونوں بازوؤں کے گھیرے میں تھا۔ گوشت سے پر کلائیوں میں چمکتی ہوئی سونے کی چوڑیوں کی منعکس ہوتی ہوئی کرنوں سے ان کے اردگرد کی فضا بڑی روشن سی محسوس ہوئی۔

"السلام علیکم!" اس نے حاضرین کو سلام کیا۔ عالم تاب نے اسے اپنے پہلو میں آنے کا اشارا کیا۔

وہ وعلیکم السلام کی آوازوں کے بیچ ان کی ہدایت کے مطابق بیٹھ گئی۔

"طبیعت کیسی ہے اب؟ تم نے ماما سے کہلوا دیا تھا کہ کوئی ڈسٹرب نہ کرے' اس لئے میں تمہارے کمرے میں نہیں گئی"۔ جہاں "راز" ہوتے ہیں وہاں "وضاحتیں" بھی ہوتی ہیں۔

"جی ٹھیک ہوں اب' بس سر میں درد بہت تھا۔ رات سو نہیں سکی تھی۔ پتا نہیں باغ کی طرف سے کیسی آوازیں آ رہی تھیں۔ جیسے زنجیریں کھنک رہی ہوں"۔ اس نے ان سب کے ردعمل سے بے نیاز ہو کر پلیٹ اپنے سامنے کھسکائی۔

مگر اس نے محسوس کیا کہ دو تین خواتین کے علاوہ اس کی بات پر اور کوئی نہ چونکا تھا۔ سب سے پہلے تو اس نے برابر بیٹھی ہوئی عالم تاب کا ایک لحظے ٹھٹکنا صاف محسوس کیا تھا۔

"یہ کھوکھر بعض اوقات بہت لاپرواہی کرتا ہے' کتے اصطبل میں کھلے چھوڑ دیتا ہے۔ وہ رات کو باغ میں بھاگتے پھرتے ہیں۔ بہت خونی قسم کے کتے ہیں۔ بڑی بھاری زنجیریں ان کے گلے میں ڈالنا ہوتی ہیں۔ تھوڑی دیر کو بھی ان کو کھولتے ہیں تو زنجیروں کے ساتھ تاکہ قابو کرنے میں آسانی ہو۔ پوچھوں گی کھوکھر سے میں کہ کیوں لاپرواہی کرتا ہے۔ بتاؤ' کتنی بے آرامی ہوئی تمہیں"۔ انہوں نے ڈش اس کی سمت بڑھا کر اظہار افسوس کیا۔

ماہین نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر اپنی بے لگام تلخ مسکراہٹ کے آگے بند باندھے۔

"آج یہاں سرسوتی نظر نہیں آ رہی"۔ ماہین نے نہ جانے کیوں عالم تاب کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔ جانے وہ کس نتیجے کی تلاش میں تھی۔

"کمبخت صبح سے غائب ہے"۔ سائرہ ممانی نے قاب اس کے سامنے رکھتے ہوئے قدرے خفگی کے انداز میں کہا۔

"ڈھیر پڑا ہوا ہے کپڑوں کا استری کیلئے۔ ایک تو کلو بھی کراچی گئی ہوئی ہے' زرینہ پہلے ہی چھٹی پر ہے۔ ماما اکیلی کیا کیا دیکھے"۔

سرسوتی کا ذکر آتے ہی جیسے انہیں اپنی پریشانیاں نئے سرے سے یاد آ گئیں۔

ماہین کے صرف کان سائرہ ممانی کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ آنکھیں بدستور عالم تاب کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس نے نوٹ کیا کہ عالم تاب نے سرسوتی کی غیر موجودگی پر نہ کوئی تبصرہ کیا اور نہ ہی اس سے متعلق کوئی ٹکڑا جوڑا۔ وہ اسی طرح کھانا کھانے میں مصروف رہیں۔ جیسے پہلے تھیں۔ حالانکہ گھر کی منتظمہ کی حیثیت سے سرسوتی کی غیر موجودگی کی وجہ......انہیں معلوم ہونا چاہیے تھی۔ اس نے صاف محسوس کیا کہ وہ سرسوتی کے ذکر کو ٹال رہی ہیں اور چاہتی ہیں کہ یہ موضوع یہیں تمام ہو

جائے وہ اسی طرح مطمئن تھیں۔ جیسے یہ کوئی خاص بات نہیں۔

''آئے تو لگائیے گا دو جوتے اور کہیے گا کہاں غائب ہو جاتی ہے بغیر بتائے' نوکری نہیں ہوتی تو سیدھا سیدھا جو دے''۔ جہاں آرا پھوپھی نے بھی بھاوج کی تائید کی۔

عالم تاب تو جیسے قسم کھا کر چپ تھیں۔

''آپ ڈانٹتی نہیں ہیں اسے؟ ماہین نے عالم تاب کو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''ہاں...... ہاں...... ڈانٹتی ہوں' آئے گی تو ڈانٹوں گی''۔ انہوں نے رسمی سے انداز میں جواب دیا۔ جیسے کہ پوچھنے والے کا دل رکھنے کیلئے ان کی حسب خواہش کوئی بات کر دی جاتی ہے۔

اور ماہین اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی تھی۔ اس نے واضح طور پر محسوس کر لیا تھا کہ عالم تاب اس گھر کے ایک ایک راز سے نہ صرف باخبر ہیں بلکہ حصہ دار ہیں۔

''اس کی ماں بہت محنتی عورت تھی۔ اس گھر کی خدمت کرتے کرتے مر گئی۔ اس جیسے نمک حلال بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔ نازنین تو اس کے بغیر کہیں جاتی تک نہیں تھی۔ ایک تو ماشاء اللہ اس کے بال اتنے لمبے اور گھنے تھے کہ اس سے سنبھلتے نہیں تھے۔ سرسوتی کی ماں کی ڈیوٹی تھی' اس کے سر کی مالش کرنا' سلجھانا۔ کہتی تھی آپا کہ اگر یہ کہیں ادھر ادھر ہو جائے تو میرا گزارا تو نہیں ہوگا۔

اس کو مالش کی اتنی عادت ہو گئی جیسے کوئی نشے کا عادی ہو جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ جب وہ اپنے میکے گئی تو کراچی سے دوسرے ہی دن فون آ گیا تھا کہ ''روپا'' کو فوراً جہاز سے بھیجیں' مجھے نیند نہیں آتی۔ اس کی مالش کے بغیر۔ صحیح معنوں میں ''ملکہ'' جیسی زندگی گزاری۔ اتنا عیش و آرام تو بابا صاحب کی بیٹیوں کو بھی نہیں ملا ہوگا۔ جو اسے اس گھر کی بہو کی حیثیت سے ملا۔ آہ! مگر بے چاری تھوڑی عمر لائی تھی''۔

رئیسہ یعنی نازنین کی بڑی نند سرسوتی سے' اس کی ماں روپا اور روپا سے نازنین پر آ کر رک گئیں۔ سرسوتی کا ذکر اور معاملہ تو ایک طرف جا پڑا اور نازنین کی یادیں شروع ہو گئی تھیں۔

''بابا صاحب نے جتنے لاڈ پیار نازنین سے کئے' کسی اور کے حصے میں نہیں آئے''۔ رئیسہ سے چھوٹی جہاں آراء نے نعرہ لگایا۔

''ہاں بعض لوگوں کی اس معاملے میں قسمت بہت تیز ہوتی ہے۔ ہر ایک سے محبت پاتے ہیں۔ اپنی شرط پر زندگی گزارتے ہیں۔ اس کے باوجود ان سے پیار کیا جاتا ہے۔ ان سے لاڈ کئے جاتے ہیں''۔ عالم تاب نے اتنی دیر میں پہلی مرتبہ گفتگو میں باقاعدہ حصہ لیا۔

ماہین' جو بہن کے ذکر میں کھوئی گئی تھی' ایک دم چونک کر ان کی شکل دیکھنے لگی۔

''اس طرح مت دیکھو۔ یقین کرو میں بھی اس کے چاہنے والوں میں شامل رہی ہوں' دیورانی نہیں سمجھا اپنی چھوٹی بہن سمجھتی تھی۔ اس کے ہاتھوں پیروں میں مہندی بہت سجتی تھی۔ میں ہر ہفتے مہندی کا پیالہ لئے اس کے پیچھے پھرتی رہتی تھی۔ وہ

نہیں لگواتی تھی۔ کہتی تھی' یاور علی تو بہت پسند کرتے ہیں اور بہت تعریف کرتے ہیں میری مہندی کی۔ کہتے ہیں میری طرف سے بھابی کا بہت بہت شکریہ ادا کر دیا کرو' مگر مجھے اچھی نہیں لگتی۔ لیپے پتے سرخ سرخ ہاتھ پاؤں کے ساتھ ماڈرن ڈریسنگ کا مزا نہیں آتا۔ عجیب مضحکہ خیز قسم کی صورتحال ہو جاتی ہے؟ مگر میں زبردستی لگا دیا کرتی تھی کہ تیرے میاں کو اچھی لگتی ہے' تجھے دنیا سے کیا غرض''۔

عالم تاب مسکراتی ہوئی ماضی کے خوبصورت دن یاد کر رہی تھیں۔

''میرے دل کو آج تک صبر نہیں آیا۔ بہت یاد آتی ہے وہ''۔ ان کی آواز دھیمی اور شکستہ سی ہو گئی۔ وہ دوپٹے کے پلو سے آنکھیں پونچھ رہی تھیں۔

ماہین کی تو ساری جاسوسی دھری کی دھری رہ گئی۔ وہ الجھ کر رہ گئی۔ اس کو تو یہ بھی بھول گیا کہ یہ کیا جاننا چاہ رہی تھی۔ صورتحال یکلخت بدل کر رہ گئی تھی۔

''میں تمہیں اس کی بہت شاندار تصاویر دکھاؤں گی۔ جواد کی چھٹی پر ہم نے اسے دلہن کی طرح پور پور سجایا تھا۔ اتنے پھول پہنائے تھے کہ بس' بہت ہی حسین تصویر ہے وہ...... ابھی چلنا میرے کمرے میں کھانے کے بعد۔ یاور نے سونے کی فریم جڑائی تھی۔ گود میں چھ دن کا صحت مند جواد ہے۔ اتنی شاندار تصویر ہے' اگر کسی آرٹ گیلری میں لگا دی جائے تو بس سب اسی کو دیکھیں''۔ وہ ماہین کا اشتیاق بڑھا رہی تھیں اور ماہین کا واقعی دل چاہ رہا تھا' کھانا دانا چھوڑ کر پہلے وہ تصویر دیکھے۔

عالم تاب اس کا ذہن ادھر ادھر کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ اس وقت اس کے ذہن میں سوائے اپنی بہن کے کچھ نہ تھا۔

شک و بدگمانی کے وہ سانپ' بچھو جو رات سے اس کے ذہن میں کلبلا رہے تھے' جیسے اونگھنے لگے تھے۔ یہاں تو ہر شخص بجو کا عاشق زار دکھائی دیتا ہے۔ وہ کچھ سوچنے لگی۔ اتنا تو خیر اسے یقین تھا کہ وہ زنجیروں میں بندھی عورت گھر کی مالکنوں میں سے تو نہیں تھی۔

انداز میں جس طرح کی عاجزی اور مسکینی تھی' اس سے تو وہ ازلی نمک خواروں میں سے لگتی تھی۔ مگر یہ سوال تو اپنی جگہ موجود ہے۔ وہ کون ہے؟ کس جرم میں قید ہے

''تم ٹھیک سے نہیں کھا رہیں؟'' عالم تاب نے اسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر ٹوکا۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ کھا رہی ہوں''۔ وہ چونک کر خفیف سے انداز میں مسکرائی تھی۔

''کیا تمام لڑکیاں کھانا کھا چکی؟''

یہ وہ سوال تھا جو اسے سب سے پہلے کرنا تھا' مگر گفتگو کا آغاز کچھ اس طرح ہوا کہ عجیب و شور و غل سا شروع ہو گیا تھا۔ سب سے بڑھ کر رات کا واقعہ اتنا پراسرار اور خوفزدہ کر دینے والا تھا کہ باقی تمام سوالات کی حیثیت ثانوی سی ہو کر رہ گئی تھی۔

''ہائیں! روشی مل کر نہیں گئی تم سے؟'' صاف ظاہر تھا کہ عالم تاب بہت انجان بن کر پوچھ رہی ہیں۔

''جی نہیں' مجھے تو کسی قسم کی اطلاع نہیں''۔ ادھر بھی اداکاری تھی اور ادھر بھی۔

''ہاں' شاید تم سو چکی ہوگی''۔

''مگر پروگرام تو ان کا پہلے سے ہوگا۔ گھر میں سب ہی کو اس کی اطلاع ہوگی۔ یہ بات تو کھانے کے وقت بھی بتائی جا سکتی تھی' مگر وہاں تو کسی قسم کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ہوا۔ کالج بھی کھلے ہوئے ہیں۔ غالباً' یہیں کسی رشتے دار سے ملنے گئی ہوئی ہیں''۔ اس نے باری باری تمام چہروں کو پڑھنے کی کوشش کی۔ اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی' گویا اسے کوئی خبر نہیں۔

''کراچی گئی ہیں' بہت پہلے سے پروگرام سیٹ تھا''۔ عالم تاب نے گویا اطلاع دی۔

''کراچی! روشی اتنی دور گئی اور بتا کر بھی نہیں گئی اور سب سے اہم تو یہ ہے کہ میں تو اس کی اور جواد کی خاطر ہی یہاں آئی ہوں۔ میری تو سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ کیا سلسلہ ہے' مہمان موجود' میزبان غائب''۔ اس کے لہجے سے ناراضگی چھلک ہی گئی۔

سب خواتین عالم تاب کی صورت دیکھنے لگیں' جیسے وہ ان کی نجات دہندہ ہوں۔

''بیس دن پہلے سے ان کی سیٹیں کنفرم تھیں۔ تمہارے آنے سے پہلے ہی۔ میرے خیال میں کسی کو دھیان نہیں رہا۔ تم دل برا نہ کرو۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ بہر حال روشی کی یہ بات واقعی غلط ہے کہ اس نے نہ تم سے تذکرہ کیا نہ ہی مل کر گئی''۔

عالم تاب نے ساری ذمہ داری روشی کے سر منڈھ دی۔

اب بولنے کی گنجائش ہی کیا رہ گئی تھی۔ قصور روشی کا نکال کر گویا اس کا اپنا کھونٹا کمزور ثابت کر دیا گیا تھا۔ اب تو یہ اس کے خجل ہونے کا مقام تھا کہ اس نے اپنی محبت کرنے والی خالہ کو اتنی اہمیت بھی نہیں دی تھی کہ جاتے ہوئے مل کر جاتی۔ جبکہ رشتے کی قربت کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی خاطر وہ اپنے سارے پروگرام کینسل کر دیتی۔

وہ سر جھکا کر کھانا زہر مار کرنے لگی۔ خون بے شک کھول رہا تھا مگر ہونٹ سی لئے تھے۔ اب تو شاید سارا نزلہ یاور علی خان پر گرنا تھا۔

''تم خیال نہ کرنا' کراچی میں بابا صاحب کے بہت قریبی دوست کے پوتے اور پوتی کی شادی کی وجہ سے بچیوں کو جانا پڑا' ورنہ ظاہر ہے تمہاری موجودگی میں تو کسی سیر و تفریح کی غرض سے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ان لوگوں کا اصرار تھا۔ لڑکیوں کو ہفتہ دس دن پہلے بھیجیں۔ ہم عورتوں میں سے تو جو بھی جائے گی۔ ایک دن پہلے ہی جائیگی۔ مردوں کو تو اتنی فرصت نہیں آج کل' لڑکوں کے اپنے دھندے''۔

وضاحت در وضاحت کا سلسلہ تھا۔ ماہین کا سر درد کرنے لگا۔ کیونکہ اسے یہ احساس تو بہت اچھی طرح تھا کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے' حقیقت اس کے برعکس ہے' مقام مجبوری تھا' خاموشی ہی بہتر تھی کہ اظہار حقیقت کیلئے درست زاویہ نہیں بن پا رہا تھا۔ اس کے پاس کوئی دلیل' کوئی سچ' کوئی ثبوت نہیں تھا۔ جو ان کو غلط یا جھوٹا ثابت کرتا۔ اب بس یہ تھا کہ اس کا ذہنی سکون رخصت ہو چکا تھا۔ وہ یاور علی خان کو ملنے کو بہت بے چین تھی۔

....

ڈیڑھ دو گھنٹے قبل کے واقعات ذہن میں دوہراتے' کوئی سرا ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کا ذہن شل ہو چکا تھا۔ وہ چاہتی

تھی ساری حویلی نیند میں ڈوب جائے تب وہ یاور علی خان کے پاس جائے۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر کسی نے اسے یاور علی خان کے بیڈروم میں جاتے ہوئے دیکھ لیا تو بہانے سے آموجود ہوگا۔ خصوصاً عالم تاب کو بھنک بھی پڑ گئی کہ وہ یاور کے کمرے میں ہے تو وہ ضرور آموجود ہوگی۔ اسے تو ان کی نظریں مشاق جاسوس کی نظریں دکھائی دیتی تھیں۔

وہ نماز پڑھنے کے ارادے سے بالآخر بیٹھ گئی اور اپنے ذہن کو یکسو کرنے کی شعوری کوشش کی۔ پھر وضو کر کے نماز ادا کرنے لگی۔

تقریباً آدھا گھنٹہ نماز میں گزر گیا۔ اس نے وال کلاک کی سمت دیکھا۔ بارہ بجنے میں دو تین منٹ باقی تھے۔ وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر جھانکنے لگی۔ راہداریاں سونی تھیں۔ آج تو سرسوتی بھی نہیں تھی' یقیناً وہ کوٹھڑی میں سزا کاٹ رہی تھی۔ وہ چند منٹ تک باہر کا جائزہ لیتی رہی۔ آج باری کی مداخلت کا بھی کھٹکا نہیں تھا۔ اس نے آہستگی سے دروازہ بند کیا اور سر پر دوپٹا جما کر یاور علی خان کے بیڈروم کی طرف چلی آئی۔ بہت آہستگی سے دروازے پر دستک دی۔

''یس......!'' راہداری کی طرف کھلے ہوئے دریچے کی وجہ سے بہت واضح آواز سنائی دی۔

اس نے دریچے کی سمت دیکھا۔ وہاں بہت بھاری پردوں کی آڑ موجود تھی۔ وہ کمرے میں داخل ہوگئی۔

آج کمرے میں پہلے سے لائٹیں آن تھیں اور وہ صوفے میں دھنسے ہوئے بلیو کلر کی فائل کا مطالعہ کر رہے تھے۔ ادھ جلا سگریٹ انگلیوں میں دبا ہوا تھا۔ اگلے سرے پر راکھ جمع ہو چکی تھی' جو اس بات کی غماز تھی کہ خاصی دیر سے کش نہیں لگایا گیا۔ یعنی یا تو وہ بہت مصروفیت کے عالم میں تھے یا غائب دماغی کی حالت میں تھے۔

''آیئے! بہت انتظار کرایا''۔ انہوں نے کش لگا کر آگے کو جھک کر راکھ جھاڑی۔

وہ سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھے جو ان پر بے پناہ سج رہی تھا۔

''ہائے بجو!'' اس کے دل سے ہائے نکلی۔

''آپ واقعی میرا انتظار کر رہے تھے؟'' وہ حیرت آمیز مسکراہٹ سے انہیں دیکھنے لگی۔

''آپ نے کہا جو تھا' اس لئے انتظار تو کرنا چاہیے تھا''۔ وہ ہمیشہ کی طرح سنجیدہ تھے۔ ''میں سب کے سونے کا انتظار کر رہی تھی''۔ اس کے منہ سے نکل گیا۔ بہت سچ بولنے کی عادت جو تھی۔

''ارے وہ کیوں؟'' انہیں سن کر جیسے اچنبھا ہوا۔ دھیرے سے مسکرا دیئے تھے۔

''ہمارا' آپ کا ایج گروپ تو مختلف ہے' بے کار احتیاط کی''۔ ان کی طرف سے پہلی مرتبہ مزاح کی آمیزش دیکھنے کو ملی۔

وہ قدرے جھینپ گئی۔ درحقیقت اسے ایسی امید نہیں تھی کہ وہ اس طرح کی جملے بازی بھی کر سکتے ہیں۔ حیا سے اس کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔ وہ کوئی جملہ موزوں کرنے لگی۔ انہوں نے اس کی طرف دیکھا تو یونہی بے ساختہ کہہ دیا تھا۔ اب جو جواب میں خاموشی کی طوالت بڑھی تو نظریں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔

ایک چھوٹی سے کھنک دار ہنسی آس پاس سنائی دینے لگی۔ کلیسا کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

فیروزی سلک کے پاجامے اور دوپٹے اور سیاہ جالی کے کرتے میں ایک شوخ وجود کے بجائے ان کی رگوں میں بھاگنے لگا۔ ماحول میں آتش بازی چھوٹ رہی تھی۔ آزمائش میں مبتلا کر دینے والا سراپا۔ دل کھول کر ہنستی ہوئی موتیوں دانتوں کی چکا چوند، ہاتھ میں ہاتھ پھنسا کر ہنسی سے دہری ہوتی ہوئی۔

متناسب جسم کے خون میں آگے لگا دینے والے زاویئے۔ جیسے خوشی اور ہنسی کے خمیر سے گندھا ہوا وجود، جیسے ہنسی کے تانے بانے سے بنا سراپا۔

جیسے خوشبوؤں کی خیالی تجسیم......

''بیٹھ جایئے پلیز''۔ ہلکی سی شگفتگی جو لمحے بھر کو جھلکی تھی، ایک دم معدوم ہو چکی تھی۔ لہجہ از سر نو خشک اور پُرتکلف تھا۔

''اب بتایئے کیسے زحمت کی؟''۔

''ہمارا آپ کا رشتہ تو ایسا ہے کہ اس طرح کی ''زحمتیں'' ہوتی رہنا چاہئیں''۔ وہ ان کے تبدیل شدہ انداز پر اپنا چھپاتے ہوئے بیٹھ گئی۔

''وہ اس کی بات پر خاموش رہے''۔

''روشی کہاں ہے؟'' اس کا خیال تھا، وہ اس کے سوال پر چونک اٹھیں گے، مگر ان کا انداز بدستور رہا۔

''جس سوال کا جواب آپ کو معلوم ہے اس کو کرنے کا فائدہ؟'' وہ کش لگا رہے تھے۔

''آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ مجھے اس سوال کا جواب معلوم ہے؟'' اس نے انہیں لاجواب کرنا چاہا۔

''آپ گھر کی خواتین سے ملی ہوں گی، ملازمہ سے ملی ہوں گی، یہ اتنا اہم سوال ہے کہ آپ نے فوراً سے پیشتر کیا ہوگا، پہلے شخص سے جو آپ سے ملا ہوگا''۔ انہوں نے اپنی سرخ نظریں لمحے بھر کو اٹھائیں۔

''تو آپ مانتے ہیں کہ یہ بڑا اہم سوال ہے، لہٰذا جس سے متعلق ہے اس کی اہمیت میرے لئے کیا ہوگی؟''

اسے لاجواب ہونا پڑا تھا۔ اس کے سامنے وہ تھا جو پی آر کا اہم پرزہ تھا۔

''نہ ماننے کی کوئی وجہ ہی نہیں''۔ وہ مخصوص انداز میں کہہ رہے تھے۔

''پھر آپ نے میری موجودگی کے باوجود......اسے کیوں بھیج دیا؟'' وہ ناراضگی چھپانے میں ناکام رہی۔

''اسے میں نے نہیں بھیجا، یہ سب بچیوں کا پروگرام تھا''۔ وہ مزید سکون سے بیٹھ گئے۔

''پروگرام تبدیل بھی کئے جا سکتے ہیں۔ کیا میری اتنی بھی اہمیت نہیں کہ میری بھانجی میری خاطر پروگرام بدل......؟''

''وہ بچی ہے، لاپرواہی کہہ سکتے ہیں اسے، میں تو آپ کی خاطر ٹھہرا ہوا ہوں ناں۔ حالانکہ مجھے آج ڈیوٹی پر ہونا تھا۔ میں کبھی کسی ایمرجنسی میں بھی آفس مس نہیں کرتا، مگر آپ کی خاطر''۔

اتنا خشک......اپنے کام سے کام رکھنے والا، انتہائی کم گو شخص، جب اس طرح کا جملہ بولتا ہے، تو چونکا دیتا ہے، وہ بھی پڑی

پڑی تھی۔

''کیا واقعی ایسا ہے؟'' وہ قدرے شرارت سے مسکرائی۔

اسے اس شخص کا یہ جملہ حد سے زیادہ اچھا لگا تھا۔ یہاں سے لے جائی جانے والی بہترین سوغات۔ ایک ایک شکوہ جمی برف کی طرح پگھلنے لگا۔ وہ بھولنے لگی کہ اسے بہت سی اہم اور چبھتی ہوئی باتیں کرنا ہیں۔

''آپ کو جو شکایت ہو مجھ سے کریں۔ میں یہاں کا پہلا حوالہ ہوں۔ بچوں کے اپنے ذہن اور ترجیحات ہوتی ہیں۔ ان کی تجربات سے عاری زندگی بہت سے گلے بن جاتی ہے۔ مگر بہت کچھ جاننے والوں کو درگزر سے کام لے کر انہیں معاف دینا چاہیے''۔ انہوں نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے بہت ہی ٹھنڈے اور دھیمے لہجے میں کہا۔

''مگر بچوں کے جو بڑے ہوتے ہیں، ان کا بھی تو کوئی فرض ہوتا ہے، یہ تو بڑوں کا کام ہے کہ وہ نشاندہی کریں، کیا اہم ہے یا غیر اہم''۔

''آپ کچھ بھی کہیں آپ کی کوئی دلیل ایسا جواز نہیں بن سکتی کہ میں مطمئن ہو جاؤں''۔

''آپ کی عمر میں دلیل کی اہمیت بھی نہیں ہوتی۔ میں آپ سے معذرت خواہ ہوں روشی کی طرف سے''۔ وہ نیا سگریٹ نکال کر سلگا رہے تھے۔

''روشی کی معذرت کی تو ضرورت ہی نہیں۔ اس لئے کہ وہ بےقصور ہے۔ اسے جیسا حکم ملا اس نے کیا''۔

''میں آپ کی غلط فہمی کا ازالہ کرنے سے قاصر ہوں''۔ پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ یاور علی خان نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''جی نہیں۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہوں اور اپنے کانوں سے سنتی ہوں۔ کاش کوئی پوچھے میں نے کیا دیکھا؟ کیا سنا؟'' وہ پہلو بدل کر اپنی ہتھیلی کو بغور دیکھنے لگی۔

لائٹر یاور علی خان کے ہاتھوں سے پھسلا تھا۔ انہوں نے جیسے اپنی حالت پر قابو پانے کی خاطر جلدی جلدی دو تین کش لگائے۔

''نئی جگہ، نیا ماحول ہوتا ہے تو بہت سی باتیں چونکا سکتی ہیں''۔ وہ بہت آہستگی سے دھواں منہ سے خارج کر رہے تھے اور دھوئیں سے بننے والے سلسلہ وار مرغولوں کو بغور دیکھ رہے تھے۔

''اور ایسی چونکا دینے والی باتوں سے ذہن میں سوال پیدا ہو تو کیا کریں؟'' ماہین کو اپنی مضبوط پوزیشن پر بلا کا اعتماد تھا۔ وہ جانتی تھی وہ ایک مقام پر ضرور ہار جائینگے۔

''مثلاً......اس گھر میں حکم دینے والوں کی کیا کمی ہے، کہ رات کے اندھیرے میں کوئی حکمران کی حیثیت سے داخل ہوتا ہے۔ ٹھہرتا بھی نہیں ہے۔ حکم صادر کرتا ہے اور چلا جاتا ہے''۔

اسے یقین تھا، وہ اس بات کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ اس کا جی چاہا، بچوں کی طرح تالیاں بجا کر خوشی سے نعرہ لگائے۔ ''وہ مارا''۔

''ہماری جاگیر دو حصوں پر مشتمل ہے۔ کچھ حکم دینے والے وہاں بھی ہوتے ہیں۔ ڈزن میٹر۔ آپ یہ بتایئے اور کیا دیکھا

کیا سنا؟"

"کیا واقعی آپ مجھے ہر سوال کا جواب دینگے؟" وہ حیرانی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ہر' سوال' کا وعدہ نہیں کرسکتا"۔انہوں نے دوٹوک معذرت کی۔

"تو پھر سوال کرنا ہی بے کار ہے۔اب تو بس آپ یہ کریں' روشی کو واپس بلوائیں۔میں کراچی جاؤں گی تو اسے ساتھ لے جاؤں گی۔کوئی مسئلہ ہی نہیں"۔اس کا انداز بہت سادہ تھا مگر اندر بلا کی باریک تفتیش پوشیدہ تھی۔اب پتہ چل جاتا کہ روشی کا جانا ایک معمول کی کارروائی تھی یا واقعی اسے روانہ کیا گیا ہے۔

"ٹھیک ہے' بابا صاحب سے کہہ دوں گا اسے بلوالیں"۔انہوں نے عام سے انداز میں کہا تھا۔ماہین کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"آپ اس کے باپ ہیں۔آپ خود ہی اسے آنے کیلئے کیوں نہیں کہہ دیتے"۔اسے بابا صاحب کی آمریت ہمیشہ زیادہ کھلی۔

"ہم سب انہی کے ذریعے کام کرنا پسند کرتے ہیں۔یہ زبردستی نہیں' شکریہ' کا سادہ سا انداز ہے۔شکریہ اس بات کا کہ انہوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں استعمال کر کے ہمیں شاندار اور ممتاز زندگی گزارنے کا موقع دیا۔عزت اور امتیاز کے ساتھ۔ ہمارا خاندان انہی کے ثمرات کھا رہا ہے۔ان کی' ان کے کام کی جو اہمیت ہے' ہم سب کو اس کا احساس کرنا چاہیے۔ہم نے ہوش سنبھالا تو دنیا کی تمام نعمتیں جیسے دسترخوان پر سجی ہوئی تھیں اور آپ جانتی ہیں۔دسترخوان ایسے ہی تو نہیں سج جاتے"۔ انہوں نے گود میں رکھی بلیو فائل آگے کو جھک کر ٹیبل پر رکھی۔

سعادت مندی کا اتنا اعلیٰ نمونہ وہ بھی اس عمر میں جہاں وہ اپنی ذاتی حیثیت' میں ممتاز تھے۔ماہین نے شاید پہلی بار دیکھا تھا۔

وہ چپ ہو کر رہ گئی تھی۔ظاہر ہے اگر کوئی شخص اپنے والد یا والدین کے ساتھ فرمانبرداری کا مظاہرہ کر رہا ہو تو اس کی تردید کرنا اپنے ہی اخلاقی دیوالیہ پن کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

"تو پھر آپ کہیں ان سے"۔وہ یہی کہہ سکی۔

"ڈونٹ بادر......وہ آجائیں تو ضرور کہوں گا"۔ان کا انداز ایسا تھا کہ جاسوسی اور شک کے سارے دروازے بند ہو کر رہ گئے۔کھودا پہاڑ۔نکلا چوہا۔اسے یقین ہو گیا کہ وہ سب شادی میں انوائٹڈ تھے۔اور واقعی ان کا پروگرام پہلے سے تھا۔

"مگر......روشی کو مجھ سے مل کر جانا چاہیے تھا"۔وہ ابھی مکمل طور پر الجھن سے آزاد نہیں تھی۔

"ہاں یہ غلطی ہے اس کی۔ممکن ہے۔اس وقت آپ آرام کر رہی ہوں۔اور اس نے یہ سوچا ہو' وہ آپ کی واپسی سے پہلے ہی آموجود ہوگی"۔

"اب میں ہر وقت آرام تو نہیں کرتی"۔اس نے یاور علی خان کی بات تیزی سے کاٹ دی"۔وہ کئی بار مجھ سے ملی۔جب ان کا پروگرام پہلے سے تھا تو وہ کبھی ذکر تو کرتی"۔

"بچے......اس طرح کانشس نہیں ہوتے۔اور بے فکری کے ماحول میں پلے بڑھے بچے تو بعض اوقات اسی طرح کی لاپرواہی کا مظاہرہ کر دیتے۔ڈونٹ کیئر پلیز"۔یاور علی خان اپنی مخصوص احسان کنندہ قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئے۔

"اچھا اب آپ یہ بتایئے فارمز کی سیر پر چل رہی ہیں؟"انہوں نے پہلو بدل کر موضوع بھی بدل دیا۔

"اکیلی؟"وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"اکیلی کیوں؟میں بھی ہوں آپ کے ساتھ"۔ان کا لہجہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

"نہیں' میرا مطلب ہے کہ ساتھ کوئی دوسری خاتون یا لڑکی ہو تو وقت اچھا گزر سکتا ہے"۔روشی کے آنے تک انتظار کر لیتے ہیں"۔اس نے ان کا سپاٹ چہرہ بغور دیکھا۔

"ہوسکتا ہے پھر میرے پاس وقت نہ ہو۔آج کل جو سیاسی صورتحال ہے' اس سے آپ واقف ہیں۔آنے والے دنوں میں بہت کام ہوگا"۔

"پھر رہنے دیں"۔اس نے بے دلی سے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔مگر روشی بھی نہیں ہے۔میں بھی کل سے آن ڈیوٹی ہوں۔آپ بور نہیں ہوں گی؟"کش لگانے اور دھواں منہ سے خارج کرنے کا عمل مسلسل جاری تھا۔

"ہاں اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا"۔(محض واہموں اور بے نتیجہ تجسس کے ساتھ وقت گزارنے کا آخر فائدہ بھی کیا ہے؟میں پپا کو فون کردوں گی' وہ ہمارے پاس وہیں ہری پور آجائینگے)

"ٹھیک ہے پھر روانگی کس وقت ہے؟"وہ ان کی سرخ مگر بلا کی داستان گو قسم کی نگاہوں سے نگاہیں ملانے سے بہت احتراز کرتی تھی۔جانے کیوں اسے محسوس ہوتا تھا' یہ نگاہیں نہیں ہیں موسم کا حال ٹھیک ٹھیک Read کرنے والا موسمی طیارہ ہیں۔اسے لگا جیسے یاور علی خان کے سر سے کوئی بہت بڑا بوجھ سرک گیا ہو۔اطمینان اور سکون کی لہریں ان کے چہرے پر صاف محسوس کی جاسکتی تھیں۔

اس کے ذہن میں ایک 'کیوں' بیدار تو ہوا مگر وہ خاموش رہی۔

"تو پھر آپ کہہ رہے ہیں ناں' بابا صاحب سے کہ وہ روشی کو بلوالیں۔ابھی تو شادی میں دس دن ہیں غالباً اور میں آپ کی میزبانی کا لطف مزید تین چار دن اور اٹھا سکوں گی۔پھر اسے اپنے ساتھ ہی لے جاؤں گی"۔

اس نے پھر اپنی بات دہرانا ضروری سمجھا۔

"آپ فکر مند نہ ہوں۔اطمینان رکھیں"۔

"آپ بہت اچھے ہیں یاور بھائی۔اگر مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو جس نے آپ کو ہرٹ کیا ہو تو میں معذرت چاہوں گی۔آپ کو دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں۔بجو کتنی مختصر مگر خوش نصیب زندگی لائی تھیں۔وہ بہت شاندار تھیں مگر آپ کی رفاقت نے انہیں اور شاندار بنا دیا ہوگا۔کاش وہ آج آپ کے ساتھ ہوتیں۔ہماری زندگی میں کتنی عظیم الشان خوشی شامل ہوتی"۔

"ارے......یہ تو بہت زیادہ ہے"۔وہ بہت تکلف سے مسکرائے۔اور نظریں اٹھا کر سراہنے والی کو اچھے جذبات سے

دیکھا۔

دوپٹا سر سے ڈھلک کر آدھا شانوں پر آدھا گود میں گر چکا تھا۔ زلفیں کلپ میں مقید پونی کی شکل میں کمر پر ... چند لٹیں پیشانی کو چوم رہی تھی۔ بہن کو یاد کرتی ہوئی اداس اداس سے تاثرات چہرے پر بکھرائے۔ وہ پھر انہیں کچھ ... تھی۔ اور یہ یادیں ان پر قہر کی طرح ٹوٹتی تھیں۔

جب تک بات چلتی تھی' ان کے پاس بیٹھنا آسان رہتا تھا۔ مگر جونہی خاموشی کے وقفے میں اس کا بالا ارادہ جا... وہ خاصی پریشانی محسوس کرنے لگتی تھی۔

''اچھا میں چلتی ہوں۔ گڈ نائٹ''۔ وہ ایک دم سے کھڑی ہوگئی۔

''صبح چھ بجے تک تیار رہیے گا۔ کیونکہ نو بجے تک مجھے کل ہر حال میں آفس ہونا چاہیے''۔

''ٹھیک ہے''۔ وہ جلدی سے باہر آگئی۔

....

صبح کے چار بجے تھے۔ اور ابھی تک حوصلہ افزا امکانات ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ گلو کا دو مرتبہ فون آچکا تھا۔ اسے ... پڑا تھا کہ اب حالت تسلی بخش ہے۔ مگر۔ وہ کاریڈور میں ٹہلتے ٹہلتے رک کر شیشے کے پار سے اسے دیکھنے لگا۔

''روشانے یاور علی خان۔ زندگی سے تو بہت کم لوگ ہی راضی دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے تو سب کو ہی گلے رہتے ... جو خودکشی کرتا ہے دکھ صرف اسی کو تو نہیں ملا ہوتا۔

جو اس کے آس پاس ہوتے ہیں' دکھ تو ان کے پاس بھی ہوتے ہیں۔

کس بلا کی خودغرضی ہے۔

صرف اپنی نجات سے غرض۔ دوسروں پر یہ فرقت کیا اثرات ڈالے گی؟ جو پہلے دکھوں کی چٹانوں پر حوصلے ... سے ضربیں لگا رہے ہیں۔ یہ جدائیاں ان کے حوصلے کو ریت بنا سکتی ہیں۔

کس قدر خودغرضی ہے پچھلے سال بارشوں کا بہت زور تھا۔ 6 اگست کو تمہاری سالگرہ تھی۔ تم بضد تھیں کہ سالگرہ ... آئس کریم کیک آئیگا۔ یاور چچا کہہ رہے تھے' بارش بہت تیز ہے۔ سڑک نری کیچڑ بن چکی ہے۔ کیوں ڈرائیور کو مصیبت ... ڈال رہی ہو۔ میں نے بھی تم سے کہا تھا۔ اندھیرا ہو رہا ہے۔ راستہ خطرناک ہو چکا ہے۔ خدانخواستہ کوئی حادثہ ہو سکتا ہے ... نے کہا تھا ہمیں اس سے کوئی مطلب نہیں۔ ہم سال بھر میں ملنے والی اس اکلوتی خوشی کو اپنی پسند سے منائیں گے۔ مجھے ... بے رحمانہ اور خودغرضانہ انداز پر نہ جانے کیوں بہت رنج ہوا تھا۔

مگر آج یہ انکشاف ضرور ہوا ہے۔ تمہاری خودغرضی حویلی کی دیواروں سے بھی زیادہ سفاک ہے۔ تم صرف اپنی ... کے علاوہ کسی اور ذات کی پرواہ نہیں کرتیں۔ نہ اس معاملے میں تم زندگی کو اہمیت دیتی ہو۔ چاہے وہ تمہاری اپنی ہو یا ... کی۔ زندگی بھی جیسے تمہاری جائیداد ہے۔ جاگیر ہے۔ جسے ہر آن تمہاری خواہشات کے تحت رہنا چاہیے۔

اور جب یہ تمہاری پسند سے متصادم ہو تو تم اسے بھی ٹھکرا دو۔ چاہے تمہارے اس عمل سے دوسرے زندہ لاش ...

میں جانتا ہوں تم ان کے لہو میں زندگی بن کر دوڑتی ہو۔

جائیں۔ مثلاً یاور چچا۔ ... ہار تو دیا تم نے انہیں۔ زندگی سے منہ موڑ لیا تو بھی۔ زندہ بچ گئیں تو بھی۔ ظاہر ہے پوزیشن میں تیسرے درجے کا داماد۔

جو ہمیشہ اے وَن کیٹیگری میں رہے ہیں اور اپنے آس پاس اے کلاس اشیا اور افراد کو دیکھتے رہے ہیں۔ تم نے تو انہیں جیتے جی مار دیا یوں بھی۔ اور یوں بھی۔ وہ کیا کوئی بھی ''خان'' کے آگے اپنی بات رکھ سکا ہے؟ مگر''۔

میں کیوں اتنا انوالو ہو رہا ہوں۔ مجھے کیوں اتنا رنج ہے؟ تم ایک نادان' خودغرض اور مغرور لڑکی ہو۔ مجھے تم سے کیا مطلب' تم زندہ رہو یا...... مگر کوئی تو ہو' یہ سوچنے والا کہ تم ایسی ہی ہو یا ایسی ہوگئی ہو؟

''ہیلو سر!'' وہ اتنی گہری سوچ میں مستغرق تھا کہ نرس کو اسے متوجہ کرنے کیلئے باقاعدہ کوشش کرنا پڑی۔

''یس سسٹر!'' وہ ایک دم بولا۔

''آپ ساتھ والے کمرے میں آرام کر سکتے ہیں۔ جب یہ انسینٹو (I-C-U) کیئر سے باہر آئینگی تو اسی کمرے میں ہوں گی۔ وہاں اٹینڈنٹ کیلئے بھی ایک بیڈ موجود ہے۔ کوئی خاتون ہوتیں تو زیادہ بہتر ہوتا۔ بہرحال شوہر بھی رک سکتا ہے''۔ وہ اپنی بات مکمل کر کے تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

ایک لمحے کو تو اس کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ وہ کیا کہہ گئی ہے اسے غور سے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوگئی۔

''مسٹر شہزادہ فلپ'' بننے کیلئے کبھی تیار نہیں ہو سکتا۔ ملکہ پھر ملکہ ہوتی ہے۔ ایسی ان بیلنس زندگی۔ خوانخواستہ''۔ اس کا مردانہ غرور پوری قوت سے ابھرا۔

''اور رہی دل کے چاہنے کی بات۔ دل تو نہ جانے کیا کیا چاہتا ہے۔ کون اس کی پرواہ کرے''۔ وہ دوبارہ بینچ پر بیٹھ گیا۔

''جب تم کسی نادانی کا مظاہرہ کرتی ہو۔ یا مجھے بہت اہمیت دیتی ہو تو میں سوچتا ہوں۔ تمہارا کیا بنے گا۔ مگر اب تو تم نے ایک بھیانک امکانی انجام کو خود سے قریب کر لیا ہے''۔

''مگر تم میرے دل میں کیوں بول رہی ہو۔ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں جو تمہیں کانٹوں پر گھسیٹوں۔ بس وہ تصوراتی لمبے بال والی ٹھیک ہے۔ تمہیں تھوڑا رنج پہنچا کر کسی بڑے رنج سے بچانا بھی تو میری نمک حلالی کا تقاضا ہے''۔

''سر آپ روم میں نہیں گئے۔ بہرحال کانگریچولیشن۔ ان کی حالت اب مکمل کنٹرول میں ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے بے ہوشی کا زور ٹوٹا ہے۔ بڑبڑا بھی رہی ہیں اور مسلسل باری' باری کہہ رہی ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ بہرحال آپ کو خوش ہونا چاہیے''۔ وہ مسکرائی۔

''باری۔ باری۔ ان سے یہی خطرہ ہے مجھے۔ یہ خدانخواستہ مجھ سے پہلے ''عالم بالا'' میں پہنچ گئیں تو مجھے اتنا پکاریں گی کہ مجھے بھی مجبوراً جانا پڑے گا''۔ ذہن ایک دم ریلیکس ہوا تو لہجے میں ازخود بشاشت آگئی۔

''بچہ ہے کوئی آپ کا''۔ نوعمر نرس نے مسکرا کر پوچھا۔

''وہ میری بیوی نہیں ہیں۔ آپ نے مجھے وضاحت کا موقع ہی نہیں دیا۔ مجھے شوہر بنا کر فوراً چل پڑیں''۔ وہ فوراً اعتماد

سے مسکرا رہا تھا۔

''پھر آپ کے درمیان کیا رشتہ ہے؟'' وہ خجل سی ہوگئی۔ وہ تو ڈیوٹی روم میں ساتھی نرسز کے ساتھ اس
باقاعدہ تبصرہ کر کے آرہی تھی جس کا دورانیہ کم و بیش پانچ سات منٹ کا تو ہوگا۔ (جس میں اس کے اقدام خودکشی
حیرانی کا اظہار بھی کیا تھا۔ کہ اتنے اچھے شوہر کے ہوتے ہوئے وہ زندگی سے بیزار ہوگئی۔ جو اسے خودکشی کے بعد
اتنے مہنگے ترین ہاسپٹل میں داخل کراتا ہے۔

جو شخص اس لڑکی پر اتنا پیسہ بہا رہا ہو جس کے بچنے کے امکانات کم ہوں۔ وہ عام حالات میں اس پر کتنا خرچ
اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔ وہ اس سے محبت نہیں عشق کرتا ہے۔ اور ہر حالت میں اسے زندہ رکھنا چاہتا ہے)

''ریلیٹو (رشتہ دار) ہیں میری''۔ اس نے نرس کو جواب دیا۔ جو کچھ سوچ رہی تھی۔ ''کیا اس وضاحت کے بعد
اجازت مل جائے گی اس کمرے میں آرام کرنے کی۔ میرا خیال ہے ابھی یعنی فی الوقت تو وہ اس کمرے میں''۔

''جی۔ جی۔ ایسا ہوتا تو نہیں مگر مجبوری ہے۔ آپ کئی گھنٹوں سے اسی طرح بیٹھے ہیں۔ آپ ایک دو گھنٹے وہاں
سکتے ہیں''۔ نرس نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے سمجھ لی تھی۔

ذہن آزمائشی دور سے آزاد ہوا تو بہت تھکاوٹ محسوس ہونے لگی۔ اسے جاگتے ہوئے مسلسل چوبیس گھنٹے ہو
تھے۔ وہ جماہی لیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک نظر پھر نیم بے ہوش روشی پر ڈالی اور اس طرف مڑ گیا جس طرف نرس نے اشارہ کیا تھا۔

....

ڈھونڈتی پھرتی ہے دشت و بیاباں میں ہمیں
زندگی ہم سے بچھڑ کر خود بھی پچھتائی بہت

آج عارف صاف ستھرے کپڑے پہنے بنچ پر بیٹھا بہت اہتمام سے کش پہ کش لگا رہا تھا وہ اس سے ذرا فاصلے پر
سوچ رہا تھا۔

''کتنے بجے کا کہا تھا لال خان نے؟'' اس نے عارف کو مخاطب کیا۔

''آتا ہی ہوگا۔ گھر والی کو سیٹ کر دیا ناں؟''

''بھائی! ابھی میری ہمت نہیں پڑی۔ آج لال خان خود جا رہا ہے۔ سوغاتیں لے کر۔ پھر اس کے بعد اس
چھیڑنا آسان رہے گا''۔

''اور وہ جو لال خان کے سامنے ''اکھاڑے'' میں اتر آئی تو بڑی بے عزتی ہوگی یہ سوچا تم نے؟'' اس نے چونک
محمد کی شکل دیکھی۔

''ارے اتنی بھی بے لگام نہیں۔ تم فکر نہ کرو۔ میں جو کر رہا ہوں' کرنے دو۔ وہ دیکھو' شاید لال خان ہی ہے'' اس
اچانک گیٹ میں داخل ہوتے لال خان پر پڑی۔

''ہاں وہی ہے۔ کیا بات ہے لال خان کی۔ آتشی گلابی شلوار سوٹ زیب تن کئے بچے کھچے بالوں اور تلوار مارکہ مونچھوں
کو خضاب سے رنگے''۔ کسی الوہی خوشی سے سرشار وہ ان کی طرف بڑے جوش و ولولے سے بڑھ رہا تھا۔

''السلام علیکم''۔ لال خان نے قدرے جھک کر بطور خاص عاجزانہ و فرزندانہ انداز میں غلام محمد کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام''۔ غلام محمد نے بھی بڑی ''شفقت'' سے جواب دیا جیسے وہ باقاعدہ داماد ہو۔

''خیر خیریت تو ہے۔ یہ کچھ ''پے منٹ'' رہ گئی تھی''۔ اس نے چند لال نوٹ اس کی جانب بڑھائے۔ غلام محمد نے بے
یقینی کے انداز میں نوٹوں کی سمت دیکھا۔ پہلی بار تقاضے کے بغیر مال مل رہا تھا۔ اس نے فوراً اس کے ہاتھ سے لیکر اندرونی
جیب میں احتیاط سے رکھ لئے۔

''اور کیا حال ہے؟'' عارف نے آنکھ دبا کر گویا لال خان سے چھیڑ خانی کی۔

بجائے سینے کے آنکھوں میں دل دھڑکتا ہے
یہ انتظار کے لمحے عجیب ہوتے ہیں!

''چھوڑ و یار یہ شعر و یر''۔ لال خان کو بہت ساری شرم آگئی۔ تانبے جیسا رنگ اور گہرا ہوگیا۔

''ارے آج ہی تو شعر و شاعری کا مزا ہے''۔ عارف نے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی''۔ اب تو سہرا پڑھنے کے
دن آرہے ہیں''۔ وہ مسکرایا اور زور سے کش لگایا۔

لال خان دولہا کی طرح شرما کر رہ گیا۔ ''چلیں؟ کیا انتظام کیا ہے؟'' عارف نے اٹھنے کی مشق کی۔

''باہر سوزوکی کھڑی ہے۔ گاڑی ہے اپنے پاس''۔ وہ غلام محمد کو سنانے کی غرض سے اونچا بولا۔

''کیوں نہیں... کیوں نہیں ......سیٹھ لال خان ہے' کوئی معمولی چیز نہیں۔ چلو بھائی!'' وہ غلام محمد کی طرف پلٹا۔

اچانک ملنے والی رقم نے بڑا خوشگوار اثر ڈالا تھا۔

تینوں باہر آگئے۔ جہاں نیلی سوزوکی کیری کھڑی تھی۔ جس کے اندر دو ٹوکرے پھلوں کے اور ایک مٹھائی کا ٹوکرا رکھا
تھا۔ ایک پیٹی روح افزا کی بوتلوں کی تھی لال خان اور عارف آگے بیٹھے تھے۔ غلام محمد پیچھے تھا۔ اس قدر سامان دیکھ کر اس کی
حالت غیر ہو رہی تھی۔ پہلے دن یہ حال ہے تو بعد میں کیا ہوگا۔ نہ جانے کتنا سونا بری میں چڑھا دے گا۔ کاش گھر والی مان
جائے۔ بالو تو دولت میں کھیلے گی۔ جب انسان کی ہر خواہش پوری ہو رہی ہو تو اسے خوش ہونے سے کون روک سکتا ہے۔

ٹھیک ہی تو کہتا ہے مرد صحت مند اور کماؤ ہو بس۔ عورت کو اور چاہیے بھی کیا۔ سمجھاؤں گا گھر والی کو۔ کیا بیٹی کو ایسے گھر میں
بیاہے گی جہاں نکڑ کی دکان کا قرضہ ہی چڑھا رہے۔ میں نے لہو بیچا تو گھر میں روشنی ہوئی۔ بیٹی کو کتنی آسانی سے مل رہا ہے یہ
سب۔ اسے بالو کی قسمت بہت اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ بچے ہوئے تو اچھے سکولوں میں پڑھیں گے۔ قابل بنیں گے۔ آخر کار
عورت کی جمع پونجی اس کی اولاد ہی ہوتی ہے۔ اور اگر وہ قابل ہو تو عورت کو دنیا میں اور چاہیے بھی کیا؟

تازہ پھلوں اور مٹھائیوں کی مہک گاڑی کے اندر پھیل رہی تھی اور اس کے ساتھ اس کے خیالات کے دائرے بھی۔

....

بالو چھوٹی سی کھڑکی سے گلی میں جھانک رہی تھی کہ اچانک اس نے اپنے گھر کے دروازے پر ایک سوزوکی رکتے دیکھی۔ بھائی کو تلاش کرتی ہوئی نظریں سوزوکی پر جم گئیں۔ وہ آگے بیٹھے ہوئے آدمیوں کو دیکھ رہی تھی کہ پچھلے حصے سے باپ اتر کر سامنے آیا۔

''ابا کو گاڑی چھوڑنے آئی ہے۔ اللہ خیر کرے۔'' وہ جلدی سے کھڑکی سے ہٹ گئی۔

''اماں ...... اماں ...... ابا کو گاڑی چھوڑنے آئی ہے۔'' وہ بھاگ کر ماں کے پاس آئی جو نلکے کے پاس بیٹھی نہا رہی تھی۔ وہ منہ پر چھینٹیں ڈالنا بھول گئی۔

''کیا کہہ رہی ہے''۔

''ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ لو وہ ابا آ گئے خود پوچھ لو'' غلام محمد ان کے قریب آ چکا تھا۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری''۔ وہ تشویش بھری نظروں سے خاوند کو دیکھ رہی تھی۔

''میری طبیعت ٹھیک ہے۔ مہمان آئے ہیں۔ چائے بنا لے اور دیکھ لونڈے سے کچھ منگا لے''۔ اس نے جیب سے نوٹ نکال کر بیوی کو تھمایا۔

''کیا منگاؤں؟'' وہ نوٹ لے کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔ کبھی اس گھر میں مونگ کی دال بھی ادھار آتی تھی۔ آج کن کے لوازمات کے لئے سو کا نوٹ مل رہا تھا۔

''سموسے۔ قلاقند، کیلے اور جو تیرا جی چاہے''۔ وہ دوبارہ باہر کا رخ کرتے ہوئے بولا۔

تین چیزیں بتا کر آگے جی چاہنے کی رعایت بھی مل رہی تھی۔ وہ تعجب سے اس کی پشت پر دیکھنے لگی۔

''لگتا ہے کوئی خاص مہمان ہیں۔ شاید تیرے باپ کا سیٹھ ہے۔'' اس نے بالو سے کہا'' تو چائے بنا میں خود لے آتی ہوں چیزیں۔ بچے کو تو یونہی الٹی سیدھی پرانی دھرانی چیزیں پکڑا دیتے ہیں۔ ذرا میرا برقعہ لائیو'' وہ دوپٹے سے منہ پونچھنے لگی۔ بالو برقعہ لینے اندر دوڑ گئی۔

جتنی دیر میں وہ برقعہ نکال کر لائی۔ اتنی دیر میں پھلوں اور مٹھائی کے ٹوکرے اور شربت کی بوتلوں کی پیٹی اندر رکھی جا چکی تھی۔ وہ برقعہ ہاتھ میں پکڑے پکڑے بجائے ماں کی طرف جانے کے ٹوکروں کی طرف بڑھی۔

''اتنی ساری مٹھائی اماں!'' اس نے ٹوکرے کے منہ پر پڑے اخبار کو تھوڑا سا سرکایا تھا''۔ پھر دوسرے ٹوکرے کو دیکھنے لگی۔ حیرت آمیز خوشی اس کی آنکھوں سے چھلکنے لگی۔

''ہاں ...... ہاں تو برقعہ تو دے۔'' وہ بیٹی کی طرح خوش ہونے کی بجائے الجھ رہی تھی۔ جتنی دیر میں اس نے برقعے کے بٹن بند کئے مہمان کمرے میں بیٹھ چکے تھے۔

وہ چائے بنانے کی نیت سے چھوٹے سے باورچی خانے میں گھس گئی۔

اندر کمرے میں دو ہی کرسیاں تھیں جن پر عارف اور لال متمکن ہو چکے تھے۔ اپنے لئے وہ چار پائی کھینچ کر لا رہا تھا۔ لال خان تو اس طرح بیٹھا تھا جیسے دولہا بن کر آیا ہو۔ تھوڑی سی گھبراہٹ اس کے چہرے سے صاف پڑھی جا سکتی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہو؟ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یار۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ ' گھبرائیں کیا

''میں گھبرا تو نہیں رہا یار۔ یہ غلام محمد تو بہت سیدھا آدمی ہے۔ پتا نہیں اس کی گھر والی کیسی ہو گی؟''

''تو اس کی گھر والی کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ نادان اپنی ہونے والی گھر والی کو سوچ''۔ وہ نیا سگریٹ سلگاتے ہوئے شرارت سے مسکرایا۔ لال خان کو جیسے گدگدی سی ہونے لگی۔ وہ پہلے کے مقابلے میں ذرا پر اعتماد دکھائی دینے لگا۔

''تمہارا اپنا گھر ہے غلام محمد؟'' عارف نے ڈھیروں دھواں منہ سے سوال کے ساتھ خارج کیا۔

''ہاں بس سر چھپانے کا آسرا ہے''۔ اس نے تشکرانہ انداز میں جواب دیا۔

لال خان گردن ادھر ادھر گھما کر جائزہ لینے لگا۔ سارے کمرے میں صرف ایک کھڑکی تھی۔ وہ گلی کی طرف کھلتی تھی۔

''یار ...... اس کی گھر والی مجھے دیکھے گی کس طرح؟ کیا یہ اسے یہاں بلائے گا؟'' اس نے سرگوشی کی۔

''حد ہے بے صبری کی''۔

خدا کے واسطے داد اس جنون شوق کی دینا
کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

''یار ...... جنہوں نے دیکھنا ہو۔ ان کے پاس ہزار راستے ہوتے ہیں۔ تم کیوں فکر کرتے ہو۔ آرام سے بیٹھو''۔ عارف نے قدرے جھلا کر ٹوکا۔

''تم نے گھر میں کچھ سامان تو ڈلوا لیا ہوتا۔ اتنے دن ہو گئے تمہیں کماتے ہوئے۔ اب بھی ہاتھ تنگ رہتا ہے کیا؟'' عارف نے غلام محمد سے گویا پائی پائی کا حساب لینے کے انداز میں سوال کیا۔

''اللہ کا بڑا کرم ہے۔ بات یہ ہے' قرضہ بہت چڑھا ہوا تھا۔ کتنے دن تو قرضہ اتارنے میں لگ گئے۔ پھر یہ سوچا کچھ بیٹی کیلئے جوڑ لوں''۔

''اس کیلئے جوڑنے وڑنے کی ضرورت نہیں۔ لال خان کے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔ ہم تم سے ایک کپڑے کا جوڑا بھی نہیں لیں گے۔ غور سے سن لو''۔ عارف نے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بڑے شاہانہ انداز میں کہا اور ایک زور کا کش لگا کر سگریٹ کی راکھ بائیں طرف جھاڑ دی۔

''بجلی ہے تمہارے گھر میں؟''

''پچھلے گھر سے لی ہوئی ہے پچاس روپے مہینہ دیتے ہیں''۔ غلام محمد نے جواب دیا۔

''بس تو تم پہلی فرصت میں اپنے گھر بجلی لگواؤ۔ تمہاری ایک ہی بیٹی ہے۔ جہیز تم نے اس کا بنانا نہیں۔ اپنا گھر ٹھیک کرو۔ لڑکوں کو کام سکھانے پر بٹھا دو۔ عارف نے پورا پروگرام بنا کر دیا۔

''میں یہی سوچ رہا تھا ''بڑے'' کو ٹیلر کے پاس بٹھا دوں۔ بڑی کمائی ہے اس میں''۔ اسے نئے سرے سے خوبصورت

خواب آنے لگے۔ جہاں اس کا بیٹا ایک بڑا ٹیلر ماسٹر تھا اور اس کے سیف میں رنگ برنگے نوٹ بھرے تھے۔

وہ جانے کتنی دیر باتوں میں مصروف رہے حتیٰ کہ کمرے کے باہر سے آواز آئی۔

''بالو کے ابا! چائے لے جاؤ''۔

لال خان ایک دم سنبھل کر بیٹھا۔ عارف پر البتہ کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسی طرح بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔

''کیا سوچنے لگے؟'' لال خان نے اپنا چہرہ پونچھتے ہوئے سے متوجہ کیا۔

''کچھ نہیں...... کچھ اپنے حساب کتاب یاد آ گئے تھے''۔

''کیسے حساب کتاب''۔ لال خان نے تعجب سے اسے دیکھا۔ اس نے تو عارف کے ساتھ سارے معاملات ''فیئر'' تھے۔

''تمہیں نہیں بتا سکتے کہ کوئی فائدہ ہی نہیں''۔

آ ہی جاتا وہ راہ پر غالب
کوئی دن اور بھی جئے ہوتے

وہ ہنس دیا۔ ''چائے پیو۔ بڑے نورانی ہاتھوں کی چائے ہے۔ جب گھر میں لڑکی جوان ہو تو عام طور پر چائے [illegible] ہے''۔ عارف نے آنکھ ماری۔ اور لال خان چائے کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

وہ انہیں چائے پیش کر کے ''ابھی آیا'' کہہ کر کمرے سے باہر آ گیا۔

''بالو کی ماں!'' اس نے آہستگی سے بیوی کو آواز دی۔

''ہوں''۔ وہ فوراً لپک کر آئی۔ جانے کتنی تجسس کی لہریں اس کے اندر کروٹیں لے رہی تھیں۔

''یہ جو مہمان آئے ہیں جب یہ جانے لگیں تو آڑ سے دیکھ لیجیو اچھی طرح''۔

''کیوں؟ یہ کیا ''سر کیسے'' ہیں؟'' وہ ہونق سی ہو کر اس کی شکل غور سے دیکھنے لگی۔

''بس کہہ رہا ہوں ناں میں''۔

''اچھا اچھا۔ بگڑتے کیوں ہو۔ دیکھ لوں گی...... ...... اور اب تو ضرور دیکھوں گی۔ آخر ہے کیا ان میں [illegible] بات''۔ وہ خود کلامی کے انداز میں بولتی ہوئی باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ دوبارہ کمرے میں چلا آیا۔

''بیوی سے کچھ بات کرنے آ رہا ہے''۔ عارف نے لال خان کو ٹہوکا دیا۔ [illegible]

لال خان مارے حیا اور [illegible] ماری کے آگے کو جھک کر رہ گیا۔

''عارف بھائی! تم بھی علاج معالجہ کراؤ۔ بھلا۔ برے تو ذرا بھی نہیں ہو۔ میرا دل چاہتا ہے تمہیں [illegible]''

اس نے سوکھے اچھور عارف کو ترحم بھری نظروں سے دیکھا۔

''اچھا!'' وہ مسکرایا۔ (آج کل شدید کھانسی کے خوف سے صرف مسکراہٹ پر ہی اکتفا ہو رہا تھا) اب کیا بنیں [illegible]

پھر تمنا بھی نہیں ہے۔ ہم تو قسط وار خودکشی کرنے والوں میں سے ہیں۔ اب ہم میں بچا ہی کیا ہے؟

کر دیا ضعف نے عاجز غالب
ننگ پیری ہے جوانی میری!

غلام محمد نے بے بسی سے لال خان کی سمت دیکھا۔ پھر شعر۔ جو اس کے خاک بھی پلے نہیں پڑتے تھے۔

''ارے۔ یہ سموسے تو کھاؤ۔ تم تو خالی چائے پی رہے ہو۔'' اس نے لال خان کی طرف پلیٹ بڑھائی۔ اور میزبانی کے لمحات میں اس نے خود کو بہت معتبر سا محسوس کیا۔

آج وہ بھی اس قابل ہے کہ کسی کو کچھ کھلا سکے۔ اس نے عارف کی سمت دیکھا۔ نگاہوں میں احساس ممنونیت خود بخود اتر آیا۔ جدی پشتی قرض سے دبی زندگی آخر اسی کے تعاون سے تو ہلکی پھلکی ہوئی تھی۔

کمرے سے باہر ''بالو کی ماں'' بے چینی سے ان کے باہر آنے کا انتظار کر رہی تھی۔

....

روشی پر ہنوز بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی۔ وہ صبح آٹھ بجے ہاسپٹل میں بیدار ہوا تو بابا صاحب وہاں موجود تھے۔ انہوں نے اسے گھر بھیج دیا تھا کہ وہ آرام کر لے اور ضرورت محسوس ہوئی تو فون کر کے بلا لیں گے۔ گلو ان کے ساتھ تھیں۔

روشی صبح پانچ بجے سے شام پانچ بجے تک تین چار مرتبہ ہوش میں آئی تھی مگر صرف دو چار لمحوں کے لئے۔ محسوس ہوتا تھا کہ اب وہ بے ہوش نہیں ہے۔

بابا صاحب نے چونکہ حکم دیا تھا کہ وہ خود بلوائیں گے۔ اس لئے کوئی بھی ہاسپٹل خود سے روانہ ہونے کی ہمت نہیں پا رہا تھا۔ خطرے کی گھڑیاں چونکہ ٹل چکی تھیں لہٰذا اب اس انداز کی تشویش تو نہیں تھی جس طرح کی کل تک تھی۔ مگر اب ذہن یہ سوچ رہے تھے کہ اب تک ''باری'' کو کیوں نہیں بلوایا۔ زری نے دو تین مرتبہ فون کیا تو گلو نے یہی جواب دیا۔ صبح جیسی ہے مزید ''پیش رفت'' نہیں ہوئی۔ اسے روم میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ وہاں بابا صاحب موجود ہیں۔ اور اس کے ہوش میں آنے کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔

وہ بیدار ہو کر غسل سے فارغ ہوا۔ پھر کلو سے چائے منگوائی۔ جب سے وہ گھر آیا تھا وقفے وقفے سے سو رہا تھا۔ اتنا سارا تو شاید وہ زندگی میں سویا ہوگا۔ ''واہ روشی بی بی آپ نے جان پر کھیل کر کم از کم جی بھر کر آرام کا موقع تو دیا۔'' وہ کپ تھامے بالکنی میں آ کھڑا ہوا۔ لڑکیاں تو سب نیچے ہی تھیں۔ بے چاریوں کی آوازیں تو کل سے بند تھیں۔ اس لئے سمندر کی لہروں کا شور زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔ لگ رہا تھا۔ گھر میں کوئی ہے ہی نہیں۔

''بابا صاحب روشی سے کیا کہیں گے؟ کیا بات کریں گے۔ سب سے پہلے؟ اس پر برہم ہوں گے۔ ملامت کریں گے۔ اپنا کوئی سفاک سا فیصلہ سنائیں گے؟'' ایک لمحے کیلئے بھی اس کا ذہن روشی اور دلاور علی خان کے تصور سے ادھر ادھر نہیں ہو رہا تھا۔ اپنی بات کے تو وہ پکے ہیں۔ جو منہ سے نکال دیں اس کی تکمیل تک مصروف رہتے ہیں۔

روشی کی اگلی منزل کون سی ہے؟'' وہ دلاور علی خان کے نزدیک یہاں وہاں سب رشتہ داروں ملاقاتیوں سے واقف تھا۔

ان سے بھی جو ''خاندانی'' تھے۔ ان سے بھی جو اس قسم کے تاج سے محروم تھے۔

ان کا نشانہ تو ظاہر ہے ''خاندانی'' ہی ہوں گے کہ وہ تو نسب کو زندگی پر فوقیت دیتے ہیں۔

''خان...... بڑے خان کا ٹیلی فون آیا ہے۔ بلا رہے ہیں آپ کو۔ اسپتال میں ہیں' بولتے ہیں جلدی آجائیں''
سے کلو پیغام لائی تھی۔

وہ کپ رکھ کر تیزی سے زینے طے کر کے نیچے آیا۔ یہاں مونا حواس باختہ سی موجود تھی۔

''میں چلوں باری؟''

''آپ...... پوچھ لیا آپ نے بابا صاحب سے؟''

''ان سے تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ لالی نے فون اٹینڈ کیا تھا''۔

''آپ کیوں فکر مند ہو رہی ہیں۔ اب تو وہ آ جائینگی۔ یہاں۔ ٹھیک ہیں اب''۔ اس نے تسلی دی۔

''پھر تمہیں کیوں بلایا ہے؟'' وہ غالباً اس کے بلائے جانے پر فکر مند تھی۔

''یہ تو معمول کی کارروائی ہے۔ جہاں وہ ہوتے ہیں۔ وہاں میں ہوتا ہوں''۔ وہ مسکرایا۔

''باری''۔

''جی''۔

''تم یہ بتاؤ' بابا صاحب کے ایکسپریشن کیا ہیں؟ وہ تو تم سے ہر بات کرتے ہیں۔ روشی کی اس حرکت پر کچھ کہا تو
تمہیں قسم ہے بتاؤ ناں۔ پتا نہیں کیوں مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے''۔ مونا تو حویلی کی کم ہمتوں کی کھیپ میں سرفہرست تھی۔

''اوہ''۔ اسے مونا کی پریشانی کی وجہ سمجھ آ گئی۔

''کچھ نہیں۔ وہ تو چپ ہیں''۔

''تم جھوٹ بول رہے ہیں۔ کچھ تو ضرور کہا ہوگا۔ پلیز باری۔ اتنی بڑی بات ہو گئی۔ ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ وہ
بولے ہی نہ ہوں۔ تم مجھے بتا دو' بچی میں کسی سے نہیں کہوں گی''۔

''کچھ بھی نہیں کہا مونا بی بی! یقین کریں''۔ اس نے بمشکل جان چھڑائی اور ڈرائیور کی طرف بڑھ گیا۔ مونا ہنوز
طرح کھڑی تھی۔

''لگتا ہے' لڑکیوں میں مونا بی بی سب سے زیادہ ''خان'' سے واقف ہیں''۔ اس نے گویا مونا کو داد دی۔

اختر کو گاڑی نکالنے کا کہتے وقت اس نے کن اکھیوں سے اس سمت دیکھا جہاں مونا ہنوز اسی سابقہ کیفیت میں کھڑی
تھی۔

جب وہ ہاسپٹل پہنچے تو شام گہری ہو چکی تھی۔ شہر روشن ہو چکا تھا۔ وہ تیزی سے اس کمرے کی طرف آیا تھا جہاں روشی کی
موجودگی کا یقین تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو روشی کمرے میں تنہا تھی۔ وہ چت لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ آہٹ

بدلا۔ باری پر نظر پڑتے ہی اس نے دوسری طرف کروٹ لے لی۔

اس کو بقائمی ہوش وحواس اور ''اٹینشن'' حالت میں دیکھ کر بڑی فطری سی خوشی ہوئی تھی۔

''نئی زندگی مبارک ہو''۔

''فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔ اگر ایک لمحہ کی دیر کی تو میں گلاس توڑ کر اس کے ٹکڑے سے اپنی کلائی کی رگ کاٹ لوں گی۔

گیٹ آؤٹ ان اے موومنٹ''۔ اس کی آواز میں تحکم بھی تھا اور آنسوؤں کی آمیزش بھی۔

''یہ کہیں نہیں جائے گا۔ یہ ہمارے ساتھ ہے''۔ عقب سے دلاور علی خان کی آواز آئی تو وہ ایک دم چونک کر پلٹا۔

☆......☆......☆......☆......☆

باباصاحب کے چہرے پر برہمی بھی تھی اور شاید بے بسی بھی۔ رعایا اور اولاد میں بہرحال بہت فرق ہوتا ہے۔ ایک حد تک ہر شے امکان و اختیار میں ہوتی ہے۔

مگر فیصلہ کن لمحہ اور اس لمحے میں کچھ کر گزرنا ہی سب کچھ ہے۔

بعض اوقات ایک لمحے میں اظہارِ عمل ضرور ہوتا ہے۔

"مگر اس اظہاریے" میں جانے کتنی نیندیں، کتنی راتیں، کتنی صبحیں، بھینٹ چڑھی ہوتی ہیں۔

اس طرح کے سفاک "اظہاریے" ہو تو جاتے ہیں، لیکن ہونے کے بعد ان کا حاصل راکھ کا ڈھیر ہوتا ہے اور نا آسودگی کی ایک سلگتی چنگاڑی......

اور جس شخص نے کئی بار "راکھ کے ڈھیر" کی کمائی کی ہو...... جو نا آسودگی کی چنگاڑیوں سے جسم و جان سلگائے ہو، اسے اس طرح کا نیا سودا کرتے ہوئے بہت سوچنا ہوتا ہے۔

باری اپنی جگہ سے ایک انچ ... آگے نہیں بڑھا تھا۔ وہ جہاں تک پہنچا تھا۔ ہنوز وہیں ایستادہ تھا۔

"بیٹھ جاؤ باری"۔ باباصاحب نے حکم دیا اور خود دوسرے بیڈ پر بیٹھ گئے۔

وہ درحقیقت ان دادا پوتی کے درمیان بیٹھنے کا خواہشمند نہیں تھا۔ ابھی تک اس کے کانوں میں روشی کے الفاظ گونج رہے تھے "Get out with in movment"

"میں باہر بیٹھ جاتا ہوں خان، کوئی بات نہیں"۔ اس نے اپنی مہذب فطرت سے مجبور ہو کر کہا۔

"نہیں تم یہیں بیٹھو، جہاں ہم ہیں وہیں تم ہو"۔ انہوں نے قطعی انداز میں کرسی کی طرف اشارا کیا۔ جو روشی کے بیڈ کے بالکل ساتھ ہی رکھی تھی۔

وہ ناچار کرسی کی طرف بڑھ گیا۔

روشی اتنی دیر میں نیم دراز ہو چکی تھی۔ اس کے چہرے پر سوائے سرد تاثرات کے اور کچھ نہیں تھا۔

"تم بچ گئی ہو۔ بہرحال مقامِ شکر۔ فی الحال ہم تم سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کر رہے۔ اب تم بس اتنا کرو کہ جتنی جلدی ہو سکے بستر سے اتر آؤ"۔

روشی خاموشی سے انگلیاں مروڑتی رہی۔

"باری پر کس بات کا غصہ ہے؟" باری کے جملے کا سوال باباصاحب نے کیا تھا۔

وہ چپ رہی۔

"ہم کچھ پوچھ رہے ہیں؟" ان کی نازک طبع پر اس کی خاموشی گراں گزری تھی۔

"یونہی۔ ذہن بہت اپ سیٹ ہے، ایسے ہی کہہ دیا تھا"۔ باری کے سامنے بے بسی اور احساسِ توہین سے اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ وہ آنسوؤں پر قابو پانے کی خاطر ہونٹ کاٹنے لگی۔ مگر چند قطرے رخساروں پر لڑھک آئے تھے۔

باباصاحب نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔

"تم اکیلی نہیں ہو، تمہارے پاس بے شمار ایسے لوگوں موجود ہیں جن سے دل کی بات کہی جا سکتی ہے۔" ان کا انداز غیر معمولی طور پر نرم تھا۔

"مگر فائدہ......؟" روشی کے منہ سے بلا سوچے سمجھے بے ساختہ نکل گیا تھا۔ باری کو ایسا محسوس ہوا جیسے طوفان قریب آ گیا۔ اس نے سٹپٹا کر روشی کی سمت دیکھا تھا، جس کے رخساروں پر آنسو چمک رہے تھے، مگر ایک عجیب سی خودسری اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔

"باری! ہم گھر جا رہے ہیں، آرام کریں گے، تم یہیں ٹھہرو، ہم وہاں سے کسی لڑکی کو بھیج دیں گے۔ پھر تم گھر آ جانا"۔

"میں آپ کے ساتھ ہی چلتا ہوں خان"۔ اس نے ضبط سے سرخ پڑتے باباصاحب کو بغور دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

روشی کا جی چاہا، پاس رکھا گلاس اس پر کھینچ مارے، ٹھیک ہے، میں اسے جانے کو کہہ رہی ہوں، مگر کیا اس کے دل میں اتنی سی بھی آرزو نہیں کہ یہ مجھ پر ٹوٹ پڑنے والی قیامت کی حقیقت پوچھے...... میرا حال پوچھے...... میری دل جوئی کرے...... کیا میں اس کے نزدیک اتنی اہمیت بھی نہیں رکھتی، کہ یہ میرے ساتھ بیٹھنا چاہے، مجھ سے بات کرنا چاہے، کتنی جلدی ہے اٹھ کر جانے کی"۔

اس نے جل کر باری کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

''نہیں' فی الحال یہاں ایک بندہ اس کے ساتھ ہونا چاہیے' فکر نہ کرو گھر سے یہاں تک کسی کو پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں ہو
گی''۔ وہ روشی کی طرف سے شعوری بے توجہی برت رہے تھے۔

باری دوبارہ بیٹھ گیا

''یہ تم سے عمر میں خاصا بڑا ہے' یاد رکھا کرو''۔

وہ خشک انداز میں اس کی طرف دیکھے بغیر گویا ہوئے اور چھڑی ٹکاتے باہر نکل گئے...... دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

سائیڈ ٹیبل پر کئی انگلش میگزین رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک میگزین اٹھا کر تقریباً آنکھوں سے لگا لیا۔

''تم کیوں آئے کراچی؟'' وہ پھنکاری۔

''لایا گیا ہوں''۔ اس نے میگزین کی اوٹ سے ہی جواب دیا۔

''تم کیسے آدمی ہو' تم وہ کام کیسے کر لیتے ہو جو کرنے کا دل نہیں چاہتا......؟'' اس کا حرف حرف سلگ رہا تھا۔

''آپ سے کس نے کہہ دیا کہ میں اپنے معمولات زبردستی نمٹاتا ہوں۔ میرا ذہن بن چکا ہے' مجھے خان کا' خان
یڈوں کا خیال رکھنا اچھا لگتا ہے۔ اس لئے کہ میں ان سے کسی قسم کا خونی رشتہ نہیں رکھتا۔ اس کے باوجود مجھے ہوش سنو
کے بعد سے اب تک اس قدر محبت ملی ہے' جس کے قرض اتارے نہیں اتریں گے''۔

''ہونہہ! تمہاری غلامی اور تابعداری کے طفیل ہے یہ سب...... ذرا کسی دن اپنی بات پر زور دیکر دکھاؤ' پھر دیکھ
لوگوں کی محبت''۔ وہ زہر بھری مسکراہٹ سے گویا ہوئی۔

''جن لوگوں نے ہمیشہ میرا خیال رکھا...... حتیٰ کہ مجھے بہترین تعلیم دلوائی میں ان سے جھگڑا کس بنیاد پر شروع کرو
اور کیوں؟ وہ میرے ساتھ اچھے ہیں' مجھے ان کے ساتھ اچھا ہونا چاہیے۔ آپ میرے بارے میں زیادہ نہ سوچیں آپ
صحت کیلئے ٹھیک نہیں''۔

اس نے میگزین ایک ہاتھ میں تھام کر کرسی بیڈ سے ذرا دور کھسکائی اور دوبارہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گیا۔

''تم اتنے خود پسند کیوں ہو؟'' وہ جیسے چڑ کر بولی۔

''میں......؟'' باری نے بابا صاحب کے جانے کے بعد پہلی بار نظر اٹھا کر اس کی شکل دیکھی۔

''اچھی خبر ہے''۔ وہ مسکرا کر میگزین کے اوراق الٹ پلٹ کرنے لگا۔

''تمہیں غصہ کیوں نہیں آتا؟'' اس کی جان جل گئی تھی باری کی مسکراہٹ دیکھ کر۔

''آیا تو تھا' پھر آپ نے زہر کھا لیا تھا''۔ اس کا اطمینان قابل دید تھا۔

روشی بری طرح چونک گئی۔ دل پوری قوت سے سکڑا اور اسی قوت سے پھیلا۔

''ہونہہ! تمہارے غصے کی وجہ سے' منہ دھو لو جا کر''۔ اس نے بڑی نخوت سے کہہ کر منہ پھیر لیا۔

''نہا کر آیا ہوں''۔ وہ میگزین میں ایک چونکا دینے والی خبر بغور دیکھنے لگا۔

روشی نے تلملا کر اسے دیکھا۔ ڈارک بلیو جینز اور لائٹ پنک شرٹ میں وہ درحقیقت بہت فریش لگ رہا تھا۔

''تم تو دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہے ہو گے...... کہ چلو جان چھوٹی''۔ وہ نہ جانے کیوں اس قدر سلگ رہی تھی۔

''آپ کو کیسے پتہ چلا؟'' اس نے لاپرواہی سے ورق الٹا تھا۔

''ہونہہ! تم میری طرف دیکھ کر بات کیوں نہیں کر رہے؟ بدشکل تو نہیں ہوں''۔ اسے بہت زیادہ احساس توہین لاحق
تھا۔

''ارے نہیں' آپ دل برا نہ کیجئے۔ آپ کی شکل تو خاصی اچھی ہے۔ شاید اسی وجہ سے آپ ایکسٹرا آرڈینری کانفیڈنٹ
ہیں''۔ اس نے مسکرا کر میگزین بند کر دیا اور بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میں نے تو نہ جانے کب سے آئینہ بھی نہیں دیکھا۔ اب تو پھٹکار برس رہی ہو گی''۔ اس کی آواز رندھ گئی۔

''برس تو نہیں رہی...... البتہ آپ نے برسانے کیلئے زور پورا لگایا تھا۔ شاید آپ کو علم نہیں۔ اسلام کے مطابق خودکشی
کرنے والا مردود ٹھہرتا ہے۔ شکر کیجئے بڑی مستقل قسم کی بچت ہو گئی۔ لگتا ہے گلو ہی آئیں گی۔ پتہ نہیں کب پہنچیں گی؟'' اس
نے ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔

''جاؤ' باہر لان میں بیٹھ جاؤ' مجھ پر احسان کرنے کی ضرورت نہیں''۔

وہ بگڑ کر بولی اور سیدھی لیٹ گئی۔ آنکھوں پر بازو رکھ کر۔ ڈھیلی ڈھالی سیاہ آستین جھٹکے کی وجہ سے الٹ گئی۔ دودھیا بازو
[illegible] تک عیاں ہو گیا۔ جس پر ایک گہرا سیاہ تل عجیب سا جادو جگا رہا تھا۔

باری نے نظریں چرا کر کمرے میں دیکھنا شروع کر دیا۔ کمرے میں کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔

وہ سائیڈ ٹیبل سے دوائیاں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگا۔

''ٹمپریچر بھی ہے آپ کو؟'' وہ اس کی طرف فکرمندی سے دیکھ رہا تھا۔

''جہنم بھڑک رہا ہے میرے اندر' ٹمپریچر کیوں نہیں ہو گا؟'' وہ تنک کر بولی۔ انداز بدستور تھا۔

''کیوں بھڑک رہا ہے جہنم' کوئی وجہ بھی تو ہو؟'' وہ قدرے سنجیدہ تھا۔

''کاش وہ منحوس اس وقت صفائی کرنے نہ پہنچتی۔ گھنٹہ آدھا گھنٹہ اور گزر جاتا۔ میری تو دعا میں بھی اثر نہیں' کہ میں یہ دعا
کر کے ہی پرسکون ہو جاؤں' اللہ کرے میں مر جاؤں''۔ وہ سسکنے لگی۔

''ماں تو خیر ہے ہی نہیں۔ باپ سے بھی دور رکھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے پپا کو اطلاع ہی نہ دی ہو گی' کہ میں مر رہی
ہوں''۔

باری نے چونک کر اس کی سمت دیکھا' مگر خاموش رہا۔

''وہ لاکھ برے سہی' ہیں تو سب سے زیادہ میرے...... جو سکون اور خوشی مجھے ان کا چہرہ دیکھ کر ہوتی ہے' وہ کسی اور کو دیکھ
کر تو نہیں ہو سکتی۔ باری میں پپا کو کیسے بتاؤں کہ میں ان سے بے پناہ محبت کرتی ہوں۔ وہ اتنے پتھر کیوں ہیں؟'' وہ رو رہی
تھی۔

"یہ بات کوئی بتانے کی ہوتی ہیں' یہ تو فطری رشتہ ہے' وہ آپ کے والد ہیں۔ ان سے محبت آپ کے خون کا تقاضا
بھی' آپ کو دل و جان سے عزیز سمجھتے ہیں"۔

"مجھے یقین نہیں ہے"۔ روشی نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"کیوں؟" باری نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ تو بہت عالم فاضل آدمی ہیں۔ وہ یہ یقین کیوں میرے اندر نہیں اتار سکے کہ وہ مجھے بہت عزیز رکھتے ہیں […]
دنیا میں سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے ہیں' اس لئے کہ میں ان کی بیٹی ہوں"۔

"محبت کا بھلا علم و فضل سے کیا تعلق' محبت مشروط شے ہوتی تو اکثریت روٹی کی طرح اس کے لئے بھی محنت کر[…]

باری ہنس دیا۔

"یہ تو ایک آسمانی گفٹ ہے جسے ملنا ہوتی ہے مل جاتی ہے' بغیر محنت کے' بغیر سیڑھی کے' جیسے مٹی میں پانی جذ[ب ہو]
جاتا ہے۔ یہ بھی اپنے اصل ٹھکانے سے پرواز کرتی ہے اور اپنے ہدف یعنی کسی روح میں جذب ہو جاتی ہے۔ کسی ہم[…]
اور من چاہی روح میں' خونی رشتوں میں کیونکہ ہم آہنگی فطری ہوتی ہے' اس لئے محبت ان رشتوں میں درحقیقت موج[ود]
ہے"۔

"تمہیں اتنی سمجھ ہے محبت کی"۔ روشی کی آنکھوں میں بلا کی حیرت تھی۔

"کوشش کر رہا تھا' آپ کو یقین آجائے کہ یاور چچا آپ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں"۔ وہ بڑے سادہ سے اند[از میں]
مسکرا دیا۔

"اچھا اگر تم سے کوئی کہے کہ محبت کی تعریف ایک جملے میں کرو' تو کیا تم کر سکو گے۔؟" وہ کم عمر تھی سوال بھی کچے
تھے۔

"جی ہاں کر سکتا ہوں' یعنی اس طرح کہوں گا' محبت ایک الجھا ہوا ریشم ہے' جس کو سلجھانے کی کوشش کرنا بھی عظیم[…]
ہے"۔

"بہت مشکل جملہ ہے"۔ اس نے منہ بنا کر دونوں ہاتھوں کا تکیہ اپنے سر کے نیچے رکھ لیا۔

"محبت رعایت کی خوبصورت شکل ہے"۔ روشی کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"مجھے علم ہے' دہرائیے مت"۔ اس نے میگزین دوبارہ اٹھا لیا۔

"لمبے بالوں والی تو تمہیں بہت مس کر رہی ہوگی؟" اسے یک دم کچھ یاد آگیا۔

"ہاں یہ تو ہے"۔ اس نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیا تم ہر وقت اس کے بارے میں سوچتے ہو؟"

"ہر وقت تو نہیں' جب فارغ ہوتا ہوں' یا ڈرائیونگ کر رہا ہوتا ہوں"۔ باری نے بھی جیسے ہر بات کا جواب ر[…]
کھائی تھی۔

"اب ایک بات میں پوچھوں آپ سے؟" باری نے میگزین رول کر کے ٹھوڑی کے نیچے ٹکا لیا۔

روشی کا دل دھڑک اٹھا۔ وہ اس سے از خود تو کم ہی بات کرتا تھا۔ زیادہ تر گفتگو' جوابیہ' ہی ہوتی تھی' یا محض چھیڑ چھاڑ۔

"لمبے بالوں والی تو مجھے کسی وجہ سے یاد رہتی ہے' آپ کو اتنا کیوں یاد آتی ہے؟ آپ نے تو اسے دیکھا بھی نہیں ہے"۔

اس سے کیا فرق پڑتا ہے' تم نے تو جی بھر کے دیکھا ہے ناں"۔ وہ رکھائی سے بولی۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' وہ باتیں کیجئے' جن سے آپ کو خوشی ہو"۔ نہ جانے کیوں باری کو اس پر ترس آگیا۔

"میرے پاس کوئی ایسی بات نہیں' جو مجھے خوشی دے"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

"بتائیے میں آپ کے کس کام آسکتا ہوں"۔ باری کو سو فیصد یقین ہو چکا تھا کہ وہ واقعی ناآسودہ اور مضطرب ہے۔

"تم میرے کسی کام کے نہیں ہو"۔ اس نے باری کی طرف سے کروٹ لے لی۔ اس کی سوں سوں سے صاف ظاہر تھا' وہ
رو رہی تھی۔

"اب تو دو دن ہی ہے ناں؟ صبح آجاؤں خیریت معلوم کرنے' ناراض تو نہیں ہوں گی؟"

وہ چپ رہی۔

(کاش میرے بس میں ہوتا' میں چن چن کر خوشیاں اکٹھی کرتا اور تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دیتا)

"مرضی ہے تمہاری' میرا کوئی زور نہیں ہے تم پر"۔ وہ آنکھیں پونچھ کر سیدھی ہوگئی۔

"اچھا! ایک بات بتائیں' زہر کیوں کھایا تھا؟" وہ اس کے ستے ستے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری وجہ سے نہیں کھایا تھا"۔ وہ چہرہ موڑ کر باری کی طرف دیکھنے لگی۔

"اتنی زبردست خوش فہمی مجھے عمر بھر نہیں ہو سکتی"۔ وہ ہنس دیا۔

اسی دم نرس ہاتھ میں گلوکوز کی بوتل لئے اندر داخل ہوئی۔ باری کو دیکھ کر مسکرائی اور وش کیا۔

"آپ کب آئے سر؟" وہ بوتل اسٹینڈ پر لٹکانے لگی۔

"خاصی دیر ہوگئی"۔ وہ جواباً مسکرایا۔

"آپ واقعی بہت پریشان تھے۔ رات آپ گھنٹوں سوچ میں ڈوبے رہے' میں وہاں سے کئی بار گزری' آپ کو پتا تک نہ
چلا' آپ بہت اچھے ریلیٹو ہیں"۔ وہ بوتل لٹکا کر تھرمامیٹر جھٹکنے لگی۔

"ٹمپریچر چیک کرائیے' ٹمپریچر ہو گیا تھا' اس لئے ڈرپ ہٹا دی تھی"۔ وہ باری کو بتا رہی تھی۔

"اور کتنی ڈرپیں لگیں گی؟ میرا تو بازو شل ہو چکا ہے"۔ روشی بے زاری سے بولی۔

"یہ ضروری ہے...... پلیز!" اس نے تھرمامیٹر روشی کے منہ میں لگا دیا۔ اور اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر جما کر کھڑی
ہوگئی۔

"میں نے ایلس کو بتا دیا تھا کہ مجھے مس انڈر اسٹینڈنگ ہوگئی تھی۔ یہ کپل نہیں ہے ریلیٹو ہیں۔ دراصل اس نے رات مجھ
سے کہا تھا کہ پوچھ کر آؤ آپ کا کوئی بچہ ہے؟ اسے خوبصورت کپل کا بچہ دیکھنے کا بڑا تجسس رہتا ہے"۔ وہ ہنس رہی تھی۔

باری بہت جز بز ہو رہا تھا۔ بھلا وضاحت کے بعد اس قسم کی گفتگو کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔

"کس کا بچہ؟" تھرمامیٹر منہ میں ہونے کے باوجود روشی بولنے سے باز نہ رہ سکی۔

"کسی کا نہیں"۔ باری جلدی سے بول پڑا۔

نرس نے تھرمامیٹر اس کے منہ سے نکال کر روشی کی طرف کر کے ریڈ کرنا شروع کر دیا تھا۔

"تھینک گاڈ ٹمپریچر تو نارمل ہوا۔ دراصل ابھی دو تین ڈرپس لگنا بے حد ضروری ہیں"۔

اس نے ایک انجکشن اٹھا کر بوتل میں انجیکٹ کیا اور روشی کا بازو بستر سے لگا کر رگ ٹٹولنے لگی۔

"پلیز ذرا آپ یہاں آیئے"۔ اس نے باری کو بلایا۔

وہ میگزین سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر نرس کے نزدیک چلا آیا۔

"جی"۔

"ایک تو ان کی رگ جانے کہاں غائب ہو جاتی ہے۔ یہاں سے ذرا زور ڈالیے"۔ اس نے روشی کے بازو پر ایک جگہ نشاندہی کی۔

باری نے اپنا مضبوط ہاتھ وہیں رکھ دیا اور باقاعدہ دبا دیا۔

روشی نے تڑپ کر اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑایا۔

"رگ ڈھونڈ رہے ہیں آپ لوگ یا تیل کے کنویں؟" وہ برافروختہ ہو کر بولی۔

"یہ موصوف سرکش گھوڑے قابو کرتے ہیں۔ آپ نے میرا نازک سا بازو ان کے حوالے کر دیا"۔ وہ اپنا بازو سہلانے لگی۔

نرس ہنس ہنس کر بے حال ہو گئی۔

باری بھی بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

"ویری فنی!" نرس نے بمشکل اپنی ہنسی کنٹرول کی۔

"اچھا ذرا آرام سے"۔ اس نے باری کو بیڈ پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔

وہ بیٹھ گیا اور بہت رسانیت سے اس کا بازو تھام لیا۔

اس کے ابلتے ہوئے لہو سے زندگی کی حرارت جیسے روشی کے جسم و جان میں اتر گئی۔

اس نے چھوا تو زندگی کا ادراک ہوا۔ وہم و خیال تو سراسر نا آسودگی ہیں۔ مادی اور اسباب و علل کی دنیا میں لمس ہی موجودگی کا یقین ہے۔ ایک شے یا ذات آٹھ پہر خواہ نظر کے سامنے رہے۔ خواب و خیال کا شک رہتا ہے۔ جسے چھوا اس کے ہونے کا یقین آ گیا۔

"اس نے آنکھیں موند لیں۔ اسے احساس تک نہ ہو سکا۔ نرس نے سوئی کب اس کی رگ میں اتار دی۔

اپنے بازو پر سے باری کا ہاتھ ہٹ جانے کے احساس سے اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ کھڑا ہو

آنکھوں میں الجھن اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"ہوا ذرا زور سے چھو کر گزر جائے تو آپ چیخ پڑتی ہیں' اتنی موٹی سوئی اندر اتر گئی اور...... خیر اچھی تبدیلی ہے۔ انسان کو صابر ضرور ہونا چاہیے۔ کیوں سسٹر؟ میں ڈر رہا تھا جب آپ سوئی رگ میں اتار رہی تھیں کہ ان کی چیخ کے زور پر کمرے سے باہر نہ جا گروں"۔

وہ بہت پرسکون تھا اس کی ہنسی سے ظاہر تھا...... نرس ہنس رہی تھی...... اور اپنا بکھیڑا اسمیٹ رہی تھی۔

"آپ لوگ خاصے پروگریسو' ہیں۔ آپ رکیں گے رات کو ان کے ساتھ؟" وہ جاتے جاتے پلٹ کر پوچھنے لگی۔ خاصی شوخ و شنگ نرس تھی۔

"نہیں' ان کی بہن آنے والی ہیں' اچھا ہوا آپ نے پوچھ لیا' ورنہ آج ڈیوٹی روم میں نئی کہانی سناتیں"۔

وہ بھی کم تو نہ تھا۔ شرارت سے کہہ رہا تھا۔ وہ کھلکھلاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

"اس سے پہلے کون سی کہانی سنائی تھی؟" وہ ان دونوں کے مابین ہونے والی گفتگو بغور سن رہی تھی۔

باری کرسی کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گیا۔ پورا گھومنے کے بجائے اس نے صرف چہرہ موڑ کر اس کی سمت دیکھا۔

"رہنے دیجیے' کیا کریں گی سن کر' صدمہ بھی ہوگا اور غصہ بھی آئے گا"۔ وہ کچھ سوچ کر ہنس دیا۔

"نہیں آئے گا مجھے غصہ بتاؤ ناں"۔ وہ مصر ہوئی۔

"آپ کو اس وقت ہر نیگیٹو سینس سے دور رکھنا ہماری اخلاقی ذمہ داری ہے اور ایسی کوئی خاص بات بھی نہیں"۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"جب کوئی خاص بات نہیں تو بتا کیوں نہیں دیتے۔ وہ میری طرف دیکھ کر ہنس کیوں رہی تھی؟" وہ اچھی خاصی مشکوک تھی۔

"منع کر دوں گا ہنسنے سے' تاکید کر دوں گا کہ آئندہ کورنش بجا کر کمرے سے باہر نکلے"۔ وہ کرسی پر بیٹھ گیا اچھی طرح ٹانگیں پھیلا کر' اور بازو سینے پر لپیٹ لیے۔

"ہونہہ!" روشی نے دوسری سمت منہ پھیر لیا۔

وہ اس کے سراپے پر نظر ڈالنے لگا۔

"ویسے میں آپ کو بے حد منظم اور باضابطہ ہونے پر داد ضرور دوں گا"۔ وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے جسے کس شرارت کے تحت مسکرا رہا تھا۔

"شکریہ' سنبھال کر رکھو اپنی داد...... آگے کسی کام آئے گی"۔ اس کا موڈ سخت آف تھا۔

"خودکشی سے پہلے آپ نے سیاہ سوٹ کا انتخاب کر کے بڑے باذوق ہونے کا ثبوت دیا ہے"۔

"شٹ اپ!" وہ بڑبڑانے کے انداز میں بولی۔

وہ ہنس...

''موڈ کیوں آف ہوگیا؟''

''بالکل بھی اچھی نہیں ہیں تمہاری عادتیں' ہر کسی سے راز و نیاز کرنے بیٹھ جاتے ہو۔ اتنی سی دیر میں نرس سے بے تکلفی؟'' وہ چہرہ موڑ کر اسے گھورتے ہوئے بولی۔

''راز و نیاز کا مطلب جانتی ہیں آپ ؟'' اس کا قہقہہ بلند ہوگیا۔

''جاہل ہوں' ایک تم ہی عالم فاضل ہو۔ ہونہہ... اور ہاں سنو!''

دھڑام سے دروازہ کھلا ..... گلو کی قیادت میں روبی' مونا' زری اور شینو اندر داخل ہوئیں۔ اس کی بات منہ میں رہ گئی۔

''یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے' ہم لوگوں کو ذرا دیر ہوگئی۔ جیسے ہی پتہ چلا کہ تم مکمل ہوش میں ہو تو بھئی ہم سب نے فرصت میں شکرانے کے نفل پڑھے''۔

گلو اس سے لپٹنے کے ارادے سے آگے بڑھی تھیں مگر ڈرپ لگی دیکھ کر فاصلے پر رک گئیں' پھر بڑے سکون سے بڑھیں اور جھک کر اس کے رخساروں کو چوما۔

''بس بستر سے اٹھ جاؤ' پٹائی تو بہت سخت کروں گی' فی الحال تو بہت خوشی کا وقت ہے...... مار ڈالنے والے خوف سے رہائی ملی' جتنا شکر کریں کم ہے''۔

''انسان کو اتنا نادان بھی نہیں ہونا چاہیے کہ آس پاس رہنے والوں کی زندگی بھی عذاب ہو جائے''۔ شینو دوسرے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔ اپنے حساب سے انہوں نے ''نصیحت'' کی تھی۔

زری نے آنکھوں آنکھوں میں شینو کو تنبیہ کی۔

''یہ آپ سب کی سب اندر آ کیسے گئیں؟'' باری نے ان سب کو دلچسپی سے دیکھا۔

''سب کہاں ہیں؟ چار آنے ہیں یہ تو...... بارہ آنے تو گھر پر ہیں''۔ مونا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''آپ سے درخواست ہے' آپ زندگی میں کبھی ''معاشیات'' پر نظر کرم مت فرمایئے گا''۔ اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر درخواست کی۔

مونا فطری سادگی سے مسکرا دی۔ جب کہ شینو نے خاصے کٹیلے انداز میں باری کا جائزہ لیا تھا۔

''کتنا تنگ کیا تم نے''۔ گلو اس کے نزدیک بیٹھ کر بہت پیار سے اسے دیکھنے لگیں۔

''وجہ بتائی اس نے تمہیں؟'' انہوں نے باری سے استفسار کیا۔

''میں ان کا ہمراز نہیں ہوں''۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''تو بننے میں کیا حرج ہے''۔ شینو بے چاری عادت سے مجبور تھیں۔

باری نے قدرے چونک کر شینو کی سمت دیکھا۔ ''کیا'' اسے'' بھی مذاق میں ملوث کیا جا سکتا ہے؟ مگر یہ ہونا چاہیے۔ اندر سے بہت زیادہ احتیاط کا تقاضا ابھرا۔

''میں باہر گاڑی میں ہوں' آپ لوگ ''نرس'' کی درخواست کے بغیر ہی کمرے سے باہر آنے کی کوشش کیجئے گا''۔

''باری!'' شینو نے آواز دی۔

''گاڑی میں ''واک مین'' رکھا ہوا ہے' پچھلی سیٹ پر' تمہارا ہے؟''۔

''جی!'' اسے اپنی غائب دماغی پر تاسف ہوا۔

''گاڑی میں تو کیسٹ پلیئر ہے' اسے کیوں اٹھائے پھر رہے ہو؟'' وہ عجیب سی ہلکی ہنسیں۔

''وہ میرا نہیں ہے' روشی بی بی کا ہے' بھول گیا تھا گاڑی میں۔ دریا بستی سے چلتے ہوئے لے لیا تھا کہ ہاسپٹل میں انسان بہت زیادہ تنہائی محسوس کرتا ہے''۔

''اوہ!'' وہ اس طرح ہو گئیں جیسے ان کا کوئی خاص مطلب نہیں تھا ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔

روشی کے کان کھڑے ہو گئے تھے واک مین کے ذکر پر۔ وہ بہت حیرانی سے باری کی سمت دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

....

''اب لڑکی کے جتنی جلدی ہو سکے ہاتھ پیلے کر دینے چاہئیں''۔ بچے سو گئے تو اس نے احتیاطاً موضوع چھیڑا۔

''میری تو تمنا ہے' کل کی ہوتی آج ہو جائے اس کی شادی پر کوئی ڈھنگ کا بر تو آئے''۔ اس کی بیوی نے اپنے پہلو میں سوئے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''یہ جو آج سیروں مٹھائی لے کر آئے تھے۔ رشتہ لائے ہیں کسی کا؟'' اس کے ذہن میں مغرب کے وقت سے سوال کلبلا رہا تھا۔ وہ سمجھ تو گئی تھی کہ خاوند نے یہ موضوع کیوں چھیڑا ہے۔

''دیکھا تو تھا تو نے وہ جو لال کپڑوں میں تھا''۔ غلام محمد نے ذرا ہمت کی۔

''اپنے لڑکے کا رشتہ لایا تھا۔ کیا کرتا ہے اس کا لڑکا؟ خود تو اس عمر میں بھی بڑا بانکا بنا پھرتا ہے''۔ بڑی تیز نظر تھی اس کی گھر والی کی۔

''اس کا کوئی لڑکا وڑکا نہیں ہے''۔

''بھائی ہوگا؟'' اس کی بیوی نے بات کاٹ دی۔

''وہ خود کنوارا ہے''۔ اس نے دبے دبے لہجے میں بتایا۔

''تو اس میں ہمارا کیا قصور؟'' وہ تنک کر بولی۔

''پیسے والا بہت ہے......''۔ اس کی آواز ہنوز کمزور تھی۔

''اپنا رشتہ لایا تھا؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

وہ خاموش رہا۔

''شرم تو نہیں آئی تمہیں۔ ایسی کیا عمر گزرتی جا رہی ہے اس کی؟ ذرا ہوش کے ناخن لو۔ کہاں میری پھول سی بچی اور کہاں وہ ڈیو......'' اس کی آواز تیز ہوگئی۔

''آہستہ بول' بچے سو رہے ہیں''۔ توقع کے عین مطابق نتیجہ تھا' اس لئے وہ پرسکون تھا۔

''اس کی ہمت کیسے ہوئی یہ بات کرنے کی' کیا غریب کی کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔ کہہ دینا اس سے کہ آئندہ... کرے' خون پی جاؤں گی اس کا''۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی دوبارہ لیٹ گئی۔

''صحت مند ہے' پیسے والا ہے' جوڑ کا ڈھونڈے گی تو کوئی غریب اور مقروض ہی ملے گا۔ ساری زندگی تو پیٹ... رہی ہے۔ چاہتی ہے' بیٹی بھی اسی عذاب میں زندگی گزارے؟ تیرے طعنے میری طاقت چاٹ گئے۔ بیٹی کسی اور کو... مارا کرے گی۔ آج میں تیرے ہاتھ پر پیسے رکھتا ہوں تو بھی محلے میں چوکڑیاں بھرنے لگتی ہے۔ تو مجھ سے سیدھے... نہیں کرتی تھی' دن رات پیسے کا روتا تھا۔ بولتی ہے' پیسے سے کیا ہوتا ہے ہونہہ!''

اسے جانے کیا کیا یاد آ گیا' زخم ہرے ہونے لگے۔

''عورت پیسے سے خوش ہوتی ہے' جس سے اس کے ارمان پورے ہوتے ہیں۔ بھوک سے بڑا عذاب نہیں... ہے تو بیٹی کی' مہاراجے آئینگے اسے بیاہنے تیرے دروازے پر۔ دودھ پیتے بچے تو نے قبر میں سلائے ہیں۔ دوائیوں... نہیں تھے ہمارے پاس؟''

''اچھارات کے وقت شور نہیں کرو' اور نہیں تو کچھ تو یہی سوچو' دنیا کیا کہے گی؟ کیسی تھو تھو ہو گی''۔ اس نے... کہہ کر آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

''نام نہ لے میرے سامنے دنیا کا' بھوکے ہوتے ہیں تو کوئی پوچھنے نہیں آتا' کہ روٹی کھائی ہے یا نہیں۔ بچے... نے یہ نہیں پوچھا کے کفن کے پیسے ہیں یا نہیں''۔ وہ ایک دم مشتعل ہو گیا۔

''رہنا تو اسی دنیا کے ساتھ ہے' کہاں جائینگے؟ اچھا اب سو جاؤ' دماغ نہیں چاٹو میرا''۔ اس نے خاوند کی طرف... لی۔

(ایک دفعہ میں تو نہیں سنے گی۔ آخر بات ہی ایسی ہے' خیر کل دیکھیں گے) اس نے سونے کے خیال سے آنکھیں... لیں۔

''جب ہی کھٹک گئی تھی میں' اتنی مٹھائیاں دیکھ کر۔ آدمی دوست بھی جوڑ کا بناتا ہے' خوامخواہ ہی تو یاری بھی نہیں... کی نیت میں کھوٹ ہے۔ خرید رہا ہے ہمیں''۔ عورت کے اندر آگ سی بھڑک گئی تھی۔ وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

....

اے میرے دل کے داغ تو ہی بتا
تو کہاں تھا؟ بہار سے پہلے

ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ وہ دونوں ایک گھنے درخت کے سائے میں بیٹھے تھے۔ غلام محمد بہت دیر سے... اسے خوف تھا' جیسے ہی وہ گھر والی کا ردعمل بتا کر اس سے معذرت کرے گا وہاں سے کھانسی' مشورے اور شعر برسنے... جائینگے۔ ایک شعر تو ہو بھی چکا تھا' جس سے خوفزدہ ہو کر وہ مزید محتاط ہو رہا تھا۔

عارف ایک عجیب سرمستی کی کیفیت میں تھا۔ یوں لگتا تھا' جیسے وہ خود ادھر ادھر توجہ کرنا نہیں چاہتا تھا''۔

کافی دیر خاموشی دونوں کے مابین حائل رہی۔ ہاسپٹل کی مخصوص چہل پہل اور معمولات کے باوجود ''لگتا ہے' کچھ یاد کر رہے ہو!'' غلام محمد کو خاموشی ٹوٹتی دکھائی نہ دی تو ناچار بول پڑا۔

''ہیں''۔ عارف واقعتاً چونک پڑا۔ پھر قدرے جھینپ کر مسکرا دیا۔

اعجاز بے خودی ہے کہ یہ حسن بندگی
اک بت کی جستجو میں خدا سے گزر گیا

اسے یقین تھا شعر تو ہو گا' لہٰذا صبر سے بیٹھا رہا۔

''رات گھر والوں سے بات ہوئی تھی''۔ اس نے قدرے ہچکچاتے ہوئے عارف کی طرف دیکھا۔

''خوب بینڈ باجے بجے ہونگے ''ہاتھ چھٹ'' تو نہیں ہے ہماری بھاوج؟''

''وہ بڑے مزے لے رہا تھا۔

''ایسے زن مرید بھی نہیں ہیں اب''۔ وہ قدرے ناراض ہوا۔

''ارے واہ...... بڑا بہادر ہے......لگائیں گے نعرہ شجاعت...... مگر ذرا کارکردگی کا حال تو سناؤ''۔ عارف نے پیٹ سے قمیض ہٹا کر بڑے رسان سے ہاتھ پھیرا۔ پیٹ بھی بے چارا ناتوانی کے جھگڑوں سے کھائی میں جا پڑا تھا۔

''نہیں مان رہی' پٹھے پہ ہاتھ دھرنے نہیں دیا''۔ وہ گھاس نوچنے لگا۔

''پٹھے پہ ہاتھ پھر کسی وقت دھر لیتا' ٹائم سے کام کرتے ہیں''۔ وہ ہنسنے لگا۔

''لاحول ولا قوۃ!'' غلام محمد نے جوانی میں ایسے مذاق نہیں سہے تھے۔ منہ بنا لیا۔

''کیا کہا ہے وہ اقبال نے کہ

جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

لگے رہو......ایک دن خود پیش کر دے گی ہماری چنگیز خانم بھابی''۔ اس نے ہنسنے کی کوشش کی۔

''اللہ کے واسطے ہنسنا نہیں''۔ غلام محمد نے گھبرا کر ہاتھ جوڑ دیئے۔

''ارے تم تو ہمیں ہنسنے دو۔ اب ہماری ہنسی۔ دراصل ہنسی نہیں ہوتی' مگر تم کیا سمجھو گے؟

آج پھر جام تہی اور گھٹا اٹھی ہے
آج پھر رحمت یزداں پہ ہنسی آئی ہے

''بھئی تم یہ جام وام اور شراب وراب کا ذکر نہ کیا کرو۔ مجھے تو سننا بھی گناہ لگتا ہے نری ناپاک شے......اور پھر اس سے حاصل کیا ہوتا ہے؟'' غلام محمد نے سادگی سے غیرت دینی کا مظاہرہ کیا۔

''جنت میں جانا چاہتے ہو؟'' وہ مسکرایا۔

''اللہ ہر مسلمان کو جنت نصیب کرے''۔ غلام محمد کا موڈ آف ہو گیا تھا۔

حوروں کی طلب اور مے ساغر سے ہے نفرت
زاہد! تیرے عرفان سے کچھ بھول ہوئی ہے

''بھئی جو چیز اللہ اپنی مرضی سے دے' اس میں کیا برائی ہے''۔ پہلی مرتبہ غلام محمد نے اس کے کسی شعر سے کچھ لفظ پکڑا تھا۔ باقی سر سے گزر گیا تھا۔

''اچھا چلو جانے دو' ناراض نہیں ہوتے''۔ وہ صلح کن انداز میں بولا۔

''یہ تم اتنے سارے شعر یاد کیسے کر لیتے ہو؟'' آج اس نے پوچھ ہی لیا۔

''مجھے گالیاں بھی یاد ہیں سناؤں؟'' وہاں سے پھر بے سروپا جواب آیا۔

غلام محمد نے جیسے سر پیٹ لیا۔

''اچھا! اب ذرا لائن پر آؤ' دیکھو گھر والی کو پہلے نرمی سے رام کرو۔ نہیں مانے تو گھر سے نکالنے کی دھمکی دو' اس عمر میں کہاں جائیگی' راضی ہو جائیگی اور جب اپنی بیٹی کے ٹھاٹ باٹ دیکھے گی تو سب بھول جائیگی اور پہلے سے زیادہ تمہاری خدمت کریگی۔ اپنی بے وقوفی کا اعتراف کرے گی' تمہاری ٹانگیں دبائے گی''۔

''اور جو اتنے دن چخ چخ کرے گی؟'' اس نے خاصی دور اندیشی کا مظاہرہ کیا۔

''چار دن کی تکلیف سے اگر لمبا آرام مل رہا ہو تو پھر گھاٹا کیا ہے؟'' عارف نے پھر دلیل دی۔

'ویسے کبھی ''تڑی'' لگائی ہے؟'' اس نے سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر جیبیں ٹٹول کر ماچس تلاش کی۔

''ارے جب روٹی کا شور مچتا تھا' روز ہی کل کل ہوتی تھی۔ کبھی وہ جانے کی ''تڑی'' لگاتی تھی۔ کبھی میں طلاق کی ''تڑی'' دیتا تھا''۔ غلام محمد ازلی سادگی سے بتا رہا تھا۔

''پھر تو تمہیں ''پریکٹس'' ہے تڑی لگانے کی۔ شاباش! اب پھر ''چالو'' ہو جاؤ۔ انشا اللہ تمہاری بیٹی دعائیں دے گی۔
ارے لال خان مزاج کا بھی اچھا ہے۔ گرمی نہیں ہے اس کے دماغ میں زیادہ اور پھر کھلے دل کا ہے۔ بار بندوں کو بولا کر گیا تو ''ہر مال دو روپے'' والے ٹھپے نہیں لے جائے گا۔ سیدھا سنار تک پہنچے گا''۔

عارف نے کن اکھیوں سے غلام محمد کی طرف دیکھ کر بظاہر شاہانہ انداز میں کہا''۔ بھائی کسی کو تو سکھ ملے اور جبکہ خود خوشی دروازے پر کھڑی پوچھ رہی ہے اندر آ جاؤں..... بولو؟''

عارف نے سگریٹ سلگا کر غور سے ماچس کی تیلی کو گھورتے ہوئے مزید زور لگایا۔

''ہاں خیر' یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو' خیر تم بتاؤ تمہاری ماں تو ٹھیک ہے؟'' اس نے عارف کی ماں کی خیریت دریافت کی۔

''مائیں'' کہاں ٹھیک ہوتی ہیں۔ ہزار وہموں کی ستائی ہوئی۔ اندر ہو تو سو وہم' باہر نکلو تو ہزار پریشانی۔ یہ دبلا ہو رہا ہے'' موٹا ہو رہا ہے۔ یہ موٹر سائیکل پر جا رہا ہے' پتا نہیں کیسے چلائے گا۔ یہ کار میں جا رہا ہے' کچھ ہو نہ جائے۔ پیدل جا رہا ہے تو سڑک دیکھ بھال کر پار کرنا''۔ وہ بہت آرام سے دھواں چھوڑتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

''تم نے بھی تو زیادتی کی۔ ٹھیک ٹھاک چلتے' اس بے چاری کو ایک بہلا دیتے' غریب بہل جاتی''۔ غلام محمد کو اس کی

ماں کی تنہائی پر ترس آیا۔

ابھی تک بے کفن سی ہے مری وحشت کی عریانی
یہ کس امید پر گھر کو بیاباں کر لیا میں نے

آہ.....ہا.....''بہو.....'' کتنا مزے دار لطیفہ ہے۔ ہنسنے کی طاقت ہو تو ایک گھنٹہ ہنسوں''۔ اس کی آنکھوں کے گوشے نم تھے مگر لب مسکرا رہے تھے۔

....

وہ فجر کے وقت اٹھنے کا عادی تھا۔ معمول کے مطابق آنکھ کھل گئی تھی۔ نہا دھو کر نماز پڑھی' پھر کلو کو چائے کا کہہ کر لان میں آ گیا۔ فوارے کے قریب بنی مور کے ڈیزائن کی سنگ مرمر کی بینچ پر بیٹھ گیا اور پانی کی اچھل کود پر نظریں جما دیں۔

''اچھا ہوا تم ادھر ہی مل گئے''۔ وہ بابا صاحب کی آواز پر جانے کس خیال سے چونک پڑا۔

''السلام علیکم خان!'' وہ کھڑا ہو گیا۔

''.....والسلام! بیٹھو۔ رات سے ہم ایک بات پر غور کر رہے ہیں۔'' وہ اس کے برابر ہی بیٹھ گئے۔

''جی.....فرمائیے''۔

''یہ جو کراچی کی چمڑا فیکٹری میں ہمارا منیجر ہے علیم الدین' تمہیں تو پتا ہوگا' یہ اپنے ہی گاؤں کا ہے''۔

''جی.....جی.....''۔ وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

''سید ہیں یہ لوگ' وقت بگڑ گیا تھا بے چاروں کا۔ پاکستان بننے سے پہلے کی واقفیت ہے ہماری ان کے خاندان سے''۔

''جی''۔ وہ مزید سنبھل گیا۔ اسے بہت ہی خاص بات کی ''بو'' آ رہی تھی۔

''اس کا ایک ہی بیٹا ہے۔ روشی سے سال چھ مہینے چھوٹا ہوگا''۔

''اوہ!'' باری کی سمجھ میں بات آ گئی۔ اس نے دکھ کی آنچ سے سلگتا ایک گہرا سانس لیا۔

''بارہ جماعت پڑھا ہوا ہے۔ باپ نے الگ کاروبار کر دیا تھا۔ غلط صحبت میں پڑنے لگا تھا کالج میں' باپ نے دور اندیشی سے کام لیا اور کالج سے اٹھا کر کاروبار میں کھپا دیا پچاس ہزار قرض لیا تھا ہم سے چالیس ہزار واپس کر چکا ہے۔ ہم سمجھتے تھا۔ یہ ایک اچھا فیصلہ ہے۔ اکیلا لڑکا اور ماں باپ۔ ہمیں بھی سکون ملے گا اور اسے بھی۔ سال چھ مہینے چھوٹا ہے تو کیا ہوا۔ ابھی دس مہینے ہی ہوئے ہیں اسے کاروبار سنبھالے۔ ماشاء اللہ بہت اچھا جا رہا ہے۔ ایسا کرو' آج علیم الدین کو شام کی چائے یا رات کے کھانے پر بلا لو۔ فون کر دینا اور کہہ دینا ہو سکے تو بیٹے کو بھی ساتھ لائے۔ ٹھیک ہے؟''

''جیسے آپ حکم کریں''۔

''یا اور بھی دس پندرہ دن بعد کراچی کا چکر لگائینگے۔ وہ بھی دیکھ لیں گے۔ ویسے تو ہمیں امید ہے' وہ ہمیشہ کی طرح ہمارے فیصلے سے اتفاق کریں گے۔ اس کے ایک ہفتے بعد ہم روشی کی بارات کر دیں گے' کیوں؟''

وہ اپنی چھڑی پر دونوں ہاتھ جما کر سامنے دیکھنے لگے۔

''جو آپ بہتر سمجھیں''۔ وہ اس طرف دیکھ رہا تھا جہاں سے کلو چائے لئے آ رہی تھی۔

''اچھا ہم ذرا اپنے کمرے میں جا رہے ہیں' ایک ضروری فون کرنا ہے ''سرائے'' اتنی جلدی میں آنا پڑا کہ وہاں کا پروگرام تلپٹ ہو کر رہ گیا''۔

''چائے پی لیں خان''۔

''تم پیو' ہم پی چکے ہیں''۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

کلو نے اسے چائے کا کپ تھمایا اور اگلے حکم کے انتظار میں کھڑی ہو گئی۔

''تم جاؤ' اپنا کام کرو''۔ اس نے جیسے کسی خیال سے چونک کر اسے کہا تھا۔ وہ چلی گئی۔

اسے محسوس ہوا تھوڑی دیر پہلے لان بہت حسین تھا۔ پھول مسکرا بھی رہے تھے اور باتیں بھی کر رہے تھے۔ اب یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے کسی گھر میں اچانک بری خبر آ گئی ہو۔ اور سب کے چہرے اتر گئے ہوں۔ دیواریں آئینہ دار حیرانی سے مکینوں کو تک رہی ہوں۔

اس نے چائے کے گھونٹ بھرنا شروع کر دیئے جو بے حد بے مزہ محسوس ہو رہی تھی۔

....

بڑی امی یعنی عالم تاب اور ان کی نند جہاں آرا اسے جیپ تک خدا حافظ کہنے آئی تھیں۔

جواد اسے رہائشی کمرے میں دو چار باتیں کر کے خدا حافظ کہہ چکا تھا۔

وہ فرنٹ سیٹ پر یاور علی خان کے برابر میں بیٹھ گئی اور کھٹاک سے جیپ کا دروازہ بند کر لیا۔

ابھی تک وہ یاور علی خان کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی۔

''دیہاتوں میں صبح جتنی حسین ہوتی ہے' شہروں میں تو پتا ہی نہیں چلتا اس کے حسن کا' آپ کبھی اس سے پہلے ہری پور گئی ہیں؟'' وہ کچے راستے پر جیپ بہت احتیاط سے چلاتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''..........ذرا وہاں گریزی اور بیک گراؤنڈ میں پہاڑوں کا منظر دیکھئے گا کبھی بھول نہیں سکیں گی''۔

''مری سے بھی زیادہ حسین ہے؟'' اس نے ان کی طرف چہرہ موڑ کر دیکھا۔

لائٹ براؤن کوٹ پینٹ اور سرخ براؤن میچنگ ٹائی میں وہ بہت تر و تازہ محسوس ہوئے۔

''مری کا حسن الگ انفرادیت رکھتا ہے۔ ہری پور اپنی جگہ منفرد ہے۔ وہاں قدرتی حسن کے علاوہ سکون بہت ہے۔ زیادہ ہنگامہ سا نہیں ہے۔ پھر یہ کہ لوگ بھی از حد سادہ ہیں''۔

پکی سڑک شروع ہو گئی تھی۔ انہوں نے رفتار بڑھا دی تھی۔ سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ سڑک کے دونوں اطراف لگے ہوئے گھنے درخت ایک عجیب سی تازگی اور ٹھنڈک کا احساس بخش رہے تھے۔

''کتنے عرصے سے ہے آپ کی پوسٹنگ ہری پور میں؟''

''زیادہ دن نہیں ہوئے''۔

''پہلے کہاں تھے؟''

''کوہاٹ''۔

''وہ بھی تو سنا ہے' بہت خوبصورت ہے؟''

''گھمائیں گے وہاں بھی آپ کو' اور جہاں کہیں گی''۔

''ارے اتنے مہربان ہیں آپ؟ آپ کا چہرہ تو یہ نہیں بتاتا''۔ وہ ہنس دی۔

''چہرے بلکہ چہروں پر نہ جایئے' یہ بعض اوقات بہت جھوٹ بولتے ہیں''۔ انہوں نے گیئر بدلتے ہوئے اس پر سرسری نظر ڈالی۔

سرخ سوتی مگر خوبصورت لباس میں وہ ماحول کو خوش نظر بنانے میں اہم کردار ادا کر رہی تھی۔

''کیسے ہوتے ہیں جھوٹے چہرے؟'' اس نے مسکراتے ہوئے پیشانی سے بال ہٹائے۔

''یہ تو سمجھانا مشکل ہے۔ یہ تو بس انکشاف ہوتا ہے۔ پہلے سے پیشگوئی نہیں کی جا سکتی۔

''کبھی ہوا ہے انکشاف؟'' وہ ان کا خوبصورت و پُر وقار چہرہ غور سے دیکھنے لگی۔

''میں پیش گوئی کر سکتا ہوں' آپ اچھی وکیل بنیں گی''۔ وہ مبہم سا مسکرائے۔

''یہ میرے سوال کا جواب ہے؟''

''اچھا یہ بتایئے آپ کو پہلے ریسٹ ہاؤس چھوڑا جائے یا آپ میرے آفس چلیں گی پہلے۔ ذرا آفس کا جائزہ لے کر اطمینان سے آگے بڑھیں گے۔ اس طرح اگلا پروگرام بنانا بہت آسان ہوگا' کیوں؟''

وہ سامنے سے آتے ہوئے بکریوں کے ریوڑ کو بغور دیکھ رہی تھی' جیسے چونک سی گئی۔

''آپ ظاہر ہے جو سوچیں گے میں اس میں ساتھ دوں گی' اس لئے کہ مجھے کچھ پتا ہی نہیں اور ہاں میرا سوال آپ کے پاس امانت ہے۔ میں اتنی سادہ لوح نہیں ہوں کہ آپ اپنی مرضی سے جب چاہیں ادھر ادھر میرا ذہن کر دیں اور مجھے پتا نہ چلے''۔ وہ ہنس پڑی۔

''ذہین عورت بھی جیسے بعض اوقات سزا ہو جاتی ہے''۔ وہ پہلی مرتبہ اس انداز میں اس کی طرف دیکھ کر بولے کہ ان کی آنکھوں میں سرخی کے ساتھ چمک اور مسکراہٹ بھی تھی۔

''بجو بھی تو بہت ذہین ہوں گی۔ کاش انہوں نے بھی آپ کی ڈپٹی کمشنری کے مزے چکھے ہوئے۔ جاگیرداری میں وہ مزا کہاں جو ''اسٹیبلشمنٹ'' کا ذرا سا پرزہ بننے میں ہے۔ پاکستان میں تو پیدا ہونے والے بچے کو اگر سب سے اچھی دعا دی جا سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ اللہ کرے ''بیوروکریٹ'' بنے' دودھوں نہائے پوتوں پھلے''۔ وہ پاؤں پھیلا کر ذرا آرام دہ انداز میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

''یاور علی خان کھل کر مسکرا دیئے''۔ ویری نائس آف یو' مائی گڈنیس''۔

نپی تلی برملا تعریف پر ایک معصوم سی شرمگیں مسکراہٹ ماہین کے ہونٹوں پر کھیلنے لگی۔

محبت عادت ہو سکتی ہے۔

مگر عشق سراسر مجبوری ہے۔

زندگی یونہی دریا سی بہہ رہی ہوتی ہے

انسانوں کا اژدھام بھی وہی ہوتا ہے ہمیشہ سا

لیکن"۔

ایک طلسمی نظر نو منکشف سیارے کی طرح آشکار ہوتی ہے۔

کہکشاؤں کا ایک نیا جہاں دریافت ہوتا ہے۔

انسان ایک جست میں اڑ کر اس نئے جہاں میں پہنچتا ہے۔

اس جہاں کی تہذیب۔

یہاں کے رکھ رکھاؤ۔

یہاں کے شام وسحر۔

یکسر مختلف ہوتے ہیں۔

اس جہان میں ہم آہنگ ہونے کیلئے یہاں کا مخصوص لباس پہننا ہوتا ہے۔

جس کے تاروں میں سرمستی ہو۔

بے خبری ہو۔

جس کے ٹھنڈے ریشم سے طلب کی آنچ آتی ہو۔

اس جہاں میں نیند و بیداری کے مفہوم بھی الگ ہوتے ہیں۔

مطلوب ومحبوب ومقصود کے زانو و بازو میسر ہوں تو میٹھی نیند کے جھونکے آتے ہیں۔ وہ نظر سے اوجھل ہو تو۔

حریر وریشم سے آراستہ خوابگاہ میں الاؤ بھڑ کتے ہیں۔

نہ نیند اپنی نہ بیداری۔

نہ خوشی نہ غم۔

نہ زہر نہ امرت۔

کوئی شے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔

اس ایک نگاہ کے معنی کے ساتھ زندگی سفر کرتی ہے۔

وہ نگاہ"۔

جس کی تائید وتردید کے ساتھ ذات وابستہ ہو جاتی ہے۔

بس وہ نگاہ۔

کہ اسی نگاہ کا اثر ہر شے پر غالب آجاتا ہے۔

چاند کا حسن محسوس ہوتا ہے تو اس نگاہ کے احساس کے ساتھ۔

سبزہ زاروں کی ٹھنڈک کا ادراک ہے تو اس کی مسکراہٹ کے ساتھ۔

بہتے دریاؤں کی روانی ہے تو گویا اس نظر کی معنی خیزی کا استعارہ۔

اس نظر کی معنی خیز گفتگو کا تسلسل۔

عشق کیا ہے......؟

آداب غلامی کی تفصیل"۔

پہننا"۔

اوڑھنا"۔

ہنسنا مسکرانا"۔

سونا جاگنا"۔

سب اس ستمگر کے اختیار میں چلا جاتا ہے۔

عشق کیا ہے؟

جاں کو سوختہ بنا دینے والا بڑا سا بھاڑ۔

زندگی بن کر دوڑنے والے لہو سے روشن رہنے والا الاؤ۔

تنکا تنکا سمیٹتی ہوئی زندگی آن کی آن میں اس بھاڑ میں جا پڑتی ہے۔

اور پھر کوئلہ بنے تو قصہ ختم ہو۔

راکھ بنے تو جان چھوٹے۔

پر نہ کوئلہ نہ راکھ۔

نہ سلگتی ہے نہ بجھتی ہے۔

عشق کیا ہے؟

اپنی ذات سے دستبرداری کا اعلان۔

اپنی انا کی رخصتی کا سامان۔

اپنی گمشدگی کا اعتراف۔

اپنی ذات کے لاپتا ہونے کا اشتہار۔

اپنے وجود سے لاتعلقی کا بیان۔

عشق کیا ہے؟

اس ایک نظر کا اثر......

وہ نظر جو ہست و نیست کے معنی سے بہت آگے اڑان بھرتی ہے۔

یہی نظر جس میں بربادی کے سامان چھپے ہوتے ہیں۔

پھیل کر کائنات بن جاتی ہے۔

اور ساری زندگی گویا اس کائنات میں مقید ہو جاتی ہے۔

ہر آن ہر لمحے۔

اس نظر کی توجہ محسوس ہوتی رہتی ہے۔

دل مضطر کی گوشہ نشینی تو بظاہر ہوتی ہے۔

وگرنہ......!

جہاں گوشہ ہوتا ہے' وہیں کائنات ہوتی ہے۔

اس نے تازہ اخبار رول کر کے سینے سے لگا لیا۔ ہاسپٹل سے آئے اسے دوسرا دن تھا۔

اس کی دردمندانہ اپیل پر کوئی اس کی تنہائی میں مخل نہیں ہو رہا تھا۔ البتہ کلو گاہے بگاہے اسے دیکھنے یا سوپ وغیرہ دینے آتی جاتی تھیں۔

اور جس کے سنگ بار لہجے نے اس کی دنیا تلپٹ کر رکھی تھی اس کی جھلک بھی دیکھنے کو نہیں مل رہی تھی۔

وہ پوری طاقت مجتمع کر کے بستر سے اٹھی اور کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔ پردہ ہٹا کر باہر جھانکنے لگی۔ وہ سامنے ہی کھڑا آ گیا۔ اختر (ڈرائیور) سے باتیں کر رہا تھا۔ اختر بھی ہنس رہا تھا اور وہ بھی۔

روشی کے سینے سے ہوک سی اٹھی۔

کتنا مشکل اور کتنا آسان ہے ہنسنا' جیسے اس وقت دنیا کا دلچسپ ترین لطیفہ بھی اسے نہیں ہنسا سکتا تھا۔ دو موتی ان گئی۔ رخساروں پر لڑھک آئے۔ میں تو شاید اب عمر بھر نہ ہنس پاؤں گی۔ مجھ پر آخر یہ انکشاف کیوں ہوا کہ میری خوشیاں اور ہنسی تمہاری ذات کی مرہون منت ہے۔

''بی بی! چائے پئیں گی آپ؟'' کلو کی آواز اینٹ پتھر کی طرح اس کے دماغ پر لگی۔

''ہاں''۔ اسٹرانگ سی ہونا چاہیے۔

''اور ہاں سنو''۔ اس نے جاتی کلو کو پکارا۔ وہ ٹھہر گئی۔

''باری کو بھیجنا میرے پاس''۔ وہ دوبارہ سامنے دیکھنے لگی۔ اختر گاڑی گیٹ کی طرف لے جا رہا تھا۔ باری ریسٹ پر نظر ڈال کر اس طرف ہی بڑھ رہا تھا۔ اس کا دل بے قابو ہونے لگا''۔ یہ جا رہا ہے' جانے کب واپس آئے گا؟ اور یہ کیا پتا مر گئی۔ جب پہنچے گی تو اس وقت تک تو نکل بھی چکا ہوگا''۔ اس کے دل و دماغ کی دنیا زیر و زبر ہونے لگی۔

اگر چند لمحوں کے اندر اس سے بات نہ ہوئی تو میرا دماغ پھٹ جائیگا' یا دل رک جائیگا۔ اس کا جی چاہا کھڑکی سے کود کر اسے کھینچ لائے۔

وہ رک گئی۔ اس نے دیکھا کلو سرپٹ دوڑتی ہوئی باری کی طرف جا رہی ہے۔ ساتھ خان' خان کی آواز بھی لگا رہی ہے۔ گیا تھا۔ کلو غالباً اس کا پیغام دے رہی تھی۔

روشی کے سینے سے دیر سے رکا سانس خارج ہوا۔ اعصاب پرسکون ہوئے۔ وہ کھڑکی سے ہٹ کر دوبارہ بستر پر لیٹ گئی۔

دو منٹ کے وقفے کے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

''آ جاؤ''۔ اس نے سکون سے آنکھیں موندلیں۔

''یس میم! کیسے یاد فرمایا؟'' اس کی شریر آواز بہت قریب سے آئی۔

''تمہارے ہاں بیمار کی عیادت کا رواج نہیں''۔ وہ جیسے بہت سلگ رہی تھی۔

''ہمارے ہاں! بڑی عجیب سی بات کی ہے آپ نے' جو ہمارا ہے' وہ ہی آپ کا ہے' ہمارے تمہارے کی پابندی سے قدرت نے ہمیں آزاد کیا ہوا ہے' حکم کیجئے''۔

وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر سر کو خم دے کر کہہ رہا تھا۔

''اتنی تابعداری مت دکھایا کرو' ڈرامہ لگتا ہے''۔ وہ پھنکاری۔

''آپ کو میری تابعداری پر شک ہے کیا؟'' وہ ہنوز کھڑا ہوا تھا۔

''اچھا بیٹھ جاؤ' کیوں پوز کرتے ہو کہ سارا کام تمہارے بغیر رکا ہوا ہے''۔

''لیجئے بیٹھ گیا' ارشاد''۔ وہ ایک کرسی کھینچ کر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''ارشاد ورشاد کچھ نہیں' تم اتنے بے حس ہو' اندازہ نہیں تھا۔ ایک دفعہ بھی آ کر میرا حال نہیں پوچھا''۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

اس نے جلدی سے باری کی طرف سے پشت کر لی اور باری حیران و پریشان اسے دیکھتا رہ گیا۔

''باقی سب لوگ تو آپ کے ارد گرد طواف کر رہے ہیں۔ میں تو یہ سوچ کر آپ کے پاس نہیں آیا کہ کہیں آپ کو ناگوار نہ گزرے۔ آپ کو ٹینشن نہ ہو۔ میں تو احتیاط برت رہا تھا''۔

''بھاڑ میں جائے تمہاری احتیاط' تمہیں نہیں پتا میں تمہاری کتنی ''عادی'' ہوں''۔ اس کے منہ سے برجستہ نکل گیا تھا۔ لہجے میں آنسوؤں کا نمک گھلا ہوا تھا۔

''آئی ایم سوری روشی بی بی! اچھا چلیں جلدی ٹھیک ہو جایئے۔ اب میں آپ کے کمرے کے اتنے چکر لگاؤں گا کہ آپ تنگ آ کر کہیں گی۔

Get out with in movment (ایک لمحے میں دفع ہو جاؤ)۔ وہ مسکرا رہا تھا مگر آنکھوں میں سخت الجھن

کارنگ تھا۔

''طنز کر رہے ہو'تم بھی نہیں بخشو گے؟'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''باری سٹپٹا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

''کیا ہوا ہے؟(شاید بابا صاحب اپنا فیصلہ اسے سنا چکے ہیں) پلیز! دیکھیں روئیں نہیں۔کیا بابا صاحب

؟''اس نے کوئی بات منہ سے نکالنے سے پیشتر اپنی تسلی کرنا چاہی۔

''مجھے ان کے کہنے کی پرواہ نہیں' جو ان کے جی میں آتا ہے وہ کریں' جو میرے دل میں آئے گا میں

غرائی۔

''اب کیا کریں گی؟'' اسے بخار چڑھنے لگا۔

''میں اوپر بنی ہوئی پانی کی ٹنکی سے چھلانگ لگا دوں گی' اگر مر نہ سکی تو معذور ہو جاؤں گی' پھر بابا صاحب

حصے میں ڈال دیں گے۔پھر تم بھی کھانے کا پوچھنے کے بہانے میرا تماشا دیکھنے آیا کرو گے''۔ وہ اسی طرح پڑ

تھی۔

''یہ سارے قصے میں ''میں غریب'' کیوں بار بار بیچ میں آ جاتا ہوں''۔وہ بے بسی سے بولا۔

''یہ سب ''تم غریب'' ہی کا تو کیا دھرا ہے''۔ وہ ہتھیلی سے آنسو پونچھنے لگی۔

''اس طرح ظلم نہ کیجئے۔میں تو محض پرزہ ہوں۔بابا صاحب نے حکم دیا کہ علیم الدین اور ان کے بیٹے کو

میں نے دیدیا اور ظاہر ہے کہ میں کر بھی کیا سکتا ہوں۔آپ دل برا نہ کیجئے۔اچھے لوگ ہیں۔بعض اوقات زندگی

آنا فانا آتی ہے۔وہ آگے چل کر بہت فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔تعلیم کی کمی ہے' آپ چاہیں گی تو یہ کمی بھی پوری

شکل وصورت بھی اچھی ہے۔بات کرنے کا انداز بھی برا نہیں''۔

''کس کی بات کر رہے ہو؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔باری کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔

''علیم الدین صاحب کے صاحبزادے کی اور کس کی؟'' وہ قدرے حیران نظر آیا۔

''مگر مجھے اس ''گھاس کھودنے والے'' کے ذکر سے کیا دلچسپی۔تم سے اس وقت سراسر اپنی بات کر رہی

الدین صاحب کہاں بیچ میں ٹپک پڑے''۔

''اچھا... اچھا''۔ باری بری طرح سٹپٹا گیا۔اس کے انداز نے ظاہر کر دیا تھا کہ ابھی علیم الدین والی

نہیں پہنچی۔وہ اپنی حماقت پر سر پیٹ کر رہ گیا۔

''اچھا خیر' چھوڑیں اس قصے کو' یہ بتائیے میں آپ کی کیا خدمت کروں؟ آپ اچھی طرح فروٹنگ کر

''پنجہ آزمائی'' کی ہے' انجر پنجر ڈھیلے ہو رہے ہوں گے۔رنگ تو آپ کا بالکل ہلدی ہو چکا ہے' آپ ایزی

رہیں۔جب تک آپ نہیں کہیں گی' میں یہاں سے نہیں اٹھوں گا۔

''ٹھیک ہے''۔ وہ گھبرا کر بات سنبھال رہا تھا۔

روشی دم بخود سی اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''کیا چکر ہے یہ علیم الدین اور ان کے صاحبزادے کا؟'' اس کی نظروں میں ایک کھوج ناچ رہی تھی۔

''کچھ نہیں' پرسوں وہ لوگ آئے تھے ناں' میں سمجھا آپ ان کے متعلق بات کر رہی ہیں۔خیر جانے دیں۔جب کوئی

بات ہی نہیں ہے''۔ وہ نظریں چرا رہا تھا۔

''اگر ان کے صاحبزادے کی تعلیم کم ہے تو کیا وہ مجھ سے ٹیوشن پڑھیں گے؟ میں کیوں ان کی تعلیمی کمی پوری

کروں۔ٹھیکہ لیا ہے میں نے جاہلوں کو پڑھانے کا۔؟ وہ ہمارے ملازم ہیں۔ہماری خدمت کریں گے۔ہم ان کی نہیں۔

''ٹھیک ٹھیک بتاؤ باری! یہ سارا چکر کیا ہے''۔ وہ بستر سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔

''کیوں پریشان ہو رہی ہیں' کوئی چکر نہیں ہے۔کہاں الجھ گئی ہیں آپ؟''

وہ دل ہی دل میں خود کو کوس رہا تھا۔

''اس کی شکل وصورت بھی اچھی ہے۔تم بتا رہے تھے۔مگر تم مجھے کیوں بتا رہے تھے؟ کیا میں نے اسے دیکھا ہوا نہیں؟''

ابر مشکوک نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

''بابا صاحب کے دمساز وہمراز اگل دو سب کچھ۔جس قیامت نے رکنا نہیں۔وہ پھر آج ہی کیوں نہ آ جائے''۔وہ بڑی

اور کرب سے مسکرا رہی تھی۔

''آپ دراصل سمجھی نہیں ہیں' میرا مطلب یہ تھا کہ......''۔ وہ عجیب مشکل میں گرفتار ہو چکا تھا۔

''باری! دودھ کے دانت نہیں ہیں منہ میں' اب ذرا دیکھو' کیا کرتی ہوں میں' یہ لوگ بھی کیا یاد کریں گے کہ ان کے ہاں

کوئی روشانے یاور علی خان ہوئی تھی''۔ اس نے پاؤں میں سلیپر اٹکائے۔

باری چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔''کہاں جا رہی ہیں آپ؟''

''جب جہنم ہی مقدر ہے تو ان کی مرضی کا جہنم منظور نہیں۔اپنی مرضی کے جہنم میں جاؤں گی''۔

باری نے لپک کر اس کا بازو پکڑ لیا۔''خدا کیلئے روشانے! کیوں زندگی کو کھیل بنا رہی ہیں۔آپ کم از کم میری پوری

بات تو سن لیں''۔

روشی نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا اور کھلے دروازے سے دوڑتی ہوئی نکل گئی۔باری نے ایک سیکنڈ کی تاخیر کئے بغیر اس کا

وہ سیکنڈ فلور کو جانے والے زینے پر بھاگ رہی تھی۔اس نے روشی کو اوپر پہنچنے سے پہلے ہی درمیان میں جا لیا۔

وہ اس کے مضبوط بازوؤں کی گرفت میں پھڑپھڑا کر رہ گئی۔

☆......☆......☆......☆......☆

''میں کہتی ہوں' مجھے چھوڑ دو''۔ روشی نے اس کے بازوؤں کی گرفت سے آزاد ہونے کیلئے پورا زور لگا
سے جیسے بے دم ہوگئی۔ دیہاتی اور بے فکری کے ماحول میں پلا بڑھا مضبوط وجود جیسے اس کیلئے لوہے کی دیوار بن
''ہوش کی دوا کریں کچھ کرنے سے پہلے تھوڑی دیر سوچ لینا بھی بہت سی مشکلات سے بچا لیتا ہے''۔ وہ اسے
تھامے یعنی اپنے بازوؤں میں جکڑے نیچے اتارنے لگا۔ روشی نے ایک بار پھر بھرپور مزاحمت کی۔

''چھوڑ دو مجھے نہیں تو میں تمہارا خون پی جاؤں گی''۔ وہ بری طرح بپھر کر بولی تھی۔

''چھوڑوں گا تو پئیں گی''۔ وہ اسے لئے ہوئے ایک زینہ مزید نیچے اترا۔

روشی نے اس کے بازو میں دانت گاڑ دیئے۔ ایک لمحے کو تو مارے اذیت کے وہ بلبلا کر رہ گیا مگر گرفت ڈھیلی
''فرض کرلیں' جہاد کررہا ہوں' دشمن کی گولی لگی ہے' ڈزن میٹر''۔ وہ مسکرایا اور ایک زینہ مزید نیچے اتر آیا۔
بسی سے اس کے سینے پر گھونسے مارنا شروع کردیئے۔

اس نے بہت آرام سے اس کے چھوٹے چھوٹے خوبصورت ہاتھ ایک ہاتھ میں مضبوطی سے دبوچ لئے

بازو میں اسے جکڑے رکھا۔

''آدمی ہے یا لوہا۔ چلو ذرا نیچے' گولی ماردوں گی تمہیں''۔ وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔

''شور نہیں مچائیں' اس وقت آپ نہایت قابل اعتراض حالت میں میرے قابو میں ہیں۔ اسکینڈل بن جائے گا''۔ وہ
آہستہ آہستہ اسے لئے فرسٹ فلور پر آ گیا۔ اسے تنگ کرنے کے انداز میں مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تو بن جائے' مائی فٹ''۔ وہ پھر چیخی۔

''مگر میرا تو ہوجائے گا ناں نقصان۔ حویلی کے پیچھے میرا کمرہ بھی آباد ہوجائے گا''۔ وہ اسے لئے ہوئے اسی کمرے کی
طرف بڑھا جہاں کچھ دیر پہلے تھے۔

''بزدل۔ پہاڑ جیسا جسم اور دل چڑیا سے بھی چھوٹا' ہونہہ''۔ اس نے حقارت سے سر جھٹکا۔

''آپ میرے منفی جذبات ابھارنے کی کتنی ہی کوشش کریں۔ کامیابی نہیں ہوگی''۔ وہ بے حد پرسکون تھا۔

''تمہاری شادی ہوناں تمہاری مرضی کیخلاف تو پتا چلے منفی و مثبت کا''۔ وہ بے بسی سے رونے کو ہوگئی۔

''اللہ کرے' مرجائے وہ لمبے بالوں والی۔ تمہارے دل میں بھی آگ لگے۔ تب پتہ چلے''۔ وہ رو رہی تھی۔

''یہ بددعا تو آپ نے سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ کبھی نہ کبھی تو دینا ہی تھی''۔ وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔

اب وہ اسے لئے کمرے میں داخل ہوگیا تھا اور کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے اپنی گرفت سے آزاد کردیا اور بڑی
پھرتی سے دروازہ بند کرکے چٹخنی چڑھادی۔

''باری! یاد رکھنا بہت بری طرح پیش آؤں گی تمہارے ساتھ''۔ وہ شکست خوردہ انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''آپ بات کو سمجھیں' خود ہی فرض کرلیا سب کچھ۔ علیم الدین اور ان کے صاحبزادے کا معاملہ دراصل یہ ہے''۔

''اچھا بس چپ ہوجاؤ۔ چمچے باباصاحب کے' اس قدر احمق سمجھا ہوا ہے مجھے۔ اب اسٹوری گھڑیں گے' موصوف۔
کب تک کروگے میری نگرانی''۔

''بہت بری بات''۔ باری نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''زندگی کو کیوں مذاق بنارہی ہیں''۔

''روز مرنے سے بہتر نہیں ہے کہ انسان ایک بار ہی چلا جائے اس دنیا سے' جن کی شکل تک دیکھنا مجھے گوارا نہیں' میں ان
کے ساتھ عمر گزاروں گی؟ ذرا دیکھنا کیسا سبق پڑھا کر جاؤں گی ان سب کو۔ ہمیشہ یاد رکھیں گے''۔ وہ پھنکاری۔

باری کی جان مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ اب اسے نہیں سمجھایا جاسکتا تھا۔

''دیکھو باری! گواہ رہو میری شادی میری مرضی کیخلاف کرنے کی کوشش کی گئی تو جنازہ اٹھے گا میرا۔ میری طرف سے
بھلے یہ پیغام باباصاحب کو پہنچادینا''۔

''خدانہ کرے''۔ باری نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر بہت دکھ اور الجھن سے اسے دیکھا۔

''آپ سمجھنے کی کوشش کریں''۔ اس نے پھر سمجھانا چاہا۔

''سمجھ لیا سب کچھ۔ میرے پیچھے اب تم سمجھتے رہنا''۔

بہت مشکل ہو گئی تھی' وہ کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گیا تھا ''ضروری تو نہیں جو کچھ ہونے جا رہا ہے' وہ ہو بھی جائے
ذرا صبر کریں''۔ وہ بہت سنجیدگی سے اسے سمجھانے لگا

''اچھا اگر صبر کے بعد بھی سب کچھ سامنا آیا تو''۔ وہ دراز سے ٹشو پیپر نکال کر ناک پونچھنے لگی۔

''دنیا میں زیادہ تر ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہمیں وہ زندگی گزارنا ہوتی ہے جو ہم گزارنا نہیں چاہتے''۔ وہ پھر نرمی سے گویا
اور پھر آپ نے تو اپنی شامت خود بلائی ہے''۔

''وہ احتجاج تھا زبردستی بے دخلی پر اور آئندہ بھی ہوگا اگر یونہی زبردستی ہوئی''۔ وہ بھڑک اٹھی۔

''جو بڑے ہیں' وہ آپ کے خیر خواہ ہیں' آپ کو یقین کیوں نہیں آتا؟''

''میرے جنازے پر پھول تم بھی ڈالو گے۔ آ جائے گا تمہیں یقین خیر خواہوں کا''۔

اس نے اپنی ناک ذرا زیادہ ہی رگڑ ڈالی تھی جو ایک دم سرخ ہو گئی تھی۔

''اب یہ بات بات پر ''جنازہ'' نکل رہا ہے''۔ وہ بھی جھلا گیا۔

''نکل رہا ہے کیا مطلب؟ نکلے گا''۔ وہ پھر غرائی۔

''میں صرف اسے زندگی سمجھتی ہوں جو میری مرضی کی ہو''۔ وہ بہت اٹل انداز میں گویا ہوئی۔

''یہ نری جذباتیت ہے' کاش آپ سمجھ سکتیں''۔ وہ جیسے تھک کر گویا ہوا۔

''تم اپنی انرجی ضائع مت کرو۔ جاؤ آرام کرو۔ ہاں مگر یہ بتاتے جاؤ۔ کتنی عزیز ہے تمہیں میری زندگی؟'' وہ اٹھ
دریچے سے پردے ہٹانے لگی۔

''میرے آس پاس میری حدود میں' میری نظر کے سامنے جو زندگی بھی ہے' وہ میرے لئے اہم ہے۔ اس میں کوئی اِ
نہیں''۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے جواب دے رہا تھا۔

''کیا ایسے لمحوں میں جب میری زندگی داؤ پر لگی ہو۔ تم کر سکتے ہو مجھ سے شادی؟'' وہ بہت خود اعتمادی سے اس
سامنے ایستادہ تھی۔

باری تو بری طرح چونک کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہو۔

''اس طرح کی بات آئندہ کبھی مذاق میں بھی منہ سے نہ نکالیے گا۔ آپ کو زیب نہیں دیتی۔ میں اپنا مقام پہچانتا ہوں
میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ یاور چچا تک آپ کے جذبات پہنچا کر ہر شے آپ کی پسند کے مطابق آپ کے حق میں کر
کی کوشش کروں گا اور آپ کی شادی ہرگز ہرگز زبردستی نہیں ہوگی۔ آپ کے شایان شان شخص کو آپ کا جیون ساتھی بنے؟
دیا جائے گا''۔

وہ بہت مستحکم لہجے میں وعدہ کر رہا تھا۔

''اور جو ایسا نہ ہو سکا؟'' روشی کا لہجہ اس بار نہایت نرم اور آواز بہت دھیمی تھی۔

باری نے نظریں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔ ست رنگے پرنٹ کے شلوار قمیض اور دوپٹے میں وہ اپنی سرخ ناک کے

اسے سوالیہ نظروں سے مگر بہت اعتماد سے دیکھ رہی تھی۔

''اس وقت تک جذبات کا طوفان اتر چکا ہوگا اور آپ کو ایڈجسٹمنٹ کے ہنر آ جائینگے''۔ وہ اب پرسکون ہو چکا تھا۔

''ایڈجسٹمنٹ کبھی نہیں ہوگی۔ اس کا تو ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں۔ بس اس سوال کا جواب دو اگر وہ نہ ہو سکا جس کا وعدہ تم کر رہے ہو۔ پھر کیا کرو گے؟ میں تو لعنت بھیجتی ہوں ایسی زندگی پر جس میں جسم زندہ اور دل مردہ ہو۔ ایسی زندگی جس میں میرے دل سے ہر لمحے آہیں نکلتی ہیں۔ میں تھوکنا بھی پسند نہ کروں۔ چوپایہ نہیں ہوں۔ پیٹ بھروں اور سو جاؤں۔ سمجھے تم؟''

''پھر کیا کر سکوں گا میں؟ میری کچھ حدود مقرر ہیں۔ آپ یہ سمجھ لیں''۔

وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ مگر اب وہ بہت الجھا ہوا تھا۔

''تم بہت بزدل ہو باری۔ تم پر تو غلاموں کو بھی شرم آ جائے''۔

''میں بزدل نہیں ہوں۔ آپ یقین کر لیں۔ میں جب چاہے حویلی سے نکل سکتا ہوں۔ مگر حویلی کے حکمران میرے مربی' میرے محسن ہیں۔ مجھے ان کو خوشی اور سکون پہنچا کر دلی سکون ملتا ہے''۔ وہ بہت بردباری اور تحمل سے گویا ہوا۔ اگرچہ بزدلی'' وہ طعنہ ہے جو بڑی برداشت والے مرد کا بھی ٹمپر لوز کر دیتا ہے''۔

''ہونہہ! حویلی کے حکمران تو احسان کرتے ہی اس لئے ہیں کہ لوگوں کو اپنا غلام بنائے رکھیں' کوئی ان کے سامنے سر نہ اٹھا سکے''۔ وہ ناک چڑھا کر بولی۔

''بہرحال اچھا سلوک احسان ہی ہوتا ہے؟'' وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

''اور آپ کو میرا یقین کر لینا چاہیے کہ میں حویلی کے ایک ایک فرد کا خیر خواہ ہوں۔ میں یاور چچا سے اپنے انداز میں بات کروں گا۔ وہ بہت اچھے ہیں۔ انشاء اللہ آپ کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔ آپ یقین کر لیں''۔ اس نے نہایت رسانیت سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''میرا سوال اپنی جگہ موجود ہے' اگر زیادتی ہونے لگی اور تم بھی کچھ نہ کر سکے پھر؟ تمہیں نہیں بھولنا چاہیے میں موت سے بالکل نہیں ڈرتی۔ کس طرح مجھے زندہ رکھو گے۔ کیا راستہ نکالو گے؟ وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

''آپ اپنی زندگی کیلئے جو بھی شرط پیش کر دیں گی۔ مجھے منظور ہوگی لیکن میری بھی ایک شرط ہے اگر کوئی شخص جو ہر صورت مجھ سے بہتر ہوگا اسے آپ رد نہیں کریں گی۔ میں صرف لائف سیونگ ٹیبلٹ (زندگی بچانے والی گولی) کے طور پر اپنا آپ استعمال کروں گا''۔

''وعدہ کر رہے ہو؟'' اس کے جسم و جاں میں عجیب سا سکون در آیا۔

''مرد کی بات ہی قول ہوتی ہے۔ مگر آپ کو میری شرط ذہن میں محفوظ کر لینا چاہیے فکر ہی نہ کرو۔ جاؤ۔ اب کچھ نہیں ہو گا''۔ وہ بستر پر دراز ہو گئی اور باری کی طرف سے کروٹ لے کر نہ جانے کیا سوچنے لگی۔

باری نے دروازے کی چٹخنی گرا دی۔ لیکن دروازہ کھول کر باہر جاتے جاتے رک گیا۔ جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو۔ مگر پھر بغیر کچھ بولے تیزی سے گراؤنڈ فلور کی طرف جانے والے زینے کی طرف بڑھ گیا۔

ریسٹ ہاؤس کا جامد سناٹا اس کی وحشت بڑھا رہا تھا۔ وقفے وقفے سے کچن میں برتن کھڑکھڑاتے تھے تو کچھ زندگی کا احساس ہوتا تھا۔

وہ اکتا کر دوپٹا سنبھالتی کچن میں چلی آئی۔ خانساماں کو جیسے سو فیصد کسی کی مداخلت کا یقین نہیں تھا۔ بڑے مگن انداز میں جھوم جھوم کر برتن دھو رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی پشت پر جا کھڑی ہوئی۔ مگر اسے احساس تک نہ ہو سکا۔

"صاحب کھانا کھانے آئینگے کیا؟"

"آپ بی بی! کھانا لگا رہا ہوں۔ بس پانچ منٹ لگیں گے"۔ وہ قدرے خجل سا نظر آیا۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے؟" اس نے فریج کھول کر پانی کی بوتل نکالی۔

"صاحب کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ کبھی نہیں بھی آتے"۔ اس نے ہانڈی میں چمچ چلاتے ہوئے جواب دیا۔

"مگر اب تو میں یہاں ہوں انہیں آنا چاہیے"۔ اس نے گلاس میں پانی انڈیل کر ہونٹوں سے لگایا۔ اب خانساماں نے پلٹ کر اس کی سمت سرسری سا دیکھا۔

"بی بی! صاحب کا کام ہی ایسا ہے کہ"۔

"چھوڑو، یہ کام وام کے تذکرے۔ کام تو کام ہی ہوتا ہے۔ اپنے اپنے حساب سے سب ہی کرتے ہیں"۔ اس نے ناگواری سے اس کی بات کاٹ دی۔

خانساماں نے تعجب سے اس کی شکل دیکھی اس کا صاحب کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔

"اچھا ابھی کھانا مت لگانا۔ میں یاور بھائی کو فون کر رہی ہوں"۔

وہ یاور علی خان کے بیڈ روم میں چلی آئی اور ان کا نمبر ملایا پی اے نے صاحب کے "مصروف" ہونے کا مژدہ سنایا۔ ماہین کا تو دماغ ہی گھوم گیا۔

"دیکھئے مسٹر! میں اس بھری دوپہر میں دفتر پہنچ جاؤں گی۔ اگر ان کے پاس پرائم منسٹر بھی بیٹھے ہوئے ہیں تو بھی آپ انہیں میسج کنوے کیجئے کہ ماہین احمد فون پر ہیں"۔ اس نے ناراضگی سے کہا۔

"جسٹ اے منٹ ہولڈ پلیز"۔ پی اے اس کے اس انداز پر واقعی بوکھلا گیا تھا۔

چند سیکنڈ بعد یاور علی خان کی گھمبیر آواز ایئر پیس میں ابھری۔

"یس یاور علی"۔

"کیا آپ مجھے یہاں اس لئے لائے تھے کہ میں بھوکی مر جاؤں؟" وہ بچوں کی طرح خفگی سے گویا ہوئی۔

"اللہ نہ کرے...... دراصل میری غیر موجودگی میں کام اور ملاقاتیں خاصی مقدار میں اکٹھی ہو گئی تھیں۔ اب ہزار چاہنے کے باوجود سیٹ سے نہیں اٹھ پا رہا۔ دو منٹ قبل اٹھنے ہی والا تھا کہ ایس پی صاحب تشریف لے آئے۔ سیاسی صورتحال تبدیل ہو رہی ہے تو اسی حساب سے کام بھی بڑھ رہے ہیں۔ آپ کھانا کھا لیں کیونکہ میرا کچھ پتہ نہیں۔ کچھ پتہ نہیں ایس پی صاحب کس قسم کے معاملات ساتھ لائے ہیں۔ اور ان میں کتنا وقت لگے گا"۔

ماہین کو معلوم تھا وہ اس وقت جو بھی کہے گی۔ ادھر سے بڑا منطقی جواب آئے گا۔ اس نے ایک لفظ منہ سے نکالے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ جبکہ دوسری سمت ریسیور ہنوز یاور علی خان کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ اس کی کسی اگلی بات کے منتظر تھے۔

اور وہ برا سا منہ بناتی ان کے بیڈ روم سے باہر آ گئی۔

"کھانا لگا دوں بی بی؟" خانساماں ایک دم سامنے گیا۔

"نہیں...... ایک گلاس جوس لے آؤ"۔

"بس"۔ بے چارہ بڑا ہی حیران ہوا خود جو "پیٹو" تھا۔

"ہاں بھئی بس"۔ وہ جھلا کر گویا ہوئی اور اپنے رہائشی کمرے میں چلی آئی۔

"توبہ کتنا مشکل ہے۔ کسی "بڑے" افسر کے ساتھ گزارا کرنا۔ نری آرٹیفشل لائف"۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی شام کیلئے کپڑے دیکھنے لگی۔

دس منٹ بعد خانساماں انار کا جوس لے کر حاضر ہو گیا۔ اس نے جوس کا گلاس اٹھا کر اسے واپس جانے کا اشارا کیا۔ اور خود ایک کرسی پر بیٹھ کر آہستہ آہستہ جوس پینے لگی۔ ابھی گلاس آدھا بھی نہیں ہوا تھا کہ خانساماں پھر حاضر ہو گیا۔

"صاحب کا فون ہے بی بی"۔

وہ چونک پڑی، ابھی تو بات ہوئی ہے پانچ منٹ قبل۔ واٹس اے نیو میٹر۔ وہ گلاس رکھ کر تیزی سے ان کے بیڈ روم میں آئی۔

"جی"۔

"مجھے ابھی ابھی دھیان آیا کہ آپ نے بغیر کچھ کہے ریسیور رکھ دیا تھا۔ کہیں کھانے سے ناراض تو نہیں ہو گئی؟"

"چلیں شکر، آپ کو دیر سے سہی دھیان آ تو جاتے ہیں"۔ اس کا موڈ آف تھا۔

"دراصل آپ کے اور میرے ایج گروپ میں اتنا زیادہ فاصلہ ہے کہ اس وقت میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کس انداز اور کن الفاظ میں آپ کو مطمئن کروں"۔ وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

"رہنے دیجئے۔ یہ ناپ تول یہ محض مصنوعی اظہار ہے۔ دراصل آپ پر کسی بات کا اثر ہو ہی نہیں سکتا۔ میں جان چکی ہوں آپ کی نیچر"۔ وہ اسی موڈ میں گویا ہوئی۔

"میں تو بہت سادہ سا آدمی ہوں، مجھے جاننا کوئی مشکل بات نہیں۔ مگر بہرحال یہ اچھی اطلاع ہے آپ کھانا ضرور کھائیں۔ ورنہ میں گلٹی فیل کروں گا۔ او۔ کے؟"

"یعنی آپ نے محض اس لئے فون کیا ہے تا کہ آپ ایک اچھے میزبان ثابت ہوں، بہرحال آپ فکر نہ کریں"۔

"خیر، میں آپ کے "تجزیاتی کام" میں مداخلت نہیں کروں گا، بس اتنا کہوں گا کہ شام کو آپ تیار رہیے گا۔ آپ کو بہت اچھی جگہ سیر کرائیں گے۔ آپ کی ساری کوفت دور ہو جائیگی۔ ٹھیک ہے؟"

"تھینکس"۔ وہ ان کی اتنی مہربان وضع پر واقعی خوشی سے مسکرا دی۔

"اب بات ہوئی ناں۔ ورنہ میں تو الجھ گیا تھا۔ ایس پی صاحب کو ابھی تک انتظار میں بٹھایا ہوا ہے آپ کی وجہ

"تھینکس اگین"۔ وہ زاہد خشک قسم کے انسان سے اتنی توجہ اور مہربانی کے انداز پا کر واقعی خوش ہوئی تھی۔

....

باری کا بلاوا آ گیا تھا۔ وہاں دریا بستی میں اس کی سخت ضرورت پیش آ گئی تھی۔

"وہ بابا صاحب کے ساتھ شہر آتا تھا تو اسے شہر میں ہی ڈھیروں کام پیش آ جاتے تھے۔ صبح فیکٹری گیا۔ وہاں سے ایئر پورٹ گیا۔ سیٹ کنفرم کرائی۔ شام سوا پانچ بجے تک فلائٹ تھی۔ بمشکل فرسٹ کلاس میں سیٹ ملی تھی۔ وہاں کی فرصت فرصت پا کر بابا صاحب کے بزنس پارٹنر سے حساب کتاب کر کے فائل اور چیک وصول کیا۔

تین بجے کے بعد گھر آیا' بمشکل دو چار نوالے ہی منہ میں ڈالے تھے کہ فیکٹری سے منیجر کی کال آ گئی۔ باہر میڈیکل چیک اپ کیلئے گئے ہوئے تھے۔ ناچار اسے فیکٹری کا دوسرا چکر لگانا پڑا۔ گھر سے فیکٹری زیادہ دور نہیں تھی تک واپس آ گیا۔ جلدی جلدی کپڑے بیگ میں ٹھونسے۔ غسل کر کے جینز بدلی۔ بنیان پہن کر یاد آیا کہ قمیض پر تو استری نہیں ہوئی۔ بڑی سخت جھلاہٹ ہوئی۔ اختر بھی گاڑی لے کر آ چکا تھا۔ باری کو ایئر پورٹ پہنچا کر اس نے بابا کو بھی تھا۔ وہ شرٹ ہاتھ میں پکڑے کمرے سے باہر آیا۔

"کلو"۔ اس نے آواز لگائی۔

"محترمہ کلو صاحبہ! ادھر ادھر کہیں پائی جاتی ہوں تو سامنے آ جائیں۔ سخت ضرورت ہے"۔ اس نے راہداری کے پر کھڑے ہو کر صدا لگائی۔

"وہ تو گیٹ پر کھڑی سبزی خرید رہی ہے۔ بہت تیزی میں ہو"۔ معاً روشی سامنے آ گئی۔

وہ جینز اور بنیان میں خود کو اس کے سامنے پا کر قدرے خجل سا ہو گیا "ایئر پورٹ پہنچنا ہے' ویسے ہی سیٹ بڑی مشکل سے ملی ہے"۔ وہ جانے کیوں نظریں چرا گیا۔

"جا رہے ہو؟" اس کے دل کو کچھ ہوا۔

"جی"۔

"کلو سی آف کرنے جائے گی؟" وہ مسکرائی۔

"ارے نہیں۔ یہ شرٹ بغیر استری کی ہے۔ میں تو خود ہی کر لیتا مگر یہاں تو کہیں آس پاس استری بھی نظر نہیں آ رہی"

"روشی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے شرٹ لے لی اور ایک سمت بڑھ گئی۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑا کا کھڑا رہ گیا کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ اس خیال سے اوپر نہیں گیا کہ پھر اسے اوپر آنا پڑ جائے گا۔

پانچ منٹ بعد روشی شرٹ ہاتھ میں لئے اسی جگہ واپس آ گئی۔

"ہو سکتا ہے' جلدی میں اچھی نہ ہوئی ہو۔ بہر حال گزارا کر لو"۔ وہ اسے شرٹ تھما رہی تھی اور شنیو جانے کس طرف

آ کر ان دونوں کے پاس سے بے نیازی سے گزر گئیں۔

"شنیو آپا۔ یہ باری دریا بستی واپس جا رہا ہے۔ کوئی میسج دینا ہو تو دے دیں"۔

"غالباً تم میسج ہی دے رہی ہو۔ حویلی میں فون ہے۔ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ کوئی میسج ہی نہیں ہے ہمارے پاس۔ ہاں مگر تم ضرور دو"۔ وہ ان سے خاصے فاصلے پر رک کر اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوئیں۔

"بلاوا آیا ہے یا ویسے ہی جا رہے ہو؟"

"بلایا ہے' اصل میں کام "سرائے" میں ہے۔ دریا بستی سے تو میسج آیا ہے؟" وہ بہت سنبھل کر ان سے مخاطب تھا۔

"مگر تمہاری ضرورت تو یہاں بھی بہت ہے"۔ معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔

"کام کے بندے کی تو ہر جگہ ہی ضرورت رہتی ہے"۔ وہ زیادہ برداشت نہ کر سکی۔ تڑخ کر بولی۔

"ہاں بھئی۔ باری۔ کام کے تو تم بہت ہو"۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئیں۔

باری شرٹ پہن کر بٹن لگا رہا تھا۔ غور سے انہیں جاتا دیکھنے لگا۔

"ہر وقت ہی جلی بھنی رہتی ہیں"۔ روشی کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

"مگر ہوش مند بھی بہت ہیں' آنکھیں کھلی رکھتی ہیں۔ آپ کو احتیاط کرنا چاہیے۔ آپ کیلئے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں"۔

"اور تمہارے لئے؟" وہ تو یوں بھی خاصی نڈر تھی۔

"میں تو خود ہی مسئلہ ہوں۔ میرے کوئی سنہرے روخواب نہیں ہیں۔ آپ بس مجھے ایک کمپیوٹر فرض کر لیں"۔ اس نے آگے کی سمت قدم بڑھائے۔

"جا کر فون ضرور کرنا"۔ اس نے تاکید کی۔

"وہ تو میں خان کو کروں گا ہی"۔

روشی کی انا نے اسے اگلی بات سے باز رکھا۔

"اور ہاں اگر خالہ دریا بستی ہوں تو فون پر میری ان سے بات ضرور کرا دینا"۔

"بس؟" وہ پھر آگے بڑھا۔

"ہاں بس"۔

"اور ہاں سنو"۔

"جی!" وہ پھر رک گیا اور ریسٹ واچ پر نظر دوڑانے لگا۔

روشی کو اس کی ریسٹ واچ سے سوتن کا سا بیر تھا۔ "تم تو خود ہی گھڑی ہو' کیوں گھڑی باندھے پھرتے ہو؟"

"آپ کچھ کہہ رہی تھیں؟"

"جاؤ تم۔ کچھ نہیں کہہ رہی"۔ وہ جل کر بولی تھی۔ اور ڈرائینگ روم کی طرف بڑھ گئی۔

وہ گم صم سے انداز میں ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی۔

وہاں سب بیٹھی بہت زور و شور سے بابا صاحب کے ایک شراکت دار کے ہاں ڈنر پر جانے کے پروگرام بنا رہی تھیں۔ پہنے جانے والے ملبوسات پر سخت بحث و مباحثہ ہو رہا تھا۔

روبی کا خیال تھا کہ لباس بہت جدید ہونا چاہیے کیونکہ وہ لوگ بہت زیادہ ایڈوانس ہیں اور پھر ہمیشہ سے کراچی۔۔۔ شینو کو اس پر اختلاف تھا کہ ہم اور وہ ایک ہی کلاس سے تعلق رکھتے ہیں۔ لباس وغیرہ پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

تردید و تائید کا پرشور ماحول تھا۔

اس کی آمد پر قدرے خاموشی چھا گئی۔

شینو نے بہت معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کی سمت دیکھا تھا اور گاؤ تکیہ کھسکا کر نیم دراز ہو گئی تھی۔

''آؤ روشی! تم تو نظر ہی نہیں آئیں۔ طبیعت کیسی ہے اب؟'' گلو نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔

''اب تو انشاء اللہ اچھی ہو جائے گی۔ ارے ہاں یاد آیا۔ آج صبح صبح ایک بہت مزے کے گانوں کی کیسٹ لی ہے۔ لتا اور مکیش کے دو گانے ہیں''۔ شینو نے کیسٹ پلیئر میں کیسٹ راؤنڈ کی اور ''پلے''...... پش کر کے واپس آ کر دراز ہو گئیں۔ لتا اور مکیش کی آواز کمرے میں گونجنے لگی۔ والیوم خاصا اونچا تھا۔

(لتا) بالی عمریا بھجن کروں کیسے؟

چڑھتی جوانی جوگن بنوں کیسے؟

(مکیش) جھوٹا گرو کا وچن کروں کیسے؟

سادھو ہوں تیرا سجن بنوں کیسے؟

روشی نے چونک کر شینو کی صورت دیکھی، وہ آنکھیں موندے بہت معنی خیز انداز میں مسکرا رہی تھیں۔

''گانا تو مزے کا ہے، کس فلم کا ہے، منگوا کر دیکھیں گے''۔ روبی نے بہت دلچسپی لی۔

''تمہارا پیٹ نہیں بھرتا فلمیں دیکھ دیکھ کر؟'' زری ہنس دی۔

''پتا نہیں اس کے ''دیدے'' ہیں یا مشین دو دو فلمیں اکٹھی دیکھ لیتی ہیں۔ میں تو ڈیڑھ گھنٹہ ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر تو سر دکھنے لگتا ہے۔ گلو نے بھی حصہ لیا۔

''گانا سنو، بڑے مزے کا ہے، سن رہی ہو روشی؟'' شینو بول پڑیں ''میں نے کیسٹ لگائی۔ تم لوگوں نے اپنی پیاؤں شروع کر دی۔ ہے ناں مزے کا روشی؟''

روشی نے جیسے زچ ہو کر ان کی صورت دیکھی۔

''اگر آپ کے پاس میرے خلاف چارجز (Charges) اکٹھے ہو گئے ہیں تو بیچ چوراہے پر ہانڈی پھوڑ دیں کس نے کیا ہے۔ بلیک میل ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اور نہ حلق پھاڑ کر یہ کہوں گی کہ آپ مجھے بلیم (الزام) دے رہی ہیں''۔ روشی ایک میگزین اٹھا کر دور صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔

گلو اور دوسری لڑکیاں حیرانی سے کبھی شینو کو اور کبھی روشی کو دیکھ رہی تھیں۔

''کوئی بات ہو گئی شینو؟''

گلو نے ترحم آمیز نظروں سے روشی کی طرف دیکھا۔ (ابھی تو بے چاری انجر پنجر ڈھیلے کروا کر گھر لوٹی ہے شینو تو کچھ ضرورت سے زیادہ بے رحم ہیں۔ ایک تو اس پر اس کی ماں کا سایہ نہیں۔ وہ پہلے ہی نہایت حساس ہے یہ نہ جانے کیوں اس پر چوٹیں کرتی رہتی ہیں)

''روشی''۔ انہوں نے نہایت محبت سے اسے پکارا۔

''جی آپا؟''

''چندا! تم اوپر جا کر آرام کر لو۔ شام سات بجے کے بعد ہی سمجھو جائیں گے سب۔ تم تھوڑی دیر کیلئے سو جاؤ۔ جاؤ شاباش''۔

ان کے لہجے میں اتنی محبت اور حلاوت تھی کہ روشی ناچار اٹھ گئی'' ٹھیک ہے'' یوں گلو کی مداخلت سے ماحول ایک دم پرسکون ہو گیا تھا۔

''شینو پلیز، اس کے ساتھ اس انداز میں بات نہ کیا کرو۔ وہ تو بے چاری پہلے ہی دکھی ہے اور پھر بچی ہے''۔ گلو نے روشی کے باہر جاتے ہی شینو کو گھیرا۔

''نام، نسب، دولت سب کچھ تو ہے۔ پھر دکھ کس بات کا؟ ہونہہ، تم تو ایمان سے ''پروپیگنڈا لابی'' ہو۔ گلو''۔ شینو نے منہ بنا کر جواباً گلو کی خبر لی۔

''تمہیں نہیں پتا شینو۔ ماں کے پیار سے محرومی بعض اوقات انسان کی ہستی کو ہلا کر رکھ دیتی ہے ''ماں'' تو اس کائنات کا بنیادی حسن ہے۔ خدا کی اپنے بندے سے محبت کا لطیف سا اشارہ۔ یہ محرومی بہت بڑی محرومی ہے شینو۔ تمہیں احساس کرنا چاہیے''۔

''اچھا بابا، کر لیں گے احساس۔ اب خدا کیلئے اپنی تقریر سمیٹو''۔

شینو نے ہاتھ جوڑ دیئے اور زری نے آگے بڑھ کر ٹیپ ریکارڈر کا سوئچ آف کر دیا۔

....

''اب تمہیں پیسے کے سوا کچھ نہیں سوجھتا۔ یہ دھیان نہیں آتا کہ بیٹی کیا سوچے گی۔ یہ بر ڈھونڈا ہے ماں باپ نے؟''

عورت نے اس کے تیور دیکھ کر ذرا لہجہ سنبھال کر بات کی۔

''اور جو کسی کنگال اور مقروض کے پلے باندھ دی تو بھی لونڈیا یہی کہے گی۔ یہ ڈھونڈا ہے اور بس اب بات ختم کر۔ اگلے جمعے برات کر دیں گے۔ ہمیں کوئی تیاری نہیں کرنا۔ برادری کو روٹی کھلانا ہے، کھلا دیں گے اور کچھ نہیں ہوگا''۔

''ارے ناک کٹ جائے گی برادری میں۔ کچھ ہوش کی دوا کر''۔ عورت نے ماتھا پیٹ کر کہا۔

''کل سے کمانے نہیں جاؤں گا۔ ایک دھیلا تیرے ہاتھ پہ نہیں رکھوں گا اور جو تو نے روٹی، دوائی کی آواز لگائی تو تین

بولوں سے حرام کرلوں گا تجھے خود پر"۔ اس نے چارپائی پر سیدھا لیٹتے ہوئے کہا اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

عورت تعجب سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"جب بھوکی مرنے لگے تو چلی جائیو برادری کے پاس کہ پالو ہمارے پیٹ۔ پھر دیکھوں گا کون کھلاتا ہے تجھے ... کون بیاہتا ہے تیری بیٹی؟" وہ بڑبڑایا۔

"یہ تجربے تو اٹھائے بیٹھی ہوں۔ کون کھلاتا ہے کسی کو۔ سب اچھے وقتوں کے ساتھی ہوتے ہیں۔ ماں ہوئی۔ کبھی ... تھی۔ بیٹی کے دل کی خوشی سوچ رہی تھی۔ تم باپ ہو، اس کے مختار ہو، میں تمہیں سمجھا تو سکتی ہوں، روک نہیں سکتی۔ کرواؤ ... بارات۔ اللہ نصیب اچھے کرے۔ خوشیاں دے"۔

نہ جانے کیوں وہ ہچکیوں سے رو پڑی۔

وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"دیکھ بھاگوان میں بھی باپ ہوں۔ دشمن نہیں ہوں اپنی لونڈیا کا۔ لال خان عمر کا ہے، مگر صحت مند ہے۔ تو نے ... گھر نہیں دیکھا۔ چھ کمروں کا مکان ہے۔ دو منزلہ، سامان سے بھرا ہوا۔ اللہ کی ہر نعمت موجود ہے چھوٹ جانے دے اس ... پشتی غریبی سے لونڈیا کی جان۔ ہم کسی لالچ سے نہیں بیاہ رہے اپنی لونڈیا۔ اگر لالچ ہے تو بس اتنا کہ ہماری بچی سکھ دیکھے"۔

عورت روتی رہی۔

"جب مان گئی ہے رومت۔ دعا کر اللہ ہماری لونڈیا کو سکھ دے"۔

"بیٹیاں بیاہتے ہوئے تو مائیں روتی ہی ہیں۔ جسم کا ٹکڑا نوچ کر کسی کو تھمانا ہنسی کھیل تو نہیں"۔ عورت آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔

وہ چپ رہا۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔

وہ اٹھ کر باورچی خانے کی طرف آ گئی۔ بالو دوپہر کے کھانے کے اور شام کی چائے کے برتن اکٹھے کیے بہت تندہی ... مانجھنے میں مصروف تھی۔

"اماں! قیمے میں آلو ڈالوں یا مٹر؟" اس نے ماں کو موجود پا کر لگے ہاتھوں اپنا مسئلہ حل کرنا چاہا۔

"مٹر ڈال دیجیو، تیرے باپ کو اچھے لگتے ہیں"۔ وہ غائب دماغی کے عالم سے چونک کر باہر آئی۔

"ابا! آج جلدی آ گئے"۔

"جلدی کام ختم ہو گیا ہوگا، میں تو تجھے یہ کہنے آئی تھی کہ جو بغیر سلے کپڑے ہیں ان میں سے چار پانچ جوڑے سی لیجیو ... تین دن میں پھر دوپٹوں پر گوٹا لپکا بھی لگانا ہے"۔

"کیوں اماں؟" بالو کے متحرک ہاتھ ساکن ہو گئے۔

"تیرا نکاح کر رہا ہے تیرا باپ اگلے جمعے"۔

"تیسری دنیا" کی تیسرے درجے کی لڑکی ہزار چاہنے پر بھی نہ پوچھ سکی کہ وہ میرا "نصف" کون ہے؟ کون ہے جو مجھے ...

... تکمیل کرنے آرہا ہے۔ کہیں یوں نہ ہو، پورا ہونے کے آسرے میں آدھی سے بھی جاؤں۔ چند لمحے ساکت و صامت رہنے کے بعد وہ پھر اپنے کام میں لگ گئی۔

"ہمیں کوئی خاص تیاری نہیں کرنی۔ بس برادری اور بارات کو روٹی کھلانی ہے۔ پیسے والا آدمی ہے ہر چیز کو منع کر دیا ہے اس نے"۔

وہ ایک بار پھر ساکت ہو گئی۔

"پیسے والا، اس کا ہمارے دروازے پر کیا کام؟ پتا نہیں کیسا ہے۔ ہائے اتنا تو ہو کہ سکھیوں میں عزت رہ جائے۔

چاچا قاسم کی سکینہ کا دولہا ذرا سا موٹا تھا۔ ساری سہیلیاں کتنا تنگ کرتی تھی سکینہ کو۔

"اور دیکھ روٹیاں ذرا دیکھ کر پکائیو۔ رات بہت بچی تھیں۔ رزق ضائع نہیں کرتے۔ اللہ کو برا لگتا ہے"۔ اس نے باہر نکلتے ہوئے مزید ہدایت دی۔

"اچھا اماں!" وہ اپنے دھیان سے چونک کر بولی تھی۔

....

اس نے وال کلاک کی سمت نظر اٹھائی۔ چھ بج رہے تھے۔

ایک عجیب سی کوفت اس کے رگ و پے میں اتر گئی۔ یاالٰہی کس طرح سزا مل رہی ہے؟ وہ برآمدے میں پڑی کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ اسی دم پورٹیکو میں جیپ داخل ہوئی اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ "تھینکس گاڈ"۔

یاور علی خان جیپ سے اتر کر سیدھے اس کی طرف بڑھے۔

"تیار ہیں آپ؟" انہوں نے اس کے سراپے پر نظر ڈالی۔ پر پل کرتے، شلوار اور دوپٹے میں ملبوس بہت تر و تازہ سی محسوس ہوئی۔ دائیں کلائی میں بہت ساری میچنگ کی چوڑیاں پہنی ہوئی تھی۔ اور بائیں کلائی میں گولڈ کی دمکتی ہوئی ریسٹ واچ تھی۔ اور پاؤں میں میچنگ شوز چم چم کر رہے تھے۔

یاور علی خان نے ایک اچٹتی نگاہ میں اس کا جائزہ لے لیا۔

"بہت دیر سے تیار ہوں۔ مگر اتنی بے حس بھی نہیں ہوں کہ آپ کو چائے یا کھانے کی مہلت نہ دوں۔ آپ اطمینان سے ہاتھ لیں اور کھانا کھائیں"۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کھانا تو میں کھا چکا ہوں۔ البتہ باتھ لینے کی تجویز اچھی ہے۔ فریش ہو جاؤں گا"۔

"شیر خان!" انہوں نے ملازم کو آواز دی۔

وہ فوراً موجود ہوا۔

"جلدی سے ایک شلوار سوٹ تیار کر دو۔ میں بہت ریلیکس ہو کر سیر کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی"۔ وہ معذرت خواہانہ انداز میں مسکرا کر اندر بڑھ گئے۔

وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

انہیں باہر آنے میں واقعی پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔

وہ جیپ ایک شفاف سڑک پر لے آئے۔

''پہلے ہم ٹی اینڈ ٹی کالونی چلیں گے۔ وہاں ایک دوست سے ضروری کام ہے۔ بہت خوبصورت اور شاندار مناظر ہیں۔ مجھے یقین ہے آپ لطف اندوز ہوں گی''۔ انہوں بہت مہارت سے اسٹیرنگ سے ہاتھ لگا سلگائی۔

''میں بہت گلٹی فیل کر رہی ہوں''۔ اس نے قدرے خجل ہو کر کہا۔

''ارے مگر وہ کیوں؟'' انہوں نے حیرانی کے تاثرات نہیں دیئے۔ صرف سپاٹ انداز میں پوچھا۔

''آپ اتنے ذمہ دار اور مصروف آدمی ہیں۔ حقیقتاً میں نے ڈسٹرب کیا ہے آپ کو۔ بہت ساری فارملیٹیز ہے۔ خوامخواہ''۔ وہ دھیرے سے ہنس دی۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ میں آل ریڈی ڈسٹرب آدمی ہوں''۔ انہوں نے بہت سادہ سے انداز میں جواب دیا۔

''جی!'' وہ بھونچکا سی رہ گئی۔ ''لگتے تو نہیں ہیں''۔ اس کے منہ سے نکل گیا۔

''لگنے اور ہونے میں اچھا خاصا فرق ہوتا ہے''۔ انہوں نے سگریٹ منہ سے نکالے بنا ہی دھواں منہ سے نکالا۔

''ہاں ظاہر ہے۔ بجو جیسی بیوی سے دوری وہ بھی ہمیشہ کی دوری کوئی چھوٹی بات تو نہیں۔ بجو جیسی بیوی بڑا نصیب ہوتی ہے۔ اور پھر اتنی شاندار رفیقہ حیات مل کے بچھڑ جائے یہ تو قسمت کا ستم ہی ہے''۔ اس نے افسردگی سے

یاور علی خان خاموش رہے۔

''دریا بستی آنے کے بعد میں تو بہت الجھ گئی ہوں''۔ وہ بولی۔

''مگر کیوں؟ کوئی کوتاہی ہو گئی ہم سے؟ یاور علی خان نے پھر ایک سرسری نظر اس پر ڈالی۔

''نہیں''۔ یہ بات نہیں۔ آپ سب نے تو سمجھیں حق میزبانی ادا کر دیا''۔ وہ شرمندہ سی ہو کر بولی۔

''روشی واپس آجائے گی۔ ڈزن میٹر''۔ انہوں نے سگریٹ منہ سے نکال کر ہاتھ سے دوبارہ اسٹیرنگ پر رکھا۔

''یہ بات بھی نہیں''۔ وہ بولی۔

یاور علی خان خاموش رہے مگر ان کی خاموشی کا سوالیہ پن صاف محسوس ہو رہا تھا۔

''میری الجھن یہ ہے کہ دریا بستی کا ماحول مجھے بہت پراسرار اور گھٹا ہوا محسوس ہوا۔ بجو تو بہت پر (illegible) ایڈجسٹ منٹ میں بہت مسئلہ ہوا ہو گا جب کہ پپا کہتے ہیں کہ وہ حویلی میں بہت خوش تھیں۔ کراچی میں تو ان کا لگتا تھا۔ ایک ہفتہ بھی مشکل سے رہتی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حویلی میں ان کیلئے کیا اٹریکشن تھی؟'' وہ گھر کر بولے جا رہی تھی۔

یاور علی خان بدستور خاموش تھے۔

ماہین نے چہرہ موڑ کر ان کی سمت دیکھا۔ گرے شلوار سوٹ میں ملبوس آنکھوں پر مخصوص گلاس چڑھائے

مونچھوں کے ساتھ وہ بہت متاثر کر رہے تھے۔

''حویلی میں میرا خیال ہے ان کی ساری دلچسپی آپ کی وجہ سے تھی۔ وہ محض آپ کی وجہ سے کراچی میں نہیں ٹکتی تھیں''۔ وہ مسکرا کر شرارت سے گویا ہوئی۔

''اور تو حویلی میں کوئی خاص بات نہیں''۔ وہ کھلکھلا پڑی۔

''آپ کچھ بول نہیں رہے؟'' معاً وہ چونک کر پوچھنے لگی۔

''آپ خود ہی سوال اور خود ہی جواب کے نہایت دلچسپ عمل سے گزر رہی ہیں۔ میں اٹینشن ہوں۔ آپ فکر نہ کریں''۔

انہوں نے بہت سکون سے ایک موڑ کاٹا۔

''شرمندہ کر رہے ہیں؟'' وہ مسکرائی۔

''یہ کام نہیں کرتا''۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں لحظہ بھر کو مسکرائے۔

''ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ آپ نے ہماری بجو پر اپنی ذات کا طلسم پھونک دیا تھا۔ انہیں آپ کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں ہوگا۔ خیر لکی تو وہ بھی بہت تھیں کہ انہیں آپ جیسا شریک سفر ملا تھا جس کی وفا کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے بعد آپ نے دوسری شادی نہیں کی حالانکہ آپ کی طرح کے لینڈ لارڈ تو بیک وقت کئی بیویاں رکھتے ہیں''۔

''آج آپ صرف مرنے والوں کو ہی یاد کریں گی؟'' انہوں نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

''جی''۔ وہ چونک کر ان کی صورت دیکھنے لگی۔

''آپ کو اچھا نہیں لگتا کہ کوئی بجو کی بات کرے''۔ وہ ابھی تک حیرت کے عالم میں تھی۔

''اچھا یہ بتائیں' شام کے اس سے بیک گراؤنڈ میں نظر آنے والے پہاڑ کیسے لگ رہے ہیں''۔ انہوں نے قریب الختم سگریٹ منہ میں دبا کر گہرا کش لیا۔

''اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا''۔ اس کے لہجے میں اب افسردگی کا تاثر تھا۔

''آئس کریم کھائیں گی؟'' ایک شاپ کے نزدیک انہوں نے جیپ آہستہ کی۔

''چلیں کھا لیتے ہیں۔ کچھ تو کرنا چاہیے''۔ اس کا موڈ عجیب سا ہو گیا تھا۔

....

فون کی بیل بہت دیر سے ہو رہی تھی ابھی تو سورج بھی نہیں نکلا تھا۔

وہ لان کی طرف جانے کے ارادے سے کمرے سے باہر آئی تھی۔ ظاہر ہے۔ اتنی صبح کا فون بابا صاحب کیلئے ہی ہو گا۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''پھر ایک دم چونک پڑی۔ ''بابا صاحب کا فون'' ہائیں یہ تو ''دریا بستی'' سے بھی ہو سکتا ہے اور یقیناً ''اس'' کا ہو سکتا ہے۔ وہ سرپٹ دوڑتی ہوئی بابا صاحب کے کمرے میں آئی اسے یقین تھا کہ بابا صاحب باتھ روم یا لان میں ہوں گے جب ہی تو ابھی تک ریسیور نہیں اٹھایا۔ وہ سب تو بے سدھ سو رہی تھیں۔ جاگتی ہوئی بھی ہوتیں تو فون سننے کیلئے کبھی نہ ہلتیں۔

اس نے اندر آ کر ادھر ادھر دیکھے بغیر ریسیور تقریباً جھپٹ کر اٹھایا۔

''ہیلو''۔

''تھینکس گاڈ''۔ ادھر واقعی باری تھا۔

جسم و جاں میں ایک سرخوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ''روشی بات کر رہی ہوں ہوں۔ پہنچ گئے تم ٹھیک ٹھاک؟''

''ظاہر ہے' عالم بالا سے تو فون کرنے سے رہا۔ خان کو ریسیور دیجئے''۔

''بابا صاحب تو آس پاس کہیں نظر نہیں آ رہے۔ میسج دیدو۔ میں پہنچا دوں گی''۔ اس نے منہ بنا کر کہا۔

''آپ ذرا ادھر ادھر دیکھ لیجئے۔ مجھے انہی سے بات کرنا ہے۔ میسج سے کام نہیں چلے گا''۔ ادھر سے جواب آیا۔

''خالہ ہیں ابھی حویلی میں؟'' اس نے سنی ان سنی کر کے اپنا سوال کیا۔

''نہیں۔ وہ یاور چچا کے ساتھ ہری پور گئی ہیں''۔ اس نے عجلت بھرے انداز میں جواب دیا جیسے جان چھڑا رہا ہو۔

''وہ مجھے کراچی فون بھی تو کر سکتی تھیں''۔ اس نے خفگی سے کہا۔

''وہ جو کچھ کر سکتی تھیں یا کر سکتی ہیں۔ خود ہی بتا سکتی ہیں۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آپ پلیز خان کو فون دیجئے''۔ پھر نگا بندھا جواب آیا۔

''کیا خان خان کئے جا رہے ہو' میں جو بات کر رہی ہوں''۔ وہ بھڑک کر بولی۔

''میں نے اس وقت کام کے سلسلے میں فون کیا ہے۔ مجھے خان سے بہت ضروری بات کرنا ہے''۔ وہ جیسے زچ ہو۔

''وہ گھر ہی میں کہیں ہوں گے' دیکھ لیجئے پلیز''۔ وہ جیسے عاجز آ گیا تھا۔

''اچھا دیکھتی ہوں' مگر مجھ سے بات کئے بغیر ریسیور نہ رکھنا؟''

''سن لیا۔ نہیں رکھوں گا۔ بس آپ ذرا جلدی کریں''۔ غالباً دوسری طرف اس نے سر پیٹ لیا تھا۔

وہ باتھ روم کا دروازہ چیک کر کے دوڑتی ہوئی لان میں آئی۔ بابا صاحب بینچ پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔

''بابا صاحب! آپ کا فون ہے حویلی سے''۔ اس نے پھولی ہوئی سانس پر قابو پا کر کہا۔

''ہاں۔ بول رہا ہوں''۔ بابا صاحب نے ریسیور اٹھا لیا تھا''۔ والسلام''۔

''ٹھیک ہے۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اسے کہو کچھ نہیں ہوگا''۔

''ہم کہہ رہے ہیں ناں۔ ہم خود وہاں پہنچیں گے''۔

''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ ٹیپو کی طبیعت اب کیسی ہے؟ سرائے پہنچ کر ہمیں فوراً اس کی خیریت سے مطلع کرنا اور کوئی خاص بات نہیں''۔

''بابا صاحب! ریسیور مجھے دیجیے گا۔ ایک ضروری بات کرنا ہے''۔ وہ ان کے سر پر سوار تھی۔

انہوں نے ریسیور اسے تھما دیا۔

''ہیلو''۔ دوسری طرف سے باری بول رہا تھا۔

اس نے گردن موڑ کر بابا صاحب کی طرف دیکھا۔ پھر آہستگی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ دلاور علی خان نے ایک لحظے کو اس کی جانب دیکھا پھر بنا کچھ کہے کمرے سے باہر چلے گئے۔

....

سارا محلہ لال خان کی دلہن دیکھنے کیلئے حجلہ عروسی پر حملہ آور تھا۔ بالو کو اس قدر حبس اور گھٹن کا احساس تھا۔ لگتا تھا تھوڑی دیر ان عورتوں میں مزید گھری رہی تو بے ہوش ہو جائے گی۔ بھاری بھر کم عروسی جوڑا۔ مختلف سائزوں اور وزن کے چار پانچ سونے کے سیٹ۔ پھولوں کے زیور علیحدہ۔ فوم کا گدا فوم کا تکیہ اور چاروں طرف عورتیں اور بچے۔

وہ بے دم سی ہو کر تکیے پر ڈھے گئی۔

''دلہن بے ہوش ہو گئی۔ دلہن بے ہوش ہو گئی''۔ ایک چیخ پکار مچ گئی۔

''چلو بھئی سب باہر نکلو۔ جلدی''۔ لال خان کی ایک رشتہ دار سب کو باہر نکالنے لگی۔

''دیکھنے میں تو ہے ہی نازک۔ مزاج بھی نازک لگتا ہے''۔ ایک بڑی بی نے تنقیدی حملہ کیا۔

چند منٹوں میں ہی کمرا خالی ہو گیا۔

بے ہوشی کا ''اعلان'' باہر تک سنا گیا۔ لال خان نے فوراً سے پیشتر سیون اپ کی بوتل اندر بھجوائی۔

''تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس کے اوسان بحال ہوئے لال خان کی ایک اور رشتہ دار نے اس کا میک اپ ٹھیک کرنا شروع کر دیا تھا۔

''ہٹو بھئی۔ ذرا راستہ دو۔ دولہا بھائی اپنی بھاوج کی منہ دکھائی کرنے آ رہے ہیں''۔ ایک عورت کی منحنی سی آواز باہر سے آئی۔

''ہاں بھئی آ گئے ہم' بہت دیر سے انتظار کر رہے ہیں''۔ کمرے میں عارف کی آواز ابھری۔ لال خان بھی ساتھ تھا۔

''لال خان! ہم تمہیں مبارکباد دیں یا تم ہمیں دو گے؟'' وہ شوخی سے پوچھ رہا تھا۔

''اجی سرکار! ساری محنت آپ کی ہے''۔ لال خان تو سرتاپا نہال تھا۔

''بس یہی ہے ہماری مبارکباد۔ لو اب ہم تمہیں دیتے ہیں''۔

کسی کو گھر سے نکلتے ہی مل گئی منزل

کوئی ہماری طرح عمر بھر سفر میں رہا

''بہت بہت مبارک ہو تمہیں''۔

بالو کی آنکھیں بند تھیں۔ مگر شعر پڑھنے والے کو اس نے چونک کر دیکھا۔ پٹ سے آنکھیں کھل گئی تھیں۔ ''یہ ہماری طرف سے حقیر سا تحفہ ہے بھابی''۔ اس نے انگوٹھی ڈبیہ سمیت اس کی سمت بڑھائی۔

''شادی مبارک ہو۔ یہ ہمارا یار ویسے بھی سیٹھ ہے اور دل کا بھی سیٹھ ہے۔ امید ہے آپ کو بہت خوش رکھے گا''۔

بالو کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ کوشش کے باوجود ''سیٹھ'' کی طرف نہ دیکھ سکی۔

”لال خان بھابی بہت نازک سی ہیں“۔ بہت خیال رکھنا ہوگا۔ اچھا اب ہم چلیں گے“۔

”اب دیکھیں کہ بھابی کے آنے کے بعد تم ہمیں کس طرح دستیاب ہوا کرو گے۔ اب دیکھیں گے تمہارے انداز“۔

ہر اک چیز بدل جاتی ہے عشق کا موسم آتے ہی
راتیں پاگل کر دیتی ہیں دن دیوانے ہو جاتے ہیں

”اچھا بھئی۔ شب بخیر“ ”خدا حافظ“۔ بالو کی نگاہ بے اختیار اٹھ گئی تھی۔

لمبا...... انتہائی دبلا...... داڑھی چھوٹی تھی یا کئی روز سے شیو نہیں بنائی تھی۔ صارف رنگ شاید کبھی گورا ہوگا۔ ۔۔ کی سی چال۔

نہ جانے کس کا بچہ رویا۔ اس نے چونک کر آنکھیں جھکا لیں۔

اس کے جاتے ہی جانے کس کے کہنے پر کمرہ خالی کر دیا گیا۔ تب اس نے ایک گہرا اطمانیت بھرا سانس لیا اور کر نظر دوڑانے لگی۔

بہت شاندار اور قیمتی فرنیچر تھا۔ اس نے تو کبھی اتنے قیمتی بستر پر بیٹھنے کا خواب بھی نہ دیکھا تھا۔ ٹیبل لیمپ ۔۔ کرتے گلدانوں سے آراستہ۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر ریشمی پردے کمرے کی سجاوٹ میں اضافہ کر رہے تھے۔ ۔۔ اور گلابوں سے بجی سیج۔ جن کی مہک اس کے اپنے وجود سے اٹھنے والی خوشبوؤں سے ہم آہنگ ہو کر ایک عجیب سا ۔۔ رہی تھی۔

”معا وہ بری طرح چونک پڑی سامنے کارنس پر لال خان کی بڑی سی تصویر رکھی تھی۔

سفید شلوار قمیض اور واسکٹ پہنے مونچھوں کو تاؤ دیئے۔ وہ شاید کسی متوقع کامیابی پر مسکرا رہا تھا۔ اس کا دل جیسے ۔۔ میں اتر گیا۔

وہ پلک جھپکنا بھول گئی تھی۔

ہر ذی روح کو زندگی ایک بار ملتی ہے اور عورت بھی زندگی کے اس سب سے حسین دور سے ایک بار گزرتی ہے۔ جس لڑکی کا دل پہلی رات ہی کو ڈوبنے لگے۔ اس کے بعد زندگی میں کبھی اچھی رات کے خواب نہیں آتے۔ اس ۔۔ مرجھاتا ہے کہ پھول پہننے کے سارے شوق ہی مرجھا جاتے ہیں۔ وہ آن کی آن میں گلشن سے جنگل میں آن کھڑی ہوتی ۔۔ اور مارے دکھ کے وہ راستہ دیکھنے لگتی ہے۔ جس پر چلتے ہوئے گاہ گاہ اسے پاؤں سے کانٹے نکالنے ہوتے ہیں۔

آبلہ پائی کا ہولناک سفر درپیش دیکھ کر اس کے حواس گم ہو گئے۔

اس نے چکراتے ہوئے سر کو سنبھال کر آس پاس نظر ڈال کر پانی تلاش کیا۔

لال خان نے وفور شوق سے ڈولتے ہوئے قدم اندر رکھے۔

اس کے حلق میں جیسے کانٹے پڑ گئے تھے۔

”پانی“۔ اس کے

لال خان نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ دور میز پر گلو کوز ملا پانی رکھا ہوا تھا۔ اس نے لپک کر گلاس اٹھایا اور تیزی سے اس کے قریب آیا اور بہت آرام اور احتیاط سے اسے سہارا دے کر گلاس ہونٹوں سے لگا دیا۔

وہ ایک سانس میں چڑھا گئی۔ قدرے سکون کا احساس ہوا تو سنبھل کر بیٹھ گئی۔ بلکہ لال خان سے ذرا پرے ہو گئی۔

ابھی پانی پیتے ہوئے وہ لال خان کے بازو کے گھیرے میں تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے یہ بازو کا حلقہ نہ ہو۔ دوزخ کی آگ میں تپا ہوا طوق ہو۔

لال خان کو ”حیا“ کا یہ انداز مزید بے خود کر گیا۔

”رانی ہو تم اس گھر کی...... نہ ساس نہ سسر...... ہم پانچ بھائی ہیں۔ سب کا اپنا اپنا کاروبار...... اپنا اپنا گھر...... سیاہ سفید کی مالکن ہو تم۔ جو جی چاہے کرو۔ جیسے چاہے رہو۔ اپنی طرف سے اجازت ہے۔ ہم تو بس چاہیں گے کہ تم خوش رہو“۔

نیا دولہا تھا۔ چونچلے کر رہا تھا۔

”خوش؟“ اس نے پہلی بار نظر اٹھا کر لال خان کی سمت دیکھا۔

پتا نہیں اب خوشی کس رنگ میں آئے گی۔ میں اسے پہچانوں گی بھی یا نہیں۔ یا ایک سوالی کی طرح پتھرائی آنکھوں سے خوشی کا راستہ دیکھا کروں گی۔

یہ رات نہیں آئی تھی تو خوشی کے امکان سونے نہیں دیتے تھے اب اندر ایک ماتم برپا ہو گیا ہے جو عمر بھر جگائے گا۔

”آج سے پندرہ سال پہلے میرا نکاح ہوا تھا۔ میرے ماموں کی بیٹی سے“۔ لال خان مخاطب ہو رہا تھا۔

اسکے دل کے دروازے پر پڑی زنجیر جھن جھن بجی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”مگر اسے ٹی بی ہو گئی تھی۔ ماموں نے اس کا بہتیرا علاج کرایا۔ مجھے بھی سالوں لٹکا کر رکھا کہ ٹھیک ہو جائے گی۔ پھر میں نے تنگ آ کر طلاق دیدی اور کویت چلا گیا۔ سات سال وہاں لگائے۔ پھر ملک واپس آ گیا۔ یوں تو شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ بڑے رشتے دیکھے۔ دراصل قسمت میں تو تم لکھی تھیں۔ اس لئے دیر ہو رہی تھی۔ ہر کام کا کوئی وقت مقرر ہے۔ لیکن بڑی اچھی قسمت ہے ہماری۔ سب تعریف کر رہے ہیں ہماری دلہن کی“۔

اب دلہن کو بہلانے کا مرحلہ آ رہا تھا جو لمحاتی قرب کے بعد دور جا بیٹھی تھی۔

”بھئی ہم تو سر سے پیر تک تمہارے ہیں۔ اتنی دور کیوں ہو گئی ہو“۔ لال خان گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ گیا۔ ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

وہ ایک رومان پرور لڑکی تھی جو اپنے خوابوں میں بہت آسودہ رہتی ہے۔ بجائے ایک ناپسندیدہ قرب کے۔ وہ مزید دور سرک گئی۔ بلا ارادہ۔ نادانستہ۔

اس کا سر ابھر رہا تھا۔ اس خیال ہی سے اسے غشی آ رہی تھی کہ وہ اس کے قریب آئے گا۔

”میں تھک گئی ہوں۔ سونا چاہتی ہوں“۔ وہ کانپتی آواز میں بمشکل گویا ہوئی۔

''ہاہاہا''۔لال خان کا بلند قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''بہت کم عمر ہو۔بہت نادان ہو۔ارے ابھی ساری تھکن اتر جائے گی''۔ سر

بالو کو اس کے والہانہ انداز پر چکر آنے لگے۔

''میں رو پڑوں گی''۔اس کی آواز بھرا گئی۔گویا یہ دھمکی تھی۔

''اور پھر ساری عمر ہنسو گی بھی تو''۔لال خان کلائی سے گھڑی اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولا۔

یاالٰہی۔ایک تو عورت بناتا ہے۔پھر اسے شیشے کا دل دیتا ہے۔اور پھر اسے ''لال خان'' دیتا ہے۔وہ اپنا چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

....

''آج تو کچن سے خوشبوؤں کا طوفان باہر آ رہا ہے۔کیا ہمارے نئے جنم کا جشن منایا جا رہا ہے''۔ اس داخل ہو کر گہرے گہرے سانس لئے اور ایک کباب اٹھا کر ٹونگنے لگی۔

''بڑے ابا پہنچ رہے ہیں آج شام چھ بجے''۔کلو نے اطلاع بم پہنچائی۔

''ہائیں......اچھا......یعنی حویلی کے سب باشندے قسطوں میں کراچی آ رہے ہیں''۔وہ مزے لے رہی تھی۔

''سب ٹھنڈے ہو جائیں گے۔انہیں پہلی فرصت میں اوون پہنچادو''۔روشی کو اچانک سگھڑاپا سوجھ گیا۔

''ابھی رکھ رہی ہوں۔تھوڑے سے باقی رہ گئے ہیں''۔وہ کڑھائی میں کباب الٹ پلٹ کر رہی تھی۔

''کلو''۔

''جی بی بی''۔

''یہ بڑے ابا کیوں آ رہے ہیں؟''

''مجھے کیا پتا بی بی۔ان کا گھر ہے سو بار آئیں گے''۔

''تو گویا بڑے ابا کی دعوت ہو رہی ہے''۔

''دعوت تو دوسروں کی ہے آپ کو نہیں پتا؟ فاطمہ بتا رہی تھی وہ جو اس دن نہیں آئے تھے موٹے سے سا ساہے۔جب آپ اسپتال سے آئی تھیں خان بھی یہیں تھے''۔(اس کا اشارہ باری کی طرف تھا)

روشی کا ہاتھ منہ کی طرف جاتے جاتے رہ گیا ''علیم الدین؟''۔

''جی نام مجھے پتا نہیں۔ویسے خان (باری) بتا رہے تھے کہ ہمارے گاؤں ہی کے ہیں''۔

''پر جی وہ تو سالوں سے شہر میں ہیں۔جب وہ گاؤں میں ہوں گے تو میں چھوٹی سی ہوں گی''۔

''ابھی تو گئے تھے دعوت کھا کر۔اتنی جلدی پھر آ رہے ہیں''۔اب سمجھ میں آیا کہ ''بڑے ابا'' کیوں نے ہاتھ کلو کے ایپرن سے پونچھے اور تقریباً پاؤں پٹختی لاؤنج سے باہر آ گئی۔

روبی ہاتھ میں آئینہ پکڑے آئی برو بنا رہی تھی۔زری کے بالوں میں رولر لگے تھے۔موٹا کپڑوں کا انتخاب کر کے بڑی نگہت میں گلو سے پاس کرانے کے ارادے سے لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔

شینو ایک کونے میں بیٹھی ''کالا سوٹ پہن لوں؟ کالا سوٹ پہن لوں؟'' کی گردان کر رہی تھی۔

بیبے ''پرل ٹاپس'' گم ہو گئے تھے وہ ایک ایک سے پوچھتی پھر رہی تھی۔

لالی ایک تذبذب کے عالم میں سوٹ لئے بیٹھی تھی۔جو بھی فارغ دکھائی دیتا اسی کے پاس جا کھڑی ہوتی یہ پوچھنے کیلئے کہ دوپٹے کا رنگ تیز تو نہیں ہے۔چل جائے گا؟ او ور تو نہیں لگے گا؟''

مریم کو استری کرتے ہوئے شرٹ پر نیل پالش کا نشان نظر آ گیا تھا اب وہ یہ پوچھتی پھر رہی تھی۔یہ چھوٹ بھی جائے گا؟ اور یہ بھی کہ کس طرح؟

پورے لاؤنج میں اگر کوئی پرسکون تھا تو وہ گلو تھیں۔وہ تیر کی طرح انہی کے پاس پہنچی۔

شینو نے سر اٹھا کر روشی کی سمت دیکھا۔

''ارے بھئی گلو......اس کا پہلا مصرعہ کیا ہے''۔

اڑنے بھی نہ پائے تھے کہ گرفتار ہوئے

''ارے چھوڑیں آپا۔یہ بے وقت کی راگنی''۔مریم نیل پالش کے دھبے والی شرٹ لئے انتہائی غم ناک پوزیشن میں تھی۔ایک دم تنک کر بولی تھی۔

''ارے کیوں غم میں دبلی ہوئی جا رہی ہو حنا کے پاس بھی تو ایسا سوٹ ہے۔اس کی شرٹ لے لو اگر قسم کھا بیٹھی ہو کہ یہی سوٹ پہننا ہے''۔شینو اس سے زیادہ تنک کر بولیں۔

''ہائے اللہ! یہ شیمپو بڑا خراب ہے سارے بالوں کی لٹیں بن گئیں''۔ثانیہ دہائی دیتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی۔اس کی شکل دیکھ کر سب اپنی فکریں بھول گئیں۔وہ قہقہے شروع ہوئے کہ بس۔

''کس سلسلے میں آخر یہ قیامت برپا ہے؟''روشی اب زیادہ برداشت نہ کر سکی۔سمجھ تو خیر وہ گئی تھی۔مگر ایک خود فریبی کا بھی ''مارجن'' ہوتا ہے ہر انسان کے اندر۔

''لو بھئی دولہا باراتیوں کا پوچھ رہا ہے۔آپ کیوں آئے ہیں''۔روبی کو نئی نئی باتیں گھڑنا خوب آتی تھیں۔

لاؤنج میں ایک مرتبہ پھر مشترکہ قہقہہ گونجا تھا۔وہ بکوسی بن کر انہیں دیکھنے لگی۔

''تم نے اپنے کپڑے وغیرہ تیار نہیں کیے؟ گلو نہ جانے کیوں آج گم صم سی تھیں۔

''اب کہاں جانا ہے؟''وہ انجان بن کر پوچھنے لگی۔''دریا بستی سے اٹھتے ہیں تو کراچی میں گرتے ہیں۔آگے تو اب سمندر ہے''۔اس کی خود اعتمادی آناً فاناً بحال ہو گئی تھی۔وہ اطمینان سے کشن کھسکا کر کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

روبی نے سب سے زیادہ اس کی اس بات سے حظ اٹھایا تھا۔خوب لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔''مان گئے روشی کیا جواب نازل ہوتے ہیں تم پر''۔

''اچھا اب تم بعد میں ٹانگیں پھیلا کر بیٹھنا۔ جا کر نہاؤ دھوؤ۔ اچھے سے کپڑے بدلو۔ بڑے ماموں آ رہے ہیں''۔ زری نے اسے حالت اطمینان میں پا کر ''ذرا'' چابی بھرنے کی کوشش کی۔

''لیڈی آف دی ایوننگ'' کا انعام دینے آ رہے ہیں بڑے ابا''۔ وہ باقاعدہ لیٹ گئی تھی۔

''روشی۔ چلو اٹھو۔ بدتمیزی نہیں چلے گی''۔ مونا نے چھاڑ پلائی۔

''میں ٹھیک ہوں۔ صبح ہی تبدیل کیے ہیں میں نے کپڑے۔ آپ سب میرے غم میں دبلے نہ ہوں''۔ ... میں ذرا فرق نہ آیا۔

''دعوت ہے گھر میں۔ دس پندرہ لوگ باہر کے آ رہے ہیں''۔ گلو نے سمجھایا۔

''وہ کھانا کھانے آ رہے ہیں۔ کھانا اچھا پکا ہے۔ میں سونگھ کر اور کچھ ''ٹونگ'' کر آ رہی ہوں''۔ وہ ہنس کر دیکھنے لگی۔

''ہو سکتا ہے۔ آنے والے دنوں میں وہ تمہارے ''سسرالی'' کہلائیں''۔ شینو اب مزید برداشت نہ کر سکیں۔

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ لڑکی کو اوریجنل حالت میں دیکھنا چاہیے''۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ ''یہ لیپا پوتی تو دھوکا ہے۔ کیوں زری آپی؟''

''چھوڑو اسے اس کے حال پر۔ تم لوگ اپنی تیاریاں کرو''۔ مونا نے ہمیشہ کی طرح صورتحال سنبھالی۔ مگر ... برداشت نہ ہوتی تھی۔

''اچھا سنو۔ کیا تم لوگ گانے بھی گاؤ گی؟'' وہ شرارت بھرے انداز میں مریم سے پوچھ رہی تھی ''مگر تم لوگوں کو تو ... کے گانے بھی نہیں آتے خیر میں ہیلپ کر دوں گی۔ وگرنہ تم لوگ تو ہر شادی میں ایک ہی گانا گاتی ہو۔

چاندنی میں آئیو میاں بنڑے

''بھئی پورے چاند کے دنوں میں اگر ''بنڑے'' کو ضروری کام پڑ گئے تو کیا بارات ایک مہینہ لیٹ کرو گی؟'' وہ ... تھی ان کی ہونق صورتیں دیکھ کر۔

گلو خوفزدہ سی اس کی شکل دیکھ رہی تھیں جیسے اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہو۔

''تمہیں پتا ہے کون ہیں وہ لوگ؟'' وہ دبی آواز میں پوچھنے لگیں۔

''علیم الدین بحلیہ جسیم الدین۔ ایک عدد ہونہار سپوت کے والد ماجد نہ مزید کوئی بیٹا نہ عابد نہ خالد''۔ وہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی ان کی حیران پریشان صورتیں دیکھ کر۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اوپر جا رہی ہوں جب کھانے کا وقت ہو جائے تو بلوا لیجیے گا''۔ وہ اسی طرح کھلکھلاتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

اور سیدھی اوپر بابا صاحب کے کمرے میں پہنچی۔ اس کی خواہش کے مطابق وہ کمرے میں موجود نہیں تھے۔ وہ اندر داخل ہوئی اور آہستگی سے دروازہ بند کر دیا اور فون کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے اس نے نمبر پش کیے۔

؟؟ فون ماما نے اٹھایا تھا۔

''ماما۔ باری ہے؟ اچھا فٹافٹ بلا دیں''۔ چند ثانیے اسے انتظار کرنا پڑا۔

''ہیلو۔ روشی بات کر رہی ہوں''۔

''اب کیا ہوا؟ وہ دوسری طرف سے پوچھا جا رہا تھا۔

''آج ٹیم لے کر آ رہے ہیں جس میں بارہویں کھلاڑی وہ خود ہیں''۔ وہ خفگی سے کہہ رہی تھی۔

''پتا ہے۔ مجھے۔ بڑے ابا یہاں سے روانہ ہو چکے ہیں۔ تین گھنٹے پہلے''۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی''۔ وہ دانت پیس کر پوچھنے لگی۔

''بڑے ابا۔ بطور ''ہیڈ لائن'' خود پہنچ رہے ہیں''۔ وہ ہنس رہا تھا۔

''میں کیا کروں؟'' وہ جھلائی۔

''کھانا کھایئے سب کے ساتھ۔ آج تو خاص ڈشیں ہوں گی''۔ اس کا قہقہہ ابھرا۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆

''کھانا تو خیر میں کھاؤں گی۔ تم اس کی فکر نہ کرو مگر یہ بتاؤ اگر وہ مجھے انگوٹھی پہنا گئے تو پھر......؟'' وہ چڑ گئی۔

''تو کیا ہوا پہن لیجئے گا! انگوٹھی کا وزن تو زیادہ نہیں ہوتا''۔ وہ ہنوز ہنس رہا تھا۔

''ڈڈیو چیٹ می...... (تم نے مجھے دھوکا دیا)''۔ وہ ہتھے سے اکھڑنے لگی۔

''ایزی روشی بی بی ایزی پلیز! یاور چچا کی غیر موجودگی میں کسی قسم کا ''فائنل'' نہیں ہو سکتا۔ یہ باتیں کوئی کھیل میں کیوں آپ کو چیٹ کروں گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ کتنی انتہا پسند ہیں؟ اور کچھ بھی کر سکتی ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں ہوگا''۔ وہ بہت سکون سے کہہ رہا تھا۔

''مگر یہ سب لڑکیاں تو اس طرح تیاریاں کر رہی ہیں جیسے ''منگنی'' ہو رہی ہے؟ وہ بسوری۔

''عادت سے مجبور ہیں' ڈونٹ وری...... یہ تو اگر خواب بھی دیکھیں کہ کوئی نیا کپڑا پہنے ہوئے ہیں تو اٹھتے ہی شروع کر دیں گی کہ ''بشارت'' ہوئی ہے۔ وہ قدرے جھلایا۔

روشی کی واقعی ہنسی چھوٹ گئی'' بھئی بڑی ''ریسرچ'' ہے تمہاری''۔

''ریسرچ کی کوئی بات نہیں۔ کھاتے پیتے گھرانوں کی لڑکیوں کو اس کے علاوہ کوئی خاص کام نہیں ہوتا۔ آپ اپنی طرف ہی دیکھئے بلاوجہ ''تیار'' ہوئی پھرتی ہیں۔ ماما بلی کی نواسی کو آپ نے اپنے گیارہ سوٹ عنایت کئے۔ ظاہر ہے۔ ان کی جگہ پر آپ نے بائیس تو بنائے ہوں گے''۔

اور وہ اس کی ''باخبری'' پر حیران ہوگئی۔

''اب تو میرا کپڑے بدلنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ تیار ہونا تو دور کی بات۔ بالوں کا حشر ہو رہا ہے۔ مگر سیٹ کرانے کا موڈ نہیں بن رہا''۔ وہ آزردگی سے کہہ رہی تھی۔

''یہ ''ایشین میم'' بننا ضروری ہے۔ کسی ''ہربل ٹانک'' سے روزانہ رات کو مالش شروع کر دیں۔ لمبے بال تو عورت کو مکمل کرتے ہیں۔ آپ کی ای کے کتنے لمبے بال تھے۔ ابھی تو حویلی میں چرچے ہیں''۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''ہاں مجھے پتا ہے' تمہیں لمبے بال پسند ہیں۔ جب ہی تو وہ چڑیل تمہیں پھانس چکی ہے''۔ اس کے دل میں کچھ دھکڑ پکڑ سی ہونے لگی۔

''میں اپنی پسند کی وجہ سے نہیں کہہ رہا...... آپ کو اپنی پسند کی زندگی گزارنے کا پورا پورا حق ہے۔ میں تو ہر عورت کے ضمن یہ بات کر رہا تھا''۔

(دل توڑنا تو کوئی تم سے سیکھے) اس نے بنا کچھ کہے ریسیور رکھ دیا۔

....

بڑے ابا آچکے تھے۔ اور وہ بے نیازی سے ''ڈیل کارنیگی'' کی کامیابی کے اصول نہایت عالم استغراق سے پڑھ رہی تھی۔

بڑے ابا کی آمد کی اطلاع اسے فاطمہ (نوکرانی) کے ذریعے ملی تھی۔ ردعمل کے طور پر اس نے کروٹ بدل کر شمال کی جانب سے منہ پھیر کر جنوب کی طرف کر لیا تھا۔

''کھانا لگ جائے تو بتا دینا''۔ اس نے کتاب پر سے نظریں اٹھائے بغیر تاکید کی۔ فاطمہ سر ہلاتی نکل گئی۔

انداز میں خاصا تعجب تھا۔ نیچے تو لڑکیوں نے ایک ہنگامہ مچایا ہوا تھا اور اس پر کسی بات کا کوئی اثر ہی نہیں تھا۔

''کتاب پڑھتے پڑھتے اسے اونگھ آگئی تھی۔ گلو نے جھنجھوڑا تو وہ ہڑبڑا کر جاگ گئی تھی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے' مہمان خواتین کب سے انتظار کر رہی ہیں اور میں سمجھ رہی تھی کہ تم تیار ہو رہی ہو''۔ گلو کا موڈ سخت آف تھا۔

''تیار تو ہوں۔ بتایا تھا ناں کہ صبح ہی تبدیل کئے ہیں کپڑے۔ اور مجھے کوئی شوق نہیں فینسی ڈریس شو کے مقابلے میں حصہ لینے کا''۔ اس نے بھی جواباً خراب موڈ کا مظاہرہ کیا۔

''بالوں میں برش تو کر لو دو چار چھپکے پانی کے ڈال لو منہ پر......''۔ وہ ناراضگی سے کہتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

وہ بے دلی سے سلیپر گھسیٹتی باتھ روم میں گھس گئی۔

''کسی دن باری! تم نے میرا اس طرح انتظار کیا ناں' تو دیکھنا سر سے پاؤں تک پھول پہنوں گی''۔

بالوں کو سرسری برش کیا' کانوں میں چھوٹی چھوٹی جھمکیاں پہنی ہوئی تھیں۔ اتار کر دراز میں ڈال دیں۔اور چہرے پر اچٹتی سی نظر ڈال کر دوپٹا ٹھیک کرتی نیچے آ گئی۔

''کہاں ہیں سب لوگ؟'' اس نے سامنے سے آتی فاطمہ سے پوچھا۔

''ڈائننگ روم میں۔ آپ ہی کو لینے جا رہی تھی بی بی''۔

''ایک عزرائیل ہی نہیں آتا میری جان لینے' باقی سب آتے رہتے ہیں''۔ وہ جھلاتی ہوئی ڈائننگ روم کی طرف طویل وعریض پرشکوہ ڈائننگ ٹیبل یہاں سے وہاں تک فل ہو چکی تھی۔

''السلام علیکم''۔ اس نے جائزہ لئے بغیر مختصر سلام کیا۔

''روشی! ادھر آؤ بیٹا''۔ بڑے ابا' بابا صاحب کے نزدیک بیٹھے تھے' اپنے سامنے والی کرسی کی طرف اشارا کیا۔

وہ بابا صاحب کی طرف قدرے خفگی بھرے انداز میں دیکھتے ہوئے بیٹھ گئی۔

''بیٹی! ابھی پڑھ رہی ہے؟'' برابر ہی بیٹھی اجنبی خاتون نے بڑے دلار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''جی''۔ اس نے بے زار کن انداز میں جواب دے کر اپنے سنوارے بال۔ گویا جتانے کی کوشش کی کہ انہوں خراب کر دیئے تھے۔

''کون سی جماعت چڑھی ہے خیر نال؟'' وہی محترمہ پھر گویا ہوئیں۔

وہ چپ رہی اور سامنے رکھی قسم قسم کی ڈشز کا جائزہ لیتی رہی۔

بابا صاحب نے بڑے پرجلال انداز میں اس کی سمت دیکھا۔ پھر اپنے بیٹے (بڑے ابا) کی طرف دیکھا۔ ان کے میں علیم الدین بیٹھے ہوئے تھے۔

''نور تھا ایئر میں ہے''۔ بڑے ابا نے علیم الدین کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے حصے کا جواب دیا۔

''اور بھئی نعیم بیٹے! تمہارا بزنس کیسا ہے؟'' ساتھ ہی انہوں نے علیم الدین کے صاحبزادے کو بھی مخاطب کر طرح سے سب کی توجہ روشی پر سے ہٹانے کی کوشش کی تھی۔

''فرسٹ کلاس! گراف اونچا ہی جا رہا ہے۔ کل ہم نے ریکارڈ کنسائنمنٹ روانہ کی ہے۔ یوں سمجھ لیں' لاسٹ ٹوٹل کے ایزا کول ہے''۔

''بہت خوب! بابا صاحب ایک نظر روشی پر ڈال کر کہ آیا وہ کس قدر ''متاثر'' ہوئی ہے۔ ہونہار فرزند کو سراہنے نے درحقیقت متاثر کرنے کیلئے اپنا پورا پورا زور بیاں صرف کیا تھا۔

روشی' نعیم کی طرف دیکھنے کے بجائے بڑی بے چارگی سے کھانے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''بڑے ابا! کھانا تو ٹھنڈا ہو جائے گا''۔ بالآخر اس سے رہا نہ گیا۔

محفل کے آخری سرے تک ایک ہلچل سی محسوس کی گئی' مگر اس کی بے نیازی میں کوئی کمی دکھائی نہیں دی۔

اسے اس بات کا تو سو فیصد یقین تھا کہ وہ جس کی سمت توجہ سے دیکھ لے گی۔ وہ اپنی نظر میں معتبر ہو جائے گا۔ خود کو اہم سمجھنے لگے گا۔ لہٰذا اس نے آخری حد تک شعوری..... کوشش کی کہ غلطی سے بھی اس کی نظر نعیم کی طرف نہ اٹھے۔

نان کے ساتھ کوفتے کھانے کے خیال سے اس کے منہ میں پانی آ رہا تھا۔ کوفتے بھی' شاہی کوفتے ...... ڈھیروں لوازمات سے تیار کئے ہوئے۔ جیسے ہی کھانا شروع ہوا' وہ تو سرتاپا جیسے اس ''حسین عمل'' میں غرق ہو گئی۔ سارے ماحول سے بے نیاز بابا صاحب کی قربت سے بے خبر......

....

''آپ نے اپنے بیڈروم میں بجو کی کوئی تصویر نہیں سجائی ہوئی؟'' ماہین یاور علی خان کے ہمراہ بیٹھی ہوئی شام کی چائے پی رہی تھی۔

شام بھی کیا دھندلکوں سے رات ہی کا ہیولا ابھر رہا تھا۔ طویل وعریض لان ......اور لان کے اس پار چاروں طرف بے آبادی اور ویرانی۔

''لوگ تصویریں کیوں سجاتے ہیں؟ دل و دماغ میں اتری ہوئی تصویریں کیا کاغذ پر اتری ہوئی تصاویر کا مقابلہ کر سکتی ہیں؟ کاغذ پر اتری ہوئی تصویر تو جامد اور بے جان ہوتی ہے۔ ذہن کے پردے پر زندہ اور متحرک تصویر ہوتی ہے' لہو میں اتر جانے والے بے رحم احساس کے ساتھ''۔ وہ آہستگی سے دوبارہ سپ لینے لگے۔

''میری شامت نے دھکا دیا تھا کہ آپ سے سوال کر لیا۔ حالانکہ میرے ''سب کانشس'' میں یہ بات اچھی طرح اتر چکی ہے کہ آپ کے ہاں ہونے اور نہ ہونے کی' ہر انداز کی ریزن (وجہ) موجود ہے۔ آپ سے سوالیہ گفتگو تو تقریباً بے کار ہی ہے''۔ وہ شرارت سے منہ بنا کر بولی۔

''آپ تو بغیر ریزن کے کسی کی موت میں بھی شریک نہ ہوں''۔

''یعنی ایک حساب سے آپ مجھے مطلبی یا غرض کا بندہ کہہ رہی ہیں؟ مگر ایک بات میں آپ کو بتا دوں' اس دنیا میں بہت سے کام بغیر وجہ کے بھی لازماً کرنا ہوتے ہیں کیونکہ ان کے کرنے سے دل کو وہ خوشی ملتی ہے جو غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) تحفہ ہوتی ہے۔ جس کے ملنے سے انسان پہلے سے زیادہ طاقتور اور توانا ہو جاتا ہے' یا اس کی عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی حاصل ہونے کے بعد انسان کو یہ ہوش ہی نہیں رہتا کہ وہ یہ جاننے کی کوشش کرے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ البتہ جب دکھ ملتے ہیں تب شاید انسان گمشدہ خوشی کے اسباب و وجوہات پر غور کرتا ہے۔ حالانکہ اکثر وہ اس کی سمجھ سے بالاتر ہی ہوتے ہیں''۔

وہ تقریباً ہکا بکا تھی اور ان کی سمت ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔

یاور علی خان کو جیسے اندازہ تھا جب اس کی حیرت ختم ہو گی' تو وہ اپنے انداز پر شرمندہ ہو جائے گی۔ لہٰذا وہ سگریٹ کیس سے سگریٹ نکالنے اور سلگانے میں مگن ہو گئے۔

''آپ کو اس طرح کے لطیف جذبوں کی پہچان ہے' یقین کریں' مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی' ورنہ ایمانداری کی بات

ہے' اب تک تو مجھے بجو پر حیرت تھی۔ کیوں آپ کی دیوانی تھیں۔ پتھر میں کیا نظر آتا تھا۔ معاف کیجئے گا''۔

''سر! آپ کا فون ہے''۔ معاً ملازم نے مداخلت کی۔

یاور علی خان فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

ماہین اپنے لئے دوسرا کپ تیار کرنے لگی۔ دو منٹ بعد ہی وہ واپس آ گئے۔

''آپ کے بھائی نعمان احمد سے بات کر لیجئے''۔

ماہین تو جیسے سرپٹ دوڑی تھی۔ حویلی میں جتنی بار کراچی سے فون آیا تھا۔ منیب احمد کا تھا جب سے وہ آئی تھی یہ پہلا فون تھا۔

اس نے وفور شوق سے ریسیور کانوں سے لگاتے ہی سلام کیا تھا۔

اور ادھر سے سلام کا جواب دینے کے...... فوراً بعد اسے فی الفور کراچی واپس پہنچنے کیلئے کہا گیا تھا کہ جو بھی فلائٹ ملے پہلی فرصت میں آ جائے۔ پپا کی طبیعت خراب ہے۔ اور پریشان کن بات یہ تھی کہ نعمان بھائی نے مزید کوئی بات نہ کی ریسیور رکھ دیا تھا۔

اب اس کی پریشانی فطری تھی۔ وہ تقریباً دوڑتی ہوئی یاور علی خان کے پاس آئی تھی۔

''آپ فکر نہ کریں' اپنا سامان پیک کریں' میرا آدمی آپ کو چھوڑ آئے گا' بلکہ جہاز میں بٹھا آئے گا''۔ گویا انہیں معلوم ہو چکا تھا۔

''میں نہیں جاؤں گی آپ کے کسی آدمی وادمی کے ساتھ' آپ میرے ساتھ چلیں۔ مجھے تو ان آدمیوں کی شکلوں سے خوف آتا ہے۔ اتنا لمبا راستہ میں کسی بے ڈھب آدمی کے ساتھ نہیں گزار سکتی۔ اس سے تو بہتر ہے' میں اکیلی آپ کی ڈرائیو کر کے ایئر پورٹ لے جاؤں۔ بعد میں آپ کا ڈرائیور آ کر جیپ لے جائے''۔

''یہ دنیا ننانوے فیصد ''بے ڈھب'' ہے۔ کیا بنے گا آپ کا؟ اچھا چلیں تیار ہو جائیں اور پریشان نہ ہوں اللہ بہتر کرے گا جائینگے''۔

''وہ کون؟'' وہ برا مان کر ان کی طرف پلٹی۔

''آپ کے پاپا......!'' وہ خاصی الجھن میں دکھائی دیئے۔

''میرے پاپا آپ کے کچھ نہیں لگتے یاور بھائی؟'' اسے جیسے ان کے انداز پر بہت صدمہ ہوا۔

''آئی ایم سوری...... میرا مطلب ہے منیب انکل''۔

ان کے انداز میں جان چھڑانے والی عجلت تھی' جسے وہ محسوس کر سکتی تھی' مگر اس کے پاس وقت نہیں تھا۔

....

اب ظاہر ہے' ان کے ہاتھ مشغلہ لگ ہی گیا تھا' روشی کا ان کے درمیان چلنا پھرنا دوبھر ہو چکا تھا۔ جملے بازی جو تھی سو تھی۔ ادھر ادھر کونوں سے باقاعدہ نغمات نشر ہو رہے تھے۔

پھول بکھیرو' نغمے چھیڑو' آیا ہے جان بہاراں

صنم آئے ہیں' ہمارے وارو چاند ستارے

میرے محبوب پر

لالی اور بیبہ بہت ترنگ اور لطم سے گا رہی تھیں۔

''گلو تم نے ''انارکلی'' دیکھی ہے بڑا شاندار گیت ہے اس میں''۔

''کون سا؟'' گلو اپنی دوست کو بہت انہماک سے خط لکھ رہی تھیں۔

''وہی...... کیا ہے وہ......؟

جو دل یہاں نہ مل سکے ملیں گے اس جہان میں

کھلیں گے آرزو کے پھول جا کے آسمان میں

''ہاں واقعی بہت پیارا گیت ہے' پہلا مصرعہ غالباً یہ ہے''۔

یہ زندگی اسی کی ہے جو کسی کا ہو گیا

وہ خط لکھتے لکھتے بڑی سادگی سے بولیں۔

''آپا! آپ تو ہمیشہ خوشی کے لمحوں میں کسی کونے سے غم اٹھا لایا کریں''۔ روبی کو غصہ آ گیا۔

''آج تو بڑا اچھا ماحول ہے... خوشی کی گھڑیاں ہیں' دیکھنا کتنی شاندار جوڑی بنے گی' جو دیکھے گا تعریف کرے گا' بڑی اچھی پرسنالٹی ہے۔ شلوار قمیض میں تو وہ ایک دم قبائلی سردار دکھائی دے''۔ مونا نے بھی حصہ لیا۔

''پورا نام غالباً نعیم الدین ہوگا''۔ بیبہ کو پورے نام کے مسئلے نے ستایا۔

''خدا کیلئے روشی! تم اپنے بیٹوں کے نام اس قافیے پر مت رکھنا''۔ مریم نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے۔

''کبھی پتا چلے' الال دین... فلاں دین کے ناموں کا رش لگا ہوا ہے''۔

وہ اس قدر سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں جیسے روشی کے ہاں بیٹے ہونے کا اسے سو فیصد یقین ہو۔

''رش کا کیا مطلب؟ کیا تمہیں کسی نجومی سے بتایا ہے کہ روشی کے ہاں گیارہ بیٹے ہوں گے؟'' زری نے تعجب سے مریم کی طرف دیکھا۔

''اچھی بات فرض کر لینے میں کوئی حرج تو نہیں''۔ مریم کے پاس جواب تیار تھا۔

''پھر بھی کچھ کم کرو' بیٹے بہت زیادہ ہیں''۔ لالی کو اتنی تعداد پر سخت اعتراض تھا۔

''مثلاً کتنے کروں؟'' مریم نے کن اکھیوں سے روشی کی طرف دیکھا۔

''کوئی ضرورت نہیں کم کرنے کی۔ تھوڑے دنوں کی پریشانی ہوگی' جب بچے چھوٹے ہوں' جب جوان ہو جائینگے تو گھر بھرا بھرا لگے گا۔ روشی کا جو ''کنبہ'' ہوگا وہ الگ......!''

''پھر تو روشی کا ایک الگ قبیلہ بنے گا۔ میں نے ہسٹری پڑھی ہے۔ یو نو؟ ''سلطنت عثمانیہ'' کی بنیاد جس قبیلے نے رکھی تھی

وہ صرف نو مردوں پر مشتمل تھا''۔ تانیہ نے معلومات ''تقسیم'' کیں۔

''لگتا ہے روشی کے نصیب میں ملکہ بننا ہی لکھا ہے''۔ زری نے شرارت سے روشی کی طرف دیکھا' جو ان کی طرف کئے بغیر سو رہی تھی۔

چاند پھر نکلا مگر تم نہ آئے۔ جلا پھر مرا دل میں کیا کروں ہائے......!

چاند پھر نکلا......!

شینو کی پرسوز آواز اس شور میں بھی اپنی جگہ بنائے ہوئے تھی۔ وہ آنکھیں بند کئے گنگنا رہی تھیں۔

''آپ کو صرف غمگین گانے ہی کیوں پسند ہیں؟'' ہیبہ نے بالآخر پوچھ لیا۔

''پسند ہے اپنی اپنی' مجھے اصل میں پائیدار چیزیں پسند ہیں''۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرائیں۔

''اٹینشن پلیز!'' حنا تقریباً بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔

''الٰہی خیر!'' موتا گھبرانے میں سب سے آگے رہتی تھی۔ ایک دم ہول گئی تھی۔

''ابھی ابھی فون آیا تھا۔ پتا نہیں کہاں سے میں اوپر تھی' بابا صاحب بات کر رہے تھے۔ کہہ رہے تھے میں بچیوں ہی لا رہا ہوں۔ جمعے کی سیٹیں کرا لیتا ہوں''۔

حنا نے سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے چونکانے والی خبر پہنچائی۔

''آج کیا ہے؟'' روشی یک دم اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''جمعے میں دو دن باقی ہیں''۔ شینو نے مسکرا کر روشی کو جواب دیا۔

اس کی جان جل گئی۔ اس کا جی چاہا ہاتھ جوڑ کر درخواست کرے کہ خدا کیلئے آپ مسکرایا نہ کریں۔ بلاوجہ کا ''خرچ'' ہے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہاں چل پڑیں؟'' گلو نے خط مکمل کرتے کرتے اسے ٹوکنے کی فرصت نکالی۔

''سامان پیک کرنے''۔ شینو پھر بولیں۔ روشی خاموش رہی۔

''اتنی جلدی' ابھی تو ہمارا دل بھی نہیں بھرا''۔ لالی بسوری۔

''یہاں ہے کیا؟ سوائے نزلے کے۔ میں تو جس دن سے آئی ہوں۔ نزلہ زکام ہی پیچھا نہیں چھوڑ رہا۔ بھوک تو سے نہیں لگتی۔ رنگ علیحدہ ''کالے'' ہو رہے ہیں''۔ روشی نے تنک کر لالی کو ٹوکا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہے روشی۔ ایک حساب سے تو واقعی یہاں کچھ بھی نہیں ہے''۔ شینو نے ہنس کر تائید کی۔ روشی پیشانی بال جھٹکتی باہر نکل گئی۔ کچھ آئندہ پر چھوڑ کر۔

....

''ہیلو......جی ماہین بات کر رہی ہوں''۔

''جی...... ؟ کیسی طبیعت ہے آپ کے پاپا کی؟'' وہ اپنے آفس سے بات کر رہے تھے۔

''ٹھیک نہیں ہے۔ میرا دل چاہا' آپ سے کہوں' آپ یہاں آکر مجھے ان حالات میں ''مورل سپورٹ'' دیں۔ میں بہت پریشان ہوں''۔ اس کی آواز رندھ گئی۔

''آپ تو باہمت ہیں' ایسے نہ کریں' نعمان کہاں ہے؟''

''وہ اسپتال میں ہیں چچا کے پاس۔ یاور بھائی! میرا دل ڈوب رہا ہے''۔ وہ رو دی۔

''ایسے کیوں سوچ رہی ہیں' انشاءاللہ ٹھیک ہو جائینگے......ٹیک اٹ ایزی پلیز''۔

''آپ آئینگے؟''

''آپ یہاں کے حالات دیکھ کر گئی ہیں''۔

''آپ کو تو دل رکھنا بھی نہیں آتا' کتنے بے رحم ہیں آپ؟''

''سچ کتنا ہی بے رحم کیوں نہ محسوس ہو' جھوٹ سے زیادہ بے رحم نہیں ہوتا''۔

''آپ کو بری الذمہ ہونے کے سارے ہنر آتے ہیں''۔ وہ سوں سوں کر رہی تھی۔

''سچائی اور عیاری کے فرق کو پہچاننا سیکھیے ماہین''۔ وہ جیسے زچ ہو گئے۔

''گھبرائیے نہیں' سوچیں تو بہت فاصلے ہیں۔ سوچیں تو فاصلہ ہی نہیں۔ میں آپ کو فون کرتا رہوں گا''۔ یاور علی نے ریسیور رکھ دیا تھا۔

....

سفر تو بڑا خاموش اور پرسکون تھا کہ بابا صاحب اور بڑے ابا ہمراہ تھے۔ لڑکیاں خاموش اور پرسکون رہنے پر مجبور تھیں۔ مگر جیسے ہی وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچیں' ایک ہنگامہ شروع ہو گیا۔ اپنی ماؤں کے گلے لگ لگ کر پیار ہو رہے تھے۔ بہت زیادہ یاد کرنے کے یقین دلائے جا رہے تھے۔ روشی تھوڑی دیر ایک طرف کھڑی سب کو دیکھتی رہی۔ جانے کیا سوچ رہی تھی۔

بڑی امی آگے بڑھیں اور اس کے سر پر پیار کیا ''اچھی تو ہے میری بیٹی؟ ادھر کونے میں کیوں کھڑی ہے؟''

وہ بیزار کن انداز میں ان کے پاس سے ہٹ گئی۔ ''ٹھیک ہوں' مجھے ہونا بھی کیا ہے؟''

''اور جو کچھ ہو چکا ہے' وہ سب آپ کو صبح ہونے سے پہلے پہلے بتا دیں گی' تسلی رکھیے''۔

وہ باہر نکل آئی۔ ماما ملی کچن کی طرف ٹرالی دھکیلتی جا رہی تھی۔

''..!''

''جی بی بی!'' وہ ٹھہر گئی۔

''جو بھائی کو بلا دیں' کہیے جلدی آئیں۔ میں ادھر باغ میں سیڑھیوں پر بیٹھی ہوں''۔ وہ حکم صادر کر کے باغ کی طرف ہو گئی۔

کچھ دیر ٹہلتی رہی پھر سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

پانچ سات منٹ بعد اسے جواد آتا دکھائی دیا۔

''السلام علیکم بھائی!'' اس نے اسی انداز میں بیٹھے بیٹھے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!'' وہ اس کے برابر بیٹھ گیا۔

''کیسا وقت گزرا کراچی میں؟'' اس نے روشی کے اترے ہوئے چہرے پر تفصیلی نظر دوڑائی۔

''سینٹرل جیل سے ''سب جیل'' میں چلے گئے تھے''۔ وہ تلخی سے ہنسی۔

''یہ ہمارا ماحول ہے' جو بچہ اس ماحول میں پیدا ہوتا ہے' اسی ماحول کا عادی ہوتا ہے' تم یہ بات کیوں نہیں سمجھ لیتیں' اس طرح خود سے سب کو بدظن کر کے ملے گا بھی کیا؟''

''آپ یہاں خوش ہیں؟'' اس نے بھائی کو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''بہت' اتنی محبتیں' اتنی نعمتیں اور سہولتیں ہیں' اور پھر سب سے بڑھ کر جو کچھ ہے' ہمارا اپنا ہے۔ یہ گھر' زمین' ہمارا دکھ سکھ کے ساتھی''۔

''آپ ''اس گھر'' کے مرد ہیں' عورت نہیں ہیں' اس لئے آپ کو آزادی جو بہت ہے''۔

اس نے بھائی کی بات درمیان ہی میں کاٹ دی۔

''تمہیں کس طرح کی آزادی چاہیے۔ عورت کو آزادی سے کیا سروکار' وہ جتنی پابند ہوتی ہے' اتنی ہی محفوظ ہوتی ہے' جو عورت جتنی محفوظ ہوتی ہے' وہ اتنی ہی پرسکون ہوتی ہے۔ عورت کے ذہنی سکون کے تمام سلسلے گھر سے شروع ہو کر گھر ہی پر ختم ہوتے ہیں۔ عورت گھر میں مصروف رہ کر گھر کو سنوارتی ہے اور جتنا زیادہ گھر سنورتا ہے' اتنا زیادہ باہر سکون اور حسن ہوتا ہے۔ اب اگر تم سیاستدان بننا چاہتی ہو تو بے کار ہے' جو پہلے سے سیاست میں ہیں انہوں نے کیا کر لیا؟ انہیں تو میدان حاصل ہے' پھر بھی ملک وہیں کا وہیں ہیں۔ جو آتا' وہ سب سے پہلے ''خزانہ خالی'' ہونے کی اطلاع دیتا ہے اور ہر بار خزانہ پہلے سے زیادہ خالی ہوتا ہے''۔

''سائنسدان بن کر کچھ ''ایجاد'' کرنا چاہتی ہو تو بتاؤ' میں تمہیں مقصد حاصل کرنے کا راستہ بتاتا ہوں۔ تمہاری مدد کا وعدہ کرتا ہوں''۔

''انسان خالی سیاست دان یا سائنسدان ہی تو نہیں بننا چاہتا''۔ اس نے تنک کر پھر جواد کو بیچ میں ٹوک دیا۔

''تمہارے ایف ایس سی میں اچھے خاصے نمبر آئے تھے۔ پپا نے تم سے پوچھا بھی تھا کہ ڈاکٹر بننا چاہتی ہو تو... تم نے منع کر دیا تھا ناں؟''

''جی...... مگر میں نے اس لئے منع کر دیا تھا کہ ڈاکٹر بن کر بھی میں نے صرف ''خانوں'' کی خدمت کرنی ہے۔ صاحب کو عورت کے ''جاب'' کرنے سے کتنی چڑ ہے۔ پتا ہے آپ کو...... پھر فائدہ اتنی محنت و مشقت کا؟''

''پھر اب کیا کرنا چاہتی ہو؟'' وہ اس کی سمت دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

''فی الحال تو پپا سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے ان کے آفس کا نمبر نہیں پتا۔ آپ ملا کر دیں' مگر ان سے پرائیویٹ بات کرنا چاہتی ہوں۔ وہاں لاؤنج میں وہ سب بیٹھی ہیں۔ بڑے ابا باہر گئے ہیں۔ آپ ان کی بیٹھک کا تالا کھول کر بات کرا دیں' پلیز جواد بھائی''۔ اس نے جیسے منت کی۔

''اچھا تم بیٹھو' میں کھوکھر سے چابی لے کر آتا ہوں''۔ وہ جیسے بادل نخواستہ اٹھا۔

وہ پاؤں کے انگوٹھے سے ٹائل پر کچھ نقش بنانے میں مصروف ہو گئی۔

جواد جلد ہی واپس آ گیا تھا۔ ''آؤ'' اس نے روشی کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

وہ بڑی پھرتی سے اٹھی اور اس کے پیچھے چل پڑی۔

پھاٹک کے ساتھ ہی بڑے ابا کی بیٹھک تھی' جہاں وہ ملاقاتیوں سے مخصوص اوقات میں ملا کرتے تھے۔

جواد نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے تالا کھولا۔ رات کے سوا آٹھ بجے کا عمل تھا۔

بڑے ابا کی ٹیبل پر جدید ترین ماڈل کا امپورٹڈ ٹیلی فون سیٹ موجود تھا۔ جواد نے نمبر ملانے کے دوران اسے نزدیکی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ نمبر ملا کر دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھ کر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ سیٹ سے ''ٹون'' آ رہی تھی' جسے روشی بھی سن رہی تھی۔ ٹون کا آہنگ تبدیل ہوا اور جواد نے تیزی سے ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو...... السلام علیکم پپا! میں جواد بات کر رہا ہوں...... یہ روشی آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہے...... خاصی ڈسٹرب ہے' اب آپ اسی سے پوچھ لیجیے۔ لو بات کرو''۔

اس نے ریسیور روشی کی سمت بڑھایا۔

''اسلام علیکم پپا''۔ اس کی آواز نہ چاہتے ہوئے بھی بھرا گئی۔

''میں آپ کو بہت مس کر رہی ہوں''۔ آنسو رخساروں پر ڈھلک آئے۔

''خفا ہو رہی ہیں؟''

''جی نہیں...... اتنی زیادتی پپا......؟''

''میرے حصے میں ماں کی محبت نہیں آئی تو کیا خالہ بھی نہیں...... پپا! آپ نے میرے ساتھ اتنی زیادتی کی ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں مر جاؤں''۔ وہ رو رہی تھی۔

''ابھی ہم کراچی سے واپس آئے تو مجھے احساس اور زیادہ ہوا کہ آپ نے میرے ساتھ کتنی زیادتی کی ہے' جب ہم اندر آئے ناں پپا! تو وہ سب اپنی اپنی ماؤں سے لپٹ گئیں۔ میری طرف تو کسی کا دھیان بھی نہیں آیا۔ سب کی پول کھل گئی۔ ویسے کتنا پیار جتاتی ہیں۔ سب اور کیا بڑی امی مجھے گلے نہیں لگا سکتی تھیں۔ صرف سر پر ہاتھ پھیر کر چلی گئیں۔ تب مجھے احساس ہوا' آپ نے میرے ساتھ کتنا ظلم کیا ہے۔ آپ مجھے دوسری ''ماں'' لا کر نہیں دے سکتے تھے؟'' وہ سسکیاں لے رہی تھی۔

جواد نے سر پیٹ لیا تھا۔

''جی......؟ ٹھیک ہے۔ دوسری ماں کی محبت کی گارنٹی نہیں ہوتی' وہ مجھے گلے سے نہ لگاتیں تو کیا ہوا میں خود ان کے گلے سے لگ جاتی''۔

''جی؟ مجھے پتا ہے' آپ کو میری ان باتوں سے غصہ ہی آئے گا' مگر میں فیصلہ کر چکی ہوں کہ اب کوئی بات میں دل نہیں

رکھوں گی' ہر بات آپ سے کہا کروں گی۔ آپ کو مجھ پر کتنا ہی غصہ آئے مگر مجھے شوٹ تو نہیں کر سکتے''۔

''بتا رہی ہوں کہ آپ کو فون کیوں کیا ہے۔ پہلے یہ بتایئے کہ ''ایج گروپ'' میں فرق ہو تو کیا شادی معیوب ہے؟''

''یہ الٹی سیدھی باتیں نہیں ہیں پپا! پلیز آپ مجھے جواب دیں''۔

''میرے نزدیک تو یہ بالکل بھی معیوب نہیں''۔

''مطلب یہ ہے پپا! آپ خالہ سے شادی کر لیں''۔ اس نے دھماکہ کر دیا۔

''ڈونٹ بی سلی روشانے......!'' جواد نے لپک کر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ دیا۔

''آپ مجھے بات کرنے دیں بھائی...... پلیز''۔

''تمہیں معلوم ہے تم کیا کر رہی ہو؟ پپا تم سے سخت ناراض ہو جائیں گے' بات نہیں کریں گے تم سے......''

جواد نے ماؤتھ پیس پر اسی طرح ہاتھ رکھا ہوا تھا کہ دوسری طرف سے ریسیور رکھنے کی واضح آواز سنائی دی۔

''اس نے گہرا سانس لیکر ریسیور جواد ہی کو تھما دیا۔

''آپ بہت خراب ہیں بھائی' مجھے پپا کا جواب تو سننے دیتے۔ ہاں نہیں تو...... اصل بات یہ ہے کہ آج تک کسی نے پپا کیلئے پرخلوص اور پکی کوشش ہی نہیں کی''۔

وہ بسور کر بولی۔ ''یہ لوگ ذرا سی زبردستی کرتے پپا کے ساتھ اور ہمارا بھلا ہو جاتا''۔

''تم کرو گی پپا کیلئے کوشش؟ نان سینس! اچھا اب اٹھو' بڑے ابا نہ آ جائیں اور ہاں سنو! یہ گلے لگانے اور رونے والا قصہ تمہیں پپا کے علم میں نہیں لانا چاہیے تھا۔ وہ ڈسٹرب ہو گئے ہوں گے' اگر ہماری ممی نہیں رہیں تو اس میں ان کا کیا قصور؟'' وہ آگے اور جواد اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''پتا نہیں اس حویلی کے مردوں کے سینے میں دل ہی نہیں ہوتے شاید...... آپ کبھی مس نہیں کرتے اپنی ممی کو؟ حیرت ہے' شاید آپ کو مجھ سے بھی محبت نہ ہو''۔ وہ واپسی کیلئے اندر کی جانب بڑھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''روشانے! کیا ہو گیا ہے تمہیں' ہر ایک پر شک کرنے لگی ہو؟'' جواد نے اس کا بازو تھام کو اسے جانے سے روکا۔

''آپ کو میرا ذرا سا بھی خیال ہوتا تو آپ مجھے پپا سے ساری بات کرنے دیتے بلکہ میری ہاں میں ہاں ملا کر میرے ساتھ مل کر پپا کو پریس کرتے اور کہتے آپ کو شادی ضرور کرنا چاہیے''۔

''دماغ خراب نہیں ہے میرا تمہاری طرح...... اندر وہاں کسی سے ذکر نہ کر دینا غلطی سے' تماشا بن جائے گا''۔

''مگر مجھے رونا آ رہا ہے۔ اگر میں رو پڑی تو سب پوچھیں گے اور اس وقت میں سب سے جیلس ہو رہی ہوں' دل چاہ رہا ہے سب کے سر پھاڑ دوں''۔

اس نے رک کر جواد کو پوری سچائی سے اپنے اندرونی احساسات سے آگاہ کیا۔

وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

''روشی''۔

''جی بھائی''۔

''تو...... ابھی ڈرائیو پر چلتے ہیں' آؤ شاباش''۔

اس نے نظریں اٹھا کر بھائی کی طرف دیکھا۔ رشتہ بھی فطری تھا۔ جذبہ بھی فطری اور اسے یہ بھی سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ اسے بہلانا چاہتا ہے اور کیوں بہلانا چاہتا ہے۔ یہ بھی......!

''اندر بڑی امی کو بتا آؤ کہ ہم ذرا ایک گھنٹے کیلئے باہر جا رہے ہیں''۔ اس نے جیب کو چھو کر گاڑی کی چابی تلاش کی۔

''ٹھوکھر''۔

''جی بی بی''۔

''جاؤ ذرا بڑی امی کو کہہ دو کہ میں جواد کے ساتھ باہر جا رہی ہوں اور ہاں سنو! یہ باری نظر نہیں آ رہا''۔

جواد چابی لینے اندر کی طرف جا رہا تھا' اس نے آہستگی سے دریافت کیا۔

''وہ یہاں نہیں ہیں' سرائے گئے ہوئے ہیں''۔

''کب سے؟''

''کل گئے تھے''۔

وہ جانے کس دھیان میں چلی گئی تھی۔ جواد نے واپس آ کر مخاطب کیا تو وہ چونک گئی تھی۔

....

جب روشی کا فون آیا تو وہ بہت تھک کر بستر پر لیٹے تھے۔ جواد کی آواز سن کر وہ ذرا چونک گئے تھے' مگر روشی کی آواز سن کر وہ واقعی خاصے پریشان ہو گئے تھے۔ کیونکہ روشی کا رات کے وقت فون آنا اپنے اندر بہت سارے معنی رکھتا تھا۔ وہ ویسے بھی اس کی طرف سے متفکر ہی رہتے تھے۔

اور اب جب کہ وہ اپنا دکھ کہہ چکی تھی' فون خاموش ہو چکا تھا۔ مگر روح میں ایک شور برپا تھا۔ جواد نے انہیں کبھی احساس نہیں دلایا تھا کہ وہ ماں کو مس کرتا ہے۔ شاید وہ بہت گہرا تھا مگر روشی نے کئی بار انہیں لاشعوری طور پر احساس دلایا تھا کہ وہ ماں کے بغیر نامکمل ہے۔ اسے بہت زیادہ اس بات کا قلق ہے کہ اس کی ماں نہیں ہے۔

انہوں نے سگریٹ لگا کر سر بازو کے نیچے رکھ لیا۔ آج ان کو یقین ہو گیا تھا کہ روشی جسمانی طور پر ضرور بڑی ہو گئی ہے۔ مگر اس کا ذہن ہنوز بچوں جیسا ہے۔

اس عمر میں ان سے ماں کی فرمائش کر رہی ہے' جبکہ اب خود اس قابل ہو چکی ہے کہ شادی کر کے اپنی گرہستی سنبھالے۔

نازنین کا تصور کر کے وہ جیسے اپنے آپ سے بھی شرمندہ ہو گئے۔ نان سینس روشی سلی گرل۔ انہوں نے گہرا کش لگایا۔

نازنین کا ہیولا نئے رنگوں میں تحلیل ہوا۔ اب نازنین' اپنی چوٹی میں بل ڈال رہی تھی اس کے سفید ہاتھ سیاہ بالوں پر اس طرح لگ رہے تھے جیسے رات کے وقت جھیل کے پانی پر کنول۔

کمرے میں اس کی گنگناتی ہوئی ہنسی گونجنے لگی۔ اس کے گہرے رنگ کے ملبوس سے اٹھتی خوشبو میں ان کے

اعصاب چٹخنے لگیں۔

وہ ادھر ادھر' یہاں وہاں متحرک ہو گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

پھر بستر سے اتر کر آئے' کھڑکیوں کے پردے سرکائے۔ دروازہ کھول دیا۔

''عمر دین!'' انہوں نے ملازم کو آواز دی۔

''جی صیب''۔ وہ فوراً آموجود ہوا۔

''اچھی سی چائے بناؤ''۔ انہوں نے اس کی طرف دیکھے بغیر حکم دیا اور آگے بڑھ کر سگریٹ کا بجھا ہوا ٹکڑا ایش… مسل دیا۔

''یاور! آپ شادی میں نہیں آئے ناں تو میں یہ سب کپڑے نہیں پہنوں گی۔ میں جب اہتمام سے تیار ہوتی ہوں تو دل چاہتا ہے' آپ موجود ہوں۔ آپ نہیں ہوتے تو میرا دل ہر شے سے اچاٹ رہتا ہے' بال بنانے تک کو جی نہیں چاہتا''

وہ اپنی بہن شاہین کی شادی میں جانے کی تیاری کرتے ہوئے ان سے مخاطب تھی۔

''اور پھر جواد کو آپ کی اتنی عادت ہے کہ وہاں مجھے بہت ڈسٹرب کرے گا۔ حالانکہ دن بھر میں مشکل سے آدھ گھنٹے کو میسر آتے ہیں' پھر بھی آپ کو اتنا پہچاننے لگا ہے''۔ وہ وارڈ روب سے کپڑے نکال کر سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی۔

''اب اتنا بے وقوف مت بناؤ' وہ بے چارا بچہ ہے' اسے صرف آپ کی عادت ہے محترمہ! آپ مجھے اولاد کے ذریعے مزید بلیک میل نہ کریں۔ جب اعتراف عشق ہے تو پھر اناکیسی؟ سیدھے سیدھے کہئے' آپ کا ہمارے بغیر… ''۔

وہ اسے تنگ کر رہے تھے اور اس کے چہرے پہ… رنگ بکھر رہے تھے۔

وہ سر جھٹک کر دوبارہ سگریٹ سلگانے لگے۔… سرخی گہری ہو گئی تھی۔ ان کے چہرے پر جو تاثرات تھے وہ اتنے گہرے اور ناقابل فہم تھے کہ انہیں سمجھا نہیں جا سکتا تھا۔ صرف خوفزدہ ہوا جا سکتا تھا۔

وہ فون کی طرف بڑھے...... نمبر ملایا۔

''یس یاور علی خان ...... اسپیکنگ''۔

''یقین نہ کرنے کی وجہ؟ میں کوئی ماورائی مخلوق تو نہیں ہوں' نہ ہی کوئی دوسرا سیارہ میرا وطن ہے''۔

''کیسی طبیعت ہے انکل کی؟''

''بعض اوقات نظر انداز بھی کر دیا کرتے ہیں' غلطی سے کہہ دیا تھا'' آپ کے پاپا......!''

''بہر حال آپ زیادہ پریشان نہ ہوں' وہ ٹھیک ہو جائیں گے''۔

''میں کوشش کروں گا کہ کچھ دیر کیلئے ہی سہی' آپ کے پاس پہنچ جاؤں' آپ حیران کیوں ہوتی ہیں؟ ابھی تو کہا تھا' آپ آج کی بات کریں' ابھی کی بات کریں''۔

''نہیں...... نہیں حقیقت میں' میں ہی ہوں کوئی اور نہیں''۔

''یقین نہیں آرہا؟ تو بتائیے میں کیا کر سکتا ہوں؟''

''آپ انتظار کریں گی مجھے...... اچھا لگے گا...... او کے خدا حافظ''۔

تھینکس اے لوٹ مائی ڈاٹر (بہت بہت شکریہ میری بیٹی) انہوں نے تکیے کے نیچے سے اپنا پرس نکالا اور کھول کر روشی کی تصویر کو اپنے ہونٹوں سے چھوا۔ وہ روشی کی پہلی سالگرہ کی تصویر تھی۔ اور برسوں سے ان کے پرس میں رہا کرتی تھی۔ اتنے سالوں میں جانے کتنے پرس وہ بدل چکے تھے۔ مگر تصویر وہی تھی۔ وہائٹ نیٹ کی سرخ کالر والی فراک میں انتہائی صحت مند روشی منہ بسور رہی تھی۔

ملازم چائے لے آیا تھا۔

''عمر دین''۔

''جی صیب''۔

''دیکھو جمعہ کو ڈرائیور کو ساتھ لے کر دریا بستی چلے جانا اور روشی بی بی کو لے آنا''۔

''اور......؟'' ملازم تمام عرصہ ملازمت میں پہلی بار انہیں کسی کو گھر سے بلاتے دیکھ رہا تھا۔

''ہاں ادھر''۔ انہوں نے بڑی گہری سوچ میں ڈوبے ڈوبے جواب دیا اور چائے کی پیالی اٹھا لی۔

''اور بڑے خان''۔

''میں یہاں سے فون کر دوں گا' اب تم جاؤ''۔ انہوں نے اس کی بات کاٹ کر اسے جانے کا اشارہ کیا۔

اور سائیڈ ٹیبل پر بائی فوکل عینک اٹھا کر اپنی ناک پر ٹکائی اور ایک فائل کا مطالعہ کرنے لگے۔ چہرے پر انتہائی درجے کا سکون طاری تھا۔

....

وہ علی الصبح بیدار ہو گئی تھی۔ نماز پڑھ کر اپنی کتابیں اٹھائیں اور باغ کا رخ کیا۔

سامنے ہی ماما ٹرالی لئے گیسٹ روم کی طرف جاتی دکھائی دی۔

''کس کے لئے چائے لے جا رہی ہیں ماما؟'' اس نے رک کر ٹرالی پر نظر ڈالی۔

''مہمان آئے ہیں؟''

''کیا خالہ واپس آ گئی ہیں؟'' اس نے پے در پے سوال کر ڈالے۔

''نہیں بی بی! خالہ کیسے اتنی جلدی آ سکتی ہیں؟ کراچی سے علیم الدین صاحب آئے ہیں آج صبح پانچ بجے...... ان کیلئے لے جا رہی ہوں''۔ وہ سادگی سے بولی۔

''علیم الدین......'' یہ کیوں آ گئے ہمارے پیچھے پیچھے؟'' اس کا ماتھا ٹھنکا۔

''اکیلے آئے ہیں؟'' اس نے گھبرا کر ان کی شکل دیکھی۔

ماما نے بغور اس کی صورت دیکھی ''اور بھی کسی کو آنا تھا ان کے ساتھ؟'' وہ الٹا سوال کرنے لگی۔

''اب......اب مجھے کیا پتا؟ یہ باری کب آئے گا' کیا آفت آئی ہے سرائے میں؟'' وہ جھنجھلا گئی۔

''یہ تو بڑے خان ہی جانتے ہوں گے' ویسے خان کہہ رہے تھے ہفتہ دس دن تو لگ ہی جائینگے۔

''ایک تو اس نے توپوں میں گولے ڈالنا ہوتے ہیں۔ کوئی کام ہی نہیں ہوتا اس کے بغیر۔ اس کا فون آئے تو بھی ایک تو کاکا جان کے ہاں ڈائریکٹ فون نہیں ملتا۔ اٹینڈنٹ بٹھایا ہوا ہے۔ مرضی ہوتی ہے تو ملاتا ہے' ورنہ نہیں بھی وہاں ہوتا ہے۔ تو میں ٹرائی کرتی ہوں' مگر پتا چلتا ہے' وہ ''لام'' پر گیا ہوا ہے''۔ ماما اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر آگے بڑھ گئی۔

وہ ایک کونے میں کتاب کھول کر تو بیٹھ گئی تھی' مگر ذہن اب ایک ہی سوچ کے گرداب میں پھنس چکا تھا۔ ''علی صاحب کس سلسلے میں آکر براجمان ہوئے ہیں؟

کیا ہونے والا ہے؟ اگر وہ ہو گیا' جو نہیں ہونا چاہیے تو وہ کیا کر سکے گی؟ باری کیا کرے گا۔ وہ پیا سے کیا کہے گی طرح کہے گی؟ بابا صاحب' پیا کی بات مان لیں گے' کیا پیا ان کے سامنے میرے حق میں بول سکیں گے۔ پھر میں پیا کو بتا دوں گی کہ مجھے سزا دی جا رہی ہے۔

اگر بابا صاحب محض میری شادی کرنا چاہتے تو گھر میں ہی کسی سے کرتے۔ وہ مجھے خاندان سے نکال دینا چاہتے ہیں میں اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی' کہ میں بھی پھر انہیں کی پوتی ہوں۔ اس نے جیسے مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

....

''اندر آجاؤ یار! تمہاری طرح بھی کوئی اپنا دشمن نہ ہو''۔ لال خان' عارف کو تھامے گھر میں لا رہا تھا۔

''بالو' دودھ میں ہلدی ڈال کر لے آؤ' تمہارے دیور صاحب اسپتال کی سیڑھیوں سے گر پڑے ہیں۔ درد تو نہیں کہیں۔ جان' ماس تو تم میں رہا نہیں کہیں......!''

لال خان ترحم آمیز انداز میں اسے ایک پلنگ پر ٹکا کر تکنے لگا۔ ''اور کوئی ہمارے لائق خدمت؟''

زخم ہوتے ایک دو تو پھر رفو کی بات تھی

اس دل صد چاک کا سینا پرونا چھوڑیئے

وہ تکیہ درست کر کے گرنے کے انداز میں لیٹ گیا۔

بالو باورچی خانے میں تھی۔ اس نے لال خان کا حکم سن کر دودھ ایک گلاس میں ڈال کر ہلدی ملانا شروع کر دی پھر کچھ سوچ کر باورچی خانے سے باہر آ گئی۔

''دودھ میں چینی بھی ملا دوں؟'' اس نے وہیں سے لال خان کو مخاطب کیا۔

لال خان سوچ میں پڑ گیا۔ ''پتا نہیں ہلدی والے دودھ میں چینی ملاتے ہیں یا نہیں؟''

''رہنے دو ایسے ہی لے آؤ''۔ بالآخر وہ کسی نتیجے پر پہنچ کر بولا۔

''بالو اندر نہیں آئی۔ دروازے پر انگوٹھی سے دستک دے کر اس نے لال خان کو متوجہ کیا۔ وہ اٹھ کر گیا اور گلاس لے آیا۔

''بھئی اندر آجایا کرو' پردہ وردہ نہیں کرنا' اپنا یار ہے اور پھر بے چارا ہے' بے حال ہے''۔ لال خان نے مسکرا کر عارف کو دیکھتے ہوئے بالو سے کہا اور گلاس عارف کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

''کتنی مرتبہ کہا ہے' اپنا علاج کرا لو لگ کر' صحت ٹھیک ہوگی تو زندگی بھی اچھی لگنے لگے گی۔ گھر بھی بس سکتا ہے۔ ایک بار زندگی ہے' کیوں رول رہے ہو؟ دیکھو! بس اپنا دھیان رکھنا شروع کر دو۔ ٹھیک ہو جاؤ گے۔ جہاں کہو گے وہیں بارات لے جاؤں گا''۔

لال خان درحقیقت بڑے سبھاؤ سے حق دوستی نبھا رہا تھا۔ گلاس عارف کے ہونٹوں سے لگا ہوا تھا۔ وہ بہت آہستہ آہستہ دودھ پی رہا تھا۔ اور اس عمل سے بھی جیسے تھک گیا تھا۔ سانس تیز تیز چلنے لگی تھی۔

''اچھا' آج تو تم مجھے بتاؤ! وہ کیسی تھی' کون تھی؟ تا کہ جب تمہارے لئے کوئی لڑکی تلاش کروں تو اسی نمونے کی ڈھونڈوں''۔ وہ عارف کو بہلانے لگا۔

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

وہ ہنس دیا اور ہاتھ سے گلاس پرے کر کے پھر لیٹ گیا۔

''آج آپ دوپہر کو گھر پر ہی ہوں گے' کیا پکاؤں؟'' بالو دروازے کے باہر کھڑی لال خان سے پوچھ رہی تھی۔

''اندر آ کر اپنے دیور سے پوچھ لو' ہم تو عمر بھر اب تم سے پکوا کر کھاتے ہی رہیں گے''۔ بالو میاں کے کہنے کے باوجود اندر نہیں آئی۔

''ارے اندر آجاؤ بھائی یہ بے چارہ تو یوں بھی آنکھیں بند ہی رکھتا ہے''۔ لال خان ہنس رہا تھا۔

بالو جھجکتی ہوئی اندر آ گئی' مگر اس جگہ کھڑی ہوئی' جہاں سے عارف کی نظر براہ راست اس پر نہ پڑ سکے۔ مگر وہ لال خان اور عارف کو با آسانی دیکھ سکے۔

''اب خود پوچھو' کیا کھانا پسند کریں گے آپ کے دیور صاحب''۔ لال خان آج کل بہت خوش تھا خوامخواہ شوخ ہوا جا تا تھا۔

''آپ کیلئے کیا پکاؤں عارف بھائی''۔ بالو کی آواز کانپ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں۔

''ارے کیوں ہمارے نخرے اٹھا رہے ہیں آپ لوگ' اب ہم ان باتوں کے عادی نہیں ہے۔

محبت سے' عنایت سے' وفا سے چوٹ لگتی ہے

بکھرتا پھول ہوں' مجھ کو ہوا سے چوٹ لگتی ہے

''میرے یار! اتنے شعر یاد کرنے کے بجائے مقابلے کے امتحان میں بیٹھ جاتے تو آج کہیں سرکاری افسر لگے ہوتے

"۔لال خان اپنی نو بیاہتا بیوی پر نظر کرم ڈال کر بہانے بہانے سے ہنسنے لگا۔

"بھائی! ہم آج بھی افسر ہیں' اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے"۔

"ایسا کرو' مچھلی کے کباب بنالو اور مرغی کے تکے' یہ میرا یار تو یونہی الٹی باتیں کرے گا' اسے کھانی ہیں
چیزیں اس کیلئے اچھی ہیں"۔

"یار! ہمارے پیٹ کا جہنم تو کب کا ٹھنڈا ہو چکا' اب تو اس میں آنچ ہی نہیں آتی' کیوں بھابی کو کیا
ہو؟"

لال خان نے آنکھ کے اشارے سے جانے کو کہا۔

"تم تو یونہی کہتے ہو' اچھی چیزیں کھایا پیا کرو تا کہ جسم میں طاقت آئے"۔ وہ عارف کو کمبل اوڑھا رہا تھا۔

....

کلو ایک میڈیم سائز کا سوٹ کیس کھینچتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے گلو بھی اندر آ
لیٹی ہوئی دونوں کو ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔

"جاؤ تم' اور دیکھو دروازہ بند کرتی جانا"۔ گلو نے کلو کو مخاطب کیا۔

وہ فوراً چلی گئی۔

"سمیعہ بھابی آئی تھیں"۔ گلو نے کارپٹ پر بیٹھ کر سوٹ کی چابیاں چلائیں۔

اور کھٹاک کھٹاک کی آوازوں کے ساتھ سوٹ کیس کھول دیا۔

"کیوں؟ صبح سے دس بار ملی ہیں' اب کیا ہے؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور کھلے ہوئے سوٹ کیس کو گھورنے لگی۔

"مہندی لگائیں گی تمہیں"۔ گلو نظریں چرا کر سوٹ کیس سے کپڑے اور جانے کیا کیا نکالنے لگیں۔

"مجھے خود مہندی لگانا آتی ہے اور سب سے اچھی آتی ہے' آپ کو پتا بھی ہے"۔ اس کا دل بری طرح دھڑ
بظاہر سکون سے بات کر رہی تھی۔

"مگر یہ رواج ہے شادی' منگنی کی مہندی دلہن خود نہیں لگاتی"۔ گلو ایک سوٹ پھیلا کر دیکھنے لگیں۔

"کیسی اور کس کی شادی' منگنی؟" وہ بستر سے نیچے آ گئی۔

"تمہاری اور کس کی؟" وہ ڈرے ڈرے انداز میں اس کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"مگر میری مرضی پوچھے بغیر میری شادی یا منگنی کیسے ہو سکتی ہے؟" وہ بپھری ہوئی ان کے نزدیک چلی آئی۔

"ہمارے ہاں لڑکیوں سے کون پوچھتا ہے؟" وہ چور سی ہو رہی تھیں۔

"پھر لڑکیوں کو کمروں میں کیوں رکھتے ہیں؟ استھان یا اصطبل میں کیوں نہیں باندھتے؟" اس نے آگے
سوٹ اٹھایا اور گولہ بنا کر سامنے دیوار پر دے مارا۔ گلو...... ہائیں ہائیں کرتی رہ گئیں۔

"وہ زیور کے ڈبوں پر جھپٹی۔ گلو نے آگے بڑھ کر ڈبے اپنے قابو میں کر لئے۔

"یہ گل ہوئی ہو' برائی کیا ہے اس رشتے میں؟" وہ ڈبے واپس سوٹ کیس میں رکھنے لگیں۔

"تو پھر آپ کر لیں"۔ وہ خون آشام بنی ہوئی تھی۔

"شٹ اپ روشی!" گلو نے اسے ڈانٹ دیا۔

اسی دم سمیعہ بھابی دروازہ کھول کر اندر آئیں' ان کے ہاتھ میں مہندی کی کون تھی۔

"گلو دروازہ کھلنے کی وجہ سے ادھر متوجہ ہو گئی تھیں۔ روشی نے لپک کر سوٹ کیس میں پڑی اشیاء دبوچیں اور باتھ روم کے
دروازے پر دے ماریں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" سمیعہ ہکا بکا دونوں کو باری باری دیکھنے لگیں۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا"۔ گلو روہانسی ہو کر اس کی پھینکی ہوئی چیزیں سمیٹنے لگیں۔

"مجھ سے پوچھنے میں شان میں بٹہ لگ رہا تھا تو کم سے کم میرے باپ سے تو پوچھ لیا ہوتا"۔

وہ زور سے سوٹ کیس کو لات مار کر واپس اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"پوچھ لیا ہے ان سے"۔ گلو نے جلدی جلدی سوٹ کیس میں چیزیں رکھنا شروع کر دیں۔

"پوچھا ہے یا حکم سنایا ہے...... ہونہہ"۔

"آپا! جایئے بابا صاحب سے کہہ دیجئے' جب تک میری پپا سے بات نہیں ہو جاتی' کوئی مجھے اپنی شکل نہ دکھائے"۔ وہ
غصے سے پھنکار رہی تھی۔

"تم کرو گی بات اور ماموں سے بات؟" گلو حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ہاں اس لئے کہ میری ماں مر چکی ہے"۔ وہ غرائی۔

"مگر وہ تو شام کو آ جائیں گے۔ بڑی امی بتا رہی تھیں"۔

"مت ذکر کریں کسی رشتے کا' میں لاوارث ہوں"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

گلو اسے پچکارنے آگے بڑھیں۔ وہ دوڑ کر باتھ روم میں گھس گئی اور دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔

"چلی جائیں آپ دونوں"۔ وہ چیخی تھی۔

دونوں کافی دیر تک جتن کرتی رہیں۔ مگر ناکام رہیں۔ بالآخر تھک کر واپس چلی گئیں۔ وہ کافی دیر باتھ روم میں بند رہی'
پھر اطمینان کے بعد آہستگی سے باہر آئی اور دروازہ کھلا دیکھ کر بند کرنے کے خیال سے آگے بڑھی۔

"کھلا رہنے دو۔ ہم زیادہ دیر نہیں بیٹھیں گے"۔ اسے بائیں جانب سے بابا صاحب کی آواز سنائی دی۔ ایک لمحے کو تو
آنکھوں کے سامنے ہر شے ناچنے لگی۔ گول گول دائروں کی صورت۔

"دلہن کچھ کہہ رہی تھیں...... کیا ٹھیک کہہ رہی تھیں؟" ان کی پرجلال آواز کمرے میں گونجی تھی۔

وہ خاموش رہی۔

"ہم کیا پوچھ رہے ہیں' وقت نہیں ہے ہمارے پاس"۔ وہ برہمی سے کہہ رہے تھے۔

وہ اسی طرح خاموش رہی۔

''اگر تم نے ہماری بات کا جواب نہیں دیا تو ہم منگنی کرنے کے بجائے آج تمہارا نکاح کر دیں گے بھی۔ کراچی فون کریں گے۔ شام تک لڑکا پہنچ جائے گا''۔ وہ غیض کے عالم میں اسے دیکھ رہے تھے۔

''اتنے آزاد تو ہمارے لڑکے بھی نہیں''۔ وہ اسی انداز میں بولے۔

''نکاح' رخصتی کا سن کر تو جیسے اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ منگنی میں تو پھر بھی کچھ گنجائش نظر آ سکتی تھی۔ اس نے بے حد ناراض اور شاکی نظریں اٹھا کر دادا کو دیکھا۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ تاب...

''بابا صاحب! میں آپ سے کچھ بھی نہیں کہوں گی' بس آپ ایک بار پپا کو بلا دیں' پھر جو ہوگا ہو جائے... نہیں بولوں گی' یہ شام کیلئے میری شرط ہے''۔ وہ بڑی بے خوفی سے کہہ رہی تھی۔

''بابا صاحب غصے سے کانپ گئے۔ یہ کل کی لڑکی' ان کے سامنے شرطیں پیش کرے گی۔

''ورنہ؟'' وہ خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''کچھ نہیں' یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں موت سے بالکل نہیں ڈرتی''۔

''تم ہمیں دھمکی دے رہی ہو' ہم تمہیں اپنے ہاتھوں سے شوٹ کر سکتے ہیں''۔ وہ احساس توہین سے...

''میں جانتی ہوں' اور میں تیار ہوں' بس آپ ایک بار پپا سے بات کرا دیں' پھر جو کچھ کہیں گے' میں... نے پست آواز میں کہا۔

''مگر ہمیں یہ منظور نہیں' تم یقیناً اس کے ساتھ بھی گستاخی کرو گی۔ اس کا دل دکھاؤ گی۔ وہ پہلے ہی بہت... نے قطعی انداز میں جواب دیا۔

''میرے باپ کو دکھی بھی اسی حویلی کے کسی قانون نے کیا ہوگا''۔

''ہم نہیں چاہتے ہمارا بیٹا اولاد کی گستاخی کا سامنا کرے۔ اس سے بہتر ہے' وہ اپنی اولاد کے مرنے... مارے غیظ کے ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔

''آپ یہ بات آرام سے کہہ سکتے ہیں' اس لئے کہ میں آپ کی بیٹی نہیں پوتی ہوں''۔ وہ رو دی۔

''نادان لڑکی! تم نے سنا نہیں اصل سے سود پیارا ہوتا ہے۔ ہم نے جتنے ناز تمہارے اٹھائے' اس گھر... نہیں اٹھائے۔ یہ ہمارے لاڈ پیار کا نتیجہ ہے کہ آج تم ہمارے سامنے گز بھر کی زبان لئے کھڑی ہو۔ ہم تمہیں... کریں گے۔ ٹھیک ہے یاور سے ضرور بات کرو' مگر جو تمہاری بھاوج اور بہنیں تمہیں کہیں' اس کے مطابق شام...

''ایک بات اور آئندہ تم ہم سے اس طرح کی گستاخی نہ کرنا۔ ہم نے زندگی میں پہلی بار اتنی برداشت... ہو سکتا ہے آئندہ برداشت نہ کر سکیں۔ آؤ ہمارے ساتھ۔ ہم تمہارے باپ سے تمہاری بات کرا دیتے ہیں''۔ وہ... سے کام لے رہے تھے۔

''مگر میں کسی کے سامنے پپا سے بات نہیں کر سکوں گی''۔ وہ ہچکچائی۔

''وہاں کوئی نہیں ہوگا''۔ وہ اپنی چھڑی ٹکاتے' مضبوطی سے قدم جماتے باہر نکل گئے۔ اور پیچھے پیچھے وہ بھی......!

بابا صاحب اپنی خواب گاہ میں داخل ہوئے اور موبائل فون اپنے بیڈ سے اٹھا کر اسے تھمایا۔

''ہم نمبر بول رہے ہیں ملاؤ''۔ ان کے لہجے سے انتہائی سرد مہری ظاہر ہو رہی تھی۔

وہ نمبر بتانے لگے۔ (یہ ہے میری آزاد زندگی' اپنے باپ کا کانٹیکٹ نمبر بھی معلوم نہیں تھا) وہ کڑھ رہی تھی اور نمبر پش کر رہی تھی۔

نمبر ملا کر اس نے فون بابا صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے کانوں سے لگا کر کچھ توقف کیا۔ ''ہاں...... یاور...... ہم بول رہے ہیں۔ یہ تمہاری بیٹی اپنی شادی کے مسئلے پر تم سے بات کرنا چاہ رہی ہے' بات کرو''۔ انہوں نے فون روشی کی طرف بڑھایا۔

نہ جانے کیوں وہ نظریں نہ اٹھا سکی۔ ولاور علی خان کے لہجے سے چھلکنے والی برہمی طنزیہ ہو کر جیسے بے دم سی کرنے لگی تھی۔

''اپنے کمرے میں جاؤ اور اطمینان سے بات کرو''۔ وہ شملہ سر سے اتار کر اپنے بستر پر بیٹھتے ہوئے اسی انداز میں گویا ہوئے۔

''جسٹ اے منٹ پپا...... ہولڈ پلیز''۔ اس نے آہستگی سے کہا اور تیزی سے تقریباً بھاگتی ہوئی کمرے میں آ گئی اور دھپ سے اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''السلام علیکم پپا! وہ ذرا حواسوں میں آئی۔

''والسلام...... کیا بدتمیزی ہے یہ؟'' دوسری طرف سے یاور علی خان کی ناراض آواز سنائی دی۔

وہ دم بخود سی رہ گئی...... ''جی!'' (ابھی تو میں نے بات بھی نہیں کی)

''کیا کہہ رہے ہیں بابا صاحب؟'' یاور علی خان برہم لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

''آپ کو پتا ہے پپا کہ......!'' وہ اٹکنے لگی۔

''مجھے پتا نہیں تھا۔ آج صبح بابا صاحب نے بتایا ہے۔ اس طرح کے کام ان کی ذمہ داری ہیں۔ ان معاملات میں وہ بہتر فیصلہ کرتے ہیں۔ اس لئے کہ آج تک جو عزت انہوں نے کمائی ہے' اس کی حفاظت کا احساس ان سے زیادہ کسی کو نہیں ہو سکتا''۔

''مگر پپا''۔

''یہ اگر مگر تمہیں کہاں سے آ گئے ہیں۔ جب میری شادی طے ہوئی تھی تو میں انگلستان میں پڑھ رہا تھا۔ مجھے اپنی منگنی کی اطلاع بذریعہ فون موصول ہوئی۔ میں مرد تھا اس کے باوجود جبکہ تم اس گھر کی لڑکی ہو۔ جس کو دنیا جہان کی نعمتیں بغیر محنت کے حاصل ہیں۔ حتیٰ کہ حاکمانہ زندگی۔ کیا کسی انسان کیلئے یہ سب کافی نہیں۔ آخر تمہیں اتنی ہمت کیسے ہوئی کہ بابا صاحب سے سوال جواب کرنے لگیں؟''

''پپا! میں آپ کی بیٹی ہوں' آپ کو میری بات سننا چاہئے' آپ نہیں سنیں گے تو پھر کون سنے گا؟'' وہ ہچکیاں لے کر

رونے لگی۔

"کیا تمہیں نیتوں پر شبہ ہے کہ ہم تمہارے متعلق غلط فیصلہ کریں گے یا تمہیں تکلیف دینا چاہیں گے"۔

"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے پپا"۔

"جب یہ مطلب نہیں تو پھر بحث کرنے سے فائدہ؟" وہ ہنوز برہم تھے۔

"پپا! آپ کو شاید پتا ہی نہیں کہ بابا صاحب نے اچانک اور اتنی جلدی یہ فیصلہ کیوں کیا ہے' اس تمام کارروائی میں کون سا اہم واقعہ چھپا ہوا ہے"۔ وہ رو رہی تھی۔

"مجھے کچھ جاننے کا شوق بھی نہیں ہے' میں بس اتنا جانتا ہوں کہ میرے باپ سے زیادہ ہمارے خاندان کیلئے کوئی نہیں ہوسکتا اور ان کا کوئی فیصلہ بے معنی نہیں ہوسکتا"۔ وہ اسی لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"آخر آپ حقیقت جاننا کیوں نہیں چاہتے؟"

"کھوج اس وقت ہوتی ہے جب شک یا شبہ ہوتا ہے' مجھے اپنے باپ پر نہ شک ہے نہ شبہ"۔ وہ ڈانٹنے کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"مگر بات سن لینے میں حرج کیا ہے پپا؟" وہ بری طرح رو رہی تھی۔ آخری امید بھی ختم ہوگئی تھی...... عجب حواس باختہ عالم تھا۔

"مجھے لگتا تو تھا کہ جیسے میں آپ کی اولاد نہیں ہوں' مگر آج یقین ہو رہا ہے"۔

"شٹ اپ روشی' میں شام چھ بجے تک پہنچوں گا' اچھی بیٹی کی طرح جو کہہ رہے ہیں اس پر عمل کرو۔ رات میں تمہیں رکوں گا۔ میرے کمرے میں آنا اور جو بات کہنا چاہتی ہو کہہ لینا بلکہ جو جو بات بھی کہنا چاہتی ہو"۔

وہ اس کی سسکیوں کو کافی دیر سے جھیل رہے تھے۔ اب برداشت کی حد ہوگئی تھی۔ آخر باپ تھے۔ مگر وہ جتنا اپنے باپ کو جانتے تھے' وہ نہیں جانتی تھی۔ اپنی بات گنوا کر نظروں سے گرنا انہیں منظور نہیں تھا۔

"پھر کیا فائدہ ہوگا پپا"۔ اس کے لہجے میں درشتی در آئی۔

"گھبراؤ نہیں روشی' اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے ذرا سی بھی تو بابا صاحب کو پریشان مت کرنا۔ منگنی ونگنی ہونا کوئی خاص بات نہیں ہوتی' باقی باتیں رات کو کریں گے' خدا حافظ"۔ یاور علی خان نے ریسیور رکھ دیا تھا۔

ایک لمحے کو تو اسے یقین ہی نہیں آیا یاور علی خان کے بدلے ہوئے لہجے پر...... ان کے الفاظ پر...... وہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔

"منگنی ونگنی ایسی کوئی خاص بات نہیں ہوتی"۔ یہ جملہ تو اسے حیرت سے مارنے کو کافی تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی بابا صاحب کے کمرے میں آئی۔ وہ دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنائے...... لیٹے ہوئے چھت کو گھور رہے تھے۔

اس نے دبے پاؤں آگے بڑھ کر فون سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ اور یاور علی خان کی طرف بڑھتے بغیر باہر آگئی۔

"کلو"۔ اس نے راہداری میں جھاڑ لگاتی کلو کو پکارا۔

"جی بی بی؟"

"سمیہ بھابی کو بھیج دو' کہنا آ کر مہندی لگا دیں' میں اپنے کمرے میں ہوں"۔

اس نے لحظہ بھر رک کر پیغام دیا اور کمرے میں واپس آگئی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اس نے اپنا چہرہ دیکھا' آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے خوامخواہ بالوں میں برش چلانا شروع کر دیا تھا۔

اسی دم...... دھڑ سے دروازہ کھلا۔ وہ سب کی سب سمیہ بھابی سمیت اندر داخل ہوئی تھیں۔ سمیہ اور گلو کے چہروں پر تعجب اور باقی کے چہروں پر خوشی تھی۔ وہ کارپٹ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی تھی اور دایاں ہاتھ بھابی کے سامنے پھیلا دیا تھا۔

گلو تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچی تھیں۔ اس نے سوٹ کیس کو جو لات ماری تھی۔ اس کا دھماکہ ابھی تک ان کے کانوں میں لرزش پیدا کر رہا تھا۔

انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چھوا۔

"بخار نہیں ہوا مجھے' بالکل ٹھیک ہوں"۔ اس نے جھلا کر اپنا سر جھٹکا۔

"یاالٰہی یہ اتنی دیر میں کیا ماجرا ہوگیا"۔ ان کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"کہ جنگل کا جنگل ہرا ہوگیا"۔ وہ گنگنائی۔

"پیٹ دردوں کی پکڑ کے' ستانے کو ہم ہی رہ گئے ہیں؟" گلو کھسیائیں۔

"ہوسکتا ہے آپ کے علاوہ اور بھی ہوں' مگر دور رہوں فی الحال"۔ شینو بھی سب کو غائب پا کر ڈھونڈتی ہوئی وہیں آگئی تھیں۔

روشی کے ذہن میں اچانک جھماکا سا ہوا۔ باری کے تصور سے جانے کیا کیا اسے سوجھنے لگا۔ اب اسے ہنسی آ رہی تھی۔ آخر اس ہنسی کے پیچھے کسی کا دیا ہوا اعتماد تھا۔ اس نے شاید پہلی بار مسکرا کر شینو کو دیکھا تھا۔

....

گھر میں خاصے عرصے کے بعد تقریب ہو رہی تھی اور وہ بھی اچانک۔ لڑکیوں کو اس بات کا شکوہ تھا کہ انہیں تیاری کا موقع بھی نہیں دیا گیا اور یہ کہ انہیں رکھے ہوئے پہنے ہوئے کپڑے پہننا پڑ رہے ہیں۔ وہ آتے جاتے روشی کو اس طرح گھور رہی تھیں کہ جیسے سارا قصور اسی کا ہو۔

"پانچ بجے تک روشی کو مہندی لگ گئی۔ گلو اس کے کپڑے پریس کر کے بیڈ پر ڈال گئیں کہ آدھ گھنٹے بعد مہندی سوکھ جائے تو غسل کر کے کپڑے بدل لینا۔

"جب تک میں تیار ہو جاتی ہوں پھر آ کر تمہیں دلہن بنا دوں گی"۔

شینو کی مارے حیرانی کے سب سے بری حالت تھی۔ وہ حیلے بہانے سے روشی کے پاس آ کر اسے ٹٹول چکی تھیں اور یہ بھی بتا چکی تھیں کہ گھر کے افراد پورے نہیں' تین گئے ہوئے ہیں۔ اس پر بھی روشی کی حالت میں تغیر نہ پا کر وہ دو تین مرتبہ باری کا ذکر کر چکی تھیں کہ اس کے نہ ہونے سے آج کی تقریب کے انتظامات میں بڑی الجھن ہو رہی ہے۔ لڑکے تو اپنے اپنے

دھندوں سے تھکے ہارے لوٹے ہیں۔ وہ کیا کر سکتے ہیں۔ روشی تو مگر جیسے کان دبائے بیٹھی تھی۔ بالآخر فینو کی بی مایوس ہو کر اپنی تیاری میں لگ گئی تھیں۔

جس وقت روشی غسل کر کے باہر آئی تو اطلاع ملی۔ دولہا اور ان کی والدہ بھی حویلی پہنچ چکی ہیں۔

گلو نے پہلے ڈرائیر سے اس کے بال خشک کئے پھر اسے کیپ پہنا کر ہلکا ہلکا میک اپ کرنے لگیں۔

دولہا والوں کی طرف سے زیور کا مکمل سیٹ آیا تھا جس میں نتھ' بندیا تک شامل تھی۔ جب کہ ایک اور سیٹ تھا وہ چوکر (ہائی نیک قسم کا گلوبند) اور جھمکیوں وانگوٹھی پر مشتمل تھا۔

"گلو اسے تیار کرتے وقت کئی بار پوچھ چکی تھیں کہ بابا صاحب نے اسے کیا کہا؟ اور یہ کہ انہوں نے ڈانٹ جواب میں مکمل خاموشی اختیار کئے ہوئے تھی۔ بلکہ دھیرے سے مسکرا بھی دیتی تھی۔ جبکہ سمیہ کا خیال تھا کہ ڈانٹ کھا کر سیدھی ہوگئی ہے۔

گلو اسے تیار کرکے دوپٹا سیٹ کر رہی تھیں کہ ماما بلی پھولوں کے زیور لے کر آگئی۔

"یہ تو بڑی بیگم نے بھجوائے ہیں"۔ وہ گلو سے مخاطب ہوئی۔

"لو دیکھو' تمہیں بڑی شکایت تھی کہ بڑی امی لڑکیوں کو پھول پہننے نہیں دیتیں۔ آج انہوں نے یہ ڈھیر سارے بھیجے ہیں"۔ گلو نے اس کی پیشانی چوم لی۔

تھوڑی دیر بعد کلو پیغام لے کر آگئی کہ "بڑی امی کہہ رہی ہیں' روشی بی بی کو ہم رسم کیلئے ہال کمرے میں لے آ

اس کے جاتے ہی زری اور روبی اسے لینے آگئیں۔

"پپا آگئے؟" روشی کا دل جانے کیوں تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔

"انہیں آئے ہوئے تو ایک گھنٹے سے زیادہ ہوگیا"۔ روبی نے جواب دیا۔

روشی کو یک گونہ سکون کا احساس ہوا۔ جیسے دھوپ میں چلتے ہوئے معاً سڑک کے کنارے گھنا درخت نظر آ ستانے کے خیال ہی سے آدھی تھکن اتر جائے۔

وہ اسے لئے ہال کمرے میں چلی آئیں۔

آتشی گلابی زرتار شرارہ سوٹ میں لپٹی بنی روشی کو دیکھ کر اس کی کزنز کے چہرے خوشی سے جگمگانے لگے وقت گلو نے کمرے میں داخلہ بند کر دیا تھا۔ اسے ایک صوفے پر بٹھا دیا گیا تھا۔ دائیں طرف بڑی امی اور والدہ تھیں۔ بڑی امی نے بسم اللہ کرنے کو کہا۔

۔ اور نعیم کی والدہ نے اس کی انگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔

روشی کو یک دم نامعلوم احساس نے بے چین کر دیا۔ ایسا لگا جیسے کچھ کھو گیا ہو۔ وہ زیادہ دیر نہ بیٹھ سکی اور بیٹھی کہ وہ اپنے کمرے میں جانا چاہتی ہے۔

انہوں نے اسے چند منٹ بیٹھے رہنے کو کہا کہ تصویریں بن رہی تھیں۔ جب کہ اسے ایک ایک لمحہ بھاری

چاہ رہا تھا کہ کسی طرح بھاگ کھڑی ہو۔

بمشکل آدھا گھنٹہ برداشت ہوسکا' پھر وہ روبی کے ساتھ اپنے کمرے میں آگئی۔

"روبی! دیکھو مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔' میں کھانا سب کے ساتھ نہیں کھاؤں گی اور ہاں میں پپا کے بیڈ روم میں جا رہی ہوں۔ یہاں بیٹھوں گی تو سب ڈسٹرب کریں گے"۔

وہ روبی کو حیران پریشان چھوڑ کر شرارہ سنبھالتی کمرے سے باہر چلی آئی اور محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھتی یاور علی خان کی خواب گاہ کی طرف بڑھی۔ مگر بری طرح چونک کر ٹھٹک کر اپنی جگہ پر جم سی گئی تھی۔

بازو سینے پر ہاتھ لپیٹے بڑے الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ راہداری کے عین درمیان میں اس طرح ایستادہ تھا کہ وہ سیدھی سیدھی نہیں گزر سکتی تھی۔

وہ ذرا سی ترچھی ہو کر اس کے پاس سے گزرنے لگی۔ وہ تیزی سے عین اس کے سامنے دیوار کی طرح کھڑا ہوگیا۔

"ایک سیکنڈ تو رک جائیں' مبارکباد نہیں لیں گی"۔ وہ بڑی سنجیدگی سے مخاطب تھا۔

☆......☆......☆......☆......☆

''کیوں نہیں لوں گی؟ دو گے تو ضرور لوں گی''۔ وہ ڈھلکتے آنچل کو سنبھالتے ہوئے لاپرواہی کے انداز میں بات کررہی تھی۔

''جب میں کنوینس کررہا تھا' تو آپ ہتھے سے اکھڑ رہی تھیں۔ اب یہ آناً فاناً انقلاب؟ وہ مسکرایا۔

''تم سے مطلب؟ تمہیں تو اس کی مطلق پرواہ نہیں کرنا چاہیے''۔ وہ نظریں چرا رہی تھی۔

''پرواہ تو خیر نہیں کررہا۔ بس اپنی حیرت کا اظہار کررہا تھا مگر ابھی تو مہمان موجود ہیں' آپ کہاں بھاگی جارہی ہیں۔ ابھی تو مسٹر نعیم کو انگوٹھی پہنائی جائیگی۔ ہوسکتا ہے۔ آپ اپنی افتادِ طبع سے مجبور ہوکر یہ منظر دیکھنا چاہیں۔ میں آپ کی مدد کرسکتا ہوں''۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''نعیم کو دیکھنا تھا' دیکھ لیا۔ باقی تو تمام باتیں عام سی ہیں۔ میں ذرا تھک گئی ہوں''۔ وہ مسکرائی۔

''مگر آپ کا کمرا تو پیچھے رہ گیا' اس طرف تو یاور چچا کا بیڈروم ہے' کیا مارے خوشی کے......؟''

اس نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''میں بقائمی ہوش وحواس پپا کے کمرے میں جارہی ہوں۔ مجھے ان سے بہت ضروری باتیں کرنا ہیں''۔

''اب کیا ضروری باتیں باقی ہیں؟ کیا یہ کہ شادی کتنے دنوں میں ہوگی۔ کیا بارات کراچی سے آئے گی۔ یا یہ کہ شادی جلد سے جلدی نہیں ہوسکتی؟ دیر کرنے سے کیا فائدہ؟ اور یہ کہ......''۔

''اور یہ کہ تمہارا سر''۔ روشی نے جھلا کر اس کی بات کاٹی''۔تم اتنے انٹرسٹڈ کیوں ہو۔ تمہاری بلا سے میں جیوں یا مروں؟''

''تمام مناظر آپ نے مجھے دکھائے ہیں' کچھ معاہدے کئے ہیں۔ انٹرسٹ پیدا ہوتا تو بڑی فطری سی بات ہے۔ مگر یقین کریں۔ میں واقعی بہت خوش ہوں۔ آپ نے سچ مچ بڑی حقیقت پسندی اور ہوش مندی سے کام لیا ہے۔ کراچی سے جو بوجھ اپنے سر پر لے کر چلا تھا آج اتر گیا۔ میں خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کررہا ہوں' ورنہ یقین کریں میری تو راتوں کی نیند اڑ گئی تھی''۔ وہ بہت پرسکون انداز میں مسکرا رہا تھا۔

روشی نے روح میں پیوست ہوجانے والی نظریں اس پر جمادیں۔

''تو پھر جاؤ' شکرانے کے نفل پڑھو۔ بے کار مجھ سے باتیں کرکے وقت ضائع کررہے ہو۔ تم سمیت یہ سارا گھر ہی مجھے ہیڈک سمجھتا ہے۔ سب ہی اس طرح خوش ہورہے ہیں جیسے سروں سے بلا ٹل رہی ہے''۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر سسک پڑی۔

''روشی بی بی''۔ باری ایک دم سٹپٹا گیا۔ آراستہ وپیراستہ مگر سسکتی ہوئی روشی اسے پھر سے الجھن میں ڈالنے لگی تھی۔ اسے تو پہلے ہی اس کے اطمینان سے خوف آرہا تھا۔ الجھن ہورہی تھی۔

''ہٹو میرے سامنے سے' کاش! تم قصائی ہوتے''۔

وہ تقریباً بھاگتی ہوئی یاور علی خان کے بیڈروم تک گئی تھی اور وہ بہت الجھے ہوئے انداز میں چہرہ موڑ کر شرارہ سنبھال کر بھاگتی ہوئی روشی کو دیکھ رہا تھا۔

....

یاور علی خان کے بیڈروم کے باغ کی طرف کھلنے والے دریچے وا تھے۔ اور باہر باغ سے روشنیاں کمرے میں آرہی تھیں۔ جب کہ کمرے کی تمام لائٹیں آف تھیں۔ یقیناً مردانہ تقریب باغ میں ہورہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دریچے میں آ کھڑی ہوئی۔ بلکہ اوٹ میں کھڑی ہو... باہر کا جائزہ لینے لگی۔

آج باغ کی تمام لائٹیں آن تھیں۔ جو کسی تقریب کی واضح علامت ہوا کرتی تھیں۔ دو تین صوفہ سیٹ اور اطراف میں لگی رنگ برنگی فولڈنگ چیئرز تھیں۔ جن پر اکثریت گھر کے مردوں کی براجمان تھی۔ مرکزی صوفے پر بابا صاحب' یاور علی خان' علیم الدین' بڑے ابا اور نعیم براجمان تھے۔ اکا دکا گاؤں کے دیگر اہم افراد بھی دکھائی دیئے۔

سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس کم عمر سا نعیم سرخ ٹائی اور رومال سے سوٹ مکمل کئے بہت ہی پر تکلف انداز میں بیٹھا تھا۔ جواد کیمرا سنبھالے ادھر ادھر ٹہلتا دکھائی دیا۔ جب کہ باری دکھائی نہیں دیا۔ تمام مردوں میں اگر کوئی بہت شاندار دکھائی دے رہا

تھا تو وہ اس کے پپا تھے۔ نیوی بلیو سوٹ میں ٹانگ پر ٹانگ رکھے' صوفے کے ہتھے پر بازو جمائے اپنے ہونٹوں کو ٹھوڑی سے گاہے گاہے چھوتے ہوئے وہ اطراف پر نظر دوڑا رہے تھے۔ مگر اس کے باوجود صاف محسوس کیا جا سکتا تھا کہ وہ کسی سوچ میں ہیں۔

غالباً کھانا شروع ہونے کا وقت ہو گیا تھا۔ بابا صاحب کی قیادت میں ایک ایک کر کے سب اندر مردانہ ہال کی طرف جانے لگے۔ ذرا سی دیر میں باغ میں خاموشی چھا گئی۔ وہ بھی دریچے سے ہٹ کر صوفے کی طرف بڑھی۔ خود اعتمادی تو آ چکی تھی کہ کسی منظر نے اسے ڈرایا نہیں۔ وہ بہت پرسکون تھی۔ اس نے اپنے باپ کا ایک جملہ اپنی گرفت میں لے لیا "منگنی ونگنی کوئی خاص چیز نہیں ہوتی"۔

اس نے صوفے سے پشت ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ ابھی اس کیفیت میں بیٹھے اسے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ باہر کی طرف سے ایک خوبصورت نغمہ اس کے کانوں میں جلترنگ سے بجانے لگا۔ وہ یکسو ہو کر سننے لگی مگر اسے اس وقت چونکنا پڑا جب ایک ہی نغمہ تیسری مرتبہ شروع ہوا۔ وہ اپنا ملبوس سنبھالتی پھر دریچے میں آن کھڑی ہوئی۔ باغ میں کرسیوں کے اوپر سروں پر ڈیک رکھے ہوئے تھے۔ یہ اہتمام لازماً موسیقی کے رسیا فاران نے کیا ہوگا۔

اس نے سوچتے ہوئے اس طرف نظر ڈالی۔ جہاں چھوٹی سی ٹیبل پر پلیئر اور کیسٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ اسے خاصی حیرت ہوئی۔ وہاں ''زاہد خشک' باری بیٹھا ہوا تھا۔ وہی گیت اب چوتھی مرتبہ ریوائنڈ کر رہا تھا۔ نغمہ ایک مرتبہ پھر پورے تاثر کے ساتھ فضا میں بکھر رہا تھا۔

میرا ایمان محبت ہے ' محبت کی قسم !

ساری دنیا تیرے قدموں پہ نچھاور کر دوں
چاند تاروں سے میری جاں تیرا دامن بھر دوں

تیرے خوابوں پہ کبھی چھا نہ سکے شام الم
میرا ایمان محبت ہے ' محبت کی قسم

وہ جہاں ایک جہنم ہے جہاں تو نہ ملے
جل کے مر جاؤں جو یہ سایہ گیسو نہ ملے

زندگی زہر بھرا جام ہے اب تیرے بغیر
تیری چاہت پہ قربان ہیں میرے لاکھ جنم

میرا ایمان محبت ہے ' محبت کی قسم !

مسکرا جان بہاراں کہ سویرا ہو گا !
ختم صدیوں کے رواجوں کا اندھیرا ہو گا

شب کی قسمت میں لکھا ہے گزر ہی جانا
راہ سورج کی کہاں روک سکے اہل ستم
میرا ایمان محبت ہے ' محبت کی قسم !

''تم کھانا نہیں کھا رہے؟'' اچانک سامنے سے ندیم نمودار ہوا۔

باری نے پلیئر آف کر دیا۔ ''مجھے فی الحال بھوک نہیں ہے''۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

''مگر...... ہال میں آ تو جاؤ...... دیکھو تو سب کھانا کھاتے ہوئے کیسے لگ رہے ہیں۔ تم جواد سے کیمرا لے کر دولہا میاں کے چند پوز ہی محفوظ کر لو۔ اٹھو یار۔ شاباش۔ اس طرح جواد بھی سب کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے گا۔ اتنے ڈھیلے کیوں ہو رہے ہیں۔ بخار وخار تو نہیں ہو گیا؟ وہ کیا کہتے ہیں دشمنوں کے کان تیز''۔ وہ اسے کاندھوں سے پکڑ کر اٹھا رہا تھا۔

''تیز نہیں بہرے''۔ وہ تصحیح کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اب مسکرا رہا تھا۔

''مگر تمہارے دشمن بھی تمہارے لیول کے ہوں گے۔ بڑے الرٹ قسم کے ہوں گے۔ ایسے لوگ بڑی تیز حسیات کان سمیت رکھتے ہیں۔ فار یور کائنڈ انفارمیشن''۔ ندیم خجل ہونے کے بجائے ڈھٹائی سے بولا۔

''تھینکس فار انفارمیشن''۔ وہ بھی اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر ہنس دیا۔

''کیسا لگا بابا صاحب کا انتخاب؟'' ندیم اور باری اب اندر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

باری کی ہلکی سی آواز آئی۔ وہ کوشش کے باوجود نہ سن سکی تو جھلا کر صوفے پر بیٹھ گئی اور کچھ دیر قبل کی صورتحال پر غور کرنے لگی۔ گیت کی طرز، گلوکار کی آواز اور اشعار درحقیقت بے حد پرتاثیر تھے۔ جیسے ہنوز اس کی سماعت سے ٹکرا رہا تھا۔ ''کیوں سن رہا تھا یہ گیت بار بار...... بے حس...... نہیں بلکہ پتھر...... ایک دم ٹھس۔

دور صدیوں کے رواجوں کا اندھیرا ہوگا

ہونہہ...... پردے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ اٹھیں گے اور سرکا دیں گے۔ کیسے دور ہوگا اندھیرا؟ ان کے والد صاحب آئینگیے معاذ راہی کی طرح للکارتے ہوئے۔ کیونکہ ان کے بس کی تو بات نہیں۔ ''تابعداری کا میڈل جیتے بغیر سانس نہیں لیں گے حضرت''۔

اس نے وال کلاک کی سمت نظر دوڑائی۔ جب تک پپا سے صاف صاف بات نہیں ہوگی۔ نیند بھی نہیں آئے گی۔ وہ ایک اخبار اٹھا کر صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔

....

حالانکہ اسے سو فیصد یقین تھا کہ اسے نیند نہیں آئے گی۔ اس کے باوجود آنکھ لگ گئی تھی۔ یاور علی ٹہل ...
بیڈ روم میں داخل ہوئے تھے۔ اور روشی کو صوفے پر دراز دیکھ کر چونک پڑے تھے۔

کتنی ضدی اور خود سر ہو گئی ہے یہ۔ انہوں نے دلہناپے کی چھب سے پرنور روشی پر ایک سرسری نظر ڈالی ...
ایک دم بوڑھا محسوس کرنے لگے۔ ان کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ روشی کو جگا کر اپنے کمرے میں جانے کو کہیں۔

ان کا وجدان کہہ رہا تھا کہ روشی کے جاگنے سے طوفان جاگ پڑیں گے۔ وہ کوٹ اتار کر آہستگی سے دار...
لٹکانے لگے۔ معاً انہیں دریچے کے پار دو نسوانی آوازوں نے متوجہ دیا۔ باہر درختوں پر قمقمے ہنوز روشن ...
برخواست ہونے کا مکمل تاثر بھی فضا میں موجود تھا۔ وہ تیزی سے دریچے کی طرف بڑھے۔

”ڈاہڈی ضدی طبیعت تساں دی۔ بہوں دیر ہو گئی اے۔ ہن تساں جلو۔ تساں نوں رب دا واسطہ۔ وڈے
آساں تے ساڈی خیر نئیں۔ چھیتی جلو“۔ (چلو)

سرسوتی کو ”ہندکو“ زبان کے علاوہ کوئی زبان نہیں آتی تھی۔ وہ گھاس پر بیٹھی عورت سے مخاطب تھی۔ یعنی اسے
چلنے کو کہہ رہی تھی۔ اسے ڈر لگ رہی تھی کہ بڑے خان ادھر آ گئے تو دونوں ہی کی خیر نہیں۔ لہٰذا یہاں سے جلدی چلو۔

”فیر...... میں کی کرساں ...... آن دیو اناں ناوں ...... تساں ڈردے او؟ تے مجھو ایتھوں۔ ...
پھڑ ساں؟“ (پھر میں کیا کروں؟ انہیں آنے دو۔ تم ڈرتی ہو تو بھاگو میں نے تمہیں پکڑا ہوا ہے؟) جواباً گھاس پر بیٹھی ...
نے بھی ہندکو میں بڑی تلخی سے جواب دیا۔

”یک واری میں توں روشی بی بی ناں گل کر لین دے۔ ہن تے فیر ای جل ساں ایتھوں“۔ (ایک بار روشی ...
بات کرنے دے۔ اب تو تب ہی جاؤں گی)

”وڈے خان مینوں ساڑ سوا بناں ساں“۔ سرسوتی لرزتی آواز میں کہتی ہوئی دو زانو بیٹھ گئی (بڑے خان مجھے ...
بنا دیں گے)

یاور علی خان نے پلٹ کر روشی کی سمت دیکھا اور نہایت آہستگی سے دریچے کے پٹ بند کئے اور اسی تیزی ...
سے باہر آئے۔ اور باہر باغ کا رخ کیا۔

اور ان دونوں سے تھوڑے فاصلے پر رک گئے۔ ”تمہارے ساتھ کون ہے سرسوتی؟“

وہ بہت دھیمی مگر بارعب آواز میں اس سے مخاطب ہوئے۔

اور سرسوتی کی تو جیسے گھگھی بندھ گئی۔ کوشش کے باوجود حلق سے آواز نہ نکل سکی۔

”میں کیا پوچھ رہا ہوں سرسوتی؟“ ان کے لہجے میں بلا کی ناراضگی تھی۔

معاً گھاس پر بیٹھی ہوئی عورت اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور ماحول ایسا ہو گیا جیسے باغ نہ ہو زنداں ہو۔ بیڑیوں کا شور ...
چادر سرکانے لگا۔ اور یاور علی خان نے کوفت بھرے انداز میں گہری سانس سینے سے خارج کی۔

... ”کیوں آئی ہو اس طرف؟“ انہوں نے اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے سوال کیا۔

”ایسی نفرت کافر کو بھی کعبے سے نہ ہو گی جتنی آپ کو مجھ سے ہو گی۔ اس حویلی میں پتھروں کی کمی تو نہیں۔ آپ مجھے پتھر ...
... نہیں مارتے؟“ وہ آگے بڑھی۔ بیڑیوں کی کھنک ساری فضا میں سرایت کر گئی۔

”خان! یہ تو نہیں کہتی کہ مجھے زہر دے دیں۔ یہ تو نہیں کہتی مجھے گولی مار دیں۔ یہ بھی نہیں کہتی کہ میری گردن اڑا دیں۔
... سان موت تو میں بھی نہیں مانگتی۔ میری کھال میں جتنے مسام ہیں، اتنے پتھر ماریں۔ اتنی دھاریں خون کی نکالیں مگر پھر مجھے
... معاف کر دیں۔ جب میری روح میرے بدن سے نکلنے لگے تو بس اتنا کہہ دیں آپ نے مجھے معاف کر دیا۔
نہ موت آتی ہے خان۔ نہ معافی ملتی ہے۔ ادھر یا ادھر کچھ تو ہو۔ یا تو مجھے یہ احساس دیں کہ میں زندہ ہوں یا یہ احساس
دیں کہ میں مر چکی ہوں۔ مجھے چکی کے دو پاٹوں کے بیچ سے نکالیں۔ میرا جسم نہیں، میری روح آزاد کر دیں۔ خان اللہ کے
واسطے“۔

”شٹ اپ۔ سرسوتی! اسے اس کی کوٹھڑی میں لے جاؤ“۔ یاور علی خان کی آواز غصیلی مگر دھیمی تھی۔

”ہاں خان“۔ سرسوتی عورت کا بازو تھام کر کھینچنے لگی۔

”میں نہیں جاؤں گی۔ مجھے خان سے باتیں کرنا ہیں“۔ عورت نے ایک جھٹکے سے بازو چھڑا لیا۔

”دیکھو اگر تم باز نہیں آئیں تو تمہیں حویلی سے نکال کر بارہ پتھر دور بھیج دینگے“۔ یاور علی خان نے جاتے جاتے رک کر
اسے دھمکی دی۔

”رک جائیں خان۔ فیصلہ کر کے جائیں“۔ وہ بیڑیاں چھنکاتی ان کی طرف بڑھی۔

”بکواس بند کرو۔ تمام فیصلے ہو چکے۔ دفاع ہو جاؤ یہاں سے“۔ وہ برہم ہوئے۔

”خان...... اب تو مرنے کے دن دور نہیں۔ آپ ایسا کریں، مجھے ”سرائے“ بھجوا دیں“۔

یاور علی خان کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا۔ اور وہیں رک گیا۔ جیسے انہوں نے بمشکل خود کو روکا تھا۔

”سرسوتی! اس کی زنجیریں کھینچ کر اسے کوٹھڑی میں لے جاؤ۔ تمہاری ڈیوٹی اس پر ہے پھر یہ باہر کیسے آ جاتی ہے۔ آئندہ
ایسا ہوا تو تمہیں بھی اس کے ساتھ کوٹھڑی میں بند کر دیں گے“۔

”خان۔ روشی بی بی“۔

”شٹ اپ۔ اس گھر کے کسی فرد کا نام تمہاری ناپاک زبان پر نہیں آنا چاہیے“۔

وہ تیز تیز قدم بڑھاتے اندر کی طرف چلے گئے۔ ان کا بلڈ پریشر ہائی ہو رہا تھا۔ تمام جسم زلزلے کی زد میں تھا اور چہرہ
سرخ انگارہ۔ سامنے ماما ملی کچن کی طرف جاتی دکھائی دی۔

”ماما!“ ان کی بھاری آواز راہداری میں گونجی۔

”جی خان“۔ وہ دوڑتی ان کے پاس آئی۔

”دو کپ کافی میرے کمرے میں لے آؤ“۔

''دو؟'' ماما بلی نے الجھ کر ان کی شکل دیکھی۔

''روشی بھی میرے کمرے میں ہے''۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ روشی ہنوز بے خبر سو رہی تھی۔

وہ روشی کے پاس جا کر رک گئے۔ اس کا دوپٹا سر سے ڈھلک چکا تھا۔ چہرے پر عجیب طرح کی یاسیت کے سائے سے گڈمڈ ہو رہی تھی۔ چھوٹا سا ٹیکہ بالوں میں الجھ رہا تھا۔ انہوں نے جھک کر اس کے سر پر دھیرے سے ہاتھ

''روشی' بیٹے اٹھو۔ اپنے کمرے میں جا کر آرام سے سو جاؤ''۔ روشی نے کسمسا کر دوسری طرف چہرہ موڑ لیا۔

''روشی...... اٹھو بیٹا...... شاباش''۔ انہوں نے اس کا رخسار تھپتھپایا۔

اسی دم دروازے پر دستک ہوئی۔

''لیس''۔ وہ سیدھے ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔

''ماما بلی''۔ خالی ہاتھ اندر داخل ہوئی۔

''خان! گلو بی بی نے مجھے کہا تھا۔ روشی بی بی نے کھانا نہیں کھایا ہے''۔ ماما خاصی حیرانی سے سوئی ہوئی روشی کو دیکھ رہی تھی۔

''اوہ''۔ ان کیلئے یہ اطلاع اسی طرح تھی جیسے کسی کتاب کا دیباچہ پڑھ کر کتاب کے مضامین اور موضوع کا اندازہ ہو جائے۔ وہ بیٹی کے وجود میں اترے ہوئے طوفان کے ایک ایک جھٹکے کو محسوس کرنے لگے۔

''روشی!'' انہوں نے اس کا شانہ ہلایا۔

''جاؤ ماما...... تم پہلے کھانا لے آؤ''۔ انہوں نے منتظر ماما کو تو وہاں سے روانہ کیا۔

روشی شانہ ہلانے کے عمل سے بیدار ہو چکی تھی۔ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''السلام علیکم پپا''۔ اس نے ادھر ادھر لٹکتا ہوا دوپٹا سنبھالا۔

''وسلام۔ کھانا کیوں نہیں کھایا؟''

''بھوک نہیں تھی''۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

''ماما کھانا لا رہی ہے۔ تم جیولری اتار کر منہ ہاتھ دھو لو۔ ایزی ہو جاؤ۔ شاباش''۔

وہ سامنے کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگے۔

''مجھے بھوک نہیں ہے پپا!'' اس نے ہاتھ پھیر کر ٹیکہ ٹٹولا پھر اتار کر اپنے دوسرے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر جھمکیاں اتاریں اور اس کے بعد گلے میں پڑے ہوئے تینوں چاروں۔ نیکلس اور ہار۔ اور پھر تمام زیور اٹھا کر ایک ڈھیر کر دیئے اور باتھ روم میں چلی گئی۔ خوب رگڑ رگڑ کر منہ دھویا۔ یاور علی خان کی موجودگی کے احساس ہی سے اعصاب پرسکون ہو گئے تھے۔ منہ ہاتھ دھو کر بالوں میں برش چلا کر باہر آئی تو ماما ٹرالی سمیت منتظر تھی۔

''پپا! میرا دل نہیں چاہ رہا اس وقت کھانا کھانے کو''۔ وہ بسوری اسے تو اپنا مسئلہ حل کرنے کی جلدی تھی۔

بھوکا سونا اچھی بات نہیں ہوتی''۔ یاور علی خان نے اسے بہلایا۔

تھوڑا سا کھا لو بیٹے۔ بھوکا سونا اچھی بات نہیں ہوتی''۔ یاور علی خان نے اسے بہلایا۔

...ی کو نہ جانے کیوں آج وہ بہت نرم اور شفیق محسوس ہو رہے تھے۔

...نے بددلی سے ٹرالی اپنی جانب کھینچ لی۔ اور ایک پلیٹ میں تھوڑے سے چاول اور سلاد لے کر کھانے لگی۔

...میں نے ایک پروگرام بنایا ہے' امید ہے تم سن کر خوش ہو گی''۔ انہوں نے کرسی کی بیک سے پشت ٹکا کر اس کا چہرہ

''چمچہ روشی کے ہاتھوں میں تھا۔ اس نے واپس رکھ دیا۔ اور باپ کی شکل دیکھنے لگی۔

''جلدی سے سنایئے پپا۔ سخت قحط ہے میری زندگی میں خوشخبریوں کا''۔ وہ ایک دم بے صبری ہو گئی۔

یاور علی خان کا چہرہ جیسے دکھ سے دھندلانے لگا۔ انہیں یوں لگا جیسے ان کی بیٹی بہت سارا رونا چاہتی ہے۔

''ہم کراچی جا رہے ہیں''۔ انہوں نے آگے جھک کر سگریٹ کی راکھ جھاڑی۔

''ہم؟'' وہ چونک پڑی۔

''ہاں...... میں اور تم''۔ ان کے انداز میں بلا کا سکون تھا۔

''صرف؟'' اسے جیسے یقین نہ آیا۔

''صرف''۔ وہ دھیرے سے مسکرائے۔

''خالہ کے ہاں؟'' اس نے غور سے ان کی طرف دیکھا۔

''ہاں''۔ انہوں نے نظریں چرا کر منہ سے دھواں خارج کیا۔

اور روشی کو اپنی وہ اوٹ پٹانگ گفتگو اور ''فرمائش'' یاد آ گئی۔ وہ قدرے خجل سی ہو کر انہیں چوری چوری دیکھنے لگی۔

اس کا خیال تھا کہ اب تو جب بھی پپا سے سامنا ہو گا' پہلی فرصت میں سخت سست سننے کو ملے گی مگر توقع کے سراسر برعکس ہو تھا۔ شاید پپا اپنی عادت کے مطابق برداشت سے کام لے رہے تھے۔ ضبط تو بلا کا ہے۔ پپا میں۔ کاش میں تھوڑی ہی سی پر چلی جاتی۔ اس نے گویا خود ہی اپنی کمزوری کا اعتراف کیا اور مستحسن نظروں سے یاور علی خان کو دیکھنے لگی۔

''مجھے پپا سے فوری سوری کر لینا چاہیے۔ یقیناً پپا خوش ہوں گے''۔

''آئی ایم ساری پپا فار دوز کمپلیمنٹس۔ بٹ آئی واز پزل''۔ اس نے کہہ کر جلدی سے چمچہ منہ میں رکھ لیا۔

''کس سلسلے میں سوری ہو رہا ہے؟'' وہ واقعی نہیں سمجھے۔

''وہ میں نے آپ سے کہہ دیا تھا ناں کہ میں ماں کو مس کرتی ہوں''۔ اس نے چمچے میں چاول بھر کر منہ کی طرف لے جاتے ہوئے شرمسار لہجے میں کہا۔

''اوہ''۔ وہ جیسے کچھ یاد کر کے مسکرا دیئے۔ ''ڈزن میٹر بیٹا''۔

''ڈزن میٹر؟'' اسے جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

''اچھا۔ ہم بات کر رہے تھے کراچی کے پروگرام پر' تم تیاری رکھنا۔ میرا شوفر پہلے تمہیں ہری پور لائے گا۔ پھر ہم وہاں

سے کراچی کیلئے روانہ ہوں گے۔ مگر ایک بات"۔

وہ تنبیہ کے انداز میں انگلی اٹھا کر بولے۔

"جی پپا"۔ اس کے خوش ہونے کے عمل میں کھٹائی سی پڑی۔

"یہاں کسی کو اپنے کراچی کے پروگرام کے بارے میں نہ بتانا۔ بھنک نہ پڑے کسی کو"۔

"بابا صاحب کو بھی نہیں"۔ اس نے بے تابی سے ان کی بات کاٹ دی۔

"انہیں بھی نہیں۔ اگر یہاں کسی کو پتا چل گیا تو میں تمہیں ساتھ نہیں لے جا سکوں گا"۔ انہوں نے بر

کہا۔

"کیا آپ ڈرتے ہیں ان سب سے' آپ تو "ان ڈیپنڈنٹ" ہیں؟" اسے جیسے باپ کا ڈرنا پسند نہیں آیا

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ جب بہادری بغیر عقل کے ہوتی ہے تو وبال جان بن جاتی ہے۔ جب عقل

ہے تو کسی یقینی فتح کی بنیاد بن جاتی ہے"۔ وہ بہت تدبر سے سمجھا رہے تھے۔

روشی نے بہت محبت اور ستائش سے باپ کی طرف دیکھا۔

"بے موقع کام کرنے سے انسان تماشا بن جاتا ہے اور ہاتھ بھی کچھ نہیں آتا۔ جب رسی موٹی ہو اور

آہستہ کٹتی ہے۔ نہ ایک وار میں نہ ایک جھٹکے سے۔ تم جو کچھ آج کرنے جا رہی تھیں۔ اس سے تمہیں کوئی

میرے حصے میں ایک عظیم دکھ کا اور اضافہ ہو جاتا"۔

وہ آہستہ آہستہ اس کے من چاہے موضوع کی طرف آئے۔ کیونکہ انہیں یقین تھا اب اس کی گفتگو کا رخ

کی طرف مڑ جائے گا۔

روشی کا دل سینے میں تیز تیز دھڑکنے لگا۔ بہر حال وہ ایک مخصوص ماحول کی پروردہ تھی۔ باپ کے منہ

تذکرہ ایک نئی بات تھی۔

"مگر پپا......وہ"۔ اس نے کچھ کہنا چاہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ اگر تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو تو کچھ نہیں ہوگا"۔ انہوں نے نیا سگریٹ نکالا۔

روشی تو جیسے ریشہ خطمی ہو گئی۔ "سچ پپا"۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

انہوں نے روشی کے خوشی سے جگمگاتے ہوئے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ اور سگریٹ سلگانے لگے۔

"کیا میں وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" انہوں نے خاصے تردد سے سوال کیا۔

"کوئی وجہ نہیں"۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

"کیا تمہیں کوئی پسند ہے؟" انہوں نے جھکی جھکی نظروں سے نیا سوال کیا۔

روشی کا دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے لگا۔ کیا آج پپا سارے شکوؤں کا حساب باق کر دیں گے؟ اس کی

سے اعلان کر دے کہ وہ کیا چاہتی ہے۔

ایک بات کا ہمیشہ خیال رکھنا تمہیں میری طرف سے خاص رعایت حاصل سہی کہ تم کوالیفائیڈ والدین کی

"مگر بیٹے۔ اور میں مختلف تقریبات میں خواتین کے حقوق پر خطاب کرتا ہوں۔ مگر۔ ہمارا ایک اسٹینڈر مین ٹین ہو چکا ہے۔ کوئی

ہو۔ اور پہلے اپنے مقام اور حیثیت کو مدنظر رکھ لینا۔ تم اس ملک کے درجہ اول کے شہریوں میں شمار ہوتی ہو۔

قدم اٹھانے سے کیونکہ تم معاشی اور سماجی طور پر فلی اسٹرونگ ہو۔ ہم جاگیردار لوگ ہیں۔ سرکاری عہدے بھی کلاس ون لیول کے قبول کرتے

ہیں۔ ہر بیٹے تمہارا انتخاب کلاس ون لیول کا ہونا چاہیے۔ دوسری صورت میں تم مجھ سے کسی طرح کی مدد اور تعاون کی امید

رکھنا"۔

انہوں نے گہرا کش لے کر دریچے کی طرف کان لگا کر کچھ سننے کی کوشش کی۔ روشی کا جگمگاتا چہرہ ایک دم پھیکا پڑ گیا۔

"پپا!! انسان کی ذاتی قابلیت اور اہلیت بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے"۔ وہ دھیمے انداز میں مخاطب تھی۔

"شیور۔ مگر انسان کی اسٹرونگ پوزیشن تب ہی سمجھی جاتی ہے جب اس کے باپ دادا کا بیک گراؤنڈ بھی اچھا ہو"۔

انہوں نے اپنے مخصوص بردباری کے انداز میں جواب دیا۔

"اگر کسی کو اس کے باپ دادا ہی کا پتا نہ ہو تو"۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے سوال کیا۔

"نان سینس"۔ وہ دھیرے سے مسکرائے۔ "سلی گرل"۔ انہوں نے راکھ جھاڑی۔

"یعنی؟" وہ واقعی کچھ سمجھی نہیں۔

"یعنی یہ کہ ایسا شخص ہماری جاگیر میں۔ صرف ہمارے ملازمین کی لائن میں کھڑا ہو سکتا ہے"۔

"چاہے وہ کتنا ہی قابل اور لائق کیوں نہ ہو؟"

"ایبسولوٹلی۔ یہ ہماری اسٹیٹس مجبوری ہے"۔ انہوں نے قدرے الجھ کر بیٹی کے چہرے پر نظر دوڑائی۔

"جو تمہارے دل میں ہے کہہ دو۔ میں ہمیشہ کیلئے تمہیں کسی نتیجے پر پہنچا سکتا ہوں"۔

اس بار ان کا لہجہ خاصا سرد اور پرتکلف تھا۔ جیسے وہ کسی انہونی کیلئے پیش بندی کر رہے ہوں۔

"میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی' آجاتے ہیں ناں ذہن میں سپلیمنٹری کوئسچنز"۔

وہ ایک کباب اٹھا کر کھانے لگی۔ اور چہرے پر جی بھر کر بے نیازی طاری کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"ناؤ آر یو ریلیکس؟" انہوں نے بیٹی کو بہت محبت سے دیکھا۔

"یس"۔ اس نے گم صم انداز میں جواب دیا۔

"جو کچھ ہوا ہے اب یہ میرا "ہیڈک" ہے تمہارا نہیں"۔

"تھینکس اے لوٹ ڈیئر پپا"۔ وہ فی الحال اس تازہ ترین پیدا شدہ مسئلے کے حل پر ہی خوش تھی۔

"مگر اس کا اظہار بھی نہیں کرنا"۔ انہوں نے تاکید کی۔

"ڈونٹ کیئر پپا"۔

"دیکھو......فلاسک میں کافی ہے۔ ایک کپ کافی بناؤ۔ کھانا کھا لیا ہے؟" انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے فلاسک کی

طرف اشارہ کیا۔

''جی میں کھا چکی''۔

''سوئیٹ نہیں لوگی؟''

''نہیں موڈ نہیں ہے۔ پیٹ بھر کر کھالوں گی تو ڈراؤنے خواب آئیں گے۔ رات بھی تو خاصی ہو چکی ہے۔''

''اب انشاءاللہ ڈراؤنے خواب نہیں آئیں گے''۔ وہ مسکرائے۔

روشی کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ عجب اندیشوں میں لپٹی ہوئی خوشی ملی تھی۔

''ہم کراچی کتنے دن رکیں گے پپا؟'' وہ کافی بنانے لگی۔

''کچھ کہہ نہیں سکتے۔ چار پانچ سوٹ رکھ لینا۔ بہت ہوں گے''۔ انہوں نے کہا۔

''پھر میں وہاں آپ کے ساتھ شاپنگ بھی تو کروں گی''۔ اس نے کپ یاور علی خاں کو تھمایا۔

''شیور...... تم کافی نہیں لوگی؟''

''نہیں...... پھر نیند نہیں آئیگی۔ آپ کو کافی پی کر نیند آجاتی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''نیند؟'' یاور علی خان نے اپنی سرخ آنکھیں ایک لمحے کو اس پر مرکوز کیں۔

''آپ کی آنکھوں سے تو لگتا ہے آپ سوتے ہی نہیں ہیں۔ پپا آپ آئی اسپیشلسٹ کنسلٹ کیوں نہیں کرتے۔ آئیز ریڈ کیوں رہتی ہیں؟'' وہ معصومیت سے ان سے پوچھ رہی تھی۔

''اچھا''۔ وہ مبہم سا مسکرائے' مجھے کبھی دھیان ہی نہیں آیا' اب تم نے توجہ دلائی ہے تو ضرور کروں گا''۔

''جی...... آپ کا دھیان رکھنے والا بھی تو کوئی نہیں ہے۔ ممی ہوتیں تو کم از کم''۔

اسے جانے کیا یاد آ گیا ایک دم سے شرمندہ ہی ہو کر چپ ہو گئی۔

''ممی نہیں ہیں تو کیا ہوا بیٹی تو ہے''۔ انہوں نے ایک اڑتی پڑتی سی نظر دریچے کی جانب ڈالتے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

''اچھا اب میں چلتی ہوں۔ کیا میں آپ کے ساتھ ہری پور جاؤں گی؟'' وہ جاتے جاتے رک گئی۔

''نہیں...... میں تمہیں بلوا لوں گا''۔

''گڈ نائٹ پپا''۔ وہ دونوں ہاتھوں میں اپنی جیولری سمیٹتے ہوئے باہر نکل گئی۔

''گڈ نائٹ گڑیا''۔ وہ آہستگی سے بولے۔

وہ نہ جانے کس دھن میں تھی۔ ایک دم شرارے میں الجھ کر گرتے گرتے بچی۔

''کیا مصیبت ہے' حاصل نہ وصول کچھ۔ الٹی چوٹ ہی لگ جاتی''۔ وہ دیوار تھام کر جھلائی۔

''خود ہی سے باتیں شروع کر دی ہیں۔ کیا باتیں کرنے والے معذرت کر چکے ہیں؟''

''تم سے مطلب؟'' وہ چیخ کر گویا ہوئی۔

''جی اب ہم کس قابل ہیں۔ بڑے جچ رہے تھے آج نعیم صاحب''۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

''اپنے دیدے ٹیسٹ کرا لو۔ کوئی فالٹ آ گیا ہے''۔ وہ دائیں بائیں سے شرارہ سمیٹ کر بڑے مصروف انداز میں مشورہ دے رہی تھی۔

باری نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے خاصی حیرانی سے اس کی سمت دیکھا۔

''اگر گھر کی چار دیواری میں موجود افراد میں سے کسی پر تحقیق سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملتی تو میں آپ پر ہی پی ایچ ڈی کرتا''۔ اس نے برساتی کوٹ کاندھے پر لاد کر قدم بڑھا دیئے۔

''ٹھہرو''۔ وہ بے ساختہ بولی تھی۔

''لیجئے ٹھہر گیا۔ حکم؟''

''کہاں جا رہے ہو؟''

''بڑا عجیب سوال ہے۔ نیچے تو زمین پر یہاں وہاں نکلنے کے چانسز ہوتے ہیں۔ اوپر جا کر چھلانگ تو ماروں گا نہیں''۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا۔ ''ظاہر ہے اپنے کمرے میں ہی جا رہا ہوں''۔

''میں نے آج تک تمہارا کمرا اندر سے دیکھا ہی نہیں۔ تعجب ہے''۔ وہ واقعی حیران تھی۔

''کبھی دن میں تشریف لائیے گا ہمارے ہاں''۔ وہ زینے پر چڑھنے لگا۔

''بڑی اچھی چوائس ہے تمہاری بہت اچھا گانا تھا''۔

وہ ٹھٹک کر رک گیا اور گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا ''کون سا گانا؟''

''وہی جو باغ میں تم گیارہویں مرتبہ سن رہے تھے کہ ندیم بھائی آ گئے تھے''۔ وہ فاخرانہ مسکرائی جیسے اسے شرمندہ کر کے کوئی دیرینہ تمنا پوری کر رہی ہو۔

''اچھی چیز سب ہی کو اچھی لگتی ہے۔ دل چاہے تو مجھ سے کیسٹ لے کر سن لیجیے گا۔ مجھے اس کے اشعار یاد نہیں رہتے۔ بس ان کی طرز اور آواز اچھی ہے۔ اس لئے اچھا لگتا ہے''۔ وہ بے نیازی سے جواب دے کر تیزی سے زینے چڑھ گیا۔

''ہونہہ' اشعار یاد نہیں رہتے'' بہت ہی پوز کرتا ہے۔ اتنی دفعہ تو سنا ہے' کوئی بہرا بھی اتنی مرتبہ سنتا تو اسے بھی یاد ہو جاتے۔ پتا نہیں اسے گھمنڈ کس بات پر ہے''۔ وہ جھلاتی ہوئی اپنے کمرے میں گھس گئی۔

......

''بھابی...... کہاں ہیں آپ؟'' وہ کچن کے دروازے پر ایستادہ تھا۔

بال بکھرا بکھرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ کچن کے دروازے پر اس کا دوپٹا پڑا ہوا تھا۔ وہ ایک دم ہی سامنے آ گیا تھا۔ وہ بغیر دوپٹے پسینے پسینے ہو رہی تھی۔

ناگواری کا احساس دلاتی چند شکنیں اس کی پیشانی پر نمودار ہو گئی تھیں۔ بھلا اس طرح ایک دم سامنے آ جانے کی کیا

تک تھی؟ اتنا اجڈ تو دکھائی نہیں دیتا۔ اس نے دوپٹا کھینچ کر سر پر ڈال لیا۔

''فرمایئے''۔ اس کے لہجے میں خود بخود تلخی آ گئی۔

''ہماری آنکھیں بند رہتی ہیں بھابی! خاص طور پر عورتوں پر نظر ڈالنا تو ہم نے بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اپنے تو ہم فاتحہ پڑھ چکے ہیں۔ سردی بہت لگ رہی ہے۔ شاید بخار تیز ہو گیا ہے۔ ایک کمبل اور دے دیں۔ کرا... اور زور دے کر ہم آواز دے نہیں سکتے۔ اس لئے ہمت کر کے خود کو کھینچتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں۔

لازماً آپ ستم گر ہوں گے

آپ کی شکل بڑی پیاری ہے

وہ بڑبڑانے کے انداز میں شعر پڑھتے ہوئے واپس پلٹ رہا تھا۔

بالو کا دھیان کہیں اور تھا اس کی سمجھ میں شعر کیا خاک آتا۔ اس کی حساس طبیعت تو جیسے یہ سن کر تڑپ... سخت بخار کی وجہ سے سردی لگ رہی ہے۔

وہ تیزی سے اسٹور کی طرف گئی تھی۔

اور لال خان کا لایا ہوا میڈ ان یو ایس اے قسم کا بلینکٹ لے کر اس کمرے میں چلی آئی جہاں عارف کا قیام...

''عارف بھائی! یہ کمبل''۔ اس نے دور ہی سے اسے متوجہ کیا۔

''شکریہ بھابی''۔ وہ بے دم انداز میں اپنے بیڈ پر گرا پڑا تھا اور تیز تیز سانس لے رہا تھا۔ بالو کھڑی دیکھتی... دیکھا' عارف میں تو پہلے سے موجود کمبل اٹھانے کی سکت نہیں۔ بالآخر وہ آگے بڑھی۔ عارف کی آنکھیں بند تھیں۔ اس نے آہستگی سے کمبل اس پر پھیلایا۔ پھر ساتھ لایا ہوا دوسرا کمبل بھی اس پر ڈال دیا۔ اور سیدھی کھڑی ہو... اگلی بات کا انتظار کرنے لگی۔

''بھابی...... لال خان سے کہنا پہلی فرصت میں میری ماں کو اطلاع کر دے کہ میں آپ کے ہاں...... پوری کر رہا ہوں۔ ملنا چاہے تو آ کر مل جائے''۔ اس کی آواز بہت دھیمی اور کمزور تھی۔

''ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں عارف بھائی؟ آپ انشاء اللہ اچھے ہو جائینگے''۔ وہ چھوٹے سے دل کی لڑکی... گئی۔

کم نہیں نازش ہم نامی چشم خوباں

تیرا بیمار' برا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا

اور بھابی وہ جو آگے کہا ہے چچا غالب نے کہ...........

درد منت کش دوا نہ ہوا

میں نہ اچھا ہوا' برا نہ ہوا

وہ کھانسنے لگا۔ بالو حیران پریشان سی کھڑی تھی۔ ''تو بہ نشے کی طرح عادی ہے شعر پڑھنے کا۔ اس حالت میں...

...اتنا تیز چلتا ہے''۔ وہ سوچ رہی تھی۔

''آپ کیلئے چائے لاؤں عارف بھائی؟'' اس وقت اس کا دل انسانی ہمدردی سے لبریز تھا۔

''نہیں بھابی...... اس وقت تو ذرا سا اٹھنا محال ہے۔ کچھ کھانا پینا محال ہے۔ اس کیلئے میں لال خان کا انتظار کئے لیتا ہوں۔ شکریہ''۔

''آپ لیٹے لیٹے اللہ اللہ کرتے رہیں۔ دل کو سکون ملتا ہے''۔ اسے بروقت یہی ہمدردانہ فعل سجھائی دیا کہ اسے ''یاد الٰہی'' کی ترغیب ہی دے ڈالے۔

کاٹ دیتا ہے کتنے بند عدم

بندہ ذوالجلال ہو جانا !

''مگر'' وہ خود ہی شعر کہہ کر ہنس دیا'' مگر...... بھابی''۔

اب آخری عمر میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

''آپ کی عمر زیادہ تو نہیں''۔ بالو کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔

''عمر کا پیمانہ سال نہیں قوت حیات ہوتی ہے بھابی''۔ وہ اس کی سادہ لوحی پر مسکرا دیا۔

اس نے مصرعے سے اپنے مطلب کی بات اخذ کر لی تھی۔ اور بس...... وہ درحقیقت اتنی گہرائیوں میں اترنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔

''میں آپ کیلئے نمکین دلیہ بنا لیتی ہوں۔ وہ دوپہر کا کھانا کھانے آئیں گے تو آپ ان کے ساتھ کھا لیجیے گا''۔ وہ باہر نکلتے ہوئے بولی۔

''آپ کے وہ جب تک آئینگے' میں پیاسا مر جاؤں گا' فرشتے آپس میں بحث کرینگے کہ صحرا میں بھٹک کر مرا ہے۔ حلق میں کانٹے دکھائی دے رہے ہیں نا''۔

''میں ابھی لاتی ہوں پانی''۔ وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

کچن میں نل سے پانی لیتے ہوئے اسے دھیان آیا وہ تو اٹھ کر بیٹھنے کے بھی لائق نہیں۔ پانی کیسے پیے گا؟ کیا وہ اسے سہارا دے کر اٹھائے گی؟ اسے جھرجھری آ گئی۔ بالکل نہیں۔ یہ تو وہ کبھی نہیں کرے گی۔ شوہر کی غیر موجودگی میں کسی نامحرم کے اس قدر قریب جانا سراسر فتنہ ہے۔ اوہ اسے ایک دم دھیان آ گیا۔ اس نے ایک چمچہ ساتھ لیا۔ مسئلے کا حل سمجھ میں آتے ہی پرسکون سی ہو گئی تھی۔

وہ واپس عارف کے کمرے میں آئی اور چمچے میں پانی لے کر اسے متوجہ کیا۔

''عارف بھائی پانی''۔

''ہاں۔ خواب تو اچھا ہے۔ یوں بھی ساحلی شہر میں رہتا ہوں' پانی ادھر بہت ہے' مگر منہ میں تو اس وقت صحرا...وٹ لے رہا ہے''۔

"یا اللہ۔ اتنا کمزور ہونے پر اس قدر بولتا ہے۔ طاقت آ گئی تو کیا عالم ہوگا"۔

"چمچہ لائی ہوں ساتھ۔ آپ آنکھیں بھی کھولیں اور منہ بھی"۔ وہ زچ ہو گئی تھی۔

عارف نے تعمیل کی' وہ اسے پانی پلاتی رہی۔ وہ اس کی سمت دیکھنے کی بجائے چھت کی طرف دیکھتا رہا۔

"ارے کیا بہت حالت خراب ہے"۔ پیچھے سے لال خان کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

بالو کے ہاتھ سے گلاس فرش پر جا پڑا۔ یہاں وہاں کرچیاں بکھر گئیں۔

"کیا میں دروازہ بند کرنا بھول گئی تھی۔ کھلا ہوا تھا؟" دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ لرزتی ہوئی اور شیشے کے ٹکڑے اٹھانے لگی۔ مگر نہ جانے کیوں نظریں اٹھا کر لال خان کی سمت نہ دیکھ سکی۔

"کوئی بات نہیں' ایسا ہو جاتا ہے۔ انسان اپنے دھیان میں ہو تو اچانک آواز سے چونک پڑتا ہے۔ میں تو آدھے پاؤں واپس آیا تھا کہ کہیں میرا یار پیاسا نہ مرجائے۔ یہ تمہاری بھابی اسے تو بہت شرم آتی ہے۔ شکر ہے اس نے تمہیں بوجھ ل... اب چلو اٹھو۔ اسپتال میں داخلے کا بندوبست کر کے آیا ہوں۔ باہر گاڑی کھڑی ہے"۔

لال خان نے عارف کو بازوؤں میں اٹھا لیا۔ کرچیاں چنتی بالو نے نہ سر اٹھایا نہ لال خان سے کوئی بات کی۔ اس کے ہاتھ پیروں کی جان کیوں نکل رہی تھی۔ بالکل ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔

"دروازہ بند کر لو بالو"۔ لال خان کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بولا۔

مگر بالو تو جیسے کسی پتھر کی طرح اپنی جگہ اٹل تھی۔ حالانکہ اس نے کوئی چوری نہیں کی تھی۔ مگر حالت چوروں جیسی تھی۔ کیا سوچتے ہوں گے۔ یہ ویسے تو سامنے نہیں آتی اور جب میں موجود نہیں ہوتا۔ کہیں انہیں کوئی برا خیال نہ... حالانکہ وہ بے چارہ تین میں نہ تیرہ میں۔ آج مرا کل دوسرا دن۔

مگر لال خان کو اس طرح غیر مرد گھر میں اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ وہ اب تک اپنے مرد سے کھل کر بات نہیں... مگر اس کے دوست کو پانی پلا رہی تھی۔

وہ کم عمر تھی۔ بے بنیاد وسوسے اس کے کچے ذہن کو پریشان کر رہے تھے۔ وہ ساتھ والا آمنہ کا باپ اپنی عورت کو طعنوں سے کھاتا ہے۔ وہ اپنے آنگن میں کام کرتی سنا کرتی تھی۔ جب بھی غصے میں ہوتا ہے کھڑے کھڑے غریب کے دس بیس "یار" گنوا دیتا ہے۔ اسے اس طرح کی باتوں سے ہمیشہ گھن آتی تھی۔ اور ایک مرد کا عورت پر کیچڑ اچھالنا بہت مکروہ لگتا تھا۔ وہ سوچتی تھی کہ جب اس کی شادی ہوگی تو وہ ایسی عورت بنے گی۔ جس کی وفا پر اس کا شوہر نازاں ہو۔

کہیں یہی واقعہ کبھی کا طعنہ نہ بن جائے۔

بار بار ایک فلم ذہن کے پردے پر چل رہی تھی۔

وہ پانی پلا رہی تھی۔ پیچھے سے لال خان آ گیا تھا۔

"یار باری! تم تو بالکل بے کار نکلے"۔ فاران نے اسٹڈی میں باری کا پچھا لیا۔ "یعنی......؟" وہ کوئی کتاب ڈھونڈ رہا تھا۔

"بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی ایک شخص باہر سے آیا۔ ہمارے گھر کی ایک لڑکی پر ہاتھ صاف کیا اور چلتا بنا۔ یار گھر میں ہی اتنے تھے۔ سوئمبر ہو سکتا تھا"۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"منگنی تو ہوئی ہے۔ کوئی نکاح تو نہیں ہوا۔ جا کر کہہ دو بابا صاحب سے"۔ باری کو مطلوبہ کتاب نہیں مل رہی تھی۔

"شریف آدمی...... میں صرف اپنی بات تو نہیں کر رہا"۔ فاران ایک دم پھڑ پھڑا کر رہ گیا۔

"تو پھر پرچی پر نام لکھ کر دے دو۔ یاور چچا کمپیوٹر سے قرعہ اندازی کر لیں گے۔ کمپیوٹر کی تو سب مانتے ہیں' یقیناً کوئی جھگڑا بھی نہیں ہوگا"۔ وہ دوسرے شیلف کی جانب بڑھ گیا۔

"ارے میرے بھائی ...... ارے سقراط کے کچھ لگتے۔ بات سمجھ میں آئی نہیں اور ہو گئے مشورے شروع۔ بھلا یہ غیروں میں رشتہ کرنے کی کیا تک تھی؟ وہ بھی اتنی ایمرجنسی میں جیسے کوئی معرکہ ہو رہا ہو۔ ہار جیت کے مسئلے آ پڑے ہوں۔ تم نے ہم میں سے کسی کو نہیں بتایا۔ حالانکہ تم تو وہ کمپیوٹر ہو۔ جس میں بابا صاحب کا سب کچھ فیڈ ہو جاتا ہے"۔ فاران پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑا تھا۔

"آپ کو یقین نہیں آئے گا مگر...... واقعی مجھے کچھ نہیں پتا"۔ وہ تھک کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میں اپنی مردانگی کی بڑی حفاظت کرتا ہوں۔ معمولی سی "زنانہ" ملاوٹ مجھے پسند نہیں ورنہ ابھی لگا دیتا تمہیں قسموں پر کہ کھاؤ میرے سر کی قسم۔ الاں کی قسم اور فلاں کی قسم۔ ہم سب بہت شاکڈ ہیں۔ آپ کو مطلع کیا جا رہا ہے"۔

"اور یار میں نے تو سنا ہے' وہاں کراچی میں بڑا مکسنگ ڈنر ہوا۔ زنانہ مردانہ کمبائن۔ یہ بھی غلط ہے؟"

"میں وہاں سے آ چکا تھا۔ کیا کہہ سکتا ہوں"۔ باری کے سر میں درد ہونے لگا۔

"اچھا بتاؤ۔ اس گھن چکر میں ایسی کیا بات ہے جو اسے ترجیح دی گئی۔ ایسا تو یہاں ہوتا نہیں"۔

"آپ انٹرسٹڈ تھے روشی بی بی میں؟" باری زچ ہو کر سوالات پر اتر آیا۔

"لاحول ولاقوۃ...... دماغ خراب نہیں ہے میرا جو سول انجینئر سے ایک دم شعبہ بدل کر مکینیکل انجینئر بن جاؤں۔ نٹ ڈھیلے رہتے ہیں۔ "اس کی طرف"۔ کیا ہر وقت ٹول بکس اٹھائے پھروں گا؟" فاران بری طرح سلگا۔

"پھر دھواں دھار زریں اظہار خیال کا مقصد؟"

"یار! سبب بتاؤ اس ایمرجنسی کا؟ بتاؤ...... ایک رنگروٹ کو اٹھا کر "چیف" بنا دیا گیا۔ ہمیں ایسے دیکھ رہا تھا جیسے ہم سب "گھاس خور" ہوں"۔

"اگر کوئی آپ میں انٹرسٹڈ ہے تو بتائیں' میں آگے نام پیش کر دوں گا"۔ اس نے بات کاٹی۔

"بابا صاحب کے فیصلوں کے بعد ہمارے ہاں لکیر پٹی جاتی ہے۔ میرے بارسوخ بھائی"۔ فاران نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اب اگلا حکم سنائیے"۔ وہ رسانیت سے کہہ رہا تھا۔

"ہم سب اس ناگہانی پر حیران پریشان ہیں۔ اصل بات کا کھوج لگاؤ یار! کہیں لڑکی ماری نہ جائے۔ جواد ا
پریشان تھا۔ کہہ رہا تھا اس نے تصویریں بھی نہیں بنوائیں۔ کھانا بھی نہیں کھایا اور جلدی سونے چلی گئی تھی"۔

"وہ بہت خوش ہیں۔ ڈونٹ وری"۔ اس نے فاران کو بیچ میں ٹوک دیا تھا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں"۔ اس نے فاران کو یقین دلایا۔

"پتا نہیں یار کیا ٹھیک ہے کیا غلط۔ مجھے تو لال بتی کی سپارکنگ دکھائی دے رہی ہے۔ صحیح کہہ رہا ہوں میں"۔

"یقین کرو۔ اگر تمہارے ساتھ بھی روشنی"۔

"مجھے میری اوقات میں رہنے دیں۔ فاران!" وہ شاید فاران سے پہلی بار تلخی سے مخاطب ہوا تھا۔ جب ہی فاران لاجواب ہو
کر رہ گیا تھا۔

"کیوں تمہاری اوقات کو کیا ہوا؟ Don,t be complexed (احساس کمتری کا شکار نہ ہو) فاران نے
سے سوال کیا تھا اور نصیحت بھی کی تھی۔

باری سنی ان سنی کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ "انٹرنیشنل لاء" کی بک نہیں مل رہی۔

"پہلے ڈومیسٹک لاء پر عبور حاصل کرو۔ جھک نہیں مار رہا ہوں"۔ فاران جھلایا۔

"یہ میرا شعبہ نہیں، آپ سب مجھے بخش دیں"۔ وہ اس بار بجائے چڑنے کے مسکرا رہا تھا۔

"مگر تمہارا اپروچ فل ہونا تو شک وشبہ سے بالاتر ہے"۔ فاران نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"مگر میرے اپروچ فل ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ میں "کانفیڈنشل" ادھر سے ادھر نہیں کرتا"۔ بالآخر اس نے
سے قطعی جواب نہیں دیا۔

"اس کا مطلب ہے تمہیں حقیقت معلوم ہے؟" فاران اپنی جیت پر مسکرایا۔ باری خاموش رہا۔

"مجھے بتا دو۔ کسی سے نہیں کہوں گا"۔ فاران شاید سب کی نمائندگی کر رہا تھا۔

"وہ راز ہی کیا جو دوسرے کو منتقل ہو جائے"۔ وہ بدستور کتاب تلاش کرتا رہا۔

"اہمیت جتا رہے ہو؟" فاران قدرے خفگی سے گویا ہوا۔

"آپ کسی کی زندگی یا کیریئر کی قیمت پر بھی مجبور کریں گے؟" وہ فاران کی طرف پلٹا اور اس کے چہرے پر
دیں۔

"فاران نظریں نہ اٹھا سکا۔" ہرگز نہیں، اب یوں بھی فائدہ نہیں ہے"۔

وہ اسٹڈی سے باہر چلا گیا۔ باری نے سکون کا گہرا سانس لیا۔

"سب اپنی اپنی پریشانیوں کا اظہار کسی نہ کسی سے کر دیتے ہیں۔ ہم اگر کسی سے کچھ کہہ سکتے ہیں تو یہ
"دیواریں" ہیں۔

"سر کی قیمت خواہ کتنی زیادہ کیوں نہ ہو "دل" کی قیمت سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ ہم انشاء اللہ سودا مہنگا ہی کریں گے۔ بلکہ
کر رہے ہیں۔ زندگی اور کیریئر کا سن کر آپ خوفزدہ ہو گئے فاران صاحب۔ دل بھی کوئی منصب رکھتا ہے اس خاندان میں؟
کتنی بے توقیر شے ہے یہ۔ یہاں اس حویلی میں"۔

وہ تلخی سے مسکرا رہا تھا۔

"زندگی خطرے میں دیکھ کر آپ نے بحث ہی سمیٹ لی۔ کچھ زندگی سے بھی زیادہ ہوتا ہے جو اس حویلی کے مکینوں کے
شعور سے ماورا ہے۔

"پتھر کی حویلی سے پتھر کی قبر تک یہاں پتھروں ہی کی اہمیت ہے"۔

اس نے کھولتے ذہن مگر کھوجتی نظروں سے بالآخر شیلف کے سب سے نچلے خانے سے مطلوبہ کتاب ڈھونڈ نکالی۔ اور
اپنے کمرے میں جانے کے خیال سے باہر نکلنے لگا۔

"یار...... باری۔ جسٹ اے منٹ...... ایک کانفیڈنشل ہے"۔ ندیم بڑا حواس باختہ سا اسٹڈی میں داخل ہوا تھا۔

"یعنی...... اس جان ناتواں پر ایک بوجھ مزید"۔ وہ مسکرا دیا۔

"یار! غضب ہی ہو گیا ہے"۔ اس نے اسٹڈی کی دروازہ بند کرتے ہوئے اگلا جملہ کہا۔

"پہلے یہ بتاؤ تم نے کبھی کسی سے عشق کیا؟" وہ آرام سے کرسی پر ڈھے گیا۔

باری قدرے ٹھٹکا۔ پھر مسکرا دیا۔ "عشق کرتے نہیں، عشق ہو جاتا ہے" "کرنا" کا لفظ اس صورت میں استعمال کرتے ہیں
جب کوئی کام ارادے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس پوزیشن میں ارادہ بالکل کام نہیں آتا"۔ وہ بھی بیٹھ گیا۔

"واہ یار۔ میری سوچ کے مطابق تم تو واقعی تجربہ کار نکلے"۔ ندیم کو جیسے اطمینان ہوا۔

"کیا مطلب ہے؟" وہ قدرے الجھ گیا۔

"بات یہ ہے یار۔ وہ بھٹی انکل ہیں ناں۔ ان کا نمبر دو بیٹا میرا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس کی ایک بہن ہے جسے میں بالکل
سگی بہن سمجھتا ہوں"۔

"یہاں تو کوئی گنجائش ہی نہیں نکل رہی۔ گھر کی اکلوتی دختر نیک اختر کو تو آپ نے اپنی بہن بنا لیا"۔ اس نے بات کاٹ
دی۔ حالانکہ دلچسپی پیدا ہو رہی تھی کہ آخر قصہ کیا ہے؟

"یار! اس کی کزن آئی ہوئی ہے۔ یار میں نے بطور شرارت ایک دو مرتبہ اسے گھور کر دیکھ لیا۔

"دو چار مرتبہ اور دیکھ لیجیے اگر آسانی سے نظر آ جاتی ہے"۔ وہ ہنس دیا تھا۔

"اوہ...... نہیں بھائی...... اوئے نگروں ای پے گئی اے۔ (وہ تو پیچھے ہی پڑ گئی ہے) وہ کیا کہا ہے شاعر نے کہ

عاشق اپنا جان لیا ہے شاید ان نے میر ہمیں
دیکھ بھری مجلس میں اپنی ہم ہی سے شرماتا ہے

"یار! آج یہ رقعہ ملا ہے۔ اگر میں نے اس سے بے وفائی کی تو وہ خود کو آگ لگا لے گی"۔

ندیم نے رقعہ باری کی جانب بڑھایا۔

''آپ اسے رکھیں۔ یہ آپ کیلئے ہے''۔ وہ طرح دے گیا۔

''کچھ سمجھاؤ باری صاحب۔ کچھ کرنہ بیٹھے یہ۔ اپنا تو بھٹہ بیٹھ جائے گا۔ عجیب نڈر لڑکی ہے' حویلی رنگ کرنے لگی ہے''

ندیم بہت پریشان تھا۔

''کیا سمجھاؤں؟ اگر اچھے خاندانی لوگ ہیں تو آپ شادی کرلیجیے اس سے''۔ اس نے پرسکون چہرے و اعصاب کے ساتھ مشورہ دیا۔

''اس سے شادی کرنے کا ارادہ ہوتا تو تمہارے پاس ڈسکس کرنے کیوں آتا؟'' ندیم بھنا کر رہ گیا۔

''پھر گھورا کیوں تھا؟'' وہ اپنی سیراب اور چمکدار آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑے ہوئے تھا۔

''یونیورسٹی بس' کی عادت ہے آہستہ آہستہ چھوٹے گی''۔ وہ ڈھٹائی سے کہہ رہا تھا۔

باری کتاب ہاتھ میں تھام کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

''ندیم خان! ہوسکتا ہے' آپ کو برا لگے۔ مگر۔ ہم آپس میں ایک دوسرے سے مخلص رہے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھیے گا'' وہ رک گیا جیسے کسی تذبذب کا شکار ہو...... یا...... الفاظ ترتیب دے رہا ہو۔

''لڑکیاں شیشہ ہوتی ہیں۔ اور محبت ان کی کمزوری۔ ان سے نہیں کھیلتے۔ یہ قتل عمد ہے۔ میرے نزدیک''۔

''شیشے کو معمولی سی بھاپ بھی چھو جائے تو عکس دھندلا جاتا ہے۔ جو ہمارا آپ کا ''صرف'' ہوتا ہے۔ وہ ان کا ''سب'' ہوتا ہے''۔ اس نے ندیم کی طرف دیکھے بغیر قدم آگے بڑھا دیئے۔

''تم کیسے دوست ہو؟ تم نے مجھے احساس جرم میں مبتلا کردیا''۔ ندیم بے انتہا الجھ گیا تھا۔

''میں نے تو حقیقت کہی ہے۔ ردعمل آپ کا ذاتی شعور ہے''۔ وہ بہت دھیمے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''مگر اس سے شادی کیسے کرسکتا ہوں۔ مجھے اس سے محبت تو نہیں ہے''۔ وہ اٹھ کر باری کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ''اور یار یہ محبت کیا ہوتی ہے؟'' وہ سچ مچ احساس جرم میں مبتلا تھا اور شدت سے اس بات کا خواہشمند محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی اسے اس اندرونی جنگ سے نجات دلا دے۔

خلیل جبران کہتا ہے ''محبت خود کو پیش کردیتی ہے۔ یہ اپنے سوا کچھ نہیں چاہتی۔ امرتا پریتم ایک جگہ لکھتی ہے ''محبت ایک آگ ہے اور جدائی ہوا۔ آگ کم ہوگی تو ہوا اسے بجھا دے گی۔ آگ زیادہ ہوگی تو ہوا اسے اور بھڑکا دے گی۔ آپ ان سے دور رہیے۔ کچھ عرصہ انہیں نہ دیکھئے۔ اگر بہت یاد آئیں تو ان سے شادی کرلیجیے۔ ورنہ بڑے انسانوں کی طرح اپنی غلطی کا اعتراف کرکے معذرت کرلیجیے اور آئندہ کیلئے اس قسم کی شرارت سے توبہ کرلیجیے۔ مجھے اجازت''۔

''بڑی جلدی میں رہتے ہو''۔ ندیم غائب دماغی کی کیفیت میں تھا۔

''جی بس کچھ اسٹڈی کرنا ہے۔ پھر سہی۔ او کے''۔ وہ تیزی سے باہر نکل آیا۔ مبادا کوئی نئی بات پیدا ہو جائے۔

''محبت خلیل جبران اور امرتا پریتم کے احساسات پر تو منتج نہیں۔ ہر انسان کے ذاتی تجربات بھی ہوتے ہیں۔ مسٹر باری''۔

''بالکل۔ جب ہم اپنے ذاتی احساسات چھپانا چاہتے ہیں تو دوسروں کی کہی کوئی بات دہرا دیتے ہیں''۔ وہ زینے طے کرتے ہوئے بڑی حقیقت پسندی سے ہنس دیا''۔ گویا یہ جتاتے ہیں جو کچھ کہہ رہے ہیں دوسروں سے سن رکھا ہے۔ ذاتی طور پر کچھ اندازہ نہیں''۔

ورنہ مسٹر باری آپ یہ کہہ سکتے تھے۔

''محبت اس طلسمی پرندے کا نام ہے جس کے سنہرے پروں سے کرب کی آنچ آتی ہے۔ کہیں دور بسیط فضاؤں میں پرواز کرتا ہے مگر دل کے زنداں میں کسی قیدی کی طرح سر پھوڑتا محسوس ہوتا ہے۔

محبت اس کھیت کی طرح ہے جسے نیندیں قربان کرکے پانی لگاتے ہیں۔

اور یہ کہ۔

محبت تھک کر ابدی نیند تو سو سکتی ہے مگر مایوس نہیں ہوتی۔

یا یوں کہہ سکتے ہیں۔ محبت کائنات کا سب سے خوبصورت انکشاف ہے۔

''یہ بھی کہہ سکتے ہیں' دنیا میں جتنا بھی حسن نظر آتا ہے سب محبت کی تشریح ہے۔

وہ آخری زینہ طے کرکے اپنے کمرے کی طرف مڑا اور کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

''رات میں ''پیا کرو' یوں بھی سب جلدی سو جاتے ہیں''۔ روشی سنبھل کر حملہ آور تھی۔

''میں شاید کسی دھیان میں تھا''۔ وہ کترا کر آگے بڑھ گیا۔

''تمہارا کمرا دیکھنے آئے ہیں''۔ وہ اس کے پیچھے چل رہی تھی۔

''آیئے دیکھ لیجیے۔ اس کی بے نیازی گہری نیند کی طرح ٹوٹ کر نہیں دے رہی تھی۔ وہ اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوگئی۔

انتہائی سادہ کمرا تھا۔ لائٹ گرین اور وہائٹ کے امتزاج کا مظہر۔ فرنیچر وہائٹ پالش کا' پردے لائٹ گرین بیڈ شیٹ وہائٹ دبیز کور گرین۔ اور وہائٹ پھول اور گرین زمین والا کارپٹ۔ ایک طرف شیلف کارنر پر بڑا سا گرین گلدان تھا جس میں تازہ پھول تھے۔

''بھئی تمہارے کمرے میں آکر تو قومی جذبہ بیدار ہو رہا ہے۔ اور قومی پرچم کو سلامی دینے کو جی چاہ رہا ہے۔'' وہ ہنسی۔ باری خاموش رہا اور دریچے سے پردے سرکانے لگا۔

''اتنے اہتمام سے رہتے ہو۔ اندازہ نہیں تھا۔'' وہ پھر گویا ہوئی۔

''اجی ہمیں کہاں فرصت اہتمام کرنے کی۔ وہ تو پچھلے دنوں اکا اپنا بیڈ روم سیٹ کرا رہے تھے۔ کوئی مہربانی دلی رگ پھڑک گئی تھی۔ دراصل اُن کا کمرہ بھی تو برابر میں ہے۔''

وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''بابا صاحب نے کوئی آبجیکشن نہیں کیا کہ کیوں پیسہ خرچ کر رہے ہو؟'' اس نے باری کا چہرہ غور سے دیکھا۔

''وہ مجھے غیر ضروری رعایت دیتے ہیں۔'' وہ مسکرا کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔

''کیوں؟ تم میں کیا سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں؟'' وہ اپنی مخصوص نخوت کے مظاہرے سے باز نہ رہ سکی۔

''انہی سے پوچھیے گا۔''

''تم ان کے گھوڑوں پر بہت محنت کرتے ہو شاید اسی لیے۔ وہ اپنے اصطبل کو حویلی پر فوقیت دیتے ہیں۔ بات ... ہے۔'' اس نے بڑے ... انداز میں تجزیہ کیا۔

''بالکل یہی بات ہوگی۔ آپ ان کی پوتی ہیں۔ ان کے بارے میں زیادہ بہتر جانتی ہیں۔'' وہ ایک ... لگا۔

''طنز کر رہے ہو؟'' وہ بدک گئی۔

''یہ تاب، یہ مجال، یہ طاقت نہیں واللہ!'' وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

''تم برا کیوں نہیں مانتے؟'' وہ چڑ گئی۔

''وہ کیسے مانتے ہیں؟'' وہ پھر ہنس دیا۔

''کیا برا لگتا ہی نہیں ہے یا سینس نہیں ہے یہ؟'' وہ ہنوز کھڑی تھی۔

''شاید سینس نہیں ہے۔'' اس نے نہایت آسانی سے اتفاق کر لیا۔

''تمہیں تو یہ بھی سینس نہیں ہے کہ کوئی کھڑا ہے تو اسے بیٹھنے کے لیے بھی کہہ دو۔'' وہ بازو لپیٹ کر ٹہلتی ہوئی ... جا کھڑی ہوئی۔

''کمرا بھی آپ کا ہے، گھر بھی آپ کا۔ جیسے چاہے استعمال کریں۔''

وہ پھر اسی سکون اور مسکراہٹ سے گویا ہوا۔

''مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ تم میری ''انگیج منٹ'' سے خوش نہیں ہو۔ خاصے بدلے ہوئے لگ رہے ہو؟'' ا... نے کہہ دیا۔

''مائی گاڈ! یہ کیا آ گیا آپ کے ذہن میں؟ مجھے تو اس قدر اطمینان ہے آپ کی اس تبدیلی پر کہ آپ اندازہ ... سکتیں۔ بلکہ میں تو اس بات پر اُلجھ گیا ہوں کہ بابا صاحب نے شادی کے بجائے یہ منگنی ونگنی کا چکر کیوں ڈال دیا۔ ... سیدھے شادی کر دیتے۔ جو کام ہر حال میں کرنا ہے، اس میں دیر کیوں کی جائے۔ آپ کی اس تبدیلی کا بھروسا بھی نہیں ... سکتا۔ یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ آپ موڈی اور ---''

''اور پاگل ہیں۔ بند کرو یہ تقریر۔ بڑے آئے وہاں سے میرے ہمدرد۔ شادی کر دیتے۔ شادی کر دیتے تو ... کو اچھی طرح سے۔ میں تمہارے گلے میں تو نہیں لٹک رہی زبردستی۔ اپنی جان چھڑانے کی پڑی ہوئی ہے۔ کیا ... ہوں؟ بچی ہوں؟ میں تو اپنی جان چھڑانے کو تمہیں ڈھال بنا رہی تھی۔ تمہارا تو کام ہی یہ ہے کہ حویلی والوں کے ...

... مرضی کی ہو۔ تم شاید یہ سمجھنے لگے کہ میں تمہارے عشق میں مری جا رہی ہوں۔ نان سینس۔''

... بری طرح مشتعل ہو گئی تھی۔ باری اسی طرح پُرسکون انداز میں بیٹھا اخبار رول کر رہا تھا۔

''خاک پڑھنے لکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ تم ہو کیا؟ میں نے تمہیں اہمیت دی۔ اس لیے کہ میں احمق ہوں۔ تم جانے کن ... میں اُڑنے لگے۔ میں نے تو صرف یہ سوچا تھا تم استعمال ہونے والی شے ہو۔ تمہیں استعمال کرنے میں کوئی حرج ...''

اس کا سانس تیز تیز چلنے لگا تھا۔ وہ دم لینے کو رُک گئی۔

باری نے اُٹھ کر سائیڈ ٹیبل سے جگ اُٹھا کر گلاس بھرا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

''آپ سوچ رہی ہوں گی کہ جواباً میں بھی کچھ کہوں گا۔ اس لیے آپ کو بتا دوں کہ میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے۔ آپ کا قیمتی وقت ضائع نہ ہو، اس لیے وضاحت کر دی ہے۔ آپ البتہ اور کچھ کہنا چاہیں تو کہہ سکتی ہیں۔ اگر میں نے آپ کو ...رٹ کیا ہے تو میں آپ سے سوری کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کروں گا۔''

''یو فول۔ یو۔ آئی ہیٹ یو۔ آئی رئیلی ہیٹ یو۔ ورسٹ، ہیٹ یو۔''

اس نے باری کے ہاتھ سے گلاس لے کر کارپٹ پر دے مارا۔ اور خود بیڈ پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ باری نے آگے بڑھ کر دروازہ ٹھیک طرح سے بند کیا۔ اور خاموشی سے کرسی پر بیٹھ کر دوبارہ اخبار کھول کر نظر ڈالنے لگا۔ ایک آدھ منٹ بعد ایک اچٹتی سی نظر روتی ہوئی روشی پر بھی ڈال لیتا، پھر دوبارہ نظریں اخبار پر دوڑانے لگتا۔

آخر پانچ منٹ بعد اس کی سسکیاں تھم گئیں۔ اس نے دوپٹے سے آنکھیں رگڑیں اور باری کی طرف دیکھا۔ عین اسی لمحے باری کی نگاہیں بھی اس کی طرف اُٹھی تھیں۔ وہ بہت خونی انداز میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ باری نے بہت آہستگی سے اپنی نظروں کا رُخ دوبارہ اخبار کی طرف موڑ لیا تھا۔

''جی چاہ رہا ہے اخبار سمیت تمہیں آگ لگا دوں۔'' وہ بیڈ سے اُتر کر کھڑی ہو گئی۔

باری اخبار رول کر کے ٹھوڑی کے نیچے ٹکا کر مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

''میری طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوگی۔ آپ شوق پورا کریں۔''

''ہونہہ!'' وہ پاؤں پٹختی آگے بڑھی اور جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

باری اسی انداز میں بیٹھے جانے کس سوچ کے پاتال میں بھٹکنے لگا تھا۔

یاور علی خان کو گئے ہوئے تیسرا دن تھا۔ اس نے تو اُن کے جاتے ہی اپنا سوٹ کیس پیک کر لیا تھا۔ اس دن کے بعد سے باری بھی نظر نہیں آیا تھا۔ ماما نے خود ہی بتا دیا تھا کہ ''سرائے'' گیا ہوا ہے۔ ہونہہ، سرائے میں پتا نہیں کون سے میلے لگتے

ہیں آئے دن۔ اس نے سُن کر سر جھٹک دیا تھا۔ ایک تو کراچی جانے کا سن کر جوش و خروش اس درجہ تو
نہیں لگ رہا تھا۔ جی چاہتا تھا پر لگا کر کراچی پہنچ جائے۔ وہ بڑی بددلی سے باغ میں آئی تھی اور جھولا جھولنے
تین روز سے طبیعت پر کچھ بوجھ بھی محسوس ہو رہا تھا۔ اندر سے جانے کتنی مرتبہ یہ آواز آئی تھی کہ اسے
باتیں نہیں کرنی چاہیے تھیں۔ کس طرح تاک تاک کر اس نے باری کی روح پر نشانے لگائے تھے۔ اور وہ تو
سنتا رہا۔ جواباً کچھ کہہ دیتا تو شاید احساسات اتنے شدید نہ ہوتے۔

وہ جھولا جھولتے ہوئے مسلسل سوچ رہی تھی۔

''بی بی! ہری پور سے خان کا فون آیا ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں آپ شام چھ بجے تک تیار رہیے گا۔ ان کا ڈرائیور
آئے گا'' کلو اسے کھڑی پیغام دے رہی تھی۔

وہ چونک کر کلو کو دیکھنے لگی پھر ایک دم اُچھل کر جھولے سے نیچے اُتر آئی۔ اور اندر دوڑ گئی۔ پانچ تو بج
اپنے کمرے میں آ کر دیگر ضروری چیزیں سمیٹنے لگی۔ وقت بہت کم تھا۔ ابھی اپنی تمام کزنز کے سامنے دھماکا
ون سے یہ انوکھی خبر دبائے دبائے اس کا پیٹ پھولنے لگا تھا۔ ظاہر ہے ان کے لیے یہ خبر انوکھی ہی ہوتی کہ پاپا نے
پہلی بار بیٹی کو اپنے پاس بلایا تھا۔

وہ کپڑے اُٹھا کر باتھ روم میں جا رہی تھی کہ بڑی امی آ گئیں۔

''کلو نے بتا دیا تھا تمہیں؟'' وہ آتے ہی مخاطب ہوئیں۔

''جی بڑی امی!''

''اچھا تو تم تیاری کرو۔ ٹائم بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ اندھیرا تو ویسے بھی ہو گیا ہے مگر اب کیا کریں۔ یاور
رہے ہیں۔''

''حیرت ہے وہ تمہیں وہاں کیوں بلوا رہے ہیں۔ اور پھر وہاں تنہائی میں تمہارا دل کیسے لگے گا۔ خیر دل نہ لگے
جانا۔ کچھ کھانے پینے کی چیزیں بندھوا دیتی ہوں راستے میں کھا لینا۔''

''جی اچھا''، وہ عجلت بھرے انداز میں بولی۔

''اچھا چلو! تم تیاری کرو۔'' وہ بڑی گم صم سی نظر آ رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے کی سمت بڑھ گئیں
روشنی ان کی پیٹھ ہوتے ہی جھپاک سے باتھ روم میں گھس گئی۔ دو منٹ میں کپڑے تبدیل کیے اور برش
دوڑتی ہوئی ہال کمرے میں آ گئی۔ جہاں وہ سب ''حسبِ توفیق'' ہاتھ پیر پھیلائے بچوں کا کوئی پروگرام دیکھ رہی تھیں

''ہیلو کزنز!'' اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر چیخ ماری۔

وہ سب چونک پڑیں۔

''ارے۔ آؤ بھئی۔ کہاں غائب ہو۔ کمروں سے نکل آنے کا ٹائم تو کب کا ہو چکا۔'' مونا نے پاؤں سمیٹے۔

''ہم اس لیے آئے ہیں کہ ہم جا رہے ہیں۔'' اس نے پھلجڑی چھوڑی۔

''خیر ہو۔ کہاں چلے؟'' روبی کو بھی اسکرین سے نظریں ہٹانا پڑیں۔

''ہری پور'' اس نے خاصے استغنا کا مظاہرہ کیا۔

''اکیلی؟'' وہ سب اپنے زاویے بدل کر متوجہ ہو گئیں۔

''پپا کے ڈرائیور کے ساتھ۔'' اس نے وضاحت کی۔

''بھائی۔ کیا ہو رہا ہے یہ؟'' زری کو یقین نہ آیا۔

''بڑا اچھا ہو رہا ہے۔'' وہ کھلکھلائی۔

''یاور چچا نے بلوایا ہے۔'' سیر کی شوقین تانیہ پھڑپھڑائی۔

''ظاہر ہے۔ بن بلائے تو ہم خدا کے ہاں بھی نہ جائیں۔'' اس کے انگ انگ میں ترنگ تھی۔

''جانے کی کوشش تو کی تھی۔'' مشینو نے مقابل کے دروازے سے داخل ہو کر ٹکڑا لگایا۔

روشی نے آج اپنا اچھا موڈ ان کی خاطر خراب نہیں کیا۔ اور اندر آ کر ایک موڑھے پر بیٹھ گئی۔ وہ سب اسے گھیر کر بیٹھ گئیں۔ پریس کانفرنس کا سماں بندھ گیا۔

....

سفر تو جیسے تیسے کٹ ہی گیا تھا۔ آنے کی خوشی میں کسی قسم کی ناگواری میں وزن نہیں تھا۔ مگر گھر میں داخل ہوتے ہی اسے کوفت کا سامنا کرنا پڑا۔ یاور علی خاں کسی ڈنر میں گئے ہوئے تھے۔

حالانکہ ملازمین نے بہت اچھے انداز میں گرمجوشی سے استقبال کیا تھا، مگر اس پر جیسے اوس سی پڑ گئی تھی۔ وقت گزارنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ پہلے کچن میں آئی۔ وہاں موجود ایک ایک چیز کا جائزہ لیا۔

''کیا پپا کچن چیک کرتے ہیں؟'' وہ خانساماں سے مخاطب ہوئی۔

''جی نہیں!'' وہ بے چارا حیران سا نظر آیا۔

''اچھا پھر تو تم بڑے ایماندار قسم کے سرونٹ ہو۔ بڑا صاف ستھرا کچن ہے۔ برتن تو بہت خوبصورت ہیں۔ کیا پپا لائے ہیں؟'' اس نے دیوار گیر شیشے کی الماری میں لگے برتنوں کا جائزہ لیا۔

''جی مجھے علم نہیں۔ جب میں یہاں آیا تو یہ برتن پہلے سے موجود تھے۔''

''ہوں۔ بہت نائس! بہت شاندار ہیں میرے پپا۔ ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز ہی بہت اچھی ہوتی ہے۔ میں تو خیر ٹھیک ٹھاک ہوں۔ مگر میری امی بہت حسین تھیں۔ سب سے اچھی بیوی بھی گھر بھر میں میرے پپا کو ملی تھی۔'' وہ ہنسی ''لکی ہیں ناں؟''

بے چارا خانساماں مودبانہ ہاتھ باندھے اس کے ''ارشادات'' سن رہا تھا۔

اسی دم فون کی گھنٹی بجی۔ وہ چپ ہو گئی۔

''فون کہاں ہے؟''

''آپ فکر نہ کریں۔ اٹینڈنٹ سن لے گا۔'' خانساماں کو اس کی باتیں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔

''ارے نہیں بھئی۔ میں سنوں گی۔ ہوسکتا ہے، پپا کا ہی ہو۔ یا شاید حویلی سے آیا ہو۔'' وہ کہتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ اس کے آنے تک فون خاموش ہو چکا تھا۔ فون کی بیل دوبارہ سے شروع ہوئی۔

اس نے ریسیور اُٹھا لیا۔ ''ہیلو!''

''آپ کون ہیں؟ سر کو فون دیجیے۔ کراچی سے مس ماہین کی کال ہے۔'' اٹینڈنٹ کہہ رہا تھا۔

''سر گئے ہوئے ہیں۔ میں ان کی بیٹی ہوں۔ مجھ سے بات کرائیں۔''

''ہیلو!'' ایئر پیس میں ماہین کی آواز اُبھری۔

''ہوں۔ حویلی فون نہیں کر سکتیں؟ پپا کو بڑے فون ہوتے ہیں۔'' اس کی شوخی عروج پر تھی۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

دوسری طرف ماہین حیرت و خوشی سے ایک لمحے کو گنگ سی ہو گئی۔

''وہاں کیونکر پہنچ گئیں جاگیردارنی؟'' وہ سنبھل کر جوابی کارروائی کرنے لگی۔

''جاگیردار صاحب کو شاید ہماری ضرورت پڑ گئی ہے۔'' وہ کھلکھلائی۔

''بڑے مطلبی ہیں جاگیردار صاحب!'' ماہین شرارت سے کہہ رہی تھی۔

''ارے میرے پپا کو مطلبی کہہ رہی ہیں؟'' وہ مصنوعی خفگی سے گویا ہوئی۔

''پہلے تو تم نے انہیں ''ضرورت مند'' کہا ہے۔'' ماہین نے کمال برجستگی کا مظاہرہ کیا۔

''ہوں، آپ ہیں ناں آخر میری امی کی سگی بہن، ہلا کر رکھ دیا ہے اپنی جگہ سے۔ ہم کراچی آ رہے ہیں، سب سمجھ میں آ گیا ہے۔'' وہ بڑے تجربہ کار و آزمودہ انسان کی طرح تجزیہ کر رہی تھی۔

''تم کراچی آ رہی ہو---؟ اونو! دیکھو میرے ساتھ مذاق مت کرو۔'' ماہین بے ربط سی ہونے لگی۔

''اب کیا، ہاں ہاں---ناں ناں کریں۔ آفتاب آمد بردلیلِ آفتاب۔'' وہ ہنسی۔

''تم ایک دم سے بڑی بڑی سی محسوس ہونے لگی ہو، یہ انقلاب کیسا؟ کیا باری باقاعدگی سے ٹیوشن پڑھانے ...'' ماہین ہنسی۔

''یہ اچھی بھلی باتیں کرتے کرتے آپ کیا کدالیں، پھاوڑے چلانے لگیں؟'' اُس نے منہ بنایا۔

''اچھا یہ بتاؤ---'' ٹوں---ٹوں---ٹوں---اچانک رابطہ منقطع ہوگیا۔

اُس نے ریسیور کو دیکھا، پھر آہستگی سے رکھ دیا اور گھوم کر دروازے کی طرف پلٹی۔ یاور علی خان بیڈ کے ساتھ ... کوٹ اُتار رہے تھے۔

''السلام علیکم پپا!'' وہ اُنہیں یوں اچانک سامنے پا کر بہت خوش ہوئی تھی۔

''والسلام بیٹے! ٹھیک ٹھاک ہو، کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی راستے میں؟'' اُنہوں نے کوٹ روشی کی سمت بڑھایا ... روب کی سمت اشارہ کیا۔

روشی نے سرخوشی، بارش کی طرح اپنے وجود پر محسوس کی۔ روح کی ساری کثافت آناً فاناً دھلنے لگی۔

جن سے محبت ہوتی ہے، اُن کی طرف سے محبت و اپنائیت کے ذرا ذرا سے مظاہرے---بھی زندہ رہنے کی ... جاتے ہیں۔ مقبول دُعاؤں کا سا اثر رکھتے ہیں۔

اُس نے باپ کے ہاتھ سے کوٹ اس طرح لیا، جیسے کوئی سوغات لے رہی ہو۔

اتنی پیاری مہک تھی، اُس نے دل سے لگا لیا تھا۔ موتی اس کے رخساروں پر پھسل پڑے۔ اُس نے وارڈروب کا ... کھولا۔ ہینگر نکالا اور نہایت پیار سے کوٹ ہینگر کیا۔ اپنی انگلیوں سے جھاڑا، جیسے وہ کوئی بے جان کوٹ نہ ہو، زندہ وجود ... ہی برتاؤ تھا۔

''کون سا پرفیوم لگاتے ہیں آپ پپا؟'' وہ اُن کی طرف مڑی۔

''بہت سی باقاعدہ قسم کی عادتیں ہیں میری، بیس سال سے زائد عرصے سے یہ پرفیوم استعمال کر رہا ہوں۔ پہلے ... انگلینڈ اور یورپ ہی میں ملتا تھا۔ اب تو یہاں بھی مل جاتا ہے، بلکہ اب تو کمپنی پوری کٹ بناتی ہے۔ باتھ سوپ، شیمپو، ... آفٹر شیو، شیونگ کریم، کیونکہ بہت سوفٹ پرفیوم ہے، اس لیے ان تمام چیزوں کو استعمال کرنے کے بعد ہی اس کی مہک ... ہوتی ہے۔''

اُنہوں نے ڈریسنگ ٹیبل سے پرفیوم اُٹھا کر اس کی سمت بڑھایا۔ وہ اُن ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ کتنی تفصیل سے ... جواب دے رہے تھے، جیسے اس نے کوئی بہت اہم اور ضروری سوال کیا ہو۔

''خالہ کا فون آیا تھا پپا۔'' اچانک اسے دھیان آیا کہ نہایت ضروری بات تو بھول ہی گئی۔

''اور تم نے پہلی فرصت میں انہیں بتا دیا ہوگا کہ ہم کراچی آ رہے ہیں؟'' یاور علی خاں ڈریسنگ روم کی طرف بڑھتے ... بڑھتے رُک گئے۔

... نے ذرا ذرا کر اُن کا چہرہ دیکھا، ''تو مجھے نہیں بتانا چاہیے تھا؟''

... سرپرائز فار دیم---خیر کوئی بات نہیں۔'' اُنہوں نے اُچٹتی نظر میں جیسے اُس کے چہرے پر خوف و خجالت کا ... دیا تھا۔ اس لیے نورازی سے کہا اور ڈریسنگ روم کی سمت بڑھ گئے۔

''سرپرائز؟ چین، جاپان میں بنے روبوٹ لگتے تھے اسے اپنا پپا---یوں محسوس ہوا جیسے اسے بہت اچھا لگا تھا--- ... مشین معجزاتی طور پر روح میں ڈھل گئی ہو۔

وہ دھپ سے بیڈ روم پر بیٹھ گئی اور یاور علی خاں کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی۔

چند منٹوں بعد وہ باہر آ گئے اور روشی پر ایک سرسری نظر ڈالی۔

''کھانا کھا لیا تم نے؟''

''اکیلے کیسے کھاتے---مگر آپ تو ڈنر کر کے آ گئے ہیں۔'' وہ بسوری۔

''ہاں، یہ تو ہے، یہ آفیشل ڈنر تو چلتے رہتے ہیں، سوری بیٹا!'' وہ مبہم سا مسکرائے۔

''تم کھانا ضرور کھاؤ، آج تو کک نے تمہارے لیے اسپیشل ڈشز بنائی ہیں۔ میں نے اس کو تاکید کی تھی کہ میری بیٹی آ ... ی ہے۔''

وہ اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ کر آستینیں فولڈ کرنے لگے۔

''اسپیشل ڈش کا مزا تو آپ کے ساتھ آتا پپا!'' اُس نے منہ بنایا۔

''اس طرح بھی ہو جاتا ہے بیٹے! ہر بات سوچ کے ساتھ نہیں ہوتی۔ سوچتے کچھ ہیں، ہوتا کچھ ہے۔'' وہ اسے سمجھانے لگے۔

''کراچی کب جائیں گے؟'' اس نے پٹڑی بدلی۔

''جلد جائیں گے، آپ کے نانا جان بہت بیمار ہیں، اس لیے جلدی ہی جانا چاہیے۔''

وہ اپنی جیبوں میں غالباً لائٹر تلاش کر رہے تھے۔

''آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں پپا---نہ خالہ نے بتایا۔'' روشی اپنی جگہ سے اُٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوئے ... چھوڑ گئی تھی۔ جہاں اسے لائٹر رکھا نظر آ رہا تھا۔

''خالہ نے نہیں بتایا، تعجب ہے، پھر فون کیوں کیا تھا؟'' وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئے۔

''فون تو انہوں نے آپ کو کیا تھا۔ میں نے تو بس سن لیا تھا۔'' اس نے لائٹر اُن کی طرف بڑھایا۔

''ظاہر ہے، مجھے ہی کیا ہوگا۔ تمہاری موجودگی کی تو انہیں خبر نہیں ہوگی۔ حویلی فون کرتی ہیں؟'' اُنہوں نے سگریٹ ... سلگایا۔ ان کی نظریں لائٹر کے شعلے پر مرکوز تھیں۔

''ہاں کرتی ہیں حویلی میں، وہی تو میں اُن سے کہہ رہی تھی کہ پپا کو فون کر دیتی ہیں، مجھے نہیں کرتیں، اُس نے خالہ ... پپا کے سامنے دہرایا۔

یاور علی خان نے لائٹر بند کرتے ہوئے اچٹتی سی نظر روشی پر ڈالی۔

''پھر کیا جواب دیا اُنہوں نے۔''

''کچھ نہیں، لائن ہی ڈسکنکٹ ہوگئی تھی۔'' اس نے برا سا منہ بنایا۔

اُسی دم فون کی گھنٹی بجی۔ اور یاور علی اپنی جگہ سے فوراً اُٹھے۔

''جی---ہیلو---!'' اُنہوں نے ریسیور کان سے لگایا۔ پھر روشی کی سمت دیکھا۔

''حویلی سے فون ہے---باری ہے لائن پر۔''

اُنہوں نے ریسیور کان سے ہٹا کر روشی کی طرف دیکھا۔ وہ فوراً ہی اپنی جگہ سے اُٹھی۔

''میرا فون ہے---اس وقت---؟'' وہ حیران ہوئی اور ریسیور یاور علی خاں کے ہاتھ سے لے لیا۔

''ہوں---روشی---بات کر رہی ہوں۔ اتنی اہم تو نہیں ہوں کہ وہاں سے آتے ہی مسئلے پیدا ہوگئے''

''ارے، آپ کو خبر نہیں، اب تو آپ بہت اہم ہوگئی ہیں۔ کراچی سے نعیم صاحب آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں، نمبر دے دوں؟ کوئی ہرج تو نہیں؟'' دوسری طرف سے باری بہت شوخ لہجے میں اُس سے پوچھ رہا تھا۔

''نان سینس!'' اس کا موڈ ایک دم آف ہوگیا۔ اُس نے پلٹ کر یاور علی خاں کی سمت دیکھا۔

''مگر وہ بضد ہیں، حالانکہ میں نے تو یاور چچا کا ڈراوا بھی دیا تھا، مگر بھئی بڑے بہادر قسم کے بندے ہیں'' بدستور تھا۔

''تم کوئی میڈل دے دو انہیں بہادری کا، میرے کان مت کھاؤ۔'' وہ برس پڑی۔

''آفٹر آل فیانسی ہیں، کچھ تو اُن کے حقوق تسلیم کریں۔ یہ تو زیادتی ہے ناں؟'' وہ ہنس رہا تھا۔

''کمیشن مجھ سے لے لینا اور آئندہ اس موضوع پر مجھ سے بات مت کرنا، ورنہ اچھا نہیں ہوگا---'' وہ

''تو اُنہیں کہوں کیا؟'' وہ بے بسی سے پوچھ رہا تھا۔'' وہ دس منٹ بعد پھر فون کریں گے۔''

''کہہ دینا روشی کے باپ سے بات کرلیں۔'' اُس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

اپنی تیز تیز سانسیں سنبھالتی وہ دوبارہ بستر تک آئی اور گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

یاور علی خاں نے آہستگی سے نظریں اُٹھا کر بیٹی کا چہرہ ٹٹولا۔

''غصے سے انرجی ضائع ہوتی ہے، جو ہم نے نہیں کرنا، بس نہیں کرنا۔ پھر غصہ کر کے اپنا نقصان کیوں کریں، ایزی مائی ڈیئر۔''

''پپا! میرے پاس بہت اچھے کپڑے نہیں ہیں---بس سو سو ہیں---آ کورڈ نہیں لگے گا وہاں'' جھٹ موضوع بدل دیا۔

''تو پھر کیا ہوا، کراچی سے لے لینا، مگر ایک بات کا خیال رکھنا، اگر نانا جان کی طبیعت اچھی ہو تو شاپنگ کی ضرورت نہیں، ہم اُن کی عیادت کرنے جا رہے ہیں۔''

''ویل پپا! جب سے میری امی کی ڈیتھ ہوئی ہے، آپ نانا جان سے کتنی مرتبہ ملے ہیں؟'' اُس نے بہت معصومانہ انداز میں سوال کیا تھا۔

یاور علی خاں جو جھک کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی ایش ٹرے میں سگریٹ کی راکھ جھاڑ رہے تھے، بجائے راکھ جھاڑنے کے اُنہوں نے سگریٹ مسل کر رکھ دی اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''بیٹے! کھانا کھالو۔ رات زیادہ ہوگئی تو کیا فائدہ۔ گیسٹ روم میں تمہارا قیام ہوگا۔''

''مگر پپا! میں گیسٹ تو نہیں ہوں۔'' اُسے دُکھ سا ہوا۔

یاور علی خاں مسکرا دیے۔ ''آپ تو مالک ہو بیٹا۔ دراصل گیسٹ روم میں فی الحال سب سے زیادہ سہولیات ہیں۔ وہاں کوئی ناگواری محسوس نہیں ہوگی۔ وہاں بہت اچھا محسوس ہوگا۔'' پھر اُنہوں نے سرہانے لگی بیل بجائی۔

فوراً ایک ملازم آ موجود ہوا۔

''شیر دل! بی بی کے لیے کھانا لگاؤ۔''

روشی کی غیر ضروری حساس طبیعت بوجھل سی ہوگئی۔ ایک تو اُس کے سوال کا جواب نہیں دیا گیا تھا۔ دوسرے اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس کی موجودگی سے تنگ آ گئے ہوں۔ وہ دوپٹا سنبھالتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''گڈ نائٹ پپا!'' اس نے اتنی دھیمی آواز میں کہا، جیسے نہایت مجبوری میں کہہ رہی ہو۔

''گڈ نائٹ---!'' یاور علی خاں نے اُس کے کمرے سے باہر نکلنے کا انتظار بھی نہیں کیا اور نائٹ بلب جلا دیا۔

روشی نے آہستگی سے اپنے پیچھے کا دروازہ بند کیا اور ڈائننگ ٹیبل کی طرف مڑ گئی۔

شاید ماں---ماں بنتے ہی کوئی مرکزی طاقت حاصل کر لیتی ہے۔ ایک مقناطیسی طاقت---جو یہاں، وہاں ہر طرف کے رشتوں کو کھینچتی ہوئی ایک ان دیکھے دائرے میں متحرک رکھتی ہے---ماں کی کمی سے بڑی کمی ہو جاتی ہے۔ سب کچھ ہوتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے کچھ رکھ کر بھول گئے ہوں، یا یوں جیسے کوئی ضروری چیز گم ہوگئی ہو اور ذہن میں ہر آن اُس کی تلاش جاگتی ہو، یا جیسے معمول کے سارے کام ہوگئے ہوں، اور سب سے ضروری کام ذہن سے نکل گیا ہو اور بہت دیر میں یاد آیا ہو۔ ایسی ملال کی سی کیفیت---ایسی نامکمل اور ادھوری سی زندگی اُسے لگتی تھی۔

اس ادھورے پن کا احساس اسے ہمیشہ ہی رہا تھا۔ مگر لاشعور کے پاتال سے تب ہی باہر آتا تھا---جب کوئی ذہنی دھچکا لگتا تھا۔

جیسے بوسیدہ چھت بارش میں ٹپکتی ہے تو اپنی ٹوٹ پھوٹ کا پتہ دیتی ہے۔ اس پر سے یہ شقی القلب باری---کتنے مزے آ رہے ہیں اسے---ملا ناں تو بتاؤں گی اچھی طرح۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے ناں کہ غصے کی ایک لہر کے ساتھ جانے کب کب کا دبا ہوا غصہ---اور غصے کی وجوہات نئے سرے سے اُبل پڑتی ہیں۔

وہ ڈائننگ ٹیبل پر آ کر ایک کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی تھی۔ میز پر کھیاں لگی ہوئی تھیں اور میز کی چمکتی سطح پر اسے

اپنا بگڑا بگڑا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔

''بے بی --- یہ ایگ فرائیڈ رائس --- سر کہتے ہیں، آپ بہت پسند کرتی ہیں۔'' ملازم اسے متوجہ کر رہا تھا۔

وہ چونک پڑی۔ ''پپا! آپ مجھے پاگل کر دیں گے۔ بتایئے کس جنم یا کس جہاں میں، میں نے آپ کو بتایا تھا کہ یہ ڈش پسند ہے، پھر آپ کو کیسے پتا چلا، زندگی میں کبھی ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھایا --- کوئی جن ہے آپ کے قابو میں۔''

وہ حیرت زدہ سی قدرے جھلائی ہوئی کھانا کھانے میں درحقیقت مگن ہو چکی تھی۔

....

''روشی!''

ملازم کے بجائے یاور علی خاں اسے جگا رہے تھے۔ انتہائی حیرت انگیز بات تھی۔ جب کہ اُن کے بیڈ روم سے گیسٹ روم کا فاصلہ اچھا خاصا تھا۔ وہ فوراً سے پیشتر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''پپا! پلیز کم ان'' اس نے دوپٹا اُٹھا کر شانوں پر پھیلایا۔

یاور علی خاں اندر چلے آئے۔ اُسے یہ دیکھ کر مزید حیرت ہوئی۔ وہ آفس جانے والی حالت میں نہیں تھے بلکہ ڈریسنگ گاؤن پہنے ہوئے تھے۔

اندر آ کر وہ بہت پُرسکون انداز میں ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔

وہ اُن کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی۔

''اس وقت سوا سات بج رہے ہیں، گیارہ سے پہلے ہمیں ایئر پورٹ پہنچنا ہے۔ تم ناشتا کر کے تیاری کر لو، ہمیں ہر حال میں دوپہر دو بجے تک کراچی پہنچ جانا چاہیے۔ تمہارے نانا جان کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔''

''ہیں!'' ایک لمحے کو تو جیسے وہ کچھ سمجھی ہی نہیں۔ ''جی پپا؟''

''ہاں بیٹے!''

''خالہ کا فون آیا تھا؟'' وہ اچانک صدمے کی کیفیت سے دوچار پست آواز میں پوچھ رہی تھی۔

''نہیں، تمہارے ماموں نعمان احمد کا --- اچھا! تم تیاری کرو، میں اتنی دیر میں ضابطے کی کارروائی سے نمٹتا ہوں'' (اُن کا مطلب دفتری اُمور سے تھا)۔

وہ گنگ سی کیفیت میں اُن کی صورت دیکھتی رہ گئی۔ پھر ایک دم چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رو دی۔

یاور علی خاں کے بڑھتے ہوئے قدم رُک گئے، وہ اُس کے نزدیک چلے آئے۔

''روتے نہیں، یہ کیا بات ہوئی بھلا، بری بات۔''

''پپا! مجھے کسی موت پر رونا نہیں آ رہا۔ رونا تو اس بات پر آ رہا ہے کہ امی کو نہیں دیکھا، نانی کو نہیں دیکھا۔ نانا نے خوشیوں کی خوشی میں نیند بھی نہیں آتی تھی۔ اتنی بڑی خوشی کا خواب ہی کیوں دکھایا تھا اللہ میاں نے --- کیا ساری زندگی یوں ہی آنکھ مچولی ہوتی رہے گی۔ اور پپا! خوشی تو بس وہی ہوتی ہے، جو دل چاہنے پر مل جاتی ہے، مجھے دل چاہنے پر ...

... ہاتھ۔'' وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

یاور علی خاں کی آنکھوں کی سرخی یکلخت بڑھ گئی۔ اُنہوں نے روشی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ابھی تو تم بہت چھوٹی ہو روشی! تمہیں کیا خبر کہ کتنی خوشیاں تمہاری منتظر ہیں۔''

''سب سے بڑی خود فریبی ہے یہ!'' اُس نے باپ کی بات کاٹ دی اور آنکھیں پونچھنے لگی۔

''اگر آنے والی خوشی کی توقع فریب ہے تو آنے والے دُکھ کا خوف بھی تو واہمہ ہو سکتا ہے۔ پیش گوئی تو کسی کی بھی نہیں ہو جا سکتی۔ جب اچھا سوچنا بھی اپنے اختیار میں ہے اور برا سوچنا بھی اپنے اختیار میں، تو اختیار مثبت انداز میں کیوں نہ استعمال کیا جائے۔ اچھائی کا پہلو سامنے رکھنے میں کوئی ہرج تو نہیں؟''

وہ اُس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

وہ جیسے ہار مان کر چپ ہو گئی اور یاور علی خاں فوراً سے پیشتر باہر نکل گئے۔ مبادا وہ کسی اور بہانے سے رو پڑے۔

وہ بستر سے اُتر کر وارڈ روب کی سمت آئی۔ اس کا خیال تھا۔ کراچی جانے میں کچھ دن لگیں گے، اس لیے اس نے کپڑے وارڈ روب میں لٹکا دیے تھے۔ پٹ کھول کر وہ کپڑوں پر نظر ڈالنے لگی۔ کتنے اچھے اچھے کپڑے لائی تھی۔ اب یہ سوچ رہی تھی کہ موت کے ماحول میں کون سے کپڑے پہن کر جائے۔

....

''کھوکھر!'' دلاور علی خاں ٹہلتے ٹہلتے رُک گئے اور قریب موجود ملازم سے مخاطب ہوئے۔

''جی خان!'' وہ بھاگ کر اُن کے پہلو میں آ کھڑا ہوا۔

''تم دیکھ رہے ہیں، وہ سامنے ایک لڑکی بہت دیر سے بیٹھی مالی سے باتیں کر رہی ہے۔ ساتھ میں شاید مالی کا لڑکا ہے، تم جانتے ہو یہ لڑکی کون ہے؟'' وہ ایک ٹک سامنے دیکھ رہے تھے۔

''خان! یہ تو نئی دلہن بیگم ہیں، روزانہ اِدھر آتی ہیں، آپ نے شاید دھیان نہیں دیا۔''

''تمہارا مطلب ہے ظفری کی دلہن --- ؟ جھومر؟'' وہ چونک پڑے۔

''جی خان!'' کھوکھر مؤدبانہ بولا۔

دلاور علی خاں نے قدم آگے بڑھائے اور تیز تیز چلتے ہوئے وہاں پہنچ گئے، جہاں جھومر باتیں کر رہی تھی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' وہ برہمی سے گویا ہوئے۔

جھومر چونک کر کھڑی ہو گئی۔ ''السلام علیکم خان!'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''وعلیکم --- ہم پوچھ رہے ہیں کیا کر رہی ہو؟'' وہ بدستور برہمی سے پوچھ رہے تھے۔

''کچھ نہیں خان! میں صبح صبح اِدھر آ جاتی ہوں، اکیلے میں جی گھبراتا ہے۔'' وہ آہستگی سے کہہ رہی تھی۔

''تمہارے گھر میں کیا میلے لگتے ہیں، رونق ہوتی ہے، عورتوں کو کیا مطلب رونق سے؟ ان کا کام تو یہ ہے کہ وہ گھر میں رہیں ... ملازموں سے ہنسی مذاق کا کیا مطلب ہے، تمہارا تو مرد معذور ہے، تمہیں تو اس کی خدمت سے فرصت

نہیں ملنی چاہیے۔ تم اسے اکیلا چھوڑ کر ملازموں سے ہنسی ٹھٹھول کرتی پھرتی ہو۔" وہ غضب ناک ہوئے۔

"وہ معذور ہے خان، میں تو معذور نہیں ہوں، انسان ہوں، قیدی بھی نہیں ہوں۔"

"گلاب خاں! تم اپنے لڑکے کو لے کر یہاں سے جاؤ، اپنا کام کرو۔" اُنہوں نے مالی کو مخاطب کیا۔

وہ دونوں تقریباً دوڑ لیے۔

"تم بھی جاؤ کھوکھر!" وہ کھوکھر کی سمت متوجہ ہوئے۔

کھوکھر بھی سر جھکا کر چل دیا۔

"ہاں کیا کہہ رہی تھیں تم --- قیدی نہیں ہو؟ --- قیدی نہیں ہو، مگر ہماری تنخواہ دار تو ہو۔ ہزار روپیہ ماہانہ تمہارے باپ کو دیتے ہیں۔"

"تو میرے باپ سے کہیں، وہی ظفری کے ساتھ رہا کرے۔" جھومر نے تڑخ کر بات کاٹ دی۔

دلاور علی خاں دم بخود اس کی شکل دیکھنے لگے۔ سارا خون سمٹ کر چہرے پر آ گیا۔

"کیا تم نہیں جانتیں؟ یہ گز بھر کی زبان نکال کر تمہارے ہاتھ میں دے دیں گے۔ تمہاری اتنی ہمت۔"

"آپ ہزار روپے کے عوض مجھ سے حویلی میں کام کرا لیا کریں، میں بیس گھنٹے کام کرنے کو تیار ہوں، مگر ظفری کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ میں اس کی نوکرانی بن کر تو اس کی خدمت کر سکتی ہوں، مگر ایک بیوی کی طرح اُس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" اُس نے بڑے نڈر انداز میں دوٹوک جواب دیا۔

"اُسے نوکرانیوں کی کمی نہیں ہے، ہم نے تمہارے باپ کے ساتھ سودا کیا ہے۔"

"کیا آپ صرف ظلم کے سودے کرتے ہیں؟" وہ بے خوف اور بگڑے ہوئے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"تم ہم سے کیا چاہتی ہو؟" وہ بری طرح بپھر رہے تھے۔

"آپ مجھے ظفری سے نجات دلا دیں اور اس عورت کے ساتھ اس کی کوٹھڑی میں قید کر دیں، جس کی آوازیں مجھے رات کو سونے نہیں دیتیں۔"

دلاور علی خان چونک کر اُس کی صورت دیکھنے لگے۔

"اتنی زبان درازی کا نتیجہ تم جانتی ہو؟ ہم تمہاری کھال میں بھس بھروا کر بیچ چوراہے میں لٹکا دیں گے۔"

"ہر روز موت کے عمل سے گزرتی ہوں، اب مجھے کسی بات سے خوف نہیں آتا۔" وہ بڑی جرأت سے بولی۔

"ہم آج ہی تیمور خاں اور تمہارے باپ کو بلواتے ہیں۔" وہ جھاگ اُڑا رہے تھے۔

"وہ سب آپ کے بعد ہیں، جو آپ کر سکتے ہیں، وہ نہیں کر سکتے۔ کیوں انہیں زحمت دیں گے۔ آپ ہی فیصلہ کیجیے۔ میں منتظر ہوں۔" جھومر جیسے اپنے ہوش و حواس کھو چکی تھی۔

"تمہیں کھانے کو اچھا ملتا ہے، اس لیے آنکھوں پر چربی چڑھ چکی ہے، مگر ہم یہ چربی اُتار بھی سکتے ہیں۔ ہم نے جو تمہیں ہیرے جواہرات پہنا رکھے ہیں، وہ بھی ہم ہی کر رہے ہیں ہم۔"

"ایک ایک نوالہ زہریلا ہوتا ہے آپ کے کھانے کا۔" اُس نے حقارت سے جواب دیا۔

"اگر تم ظفری کی بہو نہ ہوتیں تو تمہارا قیمہ ہم اپنے ہاتھوں سے بناتے۔" وہ دھاڑے۔

"بہت شکریہ۔ آپ مجھے انسان سمجھتے ہیں؟ کتنی حیرت کی بات ہے۔ حالانکہ آپ کے ملازم کی بکری بھی مجھ سے زیادہ اہمیت رکھتی ہوگی۔" وہ استہزائیہ بولی۔

"تم چار جماعتیں پڑھ کر خود کو کوئی انقلابی سمجھنے لگی ہو؟ حالانکہ یہاں تمہاری حیثیت دیوار میں لگے کسی پتھر سے زیادہ نہیں۔" وہ بہت چبا چبا کر کہہ رہے تھے۔

"معلوم ہے مجھے" وہ منہ موڑ کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔

"آپ مجھے ظفری سے نجات دلا دیں اور اس کے بدلے بیس سال کی بیگار لے لیں۔"

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"وہ تھوڑا سا ابنارمل ہے، مگر حویلی کے وارثوں میں سے ہے، تمہارے لیے کیا یہ اعزاز کم ہے --- گستاخ لڑکی!" وہ شکست خوردہ سانڈ کی طرح بے ربط سانسوں میں کہہ رہے تھے۔

"ہم کمی کمین لوگ ہیں خان، اعزاز و انعام سے ہمیں کیا مطلب۔ یہ چیزیں تو نام، نسب والوں کو خوش کرتی ہیں۔ ہم ان سے بہلنے والے نہیں۔" وہ اپنی چادر سے آنسو پونچھ رہی تھی۔

"ہم تمہارا انتظام کرتے ہیں، خود کو کمی کمین بھی کہتی ہو اور مالکوں کے منہ کو بھی آتی ہو، کمی کمین غلام ہوتا ہے اور غلام --- اس کی اپنی مرضی، اپنی پسند، ناپسند کچھ نہیں ہوتی، مگر تم آدابِ غلامی سے واقف نہیں ہو، مگر فکر نہ کرو، ہم تمہیں یہ آداب سکھا دیں گے اور اس طرح کہ پھر کبھی بھولو گی نہیں، مر جاؤ گی، مگر تمہاری روح ہماری غلامی کرے گی۔"

وہ اپنی چھڑی ٹکاتے ہوئے حویلی کی طرف بڑھ گئے۔

جھومر سہمی ہوئی نظروں سے اُنہیں جاتا دیکھ رہی تھی۔ ایک لمحے کو تو خوف کی لہر اُس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرائیت کر ہی گئی تھی۔

جذبات چاہے، غصے کے ہوں یا خوف کے، انتقام کے ہوں یا بغاوت کے، عشق کے ہوں یا نفرت کے، جھاگ کی طرح بیٹھ جائیں تو حقیقتیں تلوار کی دھار بن کر محسوس ہوتی ہیں، وہ بے دم سی ہو کر گھاس پر بیٹھ گئی تھی۔

....

وہ دروازے ہی میں رُک گئی تھی، جبکہ لال خان اپنی مست چال کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔

سیاہ پینٹ، سفید قمیص اور بہت نفیس سے ٹیل اوور میں ملبوس عارف کو وہ درحقیقت ایک نظر میں پہچان نہیں پائی تھی۔ اس کی خوشحالی کی سب سے بڑی دلیل بڑھی ہوئی شیو اسی طرح چہرے پر موجود تھی۔ ایک روزہ باسی اخبار اس کے ساتھ تھا۔

"شکر ہے، آج تو طبیعت بہت اچھی معلوم ہو رہی ہے اور جچ بھی بہت رہے ہو۔" لال خان اُس کا شانہ تھپتھپا رہا تھا۔

مجھے حادثوں نے سجا سجا کر بہت حسین بنا دیا!

میرا دل بھی جیسے دُلہن کا ہاتھ ہو مہندیوں سے رچا ہوا

اُس نے مسکرا کر اخبار ایک طرف ڈال دیا۔ ''ارے بھابی آپ وہاں کہاں کھڑی رہ گئیں؟ آیئے تشریف…
ہلکے گلابی شلوار قمیص اور سرخ ویلوٹ کی شال پہنے بالو ہچکچاتی ہوئی اس کے بیڈ کے قریب رکھی…

''بالو! دیکھا چار دن اسپتال میں وقت پر کھانا پینا اور آرام ملا تو شکل نکل آئی۔ اس کا دشمن یہاں…
خود ہے، پتا نہیں کس نمک حرام کی خاطر مردہ بنا ہوا ہے۔ ارے مرد ایسے ہوتے ہیں۔ چار چھ کی ایسی تیسی…
کام کی؟ یہ ایک ہی کو پیٹے جا رہا ہے، احمق کہیں کا۔''

لال خان نے مردوں کے خواص گنوا کر اسے حماقت کی سند سے نوازا۔

''بھابی! آپ چپ ہیں، بلکہ چپ رہتی ہیں، چپ لگتی ہیں، حال احوال بھی نہیں پوچھا؟''

اُس نے مسکرا کر بالو کا سادہ اور گھبرایا ہوا چہرہ دیکھا۔

''وہ تو انہوں نے پوچھ لیا۔ ایک ہی بات ہے۔'' وہ زبردستی مسکرائی۔

''آپ کتنا پڑھے ہوئے ہیں؟'' وہ جیسے مریض کا دل رکھنے کے خیال سے بات کرنے لگی۔

وہ چہرہ کتابی رہا سامنے

بڑی خوبصورت پڑھائی ہوئی

وہ ہنس دیا۔

بالو خوفزدہ ہو کر میاں کی طرف دیکھنے لگی (عجیب پاگل آدمی ہے)۔

''جیسے کسی کو کھانسی کی بیماری ہوتی ہے، کسی کو بارہ مہینے نزلہ رہتا ہے۔ اسے شعروں کی بیماری ہے۔''

لال خان نے دوست کی طرف سے صفائی پیش کی۔

بالو ذرا ریلیکس سی ہوگئی، جس کی وجہ سے برا ماننا پڑ رہا تھا۔ جب اسے ہی اعتراض نہیں تو بات ہی کچھ نہیں…

''تم بیٹھو، میں ذرا جوس لے کر آتا ہوں۔'' لال خان نے سائیڈ سے فلاسک اُٹھا کر بالو سے کہا اور کمرے سے باہر چلا
گیا۔

''آپ اپنا خیال رکھا کریں، عارف بھائی! آپ ٹھیک ہو جائیں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

بعض اوقات دو افراد کے درمیان خاموشی کسی کڑوے سچ، کسی سفید جھوٹ سے بھی زیادہ خوفناک…
وحشت زدہ سا ہو جاتا ہے۔ ایسی خوفناک خاموشی کا ٹوٹنا ایسا ہی ہوتا ہے، جیسے طوفان ٹلنے کی خبر آجائے۔ جب…
آجائیں۔ نہ جانے کیوں اسے عارف سے اتنی گھبراہٹ محسوس ہوتی تھی۔ اس نے بوکھلا کر گفتگو کا سلسلہ شروع…

''جتنا خیال رکھنا جائز ہے، اتنا تو اپنا خیال رکھتے ہیں اور سب ٹھیک ہوتا ہے یا نہیں، اس کی ہمیں پروا…

بہت مشکل ہے دُنیا کا سنورنا

تیری زلفوں کا پیچ و خم نہیں ہے!

''آپ کی بوڑھی ماں ہے، اُن کے بہت سے ارمان ہوں گے۔'' بالو نے شعر سُن کر بڑی عجلت میں جملہ پھینکا۔

''ماں کا دوسرا نام ارمان ہی ہے، اُس کا دل کیا ہوتا ہے، ارمانوں بھرا صندوق ہوتا ہے، ماں دُنیا کی سب سے بڑی بلیک
میلر ہے۔ ساری زندگی محبت کے نام پر بلیک میل کرتی ہے۔''

''نعوذ باللہ! یہ ماں کی شان میں گستاخی ہے۔ ماں صرف ارمان بھرے دل ہی کا نام نہیں، قربانی میں بھی کوئی اس کا
مقابلہ نہیں کرسکتا۔''

''میری ماں نے اپنی محبت کا واسطہ دے کر اپنی مرضی سے میری شادی کی تھی۔ میں نے ماں کا دل رکھا تھا اور اپنے خواب
رہن رکھے تھے۔ بڑے ہی خون آشام قسم کے مہاجن تھے وہ--- اپنے قیمتی خواب رہن رکھ کر ماں کے لیے خوشی اُدھار لی
تھی۔ کس کی قربانی بڑی ہوئی بھابی؟'' وہ مسکرانے لگا۔

''انہوں نے بھی آپ ہی کو خوش کرنا چاہا ہوگا۔'' بالو اپنے موقف پر جمی ہوئی تھی۔

''ہاں، بڑی سنہری روپہلی خوشی لائی تھی وہ میرے لیے۔ میری منکوحہ کے ہاں نکاح کے ٹھیک پانچ مہینے بعد ایک صحت
مند بچے کی ولادت ہوئی۔''

''پانچ مہینے بعد---؟'' بالو بے ساختہ بول پڑی، پھر ایک دم خجل سی ہو کر چپ ہوگئی۔

''ہاں ہاں، پانچ مہینے بعد ساڑھے آٹھ پونڈ کا بچہ قدرت نے مجھے ماں کا دل خوش کرنے کی وجہ سے انعام میں دیا۔''

بالو کے ہونٹ اس طرح ایک دوسرے میں پیوست تھے، جیسے اب کھلیں گے نہیں۔

اگرچہ اب وہ ایک بیاہتا لڑکی تھی، مگر مارے شرم کے وہ عارف سے کوئی سوال نہ کر پا رہی تھی۔

''آپ نے بہت سی لڑکیوں کے جہیز کی دھوم سنی ہوگی۔ ایسا جہیز بھی کسی کو نصیب ہوتا ہے، اب آپ پوچھنا چاہیں گی۔''

''یار! جوس ٹھنڈا نہیں ہے، فوراً پی لو۔'' لال خان اپنی مخصوص تیز رفتاری کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

''یار! جوس، چائے، کافی، موڈ سے پیتے ہیں۔ دوا کی طرح زبردستی تو نہیں۔'' اس نے ربط ٹوٹنے پر جیسے برا سا منہ بنایا۔

''یہ جوس دوا ہی ہے سمجھو، سیب کا ہے رکھا رہا تو رنگ بدل جائے گا۔ شاباش فٹافٹ پی لو، اور ہاں اب تو نہیں ہے پینے
پلانے کا چکر؟''

وہ جوس گلاس میں انڈیلتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ ''وہ آگ تمہیں خاک کر دے گی۔ اس طرح کی چیزیں پیا کرو اندر پھول
کھلیں گے۔''

اُس نے بڑے اچھے جذبوں سے نہال ہو کر گلاس اس کی سمت بڑھایا۔

عارف نے مسکرا کر اس کا لیکچر سنا اور گلاس تھامتے ہوئے کن انکھیوں سے بالو کی طرف دیکھا۔

مے کدے میں اب بھی ذکر آتا ہے مے نوشی کے وقت

کیا خبر تھی اختر اتنا پارسا ہو جائے گا!!

یار! بھابھی پر ساری خصوصیات ظاہر کر دو گے۔ بھولی بھٹکی شرم ہمیں بھی آ ہی جاتی ہے۔''

اور بالو--- وہ ان دونوں کے درمیان تھی کب---؟ اس کا ذہن تو ان سوالات کے بوجھ سے شل ہو رہا تھا۔ کبھی بھی عارف سے نہیں کر سکتی تھی۔ البتہ اُس کے اُلجھے ہوئے اندازِ نظر سے عارف خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔ بظاہر تھا۔

....

اُنہیں منیب احمد کی کوٹھی تلاش کرنے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی۔ جو تقریباً سڑک ہی پر واقع تھی، جس کے کی طویل قطار کسی غیر معمولی واقعے کی مظہر تھی۔ وہ گیٹ میں داخل ہوئے تو آس پاس کوئی شخص ایسا نہیں تھا، جو ہو۔ اور اپنی آمد کی اطلاع اُنہوں نے جان بوجھ کر نہیں دی تھی کہ میزبان کو مزید زحمت ہوگی، جبکہ گھر میں پہلے ہی غیر معمولی ہے۔

ٹیکسی سے اُترنے کے فوراً بعد اُن کی نظر گیٹ پر موجود چوکیدار پر پڑی تھی۔ اُنہوں نے ویزیٹنگ کارڈ نکال کر تھا۔

''یہ نعمان صاحب تک پہنچاؤ۔''

''وہ پشت پر ہاتھ باندھ کر ٹہلنے لگے۔ روشی ہنوز ٹیکسی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ کیونکہ ابھی تو ان کے سوٹ کیس نہیں نکلے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایک اچھی صحت کا حامل افسردہ سا نوجوان چوکیدار کے ساتھ باہر آیا۔

''السلام علیکم! اپنے گھر میں تکلف؟ کب سے یہاں کھڑے ہیں، حد ہوگئی۔''

وہ بے اختیار یاور علی خاں کے گلے لگتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ یاور علی خاں نے بھی جواباً نعمان احمد کی پشت تھپ بولے کچھ نہیں۔ نعمان اُن سے فوراً الگ ہو کر ٹیکسی سے اُترتی ہوئی روشی کی سمت متوجہ ہوا۔

''السلام علیکم ماموں!'' وہ بہت دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''روشانے!'' نعمان احمد نے یاور علی خاں کی سمت سوالیہ انداز میں دیکھا، پھر سلام کا جواب دیا۔ فطری طور پر سوچ سے الگ میسر آیا تھا، تو ملنے کے انداز بھی بڑے عجیب سے تھے۔

''آیئے بھائی صاحب! سامان ملازم اندر لے جائے گا۔''

وہ اُن دونوں کو لے کر اس کمرے کی طرف بڑھا، جہاں ماہین کی موجودگی کا یقین تھا۔ دروازے میں خاصی ہوئی تھیں۔ آنے اور جانے والے دونوں ہی کسی قسم کی رعایت دینے کو تیار نہیں تھے، لہٰذا نتیجے کے طور پر دروازے گئے تھے۔

''پلیز، آپ لوگ راستہ دیجیے۔'' نعمان احمد خواتین سے مخاطب ہوا۔

''کون ہیں؟ کون ہیں؟ کون--- کون---؟'' سرگوشیاں اُبھرنے لگیں۔

''آنٹی یہ یاور بھائی ہیں--- ناز بجو کے شوہر اور یہ اُن کی بیٹی روشانے۔'' نعمان احمد ایک بزرگ خاتون کے سوال پر جواب دے رہا تھا۔

کمرے میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ عمر رسیدہ خواتین کا جوش و ولولہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا--- کوئی یاور علی خاں کے سر پر دستِ شفقت پھیر رہی تھی تو کوئی روشانے کو گلے لگا رہی تھی۔

دونوں باپ بیٹی ایک خاموش اور آرام دہ ماحول و فضا سے ایک دم باہر آ کر امتحان میں مبتلا ہو گئے تھے۔

''ڈاکٹر نہیں آیا ابھی تک؟'' نعمان احمد ایک خاتون سے دریافت کر رہا تھا۔

''نہیں!'' جواب نفی میں ملا۔

ماہین جہازی سائز بیڈ کے ایک کنارے پر بے خبر ہاتھ پاؤں چھوڑے دراز تھی۔

روشی تیر کی طرح اُس کی طرف بڑھی، ماہین کے رخساروں پر ایک تواتر سے آنسوؤں کے بہنے کے نشان تھے۔

نعمان نے یاور علی خاں کو ماہین کے قریب کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا، بلکہ اُنہیں تھامے ہوئے خود کرسی تک لایا۔

عین اسی لمحے ڈاکٹر کی آمد کا غلغلہ ہوا۔ آناً فاناً بھیڑ چھٹ گئی۔

کچھ دو منٹ کے دورانیے میں ماہین ہڑبڑا کر اُٹھ گئی تھی۔ جانے ڈاکٹر نے روئی میں کتنی طاقت کی دوا لگائی تھی کہ ناک کے قریب لے جاتے ہی ماہین اس طرح تڑپ کر نکلی جیسے سطح پر آ کر مچھلی پھڑکتی ہے۔

''ہائے پاپا!'' اس نے ہوش میں آتے ہی سسکاری لی۔

''ماہین! دیکھو کون بیٹھا ہے تمہارے پاس؟'' نعمان نے اسے ماحول کی طرف متوجہ کیا۔

ماہین نے رونے کی وجہ سے بھاری بھاری پپوٹے بمشکل اُٹھا کر آواز کی سمت دیکھا۔ قدرے چونکی، جیسے یقین نہ آیا ہو۔

''اب آئے ہیں آپ؟ کتنا ترسایا ہے آپ نے میرے پاپا کو--- کتنے مفلس ہیں آپ، آپ کی جھولی میں میرے پاپا کے لیے ایک خوشی بھی نہیں تھی۔ کیا ضرورت تھی اب آنے کی، جنہوں نے آپ سے رشتہ داری کی بنیاد رکھی تھی۔ جب وہی نہیں رہے۔'' وہ بری طرح رو دی۔

یاور علی خاں اپنے سپاٹ اور بے تاثر چہرے کے ساتھ اس طرح بیٹھے ہوئے تھے، جیسے کوئی ملزم فردِ جرم سنتے وقت کچھ نہ کرنے کی پوزیشن میں ہوتا ہے اور اپنی بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے مصلحتاً خاموشی اختیار کرتا ہے۔

روشی اپنی جگہ سے اُٹھی اور ماہین کی سمت بڑھی۔ اُسے بہت سارا رونا آیا تھا۔ وہ بہت سارا رونا چاہ رہی تھی۔ اس سے اچھا موقع شاید اسے پھر نہ ملتا۔ وہ آگے بڑھی اور ماہین کے گلے لگ گئی۔ اب دونوں طرف طغیانی تھی۔

خواتین دونوں کو خاموش کرانے میں لگ گئیں۔

نعمان احمد، ڈاکٹر اور یاور علی خاں تینوں مرد بڑی مشکل سی صورت حال سے دو چار ہو گئے۔

''آیئے بھائی صاحب! ہم اس طرف چلتے ہیں، جہاں پاپا ہیں، آیئے پلیز---!'' نعمان احمد نے یاور علی خاں کو مشکل

سے نکالا۔

وہ بادلِ نخواستہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

ماہین رو رہی تھی۔ اُنہیں تکلیف ہو رہی تھی، مگر بیٹی کے تڑپ تڑپ کر رونے سے ان کے دل پر بہت بوجھ ہو[illegible] کا بس نہیں چل رہا تھا، وہ روشانے کو سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں پُرسکون دیکھ لیں۔

نعمان نے راستہ صاف کیا اور اُنہیں لے کر اُس حصے کی طرف بڑھا، جہاں منیب احمد کا جسدِ خاکی رکھا ہوا تھا۔

نعمان احمد بہت صبر و استقلال کا مظہر بن کر یاور علی خاں سے ملے تھے۔ انہیں اپنی خاموشی کی وجہ سے بہت [illegible] پشت پر ہاتھ باندھے دھیرے دھیرے اُس کے ساتھ قدم اُٹھا رہے تھے۔ [illegible] سرخی گہری ہو رہی تھی، مگر آج کے ماحول میں اس سرخی پر کون چونکتا، سرخ آنکھیں بھرم رکھ رہی تھیں۔

سہ پہر کے سائے منڈلانے لگے تھے، مگر حویلی پر ابھی سکوت طاری تھا۔

معاً ایک سیاہ پجیرو سرخ روش کو روندتی ہوئی پورٹیکو میں جا کر رُک گئی۔

کھوکھر جیپ کے پیچھے دوڑا تھا۔ اور اگلا دروازہ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر کھول دیا تھا۔ ڈارک براؤن تھری پیس میں ملبوس ایک پُرشکوہ سا مرد جیپ سے اُترا تھا۔

''میں مردانے میں ہوں۔ بابا صاحب کو اطلاع دے دو۔'' یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدم اُٹھاتا اندر کی طرف چلا گیا۔

''السلام علیکم کاکا جان!'' سامنے سے جواد آ رہا تھا۔

نووارد نے قدرے چونک کر جواد کی شکل دیکھی، ''والسلام!''

''بابا جان تو اپنے کمرے میں ہیں۔'' جواد نے انہیں دھیان دلایا۔

''میں اُن سے اُدھر ملوں گا۔'' نووارد نے قدرے رُکھائی سے جواب دیا۔

''جلدی میں ہیں؟'' جواد نے قدرے بجھے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

''ہاں!'' سابقہ انداز میں جواب ملا۔

''اور سب نہیں ملیں گے؟'' جواد نے خود پر قابو پا کر بااخلاق میزبان کے انداز میں سوال کیا۔

''نہیں۔ ٹائم نہیں ہے میرے پاس۔'' نووارد آگے بڑھ گیا۔ جواد چند ثانیے کچھ سوچتا رہا پھر سر جھٹک کر اپنے راستے چل دیا۔

اسے حیرت کا شدید جھٹکا البتہ ضرور لگا۔ بابا صاحب غیر معمولی تیزی سے اس طرف آ رہے تھے۔ وہ ٹھہر گیا۔

''تیمور اندر ہے؟'' اُنہوں نے رُک کر دریافت کیا۔

''جی---اندر ہی گئے ہیں۔ اور جلدی میں ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ دلاور علی خاں آگے بڑھ گئے۔

تیمور علی خاں نے ہال کا دروازہ بند کر دیا تھا اور کارنر صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ چہرے پر تفکر کے گہرے سائے

دیکھے جا سکتے تھے۔ اُنہوں نے جیب سے ریڈ اینڈ وہائٹ کا پیکٹ نکالا۔ سگریٹ نکالنے لگے۔ پھر کچھ سوچ کر رُک گئے۔ اور پیکٹ واپس جیب میں رکھ لیا۔ اور ہال میں لگے پورٹریٹس پر نظریں دوڑانے لگے۔ ذہن اس درجہ یکسو ہو گیا تھا کہ انہیں دلاور علی خاں کی آمد کا احساس تک نہ ہو سکا۔

''بہت گہری سوچ میں ہو؟'' ہال کا سکوت دلاور علی خاں کی آواز سے یکلخت ٹوٹ گیا۔ تیمور علی خان چونک کر اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے۔

''السلام علیکم!'' انہوں نے مودبانہ انداز میں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔ بیٹھو۔ دلاور علی خاں ان کے قریب ہی بیٹھ گئے

''کیا ضروری ہے کہ سارے گھر میں گھر والوں کی تصویریں پھیلا دی جائیں۔ بس ایک مخصوص جگہ ہونا چاہیے مجھے تو کچھ اچھا نہیں لگتا یہ۔'' تیمور علی خاں کے اندازِ تکلم میں باپ کا عکس واضح تھا۔

''مگر اس میں قباحت کیا ہے؟'' دلاور علی خاں کے انداز میں ناز برداری سی تھی۔

''جن کی موجودگی کا احساس ہم نہیں کرنا چاہتے۔ وہ موجود محسوس ہوتے ہیں۔ اسٹرائیک کرتے ہیں۔'' تیمور علی خاں نے خاصی بیزاری سے جواب دیا۔

''آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟'' انہوں نے پلٹ کر تھوڑا سا انداز بدل کر دلاور علی خاں سے سوال کیا

''بتاتے ہیں۔ بتاتے ہیں۔ صبر کرو۔'' وہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور دیوار میں نصب ایک بٹن دبایا۔ چند لمحوں بعد ہی ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

''جی خان!'' وہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

''سرسوتی سے کہو۔ جھومر کو یہاں لے آئے۔'' وہ آرام سے بیٹھ گئے۔

ملازم باہر چلا گیا۔ تیمور علی خاں بغور باپ کی شکل دیکھنے لگے مگر بولے کچھ نہیں۔ دونوں کے درمیان ایک گہری خاموشی کا پردہ حائل رہا۔

تقریباً پانچ سات منٹ بعد ہال کا دروازہ کھلا۔ سرسوتی، جھومر کے ساتھ داخل ہوئی۔ اور دونوں دروازے ہی میں رُک گئیں۔

''السلام علیکم خان!'' جھومر بے تاثر انداز میں بولی۔

''وسلام!'' تیمور علی خاں کے چہرے پر اُلجھن کی لہریں اُبھرنے لگیں۔

''سرسوتی! تم باہر جاؤ۔ کسی کو اندر مت آنے دینا۔ باہر ہی کھڑی ہو کر ہمارا انتظار کرو۔'' سرسوتی اُلٹے قدموں باہر نکل گئی۔

جھومر دروازے کی طرف پتھر کی طرح ایستادہ تھی۔ جامنی مخمل کی فراک اور جامنی چوڑی دار پاجامے میں ملبوس سمور کی ٹوپی اور نازک شال سے سر ڈھانپے وہ جیسے کوئی بے رحمانہ فیصلہ سننے کی منتظر تھی۔

''یہ تمہارے خان اس وقت موجود ہیں۔ جو کہنا چاہتی ہو' کہہ ڈالو۔'' دلاور علی خاں کی پیشانی پر لکیروں کا جال
تھا۔

''کیا کہے گی یہ؟ اور کیوں؟ اور اب یہ بھی کہا کرے گی؟'' تیمور علی خاں نے بگڑے ہوئے انداز میں کہا۔ وہ
رہی۔

''اب کیوں خاموش ہو؟ جس طرح تمہاری دس گز کی زبان صبح چابک بن کر ہمارے دل پر برس رہی تھی
خان کو دکھاؤ۔'' دلاور علی خاں برہمی سے کہہ رہے تھے۔

''اس کی یہ مجال۔ اس نے آپ سے گستاخی کی ہے بابا صاحب؟'' تیمور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور
قریب جا کھڑے ہوئے۔ ان کے لہجے میں بلا کا غضب تھا۔

جھومر نے نظریں اُٹھا کر انہیں دیکھا۔

''تنخواہ بڑھوائی ہے باپ کی؟'' وہ حقارت سے پوچھ رہے تھے۔

''وہ میرا باپ نہیں ہے خان!'' جھومر نے قطعی انداز میں بلآخر لب کشائی کی۔

''اگر وہ میرا باپ ہوتا تو مجھے زندہ دفن نہ کرتا کہیں ہزار روپے کی مزدوری کر لیتا۔''

''تم جیسے لوگوں کو عزت راس نہیں آتی شاید۔ کیا تکلیف ہے تمہیں؟'' تیمور علی خاں سینے پر بازو لپیٹے۔ کڑی نظروں سے
اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''آرام کیا ہے مجھے یہاں؟ یہ پوچھیے۔'' وہ بہت دھیمے انداز میں کہہ رہی تھی۔

''کیوں بھوکی مرتی ہو تم؟ کپڑے نہیں ہیں تمہارے پاس؟'' وہ غضبناک ہوئے۔

''آپ نے میرے ساتھ یہی کرنا تھا تو مجھے پڑھایا کیوں تھا؟'' وہ آنسو پی رہی تھی۔

''تمہیں حویلی میں عزت دینا تھی' اس لیے یہ مہربانی کی تھی۔ مگر لگتا ہے تمہیں ہضم نہیں ہوئی۔''

''مگر میں حویلی کی عورتوں میں تو شامل نہیں ہوں۔ کیا فرق ہے مجھ میں اور سرسوتی میں! وہ بھی خدمات بجا لاتی ہے
میں بھی۔ انداز مختلف ہیں بس۔''

''کیا چاہتی ہو تم؟'' تیمور علی خاں کے چہرے سے گاڑھی سُرخی چھلکنے لگی۔

''مجھے آزاد کر دیں۔ یا مجھے کنیزوں میں شامل کر کے انہی کی طرح کے کام لیں مجھ سے!''

''تم ظفری کے نکاح میں ہو۔ میں یا بابا صاحب تمہیں آزاد نہیں کر سکتے۔ اس کا حق صرف ظفری کو ہے۔''
وہ بہت ضبط کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

''خان۔ اگر میں کچھ دن اور ظفری کے ساتھ رہی تو پاگل ہو جاؤں گی۔ آپ مجھے سرائے واپس لے جائیں
دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''تم ظفری کا دل بہلاؤ۔ وہ تمہارا خیال رکھے گا۔'' وہ سختی سے گویا ہوئے۔

''کیا میں کھلونا ہوں؟'' اُس نے اشک روک کر سوال کیا۔

''ہاں۔'' وہ حقارت سے بولے۔

''مگر میں کھلونے نہیں بن سکتی۔'' وہ جیسے بپھر گئی۔

دونوں باپ بیٹے اُسے اس طرح گھورنے لگے جیسے قیمہ بنا دیں گے۔

''دیکھ لیا تم نے تیمور؟'' بابا صاحب کی سانسیں تیز تیز چلنے لگیں۔

''لڑکی! غور سے سُنو۔ تم صرف کاغذ پر ہماری بہو ہو۔ زیادہ اونچی اُڑان بھرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تکلیف اس
سے کم ہے جو ہماری بات نہ مان کر تمہیں اٹھانی پڑے گی۔''

''ہم تمہیں کبھی واپس سرائے نہیں لے جائیں گے۔ حویلی کو اپنی قبر سمجھو۔ ہر انسان کا ایک انجام ہوتا ہے۔ یہ تمہارا انجام
ہے۔ بابا صاحب سے معافی مانگو اور آئندہ گستاخی نہ کرنے کا عہد کرو۔ چلو۔''

جھومر ٹس سے مس نہ ہوئی۔

''مجھے کسی تبدیلی کا حکم سُنایئے خان۔ صبح سے اب تک جو آگ کا سفر طے کیا ہے وہ بے کار نہ جائے۔''

''تمہیں ذرا سی عزت کیا دی۔ سر پر چڑھ آ رہی ہو۔ تم ہو کیا۔ تم جیسے لوگ تو بات کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔ اور
تمہاری زبان قینچی کی طرح چل رہی ہے۔ ہم عورتوں پر ہاتھ نہیں اُٹھاتے۔ تمہاری جگہ کوئی مرد ہوتا تو شکل بدل دیتے۔''

تیمور علی خاں جیسے بمشکل خود پر قابو پا رہے تھے۔

''دفعہ ہو جاؤ۔ یہاں سے۔ نیچ لوگ۔''

''میں آپ کے ساتھ جاؤں گی خان۔ نہیں تو آپ مجھے یہیں گولی مار دیں۔'' وہ اٹل تھی۔

تیمور علی خاں باپ کی طرف مڑے۔

''بابا صاحب! میں اسے ساتھ لے جا رہا ہوں۔''

''مگر ظفری!''

''آپ فکر نہ کریں۔ ابھی سارا انتظام بتاتا ہوں آپ کو۔ جاؤ لڑکی! دو چار جوڑے کپڑے لے لو۔ ابھی بلواتے ہیں
تمہیں۔'' تیمور علی خاں کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا۔

جھومر ہکا بکا سی کھڑی رہ گئی۔ وہ خان کے اس طرح پینترا بدلنے سے جیسے سنبھل نہ پائی۔

''غرق ہو یہاں سے۔'' وہ پھنکارے اور دلاور علی خاں کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئے۔

''فکر نہ کریں بابا صاحب! سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''مگر ہم یہ بدتمیزی بھلا نہیں سکتے۔'' دلاور علی خاں ایک بے مایہ لڑکی کے ہاتھوں بُری طرح گھائل تھے۔

''آپ دیکھتے رہیے بابا صاحب۔ بہت جلد خوش ہوں گے آپ!'' تیمور علی خاں گہری سوچ میں ڈوبے ڈوبے باپ کو
تسلی دے رہے تھے۔ جھومر کمرے سے باہر جا چکی تھی۔

''تم تو ظاہر ہے زیادہ دیر رُکو گے نہیں۔ مگر چائے وائے تو پی لو۔ ہم ذرا پٹواری سے بات کرلیں۔ بہت ... ہے۔'' وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''خدا حافظ بابا صاحب!''

''جاتے ہوئے مل کر نہیں جاؤ گے؟'' وہ جاتے جاتے رُک گئے۔'' اور وہ کچھ بتانے کا ابھی کہہ رہے تھے ... اچانک دھیان آیا۔

''رات کو آرام سے فون پر بات ہوگی۔ فی الحال مجھے جانے کی جلدی ہے۔'' وہ قطعی انداز میں جواب دے رہے ...

''ہمارے اپنے بچّے کا مسئلہ نہ ہوتا تو کیوں سنتے اس چھوکری کی باتیں۔ نہ تمہیں زحمت دیتے۔ اچھا خیر خدا ... اپنے مخصوص انداز میں چھڑی ٹکاتے ہال سے باہر چلے گئے۔

تیمور علی خاں نے اپنی گھنی مونچھوں میں کچھ دیر انگلیاں چلائیں پھر سگریٹ سلگا کر سامنے لگی تصاویر دیکھنے لگے ... کے مرغولے سامنے تھے۔ ہر تصویر دھندلا رہی تھی۔ چہرہ جتنا سُرخ ہو رہا تھا۔ کانوں کی لوئیں اس سے زیادہ سرخ ہو رہی ...

....

عصر اور مغرب کے درمیان منیب احمد کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ گھر سے زیادہ تر مہمان رخصت ہو چکے تھے ... تھا۔ چند خواتین ڈرائنگ روم میں سپارے پڑھ رہی تھیں۔

اگربتی اور کافور کی مہک دلوں میں وحشت سی پیدا کر رہی تھی۔

یاور علی خاں سفید شلوار قمیص پہنے سر پر جالی کی ٹوپی لگائے نعمان کے ساتھ ماہین کے کمرے میں چلے آئے ... ٹانگوں پر کمبل پھیلائے۔ بال بکھرائے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے چُپ چاپ سامنے دیوار پر جانے کیا دیکھ رہی تھی ... اُٹھتے ہی وہ پھر بے ہوش ہوگئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ دونوں فوراً اس کے کمرے میں آئے تھے۔ روشی آنکھوں پر ... ماہین کے برابر میں دراز تھی۔

''حوصلہ کیجیے ماہین! یہ بھی زندگی کا ایک حقیقی رُخ ہے۔ اسے برداشت کرنا ہوتا ہے۔'' وہ اس کے قریب پڑی ... بیٹھ گئے۔

ماہین خالی خالی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''کتنی اکیلی ہوگئی ہوں میں۔'' اس کی آواز بھرّا گئی۔

''ہم سب ہیں ناں آپ کے ساتھ۔ ایسے کیوں سوچتی ہیں۔'' یاور علی خاں آہستہ سے گویا ہوئے۔

''کب تک؟ بالآخر اکیلی ہوں۔'' رخساروں پر آنسو لڑھکنے لگے۔ روشی بھی اُٹھ گئی تھی۔

''خالہ۔ ہم آپ کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ ماموں تو یوگنڈا واپس چلے جائیں گے ناں! کیوں پپا۔ ٹھیک ہے ناں؟ روشی بھی دلجوئی میں شریک ہوئی۔

''تمہارے ساتھ یا تمہارے پپا کے ساتھ؟'' ماہین پھیکی مُسکراہٹ سے روشی کو اس کی نادانی کا احساس دلانے لگی۔

''جب آپ ساتھ ہوں گی تو ہم اکٹھے ہی رہیں گے۔ میں بھی پپا کے ساتھ ہی رہنے لگوں گی۔ وہ تو میں نے بہت پہلے ہی سوچ لیا ہے۔'' وہ پُراعتماد انداز میں کہہ رہی تھی۔

''اس طرح نہیں ہوتا روشی۔ بہت پاگل ہو تم۔ بچّہ ہوتیں تو دوسری بات تھی۔ البتہ اس طرح کی باتیں کرکے تم میرے اکیلے پن کے احساس کو کچھ کم کرسکتی ہو۔'' ماہین نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''کیوں نہیں ہوتا اس طرح؟ انسان جو چاہے کرسکتا ہے۔'' روشی نے تنک کر کہا۔

''نعمان ماموں! ہم خالہ کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ آپ مائنڈ تو نہیں کریں گے۔'' روشی نے دُور صوفے پر سر جھکائے کچھ سوچتے ہوئے نعمان کو متوجہ کیا۔

''کیپ کوائیٹ روشانے!'' یاور علی خاں نے بیٹی کو روک دیا۔

روشی حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔ مگر کچھ بولی نہیں۔

''آپ نے صبح سے کچھ کھایا؟'' یاور علی خاں ماہین سے مخاطب ہوئے۔

وہ چُپ رہی۔

''بیٹے! اپنی خالہ کو کچھ سُوپ وغیرہ بنا کر پلاؤ۔'' وہ روشی سے کہہ رہے تھے۔

''ابھی لاتی ہوں۔ مجھے بہت اچھا سُوپ بنانا آتا ہے۔'' وہ فوراً بیڈ سے اُتر گئی۔

''میرا جی نہیں چاہ رہا۔ تم بیٹھ جاؤ۔'' ماہین نے اسے روکا۔

''جاؤ روشی۔ تم جاؤ۔ نعمان۔ آپ بھی کچھ کھا لیجیے۔ اس طرح کے ماحول میں خوشی سے کھانا پینا نہیں ہوتا۔ مگر یہ زندہ انسانوں کی ضرورت ہے۔ چلیے اُٹھیے شاباش۔'' وہ نعمان کو ڈائننگ روم میں لے جانے کو اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''آپ بیٹھیے بھائی صاحب۔ میں کھا لوں گا۔ ابھی موڈ نہیں ہے۔ پلیز۔'' وہ بہت افسردہ تھا۔

''تو پھر آپ بھی ماہین کے ساتھ تھوڑا سا سُوپ لے لیجیے۔'' وہ دوبارہ بیٹھ گئے۔

وہ اتنے پُرتکلف تھے کہ اس سے زیادہ اصرار کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ اپنے تمام تر مخلصانہ جذبوں کے باوجود۔

''ابھی آتا ہوں میں۔ باہر کچھ دوست بیٹھے ہوئے ہیں۔'' نعمان اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ٹھیک ہے۔ مگر جلد آجایئے گا۔ روشی خاصا تیز کام کرتی ہے۔ ابھی آجائے گی۔'' یاور علی خاں نے تاکید کی۔

''آپ کو کیسے پتا۔ وہ کون سا آپ کے ساتھ رہی ہے۔'' ماہین نے انہیں ٹوک دیا۔

''بیٹی ہے وہ میری۔ مجھ سے زیادہ اُسے کون جانے گا؟'' وہ دھیرے سے مُسکرا دیے۔

''آپ ہمارے کھانے پینے کا بندوبست کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ بتایئے آپ دونوں نے بھی کچھ کھایا؟'' ماہین کے حواس پوری طرح جاگے تو وہ چونک پڑی۔

''ہاں۔ کچن میں کھا لیا تھا۔ روشی نے البتہ کچھ زیادہ نہیں لیا تھا۔ وہ آپ کے ساتھ شریک ہو جائے گی۔'' انہوں نے سامنے سگریٹ کی ڈبیہ اور لائٹر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور سینے پر ہاتھ باندھ کر بیٹھ گئے۔

’’آپ پلیز اپنے آپ کو سنبھالیں۔ دُکھ واقعی بہت بڑا ہے۔ مگر۔ دُکھ تو ہوتے ہی بڑے ہیں۔ ویسے
ہارٹ اٹیک تھا۔؟‘‘ وہ اپنی عادت کے برخلاف خاصی گفتگو کر رہے ہیں۔ ورنہ وہ تو ہر ماحول، ہر زاویے ہر موڑ پر
بیوروکریٹ ہی محسوس ہوتے تھے۔

’’نہیں۔ دوسرا۔ پہلا آج سے نو سال پہلے یوگنڈا میں ہوا تھا۔ میں تو اس وقت سے بس ہر وقت کانشس
پرہیز کراتی تھی۔ اتنا خیال رکھتی تھی۔ مگر۔‘‘ اس کی آواز آنسوؤں میں بھیگنے لگی۔ کچھ دیر ضبط کرتی رہی۔ پھر بیڈ سے
کر چپل تلاش کرنے لگی۔ جو کہیں نظر نہ آئی۔ یہ بھی مہمانوں کی موجودگی کی علامت ہوا کرتی ہے۔

پھر اسی طرح بیڈ سے اُتر کر مقابل کی کھڑکی کی طرف بڑھی۔ اور پردے سرکا دیے۔ اس کے بعد دائیں طرف
سے پردے ہٹائے۔ اور واپس آ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

’’میں نے پردے ہٹا دیے ہیں۔ آپ اپنا کام کیجیے۔‘‘ اس نے سگریٹ کے پیکٹ کی طرف اشارا کیا۔

یاور علی خاں شاید یہ کام ملتوی کر کے بھول چکے تھے۔ چونک سے گئے۔ اور آگے کو جھک کر پیکٹ اور لائٹر اٹھا،
سگریٹ نکال کر سلگائی۔

’’تھینکس!‘‘ لائٹر بجھا کر انہوں نے اچٹتی سے نظر ماہین پر ڈالی۔ بظاہر یہ اچٹتی سی نظر بڑی مکمل ہوا کرتی تھی۔
پہلے اس کا اعتراف نازنین کر چکی تھی۔

بڑی بھابی اسے ایک تقریب میں کوئی مخصوص ساڑھی پہننے پر اصرار کر رہی تھیں اور وہ ساڑھی کئی بار پہننے کے بعد
دل سے اُتر گئی تھی۔ اس نے نہایت خاموشی سے وہ ساڑھی بیڈ کے نیچے رکھے سوٹ کیس میں چھپا دی تھی اور کہہ دیا تھا
کراچی میں بھول آئی ہے اُن سے کیونکہ بہنوں کی طرح بے تکلفی تھی اس لیے خدشہ تھا وہ آ کر وارڈروب نہ کھنگالیں
سارا گھر ہی اسے سجا بنا دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔

ساڑھی اس نے بہت محتاط انداز میں چھپائی تھی۔ اس وقت یاور علی خاں فون کرنے میں مصروف تھے۔ اور بھ
تھے۔

اس خدشے کے عین مطابق عالم تاب ان کی خواب گاہ میں آ گئی تھی۔

’’ارے وارڈروب میں اچھی طرح دیکھ لو۔ ہٹو۔ لاؤ، میں دیکھتی ہوں۔‘‘ انہوں نے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں
پوری تندہی سے وارڈروب چھاننے لگی تھیں۔

’’ایک تو تم میں لاپروائی بہت ہے۔ اتنے لے کر ہی کیوں جاتی ہو کہ سمیٹنا بھول جاؤ۔ اتنی خوبصورت ساڑھی
قدر بجتی ہے تم پر۔ ارے آج تو وہ ملکانی بھی آئے گی اپنی بہو کو لے کر۔ کہتی ہے اس کی بہو سے زیادہ ...
ہے۔ مجھے بڑا غصہ آتا ہے ایسی چھچھوری عورتوں پر۔ بتاؤ اتنی اچھی ساڑھی بھول آئیں۔‘‘

وہ تلاش کرتی جاتی تھیں اور ساتھ بولتی جا رہی تھیں۔

’’بھابی بیگم! یہ ہمارے بیڈ کے نیچے ایک سوٹ کیس ہے۔ اس میں دیکھ لیجیے شاید اسی میں ہو۔‘‘ یاور علی خاں

...ے بڑے بے تکلفے ہوئے بھاوج سے کہا۔

نازنین دھمکی آمیز نظروں سے ان کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔ اور بھابی تو سوٹ کیس سے ساڑھی برآمد ہوتے دیکھ کر
... ہو گئی تھیں۔

’’توبہ ہے ناز! ایک بچے میں تمہارا یہ حال ہے۔ بتاؤ۔ کم از کم یہاں تو دیکھ لیتیں۔ یاور پہلے ہی کہہ دیتے۔ چلو شکر ہے مل
گئی۔ لو پہن لو۔ اچھی طرح تیار ہونا۔ پھول بھجوا دوں گی میں۔‘‘

مارے غصے کے نازنین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

’’کتنی تیز آنکھیں ہیں آپ کی۔ میں تو سمجھی بڑے مگن ہیں۔‘‘ وہ تیار ہو رہی تھی اور ان سے خفا ہو رہی تھی۔

’’مجھے بھی بہت اچھی لگتی ہو تم اس ساڑھی میں۔‘‘ وہ شرارت سے مسکرا دیے تھے۔

کالی سنہرے ستاروں سے بوجھل ساڑھی میں وہ واقعی غضب ڈھا رہی تھی۔

’’بہت چھپے رستم ہیں آپ۔ لگتا ایسے ہے جیسے آس پاس کا ہوش ہی نہیں ہے۔‘‘ اس کا موڈ واقعی خراب تھا۔

’’دنیا میں جب کوئی شوہر اپنی بیوی کی تعریف کرتا ہے تو بدمزاج سے بدمزاج عورت کا موڈ خوشگوار ہو جاتا ہے۔‘‘ وہ
... سے چھیڑ رہے تھے۔

’’اُن کی شکل سے تعریف ہوتی ہوگی۔ اور اُن کو ایک ساڑھی کئی بار پہننا بھی نہیں پڑتی ہوتی۔ یاور! میرا دل چاہ رہا ہے
... مار ڈالوں۔‘‘ وہ واقعی روہانسی ہو رہی تھی۔

’’کس قدر مغرور ہو تم ناز! اور کتنی چھچھتی ہو۔‘‘ وہ ہنس دیے۔

’’میں تو کوئی مغرور نہیں ہوں۔ موم جیسا دل ہے میرا۔ مغرور تو آپ ہیں پتھر رکھا ہوا ہے سینے میں دل کی جگہ ذرا سی
... دے دیتے تو کیا ہو جاتا۔ لگ گئے اپنی بھابی کے ساتھ۔ ہاں نہیں تو۔‘‘

’’ماموں کہاں گئے؟‘‘ روشی ٹرے سمیت اندر آ گئی تھی۔

یاور علی خاں نے اپنی سُرخ آنکھیں جھکا لیں جنہوں نے ماہین کو پریشان کر دیا تھا۔

’’ابھی ... ہے ہیں۔ تم اپنی خالہ کو سوپ دو۔ اور مجھے کہیں سے ایش ٹرے لا کر دو۔‘‘ یاور علی کاں نے روشی کو کام بتائے۔

’’ٹھہریے۔ میں لا دیتی ہوں۔‘‘ ماہین بیڈ سے اُترنے لگی۔

’’ارے نہیں خالہ آپ بیٹھیے۔ میں سارا گھر چیک کر چکی ہوں۔ مجھے پتا ہے کون سی چیز کہاں رکھی ہے۔‘‘ اس نے ماہین ...
... سے باہر چلی گئی۔

’’آپ سوپ لیجیے پلیز۔‘‘ یاور علی خاں نے مشینی انداز میں کہا اور سگریٹ کے کش لگانے لگے۔

ماہین پیالے میں ذرا سا سوپ نکال کر سپ لینے لگی۔

لائٹ براؤن ... سے سوٹ میں افسردہ سی ماہین بادل نخواستہ سوپ پی رہی تھی۔

وہ بہت ... طریقے سے اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ رو رو کر آنکھیں سوج چکی تھیں۔ گلابی ہونٹ سوجے ہوئے ...

بال بے ترتیب سے تھے۔ بکھری ہوئی لٹوں کی وجہ سے پیشانی تقریباً اوجھل تھی۔

یہ بات طے ہے جب کسی کو بغور دیکھا جائے خواہ کسی بھی طریقے سے۔ تو محسوس ہو ہی جاتا ہے۔ ابھی نگاہوں کے حصار سے نکل کر سنبھلی بھی نہیں تھی۔ کہ دوبارہ نظروں کی زد میں تھی۔ نہ اسے اچھا لگا نہ بُرا۔ بس سراسیمہ تھی۔ (کہاں رہ گئی یہ روشی؟)

''آپ بھی لیجیے ناں۔'' بالآخر ان کی نظروں سے بچنے کا اسے یہی حل سُجھائی دیا کہ کسی طرح خاموشی توڑ دی جائے۔

''سوری پپا! میں ذرا لیٹ ہوگئی۔ وہ دراصل جہاں میں نے ایش ٹرے دیکھی تھی وہاں وہ مہمانوں کی وجہ سے نہیں تھی ورنہ جگہ اس کی کہیں اور مقرر ہے۔ بہرحال میں ڈھونڈ لائی۔''

روشی عجیب سا شور برپا کرتی دوبارہ اندر داخل ہوئی۔ اور سائیڈ ٹیبل پر ایش ٹرے رکھ دی۔

''آپ نے ابھی تک اتنا سا سُوپ لیا ہے۔ حد ہوگئی۔ اتنا دل لگا کر بنایا ہے۔'' اس نے اگلے ہی لمحے ماہین کو ٹوکا۔

''میں نے لے لیا ہے۔ دل نہیں چاہ رہا۔ پلیز روشی۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''اچھا نہیں ہے کیا؟'' وہ ڈرتے ڈرتے پوچھنے لگی۔

''ارے نہیں۔ بہت مزے کا ہے۔ بس کسی بھی چیز کو دل نہیں چاہ رہا۔'' اس نے شکستہ انداز میں وضاحت کی۔

''پپا۔ آپ کہیے ناں خالہ سے۔ شاید آپ کی بات مان لیں۔ ماموں بھی نہیں آئے ابھی تک۔''

''نہیں دل چاہ رہا تو زبردستی نہیں کرو۔ بعد میں پی لیں گی۔'' شاید دباؤ ان کی فطرت میں نہیں تھا۔

''شاہین خالہ اور جبیں خالہ نہیں آئیں؟'' روشی کو ایک اہم کمی کا احساس ہوا۔

''سیٹ نہیں ملی۔ فون آیا تھا ان کا۔ جبیں آپی کے ہاں تو بیٹا ہوا ہے۔ دس دن کا ہے۔''

''آپ کو یاد ہیں پپا وہ لوگ؟'' روشی نے باپ کی طرف توجہ کی۔

وہ بہت خاموشی سے ان دونوں کے درمیان ہونے والی بات چیت سُن رہے تھے۔

''لو۔ یہ رشتے بھی بھولنے والے ہوتے ہیں۔'' ماہین نے ٹوکا۔

''اچھا آپ کتنی بار ملے ہیں اُن سے؟'' وہ پُرشوق انداز میں پوچھنے لگی۔

''کئی بار۔'' انہوں نے بہت مختصر جواب دیا۔

''وہ لوگ حویلی آئی تھیں؟''

''دو تین مرتبہ شاید۔'' وہ روشی کے سوالوں سے تنگ پڑ رہے تھے۔

''وہ بھی شروع شروع میں۔'' ماہین نے بھی حصہ لیا۔

''شروع شروع؟'' روشی کے پلّے نہیں پڑا۔

''بھئی، بجّو کی شادی کے شروع میں۔'' ماہین بھی عارضی طور پر کچھ دیر پہلے والے ماحول سے باہر آ گئی تھی۔

''پھر تو سب یوگنڈا چلے گئے تھے۔'' ماہین مزید گویا ہوئی۔

''اچھا یہ بتائیں۔ ان دونوں میں امی سے زیادہ کون سی خالہ ملتی ہیں؟'' حویلی سے باہر آ کر تجسس کے رنگ بدل گئے تھے۔

''شاہین آپی۔'' ماہین نے جواب دیا۔

''یہ پپا؟'' وہ اپنی ماں اور خالاؤں کے ذکر سے بہت لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''مجھے دھیان نہیں۔'' بہت ہی صاف گو تھے یاور علی خاں۔

''پپا مجھے اتنا اچھا لگا۔ جب میں نے نعمان ماموں کو دیکھا۔ ایسا لگا جیسے جواد بھائی آ کھڑے ہوئے ہوں۔''

''میں بھی جواد کو دیکھ کر اسی قسم کے احساسات سے دوچار ہوئی تھی۔'' ماہین نے تصدیق کی۔

''کیا امی کی شادی اسی گھر میں ہوئی تھی۔'' وہ جیسے سارے سوالات کر دینا چاہتی تھی۔

''نہیں۔ اس وقت پاپا سرکاری ملازم تھے۔ سرکاری کوٹھی تھی۔''

''شاید آپ نے محسوس کیا ہو کہ میں امی کو بہت مِس کرتی ہوں۔ میرا دل شدت سے چاہتا ہے۔ بس وہ ایک دم میرے سامنے آ جائیں۔''

''روشی۔ بیٹے نماز نہیں پڑھو گی کیا؟'' یاور علی نے مداخلت کی۔

''عشاء کی نماز تو پپا میں بہت آرام سے پڑھتی ہوں۔ خالہ آپ بستر سے اُتریں پلیز گھر میں چلیں پھریں۔ مجھے کام بتائیں۔ میں آپ کی ہیلپ کروں گی۔ ابھی میں کچن میں تھی۔ سب مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ آپ باہر آئیے۔''

ماہین خاموشی سے بستر سے اُتر آئی۔ ''پتا نہیں نعمان بھائی کہاں ہیں۔''

''آیئے یاور بھائی! آپ تھک چکے ہوں گے۔ میں آپ کو کمرہ دِکھا دوں۔''

اپنے لہجے میں کہتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔ یاور علی خاں اس کے پیچھے چل دیے۔

''آؤ روشی! ہمارے ساتھ۔'' ماہین نے پلٹ کر اسے بلایا۔

''میں ڈرائنگ روم میں جا رہی ہوں۔ وہاں ایک آنٹی سے ملوں گی۔ کچن میں دوستی ہوئی ہے میری اُن سے۔ آپ کے رائٹ سائیڈ پر رہتی ہیں۔''

اس نے سلیپر پاؤں میں پھنسانے کے دوران جواب دیا۔

''اچھا ——— سارہ آنٹی، وہ ابھی ہیں یہاں۔ بہت اچھی پڑوسن ہیں۔ انہیں روکنا۔ میں آ رہی ہوں۔'' ماہین اور یاور علی اس کے پیچھے باہر چلے گئے۔

روشی دوپٹا سر پر قرینے سے جما کر ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔

''روشی فون ہے۔'' نعمان نے ڈرائنگ روم میں آ کر اطلاع دی۔ ''یہ سامنے میرا بیڈ روم ہے۔ ادھر آ جاؤ۔''

وہاں چار خواتین میں گھری نہایت خضوع وخشوع سے گفتگو کرنے میں مگن تھی۔

بڑے اہتمام سے دوپٹا پورے وجود پر پھیلائے، زمانے بھر کی سنجیدگی چہرے پر سجائے اس کا انداز مشرقی
سے تعلق رکھتا تھا۔ بہت ہی کھٹکی تھی مداخلت۔

''ایکسیوزمی، ابھی آئی۔'' وہ اُٹھ کر نعمان کے بیڈروم میں چلی آئی۔

''ہیلو!''

''بھئی، آپ اتنی دُور جا کر بھی مجھے چین سے بیٹھنے نہیں دیں گی؟'' دوسری طرف باری تھا۔

دل کچھ عجیب سے انداز میں دھڑکا۔ مگر دوسرے ہی لمحے جیسے بھڑیں چمٹ گئیں۔

''ڈونٹ بلیم می، ریموٹ سے چٹکیاں کاٹ رہی ہوں؟'' وہ الزام تراشی پر تلملائی۔

''الزام نہیں لگاتا۔ جرم ڈینوٹ کرتا ہوں۔ نعیم صاحب ایڈریس مانگ رہے ہیں۔ تعزیت کے لیے پہنچا دو
بتایئے۔ کسی کا غم کسی کی خوشی ہے، کیوں؟''

باری بڑے پُرتاسف انداز میں کہہ رہا تھا۔

''باری! حویلی پہنچ کر تمہاری وہ خبر لوں گی۔'' وہ دانت پیستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

''حویلی کیا، تمام ریاستی میں آپ کو ماندولت کی ''خبریں'' مل سکتی ہیں۔ موصوف بڑے ہمہ جہت ہیں۔ ''اِن'' رہتے
ہیں۔ اچھا۔ خیر۔ یہ بتایئے تعزیت کرنا کوئی بری بات ہے۔'' وہ اب بڑی سنجیدہ سی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

''مگر جو لوگ تعزیت کرنا چاہ رہے ہیں۔ ان کی تعزیت کی یہاں کسی کو ضرورت نہیں۔'' وہ آگ بگولہ ہوئی۔

''اجی ''لوگ'' کہاں۔ ابھی تو اکیلے ہیں۔ لوگ تو آپ کے ساتھ مل کر بنیں گے۔''

''اُن سے کچھ کہتے۔ مت کیا کرو اُن سے متعلق مجھے فون۔'' وہ پھر بھڑکی۔

''اب تو میں جو کچھ کہوں گا، آپ کے حوالے سے لگوں گا اُن کا۔ بلکہ پہلے تو آپ میری ''کچھ'' لگیں۔ خیر ڈونٹ مائنڈ۔
فون بند کر رہا ہوں۔ ویسے یور چچا اُن کی طرف جائیں تو آپ ضرور جایئے گا۔ اسی بہانے گھر بھی دیکھ لیجیے گا۔ مثلاً وہاں کے
کمرے، وہاں کی کلر اسکیم، لان کی ترتیب، گاڑی کا ماڈل، اور خدا حافظ۔'' اس نے فون بند کر دیا۔

وہ جو اس کا جملہ مکمل ہونے کے بعد ایک ''عظیم جھاڑ'' شروع کرنے والی تھی۔ دانت پیس کر رہ گئی۔ جہنم کا فرشتہ، میری
جان جلانے پر مقرر ہے۔ مارے کوفت کے آنکھوں میں پانی اُتر آیا۔ ایسے گن گن کر بدلے لوں گی۔ وہ آئندہ کا لائحہ عمل

ترتیب دے کر اپنا اشتعال بجھانے کی کوشش کرنے لگی۔

چند منٹ خود پر قابو پانے میں لگے۔ پھر دوپٹا درست کرتی واپس ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

مسکراہٹ کی تو آج کے ماحول میں ضرورت ہی نہ تھی۔ اُترا ہوا چہرہ آج ہر قسم کے سوالات سے مبرا تھا اس کے حق میں تھی۔

"یہ پاپا کا بیڈروم ہے۔ آپ کو کچھ فیل تو نہیں ہوگا؟" اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

"ڈزنٹ میٹر، زندہ وجود بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ بے چاری بے جان دیواریں اور یہ وقت کسی قسم کے [illegible] ہے۔ اگر آپ مجھے کسی راہداری میں پلنگ ڈال کر بھی آرام کرنے کو کہیں گی تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

ماہین نے حیرت سے چونک کر ان کی شکل دیکھی۔ اتنا پُر تکلف۔ حد سے زیادہ فارمل۔ ڈی۔ سی۔ جو [illegible] ضابطے کے تحت اُٹھاتا تھا۔ کس قدر تبدیلی کا مظہر بنا ہوا تھا۔

"بہت بہت شکریہ! اس اپنائیت کا۔ ہم ہمیشہ یاد رکھیں گے۔" اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

یاور علی خاموش رہے۔

"آپ تھک گئے ہوں گے۔"

"سو واٹ؟" وہ اپنا سوٹ کیس جو اُن سے پہلے وہاں موجود تھا۔ بیڈ پر رکھ کر شب خوابی کا لباس نکالنے لگے۔

"میرا مطلب ہے، اب آپ آرام کیجیے۔" وہ جانے کے لیے پلٹی۔

"یہ روٹین کا ماحول تو نہیں ہے۔ آپ مجھے آرام کا کہہ کر پھر ایک کونے میں جا بیٹھیں گی اور روئیں گی۔ تھوڑا [illegible] یہاں بیٹھیے۔"

"آپ کے پاس؟" ماہین کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ کس قدر "تبدیل شدہ" حالت میں تھے وہ۔

"نہیں، وہاں صوفے پر۔" وہ بھی برجستہ بولے۔

ماہین کو قطعی توقع نہیں تھی۔ عجیب سی کھسیاہٹ اس پر طاری ہوگئی۔ وہ اپنی حالت کو نارمل بناتی ہوئی صوفے پر بیٹھ [illegible]

یاور علی خاں اپنے کام سے فارغ ہو کر، اس کے نزدیک پڑی ایک خوبصورت سی کرسی پر آ کر بیٹھ گئے۔

"کس خیال میں ہیں۔ زیادہ ٹینس طاری نہ کریں خود پر۔ یہ آپ کے لیے اچھا نہیں ہے۔ میں آپ سے یہ [illegible] سکتا کہ آپ ہنسیں اور مسکرائیں، لیکن پلیز کوشش کر کے اپنے دل و ذہن پر کنٹرول کریں۔"

"نہیں ہوتا۔" وہ جو محض طرزِ میزبانی میں خود پر بہت کنٹرول کر رہی تھی پھر ایک دم سے بکھر گئی اور پھوٹ [illegible] رونے لگی۔

یاور علی خان کے سرد اور بے مہر سے دل میں ہلکی سی لرزش ہوئی۔ اس سے تو بہتر پہلے کی صورت حال تھی۔ یہ [illegible] کیا کیا؟ وہ بُری طرح الجھ گئے۔

"کیونکہ عام حالات میں لوگوں سے مکس ہونے کے اتنے مواقع نہیں ملتے اس لیے خصوصی حالات میں خاصا اناڑی ثابت ہوتا ہوں۔ ثبوت کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ اچھی خاصی تھیں اور میں نے پھر سے رُلا دیا--- آئی ایم سوساری۔"

وہ بے حد شرمندہ ہو رہے تھے۔

لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ حتیٰ کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

"ہائے، میرے پاپا---!" ایسی دلدوز کراہ تھی کہ وہ اپنی نشست سے بے ساختہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"دیکھیے ماہین! میں شدید قسم کے احساسِ جرم میں مبتلا ہو چکا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں؟ پلیز ماہین!"

"بعض دُکھوں کا سلسلہ ابد سے ملتا ہے۔ آپ شرمندہ نہ ہوں، اس میں آپ کا کیا قصور؟" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"آپ نے بالکل درست کہا کہ بعض دُکھوں کا سلسلہ ابد سے ملتا ہے لیکن ایک شے "قوتِ نافذہ" بھی ہوتی ہے۔ جو ایسے ہی مواقعات میں اپلائی کرنا چاہیے اور شاید یہ ہوتی ہی اس لیے ہے۔" انہوں نے تائید کے ساتھ ساتھ اگلے مرحلے آسان بنانے کے لیے ایک کوشش مزید کی۔

"مجھ میں نہیں کوئی قوت۔ اپنے اوپر نافذ۔ جسے نافذ کر کے آپ تو پتھر ہی ہو چکے ہیں۔ جب رونا آئے تو بہت سا رو لینا چاہیے۔ جب دل پھٹ رہا ہو تو ماتم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" وہ بدستور سابقہ انداز میں رو رہی تھی۔

"پاپا آپ کس کس طرح مجھے یاد آئیں گے؟"

یاور علی خاں چند ثانیے اسے دیکھتے رہے، جیسے کچھ سوچ رہے ہوں۔ پھر اپنی جگہ سے اُٹھے اور اس کے قریب آ کھڑے ہوئے۔ ماہین کا دوپٹا پھسل کر کارپٹ پر آ پڑا تھا۔ اور دونوں ہاتھوں سے اس نے چہرہ ڈھانپا ہوا تھا۔

یاور علی خاں نے نیچے سے دوپٹا اُٹھایا اور قریب تھا کہ اس کے سر پر ڈال دیتے، آہستگی سے دروازہ کھلا۔ اور روشی نے جھانکا۔

دوپٹا یاور علی خاں کے ہاتھوں سے چھوٹ کر دوبارہ نیچے گر گیا۔ وہ اپنے مخصوص پُروقار انداز میں چلتے ہوئے واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"تھینکس گاڈ۔ مائی لارڈ!" انہوں نے چھت کی طرف دیکھ کر جیسے سکون کا سانس لیا۔

"آؤ روشی! یہ تمہاری خالہ بہت رو رہی ہیں۔ انہیں چپ کراؤ ورنہ ان کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔" وہ مطمئن انداز [illegible] گنگنانے لگے۔

"اور دیکھو۔ یہ کھڑکیوں سے پردے بھی ہٹا دو، پلیز۔"

روشی جو پاپا کے ہاتھوں میں ماہین کا دوپٹا دیکھ کر ایک دم جھجک کر اپنی جگہ رک گئی تھی۔ فوراً اندر چلی آئی۔

"آپ کیسے روئیں؟" روشی نے نیچے پڑا دوپٹا اٹھاتے ہوئے ماں کی سمت دیکھا۔ اتنا بے سروپا اور غیر مرتب سوال

تھا کہ انہوں نے سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے گہرا کش لگا کر آہستہ آہستہ منہ سے دھواں نکالنا شروع کر دیا۔

”ظاہر ہے، فوراً تو سنبھلیں گی نہیں۔ تازہ تازہ غم ہے۔“ ”مگر آپ کو تسلی دینے کی ٹرائی تو کرنا چاہیے۔“ روشی آنچل سے ماہین کے آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

وہ خاموش رہے۔

”آیئے خالہ! ہم نیچے چلتے ہیں۔ مگر آپ اب روئیے گا نہیں۔ نیچے سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“ روشی نے ماہین کو شانوں سے پکڑ کر اُٹھایا۔

وہ سسکیاں بھرتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

”گڈ نائٹ پپا! روشی نے ماہین کو ساتھ لے کر چلتے چلتے مڑ کر کہا۔

یاور علی، خاں نے کھڑکیوں کی سمت دیکھا، جن پر پڑے پردے روشی ہٹانا بھول گئی تھی۔ پھر اپنی جگہ سے سرکائے۔ اور باہر سڑک کا منظر دیکھنے لگے۔ جہاں اکا دُکا گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ ان کی سرخ آنکھوں میں کرب بہت واضح تھا۔

عمارت پر گہرا تاریک غلاف چڑھا ہوا تھا۔

حتیٰ کہ اندر کسی موم بتی کی لو بھی ٹمٹماتی دِکھائی دے رہی تھی۔ مگر کتوں کے بھونکنے کی آوازوں میں اتنا تسلسل تھا کہ کسی وقفے کا امکان تقریباً ناممکن ہی دکھائی دیتا تھا۔ سیاہ جیپ پھاٹک پر رُک گئی تھی۔ ہارن ایک تواتر سے بجا، ایک منٹ کے اندر پھاٹک کھل گیا تھا۔ کھولنے والے کے ہاتھ میں طاقتور ٹارچ جگمگا رہی تھی۔ جیپ اندر داخل ہو گئی تھی۔ اور پھاٹک کھولنے والا جیپ کے پیچھے سرپٹ دوڑا تھا۔ اور بڑی پھرتی سے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا تھا۔

”اس لڑکی کو بھی اُتارو۔“ گمبھیر آواز تاریکی میں گونجی۔

”یہاں تو بہت اندھیرا ہے خان!“ جھومر کی آواز میں واضح لرزش تھی۔

”مگر تمہارے دماغ کے اندھیرے سے زیادہ نہیں۔“

”گل باز خان! ٹارچ ادھر دو۔ چلو لڑکی، آگے بڑھو۔“ تیمور علی خاں نے ٹارچ کی روشنی سے رہنمائی کی۔ گلباز بھی ساتھ چل پڑا۔

”تم یہیں ٹھہرو۔ ہمارا انتظار کرو۔“ تیمور علی خاں نے اسے ٹوک دیا۔

”یہ ہال کمرا ہے جھومر۔ اس کے ساتھ یہ دو کمرے۔ آگے جو راہداری ہے، اس کے اگلے سرے پر بھی کمرے ہیں۔ عمارت میں تقریباً سات کمرے ہیں۔ چار نیچے اور تین اوپر۔ آج سے یہ سب تمہارے ہیں۔ یہاں جو کچھ ہے۔ کیونکہ یہ عمارت آبادی سے بہت دُور ہے۔ یہاں چالیس سال سے کوئی رہا نہیں، اس لیے یہاں بجلی، پانی جیسی جدید سہولتیں بھی نہیں ہیں۔ مگر تمہیں لالٹین مہیا کر دی جائے گی۔ اُدھر بڑے دالان میں البتہ ہینڈ پمپ موجود ہے۔ تمہیں پانی کا مسئلہ نہیں ہوگا۔“

صابن، تیل وغیرہ تمہیں مل جائے گا۔ اور ایک بڑا آئینہ بھی۔ روز نہا دھو کر اس میں اپنی شکل دیکھا کرنا۔ اب آؤ واپس ہال کمرے کی طرف۔ یہاں ایک تخت موجود ہے۔ اسے ہی اپنا بستر سمجھو۔ گلباز یہاں کا پرانا چوکیدار ہے۔ اس علاقے میں ہماری بارانی زمینوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اب تمہاری نگرانی بھی کرے گا۔ ”کیلاش“ کا اجڈ ہے۔ اسے اجازت دینا نہ بھاگنے کی کوشش کرنا۔ شکل اس کی انسانوں جیسی سہی، مگر خصوصیات درندوں جیسی ہیں۔ ہم نے یہ ہر ایک حویلی تمہارے حوالے کی۔ تم اس میں جیسے چاہو رہو۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔ مگر صرف اندر۔ باہر کی طرف آنکھ اُٹھانا بھی جرم ہے۔“

”یہ ظلم ہے خان!“ جھومر کانپتی ہوئی اُن کی سمت بڑھی۔

”ہم تمہیں خرید چکے ہیں۔ تم ہماری ملکیت ہو۔ ہم جیسے چاہے استعمال کریں۔ ہم نے تمہیں سر پر بٹھایا تھا۔ عزت دی تھی مگر تمہیں راس نہیں آئی۔ اب تمہیں تمہارا اصلی مقام دے رہے ہیں۔ تاکہ تمہیں شکر اور ناشکری کے معنی پتا چلیں۔ ہر پندرہ دن بعد تمہارے باپ کو بھیج دیا کریں گے۔ جو تبدیلی اپنے اندر محسوس کرو اسے بتا دیا کرنا۔ خدا حافظ۔“ تیمور علی خاں پلٹ گئے۔

”خان۔ خدا کے لیے ٹھہریں، میری بات سنیں۔“ جھومر اُن کے پیچھے دوڑی۔

”گلباز، اس نمک حرام کو سنبھالو۔ اس کی آواز سُن کر دل چاہتا ہے، اس کی زبان کھینچ کر آگ میں جھونک دیں۔“ وہ پھنکارتے ہوئے حکم دے رہے تھے۔

”آپ اس طرح نہیں جا سکتے۔ میں مر جاؤں گی۔ پاگل ہو جاؤں گی۔ خدا کے لیے۔“ وہ پھر دوڑی۔

مگر گلباز تیزی سے درمیان میں آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں تیز دھار خنجر چمک رہا تھا۔

”اگر یہ تمہیں تنگ کرے تو اس کے اُلٹے ہاتھ کی انگلیاں کاٹ کر کتوں کو کھلا دینا۔ پھر بھی باز نہ آئے تو سیدھے ہاتھ کی انگلیاں جھاڑ دینا۔ پھر بھی باز نہ آئے تو اس کی ناک جڑ سے کاٹ کر اپنے شیرے کو کھلا دینا۔“

وہ اس طرح غرا رہے تھے کہ آس پاس تازہ خون اور کچے گوشت کی باس محسوس ہونے لگی تھی۔

جھومر نے تڑپ کر اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا اور وحشت زدہ ہرنی کی طرح گلباز کی طرف دیکھنے لگی۔

تیمور علی خاں کے قدموں کی آواز معدوم ہو گئی۔ اور تھوڑی دیر بعد جیپ اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔

گلباز نے اپنی سفاک آنکھیں اس پر جما کر ٹارچ سے ہال کمرے کی طرف اشارہ کیا جہاں بقول تیمور علی خاں کے اس کا بستر تھا۔

وہ محسوس کرنے لگی جیسے اس کا دل بیٹھ رہا ہے۔ اور ٹانگیں بے جان ہو رہی تھیں۔ وہ دیوار کا سہارا لے کر آگے بڑھنے

گئی۔خوف ووحشت سے تو جیسے آنسو بھی خشک ہو چکے تھے۔

....

اس نے دروازے میں رُک کر ٹفن اور فلاسک فرش پر رکھا اور چادر درست کی، پہلے دروازے پر آہستہ سے ... بڑی احتیاط سے دروازہ کھولا۔

"السلام علیکم!" اس سے پیشتر کہ وہ سلام کرتی، سلام اس تک آ گیا تھا۔

وہ مارے گھبراہٹ کے منہ ہی منہ میں جواب دے کر رہ گئی۔

"وہ ہمارے یار کہاں رہ گئے؟ بڑی خالی خالی سی لگ رہی ہیں آج!"

"وہ ضروری کام سے صبح حیدر آباد چلے گئے تھے۔ کہہ رہے تھے، وہیں سے سیدھا ہاسپٹل پہنچوں گا۔" بالو ... ٹھکانے پر رکھتے ہوئے اپنی چادر سے چہرہ پونچھا۔

"اچھا! مگر آج تو شام بھی پھر مشکل سے ہوگی۔" اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ ایک دم چت لیٹا ہوا ... پلٹ کر اس کی سمت دیکھا۔ "بہت محبت ہے آپ کو اپنے دوست سے؟"

اس نے ٹفن کھولنا شروع کیا۔

خدا کے سامنے کس منہ سے جائیں گے خدا جانے

محبت کا کوئی دھبہ نہیں ہے جن کے دامن پر

وہی ہوا جس کا بالو کو خطرہ تھا۔ یعنی شعر آ گیا تھا۔

"اُٹھیے! کھانا کھا لیجیے۔" اس نے ٹرے میں ساتھ لائی ہوئی چیزیں رکھیں اور اس کے قریب آ کھڑی ہوئی، شکر کرنے لگی۔ کہ جتنی دیر کھانا کھانے میں مصروف رہے گا۔ وہ شعروں سے تو بچی رہے گی۔

وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور ٹرے پر نظریں دوڑانے لگا۔ "میرے حصے کی مرغیوں کو تو جان کی امان دے دیں بھابی ... گیا ہوں میں اس چکن سے۔" اس نے معصوم بچوں کی طرح کا نخرا کیا تھا۔

"یہ آپ کے لیے بہت اچھی چیز ہے عارف بھائی۔ آپ کے دوست دیسی مرغی بنواتے ہیں۔ وہ کہہ رہے ... ڈاکٹروں نے کہا ہے، آپ کو زیادہ سے زیادہ گوشت استعمال کرنا چاہیے۔ آپ کا خون بھی بہت کمزور ہے۔" ... بہت کمی ہو گئی ہے۔" بالو نے شوہر کے الفاظ من و عن دہرا دیے۔

عارف ہاتھ دھونے باتھ روم جا رہا تھا۔ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"انشاء اللہ میری صحت یابی تک، آپ آدھی ڈاکٹر تو بن ہی جائیں گی۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

بالو اس کی مسکراہٹ سے ایک دم محتاط ہو گئی۔ اور اس کے باتھ روم جاتے ہی کرسی اس کے بیڈ روم سے اور ... اور خود اس کی پشت سے ٹیک لگا کر اس کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی۔

چند منٹوں بعد وہ باہر آ گیا۔

"بیٹھ جایئے بھابی۔ کھڑی کیوں ہیں؟" وہ رومال جیب سے نکل کر ہاتھ پونچھنے لگا۔

رومال نکالتے ہوئے اس کا پرس جیب سے نکل کر بیڈ کے نیچے جا پڑا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ کیا گرا ہے۔ ہاتھ پونچھ رہا ... مگر نظریں اِدھر اُدھر متلاشی تھیں۔ بالو نے آگے بڑھ کر بیڈ کے نیچے سے پرس اُٹھایا۔ اس میں سے کچھ کارڈز وغیرہ نکل پڑے تھے۔ اس نے وہ کارڈز بھی سمیٹے۔ پھر سیدھی ہو کر کھلے ہوئے پرس کو دیکھنے لگی۔ جس میں عارف کی بہت دلکش تصویر مسکرا رہی تھی۔ وہ بے خبر سے انداز میں دیکھتی رہ گئی۔ اس نے نظر اُٹھا کر اس کا اُجاڑ چہرہ دیکھا۔ پھر تصویر پر دوبارہ نظر ڈالی۔

جانے کیوں دل دُکھ سا گیا۔

حالات کی اِک ضرب نے صورت ہی بدل دی

مجھ سے میری تصویر ذرا بھی نہیں ملتی!

وہ بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ بالو نے چونک کر سر اُٹھایا۔ پھر خجل سی ہو کر پرس اور کارڈز اس کے سامنے ڈال دیے اور خود فاصلے پر رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"شام کو آپ کے لیے کیا بھجواؤں؟" اس نے خاموشی سے گھبرا کر توڑ تلاش کیا۔

"مونگ کی پھریری دال اور سلاد بس۔"

"آپ نہیں کھائیں گی بھابی؟ مگر یہ تو مریضوں کا کھانا ہے۔ خیر۔ یہ بھی تقدیر ہے۔ کیا کریں۔" وہ ہنس دیا۔ پھر ایک دم کسی گہری سوچ میں اُتر گیا۔ چند لمحوں بعد نظریں اُٹھا کر بالو کا پریشان سا چہرہ دیکھا اور دھیرے سے مسکرا دیا۔

خود غرض لوگوں نے جو حالت بنا دی ہے سلیم

کون کہتا ہے کہ یہ تقدیر اس مٹی کی ہے

بالو کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، وہ بیٹھی ہاتھ مسلتی رہی۔

"لال خان بہت اچھے دل کا آدمی ہے۔ مجھے اُمید ہے، وہ آپ کو بہت خوش رکھتا ہوگا۔" عارف نے نوالہ توڑتے ہوئے موضوع بدلا۔

وہ بدستور خاموش رہی۔

"جب میں یہ رشتہ کرا رہا تھا تو مجھے یقین تھا کہ جو بھی اس کی بیوی بن رہی ہے، بہت ہی قسمت والی ہے۔ میرا یار ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھے گا۔"

بالو نے چونک کر عارف کی شکل دیکھی۔ تو یہ ہے وہ لٹیرا۔ جس نے میرے خوابوں کے خزانے میں لوٹ مچائی ہے۔ اندر ایک طوفان برپا ہو گیا۔ اس کا جی چاہا۔ اس کا گریبان پھاڑ ڈالے۔ چہرہ کھسوٹ ڈالے۔ اتنا کہ لہولہان کر ڈالے۔

وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے دیوار پر لگے ہوئے چارٹ کو گھورنے لگی۔ اسے آناً فاناً عارف سے شدید نفرت محسوس ہونے لگی۔

"شاید آپ کو زیادہ بات کرنے کی عادت نہیں ہے۔ وگرنہ اُس روز جو موضوع میں نے شروع کیا تھا، اس سے متعلق

آپ کئی سوالات کر سکتی تھیں۔ مجھے اس جگہ بڑی حیرت ہے۔" اس نے گلاس اُٹھا کر منہ سے لگالیا۔

"مگر خیر--- یہ کوئی عیب نہیں۔ اچھی بات ہے۔ یہ بھی کسی انسان کا وصف کہلاتا ہے۔ بعض لوگوں کی بڑی ہے خاموشی۔

وہ کیا کہا ہے۔ کسی بھلے سے شاعر نے۔

ہم کریں بات دلیلوں سے تو رد ہوتی ہے

اُس کے ہونٹوں کی خاموشی بھی سند ہوتی ہے

تو شاید آپ ایسے لوگوں میں شامل ہوتی ہیں۔ آپ تنگ تو نہیں پڑتیں، میرے بولنے سے؟" وہ سادگی تھا۔

وہ اس کی آواز کی طرف متوجہ ہی کب تھی۔ اسے تو وہ اپنے خوابوں کا دلال نظر آ رہا تھا۔

وہ بہت مگن انداز میں گنگناتا ہوا ہال کمرے کی طرف آیا تھا۔ رات کے بارہ بج کر چالیس منٹ ہو چکے تھے۔ دوست شارجہ سے اپنے گھر پہنچا تھا۔ وہ یہی کنفرم کرنا چاہ رہا تھا کہ آیا وہ گھر پہنچ چکا یا نہیں۔ تاکہ وہ صبح اس سے ملے۔ ہال کمرے میں گہرا سکوت طاری تھا۔ بے چاری کلو ان شریر لڑکوں کا پھیلاوا بڑی تندہی سے سمیٹ رہی۔ چلغوزے کے چھلکے۔ کہیں ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے ٹکڑے۔ کہیں گلشن کا مینار۔ کہیں اخبار، کہیں رسالے، کسی طرح کنٹرول۔ تو کسی جگہ ویڈیو کیسٹ۔

باری نے سارے "پھیلاوے" پر نظر ڈال کر کلو کی سمت بڑی ہمدردی سے دیکھا اور فون کے ساتھ ہی رکھے بیٹھ گیا۔ بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نہایت اطمینان سے ریسیور اُٹھایا اور ٹیون چیک کی مگر ایک دم چونک پڑا۔ چیت ہو رہی تھی۔

"گلباز کی حالت بہت خراب ہے بابا صاحب! اس لیے کسی بھروسے کے آدمی کی فوراً ضرورت ہے۔"

"تمہارے پاس اتنے آدمی ہیں۔ ایک بھی بھروسے کا نہیں؟" بابا صاحب پوچھ رہے تھے۔

"یہ بات نہیں ہے۔ آپ سمجھیں ناں! لڑکی بہت خوبصورت ہے۔"

"اچھا--- اچھا--- ہم سمجھ گئے۔ ٹھیک ہے۔ باری کو بھیج دیں؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"میرے خیال میں باری ہی مناسب ہے۔" وہ پہچان چکا تھا۔ دوسری طرف کا کا جان یعنی تیمور علی خاں تھے۔

"آپ اسے کہیے کہ وہ سیدھا سرائے آئے۔ اسے صبح سے پہلے بھیج دیں۔ آپ کو نہیں پتا مجھے یہاں کتنا بھاری لگ رہا ہے۔ موبائل پر آپ سے بات کر رہا ہوں۔"

"ارے--- تو کیا تم خود وہاں موجود ہو؟" بابا صاحب کی حیرت آمیز آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"تو پھر کیا کرتا؟ اس کے باپ کو بھیجتا تو وہ اُجڈ اس کا گلا ہی گھونٹ دیتا۔"

آواز سے فکرمندی چھلکنے لگی۔

"ہو--- ہو--- ہو!" بابا صاحب کی آواز سے فکرمندی چھلکنے لگی۔

"اچھا--- خیر--- تم فکر نہ کرو۔ بڑی زحمت ہو رہی ہے تمہیں۔ ہمیں بہت افسوس ہے۔" وہ بیٹے سے مخاطب تھے۔

اور یہی بات آج تک باری کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ اُن کا رویہ تیمور علی خاں سے اس طرح کا یعنی سب سے کیوں مختلف ہوتا ہے۔

"ہم ابھی بلواتے ہیں باری کو۔ اور کوئی بات۔"

"جی نہیں، شکریہ، خدا حافظ!" فون بند کر دیا۔

باری نے احتیاط سے ریسیور رکھ دیا۔

"یا اللہ! اب کس حسینہ کے امتحان میں گرفتار ہونے والا ہوں۔" اس نے چھت کی طرف دیکھ کر خود سے سوال کیا۔ اس کے کانوں میں تیمور علی خاں کی آواز گونج رہی تھی۔ "لڑکی بہت خوبصورت ہے۔"

"بھائی--- کیا میں "لڑکی پروف" ہوں؟" اسے جانے کیوں ہنسی آ گئی۔ کسی بھی لمحے بابا صاحب کا بلاوا آنے والا تھا۔ اس نے دوست کو فون کرنے کا پروگرام فی الفور ملتوی کر دیا۔

بابا صاحب کے استعمال میں تین ٹیلی فون رہتے تھے۔ موبائل سمیت۔ جن میں سے دو ایک اُن کے بیڈ روم تک محدود تھے اور ایک نمبر پر حویلی کے دو تین ایکسٹینشن تھے۔ شاید تیمور علی خاں پریشانی میں ایکسٹینشن والا نمبر پُش کر گئے تھے۔ وہ کچھ سوچنے لگا۔

"خان نیند نہیں آ رہی ہے، چائے بنا دوں؟" کلو آنچل مروڑتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ اسے کلو کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

"توبہ ہے--- باری تمہاری مردانہ وجاہت بھی غضب کی ہے۔ نوکرانیاں تک شرماتی ہیں۔" نہ جانے کب فاران نے اس پر چوٹ کی تھی۔ کلو کی ادا دیکھ کر بے اختیار یاد آ گئی۔

"ابھی بابا صاحب مجھے بلانے والے ہیں۔ وہاں سے واپس آ کر چائے تو ضرور پینا پڑے گی۔ تیار رکھنا۔" وہ کلاک کی طرف دیکھنے لگا۔

معاً ماما اونگھتی جھومتی ہال میں داخل ہوئی۔

"خان--- آپ ادر بیٹھے ہو۔ میں سارا اوپر دیکھ آئی۔ اور یہ بیبیوں کے ساتھ فلم ڈرامے دیکھتی رہتی ہے۔ اور پھر دیر تک سو کر کام کرتی ہے۔ صبح ڈھول بجانے پر بھی نہیں اُٹھتی۔" ماما تلی نے ایک اسٹیشن پر دو پروگرام نشر کیے۔ کلو ہاتھ میں تھما ہوا کچرا ایک پولی تھین کی تھیلی میں جلدی جلدی بھرنے لگی۔

"کیا کہہ رہی تھیں ماما؟" باری نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

"بڑے خان نے یاد کیا ہے آپ کو۔"

"بہت ہی یاد کرتے ہیں وہ ہمیں۔" وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

اور سبک تیز قدموں سے اُن کی خواب گاہ کی سمت بڑھا۔ اور دروازے پر رُک کر دستک دی۔

''آؤ بھئی۔ جلدی آؤ۔'' بابا صاحب کی آواز سے بہت عجلت چھلک رہی تھی۔

وہ اندر داخل ہو گیا۔ دلاور علی خاں کمر پر ہاتھ باندھے ٹہل رہے تھے۔ اُسے دیکھ کر رُک گئے۔

''باری!''

''جی خان!''

''اچھا--- پہلے تم بیٹھو۔'' وہ اسے بیٹھنے کا کہہ کر خود بھی اپنے بستر پر بیٹھ گئے۔

''بات یہ ہے--- تمہیں اسی وقت سرائے جانا ہوگا۔''

اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید اس کے منہ سے نکل جاتا کہ ''اس وقت؟'' مگر اس نے ہمیشہ کی طرح پُرسکون انداز کے ساتھ صرف اتنا کہا۔

''جی بہتر۔''

''ڈرائیور کو اُٹھا دو۔ تم سارا دن کے تھکے ہوئے ہو، ڈرائیو مت کرنا۔''

''جی بہتر! کوئی اور حکم؟'' وہ اُٹھنے کے لیے پر تولنے لگا۔

''نہیں--- اب جو کچھ حکم دیں گے تیمور خاں دیں گے۔ تم جا سکتے ہو۔'' وہ بستر پر دراز ہو گئے۔

وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

''اور ہاں سنو!'' اُنہوں نے پھر پکارا۔

وہ رُک گیا اور پلٹ کر اُن کے قریب آیا۔ یُوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ سخت الجھن میں ہوں۔

''باری! ہمیں تم پر بہت بھروسا ہے، تم جانتے ہو۔''

اس نے ہاں کہا اور نہ ہی ناں۔ بس خاموش رہا۔

''ظفری نے دیوار سے ٹکریں مار کر اپنا سر پھاڑ لیا ہے، تم ہی تو لائے تھے ڈاکٹر کو؟''

''جی''، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک ظفری کا ذکر کیوں شروع ہو گیا؟ اسے تو مختلف قسم کے دورے پڑتے رہتے تھے۔

''ہمیں اس کی بڑی فکر رہتی ہے۔ بڑی دُلہن کی صحت تباہ ہو چکی ہے، اس کے غم میں۔''

وہ پھر گویا ہوئے۔ وہ پھر خاموش رہا۔

''اچھا--- خیر--- تم جاؤ۔ جتنی جلد ہو سکے۔'' اُنہوں نے دایاں ہاتھ مٹھی کی شکل میں اپنی پیشانی پر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

باری آہستگی سے دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں آیا۔ اور دو جوڑے کپڑے نکال کر بیگ میں رکھے۔ پھر برش اور ٹوتھ پیسٹ بکس لے کر باتھ روم گیا۔ وہاں سے چیزیں سمیٹ کر ڈالیں۔ بظاہر وہ تیاری میں مگن تھا، مگر اس کا ذہن دُور سرائے میں بھٹک رہا تھا۔ کیا ہوا ہے وہاں؟ کیا ہو رہا ہے وہاں؟

...بیٹ واچ باندھتا ہوا باہر آیا اور ڈرائیور کے کوارٹر کی طرف بڑھنے لگا۔

....

...دلاور علی خاں تو اپنی عادت کے مطابق علی الصبح ہی بیدار ہوتے تھے۔ یہاں بھی ان کے معمول میں فرق نہ آیا۔ روزانہ کے امور نمٹا کر وہ لان میں چلے آئے تھے۔ ان کا خیال تھا، وہ کچھ دیر چہل قدمی کریں گے۔ مگر انہیں رُکنا پڑا۔ بہت ہی دلکش منظر تھا۔

سفید بڑی سی چادر سے خود کو ڈھانپے سفید ہی بنچ پر آلتی پالتی مارے ماہین چھوٹا سا کلام مجید پکڑے نہایت انہماک سے تلاوت کر رہی تھی۔ رخساروں پر ایک تواتر سے آنسوؤں کی لڑیاں گر رہی تھیں۔ جنہیں وہ گاہے گاہے اپنی چادر سے صاف کر رہی تھی۔ اس کے بالکل برابر میں سفید پالتو بلی آرام دہ انداز میں مگر جیسے مالکن کے غم میں سوگوار سی بیٹھی ہوئی تھی۔ ...غسل کی وجہ سے ماہین میں ایک محسوس کی جانے والی چمک سی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ بلا ارادہ دیکھ رہے تھے۔ وہ تلاوت کے دوران آہستہ آہستہ ہل بھی رہی تھی۔

ان کے ذہن کے پردے پر جھماکے سے ہونے لگے۔

اماں جان کی حقیقی بہن کا انتقال ہو گیا تھا۔ اسی سلسلے میں قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ (حویلی میں) نازنین جواد کی وجہ سے سیپارہ بیڈ روم میں لے آئی تھی۔

وہ غسل کر کے باتھ روم سے باہر آئے تو ایک دم ٹھٹک گئے تھے۔ شاید انہوں نے اس کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا۔ سفید کڑھی ہوئی ملتانی چادر سے سر ڈھانپے وہ نہایت خضوع و خشوع سے سیپارہ پڑھ رہی تھی۔ ...جواد ذرا سا کسمساتا تو ایک ہاتھ سے تھپکنا شروع کر دیتی۔ اعلا پیمانے پر قرآن خوانی کا اہتمام تھا لہٰذا جواد کی آیا سمیت سب ہی ملازمین مصروف تھے۔

اس کی نظر اچانک ہی سامنے اُٹھ گئی تھی۔

جانے یاور علی خاں کی نگاہ میں کیا تھا کہ اسے حجاب سا آ گیا۔ اس نے سیپارہ چہرے کے سامنے کر لیا تھا۔

''کون کون سے وار سے بچیں گے ظالم۔'' وہ ہنس کر بالوں میں برش چلانے لگے۔

''اللہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ کچھ ہوش کریں۔'' نازنین نے مصنوعی ناراضگی سے انہیں ٹوکا۔

''تو کیوں اتنے خطرناک جلوے دکھاتی ہو۔'' وہ اسے آئینے میں دیکھتے ہوئے چھیڑ رہے تھے۔

''توبہ!'' نازنین نے سر جھٹک کر پھر پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

''زاہدوں کی توبہ تو ٹوٹتی ہی ہے۔ ''نازنینوں'' کے وضو بھی تو ٹوٹتے ہیں۔''

''خبردار جو کبھی نامحرموں کے سامنے عبادت کی۔ شکر کرو۔ اس وقت کمرے میں تمہارا محرم ہے۔ ورنہ دوبارہ وضو کرنا پڑتا۔''

انہوں نے چونک کر ماہین کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔ ان کے اپنے ہی منہ سے نکلے ہوئے الفاظ انہیں چڑانے

لگے۔انہوں نے واپسی کے ارادے سے قدم بڑھا دیے۔

''آیئے ناں۔یاور بھائی۔بیٹھیے۔میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' ماہین نے انہیں مخاطب کیا۔۔۔ سے پاؤں نیچے لٹکا دیے۔

''نہیں نہیں۔آپ اپنا کام جاری رکھیے۔چائے اتنی ضروری تو نہیں۔اندر ملازم ہے۔روشی ہے۔'' اس کی طرف دیکھے بغیر وہ جواب دے رہے تھے۔

''تو بیٹھ جایئے ناں۔واپس کیوں جا رہے ہیں؟''

''آپ حالتِ عبادت میں ہیں۔مناسب نہیں لگتا۔'' وہ نظر چُرا کر سامنے درخت پر بیٹھی سرمست سی چڑیا کو دیکھنے لگے۔ ماہین جیسے کچھ سمجھی نہیں۔پھر کچھ توقف کے بعد مُسکرا پڑی۔

''ارے بیٹھیے آپ۔آپ تو ہمارے محرم ہیں۔ہم تو یہی سمجھتے ہیں۔''

یاور علی خاں شاید ہی زندگی میں کبھی اس طرح لاجواب ہوتے تھے۔بنا کوئی جواب دیے آگے بڑھ گئے تھے۔۔۔ سوچنا چاہتے تھے اور نہ بولنا۔

اسے سیپارہ مکمل کرنے میں پانچ سات منٹ مزید لگے۔اندر داخل ہوتے ہوئے وہ ادھر اُدھر جھانکتی ہوئی کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی مبادا کہیں یاور علی خاں بیٹھے ہوئے ہوں مگر وہ کہیں دکھائی نہیں دیے۔نعمان بھی اپنے کمرے میں نہیں تھا۔آج سوئم تھا۔ظاہر ہے وہ انتظامات میں مصروف ہوگا۔

''لمناں۔یاور بھائی کو اوپر چائے بھجوادو۔''

''روشی بی بی لے گئی ہیں۔ساتھ والی بیگم سارہ کے ہاں سے ناشتا آیا تھا۔وہ اسی وقت چائے لے گئی تھیں اپنے ابا کے لیے۔'' ملازمہ نے تفصیل سے جواب دیا۔

ماہین کو روشی پر ڈھیر سارا پیار آ گیا۔بڑی ذمہ دار ہوگئی ہے یہ روشی تو۔بہت اچھی بات ہے۔اس کے علاوہ دوسرا خیال کون رکھے گا یاور بھائی کا۔

وہ زینے طے کر کے اوپر ان کے کمرے میں پہنچی۔یاور علی خاں اخبار پر نظریں دوڑاتے ہوئے چائے بھی پی رہے تھے جب کہ روشی ان کے کپڑے پریس کر رہی تھی۔

''پپا۔خالہ تو بہت زیادہ دُکھی ہوگئی ہیں۔بے چاری کا کوئی بھی نہیں رہا۔نہ امی نہ ابو۔پھر ہماری امی جیسی اکلوتی بہن۔پتا نہیں نانا جان نے ابھی تک ان کی شادی کیوں نہیں کی تھی۔شاید پڑھائی کی وجہ سے۔مگر پڑھائی تو شادی کے بعد بھی ہوسکتی ہے۔شادی بھلا کیا کہتی ہے؟ بعض لوگ شادی سے پہلے بالکل بھی قابلِ ذکر نہیں ہوتے۔مگر شادی کے بعد بڑے بڑے کام کرنے لگتے ہیں۔شاید اپنے قابل فاضل لائف پارٹنر کی وجہ سے۔اچھے لائف پارٹنر سے مورل سپورٹ جو ملتی ہے الگ۔اگر خالہ کو اچھا لائف پارٹنر مل جائے تو وہ اور ایکٹو ہو جائیں گی۔'' ایم۔آئی۔رائٹ پپا؟'' اس نے پلٹ کر باپ سے دریافت کیا۔

منہمک تھے۔

''بالکل نہیں۔'' وہ ہنوز اخبار میں منہمک تھے۔

''تھینکس۔پپا۔خالہ کی شادی ہم کرائیں گے۔کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں؟'' وہ معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

''کیوں نہیں۔بالکل۔'' وہ اسی طرح مصروف انداز میں ٹکڑا لگا رہے تھے۔

''تو پھر۔''

''ابھی ایسی باتوں کا ماحول نہیں ہے۔تم اس طرح کی باتیں اور کسی کے سامنے نہ کرنا۔او کے؟'' انہوں نے اسے درمیان میں ٹوک دیا۔

''ٹھیک ہے۔''

''روشی! تم نے چائے پی؟'' اب وہ زیادہ دیر دروازے کی آڑ میں کھڑی نہ رہ سکی اور اندر آ گئی۔

''آپ اس طرح کے تکلفات میں خود کو پریشان نہ کریں۔یہ وقت اس طرح کی باتوں کے لیے سازگار نہیں۔اور پھر یہ اس کا گھر ہے۔یہ اپنے کام خود کر سکتی ہے۔'' یاور علی خاں نے چشمہ اُتار کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔

''آیئے۔''

''روشی! اپنی خالہ کے لیے چائے لاؤ۔فی الحال تمہیں ان کا خیال رکھنا ہوگا۔''

روشی نے باپ کا حکم سُن کر فوراً استری کا پلگ نکال دیا۔

''میرا موڈ نہیں ہے۔تم اپنا کام کرو۔'' اس نے روشی کو جانے سے روکا۔

''تم جاؤ روشی!'' انہوں نے روشی کو روانہ کر دیا۔

ماہین ان سے خاصے فاصلے پر پڑی کُرسی پر بیٹھ گئی۔اور اپنے ہاتھ مسلنے لگی۔

''یہ روشی بہت سادہ اور جذباتی ہے۔کوئی ایسی ویسی بات کر بیٹھے تو آپ بُرا نہ منایئے گا۔میرا مطلب ہے کوئی خیال نہ کیجیے گا۔''

''شکر ہے۔آپ کچھ بیٹی کے بھی ہوئے۔مجھے تو اس بات کی خوشی ہو رہی ہے۔'' ماہین نے پھیکی سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

''انسان سب سے زیادہ اپنی اولاد کا ہی ہوتا ہے۔اولاد انسان کے اپنے وجود ہی کا تو پرتو ہوتی ہے۔بہت بُرے گمان رکھتی ہیں آپ ہمارے بارے میں۔'' وہ مبہم سا مُسکرائے۔

''شکریہ۔آپ امپریشنز ہی ایسے دیتے ہیں۔'' اس نے صفائی سے خود کو بچایا۔

''خیر۔آپ کے تو ہم مشکور ہیں۔'' وہ اخبار تہ کرنے لگے۔

''وہ کس سلسلے میں؟'' وہ واقعی حیران ہوئی۔

''بتائیں گے۔پھر کسی وقت۔'' انہوں نے ایک ثانیے کو اس کا متحیر سا چہرہ دیکھا۔

''کس وقت؟'' اسے جیسے بے چینی سی ہونے لگی۔

''ابھی وقت کا تعین نہیں ہے۔'' انہوں نے پھر سرسری نگاہ سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''تو کر لیجیے۔ اور بتا دیجیے۔'' وہ خاصی بے صبری نظر آئی۔

''اتنی جلدی تو میں کسی پڑھے ہوئے میمورنڈم پر بھی سائن نہیں کرتا۔'' انہوں نے سگریٹ سلگانا شروع کر دیا۔

ماہین نے گہرا سانس لے کر کرسی کی پُشت سے ٹیک لگا لی۔ جیسے ہار مان لی ہو۔

''حالانکہ بیوروکریسی کسی وقت کی محتاج نہیں ہوتی۔'' اس نے لطیف سا طنز کیا۔

یاور علی خاں بے ساختہ مسکرا دیے۔

''مجھے خوشی ہے، اتنا عرصہ باہر رہنے کے باوجود آپ اپنے نیشنل انٹرنل افیئرز سے بے خبر نہیں۔ اور اپنے ملک کی ہڈی پر سیر حاصل معلومات رکھتی ہیں۔''

''خیر، اب تو یہاں فوج ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ آپ جانتے بھی ہوں گے فوجی بیوروکریسی کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں؟'' وہ بڑی خود اعتمادی سے کہہ رہی تھی۔

''مگر اس سے سویلین کی اہمیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خیر چھوڑیں۔ کسی نازک اندام خاتون کو روبرو بٹھا کر بحث نہیں کرتے۔'' انہوں نے فوراً بحث سمیٹی۔

''جی؟'' اس نے چونک کر یاور علی خاں کی سمت دیکھا۔ وہ واقعی ان کا انداز سمجھ نہیں پائی تھی۔

سفید کلف شدہ کاٹن کے شلوار سُوٹ میں سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے یاور علی خاں اسے نہ جانے کیوں بہت اچھے محسوس ہوئے۔

''بعض اوقات آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔'' وہ چونکہ اپنی خاموشی پر خود ہی خجل تھی اس لیے وضاحت کرنے لگی۔

یاور علی خاں نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑی اور سامنے لگے منیب احمد کے پورٹریٹ پر نظریں جما دیں۔

''بات سمجھنا یا نہ سمجھنا کوئی مسئلہ نہیں۔ اصل بات سمجھنے کی کوشش ہے۔ ویسے ایک بات کا کریڈٹ میں آپ کو دوں گا۔ پچھلے بیس سالوں میں، میں نے اتنی گفتگو نہیں کی جتنی آپ مجھ سے کروانے میں کامیاب ہوئی ہیں۔ جیسے بریک آپ کے کنٹرول میں چلا گیا ہے۔''

''شکر کریں صرف والیم سسٹم۔'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

یاور علی خاں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سائے کی طرح رینگنے لگی۔ وہ اپنے مخصوص دل آویز انداز میں سگریٹ کا دھواں بکھیر رہے تھے۔ پیشانی کی چند افقی چند عمودی لکیریں ان کے چہرے کو ایک انوکھا سا وقار عطا کر رہی تھیں۔ مونچھوں تلے ہونٹوں پر سائے جیسی مسکراہٹ ان کی پوری شخصیت میں عجیب طرح کا طلسم پیدا کر رہی تھی۔

ماہین نے اُن کی پختگی میں دلبری سی محسوس کی۔ پھر وہ اپنے احساسات سے خود ہی خوفزدہ ہو گئی۔

''اچھا۔ میں چلتی ہوں۔ نیچے دیکھتی ہوں کیا ہو رہا ہے۔'' وہ چادر سر پر جما کر کھڑی ہونے لگی۔

''ارے۔ روشی چائے لینے گئی ہے۔ کچھ نہیں ہوگا پانچ دس منٹ میں۔''

ان کے انداز میں ''افسرانہ پن'' عود کر آ گیا تھا لاشعوری طور پر۔ ہاتھ ہلانے کے انداز سے واقعی یوں محسوس ہو جیسے وہ کسی ماتحت سے مخاطب ہوں۔

وہ بیٹھ تو گئی۔ پر یوں لگا جیسے اس کی خود اعتمادی جواب دے رہی ہو۔

''ماموں! مجھے تو آپ کے گھر میں کام کرنا بہت اچھا لگ رہا ہے۔ مجھے یقین ہے جب آپ ہمارے ہاں یعنی ہری پور آئیں گے تو آپ کو بھی اچھا لگے گا۔ حویلی میں تو اس قدر نوکر ہیں کہ زندگی کا مزا ہی نہیں۔ بعض اوقات تو دل چاہتا ہے کہ کلو اور روشی کی طرح مل مل کر پتیلیاں مانجھوں۔''

ماہین جو غم اور پریشانی کی ملی جلی کیفیت میں مبتلا تھی بے اختیار مُسکرا دی۔

حالانکہ دُکھ سے چور چور اعصاب کب سے اسے یقین دلا رہے تھے کہ اب وہ مدتوں نہ مُسکرا سکے گی۔

''روزانہ مانجھنا پڑ گئیں تو پتا چل جائے گا۔'' اس نے بھانجی کو حقیقت کا چہرہ دکھایا۔

''مانجھ لیں گے۔ بندہ اندر سے خوش ہو تو خود بخود اسٹیمنا پیدا ہوتا ہے۔ کیوں پتا؟''

''شاید۔'' وہ دلچسپی سے روشی کو دیکھنے لگے۔

ماہین چائے پینے لگی تھی۔ اور روشی نے استری کا پلگ پھر سے لگا دیا تھا۔

....

حیران پریشان ہونا تو اس نے مدتوں سے چھوڑ رکھا تھا۔ فی الحال تو بس ایک کوفت کا عالم تھا۔ وہ صبح پانچ بجے کے قریب یہاں پہنچا تھا۔ تیمور علی خاں ایک اذیت اور ناگواری کے مرحلے سے گزر رہے تھے۔ اسے دیکھ کر طمانیت بھرا سانس انہوں نے لیا تھا۔

''پریشان مت ہونا۔ زیادہ دنوں کی بات نہیں۔ دو تین دن ہی میں دماغ درست ہو جائیں گے۔ تمہیں بس اتنا خیال رکھنا ہے کہ یہ بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔ جو سامان تمہیں لانے کو کہا تھا، لے آئے؟''

وہ بابر کے ساتھ آئے ہوئے سرائے کے ملازم سے مخاطب ہوئے۔

''یہ ایر ٹائٹ ڈبوں میں جو کھانا ہے، یہ صرف تمہارے لیے ہے۔ یہ کچے کیلے ہیں۔ وہ کھانا مانگے تو یہ کیلے دینا۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ پینے کے لیے پانی مانگے تو تھوڑا سا گرم کر کے دینا۔ ٹھنڈے پانی کا قطرہ بھی اس کے حلق میں نہیں جانا چاہیے۔ کل پرسوں تک ٹھیک ہو جائے گی۔ پھر حویلی ساتھ ہی لے جانا۔ اور زیادہ ہی ڈھیٹ نکلی تو ہم تمہیں جلد بھجوا دیں گے۔ تین چار دن میں گلباز کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔ یا سنبھل جائے گی۔ اچھا خدا حافظ۔''

وہ اپنی سُنا کر اس کی کچھ سُنے بغیر بڑی عجلت میں اپنی جیپ کی طرف بڑھے۔ جبکہ ملازم کو اشارے سے ساتھ کھڑی گاڑی کی سمت متوجہ کیا۔

''یہ گاڑی بابر کے لیے رہنے دو۔ کوئی ضرورت پیش آ سکتی ہے ورنہ جب یہ واپس آئے گا تو ساتھ لے آئے گا۔ تم

جیپ ڈرائیو کرو۔ تھکن سے جوڑ جوڑ دُکھ رہا ہے۔''

''وہ ہال کمرے میں ہے۔ باہر سے دروازہ چیک کر کے تم بھی آرام کر لو۔ تھک گئے ہو گے۔ ساری رات ہو گئی ہے۔''

تیمور علی خاں نے جیپ میں بیٹھ کر باقی ماندہ گفتگو مکمل کی۔ اور جیپ اسٹارٹ ہو گئی۔

''خدا حافظ خان!'' اُس نے ہاتھ ہلایا۔ اور چاروں طرف پھیلے ہوئے اُجاڑ بیابان علاقے کو دیکھنے لگا۔

''یا الٰہی۔ ابھی کیا کیا دیکھنا ہے اس آنکھ نے؟'' اس نے گہرا سانس اندر کھینچا اور کچھ فاصلے پر رکھے دونوں بیگ بڑھ کر اُٹھا لیے۔ تھکن اور نیند کا اس قدر غلبہ تھا کہ اسے رتی برابر دلچسپی نہیں تھی کہ ان تھیلوں میں کیا کچھ ہے؟ اس نے سے دونوں تھیلے اُٹھا کر درمیان کے کمرے میں رکھی ایک کُرسی پر ٹکا دیے۔

ساری عمارت ہی ویرانی کا نشان تھی۔ گزارے لائق بھی سامان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اب کیا فرش پر سویا جو... سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

خیر۔ اور کمرے بھی چیک کرتے ہیں۔

اوہو۔ پہلے اُس کی چیکنگ تو کر لی جائے۔ جس کے سبب کالے پانی آئے ہیں۔ خدا جانے کون ہے بے چاری... شامت آئی ہے؟

وہ ہال کمرے کی طرف آیا۔ دروازے کو بغور دیکھا جو ہلکے سے اُجالے میں واضح نہیں تھا۔ بہر حال وہ باہر سے... پھر بھی اس نے ہاتھ لگا کر اطمینان کرنا ضروری سمجھا۔

پھر وہ باقی کمرے دیکھنے لگا۔

سب سے آخری کمرے میں بالآخر اسے ایک بان سے بُنا ہوا پلنگ نظر آ گیا۔ سرہانے تکیہ اور پائنتی پر ایک ... رکھا ہوا تھا۔

اس نے پلنگ پر بیٹھ کر تکیے پر ہاتھ پھیرا اور سوچنے لگا کہ یہ تکیہ استعمال کر لیا جائے یا نہیں۔

پھر شاید دل مانا نہیں۔ اس نے تکیہ ایک طرف ہٹا کر کھیس تہ کر کے سر کے نیچے رکھ لیا اور دراز ہو گیا۔ تھکا ہوا جسم... تھا۔ چند لمحوں میں غافل ہو گیا۔

عام دنوں میں اس کی نیند کا دورانیہ پانچ ساڑھے پانچ گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ مگر آج آنکھ کھلی تو احساس ہوا وہ معمول سے زیادہ سویا ہے۔ وہ ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ پہلا خیال یہ آیا۔ وہ قیدی لڑکی رات سے اب تک بھوکی ہے۔ یہ خیال آتے ہی اس نے پاؤں میں اپنی پشاوری چپل پھنسائی اور تیزی سے ہال کمرے کی طرف آیا۔

زنگ آلود کُنڈی بڑی محنت سے کھلی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اچھا خاصا دن چڑھ چکا تھا مگر کمرے میں کہیں سے آتی دکھائی نہیں دی۔ نیم تاریک سا ماحول تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

بمشکل اسے آخری سرے پر بچھا تخت نظر آیا۔ اور اس تخت پر ایک وجود۔ سفید دودھیا ہاتھ اور پاؤں نیم تاریک ماحول میں چمک کر جیسے اس کی رہنمائی کر رہے تھے۔ اسے محسوس ہوا جیسے تخت پر موجود وجود ساکت ہے۔ یہ خیال نہایت ہی پریشان کُن تھا۔ وہ بجلی کی تیزی سے تخت کے قریب پہنچا تھا۔

''لڑکی! اُٹھو۔'' اُس نے آواز دی۔

جواب میں بدستور خاموشی چھائی رہی۔

''اُٹھو لڑکی۔ دوپہر ہو چلی ہے۔ کچھ کھا پی لو''

ہنوز خاموشی تھی۔

اب آنکھیں تخت پر لیٹے وجود کو واضح دیکھنے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔ لڑکی کروٹ کے بل لیٹی ہوئی تھی۔ پاؤں بھی سمٹے ہوئے تھے۔ باری کی طرف اس کی پُشت تھی۔

اس نے آہستگی سے اس کا کاندھا چھوا۔ ''اُٹھو بھئی۔''

جسم میں اب بھی کوئی حرکت نہیں ہوئی۔

اب تشویش پیدا ہونا لازمی امر تھا۔ اس نے اس کا بازو سختی سے پکڑ کر اپنی طرف موڑا۔ وہ مٹی کے بُت کی طرح لڑھک گئی۔ سفید و صبیح چہرہ اب اس کے سامنے تھا۔ مگر وہ ملگجے سے ماحول میں پہچان نہیں سکا۔

ایک لمحے کو تو وہ ساکت سا کھڑا رہ گیا۔

پھر فوراً ہی سر جھٹک کر دیواروں پر نظریں دوڑانے لگا۔ بڑے بڑے دریچے دو طرف موجود تھے۔ اس نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر دونوں دریچے کھول ڈالے۔ دریچے کھلتے ہی کمرا روشن ہو گیا۔ وہ پلٹ کر لڑکی کی طرف آیا۔ اور بُری طرح چونک پڑا۔

''جھومر بھابی!''

دو اتنی بُری طرح چکرایا تھا کہ فوراً خود پر قابو نہ پا سکا۔ سر تھام کر رہ گیا۔ پھر جیسے کسی خیال سے چونک پڑا۔ اور اس کی کلائی تھام کر نبض ٹٹولی۔ جو گھبراہٹ میں رُکی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے بے ساختہ اس کے دل کی جگہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

ایک گونہ سکون اس نے محسوس کیا۔ دل دھڑک رہا تھا۔ وہ تیزی سے باہر آیا۔ اور پانی تلاش کیا۔ باہر دالان میں ہینڈ پمپ تو نظر آ گیا مگر آس پاس کوئی برتن دکھائی نہیں دیا۔ اب کچن تک رسائی ضروری تھی۔ وہ سامنے نظر آنے والے دروازوں کی سمت بڑھا۔ ان میں سے ایک کچن کا دروازہ تھا۔ کچن کیا تھا ایک نظر میں تو بھاڑ ہی محسوس ہوا۔ چولہے سے راکھ نکل کر دروازے تک آ رہی تھی۔

دیواریں اور چھت دھوئیں سے اٹی ہوئی تھی۔ چند ''قدیم'' قسم کے برتن ادھر اُدھر لڑھکے ہوئے تھے۔ بڑی سی چنگیر میں بجائے روٹیوں کے کوئلے رکھے تھے۔ ایک طرف جھاڑ تو دوسری طرف لکڑیوں کا گٹھڑ۔ اس نے زمین پر سے ایک بے ہنگم قسم کا گلاس اُٹھایا۔ اور ہینڈ پمپ کی طرف آیا۔

جلدی سے گلاس دھویا، پانی بھرا اور جھومر کے پاس آ گیا۔

پانی کے چھینٹے مارے۔ ہتھیلیاں سہلائیں۔ تلوے رگڑے۔ جو جتن کر سکتا تھا، کیے مگر اسے ہوش نہیں آ رہا تھا۔

سہ بارہ پانی کے چھینٹے مارے۔

بے بسی کے احساس نے اس کے اعصاب شل کر دیے تھے۔

اس نے اس کی ناک کے آگے ہتھیلی کر کے سانس کی رفتار چیک کی جو بہت کم محسوس ہوئی۔ ایسی صورت میں

سانس روکنے کا عمل کرنا خطرناک تھا۔ اس نے گلاس کا سارا پانی اس کے چہرے پر ڈال دیا۔ ''یا اللہ میرے

کہیں ''قتل'' ہی گلے نہ پڑ جائے۔'' اس نے حالتِ بے بسی میں دعا کی۔ اور دوبارہ گلاس بھرنے ہینڈ پمپ کی طرف

جس تیزی سے آیا تھا اُسی تیزی سے واپس ہوا۔

دوبارہ چھینٹے مارے۔ اب اس نے بزرگوں کا ٹوٹکہ آزمایا۔ پاؤں سے چپل اُتار کر بے چاری کی ناک سے

کچھ نہ ہوا کہ سانس کا عمل ہی بے حدست تھا۔ وائے افسوس وہ اب بھی ٹس سے مس نہ ہوئی۔

پھر پانی اس کے چہرے پر پھینک دیا۔ اور آخری چارے کے طور پر مصنوعی سانس دینے کی تدبیر آزمانا چاہی،

اس کا دل گوارا نہیں کر رہا تھا۔ مگر حویلی کے بااختیاروں نے اُسے قطعی فیصلہ پر جیسے مجبور کر دیا۔

اسے یقین تھا اگر یہ مر بھی گئی تو اسے بچا لیا جائے گا۔ مگر بچنے کے باوجود معنی خیز نظروں کا سامنا آسان بات

کے الزام کے ساتھ زندہ رہنا تو پھانسی سے بھی بڑی سزا ہے۔ وہ بھی اُس شخص کے لیے جس نے کسی کے رخسار پر

ہو۔

وہ دونوں ہاتھ تخت پر جما کر اس کے چہرے پر جھک گیا۔

اسی لمحے جھومر نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

اور باری کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اُسے کند چھری سے ذبح کر دیا ہو۔ وہ ایک دم پورے قد سے کھڑا ہو

پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ پہلا لفظ کیا بولے۔ کس طرح بتائے کہ وہ ایک

مدد کر رہا تھا۔ جھومر چند لمحے حیران پریشان آنکھیں پٹپٹا کر اسے دیکھتی رہی۔ پھر ایک دم اُٹھ بیٹھی۔

سے اُتر کر کھڑی ہو گئی۔ چہرے پر بھوک نے عجیب سی پیلاہٹ بکھیر دی تھی۔ ہونٹوں پہ پیاس نے پپڑیاں جما دی

آنکھوں میں حقارت کے جذبے نے بڑی قوت بھر دی تھی۔ اس نے فرش پر تھوک دیا اور دوسرے ہی لمحے

دبوچ لیا۔

''ظفری کی بیوی نہیں ہوں۔ داشتہ ہوں۔

وہ کیسے؟ وہ ایسے کہ وہ نارمل نہیں ہے۔ اس پر شریعت کے کسی رُکن کی پابندی کا اطلاق نہیں۔ جس کا مواخذہ نہ

کی پوچھ نہیں۔ کسی بھی عبادت کا حساب نہیں۔

پھر اس کا نکاح کیسے ہو سکتا ہے؟

اور جب نکاح ہی نہیں ہوا تو کون بیوی، کیسی بیوی؟ تم بھی موقع سے فائدہ اُٹھاؤ خان۔ اس بھوکی پیاسی، مجبور لڑکی پر اس

وقت تمہیں بڑی قدرت حاصل ہے۔''

باری نے ایک اذیت کی تیز دھار تلوار اپنے وجود پر چلتی محسوس کی۔ اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے چہرہ پھیر لیا۔

''بھابی! آپ پہلے میری بات تو سُنیں۔'' اس نے اپنا گریبان چھڑاتے ہوئے جیسے درخواست کی۔

''خبردار جو مجھے بھابی کہا۔ یہ نکاحی رشتے ہیں۔ بغیر نکاح کے کوئی لڑکی کسی کی بھابی نہیں ہوتی۔

اور تم بھی اپنی بھابی کی ہی تو عزت افزائی کر رہے تھے۔''

''خاموش ہو جائیں پلیز۔ آپ کو پہلے میری بات سُن لینا چاہیے۔'' اس کی آواز میں صدمے اور احساس توہین کا واضح

اثر تھا۔

''کوئی بات نہیں سُنتا مجھے۔ سُنا تم نے۔ تم حویلی کے کارندے ہو ان سب سے مختلف کیسے ہو سکتے ہو۔'' بولتے بولتے

جھومر کو چکر آ گیا۔ اس نے جھک کر تخت تھام لیا۔

''آپ بے ہوش تھیں؟''

''اور تم اس بے ہوشی کا ہی تو فائدہ اُٹھا رہے تھے۔'' جھومر نے بھڑک کر اس کی بات کاٹ دی۔ باری نے بہت عجیب سی

زندگی گزاری تھی۔ اور اس پر جوانی بھی ٹوٹ کر آئی تھی۔ لڑکیوں کے ساتھ ہنسی مذاق بھی چلتے رہتے تھے۔ مگر اس طرح کی

بات کی نوبت بھی آ سکتی ہے، یہ اس کے سان و گمان میں نہ تھا۔ اسے اپنی قوت برداشت پر بڑا ناز تھا۔ مگر جی چاہ رہا تھا کہ

اسی وقت اس بے وقعت سی لڑکی کا گلا دبا دے۔

''مجھے سطحی پیمانوں سے مت ناپیے۔ گھن آ رہی ہے مجھے آپ سے۔ آپ میری بات سُنے بغیر مجھے اس طرح ذلیل

کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتیں۔

آپ کو معلوم ہے، آپ کتنے گھنٹوں سے غشی یا بے ہوشی کے عالم میں تھیں۔ اور یہ کہ اس وقت کیا بجا ہے دفتروں

میں لوگ آدھا کام نمٹا کر لنچ کر رہے ہوں گے۔ میں صبح پانچ بجے سے یہاں ہوں۔ اور آپ گھنٹوں سے بے خبر۔

شرم آ رہی ہے مجھے آپ سے یہ بات کہتے ہوئے۔ کہ اُس وقت آپ بے ہوش تھیں۔ اب تو ہوش میں ہیں۔ شادی

شدہ تھیں۔ لے لیجیے اپنا جائزہ اور دیکھ لیجیے آپ کے ساتھ کیا کیا کچھ ہوا۔ آپ کا گواہ آپ سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے۔ اب

کہیے کہ آپ نے اپنے الفاظ واپس لے لیے۔'' اس کی نظروں سے خون چھلکنے لگا۔

''کیوں لوں میں اپنے الفاظ واپس۔ ہوا نہیں تو کیا ہوا۔ ہو سکتا تھا۔ وہ تو اللہ نے مجھے بچا لیا۔'' جھومر کے لہجے میں

نفرت کا زہر گھلا ہوا تھا۔

''آپ میں اگر سُوجھ بوجھ کی کمی نہ ہوتی تو آپ یہاں قید کیوں کی جاتیں؟ کی ہو گی کوئی بڑی حماقت بڑے خانوں

سے۔

آپ کی سانس بہت کم ہو چکی تھی۔ اور میں اس حویلی میں جادو کے زور پر کوئی آکسیجن سلنڈر پیدا نہیں کر سکتا۔ جس

طرح مجبوری میں مردار بھی حلال ہو جاتا ہے۔ کچھ اسی طرح کا عمل تھا۔ اب آپ یقین کریں یا نہ کریں مجھے
نہیں۔

باہر دو تھیلوں میں کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ آپ استعمال کر سکتی ہیں۔ حالانکہ مجھے ہدایت ہے کہ آپ
گھنٹے تک کچھ کھانے کو نہ دیا جائے۔ ویسے آپ نہ کھائیں تو بہتر ہے۔

شاید اس طرح آپ واقعی مر جائیں۔ یوں بھی ایسی زندگی کا کوئی فائدہ تو نہیں۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ
بچانے کی کوشش کیوں کی؟ میں نے اس سے زیادہ بدصورت چہرہ آج تک نہیں دیکھا۔''

جھومر دونوں ہاتھوں کو تخت پر ٹکائے بمشکل بیٹھی ہوئی تھی۔ مسلسل فاقوں کا اثر تھا کہ اسے اب پھر چکر آ رہے
اس وقت تو جذباتی قوت نے جیسے اُٹھا دیا تھا۔ مگر نقاہت کے سبب یہ کیفیت زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی تھی۔

اس نے تخت پر رکھا گلاس اُٹھا کر اندر جھانکا۔ بہت تھوڑا سا پانی تھا۔ اس نے بے تابی سے گلاس منہ سے
میں انڈیلا۔

عجیب سے ذائقہ والا۔ نمکین سا پانی۔ مگر اسے یوں لگا جیسے بہشتی مشروب ہو۔

پانی حلق میں پڑتے ہی جیسے کسی برقی قوت نے اندر اپنا کام شروع کر دیا۔ وہ کچھ دیر اسی طرح جھکے جھکے
سانس لیتی رہی۔ پھر گردن موڑ کر دروازے کی سمت دیکھنے لگی جیسے یقین نہ آ رہا ہو کہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔

پھر آہستہ سے اُٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی باہر آ گئی۔ باہر آتے ہی چڑھی دھوپ کا اندازہ ہوا
دونوں سرے پوری طرح روشنی سے روشن تھے۔

اس نے کچھ دیر سوچا پھر دالان کی سمت کا راستہ اختیار کیا۔

باہر آ کر سب سے پہلے اس کی نظر ہینڈ پمپ پر پڑی۔ وہ سیدھی وہیں آئی۔ اور پمپ چلا کر ایک ہاتھ سے
چھینٹے ڈالنے لگی۔ ٹھنڈے پانی کے احساس نے سارے وجود کو تقویت پہنچانا شروع کر دی۔ وہ مسلسل منہ پر پانی
نہ جانے ایک دم کیا ہوا۔ پمپ سے پیشانی ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ جتنا رو سکتی تھی روئی حتیٰ کہ
گئی۔

کافی دیر سسکیاں لیتی رہی۔ پھر دوبارہ چہرے پر پانی ڈالنا شروع کر دیا۔

اور بعد میں دوپٹے سے چہرہ پونچھا۔ اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ جیسے اُٹھنے میں بڑی دقت
اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے وہ واپس چل پڑی۔ راہداری سے گزرتے ہوئے درمیان کے کمرے میں
بیگ اسے دکھائی دیے۔ کانوں میں باری کے الفاظ گونجے۔ وہ جیسے نئے سرے سے زندہ ہو گئی۔ بیگ کی
قدموں میں خاصی تیزی آ گئی۔ اس نے بیگ کھول کر اشیاء دیکھنا شروع کیں۔

بسکٹ کے پیکٹ، چپس، فریش ویل ایئر ٹائٹ ڈبوں میں کھانا۔ ڈبل روٹی کے پیکٹ۔ جیلی اور مارملیڈ کی
اور جانے کیا کیا۔ وہ تو جیسے ایک دم حواس باختہ ہو گئی۔

یہ سب تیمور خان نے اس کے لیے بھجوایا ہے؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔
یقیناً یہ باری اپنے ساتھ لایا ہوگا۔ اسے بہت اچھا رہنے کی عادت ہے۔ ظاہر ہے انتظام سے آیا ہے۔
اس نے ڈبل روٹی نکال کر انگلی سے جیلی لگا کر جلدی جلدی منہ میں ٹھونسی۔ جیسے چھین لیے جانے کا خطرہ ہو۔
بھوکے اور خالی پیٹ میں خوراک کیا پڑی جیسے آنکھوں میں روشنی آ گئی۔ اس نے چپس کا پیکٹ دوپٹے میں رکھا اور
کمرے سے باہر آ گئی۔
باری ابھی بھی کہیں دکھائی نہیں دیا۔
وہ ہال کمرے میں جانے کے بجائے راہداری میں سیدھی چلی گئی۔ ننگے پاؤں تھی۔ اس لیے چال بے آواز تھی۔ بیرونی
احاطے میں بھی وہ نظر نہیں آیا۔ جہاں زمانے بھر کے جھاڑ جھنکار اُگے ہوئے تھے۔
اچانک اس کی نظر لکڑی کے طویل و عریض پھاٹک پر پڑی۔ جس کا درمیانی کھڑکی نما راستہ کھلا ہوا تھا۔ یعنی پٹ نیم وا
تھا۔ اس کے اندر نہ جانے توانائی کا خزانہ محسوس کیا۔ ایک نظر اپنے ننگے پیروں پر ڈالی اور احتیاط سے اِدھر اُدھر دیکھتی پھاٹک
تک آئی۔ اس سے قبل کہ کھڑکی نما دروازے سے باہر قدم رکھتی۔ اُس کا بازو آہنی شکنجے میں تھا۔ اس کے منہ سے بے اختیار چیخ
نکل گئی۔

''تشریف لے چلیے اندر۔ اور آئندہ اس قسم کی کوئی بہادری دکھانے کی کوشش کی تو نتیجے کی ذمہ دار آپ خود ہوں گی۔''
باری نے اُسے کھینچ کر اندر کیا اور زوردار آواز سے ذیلی دروازہ بند کیا۔
''شاید مجھے آپ سے ہمدردی ہو جاتی۔ مگر اب نہیں ہو سکتی۔ کوشش کیجیے گا جب تک میں یہاں ہوں، آپ میرے
سامنے نہ آئیں۔''

اس نے دروازے میں تالا ڈالتے ہوئے بیزاری سے کہا۔
''اپنے اُلٹے ہاتھ کی طرف دیکھیے۔ یہ کتے بندھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ انہیں کھلا رہنے کا حکم ہے۔ اب میرا اور آپ کا
سامنا نہیں ہونا چاہیے۔''

وہ چابیاں اپنی مٹھی میں دبوچتا اس سے پہلے آگے بڑھ گیا۔ وہ کار کی اوٹ سے اُسے جاتا دیکھتی رہی۔
اسے بننے کی ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے۔ کیا میں نے اس کی اصلیت دیکھی نہیں۔ اس کے لہو میں انگارے ناچنے
لگے۔ ہونہہ۔

اگر قدرت نے مجھے موقع دیا۔ پہلی فرصت میں اس کے منہ سے نقاب نوچوں گی۔
ہال کمرے میں تو جیسے وحشت سی ہونے لگی تھی۔ وہ دوبارہ دالان میں آ گئی۔ پھر کچھ سوچ کر کچن میں چلی آئی۔
ہوؤں کی کارگزاری دیکھ کر تو جیسے اس کی وحشت اور بڑھ گئی۔ اس نے نیچے پڑے ہوئے برتن سمیٹے اور ہینڈ پمپ کی
طرف آئی۔ اور ایک برتن میں مٹی لے کر برتن رگڑنے لگی۔
اچانک اس کا ذہن ماحول کی طرف متوجہ ہو گیا۔ بھری دوپہر کا عالم تھا۔ اس پر سے برگد اور کیکر کے درختوں پر بیٹھے

کوؤں کی کائیں کائیں نے بیابان اور سناٹے میں عجیب قسم کی ناگواری سمو دی تھی۔

تنہائی اور بیابانی کا اتنا گہرا تاثر تھا کہ چند لمحوں کے لیے اس کے ہاتھوں کی گرفت خود بخود رُک گئی۔ وہ خوفزدہ ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

پھر اسے ایک دم باری کا خیال آیا۔ دھڑکن پھر سے رواں ہو گئی۔ وہ دوبارہ برتن رگڑنے لگی۔

مگر وہ تو لُٹیرا ہے شاید۔ وہ کیا میرا تحفظ کرے گا۔ اس سے تو لاکھ درجے اچھا وہ بڈھا گلبار تھا۔ تیمور علی ٹھیک کہہ رہے تھے۔ بہت ہی کوری پرکھ ہے خان کی۔ وہ تلخی سے مسکرائی۔

اچانک اس کی پیٹھ پر ایک چھوٹا سا پتھر لگا۔ برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دُور جا پڑا۔

وہ خوفزدہ ہو کر کھڑی ہو گئی اور چاروں طرف دیکھنے لگی۔ مگر کوئی دکھائی نہیں دیا۔ وہ سہمے ہوئے انداز میں دوبارہ بیٹھی۔ ابھی برتن اُٹھانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ پھر ایک کنکری اس کی پشت پر پڑی۔ اس نے تیزی سے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ پرانی اینٹوں کی دیوار کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیا۔ وہ خاصی دیر اسی طرف چہرہ کر کے دیوار کو گھورتی رہی مگر کچھ نہ ہوا۔ بالآخر بیٹھ گئی، مگر ذہن بہت اُلجھ گیا تھا۔

باری کو تو اس نے خود آخری کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اگر وہ باہر آتا تو سامنے سے آتا۔ حملہ پیچھے سے ہو رہا ہے۔ وہ گم صم سی بیٹھی سوچنے لگی۔ پھر ایک نرم سی چیز دھپ سے اُس کی کمر سے ٹکرائی۔

اس نے مڑ کر کمر سے لگنے والی چیز کو دیکھا۔ سیاہ رنگ کا بلی کا مردہ بچہ تھا جس کی سبز آنکھیں باہر کو اُبلی ہوئی تھیں۔ اس کی چیخ نکل گئی۔ وہ بھاگتی ہوئی اس کمرے کی طرف آئی جہاں باری کو داخل ہوتے دیکھا تھا۔

باری ایک موٹی سی کتاب چہرے کے سامنے کیے لیٹا ہوا تھا۔

''باری۔ پتا نہیں کون مجھے بہت دیر سے تنگ کر رہا ہے۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''تو آپ سے کس نے کہا ہے آپ حویلی میں چہل قدمی کریں۔ جا کر لیٹیے اپنے تختِ طاؤس پر۔'' اس نے چہرے کے سامنے سے کتاب ہٹائے بغیر تلخی سے جواب دیا۔

''وہ جو کوئی بھی ہے تمہیں بھی پریشان کر سکتا ہے۔'' وہ بگڑ گئی۔

''مائی فٹ!'' وہ بڑبڑایا اور خواہ مخواہ ہی صفحہ پلٹ دیا۔

''جائیے آپ، یہاں سے۔ فی الحال آپ نہیں مریں گی۔ اطمینان رکھیے۔''

وہ ہونٹ کاٹتی واپس ہینڈ پمپ کی طرف آ گئی۔ اس کی آواز سُن کر کم از کم دُوسراہٹ کا احساس تو ہو گیا تھا اور کچھ دیر پہلے والا خوف معدوم ہو گیا تھا۔ اُس نے دُور پڑا برتن اُٹھایا اور رُخ تبدیل کر کے مانجھنے لگی۔ اب حملے کے مقام کی طرف اس کا چہرہ تھا۔ اب وہ برتن کی طرف کم اور دیوار کی طرف زیادہ متوجہ تھی۔

....

سوئم سے اگلے دن صبح کی فلائٹ سے ہی اُنہوں نے واپسی کا سفر اختیار کر لیا تھا۔ جبکہ روشی ابھی کچھ دن اور یہاں

رُکنا چاہتی تھی۔ مگر یاور علی خاں کی کچھ منصبی مجبوریاں تھیں جو وہ زیادہ دیر وہاں رُک نہیں سکتے تھے۔

روشی نے دبی زبان سے اُن کے حضور درخواست بھی پیش کی تھی کہ وہ اسے کچھ دن خالہ کے پاس رہنے کی اجازت دے دیں۔ جس کا جواب اتنا نپا تلا آیا تھا کہ آگے بولنے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

''کیا اُس وقت یہاں کے سوگوار ماحول سے تمہیں کیا حاصل ہو گا؟ نہ تم یہاں آ جا سکتی ہو۔ اور نہ ہی سیر و تفریح کرنا زیب دیتا ہے۔ تمہاری یہ چھٹیاں تمہیں خوشی کے بجائے نقصان کا احساس دیں گی۔ اس سے بہتر ہے کہ تم تعلیمی پروگریس بہتر کرو۔ اگلی بار موسمِ سرما کا کچھ سخت وقت ہم کراچی میں گزاریں گے۔''

''اگلی بار میں اندازاً کتنا وقت ہو گا۔ میرا مطلب ہے پپا۔ ہماری طرف تو تین مہینے زبردست سردی ہوتی ہے۔ یہ جتنے لوگ کراچی سے جاتے ہیں۔ یہ تو یہی کہتے ہیں۔''

''ابھی وقت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔'' اُنہوں نے اپنے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔ تو اگلے سوال کی گنجائش ہی ختم ہو گئی تھی۔

پتا نہیں۔ پپا کی آنکھیں۔ بعض اوقات اتنی زیادہ ریڈ (سرخ) کیوں فیل ہوتی ہیں۔ ان کے سرد مہر تاثرات سے اس کا چھوٹا سا دل دھک سے رہ جاتا تھا۔

جیپ اور ڈرائیور ایئرپورٹ پر انہیں منتظر ملے تھے۔

جس وقت گھر میں داخل ہوئے تو دوپہر ڈھلان کے مرحلے میں آ چکی تھی۔ روشی کو سخت بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ یاور علی خاں اپنے بیڈروم کی طرف تو روشی سیدھی کچن میں پہنچی تھی۔

''کوئی اچھی چیز ہے کھانے کی۔ مزے دار سی۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔ پلین میں تو بس کھانے کی ڈریسنگ ہی ڈریسنگ ہوتی ہے۔ ٹیسٹ تو ذرا نہیں ہوتا۔'' وہ ہاتھ دھو کر کرسی کی طرف بڑھی۔

''آپ کو دو منٹ انتظار کرنا ہو گا بے بی۔ میں بڑے سرکار کو یہ چائے پہنچا دوں۔'' خانساماں نے مؤدبانہ درخواست کی۔ اور ٹرالی کی سمت اشارہ کیا۔

''مگر تم پہلے کھانے والے کا تو پوچھو پپا سے۔ بعد میں چائے دینا۔''

''میں سر کی بات نہیں کر رہا ہوں بے بی۔ اُن کے والد صاحب کی بات کر رہا ہوں۔'' خانساماں نے وضاحت کی۔

روشی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ''با--- بابا صاحب!!!''

☆......☆......☆......☆......☆......☆

''کب آئے؟'' اُس کی تو بھوک ہی اُڑ گئی۔

''صبح نو بجے آئے تھے۔'' خانساماں نے جواب دیا۔

''اُنہوں نے ہمارے بارے میں پوچھا ہوگا، پھر تم نے کیا جواب دیا؟'' روشی بہت پریشان سی ہوگئی۔

''سر ہمیں کہہ کر گئے تھے کہ کوئی بھی پوچھے تو کہنا پشاور گئے ہیں ضروری کام سے۔'' خانساماں نے ادب سے جو...

روشی نے سکون کا سانس لیا۔ ''اچھا!''

''مگر باری کو کیسے پتا چلا کہ ہم کراچی میں ہیں؟'' وہ یہ سوچ کر نئے سرے سے پریشان ہوئی۔

''ہمارے جانے کے بعد باری کا فون آیا تھا کیا؟'' اُس نے الجھے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

''باری؟'' خانساماں سوالیہ انداز میں اُس کی شکل دیکھنے لگا۔

''بھئی باری --- باری کو نہیں جانتے۔ ہر وقت تو ٹیلی فون کی تاروں میں دوڑتا رہتا ہے۔'' وہ جھلا کر بولی۔

''جی!'' خانساماں کچھ پریشان سا دِکھائی دیا۔

''میرا سر، اچھا چلو، تم بابا صاحب کو چائے دے کر میرا کھانا تیار کرو۔ میں پپا کے کمرے میں ہوں۔''

وہ کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

...خانساماں اپنے کام کے مقام کی طرف بڑھ گیا۔

...بڑی تیزی سے یاور علی خاں کے بیڈروم کی سمت آئی اور دروازے پر دستک دی۔

''یس!'' یاور علی خان کی بھاری آواز سنائی دی۔

وہ جلدی سے دروازہ دھکیل کر اندر آ گئی۔

''پپا! آپ کو کچھ پتا ہے، بابا صاحب آئے ہوئے ہیں، اگر وہ آپ کو کچھ کہیں تو کہہ دیجیے گا، کہ روشی نے ضد کی تھی، مگر پہلے معلوم کر لیجیے گا، اُنہیں ہمارے کراچی جانے کا پتا بھی ہے یا نہیں، ہو سکتا ہے اُنہیں پتا ہی نہ ہو اور پپا! مگر یہ بات بھی تو قابلِ غور ہے کہ باری کو کیسے پتا چلا کہ ہم کراچی گئے ہوئے ہیں۔ اُس نے مجھے وہاں فون کیا تھا۔ صرف یہی نہیں کہ اسے پتا ہے، بلکہ ہم لوگوں کو بھی پتا ہے، اُنہیں کیسے پتا چلا؟ بلکہ اُنہیں تو یہ بھی پتا ہے کہ نانا جان کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔ اُنہیں کس نے خبر دی! حیرت کی بات ہے۔ یہ تو بڑا کانفیڈنشل ٹرپ تھا اور ہاں---!''

یاور علی خاں نے ہاتھ اُٹھا کر اسے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ اُسے جیسے بریک لگ گئے۔

''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اِٹ اِز مائی اون ہیڈک---'' وہ غالباً غسل کے ارادے سے وارڈ روب سے کپڑے نکال رہے تھے۔

''مگر پپا! بابا صاحب---!''

''میں نے کہا ناں، کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ جب مسائل حل کرنے کے لیے والدین موجود ہوں تو بچوں کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔'' اُنہوں نے نرمی سے اُسے سمجھایا۔

''تھینکس، مگر آپ والدین نہ کہا کریں۔ صرف والد ہی کہا کریں مجھے رونا آ جاتا ہے۔ ہمیں کیا پتا، والدہ کیا ہوتی ہے؟'' اُس نے روہانسی آواز میں کہا اور باہر آ گئی۔

اس کا رُخ پھر کچن کی جانب تھا، مگر اس مرتبہ چال میں وہ پہلا سا ذوق و شوق نہیں جھلک رہا تھا۔

....

مغرب کا وقت ہو رہا تھا اور وہ بھاڑ نما باورچی خانے میں لالٹین جلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جھومر کی دلدوز چیخ پر لالٹین کی چمنی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کرچی کرچی ہوگئی۔

وہ تیزی سے اپنے رہائشی کمرے کی طرف آیا جہاں گلباز کی طاقت ور ٹارچ رکھی ہوئی تھی۔ ٹارچ اُٹھا کر وہ ہال کمرے میں ایک منٹ کی تاخیر کیے بغیر پہنچا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی کمرے میں چاروں طرف پھینکی۔ جھومر وہاں موجود نہیں تھی۔ معاً اس نے محسوس کیا، کتوں کے بھونکنے میں کوئی خاص بات ہے۔ اس کا ماتھا ٹھنکا، وہ بیرونی احاطے کی طرف لپکا، مگر راہداری ہی میں اُسے رُکنا پڑا۔

جھومر چاروں شانے چت عین درمیان میں بے ہوش پڑی تھی۔

جان جلی کر خاک ہوگئی، پھر بے ہوش--- وہ اس کے نزدیک فرش پر بیٹھ گیا۔

چیخی کیوں تھی اور بے ہوش کیوں ہوئی؟ اب یہ سوال ذہن میں گردش کر رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ ٹارچ کی ر…
کر جائزہ بھی لے رہا تھا۔ مگر بظاہر کوئی وجہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

اُس نے بادل نخواستہ اس کی نبض چیک کی اور جیسے بجلی کے ننگے تاروں کو چھو لیا۔

اُس کی کلائی سے خون رس رہا تھا۔ اُس نے کلائی پر روشنی پھینکی۔ کلائی خون سے سرخ تھی۔

خودکشی! یہی خیال اُس کے ذہن میں آیا اور اس کے ساتھ ہی پچھلا ایک ایک واقعہ اس کے ذہن میں گھوم…

اُس نے ٹارچ ایک طرف رکھ کر اسے اپنے بازوؤں میں اُٹھا لیا۔ دُکھ اور ہمدردی سے اس کے دل کی عجیب…
اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔

وہ احتیاط سے اسے ہال کمرے کی طرف لایا اور تخت پر لٹا دیا۔ اور دریچوں سے جھانکتے ہلکے سے اجالے میں…
پر اپنا رومال باندھ دیا۔

قدرے مایوسی اور افسوس کی حالت میں پانی لینے اندرونی احاطے میں آیا۔ باورچی خانے سے گلاس لیا…
بہت بہتر ہو چکی تھی، جو سراسر جھومر کے زورِ بازو کا نتیجہ تھی۔

ہینڈ پمپ سے ایک جھٹکے میں گلاس بھرا، اور ہال کمرے کی طرف واپس آ گیا۔ اور اس کے منہ پر چھینٹے…
کیے اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب تھوڑی ہی دیر میں جھومر نے آنکھیں کھول دیں۔

''بڑی دبنگ بنتی ہیں، بس اتنا ہی حوصلہ ہے، جب کلائی کاٹ ہی لی تھی تو چیخ مارنے کی کیا ضرورت۔ خاموشی…
جاتیں۔ جب مرضی سے مرتے ہیں تو چیختے نہیں ہیں۔'' اس نے گلاس وہیں اس کے قریب رکھ دیا اور واپسی کے ارا…
پلٹا۔

''باری!'' جھومر نے جیسے سسکی بھری۔

''فرمائیے۔'' وہ بغیر پلٹے تڑخ کر بولا۔

''باری! میں مر رہی ہوں۔'' اُس کی آواز بھرا رہی تھی۔

''میں کیا کر سکتا ہوں، مرضی ہے آپ کی۔ ویسے بھی ایسی مصیبت بھری زندگی کا کیا فائدہ؟'' نہ جانے اتنی سنگ…
میں کہاں سے آ گئی تھی۔ اُس نے قدم بڑھا دیے۔

''باری! کیا وہ کالا کتا پاگل ہے؟'' وہ سسک رہی تھی، کراہ رہی تھی۔

''آپ سے مطلب؟'' وہ ہنوز تیکھے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''روشی ٹھیک کہتی ہے۔ حویلی کے آسیب ہو تم، انسان نہیں ہو۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

روشی کے ذکر پر اُس کے دل کو کچھ ہوا۔ اُس نے پلٹ کر روتی ہوئی جھومر کو دیکھا۔

''میں جو کچھ ہوں، اس سے آپ کو یا روشی بی بی کو کوئی دلچسپی نہیں ہونا چاہیے۔''

''باری! خون بہت بہہ رہا ہے۔'' وہ بری طرح رو رہی تھی۔

''آپ کو کلائی کی رگ کاٹنے سے پہلے معلوم نہیں تھا کہ اس طرح کی حرکت کے بعد خون بھی بہتا ہے؟'' وہ جل کر پوچھ…

''میں کاکا جان کو فون کرنے جا رہا ہوں نزدیکی قصبے میں، پھر وہ جانیں اور آپ۔''

''خدا کے لیے مجھے تنہا چھوڑ کر نہ جاؤ۔ میں نے کلائی کی رگ نہیں کاٹی ہے، کتے نے کاٹا ہے اور ایک جگہ تھوڑا ہی، دیکھو،
کتنی جگہ زخم ہیں۔'' وہ چیخ کر بولی۔

باری کو چکر سا آ گیا۔ ''او مائی گاڈ! یہ نئی مصیبت۔'' وہ راہداری سے ٹارچ اُٹھانے کے خیال سے آگے بڑھا۔

''باری۔۔۔ پلیز!''

''آ رہا ہوں، ہوش ٹھکانے رکھیے۔'' اُس کے لہجے میں خاصی تبدیلی آ گئی۔

چند لمحوں کے بعد وہ واپس آیا۔

''اور کہاں کاٹا ہے؟'' اُس نے ٹارچ کی روشنی اُس کے وجود پر ڈالی۔

جھومر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اور شلوار کا پائنچہ اوپر کیا۔ پنڈلی بھی زخمی تھی۔ اُس نے پائنچہ اور اوپر کھسکایا۔

''اچھا۔۔۔ اچھا ٹھیک ہے، اب جلدی سے اُٹھیے۔ میں گاڑی کی چابی لے کر آتا ہوں۔ یہاں تو سرخ مرچ بھی نہیں
ہے۔ عموماً کتے کے کاٹے کا فوری علاج یہی ہوتا ہے کہ زخم پر سرخ مرچ لگا دی جائے پھر زہر نہیں پھیلتا۔
آس پاس کوئی گھر بھی نہیں ہے، جلدی سے باہر آئیے، میں آ رہا ہوں۔''

''مجھ سے اُٹھا نہیں جا رہا۔ سر میں دھماکے ہو رہے ہیں۔'' اُس نے بے بسی سے سر تھام رکھا تھا۔

''مگر میں یہاں کسی ڈاکٹر کو نہیں لا سکتا۔'' اُس نے معذوری ظاہر کی۔

''مجھے تھوڑا سا سہارا دو، مجھے چکر آ رہے ہیں۔'' اس پر ابھی تک گویا خوف طاری تھا۔

''آتا ہوں ابھی۔'' اُس نے آہستگی اور قدرے نرمی سے کہا اور چابی لینے اپنے رہائشی کمرے کی طرف آیا۔ اندھیرا گہرا
ہو چکا تھا۔ وہ ٹارچ کی مدد سے اپنا کام کر رہا تھا۔ بستر سے چابی اُٹھائی پھر ہال کمرے میں واپس آ کر الٹے ہاتھ میں ٹارچ
تھام کر سیدھا ہاتھ اُس کی سمت بڑھایا۔

''اُٹھیے!''

جھومر نے اُس کی پھیلی ہوئی ہتھیلی نظرانداز کر کے اُس کا مضبوط بازو دبوچنے کے انداز میں تھام لیا اور پاؤں تخت سے
نیچے رکھ کر بمشکل کھڑی ہوئی۔ وہ لاتعلق انداز میں قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ اپنی طرف سے صرف اپنے بازو کی حد تک وہ اس کی مدد
کر رہا تھا۔ باقی سارا بوجھ جھومر پر تھا۔ اس نے تو اپنا بازو تھامنے کی اجازت بھی گویا اس طرح دی تھی، جیسے احسان سا کر رہا
ہو۔

جھومر خود کو سنبھالتے ہوئے اُس کے قدم سے قدم ملا رہی تھی۔ اُس کی سیدھی ٹانگ پر تو کئی زخم تھے، جن کی وجہ سے چلتے
ہوئے بہت تکلیف ہو رہی تھی۔

بمشکل اس کو احاطے تک لایا۔ کار کا پچھلا دروازہ کھول کر اُسے احتیاط سے بٹھایا اور دروازہ بند کر کے پھاٹک پر
گیا۔ جھومر بے دم انداز میں سیٹ پر لیٹ گئی۔

باری ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھا تو جھومر کی سسکاریاں گاڑی کے اندرونی ماحول کو ناقابلِ برداشت بنا رہی تھیں۔ اُس
نے چابی گھما کر کار کی اندرونی لائٹ آن کر دی اور گاڑی ریورس کرنا شروع کی۔

''شاید قصبے تک پہنچتے پہنچتے میں زندہ نہ رہ سکوں اور راستے ہی میں مر جاؤں۔'' جھومر کراہ کر بولی۔

''تو پھر جلدی جلدی اپنے گناہوں کی معافی مانگ لیں، مجھے آپ سے کوئی ہمدردی محسوس نہیں ہو رہی۔ میں آپ کو پہلے
ہی خبردار کر چکا تھا کہ کتنے بہت خونخوار ہیں۔'' اُس نے خاصے بے رحم لہجے میں جواب دیا۔

''تم خانوں کے کارندے ہو۔ تم میں انسانیت ہو بھی کیسے سکتی ہے۔'' جھومر نے کراہتے ہوئے جلتا ہوا تیر چھوڑا۔

باری نے نچلا ہونٹ دبا کر جیسے خود پر ضبط کیا۔ گاڑی باہر آئی تو خود بھی گاڑی سے نکل آیا۔ پھاٹک بند کیا، تالا لگایا،
چابیاں بغلی جیب میں ڈال کر واپس گاڑی تک آیا اور ایک سرسری نظر پیچھے لیٹی جھومر پر ڈالی اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر
کھٹاک سے دروازہ بند کر لیا۔

''باری!'' جھومر نے سسکاری بھری۔

''جی۔''

''ایک بات کہوں؟'' وہ جیسے بہت اذیت میں بول رہی تھی۔

''بہتر ہے نہ کہیں اور خاموش رہیں۔ بولنے سے بھی خون زیادہ بہتا ہے۔'' اُس نے تلخی سے جواب دیا۔

جھومر شاید بات کی گہرائی سمجھ گئی تھی۔ ایک دم چپ ہو گئی۔

گاڑی نہایت ویران اور اندھیرے راستوں سے گزر رہی تھی۔

....

کھانا کھا کر وہ سو گئی تھی۔ نیند بھی اس قدر ٹوٹ کر آئی تھی، جیسے کئی دنوں سے سوئی نہ ہو۔ مغرب کی اذانوں کے بعد
ملازم نے دروازے پر دستک دے کر اُسے جگایا تھا اور وہ کلاک پر نظر پڑتے ہی ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی تھی۔

اتنی دیر ہو گئی۔ بابا صاحب کیا سوچ رہے ہوں گے کہ سلام بھی کرنے نہیں آئی۔ باپ کے پاس آ کر بدل گئی۔

وہ جلدی جلدی وارڈروب سے کپڑے نکالنے لگی۔ میرون رنگ کا سادہ سوتی سوٹ نکال کر باتھ روم میں گھس گئی۔ نہانے
میں بھی زیادہ دیر نہیں لگائی۔

البتہ تراشیدہ بالوں کو سنبھالنے سکھانے میں تھوڑی دیر ضرور لگی، پھر دوپٹا اُٹھا کر باہر آ گئی۔

اندھیرا پھیل چکا تھا۔ سارے گھر کی لائٹس آن تھیں۔ ملازمین کی ملی جلی آوازیں، فون کی گھنٹیاں، مالی کے ٹی وی سے
آتی بی بی سی پروگرام کی آوازیں، ڈرائیور کی بیوی کے کوسنے جو اس کے بچوں کی شرارتوں کے ساتھ لازم و ملزوم تھے،
بیشتر اس کے کوارٹر سے نشر ہوتے رہتے تھے۔

کسی نے ان کی طرف توجہ دی تو بے ساختہ مسکرا دی اور سیدھی باپ کے بیڈ روم تک گئی اور دروازہ آہستہ سے تھپتھپایا۔

''آ جاؤ۔'' بادر علی خان کی خشک آواز آئی۔ شاید اُنہیں کسی ملازم کا گمان تھا۔ وہ اندر آ گئی۔

بادر علی خان ریموٹ ہاتھ میں لیے پورٹیبل ٹی وی پر کوئی پروگرام دیکھ رہے تھے۔ اُس پر نظر پڑتے ہی اُنہوں نے ٹی وی
بند کر دیا۔

''بیٹی! بہت سوئیں۔''

''پتہ ہی نہیں چلا۔'' وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

''میں آپ سے یہ کہنے آئی ہوں کہ میں بابا صاحب کو سلام کرنے جا رہی ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پوچھیں کراچی جانے
کے بارے میں تو کیا کہنا چاہیے مجھے۔ پتا نہیں آپ سے اُن کی کیا بات ہوئی ہو اور میں کیا کہہ بیٹھوں، ٹھیک ہے ناں پپا!''

بادر علی خان بے ساختہ مسکرا دیے۔

''بیٹی اتنی سمجھدار ہو گئی ہے، اندازہ نہیں تھا، آپ کیوں پریشان ہیں بیٹے۔ کوئی جرم کیا ہے آپ نے؟ جائیے، سلام کر
لیجیے، کچھ نہیں ہو گا۔'' اُنہوں نے ٹی وی دوبارہ آن کر دیا۔

''آپ مل چکے؟'' روشی جاتے جاتے پھر رُک گئی۔

''ہوں!''

''ناراض تو نہیں ہیں؟'' اُسے جانے کیوں ڈر سا لگ رہا تھا۔

''نہیں روشی! وہ ساری احتیاط اس لیے تھی کہ ہماری روانگی میں کوئی مداخلت نہ ہو۔ اب ہم ہو کر آ چکے ہیں، بس بات
ختم۔''

''تھینکس پپا!'' اُس کے سر سے بوجھ سا ہٹ گیا۔

وہ خاصے پُرسکون انداز میں بابا صاحب کے کمرے کی طرف آئی اور دروازے پر دستک دی۔

''آ جاؤ۔'' بابا صاحب کی بارعب آواز اُبھری۔

وہ اندر آ گئی اور ہاتھ پیچھے کر کے ساتھ ہی دروازہ بند کر دیا۔

''السلام علیکم، بابا صاحب!'' اُس نے ڈرتے ڈرتے اُن کا چہرہ دیکھا۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہے ہماری بیٹی، باپ کے پاس پہنچتے ہی دادا کو بھول گئی۔ بھئی ہمیں تم بہت یاد آئیں۔ سچ پوچھو تو
ہمیں تنگ کرنے کا بہانہ بھی تم ہو۔'' وہ مسکرا رہے تھے۔

روشی تو جیسے گرتے گرتے بچی۔ مارے حیرت کے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''میں۔۔۔ میں بھی آپ کو یاد کر رہی تھی۔'' اُسے بس یہی جملہ سوجھا۔

''آؤ ادھر ہمارے پاس بیٹھو۔'' اُنہوں نے اپنے بیڈ پر بیٹھنے کا اشارا کیا۔

یہ اعزاز تھا جو وہ بمشکل تاب لا سکی۔ اتنے نزدیک تو کوئی بھی نہیں بیٹھا۔ نہ اُنہوں نے یہ جرأت و مجال کسی کو دی تھی اور نہ

کسی نے کی تھی۔

وہ کھڑی دوپٹا مروڑتی رہی۔

''آؤ بیٹی!'' وہ پھر مخاطب ہوئے۔

وہ ہچکچاتی ہوئی اُن کے نزدیک چلی آئی اور بیڈ کے کنارے پر اس طرح ٹِک گئی، جیسے موقع ملتے ہی بھاگ جائے گی۔

''سفر کیسا رہا۔ تمہارے نانا کا سُن کر افسوس ہوا اور اس بات کا زیادہ کہ تم ایک بار پھر اپنے نانا سے نہیں مل سکیں'' اُنہوں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

''ایک بات کہوں بابا صاحب! اگر آپ اجازت دیں، مگر مجھے ڈر ہے، آپ ناراض ہو جائیں گے۔'' اُس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''تم کہو، ہم ناراض نہیں ہوں گے۔'' اُن کا لہجہ اُن کے الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ عجیب سے اندیشے کا احساس تھا، اُن کی آواز میں۔ پیشانی کی لکیریں گہری ہوگئی تھیں۔

''آپ چاہتے تو میں زندگی میں کئی بار اپنے نانا سے مل سکتی تھی۔'' اُس نے بہت دھیمی آواز میں کہا تھا۔

بابا صاحب نے سینے میں سے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

''بیٹی! ہمارے چاہنے نہ چاہنے کی بات نہیں تھی۔ تمہارا باپ نہیں چاہتا تھا۔'' اُنہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر جواب دیا۔

روشی نے نظریں اُٹھا کر بابا صاحب کا چہرہ دیکھا۔ اُسے یہ سوچ کر شرم آئی کہ بابا صاحب کو بھی جھوٹ بولنے کی ضرورت پیش آ سکتی ہے؟ کتنے آرام سے اُنہوں نے سارا وزن اُس کے باپ پر رکھ دیا۔

اگر پپا نہیں چاہتے تھے تو پھر اب کیوں لے کر گئے تھے۔ فطری سوال ذہن میں آیا۔

''وہ کیوں نہیں چاہتے تھے؟'' اُس کے منہ سے سوال پھسل ہی گیا آخر۔

''ذمہ دار بیٹوں سے زیادہ سوال جواب اچھے نہیں لگتے۔ ہم نے اُن سے پوچھا ہی نہیں۔'' بابا صاحب نے بے نیاز انداز میں جواب دیا۔

تو پھر اب پوچھے گا کہ پہلے کیوں نہ چاہا اور اب کیوں چاہا؟ اُس کے اندر کی گرمی پھر عود کر اُس کے ایک ایک رگ و پے میں دوڑنے بھاگنے لگی۔

اس قدر تابعدار ہیں میرے پپا، اپنے باپ کے اور بابا صاحب اُنہیں یہ صلہ دے رہے ہیں۔ وہ دل ہی دل میں ... خاطر ہو رہی تھی۔

''خاموش کیوں ہوگئیں، کوئی بات کرو بیٹی۔''

''میں کچھ سوچ رہی ہوں بابا صاحب!'' اس کے لہجے میں عجیب سی تھکن اُتر آئی۔

''ماشاءاللہ! بہت لوگ ہیں تمہاری فکر کرنے والے، یہ تمہارے کھیلنے کھانے کے دن ہیں، بس تم خوش رہو ... اچھے نمبروں میں کامیاب ہوگی تو تمہارے باپ کو بے حد خوشی ہوگی۔ یاور کو بہت شوق ہے کہ اس کے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ ... جہاں ہم نے تمہارا رشتہ کیا ہے، وہاں تم پر پڑھنے لکھنے کے سلسلے میں کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ شادی کے بعد تم ... یونیورسٹی میں داخلہ لے لینا۔ نعیم بہت لائق اور سمجھدار بچہ ہے۔ وہ تمہارے کسی شوق میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔ یوں بھی وہ لوگ ہماری بے حد عزت کرتے ہیں۔ ہر بات میں تمہاری خوشی کا خیال رکھیں گے۔

... میں جا کر پڑھنا چاہوگی تو وہ تمہیں وہاں بھی بھیج دیں گے۔ ہم البتہ تمہیں یہاں اتنی آزادی نہیں دے سکتے۔ غیر شادی شدہ لڑکی اپنے گھرانے کی بہت بھاری ذمہ داری ہوتی ہے۔ شادی کے بعد عورت اپنے مرد کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ پھر وہ اپنی خوشی سے اُسے جتنی مرضی آزادی دے۔ پڑھنے کی، کام کرنے کی، ملازمت کرنے کی۔

تمہاری شادی ہو جائے گی، ہمارے اور یاور کے کاندھوں سے وزن اُتر جائے گا اور پھر تمہیں اپنا من چاہا ماحول مل جائے گا۔

ہم اپنے بچوں کے کتنے ہی ناز اُٹھا لیں، مگر انہیں اس طرح کی آزادی نہیں دے سکتے، جو آج کل کے اکثر گھرانوں نے اپنے بچوں کو دی ہوئی ہیں، اس کی وجہ بس یہی ہے کہ عام دولت مند گھرانوں کے بچوں اور حکمران گھرانے کے بچوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔

شہرت بدنامی میں بدل جائے تو پُرکھوں کی محنت ایک گھڑی میں ٹھکانے لگ سکتی ہے۔

عزت، پگڑی اتفاق سے نہیں ملتی، اس کے پیچھے صدیوں کی محنت ہوتی ہے۔ ہمیں احساس ہے تم پابند زندگی پسند نہیں کرتیں، اسی لیے ہم جلد سے جلد تمہاری شادی کر دینا چاہتے ہیں، حالانکہ گھر میں تم سے بڑی بیٹھی ہوئی ہیں۔ نعیم کا انتخاب بھی ہم نے سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ وہ آج کا آزاد خیال لڑکا ہے، ملک ملک گھومتا ہے۔ شادی کے بعد تمہیں بھی دُنیا کی سیر کرائے گا اور ہم یہ سوچ کر خوش ہوں گے کہ ہماری بچی اپنی من پسند زندگی گزار رہی ہے، ٹھیک ہے ناں؟''

اُنہوں نے پھر شفقت بھرے انداز میں اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

بابا صاحب بولتے جا رہے تھے اور اس کا جی چاہ رہا تھا۔ اپنے بال نوچنے لگے۔ سانس بہت تیز تیز چلنے لگی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی، بابا صاحب پھر بولے۔

''نعیم الدین تاریخ کے لیے کہہ رہا تھا، مگر ہم نے اُسے بتا دیا ہے کہ تمہارے نانا کے چہلم تک یہ معاملہ ملتوی کیا جاتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ اب ہمارا اُن کا تعلق پہلے والا نہیں، مگر تم سے، جواد سے تو اُن کا رشتہ ہمیشہ کا ہے۔ اب یہ بتاؤ حویلی کب پہنچو گی؟'' اُنہوں نے اچانک موضوع بدل دیا۔

''ابھی تو موڈ نہیں ہے۔'' اُس کا موڈ بے حد خراب ہو چکا تھا۔

... معلوم ہوا کہ ہم ہری پور جا رہے ہیں تو بڑی دلہن کے ذریعے کہلا بھیجا کہ تمہیں ساتھ لیتے آئیں۔ گلو نے بہت

تاکید کی ہے۔"

سفید بھنوؤں کے نیچے اُن کی چمکتی ہوئی نیلی آنکھیں روشی کے چہرے پر ٹک گئیں۔

"ایک نہ ایک دن تو جانا ہی ہے حویلی، جلدی کیا ہے، اپنے پپا کے پاس ہی تو ہوں۔" وہ ہاتھ مسلتے ہوئے بول رہی تھی۔

"مرضی ہے تمہاری، ہمارے پاس تمہاری بہنوں کا پیغام تھا، سو ہم نے پہنچا دیا۔"

وہ سر جھکائے کچھ سوچتی رہی۔

"آپ کتنے دن کے لیے آئے ہیں بابا صاحب؟ اگر آپ زیادہ دن کے لیے آئے ہیں تو پھر میں آپ کے ساتھ چلوں، اگر جلدی جائیں گے تو میں بعد میں آ جاؤں گی۔ ابھی میرا دل نہیں چاہ رہا پپا کے پاس سے جانے کو، اتنے سال بعد یہ دن دیکھے ہیں۔" نہ جانے کیوں آواز بھرا گئی۔

"کوئی بات نہیں بیٹی، جب تک تمہارا جی چاہے رہو، ہم تو صبح چلے جائیں گے۔"

اُنہوں نے اسی طرح پُرسکون انداز میں جواب دیا، جس کا مظاہرہ وہ شروع سے کر رہے تھے۔

"اتنی جلدی؟" اس نے چونک کر سر اُٹھایا۔

"ہاں، مجبوری ہے، اُدھر باری بھی نہیں ہے ناں آج کل، اور تمہارے بڑے ابا بھی کراچی گئے ہوئے ہیں، تمہارے، رات بنکاک جا رہے ہیں۔"

روشی کا دل بھڑک اُٹھا۔

"باری کہاں گیا ہوا ہے؟" اس نے اٹکتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔

"سرائے گیا ہوا ہے۔ خدا معلوم اُسے وہاں کتنے دن لگ جائیں۔" وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئے۔

"کیوں؟ وہاں کیا ہو گیا۔ کاکا جان تو اکیلے ہی بہت ہیں۔ جب گھر والے اُن سے اتنا ڈرتے ہیں تو [illegible] جاری---" اُس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"مگر تمہیں تو کسی سے ڈر نہیں لگتا۔ کیا تیمور نے تمہیں کبھی ڈانٹا؟" وہ جانے کیوں بہت سنجیدگی سے پوچھنے لگے۔

"میں اُن کے سامنے ہی نہیں جاتی شروع سے۔ بڑی امی سب بچوں کو اُن سے ڈراتی تھیں۔" اُس نے [illegible] سے جواب دیا۔

"اچھا! ہمیں علم نہیں، وہ ایسا کیوں کرتی رہی ہیں۔ ہر انسان کا اپنا الگ مزاج ہوتا ہے۔ تمہارے کاکا جان شروع سے گھر سے دُور رہے ہیں، پہلے بورڈنگ پھر ہاسٹل، پھر دوسرے ملک چلے گئے پڑھنے، اسی لیے گھر والے [illegible] سکے۔"

"مگر اپنے اسٹائل سے تو وہ شکاری ہی لگتے ہیں، جو بندوق تانے ہوئے نشانے پر دیکھ رہا ہو۔" وہ ہنستے ہوئے مسکرا پڑی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" بابا صاحب اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اتنی آہستگی سے گویا ہوئے کہ وہ نزدیک بیٹھے ہونے کے باوجود بمشکل سُن سکی۔

"کیا کاکا جان بہت زیادہ کوالیفائیڈ ہیں؟" اُس نے جانے کیوں پوچھا تھا۔

"ہاں اُسے ہمیشہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شوق رہا ہے۔" دلاور علی خان نے عام سے لہجے میں جواب دیا۔

"کیا میرے پپا سے بھی زیادہ کوالیفائیڈ ہیں؟" اُسے اُلجھن سی ہوئی۔ وہ تو سمجھتی تھی، آس پاس اس کے پپا سے زیادہ کوئی ذہین نہیں۔

"دونوں کے تعلیمی میدان ذرا مختلف رہے ہیں۔ یاور علی خان کا علمی سفر ابھی بھی جاری ہے۔ مختلف کورسز کرنے باہر جاتے رہتے ہیں۔ تمہارے کاکا جان بزنس میں پڑ گئے ہیں۔ بس یہ فرق ہے۔" اُنہوں نے اسی طرح دھیمی آواز میں جواب دیا، اُسے سننے میں دشواری ہوئی۔

"یہ تو اچھا خاصا فرق ہے۔ صاف ظاہر ہے، پپا زیادہ کوالیفائیڈ ہیں۔" اُس نے بڑے فخر سے کہا۔

"کوئی شک نہیں۔" دلاور علی خان نے اُس کی پشت تھپتھپائی اور مسکرا دیے۔ اُنہیں پوتی کا اس طرح فخر کرنا شاید اچھا لگا تھا۔

"آپ کو خوشی نہیں ہوتی کہ پپا اتنے قابل ہیں؟" اُس نے معصومیت سے سوال کیا۔

"بے حد--- بے انتہا۔"

روشی نے چونک کر اُن کا چہرہ دیکھا۔ دلاور علی خان کی مسکراہٹ، اُن کی نرمی اُسے شک میں ڈالے دے رہی تھی۔

"باری کتنے دن کے لیے گیا ہے سرائے؟" اُس نے اپنی نظروں کا زاویہ بدلا۔

"خیریت--- کوئی کام ہے اُس سے؟" دلاور علی خان پوچھنے لگے۔

"وہ سب کے کام کا ہے، مگر میرے کسی کام کا نہیں ہے۔" اُس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ایسی بات نہیں ہے، بہت اچھا بچہ ہے۔ بے حد محنتی ہے۔ ہمیں یقین ہے، وہ یاور علی خان کی طرح بہت ترقی کرے گا۔"

روشی کو خوش گمانیوں کے جھونکے آنے لگے۔ دل بلّیوں اچھلنے لگا۔

"کیا وہ ہمارا ملازم ہے بابا صاحب۔"

"نہیں۔" دلاور علی خان کے لہجے میں قطعی پن تھا۔

"تو کیا ہمارا رشتہ دار ہے؟" اُس نے ڈرتے ڈرتے اُن کی صورت دیکھی۔

"نہیں۔" لہجہ ہنوز قطعی تھا۔

"تو کیا وہ ہمارے گاؤں کا ہے؟" اُس نے پھر ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ مبادا دلاور علی خان پے در پے سوالات کرنے پر [illegible] ہو جائیں۔

”نہیں۔“ اُن کا انداز بدستور تھا۔

اب وہ چاہنے کے باوجود کوئی نیا سوال نہ کر سکی۔ ماحول کو بدمزا بنانا اُس وقت اسے منظور نہیں تھا۔ سر جھکا کر بیڈ شیٹ کے مخملی پھولوں پر انگلیاں پھیرنے لگی۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا، وہ خود سے باری کے تھو... اور وہ دیر تک اُس بے مہری کی باتیں سنتی رہے۔

اُسی دم دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ چونک کر دروازے کی سمت دیکھنے لگی۔

”ہوں!“ دلاور علی خان نے مخصوص انداز میں اندر آنے کی اجازت دی۔

دروازہ دھکیل کر اندر آنے والے یاور علی خان تھے۔ گہرے سرمئی شلوار سوٹ اور سفید واسکٹ میں وہ بہ... اسمارٹ محسوس ہو رہے تھے۔

”آؤ بھئی۔“

”تم بھی بیٹھو پریس کانفرنس میں۔“ دلاور علی خان، بیٹے کو دیکھ کر جیسے نئے سرے سے تازہ دم ہو گئے۔

”یہی دیکھنے آیا کیونکہ خاصی دیر ہو گئی اسے آپ کے پاس آئے ہوئے۔“ وہ ہمیشہ کی طرح برائے... کرسی پر بیٹھ گئے۔

”بس باتیں کر رہے تھے۔“ بابا صاحب نے مُسکرا کر روشی کی طرف دیکھا۔

”بابا صاحب نے کچھ بھی نہیں کہا پتا!“ روشی نے خوشی سے بتایا۔

”کس سلسلے میں؟ انہوں نے باپ کی طرف دیکھا۔

”کراچی والے سلسلے میں“ روشی نے جواب دیا۔

دونوں باپ بیٹے ایک دم بہت خاموش سے ہو گئے۔ کمرے میں گہرا سکوت طاری ہو گیا۔

”ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ تمہیں اپنی خالہ بہت اچھی لگیں۔“ بابا صاحب نے ایک نیا موضوع نکالا۔

”ہماری امی بھی تو آپ کو اچھی لگی تھیں، جب ہی تو آپ انہیں حویلی میں لائے تھے۔ کوئی آپ کو پسند... آسان بات تو نہیں، بس خالہ بھی اُنہی کی بہن ہیں۔“ وہ مُسکرا رہی تھی۔

جانے کیوں باپ کے سامنے خالہ کا ذکر کرتے ہوئے اب وہ بہت کانشس سی ہو جاتی تھی۔ جواب میں... خاموشی طاری رہی۔

”اچھا! آپ یہ تو پوچھیں، مجھے ان کی کیا بات اچھی لگی“؟ اُس نے ان کی خاموشی سے مجبور ہو کر اپنی طرف... سوال تیار کر کے اُنہیں دیا۔

”شاید اس لیے کہ وہ بہت خوبصورت ہیں۔“ دلاور علی خان نے بہر حال خیال ظاہر کر دیا۔

”ارے نہیں بابا صاحب! خوبصورت تو ”ماما جی“ بھی بہت ہے۔ بات یہ ہے کہ خالہ کم عمر ہونے کے با... عورتوں کی طرح مجبور ہیں اور پھر وہ جتنی قابل اور لائق ہیں وہ علیحدہ خصوصیت ہے۔ پھر وہ ڈریسنگ بہت...

...بہت سینس ہے انہیں۔“

...بغور اس کے خیالات سُن رہے تھے۔ آخری جملے پر بے ساختہ مُسکرا دیے۔

...علی خان... ذرا دیکھو ذرا کتنی ناپختہ ہے یہ، کس قدر بچپنا ہے، بھلا اس کے فیصلوں پر بھروسا کیا جا سکتا ہے؟“ اُنہوں نے ... تائید طلب نظروں سے دیکھا۔

”...درست کہہ رہے ہیں۔“ یاور علی خان نے ہاں میں ہاں ملائی۔

”...تو بچی نہیں ہوں۔“ اُس نے مُنہ بنا لیا۔

”...بھی، یہ مطلب نہیں ہے ہمارا۔ پختگی عمر سے نہیں تجربات سے آتی ہے اور تجربات سے انسان آہستہ آہستہ گزرتا ہے۔ ...میں پلی ہو، پھولوں میں سوئی ہو، ابھی سوچ ادھوری ہے۔ محبت کرنے والوں کے فیصلوں کا احترام یہی سوچ کر ...جو یہ جانتے ہیں، پیچھے آنے والے ابھی نہیں جانتے۔“

...قدرے خوفزدہ ہو کر باپ کی شکل دیکھی۔

”...سب اس لیے ہے کہ اس کا ذہن کسی تبدیلی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ یہ اتنی دیر سے بابا صاحب جو اتنی شفقت، ...کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس کا غیر معمولی پن تو اس نے بہت پہلے ہی محسوس کر لیا تھا۔

”...نے اپنا ہیڈک آپ کی طرف منتقل کر دیا ہے؟“ بے اندازہ شک نے اس کا رنگ متغیر کر دیا۔ وہ بڑی گہری نظروں سے باری باری باپ اور دادا کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

”...ہم اپنے معاملات خود ڈیل کرتے ہیں۔“ یاور علی خان نے اپنی مخصوص سنجیدگی سے جواب دیا۔ وہ جیسے اس ...پہنچے تھے اور سوچ سکتے تھے کہ اُس نے یہ بات کس بنیاد پر کہی ہے۔

”...تو خیر، یہ وجہ ہے خالہ کو پسند کرنے کی؟ ویسے وجہ تو بہت معقول ہے۔“ دلاور علی خان نے پھر بات پلٹی۔

”ایک اور وجہ بھی ہے۔“ اُس نے خاصی سنجیدگی سے کہا۔

”...کیا؟“ دلاور علی خان نے بے ساختہ پوچھا۔ جبکہ یاور علی خان نے اس طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے پر ہی اکتفا...

”...سے میرا خونی تعلق بھی ہے۔ وہ میری امی کی سگی بہن ہیں۔“ اُس نے بڑے دانشمندانہ انداز میں جواب دیا۔

...باپ بیٹے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر پھر خاموش سے ہو کر بیٹھ گئے۔

”...یہ معقول وجہ نہیں؟“ اُس نے حیرت سے دونوں کی طرف دیکھا۔

”...بہت معقول وجہ ہے، بلکہ یہی وجہ معقول ہے۔“ دلاور علی خان نے جواباً کہا۔

”...بابا صاحب! ڈائننگ روم میں چلتے ہیں، باقی باتیں وہیں ہوں گی۔“ یاور علی خان اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

”...ابھی سے کھانا، ابھی تو بابا صاحب سے خالہ کی اور باتیں کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔“ اُس نے کوفت بھرے

''وہیں کرلیں گے۔'' دلاور علی خان نہ جانے کیوں مُسکرا رہے تھے۔

یاور علی خان سُنی اَن سُنی کے انداز میں باہر نکل گئے۔

روشی نے چھڑی اُٹھا کر باباصاحب کو تھمائی۔

''شاید پپا کو خالہ زیادہ پسند نہیں آئیں۔'' اُس نے افسردگی سے کہا۔

''وہ کیوں؟'' دلاور علی خان چپل پاؤں میں ڈالتے ڈالتے اُس کی طرف دیکھنے لگے۔

''وہ یوں کہ جو بھی خالہ کی بات ہوئی ہے وہ بات کسی اور طرف موڑ دیتے ہیں۔''

اس نے بڑے وثوق سے جواب دیا جیسے اسے اپنے اندازے پر سو فیصد یقین ہو۔

''اچھا۔ مگر ہمیں اندازہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔'' وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

وہ ان کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ اور بڑی گہری سوچ میں تھی۔

گریز کا نہیں قائل حیات سے لیکن
جو سچ کہوں تو مجھے موت ناگوار نہیں

عارف، لال خان کے گھر واپس آ چکا تھا۔ لال خان اسے سہارا دے کر بٹھا رہا تھا۔

''اتنی دیر لگا دی آپ نے۔ جلدی کریں۔ ایسے تازہ تازہ کلیوں کے گجرے باندھے تھے سب مرجھا [illegible]

بالو کرنکل کے لش لش کرتے، سنہری کام والے دوپٹے اور کرتے شلوار میں شعلہ و جوالہ بنی دروازے [illegible]

بھاری کام کے خاصے قیمتی سُوٹ نے اسے ایک انوکھی سی چھب بخش دی تھی۔ سلیقے سے کیے ہوئے [illegible]

اس کے گندمی رنگ والے چہرے پر بلا کی تازگی محسوس ہو رہی تھی۔

''ذرا اس بے چارے کا انتظام تو کر دوں تا کہ یہ آرام سے سو جائے۔'' لال خان نے پلٹ کر بالو [illegible]

میں کہا۔

''سارے محلے میں سب سے پکی سہیلی میں ہوں سائرہ کی۔ وہ تو مجھے بہت پہلے اس کے پاس چاہ[illegible]

بارات کے بعد پہنچوں گی تو کتنا ناراض ہوگی وہ۔'' بالو نے عارف کے سامنے پہلی مرتبہ کھل کر لال خان [illegible]

''ہاں۔ ہاں۔ چل رہے ہیں اب دیکھو ناں مریض کو بغیر انتظام کے چھوڑ کر بھی تو نہیں جا سکتا۔'' [illegible]

رسانیت سے جواب دیا۔

''یہ تو مستقل قسم کے مریض ہیں، اب کیا ہم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جائیں؟'' بالو کی آواز آہستہ [illegible]

لال خان گڑبڑا کر یکدم سیدھا ہو گیا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو۔ چلتے ہیں ابھی۔ تم خیال نہ کرنا عارف!'' لال خان خجل سا ہو رہا تھا۔

''ارے نہیں یار۔ ہم تو ہر طرح کے مزاج کے عادی ہیں۔''

واں دل میں کہ صدمے دو، یاں جی میں کہ سب سہ لو
اُن کا بھی عجب دل ہے، میرا بھی عجب جی ہے

[illegible] بشتی سے ہنس دیا۔

[illegible] نے مسکرا کے بوجھل پلکیں لحظے بھر کو اُٹھائیں۔

[illegible] باہر گاڑی میں بیٹھتی ہوں۔ آپ جلدی آ جائیں۔'' گاڑی سے مراد لال خان کی سوزوکی کیری تھی۔ جو ابھی گھر [illegible]

[illegible] میں موجود تھی۔

[illegible] گلاس پانی میں گلوکوز ملا کر یہاں میز پر رکھ دو۔ پانی تو ویسے رکھا ہے یہاں۔ پھر بھی گلوکوز ملا پانی بھی رکھ جاتے [illegible]

[illegible] فکر نہ کرنا میں تمہاری بھابی کو چھوڑ کر جلدی آ جاؤں گا۔'' وہ اسے تسلی دینے لگا۔

[illegible] نہایت بددلی سے گلوکوز پانی میں ملا رہی تھی۔ چمچ کے شور سے اس کے دانت پیسنے کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

''تمہاری بھابی کی بڑی عزیز سہیلی ہے۔ اس لیے جلدی مچا رہی ہے۔ ورنہ تمہیں تو معلوم ہے کتنا خیال کرتی ہے [illegible]

[illegible]'' لال خان وضاحت در وضاحت کے عمل سے گزر رہا تھا۔

''میں تو سمجھ رہی تھی کہ جلدی سنبھل جائیں گے۔ اتنی مہنگی دوائیاں، اتنا آرام۔ پر لگتا ہے۔ انہیں ٹھیک ہونے [illegible]

[illegible] خود ہی شوق نہیں ہے۔ اور جب ان کی یہ حالت ہمیشہ کے لیے ہے تو کام کیوں روکیں۔ یہ اپنے حساب سے چلتے رہیں، ہم [illegible]

اپنے حساب سے۔''

[illegible] بالو نے کرسی پر رکھا پرس اُٹھاتے ہوئے نہایت کڑوے لہجے میں کہا۔

[illegible] مارے تعجب کے لال خان کی آنکھیں پیشانی پر جا لگیں۔ وہ بے زبان سی بیوی کو یوں دیکھنے لگا جیسے شک ہو کہ یہ بالو ہی [illegible]

[illegible]؟

''تم کیوں پریشان ہو گئے لال خان۔ انسان سکھ اور خوشی کے موسم گزار رہا ہو تم ہم جیسے لوگ ماحول بدمزا کرنے والے [illegible]

[illegible] ہیں۔ خوش لوگوں کی طبیعت پر بوجھ پڑتا ہے۔ مزا خراب ہوتا ہے۔

[illegible] کیا کہا ہے شاعر نے کہ

ہم سے کہتے ہیں چمن والے غریبان چمن
تم کوئی اچھا سا رکھ لو اپنے ویرانے کا نام

[illegible] یہ حال ہے چمن والے تو ہمارے ٹھکانے کا نام بھی اپنی مرضی کا چاہتے ہیں۔ انہیں نام اچھا نہ ہونے ہی پر ہی [illegible]

[illegible] ہو گیا۔'' وہ ہنس دیا۔

''تم کوئی خیال نہ کرو عارف یار! ہم یار ہیں تمہارے آخری سانس تک۔ کبھی جی برا نہ کرنا میری طرف سے۔ اور آج [illegible]

کے بعد تمہیں اپنی بھابی سے شکایت بھی نہیں ہوگی۔" لال خان نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"تو ہم بھی تمہارے یار ہیں۔ قدر دان، وفا شناس۔ وفادار۔ اب ایسے سچے بھی نہیں کہ...

یں۔ ہمارے ساز و سامان میں ایک وفا ہی تو بچی ہے۔ حالانکہ اس زمانے میں اس انمول شے کی کوئی قدر نہیں

مجروح لکھ رہے ہیں وہ اہلِ وفا کا نام

ہم بھی کھڑے ہوئے ہیں گنہگار کی طرح

بڑی خوار ہے وفا۔ جاؤ یار! دیر ہو رہی ہے۔ بھابی! میں بہت شرمندہ ہوں آپ سے کہ میری وجہ سے...
ہوئی۔"

بالو ماتھے پر شکنیں ڈال کر باہر نکل گئی۔

عارف کے شانے پر تھپکی دے کر لال خان بھی اس کے پیچھے پیچھے نکل گیا۔

بالو نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ اور بیٹھ کر کھٹاک سے بند کر لیا۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کا موڈ سخت خراب ہے۔

لال خان نے گاڑی باہر نکالی پھر گاڑی سے اُتر کر گیٹ میں تالا ڈالا۔ حالانکہ اگر بالو چاہتی تو یہ کام خود بھی... گاڑی باہر آنے کے بعد تالا ڈال کر بھی بیٹھ سکتی تھی نہ کہ اندر کھڑی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

"آج کل تو یار اتیں بہت دیر میں پہنچتی ہیں۔ تم موڈ ٹھیک کر لو۔" لال خان نس دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ پر... منانے کے انداز میں کہا۔

بالو نے منہ کھڑکی کی طرف پھیر لیا اور خاموش رہی۔

"خوشی میں حصہ تو سب ہی لیتے ہیں۔ دوست کو دُکھ میں اس طرح نہیں چھوڑا جاتا۔ بہت احسان کیا ہے... میرے بھائیوں نے تو سمجھو بھیک ہی منگوا دی تھی۔ خون کے رشتوں سے دغا دکھائی ہے میں نے اور اس غیر ہو کر...

"ایک احسان تو ان کا میری جان پر بھی ہے۔ بھاری احسان۔" بالو کے لہجے میں انگارے سُلگ رہے تھے۔

"وہ کیا؟" لال خان ٹرک ڈرائیور جیسی ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس کے اعصاب پر یہ بات سوار تھی کہ کس... وجہ سے بالو کا موڈ خراب ہے۔

"آپ سے میری شادی کرائی ہے۔ یہ احسان تو میں کبھی بھی اُتار نہیں پاؤں گی۔" اس کا لہجہ زہر...

گاڑی کی اندرونی لائٹ آف تھی اور سڑک بھی تاریک۔ لال خان کی حسیات اس کے پیٹ سے ڈھکی ہوئی تھیں...

"ہا۔ ہاہا۔ ہاہاہا۔" اس نے اپنا مخصوص بے ہنگم قہقہہ لگایا۔

"ارے جان لال خان! یہ احسان اس نے تم پر نہیں ہم پر کیا ہے۔ اسی وجہ سے تو اس کی خدمت... ہیں۔ زندگی اتنی رنگین بھی ہوتی ہے، اندازہ نہیں تھا۔" لال خان کی آواز جذبات سے بوجھل ہو گئی۔

بالو کے حلق میں آنسوؤں کے گولے اٹکنے لگے۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پایا۔

"آپ کو پتا ہے کہ جب دل بے حد خوش ہو تو کیا محسوس ہوتا ہے؟" اس کی آواز کرب سے چُور چُور تھی۔

...ہر طرف پھول کھلتے ہیں۔ زندگی بڑی ہلکی ہو جاتی ہے۔ موت سے بڑا خوف آتا ہے۔ مرنے کو تو دل ہی نہیں چاہتا... حالانکہ پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا۔ کرفیو ہنگامے ہوتے تھا۔ میں پروا نہیں کرتا تھا۔ باہر نکل جاتا تھا۔ یار دوست کہتے... گولی لگ جائے گی کسی دن۔ بڑا شور رما بنا پھرتا ہے۔ اپنی پرواہی نہیں کرتے تھے۔ مگر اب موت سے ڈر لگتا ہے۔

...بڑی عمر ہو اور تمہارا ساتھ ہو۔"

...عورت بجی بنی اس کے قریب ہو تو لطیف حسیات خود کار طریقے پر جاگ پڑتی ہیں ...موڈ میں ہو۔ تنہائی ہو۔ ...دنیا کا خوف بھی طاری نہیں ہو سکتا۔ دل و ذہن بھرپور آزادی کے احساسات سے رواں پانی کی طرح ...بہتا ہے تو روم روم میں قوسِ قزح ٹوٹتی ہے۔ مگر وہ پتھر کے بُت کی طرح ساکت تھی۔

...کے شگفتہ موڈ کا اس پر کوئی اثر نہیں تھا۔

...جب شوہر موت ووت کی باتیں کرتا ہے تو عام طور پر عورتیں بڑا دہلتی ہیں اور "اللہ نہ کرے" دس بار کہتی ہیں۔ اور ...ہو جیسے تمہیں میری موت زندگی سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔"

...خان اپنی جہالت کی وجہ سے خاصا "محفوظ" تھا۔ اب بھی ہنس کر کہہ رہا تھا۔

...پھر بھی خاموش رہی۔

...تمہاری سہیلیوں میں سب سے اچھا جوڑا تمہارا ہوگا۔ قسمت والے ہی پہنتے ہیں اچھے جوڑے۔ جب میری شادی ...تو محبوب کلاتھ اور ثناء اللہ کے ہاں بھاری بھاری جوڑے دیکھ کر سوچا کرتا تھا۔ جب میری شادی ہو جائے گی تو ...کے لیے یہیں سے کپڑے لیا کروں گا۔ بڑی ورائٹی ہوتی ہے یہاں۔

...کی شادی ہوئی تو اس سے بھی اچھا سوٹ لا کر دوں گا۔ جو پورے خاندان میں اور کسی...

"...مانہ باتیں آپ خانوں" سے کیجیے گا۔ میں آپ کے کسی کام کا نہیں۔" اس نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"...تھوڑی سی انسانیت تمہارے اندر زندہ ہوتی تو میرے کام آ سکتے تھے۔ کتے بندھے رکھتے یا خود مجھے کسی دارالامان ...چھوڑ آتے۔" اس نے سسکاری بھری۔

"...طرف آپ سے ہمدردی کا کوئی حساب نہیں نکلتا۔ خاموش رہیں۔" وہ سنجیدگی کی انتہا کو چھو رہا تھا۔

"...تمہیں بھی ترس نہیں آیا مجھ پر کہ مجھے ظفری جیسے انسان سے زبردستی باندھ دیا گیا ہے۔" جھوم پھر گویا ہوئی۔

"...نے وہ عورتیں بھی دیکھی ہیں جن کے شوہر معذور ہو جاتے ہیں یا غلط راستوں پر چل پڑتے ہیں مگر وہ انہیں ...گھر چلانے کے لیے نوکری کرتی ہیں۔ بچے پرورش کرتی ہیں۔ اپنے حصے کا بھی کام کرتی ہیں شوہر کے حصے ...

...ٹھیک ہوگا۔

...نے بیٹے کی شکل میں کوئی تحفہ دیا تو پورے دس تولے کا سیٹ بنوا کر دوں گا۔"

مادہ پرست انسان کے پیار کے پیمانے بھی مادی ہی ہوتے ہیں۔ لال خان خوشی کے عالم میں [illegible]
اپنی محبت تولنا شروع کر دیتا تھا۔ اور تول تول کر اس کی جھولی کی طرف اُچھالتا جاتا تھا۔

وہ بدستور خاموش تھی۔

"کیا بات ہے! ابھی تک ناراض ہو۔ دیکھو اب اگر نہیں مانو گی تو بیچ سڑک پر۔ سمجھ رہی ہو ناں؟"

اس نے فاسٹل چونچلا کیا۔

بالو اپنی جگہ پر دہل کر رہ گئی۔

"آپ جلدی مت آیئے گا۔ کبھی اپنے اس بے کار دوست کی خاطر بھوکے پیاسے چلے آئیں۔ اگر کھانا [illegible]
تو میں اماں کے ہاں منگوا کر آپ کو کھلا دوں گی۔ فارغ کر دوں گی جلدی۔"

"بڑی مہربانی صاحب۔ بڑی اچھی قسمت بنائی ہے مولا نے اپنی۔"

لال خان اتنے معمولی اور مشکوک قسم کے التفات پر ہی خوش ہو گیا۔ بالو جیسے اپنی ڈیوٹی بھگتا کر فارغ ہوئی ہو
دوبارہ چپ سادھ کر باہر دیکھنے لگی تھی۔

پیچھے سے گاہے گاہے جھومر کے کراہنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"جب بہادر ہیں نہیں تو پوز کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ دریا بستی کی حویلی کا پچھواڑا نہیں ہے یہ۔
وہ سب جیل تھی آپ کے لیے یہ سینٹرل جیل ہے۔ خطرناک قسم کے قیدیوں میں شامل ہو گئی ہیں آپ؟ [illegible]
باہر کی طرف آنے کی؟ کون سے پھول کھلے ہوئے تھے اُدھر جنہیں دیکھنے کو طبیعت مچل رہی تھی۔ یقیناً بھاگنے کا [illegible]
اسی لیے جب میں اندر ہوتا ہوں تو باہر کے کھول دیتا ہوں۔ یہ سوچ کر کہ آپ کھلے ہوئے کتے دیکھ کر باہر قدم رکھنے [illegible]
نہیں کریں گی۔ مگر وہ آپ ہی کیا۔"

باری کو اس نئی دردسری سے بے حد کوفت ہو رہی تھی۔

"تم نے جان بوجھ کر کھولے تھے کتے؟ جھومر کراہی۔

"ظاہر ہے۔ اس طرح کے کام غلطی سے تو نہیں ہوتے۔" وہ جھلایا۔

"جب تمہیں حویلی میں چلتے پھرتے دیکھتی تھی تو یہی محسوس ہوتا تھا کہ تم اور سب سے مختلف ہو۔ بہت اچھے [illegible]
تمہاری شکل سے لگتا تھا۔ میں سوچتی تھی۔"

آپ کو بیٹھے بیٹھے کھانے پہننے کو مل رہا تھا۔ اسی لیے نعمتوں کی قدر نہیں ہوئی۔" اس نے بڑی تفصیل سے
ملامت کیا۔

[illegible]

"ایسا لگ رہا ہے جیسے باری نہیں حویلی کا کوئی خان بول رہا ہے۔" اس بار جھومر کی آواز بے حد [illegible]
رہا۔

[illegible] وہ حویلی کے مردوں کی طرح بہادر ہے۔ دن میں کسی نہ کسی طرح میرے پاس
[illegible] حویلی میں روشنی پسند ہے۔
[illegible] کئی مرتبہ ظفری کی امی اُس پر ناراض ہو چکی ہیں۔
[illegible]
[illegible] پڑ گئی ہے۔ شاید اپنی ماں پر۔"
[illegible] دھیمے دھیمے انداز میں کہہ رہی تھی۔

[illegible] سکرین پر روشنی نمودار ہو گئی۔ خوبصورت لباس میں تیکھے تیکھے تاثرات کے ساتھ۔ جس کی ستواں ناک میں پڑی
[illegible] کی چمک سیدھی دل پر پڑ رہی تھی۔ جیسے سُرنگ سے روشنی بالکل سیدھی گزرتی ہے۔ یہ لونگ اس نے پچھلی برتھ
[illegible] اس سے کہا تھا۔

[illegible] سب سے قیمتی تحفہ اس بار ہمیں بڑی امی نے دیا ہے۔ کیسی لگ رہی ہے؟" وہ اٹھلائی تھی۔

"[illegible] سے بات کر کے پچھتاتا ہوں۔ اس انداز میں سہیلیوں سے باتیں کرتے ہیں۔ میں آپ کی سہیلی نہیں ہوں۔"
[illegible] کے معاملات میں خود کو شامل کرنا ذرا نہیں بھایا تھا۔" یہ تو اپنی باتیں ہیں۔ آخر آپ نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟"
[illegible] اچھی خاصی خبر لی تھی۔

"[illegible] دھیان آ رہا ہے۔ وہ لونگ واقعی تمہاری ناک میں بہت جچتی ہے۔ کس قدر دلکش منظر ہوتا ہے جب نخوت سے
[illegible] ہوئی تم بے سروپا باتیں بھی اس طرح کرتی ہو جیسے کوئی سائنس دان اپنی تازہ ترین ایجاد پر بڑے اعتماد سے
[illegible] کر رہا ہو۔"

"[illegible] کار میں مریخ پر جا رہے ہو؟" پیچھے سے جھومر کی تپی ہوئی آواز آئی۔

[illegible] ایک دم جیسے کسی ماورائی دنیا میں ڈرائیو کرتا رہا۔

"[illegible] میرے پیٹ پر جو زخم ہے، اس میں سے بہت خون نکل رہا ہے۔" جھومر کی آواز میں بے بسی تھی۔

"[illegible] مجھے کیا کروں؟ کار کو ہوائی جہاز میں تو تبدیل کرنے سے رہا۔ [illegible]"
[illegible] جیسے زچ کر جواب دیا۔

"[illegible] تکلیف میں تو میں ہوں تمہیں کیا؟" جھومر نے کراہتے ہوئے کہا۔

"[illegible] ہوئی ہیں، اس لیے آپ کو سامنے نظر آنے والی لائٹیں نظر نہیں آ رہیں۔" باری نے جیسے اسے تسلی دی۔

"[illegible] تو میلوں دور سے بھی نظر آ سکتی ہیں۔" جھومر نے چڑ کر کہا۔

[illegible] چاہا۔ گاڑی کہیں دے مارے۔ بمشکل خود پر کنٹرول کیا اور خاموش رہا۔
[illegible] میں سکوت طاری ہو گیا۔ کافی دیر گاڑی اندھیرے میں چلتی رہی پھر روشنیاں اندر چھن چھن کرتے لگیں۔
[illegible] گاڑی ایک جگہ رک گئی۔
[illegible] کسی ٹھیک کا کام کر کے آتا ہوں۔" باری نے دروازہ کھول کر اترتے ہوئے کہا۔
[illegible] خاموش رہی۔

باری چند لمحوں ہی میں واپس آ گیا اور دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ گاڑی چل پڑی۔ [illegible] ہوا۔ پھر گاڑی رُک گئی۔

باری اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلا، پھر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔

"آئیے۔" وہ دروازہ تھام کر کھڑا ہو گیا۔

جھومر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

"باری۔ میری ٹانگ اکڑ رہی ہے۔ مجھے سہارا دو۔" جھومر نے کرب سے نچلا ہونٹ دبا لیا۔ باری نے [illegible] جھومر اس کا بازو تھام کر باہر آ گئی اور کھڑی ہو کر اس کے بازو سے چپک گئی۔ وہ اسے سہارا دے کر اندر [illegible] برائے خواتین والے حصے میں داخل ہو گیا۔ عورتوں اور بچوں کی طویل قطار سامنے تھی۔ اس نے ایک بچ [illegible]

"میں ابھی ڈاکٹر سے بات کر کے آتا ہوں"۔ وہ فوراً ہی باہر کی طرف بڑھا۔

"آپ کیا یہاں عورتوں میں بے دھڑک چلے آئے، یہاں پردے والی عورتیں بھی ہوتی ہیں۔" ایک [illegible] نے اسے مخاطب کیا۔

"مجھ سے چلا نہیں جا رہا تھا۔" جھومر نے وضاحت کے بجائے مجبوری بتانے پر اکتفا کیا۔

"تو پھر وہ آپ کو مردوں کی طرف لے جاتے۔" بڑھیا تڑخ کر بولی۔ شاید جھومر کے قیمتی سُوٹ اور زیورات [illegible] بڑھیا غصے کے باوجود آپ جناب سے بات کر رہی تھی۔ جھومر سے بیٹھ کر بولنا محال تھا۔ اُس نے آنکھیں بند [illegible] ٹیک لگا لی۔ تکلیف کی شدت کی وجہ سے اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا رکھا تھا۔

"جھومر کون ہیں؟" اچانک ایک طرف سے کمپوڈر نمودار ہوا۔

جھومر نے آنکھیں کھول دیں۔ اور بمشکل اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی۔ میں ہوں۔"

"آئیے۔ آپ ساتھ والے پورشن میں آ جائیے۔ ڈاکٹر صاحب وہیں آپ کو دیکھیں گے۔" اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

جھومر بمشکل چلتی ہوئی دروازے کی سمت بڑھی۔ تمام عورتیں کھا جانے والی نظروں سے اس کی طرف [illegible]

"لو بتاؤ، سب سے آخر میں آئیں اور سب سے پہلے چل دیں۔"

"پیسے کا کھیل ہے۔ [illegible] پیسہ رکھتا ہے، وہی سب سے آگے ہوتا ہے۔"

"ہم باؤلے ہیں اتنی دیر سے بیٹھے ہیں۔"

"[illegible] دیکھا نہیں، اس کا میاں شکل ہی سے بڑی پہنچ والا لگ رہا تھا۔"

"غریب کی تو ہر جگہ ہی خواری ہے۔"

"لقمان۔ یہ عورت بڑی سی گاڑی میں بیٹھ کر آئی ہے۔" ایک بچہ جو [illegible]

[illegible] کے درمیان بول پڑا۔

"[illegible] ہم تو پہلے ہی سمجھ گئے تھے۔" وہی بڑھیا سُلگ کر بولی اور قمیص اُٹھا کر اپنے کمربند میں بندھی [illegible] تھیلی سے پان چھالیہ نکال کر کھانے لگی۔

جھومر نے ملحق پورشن میں داخل ہوتے ہوئے عورتوں کے جملے سُن لیے تھے۔

"بی بی۔ یہاں لیٹ جائیے۔" ڈاکٹر نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"[illegible] کنفرم ہے ناں کہ کتا پاگل نہیں تھا؟" ڈاکٹر باری کی طرف مڑا۔

"جی۔ پاگل نہیں تھا؟" پالتو ہے۔"

"آپ کا اپنا کتا ہے؟" ڈاکٹر، جھومر کے قریب چلا آیا۔ جو لیٹ چکی تھی۔

"جی ہمارا اپنا کتا ہے۔" باری نے اطمینان سے جواب دیا۔

"عجیب ہے۔ آپ کے پالتو کتے کو مالکوں کی سمجھ نہیں؟ اپنی مالکن پر ہی حملہ کر دیا۔" ڈاکٹر نے گردن موڑ کر باری کی سمت دیکھا۔

"مرد تو عموماً گھر سے باہر ہوتے ہیں۔ زیادہ تر تو آپ کی بیگم ہی گھر پر ہوتی ہوں گی۔ اُسے تو سب سے زیادہ ان کی پہچان ہونا چاہیے۔" ڈاکٹر بے حد حیران تھا۔

ایک کوفت کی لہر برف بن کر باری کے خون میں دوڑنے لگی۔ اس نے بڑی زہریلی نظروں سے جھومر کی سمت دیکھا۔ [illegible] کے ہوش رُبا حسن نے ڈاکٹر کو بھی غیر ضروری نرمی پر مجبور کر رکھا تھا۔

"یہ بھابی ہیں میری۔" اسے نہ چاہتے ہوئے بھی وضاحت کرنا پڑی مبادا ڈاکٹر مزید کچھ کہہ اُٹھے۔

"آئی---ایم---سوری۔" ڈاکٹر نے قدرے شرمندگی سے کہا۔

"کہاں کہاں زخم ہے بی بی۔ ہاتھ رکھ کر بتائیے۔" ڈاکٹر اب مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

جھومر نے پیٹ پر ہاتھ رکھا۔ تو باری پردہ اُٹھا کر باہر نکل گیا۔

"کبھی بڑے دل سے بددعا دی تھی روشانے یاور علی خان۔ پوری دریا بستی اور سرائے میں صرف ایک زبان ایسی ہے جو مجھے بددعا دے سکتی ہے۔"

"[illegible]" وہ ایک طرف بیٹھ کر سوچنے لگا۔

معلوم نہیں۔ قیامت دریا بستی واپس آ گئی یا نہیں۔ حویلی میں نئے سرے سے زلزلے شروع ہوئے یا نہیں۔

"[illegible] بیچارا نعیم---" وہ نعیم پر ترس کھانے لگا۔

[illegible] نعیم [illegible] کے دل پر بہت بھاری پڑتا ہے۔ کیوں؟

[illegible] خود [illegible] دنیا کو بہشت سمجھنے والی۔ جس کا خیال ہے کہ ساری دنیا حویلی کے باسیوں کی طرح رہتی ہے۔ [illegible] کے تجربات سے لوگ کس حد [illegible] گزرتے ہیں۔ جس کے پاس یہ سوچنے کی فرصت نہیں۔ جو کبھی دریا بستی کے

کسی کچے گھر میں نہیں گئی۔

جس کے بیڈ روم کا پورٹیبل کلر ٹی۔وی خراب ہو گیا تو بسور کر بولی۔

''بابا! شہر جا رہے ہو؟ یہ ٹی وی بہت تنگ کر رہا ہے۔ بابا صاحب سے پیسے لیتے جاؤ۔ آتے ہوئے نیا لیتے آنا۔''

اور ایک بار اس کی کسی فضول خرچی پر جب بڑی امی نے ناراضگی سے کہا تھا۔

''پیسہ کتنا ہی ہو گھر بجٹ سے چلائے جاتے ہیں۔''

تو اس نے تعجب سے کہا ''پھر باقی پیسوں کا کیا کرتے ہیں؟ مہینے میں دس بار پٹواری بابا صاحب کو پیسے لا کر دیتا ہے۔''

چند کو چھوڑ کر حویلی کی تمام لڑکیوں ہی کا یہ حال تھا۔ عجب مگن سی دنیا تھی ان کی۔ ایک بار جب بیسنے کو دیکھ کر چالیس دن تک صبح شام قندھاری انار کا جوس نکال کر پیا کرتے تاکہ اس کا رنگ صاف ہو جائے تو فاران نے محفل میں حاضرین کو لطیفہ سنایا تھا کہ

''ایک روز کلاس میں مس نے بچوں کو مضمون لکھنے کو دیا جس کا عنوان تھا ''غریب آدمی'' ایک بچے نے مضمون اس طرح سے لکھا۔

''ایک آدمی بہت غریب تھا۔ اس کا بٹلر بھی غریب تھا۔ اس کا ڈرائیور بھی غریب تھا۔ اس کا مالی بھی غریب تھا۔ اس کے بچوں کی گورنس تو بہت ہی غریب تھی۔''

اس لطیفے پر قہقہوں کا طوفان اٹھا تھا۔ بے چاری بیسنو کی بن گئی تھی۔

اس بچے سے کم بے خبر نہیں حویلی کی لڑکیاں۔

تو کیا وہ خود غرض اور بے حس سی لڑکی اس کی ذات کی پاتال میں اتر چکی ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے۔ محض تمہاری وجہ سے میں ایک بھلے مانس سے چڑنے لگوں جس نے میرا کچھ نہیں بگاڑا۔ اس نے غیر کے سوچا۔

شاید یہ جذبہ میرے اندر کہیں بکل مارے پڑا سوتا رہتا۔ مگر کراچی میں تم نے مجھے ہمیشہ کے لیے اس سے...

''آپ یہیں کام کرتے ہیں؟'' ایک ادھیڑ عمر آدمی نے اسے متوجہ کیا جو بہت دیر سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

وہ چونک پڑا۔

''جی نہیں!'' اس نے بہت آہستہ آواز میں جواب دیا۔

نیلی بدرنگ سی امریکن جینز اور سفید شرٹ میں ملبوس اور حویلی کے نشے میں ہوئے اعتماد اور انداز نشست کی وجہ سے موجود تمام مردوں میں سب سے ممتاز نظر آ رہا تھا۔

''یہ بڑا چھوٹا سا قصبہ ہے۔ ہم نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ کہاں سے آئے ہیں؟'' ایک اور صاحب نے بات کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہی۔

''جی نہیں۔ میں یہاں نہیں رہتا۔'' اس نے جان چھڑانے والے انداز میں جواب دیا۔

''آپ کو ڈاکٹر صاحب اپنی سیٹ پر بلا رہے ہیں۔ ادھر برابر میں۔'' کمپوڈر نے آ کر اس کی جیسے جان بچائی کہ اس وقت اس کا قطعی موڈ نہیں تھا کہ کسی قسم کی بھی گفتگو کرے۔

وہ تیزی سے ڈاکٹر کے پاس آیا۔

''جب بات یہ ہے کہ ضروری ٹریٹمنٹ تو دے دی ہے مگر آپ کو اب روزانہ چیک اپ کے لیے لانا ہوگا۔''

''روزانہ!'' اسے چکر سا آ گیا۔

''جی۔۔۔ زخم بہت گہرے ہیں۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''جب یہاں کہیں فون کی سہولت ہے۔'' اب اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

''جی برابر میں میڈیکل اسٹور ہے۔ وہاں ہے یہ سہولت۔''

''میں ابھی آیا۔۔۔'' وہ یہ کہہ کر تیزی سے باہر نکلا تھا۔

میڈیکل اسٹور والا اتنی دور کی کال پر بمشکل رضامند ہوا اور خاصے بھاری چارجز طلب کیے۔ اس وقت اسے ہر بات منظور تھی۔

اس نے نمبر ڈائل کیا۔

دوسری طرف کسی خاتون نے ریسیور اٹھایا۔

''ہاری بات کر رہا ہوں۔ خان سے کہیے۔''

''دوسرے ہی لمحے ایرپیس سے تیمور علی خان کی آواز ابھری۔ ''تیمور اسپیکنگ۔''

''خان! مسئلہ ہو گیا ہے۔ جھومر بھابی کو کتے نے بہت زخمی کر دیا ہے۔''

''تم کہاں سے بات کر رہے ہو؟''

''قصبہ انگوروالا سے۔۔۔ ڈاکٹر کے پاس لایا تھا۔ گلباز کی طبیعت اب کیسی ہے؟'' اس نے چند مختصر جملوں میں بتایا تھا۔

''ابھی ٹھیک نہیں ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ اور ہماری طرف سے اس نمک حرام کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم اگر پہنچ گئے تو باقی بچے ہم نہیں چھوڑیں گے۔ اس دو ٹکے کی چھوکری نے ہمارا بہت قیمتی وقت برباد کیا ہے۔ ہم صرف بابا صاحب کی خاطر یہ برداشت کر رہے ہیں۔''

''تم کیسے ہو اس کے؟ اب کیا بکتی ہے؟'' وہ نفرت آمیز لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں خان؟'' اس نے نہایت معقول جواب دینے کی کوشش کی۔

''ٹھیک ہے۔ ہم کل دوپہر تک پہنچیں گے۔ اطمینان رکھو۔'' دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔

بل ادا کر کے میڈیکل اسٹور کے مالک سے نزدیکی کسی پٹرول پمپ کا پتا کرنے لگا۔

تیمور خان کو فون کر کے اس نے خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کیا۔

ساری عمارت پر گہری خاموشی کا غلاف چڑھا ہوا تھا۔

وہ بابا صاحب کے بدلے ہوئے انداز پر سوچ سوچ کر شل ہو چکی تھی۔ آنے والی کسی تبدیلی کے نشے نے ہی اُڑا دی تھی۔

کہاں تو پپا اتنی رازداری برت رہے تھے۔ کہاں یہ کہ بابا صاحب کو سب پتا ہے۔ کیا چکر ہے یہ۔۔۔ وہ سوچ کر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔ کیا مجھے پپا کے ذریعے بے بس کر دیا جائے گا۔ کیا پپا کی محبت کی مجھے کوئی قیمت چکانی پڑے گی۔

مگر پپا تو زبان کے بڑے پکے سمجھے جاتے ہیں۔ پھر یہ کھچڑی سی کیا پک رہی ہے؟ اچانک اُس کا دھیان پپا کے بیڈروم کے دریچے روشن ہیں۔

پپا ابھی جاگ رہے تھے ابھی تک۔۔۔ وہ کچھ سوچ کر کھڑکی سے ہٹ گئی۔

اس نے بیڈ سے دوپٹا اُٹھایا۔ پاؤں میں چپل ڈالی اور بہت آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

سیاسی صورتِ حال کیونکہ بہت کشیدہ ہو رہی تھی۔ اس لیے آج کل عمارت پر پہرا بھی سخت تھا۔

باہر گیٹ کی طرف سے کسی جیپ کے روانہ ہونے کی آواز کے ساتھ سپاہیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے رات زیادہ نہیں ہوئی۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ رات کا ایک بج رہا تھا۔ وہ تُلے قدم رکھتی ہوئی بیڈروم تک آ گئی اور دستک دی۔

''کون؟'' یاور علی خان کی تھکی تھکی سی آواز آئی۔

''میں ہوں پپا۔ روشانے۔''

دوسری طرف مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔ شاید وہ دروازہ کھولنے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

چند سیکنڈ بعد دروازہ کھل گیا۔

سامنے یاور علی خان سیاہ ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس قدرے حیرت سے روشی کو دیکھ رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں کی سرخی بہت گہری ہو رہی تھی۔ روشی کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سی لہر دوڑنے لگی۔ رواں رواں کھڑا ہو گیا۔ اُس نے محسوس کیا، اس کے باپ کا چہرہ بہت غیر معمولی محسوسات کی کہانی سنا رہا تھا۔

''آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں پپا؟ آپ کے بیڈروم کی لائٹ جل رہی تھی۔ میں سمجھ گئی، آپ جاگ رہے ہیں، ورنہ سوتے ہوئے تو آپ نائٹ بلب بھی بجھا دیتے ہیں۔''

یاور علی خان ایک طرف ہٹ گئے۔ گویا روشی کو اندر آنے کا اشارا کیا۔

روشی اندر آ گئی۔ انہوں نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا اور اپنے بیڈ کی طرف بڑھ گئے۔

''تم [illegible] رہی ہو ابھی تک؟'' وہ نیم دراز ہو گئے۔

[illegible] روشی [illegible] بیڈ کے قریب پڑی خوبصورت سی کرسی پر بیٹھ گئی۔

[illegible] وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

[illegible] محسوس ہو رہی [illegible]

''پریشانی بتاؤ بیٹا، یہ تمہارے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں۔ تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں تو کس بات پر۔۔۔''
اُنہوں نے پھر سوال کیا۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے آپ ناراض ہو جائیں گے۔'' وہ ہچکچائی۔

یاور علی خاں نے صرف ایک لمحے کو نظر اُٹھا کر اُس کی صورت دیکھی۔ وہ اُن ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اپنی جانب دیکھتے پا کر جھٹ نظریں جھکا لیں۔

یاور علی خاں نے سگریٹ کیس سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور دو تین گہرے گہرے کش لیے۔

''روشی! میں تمہارا باپ ہوں، تمہاری ذات سے تعلق رکھنے والا ہر معاملہ، ہر مسئلہ میرا ہے، اگر خدا نے مجھے اولاد دی تو مقامِ شکر ہے کہ ذمہ داری کا احساس بھی دیا ہے۔ تم دریا بستی میں ہو، کراچی میں ہو، ہری پور میں ہو یا امریکہ میں، ذمہ داریوں کو کم نہیں کر سکتے۔

تم آرام سے سو سکتی ہو، فی الحال تمہارے معاملات بہت آگے چلے گئے ہیں۔ اُن کی جگہ دوسرے معاملات اختیار کر رہے ہیں۔ تم اب یہ فرض کرو کہ تمہاری ''ڈول'' خاصے عرصے کے لیے ''سرخ فیتے'' سے باندھ کر رکھ دی گئی ہے۔''
اُنہوں نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ایش ٹرے میں راکھ جھاڑتے ہوئے نہایت پُرسکون انداز میں کہا۔

روشی حیران پریشان اُن کی صورت دیکھتی رہ گئی۔

''میں سمجھی نہیں پپا!'' اُس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

''تمہارا مسئلہ حل ہو جائے تمہارے لیے خاص بات یہ ہونا چاہیے، اب تم جا کر سو جاؤ، شاباش!'' اُن کا انداز یک لخت باضابطہ اور اجنبی سا ہو گیا۔

وہ ڈر کر کھڑی ہو گئی۔ یاور علی خاں کی سرخ آنکھوں میں سرد مہری سی جھلکنے لگی تھی۔

''پپا!''

''ڈونٹ ڈسٹرب می۔۔۔ تم جا سکتی ہو۔'' اُن کا انداز بلا کا سخت تھا۔

روشی کا دل دھک سے رہ گیا۔ اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ ''کچھ سننے سے پہلے ہی آپ جواب دینے کے پابند تو نہیں ہیں۔'' اُس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی شامل ہو گئی تھی۔

یاور علی خاں نے ایک لمحے کو اس کی سمت دیکھا۔ آنسو تواتر سے اُس کے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔

''روشانے! بیٹا مجھے پریشان نہیں کرو، مجھ پر بھروسا قائم رکھو۔ بیٹے تمہارا باپ پہلے ہی بہت ڈسٹرب ہے، اُسے مت اُلجھاؤ۔'' اُن کی آواز میں نہ جانے کیسی شکستگی در آئی تھی۔

انہوں نے سائیڈ ٹیبل سے شاید وائرلیس سیٹ اُٹھایا تھا اور آن کر کے بات شروع کر دی تھی۔
روشی کے آنسو تھم گئے تھے۔ باپ کے شکستہ لہجے نے جیسے اس کے وجود میں آگ سی بھر دی تھی، وہ ساکت نظروں سے اُنہیں دیکھتی رہتی۔

''ہیلو کون۔۔۔ میجر نیاز؟ ہوں۔۔۔ یاور بات کر رہا ہوں۔۔۔ ڈبل ٹائن کیس فارورڈ ہو گیا۔۔۔؟ او کے۔۔۔ فائل کل دوپہر تک ہی نمٹ سکے گی۔۔۔ اوور۔۔۔ کوئی بات نہیں۔۔۔ اوور۔۔۔ ہوں۔۔۔ بہت پریشر ہے مجھ پر، سیکرٹری صاحب کا فون ابھی چند منٹ پہلے ہی آیا تھا۔ اوور۔۔۔ نہیں تو پھر پرائم منسٹر سے ڈائریکٹ بات ہو گی۔ اوور۔۔۔ اینڈ آل۔''
انہوں نے سوئچ آف کر دیا اور وائرلیس واپس رکھ دیا۔

''تم گئی نہیں؟''

''آپ آفیشل پرابلمز کی وجہ سے ڈسٹرب ہیں، میں سمجھی تھی۔۔۔ آئی ایم سوری پپا! خالہ ٹھیک کہتی ہیں بیوروکریسی واقعات سے بنی ایک مشین ہے اور آپ اُس مشین کا ایک پارٹ ہیں اور مشینوں کو دل رکھنا نہیں آتے، اگر آپ ایک پُر اثر واضح جملہ مجھے پُرسکون کرنے کے لیے استعمال کر لیتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ بس مجھے میٹھی نیند آ جاتی، مگر ایک مشین۔۔۔!''

وہ تیزی سے پلٹ گئی۔
یاور علی خاں کے روم روم میں جانے کس کس رنگ کی اذیت اُتر آ گئی۔

....

اندر داخل ہوتے ہی ایک گھٹا ٹوپ بھیانک اندھیرے نے استقبال کیا تھا۔ آتے ہوئے وہ بڑی موم بتی کا پیکٹ لانا نہیں بھولا تھا۔

''میں ذرا اندر روشنی کر کے آتا ہوں، آپ یہیں لیٹی رہیے۔'' اُس نے کار کی پچھلی سیٹ پر دراز جھومر کو مخاطب کیا۔
جواب میں دوسری طرف خاموشی طاری رہی۔ وہ کار سے باہر آ کر راہداری کی طرف بڑھ گیا۔
ایک موم بتی راہداری میں اور دوسری ہال کمرے میں روشن کی اور اُلٹے پاؤں واپس احاطے میں آیا۔ گیٹ بند کیا اور جھومر کی طرف کار کا دروازہ کھول کر اسے باہر آنے کو کہا۔
جھومر نے اس طرح ہاتھ بڑھایا جیسے اُسے کسی سہارا دینے والے ہاتھ کی ضرورت ہو۔
ہادی نے بادلِ نخواستہ اُس کا ہاتھ تھاما اور اس کو باہر آنے میں مدد دی۔
جھومر باہر آ کر اُس کے شانے سے ٹک گئی اور آہستہ آہستہ لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔
اُسے ہال کمرے میں بچھے تخت پر لٹا کر واپس باہر آنے لگا تو جھومر نے آواز دی۔
''ہادی! کہاں جا رہے ہو؟''
''باہر باغ میں چاندنی چٹکی ہوئی ہے۔ مہر النساء دو کبوتر ہاتھ میں لیے بیٹھی ہوئی ہے، وہیں جا رہا ہوں۔'' اُس کی آواز میں بڑی تلخی اور کڑواہٹ تھی۔
''کاش! ہم بھی کسی کی مہر النساء ہوتے۔'' جھومر کے لہجے میں بڑی تھکن تھی۔
''موت قریب دیکھ کر لوگ گناہ بخشوانے کی فکر کرتے ہیں اور یہاں۔۔۔'' اُس نے جل کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور باہر آ

گیا۔

اس کو دوا دینے سے پہلے کچھ کھلانا چاہتا تھا، وہ اسی خیال سے درمیانی کمرے میں آیا تھا، جہاں ملازمہ چیزیں رکھ کر گئی ہوئی تھیں۔

چند اسنیکس اور پانی کا گلاس لے کر وہ پانچ منٹ بعد واپس اُس کے پاس آ گیا تھا۔

''اُٹھیے، کچھ کھا لیجیے، پھر دوا کی باری آئے گی۔''

اُس نے ہاتھ میں پکڑی چیزیں تخت پر رکھ دیں اور واپسی کے ارادے سے قدم آگے بڑھائے۔

''باری---!''

''جی---!''

''بہت ناراض ہو؟''

باری کو جیسے کرنٹ لگا۔ وہ مڑ کر جھومر کی شکل دیکھنے لگا۔

''معاف کر دو مجھے، میں نے شاید تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ پلیز باری۔''

''کس بات کی معافی مانگ رہی ہیں آپ؟'' وہ بس یہی کہہ سکا۔

''دراصل باری! میری جگہ کوئی اور بھی لڑکی ہوتی تو یہی سمجھتی، کیونکہ تم عورت نہیں ہو، اس لیے اُس احساس تک نہیں پہنچ سکتے۔ مگر میں تم سے معافی مانگ چکی ہوں۔''

''یہ اندازہ لگانے میں جلدی نہ کریں، ابھی تو نہ جانے کتنے دن مجھے اور آپ کو اکٹھا رہنا ہے۔''

''کاش! میں تم جیسے مرد کے ساتھ عمر بھر اکٹھا رہ سکتی۔ ظفری کے بخشے ہوئے یہ زیور، گہنے مجھے نہ ڈستے۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''پلیز! بھابی خاموش ہو جائیں، یہ دکھ میری کل طاقت سے زیادہ ہے۔ میں اسے اس وقت بالکل بھی [illegible] دے رہا ہوں کہ آپ کے ہوش و حواس قائم نہیں ہیں، لیکن اگر آپ نے آئندہ اس طرح کے الفاظ منہ سے نکالے [illegible]'' وہ رک گیا۔ اُس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ سانس کی رفتار خاصی تیز ہو گئی تھی۔ وہ اپنی مٹھیاں کبھی کھول رہا تھا، کبھی بند کر رہا تھا، جو اُس کی اضطراری کیفیت کو ظاہر کرنے والا عمل تھا۔

''بھابی! میری بات غور سے سنیں، یہ سوچ کر بلکہ یقین کے ساتھ سوچ کر سنیں کہ فی الحال آپ کے [illegible] انسانوں میں، میں آپ کا واحد خیر خواہ ہوں۔'' وہ بولتے بولتے رک گیا۔

''کیسے خیر خواہ ہو، میں تمہارے سامنے خون میں لت پت پڑی ہوں۔ اگر تم میرے خیر خواہ ہوتے تو پہلی فرصت میں [illegible] سے نکل بھاگنے کا موقع فراہم کرتے۔'' جھومر جیسے اُس پر برس پڑی۔

''میں صرف آپ ہی کا نہیں حویلی کے ایک ایک فرد کا خیر خواہ ہوں۔ آپ سے خیر خواہی کا مطلب [illegible] کے ساتھ وفاداری کا معاہدہ منسوخ ہو گیا۔'' اُس نے بہت دھیمی آواز میں اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

[illegible] حسن تو ارزاں ترین سفارش ہے۔ میں دکانوں پر خریداری کرتی ہوں تو سودا میری مرضی سے طے ہوتا ہے [illegible] پاس جاؤں تو وہ سب سے زیادہ توجہ مجھ پر دیتا ہے۔ بھیڑ میں ہوں تو لوگ اِدھر اُدھر ہٹ کر پہلے مجھے راستہ [illegible]

[illegible] ہے، تمہارے [illegible] تو مجھے شوق سے دیکھتے ہیں، شوق سے سنتے ہیں۔ ہم عمر لڑکیوں میں بیٹھوں تو مجھے چھو چھو کر دیکھتی ہیں [illegible] میں آگے بیٹھتی تھی تو لڑکیاں زبردستی مجھے پیچھے بھیج دیتی تھیں --- کہ ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔ ایسی جگہ بیٹھو [illegible] کی نظر نہ پڑے۔

[illegible] نے محسوس کیا ہے کہ تم پر کوئی اثر نہیں۔ تمہارے نزدیک باہر بندھا ہوا کالا کتا اور میں جیسے ایک سے ہیں۔''

جھومر کے لہجے میں قناعت اور لرزش تھی مگر نہ جانے کیوں وہ اتنا بولنا چاہ رہی تھی۔

''اور اس روز اس غلط فہمی کی وجہ بھی یہی تھی کہ شاید تم بھی میرے ''ظاہر'' پر---!'' وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔

باری اسی طرح پشت کیے دم بخود سا کھڑا تھا۔ جب چند لمحوں تک مزید کوئی جملہ جھومر کی طرف سے نہیں آیا تو اس کے جسم میں جنبش ہوئی، وہ مڑا اور اس طرح کھڑا ہو گیا کہ اب مکمل طور پر جھومر کے روبرو تھا۔

''حسین عورت کے ساتھ مرد کا ایک ہی رشتہ تو نہیں ہوتا۔ حسین عورت ماں، بہن، بیٹی، بہو، بھابی، پھوپھی، ممانی، چچی، بیوی وغیرہ بھی ہو سکتی ہے اور ہر رشتہ اپنے اندر کچھ حد بندیاں اور احترام کے تقاضے محفوظ رکھتا ہے۔

آپ واقعی بہت حسین ہیں، مگر میرے لیے آپ کا حسن، آپ کی ذات کی طرح لائق احترام ہے۔ میں آپ کو بھابی کہتا ہوں، آپ اسی رشتے کا رسپانس مجھے لوٹا دیا کیجیے۔''

اُس نے بہت پُرسکون انداز میں ٹھہر ٹھہر کر اسے مفصل جواب دیا۔ وہ جھومر کے بے رحم الفاظ کے حملے سے جیسے باہر آ گیا ہو اور اسے اب خود پر مکمل کنٹرول تھا۔

جھومر نے دیر سے بند آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔

شاید اس کے گریبان کا اوپری بٹن ٹوٹ گیا تھا کہ گریبان کشادہ ہو رہا تھا۔ ساتھ ہی سینے اور بائیں شانے پر خون کے دھبے نظر آ رہے تھے اور سفید شرٹ پر بہت نمایاں تھے۔ جھومر کو سہارا دیتے وقت غالباً اس کی کلائی سے بہنے والا خون وہاں [illegible] لگ گیا تھا۔

''مگر میں تمہیں مطلع کر چکی ہوں، وہاں حویلی میں میرا کسی سے کوئی قانونی اور شرعی رشتہ نہیں ہے۔ تم یا کوئی اور مجھے بھابی کہے تو کوئی حق ہے مجھے۔'' وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''یہ [illegible] نہیں باری--- ڈاکہ پڑا ہے میرے باپ کے گھر میں۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''آپ یہ کچھ تھوڑا سا کھا لیں پھر دوا بھی کھانی ہے۔ نیند کی گولیاں بھی ہیں کھا لیں گی تو نیند آ جائے گی اور تکلیف کے احساس سے نجات مل جائے گی۔''

[illegible] طور پر باری باہر جانے کے بجائے اُس کی سمت بڑھا۔ اُس نے کیک پیس اُس کی طرف بڑھائے۔

''یہ کھا لیجیے، مناسب ہے، ویسے آپ کی مرضی۔''

جھومر نے قدرے حیرت سے دیکھا، پھر ایک کیک پیس اُٹھا کر آہستہ آہستہ کھانے لگی۔

موم بتی کے ملگجے سے اُجالے میں وہ الورا کے کھنڈرات سے برآمد ہونے والی اُجاڑ، شکستہ مگر حسین مور...
رہی تھی۔

باری وہیں تخت کے ایک کنارے پر ٹک گیا اور ایک طرف رکھی دوائیاں اُٹھا اُٹھا کر دیکھنے لگا۔

وہ اُس کی طرف بغور دیکھ رہی تھی اور باری کو اچھی طرح اس کا دیکھنا محسوس ہو رہا تھا، اسی وجہ سے ا...
اُٹھانے کی کوشش نہیں کی۔

''باری! یہاں بہت گھٹن محسوس ہوتی ہے۔'' بالآخر وہ بولی۔

''یہ قید خانہ ہے، ظفری کا ایرکنڈیشنڈ بیڈروم نہیں۔'' اُس نے برجستہ کہا تھا۔

''ہونہہ، دوزخ ہے وہ۔'' اُس نے گلاس اُٹھا کر پینا شروع کر دیا۔

''تم کہاں سوتے ہو؟ تمہیں گرمی نہیں لگتی؟''

''میں دالان میں سوتا ہوں، گرمی ابھی کہاں---'' وہ اتنے نرم انداز میں جواب دے رہا تھا کہ وہ لمحہ...
بھول گئی۔

''نیند آ جاتی ہے؟'' اُس نے باری پر تفصیلی نظر دوڑائی۔

وہ سر جھکائے ہنوز دواؤں کے لیبل پڑھ رہا تھا یا پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آ جاتی ہے۔'' وہ نہ جانے کیوں آہستگی سے ہنس دیا تھا۔

''ڈر نہیں لگتا وہاں؟'' اُس دن والے ''پتھراؤ'' سے وہ ابھی تک خوفزدہ تھی جو ابھی تک راز ہی تھا۔

''ڈر---؟'' باری نے بے ساختہ نظریں اُٹھائی تھیں، ''کس چیز کا ڈر؟''

''سنا ہے ویرانوں میں بھوت اور آسیب ٹھکانا بنا لیتے ہیں۔'' خوف سے اُسے جھرجھری سی آ گئی۔ ماحول...
بھیانک سا ہو رہا تھا۔

''بقول آپ کے کہ روشی بی بی تو مجھے حویلی کا آسیب کہتی ہیں۔ ایک آسیب دوسرے آسیب سے کیوں ڈ...
مسکرا دیا۔

''اور کچھ لیجیے ناں۔'' اُس نے جھٹ سے بات کا رُخ موڑ دیا۔

''نہیں بس--- لاؤ مجھے تم دوا دے دو۔ نیند کی ضرور دینا۔ میں بہت بے خبر سونا چاہتی ہوں۔ باہر کے زخم...
گے البتہ روح کے زخم بہت بے چین رکھتے ہیں۔

اگر نیند کی ایک گولی آٹھ گھنٹے سُلا سکتی ہے تو تم مجھے دو دینا، میں سولہ گھنٹے اذیتوں سے پرے دنیا سے غافل...
ہوں۔ ہو سکتا ہے جی بھر کر سونے کے بعد میں خود کو زیادہ طاقتور اور کارآمد محسوس کرنے لگوں اور شاید...

...تکلیف بھی بہت ہو رہی ہے، سیدھی ٹانگ میں بہت اکڑاؤ ہے۔''

اُس نے تکلیف کے احساس سے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔

''بہتر--- یہ لیجیے۔'' باری نے کئی قسم کی گولیاں اُس کی ہتھیلی پر رکھ دیں۔

''اتنی ساری گولیاں! اتنے موٹے موٹے انجیکشن جو لگائے تھے، وہ کس لیے تھے؟''

...رنگ برنگی گولیاں دیکھ کر بدک گئی۔

''وہ تو زہر پھیلنے کے خطرے سے بچاؤ کے لیے تھے۔ یہ شاید زخموں کے لیے ہیں۔'' اُس نے پھر نرمی سے جواب دیا۔

''تمہارا انداز بتا رہا ہے، تم نے میری معذرت قبول کر لی، تم واقعی اچھے ہو۔''

''رائے قائم کرنے میں جلدی نہیں کرنا چاہیے۔ وہ بھی زندہ لوگوں کے بارے میں۔'' اُس نے مزید گولیاں اُس کی
...ف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''نیند کتنی دیر میں آ جائے گی؟'' اُس نے تھکے تھکے انداز میں سوال کیا۔

''آپ دوا کھا کر لیٹ جائیں، جلدی آ جائے گی۔'' اُس نے نرمی سے جواب دیا۔

''مگر شاید یہاں دیر تک نیند نہ آئے بہت گھٹن ہے۔ یہ تخت دالان میں نہیں جا سکتا؟ اگر نہیں جا سکتا تو میں وہاں نیچے بھی
...بت سکتی ہوں۔'' جھومر نے نقاہت سے کہا۔

''آپ اُٹھیے، میں یہ تخت باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہوں۔'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

''اکیلے؟'' جھومر نے تعجب سے اُسے دیکھا۔

''ظاہر ہے، اب رات کے اس پہر فوج کہاں سے طلب کروں؟'' وہ تھوڑا سا جھلایا۔

''ماشاء اللہ بہت مضبوط ہو، اس میں کیا شک ہے، ایک مضبوط مرد، ایک عورت کے لیے کیا اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا
احساس کسی ''بے چاری'' سی عورت ہی کو ہو سکتا ہے۔'' وہ آہستہ سے تخت سے نیچے اُتر آئی اور دیوار کا سہارا لے کر کھڑی ہو
گئی۔

باری نے دوائیں زمین پر رکھیں اور تخت اُٹھا لیا۔

جھومر نے آنکھیں موند رکھی تھیں۔ باری تھوڑی دیر میں واپس آ گیا۔

''کیا تکلیف زیادہ ہو رہی ہے یا نیند آ رہی ہے؟'' چند لمحے انتظار کے بعد جب اُس نے آنکھیں نہ کھولیں تو اُسے بولنا
پڑا۔

''تکلیف تو خیر بہت ہے، مگر آنکھیں میں نے اس لیے بند کر لی تھیں کہ تم وزنی تخت اُٹھا رہے تھے، کہیں تمہیں میری نظر
نہ لگ جائے۔''

وہ دھیرے سے بولی اور لنگڑاتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔

باری نے آگے بڑھ کر اُسے تھام لیا۔

''آہستہ آہستہ چلیں، جلدی کیا ہے؟''

وہ اُسے سہارا دے کر دالان تک لایا اور تخت پر ٹکا دیا۔

تھوڑے فاصلے پر اس کا پلنگ پڑا ہوا تھا۔

''باری---!''

''جی---!''

''زحمت تو ہوگی، مجھے تھوڑا سا پانی اور پلا دو۔''

وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور چند منٹ بعد پانی لے آیا۔

جھومر ایک سانس میں پانی چڑھا گئی۔

''معلوم نہیں، اتنی پیاس کیوں لگ رہی ہے۔ کیا آگ بھڑک اُٹھی ہے اندر۔'' اُس نے گلاس واپس کرتے ہوئے

کمزور لہجے میں کہا اور جیسے تخت پر ڈھے گئی۔

باری گلاس رکھ کر آیا اور آہستگی سے پلنگ پر دراز ہوگیا۔

نیا چاند طلوع ہونے میں ابھی دو تین روز باقی تھے، راتیں اندھیری تھیں، مگر تاروں کی بن آئی تھی۔ جیسے

آسمان پر اربوں، کھربوں چراغ روشن تھے۔

موم بتیاں اُس نے بجھا دی تھیں۔ حویلی مکمل طور پر تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ویرانے کی رات---کیڑوں کی

سرسراہٹ، جھینگر اور مینڈکوں کی اعصاب شکن آوازیں کسی طرح بھی تو پُرسکون سانس لینے کی رعایت نہیں دے رہی تھیں۔

گردن موڑ کر ذرا فاصلے پر لیٹی جھومر کی طرف دیکھا۔

تخت پر گویا چراغ روشن تھا۔ ایک نامعلوم سا دُکھ زینہ بہ زینہ اُس کے اندر اُترنے لگا۔

....

دلاور علی خاں اپنی صبح کی چہل قدمی میں مصروف تھے۔ ان--- سے کچھ فاصلے پر یاور علی خاں لان چیئر پر بیٹھے

معمول کے مطالعے میں مصروف نظر آرہے تھے۔

روشی بہت تیز رفتاری میں آئی تھی اور سیدھی بابا صاحب کے پاس پہنچی تھی۔

''السلام علیکم، بابا صاحب!''

''وعلیکم السلام--- جیتی رہو۔ بھئی ہمیں تمہاری یہ عادت بہت اچھی لگتی ہے کہ تم سویرے سویرے اُٹھ جاتی ہو۔'' وہ

بشاشت سے مسکرائے۔

''آپ کتنے بجے تک روانہ ہوں گے؟'' اُس نے بھرپور سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔

''ڈرائیور کسی کام سے گیا ہے، وہ آتا ہے اور ہم روانہ ہوتے ہیں۔ خیریت؟ کوئی پیغام ہے، جنوں کے لیے؟'' انہوں

نے چہل قدمی موقوف کردی اور ایک جگہ ٹھہر گئے۔

''نہیں، میں خود آپ کے ساتھ جاؤں گی۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔

یاور علی خاں نے اخبار کا صفحہ اُلٹتے ہوئے ایک لمحے کو اپنی بائی فوکل عینک کے اوپر سے اُسے دیکھا اور صفحہ درست کر کے

دوبارہ مطالعہ کرنے لگے۔

''اپنے باپ سے اجازت لے لی؟'' بابا صاحب بہت خوش دکھائی دینے لگے۔

''ہمیں تو ساری اجازتیں آپ ہی سے لینا ہوتی ہیں۔'' اُس نے ایک اُچٹتی سی نظر باپ پر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

''وہ اور طرح کے کیس ہوتے ہیں۔ اب تم یہاں ہو۔ یہاں ہر بات کی اجازت اپنے باپ سے لوگی۔ ہم کتنے ہی ذمہ

دار کیوں نہ ہوں، مگر باپ، باپ ہوتا ہے۔'' وہ مسکرا رہے تھے۔

''پپا کیا کہیں گے، اور انہیں فرق ہی کیا پڑتا ہے۔ سارے فرق تو ہمیں پڑتے ہیں۔'' اُس نے بددلی سے جواب دیا۔

''پھر بھی بیٹی۔''

''میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کی موجودگی میں کسی اور گھر کے فرد سے اجازت لی گئی ہو۔'' اُس نے خاصے تکدر

بھرے لہجے میں کہا۔

دلاور علی خاں خاموش سے ہو کر رہ گئے۔

''پپا!'' وہ یک دم یاور علی خاں کے قریب پہنچی۔ ''میں بابا صاحب کے ساتھ جا رہی ہوں اور پھر مجھے جانا تو ہے ہی۔''

''ٹھیک ہے۔'' اُنہوں نے نظریں اُٹھائے بغیر بے تاثر سے انداز میں کہا۔

روشی کے دل کو کچھ ہوا۔

''کاش! پپا اُسے رُکنے کو کہتے۔ کاش اُس سے پوچھتے کہ آخر وہ اچانک کیوں جا رہی ہے۔''

''بابا صاحب! جواد کو چھٹیاں پڑتے ہی یہاں بھیج دیجیے گا۔ ایک ہفتے کے لیے فرانس جاؤں گا، اُسے ساتھ لے جاؤں

گا، ذرا اسے چینج مل جائے گا۔'' یاور علی خاں، اخبار تہ کرتے ہوئے دلاور علی خاں سے مخاطب تھے۔

''ہاں، ہاں یاد ہے ہمیں، آجائے گا وہ۔''

''میں سوٹ کیس پیک کر رہی ہوں۔''

''روشی--- پہلے ناشتا کرلو۔'' یاور علی خاں نے اپنے مخصوص انداز میں اُسے ٹوکا۔

''ساتھ لے جاؤں گی، راستے میں کرلوں گی ناشتا۔'' اُس نے بجھے بجھے انداز میں جواب دیا۔

''بھئی روشی کا بھی کچھ پتا نہیں چلتا۔ کل تو جانے کی جلدی نہیں تھی اور آج جانے کی جلدی ہے۔'' بابا صاحب نے روشی

کو اندر بڑھتے ہوئے دیکھا تو شگفتہ انداز میں بیٹے سے مخاطب ہوئے۔

''نہ جانے کیوں بابا صاحب مجھے کبھی کبھی یہ احساس ہوتا ہے جیسے میں اپنے بچوں کی توقعات پر پورا نہیں اُتر رہا، یا

میرے بچے مجھ سے مایوس ہیں۔'' یاور علی خاں اخبار تہ کرتے ہوئے بڑے گم صم سے انداز میں باپ سے مخاطب ہوئے۔

''تمہارا اندازہ درست نہیں۔ تمہاری بیٹی تم پر بہت فخر کرتی ہے۔ وہ تو یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ کوئی اُس کے باپ سے

زیادہ لائق بھی ہو سکتا ہے۔" بابا صاحب مسکرا رہے تھے۔

"اچھا" یاور علی خاں دھیرے سے مسکرا دیے۔ "مجھے لگتا ہے یہ کبھی بڑی نہیں ہو گی۔"

"ایسی بات نہیں، البتہ فی الحال وہ واقعی چھوٹی ہے۔" دلاور علی خان نے اپنی رائے دی۔

"آپ کے لیے تو مسئلہ نہیں بنتی۔" نہ جانے کیوں وہ پوچھ بیٹھے۔

"وہ جو کچھ ہے ہماری اولاد ہے۔ تم یہ کیا فکر پالنے لگے۔ آج بہت اجنبی ہو رہے ہو، باپ سے کوئی شکایت؟" وہ سنجیدگی سے بغور یاور علی خان کو دیکھنے لگے۔

"ارے نہیں بابا صاحب! بس یونہی آپ کی بڑھتی ہوئی عمر کا خیال آ گیا تھا۔ آپ نے جس طرح میری پرورش کی ہے، وہ حساب تو چکا ہی نہیں سکتا۔ کل تک روشی لان میں تتلیاں پکڑتی بھاگتی پھرتی تھی اور اب آناً فاناً مجھے میرے سامنے آ گئی یہ جتنا بیچ کا عرصہ ہے، مجھے نہیں احساس کہ کس طرح طے ہو گیا اور یہ سب آپ ہی کا حصہ ہے۔ مجھے کیا پتا بچے کیسے پرورش کرتے ہیں۔ میں نے کبھی آپ کا ہاتھ نہیں بٹایا۔ جب کبھی حویلی جاتا تھا، بھابی بچوں کو لے کر آتی تھیں اور کہتی تھیں کہ پپا کو سلام کرو تو جیسے--- میں نیند سے جاگتا تھا اور محسوس کرتا تھا کہ میں باپ ہوں۔" وہ بولتے بولتے مبہم سا مسکرائے۔

"یہ سارا قصہ بڑی دلہن کے ہاتھوں میں طے پایا ہے۔ حقیقت میں ہم نے کچھ نہیں کیا۔ ماں بن کر پالا دونوں بچوں کو۔ ماشاءاللہ بہت ذمہ دار ہیں۔ جب ہم نے بہو کی حیثیت سے انہیں پسند کیا کہ ہمارے اپنے بھائی کی بیٹی ہیں تو تمہاری ماں نے بہت مخالفت کی تھی۔ وہ اپنی بھتیجی لانا چاہتی تھیں۔ وقت نے ثابت کر دیا کہ ہمارا فیصلہ درست تھا۔" بابا صاحب نے قدرے تفاخر سے کہا۔

یاور علی خاں نے گہری سانس لی۔

"پھر بھی بابا صاحب کوئی کمی تو رہ گئی ہو گی۔ ماہین ٹھیک ہی تو کہتی ہیں۔" وہ بولتے بولتے رک گئے اور آگے بڑھتے بڑھتے۔

"کیا کہتی ہیں؟" وہ استفسار کرنے لگے۔

یاور علی خاں نظریں چرا کر ایک طرف دیکھنے لگے۔

دلاور علی خاں نہ جانے کیوں مسکرا دیے۔

"اس مرتبہ بات ہو تو ہماری طرف سے پوچھنا، وہ ان بچوں کی محبت میں کتنا آگے بڑھ سکتی ہیں۔ ہمیں ضرور بتانا۔ تو البتہ تمہیں اپنا عندیہ دے ہی چکے ہیں۔ جب ہم تم سے کل شام کو یہ کہہ---!"

"روشی آ رہی ہے بابا صاحب!" یاور علی خاں نے بہت دھیمی اور دبی ہوئی آواز میں باپ کو متوجہ کیا۔

وہ بولتے بولتے چپ ہو گئے۔

"میں بالکل تیار ہوں بابا صاحب! آپ ابھی تک یہیں ہیں؟" وہ آتے ہی گویا ہوئی۔

"ہم بھی تیار ہی ہیں۔ تم نے ناشتہ رکھ لیا سامان میں؟"

"جی، اور اتنی زبردست چائے بنائی ہے، راستے میں پئیں گے تو مجھے شاباش دیں گے، کیونکہ آپ کی تو جیب بھی کنجوس ہے۔ بڑی امی کہتی ہیں، آپ کی جیب میں تو پیٹ میں پڑا پانی بھی نہیں ہلتا۔" وہ اپنے لاابالی پن سے کہہ رہی تھی۔

دلاور علی خاں بے ساختہ ہنس دیے۔

"یہ تو ہمارے حق میں بہت ہی اچھا ہوا۔ ایک تو سفر تمہارے ساتھ کریں گے، دوسرے تمہارے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے پئیں گے۔"

"پپا! میں جا رہی ہوں۔" اب وہ باپ کی طرف پلٹی۔

"اچھا بیٹے تمہاری مرضی، پھر موڈ بن جائے تو مطلع کر دینا، میں ڈرائیور کو بھیج دوں گا۔" انہوں نے ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔

"بابا صاحب! پپا تو اپنی بیٹی کے ساتھ بھی مہمانوں کی طرح ڈیل کرتے ہیں۔ مجھ سے پوچھا تک نہیں۔" وہ ایک دم رو پڑی۔

"کیا نہیں پوچھا؟"

"یہی کہ میں کیوں جا رہی ہوں؟" اس نے دوپٹے سے آنکھیں پونچھیں۔

یاور علی خاں نے اس کی طرف قدرے چونک کر دیکھا تھا۔

"ہاں بھئی، تمہیں پوچھنا تو چاہیے تھا۔" دلاور علی خاں نے تائید کی۔

"میں نے تو اس لیے نہیں پوچھا کہ ہو سکتا ہے، یہ یہاں کی تنہائی سے بور ہو گئی ہو اور تو کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔" یاور علی خاں الجھ سے گئے تھے۔

"چلو اب پوچھ لیتے ہیں کہ کیوں جا رہی ہو؟" وہ اس کی طرف مڑے۔

"آپ بہت لیٹ ہو جاتے ہیں پپا۔ شاید انہی باتوں کی وجہ سے میری امی جلدی چلی گئیں۔" اس نے منہ بسور کر کہا تو۔

نہ جانے کیوں یاور علی خاں نظریں نہ اٹھا سکے۔ دلاور علی خاں اپنی چھڑی سے گھاس کریدنے لگے۔

"خان! گاڑی تیار ہے۔" دلاور علی خاں کا ڈرائیور آ چکا تھا۔

روشی سامان لینے کی نیت سے اندر دوڑ گئی۔

"تم ہمارا سامان رکھو، آ رہے ہیں ہم۔" دلاور علی خاں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

ڈرائیور اندر کی طرف بڑھ گیا۔

"بابا صاحب! کہیں روشی نفسیاتی کیس نہ بن جائے، مجھے اب فکر ہونے لگی ہے۔" یاور علی خاں کے لہجے میں تشویش تھی۔

"بھئی یہ تم جیسے بہت پڑھے لکھے لوگوں کی فیشنی باتیں ہیں۔ ہم ان پر یقین نہیں رکھتے۔" وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب کر بولے۔

یاور علی خاں خاموش ہو رہے۔

"چلیں بابا صاحب!" روشی اپنا پرس لئے واپس آ گئی تھی۔

"تمہارا سوٹ کیس؟" وہ پوچھنے لگے۔

"ڈرائیور لے گیا ہے، آپ آئیے۔ اچھا پاپا! کبھی کبھی ہمارا خیال کر لیا کریں، بعض لوگوں کو آپ سے کچھ امید بھی ہے۔" وہ اتنا کہہ کر پورچ کی طرف بڑھ گئی۔

"حویلی کب آؤ گے؟" دلاور علی خاں چلتے چلتے رُک کر پوچھنے لگے۔

"ویک اینڈ پر ہی آ سکتا ہوں۔ ابھی تو فرانس جانے کا مرحلہ سامنے ہے۔ خیر---" وہ الوداع کہنے کے خیال سے کھڑے ہوئے۔

وہ روشی کے سر پر ہاتھ پھیرنا چاہتے تھے، مگر وہ جیپ میں بیٹھ چکی تھی۔ وہ اذیت کی آگ سے جلتا ہوا سانس باہر خارج کر کے چُپ چاپ کھڑے رہ گئے۔ آنکھوں کی سُرخی بڑھنے لگی تھی۔

"آپ اتنے کمزور تو نہیں ہیں کہ آپ نہا بھی نہ سکیں۔ بندہ صاف ستھرا ہو تو جلدی صحت یاب ہوتا ہے۔ آپ اتنے ... ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ ہل کر پانی تو پی نہیں سکتے۔ پتا نہیں لال خان پر کون سے احسان اور کس طرح کر ڈالے ہیں کہ ... چارے سر نہیں اُٹھا سکتے۔"

بالو اُس کے تتر بتر کمرے کو سمیٹتے ہوئے تلخی سے کہہ رہی تھی۔

مُسکرا کر خطاب کرتے ہو
عادتیں کیوں خراب کرتے ہو

اُس نے بالو کے اندازِ گفتگو پر بڑا لطیف سا طنز کیا تھا۔

"ایک تو سب سے پہلے آپ کی اس بیماری کا علاج ہونا چاہیے۔ مشین کی طرح شعر نکلتے ہیں آپ کے اندر سے۔" جل کر بولی تھی۔

"اور یہ دلیہ ویسے کا ویسا رکھا ہے۔ جب کھانا نہیں ہوتا تو منع کر دیا کیجیے۔ مجھے گھر میں اور بھی تو کام ہوتے ہیں۔ ... دوسرے کا وقت برباد کرنا۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی دواؤں کی شیشیاں ترتیب سے لگا رہی تھی۔

"ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آپ کو اپنی صحت سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔ آپ اُٹھنا ہی نہیں چاہتے۔" وہ اس کی ... پلٹ کر دیکھتے ہوئے بولی۔

"بیٹھے بیٹھے تو قارون کے خزانے بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ آخر آپ کا کاروبار کیا ہے؟"

... ہنوز تند و تیز تھا۔

... پوچھ رہے ہو میرے کاروبار کا
... بیچ رہا ہوں میں اندھوں کے شہر میں

"ہونہہ۔ جاہل ہوں میں۔ سیدھی سیدھی بات کیا کیجیے مجھ سے۔" وہ گیلا تولیہ اُٹھا کر کندھے پر ڈالتے ہوئے تنک کر ...

... خاں اندر آ گیا۔ "بھئی آج تو بڑی دیر ہو گئی۔ ناشتا کر لیا تم نے۔ یار کھایا پیا کرو۔ میں نے تم سے کہا تھا ... تم سے بھی حد ہے۔"

... ایک تواتر سے بولا تھا۔ مگر عارف پر اس کے بولنے کا اثر نہ ہوا۔ وہ اسی طرح نیم دراز چھت کی طرف دیکھتا ...

"... کہہ رہا ہوں۔ کیا سوچ رہے ہو؟" وہ اس کے نزدیک بستر پر بیٹھ گیا۔

"نہیں اب کیا سوچنا۔ کبھی سوچتے تھے۔

... کی چاہت کی چاندنی ہو گی
خوبصورت سی زندگی ہو گی
... بہت سے پھول لیے
... کی دہلیز پر کھڑی ہو گی!"

... ہنس پڑا تھا۔

"بے چاری بال بال بچ گئی جو بھی تھی۔" بالو کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"ہا۔ ہا۔ ہاہا۔" لال خاں نے زبردست قہقہہ لگایا۔ "یار! یہ تمہاری بھابی بھی بہت اچھا مذاق کرتی ہے۔ یوں تو زیادہ ... ہے اور جب بولتی ہے۔ ہوہو۔ ہو۔ ہاہا۔"

... کے احساس سے بالو کی پیشانی پر لاتعداد بل پڑ گئے تھے۔

"رات میں دو مرتبہ تمہارے پاس آیا۔ تم بے خبر سو رہے تھے۔ حالانکہ رات تو میں نے تمہیں نیند کی گولی بھی نہیں دی ... یہ بھی علامت ہے۔ صحت کی علامت ہے۔ صحت کی نشانی ہے۔ انشاء اللہ دو چار دن میں چلنے پھرنے لگو گے۔"

"... یہ چلنا پھرنا چاہیں۔ فی الحال تو جنت میں بیٹھے ہیں۔" بالو کی طرف سے پھر زہر آلود حملہ آیا۔

"جنت تو 'شرابِ طہور' والی بھی ہمارے لیے کشش نہیں رکھتی۔ اور آج کل تو یہاں پر بھی بڑی بدمزگی ہے۔" اس نے ... ماری۔

... میں تر ہے نہ وانگبیں کی لاگ
... لے کر بہشت کو

اس نے آنکھیں بند کر کے بڑی سرمستی میں غالب کو یاد کیا تھا۔

''لال خان۔ یار۔ ہم پہ ترس نہیں آتا۔ بالکل بے مزا کر کے رکھ دیا ہے ہمیں۔ کیسے یار ہو؟'' اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

''میں تمہیں اس طرح خودکشی کرتے نہیں دیکھ سکتا۔ اب تم اسے نہیں پی رہے تھے وہ تمہیں پی رہی تھی۔ شروع میں مشکل تو ہوتی ہی ہے۔ مگر آہستہ آہستہ سنبھل جاؤ گے۔'' لال خان نے بڑی محبت سے اس کا ہاتھ دبایا۔

''دوپہر کے لیے کیسا دسترخوان سجاؤں؟'' بالو نے دروازے میں رُک کر پھر انگارے چبائے تھے۔

''ہو۔ ہو۔ ہو۔ یار تمہاری بھابی آہستہ آہستہ کھل رہی ہے۔ واہ اتنی اچھی اردو بولتی ہے۔ ہو ہو۔ ہاہا۔'' لال خان اس کی قابلیت پر لوٹ پوٹ ہوا جا رہا تھا۔

''کوئی خاص چیز بنانے کی ضرورت نہیں بھابی۔ جو گھر میں پکے گا کھا لیں گے۔ آپ میرے معاملے میں لال خان کی نہ مانا کریں۔ یہ تو یونہی کرتا ہے۔''

عارف نے بے حد سنجیدگی سے کہا تھا۔ اس طرح کی سنجیدگی بالو نے پہلی بار دیکھی تھی اس میں۔ ورنہ اس کی گفتگو میں کبھی تلخی، کبھی طنز، کبھی استہزاء اور کبھی شوخی ہی ہوتی تھی۔ وہ سر جھٹک کر باہر نکل گئی۔

''رات بڑے اچھے انار لایا تھا میں تمہارے لیے۔ تمہاری بھابی سے کہتا ہوں، وہ جوس نکال کر دے رہی ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

''یار۔ کیوں بھابی کو تنگ کرتے ہو؟ ان کے پاس پہلے ہی کم کام ہوتا ہے۔'' اس نے پھر لال خان کو ٹوکا۔

''وہ اس گھر میں بہت عیش میں ہے۔ نعمتوں سے گھر بھرا پڑا ہے۔ اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہے۔ اس میں تم ہے۔ سب سے بڑھ کر تم میرے یار ہو۔ اور ہم یار کی قدر پہچانتے ہیں۔ مت بولا کرو میرے معاملوں میں۔''

لال خان نے جھک کر اس کا کندھا زور سے دبایا۔ ''اچھا۔ خدا حافظ۔ اپنی بھابی کو تنگ مت کرنا۔ جو... لینا۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر نکل گیا۔ عارف نے پھر آنکھیں موند لیں۔

نہ تُو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
ترا وجود ہے صرف داستاں کے لیے

وہ رفیع کا گایا ہوا ایک المیہ گیت گنگنانے لگا۔ دس منٹ میں اس نے یہ گیت نہ جانے کتنی بار گنگنایا تھا۔ بلا کی درد اور پُرسوز آواز تھی۔

بالو جوس کا گلاس پکڑے ہوئے چند ثانیے اسی طرح کھڑی رہ گئی۔

''ہاتھ میں پکڑاؤں یا رکھ کر چلی جاؤں؟'' اس نے کھردرے انداز میں اسے متوجہ کیا۔ عارف نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

''رکھ دیں۔ شکریہ۔ یہ ساری خدمات مجھ پر قرض ہیں۔ زندگی رہی تو آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔''

وہ گلاس رکھ کر دروازے کی سمت بڑھ رہی تھی۔ ریک دم رُک گئی۔

''آپ دس بار مریں اور دس بار پیدا ہوں تب بھی میرے قرض نہیں اُتار سکتے۔ کس خوش فہمی میں رہتے ہیں آپ؟'' وہ بڑبڑا رہی تھی۔

''میں نے تھکا دیا ہے میں نے آپ کو؟'' عارف کی آنکھیں حیرت کا مظہر بن گئیں۔

''یہ کام کی تھکن نہیں ہے۔ روح کی تھکن ہے۔ روئیں روئیں میں اُتر چکی ہے۔'' اُس کا گلا رندھ گیا۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

عارف ششدر سا دروازے کی طرف دیکھتا رہ گیا تھا۔

اس کا ذہن بُری طرح اُلجھ چکا تھا۔ کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر شل ہو گیا۔ اسے واقعی بالو کا انداز سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس کا آخری جملہ بار بار ہتھوڑے کی طرح دماغ سے ٹکرا رہا تھا۔ بالآخر اس نے گہری سانس سینے سے خارج کی۔ اور جوس کا لبالب بھرا گلاس اُٹھا لیا۔

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں، پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

وہ آہستہ آہستہ جوس پینے لگا۔ مگر اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ بُری طرح اُلجھا ہوا ہے۔

دھوپ کی تمازت کا احساس بہت گہرا تھا۔ اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اور وہ ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اچھی خاصی دھوپ نکل چکی تھی۔ اس نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی اور پلنگ سے اُتر آیا۔ آتے ہی اس نے اپنے نہانے کا سامان تو سیٹ کر ہی لیا تھا۔ لہٰذا کمرے کی طرف بڑھا۔ جہاں اس کا بڑا سا بیگ رکھا ہوا تھا۔ اپنا شیو کا سامان اور آئینہ و تولیہ لئے باہر آیا اور دیوار میں بنے طاق میں آئینہ رکھ کر شیو بنانے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ تیمور علی خان شاید گلباز کو ساتھ لائیں اور آج اس کی جان چھوٹ جائے۔ اسی امکان کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس کی صبح پروگرام سے شروع ہوئی تھی۔

صبح کی چائے تو کئی روز سے جھومر بنا رہی تھی۔ لکڑیاں جلا کر دھوئیں میں آنکھیں ملتے ہوئے چائے تیار کرنے پر وہ بغیر چائے کے رہنے کو ترجیح دیتا تھا۔ آخر جب چائے دریافت نہیں ہوئی تھی تب بھی تو لوگ رہتے ہی تھے دنیا میں۔ اس نے اپنی طلب کو بہلا لیا تھا۔ کریم سے جھاگ بناتے ہوئے اس نے آئینے میں پیچھے کی طرف دیکھا۔ جھومر دُھت سو رہی تھی۔

اسے نہ جانے کیسا خیال آیا کہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

قریب آ کر اس کی کلائی تھام کر نبض محسوس کی۔ کیونکہ وہ کروٹ کے بل سو رہی تھی۔ اس لیے اس کے سانس لینے کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ ورنہ رات کو جتنی بار بھی اس کی آنکھ کھلی تو وہ سیدھی ایک دم چت لیٹی ہوئی ملی اور اس کے جسمانی اُتار چڑھاؤ سے اس کے سانس لینے کا عمل واضح محسوس ہوا۔

زخم جگہ جگہ تھے۔ اور خون بھی کافی نکلا تھا۔ اس لیے اسے خاصی تشویش تھی۔ کلائی تھامتے ہی جھومر نے آنکھیں کھول

دیں۔

''جاگ رہی ہوں۔اور زندہ بھی ہوں۔مگر اُٹھ بیٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا۔''

باری نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔اور واپس اپنے ٹھکانے کی طرف بڑھا۔ہاتھ بدستور گردش کر رہے تھے۔... جھاگ جھاگ ہو چکا تھا۔اس نے ریزر اُٹھا کر پانی میں ڈبو دیا۔

''آپ اُٹھ جائیں بھابی۔تا کہ میں تخت واپس ٹھکانے پر پہنچا دوں۔کا کا جان خدا معلوم کس وقت آ موجود ...'' اس نے آئینے میں جھومر کو دیکھتے ہوئے کہا۔''تمہارے پلنگ پر لیٹ جاؤں۔''وہ نقاہت بھرے انداز میں اُٹھ کر ...

باری شیو بنا کر نہانے چلا گیا۔جھومر دوبارہ سو گئی تھی۔

وہ نہا دھو کر تیار ہو گیا۔برائے نام ناشتا کیا۔پھر تخت اُٹھا کر ہال کمرے میں رکھ کر آیا۔اب اس کا بس یہی کام ... کہ بار بار گھڑی دیکھتا رہے۔

کافی دیر بعد اکتا کر بیرونی احاطے کی طرف چلا گیا۔کتے کھول کر باہر کیے تا کہ وہ اپنا شکار خود کریں کیونکہ ان کی خوراک کا ذخیرہ ختم ہو رہا تھا۔سدھائے ہوئے کتے تھے۔گھوم پھر کر واپس آ جاتے تھے۔اس کام سے فارغ ہو کر ... مونڈھا اور کتاب اُٹھا لایا اور بیرونی احاطے میں آ کر بیٹھ گیا۔نہ جانے کتنا وقت گزرا۔اس وقت چونکا جب جھومر لڑکھڑاتی ... سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''دوا بھی تو کھانا ہو گی باری! بہت دیر نہیں ہو گئی۔''وہ دیوار سے پشت ٹکا کر کھڑی ہو گئی۔

''پہلے آپ ناشتا کر لیں۔خالی پیٹ دوا نہیں کھاتے۔''اس نے کتاب سے سر اُٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔اس کا ... سفید چہرہ ہلدی کی طرح پیلا ہو رہا تھا۔

''اچھا!''وہ پھر اندر چلی گئی۔

باری نے کچھ سوچا پھر کتاب مونڈھے پر الٹی رکھ کر اس کے پیچھے چل دیا۔

''آپ بیٹھیں بھابی۔میں آپ کو ناشتا بھی دیتا ہوں اور دوا بھی۔''وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تم باز نہیں آؤ گے؟''وہ پلٹ کر تھکے تھکے انداز میں بولی۔

''کیا مطلب؟''وہ واقعی حیران ہوا۔

''جب سب کچھ بتا دیا ہے تو کیوں 'بھابی' کہتے ہو؟''وہ جیسے چڑ کر کہہ رہی تھی۔

''یہ میری مجبوری ہے۔میں صرف اُن اطلاعات پر کان دھرنے پر مجبور ہوں جو مجھے حویلی سے ملتی ہیں۔''... سے گویا ہوا۔اور درمیانی کمرے میں داخل ہو گیا جہاں اشیائے خورد و نوش محفوظ تھیں۔

ابھی اسے ناشتا کرا کر دوا کھلانا شروع ہی کی تھی کہ باہر سے پے در پے ہارن کی آواز آئی۔

''میرے خیال میں کا کا جان آ گئے۔کوشش کیجیے گا۔آپ کی سزا آج کی تاریخ میں تمام ہو جائے۔بات بڑھے ... نقصان اُٹھائیں گی۔شرائط اُن کی چلیں گی۔آپ کی نہیں۔اب آگے آپ کی مرضی۔''اس نے کیپسول اس کی ہتھیلی ...

... کو لئے چلا گیا۔

... خانوں کو چین سے بیٹھنے نہیں دوں گی۔تم دیکھتے جاؤ۔''وہ بڑبڑائی اور کیپسول منہ میں ڈال کر گلاس منہ ...

... اور بھاری بوٹوں کی دھمک سُنائی دینے لگی۔اور پھر سامنے تین وجود آ کر ٹھہر گئے۔جھومر نے جھکا سر ... نہیں کی۔اور صرف جوتے دیکھ کر پہچان گئی کہ تیمور اور باری کے ساتھ تیسرا شخص گلباز ہے۔اور اس احساس ... نڈھال ہو گئی۔

... ''اس نے بہت دھیمی آواز میں تیمور علی خاں کو سلام کیا تھا۔

... تمہارے چودہ طبق روشن ہو چکے ہوں گے۔''سلام کے جواب میں ایک حقارت بھرا جملہ اس کے حصے میں آیا۔

... کیا خیال ہے،تمہاری یہ حالت دیکھ کر ہم تم پر ترس کھائیں گے؟ بس اب تو صرف تم سے یہ پوچھنا ہے کہ یہاں ... حویلی بھیج دیں۔بس یہ دو مقام ہیں جہاں تم رہ سکتی ہو۔قبر میں رہنا پسند کرو تو بھی ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

... سامان وغیرہ نکالو گاڑی سے۔''وہ بولتے بولتے گلباز کی طرف متوجہ ہو گئے۔

... کیا فیصلہ ہے۔جلدی بولو۔ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔''وہ پھر جھومر سے مخاطب ہوئے۔

... ماحول پر عجیب سا سناٹا طاری رہا۔

... ''تیمور علی خاں کی شاہانہ طبع پر اس کی خاموشی گراں گزر رہی تھی۔

... مجھے یہیں رہنے کی اجازت دے دیں خان۔مہربانی ہو گی۔''جھومر نے بالآخر اپنے لب کھولے۔

... نے ایک گہری سانس لی اور ایک لمحے کو اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

... ہے۔علاج لمبے اور چھوٹے دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔ٹھیک ہے۔تمہیں لمبے ہی علاج کی ... ضرورت ہے۔چلو باری۔اپنا سامان اُٹھاؤ۔گلباز اب قدرے ٹھیک ہے۔''

... رہے ہو باری!''عجب نڈر سا اندازِ گفتگو تھا جھومر کا۔باری سٹپٹا کر رہ گیا۔تیمور علی خاں نے قدرے چونک کر ...

... یہ جگہ رہنے کے لیے آپ کو پسند ہے مجھے نہیں۔میں تو کا کا جان کو گلباز سمیت یہاں دیکھ کر اتنا خوش ہوں جتنا ... شام کو عید کا چاند نظر آنے پر لوگ خوش ہوتے ہیں۔''

... ذہانت سے جملہ تیار کیا۔تیمور علی خاں نے پُرسکون سا سانس لیا اور باہر کی بڑھے۔

... ''جھومر نے انہیں پیچھے سے آواز دی تھی۔

... ٹھٹک گئے۔

... آپ کے گھر میں ہوش سنبھالا۔آپ کی محبت دیکھی۔آپ نے مجھے پڑھایا لکھایا۔اور کبھی ڈانٹا بھی نہیں۔اور ...''جھومر کی آواز بھرا گئی۔

"ہم جس پر مہربان تھے، وہ لڑکی کوئی اور تھی۔ آج جو سامنے بیٹھی ہے، یہ کوئی اور ہے۔ گستاخ، بے ادب
وہ غرائے۔

"ہر انسان کا ایک دل بھی ہوتا ہے خان!" اشک اس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔

"جب انسان فاقوں سے مر رہا ہوتا ہے، تب بھی تو یہ دل اس کے پاس ہوتا ہے۔ کیوں کام نہیں چلا
بھوک سے مر کیوں جاتا ہے؟" وہ پھنکارے۔

"ہم سے زیادہ کلام کرنے کی ضرورت نہیں۔ احسان فراموشوں کی آواز انگارہ بن کر لگتی ہے کانوں
چلتے ہوئے بیرونی احاطے کی طرف بڑھ گئے۔

"خان! وہ بھابی کی ٹریٹمنٹ کا کیا ہوگا؟" باری نے قدرے ہچکچاتے ہوئے سوال کیا۔

"گلباز کو گاڑی کی چابی دے دو اسے ڈرائیونگ آتی ہے۔" انہوں نے فیصلہ سنایا اور جیپ میں جا کر بیٹھ گئے۔
باری آخری کمرے میں اپنا کچھ سامان اور چابی لینے کے لیے آگے بڑھ گیا تھا۔ اور خاصے عجلت آمیز انداز
کی طرف آیا تھا۔

"باری!" جھومر کی آواز زنجیر بن کر اس کے قدموں سے لپٹی تھی۔ وہ رُک گیا تھا۔

"جی۔"

"تم کیوں جا رہے ہو؟"

"یاد رہے، سزا آپ کاٹ رہی ہیں، میں نہیں۔ آپ کو شوق ہے۔ مجھے نہیں۔" اس نے سرد مہر انداز میں جواب
"میں آپ کو کاکا جان کے آنے سے پہلے ہی سمجھا چکا تھا۔ اور پھر آپ کو مجھ سے مطلب؟ میں خان کے
ہوں۔ میں آپ کی خاطر تو یہاں خود سے نہیں آیا۔ آپ کو یہ قیدِ تنہائی مبارک ہو کہ آپ کو پسند ہے۔ عمر بھر یہاں
کوئی اعتراض نہیں۔"

وہ تلخی بھرے لہجے میں کہہ کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جھومر نے پلنگ پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔

"اگر اب حویلی میں واپس بھی گئی تو تمہاری خاطر جاؤں گی۔ حویلی صرف اس لیے خوبصورت ہے کہ
بہر حال۔ ابھی مجھے بہت سوچنا ہے۔" وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہی تھی۔

باری مطلوبہ چیزیں لے کر باہر آیا اور لیٹی ہوئی جھومر پر ایک نظر ڈالی۔

"خدا حافظ بھابی۔ کاش آپ زندگی کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔" اتنا کہہ کر وہ بیرونی احاطے کی طرف آیا اور
گلباز کے حوالے کی۔ اور جیپ میں تیمور علی خاں کے برابر میں بیٹھ گیا۔ ان کی جیپ ڈرائیور ڈرائیو کر رہا تھا۔

"گلباز! سمجھ چکے ہو ناں سب بات؟ لڑکی بہت چالاک ہے۔ بہت ہوشیاری سے۔ لو۔ یہ کچھ پیسے رکھ
خاں نے جیب سے پرس نکال کر سو سو کے کچھ نوٹ گلباز کو دیے۔

"میرے سائیں۔ آپ بالکل بے فکر رہو۔ لڑکی چالاک ہے، ہم اس سے زیادہ چالاک اے۔" گلباز

تڑے مڑے نوٹ گننا شروع کر دیے۔
باری نے سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

"بہت تھکن ہو گئی ہوگی۔ پر کیا کریں، مجبوری بڑی ہے۔ اب سرائے میں خوب آرام کرنا۔ جب اچھی طرح فریش ہو
پھر ہی روانہ ہونا۔ او کے؟"
تیمور علی خاں نے اس کے چہرے پر ایک گہری نگاہ ڈال کر کہا۔

باری خاموش رہا۔

"بہت تنگ کیا ہوگا تمہیں؟ بہت احسان فراموش اور نمک حرام لڑکی ہے بغیر محنت کے سب کچھ مل گیا اس لیے قدر نہیں
ان کے لہجے میں بلا کی ناراضگی تھی۔

"محنت تو خیر اس نے بڑی کی ہے۔"

"جتنی محنت اپنا دل منانے اور بہلانے میں کرنی پڑتی ہے۔ اتنی محنت دُنیا کے کسی کام میں نہیں کرنی پڑتی۔" باری نے
ایک بوجھل سانس سینے سے آزاد کی۔

تیمور علی خاں اپنے موبائل فون پر کسی سے بات چیت میں مصروف ہو گئے تھے۔

باری اس کھنڈر حویلی کی ویرانی اور جھومر کے حال پر غور کر رہا تھا۔

....

جیپ جیسے ہی گیٹ میں داخل ہوئی پورچ کا فرش دھوتی ہوئی سرسوتی پائپ کھلا چھوڑ کر اندر بھاگ گئی۔
سامنے ہی مشینو اپنے گیلے بال لہراتی مل گئیں۔

بی بی۔ روشی بی بی آ گئیں۔ روشی بی بی آ گئیں۔" وہ بولی اور بغیر رُکے آگے دوڑتی چلی گئی۔

"لو۔ خیر سے آ گئیں۔" مشینو نے اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔
چند لمحوں میں ہی وہ سب راہداری میں آ کھڑی ہوئی تھیں۔

"کاش ہم بھی کسی ڈپٹی کمشنر کی بیٹی ہوتے۔" مشینو اپنے مخصوص انداز میں مسکرائیں۔

"ہم سب آیتِ کریمہ کا ختم کرا کے دعا کریں گے کہ آپ کسی ڈپٹی کمشنر کی بیگم ہی بن جائیں۔" روبی نے فوراً ہی
مناسب جواب تلاش کر لیا تھا۔

"تو پھر یہ پروٹوکول ہمیں سسرال ہی میں ملے گا۔ یہاں پھر بھی تم لوگ ڈنڈی مار دیا کرو گی۔"
مشینو نہیں۔

بیو نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تو زری نے آنکھیں دکھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔
روشی اندر داخل ہوئی تو ان سب کو سامنے دیکھ کر ایک خوشی کا نعرہ مارا۔

"آپ سب۔ یہاں ہمارے استقبال کو آئی ہیں۔ بہت بہت شکریہ۔" وہ گلو سے گلے ملتے ہوئے ہنس ہنس کر کہہ رہی

تھی۔

''اگر ہمیں پتا چل جاتا کہ تم آ رہی ہو تم ہم نہر پر جا کھڑے ہوتے استقبال کو مگر ایک قباحت ہے۔'' ...

اُداسی سے سر جھکا لیا۔

''وہ کیا؟'' کئی آوازیں بیک وقت اُبھریں۔

''نہر کے پانی میں کوئی خاص آسیبی اثر ہے۔ سوہنا ماہی بُلا کر بھول جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے، ہم نہر پر ... ہوتے اور یہ آنے کا پروگرام ملتوی کر دیتی۔''

وہ سب بے ساختہ ہنس پڑیں۔ وہ سب باری باری گلے مل رہی تھی۔ شنو چپکے سے آگے بڑھ گئیں۔

''بابا صاحب کے ساتھ آئی ہو؟'' زری نے استفسار کیا۔

''ظاہر ہے۔'' وہ مسکرائی۔ ''سنا ہے آپ لوگوں کو ہم بہت یاد آ رہے تھے۔ اس لیے ہم جلدی آ گئے۔''

''ہاں، خیر۔ یاد تو تم بہت آ رہی تھیں۔ مگر ماما ملکی بہت یاد کر رہی تھی کہ میرے کھانوں میں کوئی نقص نہیں ... بوریت ہو رہی ہے۔'' زری ہنس رہی تھی۔

''باقی سب لوگ کہاں ہیں؟'' روشی نے پوچھا۔

''اپنے اپنے ٹھکانوں پر۔''

''باری۔ سرائے گیا تھا۔ ابھی تک نہیں آیا۔ باقی ممبران وہی ہیں جو تم چھوڑ کر گئی تھیں۔'' شنو ان ... کھڑی مطالعہ کر رہی تھیں۔

روشی نے ایک سُلگتی نگاہ ان پر ڈالی۔

''میں ابھی آتی ہوں بڑی امی کو سلام کر کے۔'' ہال کمرے کے نزدیک پہنچ کر اس نے دائیں طرف مُڑ ...

''ٹھیک ہے۔ ہنگامی دورے کی رپورٹ پیش کرنے بیٹھ جانا۔ جلدی آ جانا۔'' مریم نے تاکید کی۔

''ہاں۔ ہاں آ رہی ہوں۔'' وہ جب گھر میں داخل ہوئی تو خون میں عجیب سی سرگرمی دوڑ رہی تھی۔ مگر اب ... ڈھیلی ہو رہی تھی۔

''کیوں گیا ہے سرائے؟

اور پھر ابھی تک آیا کیوں نہیں؟ پتا نہیں کیسا دل ہے اس کا کہ کسی مخصوص جگہ و ماحول کا محتاج ہی نہیں ... جاتا ہے۔ جاپانی مشین کہیں کا۔

اِسے تو شاید یاد بھی نہیں رہتا ہوگا کہ حویلی کا ایک مستقل باشندہ کم ہے۔'' وہ عالمتاب کی خوابگاہ کی طرف ... سوچ رہی تھی۔

....

رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ سب کسی پُرتجسس ڈرامے کی قسط دیکھنے میں مصروف تھیں۔ ...

... رہی تھیں۔

... ہر طرف خاموشی طاری ہو گئی۔

... میں عالمتاب داخل ہوئی تھیں۔ سب ایک دم اپنے اپنے دوپٹے درست کر کے سنبھل کر بیٹھ گئیں۔

''... بیٹی تمہارے نانا کا چہلم کس تاریخ کو ہے؟'' وہ ان سب کے درمیان بیٹھ گئیں۔ اور اپنی ٹانگ کے نیچے کشن ... جس سے انداز ہوا کہ وہ دیر تک بیٹھنے کے ارادے سے اور کسی خاص کام سے آئی ہیں۔ لڑکیاں یوں سنبھل کر ... بیٹھ گئی تھیں، جیسے قرآن خوانی ہو رہی ہو۔

''مجھے تو پتا نہیں بڑی امی۔ پپا ہی کو پتا ہوگا۔'' اس نے قدرے شرمندگی سے کہا۔

''... سرسوتی سے کہو، میرے کمرے سے چھوٹا سوٹ کیس اُٹھا لائے۔ میرے بستر پر رکھا ہے۔'' روبی دروازے کے ... ہی کی شامت آئی۔

''بہرحال اندازہ تو یہی ہے کہ اگلے مہینے کی پندرہ سولہ تک ہو جائے گا۔'' وہ جیسے خود سے مخاطب ہوئیں۔

... اب ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

روبی واپس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے بعد سرسوتی سوٹ کیس لے کر آ گئی۔

''انشاءاللہ کی بیوی کراچی گئی تھی۔ میں نے اس سے کچھ کامدار سُوٹ منگوائے تھے۔ اور بہاول پور سے سُمیّہ بھی کچھ ... کے کام کے سُوٹ لاتی تھی۔ تم ان میں سے پسند کر لو پھر سلنے کو بھی دینا ہے۔ اور سو بکھیڑے ہوتے ہیں شادی کے۔''

انہوں نے سُوٹ کیس کھول کر کپڑے نکال نکال کر اس کے سامنے ڈالنا شروع کر دیے۔

''... کتنے دن رہتے ہیں روشی کی شادی میں؟'' لالی منمنائی۔ ''آخر ہم نے بھی تو تیاریاں شروع کرنا ہیں۔''

''... مہینہ تو لگ ہی جائے گا۔ پنڈی لے چلوں گی تمہیں۔'' انہوں نے تسلی دی اور ساتھ کپڑے بھی الٹ پلٹ ...

''ہم ... نہیں جائیں گے بڑی امی۔ دل بھر گیا ہے باہر کا کپڑا پہن پہن کر۔ اسلام آباد کے کسی فیشن بوتیک سے ... کریں گے۔'' حنا نے لب کشائی کی جرات کی۔ سب نے تائید بھری نظروں سے حنا کی طرف دیکھا۔

''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔ اصل کام تو جہیز کی تیاری ہے۔''

''... روشی کے تو مزے آ گئے کتنے سارے کپڑے بنیں گے اس کے۔'' بیہ نے رشک سے کہا۔

''ماشاءاللہ۔ اس طرح نہیں بولتے بیٹی۔ اللہ خوشیاں مبارک کرے۔ تمہاری باری آئے گی، تو تمہارے بھی اتنے ... کپڑے بنیں گے۔''

... نہ جانے کیا ٹٹول رہی تھیں سوٹ کیس میں۔ اسی مصروف انداز میں اُنھوں نے بیہ کو تسلی دی اور وہ کھسیا کر رہ ... منہ چھپا کر ہنسنے لگیں۔

''... سے علیم الدین نے زیورات کے ڈیزائن کی کتاب بھجوائی تھی۔ اس میں سے جو ڈیزائن تمہیں پسند آئے

اس پر نشان لگا دینا۔ ہم نے تو کہا تھا اس اہتمام کی کیا ضرورت ہے۔ اپنی مرضی سے بنوالیں، کپڑے ...
پہننا ہیں اُس کی پسند ہونا چاہیے۔'' اُنہوں نے گولڈن جلد کی بھاری سی کتاب اس کے سامنے ڈال دی۔

''ماشاءاللہ!'' بیہ نے بڑی امی کا پڑھایا ہوا سبق فوراً ہی دہرا دیا۔

لڑکیوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔

روشی دم بخود سی بیٹھی سب کچھ دیکھ اور سُن رہی تھی۔

''ان سب کپڑوں پر بھاری کام ہے۔ شادی کے شروع دنوں میں تو اسی طرح کے کپڑے زیادہ استعمال ...
تمہاری ساس جس قدر محبت سے تمہیں لے جا رہی ہیں۔ اس سے تو لگتا ہے وہ تمہیں سال بھر دلہن بنا کر رکھیں ...
بچہ ہے اُن کا۔ کیا کیا ارمان ہوں گے اُن کے دل میں؟''

بڑی امی نے ایک آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا عنابی سوٹ اس کے سامنے ڈالا۔

''مجھے اور تمہاری چچی کو تو یہ سوٹ بہت ہی پسند آیا۔ کام بھاری ہے مگر اس میں کس قدر بار یکی اور نفاست ...

''پھر آپ یا چچی جان ہی سلوا لیں اسے۔ آپ پر بھی بہت اچھا لگے گا۔'' روشی نے بے تاثر لہجے میں مشورہ ...

وہ سب منہ دبا کر ہنسنے لگیں۔

بڑی امی نے کپڑے اُلٹ پلٹ کرنے کا کام موقوف کر کے قدرے الجھن بھری نظروں سے اُسے دیکھا۔

''احمق کہیں کی۔ جوڑے بٹ رہے ہیں کیا۔ یہ تمہاری شادی کی تیاری ہو رہی ہے۔ بے وقوف۔'' وہ ...
پھر اپنے کام میں لگ گئیں۔

''یہ گوٹے کے کام کا کالا سوٹ دیکھو، کس قدر خوبصورت کام ہے اور کتنا عمدہ کپڑا ہے۔ ہمارے ہاں تو خیر ...
وہم نہیں کیے جاتے۔ مگر ہو سکتا ہے تمہاری ساس نئی دلہن کو کالا کپڑا پہنانا پسند نہ کریں۔ اس لیے یہ رہنے دو۔ بیہ ...

''بڑی امی، ہمیں ڈھولکی رکھوا دیں۔'' سونی بے قرار ہو گئی۔ مونا نے نظروں ہی نظروں میں اُسے فہمائش کی۔

''رکھوا دیں گے ڈھولکی۔ اب ایسی بھی آفت نہیں آ رہی۔''

''مونا! ایسا سوٹ تو شاید تمہاری ماں نے بھی لیا ہے تمہارے لیے۔'' اُنہوں نے ایک سوٹ مونا کو ...
استفسار کیا۔

''نہیں۔ بڑی ممانی! اس کا کلر دوسرا ہے۔'' مونا نے جواب دیا۔

''کھانا نہیں لگے گا آج؟'' روشی نے سخت بیزار کُن انداز میں دریافت کیا۔

''اتنے اچھے کپڑے دیکھ کر بھی تمہاری بھوک نہیں اُڑی؟'' بیہ سچ مچ حیران تھی۔

''لو۔ مرد تو کب کے کھا چکے۔ مجھے بھی دھیان نہیں آیا۔ ماما نے کھانا کیوں نہیں لگایا؟'' بڑی امی کو بھی ...

''کلو کس کونے کھدرے میں گھسی ہوئی ہے؟ آج تو اس نے ڈراما بھی قضا کر دیا۔ نری ہڈ حرام ہوتی ...
بڑبڑائیں۔

... گلو اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''میں دیکھتی ہوں۔''

''یہ تمہیں پسند آیا؟'' اُنہوں نے زرتار دوپٹا اس کے سامنے ڈالا۔

وہ اندر سے بہت بگڑ چکی تھی۔ اب جیسے پھٹ پڑنے والی تھی۔ بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا۔

''اچھا ہے۔'' وہ فی الحال کوئی خطرہ مول لینے کے حق میں نہیں تھی۔ سپاٹ سے لہجے میں جواب دیا تھا۔

''چلو۔ پھر نمٹا لیں گے یہ معاملہ۔ فی الحال یہ پانچ جوڑے الگ کیے دیتی ہوں۔ اب تم لوگ کھانا وانا کھالو۔ پھر عشاء کی
نماز بھی باقی ہے۔ اچھا میں چلتی ہوں۔

شبو ---- بیٹی ---- یہ سامان سرسوتی سے کہہ کر میرے کمرے میں پہنچا دینا۔

روشی ---- تم ڈیزائن پسند کر کے اور نشان لگا کر یہ مجھے صبح تک بھجوا دو۔ کل پرسوں کوئی کراچی جائے گا تو لیتا جائے گا۔''

وہ کمرے سے نکل گئیں۔

جانے کون کون سے جذبوں کو دبائے لڑکیاں کپڑوں پر ٹوٹ پڑیں۔

''ہائے روشی کیا شاندار سوٹ ہیں۔ مزے آ گئے بھئی۔ ہر روز بس فینسی ڈریس شو ہوگا۔ نعیم بھائی انعام دیا کریں گے۔''
... اُبلی۔

''اور سُنو پورے پندرہ بیس ڈیزائنوں پر نشان لگانا۔'' روبی نے مشورہ دیا۔

''بھئی انہیں کیا فرق پڑے گا۔ اُن کے ہاں تو پہلی اور آخری شادی ہے۔ پھر ہو گی تو بیس پچیس سال بعد تمہارے بچوں
کی ہوگی۔'' لڑکیاں ہنسیں تو روبی نے برامان کر وضاحت کی۔

''اور پھر ماں کے زیور تو عام طور پر بیٹوں کی بری میں ہی چڑھائے جاتے ہیں۔ اچھا ہے تمہارے بیٹوں کا بھی ساتھ
ساتھ انتظام ہو جائے۔'' ثانیہ بڑی دُور کی کوڑی لائی تھی۔

''جو زیور تمہیں یہاں سے ملیں گے، وہ تم اپنی لڑکیوں کو دے دینا۔ لو بھئی تمہارے تو آدھے مسائل یہیں بیٹھے بیٹھے حل
ہو گئے۔'' شبنم مسکرائیں۔ انداز وہی مخصوص تھا جس سے روشی کی جان جلتی تھی۔

''کہتے ہیں دُور اندیش عورتیں بچے پیدا ہوتے ہی اُن کے مستقبل کے لیے انتظام کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ مگر تم لوگوں
کی دُور اندیشی کا جواب نہیں۔ واہ بھئی واہ۔ بیہ وہ جو تم بننگ سیکھ رہی تھیں سمیہ بھابی سے، ہو گئی مکمل۔'' مونا نے سنجیدگی سے
پوچھا۔

''کیا بتا اُن سویٹر موزوں، ٹوپوں کا؟''

''رکھے ہوئے ہیں۔'' بیہ کچھ سمجھی نہیں۔

''وہ پیک کر کے روشی کے جہیز میں رکھ دینا۔ تب مکمل ہوگی تمہاری دُور اندیشی کی صلاحیت۔'' مونا مسکرا رہی تھی۔ بیہ
نے کچھ نہ سمجھنے پر کھسیا کر منہ بنا لیا۔

''ہاں ---- روشی۔ تمہاری منگنی کی انگوٹھی کہاں ہے۔ بھئی پہن کر رکھا کرو۔ کوئی سیر دو سیر وزن نہیں ہے اس کا۔''

مریم نے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

''شٹ اَپ۔ پلیز۔ آل آف یو۔'' وہ واقعی خود پر بہت ضبط کر رہی تھی۔

وہ سب حیران پریشان سی ہو کر اُس کی شکل دیکھنے لگیں۔

''ٹھیک ہی تو ہے۔ اسے پریشان نہیں کرو۔ کتنے دن کی مہمان ہے ہمارے پاس۔ نیچرل سی فیلنگز ہیں۔ اِدھر سے
ہو جانا، اتنا آسان بھی نہیں ہوتا۔''

مونا نے آگے بڑھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

اس کا جی چاہا چیخ چیخ کر رو پڑے۔ مگر نہ جانے آج کہاں سے اس میں اتنا ضبط کا مادہ سرایت کر گیا تھا۔ وہ پلکیں
جھپک کر آنسو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

رات ساڑھے بارہ بجے کے قریب تو وہ حویلی پہنچا تھا۔ سب ہی لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ اکیلی
ہی جاگ رہی تھی۔ وہ ماما کو یہ بتا کر کہ وہ نہا دھو کر آ رہا ہے۔ آپ کچن ہی میں کھانا لگائیں۔ فوراً ہی باتھ روم بند ہو گیا
اور اب کچن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بھوک بہت شدت سے لگ رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی اسے تاریک حویلی میں
جھومر کا دھیان آ رہا تھا۔

''پتا نہیں بے چاری نے کچھ کھایا بھی ہو گا یا نہیں؟ گلباز ڈاکٹر کے پاس لے گیا ہو گا یا نہیں۔ پتا نہیں اُنہوں نے
کھائی ہو گی کہ نہیں؟''

اسے حویلی کی تاریکی اور ویرانی یاد کر کے جھرجھری سی آ گئی۔ جیسے اب تصور بھی ناگوار گزر رہا ہو۔

''خاتون۔ حماقتوں کے سب سے عظیم پُل سے گزر رہی ہیں آج کل۔'' وہ ترس کھا کر بس یہی سوچ سکتا تھا۔

معاً وہ ٹھٹھک گیا۔ بلاشبہ سامنے سے روشی ہی آ رہی تھی۔

اس کی تمام حسیات جاگ پڑیں۔ اور ایک شریر مسکراہٹ ہونٹوں پر پھیلنے لگی۔

''السلام علیکم!'' وہ اس کے نزدیک آئی تو باری نے سلام کرنے میں پہل کی۔

وہ بھی اسے دُور سے دیکھ چکی تھی۔ موڈ کیونکہ بے حد آف تھا یا کوئی اور مصلحت تھی۔ وہ اسے نظر انداز کر کے گزر رہی تھی۔

''وسلام!'' اس نے رکھائی سے کہا اور آگے بڑھ گئی تھی۔ اس کا رُخ کچن کی سمت تھا۔

باری تیز قدم بڑھا کر اس کے برابر میں جا پہنچا تھا۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

''ناراض ہیں؟'' وہ اس کے برابر چلنے لگا۔

''اگر ہوں۔۔۔تو۔۔۔؟'' وہ تنک کر گویا ہوئی۔

''اپنا قصور پوچھ سکتا ہوں؟'' اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''بات نہیں کرو مجھ سے۔'' وہ بگڑ کر بولی۔

''یہ جو آپ کا مزاج ہے۔ اس کے کتنے موسم ہیں؟'' وہ چھیڑ رہا تھا۔

''ایک لاکھ بیس ہزار بھی ہوں تو تم سے مطلب؟'' وہ بھڑک اُٹھی۔

''ماشاء اللہ۔ اچھا ٹرن ہے۔ بزنس مین سے وابستہ ہونے کا عملی ثبوت۔ ''فیگرز'' میں جواب آنے لگے ہیں۔'' وہ ہنس
دیا۔

روشی نے اپنی چال میں تیزی پیدا کی اور اس سے پہلے کچن میں داخل ہو گئی۔
ماما بھی کھانے کے لیے باری کی منتظر تھی۔ روشی کو داخل ہوتے دیکھ کر قدرے حیران ہوئی۔
''خان کہاں ہیں؟ کہہ رہے تھے، آ رہا ہوں۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی، روشی نے جواب دینا ضروری نہ

سمجھا۔

''ماما---نیند نہیں آرہی اور سر میں درد ہو رہا ہے۔ کافی بنا دیں۔''

''آپ کمرے میں چلیں۔ وہیں لے آتی ہوں۔'' ماما نے تشکب سے کہا۔

''نہیں! یہیں دے دو۔ اب میں پھر اتنا لمبا سفر کروں۔'' وہ ایک کرسی پر ڈھے گئی۔ باری اندر آ چکا تھا۔

''آئیں خان---!'' ماما جلدی جلدی میز پر کھانے کی چیزیں رکھنے لگی۔

''بھئی ماما---جلدی سے مجھے کافی دے دو پہلے۔'' روشی نے برا سا منایا۔

''کافی سے تو اور نیند اُڑ جاتی ہے۔ کیا آج سونے کا ارادہ نہیں ہے؟'' باری نے اس بار سنجیدگی سے اُسے دیکھ

وہ خاموش بیٹھی اپنے رنگین ناخن گھورتی رہی۔

''خان---سرائے میں تو سب خیریت ہے ناں---؟ ماما نے الیکٹرک کیتل کا پلگ لگایا۔

''پتا نہیں۔''

''تو کیا آپ ''سرائے'' نہیں گئے تھے؟'' ماما نے تعجب سے اس کی صورت دیکھی۔

''نہیں---کام میرا کہیں اور تھا۔'' جھومر پھر نظروں کے سامنے آ گئی---دُکھ اور تاسف کے احساس سے

بوجھل ہو گیا۔ اس نے ایک اچٹتی سی نظر روشی پر ڈالی۔

''کھانا کھائیے--'' اس نے روشی سے اخلاق برتا تھا۔

وہ اسی طرح خاموش رہی۔ اور ماما کو کافی بناتے دیکھتی رہی۔

''خان! کھیرے کا رائتہ بھی ہے، مگر فریج میں ہے۔ آپ ٹھنڈا ہی نہیں کھاتے۔ اس لیے پوچھ رہی ہوں۔''

''نہیں---بس ٹھیک ہے۔'' اس نے کھانا شروع کر دیا تھا۔

''ساری رات جاگ کر کیا شکرانے کے نفل پڑھیں گی؟'' وہ مزید خاموشی برداشت نہ کر سکا۔

''کس بات کا شکرانہ۔ لڑکیاں اپنی شادی پر شکرانہ خود نہیں پڑھتیں، اُن کے بزرگ پڑھتے ہیں۔'' ماما ہنسی۔

باری نوالہ منہ کی طرف لے جاتے ہوئے درمیان ہی میں رُک گیا۔

''شادی---؟'' اس نے اس مرتبہ غور سے روشی کی شکل دیکھی تھی۔

''انشاء اللہ بہت دھوم سے ہو گی۔ اب زیادہ دنوں کی بات نہیں رہی۔'' ماما کے چہرے پر خوشی نُور کی طرح بکھری

تھی۔

باری نے نوالہ اس طرح منہ میں رکھا، جیسے کوئی کام زبردستی کرتے ہیں یا مجبوراً کرتے ہیں۔

''یہ تو اچھی خبر ہے۔'' اس نے بوتل سے پانی گلاس میں انڈیلا۔

''بہت اچھی کہیے خان! بڑے خان کی بیٹیوں کے بعد اس نسل کی لڑکیوں میں پہلی شادی ہے۔ بڑے

''بیڑے'' میں بارات اُترے گی۔''

...نے تلے ہوئے آلو کے قتلے اور کیچپ کی بوتل باری کے سامنے لا کر رکھ دی۔ یہ اہتمام شامی کبابوں کے ساتھ تھا۔

''...ماما۔ بہت اچھے طریقے سے کھانا کھلاتی ہو۔'' باری نے گرمجوشی سے شکریہ ادا کیا۔

''ٹھیک ہے---تو کیا کہہ رہی تھیں؟'' اس نے چور نظروں سے روشی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں---...ہی کہہ بڑی رونق رہے گی۔'' اس نے تیزی سے کافی پھینٹتے ہوئے بڑی سادگی سے کہا۔

''بڑی بیگم کہہ رہی تھیں۔''

''...ی کہہ رہی تھیں۔ ڈھول کہہ رہی تھیں۔ بند کرو ماما! یہ سب باتیں۔ کافی دو مجھے جلدی سے۔'' روشی بھڑک اُٹھی۔

ماما ہم کر ایک دم خاموش ہو گئی۔

''کیوں بے چاری ماما کو ایسے کہہ رہی ہیں۔ اس بے چاری کا کیا قصور؟'' باری نے دبے دبے انداز میں روشی کو ٹوکا، جو

...بہت تھوڑے فاصلے پر کرسی پر بیٹھی تھی۔

''تمہیں تو اچھی لگے گی ہی۔ آدھی آدھی رات کو باہر سے عیش کر کے آتے ہو۔ تو تمہیں گرم اور تازہ پکوان پیش کرتی

ہے۔'' روشی نے نخوت سے ناک چڑھائی۔

''جو عیش کر کے آتے ہیں، وہ گھر بھوکے نہیں آتے۔ اطلاعاً عرض ہے۔'' وہ جانے کیوں مسکرا دیا۔

ماما نے کافی لا کر روشی کے سامنے رکھی۔ روشی کچھ بولنے لگی تھی، چپ ہو گئی۔

''ہاں تو ماما۔ کیا کہہ رہی تھیں؟'' باری کا لہجہ نہایت شریر تھا۔

''تمہیں میری شادی کے معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟'' وہ کڑے تیوروں سے اُسے گھور رہی تھی۔

''کیا نہیں ہونی چاہیے؟'' اس نے بہت دھیمی آواز اور عجیب سے لہجے میں پوچھا تھا۔

''بالکل نہیں ہونا چاہیے۔'' روشی کا لہجہ قطعی تھا۔

باری خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔ اور روشی کافی کے سِپ لینے لگی۔ ماما باہر نکل گئی تھی۔

باری نے بہت جلدی کھانا ختم کر لیا تھا۔ پانی پی کر وہ ہاتھ دھونے سنک کی طرف بڑھا۔

''ایک تو اس گھر کے بڑے بھی جھوٹ بولنے لگے ہیں۔ پوری حویلی میں یہی خبر بار بار نشر ہو رہی ہے کہ تم سرائے میں

ہو۔ جب تم سرائے نہیں گئے تھے تو پھر کہاں گئے تھے؟'' روشی نے کپ ٹیبل پر رکھ کر بہت تحکمانہ انداز میں پوچھا۔

''میں بے حد اچھی جگہ گیا ہوا تھا۔ وہاں بہت مزے میں تھا۔'' وہ اس کھنڈر حویلی کا تصور کر کے مسکرا دیا۔

''خیر، مزے میں تو آپ بھی تھیں۔ ٹور کیسا رہا---؟'' وہ باہر نکلنے کے ارادے سے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''جب تم حویلی سے دُور چلے جاتے ہو تو کیا تمہیں حویلی یاد نہیں آتی؟'' روشی کے انداز میں اس مرتبہ قدرے نرمی تھی۔

باری نے ایک لمحے کو نظریں اُٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔

''یعنی ...پ کا مطلب ہے۔ حویلی کے کمرے۔ دالان۔ باغ۔ گول کمرے۔ پیچ۔ اسٹیپس۔'' وہ انجان بن کر بڑی

...ت سے سوال کر رہا تھا۔

"ہاں۔ یہاں کے گدھے، گھوڑے، خچر۔ بلیاں، کتے، مرغیاں۔" روشی نے دانت پیسے اور کپ ... ہوئی۔

باری نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔ اور باہر نکل گیا۔

"ہونہہ۔ پتا نہیں کس حساب میں مجھے اتنا ستاتا ہے۔" جانے کیوں اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

....

وہ کافی دیر کمرے میں ٹہل ٹہل کر گھڑی دیکھتی رہی۔

پھر جیسے کسی فیصلے پر پہنچ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ اب اس کا رُخ ہال کمرے کی طرف تھا۔ ہال کمرے ... نے لائٹ جلائی، اور بہت آہستگی سے ٹیلی فون سیٹ کی طرف بڑھی۔ ریسیور اُٹھا کر کان سے لگایا۔ اور ہتھیلی پر ... غور سے دیکھنے لگی۔ کافی دیر غور سے دیکھتی رہی جیسے حفظ کر رہی ہو۔ پھر زیرو سے کوئی نمبر ڈائل کیا۔ اس کا مطلب ... باہر کا کوئی نمبر ملا رہی ہے۔ رات کے پونے دو بج رہے تھے۔ اس نے نمبر ڈائل کر لیا تھا۔ دوسری طرف بیل ہو رہی ... ساتھ وہ دروازے کی طرف بھی دیکھ رہی تھی۔

چھٹی بیل پر دوسری طرف سے ریسیور اُٹھا لیا گیا تھا۔ اور نیند میں بھری مردانہ آواز سماعت سے ٹکرائی ... (ہیلو)۔"

اس نے گلا صاف کرنے کے لیے ذرا سا کھنکارنا مناسب سمجھا۔

"مسٹر نعیم سے بات ہو سکتی ہے؟" اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"آپ پلیز اس چکر میں نہ پڑیں کہ میں کون ہوں۔ ممکن ہے تو نعیم صاحب سے بات کرا دیں۔"

"جی--- مجھے صرف مسٹر نعیم سے بات کرنا ہے۔ میں اس سے زیادہ اونچا نہیں بول سکتی، البتہ مسٹر نعیم کی ... سکتی ہوں۔"

وہ جل کر بولی تھی۔ معاً اُس نے کھٹاک سے ریسیور رکھ دیا۔ دروازے کے بیچوں بیچ باری کھڑا ہوا تھا۔ اور ... سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

روشی نظریں جھکائے ماتھے پر لاتعداد بل ڈالے خاموش بیٹھی رہ گئی تھی۔

"سوری--- میں اوپر جا رہا تھا۔ ہال کمرے کی لائٹ جلی دیکھی آف کرنے کے خیال سے آ گیا تھا۔"

اس کے معذرت خواہانہ انداز سے ظاہر تھا کہ اس نے "کچھ" سُن لیا ہے۔

"آپ کو دروازہ بند کر لینا چاہیے تھا۔" وہ واپسی کے ارادے سے پلٹا۔

"مجھے کیا کر لینا چاہیے اور کیا نہیں--- تمہارے مفید مشوروں کی ضرورت نہیں۔" وہ جیسے چیخ کر بولی۔

باری نے اس پر صرف ایک نگاہ ڈالنے پر اکتفا کیا اور قدم بڑھا دیے۔

"باری---!" جانے کیوں اس نے آواز دے ڈالی۔

"جی---؟" وہ رُک گیا۔ سفید کرتے پائجامے میں ملبوس نیند کا تاثر دیتی آنکھیں۔ مگر چہرہ صاف سلیٹ--- وہ ... بازو سینے پر لپیٹے منتظر کھڑا تھا۔

"وہ بات یہ ہے کہ---" وہ بولتے بولتے رُک گئی۔

"جی---؟" وہ اس کے نزدیک چلا آیا۔

"مگر--- تمہیں کیا---؟" اس نے سر جھٹک کر جیسے فیصلہ بدل دیا۔

"نہیں نہیں--- آپ کہیے--- شاید مجھے "کچھ" ہو---"

روشی نے چونک کر نظریں اُٹھائیں۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"کچھ نہیں--- جاؤ تم--- اور ہاں سنو--- اگر میں مر جاؤں تو میرے جنازے کو کندھا مت دینا--- بی کاز--- آئی ہیٹ یو---" اس کے حرف حرف سے آنچ آ رہی تھی۔

"جی بہتر--- ویسے اندازہ ہے کہ رش بہت ہوگا۔ میرا نمبر شاید ہی آئے۔" وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔ "آپ بے فکر رہیں۔"

روشی کا جی چاہا کہ اسے گولی مار دے۔

"میں جا رہا ہوں، آپ اپنا کام کر لیں، غصہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ بہتر ہوگا کہ اندر سے دروازہ بند کر لیں۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے اس راستے کی طرف بڑھ گیا، جو اس کے کمرے کو جاتا تھا۔

نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔

اس نے لائٹ بند کی اور باہر آ گئی۔ اس کے قدم اپنی خواب گاہ کے بجائے حویلی کے پچھلے حصے کی طرف تھے۔ آہستہ آہستہ اس کے سارے ڈر ختم ہو رہے تھے۔ وہ کھوکھر کے کوارٹر کے بجائے دوسرے راستے سے باہر آئی تھی۔ سناٹا اور اندھیرا اسے اتنا نہیں ڈراتا تھا۔ جتنا کھوکھر کے خونخوار کتے سے اسے خوف آتا تھا۔

وہ بہت تیز تیز چلتی حویلی کے پچھلے حصے میں داخل ہوئی تھی۔ وہی مخصوص سی پراسراریت سارے ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی قیامت سوئی ہوئی ہے، جاگ پڑنے کے لیے۔

زرد روشنی، راہداری دُور تک واضح کر رہی تھی۔ تمام دروازے بند تھے۔

مگر انسانی نفوس کی موجودگی کا احساس در و دیوار سے اُمڈتا تھا۔ وہ ظفری کے بیڈ روم کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ جھومر کو ... چاہتی تھی۔ جھومر سے باتیں کر کے بہت سارا رونا چاہتی تھی--- جانے کیسی وابستگی سی ہو چلی تھی اس افسردہ سی لڑکی سے ... رات کے اس پہر اس سے اچھا ہمیت اسے شاید ہی مل سکتا۔

اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ ایک بار--- دو بار--- تین بار۔ عموماً دوسری دستک پر جھومر دروازہ یوں کھولتی تھی، جیسے کھڑی ہو۔

اس نے چوتھی بار دستک دی۔ خاموشی بدستور تھی۔

اس نے ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھل گیا۔

سامنے ظفری نیم دراز دروازے کی سمت گھور رہا تھا۔ منہ سے رال بہہ رہی تھی، اور آنکھوں میں سرخی تو... جھرجھری آ گئی۔

اس نے اشارے سے سلام کیا، کہ آخر کچھ تو کرنا تھا۔

روشی اندر داخل نہیں ہوئی تھی' ہنوز دروازے ہی میں کھڑی تھی۔

''بھابی کہاں ہیں ظفری بھائی؟'' وہ اٹک اٹک کر پوچھنے لگی۔

ظفری کی آنکھوں میں وحشت ناچنے لگی۔ روشی کا دھیان ایک دم اس کے سر پر بندھی پٹی کی طرف گیا۔

''آپ کے سر میں کیا ہوا ظفری بھائی؟'' اس نے پھر ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

ظفری کے منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکلنے لگیں۔ جن میں سے اس نے ایک لفظ ''پانی'' سمجھا۔

اسے بے اندازہ ترس آ گیا۔ حالانکہ پانی ظفری کے بالکل قریب ہی موجود تھا۔ مگر وہ جذبہ ہمدردی سے مجبور... نزدیک آئی' پانی کا گلاس اٹھایا اور اس کو تھمانے کے بجائے ہونٹوں سے لگا دیا۔

اور جیسے اس کی روح اس کے پنجرے میں پھڑ پھڑانے لگی۔ ظفری نے اس کے دونوں ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں... لیے تھے۔ اس نے بمشکل اپنی چیخ پر قابو پایا۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں ظفری بھائی۔ پلیز چھوڑ دیں مجھے''۔ اس کا خون خشک ہونے لگا۔ ''پلیز ظفری بھائی... ہیں آپ؟''

اس نے زور سے جھومر کو آواز دی۔

ظفری بھائی کے حلق سے عجیب و غریب آوازیں نکلنے لگیں۔ روشی پوری جدوجہد کر رہی تھی مگر جیسے ظفری کی جوانی... پوری طرح جاگی ہوئی تھی۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ اس کے ہاتھ کسی انسانی گرفت میں ہیں۔ یوں جیسے وہ کسی درندے کی گرفت... آ گئی ہو۔ اسی کشمکش میں اس کا دوپٹہ پلنگ سے نیچے گر پڑا۔ ظفری کے حلق سے بے ہنگم سی آوازیں نکل رہی تھیں... ماحول اور زیادہ بھیانک محسوس ہو رہا تھا۔ روشی نے ایک لمحے کو ظفری کا چہرہ دیکھا۔ بے حد خوبصورت چہرہ کیا ایک... تھا۔

''بھابی! ...... بھابی...... کہاں ہیں آپ؟'' اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔ ''ظفری بھائی...... دیکھیں''۔

''یا اللہ ٹانگیں بے کار ہونے پر اتنی طاقت ہے''۔ اس نے ظفری کی کلائی پر دانت گاڑ دیئے۔ مگر جیسے اس پر... ہوا۔ گویا اس کے حواس ساتھ چھوڑے ہوئے تھے۔

بالآخر اس نے اپنی انتہائی قوت صرف کی جس کے نتیجے میں ظفری بیڈ سے نیچے گر پڑا' گرنے کے ساتھ ہی... گیا تھا۔ شاید بیڈ کا کونا اس کے سر پر لگا تھا' یا کوئی اور وجہ تھی۔

روشی کا دوپٹہ اس کے بھاری بھرکم وجود کے نیچے دب گیا تھا۔ روشی کا تو اس کی طرف دھیان ہی نہیں آیا تھا...

...بے سدھ ظفری کو دیکھا تھا۔ اور سرپٹ دوڑ لی تھی۔

...کے قریب پہنچ کر اس نے ذرا دم لیا۔ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے چند منٹ پیشتر کی صورتحال پر غور کرنے... ظفری کا بے ہوش وجود نظروں کے سامنے آ گیا۔

''او میرے خدا! کہیں مر ور تو نہیں گئے۔ اور یہ بھابی کہاں گئی ہوئی ہیں؟ سر تو ان کا پہلے ہی زخمی ہے۔ کیا کروں... ہو گیا تھا انہیں۔؟ کیا دورہ پڑا تھا۔ ایسے پڑتا ہے انہیں دورہ۔؟ مگر اب میں کیا کروں۔ کس کو بتاؤں۔ کہ ظفری بے... جس کو کہوں گی' وہ پہلے مجھ ہی سے پوچھے گا' میں اتنی رات کو وہاں کیوں گئی تھی؟''۔

''...تو مجھے کچا چبا جائیں گی۔ ایک تو حکم عدولی۔ دوسرے ''لاڈلا''۔ وہ دیوار سے ٹیک لگائے گہرے گہرے سانس... مسلسل سوچ رہی تھی' تان پھر اس ظالم پر جا کر ٹوٹتی ہے۔ وہ کسی فیصلے پر پہنچ کر تیزی سے باری کے کمرے کی طرف... دوڑی۔

...دروازہ پیٹ ڈالنا چاہتی تھی۔ مگر ابا کے کمرے پر نظر پڑتے ہی محتاط ہو گئی' اور بہت احتیاط سے دستک دینا شروع کی۔ ...بہت گہری نیند سو چکا تھا۔ اس نے بے بسی کے انداز میں دروازے کو گھورا۔ اور جیسے اللہ کا نام لے کر زور سے... اور ساتھ ہی ابا کے بیڈروم کی طرف بھی دیکھا۔ ابھی نظریں موڑی ہی تھیں کہ باری نے دروازہ کھول دیا۔

...سرمئی شلوار سوٹ میں ملبوس نیند بھری آنکھوں سے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ یوں جیسے بصارت کا دھوکہ سمجھ رہا ہوں۔

''باری...... میرے ساتھ چلو''۔

...سے ساری نیند ہوا ہو گی...... ''جی؟''۔

...بغیر دوپٹے...... بے ترتیب بال' دائیں کندھے پر آستیں ادھڑی ہوئی۔

''اوہ...... تو واقعی آپ ہی ہیں...... یوں بھی زندہ انسانوں کے بھوت نہیں ہوتے' سنا ہے۔ خیر فرمایئے' کدھر چلنے کا ارادہ ہے۔؟'' وہ اس کی طرف سے جیسے ہر طرح کی حیران کن حرکت کی توقع کرتا تھا۔ بلا کی رسانیت تھی اس کے انداز میں۔

''وہاں...... ظفری بھائی کے بیڈروم میں......'' اس نے جلدی سے کہا۔

...بری طرح چونک پڑا۔ جھومر حویلی میں نہیں ہے۔ یہ وہاں کیوں گئی تھی......؟ وہ بھی اس وقت کہ رات ڈھل رہی... کیا اسے علم نہیں کہ جھومر حویلی میں نہیں ہے۔

...نے سر سے روشی کے حلیے پر نظر ڈالی۔ اس کی آنکھوں سے تشویش جھلکنے لگی تھی۔

''...جاؤں میں ظفری کے بیڈروم میں......؟'' اس کے لہجے میں غیر شعوری طور پر سختی سی آ گئی۔

''وہ...... بے ہوش ہیں......'' وہ نظریں چرا کر بتانے لگی۔

''تو...... بڑی امی کے پاس جایئے۔ وہی نمٹتی ہیں' اس طرح کی صورتحال سے''۔

...نے رکھائی سے کہا...... ہر چند کہ تجسس سے بری حالت ہو رہی تھی۔

''...انہیں نہیں بتا سکتی...... بلکہ تم بھی نہ بتانا انہیں...... پلیز......'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''مجھے یہ بتائیے' اتنی رات کو آپ وہاں کس مرض کی دوا لینے گئی تھیں؟ نیند نہیں آتی تو...
مصیبتیں کھڑی کرتی ہیں' دوسروں کیلئے''۔

وہ سچ مچ غصے میں تھا۔ اسی ماحول کا پروردہ تھا۔ اور بچہ بھی نہیں تھا۔ روشی کا حلیہ۔ گھبرایا ہوا لہجہ...
خبر نہ کرنے کی تاکید اور بالآخر رخساروں پر پھیلتے ہوئے آنسو۔

''یہ آپ کو سوجھی کیا تھا کہ نعیم صاحب کو فون کرتے کرتے پیچھے چلی گئیں؟''

نہ جانے کیوں اس نے اس مرتبہ روشی کا بہت تفصیل سے جائزہ لیا تھا۔

''دوپٹہ آپ کا وہیں ہے؟'' اس کا انداز بہت عجیب سا تھا۔

''ہیں......؟'' روشی نے ہڑبڑا کر اپنے سراپے پر نظر ڈالی۔ جی چاہا زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں...

''باری......!'' وہ اس کے شانے سے سر ٹکا کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''آپ کو میرے ساتھ آنے کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے بیڈروم میں چلئے۔ دوپٹہ وہیں پہنچا دوں گا''۔
اس نے آہستگی سے روتی ہوئی روشی کو خود سے الگ کیا۔ گریبان کے بٹن بند کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

روشی نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑیں اور آہستہ قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چل پڑی...
کمرے میں پہنچ کر اس نے سب سے پہلے آئینے میں خود کو دیکھا۔ دل دھک سے رہ گیا۔ شانے...
آستین سے اس کا سفید بازو تھوڑا سا جھانک رہا تھا۔ اب اس نے خود کو باری کی نظر سے دیکھا۔ ایک بوجھ سا...

''کیا سوچ رہا ہوگا۔ میرا حلیہ دیکھ کر''۔ ملال و خجالت سے اس کی بری حالت ہو گئی۔

وہ وارڈروب سے کپڑے نکالنے لگی۔ ''پتا نہیں یہ بھابی کہاں چلی گئیں؟'' کچھ دیر پہلے کی صورتحال...
سرے سے جھرجھری آ گئی۔ ''اف توبہ کس قدر وحشت ہے ظفری بھائی میں۔ بے چاری بھابی...... مگر وہ تو...
بہن ہوں...... لاحول ولا قوۃ...... وہ تو ابنارمل ہیں' انہیں کیا پہچان رشتوں کی......؟ یا اللہ میری توبہ جو کبھی...
جاؤں''۔ اس نے دہل کر کانوں کو ہاتھ لگایا۔

وہ کپڑے تبدیل کر کے بستر پر آئی ہی تھی کہ...... دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ سمجھ گئی کہ باری...
شانوں پر پھیلایا' اور ہچکچاتی ہوئی دروازے تک آئی اور دروازہ کھول دیا۔

''یہ لیجئے اپنی امانت''۔ اس نے دوپٹہ روشی کو تھمایا۔ اور تیزی سے واپس پلٹ گیا۔ ایک لمحے کی...
وہ اسے جاتا دیکھتی رہی۔

پھر عجیب دل شکستہ سی کیفیت میں دروازہ بند کر کے اپنے بستر پر واپس آ گئی۔ نیند کا تو دور دور تک...
اس کروٹ کبھی اس کروٹ۔ کبھی اوندھی کبھی سیدھی۔ ہر طرح کے جتن اس نے کر ڈالے تھے۔

''کیسا عجیب حلیہ ہو رہا تھا۔ کیا سوچ رہا ہوگا باری۔ کیا کچھ اس کے ذہن میں آ رہا ہوگا''۔ طرح طرح...
وسوسوں نے اس کی جان ہلکان کر رکھی تھی۔ بولنا اور پوچھنا تو اس کی لغت میں شامل ہی نہیں ہے...

...کدھر غائب ہو گئیں......؟ سب کچھ ان کی وجہ سے ہوا۔ اتنی رات کو کہاں نکل گئیں؟''

...نے اپنے ہاتھ دبانا شروع کر دیئے۔ اتنے وحشیانہ انداز میں ظفری نے اس کی کلائیاں دبوچی تھیں کہ ابھی تک درد...

...کلائیاں دباتی رہی۔ سوچتی رہی۔ یہاں تک کہ دریا بستی کی اکلوتی مسجد سے اذان کی آواز آنے لگی

....

...پسینے ہو رہی تھی۔ دو دو ہانڈیاں چولہوں پر دھری تھیں۔ کسی میں کھدبد کسی میں چھنن منن ہو رہی تھی۔
...سے ہری مرچیں بھی کاٹتی جاتی تھی۔ اور ہانڈی میں چمچ بھی چلاتی جاتی تھی۔ گرمی جسم پر کم اور دماغ پر زیادہ چڑھ...
...ایک تھال میں آٹا بھی چھنا رکھا تھا۔ جسے ابھی گوندھنا تھا۔

''...بھابی...... خدا حافظ''۔

...ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا...... اس نے کھڑکی کے پٹ پر لٹکتا دوپٹہ کھینچا۔ اور مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔
...پینٹ...... آف وائٹ شرٹ اور ہاتھ میں براؤن چرمی بیگ تھامے عارف الوداع کہہ رہا تھا۔
...دل ہی دل میں وہ اسے جی بھر کر برا بھلا کہہ کر فارغ ہوئی تھی۔

''آپ...... کہاں جا رہے ہیں؟'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''...کہیں تو جائیں گے ہی۔ میں ذرا جلدی میں ہوں۔ ایسا نہ ہو خان آ جائے' اور پھر مجھے روک لے' خدا حافظ''۔

''...تو...... آپ اس طرح نہیں جا سکتے۔ آپ فکر نہ کریں۔ اور یوں بھی اب میں بہت بہتر محسوس کر رہا ہوں۔
...ٹھیک ٹھاک دکھائی نہیں دے رہا؟''

...ایک دم سیدھا ہو گیا۔

...خاصا دراز تھا۔ بالو کو سر اٹھا کر دیکھنا پڑا۔

...پہلی مرتبہ عارف کا قدرے بشاش چہرہ دیکھا تھا۔ تازہ شیو کی نیلاہٹوں کا عکس واضح تھی۔ مونچھیں نہایت
...سے تراشی ہوئی تھیں۔ سیاہ گھور آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔ بالوں کا اسٹائل بہت نفیس اور پروقار تھا۔

''...محنت دکھ رہی ہیں؟'' اسے اپنی جانب...... غور سے دیکھتا پا کر بے ساختہ مسکرا دیا۔ بالو نے جھینپ کر اپنی نظروں...

''...کیا محنت...... بقول لال خان کے آپ کے بہت مقروض ہیں وہ''۔ بالو نے نظریں جھکائے جھکائے رسانیت...

''...مقروض...... قرض نہیں ہے۔ وہ تکلف کرتا ہے میرا یار۔ ہمارے پاس اور ہے ہی کیا سوائے پرخلوص جذبات...
...اگر خلوص سے کوئی مقروض ہوتا ہے تو واقعی وہ ہمارا بہت ہی مقروض ہے''۔

بجز اخلاص کیا خوبی ہے اس میں!

ارے صاحب نیت نادار ہے دل!

"ہم تو در حقیقت یہی سمجھتے ہیں کہ اس کی محبت کے جواب میں ہم مفلس ہی ہیں۔ خیر جانے دیجئے"۔

"ارے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میرے پیچھے پڑ جائیں گے وہ۔ وہ آ جائیں پھر چلے جائیں تو ٹھیک ہے۔ ابا

نہیں سنیں گے۔ کیوں میری جان مصیبت میں ڈال رہے ہیں آپ"۔ بالو نے قطعی انداز میں اسے آگے بڑھنے سے روکا۔

"پلیز بھابی...... مجھے جانے دیجئے"۔ عارف نے پلٹنے کو پر تولے۔

"چلے جایئے گا۔ روک کون رہا ہے۔ مگر "ان" کے آنے کے بعد"۔ اس نے دوپٹے سے چہرہ پونچھتے ہوئے

ہلکا سا مظاہرہ کیا۔ شاید یہ رعایت یوں ہوئی کہ وہ جا رہا تھا۔

"اتنا تو خیر میں سمجھتی ہوں کہ مردوں کو بہت سے کام ہوتے ہیں۔ کتنے دن بیٹھ کر گزارا ہو سکتا ہے؟ آپ

کرتے ہوں گے"۔ بالو نے پلٹ کر ہانڈی میں چمچ ہلایا۔

"کام تو ہم سب کر چکے ہیں۔ اب تو بس اس دنیا سے روانگی کا انتظار ہے

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید

ناامیدی اس کی دیکھا چاہیے

وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"اور ہاں بھابی۔ ایک سوال کا جواب آپ پر ادھار چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جب کبھی میری طرف سے قدرے

اطمینان ہو تو مجھے جواب سے ضرور نوازیئے گا۔ ورنہ خلش رہے گی"۔ وہ بیگ رکھ کر دونوں ہاتھ سینے پر لپیٹ کر

مخاطب تھا جیسے امید ہو کہ جواب ابھی مل جائے گا۔ وہ اس سے وضاحت طلب کرے گی۔ جواباً وہ سوال دہرائے گا اور

کے منہ سے بے ساختہ جواب نکل جائے گا۔

بالو نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔ "کیسا جواب؟" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"آپ کو کیا کمی ہے؟ کسی بات کی فکر ہے؟ پھر آپ کی روح کیسے تھکن سے چور چور ہو گئی۔ جس دن سے

بات کہی ہے۔ میں سکون سے سو نہیں پایا۔ اور آپ مجھ سے مخاطب بھی یوں تھی جیسے خطا کار بھی میں ہوں۔ میری بات سے

دکھ پہنچا"۔

بالو نے گھبرا کر اس کی طرف سے پشت پھیر لی۔ "خدا حافظ۔ کوئی بات نہیں۔ میں ان کو سمجھا لوں گی۔ ورنہ

مجھ پر غصہ ہی کریں گے"۔ وہ چولہے کی آنچ بڑھا کر پوری تندہی سے مسالا بھوننے لگی۔

"میں بچہ نہیں ہوں بھابی! الٹرا ساؤنڈ مشین کا نام سنا ہے آپ نے؟ دنیا کے دھوکے اور دھکے کھا کر الٹرا

گئی ہیں میری حسیں۔ آپ ٹالنا چاہیں تو دوسری بات۔ اگر اس سارے قصے میں ملزم نہ ہوتا تو آپ سے

کے سوالات نہ کرتا۔ مگر اس دن آپ نے مجھ پر براہ راست الزام لگایا تھا کہ میں نے آپ کی روح میں جھانکا

تو عالم بے خبری میں بھی آپ کا بھلا چاہنے والوں میں سے ہوں۔ میری نیت خدا جانتا ہے۔ ہو سکتا ہے آپ

چاہتا آپ کے ذہن سے بوجھ اتار دینا چاہتا ہوں"۔

بہت پرخلوص اور دھیمے لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔

"آپ قیامت تک یہ بوجھ نہیں اتار سکتے"۔ بالو نے اسی طرح اپنے کام میں مصروف رہ کر جواب دیا۔

"یہ زیادتی ہے بھابی۔ پہلے سوال کا جواب نہیں آیا اور دوسرا سوال تیار"۔ عارف نے بیگ دوبارہ اٹھا لیا۔ شاید اس

نے بالو کے اگلے اقدامات کا ادراک کر لیا تھا۔

"آپ نے بھی تو اپنی کہانی ادھوری سنائی تھی۔ میں نے تو آپ سے اصرار نہیں کیا کہ پورا قصہ سنائیں"۔ بالو نے آنچ

دھیمی کر کے آٹا گوندھنا شروع کر دیا۔

وہ مسکرا دیا "بدلہ لے رہی ہیں۔ ہم آئندہ بھی تو ملیں گے۔ اور پھر کیا کہانی سنائیں آپ کو"۔

اس حسن نو بہار کو بدنام مت کرو

تھی شیفتہ کے پہلے ہی شورش دماغ میں

وہ ہنس رہا تھا۔

"آپ بات کو گھمائیں نہیں۔ مجھے میرا قصور بتا دیں۔ بہت بوجھ ہے دل پر"۔ اس نے جیسے درخواست کی۔

"کوئی بات نہیں عارف بھائی۔ ویسے ہی منہ سے نکل گیا ہو گا کچھ۔ مجھے یاد نہیں آ رہا کہ میں آپ سے کیا کہہ بیٹھی

تھی"۔ بالو نے انجان بنتے ہوئے جواب دیا۔

"تو آپ مجھے اس کے بارے میں بتا کر جایئے جس کا ذکر اپنے شعروں میں کرتے رہتے ہیں۔ آپ کو بہت پسند تھی

وہ؟ آپ کے رشتے داروں میں تھی یا غیروں میں؟ کیا بہت خوبصورت تھی؟ یقیناً اس کی شادی کہیں اور ہو گئی ہو گی۔ اسی کا غم منا

رہے ہیں اب تک۔ مگر شادی تو آپ کی بھی ہوئی تھی۔ پہلے آپ کی شادی ہوئی تھی یا اس کی؟ جس کی شادی پہلے ہوئی ہو گی

وہی دھوکے باز کہلائے گا۔ آپ کو بہت اچھی لگتی تھی؟"

وہ اس قدر تواتر سے بولی کہ عارف کو بریک لگانے کی کوشش میں کئی بار اپنا منہ کھول کر بند کرنا پڑا۔

"وہ بے چاری تو سمجھئے بے قصور ہی ہے۔ سودائی تو ہم ہی تھے۔ وہ تو سمجھئے تراشا ہوا پتھر تھا"۔ اس کے لہجے میں دکھ در

آیا۔ بالو اس کے ذہن کی رو موڑنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے

کون سے شہر میں ہوتا ہے، کدھر ہوتا ہے

اس کے لہجے میں تلخی در آئی۔

"ہم تو دیوانے ہیں بھابی۔ ہذیان بکتے ہیں۔ کچھ منہ سے نکل جائے تو دھیان نہ دیا کیجئے۔ میرا سوال اپنی جگہ موجود ہے

بہرحال۔ مجھے صفائی کا موقع ضرور دیجئے گا شکر گزار رہوں گا"۔

"آپ کو تنہائی اور بیمار کر دے گی۔ آپ لوگوں کے درمیان رہا کریں۔ کچی عمر کی حساس سی بالو۔ اس کے لہجے کی دکھن پر

جیسے سب کچھ بھلا بیٹھی''۔

''ارے نہیں بھابی ایسی کوئی بات نہیں ...... جدھر جدھر ہم پاؤں رکھ دیں' وہیں رونق ہو جاتی ہے۔ ہمارا تو یہ اپنا ڈر ہے''۔

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق

نوحہ غم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی !

وہ ہنستے ہوئے پلٹ گیا'' پھر ملاقات ہوگی۔ زندگی بخیر۔ لال خان سے کہیے گا خیال نہ کرے۔ جلد ملیں گے''۔

''عارف بھائی''۔

''بس بھابی! اب نہ روکیں''۔ وہ اس سے تھوڑے فاصلے پر جا کر رک گیا۔

''کھانے کا وقت ہو رہا ہے''۔ بالو نے کہا۔ وہ عجیب بے بسی کی کیفیت میں تھی۔

''اسی لیے تو جا رہا ہوں۔ لال خان آتا ہوگا''۔

''آپ شاید میری وجہ سے جا رہے ہیں؟'' وہ اٹکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''آپ کی وجہ سے تو رکا ہوا تھا''۔ وہ مسکرایا۔

''جی؟'' بالو کا دل دھک سے رہ گیا۔

بعض اوقات کہنے والا اپنی دھن میں کوئی جملہ کہہ جاتا ہے۔ مگر وہ سننے والے کے دلی تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ تب ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے جو اس وقت بالو کی ہو رہی تھی۔

دل سر شاخ تیز ہوا سے ڈولنے والے پھول کی طرح ہو رہا تھا۔ اس نے دوپٹے سے اپنی پیشانی پر چمکتا پسینہ پونچھا اور کچھ بولے بنا پھر ہانڈی کی طرف متوجہ ہوگئی۔ عارف آگے بڑھ گیا تھا۔

....

''ہیلو ...... جی''۔

''السلام علیکم ...... یاور بھائی۔ نعمان بات کر رہا ہوں کراچی سے''۔

''وعلیکم السلام۔ کیسے مزاج ہیں؟''

''اللہ کا کرم ہے۔ آپ تیئیس کو پہنچیں گے ناں؟''

''کوشش کر رہا ہوں۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے''۔

''بھائی صاحب! ایک اور بات یہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ میں پچیس کو یوگنڈا روانہ ہو رہا ہوں۔ ایک ماہ بعد واپسی ہوگی۔ شہر کے حالات بھی ٹھیک نہیں ہیں۔ اس لئے اگر آپ محسوس نہ کریں تو ماہین کو ایک ماہ کیلئے دریا بستی میں چھوڑ دوں۔ وہاں روشی بھی ہے' اس لئے اس کا وقت اچھا گزر جائے گا۔ امکان تو یہی ہے کہ میں ایک ماہ سے پہلے ہی واپس آ جاؤں گا''۔

ویسے وہ ہاسٹل میں بھی آرام سے رہ سکتی ہے۔ مگر روشی کے ساتھ رہنا اس کی اپنی ''فرمائش'' ہے''۔

''ہیلو''۔

''جی ...... سن رہا ہوں''۔

''کیا خیال ہے آپ کا؟''

''جو آپ مناسب سمجھیں۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں؟''

''ویسے یاور صاحب ...... اگر اس کے معیار کے مطابق کوئی رشتہ مل جائے تو اور اچھا ہوگا''۔

''اب دیکھئے ناں۔ بہنیں اپنے اپنے گھر کی ہیں۔ اور میرے سامنے یہ پھیلا ہوا کاروبار۔ یہاں پاکستان میں مجھے سیٹ ہونے میں وقت لگ جائے گا۔ ہیلو''۔

''جی ...... جی سن رہا ہوں''۔

''آپ کوشش کیجئے کسی طرح کراچی آنے کی۔ باقی باتیں پھر ملاقات ہی پر ہو جائینگی۔ اور یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ ماہین کو پھر جہاں آپ کے ساتھ ہی لے آیئے گا۔ اور روشی کیا کر رہی ہے؟ بات کرائیں اس سے''۔

''وہ ابھی واپس چلی گئی ہے۔ اپنے دادا کے ساتھ''۔

''ٹھیک ہے ...... آپ کا انتظار کروں گا۔ او۔ کے۔ گڈ نائٹ''۔ نعمان نے ریسیور رکھ دیا تھا۔ مگر یاور علی خان کے ہاتھ میں ابھی تک ریسیور تھا۔ ان کی آنکھیں گہری سوچ کی غماز تھیں۔

نعمان نے ایک بٹن پش کیا۔ ''ہاں ...... جعفری ...... دریا بستی ملاؤ۔ روشانے سے بات کراؤ''۔

انہیں چند منٹ انتظار کرنا پڑا۔ تب جا کر جعفری کی آواز سنائی دی۔

''سر ...... مس روشانے ...... بات کیجئے''۔ ''ہیلو!'' ان کی آواز خاصی دھیمی تھی۔

''کون ...... چچا؟''۔

''ہوں''۔

''السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟'' روشی کی آواز پژمردہ سی تھی۔

''ٹھیک ہوں بیٹے۔ تمہیں کیا ہوا۔ کیسی کمزوری آواز ہو رہی ہے۔ تمہاری؟ طبیعت ٹھیک ہے؟''

روشی یکدم سنبھل گئی۔ ''میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ نے اس وقت کیسے یاد کیا۔ شاید ابھی فرصت ملی ہوگی آپ کو''۔

''اپنے بچوں سے بات کرنے کیلئے فرصت کا انتظار کیا نہیں کیا جاتا۔ فرصت نکالی جاتی ہے''۔ وہ روٹھے روٹھے سے انداز میں کہہ رہے تھے۔

''سوری چچا''۔

''تمہارے پیپرز کب شروع ہوں گے؟''

''خیریت پپا؟'' روشانے کی آواز میں حیرت واضح تھی۔

''خیریت ہی ہے بیٹے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ تم بتاؤ' کب تک فارغ ہو گی؟'' ان کا انداز بدستور...

''میرے فارغ ہونے میں تو پندرہ بیس دن ہیں''۔ اس نے الجھے الجھے انداز میں جواب دیا' جیسے...

''آخری پیپر سے ایک دن پہلے مجھے مطلع کر دینا۔ ٹھیک ہے؟''

''میں کچھ سمجھ نہیں رہی پپا۔ آئی ایم سوری''۔ وہ ہچکچاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''میں ڈرائیور کو بھیج دوں گا۔ وہ تمہیں یہاں لے آئے گا''۔

''مجھے...... آپ کے پاس؟'' وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی' ''وہ کیوں؟''

''بچے اپنے باپ کے پاس کیوں رہتے ہیں؟'' وہ یہی کہہ سکے۔

''بالکل ٹھیک پپا۔ میں خود ہمیشہ کیلئے آپ کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔ ورنہ مجھے کچھ ہو جائے گا''...
گئی۔ ''آپ نے بہت مشکل وقت میں مجھے اچھی امید ہے دی۔ تھینکس فار دیٹ''۔ وہ رونے لگی۔

''روشی...... کیا بات ہے؟'' وہ جیسے گہری نیند سے سنبھل گئے۔

''کچھ نہیں پپا...... آپ بھی اتنا یاد نہیں آتے جتنا امی یاد آتی ہیں''۔ وہ رو پڑی تھی۔

''کیا ہوا ہے؟ تم تو بہت خوش خوش گئی تھیں''۔ وہ مضطرب ہو گئے۔

''خوش نظر آنے اور خوش ہونے میں بہت فرق ہے پپا!''

''تم کیوں پرابلمز خود پر سوار کرتی ہو۔ تمہیں میرا اعتبار نہیں۔ اور پھر تمہارا اپنا بھائی وہاں موجود ہے۔ تم...
کرتا ہے۔ تم اپنے معاملات اس سے شیئر کر سکتی ہو''۔

''روشی...... بیٹے جب تم بہت چھوٹی تھیں' تب تو تم نے مجھے کبھی ڈسٹرب نہیں کیا۔ اور اب اتنی سمجھدار ہو...

''پپا...... آپ مجھے گارنٹی دیں کہ آپ کبھی میری شادی نہیں کریں گے' پھر ہی میں آپ کی کوئی بات سنوں...
فطری ضد عود کر آئی تھی۔

''خدا نہ کرے کہ تمہاری شادی کبھی نہ ہو۔ فی الحال کی گارنٹی دے سکتا ہوں۔ بیٹیاں اپنے گھروں میں...
ہیں''۔

''لگتا ہے پھر کوئی بات ہو گئی ہے۔ کیا ہوا ہے؟''

''یہاں میری شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ایسی پریشانی میں' میں پیپر دے سکتی ہوں''۔ وہ بسوری...

یاور علی خان مسکرا دیئے ''لاحول ولا قوۃ۔ بھئی ہم نے تو سنا ہے جس دن بیٹی پیدا ہوتی ہے' اس دن سے...
تیاریاں بھی شروع ہو جاتی ہیں۔ تمہاری امی کے پاس ایک بہت خوبصورت میرون دوپٹا تھا۔ بچے کام سے...
مجھے دکھاتے ہوئے کہنے لگیں۔ یہ کام کبھی خراب نہیں ہوگا۔ یہ میں روشی کیلئے رکھ رہی ہوں۔ تیاریوں کا یہ...
ہیں''۔

...روشی دم بخود سی ہو گئی۔ جیسے اسے اپنے کانوں پر اعتبار نہ آ رہا ہو۔ اس نے یاور علی خان کے منہ سے پہلی بار اپنی ماں کا ذکر...
...نے اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ جی چاہتا تھا وہ اس کی ماں کی ڈھیروں باتیں اس سے کریں۔ اور وہ چپ چاپ سنتی رہی۔

''پپا''۔

''جی بیٹے''۔

''میری امی بہت حسین تھیں اور جب حسین عورت محبت نچھاور کرتی ہے تو اور بھی حسین ہو جاتی ہے۔ جب وہ مجھے پیار...
کرتی ہوں گی تو کتنی پیاری لگتی ہوں گی۔ کیوں پپا؟'' روشی کی رو بہک چکی تھی۔

یاور علی خان نے سانس اندر کھینچا۔ ''جواد حویلی میں ہے یا کہیں گیا ہوا ہے؟'' روشی ڈھیلی سی ہو کر کرسی پر ڈھے گئی۔

''پپا اتنی جلدی یہاں سے وہاں ہو جاتے ہیں کہ بس۔ کیا تھا جو دو چار باتیں امی کی اور کر لیتے۔ اس نے منہ بنا لیا۔

''ٹھیک ہے پپا۔ میں پیپرز کے بعد آ جاؤں گی۔ مگر ایک شرط ہے۔ آپ مجھے امی کی بہت ساری اچھی اچھی باتیں
بتائیں گے''۔ وہ بچوں کی طرح مچلی۔

''ہو سکتا ہے ماضی کے مدفن کھودنے اور خوشی دریافت کرنے کی بجائے اللہ تمہیں۔ زندہ' موجود اور تازہ خوشی سے نواز
دے۔ اس لئے اپنے باپ کو شرطوں میں مت الجھاؤ''۔ ان کے لہجے میں تھکن اتر آئی۔

''شیور؟'' روشی کی آواز میں حیرت آمیز خوشی تھی۔

''ہے بی''۔ انہوں نے آہستگی سے کہا۔

''اگر ایسے امکانات ہیں تو میں کوئی شرط نہیں رکھوں گی''۔

''شاباش۔ بہت سمجھدار ہے میری بیٹی۔ اچھا...... خدا حافظ''۔ انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ اور سگریٹ سلگانے لگے۔

''یاور۔ جب روشی کی شادی ہو جائے گی اور جواد باہر چلا جائے گا تو ہم کیا کریں گے؟''۔

وہ کارپٹ پر گھٹنوں کے بل بیٹھی جواد کو بہت انہماک سے شوز پہنا رہی تھی۔

''پھر کیا خیال ہے تمہارا۔ دس بارہ بچے ٹھیک ہے۔ جو ہمارے اینڈ تک کام آتے رہیں''۔

وہ بیڈ پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے اخبار دیکھ رہے تھے۔ نظریں اٹھائے بغیر ٹکڑا لگایا۔

''حد ہے آپ سے بھی۔ بات کیا ہوتی ہے' آپ کیا بنا دیتے ہیں''۔ نازنین نے سر ہی پیٹ لیا تھا۔

''بھئی مجھے تو تمہاری صحت' تمہارے حسن کا خیال ہے۔ ورنہ بچے بہت سارے ہوں تو خوب رونق رہتی ہے۔ ماں
...کی زندگی میں''۔ انہوں نے پھر چھیڑا تھا۔

''نہیں بابا۔ مجھے نہیں پسند ڈھیروں بچے جو ماں کو اتنا تھکا دیں کہ وہ ٹھیک سے ان کی تربیت بھی نہ کر سکے''۔ وہ ڈریسنگ
...سے کنگھا اٹھا کر لائی اور جواد کے بال بنانے لگی۔

...اور بچوں کے چھوٹے چھوٹے کاموں سے خوشی ملتی ہے۔ وہ بھی غارت ہو جاتی ہے''۔ اس نے جواد کے پھولے
...پر چٹا چٹ پیار کیا۔

یاور علی خان ایش ٹرے میں راکھ جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور پیٹا سونک تھری ان دن کے قریب [illegible]
دیکھنے لگے۔کبھی کبھی ان کا موڈ بنتا تھا۔

ایک ریکارڈ لگا کر انہوں نے سوئی ٹکائی اور واپس اپنے بیڈ پر آ گئے۔

کمرے میں مکیش کی پرسوز آواز پھیلنے لگی۔

جانے کہاں گئے وہ دن کہتے تھے تیری راہ میں

نظروں کو ہم بچھائیں گے

ان کی آنکھوں کی سرخی بڑھنے لگی۔سگریٹ سلگ سلگ کر انگلیوں تک آ پہنچا۔

....

وہ جی بھر کر سوئی تھی۔شاید اس لئے کہ کئی راتوں سے بے آرام تھی۔

نہا دھو کر کمرے [illegible] میں ناشتا کیا۔ناشتے کے دوران ہی کلو بڑی امی کا پیغام لے کر آ گئی۔کہ وہ ہال میں [illegible]

اس نے کوفت بھرا منہ بنا کر چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''پھر لیے بیٹھی ہوں گی جوڑے گہنے۔کیا مصیبت ہے''۔اس نے دوپٹا شانوں پر پھیلایا۔''سوچ رہی تھی [illegible]
چائے اور پیوں گی''۔وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر آ گئی۔

''ہال کمرے میں آئی تو منظر کچھ نئے انداز کا تھا۔گلو مشین لیے بیٹھی تھیں۔موتا کروشیے سے گلے اور آستین [illegible]
کر رہی تھی۔زری کپڑے تراش رہی تھی۔باقی لڑکیاں اسے گھیرے بیٹھی تھیں۔بڑی امی صوفے پر بیٹھی تھیں۔[illegible]
لیٹر پیڈ اور قلم لیے بیٹھا تھا۔

''السلام علیکم''۔اس نے باری کی طرف سے نظریں چرا کر آہستگی سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔جیتی رہو''۔

''بیٹی.....دن چڑھے تک سونے سے نیستی ہوتی ہے۔یاور نے چار دن میں تمہاری عادتیں بگاڑ دیں۔اور [illegible]
سب چل جاتا ہے۔دوسرے گھر جاؤ گی تو سب ایک ایک بات نوٹ کریں گے۔زندگی تو سب ہی کی گزر جاتی ہے [illegible]
طرح گزارنے کی کوشش کرنا چاہیے۔خوامخواہ کی بدمزگی سے فائدہ؟''

وہ ان سے تھوڑے فاصلے پر موڑھے پر بیٹھ گئی۔

''وہ میں نے تمہیں ایک کتاب دی تھی' ڈیزائن پر نشان لگانے کو۔لگا دیا؟ یہ باری جا رہا ہے دو دن کیلئے کراچی [illegible]
کام سے۔اسی کے ہاتھ بھجوا دیتی ہوں۔کچھ چیزیں میں بھی منگوا رہی ہوں۔تمہاری ساس کو پیسے بھجوا رہی ہوں [illegible]
باری کو دے دیں گے''۔

''تمہیں کچھ منگوانا ہو تو لکھوا دو''۔انہوں نے اس کا چہرہ بغور دیکھا۔''طبیعت تو ٹھیک ہے؟ کتنی دیر تک سوتی [illegible]
انہیں اس کا چہرہ بہت بدلا ہوا محسوس ہوا۔

''کچھ نہیں بڑی امی۔ٹھیک ہوں میں۔اور ڈیزائن پر نشان لگانا مجھے یاد نہیں رہا۔آپ خود ہی لگا دیں''۔وہ سرد مہری سے [illegible]

[illegible] ہے' اگر تمہارے نانا کا انتقال نہ ہوتا تو کل پرسوں تو تمہاری بارات بھی ہو جاتی۔تمہیں ایسے کون سے کام
[illegible] یاد نہیں رہا''وہ ناراض ہو رہی تھیں''۔حد ہو گئی۔کلو کو بتاؤ' کہاں رکھی ہوئی ہے کتاب۔اٹھا لائے گی۔میں خود لگا
[illegible] دیکھو ناں اتنی دور سے بھجوائی ہے۔کیا سوچیں گے وہ؟ پہلے کب ہم نے اس طرح پرواہ کی ہے کسی کی۔
[illegible] ہے۔آخر کو''۔

[illegible] وہ میرے کمرے میں الماری پر رکھی ہے ایک سنہری جلد کی کتاب۔لا کر بڑی امی کو دے دو''۔اس نے بیزار کن [illegible]

[illegible]

[illegible] میں یاور سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔مگر ان کے فون بزی مل رہے تھے۔تم ذرا اب ان کے دفتر ملا کر دیکھنا۔اور
[illegible] پیغام دے دینا کہ ایک آدھ روز کیلئے حویلی آ جائیں''۔وہ روشی سے مخاطب تھیں۔

[illegible] ہاتھ پر خراشیں کیسی ہیں۔کہیں گر پڑی تھیں''۔عالم تاب کی نظریں اس کے سیدھے ہاتھ کی پشت پر ٹھہر
[illegible] لئے بھی واضح ہو رہی تھیں کہ ان پر کھرنڈ آ چکا تھا۔

[illegible] الٹے ہاتھ سے سیدھا ہاتھ ڈھانپ لیا۔''کچھ نہیں بڑی امی ایسے ہی''۔اس نے قدرے گھبرا کر باری کی طرف
[illegible] وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر جھٹ سامنے سینری پر نظریں جما دیں۔

''[illegible] دکھاؤ مجھے۔تمہاری شادی کے دن قریب ہیں۔اپنا خیال کرنا چاہیے اور الٹے سیدھے نشان سجا کر بیٹھ رہی
[illegible] مجھے۔کیا کر کے بیٹھی ہو''۔انہوں نے تحکمانہ انداز میں اسے اپنے پاس آنے کو کہا۔چار و نا چار اسے اٹھنا پڑا۔

''کچھ بھی نہیں بڑی امی۔ٹھیک ہو جائے گا''۔

عالم تاب نے اس کا ہاتھ تھام کر دیکھا۔''کیا ناس مار رکھا ہے ہاتھ کا۔کچھ لگاؤ اس پر۔لگتا ہے کسی نے کھسوٹ ڈالا ہے۔
[illegible] الٹے سیدھے کام کرتی پھرتی ہو''۔

''[illegible] ان کی طرف سے۔بہت بہادر ہیں''۔باری نے پیڈ سے صفحہ علیحدہ کیا۔
[illegible] نظریں نہ اٹھ سکیں۔

''[illegible] بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو باری۔تمہارا اندازہ غلط ہو بھی نہیں سکتا''۔شینو ایک کونے میں بیٹھی تازہ اخبار دیکھ رہی
[illegible]

''[illegible] بہت سارے خواص ہیں۔وہ بھی تمہیں پتا ہوں گے''۔شینو نے براہ راست باری سے مخاطب ہوئیں۔
[illegible] آپ ٹھیک کہہ رہی ہوں''۔باری مسکرایا۔''کیا مجھے اپنی علمیت کا اظہار بھی کرنا ہوگا؟''۔
[illegible] منہ چھپا کر ہنسنے لگیں۔
[illegible] بڑی امی۔ابھی تیاری بھی کرنا ہے۔اور کچھ تو نہیں لکھنا ہے؟''

''نہیں...... بس...... روشی کی ساس کو ہمارا بہت بہت سلام کہنا''۔ اگر وہ لوگوں تمہیں کھانے پر بلائیں تو...

''ٹھیک ہے''۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اور کوئی حکم؟''

''نہیں۔ اور کچھ نہیں۔ بس کچھ بھولنا نہیں''۔

''ذرا سن گن لینے کی کوشش کرنا' وہ کس تاریخ میں دلچسپی لے رہے ہیں''۔ مونا نے آہستگی سے کہا۔ اسے... کی تیاری کیلئے وقت کا تعین کرنا تھا۔ کچھ روشی کو بھی چھیڑنے کی کوشش تھی۔

''میں براہ راست بھی ٹاک کرسکتا ہوں۔ صرف اجازت درکار ہے''۔ وہ روشی کے پاس سے گزرتے ہوئے... منہ میں بولا۔

روشی بیٹھی اپنی ہتھیلیاں مسلتی رہی۔

جیسے ہی عالم تاب باہر جانے کو اٹھیں۔ روشی بھی ان کے پیچھے چل پڑی۔

''روشی تم کہاں جارہی ہوں؟'' زری نے ٹوکا۔

''آرہی ہوں ابھی''۔ وہ تیزی سے عالم تاب کے پیچھے نکل گئی۔

بڑی امی اپنے کمرے کی طرف اور وہ اوپر جانے والے زینے کی طرف بڑھی تھی۔

....

باری تولیہ گلے میں لٹکائے وارڈ روب سے کپڑے نکال رہا تھا۔ وہ بہت خاموشی سے دروازے کے درمیان... تھی۔

''میں تم سے لڑنے نہیں آئی ہوں باری' بس ایک بات کرنا ہے تم سے''۔

''مگر مجھے آپ سے کوئی بات کرنا ہے' نہ سننا ہے۔ معافی چاہتا ہوں۔ یوں بھی مجھے ذرا جلدی ہے''۔

''اس طرح کیوں بات کررہے ہو؟'' اسے رونا سا آگیا۔

باری اپنے کپڑے لے کر باتھ روم کی طرف بڑھا'' مجھے افسوس ہے روشی بی بی میں واقعی جلدی میں ہوں''... سے باتھ روم میں داخل ہوا اور دروازہ بند کرلیا۔ دکھ کی نامانوس سی لہر نے جیسے اسے ہلکا کردیا۔ وہ کھڑی کچھ دیر سوچتی رہی... اندر آگئی اور دروازہ بند کرلیا اور اس کے بستر پر بیٹھ گئی۔ کچھ میگزین اور نصابی کتب سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھیں۔ وہ الٹنے... لگی۔

جانے کتنا وقت گزرا۔ شاید دس منٹ' شاید پندرہ منٹ۔

وہ کچھ گنگناتا ہوا تولیے سے سر رگڑتا ہوا بڑی ترنگ میں باتھ روم سے باہر آیا تھا۔ مگر فوراً ہی ٹھٹک گیا تھا مگر... نہیں۔

اور اسے مکمل نظر انداز کرکے اپنے کاموں میں مگن ہوگیا۔ پہلے بال سکھائے پھر سیٹ کئے۔ پھر سفری بیگ میں... سامان رکھنے لگا۔

...ی دوران چلتے پھرتے چیزیں بیگ میں ڈالتے ڈالتے پرفیوم بھی اسپرے کرلیا تھا۔ جس کی وجہ سے کمرے میں ایک... اور خوشگوار سی مہک سرایت کرگئی تھی۔ سیاہ پینٹ اور اسکائی بلیو شرٹ میں ملبوس وہ بہت تروتازہ محسوس ہورہا تھا۔

...یوں ہوتا تھا جیسے اسے اس کی موجودگی کا احساس ہی نہیں ہے۔

''باری''۔

''جی''۔

''تم ایسے کیوں ہو رہے ہو؟''

''کیا ہو رہا ہوں۔ اچھا تو میں کبھی بھی نہیں لگا آپ کو۔ کیا آج زیادہ برا لگ رہا ہوں''۔ وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہا...

''...ا قصور صرف اتنا ہے کہ میں جھومر بھابی کی وجہ سے ظفری بھائی کے بیڈ روم میں گئی تھی۔ اب مجھے کیا......''۔

''...یں بھلا یہ جرات کرسکتا ہوں کہ آپ سے پوچھ گچھ کروں۔ فکر مند نہ ہوں''۔ اس نے بیگ بند کیا اور سیدھا کھڑا ہو...

''...اور پھر یہ آپ کا گھر ہے' آپ جدھر مرضی گھومیں پھریں۔ وقت بے وقت' آپ کیوں پریشان ہورہی ہیں''۔ وہ ...ینت سے پوچھ رہا تھا۔

''تم پہلے جیسے نہیں لگ رہے۔ بہت بدلے ہوئے لگ رہے ہو؟ کیا کیا ہے میں نے؟ کون سا گناہ ہوا ہے مجھ سے؟ تم ...مجھ سے بدل رہے ہو اور میں اپنی نظروں میں گر رہی ہوں''۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

''...بدل رہے ہو۔ ارے''۔ وہ ہنس دیا اور اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔ ''اور کیا میں اتنا قابل ذکر ہوں کہ آپ ...میرے بدلنے' مرنے' ٹھہرنے کا نوٹس لیں۔ اپنی توانائی ضائع نہ کیا کیجئے۔ آگے کام آئیگی''۔

''باری...... تم بہت ''ٹیپیکل'' ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتے۔ مجھے تم سے بہت شرم آرہی ہے میرا جی چاہ رہا ہے میں مر ...جاؤں''۔ وہ بہت ضبط سے اپنے آنسو روک رہی تھی۔ باری کا دل...... بشر کا دل تھا...... بہت ترنگ میں دھڑکا۔

''کس بات کی شرم؟''

''تم نے مجھے عجیب سے حلیے میں دیکھا تھا۔ مجھے سوچ سوچ کر شرم آرہی ہے۔ حالانکہ مجھے پتا ہے تم کسی سے نہیں کہو ...گے''۔ وہ نظریں جھکائے ہوئے کہہ رہی تھی''۔

''...کسی سے کہوں گا؟'' اس نے انجان بن کر گویا اسے چھیڑا۔

''...میں تو کبھی اپنے آپ سے بھی نہیں کہوں گا۔ آپ اطمینان رکھیں۔ اب مجھے اجازت''۔ وہ بیگ اٹھا کر کھڑا ...ہو...

(...یہ تقدیر کہ ایک گھر میں ہوتے ہوئے بھی کتنے جتن سے دکھائی دیتا ہے)

...وہ اس روز نعیم کو جو میں فون کر رہی تھی''۔

''یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔ مجھے آپ کے ذاتی معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں''۔
اس نے ہاتھ اٹھا کر رو‌شی کو بولنے سے روک دیا۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

''کیوں نہیں ہے دلچسپی؟ تم اس گھر میں نہیں رہتے؟'' وہ بپھر کر بولی۔
''لیکن گھر میں رہنے کی یہ شرط تو نہیں ہے کہ میں یہاں کے تمام معاملات میں انوالو ہوں''۔ وہ عجلت بھرے انداز میں
کہہ رہا تھا۔
''گھر میں رہنے والوں کیلئے ''جرگہ'' شرطیں نہیں باندھتا۔ خود بخود ذمہ داریاں ہر فرد پر آ پڑتی ہیں۔ سارے گھر کی ''بو''
سونگھنے پر مامور ہو تو دلچسپی تو لینا پڑے گی''۔ وہ اٹل لہجے میں گویا ہوئی۔
''مجھ کو زبردستی ہے''۔ باری نے مسکرا کر شانے اچکائے۔
''مجھے معلوم ہے تمہیں میرے معاملات سے ہمیشہ دلچسپی رہتی ہے زیادہ عورت''۔ اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔
''میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں کہ کوئی آسانی سے مجھ پر اثر انداز ہو سکے۔ خاصہ مضبوط ہوں۔ اب مجھے اجازت''۔ وہ
اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
''تم بیٹھو''۔ اس نے دانت پیسے۔
''اس کے علاوہ کوئی اور فرمائش؟ یعنی مزید کیا کر کے دکھاؤں؟'' وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔

"میں نے کیا' کیا ہے؟ جو تم ایسے ہو رہے ہیں؟" وہ پھر روہانسی ہو گئی۔

"نہ آپ نے کچھ کیا ہے' نہ میں ایسا ویسا ہو رہا ہوں۔ میری فلائٹ کا وقت ہو رہا ہے' باقی لڑائی پھر اٹھا رکھئے"۔ اس نے بیگ اٹھا لیا۔

"کوئی پیغام کراچی والوں کیلئے؟" اس نے قدم آگے بڑھائے۔

"تمہارا سر!" وہ جھلا اٹھی۔

"وہ تو میں ساتھ لئے جا رہا ہوں' اچھا خدا حافظ"۔ وہ باہر نکل گیا۔

وہ ہتھیلیاں مسلنے لگی' ساتھ ساتھ کچھ بڑبڑا بھی رہی تھی۔

....

ماہین راہداری کا مرکزی دروازہ چیک کر کے مطمئن انداز میں اپنے کمرے کی سمت بڑھی تھی۔

بہت مدھم سی کال بیل نے اسے چونکا دیا۔ اس کی نظریں لاؤنج میں سامنے ہی لگے وال کلاک پر جا ٹھہریں۔ ڈیڑھ بجے کا عمل تھا۔

اس نے خود آگے بڑھنے کی بجائے نعمان کو جگانے کا قصد کیا' مگر ایک دم رک گئی۔ معلوم تو کر لوں ہے کون... بیچارے بھائی کی نیند خراب ہو گی۔ یہ سوچتے ہی راہداری کا دروازہ کھول کر باہر آئی اور گیٹ سے چند قدم دور رک دی۔

"جی...... کون؟"

"یاور......؟" آواز خاصی دھیمی تھی مگر رات کے اس پہر واضح تھی۔

"اوہ"۔ ایک انجانی سی خوشی اس نے اپنے اندر دوڑتی محسوس کی۔

"ایک منٹ!" وہ چابی لینے اندر دوڑ گئی۔ جتنی تیزی سے اندر دوڑی تھی۔ اتنی تیزی سے بھاگتی ہوئی واپس آئی۔ تالا کھول کر اس نے ذیلی دروازہ فوراً ہی وا کر دیا تھا۔

سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس ریڈ اینڈ وائٹ ڈاٹس کی ٹائی لگائے چھوٹا سا بہت خوبصورت اسٹائلش قسم کا سوٹ کیس لٹکائے یاور علی خان اس کے سامنے کھڑے تھے۔

"السلام علیکم"۔ اس کی خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔

"وعلیکم السلام"۔ ایسے نہیں بھاگتے' گر بھی جاتے ہیں"۔ ان کی آواز دھیمی اور لہجہ سپاٹ تھا۔

ماہین شرمندہ سی ہو کر اپنا دوپٹہ درست کرنے لگی۔

"آئیے"۔ وہ انہیں لے کر آگے بڑھی۔

"کیا میرے آنے سے حفاظتی انتظامات مکمل ہو گئے ہیں؟" انہوں نے کھلے ہوئے تالے کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ"۔ ماہین تالا لگانے لگی۔ یاور علی خان بھی رک گئے تھے۔

پھر وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے لاؤنج میں پہنچے۔

"ٹرین لیٹ تھی یا ٹائم ہی یہی تھا؟" وہ ان کے مقابل کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"جو بھی چاہے فرض کر لیں' اب تو آپ ڈسٹرب ہو ہی چکی ہیں"۔ انہوں نے سوٹ کیس ایک طرف ٹکا دیا۔

"آپ کے آنے سے میں کبھی ڈسٹرب ہو ہی نہیں سکتی' آپ نوٹ کر لیں ہمیشہ کیلئے"۔ وہ بہت سادہ اور پرسکون انداز میں مسکرا رہی تھی۔

یاور علی خان نے ایک اچٹتی نظر اس پر دوڑائی۔ میرون کاٹن کے سفید کڑھائی والے کرتے شلوار میں ملبوس دوپٹے میں لپٹی ہوئی بہت معصوم سی لگی۔

"اچھی بات' اب آپ مجھے اس ٹھکانے پر پہنچا دیں جہاں میں چینج کر سکوں"۔ وہ نارمل سے انداز میں گویا ہوئے۔

"اوہ"۔ ماہین قدرے جھینپ گئی۔

"پھر آپ اوپر ہی چلئے' جہاں پہلے ٹھہرے تھے۔ کمرے بھی ہیں اور پرائیویسی بھی"۔

"اتنا سمجھتی ہیں آپ ہمیں"۔ وہ مبہم سا مسکرائے۔

"اس سے بھی کچھ زیادہ"۔ وہ شرارت سے گویا ہوئی اور زینے کی طرف بڑھ گئی۔

یاور علی خان اس کے پیچھے چل رہے تھے۔

"پتا نہیں کیوں میرا وجدان کہہ رہا تھا' آپ آنے والے ہیں' میں نے کمرا اسی لئے بالکل تیار کر دیا تھا"۔

"اچھی خاصی روحانی خاتون ہو گئی ہیں آپ تو"۔

"یہ بہت زیادہ ہے۔ ایسے خطابات کی اہل نہیں ہوں۔ اچھا یہ بتائیے' کھانا کھائیں گے یا چائے' کافی......"۔

"کچھ نہیں' بس ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلا دیں اور پھر آرام کریں"۔

"بس؟" اس کے منہ سے یونہی نکل گیا۔

"جی بس"۔

"پھر بھی یاد کر لیجئے۔ ہو سکتا ہے کوئی بہت ضروری چیز چاہیے ہو"۔ وہ جاتے جاتے رک گئی۔

یاور علی خان کوٹ اتارتے اتارتے ایک دم رک گئے۔

"بعض چیزیں بہت ضروری ہوتی ہیں' مگر موقع محل شرط ہوتی ہیں"۔ ان کا لہجہ بہت عجیب سا تھا۔ ماہین نے چونک کر ان کی صورت دیکھی۔

"جی"۔

یاور علی خان اس طرح لاپرواہ انداز میں کوٹ اتار کر بستر پر ڈال چکے تھے جیسے کمرے میں ان کے علاوہ دوسرا کوئی موجود نہ ہو۔ ماہین کا ٹھہرنا بے معنی سا تھا۔

وہ پانی لانے کے ارادے سے کچن کی طرف جا رہی تھی۔

اس نے برتن دھوئے اور چارپائی پر اوندھے رکھ دیئے۔ ابھی سیدھی ہی ہوئی تھی کہ پٹاخ ایک پتھر [illegible]
کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ مگر کچھ نظر نہ آیا۔

وہ فکر مند سے انداز میں اپنے دوپٹے سے ہاتھ پونچھنے لگی۔ الجھن کا اثر واضح طور پر اس کے چہرے پر [illegible]
پٹاخ...... پھر ایک پتھر اس کی پیٹھ پر لگا۔ وہ تیزی سے پلٹی تھی اور اس طرف دیکھنے لگی تھی جہاں سے پتھر [illegible]
تھا۔ مگر کچھ نظر نہ آیا۔

حیران پریشان سی کھڑی رہ گئی۔ یہاں آنے کے بعد یہ واقعہ دوسری مرتبہ تھا۔

وہ گھوم کر دیوار پر نظریں جما کر کھڑی ہو گئی۔ خوف سے بری حالت ہو رہی تھی۔ مگر آج وہ کسی نتیجے پر پہنچنا [illegible]
اس نے چاہا گل باز کو آواز دے مگر یک دم رک گئی۔ اسے دیوار پر ایک بھوری سی چیز محسوس ہو رہی تھی [illegible]
گھورنے لگی۔

اور اگلے ہی لمحے اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ دیوار کے اس سرے سے دوسرے سرے تک ہر سائز کا بندر [illegible]
رہا تھا۔ اس کی جان میں جان آئی گویا......

اس نے نیچے سے ایک پتھر اٹھا کر ایک بندر کی طرف پھینکا۔ سارے کے سارے دیوار پر ناچنے کودنے [illegible]
میں کود گئے۔ ایک عجیب سی آفت بچ گئی۔

ایک بندر نے پلنگ سے گلاس اٹھا لیا اور جھومر کی طرف پھینکنے کی دھمکی دینے لگا۔

تانبے کا بھاری گلاس تھا۔ جھومر ڈر کر پیچھے ہٹنے لگی۔

دو تین بندر اس کے آگے پیچھے ناچنے لگے۔ وہ شی شی کرتی دور ہٹنے لگی۔

معاً اسے کسی سے ٹکرانے کا احساس ہوا۔ وہ یوں اچھلی جیسے کرنٹ لگا ہو۔ فوراً ہی پلٹی تھی [illegible] اور حیرت [illegible]
نکلی تھی۔

''ب...... با...... باری...... بندر......''۔

''لاحول ولاقوۃ! کوئی اچھی گالی نہیں تھی آپ کے پاس؟'' باری نے منہ بنایا۔

''مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں خواب دیکھ رہی ہوں۔ اوہ میرے خدایا''۔

''آپ اندر چلیں، میں انہیں بھگا کر ابھی آتا ہوں''۔

جھومر یہ سنتے ہی اندر دوڑ گئی۔

باری نے جانے کون سی جیب سے پستول برآمد کیا اور ایک ہوائی فائر داغ دیا۔

بندروں میں کھلبلی مچ گئی۔ آن کی آن میں جانے کدھر غائب ہو گئے۔ اس نے پستول واپس جیب میں [illegible]
کی سمت پلٹا۔

جھومر [illegible] تک رہی تھی، باری کو اندر آتا دیکھ کر بڑے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''تمہارے ہاتھ میں ہتھیار دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی''۔ وہ تخت کی طرف بڑھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''یہ حویلی والوں کے حکم پر ''خون'' بھی کرتے ہو؟'' وہ تخت پر ٹک گئی۔

''نہیں صرف ارمانوں کا خون کرتا ہوں''۔ وہ روشی کا چہرہ تصور میں لا کر مسکرا دیا۔

''پھر تو تم قتلوں سے بھی بڑے قاتل ہو''۔ جھومر نے قدرے افسردگی سے کہا۔

''پھر جرم ہے؟ میں اقبال جرم کرتا ہوں۔ اب بس آپ جلدی سے یہ بتا دیجئے، چلنا ہے یا نہیں؟'' وہ ایک شکستہ سی کرسی [illegible]

''کہاں؟'' جھومر نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

''[illegible] پر اور کہاں؟''

''کس نے بھیجا ہے تمہیں؟ کاکا جان نے یا [illegible] صاحب نے؟'' جھومر کی آواز بہت دھیمی تھی۔

''کسی نے تو بھیجا ہوگا، خود سے تو میں آ نہیں سکتا''۔ اس نے جواب دیا۔

''تو یہ ہمارے نصیب ایسے کہاں''۔ وہ بڑبڑانے کے انداز میں بولی۔

''[illegible] نہیں دیا۔''

''جی میں ٹھیک سے سن نہیں سکا''۔ وہ آگے کی طرف جھک کر گویا ہوا۔

''اللہ میاں نہیں سنتے ہماری، پھر تم تو تم ہو''۔ وہ جیسے چڑ کر بولی تھی۔

''کیا [illegible] چاہتی ہیں آپ [illegible]'' [illegible] نے کیوں مسکرا دیا۔

''چاہنا کیا، چاہنے سے کیا ہوتا ہے''۔ اس کی آواز بھرانے لگی۔

''اچھا چلیں اٹھیں پلیز! نکلیں یہاں سے''۔ باری کے انداز میں درخواست تھی۔

جھومر نے [illegible] دیکھی۔

''کہاں لے کر جاؤ گے؟''

''جہاں [illegible]'' [illegible]

[illegible] خانے میں لے جاؤ [illegible] ہمیشہ کے لیے یہ فیصلہ [illegible]

''مجھے [illegible] کی [illegible] [illegible]
[illegible] بہت بچت ہو گئی''۔

''[illegible] تو مجھے ظفری کا نام لے کر چڑاؤ، میں بھی تم لوگوں کو سبق سکھا دوں [illegible]'' جھومر نہایت خطرناک [illegible]
[illegible] ہوئی۔

’’چلو‘ اور سیدھے دریابستی چلو‘ سرائے میں حاضری لگانے کی ضرورت نہیں اور تم مجھے دھوکے سے ... غلطی بھی نہ کرنا۔ کہیں میرے ہاتھوں تیمور علی خان اپنے انجام کو نہ پہنچ جائیں‘‘۔ اس کی نگاہ میں ... بھی۔

’’اچھا چلئے چادر اوڑھئے زیادہ ملکہ جذبات بننے کی ضرورت نہیں‘‘۔ وہ سرد انداز میں کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

جھومر پاؤں لٹکائے کچھ دیر سوچتی رہی پھر ایک فیصلہ کن انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

چادر اوڑھ کر باہر آئی‘ گل باز بیگ اٹھائے باہر کی طرف جا رہا تھا‘ وہ اسی کے پیچھے چل پڑی۔ باری ... ڈرائیونگ سیٹ پر اپنی طرف کا دروازہ کھولے اندر سے باہر آنے والے راستے کی طرف تک رہا تھا‘ گل باز ... پیچھے آتے دیکھ کر اس نے سکون کا سانس بھرا۔

’’اس قدر وحشت ہوتی ہے اندر کہ مجھے جیپ میں بیٹھ کر انتظار کرنا زیادہ پسند ہے‘ بہ نسبت اندر بیٹھنے کے ... ہیں‘ جانے کیا لڈو پیڑے مل رہے ہیں اس حویلی میں‘‘۔

اس نے جھومر کے بیٹھتے ہی انجن اسٹارٹ کر دیا اور بیک ویو مرر میں دیکھنے لگا کہ گل باز ایک طرف ہٹ گیا ...

’’تم باری ہو اور میں جھومر ہوں۔ تمہیں کسی ظفری کے پلے نہیں باندھا گیا۔ تمہارا دل محفوظ ہے‘ اے ... تمہاری روح آزاد ہے‘ یہ کسی درندے کو پیش نہیں کی گئی‘ لہٰذا تمہیں مجھ سے مقابلہ کرنے کی زحمت کی ضرورت نہیں‘‘۔

جھومر نے تڑخ کر اسے جواب دیا تھا۔

ایک لمحے کو تو باری بھی لاجواب سا ہو کر چکرا کر رہ گیا تھا۔

’’چل رہی ہوں میں اس جہنم میں‘ کر لیا ہے میں نے تمہاری پسند کا فیصلہ۔ اب دیکھنا ذرا‘‘۔

جھومر نے سر سے کلپ کھسوٹا‘ بال ہاتھ سے سمیٹے اور دوبارہ کلپ میں قید کر دیئے اور سر پر چادر جما کر ... دیکھنے لگی۔

’’یہ میری پسند بیچ میں کہاں سے ٹپک پڑی۔ مجھ سے جو کہا جاتا ہے‘ میں وہ کرنے کا پابند ہوں‘‘۔

گاڑی باہر آتے ہی اس نے بہت تیزی سے چلائی تھی‘ جیسے جھنجھلا رہا ہو۔

’’غلامی کی زنجیریں توڑنا بھی انسان کا حق ہے‘ پیدائشی حق‘‘۔ جھومر نے تلخی سے کہا۔

’’پیسے جمع کر رہا ہوں‘‘۔ باری کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

جھومر نے حیرت سے اس کی شکل دیکھی‘ بڑا پیچیدہ سا جواب تھا۔

’’پیسے......؟‘‘

’’کس لئے؟‘‘

’’غلام پابند ہے کہ اپنے آقا کو منہ مانگی رقم دے اور آزاد ہو جائے‘‘۔ اس کے لہجے میں بلا کی تپش تھی۔

’’کیا دام لگا رہے ہیں تمہارے؟‘‘ جھومر کے لہجے میں زہر گھلا ہوا تھا۔

... تو پوری جاگیر تمہارے سر سے وار کر صدقہ کر دی جائے تو بھی کم ہے‘‘۔ وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

’’یہ کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں مجھ میں‘‘۔ اسے یک دم غصہ آ گیا۔

... سکون سے کہہ رہی تھی۔

’’تمہیں کیا پتہ؟‘‘ وہ بہت سکون سے کہہ رہی تھی۔

’’مجھے اپنی حدود کا پتا ہے‘ میں عملی اور حقیقت پسند آدمی ہوں۔ اپنے بعض جذبوں کے سامنے بے بس سہی‘ مگر ہتھیار ڈالنے کی حد تک کمزور نہیں۔ وہ کون سے مقامات ہیں‘ جہاں میرا راستہ مکمل ہوتا ہے‘ مجھے اچھی طرح شعور ہے‘‘۔

باری کا چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔

’’تمہارے بھی جذبات ہیں؟‘‘ جھومر کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

’’مجھے بتاؤ گے وہ کون سے جذبات ہیں؟‘‘

’’شاید میں اپنے آپ کو بھی بتانا پسند نہ کروں‘‘۔ باری نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر بڑے ضبط سے جواب دیا۔

’’ایک بات کہوں‘ آپ مائنڈ تو نہیں کریں گی؟‘‘ اس نے طویل راستے کے بعد پہلا موڑ کاٹا۔

’’ہوں‘ کہو! تمہیں میرے برا ماننے کی فکر میں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں‘‘۔ جھومر نے بے دلی سے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

’’آپ پیچھے جا کر آرام سے لیٹ جایئے۔ ہو سکتا ہے‘ ٹھنڈے ماحول میں آپ کی نیند پوری ہو جائے اور آپ کا ذہن پرسکون ہو جائے۔

کیونکہ سرائے جا کر گاڑی بدلنا ہے۔ یہ جیپ کاکا جان کی ذاتی اور پسندیدہ سواری ہے۔ ان کی ’’لینڈ کروزر‘‘ کے بعد جو ... صاحب کے استعمال میں ہے‘‘۔ اس نے رسانیت سے کہا۔

’’تم مجھے وہاں نہ لے کر جاؤ تو بہتر ہے۔ پھر میرے منہ سے کچھ نہ کچھ نکل جائے گا‘‘۔

جھومر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

’’مگر مجھے گاڑی لازمی بدلنا ہے۔ شاید وہ بھی آپ سے ملنا اور بات کرنا پسند نہ کریں‘ آپ گیٹ سے باہر کھڑی ہو جایئے ... پانچ منٹ میں دوسری گاڑی لے کر باہر آ جاؤں گا‘ اب آپ پیچھے جا کر آرام کیجئے‘‘۔

’’نہیں چاہ رہا میرا آرام کرنے کو‘ تم چلاؤ گاڑی‘ میں تم سے کوئی بات فی الحال نہیں کر رہی‘‘۔

باری نے ہونٹ بھینچ کر رفتار قدرے بڑھا دی۔

....

سب لڑکیاں اندر ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ اس کا موڈ نہیں بن رہا تھا۔

وہ ... انداز میں دوپٹا سنبھالتی ہوئی باہر آ گئی اور بیرونی برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

... کا چاند تھا۔ وہ ہاتھوں میں چہرہ تھام کر چاند کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔

... گیٹ بند کر کے اس کے پاس سے گزرا‘ قدرے حیرت سے اسے دیکھا پھر آگے بڑھنے لگا۔

''کھوکھو''۔ اس نے کسی خیال سے باہر آ کر آواز دے ڈالی۔

''جی بی بی''۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

''چاند پورا ہے' روشنی بہت ہے' یہاں کی سب لائٹیں بند کر دو''۔ اس نے حکم دیا۔

''جی اچھا''۔ وہ اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد برآمدے ..... باغ کی ساری لائٹیں بند ہو گئیں۔

وہ پھر پہلے کے انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ جانے کتنی دیر اسی طرح بیٹھی رہی۔

معاً وہ چونک پڑی۔ کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس سے گیٹ روشن ہو گیا تھا۔

شاید بابا صاحب آ گئے ہیں۔

گاڑی ہارن دے رہی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا' کوئی ملازم نظر نہیں آیا۔ جانے کیا سوچ کر وہ خود ناصی تیزی سے چلتی ہوئی گیٹ تک آئی اور گیٹ کھول دیا۔ تیز روشنی منہ پر پڑی تو آنکھیں چندھیا گئیں۔

گاڑی ایک دم جیسے اس کے اوپر چڑھ دوڑی' وہ انتہائی تیزی سے ایک طرف ہو گئی۔

''یہ کون بدتمیز قسم کا ڈرائیور ہے''۔ اس کا خون کھول اٹھا۔ گاڑی پورچ میں جا کر رک گئی تھی۔

وہ کھولتی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھی لتے لینے کے خیال سے' مگر ٹھٹک کر رک گئی۔ ایک طرف سے باری دوسری طرف سے جھومر اتر رہی تھی۔

''یہ..... یہ کہاں سے آ رہے ہیں؟ کہاں گئی ہوئی تھیں یہ جھومر بھابی؟''

اسے وہ چند دن پہلے والا واقعہ ایک دم سے یاد آیا'' تو یہ کہیں گئی ہوئی تھیں شاید اپنے میکے' مگر باری تو کراچی کا انسان ہے' کیا ہوا؟''

''وہاں کیوں رک گئی' آج سلام دعا بھی نہیں ہو گی''۔ جھومر نے اسے متوجہ کیا۔

''السلام علیکم''۔ وہ ناصی الجھی ہوئی تھی۔

''وعلیکم السلام' ٹھیک ہو؟'' جھومر نے اس کے رخسار پر بوسہ دیا۔

''کہاں چلی گئی تھیں آپ' ظفری بھائی نے اپنا سر پھوڑ لیا ہے۔ آج دوپہر کو ہی انہیں ہسپتال لے کر گئے ہیں وہ''۔

روشی کا انداز اب بھی الجھا ہوا تھا۔

جھومر نے سکون کا ایک گہرا سانس لیا۔

''شکر کرو' ہم آ گئے' بعد جن کی خاطر آئے ہیں' انہی کے ساتھ واپس [illegible]''

باری کو اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

روشی کو حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا' ایک فطری امر تھا۔ اس نے باری کی طرف دیکھا۔

''میں کچھ سمجھی نہیں بھابی''۔ اسے ایک دم سے دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ جھومر [illegible]

''[illegible] سمجھنے کی کیا ضرورت ہے؟ حویلی میں ٹڈی دل کی طرح انسان بھرا پڑا ہے۔ مگر باری جیسا کارآمد ایک بھی نہیں ہے۔

[illegible] باری..... باری ہے۔ اچھا شب خیر۔ اللہ کرے ظفری اب ہسپتال ہی میں رہے''۔

[illegible] نے پچھلے حصے کی جانب پیش قدمی کی۔

[illegible] سے چیزیں نکال رہا تھا اور روشی اپنی جگہ دم بخود کھڑی تھی۔

''[illegible] یہ کیا اول فول بک رہی تھیں؟'' معاً اس نے تنتنا کر پوچھا۔

''جھومر بھابی''

''آپ کی بھابی ہیں اور بڑی بھابی'' ''بکتی'' نہیں۔ فرماتی ہیں..... سمجھیں؟''

''مگر جو کچھ وہ کہہ کر گئی ہیں' وہ کوئی بھابی نہیں فرما سکتیں''۔ وہ بھڑک اٹھی تھی۔

''ایک ابنارمل انسان کے ساتھ رہتی ہیں۔ کوئی نفسیاتی پیچیدگی پیدا ہو گئی ہو گی۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں''۔ [illegible] نے گویا تسلی دی۔

''مزے سے خوشی میں محترمہ کو اٹھائے اٹھائے پھر رہے ہو؟'' وہ بپھر گئی۔

''لاحول ولا قوۃ''۔ وہ بس لاحول ہی پڑھ سکا۔

''نفسیاتی کیس بن گئی ہیں تو بابا صاحب کو اطلاع دو۔ پاگل خانے لے جا کر ان کا علاج کرانے کو کہو' میں اس قسم کی اذیت برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی' ان کو سمجھانے کی کوشش کرو کہ اپنی اوقات میں رہیں۔ ہم صرف اپنے بھائی کی وجہ سے ان کو عزت دیتے ہیں۔ وگرنہ دوسری صورت میں ان کا ''رینک'' ماما بلی کے بعد ہی بنتا ہے۔

''جن لوگوں کو کبھی عزت نہ ملی ہو' انہیں راس ہی نہیں آتی''۔

غصے سے اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔

''آپ کیوں خوامخواہ اپنا ٹمپر لوز کر رہی ہیں۔ جانے دیں''۔ باری نے رسانیت سے سمجھایا۔

''تم پر ان کی بے ہودگی کا کوئی اثر نہیں ہوا''۔

وہ شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھورنے لگی۔ بلیک اینڈ وائٹ پرنٹ کے شلوار کرتے' اور دوپٹے میں دودھیا چاند کی روشنی میں نہائی ہوئی وہ بڑی معصوم دکھائی دے رہی تھی۔

باری نے نظریں چرا کر گاڑی کا لاک لگانا شروع کر دیا۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے؟'' وہ پھنکاری۔

''بالغرض مجھ پر کچھ اثر ہو کسی بات کا۔ تو اس سے آپ کو کیا فائدہ یا نقصان ہے۔ یہ تو میری اپنی ذاتی واردات ہو گی''۔ وہ [illegible] سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''دیکھنا میں بابا صاحب کو بتا کر ہی دم لوں گی''۔ اس نے دھمکی دی۔

''کمزوروں سے جنگ کرنا کوئی اچھی بات نہیں''۔ باری نے اندر جانے کی نیت سے رخ موڑا۔

''حماقت [illegible] ہوان کی؟'' اسے جیسے کسی خوف سے صدمہ سا ہوا۔

’’نہیں ...... جن لوگوں کے ہونے اور نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو اُن سے بات نہیں بڑھائی جاتی ...
رکھتے ہیں‘‘۔ اس نے پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

’’خیر ...... دماغ تو ان کا بھی ٹھکانے لگا دوں گی میں۔ ان کی ہمت کیسے ہوئی؟‘‘
وہ کہاں باز آنے والی تھی۔

’’مرضی ہے آپ کی۔ میری طرف سے اجازت ہے‘‘۔ وہ مسکرا دیا۔ جیسے اسے چڑا رہا ہو۔

’’ہونہہ‘‘۔ وہ پاؤں پٹخ کر اس سے پہلے اندر بڑھ گئی۔ اور ہال کمرے میں چلی آئی۔ لڑکیاں ہنوز ٹی وی پر ...

’’تم کہاں چلی گئی تھیں؟‘‘ بیہ نے اس پر سرسری نظر ڈال کر دوبارہ اسکرین پر نظریں جما دیں۔

’’جہنم میں‘‘۔ وہ صوفے پر ڈھے گئی۔

’’ہاں ...... کچھ ...... سرخ سرخ سی تو ہو رہی ہو‘‘۔ روبی نے شرارت سے دیکھا۔

’’شاید۔ حویلی کے غائب لوگ واپس آ چکے ہیں‘‘۔ شینو کارپٹ پر بالکل چت لیٹی تھی۔

روشی نے ان کے لیٹنے کے اسٹائل کو بڑی ناگواری سے دیکھا۔ اس پر مستزاد ان کا جملہ۔

’’شینو آپا! آپ مجھ سے مخاطب نہ ہوا کریں‘‘۔

اس نے خاصی بدتمیزی سے کہا۔ اس وقت وہ اس ماحول میں موجود ہی کب تھی۔ اس کے کانوں میں تو جملے انگاروں کی طرح ہنوز محسوس ہو رہے تھے۔

’’گلو آپا! یہ ظفری بھائی ہاسپٹل سے کب واپس آئیں گے؟‘‘ اس نے نظر کی عینک لگائے بغور ٹی وی دیکھتی ... کیا۔

’’خیریت؟‘‘ گلو نے چشمے سے اسے گھورا۔

’’ہاں خیریت ہی ہے۔ یونہی پوچھ رہی تھی‘‘۔ اس نے بظاہر لاپرواہی سے کہا۔

’’وہ ہاسپٹل میں ٹھیک نہیں ہوں گے۔ ان کا علاج گھر میں ہی ہے‘‘۔ وہ مزید گویا ہوئی۔

’’یعنی‘‘۔ گلو واقعی نہیں سمجھیں۔

’’یعنی یہ کہ جھمر بھابی ...... وہ گھر پر نہیں تھیں۔ انہیں فٹس پڑنے لگے۔ انہوں نے اپنا سر پھاڑ لیا‘‘۔ اس نے ... دی۔

’’وہ کہاں چلی گئی تھیں؟‘‘ گلو اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ ٹی وی سے ان کی توجہ مکمل طور پر ہٹ چکی تھی۔

’’یہ تو مجھے علم نہیں کہ وہ کہاں گئی تھیں۔ مگر بہرحال یہ مجھے پتا ہے کہ وہ کہیں گئی ہوئی تھیں اور اب واپس آئی ہیں ... باری کے ساتھ‘‘۔ اس نے سابقہ انداز میں جواب دیا۔

’’باری کے ساتھ‘‘۔ کئی متوجہ لڑکیوں کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

’’کیا کراچی؟‘‘ گلو حیرت سے پوچھ رہی تھیں۔

... ہوا کھانے گئی ہوں گی‘‘۔ شینو نے حسب توفیق حصہ لیا۔

... کے ساتھ؟‘‘ گلو انہیں گھور کر رہ گئیں۔

... ‘‘۔ وہ معنی خیز انداز میں بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئیں۔

... کیسے پتا کہ وہ گئی ہوئی تھیں؟‘‘ زری نے نکتہ اٹھایا۔

... کہ وہ میرے سامنے آئی ہیں‘‘۔ اس نے آرام سے جواب دیا۔

... کے ساتھ؟‘‘ مریم نے سوال کیا۔

... یہ کیا تم لوگوں نے مستقل قسم کی ٹیون بنالی ہے۔ باری کے ساتھ۔ باری کے ساتھ‘‘۔ وہ بری طرح جھلا گئی۔

... کہہ جو رہی تھیں‘‘۔ مریم بدبدائی۔

... تو میں نے کہا تھا۔ آپ نے سن لیا تھا۔ اب یہ گردان کیوں؟‘‘ وہ بگڑی

... یقین نہیں آ رہا تھا‘‘۔ مونا نے مسکرا کر جواب دیا۔

... باری اس طرف آئے تو پوچھ لینا کہ بھابی کو سیر کرانے کہاں لے گئے تھے؟‘‘ زری نے مشورہ دیا۔

... تمہاری آنکھوں کے سامنے ہی تو کراچی روانہ ہوئے تھے‘‘۔ شینو نے یاد دلایا۔

... خیال رکھتے ہیں بابا صاحب جھومر بھابی کا‘‘۔ حنا نے معصومیت سے کہا۔

... سخت ڈیوٹی بھی تو دیتی ہیں وہ‘‘۔ روبی نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

... سیر و تفریح تو ان کا حق ہے‘‘۔ بیہ نے بھی بڑے بھولپن سے کہا۔

’’وہ بھی ...... باری کے ساتھ‘‘۔ شینو کہہ کر خود ہی قہقہہ لگا بیٹھیں۔

... پاؤں پٹختی خود کو کوستی باہر نکل گئی تھی۔

....

... نے آہستگی سے دروازہ بجایا۔

’’یس!‘‘ اندر سے آفیسرانہ انداز میں اجازت ملی۔

... دروازہ کھول کر ٹرے اٹھا کر اندر آئی۔

’’السلام علیکم۔ صبح بخیر‘‘۔

’’وعلیکم السلام‘‘۔ یاور علی خان نہا کر نکلے تھے اور اب آئینے کے سامنے کھڑے بال بنا رہے تھے۔

... رات غالباً آپ بہت لیٹ آئے۔ میں خاصی دیر انتظار کرتی رہی۔ پتا نہیں کب آنکھ لگ گئی‘‘۔ ماہین کے انداز میں ... تھی۔

’’قصور آپ کا نہیں میرا ہے‘‘۔ اگر شرمندہ ہونا بہت ضروری ہے تو مجھے ہونا چاہیے‘‘۔ وہ آسمانی رنگ کے شلوار سوٹ میں ... ہشاش بشاش محسوس ہوئے۔

"نہیں...... خیر...... ایسا بھی ضروری نہیں"۔ وہ ہنس پڑی۔ بڑی مترنم اور مدھرسی ہنسی۔

یاور علی خان نے قدرے چونک کر اس کی سمت دیکھا (کس قدر شناسا سی ہنسی ہے) وہ کرسی پر بیٹھ کر جوتے

سرخ اور زرد پرنٹ کے جدید تراش کے سوٹ اور شولڈر کٹ ہیئر اسٹائل میں وہ بہت دلکش دکھائی دے رہی تھی

وہ اسے آئینے میں دیکھ رہے تھے۔

"مجھ کو تلاش کر رہے ہیں ہم میں؟" اس نے ان کی نظروں کو محسوس کر لیا تھا۔

بڑی سادگی سے مسکرا رہی تھی۔

"میں کسی میں کسی کو تلاش نہیں کرتا۔ ہر انسان کا اپنا علیحدہ رنگ ڈھنگ ہوتا ہے"۔ وہ برجستہ کہہ کر آئینے

سے ہٹ گئے تھے۔

"اب بتائیے۔ آپ کا کیا پروگرام ہے؟" وہ بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"میرا پروگرام"۔ اس نے حیرت سے ان کی سمت دیکھا اور چائے کا کپ ان کی طرف بڑھا دیا۔

"جی...... آپ کا پروگرام...... ہمارے ساتھ چلنے کا"۔ انہوں نے اطمینان سے کہا۔

"آپ کے ساتھ؟" وہ مزید حیران ہوئی۔

"کیا نعمان سے آپ کی اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی؟" اس بار حیران ہونے کی باری ان کی تھی۔

"نہیں تو"۔ اس کے چہرے سے فکرمندی جھلکنے لگی۔

"چلیں خیر، پھر چھوڑیں اس موضوع کو۔ نعمان کے سامنے ہی بات کریں گے۔ چلیں۔ اب یہ بتائیں۔ آپ

پلاننگ کیا ہے"۔ انہوں نے ہلکا سا سپ لیا۔

"فی الحال تو کچھ نہیں۔ ایگزام میں تو خاصا ٹائم ہے۔ بس ہلکی پھلکی اسٹڈی ہو رہی ہے"۔ وہ اب الجھی ہوئی

رہی تھی۔

"پھر...... اس کے بعد؟" وہ مسلسل سوال کر رہے تھے۔

"کچھ نہیں۔ کچھ سوچا نہیں"۔

"تو پھر سوچنا شروع کر دیں۔ شاید نعمان آپ کی شادی کی فکر میں ہیں"۔ ان کا انداز عام سا تھا۔

"نعمان بھائی تو بس"۔ وہ خاصی جھینپ گئی۔

"انہوں نے مجھ سے بھی کہا ہے کہ اس کار خیر میں، میں بھی حصہ لوں۔ لہٰذا پہلے اتنا تو معلوم ہو جائے کہ آپ

پارٹنر میں کیا کیا خوبیاں دیکھنا چاہتی ہیں؟" وہ سنجیدہ تھے۔

"ماہین کو جیسے اچنبھا ہوا تھا۔ جیسے اسے یاور علی خان سے اس انداز کی باتوں کی امید نہیں تھی۔

"خوبیاں جاننے کیلئے تو بہت زیادہ قریب رہنا ضروری ہے۔ دور دور سے تو بس اندازے ہی لگ سکتے ہیں

سکتے ہیں"۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

انسان کے ذہن میں کوئی خاص تقاضا تو ہو سکتا ہے ناں"۔ یاور علی خان کے پاس ایک اور دلیل

...شعور انسان

...کوئی خاص تقاضا نہیں۔ بس یہ کہ مجھ سے زیادہ قابل، مجھ سے زیادہ تعلیم یافتہ اور بے حد میچور ہو۔ وہ اس لئے کہ

...جو مسائل پیدا ہوئے انہوں نے مجھے اپنی عمر سے بہت آگے دیکھنا سکھا دیا ہے"۔ اس مرتبہ وہ خاصی سنجیدہ تھی۔

...خاندان اس کے علاوہ"۔ یاور علی خان نے اس کے سامنے شاید پہلی بار کوئی لطیف سا مذاق کیا۔

"...چیزیں آل ریڈی ہیں میرے پاس۔ اور پھر یہ تو بندے کی لک ہوتی ہے"۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

...کی خشک، بے رس، بے رنگ، زندگی یہاں سے وہاں تک جھلملا اٹھی۔

...نے ماں کی کمی کا ذکر کیا تو مجھے دھیان آیا۔ روشی میں تو اس قسم کی کوئی میچورٹی مجھے نظر نہیں آئی۔ بس ایک بات

...واضح ہے وہ ہے ضد"۔

...خان سگریٹ سلگانے لگے۔

...میچورٹی اس لئے نہیں آئی کہ آس پاس اس کے پرابلمز سولو اور شیئر کرنے والے بے شمار لوگ موجود ہیں۔

...علاوہ"۔

"...طنز کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا کریں۔ خیر مجھے آپ کی یہ جرات ناگوار نہیں گزرتی"۔

"...نے تو شاید روز اول ہی سے مجھ سے برابری کی ٹھان لی تھی۔ اور مجھے واقعی حیران کیا تھا"۔

...نے گہرا کش لگا کر اتنی دیر میں پہلی مرتبہ اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

"آپ ہمارے آفیسر نہیں ہیں۔ ہم در یا بستی کی رعایا نہیں ہیں۔ پھر جرات ہونے نہ ہونے کا کیا سوال؟ ہمیں کیونکہ

...اس لئے بس یہ اسٹائل ہے ہمارا مستقل قسم کا"۔

...ایک مرتبہ پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"...غیر ضروری لاڈ پیار اور احتیاط سے ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ بالکل ایسے جیسے کرسٹل کے ساتھ غیر ضروری احتیاط کی

...ایک روز وہ بھی ٹوٹ ہی جاتا ہے۔ غیر ضروری کانشس ہو گئی ہے وہ"۔

"...کرسٹل دوبارہ جڑتا تو نہیں ہے"۔ یاور علی خان، فکرمند نظر آئے۔

"...کرسٹل نہیں ہے انسان ہے"۔ ماہین مسکرا پڑی۔

"...نہیں کیسا مزاج ہے ہمارا جو ہمیں لاجواب کر دیتا ہے۔ جی چاہتا ہے اسے بہت قریب لے آئیں۔ اور بدلے کے

...لاجواب کر کے رکھ دیں"۔

...خان نے سگریٹ کی راکھ جھاڑی مگر اس کے تاثرات دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

...دھک سے رہ گیا۔ بلکہ ٹانگیں کانپنے لگیں۔ ساری خود اعتمادی ہوا ہوتی محسوس ہوئی۔

"...نہیں ہے، انتہا پسندی ہے"۔ اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے نہایت وقار سے جواب دیا۔ جیسے کچھ سمجھی

نہیں۔

''کسی کے سرٹیفکیٹ سے کبھی کسی کی سوچ بدلی ہے''۔ وہ مبہم سا مسکرائے۔

ماہین پر اچانک آسمان ٹوٹا تھا۔ اس کی بدحواسی بے حد فطری عمل تھا۔

اسے دھیان آیا اس کے اور یاور علی خان کے درمیان بس ایک چھوٹی سی تپائی ہے۔ اسے بری طرح

وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہاجرہ کو بھیجتی ہوں۔ وہ آپ کے کپڑے وغیرہ پریس کر دے گی''۔

اتنا کہہ کر وہ تیزی سے باہر آ گئی۔

وہ غور کرنا چاہتی تھی۔ یہ کیا ہوا ہے۔ یہ عام بات تھی یا خاص؟

یا یہ کہ ان کا مطلب کچھ اور تھا۔ وہ کچھ اور سمجھی ہے۔

یا پھر یہ کہ وہ بھی تو انہیں زچ کر دیتی ہے۔ آخر انہوں نے کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔

وہ تو بہت سادہ اور روڈ ہیں۔ حسِ لطیف تو شاید ان کے نزدیک بھی نہیں پھٹکتی۔

مگر نہیں۔

مرد کہہ کر مکر جائے۔ وہ الگ بات۔

راہ دکھا کر راستہ بدل جائے۔ دوسری بات ہے۔

مگر مقابل بیٹھی عورت کو غلط فہمی نہیں ہو سکتی۔

اس لئے کہ جب عورت مرد کے مقابل ہو' تنہا ہو تو اس کا پورا وجود ناک' آنکھ' کان بنا ہوا ہوتا ہے۔

وہ سر جھٹکتی ہوئی نیچے اتر رہی تھی۔

لاحول ولا قوۃ۔

اس نے اپنا تجزیہ پیش کر دیا۔

نہ خوشی تھی' نہ رنج۔

نہ افسوس تھا نہ ملال۔

بس حیرت تھی۔ سوچ جیسے ایک مقام پر ٹھٹک سی گئی تھی۔

....

اس نے کھڑکی سے دیکھ لیا تھا۔ وہ کتاب لے کر باغ کی طرف جا رہا تھا۔

وہ تیزی سے کمرے سے باہر آئی۔ اور تقریباً دوڑتی ہوئی اس تک پہنچی۔

وہ بھی قدموں کی دھمک پر رک کر پیچھے دیکھنے لگا تھا۔

''اوہ......آپ؟'' اس نے گہرا سانس لیا۔

''...ہے اب؟'' اس کا انداز خاصا روڈ تھا۔

''...میں زیادہ لمبی بات نہیں کروں گی بس یہ بتاؤ۔ جھومر بھابی کراچی کیوں گئی تھیں۔ جبکہ

...تم جیسے بڑے مرد بحران ہو...بھی یہاں سر پھوڑ رہے تھے؟'' وہ غرائی۔

''...کراچی نہیں گئی تھیں''۔ اس نے مختصر جواب دیا۔

''...یورپ گئی تھیں؟'' اس کا انداز ہنوز تھا۔

وہ خاموش رہا۔

''...تم کو پوچھ رہی ہوں؟'' وہ مزید طیش میں آ گئی۔

''پوچھے' بلکہ پوچھتی رہیے۔ پوچھنے پر کوئی پابندی نہیں۔ مگر جواب دینا مجھ پر فرض نہیں''۔ وہ پرسکون انداز میں گویا ہوا۔

''کیوں فرض نہیں؟ جس سے سوال کیا جائے' وہ جواب دینے کا پابند ہوتا ہے''۔

''کہاں لکھا ہے؟'' وہ بالآخر مسکرا دیا۔

''میرے سر میں''۔ وہ جھلا گئی۔

''ہاں۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ وہاں لکھا ہوا ہو سکتا ہے''۔ وہ حوض کی منڈیر پر بیٹھ گیا۔

''...زیادہ چلانے کی کوشش نہیں کرو''۔ وہ برہمی سے بولی۔

''آپ کیوں ہلکان ہو رہی ہیں؟'' وہ زچ سا ہو گیا۔

''...ہلکان نہیں ہوں گی۔ تو کیا کالا چور ہلکان ہو گا؟ کیا اول فول بول رہی تھیں۔ رات جھومر بھابی۔ چکر کیا ہے؟''

''مجھے یاد نہیں رات کیا بات ہوئی تھی''۔ وہ کتاب کھولنے لگا۔

''زیادہ انجان بننے کی کوشش نہیں کرو۔ تم ان کا وہ انداز ہضم کیسے کر گئے۔ سو اگلی (So ugly) سو چیپ۔ نان سنس''۔

...نے حقارت سے کہا۔

''...کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔ کیوں بے چاری جھومر بھابی کو برا بھلا کہہ رہی ہیں۔ یہ بھی بھلا کوئی بات ہے۔ اپنے قیاس

...بنا کر اپنی ذات کو دکھ دینا۔ وہ آپ کی طرح ذہین اور اتنی زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہیں۔ نظر انداز کر دیں اور اپنی دنیا میں

...''۔

...نے کمال رسانیت اور مہربانی سے اسے سمجھایا۔

''...ان کے الفاظ کی طرف تو دھیان نہیں دے رہی۔ ان کا انداز میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے''۔

''...درشی بی بی۔ مجھے پڑھنے دیں۔ حویلی کی تمام خواتین میرے لئے محترم ہیں۔ اور مستقبل قریب اور مستقبل

...حویلی کی کسی خاتون سے میرا کوئی نیا رشتہ استوار ہونے کا امکان نہیں اور نہ ہی میں ایسا چاہوں گا''۔

...صفحات الٹ پلٹ کرنے لگا۔

...سے ساکت سی کھڑی رہی۔

"تم...... شدید احساس کمتری کا شکار ہو۔ تم اس حویلی کے ملازم تو نہیں ہو۔ اور یہ کہ جب مجھے برا بھلا کہہ رہی تھیں، تمہیں ٹوکنا چاہیے تھا۔ اپنی ناراضگی کا اظہار کرنا چاہیے تھا۔" وہ اسی سابقہ انداز میں گویا تھی۔

"جن کاموں سے نہ میرا فائدہ ہو رہا ہو نہ نقصان۔ میں ان میں کوئی رول ادا کرنا نہیں چاہتا۔" اس نے اپنے مخصوص پرسکون انداز میں جواب دیا۔

"مگر تم یہ تو مانو کہ ان کا انداز غلط تھا۔" وہ اپنی جگہ اڑی ہوئی تھی۔

"ہاں...... میں یہ مانتا ہوں یہ سب انہیں زیب نہیں دیتا۔" اس نے بالآخر کہہ دیا۔

"تو بس مسئلہ ہی کوئی نہیں، مگر تم یہ ضرور جتانا کہ تم اس قسم کی باتیں پسند نہیں کرتے۔" روشی [illegible] ہوئی تھی۔

"میں جتا چکا ہوں۔" وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

"کب؟" روشی نے الجھ کر دیکھا۔

باری خاموش رہا۔

"میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔ اس سے پہلے بھی وہ یہ حرکت کر چکی ہیں؟ اور کہاں؟" اس نے جرح کی۔

"آپ چھوڑیں اس قصے کو جب بات ہی کوئی نہیں تو بات آگے لے جانے سے فائدہ؟" وہ تحمل سے [illegible]

"مگر مجھے بہت غصہ ہے۔ میں ایک بار ان کی کسائی کروں گی ضرور۔ تم مجھے روکنا مت۔" وہ [illegible] تھی۔

"مرضی ہے آپ کی۔" وہ کتاب پر نظریں دوڑانے لگا۔

"اچھا ایک بات اور بتاؤ۔" وہ اسی زاویے سے کھڑی ہوئی تھی۔

"پوچھ لیں۔ پوچھنے میں کیا جاتا ہے؟" اس نے کتاب سے سر اٹھائے بغیر کہا۔

"تمہارا بندھن حویلی کی کسی خاتون سے کیوں نہیں بندھ سکتا۔ بابا صاحب مجھے کہہ رہے تھے۔ تم تو [illegible] ہو۔" وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"یہ ان کی شفقت و محبت ہے کہ وہ ایسا سوچتے ہیں۔ مگر مجھے اپنی حیثیت کا اندازہ ہے۔"

اس نے ایک لمحے کو نظریں اٹھائیں۔

"تمہیں اپنی حیثیت منوانے کی کوشش کرنا چاہیے۔" اس نے مشورہ دیا۔

"مجھے جو حیثیت حاصل ہے، وہ بہت ہے، جس کے کیلئے میں خان کا بہت مشکور ہوں۔" اس نے [illegible] دیا۔

"شاید تم میں ہمت کی کمی ہے۔" اس نے چوٹ کی۔

"شاید۔" باری نے کمال بے نیازی سے جواب دیا اور سامنے دیکھنے لگا۔

"مگر کس طرح سے تم جچتے تو نہیں ہو۔" وہ تنک کر گویا ہوئی۔

"یہ تو اور بھی زیادہ اچھی بات ہے۔" وہ مسکرا دیا۔ "اس میں تو میری بچت ہے۔"

"[illegible] کی ہے وہ لمبے بالوں والی۔ اس نے تمہیں جیت لیا۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ تم صرف اس کی وجہ سے ادھر ادھر نظر [illegible]

[illegible] ہے نا۔" روشی نے زبردستی شوخی کا مظاہرہ کیا۔

"یہ میری لک ہے کہ اس نے مجھے پسند کیا۔ وہ تو خود اتنی خوبیوں کی مالک ہے کہ اس کا ساتھ کسی کیلئے بھی فخر کا باعث ہو [illegible] ہے۔" باری نے مسکرا کر اس کی سمت دیکھا۔

روشی کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے۔

"کیا کیا خوبیاں ہیں اس میں؟ سر کے بل چلتی ہے؟" وہ اپنا غصہ نہ چھپا سکی۔

"نہیں...... یہ خوبی نہیں ہو سکتی۔ یہ تو فالٹ ہے۔ بندہ جب تک ٹانگوں سے نہ چلے، اس کی خوبصورتی نہیں کھلتی۔ اس کی [illegible] بہت خوبصورت ہے۔" باری ہنس دیا۔

"ہونہہ...... جب اتنی خوبیوں کی مالک ہے تو پھر تمہیں الو بنا رہی ہے۔ اس کے اور طلب گار نہیں ہوں گے؟" وہ دہک [illegible]

"اگر الو بنا رہی ہے تو بھی مجھے الو بننا پسند ہے۔ اتنی دلکش لڑکی کے ہاتھوں۔" وہ ہنس رہا تھا۔

"اگر وہ تمہارے ہاتھ نہ آئی؟" اس نے ایک اور سوال داغا۔

"تو کیا ہوا۔ زندگی کامیابی اور ناکامی کے سلسلوں کا نام ہے۔" وہ اس کی سمت دیکھنے لگا۔ مسکراہٹ ہنوز ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔

"تمہیں دکھ تو ہوگا۔" اس نے نظریں چرا کر پوچھا۔

"ظاہر ہے۔ بالکل فطری بات ہے۔ مگر جب دکھ ملیں تو برداشت کرنا چاہیے۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ہمت ہے تم میں؟" وہ استہزائیہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"ہاں۔ ہے۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"تو پھر اسے چھوڑ دو۔"

"آپ کے حکم پر اتنی اچھی چیز نہیں چھوڑی جا سکتی۔ آخر زبان بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"زبان دی ہے تم نے اسے؟" اس کی آواز آہستہ تھی۔

"ظاہر ہے...... فلرٹ تو نہیں کر رہا۔ اب میں پڑھ سکتا ہے؟" اس نے جیسے اجازت طلب کی۔

"ہونہہ۔" روشی جلدی سے پلٹ گئی۔

باری کتاب تھوڑی کے نیچے ٹکائے اسے دیکھتا رہا۔

....

ابھی تھوڑی دیر پہلے لال خان اسے تیار رہنے کیلئے کہہ کر گیا تھا کہ عارف کے ہاں چلنا ہے۔ وہ بے دلی سے تیار ہو رہی تھی۔ اس پر انکشاف ہوا کہ وہ اندر سے خاصی خوشی محسوس کر رہی ہے۔ وہ اپنے احساسات سے خائف خوبصورت ساڑھی اس نے نکالی تھی واپس رکھ دی۔ اور عام سر گھر میں پہننے والا سوٹ استری کرنے لگی۔ جیسے بہت سے احتیاط کر رہی ہو۔

وہ شادی کے بعد سے بہت اہتمام سے تیار ہوتی تھی' خواہ کہیں بھی جانا ہو۔ مگر آج وہ بہت سادہ تھی۔ جیسے اپنے آپ سے ڈر لگ رہا تھا۔

وہ کپڑے تبدیل کر کے چادر اوڑھ کر وہیں کمرے میں بیٹھ رہی۔ اور لال خان کا انتظار کرنے لگی۔

''ارے تم تیار نہیں ہوئیں؟'' لال خان کمرے میں آ کر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''کپڑے بدل تو لیے ہیں''۔ وہ بے زاری سے بولی۔

''کیا اور کپڑے نہیں ہیں تمہارے پاس؟ عارف کی ماں تمہیں پہلی بار دیکھے گی۔ کیا کہے گی۔ میرے بارے سوچے گی؟ کہ تمہیں کپڑے بنوا کر نہیں دیتا''۔ لال خان نے قدرے ناراضگی سے کہا۔

''کیا کپڑے کپڑے کیے جا رہے ہیں آپ۔ میرا دل نہیں چاہ رہا''۔ وہ بھی تلخی سے گویا ہوئی لال خان چونک کر صورت دیکھنے لگا۔

''کیا ہوا تمہارے دل کو؟'' وہ خفگی سے پوچھ رہا تھا۔

''دل کو تو کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے۔ یہ کوئی اپنے بس کی بات ہے''۔ بڑبڑائی۔

''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ چلو۔ ایسے ہی چلو''۔ لال خان نے بڑی جلدی ہتھیار ڈال دیے اور کمرے سے باہر بالو پرس اٹھا کر اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

گاڑی گھر سے باہر ہی کھڑی تھی۔ اس نے گیٹ کو تالا ڈال دیا۔ لال خان گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ وہ بھی اس میں آ بیٹھی۔

راستے بھر ان کے درمیان عجیب سی خاموشی حائل رہی۔

تقریباً چالیس پچاس منٹ پر محیط فاصلہ تھا۔

وہ ایک نئی بستی میں آ گئے تھے۔ جہاں دور دور تک فلیٹ ہی فلیٹ نظر آ رہے تھے۔

وہ ایک شاندار عمارت کے سامنے رک گئے تھے۔ عارف کا فلیٹ گراؤنڈ فلور پر ہی تھا۔

''لال خان نے کال بیل کا بٹن پش کیا۔ تقریباً دو منٹ بعد آف وہائٹ دروازہ وا ہوا۔ سامنے ہی عارف کھڑا

''آہا...... آپ''۔ وہ لال خان کے گلے لگتے ہوئے بالو سے مخاطب تھا۔

''بہت بے ایمان ہو' بغیر بتائے چلے آئے۔ جی چاہتا ہے' تم سے بات بھی نہ کروں۔ بے وفاؤں کو بھی تم ہو۔ یاروں کی پرواہ بھی نہیں کرتے''۔ لال خان نے شکوہ کیا۔

اے میرے جوش جنون عشق تیرا شکریہ

تو نے جو بخشی تھیں وہ رسوائیاں اچھی لگیں

لال خان کو تھامے تھامے اندر چلا گیا۔ بالو بھی ان کے پیچھے چل پڑی۔

سامنے ہی تخت پر ایک نہایت ضعیف عورت بیٹھی آنکھیں سکیڑ کر غالباً آنے والوں کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔

''السلام علیکم! اماں کیسی ہیں آپ؟'' لال خان نے قدرے نزدیک ہو کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔ جیتے رہو۔ لال خان ہے ناں''۔ عارف کی ماں نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''آپ پہچانا اماں!'' لال خان پہچانے جانے پر بہت خوش نظر آیا۔

''اور یہ ساتھ میں کون ہے؟'' عارف کی ماں نے پھر دوسری جانب توجہ کی۔

''آپ کی بہو ہے...... بالو! سلام کرو''۔ وہ اس کی طرف پلٹا۔

''السلام علیکم اماں''۔ بالو نے یوں سلام کیا گویا اسے سلام کرنے کیلئے لال خان کے حکم ہی کی ضرورت تھی۔

''ادھر پاس آ بیٹی...... مجھے دور سے صاف دکھائی نہیں پڑتا''۔ بڑی بی نے اسے پاس بلایا۔

''کتنے دکھ کی بات ہے عارف بھائی۔ آپ کی ماں کی یہ حالت ہے اور آپ ان کی خاطر بھی خود کو نہیں سنبھالتے''۔ بالو ملامت آمیز انداز میں عارف کو مخاطب کیا۔ اور بڑی بی کے پاس بیٹھ گئی۔

''ارے بھابی۔ سو طرح کی دلیلیں تو ہمارے دماغ میں بھی آتی ہیں۔ بس مگر...... وہ کیا کہیں کہ

درد تو جو کرے ہے جی کا زیاں

فائدہ اس زیاں میں کچھ ہے؟

''آتا ہے ہمیں بھی یہ دھیان...... مگر کوئی مجبوری سی مجبوری ہے''۔ وہ ہنس دیا۔

اتنے میں نو عمری پٹھانی اندر آئی۔ مگر مہمانوں کو دیکھ کر وہیں دروازے پر رک گئی۔

''آؤ نو بہار...... کوئی کام؟'' عارف نے اسے مخاطب کیا۔

''کپڑا سارا دھل گیا ہے۔ اماں سے معلوم کرتا ہے' آج کیا پکے گا''۔ اردو بولتے ہوئے اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

''آج کچھ نہیں پکے گا۔ مہمان آئے ہیں۔ سب کچھ باہر سے آئے گا۔ اس لیے کہ شاید ہمارے ہاں کا پکا ہوا بھابی کو پسند نہ آئے۔ یہ بہت اچھا کھانا پکاتی ہیں''۔ عارف نے لاپرواہ انداز میں مسکرا کر کہا۔ پٹھانی واپس پلٹ گئی۔

''کیوں تکلف کرتے ہیں عارف بھائی''۔ بالو شرمندہ سی ہو گئی۔

''یہ یہاں سارے کام کرتی ہے؟'' لال خان کا اشارہ پٹھانی کی طرف تھا۔

''ہاں اماں کیلئے رکھا ہے۔ اب ان کی کام کرنے کی عمر نہیں۔ آنکھوں سے بھی کم دکھتا ہے''۔ عارف نے جواب دیا۔

''ملازموں سے بہلا رہے ہیں ماں کو۔ کوئی مستقل انتظام کیوں نہیں کرتے ماں کیلئے''۔ بالو نے فوراً اسے ٹوک دیا۔

''ارے بیٹی...... اسی غم میں تو رو رو کر اندھی ہو گئی۔ پر اسے کوئی احساس نہیں۔ یہی دکھ مجھے کھائے جاتا ہے''۔ بڑی بی کی

آواز بھرا گئی۔

''آپ کو اپنی ماں کے جذبات کا خیال کرنا چاہیے عارف بھائی۔ کتنی بری بات ہے''۔

بالو بڑی بی کے آنسوؤں سے ایک دم ہی موم کی طرح پگھلنے لگی۔

''انسانوں کو انسانوں سے شکایتیں تو رہتی ہی ہیں۔ کچھ کر لیجئے۔ اگر میں اماں کی بات مان لوں تو
شکایتیں ہو جاتیں۔ اس لئے میں ان سب باتوں کی پرواہ نہیں کرتا''۔ عارف نے اپنی مخصوص بے نیازی سے
کیا کہا ہے شاعر نے۔

وہ فرشتے آپ تلاش کیجئے کہانیوں کی کتاب میں !!

جو برا کہیں نہ برا سنیں' کوئی ان سے خفا نہ ہو

''کیوں لال خان؟'' وہ مسکرا رہا تھا

لال خان بھی جواباً ہنس دیا۔ ''کوئی کوئی شعر تو تمہارا ہماری سمجھ میں آ ہی جاتا ہے''۔

''دیکھ لو...... اس طرح باتوں میں اڑا دیتا ہے۔ مجھے اپنی فکر نہیں ہے۔ میری تو گزر گئی۔ بس اسی کا خیال
اکیلا ہو جائے گا میرے بعد۔ گھر میں بہو ہوتی۔ بچے کھیلتے''۔ بڑی بی نے آزردگی سے کہا۔ ''آل اولاد ہو تو
''لائی تو تھیں تم...... اسے تو تمہارے جذبات کا اتنا خیال تھا کہ پہلے بندوبست کر کے آئی تھی''۔ عارف
جاندار تھا۔

''بالو کھسیا سی گئی۔ لال خان عارف کے ساتھ شریک تھا۔

''بس یہ اسی کو پیٹتے جائے گا۔ لوگ ایک جروا (بیوی) کے بعد دوسری نہیں کرتے؟'' بڑی بی کو غصہ آ گیا۔

''چھوڑو اماں! ان باتوں کو۔ گھر میں بہت اچھے مہمان آئے ہیں۔ یہ جو بھابی ہیں ناں' میری بہت
ہیں۔

اور بھابی' آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ کچھ کمی سی محسوس ہو رہی ہے آپ میں''۔ عارف اسے سر سے پاؤں
لگا۔

بالو کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ حالانکہ وہ تو اپنی دھن میں تھا۔

مگر شاید اس کے اندر کوئی چور راستہ پیدا ہو گیا تھا۔

ناپسندیدہ ترین حالات میں انسان خود کو بالکل ہی اکیلا تصور کرنے لگتا ہے۔ ناپسندیدہ قرب
تھا۔ جو ساتھ کھڑے ہوئے پیر پر ہی چڑھ جانا چاہتی ہے۔ اس نے دل ہی دل میں لاحول پڑھی۔

''گرمی بھی تو بہت پڑ رہی ہے دلہن! سوتی کپڑوں ہی میں چین پڑتا ہے۔ خیر سے دو جی سے تو نہیں ہو''

بالو کو بہت حیا آئی۔ وہ خاموش رہی۔

''دعا کرو اماں! سونے میں تول دوں گا اسے''۔ لال خان نے بے ہنگم سا قہقہہ لگایا۔

وہ اس بھونڈے اور کھلے سے انداز پر کڑھ کر رہ گئی۔ ایک عارف ہے بڑی سے بڑی بات کتنی نفاست سے کرتا ہے کہ
جسم و جان پر پھوار سی پڑنے لگتی ہے۔

''بس! وہ کون تھی۔ جس کے پیچھے عارف بھائی کی یہ حالت ہے؟'' عرصے کا تجسس آخر ہونٹوں پر آ گیا۔

''بس کیا بتاؤں بیٹی۔ کوئی خاندانی تو تھی نہیں۔ بہت بڑی حویلی میں کنیز تھی۔ اللہ نے حسن بہت دے دیا تھا۔ اس میں سما
نہیں رہا تھا۔ ارے بڑی چلتا پرزہ تھی۔ یہ تھا کم عمر اور سیدھا۔ جان کو روگ لگا بیٹھا۔
مار ایک تو کمبخت کا حسن' اس پر حویلی کی عورتوں کی قیمتی اترن' فتنہ بنی پھرتی تھی۔ جانے کس کس کا ستیاناس کیا ہوگا۔ میرا
بچہ نکل گیا میرے ہاتھوں سے۔ ناس مٹی کہیں کی''۔

بڑی بی کے زخم گویا ہرے ہو گئے۔

''آپ حویلی میں رہتی تھیں؟''

''ارے نہیں بیٹی! پٹواری تھا' میرا مرد' گاؤں میں۔ بس آنا جانا تھا حویلی میں۔
کرموں جلی...... ذات کی کنیز...... پتا نہیں کیا سمجھتی تھی اپنے آپ کو''۔ بڑی بی کے لہجے میں کھولن در آئی۔

''کیا نام تھا اس کا؟'' بالو کا تجسس اب کمال پر تھا۔

''بھلا سا نام تھا۔ چھوڑیئے۔ کیا رکھا ہے ان باتوں میں...... چائے...... آ رہی ہے' چائے پیجئے۔ بہت اچھی چائے بناتی
ہے ہماری پٹھانی''۔

عارف نے ایک دم اندر آ کر ماحول یکسر بدل دیا۔ بالو نے ایک گہرا سانس لیا۔ یہ اس کا تجسس کبھی بھی مٹنے نہیں دے گا۔
بتاتا ہے نہ بتانے دیتا ہے۔ اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

لال خان' عارف سے اپنی کاروباری باتوں میں مشغول ہو چکا تھا۔

....

وہ کسی کام کی دھن میں بڑی تیزی سے لاؤنج میں آئی تھی۔ وہاں یاور علی خان نعمان کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے۔

نگاہیں یونہی بے ساختہ مل گئی تھیں۔ جیسے بازار میں بھیڑ میں سے گزرتے ہوئے کسی سے بھی چار ہو جاتی ہیں۔

مگر اس کا رواں رواں کھڑا ہو گیا تھا۔ ایک دم ہی نئے احساس سے دوچار ہوئی تھی۔

''کہاں غائب ہیں بھئی۔ نہ چائے نہ ٹھنڈا''۔ نعمان نے ماہین کو مخاطب کیا۔

''مجھے پتا نہیں تھا آپ لوگ یہاں بیٹھے ہیں۔ ابھی بھجوا دیتی ہوں''۔ اس نے شرمندگی سے کہا اور واپس باہر جانے لگی۔

''رہنے دیجئے۔ ابھی میرا موڈ بھی نہیں...... باہر جا رہا ہوں' فی الحال دو چار کام نمٹانے ہیں۔ روشی کیلئے بھی دو چار چیزیں
لینی ہیں''۔ یاور علی خان نے اسے روک دیا اور وہ رک بھی گئی۔

''ماہین......!'' یاور علی خان نے اسے مخاطب کیا۔

''جی''۔ وہ نظر اٹھانے کا حوصلہ نہ کر سکی۔

’’آپ تیار ہو جائیں۔ ذرا میرے ساتھ چلیں۔ میں نے کبھی روشی کی شاپنگ نہیں کی‘‘۔

’’پھر اب کیوں کر رہے ہیں؟‘‘ اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

’’آپ نے بیٹی کو قریب جو کر دیا ہے‘‘۔ وہ بہت دھیمی آواز میں کہہ رہے تھے۔

’’ہاں...... ہاں...... تو چلی جاؤ ناں۔ یوں بھی تم کہیں نکلتی نہیں ہو‘‘۔ نعمان نے بھی اس سے پر زور انداز میں...

’’ٹھیک ہے...... میں تیار ہو کر آتی ہوں‘‘۔

یاور علی خان نے اپنی سرخ آنکھیں ایک لمحے کو اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔ کہ مرد پتا پھینک کر کئی بار عورت کو... ہے۔ اسے اگلے مرحلے کی تیاری کرنا ہوتی ہے۔

’’آپ کتنا ٹائم دیں گے؟‘‘ ماہین آگے بڑھتے بڑھتے رک کر پوچھنے لگی۔

’’جتنا مرضی لے لیں‘‘۔ وہ برجستہ بولے۔

’’میرا مطلب ہے‘ آپ لیٹ تو نہیں ہو جائیں گے‘‘۔ وہ گھبرا کر نعمان کی طرف دیکھنے لگی۔

جواب میں صرف یاور علی خان نے اس کی طرف دیکھنے پر اکتفا کیا۔

ماہین کا دل پھر ٹھٹک گیا۔ اس نے دوپٹے سے چہرہ پونچھا۔

’’میں ابھی آتی ہوں‘‘۔ وہ یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

وہ دونوں پھر باتوں میں مصروف ہو گئے۔

ماہین گم صم سی اپنے کمرے میں آئی تھی۔ اور وارڈروب کھول کر خالی خالی نظروں سے کپڑوں کو دیکھنے لگی۔ پھر... ایک سرخ کاٹن کا سوٹ نکال لیا۔

کپڑے بدلنے میں اسے بمشکل تین منٹ لگے ہوں گے۔ میچنگ وہ کرتی نہیں تھی۔ صرف ہم رنگ چپل اس نے... پاؤں میں ڈالی تھی۔ لپ اسٹک لگاتے ہوئے اس کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے۔

عورت کی تیاری میں بھی عجیب سے بھید پوشیدہ ہوتے ہیں۔ حالانکہ دل کئی بار ٹوک چکا تھا اور پوچھ رہا تھا کہ

جب ناگواری بھی نہیں۔

جب خوش گواری بھی نہیں۔

تو پھر یہ سب کیا؟

جانتی ہو‘ تمہاری سب سے بڑی بہن ان کے نکاح میں تھی۔

پتا ہے۔ ان کی بیٹی بیاہنے کی عمر کو آ گئی ہے۔

خبر ہے۔ وہ تم سے کتنے بڑے ہیں۔؟

اس نے جھنجھلا کر لپ اسٹک کا ڈھکن زور سے بند کیا۔ انہوں نے مجھے کہا ہی کیا ہے۔ میں کیوں اتنی کانشس ہو رہی ہوں۔ بعض اوقات غلط فہمی بھی تو ہو جاتی ہے۔

وہ اسٹول سے ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور پرس ہاتھ میں لے لیا۔ بیڈ پر پڑی ہوئی چیزیں جلدی جلدی سمیٹ کر واپس لاؤنج میں آ گئی۔

’’چلیں؟‘‘ اس نے نظریں اٹھائے بغیر کہا۔

نعمان نے جیب ٹٹول کر چابی نکالی اور یاور علی خان کو تھما دی۔ یاور علی خان اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر باہر پورچ کی طرف نکل گئے۔

مرد میں ذرا سی بھی بصیرت ہو تو وہ عورت کی تیاری کے انداز سے اس کے دل کا بھید جان سکتا ہے۔ اسی لئے شاید انہیں اس کی طرف بار بار دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی گاڑی کی طرف آ رہی تھی۔ دل پریشان سا بھی تھا کہ وہ ساتھ چل تو پڑی ہے۔ امتحان آ پڑا تو کیا کرے گی؟

یاور علی خان گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔

وہ اندر میں بیٹھ گئی۔ مگر ایک دم چپ چاپ۔

’’آپ کو راستوں کا پتا ہے......؟‘‘ اس نے کسی دھیان سے چونک کر ان سے پوچھا۔

’’آپ ساتھ تو ہیں‘‘۔ بڑے سادہ انداز میں جواب آیا تھا۔

اس کا دل تو اچھل کر حلق میں آ گیا۔ شروعات ہی مشکل تھی۔

جب بھی کوئی خیال سارے حواس پر غالب ہو تو ہر بات اسی کا پرتو محسوس ہوتی ہے۔ گاڑی کھلی شاہراہ پر آ گئی تھی۔

’’کراچی میں ڈرائیونگ بہت مشکل ہوتی جا رہی ہے۔ ڈرائیور اچھا خاصا اعصابی مریض بن سکتا ہے‘‘۔ یاور علی خان سگنل پر ٹھہرتے ہوئے گویا ہوئے۔

’’جی‘‘۔ ماہین نے مختصراً تائید کی۔

’’آبادی کے لحاظ سے یہاں کی پلاننگ صحیح خطوط پر نہیں ہے‘‘۔ وہ پھر گویا ہوئے۔

’’جی......‘‘۔ اس بار بھی اس کا جواب مختصر تھا۔

’’ایک زمانہ تھا کہ یہ شہر سکون کے لحاظ سے آئیڈیل ہوا کرتا تھا‘‘۔

’’جی‘‘۔ ماہین کے منہ سے پھر ’’جی‘‘ ہی نکلا۔

’’اچھی تبدیلی ہے۔ آخر آپ میری جی حضوری پر اتر آئیں‘‘۔ وہ مبہم سا مسکرائے۔

’’آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ ’’جی‘‘ سے بہتر کوئی جواب میرے پاس نہیں‘‘۔ وہ قدرے جھینپ گئی۔

’’مگر اس سے پہلے تو آپ کو مجھ سے شدید اختلاف رہا ہے‘‘۔ وہ گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے گویا ہوئے۔

’’اختلاف تو اب بھی ہے۔ مگر اختلاف کا مطلب ہمیشہ کا اختلاف نہیں ہوتا‘‘۔

’’یہ تو اچھی بات ہے‘ اچھا کیا آپ نے بتا دیا۔ مجھے آگے سہولت رہے گی‘‘۔ یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ یاور علی خان نے اس کی

بات کاٹی تھی۔

وہ باقی بات منہ میں ہی دبا کر رہ گئی تھی۔

''کس قسم کی سہولت؟'' اس نے زبردست شعوری کوشش کے بعد آخر کار اپنا اعتماد بحال کر لیا۔

''بتائیں گے...... کیا آپ کو جلدی ہے؟'' وہ آنکھوں پر سن گلاسز چڑھائے ہوئے تھے' آواز تو پہلے ہی سپاٹ تھی۔

''نہیں...... بھلا مجھے کیوں جلدی ہوگی؟ جب آپ کا موڈ ہو تو بتا دیجئے گا...... اچھا یہ بتائیں روشی کیلئے آپ کچھ لیں گے؟'' اس نے کمال مہارت سے بات کا رخ موڑ دیا۔

''کچھ نہ کچھ تو لیں گے' خواہش تو یہ ہے کہ آپ کے ہاتھ سے دلوائیں۔ کیونکہ مجھ سے تو وہ خفا رہتی ہے'' وہ دھیمے لہجے میں بات کر رہے تھے۔

''تو آپ کو اس کی خفگی دور کرنے کی کوشش کرنا چاہیے'' اس نے فوراً ٹکڑا لگایا۔

''جو کچھ ہو رہا ہے' وہ اسی کوشش کا حصہ ہے۔ مگر شاید آپ کو یقین نہ آئے''۔ وہ ایک جدید شاپنگ سنٹر کی طرف رخ موڑتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''میں سمجھی نہیں''۔ وہ جان بچانے کو انجان بننا چاہ رہی تھی۔ اس لئے کہ ابھی وہ خود پر بھی واضح نہیں تھی۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں سمجھا سکتا ہوں''۔ انہوں نے فراخدلی سے پیشکش کی۔

''ابھی موڈ نہیں کلاس لینے کا''۔ اس نے شرارت سے اپنی جان بچانے کی کوشش کی۔

وہ مسکرا کر خاموش ہو رہے۔

''جب آپ ہنسیں گے تو کیسے لگیں گے؟ ویسے سچ سچ بتائیں۔ آپ آخری بار کب ہنسے تھے''۔ ماہین پھر موضوع بدلنے میں کامیاب ہو گئی۔

یاور علی خان کے چہرے پر اچانک سرد مہری جھلکنے لگی۔ ''ہنسنا کوئی مشکل کام تو نہیں ہے' آپ کوشش کر سکتی ہیں''۔ آواز بھی بے تاثر تھی۔

''یا اللہ''۔ وہ بات پلٹ پلٹ کر عاجز آ چکی تھی۔ وہ تھے کہ پھر اس کے لئے نئی بات نکال دیتے تھے۔

''میں تو بہت کوشش کرتی ہوں' جب بھی آپ سے ملاقات ہوتی ہے''۔

اس نے سنبھل کر جواب دیا ''پتا نہیں کیوں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ نے اپنے آپ پر خول چڑھا یا ہوا ہے بھی اتنا مضبوط کہ توڑنا مشکل''۔ اس نے قدرے جھجکتے ہوئے بالآخر کہہ دیا۔

''آپ میں گٹس ہیں۔ آپ لوگوں کے خول توڑ سکتی ہیں''۔ ان کا انداز ہنوز سرد اور بے تاثر تھا۔

''خیر...... چلیں' پہلے کچھ لے لیتے ہیں۔ واپسی میں ضروری بات کریں گے''۔ انہوں نے پارکنگ لاٹ میں گاڑی روک دی۔

''ضروری بات''۔ ماہین کو نئے سرے سے گھبراہٹ ہونے لگی۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

سب سے پہلے وہ ایک وسیع بوتیک میں داخل ہوئے تھے۔

سامنے ہی ہیٹ گرین سلک کی ساڑھی پر نظر پڑی تھی جس پر سرخ موتیوں کا نہایت نازک کام بنا ہوا تھا۔

''کیسی ہے یہ ساڑھی؟'' انہوں نے پلٹ کر ماہین کی سمت دیکھا۔

''بہت خوبصورت' کیا روشی ساڑھی پہننے لگی؟'' اس نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''تم آپ کیلئے کہہ رہا ہوں''۔ ان کا انداز بالکل سادہ تھا۔

''میں...... میرے لئے؟ مگر میں نے تو کبھی ساڑھی استعمال ہی نہیں کی۔ ہمارے ہاں عموماً شادی شدہ خواتین ہی ...... پہنتی ہیں''۔ اس نے جواب دیا۔

''تو لے لیجئے' بعد میں استعمال کر لیجئے گا''۔ ان کا انداز وہ بدستور تھا۔

''ایسی بھی کیا جلدی کیا ہے''۔ اس نے ان کی بات مکمل ہوتے ہی جلدی سے کہا اور مسکراہٹ کے پردے میں اپنی ...... چھپائی۔

''...... بعض اوقات کوئی اچھی چیز مس ہو جاتی ہے' پھر نہیں ملتی۔ کیا آپ کو اعتراض ہے؟''

انہوں نے ملبوسات پر نظریں دوڑاتے ہوئے سرسری سا اسے بھی دیکھا۔

''نہیں بھلا اعتراض کی کیا بات؟ بلاوجہ کی فضول خرچی' جبکہ ضرورت بھی نہیں''۔

اس نے دھیرے سے ہنس کر کہا۔

''جب چیز موجود ہوتی ہے تو اس کے استعمال کی جگہ بھی نکل آتی ہے۔ آپ اسے میرا اصرار سمجھئے''۔ وہ سیلز گرل کو اشارے سے پیک کرنے کیلئے کہا۔

ماہین یک دم چپ سی ہوگئی۔

''یہ وہائٹ ڈریس دیکھئے۔ یہ روشی جیسی موڈی لڑکی کو بہت سوٹ کریگا۔ بہت خوبصورت ڈیزائن ہے''۔ طرف اشارے سے بتانے لگے۔

''جی''۔ وہ بس جی کر کے رہ گئی۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ آپ خاصے چھپے رستم ہیں' سب کچھ تو پتا ہے آپ کو''۔ وہ ہنس دی۔

''ہاں تو میں نے کب کہا کہ مجھے کچھ پتا نہیں''۔ وہ بہت سنجیدگی سے جواب دے رہے تھے۔

''ظاہر تو آپ یہی کرتے ہیں''۔ وہ برجستہ بولی۔

''تو پھر لے لیں یہ؟'' وہ اس کی طرف دیکھنے لگے' گویا اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔

''ضرور' روشی بہت خوش ہوگی۔ اسے یہ ضرور بتائیے گا کہ یہ آپ کی پسند ہے''۔ ماہین نے نظریں چرا کر کہا۔

''آپ کہتی ہیں تو بتا دیں گے' لیکن ایسا کیوں کرنا چاہیے''۔ وہ پوچھنے لگے۔

''آپ کی جانب سے محبت کا اظہار اسے خوشی سے پاگل کر دیگا''۔ مسکرائی۔

''بہتر''۔ وہ مخصوص انداز میں مسکرا دیئے۔

''آیئے' اس کے علاوہ بھی دیکھتے ہیں' اسے بہت زیادہ خوش کر دینا چاہیے''۔ وہ بائیں طرف مڑتے ہوئے

''ہاؤ اسٹرینج''۔ اس نے خوش دلی سے شانے اچکائے۔

''نہیں خیر' ایسی بھی کوئی بات نہیں' اکلوتی بیٹی ہے میری''۔ انہوں نے اپنی مخصوص سنجیدگی سے جواب دیا۔

''بیٹا بھی اکلوتا ہے''۔ ماہین نے یاد دلایا۔

''ہاں' مگر وہ میرے ساتھ باہر جاتا رہتا ہے۔ اس کی پسند کی شاپنگ کرا دیتا ہوں''۔ انہوں نے جواب دیا۔

ماہین کو اس قدر واضح جواب ملنے کے بعد قدرتی طور پر خاموشی اختیار کرنا پڑی۔

تین سوٹ ایک فراک' ایک ساڑھی پیک کرا کر وہ باہر آئے۔

''تقریباً بیس منٹ انڈین قونصلیٹ کے پاس صرف ہونگے۔ آپ گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کر لیں گی''

ہوئے اس سے مخاطب ہوئے۔

''ہونے ہوئے یہ تو بہت اہم ہے۔ میں چالیس منٹ انتظار کر سکتی ہوں''۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

انہوں نے اندر بیٹھ کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔ وہ سامان پیچھے ڈال کر بیٹھ گئی۔

وہ بیس کے بجائے پندرہ منٹ میں فارغ ہو کر باہر آگئے تھے۔ چہرے پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ جو الجھنوں کا مظہر تھیں۔

''بزنس پرابلم؟'' ماہین نے سرسری نظر ان کے چہرے پر ڈالی۔

''پرابلم تو ہوں گی۔ ٹینشن بھی تو سخت چل رہی ہے''۔ وہ گاڑی ریورس کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''کہاں چلیں گے؟'' اس نے بات کا رخ موڑا۔

''بس گھر چلیں گے''۔ انہوں نے اسی الجھے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

اس نے سیٹ کی پشت سے ٹک کر سکون سے آنکھیں موند لیں۔

وہ کافی دیر خاموشی سے ڈرائیو کرتے رہے۔

''میں نے آتے ہوئے آپ سے کہا تھا کہ کوئی ضروری بات کرنا ہے آپ سے' آپ کو یاد ہے؟''

انہوں نے سگنل پر گاڑی روکتے ہوئے اس کی سمت دیکھا۔

ماہین نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

''مجھے یاد ہے''۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''میں بہت دنوں سے الجھ رہا ہوں' اب کنارہ چاہتا ہوں''۔

وہ سگنل پر نظر جمائے ہوئے بہت دھیمی آواز میں مخاطب تھے۔

''جی۔۔۔۔ جی' ضرور کہیے''۔ وہ بے ساختہ بولی تھی۔

''میں شادی کرنا چاہتا ہوں''۔

سگنل کھل گیا تھا' گاڑی آگے بڑھی تھی۔

بس لمحے کو ماہین کے سارے حواس ٹھٹک کر رہ گئے۔ بظاہر جملے میں اس کے متعلق تو کوئی بات نہ تھی' مگر پچھلے دو دنوں میں وہ جن کیفیات سے گزر چکی تھی۔ اس حساب سے تو یہ ''بم بلاسٹ'' تھا۔ اسے آنے والے لمحات سے خوف آنے لگا۔

''یہ تو کوئی بری بات نہیں' اگرچہ اس برحق فیصلے میں خاصی تاخیر ہوگئی''۔

اس نے بہت سوچ سوچ کر نپا تلا انداز اختیار کیا۔

''جب موڈ ہو وہی فیصلے کا وقت ہوتا ہے''۔ انہوں نے برجستہ کہا۔

اس نے تھوک نگلا' گویا کچھ حلق سے نیچے اتار رہی ہو۔

پھر بہت کچھ مانگ رہا۔ ایک شخص سے موربلی پرمیشن کا پابند تھا اور وہ ہیں بابا صاحب اور وہ اجازت دے چکے

ہیں''۔ انہوں نے چہرہ موڑ کر اس کی سمت دیکھا۔

''پھر! میں کیا رول ادا کر سکتی ہوں''۔ وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔

''آپ کا تو بڑا امیزبر رول ہے''۔ ان کے انداز میں بہت مضبوطی تھی۔

ماہین کا دل ایک مرتبہ پھر اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''بابا صاحب ہری پور آئے تھے۔ جب میں اور روشی یہاں سے واپس گئے تھے''۔

''انہوں نے آپ کے نام سے ایک پیغام دیا ہے''۔ وہ بالکل سپاٹ انداز میں مخاطب تھے۔

''جی...... میرے نام''۔ اس نے بے ساختہ ان کے چہرے کی سمت دیکھا۔

''انہوں نے آپ سے معلوم کیا ہے آپ میرے بچوں کی محبت میں کتنا آگے بڑھ سکتی ہیں؟'' یاور ...

ماہین چند ثانئے خاموش رہی' جیسے کسی گہری سوچ میں ہو۔ یاور علی خان بہت سکون سے ڈرائیو کرتے ...
جواب کا انتظار کر رہے تھے۔

''محبتوں کو ایکسپلائٹ کرنا بالکل بھی اچھی بات نہیں ہوتی''۔ آخر کار اس نے زبان کھولی۔

''بہت ساری وجوہات اکٹھی ہو کر کسی واقعے کی بنیاد بن جاتی ہیں۔ کمزوریاں ہی ایکسپلائٹ کر...
ہیں۔ اور محبت بہت ہی کمزور ہوا کرتی ہے''۔ یاور علی خان نے سمجھانے کے سے انداز میں کہا۔

''وہ محبت جو مجھے بچوں سے ہے؟'' ماہین نے الجھے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

''اس کے علاوہ بھی ہو سکتی ہے''۔ برجستہ جواب آیا۔ اس کی نظریں جھک کر رہ گئیں۔

''کمال کی مقناطیسیت رکھنے والا مرد' جسے دوسروں کے حواسوں پر چھانے کیلئے ذرا محنت نہ کرنا پڑ...
لہجے اور خوشگوار نظر کو خوش قسمتی کا پیمانہ سمجھا جاتا ہو۔ اس کی طرف سے اس طرح کا انداز اور جواب حواس ...
تو تعجب کیا ہے۔

خاصی دیر گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔ وہ اپنے اعصاب پرسکون کرنے کی کوشش میں لگی رہی ...
کامیاب بھی ہو گئی۔

''آپ بچوں کو سیڑھی نہ بناتے تو زیادہ بہتر تھا''۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''بات کا کوئی آغاز بھی ہوا کرتا ہے' ابھی تو آغاز کیا ہے' بات آگے بھی بڑھے گی' میں تو آپ کے ...
ہوئے خاصا محتاط ہوں''۔ انہوں نے اچٹتی سی نظر اس کے پریشان سے چہرے پر ڈالی۔

''اتنا تو خیر آپ بھی تجزیہ کر سکتی ہیں کہ میرے بچے عمر کی وہ حدیں پار کر چکے ہیں جس کو بنیاد بنا کر ...
ہے''۔ ان کی سنجیدگی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا تھا۔

''پھر''۔ اس نے سر جھکا کر پوچھا۔

''پھر کیا' اس سے تو ساری صورتحال واضح ہو جاتی ہے اور آسانی سے جواب دیا جا سکتا ہے خواہ حق ...

...ہین سر جھکائے خاموشی سے کچھ سوچتی رہی۔

''اگر جواب آپ کی خواہش کے مطابق نہ ہوا تو آپ کی جاگیردارانہ اور افسرانہ انا کو شدید زک پہنچے گی''۔ ماہین نے
...پرسکون انداز میں ان سے کلام کیا تھا۔

''شاید مگر مجھ میں برداشت کا مادہ ٹھیک ٹھاک موجود ہے۔ آپ اس کی فکر نہ کریں''۔

''میں اس وقت کسی بھی طرح کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ شاید آپ کو انتظار کرنا پڑے''۔

''میں کر سکتا ہوں''۔ یاور علی خان نے اس کی طرف ایک لحظے کو دیکھا۔

''ویسے آپ سوچیں گی کیا؟ یہی کہ دنیا کیا کہے گی۔ جوان بچوں کے باپ سے شادی کیوں کی؟ مسئلہ کیا تھا۔ عمر کا فرق
بہت ہے۔ یہ...... اور...... وہ''۔ یاور علی خان مزید گویا ہوئے۔

''نہیں' میں اپنا حساب کتاب رکھتی ہوں۔ مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں۔ وہ تمام معاملات جو انسان کی زندگی پر مستقل
اثرات ڈالتے ہوں' انہیں دنیا یا زمانے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ اتنی کچی بھی نہیں ہوں کہ دوسروں کے زیر اثر رہ کر فیصلے
کروں''۔

ستائش کا ہلکا سا تاثر یاور علی خان کے چہرے پر نظر آیا۔

''جواب کیلئے میں آپ سے رابطہ نہیں کروں گا بلکہ بابا صاحب آپ سے اور ضرورت پڑی تو نعمان سے بات کریں گے

''آپ کو ڈر لگے گا؟'' وہ بے ساختہ ہنس دی۔

''ڈر تو سب ختم ہو چکے ہیں۔ اب تو صرف اپنے آپ سے ڈر لگتا ہے''۔

وہ کسی گہرے خیال سے چونک کر بولے۔

ماہین ہر طرح سے خود کو پرسکون کر چکی تھی۔ اس میں یاور علی خان کا بھی خاصا حصہ تھا۔ انہوں نے اتنی بڑی بات جس
دھیمے سے کی تھی۔ اس کا اندازہ ماہین پہلے سے نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے ترچھی نظروں سے یاور علی خان کو دیکھا' مگر فوراً ہی سامنے دیکھنے لگی۔ اسے ان کے پراسرار اور مقناطیسی اثر سے
خوف سا آتا تھا۔

وہ اسے شروع دن سے ہی نیا جہان محسوس ہوئے تھے' جسے دریافت کرنے کی خواہش بے ساختہ بیدار ہوتی تھی

....

شام گہری ہو رہی تھی۔ اس نے نہا دھو کر پنک کاٹن کا سوٹ زیب تن کیا' بال خشک کر کے ہیئر بینڈ لگایا۔ نہایت آرام دہ
سوفٹ سی چپل پاؤں میں ڈالی۔ ایک نظر آئینے میں خود کو دیکھا۔ بڑے ناز سے خود کو منہ چڑایا اور اپنے کمرے سے باہر آ گئی۔
ایک دم دھیان آیا کہ ریسٹ واچ تو باندھی نہیں۔ کمرے میں واپس جانے کے خیال سے کوفت سی ہوئی۔ ایک لمحہ رکی
پھر جھٹک کر کمرے کے کوارٹر کی طرف بڑھ گئی۔

کواٹر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ دھڑ سے اندر ہوگئی، مگر اسے ٹھٹک کر رکنا پڑا۔ سامنے ہی سرخ گھوڑے کی
باری، کھوکھر سے بات کر رہا تھا۔

دھڑ سے دروازہ کھلنے کی آواز پر دونوں نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا تھا۔

باری نے تو گہرا سانس لے کر نظریں واپس موڑ لی تھیں البتہ کھوکھر نے دست بستہ سلام عرض کیا تھا۔ وہ
کے بجائے آگے بڑھتی گئی اور دروازے سے باہر نکلتے ہوئے ایک لمحے کو رکی۔

''کھوکھر! ہم پیچھے جا رہے ہیں کوئی پوچھے تو کہہ دینا اوپر ہیں۔ کوئی بلائے تو کہہ دینا جائے نماز پر بیٹھے ہوئے
باری نے بمشکل مسکراہٹ ضبط کی مگر خاموش رہا۔

''چنگا جی! آکھ دیاں گا، پیچھے تساں نماز پڑھن گئے او''۔ بے چارے نے بڑی سادگی سے جواب دیا تھا۔

روشی نے دانت کچکچا کر اس کی سمت دیکھا۔

''باری! اسے سمجھا دینا''۔ اس نے خفگی سے کہا اور دروازے سے باہر نکل کر بہت بڑے ویران احاطے میں
ہوگئی۔

قدرتی طور پر باری سمجھ چکا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ عجیب سی الجھن اس کے چہرے سے جھلکنے لگی تھی۔
کھوکھر سے بات کر رہا تھا۔

روشی چلتے چلتے فوراً ہی ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ جھومر نیوی بلیو کرتے اور تنگ پاجامے پر بڑا سا زرتار دوپٹہ
ہوئی بالکل آخری کوٹھڑی سے باہر نکلی تھی۔ اور باہر تالا لگا رہی تھی۔ تالا لگا کر اس نے چابی اپنے گریبان میں
بڑی بے نیازی سے بلکہ خود اعتمادی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی، مگر روشی پر نظر پڑتے ہی اپنی جگہ ٹھٹک کر رک
تھی۔

''السلام علیکم''۔ روشی نے بڑی رسانیت کا مظاہرہ کیا۔

''وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہو؟''

جھومر نے جس شان بے نیازی سے حال دریافت کیا تھا۔ وہ بالکل نیا انداز تھا، پہلے جیسا۔ قدرے عاجزانہ
بہت مشفقانہ انداز نہیں تھا۔

''کیسے آئیں؟''۔

''جیسے آتی ہوں''۔ اُس کی نظریں اس کوٹھڑی کی طرف لگی ہوئی تھیں، جہاں جھومر تالا لگا کر آ رہی تھی۔
باتیں کرتے ہیں''۔ جھومر اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

''ہاں، خیر آئی تو اسی لیے ہوں۔ ظفری بھائی ہسپتال سے آ گئے؟'' روشی، جھومر کے پیچھے چل پڑی۔

''ارے کہاں، فی الحال تو قسمت ہمارے ساتھ ہے''۔ جھومر نے قہقہہ لگایا۔

روشی نے تعجب سے جھومر کی شکل دیکھی۔ اس سے قبل اس نے اسے کبھی قہقہہ لگاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

بدلی بدلی لگ رہی تھیں آپ؟ جو اتنا بدل کر آئی ہیں؟'' اُس نے قدرے ناگواری سے پوچھا۔

''اچھا! میں بدلی ہوئی ہوں، مجھے تو پتا نہیں چلا۔ ویسے یہ بتاؤ، یہ تبدیلی اچھی ہے یا بری؟'' جھومر کھلکھلائی۔

''فی الحال تو کچھ نہیں کہا جا سکتا''۔ جھومر نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگئی۔ روشی نے اس کے پیچھے پیچھے چلتے
ہوئے جواب دیا۔

''کیوں فی الحال کیوں نہیں؟'' جھومر ٹھنڈے یخ کمرے میں داخل ہو کر مزید خوشگوار موڈ سے گویا ہوئی اور بیڈ پر
نیم دراز ہونے کے انداز میں لیٹ گئی۔

''یہ ٹھاٹھ ہیں آپ کے، ظفری بھائی کا شکریہ ادا کریں۔ کیا آپ تصور کریں گی اگر آپ کو ان تمام سہولتوں کے
بغیر رہنا پڑ جائے؟'' وہ ایک خوبصورت اور نازک کرسی کھینچ کر جھومر کے بیڈ کے قریب لاتے ہوئے گویا ہوئی۔

''ساری سہولتیں تو دل کی ہوتی ہیں۔ ظفری موجود ہوں تو ایئر کنڈیشنر، ہیٹر بن جاتا ہے''۔ اُس نے قدرے تنکی سے
کہا۔

''آپ ظفری بھائی کے بجائے کس کو اس کمرے میں دیکھنا چاہیں گی؟'' روشی نے معرکے کا آغاز کیا۔

''بڑا خوبصورت جواب ہے میرے پاس۔ خوبصورت اس لیے کہ اُس کا دھیان میں آنا ہی سب سے بڑی
خوبصورتی ہے۔ سانس تک خوبصورت ہو جاتی ہے''۔

وہ یوں کھلکھلائی جیسے گدگدی ہو رہی ہو۔

''شیم۔ شیم۔ جھومر بھابی! آپ شادی شدہ ہیں، یہ سب آپ کو سوٹ نہیں کرتا''۔ روشی کے لہجے میں بلا کی آنچ
تھی۔

''تم نے پڑھایا تھا میرا نکاح؟'' جھومر نے استہزائیہ انداز میں دریافت کیا۔

''کسی نے تو پڑھایا ہوگا''۔ روشی نے تلخی سے کہا۔

''چلو میرا نکاح تو کسی نے پڑھا یا دیا ہوگا۔ ظفری کو نکاح کے ہجے آتے ہیں۔ کس قدر خود غرض ہو تم لوگ۔
مصلحتوں نے تمہاری آنکھوں پر کتنے موٹے موٹے پردے ڈال رکھے ہیں۔ سوچ کر بھی شرم آتی ہے''۔ جھومر نے بھی
برجستہ لہجہ اختیار کیا۔

''مگر شادی کا جو پروسیس ہوتا ہے، آپ اسی پروسیس سے اس شان سے گھر میں آئی ہیں''۔ روشی نے اُسے
جواب دیا۔

''خوب۔ خوب۔ نکاح دو افراد کے بقائمی ہوش و حواس قبولیت کے عمل کا نام ہے۔ جس کے ہوش و حواس ہی معطل
ہوں، اس کا نکاح کیسا؟'' جھومر نے مسکرا کر روشی کی آنکھوں میں جھانکا۔

''مگر جو کچھ ہوا، آپ کے گھر والوں کی رضامندی سے ہوا۔ کسی نے آپ کی کنپٹی پر ریوالور تو نہیں رکھا
تھا''۔ روشی نے ماتھے پر بل ڈال کر سوال کیا۔

''اس سے بڑا بھی ایک اسلحہ ہے بلکہ سب سے بڑا بم ہے' اسے روٹی کہتے ہیں' سارے اسلحے [illegible] پہلے اس کا پیٹ میں ہونا شرط تھا۔ کوئی فاقہ مست منہ تو نوچ سکتا ہے۔ ہتھیار ایجاد نہیں کر سکتا۔ گھڑی [illegible] 'بھوکے کا پیٹ روٹی روٹی۔ اس وقت کوئی اس سے پوچھے کہ کیا ٹائم ہوا ہے تو وہ پونے' ساڑھے کے بجائے [illegible] 'روٹی کا ٹائم ہے''۔ جھومر ہنس پڑی۔ اُس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

''اتنا بڑا بم انہوں نے میرے باپ کے پیٹ سے باندھ دیا تھا' بے چارا کیا کرتا''۔ جھومر نے سوالیہ [illegible] اس کی جانب دیکھا۔

''جب آپ ہتھیار ڈال چکی ہیں تو پھر اس بحث کا مطلب؟ بالکل بے کار ہے اور جس راستے پر آپ [illegible] رہی ہیں وہاں دور تک انگارے بچھے ہیں۔ کیوں خود پر ظلم کر رہی ہیں؟''

روشی نے سنجیدگی سے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ہتھیار تو ڈال دیئے تھے' مگر قید خانے کے قیدیوں ہی میں معرکہ شروع ہو گیا ہے''۔ جھومر نے گہرا سانس [illegible] چھت کی طرف دیکھا۔

''ذہن کو اِدھر اُدھر بھی کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ جس مقدمے میں جان نہ ہو' اس پر پیشیاں لگوانے کا فائدہ؟''

روشی نے بڑے دانشوارنہ انداز میں اُسے سمجھایا۔

''وکیل اچھا مل جائے تو مقدمے میں جان پڑ سکتی ہے''۔ جھومر مسکرائی۔

''مگر آپ کو اس ماحول میں اچھا وکیل کبھی نہیں مل سکتا''۔ روشی نے اس کو امکان بھر مایوس کیا۔

''تم بن جاؤ''۔ جھومر نے اچانک اس سے خدمات طلب کر لیں۔

''وکیل بن سکتی ہوں' مگر وکیل استغاثہ' وکیل صفائی نہیں''۔ روشی نے بے دردی سے جواب دیا۔

''کیوں' بھلا تمہارا کیا انٹرسٹ ہو سکتا ہے؟ تم تو بہت آگے' بہت بلند ہو''۔

''یہ نہ پوچھیں' میں صرف یہی سمجھانے آئی ہوں کہ اپنی زندگی کو طوفان کے حوالے نہ کریں' اس لیے کہ [illegible] نہ ہو گا''۔

روشی نے اس کی بات کاٹ کر بہت سرد مہری سے جواب دیا۔

''مجھے اپنے معاملات طے کرنے دو' مجھ سے ہمدردی نہ کرو''۔ جھومر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''یہ صرف آپ کے معاملات نہیں ہیں۔ آپ کی وجہ سے کوئی دوسرا بھی مشکل میں پڑ سکتا ہے''۔ روشی نے [illegible] سے کہا۔ جیسے اب اس سے برداشت نہ ہو رہا ہو۔

''وہ تو پہلے ہی مشکلوں میں ہے اور پھر میں بدصورت بھی نہیں ہوں' اسے کوئی گھاٹا تو نہیں ہو گا''۔ [illegible]

''[illegible] سے کیا ہوتا ہے؟ بعض اوقات جب کوئی اچھا لگنے لگتا ہے تو اس کی وجہ صرف صورت نہیں ہوتی [illegible]

[illegible] سمجھ میں خود بھی نہیں آتا کہ کوئی اسے کیوں اچھا لگتا ہے' کیوں یاد آتا رہتا ہے''۔

[illegible] سکون سے جواب دیا تھا۔

[illegible] لہجے سے تو بڑی تجربہ کاری جھلک رہی ہے۔ کون ہے وہ؟''

[illegible] سے اُسے گھورنے لگی۔

[illegible] روشی نے بغیر ہچکچاہٹ کے جواب دیا۔

[illegible] کون ہے وہ سورما' جو تمہیں جیت لے گیا''۔ جھومر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

[illegible] خاموش رہی۔

[illegible] میں رہتا ہے؟'' جھومر بے حد مشتاق نظر آئی۔

[illegible] روشی نے صرف ''ہوں'' کہنے پر اکتفا کیا۔

[illegible] ہے؟'' جھومر اُس کی طرف جھک آئی۔

[illegible]'' روشی نے دوٹوک انکار کیا۔

''حویلی کے سارے لڑکے ہی تمہارے کزن ہیں سوائے جواد کے''۔ جھومر الجھ کر بولی۔

[illegible] آپ وقت آنے پر پتا لگ جائے گا''۔ روشی نے منہ بنایا۔

''روشی! تمہاری تو منگنی ہو چکی ہے''۔ جھومر کو یاد آیا تو اُس نے چونک کر روشی سے سوال کیا۔

[illegible] طرح آپ اپنا نکاح نہیں مانتیں' اسی طرح میں اپنی منگنی نہیں مانتی''۔ روشی نے برجستہ کہا۔

[illegible] بات کرو گی؟'' جھومر کھلکھلائی۔

[illegible] دیکھئے گا آپ''۔ وہ بھی مسکرا پڑی۔

[illegible] تمہیں چاہتا ہے؟'' جھومر نے سوال کیا۔

[illegible] میں اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتی۔ اس وقت تو میں آپ کو سمجھانے آئی ہوں' وہ اس لیے کہ ہو گا [illegible] کوئی خواہ مخواہ مارا جائے گا''۔ روشی نے فوراً بات کا رخ پلٹا۔

[illegible] مارے جانے والے سے اتنی ہمدردی کیوں ہے' تمہاری بلا سے''۔ جھومر نے بے نیازی سے دوبارہ [illegible]

[illegible] خیال میں آپ کے حسن بے مثال کے باوجود حویلی کا کوئی فرد آپ میں اس طرح کا انٹرسٹ نہیں لے گا [illegible] ہیں۔ خواہ آپ تسلیم کریں یا نہ کریں''۔ روشی نے پاؤں پھیلا کر بیڈ سے ٹکا دیے۔

[illegible] اس لیے کہ تمہیں کچھ پتا ہی نہیں''۔ جھومر عجیب سے سرور میں مسکرائی۔

[illegible]'' روشی کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔

[illegible] جھومر آنکھیں موند کر مسکرائی بڑے معنی خیز انداز میں۔

روشی بہت گہری نظروں سے اُس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''پھر بھی''۔ روشی مضطرب ہو رہی تھی۔

''کہا ناں بھئی کچھ نہیں۔ بس یہ کہ مجھے اس کی معمولی سی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے۔ اس کی
طرف زخم کا نشان ہے۔ مجھے اس خیال سے بھی تکلیف ہوتی ہے کہ ماضی میں کبھی اسے یہ زخم لگا ہوگا
ہوئی ہوگی''۔

روشی کا اُوپر کا سانس اُوپر، نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ وہ ایک ٹک جھومر کو گھورنے لگی۔

اُس نے تو آج تک اس کی گردن پر لگے زخم کا نشان نہیں دیکھا' جبکہ دن رات جانے کتنی بار گرا ہوا

''آپ نے کیسے دیکھ لیا؟'' روشی کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

''کیا؟'' جھومر نے تجاہل برتا۔

''زخم کا نشان''۔ وہ اندر سے بہت بگڑ چکی تھی' بظاہر خامشی پر سکون تھی۔

''بھئی بہت قریب سے دیکھا ہے ہم نے''۔ جھومر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''جتنے قریب کا تصور کر سکتی ہو' کر لو''۔ وہ پھر کھلکھلائی۔

روشی یکلخت اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اُسے جھومر کے جملے میں بلا کی صداقت نظر آئی کہ ایک ٹھنڈ
ہے۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا۔

''ارے کھڑی کیوں ہو گئیں' بیٹھو ناں''۔ جھومر نے اس کی سمت حیرانی سے دیکھا۔

''نہیں اب میں چلوں گی۔ اندر تلاش شروع ہو چکی ہو گی''۔ روشی نے رکھائی سے جواب دے
جھٹکے سے دروازہ کھولا۔

باہر آ کر اندازہ ہوا کہ واقعی وقت بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ ہر طرف اندھیرا چھا چکا تھا۔ وہ طویل
گزر کر اسی ویران احاطے میں آ گئی۔

مدا اُس نے سفید شلوار قمیض میں ملبوس باری کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

''کیا مصیبت ہے' اتنی دیر بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ کھوکھر آپ کو جانے کتنی نمازیں پڑھوا
ہے' منافقت کی۔ وہاں کھانا لگا ہوا ہے۔ سارے ملازمین آپ کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں''
نزدیک آ کر جھلا کر بولا۔

''میں کیا کروں پھر؟'' اُس نے بے خوفی سے تنک کر کہا۔

''بتا دیتے بڑی امی کو کہ جھومر بھابی کے پاس ہوں''۔

''مگر وہ جو چلی آپ کھوکھر کو پڑھا کر گئی تھیں' ورنہ مجھے بتانے میں کیا جاتا ہے' اب جلدی چلیں''

وہ اس سے آگے لمبے لمبے ڈگ بھر کر کھوکھر کے کوارٹر میں داخل ہو گیا۔ جبکہ اس کی چال بے ترتیب

کوئی سمجھے تو ایک بات کہوں
عشق توفیق ہے گناہ نہیں

مسلسل کال بیل بجانے پر بالو تقریباً دوڑتی ہوئی باہر گیٹ تک آئی تھی۔

گریبی گم گم سی کیفیت میں کھڑی رہ گئی تھی۔ اس کے لیے یہ بڑا عجیب وقت تھا۔

''کتنی بری بات ہے عارف بھائی! آپ کو یوں نہیں کرنا چاہیے''۔ اُس نے دکھ اور الجھن کی کیفیت میں کہا۔

''ارے برا ہوں' برا کہو' میڈل تو نہیں مانگ رہا''۔

ایک بھی تو گناہ گار نہیں
پارساؤں میں گھر گیا ہوں

اُس نے لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں تلخی سے ہنس کر کہا۔

''لال خان آئیں گے تو کیا کہیں گے؟ آپ کو اس حال میں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا''۔

وہ واقعی پریشان ہو رہی تھی۔

''بہرحال آیئے''۔ اُس نے ہچکچاتے ہوئے اسے سہارا دینے کی نیت سے ہاتھ بڑھایا۔

''آپ زحمت نہ کیجیے' میں چل سکتا ہوں''۔

ازل کے دن سے ہوں آوارہ برگ کی صورت
ہوا میں بھی کوئی مجھ کو سنبھال رکھتا ہے

وہ آگے بڑھا' بالو ایک طرف ہٹ گئی' گیٹ بند کیا اور اُس کے پیچھے چل پڑی۔

وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا اور ایک صوفے پر گر گیا۔

بالو دروازے میں کھڑی ہو گئی تھی اور فکر مند انداز میں اُسے دیکھ رہی تھی۔

''اُس دن وہ بہت غضب ڈھا رہی تھی۔ سیاہ ستاروں بھرا جالی کا کرتا پہنے ہوئے تھی۔ اُس دن اُس نے بہت سے
پھول بھی پہنے تھے۔ حویلی میں جشن تھا۔ ساری حویلی پر چراغاں ہوا تھا۔ بس رات کیا تھی' دن تھا۔ اُس دن اُس نے خود
بھی ڈھیر سارے پھول پہنے تھے اور حویلی کی بیگمات کے لیے بھی گجرے بنائے تھے۔

تُو سراپا تیرا نظر میں یوں
رنگ شام و سحر کو بھول گئے

میں باغ میں آیا تو وہ پان کی گلوریوں پر چاندی کے ورق لگا رہی تھی میں نے اُسے دور سے دیر تک دیکھا۔ یوں لگتا
تھا جیسے چاند اس کے سامنے ماند پڑ رہا ہو۔ مجھے دیکھ کر بولی۔

''عارف! آج ساری رات گیت سناؤں گی' سنو گے؟ زمانے کی کسی کھڑکی سے لگ کر بیٹھ جانا' پھر وہ ہنس پڑی

تھی''۔

عارف آنکھیں مونڈے اپنی دھن میں بولے جا رہا تھا۔

''پھر سنا تھا آپ نے اُس کا گانا؟'' بالو نے عجیب سے دکھ میں دریافت کیا تھا۔

''ہاں سب سنے تھے' جب اُس نے آخری گانا سنایا۔

مجھے آئی نہ جگ سے لاج

میں اتنے زور سے ناچی آج' کہ گھنگھرو ٹوٹ گئے

تو میرا جی چاہا میں اسے اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوں۔ کتنی زندگی تھی اُس کی آواز میں' میں اپنے ہوش کھو بیٹھا تھا۔ ناز نین بیگم نے مجھے آواز دے کر چونکایا کہ عارف یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ کھانا کھایا تھا تم نے' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے' وغیرہ وغیرہ۔'' آہ نازنین بیگم'' اُس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

''اُس کا نام نازنین تھا؟'' بالو نے چونک کر پوچھا۔

''ارے نہیں' وہ تو ہمارے مالکوں میں سے تھیں۔ اُس کا نام تو اتنا خوبصورت ہے کہ آس پاس سننے کو بھی نہیں ملے گا کبھی''۔ اُس نے ایک لمحے کو آنکھیں کھولیں۔

تیرے ہونٹوں پہ تبسم کی وہ ہلکی سی لکیر

میرے تخیل میں رہ رہ کر جھلک اُٹھتی ہے

یوں اچانک تیرے عارض کا خیال آتا ہے

جیسے ظلمت میں کوئی شمع بھڑک اُٹھتی ہے

''نازنین بیگم چلی گئیں اور مجھے وہیں نیند آ گئی۔ پھر میں چونک کر جاگا تو یوں کہ وہ میرا کندھا ہلا کر جگا رہی تھی۔ ساری کہکشائیں میرے کندھے پر اتر آئی تھیں۔ میں نے کہا ظالم! نیند میں ہم جیتے ہیں' جاگتے ہیں تو انگاروں کی طلب بھی جاگتی ہے' کیوں جگا دیا؟''

وہ پھر ہنس پڑی تھی۔ حالانکہ پتھر نہیں ہنستے۔

وہ بہت اُونچی اڑان بھرتی تھی' جیسے چاہتی تھی رہتی تھی۔ اس میں کنیزوں والی کوئی بات نہیں تھی''۔

''نام تو بتایا نہیں آپ نے اُس کا''۔ بالو نے وہیں کھڑے کھڑے ٹوکا۔

''بہت سے نام ہیں اس کے۔ روشنی' گیت' خوشبو' گھٹا' بجلی' پھول''۔

وہ ایک دم چپ ہو گیا۔

وہ انتظار کرتی رہی کہ پھر کچھ بولے گا مگر خاصی دیر ہو گئی تو اس نے ٹوکا۔

''اب کیا سوچ رہے ہیں؟''

آج مرجھا گیا اپنا دل

ہم خدائے بہار ہوتے تھے۔ آہ۔ ہا۔!

...میں یہاں سو سکتا ہوں؟'' اس نے شکستہ سے انداز میں پوچھا۔

...نہ جانے کس دھیان میں تھی چونک کر بولی

...دکھ کے احساس سے بوجھل ہو گیا۔ عارف کی آنکھوں کے گوشے بھیگے ہوئے تھے۔

...آپ رو رہے ہیں' مرد ہو کر''۔ اس نے منہ سے نکل گیا۔

...نہیں انسان ہو کر''۔ عارف نے برجستہ کہا اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

...کوئی ایسی بات تو نہیں کہ انسان رو پڑے''۔ اس نے یونہی کہہ دیا۔

ہمیں آج ساحل پہ رونے بھی دو

کہ طوفان میں مسکرانا بھی ہے

...کبھی ہو جاتا ہے بھابی' ورنہ اس طوفان سی زندگی میں ہم مسکراتے رہتے ہیں' آپ پریشان نہ ہوں''۔

...نے بالو کی طرف سے کروٹ لے لی جس کا مطلب واضح تھا کہ اب آپ جائیں۔

...خاموشی سے پلٹ آئی۔ مگر وہ بڑی گہری سوچ میں تھی۔

....

...سے آئے تو آتے ہی ان کے بیٹے کی برتھ ڈے بھی آ گئی۔

...لڑکیوں کی بن آئی۔ دن رات ملبوسات کی ڈیزائننگ میں مصروف ہو گئیں۔ روشی کا تو دل ہر شے سے اچاٹ ...یہ تمام رونقیں کھل رہی تھیں۔

...بھی وہ ہال کمرے کی سرگرمیوں سے بیزار ہو کر باغ کی طرف آئی تھی۔ آخری سیڑھی سے اترتے ہی اس نے گیٹ ...جیپ داخل ہوتے دیکھی۔ اور یہ بھی کہ باوردی شوفر کے علاوہ اس میں یاور علی خان بھی تھے۔

...عجیب سی خوشی اس کے وجود میں اتر گئی۔ وہ چھوٹی بچی کی طرح دوڑتی ہوئی پورٹیکو میں آئی تھی۔

...یاور علی خان کے جیپ سے اترنے سے پہلے وہ پورٹیکو میں پہنچ چکی تھی۔ یاور علی خان نے اسے دوڑ کر اپنی طرف آتے ...ان کے اندر بھی کوئی آنچ سی محسوس ہونے لگی تھی۔

...پپا...... آئی ایم ویری مسنگ یو''۔ اس کے انداز میں جو تپاک اور گرمجوشی تھی۔ ان کے اندر کا جوالہ مکھی

...نے بے ساختہ اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ اور وہ ان کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

...بیٹے...... کوئی بات ہو گئی؟ مجھے یاد آیا تم تو مجھ سے ناراض بھی تھیں''۔

...نے اس کی پشت تھپتھپائی۔ وہ اس کے رونے سے بے حد پریشان ہو گئے۔

...کوئی بھی زیادہ ناراض نہیں رہ سکتا''۔ وہ سسکیاں لیتے ہوئے بولی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ بہت صاف دل ہے ہمارے بیٹے کا''۔ وہ اس کا رخ بگھر

دیئے۔

''پھر رونا کس بات پر آ رہا ہے؟''

''کوئی ایک بات ہو تو کہوں''۔ وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

''کسی نے کچھ کہا ہے؟'' وہ نہایت سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

''ہوں..... کہو''۔ بظاہر وہ بہت پرسکون اور سرد مہر تھے۔ مگر اندر سے اتنے ہی پریشان و فکرمند

''آپ یاری کو ہمیشہ کیلئے سرائے بھجوا دیں''۔

''وہاں کیا ہے؟'' ان کے لہجے میں محسوس کی جانیوالی تلخی تھی۔

''چاہے کچھ نہ ہو۔ مگر بس اسے یہاں سے ہٹا دیں۔ ویسے بھی کا کا جان اسے بلواتے رہتے ہیں''

''تمہیں اس سے کیا لینا دینا ہے۔ میں اتنی غیر اہم باتوں میں انوالو نہیں ہوا کرتا۔ وہ یہاں رہ رہا

ہوتا ہے۔ خاص طور پر تمہارے اور تمہیں''۔

انہوں نے اپنی مخصوص سرد مہری سے قطعی قسم کا جواب دیا۔

''یہ میری فرمائش ہے آپ سے پپا۔ پپا اسے اگنور نہ کریں۔ آپ یہ سب کر سکتے ہیں''۔

''بڑی لاحاصل سی فرمائش ہے' ویسے تمہیں اس سے شکایت کیا ہے؟'' اس بار انہوں نے بھی تہ

پڑھنے کی کوشش کی۔

''بہت ساری ہیں۔ مگر آپ اسے ڈانٹئے گا نہیں' بس آپ اسے حویلی سے دور لے جائیں'' اس نے

میں کہا۔

یاور علی خان ملازمین کے سلام لیتے اپنے بیڈ روم کے دروازے تک آ گئے تھے۔

''بہت ساری شکایتوں میں سے کوئی ایک تو بتاؤ۔ تاکہ بات کرنے کی کوئی بنیاد ہو''۔

وہ بیڈ روم میں داخل ہو گئے۔ روشی نے آگے بڑھ کر لائٹیں اور پنکھے آن کر دیئے

''بس مجھے وہ یہاں برداشت نہیں ہو رہا''۔ وہ بسور کر بولی۔

''اچھا دیکھیں۔ اس کیلئے تو کئی آپشنز ہیں' وہ سرائے نہ جانا چاہے تو کراچی جا سکتا ہے۔ وہاں

آپ کے پاس ہری پور جا سکتا ہے۔ نہیں تو خیر آباد کے فارمز کی دیکھ بھال کیلئے جا سکتا ہے۔ وہاں کا فارم

خوبصورت ہیں' وہاں وہ زیادہ خوش رہ سکتا ہے۔ اپنے گھوڑوں کو بھی وہاں لے جا سکتا ہے۔ کیوں؟''

وہ آپشنز پیش کر کے بہت مسرور نظر آ رہی تھی۔

''ہوں۔ مگر بابا صاحب مجھے' تمہیں کہیں اور بھیج سکتے ہیں مگر اسے نہیں''۔

یاور علی خان کو اچانک دھیان آ گیا تھا۔ انہوں نے موضوع سے عدم دلچسپی ظاہر کر دی اور

صاحب کو نوالے بنا کر کھلاتا ہے''۔ اس نے برا سا منہ بنایا۔

صاحب کے بیٹوں اور پوتوں کو کرنا چاہیں۔ وہ یاری کرتا ہے۔ اور جہاں تک میرا اندازہ ہے۔

صاحب Deeds ڈیڈز اینڈ ڈیل Deals اے جنٹل اینڈ کائنڈ پرسن۔ ویری ہارڈ ورکر۔ گڈ

آل اِن آل اچھی ھنگ

فیملی ممبر''۔

وہ ہمارا فیملی ممبر۔ کیوں بے وقوف بناتے ہیں حویلی کے بزرگ اپنے ہی بچوں کو''۔ روشی کے انداز

سمجھتے ہیں''۔ یاور علی خان نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔

پوری طرح سمجھنا چاہیے''۔ وہ سابقہ انداز میں گویا ہوئی۔

ہے۔ پوری طرح سمجھیں گے۔ خوش؟'' وہ بات سمیٹنے کے انداز میں بولے۔ جیسے اسے بہلا رہے ہوں۔

ملازم ان کا بریف کیس اور چھوٹا سا سوٹ کیس لئے اندر داخل ہوا۔ انہوں نے جیب سے چابی نکال کر

بڑھائی۔

سوٹ کیس کھولو''۔

نے فوراً حکم کی تکمیل کی۔ اور سوٹ کیس کھول دیا۔

علی خان اپنی جگہ سے اٹھے اور سوٹ کیس میں رکھے کپڑے الٹ پلٹ کرنے لگے۔

غور سے ان کے ہاتھوں کی حرکت دیکھ رہی تھی۔

علی خان نے کپڑے نکال کر اس کے سامنے ڈال دیئے۔ ''امید ہے تمہیں پسند آئینگے''۔

نے جلدی جلدی کپڑے پھیلائے۔ اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

آپ نے خریدے ہیں پپا؟'' اس کی آواز خوشی سے کانپ رہی تھی۔

ظاہر ہے۔ بہر حال پسند تمہاری خالہ کی ہے''۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئے۔

آپ کراچی گئے تھے؟'' اس نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

جاتا رہتا ہوں''۔ انہوں نے مختصر جواب دیا۔

کیسی ہیں؟'' اس کا ذہن ماہین کی طرف چلا گیا۔

ٹھیک تھا''۔

آپ مجھے لے کر کیوں نہیں گئے؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔

دفتر میں بھی ضروری کام تھا''۔ انہوں نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

چلے گئے؟'' اس نے کپڑے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"ابھی تو نہیں"۔ انہوں نے سگریٹ نکالتے ہوئے جواب دیا۔

"خالہ تو نانا جان کی باتیں کرتی رہتی ہوں گی۔ ہے ناں؟"

"نہیں۔ اور باتیں بھی کرتی ہیں۔ وہ میچیور ہیں۔ خود کو سنبھال لیا ہے"۔ انہوں نے سگریٹ سلگا دیا۔

"ہاں خیر میچیور تو وہ بہت ہیں۔ میں بھی ان جیسی بننا چاہتی ہوں۔ مگر بن نہیں پاتی"۔ اس نے سادگی سے

"تم ایسے ہی ٹھیک ہو۔ بننا بھی نہیں۔ مشکل ہو جائیگی"۔ یاور علی خان نے کش لگایا۔

"کیا وہ مشکل میں ہیں؟" اس نے معصومیت سے باپ کی شکل دیکھی۔

"نہیں...... کیونکہ وہ بائی نیچر ایسی ہیں"۔ یاور علی خان نے دھوئیں کے مرغولے میں غالباً ماضی کو دیکھا

"یہ تو صحیح ہے پپا۔ نیچر از نیچر۔ پپا۔ یہ ڈریسز بہت خوبصورت ہیں۔ مجھے بہت پسند آئے"۔ اس نے فراک خود سے لگا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"تھینکس"۔ انہوں نے گہرا کش لگایا۔

"چلیں میری پرابلم تو سولو (حل) ہو گئی"۔ اس نے پرسکون انداز میں کہا۔

"کیسی پرابلم؟"

"وہ اکا کے بیٹے کی برتھ ڈے ہے ناں۔ سب لڑکیاں تیاریاں کر رہی ہیں مگر میرا موڈ نہیں بن پا رہا تھا"۔

"کیوں موڈ نہیں بن پا رہا تھا؟" انہوں نے اس کی شکل بغور دیکھی۔

"بس یونہی۔ بہت محتاج ہوں اپنے موڈ کی"۔ اس نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"اور پپا...... خالہ کچھ کہہ تو نہیں رہی تھیں؟" اس نے پوچھا۔

"فی الحال تو کچھ نہیں کہا"۔ وہ سرسری سے انداز میں کہہ رہے تھے جیسے ان کا ذہن حاضر نہ ہو۔

"جی...... فی الحال کا مطلب؟" اس نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"کچھ نہیں۔ سوال بہت کرتی ہو۔ یہ بتاؤ اسٹڈی کیسی ہو رہی ہے؟" انہوں نے بات کا رخ موڑنے کی

"ٹھیک ہی ہے۔ پپا! آپ خالہ کو ساتھ ہی لے آتے۔ وہ وہاں اکیلی بور ہوتی ہوں گی۔ ماموں تو ہیں"۔ وہ ان کی کوشش ناکام بنا رہی تھی۔

"نیکسٹ ٹائم جاؤں گا تو کوشش کروں گا"۔

"انہوں نے آنے کی، مجھ سے ملنے کی کوئی خواہش ظاہر نہیں کی"۔ اس نے بڑی پرامید نظروں سے

"نہیں خیر...... یاد تو بہت کرتی ہیں تمہیں"۔ انہوں نے اس کی تقویت کیلئے الفاظ منتخب کئے۔

"بہت کیوٹ سی ہیں خالہ۔ کیا امی ان سے بھی زیادہ کیوٹ تھیں"۔ اس نے کپڑے سمیٹنا شروع کر دیئے

"میں کمپیئر نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ اس موضوع پر بات ہی نہیں کرنا چاہتا"۔ انہوں نے سرد مہر انداز میں جواب

"آئی ایم...... سوری پپا۔ مجھے احساس کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے آپ کو امی کے ذکر سے تکلیف ہوتی ہوگی"۔ اس نے شرمندگی سے کہا۔

"بہت زیادہ ہوتی ہے"۔ انہوں نے ڈھیر سارا دھواں اپنے سامنے پھیلا لیا۔

"آئی ایم ریئلی ویری سوری۔ میں آئندہ خیال رکھوں گی"۔

"اچھا یہ بتائیے۔ آپ کتنے دن کیلئے آئے ہیں؟" اس نے خود ہی نئی بات شروع کر دی۔

"کل صبح تک ہوں"۔

"آپ زیادہ دنوں کیلئے یہاں کیوں نہیں آتے"۔

"میری ذمہ داریاں اجازت نہیں دیتیں"۔ انہوں نے دوٹوک جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ تو خیر ڈی سی ہیں۔ مگر کاکا جان تو ڈی سی نہیں ہیں۔ وہ تو کبھی ایک رات بھی نہیں ٹھہرتے۔ صرف بابا سے ملتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ آپ کے پاس ہری پور جاتے ہیں؟"

روشی کپڑے سمیٹ چکی تھی۔

یاور علی خان خاموش رہے۔

"پپا"۔

"ہوں؟"

"پتا نہیں مجھے کاکا جان سے اتنا ڈر کیوں لگتا ہے، میں تو ان سے بات بھی نہیں کر سکتی"۔

یاور علی خان اس مرتبہ بھی خاموش رہے۔

"حالانکہ ڈر تو بابا صاحب سے 'بڑے ابا سے' آپ سے بھی لگتا ہے۔ مگر اتنا نہیں ان سے تو عجیب ہی قسم کا ڈر لگتا ہے۔ کبھی سامنے آ جائیں تو میں بھاگ کھڑی ہوتی ہوں"۔

وہ اپنی بات کہہ کر خود ہی ہنس دی۔

"وہ ایسے کیوں ہیں، بالکل غیروں جیسے؟" اس نے معصوم سے انداز میں پوچھا۔

"اب تم باہر جاؤ گی تو ماما ملی سے کافی کیلئے کہہ دینا اور کہنا ڈسپرین بھی لیتی آئے"۔

وہ سگریٹ کا ٹکڑا ایش ٹرے میں بجھا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

روشی ان کے سرد سے انداز اور اپنی بات نظر انداز کئے جانے پر کپڑے اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

"ٹھیک ہے پپا۔ آپ آرام کریں۔ سوری فار دیٹ"۔

وہ بجھے بجھے انداز میں باہر نکل گئی۔ یاور علی خان کوٹ ہینگ کرنے لگے۔

....

تقریب بہت بڑے پیمانے پر تھی کہ بابا صاحب کے پڑپوتے کی سالگرہ تھی۔

یہاں سے وہاں تک انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آتا تھا۔ دور پار کے عزیز تو ایک روز پہلے ہی آ گئے تھے۔

روشی نے اپنے پپا کا لایا ہوا وائٹ ڈریس پہنا تھا۔ ہلکا سا میک اپ بھی کیا تھا مگر چہرہ پھر بھی بجھا بجھا تھا۔ [illegible] کے باوجود اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ ہتھیلیوں میں چہرہ لئے وہ ساکت بیٹھی جانے کن سوچوں میں گم تھی۔

اسی دم ہلکی سے دستک ہوئی۔

''ہوں''۔ اس نے ہنکارا بھرا اور وہ بھی بڑی بیزاری سے۔

دروازہ کھلا تو اس نے بغیر ہلے جلے صرف نظریں اٹھا کر دیکھا کہ کون آیا ہے۔

وہائٹ شلوار قمیض میں ملبوس سامنے باری تھا۔

''کون پوچھ رہا ہے مجھے؟'' اس نے تلخی سے کہا۔

''کوئی نہیں''۔ اس نے بہت آہستگی سے جواب دیا۔

''کون بلا رہا ہے؟'' اس نے سابقہ انداز میں پوچھا۔

''کوئی نہیں''۔ اس کا انداز بھی ہنوز تھا۔

''پھر کیوں آئے ہو؟'' اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر ترخ کر پوچھا۔

''آپ کی خیریت معلوم کرنے آیا تھا۔ آپ نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اب تو کھانا بھی شروع ہو چکا ہے''۔

''شکریہ۔ پوچھ لی خیریت؟ اب جاؤ اور آئندہ اب خیریت بھی نہ پوچھنا''۔

باری کے فریش سے چہرے پر لمحے بھر کو سایہ لہرایا مگر اگلے ہی لمحے وہ نارمل ہو گیا۔

''کوئی بات ہو گئی ہے۔ ساری رونق چھوڑ کر اندر بند کمرے میں بیٹھی ہیں؟''

''اپنے کمرے میں بیٹھی ہوں۔ کسی کے سر پر تو نہیں بیٹھی''۔ اس نے بڑے کڑوے انداز میں جواب دیا۔

''آیئے' سب کے ساتھ کھانا کھا لیجئے''۔ اس نے بہت رسانیت سے کہا۔

''بھوک نہیں ہے مجھے''۔

''جب باہر نہیں آنا تو تیار ہو کر کیوں بیٹھی ہیں؟'' آخر اس نے کہہ دیا۔

اس نے نظر اٹھا کر باری کی طرف دیکھا۔ بہت دلکش سادہ سے ہیئر اسٹائل کے ساتھ وہ بلا کا جاذب نظر دکھائی دے رہا تھا۔ مونچھیں البتہ پہلے سے زیادہ گھنی محسوس ہو رہی تھیں۔ سفید بے داغ لباس میں وہ کسی بہترین گارمنٹس کمپنی کا ماڈل محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے بے ساختہ نظریں جھکا لیں۔

''تمہاری طرح کوئی بھی میرے کمرے میں آ سکتا ہے۔ مہمانوں سے گھر بھرا پڑا ہے''۔ اس بار اس کی آواز میں سادگی اور دھیما پن تھا۔

''ٹھیک ہے۔ آپ کی مرضی۔ مگر اس طرح ہونا نہیں چاہیے''۔ وہ جانے کے ارادے سے پلٹا۔

''ایک منٹ''۔ اس نے پیچھے سے آواز دے کر اسے روکا۔

''جی؟'' وہ وہیں کھڑا ہو کر پوچھنے لگا۔

''تمہاری گردن کے نیچے کی جانب کیا کوئی زخم کا نشان ہے؟'' اس نے پلکیں جھپکے بغیر اس کی سمت دیکھا۔

''شاید... مجھے دھیان نہیں۔ خیریت؟'' وہ واقعی حیران ہوا۔

''ذرا آئینے میں دیکھ کر بتاؤ۔ ہے یا نہیں''۔ اس نے قطعی انداز میں کہا۔

''مگر کیوں؟'' وہ قدرے ہچکچایا۔

''پہلے وہ کرو جو میں کہہ رہی ہوں''۔ اس نے خفگی سے کہا۔

وہ آگے بڑھ کر اس کی ڈریسنگ ٹیبل تک آیا اور چہرہ اوپر کر کے دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ گردن سے خاصا نیچے واقعی زخم کا نشان موجود تھا۔

''یہ لیجئے۔ مل گیا۔ دراصل مجھے اس لئے دھیان نہیں رہا کہ میں خود کو آئینے میں غور سے نہیں دیکھتا''۔ وہ سادگی سے بولا۔

''اب آپ یہ بتایئے' آپ نے یہ نشان کب دیکھا تھا؟'' وہ اس کے نزدیک چلا آیا۔

''[illegible] مجھے''۔ وہ اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔ اور اس کا سوال نظر انداز کر دیا۔ باری نے مسکرا کر کالر ایک طرف سے نیچے کر دیا۔

تقریباً ایک انچ لمبا زخم کا نشان واقعی موجود تھا۔ اس کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ اس نے سر اٹھا کر باری کی سمت دیکھا۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ سیاہ گھور آنکھیں جانے کس جذبے کے تحت مسکرا رہی تھیں۔ روشی نے جیسے تاب نہ لا کر نظریں جھکا لیں۔

''یہ مت پوچھو کہ مجھے کیسے پتا چلا۔ یہ بتاؤ کہ جھومر بھابی کو کیسے پتا چلا؟''

وہ دوبارہ اپنے بستر پر جا کر بیٹھ گئی۔

باری کے چہرے پر یکلخت سنجیدگی چھا گئی۔

''یہ آپ کے مطلب کے موضوعات نہیں ہیں۔ آپ اس طرح کی باتیں نہ کریں۔ بہتر ہے باہر آ جائیں۔ ہو سکتا ہے [illegible] ہو جائے''۔

اس نے واپسی کا راستہ اختیار کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''تم پہلے میرے سوال کا جواب دو پھر باہر جانا''۔ وہ حکمیہ انداز میں گویا ہوئی۔

''[illegible] لے کر گئے تھے جھومر بھابی کو؟'' وہ طنزیہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''[illegible] صاحب سے پوچھ لیں۔ یہ ان کے معاملات ہیں''۔ اس نے دوٹوک جواب دیا۔

''میں تمہارا جینا دوبھر کر دوں گی۔ بہروپ بھر کر ہم سب کو بے وقوف بناتے ہو''۔ وہ دانت پیس کر بولی۔

''وہ تو پہلے ہی کر رکھا ہے''۔ وہ زبردستی مسکرایا۔

''جھومر بھابی اب سے کچھ دن پہلے ایسی نہیں تھیں۔ کس بری طرح تمہارا امیج ٹوٹا ہے' دکھ ہوا ہے۔ امانتوں پر ہی ہاتھ صاف کرتے ہو۔ کتنے مضبوط بنتے ہو' پوز کرتے ہو۔ اندر سے کتنے کھوکھلے ہو۔ عمر بھر تمہاری شکل نہ دیکھوں''۔

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

باری اپنی جگہ دم بخود سا کھڑا تھا۔ اس وجہ سے نہیں کہ روشی نے یہ سب کہا تھا۔ جو ہر شریف انسان کیلئے ... ہو سکتا تھا۔ بات یہ تھی کہ حویلی کے کرتا دھرتا افراد کو اس کی سن گن مل گئی تو؟ اس پر سے جھومر کا بے خوف انداز... ابھی تو قیامت کی پہلی لہر روشی تک آئی تھی۔

وہ آگے بڑھ کر روشی کے قریب آیا۔

''آپ جو سنیں گی۔ اس پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیں گی؟ اگر آپ یہ کریں گی تو مجھے حویلی کے کسی فرد سے ... امید نہیں رکھنا چاہیے۔

میں مجرم کی طرح اپنی صفائی پیش نہیں کروں گا۔ نہ آپ مجھ سے اس طرح کی کوئی امید رکھیے گا''۔ اتنا کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

روشی نے سر اٹھا کر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ اور اس کے الفاظ ذہن میں دہرانے لگی۔ بلکہ ایک ایک لفظ ... گئی۔

''یہ ڈھٹائی ہے' غیرت ہے' انا ہے؟'' اس کا ناتجربہ کار ذہن الجھ گیا تھا۔

''جھومر بھابی بلاشبہ بہت حسین ہیں۔ ان کی شخصیت بہت اپیل کرتی ہے۔ اور پھر وہ ایک بے ضرر اور معصوم انسان سے وابستہ ہیں۔ سب سے بڑھ کر خود بڑی آمادہ ہیں۔ سو جان سے فدا ہیں۔ پتا نہیں محترمہ تقریب ... نہیں۔ ویسے ان کا تعارف تو ہے نہیں۔ ہو سکتا ہے اوپر اوپر سے دیکھتی ہوں''۔

وہ...... اٹھ کر باہر آ گئی۔ عجیب اضطراری سا انداز تھا۔

باہر آتے ہی آنکھیں جیسے چندھیا سی گئیں۔ حویلی کا تو انداز ہی بدلا ہوا تھا۔ نوکرانیاں تو پھولوں سے لدی ہوئی تھیں۔

سامنے ہی آف وائٹ شیروانی میں خوش باش اکا نظر آ گئے۔

''السلام علیکم اکا۔ مبارک ہو بیٹے کی سالگرہ''۔

''وسلام۔ میرا بیٹا تمہارا کچھ نہیں لگتا؟'' وہ مسکرا دیئے۔ ''لڑائی تو سمیہ سے ہوتی ہو گی۔ بیٹے سے تو نہیں'' ... قہقہہ لگایا۔

''جی نہیں۔ میں لڑنے والی نند نہیں ہوں''۔ اس نے منہ بنایا۔

''پھر کون سی والی نند ہو؟'' وہ بہت خوش تھے' بات بے بات ہنس رہے تھے۔

''میں اچھی والی نند ہوں۔ انگلش نند' ہوں۔ اپنے کام سے کام رکھتی ہوں''۔ بالآخر وہ بھی ہنس دی۔

''... واہ...... بھئی واہ...... سنا یار...... یہ اپنی روشی تو بڑی حاضر جواب ہو گئی ہے''۔ وہ اس کے پیچھے کھڑے کسی شخص سے مخاطب ہوئے تھے۔

روشانہ اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ مگر فوراً ہی دوبارہ اکا کی طرف رخ کر لیا تھا۔ پیچھے باری کھڑا تھا۔

''وہ سہروردی صاحب بہت دیر سے آپ کا پوچھ رہے ہیں''۔ باری نے انہیں مطلع کیا۔

''کہاں بیٹھے ہیں؟ مجھے تو خود ان کی تلاش ہے۔ استقبالیہ ملاقات کے بعد تو وہ کہیں غائب ہی ہو گئے۔

''سوری روشانے''۔ وہ معذرت کر کے باری کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

روشی خواتین کی طرف آ گئی۔ مگر جیسے اسے دھچکا سا لگا تھا۔ سرخ پشواز اور سبز بھاری کام کے دوپٹے پائجامے میں ملبوس جھومر بڑی امی کے پاس بیٹھی تھی۔

پاؤں میں خوبصورت سی پازیب جو یقیناً سونے کی تھی۔ کلائیوں میں ڈھیروں چوڑیاں اور کنگن۔ موتیے کے گجرے۔ وہ بہت ساری نظروں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ سب سے زیادہ تو حویلی کی لڑکیوں کی ٹکٹکی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

''آپ یہاں کیسے؟'' وہ بولے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''ہمارے میاں بچپن ہی سے دوسرے ملک میں رہ رہے ہیں۔ تاحال باہر ہیں۔ ہم اپنے سسرال والوں کی فرمائش پر تقریب میں شرکت کرنے آئے ہیں۔ ہمارے میاں کو اگر برسوں سے خاندان والوں نے نہیں دیکھا تو کیا ہوا۔ ہمیں تو دیکھا جا سکتا ہے''۔

اس نے بڑا جاندار قہقہہ لگایا۔ بڑی امی کی موجودگی میں یہ انتہائی درجے کی بدتمیزی تھی۔ اس پر سے نہایت کاٹ دار طنزیہ انداز۔ اس نے فوراً بڑی امی کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

انگوری سلک کے قمیض شلوار میں ہم رنگ سنہری کناری والے دوپٹے کو اپنے مخصوص انداز میں اوڑھے ہاتھوں میں' کانوں میں حسب توفیق سونا پہنے بالکل سپاٹ چہرے کے ساتھ اپنی خاص وضع سے جلوہ افروز تھیں۔

انہوں نے جھومر کے انداز گفتگو پر بھی کوئی تاثر نہیں دیا۔ یوں بیٹھی تھیں گویا برف کی سل ہوں۔

مگر ان کی خاموش تنبیہ کو حویلی کی لڑکیاں خوب سمجھتی تھیں اس لئے باوجود خواہش کے وہ جھومر سے کوئی خاص بات نہیں کر پا رہی تھیں۔

''بڑی امی تو خزانے پر ناگ بنی بیٹھی ہیں۔ جب انہیں لاکر سے نکال ہی لیا ہے تو فیضیاب بھی ہونے دیں''۔ روبی ... ۔

''لاکر نہیں۔ ''لاک اپ سے''۔ روشی نے گرہ لگائی۔

''چپ کرو''۔ مونا کو ''ڈرنے'' کی جلدی پڑی رہتی تھی۔ اس نے عادت سے مجبور ہو کر ٹوکا تھا۔ مبادا بڑی امی کچھ سن

لیں۔

''لو بھلا۔اب ہم آپس میں بھی باتیں نہ کریں۔کلاس ہو رہی ہے''۔ بیہ کو مونا کا استانی پن ناگوار گزرا تھا۔

''یہ جھومر بھابی کو اتنے ڈھیر سے زیور بڑی امی نے بنوا کر دیئے ہیں؟'' تانیہ کو زیور غالباً زیادہ پسند آ گئے تھے۔

''نہیں.....ظفری بھائی ڈاکا مار کر لائے ہیں''۔لالی کو اس کی بدعقلی پر تاؤ آ گیا۔تانیہ خجل سی ہو کر رہ گئی۔

''توبہ.....کس قدر حسین ہیں''۔روبی نے بے ساختہ کہا تھا۔ان سب کو ہنسی آ گئی۔

''توبہ کس بات کی؟ حسین ہونا گنا ہو سکتا ہے۔حسن کی تعریف کرنا تو گناہ نہیں۔توبہ انہیں کرنا چاہیے ہیں نہیں
نے شریر انداز میں کہا تھا۔

اتنے میں گلو خاصی پریشانی میں ان کی طرف آ گئی تھیں۔

''ارے تم نے زری کو کہیں دیکھا؟''

''نہیں.....ہم تو سب آج ایک ہی شے دیکھ رہے ہیں''۔روبی نے ٹکٹکی باندھ کر مبہوت ہونے کی اداکاری کی۔

گلو نے اس کی نظر کا تعاقب کیا

''ہاں بھئی ضرور دیکھو۔دیکھنے کے لائق ہیں۔مگر مجھے فی الحال زری کا پتا بتا دو''۔انہوں نے عجلت بھرے انداز میں

''آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا؟ کمال ہے''۔لالی ان کی بے نیازی پر واقعی حیران تھی۔

''خاصی دیر زیر اثر رہنے کے بعد ہوش و حواس میں واپس آئی ہوں''۔انہوں نے مسکرا کر مونا کو آنکھ ماری۔

''تم لوگوں کے اعصاب بحال کرنے کیلئے مرچوں کی دھونی دوں یہاں؟'' وہ ہنسیں۔

''لاحول ولا قوۃ۔اتنے بھی کمزور اعصاب نہیں ہیں ہمارے۔کہ مرچوں سے کم پر بات ہی نہ ٹھہرے۔اب اتنے بھی
حسین نہیں ہیں''۔ شینو نے نخوت سے ناک چڑھا کر اپنے مخصوص اسٹائل میں کہا۔

''پتا نہیں.....اندر دل بھی ہے یا نہیں۔چھوٹا بڑا ہونا تو بعد کا مسئلہ ہے''۔روشی نے استہزائیہ انداز میں روبی کے
میں کہا۔

''لو.....اب ایسی بھی ''بے دل'' نہیں ہو سکتی ہیں۔تو کیا بے چاری تھرمل پاور اسٹیشن سے چل رہی ہیں؟''
سرگوشی سن لی تھی۔

بے ساختہ ہنسی کی آوازیں ابھری تھیں۔

جھومر نے عجیب حسرت آمیز انداز میں ان ہنستی لڑکیوں کی طرف دیکھا تھا۔

پھر ایک سرد سی نگاہ عالم تاب پر ڈالی تھی۔

کھانا شروع ہو چکا تھا۔اور اس دورانیے کی مخصوص چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔جھومر نے عالم تاب کے کان میں
کہا۔اور اٹھ کر پنڈال سے باہر نکل آئی۔روشی تو پیشہ ور جاسوسہ کی طرح اس پر نظر جمائے ہوئے تھی۔خود بھی دوسرے
سے باہر آ گئی۔

جھومر حوض کی منڈیر پر جا کر بیٹھ گئی تھی۔ جہاں بہت سے بچے بھاگ دوڑ رہے تھے۔اور جو ذرا دیر رک کر جھومر کو بھی
دیکھنے لگ گئے۔ایک حساب سے وہ خجل ہوئی تھی۔ معاً اس نے دیکھا جھومر نے ایک بچے کو بازو سے تھام کر ایک جانب
...روشی اس سے خاصے فاصلے پر جامن کے درخت کے نیچے کھڑی تھی۔بے تحاشا روشنیوں کے باعث ہر شے واضح

...اسے جانے کیوں حیرت نہیں ہوئی۔ جب اس نے بچے کے ساتھ باری کو آتے دیکھا۔بس اندر کچھ ٹوٹ پھوٹ ضرور
ہوئی تھی۔

باری حوض کے نزدیک ضرور آیا تھا۔مگر سامنے دیکھتے ہی واپس پلٹ گیا تھا۔روشی کو اس مرتبہ حیرت ہوئی تھی۔

وہ انسانوں کے اژدہام میں گم ہو چکا تھا۔جھومر اپنی سینڈل اتار کر پانی میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی تھی۔

روشی الجھن کے عالم میں کھڑی رہ گئی تھی۔

''جھومر بھابی! اگر بے وقوف ہیں تو کیا ہوا۔باری تو بے وقوف نہیں۔ظاہر ہے' انسان بھرے پڑے ہیں۔کسی کی بھی
نظر پڑ سکتی ہے''۔

روشی اپنی نکتہ رسی پر بڑے مطمئن انداز میں واپس بڑھ گئی تھی۔

''کیسے کچے رنگ نکلے تمہارے۔صرف صورت دیکھ کر ہی اپنا سب خزانہ ہار دیا''۔اس کے دل سے ہوک سی اٹھی تھی۔

....

''ہیلو۔السلام علیکم۔آپ کون؟''

''خان دلاور علی خان بات کر رہا ہوں''۔

''عزت افزائی ہے میری''۔نعمان کو حیرت کا جھٹکا لگنا قدرتی امر تھا۔

''کیا حال ہے بیٹے آپ کا؟''

''شکریہ۔جی۔بہت اچھا ہوں۔دعا ہے آپ کی''۔نعمان کی حیرت ہنوز قائم تھی۔

''ماہین بیٹی کیسی ہے؟''

''جی۔وہ بھی اللہ کا کرم ہے' بالکل ٹھیک ہے''۔

''بیٹے بات یہ ہے کہ ہماری طرف سے ایک دو روز میں تمہیں تفصیلی خط ملے گا۔اس خط کو بہت سکون اور تحمل سے پڑھنا۔
...سے مشورہ کر کے ہمیں اس کا جواب بھیجنا۔ٹیلی فون اس لئے کر رہے ہیں کہ مزید تاکید رہے۔ہیلو۔سن رہے ہو؟''

''جی.....سن رہا ہوں۔آپ فرمایئے''۔

''بس اور کچھ نہیں کہنا۔بس اتنی ہی بات تھی۔اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔وطن سیٹل ہو رہے ہو یا واپس یوگنڈا جاؤ
گے؟''

''واپس تو فی الحال جانا ہی ہوگا۔جما جمایا کاروبار چند مہینوں میں تو ادھر سے ادھر واپس نہیں ہو سکتا۔آپ خود کہیے''۔

نعمان کا ذہن اب آنے والے خط کی طرف مستقل تھا۔ بظاہر دوسرے موضوع پر بات چیت کر رہا تھا۔

''ہاں یہ تو ہے اچھا۔ خیر۔ خدا حافظ''۔

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

نعمان کے ہاتھ میں ریسیور چند سیکنڈ تک جوں کا توں رہا۔

''کس کا فون تھا نعمان بھائی؟'' ماہین کچن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے وہیں لاؤنج میں چلی آئی۔

''خان دلاور علی خان صاحب کا''۔ نعمان کے انداز میں ہنوز گہری سوچ کا تاثر واضح تھا۔

''ماہین چونک پڑی تھی۔ اس نے بڑی جانچتی نظر نعمان پر ڈالی تھی۔ اور اسے گہری سوچ میں مبتلا پا کر دل بھی دل میں

''کیا فرما رہے تھے خان صاحب؟'' اس نے لب و لہجے سے خاص تکلف ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

''کچھ نہیں''۔ وہ اسی طرح سوچ میں گھرا ہوا تھا۔

''کچھ نہیں''۔ ماہین نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''ہاں۔ کہہ رہے تھے انہوں نے میرے نام کوئی تفصیلی خط لکھا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں۔ خط تو انہوں نے کبھی بڑے

باپ کو نہیں لکھا۔ اب کیا معاملہ پیش آ گیا ہے''۔ اس کی الجھن بجا تھی۔

ماہین کا دل دھیرے سے سکڑا۔ سمٹا۔ پھر اسی قوت سے پھیلا۔

''چائے لاؤں آپ کیلئے؟'' وہ واپس ہوئی۔

''لے آؤ''۔

''ویسے کیا تمہیں حیرت نہیں ہے؟'' نعمان نے اس کے نارمل انداز کو بہت محسوس کیا تھا۔ وہ بہت تعجب سے اس کا

نیاز رویہ جانچ رہا تھا۔ دلاور علی خان کا فون اور خط آنا کوئی عام بات تو نہیں تھی۔

فون آنے کے بعد سے ماہین ایک عجیب سے انتظار میں مبتلا ہو گئی تھی۔ حالانکہ نعمان تھوڑی دیر الجھ کر اپنے معمول

میں مگن ہو گیا تھا۔

''دو دن بعد ایک رجسٹرڈ لفافہ نعمان کے نام آیا تھا۔ نعمان گھر پر نہیں تھا۔ ماہین کا بس نہ چلتا تھا کہ لفافہ چیر ڈالے

دے۔ اس نے لفافہ نعمان کے کمرے میں سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا اور پھر کمرے میں جب بھی کسی کام سے گئی لفافے پر

نظر ڈالنا اپنا کوئی ضروری کام سمجھا۔

جانے کیوں کسی کام میں جی نہیں لگ رہا تھا۔ ذہن بس لفافے کی طرف ہی لگا ہوا تھا جیسے اس میں سے

آٹھواں عجوبہ برآمد ہوگا۔

شام ڈھلے نعمان گھر آیا تھا اور حسب عادت سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ ماہین دم اٹکائے لاؤنج میں بیٹھی

تھی۔ ہر دم یوں محسوس ہوتا تھا جیسے نعمان نے اسے آواز دی ہو۔

کافی دیر گزرنے کے بعد بھی جب کچھ نہیں ہوا تو وہ دبے پاؤں دروازے تک آئی۔ دروازہ بہت آہستگی سے

نعمان کمرے میں نہیں تھا۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ ماہین نے سائیڈ ٹیبل کی طرف دیکھا۔

لفافہ کھلا ہوا تھا۔ اس کا جی چاہا۔ جلدی سے آگے بڑھے خط پڑھ ڈالے۔ مگر باتھ روم کی

محسوس ہوا۔

مڑ گئی۔ اب اس کا رخ کچن کی طرف تھا۔

بھائی نے تو بڑے صبر و سکون کا مظاہرہ کیا ہے۔ کیا لفافے میں کوئی خاص بات نہیں تھی؟

کیلئے چائے بناتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

سوچوں میں الجھے الجھے اس نے چائے بنائی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی نعمان کے کمرے میں آئی۔

کے انداز میں تولیہ گلے میں ڈالے وارڈ روب میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ اس نے انگوٹھی سے دروازے پر

اور اندر آ گئی تھی۔

نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ ماہین کی تمام حسیات نے محسوس کر لیا کہ اس نے بہت خاص نظروں سے ماہین

دیکھا تھا۔

آج تو چائے کی بہت طلب ہو رہی تھی۔ آفس میں بہت مصروفیت رہی بس چائے پینے کی بھی مہلت نہیں ملی

نے بشاشت سے کہا۔

نے اطمینان کا گہرا سانس لیا اور ٹیبل کپ پر رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

''بیٹھ جاؤ' کھڑی کیوں ہو؟'' نعمان نے تولیے سے سر رگڑنا شروع کر دیا۔

جلدی سے یوں بیٹھ گئی جیسے بیٹھنے کیلئے اسے واقعی کسی تاکید یا حکم کی ضرورت تھی۔

''پھر تو آپ بہت تھک گئے ہوں گے''۔ اس نے بھائی کا چہرہ بغور دیکھا۔

''ہاں تھکن تو ہو جاتی ہے' مگر...... رات پڑی ہے آرام کرنے کیلئے''۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''جی''۔ ماہین نے مسکرانے کی کوشش کی۔

اپنے کام بہت پھیلا دیا ہے' سمیٹنا مشکل ہو جاتا ہے' عملہ بھی کوئی خاص نہیں ہے۔ جبکہ یوگنڈا میں ایسا نہیں ہے''۔

بے صبر ہو رہی تھی جبکہ نعمان کو اپنے کاروباری بکھیڑوں کا ذکر زیادہ ضروری لگ رہا تھا۔

گھر پر ہی کھائیں گے ناں؟'' اس نے خاصی سرد مہری سے پوچھا۔

آج ہم صبح تک گھر پر ہی ہیں''۔ وہ مسکرایا۔

کے انداز سے محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ خط میں کوئی غیر معمولی بات ہے۔ ماہین الجھن میں پڑ گئی تھی۔

سارا دن؟'' نعمان نے چائے کا کپ اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔

روزانہ کے معمولات۔ بس ذرا آج لان کی صفائی کی تھی۔ اور اسٹڈی کرتی رہتی ہوں''۔

بدن کو ڈھیلا چھوڑ کر اطمینان سے جواب دیا۔

نعمان نے ہنکارا بھرا جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔

''پاپا چاہتے تھے کہ اب تم یوگنڈا نہ جاؤ۔ بلکہ مستقل یہیں پاکستان میں رہو۔ اب مجھے نہیں معلوم ہے۔ کیا سوچا ہے تم نے آگے کے بارے میں؟'' نعمان نے اچانک بات شروع کر دی تھی۔ وہ چونکی۔

''پاپا تو یہ بھی چاہتے تھے کہ آپ کی شادی یہیں کر دی جائے پھر آپ اپنی دلہن کو لے کر ہی یوگنڈا جائیں۔''

''یہی کچھ انہوں نے تمہارے بارے میں سوچا تھا مگر فرق اتنا ہے کہ وہ تمہاری یوگنڈا واپسی کے حق میں نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا تمہیں اپنے لائف پارٹنر کے ساتھ یہیں رہنا چاہیے''۔ نعمان نے ایک سرسری نظر اس پر ڈالی۔

وہ خاموش بیٹھی ناخن کھرچتی رہی۔

''دلاور علی خان صاحب کا خط آگیا ہے''۔ نعمان نے آہستگی سے مطلع کیا۔

''جی' وہ میں نے لفافے پر دیکھ لیا تھا''۔

''مجھے بڑی حیرت ہوئی ان کا خط دیکھ کر...... شاید انہیں اس طرح کی بات نہیں کرنا چاہیے تھی''۔ نعمان نے سوچتے ہوئے کہا۔

''کس طرح کی بات؟'' ماہین نے اطمینان ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

''انہوں نے یاور بھائی کیلئے تمہارا رشتہ مانگا ہے' ہے ناں تعجب کی بات؟'' نعمان بہت ہی سنجیدہ تھا۔

''کیوں؟ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟'' اس نے بہت دھیمی آواز میں سوال کیا۔

نعمان نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔ اور خاصی دیر دیکھتا رہا۔

''تمہیں حیرت نہیں ہوئی؟'' بالآخر وہ بولا۔

''اس سے پہلے بھی تو میرے رشتے آئے تھے''۔ ماہین نے اسی اطمینان کا مظاہرہ کیا۔

''مگر اس رشتے کی خاص بات یہ ہے کہ یہ ہمارے بہنوئی کا رشتہ ہے۔ دوسرے تمہاری اور ان کی عمر میں بہت فرق ہے۔ تیسرے ہم تو ابھی ناز بجو کا معمہ حل نہیں کر پائے''۔ نعمان نے دلائل دیئے۔

''ناز بجو کے مرقد سے تو میں ہو آئی ہوں۔ رہی آپ کی یہ بات کہ عمروں میں بہت فرق''۔ وہ بولتے بولتے رکی۔

نعمان بے تابی سے اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

''ہاں' ہاں بولو' رک کیوں گئیں''۔

''انسان کی ایک فزیکلی عمر ہوتی ہے اور دوسری ذہنی۔ میں ان سے ذہنی فرق محسوس نہیں کرتی''۔ اس نے بڑی مشکل سے کہا۔

نعمان خود پر قابو پانے میں مہارت نہ رکھتا تو شاید اچھل پڑتا۔ وہ اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ ماہین نے منہ پھیر لیا۔

''اگر کوئی کمٹمنٹ تھی تو مجھے آگاہ تو کیا ہوتا''۔ آخر کار وہ گم صم سے انداز میں گویا ہوا۔ ماہین خاموش رہی۔

''یہ ٹھیک ہے' وہ واقعی بہت نائس ہیں' ہر لحاظ سے اور قابل بھی بہت ہیں مگر اب حویلی میں دوسری ناز بجو نہیں ہے''۔

''وہ حویلی ناز بجو کے زمانے کی حویلی نہیں ہے''۔ وہ برجستہ بولی۔

''مگر وہ حویلی ناز بجو آج بھی وہی ہیں اور وہیں ہیں''۔ نعمان کو بہت الجھن آ پڑی تھی۔

''مگر دلاور علی خان...''

''مگر میں ناز بجو نہیں ہوں''۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا کھلا اعتراف تھا۔ وہ اس کی شکل دیکھتا رہ گیا۔

''بجو جا کہاں رہی ہو' ابھی تو بات ہو رہی ہے''۔ نعمان دھیمی آواز میں بولا۔

''میرا خیال ہے۔ بات مکمل ہو چکی ہے''۔ وہ بھی بہت آہستگی سے گویا ہوئی۔

''مرضی تمہاری' مگر جانے کیوں میں مطمئن نہیں''۔ الجھن کے آثار نعمان کے چہرے پر بہت واضح تھے۔

''آپ پریشان نہ ہوں بھائی۔ میں بچی نہیں ہوں۔ اور نہ حویلی والوں سے کسی طرح کمزور ہوں۔ مجھے ہر طرح کے لوگوں سے ڈیلنگ آتی ہے''۔

یہ کہہ کر وہ رکی نہیں بلکہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

نعمان حیران پریشان سا بیٹھا پردہ دیکھتا رہ گیا۔

....

نہ گجرے کی دھار' نہ موتیوں کے ہار

نہ کوئی کیا سنگھار

پھر بھی کتنی سندر ہو تم...... تم کتنی سندر ہو

یاور موٹا سا پائپ تھامے پودوں کو پانی دیتے ہوئے گنگنا رہا تھا۔

وہ کتاب ہاتھ میں لئے چپکے سے آ کر حوض کی منڈیر پر بیٹھ گئی تھی اور اس کا خوبصورت گیت دلکش آواز میں سن رہی تھی۔

''یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔ وہ واقعی اتنی حسین ہیں کہ انہیں کسی سنگھار کی ضرورت ہی نہیں''۔ اس نے کتاب ٹھوڑی کے نیچے ٹکا کر بڑے پراثر سے انداز میں گرہ لگائی۔

یاور بری طرح چونک کر پلٹا۔ سرخ کاٹن کے سوٹ میں ملبوس سبزے کے درمیان بیٹھی وہ ماحول میں عجیب سی دلکشی کا باعث بن رہی تھی۔

یاور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ البتہ گیت کا سلسلہ بند ہو گیا تھا۔

''سالگرہ والے روز تو بہت ہی غضب ڈھا رہی تھیں''۔

یاور نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے اس کی سمت دیکھا۔

یاور اس مرتبہ بھی بالکل خاموش تھا۔

''مگر تم تو بہت مصروف تھے' تم نے شاید ہی دیکھا ہو۔ حسن ہے' جیسے اندر ہو۔ وہ تو دھلے منہ سے ہوش اڑا سکتی ہیں۔ حالانکہ انہوں نے سنگھار کیا ہوا تھا''۔ وہ پھر بولی۔

باری ہنوز خاموش تھا۔

''شاعر نے غالباً انہی کے لئے کہا ہے کہ تم جس رنگ کے کپڑے پہنو' وہ موسم کا رنگ' تم جس طرف پڑ
روشن ہو جائے''۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''کیا روشنی پھوٹتی ہے ان سے''۔ وہ پھر ہنسی۔

''تمہارا بھی کوئی قصور نہیں' وہ چیز ہی ایسی ہیں''۔ وہ اس کی پشت کو گھور رہی تھی۔ باری پائپ کھینچتا ہوا دوسری سمت

۔

''ویسے آج کل ملاقات کی کیا سبیل بنتی ہے؟ حویلی سے باہر تو خیر تمہاری موج تھی''۔ وہ کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔

''ویسے یہ زخم لگا کیسے تھا۔ کیا بچپن میں گھوڑے سے گر گئے تھے؟ مگر یہ تو وہی مثال ہو گئی کہ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ
اس طرح زخم لگنا تھا تو ہاتھ یا ٹانگ پر لگتا۔ ہو سکتا ہے بچپن میں تم لڑکوں سے بہت لڑتے رہے ہو۔ کیونکہ تم میں اسٹیمنا تو
ہی سے ہے...... ہے ناں؟'' وہ بے تکان بول رہی تھی۔

''اچھا یہ بتاؤ' پہل کس نے کی تھی؟''

باری نے اگلی کیاری کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے۔

''ویسے امکان ہے وہی مرمٹی ہوں گی پہلے' یہ گیت گاتے ہوئے

پیار کے بدلے ہمیں پیار دیں گے

اور کیا ہمیں سرکار دیں گے

اس پہ یہ ناز توبہ...... اف یہ انداز توبہ......

آپ تو جیتے جی ہی مار دیں گے

وہ مسکرا رہی تھی' جیسے اسے زچ کر کے دلی مسرت ہو رہی تھی۔

''ہائے روشی تم یہاں ہو۔ پتا نہیں چلتا تمہارا۔ کلو تمہیں ڈھونڈ ہاری' بابا صاحب تمہیں بلا رہے ہیں''۔ روبی اسے
سے دیکھ کر شروع ہو گئی تھی۔

اس نے منہ بنا کر روبی کی طرف دیکھا۔ البتہ باری نے اطمینان بھری سانس لی۔ اور اپنے پاؤں پر پانی ڈالنے لگا۔
روشی برا سا منہ بنا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ روبی اس سے پہلے اندر غائب ہو چکی تھی۔

اس نے بے دلی سے بابا صاحب کے بیڈ روم کے دروازے پر دستک دی تھی۔

''ہوں' آجاؤ''۔ بابا صاحب کی بارعب بھاری آواز ابھری۔

وہ اندر آ گئی۔ بابا صاحب نظر کی عینک لگائے پتا نہیں کون سے کھاتے چیک کر رہے تھے۔

انہوں نے عینک اتار کر اوپر سے جھانک کر آنے والے کو دیکھا۔

''آؤ بھئی روشی' بہت دیر سے تمہیں بلا رہے ہیں۔ کہاں تھیں' کیا سو رہی تھیں؟''

...عینک اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

...میں پڑھ رہی تھی''۔

...جھوٹ بولتے ہوئے انسان کی آواز کا دم خم کہاں چلا جاتا ہے۔ اسے اپنی کمزوری پر خود ہی کوفت ہوئی۔

...بہت اچھی بات ہے' صبح کو پڑھنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ انسان بھولتا نہیں۔ اور تمہارے باپ کو تو بہت شوق
...ڈگریوں کے ڈھیر لگائیں۔ آج ایسا کرو تم ناشتا ہمارے ساتھ کرو''۔

...نے بڑی حیرانی سے ان کی سمت دیکھا تھا۔

...آپ نے مجھے کسی کام سے بلایا ہے بابا صاحب؟'' اس نے الجھ کر سوال کیا۔ لاشعوری طور پر اس کا ذہن اپنی شادی کے موضوع
...پر تھا۔

...کام کرنے کو تھوڑے لوگ ہیں' تم سے آج تک کوئی کام کرایا ہے کسی نے؟'' وہ مسکرائے۔

...مزید حیران ہوئی۔

...یہ بتاؤ پہلے کہ تمہیں اپنے باپ سے کتنا پیار ہے؟'' وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر سکون سے بیٹھ گئے۔

...بہت زیادہ' میرے خیال میں سب بچوں کو اپنے باپ سے بہت پیار ہوتا ہوگا۔ پپا بھی تو آپ سے بہت محبت کرتے
...ان کا سوال عجیب لگا۔

...بہت لمبا جواب ہے' مگر صحیح دیا ہے''۔ داور علی خان مسکرا دیئے۔

...نے پھر الجھ کر ان کی سمت دیکھا۔

...تمہیں پتا چلے کہ تمہارے باپ کو ایک وجہ سے خوشی مل سکتی ہے' تو تم کیا ردعمل ظاہر کرو گی؟''

...غور سے پوتی کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

...ساری دنیا سے لڑ کر انہیں وہ خوشی دینے کی کوشش کروں گی۔ میں اس عمر میں محسوس کر سکتی ہوں کہ پپا نے کس قدر
...گزاری ہے''۔ اس نے بہت پرجوش انداز میں جواب دیا۔

...شاباش' تم واقعی داور علی خان کو اپنے بہت قریب محسوس کرتی ہو۔ تم ان کی بہت اچھی بیٹی ہو''۔ انہوں نے خوشی سے

...کا دل ایک دم حلق میں آ گیا۔

...پپا نے میری ناپسندیدگی اپنے والد تک پہنچا دی ہے اور اب بابا صاحب
...سے ذکر کر رہے ہیں' مگر اس طرح تو پپا نے فاؤل کھیلا ہے' چیٹ کیا ہے مجھے' مگر یہ سب ان پر سوٹ تو نہیں

...روشی کا وجود چور چور ہو گیا۔

...پسند نہیں؟ اچھا یہ بتاؤ تمہیں اپنی خالہ کیسی لگیں؟''

روشی کو پھر ایک جھٹکا لگا۔ اب خالہ کا ذکر کیا معنی؟ اس نے کوفت بھرے انداز میں اپنے بال جھٹکے

''خالہ تو بہت نائس ہیں' جواب ہی نہیں ان کا' بہت سوبر' بہت کائنڈ''۔ اس نے کوفت کے

''اگر ہم...... ہمیشہ کیلئے انہیں یہاں لے آئیں تو......؟'' دلاور علی خان نے عینک اتھا کر

لگے۔

''ضرور لے آئیں' یہ میرے لئے بہت بڑی خوشی ہوگی' مگر کیسے؟''

اچانک اسے دھیان آیا تو جیسے ہڑبڑا کر سیدھی ہوگئی۔

''تمہارے باپ سے نکاح کے بعد وہ ہمیشہ کیلئے یہاں آسکتی ہیں''۔ انہوں نے اخبار سیدھا کر

لیا۔

روشی کے حواسوں پر بجلی کی طرح خوشی کوندی۔

''پپا مان جائیں گے' بقول آپ کے وہ تو مانتے ہی نہیں''۔ وہ بجھ سی گئی۔

''وہ مان گئے ہیں''۔ بابا صاحب نے اطلاع دی۔

روشی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اور خالہ؟'' اس نے کسی انجانے خدشے کو اپنے آپ پر منڈلاتا محسوس کیا۔

''وہ بھی مان گئی ہیں''۔ انہوں نے اپنی مخصوص وضع سے جواب دیا۔

''تو پھر دیر کس بات کی ہے؟'' خوشی مکمل ہوگئی تھی' اس کا جی چاہا رقص کرنے لگے۔

''کسی بات کی نہیں' بس ایک ہی پریشانی ہے' وہ یہ کہ جواد کو شاید اعتراض ہے''۔ بابا صاحب نے

مطلع کیا۔

''کیوں' انہیں کیوں اعتراض ہے۔ کیا بھائی کو یہ احساس نہیں کہ پپا نے کتنی تلخ لائف گزاری ہے

پچھلے انیس سال سے نہیں ملی۔ بے رنگ زندگی کے انیس سال کم تو نہیں ہوتے۔ ایک سال کی تین سو پینسٹھ

کے آٹھ پہر اور آٹھ پہر کی ظالم بدصورتی''۔ روشی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

بابا صاحب دم بخود پوتی کی شکل دیکھ رہے تھے۔ جس ردعمل کی امید انہیں جواد سے تھی' وہ روشی ظاہر

''بھائی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ محض اس لئے کہ لوگ کچھ کہہ نہ دیں۔ ہم ایک جیتے جاگتے

کے رنگ چھین لیں۔ جبکہ شریعت و فطرت کو کوئی اعتراض نہیں۔ میں بھائی سے بات کروں گی۔ انہیں

کروں گی''۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ جانے کے ارادے سے۔

''ادھر آؤ بیٹی''۔ بابا صاحب نے اشارے سے اسے اپنے قریب بلایا۔

وہ ان کے قریب آگئی۔

''بیٹھ جاؤ''۔ ان کا اگلا حکم تھا۔

بابا صاحب نے آہستگی سے بڑے شفیق انداز میں اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

ہم تمہیں بہت لاپرواہ' غیر ذمہ دار اور بے وقوف سمجھتے تھے۔ مگر ماشاء اللہ تم تو بڑی سمجھدار ہوگئی ہو''۔

غیر ذمہ دار واقعی میں نہیں ہوں' بس انسان کو اپنے اندر جھانکنا آجائے تو وہ دوسروں کے احساسات کو سمجھنے کے قابل

ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی۔

جیتی رہو اب تم جاسکتی ہو''۔ انہوں نے اجازت دی۔

یہ خوبصورت کام کب ہوگا؟ میں تو بے صبری سے مرجاؤں گی''۔ وہ جاتے جاتے پلٹی۔

بہت جلدی' مگر سب کچھ بہت خاموشی اور سادگی سے ہوگا اور تم فکر نہ کرو۔ ماہین سب سے پہلے یہیں آئینگی۔

تمہیں مستقل طور پر ہری پور لے جائیں''۔

بابا صاحب نے بڑے معروف سے انداز میں جواب دیا۔

خوبصورت سے احساس سے سرشار ان کے بیڈ روم سے باہر نکل گئی۔

....

چائے پی لیں' لال خان بھی آنے والے ہیں''۔ بالو نے پردے سرکائے اور لائٹ جلا دی۔

ہمیں بھلا نیند کہاں' بس کچھ اپنی تلاش ہے جانے کہاں کھو گئے ہیں ہم

تم سے تو دل کے پاس ملاقات ہوگئی

میں خود کو ڈھونڈنے بہت دور تک گیا

نے منہ بنا لیا

تو عقل میں نہیں آتیں یہ باتیں جن کا حاصل نہ وصول' خوامخواہ کا پیٹنا۔ خوشی کوئی بھی آخری نہیں ہوتی' چلیں

باہر آجائیں' چائے ٹھنڈی ہو جائیگی۔

جو آتا ہے خوشی کی انتہا پر

بہت روئے تھے اس آنسو کی خاطر

اٹھ کر بیٹھ گیا اور بالو کی طرف دیکھنے لگا' جو لش لش کرتے جاپانی کپڑے کے سوٹ میں یوں تیار تھی جیسے کہیں جا رہی

''کہیں جا رہی ہیں؟''

کچھ ٹھیک رہا ہو تو تعریف کر دیا کرتے ہیں' ضرور پوچھنا ہے آنے جانے کا؟'' وہ جل کر بولی۔

نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ ''میں سمجھا نہیں''۔

پڑھے لکھے ہوتے تو یہ دن دیکھتے''۔ وہ بڑبڑائی اور باہر نکل گئی۔

عارف کی تمام حسیات چوکس تھیں۔ نہایت دھیمی آواز کے باوجود بڑبڑاہٹ اس نے سن لی تھی۔
بھول گیا تھا۔

باہر برآمدے میں بالو چائے آگے سجائے۔ تھال میں دال لے صاف کر رہی تھی۔

اس نے نزدیک ہی واش بیسن میں ہاتھ منہ دھویا۔ وہ بہت الجھ گیا تھا۔ دماغ جو معنی سمجھا رہا تھا وہ
دو آہستگی سے، چلتا ہوا بالو کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔

بالو نے تھرماس سے چائے انڈیلی اور اس کے سامنے رکھ دی۔ ساتھ ہی نمکو اور گلاب جامن کی پلیٹ
سرکائیں۔

''لال خان نہیں آیا ابھی تک؟'' اس نے چائے کا کپ اٹھا لیا مگر نظریں نہیں اٹھائیں۔

''آ ہی جائے گا بوڑھا ہیرو''۔ بالو نے سلگ کر جواب دیا۔

عارف کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

خاصی دیر وہ گومگو کی کیفیت میں رہا۔

''آپ کو اس طرح نہیں کرنا چاہیے اب تو آپ کے پاس اس کی امانت ہے''۔ عارف نے بڑی رازداری سے
کیا۔

''ہونہہ! امانت! میں اسے کچھ نہیں دوں گی' اس کیلئے اتنی محنت کروں۔ اتنے دکھ اٹھاؤں؟'' کر دہ
بھڑک کر بولی۔

''کیا کریں گی آپ؟'' عارف خوفزدہ سا ہو گیا۔

''میں' اس کے بچوں کی ماں کبھی نہیں بنوں گی' ایک کانٹا مستقل میرے دل میں ہے' ایک کانٹا اس کے
چاہیے''۔ وہ بڑی سفاک نظر آ رہی تھی۔

''وہ آپ سے بے حد محبت کرتا ہے اور محبت کرنیوالوں کو دکھ نہیں دیتے''۔ عارف نے سمجھایا۔

''محبت کیوں نہیں کرے گا اس کی تو لاٹری نکل آئی ہے۔ پانچ روپے کے ٹکٹ پر پانچ لاکھ کا انعام''
آگ نکل رہی تھی۔

''یہ ہوش کی بات نہیں ہے''۔ عارف بس یہی کہہ سکا۔

''آپ تو خود بے ہوش رہتے ہیں''۔ بالو نے طنزیہ کہا۔

''ہمیں ہوش کے سبق پڑھا رہے ہیں''۔

''مگر میری بے ہوشی نقصان میں کسی کے نہیں' یہ بھی دن گنتی کرنے کا ایک انداز ہے''۔

اس نے بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا

رات آکر گزر بھی جاتی ہے

اک ہماری سحر نہیں ہوتی

بے قراری سہی نہیں جاتی

زندگی مختصر نہیں ہوتی ! !

اس نے چائے کا کپ اٹھا لیا اور آہستہ آہستہ گھونٹ بھرنے لگا۔

''ہم میں تو آپ بھی برابر کے شریک ہیں۔ کبھی کبھی تو جی چاہتا ہے آپ کو کھانے میں زہر دے دوں''۔ بالو کی آواز بھرا
گئی۔ آنے والی تبدیلی سے وہ اور زیادہ قنوطی ہو رہی تھی۔

''اتنا بڑا احسان آپ مجھ پر نہیں کر سکتیں۔ ایسے نصیب کہاں ہمارے؟'' وہ ہنس دیا اور پھر چائے پینے لگا۔

''کاش! آپ لال خان کا گھر بسانے کی بجائے اپنا گھر بسا لیتے''۔ بالو گویا آج پھٹ پڑی تھی۔

اس کے عجیب وغریب انداز پر عارف چونک پڑا تھا۔ اس کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔

اس نے چہرہ اوپر اٹھانے کے بجائے صرف نظریں اٹھائیں اور بالو کو چند ثانیے دیکھا۔

اپنے ہمراہ جو آتے ہیں' ادھر سے پہلے !

دشت پڑتا ہے میاں عشق میں گھر سے پہلے

وہ کپ رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''یوں سمجھیں' میں آج آخری بار گھر یعنی آپ کے گھر آیا تھا۔ دماغ مرد کا خراب ہو یا عورت کا' دیر نہیں لگتی' خدا حافظ''۔

اس نے قدم بڑھا دیے۔

''ٹھہر جائیں' میں بھی آپ کے ساتھ ہی گھر سے نکلوں گی۔ آپ کے آنے کے امکان تو مجھے اس گھر میں روکے ہوئے
تھے۔ ورنہ یہاں رکھا کیا ہے؟'' وہ تھال رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی' مگر فوراً ہی گڑبڑا گئی۔

عارف اپنی جگہ پر پتھر ہو گیا تھا۔ سامنے لال خان کھڑا تھا اور ششدر سا دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

عارف نے نظریں بمشکل اٹھائی تھیں۔ لال خان اس کی طرف دیکھنے کی بجائے صرف بالو کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''لال خان' میں دوست ہوں' ڈاکو نہیں ہوں۔ یہ کم عمر اور کم عقل ہے۔ اسے کچھ نہ کہنا۔ ذرا دیر کے بعد غصے میں بعض
اوقات بڑی لمبی کہانیاں بن جاتی ہیں۔ جو نہ پلیں تو بہتر رہتا ہے۔ اب ہمیں ایک دوسرے سے نہیں ملنا چاہیے' خدا حافظ''۔

وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ لال خان نے اسے روکا نہیں۔ کچھ دیر ساکت کھڑا رہنے کے بعد وہ مردہ قدموں سے اپنے
کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

بالو نے جاتے ہوئے لال خان کو ایک نظر دیکھا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کا ڈر اور خوف نظر نہیں آ رہا
تھا۔ بلکہ وہ پرسکون نظر آ رہی تھی۔ اس حد تک کہ اس نے چائے کپ میں نکال کر پینا شروع کر دی تھی۔ البتہ اس کا ہلتا پاؤں
بہت کچھ چغلی کھا رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔

....

گھر میں صرف ماہین کی دو سہیلیاں بطور مہمان موجود تھیں جبکہ نعمان کے دوست ابھی نہیں آئے تھے۔ بر
تین دوست بھی مدعو تھے۔ جن سے ان کی برسوں کی دوستی تھی۔

ماہین اپنے مہندی لگے ہاتھ دیکھ کر جانے کیوں بار بار روئے جا رہی تھی۔ زندگی کا نیا موڑ مڑتے ہوئے پچھ
کیا کیا یاد دلانے لگتے ہیں۔ دوسرے اسے نعمان کی کئی روزہ خاموشی بھی بہت ستا رہی تھی۔

شام کے ساڑھے سات بجے کے قریب دلاور علی خان دس بارہ افراد کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے۔ عزیزہ
تاب' سمیہ اور یاور علی خان کی تینوں بہنیں تھیں۔ بھائی بھی دونوں یعنی ابا اور بصیر چچا شامل تھے۔

ان لوگوں کی آمد کا سن کر تو ماہین کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ بے تحاشا روئے جا رہی تھی۔

عالم تاب نوکرانی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی اور رو رو کر پاگل ہوتی ماہین کو گلے سے لگا لیا۔

''جب انسان کسی بڑی خوشی سے نوازا جاتا ہے تو وہ لوگ بہت یاد آتے ہیں جو اس خوشی میں سب سے زیادہ خوش
ہیں' لیکن یہ بھی زندگی ہے۔ یوں اپنی جان ہلکان نہ کرو۔ ہم بھی تمہارے اپنے ہیں۔ وقت بتائے گا کہ تم ہمیں
شاباش چپ ہو جاؤ''۔

وہ اپنے دوپٹے سے اس کی آنکھیں صاف کرنے لگیں۔ ساتھ ہی نوکرانی کو چابی تھما کر سوٹ کیس کھولنے کا
ماہین کی دوست نے نوکرانی کے ہاتھ سے چابی لے کر خود سوٹ کیس کھولا۔

''یہ نکاح کا جوڑا اوپر ہی رکھا ہے۔ بہت اچھی سی دلہن بنانا ہماری ماہین کو۔ یاور نے تو گلے میں ایک ہار بھی بھیجا
'مگر ہم نے ان سے کہہ دیا ہے' جب دلہن کے پاس جاؤ تو گلے میں ہار ضرور ڈال لینا' آخر اس کے بھی ارمان ہوں گے
انہوں نے مسکرا کر اس کی پیشانی پر بوسا دیا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ماہین کی سہیلیاں اسے دلہن بنانے کی تیاریاں کرنے لگیں۔ اسی دم نوکرانی نے آ کر اطلاع دی کہ فون پر
روشی' آپ کو بلا رہی ہے۔ اس نے ماہین کی طرف اشارا کیا۔

ماہین چونک پڑی۔

''کیا روشی آئی نہیں؟ اسے کیوں نہیں لائے؟ عجیب لوگ ہیں''۔

''رخشی! فون تو لاؤنج میں ہے یا بھائی کے کمرے میں' میں نیچے کیسے جاؤں؟'' اس کا چہرہ حیا سے چمکنے لگا۔

''وہ سب لان میں ہیں' لاؤنج خالی پڑا ہے۔ البتہ یاور بھائی اس طرح سے بیٹھے ہیں کہ لاؤنج ان کی نظر
ہے' اب یہ تمہارا مسئلہ ہے''۔

''پھر تو میں نہیں جا رہی''۔ اسے ڈھیر ساری شرم آ گئی۔

کچھ فطری وارداتیں ہوتی ہیں جو عقل سے ماورا ہوتی ہیں اور سب کیلئے ایک سی ہوتی ہیں۔

''میں کہہ دیتی ہیں کہ تم نکاح پر راضی ہو' مگر ساتھ جانے پر راضی نہیں ہو۔ جلدی اٹھو دوسری طرف مل
رخشی نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔

مگر تو کہہ رہی ہو''۔ وہ ہچکچا رہی تھی۔

''چپ' زیادہ بنو مت' ایک گھنٹے بعد ان کے کندھے سے کندھا ملائے گاڑی میں بیٹھی ہوں گی اور جب ہم صبح جا کر

'' ... !''

...نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''زیادہ بدتمیزی نہیں''۔ اس نے حیا آمیز خفگی سے اسے ٹوکا۔ اور دوپٹا سر پر پھیلا کر تیزی سے لاؤنج میں آئی تھی۔ اور
...لاؤنج کا دروازہ بند کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو''۔ اس کی آواز میں حجاب سا در آیا۔

''ہوں...... ل...... السلام علیکم امی حضور!'' روشی کی کھنکھناتی آواز ایئر پیس میں ابھری' ماہین کا دل عجیب انداز میں
...دے گا۔

''پپا کے ہاں تو نکیل ڈالنے والی کوئی چیز ہی نہیں۔ آپ نے کیسے ڈالی؟'' وہ کھلکھلا رہی تھی۔

''روشی پلیز''۔ اس نے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔

''ویسے میرے پپا تو ہر قسم کی صورتحال میں بڑے رف سے محسوس ہوتے ہیں۔ آپ کو پرپوز کرتے ہوئے بھی ویسے ہی
تھے'' وہ بدستور چہک رہی تھی۔

''تم نے یہ باتیں کرنے کیلئے اتنی دور سے فون کیا ہے؟'' ماہین بھی بالآخر ہنس پڑی۔

''جی نہیں' آپ کا حال احوال پوچھنے اور پپا کی شکایت لگانے کیلئے فون کیا ہے''۔ وہ منہ بسور کر کہہ رہی تھی۔

''کیسی شکایت؟'' ماہین الجھی۔

''اپنی شادی میں ہمیں کیوں نہیں لائے۔ ہم بھی تو دیکھیں نازک نازک جذبوں میں گھرے پپا کیسے لگتے ہیں؟ کیا ہمارا
...نہیں ہے؟'' وہ بناوٹی اداسی ظاہر کرتے ہوئے بولی۔

''تم کیسی ہو؟ خوش تو ہو ناں''۔ ماہین نے بڑے محتاط انداز میں پوچھا۔

''ایک دم فرسٹ کلاس۔ خوشی سے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے''۔ وہ ہنسی۔

''کیا آپ دلہن بن چکیں؟'' وہ بڑی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

ماہین خاموش رہی۔

''نکاح ہو گیا؟'' دوسرا سوال ہوا۔

''بدتمیز...... کوئی اور بات کرو''۔ ماہین جھینپ گئی۔

''چلو ہمیں۔ کوئی اور بات کرتے ہیں۔ یہ بتائیں پپا کیسے لگ رہے ہیں؟'' وہ شریر ہوئی۔

''...وہاں آ کر تمہاری کیسی پٹائی کرتی ہوں''۔ ماہین کے ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''...تو پھر آ رہی ہیں ناں؟'' روشی کا قہقہہ بہت جاندار تھا۔

ماہین نے ریسیور رکھ دیا۔ اور گلنار چہرے کے ساتھ اوپر چلی آئی۔

''جب بیٹی نے یہ حال کر دیا ہے تو باپ کیا حال کریگا؟'' اس کی دوست تابندہ نے اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیا۔

ماہین اسے گھور کر رہ گئی۔

....

سیونتھ سی (7th C) میں ایک نئی کہانی کا آغاز ہو رہا تھا۔

باہر سمندر کی جولانیاں تھیں اور اندر یاور علی خان کے اندر طوفان کروٹیں لے رہے تھے۔ انتہائی چمکدار ... ودو پٹے اور تنگ پائجامے میں دلہن بنی ماہین گھر کی خواتین میں گھری ہوئی تھی۔ گھریلو ملازمین کے اطوار میں ... تبدیلی پیدا کر رکھی تھی۔

دلاور علی خان رونمائی میں ہیرے کا ایک کنگن دے کر اوپر اپنی خواب گاہ میں جا چکے تھے۔

یاور علی خان اپنے ایک ہم مرتبہ دوست کے ساتھ مصروف گفتگو ہونے کے باوجود ماہین پر ایک اڑتی پڑتی نظر ... تھے۔ جس سے سمیہ جانے کون کون سے قصے بیان کر رہی تھی۔ آج سے برسوں پہلے بھی منیب احمد کی ایک بیٹی دلہن ... گھر میں آئی تھی۔ جس کے فرشی غرارے کو چار ملازماؤں نے سنبھالا تھا۔ سچے کام سے بوجھل دوپٹے کو ان کی دو ... رہی تھیں۔ ملازماؤں اور بہنوں کی وجہ سے وہ دلہن سے خاصے فاصلے پر چل رہے تھے۔ ڈومنیوں نے استقبالی گیت ... تھے۔ ملازموں نے پھول اور سکے نچھاور کیے تھے۔

ان کی والدہ نے دلہن کے کمرے پر کھڑے ہو کر اس کی پیشانی پر بطور خوش آمدید بوسہ دیا تھا۔

گھر میں شور اس قدر تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ بچوں کا شور وغل۔ نوکروں کا اودھم خواتین کی ... ڈومنیوں کے حلق پھاڑ قسم کے گیت اور اس سے بھی بلند ڈھولکی کی آواز۔

جبکہ آج پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ اس گھر میں نئی دلہن آئی ہے۔ جو خاصی پرسکون حالت میں بیٹھی تھی۔

جبکہ وہ دلہن سسرال پہنچ کر بھی کافی دیر روئی تھی اور کئی بار بے ہوش ہوئی تھی۔ یاور علی خان اس کے پاس جانے ... گھبرا رہے تھے۔ کہ نازک مزاج دلہن کہیں تماشا نہ بنوا دے۔ جبکہ دلہن کے حسن کے چرچوں نے انہیں بے صبرا ... کی آنکھوں کے ڈورے یکلخت گہرے سرخ ہو گئے۔ انہوں نے سگریٹ سلگا لیا۔ آنکھوں میں خوشی اور سرمستی کے ... عجیب سی وحشت جھلکنے لگی۔

وہ معذرت کر کے وہاں سے اٹھ آئے۔ عالم تاب ان کے پیچھے پیچھے لپکیں۔

''کہاں جا رہے ہو یاور؟'' انہوں نے یاور علی خان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ٹھہرایا۔

''میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔ میں کچھ دیر آرام کروں گا۔ اور ہاں بھابی بیگم فی الحال مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے ... میں کچھ دیر تنہا رہنا چاہتا ہوں''۔

... ان کے چلے سن لئے تھے۔

... کسی لڑکی کا خواب نہیں ہوتے۔

... میں عجیب سی کوفت بھر گئی۔ مہندی، نیل پالش، انگوٹھیوں سے سجے ہاتھوں کو اس نے کچھ دیر ٹکٹکی باندھ کر ...

... سانس لے کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

... بچوں کو سلا کر پھر اس کے پاس آ گئی تھی۔

''... میں جو کنگن ان لوگوں نے مجھے چڑھائے تھے۔ ان کا ڈیزائن بالکل ایسا ہی ہے''۔ اس نے ماہین کی کلائیوں کی ...

''آپ کو معلوم ہے میرا اور آپ کا کیا رشتہ ہے؟'' سمیہ مسکرائی۔

''ہوں''۔ ماہین نے اثبات میں جواب دیا۔

''... کیا ہے؟'' سمیہ نے شرارت سے پوچھا۔

''... بہو ہیں ہم''۔ اس نے بہت آہستگی سے جواب دیا۔

... کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''... کیسی تاریخ رقم ہو رہی ہے۔ بہو ساس کو بیاہ کر لائی ہے''۔ وہ ہنسی۔

''... کو تو مارے بے صبری کے نیند بھی نہیں آئیگی۔ لڑکیوں نے الگ اس کا ناک میں دم کر رکھا ہوگا۔ کہہ رہی تھی سمیہ ... آپ کی ... ہیں۔ ہمارے باپ کی شادی میں شرکت کر رہی ہیں۔ بہت شیطان ہے۔ سب سے زیادہ امی سے اسے ہی ... پڑتی ہے۔ ڈر تو جیسے اسے کسی کا ہے ہی نہیں''۔

ماہین کو جمائیاں سی آنے لگیں۔ گزشتہ دو دنوں سے تو اس کی نیند بالکل ہی اڑی ہوئی تھی۔

''آپ کیلئے چائے یا کافی بناؤں۔ اس نیند کو بھگائیے۔ کسی کو بہت بور کریگی''۔

... نے شریر لہجے میں کہا۔

... نے جھینپ کر نظریں جھکا لیں۔

''سمیہ!'' عالم تاب بہو سے مخاطب ہوئیں۔

''جی امی؟'' سمیہ ایک دم مودب ہو گئی۔

''میرا خیال ہے کہ ماہین کو کمرے میں چھوڑ آؤ۔ اگر یاور آرام کر رہے ہیں تو یہ کیا کہتی ہیں۔ یہ بھی آرام کر لیں گی۔ ٹھیک ... ہے نا؟''

... کو ایک وقت میں کئی کام نمٹانے کی عادت تھی۔ ادھر سمیہ سے مخاطب تھیں۔ دوسری جانب کلو کو خاصدان ... کر رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے امی۔ سر میں زیادہ درد ہو رہا ہو گا تو سر ہی دبا دیں گی۔ یاور چچا کا فائدہ ہی ہو گا کوئی نقصان تو نہیں ہو گا''۔

اس نے ماہین کے کان میں سرگوشی کی۔

ماہین کے چہرے پر الوہی سے رنگ بکھر گئے۔

وہ دونوں زینے طے کر کے اوپر آئیں۔ اپنے پیچھے قدموں کی چاپ پر سمیہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ کوئی

بلا کی طرح سر پر منڈلا رہی ہیں''۔ سمیہ نے ڈپٹا۔

وہ ڈانٹ کھاتے ہی بھاگ لی۔

''بہت ہی شوق ہے اسے دلہنیں دیکھنے کا۔ اب دیکھئے گا جب تک آپ میں سے ''تازہ دلہن'' کی خوشبو

سائے کی طرح آپ کے ساتھ لگی رہے گی۔ ذاتی تجربہ ہے''۔ سمیہ ہنسی اور دروازہ پر دستک دی۔

ماہین بھی اس کی دلچسپی پر مسکرا رہی تھی۔

''کون؟'' یاور علی خان کی بوجھل آواز آئی۔

''ہم ہیں چچا...... آ جائیں؟''

''ہوں''۔ غالباً یہ اجازت تھی۔

سمیہ نے دروازہ کھولا اور ماہین کو تھامے اندر چلی آئی۔ یاور علی خان سفید کرتے پاجامے میں ملبوس بیڈ پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ماہین کو دیکھ کر بھی ان کے انداز نشست میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

''آپ کیلئے کافی بھجواؤں؟'' ماہین کو بیڈ پر ٹکاتے ہوئے سمیہ یاور علی خان سے مخاطب تھی۔

''نہیں''۔ انہوں نے دوٹوک جواب دیا۔

''سمیہ'' ماہین کا ہاتھ دبا کر خاموشی سے باہر چلی گئی' اس نے بہت آہستگی سے دروازہ بند کر لیا تھا۔

''ماہین اس طرح بیٹھی تھی کہ یاور علی خان اس کی پشت پر تھے۔

''آپ چینج کر لیں اور ایزی ہو جائیں۔ برسوں بعد ذہن کچھ ریلیکس ہوا ہے۔ میں بہت سارا سونا چاہتا ہوں اب سے دیر تک۔ امید ہے' آپ اچھے لائف پارٹنر کی طرح میرے احساسات کا پاس کریں گی''۔ غالباً وہ سونے کا ارادہ کر چکے تھے۔

الفاظ اگرچہ بہت منتخب تھے مگر اعصاب کیلئے اینٹ پتھر سے کم نہیں تھے۔

اس کے سارے لطیف احساسات ہوا ہو گئے۔

اس نے آہستگی سے دوپٹے کی پنیں نکالنا شروع کر دیں۔ اتنے دلدر۔ اتنا کشٹ اور ایک نظر بھی نہیں۔ سے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

مرد بھی کیا ہے جیسے کوئی امتحانی پرچہ......

ساری عمر حل کرتے رہو۔

یہ وہی ہیں۔ جو پرپوز کرتے وقت تھے۔ دو موتی اس کے رخساروں پر ڈھلک آئے۔

...

...

...گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

...کمر سیدھے لیٹے تھے۔

...صوفے پر اچھال دیا اور پاؤں سینڈل سے آزاد کر کے بے آواز وارڈ روب تک آئی۔

...بہت خوبصورت بے بی پنک نائٹی لٹکی ہوئی تھی۔ اس نے کوفت بھرے انداز میں اسے ایک طرف سرکا دیا۔ اور

...بلیو کلر کی نکال لی۔ جس پر بہت ہلکا کام بنا ہوا تھا۔ سب کپڑوں میں اسے وہی نسبتاً آرام دہ نظر آیا تھا۔

...لباس تبدیل کیا اور باہر آ گئی۔ میک اپ اگرچہ بہت ہلکا تھا۔ پھر بھی سونے سے پہلے صاف کرنا تو ضروری تھا۔

...کوفت اور کاہلی سوار ہو گئی تھی۔ نائٹ بلب اس نے جان بوجھ کر نہیں جلایا۔ ایک کشن اٹھا کر صوفے پر تکیے

...دراز ہو گئی۔

...چھوٹی سی نہیں تھی۔ دل کیوں نہ بھر آتا۔ آنسو ایک تواتر سے بہنے لگے۔

...احساسات کیلئے کتنے کانشس ہیں۔ یہاں یہ حال کہ رونمائی میں ایک پھول بھی نہیں''۔ وہ بہت دیر تک روتی

...

...اپنی سوں سوں پر بھی بہت کنٹرول کیا ہوا تھا۔ پھر بھی عجیب طرح کی بے اختیاری تھی۔

...سا پہر تھا جب اسے وہم سا ہوا کہ یاور علی خان نے اسے آواز دی ہے۔ اس کے سارے حواس جاگ گئے۔

"ماہین!" واقعی وہ اسے آواز دے رہے تھے۔

وہ چپ لیٹی رہی۔

"مجھے پتا ہے تم جاگ رہی ہو"۔ ان کی بوجھل آواز نے ماحول میں ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔

"...کی صاحب ضابطے کی کارروائی نظر انداز کر سکتے ہیں تو پھر ہم تو ...لوگ ہیں۔ آپ مجھے آواز نہ دیں۔ میں سونا

...ہوں"۔

...آواز پر آنسوؤں کا اثر تھا۔ اس نے کروٹ لے کر آنکھیں موند لی تھیں۔

....

"...تم انہیں ...ہی کہو گی۔ بڑا عجیب سا لگے گا"۔ ...کو گتھیاں سلجھانے کا بڑا شوق رہتا تھا۔

...اپ ٹو ڈیٹ سی ہیں۔ انہیں ممی بھی کہا جا سکتا ہے''۔ ...نے اپنی عقل کے کچھ کیڑے جھاڑنے کی کوشش

...بحث کرتی رہتی ہو تم لوگ۔ جو رشتہ قائم ہو چکا۔ اس حوالے سے اگر انہیں اماں جی بھی کہہ دیا جائے تو کیا

...نے اپنے حصے کی ...مداخلت کی۔

''آپ تو بس رہنے ہی دیا کریں آپا''۔ روبی نے جل کرانہیں دیکھا۔

''بھئی، ہمیں تو بالکل بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس شادی میں سارے گھر والے کیوں شریک نہ تھے۔؟'' مونا کو عدم شرکت کا بڑا قلق تھا۔

''دوسروں کی دلہنیں آئے دن دیکھتے رہتے ہیں۔ اپنے ہاں کی دیکھنے کو ملتی ہیں تو باسی''۔

''وہ آجائیں یہاں ہم انہیں تازہ کرلیں گے''۔ زری نے دلاسا دیا۔

''لو بھلا یہ ''دلہن'' تازہ کریں گی''۔ گلو منہ دبا کر ہنسیں۔

زری خفیف سی ہو کر رہ گئی۔

''ہائے لگی تو بڑی پیاری ہوں گی۔ سمیہ بھابی کے بڑے مزے ہیں۔ بڑی امی انہیں ہر جگہ ساتھ لئے پھرتی ہیں'' اپنی قمیض کی کڑھائی کے دوران رشک کرنے کی فرصت ملی۔

''وہ بہو جو ہیں اس گھر کی''۔ بیہ نے یاد دلایا۔

''بہو ہونے میں بھی بڑے مزے ہیں''۔ لالی نے ٹکڑا لگایا۔

''فکر نہ کرو۔ تم بھی کل کو کسی کی بہو بنوگی۔ پھر یونہی ساس کے ساتھ لٹکوگی''۔ مونا نے دلاسا دیا۔

''ہائے مونا باجی۔ کچھ کریں نہ کریں آپ۔ باتیں بڑی اچھی کرتی ہیں''۔

لالی نے ایک آہ سرد کھینچی۔

''خاصی مایوس ہو۔ کس طرح افاقہ ہوسکتا ہے؟'' روبی نے ہمدردی کی۔

''ظاہر ہے جلد شادی ہی سے''۔ تانیہ بہت آخر میں حصہ لیتی تھی۔ اس وقت تو ویسے بھی نوٹس تیار کررہی تھی۔

''مگر وہاج بھائی تو ابھی پڑھنے باہر جائینگے''۔

تانیہ بچپن ہی سے اپنے کزن وہاج سے منسوب تھی اس کی وجہ شاید ان دونوں کی مائیں تھی جو کزنز ہونے کے ساتھ گہری سہیلیاں بھی تھیں۔

''کہیں انہیں ہی وہاں کوئی پٹی پڑھانے نہ بیٹھ جائے۔ جیسے کہ کاکا جان لے آئے تھے۔ اپنے ساتھ گوروں کی نقل''

''وہ صرف گوروں ہی کی غلطی نہیں تھی کاکا جان کی بھی غلطی تھی''۔

شینو کی ویسے بھی دوسرے کی غلطیوں پر نظر رہتی تھی۔

''کیوں بے چاری تانیہ کو ڈرا رہی ہو۔ ویسے ہی ہوا سے ہل جاتی ہے۔ کوئی روگ دوگ لگ گیا تو سمجھو بے چاری''۔

گلو ہمیشہ سے ہی ہمدردانہ رول ادا کرنے کیلئے وقف تھیں یا خود کو کر رکھا تھا۔

''ایک تو تم لوگوں سے بھی حد ہے۔ ہم پپا اور خالہ کے بارے میں بات کر رہے تھے''۔ روشی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

''... ہم اسی طرف آرہے ہیں''۔ روبی نے تسلی دی۔

''... وہ لوگ آج رات پہنچ رہے ہیں۔ اطلاعاً عرض ہے''۔ وہ جل کر رہ گئی۔

''... طرح آئیں تو جانے کب پہنچو گی۔''

''... تو بات کہاں سے شروع ہوئی تھی''۔

''... تم کس طرح استقبال کرو گی۔ جیسے فلموں میں بچھڑی ہوئی بیٹی ایک ہولناک چیخ مار کر ماں کے گلے لگتی ہے''۔ لالی ... نے کہا۔

''... میں بچھڑی ہوئی بیٹی نہیں ہوں''۔ اس نے سلگ کر تصحیح کی۔

''... ان کو امی کہوں گی نہ ممی۔ میں انہیں خالہ ہی کہوں گی۔ تبدیلی پپا کی زندگی میں آئی ہے۔ وہ تو ان کے ساتھ ہی جا ...'' اس نے فیصلہ سنا دیا۔

''... تم تو ویسے بھی پرورش ہو چکیں''۔ بیہ نے گرہ لگائی۔

''... پروان چڑھ چکیں''۔ شینو نے اپنی مخصوص ہنسی کے ساتھ تصحیح کی۔

''یا اللہ!'' گلو ہنس ہنس کر دہری ہورہی تھیں۔ ان کی بچگانہ باتوں پر ان کی شفیق اور سنجیدہ طبیعت گدگدا کر رہ جاتی تھی۔

''اے..... باری سے پوچھو۔ یاور ماموں کب پہنچیں گے؟'' مونا نے بیہ کو مخاطب کیا۔

''کیوں۔ کیا باری کے علاوہ اور کسی کو معلوم نہیں ہوگا خوامخواہ کسی کو اتنی اہمیت دینا''۔ روشی نے منہ بنایا۔

شینو نے چونک کر روشی کی صورت دیکھی۔ پھر مسکرا کر گنگنانے لگیں

جل کے دل خاک ہوا آنکھ سے رویا نہ گیا

''جلیں ہمارے دشمنوں کے دل''۔ روشی بڑبڑائی۔

''... تو گانا گارہی ہیں۔ تم ہر بات اپنے اوپر کیوں لے جاتی ہو''۔ زری نے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ انہیں میری ہی کسی بات پر نغمات یاد آتے ہیں۔ بڑی آئیں کہیں کی میڈم نور جہاں''۔ اس نے اپنی فائل اور ... جھٹکے کے انداز میں اٹھائیں۔

''ویسے آج کل باری کی چہل پہل میں خاصی کمی واقع ہوگئی ہے۔ بڑا آرام دے رہے ہیں بابا صاحب''۔ گلو ہنس رہی تھیں۔

''... کی بات تو ہے۔ اب تو دیکھ کر مسکراتا بھی نہیں''۔ تانیہ نے سادگی سے کہا۔

''... دیکھ کر مسکرایا تھا؟'' مونا نے شرارت سے اسے گھورا۔

''... کی تو عادت ہے مسکرانے کی''۔ تانیہ جواباً گھور کر رہ گئی۔

''... دیکھ کر تو کبھی نہیں مسکرایا۔ ہم یہ سمجھ کر نظر انداز کرتے رہے کہ دانت پورے نہیں ہوں گے''۔ شینو ہنسیں۔

''... دانت تو اس کے بہت خوبصورت ہیں''۔ لالی نے معصومیت اور برجستگی سے کہا۔ ہال کمرے میں قہقہوں کا ...

''اچھا یہ بتاؤ۔ پورے بتیس ہیں''۔ زری ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں۔

''نہیں...... ابھی عقل داڑھ نہیں نکلی''۔ شینو نے کن اکھیوں سے روشی کی طرف دیکھا۔

''خیر' وہ تو پورا ہی خوبصورت ہے''۔ روبی نے شریر انداز میں کہا۔

''کیا آپ لوگ ہر وقت باری' باری کرتے رہتے ہیں؟'' روشی نے تلخی سے ٹوکا۔

''بھئی اس نام کی تو سب کو عادت ہے' فرق یہ ہے کہ کوئی منہ سے نکال دیتا ہے کوئی دل ہی دل میں لیتا ہے۔ ... وہ سب ہی کو رہتا ہے''۔

شینو کب باز آنے والی تھیں۔ ساتھ گنگنانا بھی شروع کر دیا تھا

دل تم کو دیدیا ہے اس کا خیال رکھنا

''اسے دل دینے والا بڑا ہی بے وقوف ہوگا۔ گھوڑوں کے چارے میں گم کر دے گا''۔

روبی نے گرہ لگائی۔

''اس کا زیادہ وقت گھوڑوں میں گزرتا ہے۔ میں تو اس کے آگے چلتے ہوئے بھی گھبرا جاتی ہوں۔ کہیں پیچھے ... تک کی آوازیں نہ آنے لگیں''۔

بے ساختہ قہقہے ابھرے تھے۔

''ارے اب ایسا بھی گھوڑا پرست نہیں۔ بے چارے کی جاب ہی ایسی ہے''۔

تانیہ کو کسی کی درگت بنتے دیکھ کر بڑی جلدی ترس آ جاتا تھا۔

''بعض انسانوں کی بھی پرسنش کر سکتا ہے۔ گٹس ہیں اس میں''۔ شینو نے قہقہہ لگایا۔

روشی نے اپنی کتابیں اٹھائیں جو وہ نوٹس تیار کرنے کی غرض سے ساتھ رکھے ہوئے تھی اور باہر نکل گئی۔

''ہونہہ...... گٹس ہیں۔ چیر ڈان (دلکش اوباش) نان سنس''۔

سامنے ہی پیازی رنگ کے کرتا شلوار میں ملبوس پاؤں میں سبک سی چپل ڈالے جھومر چلی آ رہی تھی۔

روشی ٹھٹک کر رک گئی۔ ''یہ محترمہ ادھر کدھر؟''

''آپ یہاں کیسے''۔ وہ اپنی سرد مہری چھپا نہ سکی۔

''بعض ضروری لوگ تو اس طرف آتے ہی نہیں۔ ہم نے سوچا' چودھرانی صاحبہ' کراچی گئی ہوئی ہیں' اچھا موقع ... طرف کی سیر کا''۔

''یہاں کون سے غنچے چٹک رہے ہیں جو آپ سیر کی غرض سے تشریف لائی ہیں؟''

وہ بڑے تلخ اور طنزیہ انداز میں گویا ہوئی۔

''غنچے نہ سہی' غنچہ تو چٹکتا ہے''۔ وہ بڑے سروں میں ہنسی۔

''مگر لگتا ہے' آپ چٹکنے نہیں دیں گی''۔ اس کے لہجے میں زہر ابھر آیا۔

... آ رہی تھی۔ جھومر کو دیکھ کر چونک پڑی۔ چند ثانیے کو اپنی جگہ پر رک گئی۔

''... باری کہاں ہے؟'' روشی نے ماما کو مخاطب کیا۔

''... پورٹ گاڑی لے کر جائیں گے ناں۔ تیار ہو رہے ہیں۔ دو گاڑیاں جائینگی ناں۔ ایک ڈرائیور لے کر جا رہا ...

... آپ بھی چلے جاؤ خان کے ساتھ خوشی کا موقع ہے''۔

''... خوشی ملی ہے اس حویلی کو؟'' جھومر کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

''آپ اپنی توانائی ضائع نہ کریں۔ آپ کے مطلب کی ادھر کوئی بات نہیں''۔

''... ذرا جلدی سے باری کو تو بلا دیں''۔ اس نے جھومر کی طرف رخ موڑ کر ماما کو مخاطب کیا۔

''... کدھر؟'' ماما جاتے جاتے پلٹی۔

''... ادھر ہی۔ دیکھو ذرا جلدی۔ چلیں خوش ہو جائیں۔ آپ کا طوفانی دورہ بیکار نہیں گیا''۔

''... منہ سے شکریہ ادا کریں''۔ جھومر کھلکھلائی۔

... جیسے شعلوں میں گھر گئی۔

''... ہیں آپ کے''۔ اس نے بظاہر مذاق کیا۔

... باری تیزی سے زینے طے کرتا نیچے آیا مگر درمیان ہی میں رک گیا جیسے فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ آگے بڑھے یا واپس ... بلیک سفاری سوٹ میں نک سک سے تیار وہ بالکل پرسکون اور فریش نظر آ رہا تھا۔

''... کیا پتھر بن گئے؟'' روشی بڑی زہریلی ہنسی ہنس کر بولی۔

''... ایسی تو کوئی بات نہیں''۔ وہ سنبھل کر آگے بڑھا۔

''... جھومر بھابی آپ کو ڈھونڈتی پھر رہی ہیں۔ میں تو خود بہت مصروف ہوں پھر بھی سوچا' ان کی مدد ہی کر دوں۔ کوئی ... تو نہیں؟'' روشی معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

''... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ البتہ اگر آپ کو ہو تو''۔ وہ خاموش ہو گیا۔

''... گئے ہیں۔ کر لیجئے ضروری بات۔ پھر موقع ملے نہ ملے۔ اب میں جا سکتی ہوں؟'' اس نے باری کی طرف دیکھا۔

''... آپ کہیں نہیں جائینگی۔ ایسا کوئی کانفیڈنشل نہیں کہ آپ کو غائب کرنا ضروری ہو۔ جی فرمایئے۔ کیا ہے وہ ... بات''۔ وہ جھومر کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بہت پرسکون نظر آ رہی تھی۔

''... بیٹھتے ہیں''۔ جھومر اس سے زیادہ پرسکون تھی۔

''... جلدی میں ہوں۔ راستہ خاصا لمبا ہے۔ ویسے میرے اور آپ کے درمیان کسی ضروری بات کا کوئی تعلق نہیں۔ ... کی زحمت نہ کیجئے گا۔ پلیز۔ اوکے؟''

''... نہیں ہوتے۔ بعد میں بھی ہو جاتے ہیں''۔ جھومر نے بڑے نڈر انداز میں کہا۔

''... ایک بات یہاں حویلی میں نوٹ نہیں کی۔ یہاں مردانہ زنانہ الگ الگ ہوتا ہے۔ سوائے میرے

یہاں سے وہاں کوئی دندناتا نظر نہیں آئے گا۔ ایسا کیوں ہے؟

صرف اس لئے کہ کوٹ کوٹ کر میرے اندر یہ بات اتار دی گئی ہے کہ حویلی کی تمام چھوٹی بڑی خواتین واجب الاحترام ہیں۔ مجھے ہمیشہ ان سے احترام کا رشتہ استوار کرنا ہوگا۔ اس سے ہٹ کر میں کچھ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی ایسا سوچتا ہے تو مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ صرف اور صرف ہمدردی السلام علیکم۔

جھومر نے ایک خیال سے چونک کر بڑی پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ روشی کی طرف دیکھا۔

''میں ٹھیک کرلوں گی اسے۔ نسلاً افغانی ہوں جو جیتنے کیلئے لڑتے ہیں''۔

اس نے بڑے اعتماد سے کہا اور اسی راستے کی طرف چل پڑی جہاں سے آئی تھی۔

روشی کی تو خاک سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس ذرا دیر میں ہوا کیا ہے۔

''اگلی ملاقات میں دیکھنا کیسے چھکے چھڑاؤں گی۔ تم بھی موجود رہنا۔ بڑا مزا آئے گا''۔

وہ اس سے کچھ فاصلے پر گویا ہوئی اور پھر پلٹ کر چل دی۔

روشی حیران پریشان سی کھڑی رہ گئی تھی۔

رات گیارہ بجے تک لڑکیوں نے پورے جوش و خروش سے دلہن کا انتظار کیا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے تک ان پر جمائیاں آنے لگی تھیں۔ وہ ہال کمرے ہی میں ادھر ادھر ڈھیر ہوگئی تھیں۔

نوکروں کو جاگتے رہنے کی ہدایت تھی۔ وہ ادھر ادھر آجا رہے تھے۔ ان سب میں ماما بلی کی کارکردگی سب پر... پونے بارہ بجے کسی نے آکر ہال کمرے میں ہلچل مچائی تھی کہ دلہن آگئی۔ سب سے لمبی جست روشی کی تھی۔ ... میں کپڑے سرپٹ دوڑتی ہوئی پورٹیکو میں آئی تھی۔

آنے والے سب وہیں جمع تھے۔ سمیہ نے گود میں بیٹے کو لینے کے باوجود ماہین کو شانوں سے تھام رکھا تھا۔

روشی چند ثانیے اپنی جگہ پر ٹھٹکی پھر ایک دم ماہین سے لپٹ گئی۔ وہ بری طرح رو رہی تھی۔ جوابی کارروائی کے ... ماہین نے بھی رونا شروع کر دیا تھا۔

''ارے...... یہ کیا کرنے لگیں۔ خوشی کا موقع ہے۔ خوشی کی طرح مناؤ''۔

عالم تاب نے دونوں کو الگ الگ کیا۔ ساری لڑکیاں اور خواتین بھی وہاں آموجود ہوئی تھیں۔

''بری بات ہے۔ بھلا رونے کا کون سا موقع ہے''۔

''چلو...... اندر''۔ بابا صاحب چھڑی نکالتے ہوئے سب سے پہلے آگے بڑھ گئے۔ باقی لوگ ان کے پیچھے ... کی طرف چل پڑے تھے۔

''ہال کمرے کی تمام لائٹیں آن کر دی گئی تھیں۔ میرون ساڑھی میں ملبوس ماہین چہرے سے بہت معصوم نظر ...

روشی اس کے پہلو میں بیٹھ گئی تھی۔ باقی لوگ ہنسے ہوئے بڑے بڑے پرشوق انداز میں دلہن دیکھ رہے تھے۔

''آپ یقین کریں خالہ! مارے خوشی کے میری بری حالت ہے، میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں آپ سے ...

... نے ماہین کا مہندی رچا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔

... کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''آپ تو سفر سے بہت تھک گئی ہوں گی۔ کیا فلائٹ لیٹ تھی؟ باری تو جانے کب سے گیا ہوا تھا''۔

... نے محبت سے ماہین کا چہرہ دیکھا۔

''کھانا تو ہم کھا چکے، تم ماما بلی سے کہہ کر یاور کے کمرے میں دودھ بھجوادو''۔ عالم تاب نے بہو سے کہا۔ سمیہ فوراً باہر ... گئی۔

''... ماہین۔ اب تم بھی آرام کرو۔ صبح سے بیٹھی ہوئی ہو۔ رونمائی وغیرہ سب صبح کرلیں گے۔ تعارف تو تمہارا سب سے ... ہو چکا ہے پہلے''۔

... نے ماہین کو شانوں سے تھام کر اٹھایا۔

''... لڑکیو! اب تم بھی سو جاؤ۔ صبح کو دلہن سے بات کرنا۔ چلو شاباش''۔

''میں بھی چلوں خالہ کے ساتھ؟'' روشی پرشوق انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اوں ہوں۔ تم بھی آرام کرو''۔ عالم تاب نے اسے ٹوک دیا۔

... ماہین کو لے کر یاور علی خان کے بیڈروم میں چلی آئیں۔

... علی خان صوفے پر نیم دراز اسی طرح سونڈ بونڈ سگریٹ کا دھواں اڑا رہے تھے۔ ماہین اور بھاوج کو دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے ناں یاور؟'' عالم تاب ان کے قریب جا کر پوچھنے لگیں۔

''جی بھابی بیگم۔ طبیعت ٹھیک ہے۔ اور اب ٹھیک ہو جانا چاہیے''۔

ان کا انداز پراسرار سا تھا۔ ابھی تک ایک نگاہ غلط بھی انہوں نے ماہین پر نہیں ڈالی تھی۔

''... کپڑے وغیرہ تبدیل کرلو۔ چائے یا کافی بھجواؤں؟'' انہوں نے جاتے جاتے پوچھا۔

''نہیں...... برسوں بعد تو ٹوٹ کر نیند آنا شروع ہوئی ہے۔ بہت سونا چاہتا ہوں''۔ ان کے لہجے میں تھکن کا تاثر تھا۔

... اتارتے اتارتے ماہین نے چونک کر ان کا چہرہ دیکھا۔ مگر کچھ کھوج نہ سکی۔

''بھابی بیگم!'' انہوں نے جاتے ہوئے عالم تاب کو آواز دی۔

''ہوں؟'' وہ رک گئیں۔

''... ایک ضروری کام یاد ہے ناں آپ کو۔ پہلی فرصت میں وہاں کہلوا دیجئے کہ نازنین کی بہن ماہین سے میں نے ... اور ماہین اب حویلی میں موجود ہیں''۔

... نے ایک الجھی ہوئی نظر ماہین پر ڈالی۔

''... اطلاع ... فکر نہ کرو''۔ وہ بولیں۔

''صبح بہت دیر سے ہوتی ہے''۔ انہوں نے گلے سے ٹائی کھینچتے ہوئے بےزاری سے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے''۔ وہ آہستگی سے بولیں اور باہر نکل گئیں۔

ماہین حیران پریشان ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان کا مبہم سا پیغام اس کے خاک بھی پلے نہیں پڑا تھا۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

ماہین ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر زیورات اتارنے لگی تھی مگر اس کی ساری حسیات یاور علی خان کی طرف متوجہ تھیں۔

اس نے چوڑیوں سمیت تمام زیورات اتار ڈالے تھے۔ صرف ایک کنگن دائیں کلائی میں رہنے دیا تھا۔

یاور علی خان عین اس کے پیچھے آ کھڑے ہوئے تھے اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہے تھے۔

''آپ کو تو بہت تھکن ہو گئی ہوگی؟'' انہوں نے آئینے میں اسے دیکھتے ہوئے مخاطب کیا۔

''ظاہر ہے پلین تو میں نے ہی گھسیٹا تھا''۔ وہ باوجود کوشش کے اپنے لہجے کی تلخی نہ چھپا پائی۔

یاور علی خان کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''آپ نے سارے زیورات اتار ڈالے۔ ہم نے تو ٹھیک سے آپ کو دیکھا بھی نہیں''۔ وہ ٹائی کھینچ کر اتارتے ہوئے اس کی طرف بڑھے۔

''آپ کو ضرورت بھی نہیں ہے کچھ دیکھنے دکھانے کی''۔ وہ تنک کر بولی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

یاور علی خان نے خاموشی اختیار کر لی۔ وہ قمیض اتار کر صوفے پر پھینک چکے تھے۔

ماہین کے سامنے یہ ان کی پہلی بے تکلفی تھی۔ ماہین نظریں چرا کر اپنا سوٹ کیس کھول کر جھک گئی۔ ...ساڑھی نے اسے عاجز بنا دیا تھا۔ پہنی بھی پہلی مرتبہ تھی' اس لئے بہت الجھ رہی تھی۔ وہ جلد سے جلد پیچھا چھڑا... جلد سے جلد کوئی آرام دہ لباس پہن لے۔

وہ بیڈ پر اس طرح بیٹھ گئے تھے کہ جیسے دیر تک اٹھنے کا پروگرام نہ ہو۔ دونوں ہاتھ پشت کی طرف کرکے ... ہوئے...... وہ بغور اسے سوٹ کیس الٹ پلٹ کرتے دیکھ رہے تھے۔

''ماہین''۔

''جی''۔ اس کا انداز ہنوز سرد تھا۔

''بات سنو''۔

''سنائیے! سن رہی ہوں''۔ اس کے انداز میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

''اس طرح نہیں یہاں آؤ''۔

ان کے لہجے میں ایک خاص کیفیت محسوس ہوتے ہی ماہین کا دل بہت تیز تیز دھڑکنے لگا۔

جب یہ انداز نہیں تھا تو بھی الجھن تھی۔ اب انداز بدلا تو بھی مشکل ہو رہی تھی۔ وہ سیدھی ہونے کے بجائے ... مصروف رہی۔

''میں کچھ کہہ رہا ہوں ماہین''۔ ان کے انداز میں بلا کی رسانیت تھی۔

''میں سن رہی ہوں ناں''۔ اس نے بھی قدرے دھیمے پن کا مظاہرہ کیا۔

''ماہین! پلیز ادھر آؤ''۔

ماہین عجیب بے بسی کے عالم میں سیدھی ہوگئی کہ بات مانے تو مشکل نہ مانے تو اس سے زیادہ مشکل۔

وہ سوٹ کیس اسی طرح کھلا چھوڑ کر ان کے قریب چلی آئی۔

''جی''۔

''بیٹھ جاؤ''۔ ان کے انداز نشست میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

اس نے بیڈ پر نظریں دوڑا کر اپنے بیٹھنے کیلئے مناسب جگہ تلاش کی۔ پھر ان سے کچھ فاصلے پر بالکل کنارے پر ... اس طرح سے کہ جیسے موقع پاتے ہی بھاگ کھڑی ہوگی۔ ان کے بدلے ہوئے لب و لہجے پر اس کی گھبراہٹ ... اسی وجہ سے نظریں اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

''پتا نہیں کیوں یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم مجھ سے بہت ناراض ہو؟''

ان کی نظریں آج بالکل ہی دوسرا انداز لئے ہوئے تھیں جو اس کیلئے بالکل نیا تھا۔ لگتا تھا دل پسلیاں توڑ کر ... گا۔ ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ رہی تھیں۔

''نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس وہ میرا دل چاہ رہا تھا کہ کپڑے تبدیل کرکے جلدی سے سو جاؤں نیند ...

... کر بڑا اپنا تلا جواب تلاش کیا۔

... آپ کے ہمارے ساتھ گزرے ہیں' ان میں سے سترہ گھنٹے آپ نے سو کر گزارے ہیں۔ کیا ...

... نشست بدلا اور آگے کی طرف جھک کر سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ کیس اور لائٹر اٹھایا۔

... کمرے میں تنہا ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ سو رہا ہے''۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

... کرنا چاہیے کہ وہ کیا کر رہا ہے؟'' انہوں نے سگریٹ سلگائی۔

... اپنے کسی ضروری کام میں بھی مصروف ہو سکتا ہے۔ تنہائی میں انسان مطالعہ بھی کر رہا ہوتا ہے''۔

... اوقات رو بھی رہا ہوتا ہے''۔

... اس کی بات کاٹتے ہوئے سارا دھواں اس کی طرف چھوڑ دیا۔ یہ ان کی اپنی منکوحہ کے ساتھ پہلی لطیف سی ...

... چونک کر ان کی سمت دیکھا۔ ساتھ ہی ہاتھ سے سامنے سے دھواں اڑایا۔ حلق میں آنسوؤں کے پھندے لگنے ...

... بے حسی ہوتی ہے کہ پتا ہوتا ہے کوئی رو رہا ہے' اس کے باوجود اس کے احساسات نظر انداز کر دیئے جائیں ...

... بھرے لہجے میں جواب دیا۔

... اوقات ہمیں جن سے شکایت ہو جاتی ہے' وہ ہم سے بھی بڑے دکھ سے گزر رہے ہوتے ہیں' یوں بھی سوچنا ...

... نے اس کے چہرے پر ایک گہری اور حقدار نگاہ ڈالی اور گہرا کش لگایا۔

... شیئر کرنا چاہیے ناں''۔ وہ نظریں جھکائے رسانیت سے بولی۔

... میرا اصول ذرا مختلف ہے۔ خوشیاں شیئر کرنے کیلئے اور دکھ سہنے کیلئے ہوتے ہیں۔ یعنی جس کا دکھ ہے وہ خود سہے ...

''... کا ڈھنڈورا نہیں؟'' اس نے طنزیہ کہا۔

... بات کٹ گئی تھی۔

... ہوتی ہے۔ ڈھنڈورے غیروں کے سامنے ہوتے ہیں''۔

... سے دیکھتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں مسکرائے۔ بظاہر کش لگا رہے تھے۔

... کی تمام حسیات چوکس ہوگئیں۔ خفگی اور بحث میں وہ جیسے اس نئے نئے نوخیز سے تعلق کو ہی بھول گئی ... میں پہنچی ہوئی تھی۔ ایک دم جیسے سب کچھ ہی بھول گیا کہ وہ کیا بتا رہے تھے اور وہ خود کیا کہہ رہی ... سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ری ایکٹ کرے۔

یاور علی خان نے سگریٹ بائیں ہاتھ میں پکڑ کر دایاں ہاتھ بڑھایا اور اس کا چھوٹا سا خوبصورت ہاتھ [illegible] استحقاق استعمال کرتے ہوئے چھوٹی سی شرارت کر ڈالی۔

"بتایئے دو دن ہو گئے ہماری شادی کو اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ کے ہاتھ اتنے خوبصورت ہیں [illegible]" اتنا اچانک حملہ تھا کہ ماہین شپٹا کر رہ گئی، مگر ہاتھ ان کی گرفت سے آزاد نہ کرا سکی۔

"جب کچھ ہماری مرضی کے مطابق نہ ہو رہا ہو تو بدگمان ہونے سے پہلے یہ بھی سوچ لینا چاہیے کہ [illegible] سے دوچار نہ ہوا سے کوئی الجھن نہ ہو، اس کی طبیعت کسی وجہ سے ناساز نہ ہو۔"

"جو بدگمان ہونے میں جلدی کرتے ہیں، وہ اچھے رفیق کیسے ہو سکتے ہیں؟"

ماہین نے ان کی مدلل قسم کی ذات کے سامنے آج پہلی بار مکمل طور پر خود کو بے بس محسوس کیا تھا۔ اس کی گھبراہٹ [illegible] تھا کہ اس کی مہندی سے رچی ہتھیلی سے اتنا پسینہ پھوٹ نکلا تھا کہ یاور علی خان کا ہاتھ بھی نم ہو چکا تھا۔

.....

"خان! مشکل وچ تے اساں دی جان پے گئی اے کہ میں؟" سرسوتی بیچ راہداری میں باری کو روکے ہوئے [illegible] میں مصروف تھی۔

"اس کے پاس چابی کہاں سے آئی؟" بنیادی سوال باری کے ذہن میں فوراً ہی آیا تھا۔

"چابی تمہارے پاس سے اس کے پاس پہنچی کیسے؟" باری کی پیشانی شکن آلود تھی۔

"اے ای تو تساں نوں دس رئی آں...... اساں نی تے نیندر (نیند) موت ورگی ہوندی اے، میں اٹھی نئیں [illegible] اناں نے چابی......!"

سرسوتی ہندکو میں اعتراف جرم کرتے کرتے پھر رک گئی۔

"تم اتنا لیٹ بتا رہی ہو مجھے۔"

"اناں نی منتاں کر رئی ساں، پر او نئیں منے تے فیر مجبوری تساں نوں آکھ رئی آں، خاں بچا لیو [illegible]...... تساں نوں رب دا واسطہ اے خان، بہوتا چنگا جی اے تساں دا۔ دسو مینوں میں کی کرساں؟" وہ رو رہی تھی۔

"کھانے کے وقت دروازہ کیسے کھلتا ہے۔" باری نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"او ہی کھولدے نے...... او ہی بند کر دے نیں...... بک میں مندے اساں نی"۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو [illegible]

"اب رونے کا کیا مطلب ہے؟ تم جاؤ میں ادھر کے کام نمٹا کر پیچھے جاؤں گا، تم آرام سے سو جاؤ [illegible] دے دی تو تمہیں دے دوں گا اگر...... خیر، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، کچھ نہیں ہوگا، جاؤ تم۔"

"جیوندے رو جی...... رب لمی عمر دے"۔ وہ فقیرانہ انداز میں دعا دیتی آگے بڑھ گئی۔

اور وہ کچن کی طرف آ گیا۔

میدان کارزار میں اترنے سے پہلے کچھ سوچنا تو تھا، اب تو بغیر پلاننگ کے وہ پیچھے جا ہی نہیں سکتا تھا۔

کچن میں اس وقت اپنی مرضی کی چائے بناتے ہوئے اچھا خاصا غور و خوض کیا جا سکتا تھا۔ وہاں سے پچھواڑے کی [illegible] بغیر روک ٹوک کے اور "دوسروں" کی نظروں میں آئے بغیر جایا جا سکتا تھا۔

[illegible] داخل ہوتے ہی بے چاری، ازلی مصروف ماما بلی سے سامنا ہو گیا۔

"[illegible] ابھی تک سوئیں نہیں ماما؟" اس نے پہلی رکاوٹ پر صبر کا گھونٹ بھرا۔

"آج ذرا دیر تو ہونا ہی تھی خان، گھر میں نئی دلہن آئی ہے"۔ ماما پر ابھی تک خوشی کا دورہ پڑا ہوا تھا۔

"ہوں"۔ وہ غائب دماغی سے "ہوں" کہہ کر رہ گیا۔

"چائے بناؤں خان؟"

"نہیں ماما! اب تم جا کر سو جاؤ، چائے وائے میں خود بنا لوں گا"۔ وہ اس طرح گویا ہوا کہ جیسے وہ ماما کو بہت جلد وہاں [illegible] دیکھنا چاہتا ہو۔

"آپ۔ ہم ہیں ناں آپ کی خدمت کیلئے"۔ اس نے لاڈ کیے۔

"پہلی دفعہ نہیں بناؤں گا۔ بعض اوقات جب تم سو رہی ہوتی ہو تو میں بناتا ہی ہوں۔ یہ تمہارے آرام کا وقت ہے، تم [illegible]۔ جاؤ پلیز۔ کہہ رہا ہوں ناں میں"۔ اس نے قدرے حکمیہ انداز اختیار کیا۔

[illegible] خاموشی سے اپنا دوپٹا ٹھیک کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

باری نے نظریں دوڑا کر صاف ستھرے اور سمٹے ہوئے کچن کا جائزہ لیا۔ سوئچ بورڈ کے ساتھ ہی اسے الیکٹرک کیٹل نظر [illegible] وہ بڑی تندہی سے چائے بنانے میں مصروف ہو گیا۔

"[illegible] وقت آ گیا لوگوں پر، خود کام کر رہے ہیں"۔

[illegible] نے زور سے چائے کا ڈبا بند کیا تھا۔

"[illegible]! کیا ہو گیا ہے یہاں کے لوگوں کو، رات بھر جاگتے رہتے ہیں"۔

[illegible] نے روشی کی آواز پر شاید زندگی میں پہلی مرتبہ اتنی جھنجھلاہٹ محسوس کی تھی، مگر خاموش رہا تھا۔

[illegible] فریج میں تقریباً پوری ہی گھس گئی تھی۔

"[illegible] ہے ماما کو، میری دوائیں ادھر ادھر نہ کیا کریں، مگر......!" وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"[illegible]......! کیا ہوا ہے انہیں"۔ باری نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"[illegible] ہو گیا ہے آپ کو"۔ وہ پوچھے بغیر رہ نہ سکا۔

"[illegible] ہوا تو میں "ازلی بیمار" ہوں"۔ وہ تڑخ کر گویا ہوئی۔

[illegible] خاموش رہا۔

"[illegible] ہے مجھے، ٹرنکولائزر لیتی ہوں، اور کچھ"۔

"[illegible] رکھی ہیں آپ نے اپنی نیندیں، کس چیز کی ہے آپ کے پاس؟"

وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے کپ میں دودھ ڈال رہا تھا۔

''کوئی اپنی نیند کا دشمن نہیں ہوتا' اگر کسی کی نیند غائب ہوتی ہے تو مجرم کوئی اور ہوتا ہے''۔ وہ جلے بھنے انداز میں بولی تھی۔

''کیا لیتی ہیں آپ؟'' اسے جیسے یہ جان کر دلی رنج ہوا تھا کہ وہ مسکن ادویات استعمال کرنے لگی ہے۔

اس نے خواب آور گولیوں کے نام گنوا دیئے۔

کپ باری کے ہاتھ میں لرز کر رہ گیا۔

''عمر دیکھی ہے آپ نے اپنی؟'' اس نے دکھ سے اس کی سمت دیکھا۔

''میں نے تو دیکھی ہے' تم نے نہیں دیکھی''۔ اس نے گلاس میں پانی ڈالا اور ایک گولی منہ میں رکھی اور غٹاغٹ پانی پی گئی۔

باری لاجواب سا ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا اور ہلکے ہلکے سپ لینے لگا۔

''ایک مشورہ ہے آپ کیلئے اگر آپ مائنڈ نہ کریں''۔ اس نے جاتی ہوئی روشی کو مخاطب کیا۔

''جی فرمایئے''۔ وہ دروازے پر رک گئی۔

''آپ ہفتے میں ایک مرتبہ کسی اسپتال کا چکر لگا لیا کریں''۔

''اس سے نیند آنے لگتی ہے؟'' وہ تمسخرانہ انداز میں گویا ہوئی۔

''شاید آنے لگے' وہاں آپ ایسے وارڈز کا دورہ کیا کریں' جہاں سیریس قسم کے مریض ہوتے ہیں۔ جن کو دیکھنے والوں کیلئے بھی ناقابل برداشت ہوتی ہے' جو ایسے امراض میں مبتلا ہوتے ہیں کہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں۔ تب آپ کو پتا چلے گا کہ آپ تو مراعات یافتہ طبقے میں ہی نہیں انسانوں میں بھی بے انتہا نعمت یافتہ ہیں۔ پھر آپ کو احساس تشکر ہو گا۔ طبیعت میں بے حد ٹھہراؤ اور سکون آ جائے گا اور خود بخود نیند سے آنکھیں بند ہونے لگیں گی''۔

اس نے بات ختم کر کے اس کی طرف دیکھنے کے بجائے چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

''بس؟'' اس نے طنزاً کہا۔

''بس''۔ اس نے بھی وہی انداز اختیار کیا۔

''نادان دوست! سارے دکھ ایک طرف' دل کا دکھ ایک طرف''۔ وہ اتنا کہہ کر دروازے سے باہر نکل گئی۔

باری نے ایک گہرا سانس لیا ''آخر انسان کی مت اتنی کیوں ماری جاتی ہے؟ باہر سب دوست ہی دوست ہوتے ہیں مگر انسان اپنا دشمن خود ہی بن جاتا ہے''۔

''نہ جانے کیوں' یوں محسوس ہوا جیسے کہیں سے آنچ آ رہی ہو اور دل موم کی طرح پگھلنے لگا ہو۔

اس نے جلدی جلدی چائے ختم کر کے اس کیفیت سے پیچھا چھڑایا اور کپ سنک میں رکھ کر دیتے' کھڑے ہو کر سوچنے لگا۔ ایک نئے معرکے سے دوچار ہونے کا وقت قریب تھا۔

''گھبرا رہے ہو مسٹر باری؟'' کوئی اس کے اندر مسکرانے لگا۔

''نہیں' کیا گھبرانا' جب سب سے بڑا نقصان ہو چکا۔ اب کسی شے کے کھو جانے کا خوف نہیں۔

میں سب سے بڑا بے فکرا وہ ہے جو اپنی متاع گنوا کر' رو کر فارغ ہو چکا''۔ وہ مسکراتے ہوئے پرسکون انداز میں باہر نکلا۔

حویلی پر سناٹے اور تاریکی کا راج تھا۔ کتوں کے بھونکنے' گدھوں کے چونک کر رینکنے اور گھوڑوں کے ہنہانے سے عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ بہت محتاط انداز میں طویل و عریض احاطہ پار کر کے حویلی کے عقبی حصے میں آیا تھا۔ مدتیں گزریں' وہ یہاں سے دہاں دندناتا تھا اور آج قدم قدم پر کوئی زنجیر سی چھنک رہی تھی۔

وہ راہداری میں پہنچا اور لائٹیں روشن کر دیں اور فوراً سب سے آخر میں بنی ایک کوٹھڑی میں جو غالباً اسٹور کی نیت سے بنی ہوئی کی طرف دیکھا۔ باہر آتی روشنی یہ بتا رہی تھی کہ کوٹھڑی کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ وہ چند ثانیے اپنی جگہ کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر فیصلہ کن انداز میں آگے بڑھا۔

ایک درمیانی بند کمرے میں بڑا سا تالا جھول رہا تھا۔

اس نے جیب سے چابیاں نکال کر دیکھنا شروع کیں۔ بالآخر ایک چابی لگ گئی اور تالا کھل گیا۔ اس نے تالا نکال کر بغلی جیب میں ڈالا اور کوٹھڑی کی سمت دیکھا۔

وہاں دیکھنے کو کچھ نہ تھا وہ چونکا پھر الجھ کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر ایک دم دھیان ظفری کے کمرے کی طرف گیا۔ اس نے سر اٹھا کر ظفری کے کمرے کی طرف دیکھا۔ دروازہ بند تھا۔ وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھا اور دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کھسر پھسر کی آوازیں آئیں پھر دروازہ کھل گیا۔

فیروزی کرتے شلوار میں ملبوس جھومر بغیر دوپٹے کے اس کے سامنے کھڑی حیرت سے پلکیں جھپکا رہی تھی۔

''اتنے خوش نصیب ہیں ہم' یقین نہیں آ رہا''۔ وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

''راستہ دیجئے مجھے۔ میں اندر آنا چاہتا ہوں''۔ اس نے دروازے کے درمیان میں کھڑی جھومر سے بڑے کھردرے لہجے میں کہا۔

''ہمیں پتا ہوتا' اس گھڑی تم آؤ گے تو کچھ اس طرح انتظام کرتے کہ تمہارا جملہ سن کر خوشی سے بے ہوش ہو جاتے' مگر افسوس فی الحال ہم تمہیں اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ ایسا کرو' تھوڑی دیر بعد آنا''۔

''آپ عورت ہیں اور میں مرد' مگر آپ کے حصے کی ''حیا'' بھی مجھے کرنا پڑتی ہے۔ ہٹیے ایک طرف''۔ اس کا مردانہ جلال کسی شے غضب کا تھا۔

مگر جھومر ڈھٹائی سے اپنی جگہ اڑی رہی۔

''پلیز مجھے راستہ دیجئے اندر جانے کا''۔ وہ جیسے زچ ہو رہا تھا۔

''تم تو ہو ہی اندر' تمہیں اجازت کی کیا ضرورت''۔ وہ بدستور شوخی سے بولی۔

''تو آپ نہیں ہٹیں گی؟'' اس نے برہمی سے جھومر کا چہرہ دیکھا

''نہیں' کیا کرلو گے''۔ وہ کھلکھلائی۔

''دیکھئے میں آپ سے کہہ رہا ہوں' مجھے اندر جانے دیں''۔ اس نے جیسے بہت زیادہ رسانیت کا مظاہرہ کیا تو

''میں بھی جناب سے کہہ چکی ہوں' تھوڑی دیر بعد تشریف لایئے گا''۔ وہ مسکرائی

باری نے کئی گہرے گہرے سانس لئے' پھر ایک جھٹکے سے جھومر کا بازو پکڑ کر آگے کی طرف کھینچا اور بائیں طرف
دیا۔ یہ دیکھے بغیر کہ اس کا کیا حشر ہوا۔ وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔

وہ فساد کی جڑ زنجیر سمیت کھڑی ہوئی غالباً دونوں کی تکرار بغور سن رہی تھی۔

باری کو اندر آتے دیکھ کر اس نے نظریں جھکالیں۔

باری نے اس پر نظر ڈالنا ابھی ضروری نہیں سمجھا۔ ''اپنے ٹھکانے پر چلو''۔

''جانا اس نے اپنے ٹھکانے پر ہی ہے۔ ذرا سی دیر آزاد بیٹھنے دو۔ تمہاری جیب سے کیا جاتا ہے''۔ جھومر اپنی کہنی
سہلاتی ہوئی اندر آ گئی تھی۔

''آپ بڑے خان کے ذاتی معاملات میں مداخلت نہ کریں تو آپ کے حق میں بہتر ہے۔ آگے بڑھو بھئی''۔

''جو میرا جی چاہے گا' میں کروں گی۔ دیکھو میں نے اس کا سر دھلایا ہے۔ بال بنائے ہیں' کرلو جو میرا کرنا ہے۔ اور
جو میرا کھانا آتا ہے' وہ بھی میں اسے کھلاتی ہوں' بلکہ ہم دونوں ساتھ ہی کھاتی ہیں۔
حیوانوں کی بستی میں ایک یہ انسان ہے اور ایک میں۔ جاؤ جا کر کہہ دو ان سے''۔

جھومر بستر پر بیٹھ کر اپنے دوپٹے سے کہنی سے خون صاف کرنے لگی۔ شاید چوٹ زیادہ لگ گئی تھی۔

باری اسی کی طرف متوجہ تھا۔ خون دیکھ کر عجیب سے احساس جرم میں مبتلا ہو گیا۔ مگر ظاہراً نظر بچا گیا۔

''چلو''۔ اس نے عورت کو آگے چلنے کا اشارا کیا۔

وہ آگے بڑھی' زنجیریں چھنک اٹھیں۔

''کہاں جا رہی ہو' میری موجودگی میں کسی کا کہنا ماننے کی ضرورت نہیں''۔ جھومر نے فرش پر پڑی ایک زنجیر تھام کر جھٹکا
دیتے ہوئے کہا۔

''آپ مسئلہ نہ بنیں' ہمیں مسئلے حل کرنا بھی آتے ہیں' چھوڑیں آپ''۔ اس نے بھی زنجیر تھام کر جھٹکا دیتے ہوئے

''ہمیں بھی مسئلے پیدا کرنے آتے ہیں۔ ابھی یہاں کے اور بھی بند کمرے کھولوں گی' بتا دینا''۔ وہ برہمی سے بولی۔
''بھابی''۔

''بندی کو جھومر کہتے ہیں''۔ جھومر نے اس کی بات کاٹ دی اور کھلکھلا پڑی۔

''میں بہت برداشت کر رہا ہوں' ورنہ مجھ میں اتنی قوت ہے کہ آپ کو اسی کے ساتھ اسی کوٹھڑی میں بند کر دوں''۔

بہت ضبط کیا۔
اپنے کمرے میں بند کردو۔ جب بند ہی کرنا ہے' ہم تم ایک کمرے میں ......!'' وہ گنگنائی۔

''تو پھر اپنے کمرے خود کو اتنا' کس کھاتے میں گھٹا رہی ہیں خود کو اتنا؟'' وہ برہم ہوا۔

ت آپ مت گرایئے خود کو اتنا
''خان ...... یا ور علی خان نے دوسری شادی کرلی ہے؟'' عورت نے ان کی بحث سے بالکل لاتعلقی کا اظہار کرتے
ہوئے کھوئے کھوئے انداز میں سوال کیا۔

''تمہیں کیا' اگر وہ تیسری بھی کرلیں''۔ باری نے سلگ کر جواب دیا۔

''یہ سوتی بتا رہی تھی' بڑی کم عمر دلہن ہے' کہاں سے آئی ہے بدنصیب؟

''تو یہ بھی بتا رہی تھی کہ روشی کی سگی خالہ ہے' مگر مجھے یقین نہیں آیا۔ ایسا تو قیامت تک نہیں ہو سکتا''۔
وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

''تمہیں خوامخواہ ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں' یہ ہمارے اپنے معاملات ہیں' آگے بڑھو''۔

اس نے پھر زنجیر کو جھٹکا دیا۔ عورت چل پڑی۔ مگر چند قدم پر پھر رک گئی کہ جھومر کے ہاتھ میں اس کے دائیں پاؤں کی
زنجیر تھی' جو اسے آگے بڑھنے سے روک رہی تھی۔

باری نے جھلا کر ایک فیصلہ کن انداز اختیار کیا۔
جھومر کی طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھ سے زنجیر جھٹکا دے کر حاصل کی اور بازو سے پکڑ کر اسے بیڈ پر دھکیل دیا۔

''آرام سے بیٹھئے' کرتا ہوں ابھی آپ کا بھی انتظام ...... تم کیا منہ دیکھ رہی ہو' چلو''۔

اس نے اپنی آواز میں جی بھر کر سختی سموئی۔

عورت چل پڑی۔

باری نے اسے کوٹھڑی میں پہنچایا اور باہر سے دروازہ بند کرنے لگا۔

''تالا چابی نہیں چاہیے کیا؟'' جھومر کی شرارت بھری آواز قریب ہی سے سنائی دی۔

باری نے اس کی طرف دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔

عورت بہت پرسکون انداز میں اپنی کوٹھڑی میں چلی گئی تھی کہ یہ تو زندگی بھر کیلئے طے تھا۔ ہمیشہ کا ذہنی سمجھوتہ' ابدی
قیدی۔

باری نے دروازہ بند کیا' پھر بغلی جیب سے تالا نکالا اور لگا دیا۔ جھومر اس کے پہلو میں آ کھڑی ہوئی تھی۔
وہ اس کی طرف پلٹا۔

''اپنے پاس رکھئے اپنا تالا چابی''۔ اس نے چابیاں واپس بغلی جیب میں ڈالیں اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا آگے بڑھ
گیا۔

جھومر قدرے سلام بخودی اسے راہداری کے موڑ تک گھورتی رہی۔

لال خان ہنوز کمرے میں تھا۔ بالو بدستور برآمدے میں بیٹھی تھی۔

رات خاصی بھیگ چکی تھی' بالو کو صرف ایک ملال گھیرے ہوئے تھا کہ وہ اب نہیں آئے گا۔ کبھی کبھی ...
خواہش سے آزاد ہوتی تھی تو عجیب سا خوف رگ و پے میں اترنے لگا تھا' کہ جیسے ابھی لال خان دھاڑتا ہوا ...
اپنے ریوالور سے اس پر فائر کر دے گا

موت کا کیا ہے' وہ تو آنا ہی ہے' مگر کچھ دل تو ٹھنڈا ہو۔

کبھی من چاہے موسم کی پُروائی تو چلے۔

کبھی گھڑی بھر کیلئے خواہش تعبیر کے نشان تک تو پہنچے۔

کبھی یوں بھی تو محسوس ہو کہ ہمیں بھی زندگی کی ہوا نے چھوا ہے۔

کبھی تو یہ احساس ہو کہ چاند کسی کی تشبیہ لے کر آیا ہے۔

کبھی تو روح وصل کی سرشاری میں سرمست ہو کر رقص کرے۔

کبھی تو انتظار حد سے گزرے' کبھی تو من چاہی آمد ہو۔

کبھی زندگی روئے تو آئندہ خوشی کا آسرا جاگے۔

کبھی دل جلے تو من چاہی تسلیوں کی پھوار برسے۔

کبھی مر جانے کو جی چاہے تو کوئی زندگی آنکھوں میں سجا کر لائے۔

کبھی نعمتیں تیاگ کر جوگ بھرنے نکلیں تو کوئی شہر سجا کر ہمیں گھیرے۔

کبھی پھوٹ پھوٹ کر روئیں تو کوئی کوٹ کوٹ کر خوشیاں دل کے دامن میں بھرنے آئے۔ کبھی شہ رگ کاٹنے کو
جی چاہے تو گلابوں کے ہار آئیں۔

کبھی ناامیدی کا اندھیرا بڑھے تو کوئی امکان کے چراغ روشن کرنے آئے۔

''ر' سے روٹی اور 'د' سے دل قاعدے میں 'د' پہلے آتا ہے۔ اس کی جذباتیت خطرناک حد کو چھو رہی تھی۔

''بالو''۔ پشت سے لال خان کی آواز آئی تھی۔ وہ چونکہ نہایت گہرے خیالوں میں تھی۔ چونک کر اچھل پڑی۔ دل
طرح دھڑ کنے لگا۔

''اندر کمرے میں آؤ۔ ضروری بات کرنا ہے۔ جلدی آؤ۔ میرے پاس وقت نہیں ہے''۔

وہ سرد اور بے تاثر لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔

وہ آہستگی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے پیچھے چل پڑی۔

لال خان بستر پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ کھڑی رہی۔

''بیٹھ جاؤ''۔ اس نے فاصلے پر پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

...؟'' اس نے بہت افسردہ انداز میں اس سے سوال کیا تھا۔

''نہیں' یہ دکھ ہے یہاں ... میرے دکھ کبھی دور نہیں ہوئے''۔ وہ بے خوفی سے بولی۔

''میں ہمیشہ سے دکھی ہوں۔

''تمہیں کھانے پینے کی کمی ہے؟'' مادی اور روحانی قوتیں الجھ پڑیں تو اس طرح کے سوال لازمی ہوتے ہیں۔

''یہ دل ہے میرا' ہمیشہ سے ننگا' بھوکا۔ میری بھی نہیں سنتا''۔ وہ سرد آہ بھر کر گویا ہوئی۔

ضبط سے لال خان کا سیاہ چہرہ سرخ ہو کر تانبا بن گیا۔

''کوئی ملال' کوئی غیرت نہیں؟'' لال خان نے اس کا چہرہ دیکھ کر سوال کیا۔

''نہیں' بڑی گھٹن تھی' خوش ہوں کہ سچ بولنے کا وقت بھی آیا''۔ اس نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

''کب سے چل رہا ہے یہ چکر؟'' وہ بہت دھیمی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

''جس دن اس نے میری رونمائی کرتے ہوئے شعر پڑھا تھا''۔ وہ اتنے آرام سے بولی کہ لال خان دم بخود سا رہ گیا۔

''پہل اس کی طرف سے ہوئی تھی؟'' اس کی آواز پر لرزش غالب آنے لگی۔

''نہیں' اسے اللہ نے ایسی توفیق ہی نہیں دی۔ اسے تو مردوں کو پیٹنے کی عادت ہے''۔

اس نے سچی گواہی دی کہ لال خان کے روم روم میں اس کی سچائیوں کا یقین اتر گیا ورنہ وہ اس پر الزام دھر کر آدھا بوجھ
اس طرف بھی سرکا سکتی تھی۔

''کیا بات ہے اس میں ایسی؟'' احساس کمتری سے لال خان آدھا ہو گیا۔

''یہی تو میں اپنے آپ سے پوچھ رہی ہوں اب تک''۔ بالو کے سکون میں کوئی فرق نہیں آیا۔

''تمہیں معلوم نہیں بالو! عورت کی بے وفائی سے مرد اپنی نظروں ہی میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ تم نے ہمیشہ کیلئے مجھے ذلیل
کر دیا ہے''۔ اس کی آواز میں شکستگی تھی۔

''تم مجھے گولی مار دو' دھکے دے کر گھر سے نکال دو' مجھے سب منظور ہے''۔ وہ بولی۔

لال خان نے اس کی مضبوطی اور اپنی کمزوری کو بے پناہ محسوس کیا۔

''شکر ہے کہ تم نے مجھے پورا مرنے سے بچا لیا۔ عورت کی دغا بازی کا دکھ بڑا سہی مگر دوست کا بھرم سا باقی ہے۔ میں اس
کی پہلے سے زیادہ عزت کروں گا۔ اپنی چھت کمزور ہو تو بارش کو برا بھلا کیوں کہیں؟
میری طرف سے اب تم پر کوئی پابندی نہیں۔ صبح یہ گھر چھوڑ دینا۔ اب تم اس کمرے سے جا سکتی ہو' جو دکھ تم نے دیا ہے
مجھے ایک دن قدرت اس کا حساب خود لے گی''۔ وہ اس کی طرف سے پشت کر کے بستر پر دراز ہو گیا۔

بالو چپ چاپ کمرے سے باہر آ گئی۔

اس کا خیال تو یہ تھا کہ ہنگامہ زبردست ہو گا' صبح تک وہ اپنے زخم سینکے گی۔

یہ لال خان تو بہت سمجھدار نکلا۔ وہ ڈرائنگ روم کی طرف جاتے ہوئے ناپسندیدہ انسان کو پہلی مرتبہ سراہ رہی تھی۔

لڑکیوں کی سج دھج دیکھنے کے قابل تھی' جیسے وہ دلہن کا دیدار نہیں کرینگی بلکہ دلہن انہیں نمبر دے گی۔

"تمہارے پاس بلیو چوڑیاں ہیں تو وہ کیوں نہیں پہنیں"۔ تانیہ نے روبی کو ٹوکا۔

"کیا فوٹوگرافی بھی ہوگی؟" روبی نے سادگی سے پوچھا۔

"چچ...... فوٹوگرافی کی ایسی تیسی' جب تم نے میچنگ کی ہے تو پوری کرو۔ جب یہ دو ڈلو کا ہیر بینڈ تک بلیو کا [illegible] نے چھیڑا۔

"خبردار جو تم اس ہیر بینڈ کی شان میں گستاخی کی۔ یہ ان کی عزیز از جان دوست پورا صدر' سارا کوچی بازار [illegible] تھیں پشاور سے"۔ بیہ نے تانیہ کو تادیبی انداز میں گھور کر کہا۔

"ہاں تو لائی تھی ناں' تم کیوں جل رہی ہو؟" روبی نے خفگی سے کہا۔

"بھئی اس خوشی کے موقع پر یہ تکرار کیسی' جس کا جیسے دل چاہے' تیار ہو جائے کوئی ٹرافی تو نہیں ملے گی"۔ گلو سفید [illegible] لہرانے کی عادت سے مجبور تھیں۔

"ارے کیا روشی آج سوتی رہے گی۔ جا کر اسے اٹھاؤ۔ ہم سب دلہن کے پاس جائیں اور وہ ہمارے ساتھ نہ ہو [illegible] سوچیں گی؟" زری نے دوسری قسم کا واویلا شروع کیا۔

"میں گئی تھی اسے اٹھانے۔ یوں غرائی جیسے نگل لے گی"۔ حنا نے اپنی بپتا سنائی۔

"ہیں' کیوں نہیں اٹھ رہی' کہاں تو مارے خوشی کے نیند نہیں آ رہی تھی؟" موتا نے حسب توفیق حیرت کا اظہار کیا۔

"باری سے کہو' وہ دستک دے کر بس آواز دے ڈالے دنیا کے اس کونے پر بھی سو رہی ہوگی تو اٹھ جائیگی"۔ [illegible] مسکرائیں۔

"بالکل بھی سوٹ نہیں کرتی آپا۔ آپ کی یہ چھیڑ چھاڑ۔ وہ دلاور علی خان کی پوتی اور یاور علی خان ڈی سی کی اکلوتی [illegible] ہے۔ مذاق بھی اس کے سٹینڈرڈ کا کیا کیجئے"۔ لالی نے ناگواری سے انہیں ٹوکا۔

"ہا...... آہ...... یہ کمبخت اسٹینڈرڈ"۔ شینو نے آہ بھری۔ بھلا وہ باز آنیوالی تھیں۔

"مگر آج کل وہ اتنی دیر تک کیوں سوتی رہتی ہے"۔ موتا پریشان بولی

"نشہ چڑھا ہوا ہے شاید"۔ شینو نے پھر ہنس کر ٹکڑا لگایا۔

"کس چیز کا؟" حنا نے برا مان کر ان کی طرف دیکھا۔

"بھئی' اتنی کیوٹ' اتنی سمارٹ سی والدہ آئی ہیں"۔ شینو نے ماحول کے تیور دیکھ کر بات بدل ڈالی۔ یوں بھی [illegible] موجود نہیں تھی۔ انہیں مزا نہیں آ رہا تھا۔

"میں جا کر اٹھاتی ہوں' دیکھتی ہوں کیسے نہیں اٹھتی"۔ گلو اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کھٹائی لیتی جاؤ۔ سنا ہے کھٹائی سے نشہ ٹوٹ جاتا ہے"۔ شینو ہنسیں۔

"پھر آپ اتر جائیں' اس کے معدے میں' یہ ٹوٹکہ زیادہ موثر ہوگا"۔ روبی بڑی دیر سے برداشت کر رہی تھی [illegible]

[illegible] داخل ہوا اور دیوار میں فٹ ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

[illegible] گلو نے سادگی سے پوچھا۔

[illegible] لڑکیوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔

[illegible] رک گیا تھا۔ الگ حیران پریشان سا ہنستی ہوئی لڑکیوں کو [illegible] گھورنے لگی۔ باری جو آگے بڑھتے بڑھتے

[illegible] اس نے بالآخر سنبھل کر جواب دیا اور فون کرنے لگا۔

[illegible] مطلب یہ تھا کہ تم نے اسے یہاں وہاں کہیں دیکھا تو نہیں۔ عموماً جب وہ لیٹ اٹھتی ہے تو کچن میں ناشتا [illegible] کر لڑکیوں کو دیکھا اور وضاحت کی۔

[illegible] افسوس ہے۔ میں نے انہیں کہیں نہیں دیکھا"۔ باری نے نمبر پش کرتے ہوئے بڑے مصروف اور جان [illegible] میں جواب دیا۔

[illegible] کو افسوس ہے"۔ شینو نے اخبار کا صفحہ بدلتے ہوئے روبی کو چھیڑا۔

[illegible] کی طرف دیکھنے لگی۔

[illegible] میں اس کے پاس۔ تم لوگ اپنا اپنا کام کرو"۔ گلو باہر نکل گئیں۔

....

[illegible] یہ پورا اصطبل بیچ کر سوئی ہے"۔ گلو نے دروازہ دھڑ دھڑایا۔

[illegible]؟" روشی جھومتی ڈولتی دروازہ کھولنے آئی تھی۔

[illegible] دس بج رہے ہیں۔ بڑی امی کو پتا چل گیا تو خوب کلاس لیں گے"۔ گلو بولتی ہوئی اندر آ گئیں۔

[illegible] پھر بستر پر اوندھ گئی تھی۔

[illegible] سوئی تھیں؟" اس نے جھک کر اس کا بازو زور زور سے ہلایا۔

[illegible]؟" وہ خوابناک آواز میں پوچھ رہی تھی۔

[illegible] چوسیدار پیتا ہے"۔ وہ ہنسیں۔

[illegible] یہ بڑا غریب قسم کا نشہ ہوتا ہے۔ مگر بہت چڑھتا ہے۔ اب تم اٹھ جاؤ شرافت سے"۔ انہوں نے [illegible] پشت پر۔

[illegible] نیند آ رہی ہے۔ بی لیوی"۔

[illegible] کیا کہیں گی وہ۔ وہم پڑ جائے گا انہیں کہ شاید تم خوش نہیں ہو۔ اور یہ اچھا نہیں ہوگا۔ یاور چچا کیا

سوچ رہے ہوں گے"۔

"مگر میں کیا کروں...... گولی کھائی ہوئی ہے میں نے۔ میری آنکھیں نہیں کھل رہی ہیں۔ ...

کہہ دیجئے گا میری رات سے طبیعت خراب ہے"۔ وہ غنودگی سے بول رہی تھی۔

گلو نے اسے جھنجھوڑ کر سیدھا کر دیا۔

"کیا کرتی رہتی ہو الٹی سیدھی حرکتیں۔ کیوں کھائی گولی......؟" گلو سخت ناراضگی سے پوچھ رہی تھی۔

"نیند نہیں آ رہی تھی۔ اور یوں لگ رہا تھا کہ اگر چند گھنٹے اور جاگتی رہی تو میری دماغی شریانیں پھٹ جائیں گی۔ پھر؟"

وہ منہ دوسری طرف پھیرے، ہنوز خوابیدہ لہجے میں بول رہی تھی۔

گلو چند ثانیے بڑے فکرمندانہ انداز میں اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر جھک کر اس کی پیشانی سے بال ہٹائے۔

"روشی...... میری جان...... کیوں نہیں آ رہی تھی نیند؟ اور کیا سوچ رہی تھیں۔ کیوں سوچتی ہو اتنا؟ ... پر۔ اور تم تو خالہ کے آنے پر بہت زیادہ خوش تھیں۔ پھر؟"

گلو درحقیقت بہت پریشان ہو گئی تھی۔

"وہ تو میں ہوں۔ مگر آپ فکرمند نہ ہوں۔ یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ کوئی بات نہیں ہے پلیز آپا۔ آپ مجھے ...

اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "سارے گھر میں سب سے بڑی مورل سپورٹر تو آپ ہیں میری۔ بس آج سونے دیں ... کیلئے جو کہیں گی کر لوں گی۔ عمر بھر جاگ لوں گی"۔

وہ پھر اوندھی ہو گئی۔ گلو اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ سمجھ گئی تھیں کہ بے کار محنت ہو گی۔ مشکل ہی ہے جو آئندہ ... تک اٹھ سکے۔

وہ دروازہ بند کر کے پلٹیں تو باری پر نظر پڑی۔ وہ بابا صاحب کی خواب گاہ سے نکل رہا تھا۔

"اے...... باری کے بچے۔ ادھر آؤ"۔ انہوں نے مصنوعی قسم کی خفگی کے ساتھ اسے پکارا۔

"جناب"۔ وہ بھی مسکراتا ہوا ان کی طرف آیا۔

"یہ تم لا کر دیتے ہو اسے ٹرنکولائزر؟"

"فردِ جرم ہے کہ تفتیش؟" وہ شرارت سے مسکرایا۔

"بتاؤ...... بھاری ڈوز لے کر سو رہی ہے۔ پتا نہیں اسے کیا ہو گیا ہے۔ یقیناً تم ہی سے منگائی ہو گی"۔

"انٹیلی جنس بیورو کو آپ جیسی اہلیت کے ہی لوگ درکار ہوتے ہیں۔ پر یقین، اپنے شکوک کو ایمان ... گدی پر ہاتھ رکھتے ہی الٹا لٹکانے والے۔ ایسا گھاس کھایا ہوا لگتا ہوں آپ کو۔ وہ منگا کیں گی اور ... میرے سامنے ہی کچن میں فریج سے نکال کر محترمہ نے گولی کھائی ہے"۔

"تم نے روکا نہیں...... پوچھا نہیں؟" گلو نے ہنوز ناراض لہجے میں سوال کیا۔

"... پوچھ سکتا تھا۔ پوچھ لیا تھا مگر پوچھنے سے کیا ہوتا ہے۔ سونے دیجئے۔ انہوں نے کون سے گھوڑوں کی ...

"... یہ تو تشویشناک ہے۔ وہ ایسا کیوں کرنے لگی ہے۔ کیا مسئلہ ہے اسے۔ معلوم تو ہونا چاہیے"۔ گلو فکرمندی سے ...

"... کی کمی ہے۔ مسئلہ حل کرنے کے بجائے طاری کر لیتی ہیں۔ خود ہی نارمل ہو جائینگی۔ آپ فکرمند نہ ہوں"۔

"... خود ہی کیسے نارمل ہو جائینگی۔ اور نارمل ہوتے ہوتے تو اسے خواب آور دواؤں کی عادت ہو جائیگی۔ آخر کل کو ... ہوگی۔ کیا سوچیں گے اس کے سسرال والے"۔ گلو نے اسی انداز میں کہا۔

... ان کی دوراندیشی پر مسکرا دیا۔ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔

"کوئی بات تو بہرحال ہے۔ ورنہ یوں تو نہیں ہوتا۔ وہ تو ابھی بہت کم عمر ہے باری"۔

"آپ فکرمند نہ ہوں، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ٹھیک ہو جائینگی وہ"۔ باری نے نظر چرا کر جواب دیا۔

"شاید تمہیں پتا نہ ہو۔ وہ اس رشتے سے خوش نہیں ہے۔ کہیں پھر کچھ کر نہ بیٹھے۔ حالانکہ باری، نعیم بہت اچھا ہے۔ ہے ناں؟" وہ باری کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"جی...... کیا شک ہے اس میں؟" باری دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"ہمارے ہاں لڑکیاں کسی کو پسند کرنے کی جرات تو کر نہیں سکتیں۔ جہاں بڑے رشتے کر دیتے ہیں۔ وہیں اپنے ذہن ... ہیں۔ اب یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔ کیوں؟" وہ درحقیقت بہت پریشان تھیں۔

"پتا"۔ باری نے جلدی سے کہا اور ریسٹ واچ پر نظر دوڑانے لگا۔

"کہیں جاؤ گے؟" گلو کو اس کا ٹائم دیکھنا جیسے ناگوار گزرا۔

"... جانا ہے۔ کاکا جان کو پیشی پر جانا ہے۔ انہوں نے بلوایا تھا"۔ اس نے جواب دیا۔

"یہ تو کاکا جان کے مسئلے ختم نہیں ہوتے۔ وہاں انہیں کوئی بندہ نہیں مل سکتا۔ اتنی دور سے تمہیں دوڑیں لگواتے ہیں ..."

... بہت عرصہ ہو گیا ٹیپو بھی نہیں آیا۔ اب تک خاصا بڑا ہو گیا ہو گا۔ اردو بولنا آئی اسے یا اب بھی انگریزی میں پراٹھا مانگتا ...

"میرے سے نہیں۔ ... نے بھی اسے خاصے عرصے سے نہیں دیکھا۔ وہ مری کانونٹ میں ہوتا ہے ناں۔ ویسے آ گئی ہو گی اسے اردو ...

"... حویلی میں یہاں کی طرح۔ رونق تو نہیں ہو گی۔ کون کون ہوتا ہے وہاں؟" گلو کو نیا سوال سوجھ گیا۔

"... زیادہ ہے۔ یہاں بندے زیادہ ہیں"۔ وہ مسکرا دیا۔

"اچھا...... میں چلتا ہوں...... دیر ہو رہی ہے"۔

"کاکا جان سے کہنا۔ اس مرتبہ ٹیپو کو چھٹیوں میں چند دنوں کیلئے یہاں بھیج دیں۔ بہت دن ہو گئے [illegible] نخرا دیکھے ہوئے"۔ گلو ہنس کر آگے بڑھ گئیں۔

باری بھی باہر جانے والے راستے کی طرف چل دیا۔

....

بڑی امی نے بڑے اہتمام سے تیار ہوئی لڑکیوں کو دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ یہ جان کر کہ عنقریب یہ [illegible] گاہ پر حملہ کرنے والی ہیں۔ انہوں نے سختی سے منع کر دیا۔

"یہیں رہو تم لوگ۔ دلہن ناشتا کر لیں گی تو میں خود لے آؤں گی یہاں"۔

اب لڑکیاں بے چاریاں منہ لٹکا کر انتظار میں بیٹھ گئی تھیں۔

تقریباً پندرہ بیس منٹ کے انتظار کے بعد عالم تاب ماہین کے ساتھ ہال کمرے میں داخل ہوئیں۔ کمرے [illegible] ہلچل سی شروع ہو گئی۔

شاکنگ پنک کامدار کرتے شلوار اور دوپٹے میں ماہین بہت خوش، بہت فریش نظر آ رہی تھی۔

"اللہ...... کتنے لکی ہیں یاور ماموں۔ کیسی اچھی دلہن ملی ہے اس عمر میں انہیں؟" مریم روبی کے کان میں منمنائی۔

"اب بوڑھے تو نہیں ہیں وہ۔ ان کی پہلی شادی تو خاصی کم عمری میں ہوئی تھی"۔

ماہین ان سب کے سلام وصول کر کے صوفے پر بڑی امی کے ساتھ بیٹھ چکی تھی۔ اس کی نظریں ادھر ادھر دوڑ رہی تھیں۔

کہاں تو پرشوق انداز یہ بتا رہا تھا کہ بے تابی سوا ہے۔ کہاں یہ کہ اب تک نظر نہیں آئی۔

"کیا آپ یاور چچا کے ساتھ ہری پور چلی جائینگی؟" تانیہ نے پرشوق انداز میں اس کے سراپے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

ماہین، عالم تاب کی طرف دیکھ کر دھیرے سے مسکرا کر رہ گئی۔

"نہیں تو کیا تمہارے ساتھ رہنے کیلئے یاور ماموں اتنی دور سے دلہن لائے ہیں"۔ لالی چیخ پڑی۔

"مگر کچھ دن تو آپ کو ہمارے ساتھ رہنا چاہیے۔ یاور ماموں تو اپنی طرح کر لیں گے ورنہ آپ کو۔ جس طرح [illegible] آتے۔ پتا چلتا ہے۔ رات آئے تھے۔ ہم سو کر بھی نہیں اٹھے اور وہ چلے بھی گئے"۔ تانیہ نے اپنے خدشات ظاہر کیے۔

"روشی کہاں ہے؟" بڑی امی نے موجود لڑکیوں پر جھٹ نظر ڈال کر قدرے چونک کر پوچھا۔

"سو رہی ہیں"۔ مریم ویسے ہی لا ابالی تھی۔ جھٹ بول پڑی۔

"ہیں...... یہ کون سا وقت ہے سونے کا؟" عالم تاب برہمی سے بولیں۔ ماہین بھی چونک پڑی۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے بڑی ممانی! دوا کھائی تھی ناں اس نے، بس اس کی وجہ سے سو رہی ہے"۔ [illegible]

[illegible] ہے"۔ ماہین یکدم پریشان ہو گئی۔

[illegible] ایسے ہی ٹمپریچر سا ہو گیا تھا"۔ اس نے گڑبڑا کر عالم تاب کی طرف دیکھا۔

[illegible] اسے آرام کرنے دو۔ میں خود چلی جاؤں گی اس کے کمرے میں"۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

[illegible] اپنی ممانی کو لے جاؤ روشی کے پاس۔ ہو سکتا ہے یاور، ماہین کو لے کر ایک گھنٹے کے بعد ہری پور روانہ ہو

[illegible] گلو سے مخاطب ہوئیں۔

[illegible] بڑی ہوئی اور ماہین بھی۔

[illegible] کر یہیں آ جائیے گا۔ ابھی تو ہم نے ٹھیک سے دلہن کو دیکھا بھی نہیں"۔ حنا بسوری۔

[illegible] نے اس کے سر پر شفقت سے بھرے انداز میں ایک چپت لگائی اور ان کے باہر جانے سے پہلے خود چلی

[illegible] کو لیے روشی کے کمرے میں چلی آئیں۔

"روشی...... دیکھو کون آیا ہے؟" گلو نے اس کا بازو دبوچ کر سیدھا کیا۔

روشی نے بمشکل آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا۔ پھر خجل سی ہو کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آپ...... السلام علیکم خالہ"۔

"وعلیکم السلام۔ اس قدر سونا، چاندی بن رہا ہے"۔ ماہین اس کے بستر پر بیٹھ کر مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

[illegible] وہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ پپا چلے گئے کیا؟" معاً اس نے چونک کر پوچھا۔

"کہاں؟" ماہین کی نظریں جھک گئیں۔ یہ نئی دلہن کا بے ساختہ سا انداز ہوا کرتا ہے اپنے رفیق سفر کے نام و ذکر پر......

"[illegible]" اس نے ہاتھوں سے اپنے بال سمیٹے۔

"نہیں...... شام کو جائیں گے"۔

"آپ بھی؟" اس نے پونی بناتے بناتے رک کر ماہین کا چہرہ دیکھا۔

"تو اور [illegible]" وہ مسکرا دی اس کے بچگانہ سے سوال پر۔

[illegible] نہیں جانے دوں گی آپ کو۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ ہم تو ابھی ٹھیک سے آپ سے ملے بھی نہیں"۔ اس کا انداز

[illegible] شادی کے بعد بھی آتا ہے"۔ گلو ہنس کر بولیں۔ وہ اس کا بکھرا ہوا کمرا سمیٹنے لگی تھیں۔

[illegible]

[illegible] ہیں؟" اس نے جانے کیوں پوچھا۔

[illegible]" اس نے عام سے انداز میں جواب دیا۔

''اب بھی فائلیں دیکھ رہے ہیں؟

آپ کو برا نہیں لگا؟'' اس نے تر و تازہ اور خوشبوؤں کے نور سے نہائی ہوئی ماہین سے پوچھا۔

''میں تو ادھر آ رہی تھی تم لوگوں کے پاس' وہ اکیلے ہیں۔ اچھا ہے۔ مصروف ہیں''۔ ماہین نے مسکرا کر [illegible]

جواباً گلو نے مسکراہٹ لبوں پر بکھیری۔

روشی منہ ہاتھ دھونے باتھ روم میں چلی گئی۔

''بابا صاحب اور یاور ماموں نے ایک سے ایک چیز اس کو مہیا کی ہوئی ہے۔ مگر اس میں ذرا سلیقہ نہیں [illegible]

ڈریسنگ ٹیبل ٹھیک کرتے ہوئے ماہین سے مخاطب ہوئیں۔

''یہ دیکھیں۔ یہ ہیئر برش۔ اس کا دستہ ہاتھی دانت کا ہے۔ یاور ماموں نے باہر سے لا کر دیا تھا۔ [illegible]

کے نیچے پڑا ہوا ہے''۔

''آپ لوگوں کے نزدیک سونے چاندی' ہاتھی دانت کی اہمیت ہو گی۔ جب بندے کا دل ہی خاک ہو [illegible]

سب چیزیں۔ ہیں تو ہیں۔ اب کیا سر پر رکھ کر ناچیں''۔ وہ تولیے سے چہرہ پونچھتے ہوئے تنک کر کہہ رہی تھی۔

''خدانخواستہ' بھئی تمہارا دل کیوں خاک ہونے لگا۔ بری بات۔ ایسے نہیں کہتے''۔ ماہین نے ٹوک دیا۔

روشی نے عجیب سے انداز میں گہری سانس لی اور بالوں میں برش چلانے لگی۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں گلو آپا؟'' اس نے باہر جاتی ہوئی گلو کو آئینے میں دیکھتے ہوئے مخاطب کیا۔

''ماما کو کہتی ہوں۔ تمہارا ناشتا بھجوا دے''۔

''تم کتنی لکی ہو' روشانے! سب تمہارا کتنا خیال رکھتے ہیں''۔ ماہین نے جیسے اس کا دل بڑھایا۔

''سب کیا...... بس یہ گلو آپا...... سب کا خیال رکھتی ہیں۔ بس عادت سے مجبور ہیں بے چاری۔ مما کے [illegible]

سب سے زیادہ یاد آتی ہیں مجھے۔ آپ کو معلوم ہے جن سے یہ انگیج ہیں' وہ بڑے غصے والے ہیں''۔

روشی نے ماہین کو اطلاع دی۔

''اچھا! پھر تو نبھ جائیگی۔ خطرہ وہاں ہوتا ہے جب دونوں پارٹنر غصے والے ہوں۔ کیا نام ہے گلو کے منگیتر [illegible]

''مصور۔ بڑی امی کے سگے بھتیجے ہیں۔ زری آپی کے بھائی''۔

''اچھا' اچھا''۔ ماہین فوراً سمجھ گئی۔

''گلو کا اصلی نام کیا ہے؟''

''گلنار زوار علی خان''۔ وہ مسکرا کر ماہین کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''آپ نے مہندی پارلر سے لگوائی تھی''۔ اس نے ماہین کا ہاتھ تھام لیا۔

''نہیں' میری دوست تابندہ نے لگائی تھی۔ بڑی ایکسپرٹ ہے وہ''۔

''واقعی بہت نفاست ہے ڈیزائن میں''۔ اس نے سراہا۔

[illegible] اچھی سی کون منگوا لینا' لگا دوں گی''۔ ماہین نے بہت محبت سے اسے دیکھا۔

[illegible] میرا دل نہیں چاہتا کچھ بھی کرنے کو''۔ اس نے بے زاری سے جواب دیا۔

[illegible] مہندی دہندی کا۔ میرا دل نہیں چاہتا کچھ بھی کرنے کو''۔

[illegible] تمہارے دل کو؟'' ماہین نے بڑی گہری نگاہ سے اس کو تولنے کی کوشش کی تھی۔

[illegible] بات پوچھوں''۔ اس نے یک دم پینترا بدلا۔

[illegible] خوشی کے ساتھ پپا سے شادی کی ہے؟''

[illegible] انداز پر بے ساختہ مسکرا دیا۔

[illegible] ورنہ مجھے کون مجبور کر سکتا تھا''۔

[illegible] آپ کو پتا چل گیا تھا کہ پپا آپ کو پسند کرتے ہیں''۔

[illegible] ساری شرم ہی آ گئی۔ اس نے روشی کے رخسار پر ہلکی سے چپت لگائی۔

[illegible] تو دوپہر کا کھانا کب کھاؤ گی۔ کالج بند ہوتے ہیں تو یہی کرتی ہو؟'' اس نے بات گھما دی۔

[illegible] یقین کریں۔ مجھے سو فیصد یقین ہوتا ہے کہ میں بے حد احمق ہوں۔ کوئی میری بات کو اہمیت ہی نہیں دیتا''۔

[illegible]

[illegible] نہیں بھئی۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ اچھی خاصی سمجھدار ہو''۔ ماہین کو بہت ہنسی آ رہی تھی۔ مگر اس نے ضبط سے کام

[illegible] دیر تک کیوں سوتی رہیں؟''

[illegible] جو سوئی تھی''۔ اس کا موڈ ہنوز آف تھا۔

[illegible] کیوں سوئی تھیں؟''

[illegible] ''۔ اس نے صاف بات کی۔

[illegible] نیند کیوں نہیں آتی؟''

[illegible] ''۔ وہ نظریں چرا گئی۔

[illegible] روشانے تم مجھے اس مرتبہ اتنی بدلی ہوئی محسوس ہو رہی ہو۔ یوں جیسے تمہارے ساتھ کوئی زبردست واقعہ پیش آیا

[illegible] تمہارے انداز ہر چیز بدلی ہوئی ہے''۔ ماہین نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

[illegible] سے خوش نہیں؟''

[illegible] خوشی کی بات ہے''۔ اس نے منہ بنایا۔ ''ساری دنیا میں لڑکیوں کی منگنیاں ہوتی ہیں''۔

[illegible] شادی خوشی کی بات ہوتی ہے''۔ وہ شرارت سے بولی۔

[illegible] شادی وادی سے بھی کوئی دلچسپی نہیں''۔ روشی نے منہ بنایا۔

’’پھر اپنی دلچسپی کا نام بتاؤ‘‘۔ ماہین نے کہا اور معنی خیز انداز میں ہنس پڑی۔

روشی کا دل دھڑک گیا۔

’’جی۔ میں سمجھی نہیں‘‘۔ اس نے تجاہل برتا۔

’’سمجھ تو گئے ہیں تمہارے اچھے خان اور فرشتے بھی۔ چلو مگر ہم فی الحال یہ موضوع موقوف کر...
وقت میں بات کریں گے‘‘۔ ماہین نے گلو کو آتے دیکھ کر موضوع بدلا۔

’’بابا صاحب کہہ رہے ہیں دلہن کو ہال میں لے کر آؤ سب گھر والوں کے ساتھ تصویریں بنیں گی‘‘۔

’’کھینچے گا کون؟‘‘ (دھیان اسی دشمن جاں کی طرف جاتا تھا)۔ اس نے پوچھا۔

’’اکا۔ بڑی زبردست فوٹوگرافی کرتے ہیں‘‘۔ گلو نے بتایا۔

’’اکا؟‘‘۔ ماہین نے سوالیہ انداز میں روشی کی طرف دیکھا۔

’’گلو آپا کے بڑے بھائی۔ سمیہ بھابی کے شوہر نامدار‘‘۔ روشی نے غائبانہ تعارف کا مرحلہ طے کیا۔

’’روشی تو ابھی ناشتا کرے گی‘‘۔ ماہین نے گلو کی طرف دیکھا۔

’’ہاں تو آجائے گی۔ وہاں ابھی دیر تک سیشن ہوگا‘‘۔ گلو ہنس کر گویا ہوئیں۔

’’چلیں آپ تو اٹھیں‘‘۔ انہوں نے ماہین سے کہا۔ تو ماہین دوپٹا سر پر درست کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

....

’’لال خان نہیں آیا؟‘‘ بالو کی ماں نے اسے پہلی مرتبہ تنہا گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر تعجب سے سوال کیا۔

بالو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور ساتھ لایا ہوا بیگ ایک طرف رکھ کر تھکے تھکے انداز میں بیٹھ گئی۔

’’طبیعت کیسی ہے تیری؟ چہرہ اترا اترا لگ رہا ہے‘‘۔ بالو کی ماں فکرمند سی ہوئی۔

’’ابھی مجھ سے کوئی بات نہ کرو ماں۔ آرام کرنے دو مجھے‘‘۔ اس نے بیزاری سے کہا۔

’’تو کیا ہل چلا کر آرہی ہے‘‘۔ وہ بھی بھنو کر بولی۔

’’رات بھر سوئی نہیں۔ نیند آرہی ہے مجھے‘‘۔

’’کیا ملہار گاتی رہی ہے رات بھر؟‘‘ اس کی ماں کھٹک سی گئی تھی۔

’’ہاں۔ سارے پکے راگ گا کر آرہی ہوں۔ بس تم چپ ہوجاؤ‘‘۔ وہ اسی طرح بیزار کن انداز میں بولی۔

اس کی ماں نے گھڑی بھر کو اس کے سراپے پر نظر ڈالی اور باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی۔

بالو آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گئی۔

’’اری۔ تیری سونے کی چوڑیاں کہاں ہیں؟‘‘

اس کی ماں دوبارہ آئی تو ننگی کلائیاں دیکھ کر ضبط نہ کرسکی۔ آخر سارے محلے میں اس کی بیٹی کی چوڑیوں کے چرچے تھے۔

...جس کی تھیں۔ دے آئی ہوں‘‘۔ وہ سرد لہجے میں گویا ہوئی۔

’’کس کی تھیں؟‘‘ وہ ایک دم بدحواس سی ہوگئی۔

’’لال خان کی اور کس کی‘‘۔

’’اب وہ پہنے گا چوڑیاں؟‘‘ وہ حیرت سے بولی جس میں غصہ بھی تھا۔

...وہ چپ رہی۔

’’کیا پوچھ رہی ہوں میں؟‘‘ اس کی ماں کے تو اوسان خطا ہونے لگے۔

’’ماں! چپ بھی ہوجاؤ۔ کیا چوڑیاں چوڑیاں لگا رکھی ہے۔ چوڑیاں نہیں تھیں۔ وہ آگ کی بیڑیاں تھیں۔ اتار آئی ہوں بدلے‘‘۔

اس کی ماں جو باہر جانے لگی تھی۔ گرتی پڑتی پلنگ تک واپس آئی۔

’’لڑ کر آئی ہے؟‘‘

’’لڑائی ہونا تو چاہیے تھی۔ مگر ہوئی نہیں۔ بغیر لڑے آگئی ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ پچیس ہزار مہر کے بھجوا دے گا وہ‘‘۔

’’ہائے‘‘۔ اس کی ماں نے سینے پر ہاتھ مارا۔ ’’نامراد۔ کیا کاغذ لے آئی ہے؟‘‘

’’یہی سمجھو‘‘۔ اس نے سکون سے جواب دیا

’’کیوں سمجھوں یہی۔ جو ہوا ہے وہ بتا۔ گھر سے نکال دیا ہے اس نے تجھے؟‘‘

اس کی ماں کا تو دل بیٹھنے لگا۔ اس میں کھڑا ہونے کی سکت نہیں رہی۔ فرش پر بیٹھ گئی۔

’’جو سمجھ رہی ہے۔ وہی ہوا ہے اور کیا بتاؤں؟‘‘ وہ چڑ کر بولی۔

’’ارے وہ تو بڑا بھلا آدمی تھا۔ ایکا ایکی اسے کیا ہوا؟ کیوں کالک ملی اس نے ہمارے منہ پر؟۔ ارے...... اللہ......
ارے لٹ گئی میں...... برباد ہوگئی‘‘۔

وہ دوہتڑ سینے پر مار کر رونے لگی۔

’’یہ کیا بین کر رہی ہو۔ مر گئی ہوں میں؟‘‘ وہ بےزاری سے بولی۔

’’ارے کاش مر جاتی۔ تو نے تو ہمیں کہیں منہ دکھانے کے لائق نہ رکھا کرموں جلی‘‘۔ وہ اور زور زور سے رونے لگی۔

’’دیکھو...... اماں۔ بند کرو یہ رونا دھونا۔ جب مجھے کوئی دکھ نہیں تو تمہیں کیا ہے؟‘‘ وہ گہری گہری سانس لیتی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

’’ارے کتنی منحوس ہے تو۔ بھرا گھر راس نہ آیا تجھے‘‘۔ عورت کا رونا کم نہ ہوا۔ ’’ارے لٹ کر یہاں کیوں آئی۔ سمندر میں کیوں نہ ڈوب مری۔ آدھی عمر تجھے بیاہنے کی فکر میں گنوائی۔ آدھی دکھ میں جائے گی۔ کس منحوس گھڑی پیدا ہوئی تھی۔‘‘

’’اگر تمہیں اتنا دکھ ہے تو یہاں سے بھی چلی جاؤں گی۔ مگر خدا کیلئے تم چپ ہوجاؤ‘‘۔

’’کہاں چلی جائے گی۔ دوسرا خصم ڈھونڈ لیا ہے۔ کلموہی‘‘۔ وہ مزید پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

بالو۔ دوبارہ لیٹ گئی۔

"ارے بالو کے ابا۔ پہلے ہی کہا تھا۔ اچھی طرح دیکھ لو۔ تمیں سنی میری۔ آگئی ہے جو سینے پر مونگ دلنے۔
بالو اٹھ کر دوسری طرف برآمدے میں پڑے تخت میں آ کر لیٹ گئی۔ پر دیوار پر آنکھیں تھیں اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔

....

رات ایک بجے کا عمل تھا۔

وہ بری طرح تھک کر سویا تھا۔ دروازے پر ہونے والی دستک پتھر کی طرح لگی تھی۔ اعصاب پر بن جائے۔ پڑا سوتا رہے۔

مگر دستک...... انگوٹھی سے اور بڑی احتیاط سے دی جا رہی تھی۔ اس کا ذہن فوراً دوشی کی طرف گیا۔

اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا کی۔ چھت کی طرف دیکھتے ہوئے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور تنگ آئے ہوئے چٹخنی گرائی۔ اگلے ہی لمحے یوں اچھل کر پیچھے ہٹا تھا۔ جیسے بھوت کو دیکھ لیا ہو۔ سامنے جھومر کھڑی تھی۔

"آپ...... اس وقت؟" اس کے منہ سے یہی نکل سکا۔

"بری گھڑی دیکھ کر نہیں آتی"۔ جھومر تیز زرد رنگ کا بڑا اسٹائلش سوٹ اور ایک ایک بالشت کے طلائی آویزے پہنے بڑی بے خوفی سے مسکرا رہی تھی۔

باری نے قدرے سٹپٹا کر سامنے اکا اور سمیہ کے بیڈروم کی طرف دیکھا۔

"کیوں آئی ہیں؟" اس نے رکھائی سے پوچھا۔

"چابی دو اس کوٹھڑی کی۔ اس نے آج دن بھر کھانا نہیں کھایا ہے"۔

"میں صبح محترمہ کی خوراک کا انتظار کر کے گیا تھا۔ آپ ہلکان نہ ہوں"۔ اس نے دوٹوک انداز میں جواب دیا، دروازہ بند کرنے لگا۔

"جھومر نے کہنی تک بازو دروازے اور چوکھٹ کے درمیان اڑا دیا۔

باری نے بے بسی سے دروازہ پھر سے کھول دیا۔

"جی؟"

"چابی چاہیے۔ ہم رات کو باتیں کرتے ہیں۔ دکھ سکھ کہتے ہیں"۔

"وہ قیدی ہے بڑے خان کی۔ آپ ان سے چابی لے لیں۔ مجھے نہیں پتا"۔

"کون سے ضابطے کے تحت قیدی ہے وہ یہاں۔ ایک منٹ میں بڑے خان کو پھنسوا سکتی ہوں۔ تمہارا نام بھی ان کے ساتھ"۔

"خدا کیلئے میرا نام تو ضرور لے دیں۔ مجھے تو واقعی آپ پھانسی لگوا دیں۔ بہت بڑا احسان ہوگا یہ مجھ پر"۔ وہ بڑ بڑایا۔

"پونی جئے تمہارے دشمنوں کو"۔ وہ مسکرائی۔

"چلے۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ کم از کم اس طرح ہی سے میرا مسئلہ حل ہو جائیگا"۔ اس نے جھومر کی جان جلا کر خاک کر دی۔

"آپ جائیے اور چابی بڑے خان سے لیجئے۔ آپ مانگئے تو سہی۔ یقین کریں۔ وہ چاندی کی پلیٹ میں رکھ کر آپ کو دیں گے"۔ باری نے بڑے سبھاؤ سے اپنے غصے کا اظہار کیا۔

"مگر میں تو تم سے لینے آئی ہوں"۔

وہ ہنوز چوکھٹ کو گھیرے کھڑی تھی۔ وہ دروازہ بند نہیں کر سکتا تھا۔ باری کے ذہن میں ایک دم ترکیب آئی۔ جیسے بجلی کا کوندا ہوتا ہے۔

"لے جائیے چابی۔ اور چھوڑیے میری جان"۔ وہ پلٹا...... اور اصطبل کی ایک کوٹھڑی کی چابی لا کر اسے تھما دی۔

"شکریہ...... بے حد شکریہ۔ کاش یہ تکرار کچھ دیر اور رہتی۔ بڑا اچھا لگ رہا تھا"۔

وہ دھیرے سے ہنسی۔ باری نے موقع غنیمت جان کر جھٹ دروازہ بند کر لیا۔ جیسے ہی اندازہ ہوا کہ وہ دور جا چکی ہے۔ وہ تکیہ اٹھا کر بڑے ابا کی بیٹھک کی طرف چل دیا۔

"جان چھوٹ جانے کے احساس سے ایک عجیب سی طمانیت جسم و جاں پر طاری ہو گئی۔

بڑے ابا کی بیٹھک میں بڑا دبیز کارپٹ بچھا ہوا تھا۔ وہ تکیہ رکھ کر دراز ہو گیا تھا۔

"اب اگر انہوں نے مزید پریشان کیا تو مقدمہ سپریم کورٹ کے حوالے کر کے میں فارغ ہو جاؤں گا"۔ فیصلہ کرنے کے بعد تو اور بھی ذہن پرسکون ہو گیا۔

بمشکل تین چار منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

باری کا جی چاہا کہ دروازہ اکھاڑ کر اپنے سر پر دے مارے۔

"کون ہے؟ کھلا ہے دروازہ"۔ اس کے لہجے میں نرمی، بے زاری اور جھلاہٹ تھی۔

"خان...... باہروں آ ؤ تساں"۔ سرسوتی کی آواز میں خوف و گھبراہٹ کا ملا جلا تاثر تھا۔

وہ فوراً باہر آیا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس نے قدرے رسانیت سے پوچھا۔

"او...... جیہڑے کیدی نمیں ساں۔ او بے ہوش ہو ساں۔ تے خون بھی نکل ساں"۔

(وہ قیدی نہیں ہے۔ وہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ اور خون بھی نکل گیا ہے)

"خون......؟" باری بری طرح چونک پڑا۔

"ہو جی"۔ سرسوتی کی آواز کانپ رہی تھی۔

اس نے سرسوتی سے پہلے آگے قدم بڑھائے تھے۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

وہ خاصا پریشان ہو گیا تھا گو کہ ظاہری طور پر بالکل پرسکون نظر آ رہا تھا۔

حویلی کے پچھلے حصے میں پہنچا تو جھومر اپنے کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔

''کیا ہوا ہے؟'' اس نے نظریں چرا کر جھومر سے سوال کیا۔

''کیا بتائیں کہ کیا ہوا ہے؟'' اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''آپ کو کیسے پتہ چلا کہ اس عورت نے سر پھوڑ لیا ہے' خون نکل رہا ہے؟'' اس نے قدرے ناراض انداز میں دریافت کیا۔

''اس کی کوٹھڑی کے اوپر جالیاں بنی ہوئی ہیں' اسٹول پر چڑھ کر خود جھانک لو''۔ اس نے راہداری کے ایک کونے میں رکھے انتہائی بوسیدہ اسٹول کی طرف اشارا کیا۔

باری نے مشکوک سی نظروں سے ان کی سمت دیکھا پھر کچھ سوچ کر آگے بڑھا۔ اسٹول گھسیٹا اور چڑھ کر اندر جھانکنے لگا۔ عورت جھلنگا سی چارپائی پر گھٹنوں پر سر دیئے بیٹھی تھی۔ کم پاور کے بلب کی وجہ سے کچھ صاف دکھائی بھی نہیں دے رہا تھا۔

کچھ سوچا تھا اور اسٹول سے نیچے اتر آیا تھا۔

اس نے جیسے زچ ہو کر ''وہ تو بظاہر ٹھیک ٹھاک ہے' آپ کو الہام ہوا تھا''۔ باری نے بغلی جیب سے چابیاں نکالتے ہوئے بڑبڑانے کے انداز میں جھومر سے کہا۔

''میں نے اس کے رونے کی آواز سن کر اس اسٹول پر چڑھ کر اس سے باتیں بھی کی ہیں اور اسے دیکھا بھی ہے''۔

اس کی بات مکمل ہونے تک وہ تالا کھول چکا تھا۔ اس نے کچھ فاصلے پر کھڑی سرسوتی کی طرف دیکھا۔

''پانی لاؤ سرسوتی''۔ وہ حکم دے کر کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟'' اس نے خشک انداز میں عورت کو مخاطب کیا۔

''کچھ نہیں خان! یہ ظفری کی دلہن تو پریشان ہو جاتی ہیں''۔ عورت ایک کراہ کے ساتھ چارپائی پر لیٹ گئی۔

باری چکرا کر رہ گیا۔ عورت کا چہرہ خون سے لت پت ہو رہا تھا۔

''یہ کیا' کیا ہے تم نے؟'' اس کی آواز بہت دھیمی اور نرم تھی۔

''سر تو روز پھوڑتی ہوں' آج خون نکل آیا''۔

''کیوں پھوڑتی ہو سر' اس طرح انسان مرتا تو نہیں ہے؟'' باری نے ادھر ادھر نظر دوڑا کر جانے کیا ڈھونڈا۔

''خان! اب راتیں بڑی بھاری آ گئی ہیں۔ سب لوگ خوش ہو چکے ہیں تو مجھے معافی کیوں نہیں مل رہی۔ نقصان تو سود کے ساتھ پورے ہو رہے ہیں ان سب کے پھر سے؟ خوشیوں کے جشن میں میری سزا میں کمی کا بھی تو اعلان ہو''۔ اس کی کمزور آواز کانپ رہی تھی۔

باری نے پلٹ کر پیچھے کھڑی جھومر کو دیکھا۔ پھر دبی ہوئی آواز میں گویا ہوا۔

''کوئی نہیں ہوا جشن وشن' کام چلا رہے ہیں سب''۔

''ہائے' یہ برف بنے لوگ' کام چلانے کی خاطر بندے تک چلا دیتے ہیں''۔ جھومر نے ایک سرد آہ بھری۔

''بھابی! میں سرسوتی کے ہاتھ فرسٹ ایڈ باکس بھجوا رہا ہوں۔ آپ اتنی دیر میں اس کا زخم صاف کر دیجئے''۔

''کل! چھوڑ جاؤ گے ہمیں' اور جو ہم بھاگ گئے؟'' جھومر مسکراتی ہوئی اس کے پہلو میں آ کھڑی ہوئی۔

باری نے سرسوتی کے ہاتھ سے پانی کا کٹورا لے کر عورت کو تھمایا اور ایک اڑتی پڑتی نظر جھومر پر ڈالی۔

''آپ نہیں بھاگیں گی' اتنے اچھے نصیب نہیں ہیں ہمارے''۔

وہ سرسوتی کو اپنے پیچھے آنے کا اشارا کر کے باہر نکل گیا۔

''جب عورت کی مرہم پٹی ہو جائے تو مجھے آ کر بتا دینا' تالا میں خود لگاؤں گا''۔

اس نے پہلو میں چلتی' تھکی ماندی سی سرسوتی کو مخاطب کیا تھا۔

....

گلو نے ساری خواب آور گولیاں بڑی صفائی اور خاموشی سے کہیں ضائع کر دی تھیں یا چھپا دی تھیں۔ کتابیں پڑھ پڑھ کر

کیسٹیں سن سن کر بھی رات بتا دی مگر نیند نہ آنا تھی نہ آئی اور اب تو جیسے صبح ہونی چاہتی تھی۔ ایک تو ان ویلوں کی ...
نہیں ہے۔ وہ کسی عادی نشے باز کی سی بے چینی کے ساتھ کچن کی طرف آئی تھی کہ شاید کوئی صورت سے ...
مگر سامنے سے آتے ہوئے باری اور سرسوتی کو دیکھ کر دل بڑے زور سے دھڑکا۔ یہ تو صاف ظاہر تھا کہ پیچھے ...
ہیں۔ باری کی حد تک تو درست تھا' مگر یہ سرسوتی جو "سوئے مرے" کی حقیقی تصویر ہوتی ہے' یہ اس کے ساتھ ...
یقیناً "کمیشن" کما رہی ہے۔ "کرپٹ" کہیں کی۔ اس نے دانت پیسے اور اپنی جگہ پر کھڑی ہو گئی۔ ظاہر ہے انہوں نے ...
پاس سے گزرنا تھا۔

باری تو اسے سامنے دیکھ کر ویسے ہی چکرا گیا تھا۔ بڑی ذہنی تیاری کے ساتھ آگے قدم بڑھا رہا تھا۔

"کہاں سے آ رہی ہو سرسوتی؟" وہ اس کے قریب پہنچے تو اس نے سرسوتی کو مخاطب کیا۔ اور باری کو یکسر نظر انداز ...
سرسوتی تو "سیکرٹ سروس" کی ادنیٰ سی کارکن تھی۔ اسے یہ تو پتا تھا کہ حویلی میں کس شخص سے کیا بات کرنی ہے۔
چاری بری طرح گھگھیا کر رہ گئی۔

"میں ...... او ...... گل ...... اے ہے ...... میں خان ...... نال ......؟" اس نے مدد طلب نظروں سے باری کی طرف
دیکھا۔

"ڈر لگ رہا تھا خان کو؟ اس لئے تمہیں بطور "گارڈ" ساتھ لیے پھر رہے ہیں؟" اس نے بڑے تیکھے لہجے میں سوال ...

"جی! اصل بات یہی تھی۔ اب پلیز آپ انکوائری ختم کر کے ہمیں آگے جانے دیں"۔ باری نے قصہ کوتاہ کرنے ...
انداز میں دوٹوک لہجہ اختیار کیا۔

"میں تم سے مخاطب نہیں ہوں' میں اپنی ملازمہ سے انکوائری کر رہی ہوں۔ تم جا سکتے ہو"۔ وہ بھی جواباً غرائی۔

"جی' تو پھر جلدی پوچھ لیجئے' اسے ابھی بہت ضروری کام کرنا ہے"۔

اس نے سینے پر ہاتھ باندھ کر بڑی گہری سانس لی۔

"وہی پوچھ رہی ہوں' اتنی رات کو کون سے "ضروری" کام ہو رہے ہیں؟" اس نے سرسوتی کو گھورا۔

"تم یہیں رکو سرسوتی' میں ایک منٹ میں واپس آتا ہوں"۔

وہ بڑے جھلائے ہوئے انداز میں تیزی سے آگے بڑھ گیا' کیونکہ اسے یہ تو اندازہ تھا کہ سرسوتی کیا کہہ سکتی ہے اور کیا
نہیں۔

روشی نے جاتے ہوئے باری پر ایک نگاہ غلط ڈالی اور پھر سرسوتی کی سمت متوجہ ہو گئی۔

"جھومر بھابی کا کمرا بند ہے یا وہ جاگ رہی ہیں؟" اس نے سرسوتی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"جاگ رئی ساں"۔ سرسوتی کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ یہ چھان بین کس سلسلے میں ہو رہی ہے ...... بڑی سادگی سے
جواب دیا تھا۔

"ہوں"۔ روشی نے گہرا سانس لیا۔

"... تمہارے ہیں' تم چوکیداری کرتی ہو؟ کتنے پیسے دیتا ہے خان؟"

... دل کانپ رہا تھا۔
... سرسوتی کے حلق میں گٹھلی پھنس گئی۔ وہ سمجھی کہ روشی' جھومر اور قیدی عورت کے متعلق بات کر رہی
... ؟" سرسوتی ...

... نہیں ہے مجھے' وہ تو خود چلتا پھرتا اعلان ہیں"۔ دکھ سے روشی کا جی چاہا کہ مر جائے۔
... بات ہے سرسوتی' ہے ناں؟" روشی کی آواز شکست خوردہ ہو گئی۔
... دے وچ خان دا قصور نہیں اے ...... اناں نوں (خبر) وی نئیں سی' اساں ای آکھیا سی ...... بن تے قیدی (
... روندی اے تے جھومر' بی بی اناں دا حال چال پچھ لیندے نیں' ہور تے کوئی گل نئیں اے' خان تے

... سرسوتی اور فوراً بھاگ جاؤ"۔ باری نے مداخلت کی تھی اور سرسوتی کی بات ادھوری رہ گئی۔
... تو "جان بچی سو لاکھوں پائے" والی خوشگوار کیفیت میں باکس لے کر واقعی بھاگ گئی۔
... نے ایک الجھی ہوئی نظر باری پر ڈالی جو باکس تھماتے ہی اپنے کمرے کی سمت روانہ ہو گیا تھا۔
... نے کچن جانے کا ارادہ ارادہ ترک کر دیا تھا۔ سرسوتی سامنے موڑ پر غائب ہو چکی تھی۔ اسے اب پچھلے حصے میں جانے
... گزر رہا تھا۔
... جائے تو اس پہر ڈر سا لگتا ہے۔ اندر سے جائے تو کھوکھر کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑے گا۔
... کا تو "روٹین ورک" ہے' اس لئے کمبخت کو کتوں سے ڈر نہیں لگتا۔
... آخر وہ کس قیدی عورت کی بات کر رہی تھی۔
... تجسس کی انتہاؤں پر پہنچ چکی تھی۔
... فرسٹ ایڈ باکس کس خوشی میں اور کس کے پاس بھجوایا گیا ہے؟
... خیال کے آتے ہی وہ بجلی کی سی تیزی سے زینے کی سمت بڑھی تھی' جو باری کے کمرے کی طرف جاتا تھا۔
... پر ہونے والی دستک کے انداز ہی سے وہ سمجھ گیا تھا کہ کون ہے؟
... نے خود کو خاصا پرسکون رکھتے ہوئے دروازہ کھول دیا تھا۔
... "وہ یوں گویا ہوا جیسے اسے پہلے ہی سے اندازہ تھا کہ وہ آئے گی اور کچھ کہے گی۔
... ست اس کی خوابیدہ اور تھکی ہوئی نظر اٹھی تھی۔
... آنکھیں ہیں کہ مقناطیس) اتنی قوت کسی اور آنکھ میں کیوں محسوس نہیں ہوتی؟
... جب جھومر بھابی دلہن بن کر حویلی آئی تھیں تو تم نے میری مدد کی تھی اور مجھے دلہن دکھانے لے گئے تھے۔
... تمہارے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔ کھوکھر گہری نیند سو رہا ہوگا' میں زنجیر بجاؤں گی تو شور ہوگا۔ دوسری طرف

سے جانا چاہتی ہوں۔ اگر نہیں گئی تو میرے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی' ابھی..... اسی وقت مجھے پیچھے ہونے دو۔"

وہ جذبات سے عاری برف لہجے میں اس سے مخاطب تھی۔

"سنیں روشی بی بی"۔ باری نے بڑی رسانیت سے اسے مخاطب کیا۔

"جن باتوں سے اگلی صدیوں تک آپ پر فرق پڑنے کا امکان نہیں۔ ان میں کیوں انٹرسٹڈ ہیں۔ آپ میری بات کا یقین کیجئے' آپ کے جانے یا نہ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا"۔

اس نے کمال رسانیت سے اسے سمجھایا۔

"ہوسکتا ہے فرق پڑے' بس میں کہہ رہی ہوں ناں' چلو میرے ساتھ"۔

وہ اپنی فطرت کے عین مطابق اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

باری نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔ انتہائی ستا ہوا اور بجھا بجھا سا تھا' جیسے وہ طویل عرصے سے بیمار ہو۔

"میں معذرت خواہ ہوں۔ میں اس وقت اب وہاں نہیں جاسکتا"۔ اس نے صاف صاف بات کرنا مناسب سمجھا۔

"تمہارا خیال ہے' تمہاری معذرت کے بعد میں اپنا ارادہ بدل دوں گی۔ حالانکہ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو"۔ تلخ لہجے میں کہا اور پلٹ گئی۔

باری نے ایک لحہ توقف کیا اور اس کے پیچھے چل دیا۔

اپنے پیچھے قدموں کی چاپ پر روشی نے جان لیا تھا کہ وہ پیچھے آرہا ہے' اس لئے وہ بیرونی احاطے کی طرف بڑھ گئی۔

مگر باہر پاؤں رکھتے ہی اندھیرے کی گھمبیرتا دیکھ کر رک گئی' جیسے باری کے قریب آنے کا انتظار کررہی ہو۔

"آپ نہیں مانیں گی؟ کیوں الجھنیں مول لیتی پھرتی ہیں؟" وہ اس کے قریب پہنچ کر قدرے ناراضگی سے گویا ہوا۔

روشی نے کچھ بولے بنا قدم آگے بڑھا دیئے۔

جانے کہاں کہاں سے کتے سامنے آکر بھونکنے لگے۔ روشی نے ڈر کر باری کا بازو تھام لیا۔

"چلیں واپس چلیں"۔ اس نے نہایت نرمی سے پھر اس سے کہا۔

"کہہ تو دیا ہے نہیں"۔ وہ بگڑی۔ اور باری کا بازو پکڑ کر تقریباً کھینچا۔

"ضد سے کچھ ملتا ہے؟" اس نے زچ ہوکر کہا۔

"ہاں"۔ وہ جھلائی۔

باری نے بے بسی سے قدم آگے بڑھا دیئے۔ کتے ان کے پیچھے پیچھے بری طرح بھونکتے ہوئے دوڑ پڑے۔

"ان کتوں کو گولی کیوں نہیں مارتے؟" وہ باری کے قریب ہوتے ہوئے ناگواری سے کہہ رہی تھی۔

"کبھی ضرورت پیش آئی نہ دھیان آیا اور کیوں ماریں بے گناہوں کو؟" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"ابھی میری یا تمہاری ٹانگ پکڑ لی تو گناہ گار ہوجائیں گے' پھر تم مار دو گے گولی؟"

"ابھی تو ہماری ہے کہ انہیں "اوور ٹائم" پر مجبور کردیا ہے۔ یہ تو بے چارے ڈیوٹی سے فارغ ہوکر آرام کررہے تھے"۔

"بے چارے کتے اور تمہیں کتوں کا؟ انسان تو تمہاری نظر میں جیسے کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتے"۔ وہ طنزیہ بولی۔

باری اپنی سوچوں میں الجھا ہوا تھا کہ اندر داخل ہونے کے بعد جانے کیا صورتحال پیش آتی ہے اور وہ اس سے کیسے نمٹے گا۔

"آپ راتوں کو کیوں جاگتی رہتی ہیں؟ ابھی تو آپ کے امتحان بھی دور ہیں؟" اس نے جیسے بہت تنگ آکر یہ سوال کیا۔

"تمہیں اس موضوع پر بات کرنے کی ضرورت نہیں' بلکہ قسم کھالو کہ کبھی مجھ سے اس موضوع پر بات نہیں کرو گے"۔ وہ تنک کر بولی۔

"قسم تو مجبوراً یا خوشی سے کھائی جاتی ہے"۔ اس نے ماحول کو ہلکا پھلکا کرنے کی غرض سے جواب دیا۔

باری کا بازو روشی کے نرم ہاتھ کی گرفت میں تھا۔ اس کی قربت کسی امتحان سے کم تو نہیں تھی۔ لہجہ خود بخود نرم ہوگیا تھا۔

"تم "اپنی خوشی" کا لفظ اپنی لغت سے نکال دو۔ غلام کی اپنی خوشی کوئی نہیں ہوئی"۔ وہ تڑخ کر بولی تھی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں"۔ اس نے نہایت دھیمی آواز میں کہا تھا۔

"ہمیں تو تسکین ہوجایا کرو اپنی غلامی پر"۔ وہ زہر آلود لہجے میں گویا ہوئی۔

باری خاموش رہا۔ وہ پچھلے حصے میں داخل ہوچکے تھے۔

باری راہداری میں پہنچ کر رک گیا۔ البتہ روشی آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔ سب سے پہلے اس نے ظفری کے بیڈروم کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ کچھ نظر نہ آنے پر اس نے خاصی حیرت کے ساتھ پلٹ کر باری کی سمت دیکھا۔ پھر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ باری سینے پر بازو لپیٹ کر دیوار سے ٹیک لگا کر بغور اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔

"یہ سرسوتی کہاں چلی گئی؟" اس نے باری کو مخاطب کیا۔

باری نے لاعلمی کے اظہار کے طور پر شانے اچکا دیئے۔

روشی کونے پر بنی ہوئی کوٹھڑی سے آتی ہوئی آوازوں پر متوجہ ہوئی اور دبے پاؤں اس طرف بڑھی۔

اندر جھانکا اور جیسے دم بخود سی رہ گئی۔ چند ثانیے اندر جھانکنے کے بعد پلٹ کر حیرت سے باری کی طرف دیکھا اور کوٹھڑی میں چلی گئی۔

نوکرانی زخمی عورت کی مرہم پٹی میں منہمک تھی۔ اسے روشی کی آمد کا احساس نہ ہوسکا۔ البتہ سرسوتی بوکھلا گئی۔

"روشی بی بی! تساں ..... خان ..... کتھے ..... تساں؟"

وہ کہہ رہی تھی۔ جھومر اس کی آواز پر ٹھٹک کر پلٹی تھی' پھر روشی کو دیکھ کر مسکرا دی۔

"روشی! اس وقت تم یہاں کیسے؟" وہ دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔

''یہ کون ہے؟ اسے کیا ہوا؟'' روشی تعجب سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''اس کے جواب باری کے پاس ہیں' وہ نہیں ملا تمہیں؟'' جھومر نے قینچی سے بینڈیج کی پٹی کاٹتے ہوئے ... میں جواب دیا۔

''سرسوتی! باری باہر کھڑا ہے' بلا کر لاؤ''۔ اس نے سرسوتی کو حکم دیا۔

سرسوتی یوں بھاگ گئی جیسے منتظر ہی تھی۔

چند منٹوں بعد باری اندر داخل ہوا۔

''آپ کا کام مکمل ہو گیا''۔ وہ براہ راست جھومر سے مخاطب ہوا۔

''ہاں' ہمارا کام مکمل ہو چکا' مگر تمہارا کام شروع ہے''۔ اس نے روشی کی جانب اشارا کرتے ہوئے معنی خیز مسکرا کر کہا۔

باری الجھ کر روشی کو دیکھنے لگا۔

''کون ہے یہ؟'' اس نے بڑی خوفناک سنجیدگی کے ساتھ اس سے سوال کیا۔

باری خاموش رہا۔

''کیا پوچھ رہی ہوں میں؟ کون ہے یہ' اسے کیا ہوا ہے؟ اس کے پاؤں میں بیڑیاں کس نے ڈالی ہیں؟'' وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔

''یہ کچھ نہیں بتائے گا روشی بی بی! بلکہ میں بھی نہیں بتاؤں گی کہ میں کون ہوں؟ یہ آپ کے راستے نہیں ہیں۔ آپ خوشیوں بھری زندگی کی طرف پلٹ جائیں' آپ کیلئے یہی بہتر ہے''۔ عورت اپنا سر پکڑ کر چارپائی پر ڈھے گئی۔

روشی ساکت سی کھڑی اسے دیکھتی رہی' پھر مزید آگے بڑھی۔

''کیا نام تمہارا؟'' اس نے حاکمانہ انداز میں نام پوچھا۔

''بدنصیبی' روسیاہی' اندھیرا' تاریکی' کنیز' غلام زادی''۔ عورت نے جیسے چکراتے ہوئے سر کو تھاما۔

''میں نے تمہارے تخلص نہیں' نام پوچھا ہے''۔ وہ سختی سے گویا ہوئی۔

''آپ نام جان لیں گی' کیا فرق پڑے گا' مجھے یا آپ کو...... آہ!'' وہ کراہتے ہوئے بولی۔

''جھومر بھابی! کیا نام ہے اس کا' کون ہے یہ؟'' وہ جیسے ہذیانی ہو گئی۔

''روشی بی بی! آیئے واپس چلیں' آپ کچھ دیکھنا چاہتی تھیں' آپ نے دیکھ لیا' لایئے جھومر بھابی! یہ باکس مجھے ...''۔

...ری کا سکون کمال تھا۔

... تیزی سے باری کی جانب بڑھی اور اس کا بازو پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔

... جاؤں گی' اس وقت تک جب تک مجھے یہ پتا نہ چل جائے کہ یہ کون ہے' اس کا نام کیا ہے؟'' وہ ...

... کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹایا۔ وہ اتنی حیران پریشان تھی کہ وہ اندر تک ... پڑنے لگا۔ اس کا نرم ... پھر اس کی طرف دیکھا۔ وہ دم بخود سی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اسے برسوں کی ...

... میں پڑنے لگی ہیں' آیئے چلیں''۔

... نرم اور رواں تھی۔ اس کے لہجے کی گھمبیرتا' پھر اس کے دل میں کہیں اٹک گئی۔

... کا دل جھک جاتا' بے بس ہو جاتا' وہ اس کی بات مان لیتی' ہتھیار ڈال دیتی' اس کے ساتھ واپس ... اس سے دور ہو گئی۔ اس کے اثر سے آگے بڑھ گئی۔

... میں رہتی ہوں' مجھے حق ہے کہ معلوم کروں اگر کچھ ہے تو کیوں ہے؟'' وہ پھر عورت کی طرف بڑھی۔

... اتنی خدمتیں کر رہی ہیں؟ کس حساب میں کر رہی ہیں' کیا لگتی ہے یہ آپ کی؟'' وہ جھومر سے ...

... کے ہاتھ سے پانی کا کٹورا لے کر روشی کی سمت پلٹی۔

... ''ہے' بس یہی رشتہ ہے میرے اور اس کے بیچ۔ باقی تم باری سے پوچھ لو۔ ہو سکتا ہے' اس کی ...

... انداز میں مسکرائی۔

... جانب دوبارہ دیکھ کر باری گڑبڑا کر رہ گیا۔

... ہوں میں تمہارا؟'' روشی' باری کی سمت پلٹنے کی بجائے پھر عورت سے مخاطب ہوئی۔

... نظریں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا' چند لمحے تک دیکھتی رہی۔

... ہو مگر اپنی ماں جیسی پھر بھی نہیں ہو''۔

... آنکھیں موند لیں۔

... جانتی ہو' دیکھا بھی ہے' ان کا نام یاد ہے؟'' روشی وفورِ شوق سے چارپائی کی پٹی سے ٹک گئی۔

... کیسے بھول سکتی ہو؟ نازنین...... نازپرور......''۔ عورت نے اپنی بات پر خود ہی دھیرے سے ہنس دی۔

... میں نے تو تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا''۔ روشی کے اندر تجسس کا سمندر ابل پڑا تھا۔

... پہچانوں گی۔ نازنین اور یاور علی خان کی بیٹی ہو۔ تیمور علی خان کی بھتیجی ہو۔ بھلا تمہیں نہیں پہچانوں گی ... عورت خودکلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔

... میں خود پتا کر لوں گی''۔ وہ تیزی سے بولی تھی۔

... نام ہے' میں جاہل' ان پڑھ' مجھے تو اپنے نام کے معنی بھی پتا نہیں''۔ عورت نے ایک لمحے کیلئے ...

''مطربہ! اتنا خوبصورت نام' کون ہو تم؟'' روشی بے قرار سے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا بڑھ

بڑھ گیا۔

عورت خاموش رہی۔

''باری! یہ کون ہے؟'' اس کی تشویش قابل دید تھی۔

''میں آپ کو بتا دوں گا' مگر شرط یہ ہے کہ آپ اس وقت میرے ساتھ چلیں''۔

موقع سے فائدہ اٹھانا اس کی مجبوری تھی۔

''اور جو نہیں بتایا؟'' وہ اس کی طرف سے پر اعتماد نہیں تھی۔

''میں نے کہا نا' بتا دوں گا' آیئے پلیز!'' نیند سے اس کی بری حالت ہو رہی تھی۔

روشی آگے بڑھتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔

''باری!'' جھومر نے آواز دی۔

باری جو پلٹ چکا تھا' آگے بڑھتے بڑھتے رک گیا۔ مگر مڑا نہیں۔

''اب' کب آؤ گے؟''

روشی کا وجود جیسے آگ میں جلنے لگا۔ اس نے نہایت سلگتی ہوئی نظریں اٹھا کر جھومر کی طرف دیکھا۔

''مائنڈ یور بزنس بھابی! آپ کو باری کے آنے جانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہونا چاہیے''۔

''باہر آیئے آپ' مجھے تالا لگانا ہے' چلو سرسوتی باہر نکلو''۔ باری نے باہر نکل کر سرسوتی کو حکمیہ کہا۔

سرسوتی افتاں و خیزاں باہر آ گئی۔

''میں باہر نہیں آ سکتی' یہ پیاسی نہ مر جائے''۔ جھومر نے انکار کر دیا۔

''تالا لگانے کی کوئی ضرورت نہیں' کہیں بھاگے نہیں جا رہے ہم''۔ وہ تنک کر بولی۔

باری کی جھلاہٹ نیند کی وجہ سے سوا تھی۔ اس نے دھڑ سے دروازہ بند کیا اور کھٹاک سے کنڈی لگا کر

چابیاں جیب میں ڈالتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ روشی اس کے پیچھے پیچھے دوڑی۔

''ارے جھومر بھابی کو بھی بند کر دیا''۔

''آپ چاہیں تو آپ بھی ان دونوں کے پاس قیام کر سکتی ہیں''۔ وہ جھلایا۔

روشی تقریباً بھاگتی ہوئی اس کے پہلو میں پہنچی۔

''حد ہو گئی ہے تم سے بھی......!'' وہ بڑبڑائی۔

''میں صبح کو آپ کیلئے ''سلیپنگ پلز'' کے پیک لے آؤں گا۔ چھپا کر رکھ دیجئے گا سب سے۔

کریں گی''۔

وہ باہر آ چکے تھے اور کتے ''اوور ٹائم'' پر کام شروع کر چکے تھے۔

...جنے کے بعد وہ حویلی کی راہداری میں پہنچ چکے تھے۔

...یہ عورت؟'' وہ وہیں رک گئی۔

...کون ہے یہ عورت... میرا جو اپنی بچی کھچی نیند بھی ضائع کر دوں۔ ہر رات کی صبح بھی ہوتی ہے شاید آپ بھول گئیں''۔

...کمرے میں جانے کے ارادے سے تیزی سے چلتا ہوا زینے کی طرف بڑھ گیا۔

...زینے میں رہ گئی۔

...چاہتا ہے کہ وہ کروں تمہارے ساتھ کہ عمر بھر یاد رکھو۔ پھر سوچتی ہوں' مرے کو کیا مارنا۔ بہت ترس کھانے کی

...تم پر' مگر عجب طبیعت ہے۔ بدلہ لئے بغیر سکون نہیں آئے گا۔ اتنی ڈھیر ساری راتیں قرض ہیں تم پر۔

...ہار جاؤ گے۔ میری اب کوئی دعا نہیں ہے سوائے اس دعا کے......!

...موت سے پہلے صرف یہ دیکھ سکوں کہ تم ''ہار'' کر کیسے لگ رہے ہو۔ تمہارا ضبط ٹوٹ رہا ہے' تم حالت بے بسی

...وجود' تمہاری جادو اثر آنکھیں' تمہاری مستحکم چال' میرے سامنے ریت کی طرح بکھری پڑی ہے''۔

...اب تو سکون تب ہی آئے گا''۔

...کمرے کی جانب بڑھتی ہوئی ایک ان دیکھی آگ میں بھڑ بھڑ جل رہی تھی۔

....

...تیرا مرد کیا ''دوسری'' کے چکر میں تھا؟'' نانی حنیفہ پر ''سوت'' آئی تھی۔ اس کی تان دوسری اور تیسری پر ہی

...کہاں تھے اس میں کہ آسانی سے جان چھوٹ جاتی) بالو جل کر سوچ رہی تھی۔ برتن رگڑنے میں مزید تیزی آ

...کے پاؤں دھو دھو کر پیتا تھا۔ اس نمک حرام کا مقدر ہی خراب ہے''۔

...کو دھوپ لگا رہی تھی۔ وہیں سے تڑخ کر بولی۔

...تڑوا لیا اس نے''۔ بی جمن کو جیسے سونا جانے کا بڑا دکھ تھا۔

...ہوں' وہ آگ میں سلگتی ''طوقیں''۔ اس نے پتیلی کھنگال کر زور سے ایک طرف پٹخ دی۔

...''انٹرویو'' دے دے کر تھک گئی تھی۔

...اماں' اس کے سجاؤ ہی نہیں تھے' گھر بسانے والے''۔ اس کی ماں اپنا کام پورا کرکے ہمسائیوں

...تیر کھلوا دیا ہے اس نے' اب اس زندہ جنازے کو روئیں گے عمر بھر''۔

...کا پروگرام بنانے لگی۔

...کی پرواہ کرکے خون تھوک کر مر جاؤ...... ہونہہ''۔ اس نے دھلے ہوئے برتنوں کی ٹوکری ایک طرف

کھسکاتے ہوئے منہ بنا کر سوچا۔

''آپ لوگ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ میری خوشی پر خوش کیوں نہیں ہیں۔ آپ لوگ میرے ...
دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے چڑ کر عورتوں سے مخاطب ہوئی۔

''خوشی ...'' عورتوں نے غضب سے اس کی صورت دیکھی۔

''یہ ... خوشی ہے؟ اور تو اور یہ وہ گونگی ہو تو نہیں ہے۔ کیا زمانہ ہو گیا ہے ہاتھ بھر کا ...

''مجھے فخر ... ہوتے تھے وہاں۔ گھروں میں کھیتی تھی۔ ہم نے خود دیکھا تھا تیرا گھر سارے گاؤں
میں ایک ... تھا۔ ... تک راضی نہیں تھی مگر دل خان کے طور طریقے ہمارے ساتھ سے بھلے تھے کہ ایسے داماد
وہاں دیکھنے کو نہیں ملتے۔ بدنصیب کے نصیب میں سکھ ہی نہیں ہے۔ پتھر سا آ بیٹھا ہے چھاتی پر۔

اس کا باپ تو پہلے ہی بیمار تھا۔ اب تو یہ صدمہ میرے منہ میں ... اسے کھا ہی جائیگا۔

بھرے گھروں کا بھرا ہوا گھر۔ فریج تو وہ بڑے والا، نیلی ویشان رنگ والا بڑا مہنگا آتا ہے ... دودھ ... بنانے کی، شربت گھولنے (جوسر) بجلی کی مشین، کپڑے دھونے کی یہ بڑی سی مشین اس میں دھونا ہی مرکھپ
جان کر نہیں لگواتا تھا کہ اسے سیدھے لوگ اس کی عورت کو چھیڑیں گے، اکیلی کا رہتا ...''

اس کی ماں کلس کلس کر نعمتیں یاد کر رہی تھی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہے یہ ایسا بھرا گھر محلے کی کسی لڑکی کو نصیب نہیں ہوا''۔ نانی حنیفہ نے تائید کی۔

(اور وہ بھرے گھر والا ... بڑی توند اور پانچ مصنوعی دانتوں کے ساتھ امریکہ کا صدر نظر آتا تھا جیسے زہر ...
آدھا گھنٹہ اس کے ساتھ۔ بڑی بی ''جن پری'' کا میل کیا تھا، میرے باپ نے مشینوں سے بیٹی بیاہی تھی۔ ...

''ارے! اگر جھگڑا ہوا ہے تو کوئی بات نہیں۔ میاں بیوی جھگڑا کیا ہی کرتے ہیں۔ ابھی ''کانڈ'' تو نہیں ہوا،
دو چار لوگ بیچ میں پڑیں تو صلح صفائی ہو سکتی ہے''۔ اماں جن نے روشنی کی کرن ڈھونڈنے کی کوشش کی۔

''مجھے نہیں کرنی صلح صفائی۔ آپ لوگ اپنے دماغ میرے مسئلے میں نہ کھپائیں۔ مہربانی ہوگی''۔ وہ ...

''دیکھ لو اماں! اس کے رنگ ڈھنگ''۔ اس کی ماں نے شکایتی انداز میں بڑھیا سے کہا۔

''کیوں اپنے باپ کا وزن بڑھا رہی ہے۔ کل کو نیا ''جی'' تیری گود میں کھیلے گا۔ تیرے باپ کو ...''
حنیفہ ناراضگی سے بولی۔

''کوئی نہیں کھیلے گا میری گود میں، اپنے لئے میں کسی فیکٹری میں نوکری کر لوں گی''۔ اس نے فوراً جواب ...

''طلاق لینے سے تجھ میں ہیرے موتی ٹنکیں گے؟'' بڑھیا برافروختہ ہوئی۔

''ہاں''۔ وہ تڑخ کر بولی اور اندر کمرے میں چلی گئی۔

''تو پتا تو کر بالو کی ماں، بات کیا ہوئی ہے؟'' اماں حنیفہ تشویش سے بولی۔

''گیا تھا اس کا باپ، دل خان مل کر ہی نہیں دے رہا''۔ اس کی ماں مایوسی سے بولی۔

... بھلا کیا بات کرے گا، اسی کی سن کر آ جائیگا''۔ اماں جن نے مشورہ دیا۔
''تو خود چلا جائے غلام محمد؟''
''مگر یہ بدنصیب تو وہاں جانے پر راضی ہی نہیں''۔ اس کی ماں بے چارگی سے گویا ہوئی۔
''تو یہ تو سب بعد کی باتیں ہیں''۔ نانی حنیفہ نے زور لگایا۔
''چلو میں بھی جاؤں گی، دعا کرنا تم''۔
دونوں بڑھیوں نے اسی وقت آنچل پھیلا کر دعا کرنا شروع کر دی۔ جیسے واقعی وہ دعا کیلئے کسی تاکید کی منتظر تھیں۔

....

... یاور علی خان ہری پور جانے کیلئے تیار ہی تھے کہ بابا صاحب کا حکم آ گیا۔
... کے سسرال والے تاریخ لینے آ رہے ہیں، اس لئے وہ ایک دن مزید رک جائیں۔
... جب یہ حکم ملا وہ ہال کی طرف آ رہی تھی۔ الوداعی ملاقات کی غرض سے چال کا انداز ایک دم ہی بدل گیا۔
... لینے، مگر روشی ابھی تو اس سے کھل کر بات کرنا تھی۔ پھر یاور علی خان سے ڈسکس کرنا تھا۔
... نہیں تھی تو روشی کے معاملات سے غیر متعلق تھی، مگر اب وہ اس کے اہم ترین فرائض میں شامل تھی۔
وہ بہت آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ہال میں داخل ہوئی۔
... لڑکیوں نے اسے دیکھتے ہی خوشی سے نعرہ مارا۔
''اسلام علیکم''۔ اس نے بیٹھنے کی جگہ تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ لڑکیوں پر نظر دوڑا کر روشی کو بھی تلاش کیا۔
''خوشخبری پہنچ گئی آپ کو؟'' ... نے خوشی سے سرشار آواز میں ماہین سے سوال کیا۔
''خوشخبری؟ کیسی خوشخبری؟'' اس نے قدرے انجان بن کر سوال کیا۔
''ارے! آپ کو نہیں پتا؟ حالانکہ آپ کو تو سب سے پہلے پتا چلنا چاہیے۔ روشی کے سسرال والے تاریخ لینے آ رہے
ہیں ... وہ لوگ عید سے پہلے شادی کرنا چاہ رہے ہیں''۔
''آپ بتائیے کون سی تاریخ مناسب رہے گی؟''
وہ خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھی۔
''یہ روشی سے ہی ڈسکس کرنا ہوگا''۔ ماہین بے ساختہ مسکرا دی۔
''... روشی کو کیا آج اصطبل نما کر سوئی ہے''۔ روبی نے آواز لگائی۔
''... جاگ جاؤ۔ ہو گئیں نیندیں پوری''۔ روبی نے بیہ کو مخاطب کیا۔
''... پھاڑ کھائے گی مجھے''۔ بیہ نے معذرت کے ساتھ ساتھ وجہ بھی بیان کی، جو خاصی خوفناک تھی۔
''... جاؤ تو۔ دروازہ پیٹ پیٹ کر روشی روشی کہتی واپس بھاگ آؤ۔ خود ہی آ جائے گی پیچھے پیچھے''۔ تانیہ کو
... سب سوجھا تھی۔
''... کیوں مچا رکھا ہے آپ لوگوں نے؟'' روشی جھلاتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔

شادی کے دن ہیں قریب
بنو ذرا دھیرے سے بولو

تانیہ، بیہ، روبی لہک لہک کر گانے لگیں۔

روشی نے الجھ کر ماہین کی سمت دیکھا۔

"کس کی شامت آرہی ہے اب؟" وہ منہ بنا کر ماہین کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"تمہارے سسرال والے آرہے ہیں تاریخ لینے"۔ ماہین نے سنجیدگی سے اسے مطلع کیا۔ ساتھ ساتھ وہ ... کا بھی بغور جائزہ لے رہی تھی۔

روشی تو جیسے ایک دم سناٹے میں آگئی۔ چند ثانئے تو اس سے بولا ہی نہیں گیا۔

"سسرال والے"۔ کس قدر اجنبی سا محسوس ہوا تھا یہ لفظ۔

"کس بات کی تاریخ لینے"۔ وہ طیش پر قابو پاتے ہوئے بس اتنا ہی بول سکی۔

"جنگ کی"۔ روبی جل کر بولی۔

"اللہ نہ کرے۔ اچھی بات منہ سے نکالو"۔ گلو نے ٹوکا۔

"آج شام چار بجے تک یہاں پہنچ جائیں گے۔ تم اچھی طرح تیار ہو جانا"۔ مونا نے کہا۔

"ٹھیک ہے' اعشاریہ تین چھ کا ایک ریوالور اور سیون ایم ایم کی ایک رائفل وہ بھی لوڈڈ مجھے دے دیجئے گا۔ سب سے اچھی تیاری ہوگی"۔ اس نے کھولتے ہوئے لہجے میں کہا۔

گلو' زری' شینو اور ماہین نے اس کے لہجے کا زہریلا پن یوں محسوس کیا تھا جیسے وہ ان کی ذات سے ... دوسری لاابالی لڑکیوں نے اسے اس کا مخصوص "اسٹائل" سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔

ماہین نے بڑی ہی "مطالعاتی نگاہ" سے ان کا جائزہ لیا۔ پھر اس کا نرم گدے جیسا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام ...

"بی ہیو یور سیلف۔ اپنا ٹیمپر لوز نہیں کرو"۔

"کیوں نہ کروں۔ انسانوں کو بھی یوں استعمال کرتے ہیں جیسے کچن میں ہلدی مرچ"۔ وہ بڑبڑائی۔

"اس کا مطلب ہے شام کو کھانے پر بڑی مزیدار ڈشز ہونگی"۔ مریم تصویر کو دوسرے رخ سے دیکھ رہی تھی۔

"رات کو"۔ بیہ نے تصحیح کی۔

"ہاں بھئی۔ وہی وہی"۔ مریم نے صلح جو انداز میں جواب دیا۔

"جاؤ تم اپنے کمرے میں۔ میں وہیں آتی ہوں"۔ ماہین نے شور شرابے کا فی کد و اشارہ ...

"ابھی تو میں اپنے ایک اہم مشن پر جا رہی ہوں۔ ابھی فی الحال آپ ان سب سے بات چیت ... ٹھیک ہے"۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مشن..... کیسا مشن۔ کیا گھر سے باہر جا رہی ہوں؟" ماہین الجھی۔

نہیں۔ یہیں گھر میں۔ آپ فکر نہ کریں۔ ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں خود آپ سے تفصیلی بات کرنے کیلئے بے ...

چین ہوں"۔
... ہین کے ہاتھ سے آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑا کر باہر چلی گئی۔

"کیا یہ ابھی سے تیار ہونے چلی گئی؟" دور کونے میں اوندھی لیٹی میگزین الٹ پلٹ کرتی لالی نے واک مین کا ... پریس کر کے حیرانی سے استفسار کیا۔

"ہونہہ۔ ابھی سے"۔ شینو نے ننگ کے دوران استہزائیہ "ہونہہ" کہنے کی فرصت نکالی۔ "اب تو خیر وہ تیار نہیں ہو رہی۔ وہ "تب" بھی تیار نہیں ہوگی"۔

وہ بظاہر بے نیازی سے کہہ کر چھے الٹے دو سیدھے کرنے لگیں۔ وہ سیزن میں بے حساب ننگ کیا کرتی تھیں۔

"کیوں تیار نہیں ہوگی۔ کیا شرمائے گی؟ تو منع کیا ہے کسی نے۔ تیار ہو کر شرمالے"۔ مریم کو "بدشگونی" سے نہایت تکلیف ہوتی ہوئی۔

"وہ نہیں شرماتی ورماتی۔ اسے تو اپنے حصے کا کام دوسروں پر ڈالنے کی عادت ہے۔ نعیم سے کہہ دے گی۔ میرے حصے کا تم شرمالو۔ میرا موڈ نہیں ہو رہا"۔ زری نے کچھ علیحدہ نقشہ پیش کیا۔

ساری لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ مگر ماہین مصروف سی شینو کو جانچ رہی تھی۔ جن کا انداز یوں تو دوسروں سے تھا ہی مختلف۔ مگر روشی سے متعلق تو وہ خاصی پہنچی ہوئی لگ رہی تھی۔

جلد ہی محسوس ہوا جیسے لڑکیاں اس کی "چپ" سے خاصی تشویش میں مبتلا ہو گئی ہیں۔ وہ فوراً ہی سنبھل گئی۔

سب شام کی تیاری کا موضوع لے کر باتیں کرنے لگیں۔

....

"سرسوتی"۔ اس نے گودام سے نکلتی سرسوتی کو آواز دی۔

"آ..... سان..... بی بی"۔ وہ رات کی وجہ سے بہت ڈری ہوئی تھی۔ گودام کا دروازہ کھلا چھوڑ کر بھاگی چلی آئی۔

"خان کدھر ہے؟"

"تساں کھلو جاؤ۔ ہن آساں"۔ وہ اصطبل کی طرف دوڑ گئی۔

"گلو..... وہ ڈریسنگ کا آئینہ صاف نہیں ہوا تجھ سے دو دن میں"۔ باغ سے آتی ہوئی لہراتی بل کھاتی کلو کو اس نے ٹوکا۔

جو اپنی دھن میں تھی جس کے فرشتوں کو بھی امید نہیں تھی کہ وہ یوں راہ میں کھڑی ہوگی"۔ وہ دہل کر اپنی جگہ رک گئی تھی۔

"میں بھول گئی تھی بی بی۔ ماما نے مجھے سبزی لینے بھیج دیا تھا۔ پھر کھوکھر کہنے لگا کہ اس کی عورت بیمار ہے ذرا ہنڈیا چڑھا ... پھر جی میں بڑے خان کی چلم بھرنے چلی گئی۔ واپس آئی تو بھابی (سمیہ) مجھے اپنے ساتھ ڈاکڈر (ڈاکٹر) کے لے گئیں۔ منیار ہے ناں جی۔ آپ سوچو شہر کا جانا اور آنا۔ پھر وہاں سے"۔

"اچھا چپ کر۔ اداؤں اور بہانوں کی پوٹلی۔ بقول بی امی۔ اللہ توبہ کلو کی ادائیں نہ رکھی جائیں نہ اٹھائی جائیں"۔

''تو پیچھے جاتی ہے کیا؟'' (اس کا اشارہ حویلی کے پچھلے حصے کی طرف تھا)

''نہ جی...... میرا کیا کام۔ ایک بڈھا آتا ہے ادھر۔ وہ جھاڑو دے کر چلا جاتا ہے۔ سرسوتی کو ہوتے ہیں ہا...
کام۔ جب دیکھو آ رہی ہے۔ جب دیکھو جا رہی ہے''۔

''پیشہ وارانہ جیلسی'' یہاں بھی تھی۔ کلو نے ناک بھوں چڑھانے کا موقع گنوانا مناسب نہیں سمجھا۔

''اور کس کو آتے جاتے دیکھا۔؟''

رات کے واقعے نے اس کی کھوپڑی الٹ کر رکھ دی تھی۔ نعیم کے گھر والوں کی آمد تک جیسے اس کیلئے کام کی بات ...
گئی تھی۔ جسے جب چاہے وہ اپنے طریقے سے ہینڈل کر سکتی تھی۔ دوسرے اسے اس معاملے میں اس لئے بھی تقویت ...
کہ یاور علی خان گھر پر موجود تھے۔ اور ماہین کی شکل میں اسے مضبوط واسطہ میسر آ چکا تھا۔ اس کا تو حال، ماضی، مستقبل جس کے ...
گرد گھوم رہا تھا اس کیلئے اصل مسئلہ تو یہ تھا۔

''نہیں ادھر کوئی نہیں جاتا۔ بڑے خان کا حکم نہیں ہے۔ اور جی ادھر رکھا بھی کیا ہے۔ بس خان جی (باری) آتے جاتے ہیں ہر جگہ۔ وہ تو جی پوری حویلی میں پھرتے ہیں۔ بڑے کام ہوتے ہیں جی انہیں''۔

کلو نے بڑی اپنائیت و دلسوزی سے کہا۔ (ہاں اسی کے کندھوں پر رکھی ہوئی ہے حویلی)

''او۔ خان...... او در نئیں اے''۔ سرسوتی دوڑتی ہوئی واپس آئی۔ اس کا سانس بری طرح پھول رہا تھا۔

''تو پھر پیچھے گیا ہوا ہے؟'' اس نے سرسوتی سے پوچھا۔

''ایس ویلے تو وہ کدی نئیں جاؤندے نیں''۔ سرسوتی نے نظریں چرا کر جواب دیا۔

جانے کیوں اسے یوں محسوس ہوا جیسے سرسوتی جھوٹ بول رہی ہے۔ اور وہ اصطبل میں باری سے باقاعدہ بات کرکے آ رہی ہے۔

''اور کون کون ہے اصطبل میں باری کے علاوہ''۔ اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''ڈنگر ڈاگدر (جانوروں کا ڈاکٹر) کو کھڑا اے۔ دین محمد چوکیدار اے۔ اور چاچا پتر اپی''۔ وہ انگلیوں پر گن کر سادگی سے بتانے لگی۔

''جانوروں کو انجکشن خان لگا رہا ہے یا ڈاکٹر؟''

''ڈاگدر لگا رہا ہے۔ خان تے''۔ معاً وہ ڈر کر رک گئی۔ اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ روشی اس گنواری رو بہکا کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی تھی۔

سرسوتی خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ ساری لڑکیوں میں نوکروں کو اسی سے سب سے زیادہ خوف محسوس ہوتا تھا۔

روشی چند ثانیے سرسوتی کو دیکھتی رہی۔

''اچھا۔ جاؤ تم''۔ اس نے پرسکون لہجے میں اسے جانے کو کہا۔ سرسوتی نے نہایت تعجب سے اسے دیکھا تھا۔ پھر دوڑ نے

... خبر نہیں کی تھی۔

... سوچتی رہی۔ پھر دائیں جانب مڑ گئی۔ یہ راستہ اصطبل کو جاتا تھا۔

''... گھوڑے کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ڈاکٹر سے محو گفتگو تھا۔

... سفید گھوڑے کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ... برآمد ہوتے دیکھ ٹھٹک گیا بلکہ اپنی بات ہی بھول گیا۔

''... بیگم''۔ روشی نے قریب پہنچ کر ڈاکٹر کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام''۔ اس نے جواب دیتے ہوئے سوالیہ نظروں سے باری کی جانب دیکھا۔

''حویلی کے مالکوں میں سے ایک ہوتی ہیں''۔ باری نے سنبھل کر تعارف کرایا۔ ڈاکٹر ایک دم کانشس ہو گیا۔ اور خاصا ... نظر آنے لگا۔

''باری گر تو خاصا ٹھیک ہے۔ البتہ تاگ منی بہت سست ہے۔ جب سے سکمن فروخت کیا ہے یہ اپنی ساری چوکڑی ... بھول گئی ہے''۔ باری نئے سرے سے ڈاکٹر سے مخاطب ہوا۔

''روپ وتی کا حال سنائیں۔ بچے کے صدمے سے سنبھلی یا نہیں؟'' ڈاکٹر اصطبل میں نظریں دوڑ کر پوچھنے لگا۔

''کوئی اسلامی نام نہیں تھا بے چاری کیلئے؟'' روشی نے مداخلت کی۔

''وہ اندر حویلی میں بہت ہیں''۔ باری نے ذومعنی بات کہی۔ ڈاکٹر نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

روشی برا سا منہ بنا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''ڈاکٹر سامنے ایک گھوڑے کی طرف بڑھا۔

''کیسے زحمت کی؟'' باری نے تن آنکھوں سے اس کی صورت دیکھی۔

''جھومر بھابی کا پوچھنے آئی ہوں۔ آزاد ہو گئیں؟''

''وہ تو ماشاءاللہ خاصی آزاد ہیں''۔ وہ مسکرا کر ڈاکٹر کی حرکات و سکنات دیکھنے لگا۔

''میں ... نوبت کے حوالے سے بات کر رہی ہوں''۔ وہ جل کر بولی۔

''جتنا راستہ آپ طے کر کے آئی ہیں۔ اتنا ہی فاصلہ پیچھے جانے کیلئے طے کرنا پڑتا ہے''۔ باری نے کچھ جتانے کی کوشش کی۔

''... ہے مجھے۔ مجھے تم سے کچھ اور بھی پوچھنا ہے''۔ وہ ناگواری سے گویا ہوئی۔

''... پوچھئے''۔ باری نے ہنوز ڈاکٹر پر نظریں جمائی ہوئی تھیں۔

''وہ عورت کون ہے؟''

''آپ ... صاحب سے پوچھئے۔ میں واقعی اسے نہیں جانتا''۔ باری نے واضح معذرت کی۔

''یہ کیسے ممکن ہے کہ تم نے جاننے کی کوشش ہی نہ کی ہو''۔ اس نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ یقین کریں مجھے کچھ نہیں معلوم۔ شاید اس نے جھومر بھابی کو بتایا ہو۔ آپ ان سے پوچھ لیجئے''۔ وہ خود کو

صاف بچا رہا تھا۔

''ان کو کیوں اس عورت سے ٹکرا دیا۔ پوری حویلی کو بلیک میل کرتی پھریں گی۔ صاحب سمیت۔۔۔

وہ تم پر بہت آسانی سے قابو پالیں گی۔ مگر شاید تم بھی یہی چاہتے ہو''۔ روشی نے اس کے چہرے پر نظریں۔۔۔

''یقین کیجئے۔ اس قصے میں میرا کوئی حصہ نہیں۔ اب وہ چاہے جو بھی کرتی پھریں''۔ باری نے۔۔۔

دیا۔

''کیا اس عورت نے بھائی کو سب کچھ بتا دیا ہوگا؟'' اس کی ذہنی رو پلٹ گئی تھی۔

''شاید۔ انہیں بہت انسیت ہو چکی ہے اس سے''۔ باری نے جواب دیا۔

''انسیت تو انہیں تم سے بھی بہت ہو چکی ہے''۔ روشی نے طنز سے مسکرا کر کہا۔

باری خاموش رہا۔ اور قریب کھڑے سفید گھوڑے کی پشت سہلانے لگا۔

''ایک بات سنو باری''۔

''جی؟'' وہ اس کے نئے انداز پر سنبھلا۔

''میں اتنی احمق نہیں ہوں جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے۔ اس عورت کا انداز بتا رہا تھا کہ تم اس کے محرم راز ہو۔۔۔

بڑے اعتماد سے کہا۔

''لاحول ولا قوۃ۔ ثقیل اردو استعمال کرنے کے شوق میں جانے آپ کیا کیا بول جاتی ہیں۔ کہ آپ کو اندازہ۔۔۔

ہوتا''۔ وہ کھسیا کر بولا۔

''کیوں کیا بول گئی ہوں؟'' وہ بگڑی۔

''کچھ نہیں۔ بہر حال میں معذرت خواہ ہوں۔ کسی بھی قسم کی خدمت سے قاصر ہوں''۔ باری نے دو ٹوک انداز۔۔۔

''دیکھو باری۔ اگر مجھے پتا چل گیا ناں کہ تمہیں سب کچھ پتا ہے تو اچھا نہیں ہوگا''۔ اس نے دھمکی دی۔ باری نے

اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

''ایک بات کہوں''۔ اس نے جاتی ہوئی روشی کو مخاطب کیا۔

روشی رک کر اس کی بات کا انتظار کرنے لگی۔

''اب تک جو کچھ ہوا ہے۔ واقعی اچھا نہیں ہوا ہے''۔ وہ شرارت سے گویا ہوا۔

''پتا چلے گا ناں تمہیں''۔ اس نے دانت پیسے۔

باری کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

وہ پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے واپس ہوئی تھی حالانکہ بات کچھ بھی نہیں تھی۔ اگر چاہتی تو حویلی کی دوسری۔۔۔

اپنے کام سے کام بھی رکھ سکتی تھی۔ مگر دماغ ہی کچھ ایسا تھا کہ جس بات کی ٹھان لی تو بس ٹھان لی۔

کتنی خوبصورت عورت۔ مگر پاؤں میں بیڑیاں۔ خون میں ڈوبا ہوا چہرہ۔ اس کے باوجود اس کی خوبصورتی۔۔۔

۔۔۔اور۔ کس قدر منفرد اور حسین نام۔ ''مطربہ'' اتنا شاعرانہ نام اسے کس نے دیا ہوگا

۔۔۔خمیدہ تراش کے ہونٹ۔

۔۔۔تمام سوچیں اسی پر آ کر ٹھہر رہی تھی۔

۔۔۔دوسری شروع ہوئی۔ بڑے میاں کو بیٹے کو شادی کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں۔ دنیا میں اور بھی

۔۔۔نہیں۔ وہ تو خیر میں خالہ کو سب کچھ پتا کر منٹ لوں گی۔ دیں گے انہیں تاریخ۔ کہہ دوں گی شینو

۔۔۔کرنے کیلئے۔ وہ تو چھینک بھی انگریزی

۔۔۔نعیم کی شادی۔ انہیں بہت متاثر کرتے ہیں انگریزی میں بات کرنے والے لوگ۔ وہ تو چھینک بھی انگریزی

۔۔۔

۔۔۔سوچتی ہوئی پچھلے حصے کی جانب بڑھ رہی تھی۔

۔۔۔پہلے وہ جھومر کے کمرے کی طرف بڑھی۔ باتھ روم کا دروازہ بند تھا۔ اندر سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔

۔۔۔رہی تھی۔

۔۔۔پڑھنے گئی۔ یا اللہ۔ میری مدد کر۔ جس پلین میں وہ لوگ آ رہے ہیں۔ اسے ہائی جیک کرا دے یا پھر پلین کا رخ

۔۔۔اینگل'' کی جانب پھیر دے۔ جہاں داخل ہوتے ہی جہاز غائب ہو جاتے ہیں اور ان کا کبھی پتا نہیں چلتا''۔

اس نے خالی بیٹھنا مناسب نہ سمجھا اور دعا مانگنا شروع کر دی۔

ادھر سے دروازہ کھلا۔ سرسوتی ہانپتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''بی بی'' جھتی جلو'' (جلدی چلو) بڑی بیگم''۔ وہ رک کر سانس درست کرنے لگی۔

''ادھر آ رہی ہیں بڑی امی؟'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

سرسوتی نے نفی میں گردن ہلائی۔

''مجھے بلا رہی ہیں؟''

سرسوتی نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

انہیں کس نے بتایا کہ میں یہاں ہوں؟'' وہ الجھی۔

''خان نے؟'' وہ ہانپتے ہوئے بولی۔

''باری نے؟'' اس نے نہایت حیران ہو کر اس کی شکل دیکھی۔

سرسوتی نے زور زور سے اثبات میں گردن ہلائی۔

روشی کی شریانوں میں جیسے جوار بھاٹا اٹھنے لگا۔

وہ سرسوتی کو ایک طرف ہٹاتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔ غصے سے اس کی بری حالت ہو رہی تھی۔

۔۔۔بڑی امی کی خواب گاہ میں داخل ہو گئی تھی۔

۔۔۔نماز کی چوکی پر جیسے منتظر بیٹھی تھیں۔ کریم کلر کے قیمتی ریشمی شلوار سوٹ اور نازک سی کشمیری براؤن شال میں وہ

بہت خوبصورت محسوس ہو رہی تھیں۔

''السلام علیکم''۔اس نے سنجیدگی اور بے خوفی سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔بیٹھو''۔انہوں نے بھی نہایت خشک اور سنجیدہ انداز میں کلام کیا۔

وہ فوراً ان کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''کیا کر رہی تھیں؟''ان کی سپاٹ آواز ابھری۔

''کچھ نہیں''۔اس نے نظریں چرائیں۔

''پیچھے کیا کرنے گئی تھیں؟''انہوں نے اس کا چہرہ بغور دیکھا۔

روشی خاموشی سے اپنے پاؤں دیکھتی رہی۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے؟''وہ ناراض لہجے میں گویا ہوئیں۔

''جھومر بھابی کے پاس گئی تھی''۔بالآخر وہ بولی۔

''کسی کی بھابی نہیں ہے وہ۔بس وہ ظفری کیلئے ہے۔باقی حویلی والوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں''۔وہ [illegible] ہوئیں۔

''جب وہ ظفری بھائی کی دلہن ہیں تو سب کی رشتے دار تو خود بخود ہو گئیں''۔اس نے بھی خاصی ناراضگی سے کہا۔

''تمہارے رشتے دار بس وہی ہیں جو ہم کہیں کہ یہ تمہارے رشتے دار ہیں۔جن کا انکار ہم کر رہے ہوں وہ تمہارے [illegible] نہیں لگتے''۔وہ برہمی سے بولیں۔

''رشتے قدرتی ہوتے ہیں۔کسی کے کہنے یا نہ کہنے سے رشتے نہیں بنتے''۔اس نے بے خوفی سے جواب دیا۔

''یعنی تمہارا باز آنے کا کوئی ارادہ نہیں؟''وہ اس کی بے خوفی سے مزید غصے میں آ گئیں۔وہ خاموش رہی۔

''روشانے......تم ہمارے لئے مسئلہ بن رہی ہو۔جس کا صحیح حل بابا صاحب نے ڈھونڈ لیا ہے۔ہم تمہارے سسرال والوں کو کوئی قریبی تاریخ دے دیں گے۔مگر جب تک تمہاری بارات نہیں آ جاتی۔تم پیچھے نہیں جاؤ گی۔اگر گئیں تو ہم تمہیں تمہارے باپ کے پاس بھجوا دیں گے''۔

''مجھے منظور ہے۔میں آج ہی پپا کے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔مگر مجھے صرف یہ بتا دیجئے۔ظلم اور زبردستی کے ساتھ چل سکتے ہیں؟''اس نے آہستہ آواز میں سوال کیا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''وہ برہم ہوئیں۔

''کسی معذور کے ساتھ ایک ہوش مند لڑکی کو باندھ دینا۔یا کسی کمزور کو ہر قانون سے بالاتر ہو کر قید رکھنا [illegible] باندھنا۔ایک ظلم کے علاوہ اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟''

جانے اتنی جرأت اس میں کہاں سے آ گئی تھی۔یا باری کے خلاف غصے کے جذبات نے اس کے حواس [illegible]

''تمہیں بابا صاحب کے ذاتی معاملات میں جھانکنے کی اجازت نہیں ہے۔اپنے کام سے کام رکھو [illegible]

عالم تو یہ تھا چند [illegible] دم بخود رہنے کے بعد انتہائی غصے سے بولیں۔

[illegible] کارپٹ پاؤں کے انگوٹھے سے کریدتی رہی۔

روشی بے خوف انداز میں

''چلو......تیاری کرو۔ہم آج ہی تمہیں یاور کے ساتھ ہری پوری بھیج رہے ہیں۔ہو سکتا ہے تمہاری بارات وہیں سے [illegible]''۔وہ [illegible] گاؤ تکیہ سے کہہ کر چوکی سے اترنے لگیں۔

روشی اٹھ کھڑی ہوئی۔چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر تیزی سے باہر نکل گئی۔

''کتنا صحیح اندازہ ہے میرا۔اس ساری ملی بھگت میں باری کا پورا پورا حصہ ہے۔ظاہر ہے اس کے علاوہ اور کس نے مخبری کی ہو گی کہ میں پیچھے گئی ہوں۔بنتا کتنا معصوم ہے۔اسے عورت کے بارے میں سب پتا ہو گا۔نمٹ لوں گی اس سے بھی۔بڑا حساب باقی ہے اس کا۔چھوڑوں گی تو نہیں۔انسان تو نہیں ہے۔ہے ہی گھوڑا۔بابا صاحب کا وفادار گھوڑا''۔

وہ کھولتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

....

یاور علی خان براؤن باتھ گاؤن پہنے باتھ روم سے برآمد ہوئے تھے۔

ماہین کو بیڈ پر بیٹھے دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

''آپ واپس بھی آ گئیں؟''

''جی......نیا کام جو آ پڑا ہے۔آپ سے مشورہ بھی تو کرنا ہے''۔اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''نیا کام؟خیریت؟''

''وہ روشی کے سسرال والے آ رہے ہیں ناں تاریخ لینے''۔اس نے اس مرتبہ غور سے ان کا چہرہ دیکھا۔

''ہوں''۔یاور علی خان کے چہرے پر یکلخت گہری سنجیدگی جھلکنے لگی۔

''روشی سے مل کر آ رہی ہیں؟''وہ گویا ہوئے۔

''ہوں......ہال میں سب ہی لڑکیاں تھیں''۔اس نے یہ باور کرا دیا کہ وہ روشی سے تنہائی میں نہیں ملی ہے۔

یاور علی خان مزید کچھ بولے بغیر بالوں میں برش چلانے لگے۔

''ایک بات کہوں آپ سے؟''ماہین نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''ہوں''۔گویا اجازت دی گئی۔

''میں محسوس کر رہی ہوں کہ روشی اس رشتے سے خوش نہیں ہے''۔اس نے اپنی دانست میں دھماکہ کیا۔

''ہوں۔ٹھیک۔پھر؟''وہ بدستور برش چلاتے ہوئے گویا ہوئے۔

''آپ چونکے نہیں۔حیرت نہیں ہوئی''۔ماہین نے انہیں تعجب سے دیکھا۔

''اس میں چونکنے کی کیا بات ہے۔چھوٹے سے بچے کی بھی پسند ناپسند ہوتی ہے۔وہ تو خیر ماشاءاللہ بڑی بچی ہے''۔وہ بدستور مصروف انداز میں گویا ہوئے تھے۔

''تو پھر جو کچھ ہو رہا ہے۔وہ نہیں ہونا چاہیے''۔ماہین کا انداز قطعی تھا۔یاور علی خان خاموش رہے۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس سے بڑی عمر کی لڑکیاں حویلی میں موجود ہیں تو اس کی شادی کی اتنی جلدی کیوں
ماہین نے الجھ کر سوال کیا۔

''ان میں سے اکثر کے رشتے گھر پر طے ہیں''۔ یاور علی خان نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

''تو روشی کا رشتہ باہر کیوں کیا۔ کیا وہ گھر کے لڑکوں کے قابل نہیں ہے؟'' ماہین نے جرح کی۔

''جس لڑکے سے روشی کا رشتہ طے ہوا ہے' وہ اکلوتا ہے۔ ذاتی کاروبار میں بہت آگے جا چکا ہے۔ انٹرنیشنل
تجارت کر رہا ہے۔ گڈ لکنگ ہے۔ اس کا باپ بابا صاحب کو بہت عزیز ہے۔ وہ بھی بابا صاحب کا جانثار ہے۔ اسی سے
کر لیں کہ بیٹا اتنا کامیاب ہے۔ اس کے باوجود علیم الدین' بابا صاحب کیلئے کراچی میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔
شکر گزاری کے تحت' بابا صاحب نے نعیم کے کاروبار کیلئے لاکھوں کا لون دلوایا تھا۔ انہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے انسان کے
اندر کا پتا چلتا ہے۔ گزشتہ بتیس سالوں سے علیم الدین' بابا صاحب کے ساتھ ہیں۔ کبھی ایک پیسے کی گڑبڑ نہیں ہوئی۔ بہت
بااصول اور صاف ستھرے انسان ہیں''۔

''مگر اس کا کیا کریں کہ روشی راضی نہیں ہے''۔ ماہین نے بے صبری سے ان کی بات کاٹ دی۔

''تو آپ کر لیجئے ناں راضی''۔ یاور علی خان نے آن واحد میں سارا بوجھ اس پر لاد دیا۔

''یہ تو زبردستی ہوئی''۔ ماہین نے برا منایا۔

''ابھی اس کی عمر اتنی قابل اعتبار نہیں ہوئی کہ اس کے فیصلوں پر بھروسہ کیا جا سکے''۔ یاور علی خان نے دلیل دی۔

''تو پھر اس عمر کا انتظار کرنا چاہیے۔ اگر یہ ناپسندیدہ ڈھول اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا تو مجبور بجائے گی نہیں تو
پھاڑ ڈالے گی''۔ ماہین کو ان کا انداز بے حس محسوس ہو رہا تھا۔

''اسے اچھی راہ دکھانا۔ برا بھلا سمجھانا ہمارا فرض ہے۔ ہمارے اس کے رشتے کا تقاضا ہے ہم اس کے لئے بہتر سوچیں
اور مہیا کریں''۔ یاور علی خان نے ماہین کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''جب اس کی عمر نا قابل اعتبار ہے تو پھر اسے اہم فیصلوں سے نہیں گزارنا چاہیے عظیم نقصانات بھی ہو سکتے ہیں''۔ ماہین
پر ان کی کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

یاور علی خان آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئے۔

''اس کے ساتھ بہت اچھا ہو رہا ہے۔ وہ جب ان لوگوں میں جا بسے گی تو بہت مطمئن اور خوش ہو گی۔ آپ بے فکر
کریں''۔ وہ سگریٹ سلگانے کے دوران گویا ہوئے۔

''اسے یہ وہم ہو گیا ہے کہ بابا صاحب سزا کے طور پر اس کی شادی کر رہے ہیں''۔

''سزا کے طور پر؟'' ماہین نے حیرانی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''کیسی سزا...... اور کس بات پر سزا؟'' وہ بے تاب ہو گئی۔

یاور علی خان...... سر جھکائے کش پر کش لگاتے رہے۔ پھر انہوں نے اپنی سرخ آنکھیں ماہین کے چہرے پر جما دیں۔

...بات نہیں تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں سے کھیلنے لگی۔

...اقدام خودکشی کا ارتکاب کر چکی ہے''۔ انہوں نے بہت دھیمی آواز میں اسے حیرت انگیز بلکہ

...دیکھنے لگی۔

...نے اس سے پہلے تو کبھی ذکر نہیں کیا''۔ ماہین اچھی طرح سیٹ ہو کر بیٹھ گئی۔ گویا اب وہ بھرپور تفصیلی

...کا کوئی موقع محل نہیں بنا۔ پھر تکلیف دہ باتوں کا دہرانا کیا معنی''۔ وہ دھواں اڑانے لگے۔

...کتنی ناسمجھ ہے ابھی۔ چھوٹی سی بات پر جان پر کھیل جاتی ہے''۔

...اور گہرا کش لگا کر اپنی مخصوص سنجیدگی کے ساتھ اس کی ناسمجھی ثابت کرنے کی کوشش کی۔

...وہ بات جس کی وجہ سے اس نے خودکشی کی کوشش کی؟'' ماہین کی تو بری حالت ہو گئی تھی۔

...مجھے اندازہ ہے کہ اسے یہاں کیا پیش آ سکتا ہے''۔ وہ بے نیازی سے کہہ رہے تھے۔

...بات ہی نہیں پتا تو پھر آپ چھوٹی بڑی بات کا اندازہ کس بنیاد پر لگا سکتے ہیں۔

...یا احمق نہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر جان دینے کی کوشش کرے۔ کم از کم میں یہ دلیل ہرگز نہیں مان سکتی''۔

...

...اعتبار کریں ماہین۔ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب آپ حویلی آئی ہوئی تھیں۔ بابا
...کو کراچی بھیج دیا تھا اور شاید وہ جانا نہیں چاہ رہی تھی۔ بخدا اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں تھی''۔

...نے بے حد مشکوک سی ماہین کو یقین دلانے کی مقدور بھر کوشش کی۔

...ہے ناں۔ یہ ناجائز جبر کیخلاف اس کی احتجاج تھا۔ وہ تو میں نے بھی محسوس کیا تھا کہ اسے اور دوسری لڑکیوں
...شعوری کوشش کی جاتی ہے۔ میں اندازہ نہیں کر سکتی کہ ایسا کیوں کیا جا رہا تھا۔ ''کچھ'' ہوتا تو جواباً بھی
...ماہین نے جواب میں بلا کی سنجیدگی اختیار کی۔

...غلط فہمی ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی''۔ یاور علی خان نے بجھے بجھے سگریٹ کے ٹکڑے کو ایش ٹرے میں
...بہت دھیمی آواز میں کہا کہ وہ لہجے کے زیر و بم نہ سمجھ سکی۔

...کے بعد تو ہمیں اور زیادہ محتاط ہو جانا چاہیے''۔ ماہین نے ان کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

...ناں۔ جب وہ راضی نہیں ہے''۔ ماہین کا انداز یوں تھے جیسے کوئی بچہ ضد کر رہا ہو۔

...ہے ماہین۔ کتنا برائٹ فیوچر ہے اس کا۔ صاف نظر آ رہا ہے۔ بچے کھیلنے کو چاند مانگتے ہیں۔ تو ان کو
...نہیں دے سکتے ناں''۔ یاور علی خان نے ثابت کر دیا کہ انہیں بھی یہ رشتہ بہت پسند ہے۔

...شادی اس وقت تک پوسٹ پونڈ (ملتوی) کر دیں جب تک اسے آپ لوگوں سے عقل و سمجھ کا

سٹیفکیٹ نہیں مل جاتا۔ پھر آپ اس کی رائے لیں اور اس کے جذبات کا احترام کریں"۔ وہ ہنوز تھے۔

[illegible]در علی خان کا جاگیردارانہ مزاج ایک دم آتش فشاں بننے لگا۔ وہ خود پر قابو پانا چاہتے تھے۔ [illegible] سامنے ان کی نوبیاہتا کم عمر بیوی تھی۔ بلکہ اس لئے کہ ان کے سامنے باشعور تعلیم یافتہ اور اپنی [illegible] ثابت کرنے کی اہلیت رکھنے والی ایک متوازن لڑکی تھی جس کی آواز کو تحکم اور گرج سے نہیں [illegible]

"ملتوی کرنے کیلئے اس وقت میرے پاس کوئی ٹھوس وجوہ نہیں۔ اس نے واضح طور پر [illegible] اظہار کیا تھا۔ میرا خیال تھا چند دنوں میں وہ نارمل ہو جائیگی۔ لیکن اب میں اپنے ایک خیال پر [illegible] فرصت میں اس سے معلوم کریں' وہ کسے پسند کرتی ہے؟ آپ مجھے نام بتا دیں۔ باقی کام میرا ہے۔ [illegible] ہے۔ مسٹر علیم الدین کی آمد سے پہلے مجھے بابا صاحب سے بات کرنا ہوگی۔

اور اسے یہ بتا دیجئے کہ اگر وہ خودکشی کرنے کی حماقت نہ کرتی تو شاید ایسے حالات اسے کبھی پیش [illegible] انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے وہ سو بار سوچ لے"۔

وہ لباس تبدیل کرنے کی غرض سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے چپ چاپ کی ماہین پر ایک [illegible] ضرور سوچا تھا کہ جب بچے بڑے ہو جائیں تو بیوی کتنا اہم رول ادا کر سکتی ہے۔ خاص طور پر جب بیٹیاں [illegible] انہیں ماہین کی اہمیت واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں جاتی ہوں"۔ وہ بہت بھاری بوجھ اپنے کندھے پر اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆

[illegible] منتشر ذہن کے ساتھ روشی کے کمرے میں آ گئی تھی۔

[illegible] پر اوندھی [illegible] تھی۔

"[illegible] ہو روشانے؟" ماہین نے قریب پہنچ کر اسے مخاطب کیا۔

"[illegible] رو رہی ہوں اپنی قسمت کو"۔ وہ سیدھی ہو گئی۔

"[illegible] بات [illegible] ناشکری کی باتیں نہیں کرتے"۔

"[illegible] اٹھا کر بڑے سکون سے بیٹھ گئی۔

[illegible] بڑی دلچسپی سے اس کا انداز نشست دیکھا۔

"[illegible] ہو کر آئی ہیں؟" وہ مسکرا پڑی۔

"[illegible] ہوتی ہوں"۔ ماہین بھی جواباً مسکرا دی۔

"[illegible] کسی خاص مہم پر آئی ہیں؟"

"[illegible] ہو کر نیم دراز ہو گئی۔

[illegible] بس اس دن سے ایک خلش سی [illegible]

ماہین نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"چھوڑیں خالہ! کیا فائدہ ایسی باتوں کا"۔ وہ طرح دے گئی۔

"تم نعیم سے شادی پر ناخوش کیوں ہو؟ اچھا خاصا تو ہے"۔ ماہین نے ماحول حق میں پا کر پتا پھینکا۔

"میں نے کب کہا ہے کہ وہ "اچھا خاصا" نہیں ہے"۔ اس نے ٹالنے کے انداز میں جواب دیا۔

"تو پھر؟" ماہین کی حیرت فطری تھی۔

"سب "اچھے خاصے" لوگ سب کو اچھے خاصے نہیں لگتے"۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ڈوبے گویا ہوئی۔

"پھر تمہیں کون اچھا لگتا ہے حالانکہ اس سوال کا اب کوئی فائدہ تو نہیں"۔

ماہین نے کن انکھیوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"کیوں فائدہ نہیں ہے؟" روشی کی تمام حسیات متحرک ہوگئیں۔

"بھئی آج تو تمہاری شادی کی تاریخیں دی جا رہی ہیں"۔ ماہین نے بظاہر بڑی لاپرواہی سے کہا۔

"کون دے رہا ہے؟ خیر جو بھی دے رہا ہے دیتا رہے، شادی تو میرے اقرار سے ہی مکمل ہوگی۔ اور میں اقرار... نہیں۔ اگر یہ لوگ گھر کی بات باہر سنوارنے کے خواہش مند ہیں تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں"۔ اس نے بے خوفی اور... سے کہا۔

"یہ تو بہت بری بات ہے روشانے۔ یہ سب تم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ کیا محبت کرنے والوں کے ساتھ... کرتے ہیں"۔ ماہین نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

"میں نہیں مانتی ان کی محبتوں کو۔ مستقل دکھ دینے کے انتظامات کرتے ہیں اور محبتوں کے دعوے کرتے ہیں۔ آپ... کی وکالت نہ کریں، یہ کسی کے نہیں ہیں، انہیں اپنی ہی کرنے دیں، میں بھی انہی میں سے ہوں، میں بھی اپنی ہی کروں گی"۔

"مگر نقصان میں پھر بھی تمہارا ہی حصہ زیادہ ہوگا"۔

ماہین کا انداز ہنوز تھا۔ اس میں ابھی تک کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ شاید اس لئے کہ فی الوقت سب سے بڑا... کے پاس محفوظ تھا۔

"اور یہ بات کہ زندگی کے سب سے دشوار سب سے زیادہ دکھ مجھے اپنے حقیقی باپ سے ملا ہے، میں انہیں... نہیں کروں گی۔ ان کی بس اتنی ہی تو اہمیت رہی ہے میری زندگی میں کہ ضروری کاغذات واسناد پر باپ کے خانے میں... نام لکھا جاتا ہے"۔

"چونکہ تمہیں ہر کام میں جلدی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ نازک ترین مسائل کا نتیجہ بھی تم اتنی ہی جلدی چاہتی ہو جتنی جلدی... ایک کپ چائے کی ہوتی ہے، مگر روشانے! زندگی ایک چائے کا کپ تو نہیں ہے۔ مسائل کو درجہ بدرجہ سمجھنے کی کوشش... تمہارے پپا تم سے اور جواد سے اتنا ہی پیار کرتے ہیں جتنا کہ دنیا میں دوسرے باپ اپنی اولاد کو پیار کرتے ہیں... دیکھو وقت بہت کم رہ گیا ہے، بالکل صاف صاف بات ہونا چاہیے، اس لئے کہ پھر بابا صاحب سے بات بہت...

...بہت مشکل ہوگا"۔

روشی پھر ماہین کی شکل دیکھنے لگی۔

"تمہارے پپا نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہاری "دلچسپی" کا نام پتا کر کے انہیں بتا دوں تاکہ معاملہ منطقی انداز میں حل... روشی شادی پر آمادہ نہیں، بابا صاحب کو ان کے ارادے سے نہیں روکا جا سکتا"۔

...کل یہ کہہ دینے سے کہ روشی شادی پر آمادہ نہیں، بابا صاحب کو ان کے ارادے سے نہیں روکا جا سکتا"۔

روشی ہکا بکا ماہین کی شکل دیکھنے لگی تھی۔

"پپا نے کہا ہے"۔ اسے خود کو یقین دلانا مشکل ہو رہا تھا۔

"ہوں، تو اب جلدی سے بتاؤ"۔ ماہین مسکرا رہی تھی۔

"پپا نے..... خالہ.....؟" اس کی سوئی جیسے اٹک گئی تھی۔

"ہاں بھئی"۔ ماہین کو اس کی حالت پر ہنسی آ رہی تھی۔

روشی چند لمحے کسی سوچ میں ڈوبی رہی، پھر ایک دم چونک پڑی۔

"اتنے عزیز ہو گئے ہیں آپ کو پپا! اپنے حصے کا کریڈٹ بھی ان کے نام لگا رہی ہیں، خالہ دی گریٹ"۔ وہ جیسے اپنی نکتہ... ناپر خود ہی خوش ہوئی۔

"ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں، وہ ایسے نہیں ہیں کہ آرام سے کسی کی باتوں میں آ جائیں"۔ ماہین برجستہ بولی۔

روشی ایک دم کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

"تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ قدرت تمہارا کام آسان کر رہی ہے"۔ ماہین نے گہری نظروں سے اسے ٹٹولا۔

روشی نے سوچ میں ڈوبی ہوئی نظروں سے ماہین کی جانب دیکھا۔

"کیا واقعی خالہ! پپا نے ایسے کہا ہے؟" اس کی آواز میں بہت دھیما پن اور بے یقینی تھی۔

"بھلا مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟" ماہین مسکرائی۔

روشی پھر خاموش ہوگئی۔

"اس میں اتنا الجھنے کی کیا بات ہے، بھئی نام بتا دو اور بس"۔ ماہین نے کہا۔

"لیکن خالہ! شاید نام بتا کر اور مشکل ہو جائے، بجائے کام سنورنے کے"۔ روشی نے خاصے مایوس کن لہجے میں کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی..... نہ یوں..... نہ یوں..... نام بتانے سے کیا مشکل ہوگی؟ اس کے بعد تو بس تمہارے پپا کا کام...

"یہ بات نہیں ہے خالہ!" اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"تو پھر بتاؤ نا کیا بات ہے"۔ اب ماہین کو الجھن ہونے لگی۔

"اگر میں نے نام بتایا تو شاید بابا صاحب مجھے شوٹ کر دیں۔ بالفرض کوئی معجزہ ہی ہو جائے اور یہ سب میرے حق میں... تو پھر یہ زمانے، اس لئے بہتر ہے میری شادی کا قصہ ہی ختم ہو جائے، کیونکہ میں اس کے علاوہ ذہنی طور پر کسی اور کو

کبھی قبول نہ کرسکوں"۔

ماہین بری طرح چونک پڑی۔ شینو کے کچھ معنی خیز جملوں کو اس نے فوراً معنی پہنا دیئے۔

"کیا باری......؟"

روشی کا دل بری طرح دھڑک گیا (کتنی ذہین ہیں خالہ) وہ نظریں جھکا کر رہ گئی۔

"یہ تم نے کیا، کیا روشانے؟" وہ بس یہی کہہ سکی۔

چند لمحوں تک دونوں کے درمیان گہرا سکوت طاری رہا۔

"تو پھر! بتادوں تمہارے پاپا کو"۔ بالآخر ماہین نے خاموشی توڑنے میں پہل کی۔

"کوئی فائدہ تو ہے نہیں، آپ بس یہ کریں کسی طرح میری شادی کا قصہ ختم کرادیں۔ میں ہمیشہ ہمیشہ پ...
رہوں گی"۔ روشی نے بجھے بجھے سے انداز میں کہا۔

ماہین یک دم چپ سے ہوگئی۔

پھر ایک دم کھڑی ہوئی۔

"وہ واقعی بہت اچھا ہے، اس کی عادات بہت پسندیدہ ہیں مگر افسوس...... خیر، میں تمہیں کسی جھوٹی تسلی ...
چاہتی۔ اچھا میں چلتی ہوں"۔

روشی دوبارہ نیم دراز ہوگئی۔ بہت کچھ ہونے کے باوجود کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

....

ماہین واپس اپنے بیڈ روم میں آئی تو دیکھا یاور علی خان بائی فوکل گلاسز ناک پر ٹکائے فائلیں دیکھ رہے تھے۔
فوراً سے پیشتر فائلیں بند کردیں۔

"آیئے جناب! وقت بہت کم ہے، بڑی دیر لگادی ہے"۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے پاس آکر بیٹ...

ماہین ان کے پاس بیٹھنے کے بجائے تھوڑے فاصلے پر رکھی کرسی پر بیٹھ گئی

اس کا خاموش اور سرد سا انداز انہوں نے محسوس کرلیا تھا اور اب وہ اس کی آواز سننے کے منتظر تھے۔

"ایک درخواست کروں آپ سے؟" اس کے انداز میں اعتماد کے بجائے جھجک تھی۔

"خیریت؟" وہ اس کے چہرے پر نظریں جما کر کچھ کھوجنے کی کوشش کررہے تھے۔

"کسی طرح بھی آپ سے ہوسکے، بس روشی کی شادی کا معاملہ ختم کردیں، ورنہ وہ بہت دکھی ہو جائے گی...
قیمتی نہیں ہونا چاہیے انسان کی انا کو"۔

وہ بہت دھیمی آواز میں ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔

"میں نے آپ کو کوئی کام دے کر اس کے پاس بھیجا تھا"۔ ان کی سوالیہ نظریں اس کا چہرہ ٹٹولنے لگیں۔

"جو میں نے آپ سے کہا، اس کی بنیاد پر بابا صاحب سے کوئی واضح فیصلہ کرایا جاسکے"۔

... انداز میں کہا۔

... وہاں بھی معاملہ ناممکن ہے اور نعیم سے تو وہ ایک سے لاکھ تک...... آمادہ نہیں"۔
... خواہش مند ہے

... پڑی۔
... یاور علی خان سنبھل کر بیٹھ گئے۔
... قابل قبول نہیں ہوسکتے"۔ ماہین نے جواب دیا۔
... کسی کیلئے ...
... کرنے کو کس نے کہا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ پھر کسی صورت بابا صاحب سے بات نہیں کی جاسکتی۔
... کہ بابا صاحب کا فیصلہ مان کر وہ اچھی بیٹی ہونے کا ثبوت دے... مطمئن ہوجائے کہ اس کے ساتھ جو
... اس کے حق میں بہتر ہے"۔

... گی"۔ ماہین نے تیزی سے ان کی بات کاٹ دی۔

... آمادہ کریں، بچی ہے، مان جائیگی"۔ یاور علی خان نے بھی بڑی تیزی سے جواب دیا۔

... نہیں رہے ہیں میں اس سے ہر پوائنٹ پر بات کرکے آرہی ہوں"۔ وہ جیسے زچ ہوگئی۔

... جو کچھ بھی کیا ہو مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں، بس اب تو یہ ہے کہ اسے ہر صورت آمادہ کرنا ہے"۔ یاور علی
... سلگاتے ہوئے حتمی انداز میں کہا۔

... نے گی"۔ ماہین نے جھلا کر جواب دیا۔

... آپ مجھ پر چھوڑیئے، دیکھتا ہوں کیسے نہیں مانے گی"۔ وہ برہم ہوگئے۔

... کریں گے کیا اس پر؟" ماہین نے ناراضگی سے استفسار کیا۔

... قسم کا بندہ نظر آتا ہوں؟" انہوں نے الٹا سوال جڑ دیا۔

... پاپا نے تماشا بنا رکھا ہے اس نے، ابھی ٹھیک کرتا ہوں"۔ وہ بڑبڑائے۔

... فوراً کرسی سے اٹھ کر ان کے قریب آگئی اور اپنا دایاں ہاتھ ان کے شانے پر رکھ کر منت کے انداز
...

... محبت سے بات بنایئے، اس کا دل ورنہ بری طرح ٹوٹ جائیگا۔ وہ آپ کا خون ہے، آپ اس کے سب
... آپ ہی کو سب سے زیادہ اس کا خیال رکھنا ہوگا، پلیز"۔
... اسے پھاڑ نہیں کھاؤں گا، آپ بلوایئے اسے۔ پرابلم ایبسولوٹلی پرابلم"۔
... تھوڑا سا دھیما پن پیدا ہوا۔ وہ بڑبڑانے کے انداز میں گویا ہوئے تھے۔
...

... نے چونک کر بغور ماہین کا چہرہ دیکھا تھا۔
... مجھ سے؟" اس نے دوپٹا سنبھال کر دریافت کیا تھا۔

''یہ تو مجھے نہیں معلوم' مگر ڈرنے والی کوئی بات نہیں' شاباش آؤ میرے ساتھ''۔

اس نے روشی کا ہاتھ تھاما۔

وہ اٹھ کر ماہین کے ساتھ ہولی۔ ماہین نے محسوس کیا' جیسے اس کی چال میں غیر معمولی ...

کمرے میں ماہین پہلے داخل ہوئی اور اس کے پیچھے پیچھے روشی۔

''السلام علیکم پپا''۔

اس نے ان سے بہت فاصلے پر بیٹھنے کیلئے جگہ تلاش کی۔

''والسلام۔ ٹھیک ہو؟'' ان کا انداز بے تاثر تھا۔

''جی تھینکس''۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

''میں تم سے اس موضوع پر بات کرنا تو نہیں چاہ رہا تھا جس پر کرنے جا رہا ہوں' اس لئے ... چکا ہوگا کہ نعیم کے والدین تاریخ لینے آ رہے ہیں''۔ انہوں نے مختصر تمہید کے بعد فوراً ہی بات شروع ...

روشی خاموش رہی۔

''اور اب بھی میں تم سے ٹو دی پوائنٹ بات کرنا چاہوں گا اور یہ بھی کہ تم بھی واضح ایک ... مجھے اپنی کہی بات اچھی طرح یاد ہے تمہاری انگیج منٹ والی رات میں نے تم سے کہا تھا' ... مگر یہ شرط ہے کہ کوئی بات' کوئی پوائنٹ ہمارے اسٹیٹس سے اپوزٹ نہ ہو۔ میں آج بھی اپنی بات ... کرنا چاہتا ہوں۔ ماہین بتا رہی تھیں کہ وہ لوگ جن کا تذکرہ غالباً تم نے ان سے کیا ہے' ان ... ان لوگوں کے تعارف کے بعد ماہین نے جو اندازہ لگایا ہے' وہ یقیناً انہوں نے اپنے طور پر کچھ محسوس ... ۔ وہ جج منٹ جو یہ کر سکی ہیں' کیا اس گھر کا فرد ہونے کے ناتے تم نہیں کر سکتی تھی؟'' وہ بہت نرم انداز ...

''لوگ...... کون لوگ؟ کیا بتا دیا ہے خالہ نے؟'' اس نے الجھے ہوئے انداز میں ماہین کی ...

''میں سمجھی نہیں پپا' آپ کن لوگوں کی بات کر رہے ہیں؟'' اس نے ماہین کی طرف قدرے ... ہوئے باپ سے سوال کیا۔

''انہی لوگوں کی جن کے بارے میں تم نے ماہین سے بات کی ہے''۔ اس بار وہ خاصے ...

''لوگ؟'' اس نے ماہین کی طرف دیکھا۔

''میری ''ان'' سے ابھی وضاحت کے ساتھ بات نہیں ہوئی ہے''۔

اس نے روشی کو کچھ سمجھانے کی کوشش کی۔

روشی سر جھکا کر ہاتھ مسلنے لگی۔

''کون لوگ ہیں وہ؟ کہاں رہتے ہیں؟'' یاور علی خان نے اس کی طرف صرف ایک نگاہ ...

''وہ ''لوگ'' نہیں ہیں پپا''۔ اس نے قدرے ہچکچا کر جواب دیا۔

... خراب نہیں کرو روشانے' سیدھی سیدھی بات کرو''۔

... ہو گئے۔ ماہین یک دم کرسی سے اٹھ کر ان کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئی۔ جیسے یہ ایک بے ساختہ خاموش تاکید تھی۔

... تواتر سے اس کے رخساروں پر آنسو بہنے لگے۔

''... پپا''۔ ... آپ یہاں میری شادی نہ ہونے دیں' میں آپ سے کبھی کچھ نہیں کہوں گی' کسی معاملے میں آپ سے مدد نہیں ... گی' بلکہ یہاں اس طرح رہوں گی کہ شاید آپ کو یاد بھی نہ آئے کہ میں بھی یہاں ہوں۔ میں آپ کو کبھی تکلیف نہیں دوں ...

... دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

ماہین تیزی سے اٹھ کر اس کے نزدیک آ گئی۔

... علی دم بخود سے اپنی جگہ بیٹھے رہ گئے۔

''... اپنے اسٹیٹس سے آگاہی ہونے کے بعد اس طرح کی حماقت کرنے کی کیا ضرورت تھی''۔ یاور علی خان نے جیسے بہت ... کہا تھا۔

''... قسمت بہت ہی اچھی ہو تو مرضی کی بات اپنے اسٹیٹس ہی میں بن جاتی ہے' لیکن جب قسمت ہی''۔ جانے کیسے ... کے منہ سے یہ سب پھسل گیا۔

ماہین اپنے آنچل سے اس کے رخسار پونچھ رہی تھی۔ یہ بھی تقویت و دلاسے کا ایک انداز ہوتا ہے۔

''میں تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں' جیسے کہ میرے ساتھ ناپسندیدہ واقعات کا ایک طویل سلسلہ جو ختم ہونے میں ... کہیں جا کر تھوڑا سا ستانے کا موقع آیا تھا' مگر اس بار میری اپنی بیٹی' یہ بتاؤ' وہاں کیا بات ہے جو نعیم میں نہیں ... انہوں نے اتفاق کرتے کرتے اچانک سوال بھی جڑ دیا۔

''... یوں ہے کہ جب کوئی اتفاق کرتا ہے تو دوسری جانب عجیب سی طمانیت اور خوشی کی لہر دوڑنے لگتی ہے' انسان خود کو ... ہلکا محسوس کرنے لگتا ہے اور آگے کی گفتگو مزید رواں اور خوشگوار ہو جاتی ہے''۔

... بھی سنبھل کر اطمینان سے باپ کی بات سننے لگی تھی' مگر اس سے آگے لگے ہوئے سوال پر سٹپٹا کر رہ گئی۔

''مجھے آج اپنی ہر بات کا جواب چاہیے''۔ وہ اس کی خاموشی پر برہم ہوئے۔

''میں نے کہا ناں پپا! میں کسی سے بھی شادی کرنا نہیں چاہتی۔ آپ یہ باب ہمیشہ کیلئے بند کر دیں''۔ وہ سکون سے گویا ... ہوئی۔

''... روشانہ بتاؤ' بے وقوف لڑکی' ناؤ گو فرام ہیئر''۔ انہوں نے گود میں رکھی فائل اٹھا کر دائیں طرف پٹخی۔

... گویا حلق میں آ گیا۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ اس انداز میں پہلی مرتبہ برسے تھے۔

... خود لمحہ بھر کو دم بخود رہ گئی تھی۔

... خیال سے چونک کر آگے بڑھی۔

''ایزی پلیز! دیکھیں آپ اپنا ٹیمپر لوز نہ کریں' میں بابا صاحب سے بات کرتی ہوں' وہ جو کچھ کہہ
پلیز''۔ اس کا انداز التجائیہ تھا۔

''میں جانتا ہوں' وہ نہیں مانیں گے۔ اٹ ول بی ویسٹ آف ٹائم......!'' ان کی پیشانی پر شکنیں
''صرف انکار ہی نہیں ہے' اپنے اسٹیٹس کا بھی خیال نہیں ہے۔ وہ دوہری سزا دیں گے اسے''۔ وہ
''آؤ روشی! میرے ساتھ آؤ''۔ ماہین نے روشی کا بازو پکڑ کر اٹھایا۔

''آپ وہاں نہیں جائینگی ماہین''۔ یاور علی خان نے اسے ٹوکا۔

وہ پھر رک گئی۔

''اچھا ٹھیک ہے' میں وہاں نہیں جا رہی' مگر ابھی آتی ہو' ویٹ می''۔

ماہین صلح جو انداز میں کہہ کر روشی کا ہاتھ تھام کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

....

وہ روشی کو لے کر اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

''خالہ! میں ایک جیتی جاگتی انسان ہوں' پپا کو سمجھائیے اور یہ بھی کہ ان کے تمام مفادات میری زندگی
ہیں ناں''۔ وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی تیزی سے بولی۔

''خبردار! جو تم نے کوئی الٹی سیدھی پہلے جیسی کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی''۔ ماہین نے ڈر کر اس کی صورت
''خالہ! جس شخص کے نام ہی سے میرے اعصاب ٹوٹنے پھوٹنے لگتے ہیں اس کے ساتھ عمر کیسے کٹ
شادی کوئی اتنی اہم بات نہیں کہ تمام لوگ اپنی قیمتی توانائیاں صرف اس موضوع پر مرکوز کر دیں۔ شادی کے بعد
جاتی ہے' کبھی شوہر کے انتقال سے بھی عورت پر تنہائی کی نوبت آجاتی ہے''۔ وہ بہت دکھ سے کہنے لگی۔

''یہ بات نہیں ہے روشی! اولاد بہت بڑی ذمہ داری ہوا کرتی ہے اور بڑوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے
خوشیوں بھری زندگی گزاریں''۔ ماہین نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''مگر پپا تو میرے لئے کانٹوں بھری زندگی کا انتظام کر رہے ہیں''۔ وہ سلگ کر گویا ہوئی۔

''یہ تمہاری وقتی سوچ ہے' وہاں تمہیں اتنا پیار اور آرام ملے گا کہ تم سب کچھ بھول جاؤ گی''۔

ماہین نے اس کے نزدیک بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''آپ بھی خالہ؟ آپ بھی......؟'' اس کی آواز بھرا گئی۔

ماہین نے بے ساختہ اس کا سر اپنے شانے سے لگالیا اور اس کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

''تمہارا کیس بہت کمزور ہے روشی! اگر مجھے ایک فیصد بھی امکان محسوس ہوتا تو میں تمہارے پپا کی ہر پابندی
نظر انداز کر دیتی اس لئے کہ محض تمہاری ذات نے تو مجھے ان سے قریب کر دیا ہے' اگر تم یا جواد نہ ہوتے تو میں
کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

''اچھا! ایک بات بتاؤ' کیا باری سے تمہاری باقاعدہ کوئی کمٹمنٹ ہے؟''

اس کی آواز اتنی دھیمی تھی' بس روشی ہی سن سکتی تھی۔

روشی خاموش رہی۔

''روشی پلیز!'' ماہین نے اسے شانوں سے پکڑ کر اپنے مقابل کیا۔

''خالہ! میری تو خود سمجھ میں نہیں آتا' وہ تو ہرگز بھی اس لائق نہیں ہے''۔

وہ عجیب سی بے بسی سے گویا ہوئی۔

''ہیں کیا مطلب؟'' ماہین کو اس نے گھما کر رکھ دیا۔

''بے وقوف کہیں کی' ابھی مجھے بھی مروا دیتیں''۔ ماہین نے اس کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگائی۔

''وہی تو میں سوچ رہی تھی۔ ... تو بڑا ذمہ دار' سنجیدہ اور بڑا دانش مند سا ہے' وہ اس طرح کی حماقت کیسے کر سکتا ہے؟''

ماہین خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''کیا گھوڑوں کو قابو کرنے سے انسان دانش مند ہو جاتا ہے''۔ طنز و تلخی اس کے لہجے سے ظاہر تھی۔

ماہین کی بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی۔

روشی نے منہ بنالیا۔

ماہین نے بے ساختہ اسے گلے سے لگالیا۔

''روشی! چندا! یہ سب یہاں نہیں ہو سکتا''۔

''تو پھر وہ بھی نہیں ہو سکتا' جو یہ لوگ کرنا چاہ رہے ہیں''۔ وہ اس کے شانے پر سر ٹکائے قطعی انداز میں گویا ہوئی۔

''ہوں' یہ قابل عمل ہے' میں تمہارے پپا کو کنونس کرنے کی کوشش کرتی ہوں''۔

اپنے لہجے کے کھوکھلے پن پر وہ خود ہی شرمندہ ہوگئی' پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا ٹھیک ہے' تم اطمینان سے اپنے کام کرو' گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں' ٹھیک ہے؟''

وہ اس کا شانہ تھپتھپا کر باہر چلی گئی۔

اور روشی اس کی جانب متوجہ ہونے کے بجائے گہری سوچ میں تھی۔

....

شام کے چار بجے تھے لڑکیوں پر گویا آفت اتری ہوئی تھی۔ کلو تو دو بجے سے اورنج کلر کا گوٹے کناری والا سوٹ پہن کر
یہاں وہاں کی بے مقصد چکر کاٹ چکی تھی۔ روشی یونہی دل بہلانے کے خیال سے ہال کی طرف آئی تھی۔ وہاں بیوٹی پارلر کھلا
ہوا تھا۔ کوئی آئی برو بنانے میں مصروف تھی تو کوئی بلیچنگ کے عذاب میں مبتلا تھی۔

''تم کچھ نہیں کر رہی؟'' روبی نے ہاتھ پکڑے آئینے میں اس دیکھا۔

''سوچ رہی ہوں کچھ کرنے کا''۔ اس نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا اور واپس باہر آگئی۔

اس کا رخ بیرونی برآمدے کی طرف تھا۔ وہ باغ میں جا رہی تھی غالباً۔

اس کی چال سے اس کی ذہنی حالت کا پتا چل رہا تھا۔ وہ بے حد گم صم تھی۔

اس کے باہر آتے ہی پھاٹک کھلا تھا اور باری جیپ لے کر اندر داخل ہوا تھا۔ وہ باغ کی طرف مڑنے کے بجائے سنگ مرمر کے زینے پر بیٹھ گئی۔

باری اسے دیکھ چکا تھا' اس لئے بڑے محتاط انداز میں برآمدے کی طرف بڑھا تھا مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اس کے پاس سے گزر بھی گیا' مگر اس کے انداز نشست میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور نہ ہی اس نے باری کو خود متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہوا اپنے کمرے کی سمت بڑھتا چلا گیا۔

جانے کس احساس کے تحت اس کے رخسار بھیگتے چلے گئے۔ جانے کتنی دیر وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔

معاً اس نے دیکھا۔ کاکا جان کا ڈرائیور شیر گل پرانی وضع کی ایک طرف کھڑی ہوئی جیپ کی جانب بڑھ رہا تھا۔

ایک خیال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں کوندا تھا۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی شیر گل کے پاس پہنچی تھی۔

''شیر گا! ایک منٹ بات سنو''۔

''جی میم صیب''۔ وہ مودبانہ گویا ہوا۔

''تم کہاں جا رہے ہوں؟''

''ام سرائے واپس جاتا اے''۔ اس نے الجھی ہوئی نظروں سے روشی کو دیکھا۔

''کاکا جان ہیں سرائے میں؟'' اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔

''کاکا جان! اچا اچا (اچھا اچھا) تیمور خاناں ''۔ شیر گل تھوڑا سا الجھ کر بات سمجھ گیا۔

''ہاں' ہاں!'' اسے اس کی کند ذہنی پر جھلاہٹ سی ہوئی۔

''آو..... تو سندھ گیا اے شکار پر' کوئی پیغام؟'' اس نے اپنی ذہنی اڑان کے حساب سے سوال کیا۔

''ہوں..... خیر تم اپنی جیپ باہر نکالو' دیتے ہیں پیغام''۔ وہ اس سے ذرا دور ہٹ گئی' پھر تیزی سے اندر دوڑ گئی۔

بے چارا حیران پریشان سا اپنی جیپ کی طرف بڑھا۔ چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔

''وہ جتنی تیزی سے اندر گئی تھی' اتنی تیزی سے واپس آئی تھی۔ اس مرتبہ اس نے بڑی سی چادر پہنی ہوئی تھی اور عورتوں کی طرح چہرے پر بھی سیٹ کر رکھی تھی۔

شیر گل جیپ میں بیٹھا ہوا اس کے ''پیغام'' کا انتظار کر رہا تھا۔

دین محمد چوکیدار گیٹ بند کر کے مالی سے بات چیت میں مصروف تھا۔ اس نے صرف ایک اچٹتی سی نظر چادر پوش روشی پر ڈالی تھی۔

اس نے جیپ کا دروازہ کھولا اور پھرتی سے بیٹھ گئی تھی۔

''تم کیا کرتا ہے' کون اے؟'' شیر گل بے چارہ بدحواس ہو کر رہ گیا۔

''میں روشی ہوں جو تم سے ابھی بات کر رہی تھی''۔ اس نے ڈپٹ کر جواب دیا۔

''تم ادر کیا کرتا اے' امارے ساتھ کدر جاتا ہے اے' ام تو سرائے جاتا اے''۔ بے حد سراسیمگی کے عالم میں وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

''میں تیمور علی خان کی بیٹی ہوں' تیمور علی خان کی بھتیجی' سرائے بھی میرا ہی گھر ہے' اگر میں وہاں جا رہی ہوں تو تمہیں کیا تکلیف ہے؟'' وہ غصے سے گویا ہوئی۔

''آپ..... اکیلا؟'' بے چارہ گھگھیا کر رہ گیا۔

''تو کہاں' تم نہیں ہو میرے ساتھ''۔ وہ پھر غرائی۔

''پر بڑا خان''۔ شیر گل کی جان عجیب مشکل میں پڑ گئی تھی۔

''تم جیپ کیوں اسٹارٹ نہیں کرتے؟'' وہ برہم ہوئی۔

''وہ ام..... امارا مطلب اے' بڑا اسفر اے''۔ وہ ہنوز متذبذب تھا۔

''سفر کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو' آخر ختم ہو جاتا ہے' چلاؤ جیپ' ورنہ میں شور مچا دوں گی کہ تم پستول دکھا کر مجھے لے جا رہے ہو''۔ اس نے اسے دھمکی دی۔

شیر گل کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

اس نے جیپ چلائی نہیں تھی بلکہ بھگائی تھی۔

''آپ ادر کیوں جاتا ہے اے میم صاحب''۔ وہ پکی سڑک پر آتے ہی روشی سے مخاطب ہوا۔

''وہ بھی میرا گھر ہے' تمہیں کیا اعتراض ہے؟ میں اپنے چچا کے پاس جا رہی ہوں' کسی نامحرم کے پاس تو نہیں جا رہی' اور وہ میرے سوتیلے بھی نہیں ہیں۔ خبردار جو تم نے مجھ سے سوال جواب کیے۔ اپنی اوقات میں رہو۔ مالکن ہوں میں تمہاری' نوکر کی حیثیت سے دار''۔

روشی نے مجبور ہو کر اسے ''ترک'' سے خاموش کرایا۔

''آپ مائی باپ اے امارا' ام تو اس واسطے بولتا تھا آپ جوان بچی او''۔

''اچھا اب خاموشی سے جیپ چلاؤ' میرے سر میں درد ہو رہا ہے''۔ اس نے آنکھیں موند کر سیٹ سے ٹیک لگالی۔

شیر گل ڈرائیو کرتے کرتے گاہے گاہے اس پر نظر ڈال لیتا تھا۔

''میم صیب! آپ پیچھے جا کر آرام سے سو جاؤ' ابی بڑا دور جانا اے''۔ وہ بولے بنا نہ رہ سکا۔

''میں یہاں ٹھیک ہوں''۔ اس نے زاویہ بدلے بغیر ترشی سے جواب دیا۔

شیر گل مزید کچھ نہ بولنے کا ارادہ کر کے خاموش ہو گیا۔

....

دروازے پر دستک ہوئی۔

ماہین ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہوئی بھاری کامدار دوپٹا سیٹ کر رہی تھی۔

یاور علی خان نیم دراز گہری سوچوں میں غرق سگریٹ کا دھواں اڑا رہے تھے۔

''ہوں..... یس!'' انہوں نے دستک کا جواب دیا تھا۔

عالم تاب اندر داخل ہوئیں۔

یاور علی خان سنبھل کر بیٹھ گئے۔ ''آیئے بھابی بیگم''۔

''تیار ہوگئیں ماہین؟ مہمان بھی آچکے ہیں۔ ایسا کرو۔ روشی کو بھی کہہ دو کپڑے وغیرہ تبدیل کر لے گی۔ ہو سکے تو اس کی ساس اس کے پاس جائیں یا اسے بلوائیں۔ پھر تم مہمانوں کے پاس آکر بیٹھ جانا۔ سب لوگ بابا صاحب سمیت ڈرائنگ روم میں ہیں''۔

''جی بہتر، میں تو تیار ہوں کہہ دیتی ہوں روشی سے''۔ بولتے بولتے ماہین کی آواز بے حد دھیمی ہوگئی۔

''یاور! تم نہیں آرہے ہو؟'' انہوں نے ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس یاور علی خان کو قدرے حیرت سے دیکھ کر دریافت کیا۔

''آرہا ہوں۔ بلکہ ''ہم'' آرہے ہیں''۔ انہوں نے ماہین کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔ عالم تاب کمرے سے باہر نکل گئی۔

''آپ روشی کو تاکید کر آئیں۔ میں چینج کرتا ہوں اتنی دیر میں۔ ٹھیک ہے؟''

ان کا انداز ہنوز گم سم سا تھا۔ جیسے وہ اندرونی خلفشار کا شکار ہو۔

''جی''۔ ماہین نے ایک نظر خود کو آئینے میں دیکھ کر جواب دیا۔

یاور علی خان اٹھ کر باتھ روم میں چلے گئے۔ اور ماہین روشی کے بیڈ روم میں چلی آئی۔

روشی بیڈ روم میں موجود نہیں تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر باتھ روم کے دروازے پر دستک دی۔ اندر محسوس کی جانے والی خاموشی تھی۔

اس نے دو تین بار دروازے پر دستک دے کر دھکیلا اور روشی اور آواز دی۔ مگر جواب میں بدستور خاموشی تھی۔

اس نے اندر جھانکا۔ باتھ روم خالی تھا۔ وہ الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ کمرے سے باہر آگئی۔

سامنے سرخ ساڑھی باندھے سرسوتی سیڑ پڑ کرتی آرہی تھی۔

''سرسوتی''۔ اس نے آواز دی۔

''ہلاں بی بی''۔ وہ اس کی طرف تیزی سے بڑھی۔

''ذرا دیکھنا۔ کیا روشی ہال میں ہے؟''

''ہن ای آساں''۔ وہ حکم پا کر ہال کی طرف بڑھ گئی۔ ماہین وہیں کھڑی رہی۔ دو منٹ بعد سرسوتی ہال سے واپس دکھائی دی۔

''اودر تے نئیں اے بی بی۔ پر تساں کھلو جاؤ ہاک ہور تھاں اتاں نوں ویکھ ساں''۔

... طرف گئی تھی۔

... پھر پتہ نہیں... غالباً کو حویلی کے پچھلے حصے کی طرف گئی تھی۔

... نہ جانے کیوں پریشانی سی ہونی لگی تھی۔ عجیب سے وسوسے دل میں آنے لگے تھے۔

''خیریت... ماہین۔ یہاں کیوں کھڑی ہو''۔ عالم تاب اوپر سے آرہی تھیں۔ زینے طے کرتے کرتے انہوں نے بڑی حیرت سے پوچھا تھا۔

''روشی کو بلوا رہی ہوں۔ اپنے کمرے میں تو نہیں ہے''۔ ماہین نے دھڑکتے دل سے جواب دیا۔

''تو پھر ہال میں ہوگی۔ سب بچیاں وہیں ہیں''۔ انہوں نے بے نیازی سے کہا۔

''دیکھ آئی ہے سرسوتی۔ وہاں نہیں ہے''۔ ماہین نے اپنی بات کے دوران عالم تاب کے چہرے کے تاثرات کا بھی بغور جائزہ لیا۔

''کیا؟ باتھ روم میں تو نہیں تھی''۔ عالم تاب کے چہرے پر الجھن کے تاثرات نمودار ہوئے۔

''وہ سرسوتی گئی ہے کسی اور جگہ دیکھنے''۔ ماہین نے دبی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''کہاں؟'' عالم تاب کے ذہن نے امکان بھرا اڑان بھری۔

''بتایا نہیں''۔ ماہین نے جواب دیا۔

''ہوں''۔ عالم تاب نے پرفکر انداز میں ہنکارا بھرا۔

اسی دم باری تیزی سے زینے طے کرتا ہوا نیچے آیا اور ان دونوں کو بیچ راستے میں کھڑا دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

''خیریت؟'' اس نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔

''تم نے روشی کو تو نہیں دیکھا باری۔ باغ میں یا ادھر ادھر؟'' عالم تاب نے حویلی کے سب سے بارسوخ فرد سے اس یقین کے ساتھ استفسار کیا کہ وہ ضرور کچھ نہ کچھ نشاندہی کرے گا۔

''اپنے کمرے میں نہیں ہیں وہ؟'' وہ چونک پڑا تھا۔

''نہ کمرے میں ہے نہ ہال میں''۔ ماہین نے جلدی سے بتایا۔

''ہو سکتا ہے بھابی (سمیہ) کے کمرے میں ہوں''۔ اس نے امکان ظاہر کیا۔

''میں وہیں سے آرہی ہوں''۔ عالم تاب نے اس کا اندازہ فوراً غلط ثابت کر دیا۔

''تو پھر''۔ اس کا ذہن فوراً جھومر کی طرف گیا۔ اس نے معنی خیز انداز میں عالم تاب کی طرف دیکھا تھا۔

''گئی ہے سرسوتی اس طرف''۔ انہوں نے ماہین کے چہرے پر سرسری نظر دوڑا کر باری کو جواب دیا۔

''ابھی میں کچھ دیر ہوئی کچہری سے واپس آیا تو وہ برآمدے میں زینے پر بیٹھی ہوئی تھیں''۔

''کتنی دیر کی بات ہے؟'' عالم تاب نے یونہی پوچھا۔

''ایک گھنٹے سے تو کم ہی ہوا ہوگا''۔

تب ہی سرسوتی تقریباً بھاگتی ہوئی آئی۔

"اور روئی نہیں اے"۔ وہ پھولی پھولی سانسوں کے دوران بولی۔

"جاؤ باری۔ ذرا دیکھو بابا صاحب کے کمرے میں تو نہیں ہے"۔

ماہین نے بڑی جانچتی ہوئی نظروں سے باری کو سر سے پاؤں تک دیکھا تھا۔ بلیو جینز اور سکائی بلیو ٹی شرٹ میں وہ بہت چاک و چوبند محسوس ہو رہا تھا۔

وہ تیزی سے بابا صاحب کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ وہ دونوں ہنوز اپنی جگہ کھڑی ہوئی تھیں۔ اور اپنی اپنی سوچوں میں الجھی ہوئی تھیں۔

"یہ لڑکی تو مسئلہ بن گئی ہے۔ حالانکہ اسے سب پیار کرتے ہیں۔ سب خیال رکھتے ہیں"۔ عالم تاب خود کلامی کے انداز میں بول رہی تھیں۔

ماہین بس ان کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

باری جلد ہی واپس آ گیا۔ اس کی چال سے اس کا ذہنی الجھاؤ ظاہر تھا۔

"آپ لوگ چلیے میں دیکھتا ہوں۔ وہ بابا صاحب کے کمرے میں بھی نہیں ہیں"۔

عالم تاب دھک سے رہ گئیں۔ وہ اس کی شدید طبیعت سے بخوبی واقف تھیں۔ طرح طرح کے وسوسے ان پر حاوی ہو گئے۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ! میں تمہیں بلوا لوں گی"۔ وہ متفکرانہ انداز میں ماہین سے مخاطب ہوئیں اور سامنے کی طرف بڑھ گئیں۔

ماہین بھی آہستہ آہستہ چلتی اپنے بیڈروم میں آ گئی۔

یاور علی خان تیار ہو کر صوفے پر بیٹھے ایک امپورٹڈ میگزین کا جائزہ لے رہے تھے۔ دروازہ کھلنے پر سامنے دیکھا تو دبے چاپ سی ماہین کو اندر آتے پایا۔

"روشی کیا کر رہی ہے۔ تیار ہو گئی؟" انہوں نے ماہین کے چہرے سے جیسے کچھ پڑھ لیا تھا۔ جو روشی سے متعلق سوال شروع کر دیئے تھے۔ یوں بھی جس طرح کی صورتحال درپیش تھی۔ انہیں کانشس ہونا ہی چاہیے تھا۔

"وہ اپنے کمرے میں تو نہیں ہے۔ سرسوتی اور باری وغیرہ دیکھ رہے ہیں اسے"۔ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں جواب دیا۔

"دیکھنے کا کیا مطلب۔ وہاں ہال میں ہو گی لڑکیوں کے ساتھ"۔ یاور علی خان نے کھوجنے والی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ہوں"۔ ماہین نے فی الوقت ان سے مزید بات کرنا مناسب خیال نہ کیا۔

"ابھی...... معلوم ہو جائے گا۔ ظاہر ہے گھر میں ہی ہو گی"۔ اس نے خود پر قابو پا کر عام سے انداز میں جواب دیا۔

"ہو سکتا ہے جواد کے پاس گئی ہو"۔ وہ اندازہ لگانے لگے۔

"ہو سکتا ہے"۔ اس نے تائید کرنا فائدہ مند سمجھا۔

"آپ اتنی گم صم سی کیوں ہیں؟" ان کی حسیات بڑی شارپ تھیں۔

"نہیں تو"۔ وہ زبردستی مسکرا دی۔

"کوئی بات تو نہیں؟" وہ مشکوک سے نظر آئے۔

"نہیں نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ آپ فکرمند نہ ہوں"۔ اس نے بڑی واضح مسکراہٹ کے ساتھ انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"فکرمندی تو ہو سکتی ہے۔ وہ ہے ہی نہایت بے وقوف لڑکی"۔ وہ بڑبڑائے۔

ماہین کے پاس خاصی معقول دلیل تھی مگر وہ چپ رہی کہ اس طرح ایک نئی بحث کا آغاز ہو سکتا تھا۔ جس سے ماحول میں کشیدگی پیدا ہو سکتی تھی۔

دونوں نہایت خاموشی سے کسی نئی اطلاع کا انتظار کرنے لگے۔

یاور علی خان کی انگلیوں میں سگریٹ پھنسا ہوا تھا۔ وہ ادھر ادھر لائٹر تلاش کرنے لگے تھے۔

ماہین اٹھ کر ادھر ادھر لائٹر لاش کرنے میں جیسے ان کی مدد کرنے لگی۔ تکیہ اٹھایا تو لائٹر مل گیا۔ اس نے ان کے موڈ کو دیکھتے ہوئے ماحول میں کچھ خوشگواری پیدا کرنے کے خیال سے کھٹاک سے لائٹر جلا کر ان کے سامنے کیا۔ اسے خود بھی اس عمل میں لطف محسوس ہوا۔

یاور علی خان نے آگے جھک کر سگریٹ سلگایا۔

"تھینکس!" انہوں نے دھواں اس کے منہ پر چھوڑ دیا۔ ماہین مسکرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ رگ و پے میں عجیب سی لطافت دوڑ گئی تھی۔

اسی دم دروازہ بجا۔ ماہین کے دل میں عجیب سی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔

"کم ان"۔ یاور علی خان نے اجازت دی تھی۔

عالم تاب اندر داخل ہوئی تھیں۔ اور بڑے سراسیمہ انداز میں۔

"یاور...... روشی حویلی میں کہیں نہیں ہے"۔ وہ دل پکڑ کر صوفے پر ڈھے گئیں۔

ماہین کے پاؤں کے نیچے سے زمین سرک گئی۔ وہ ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھی تھی۔

یاور علی خان دم بخود سے بیٹھے رہ گئے۔

"وہ کچن میں"۔ ماہین نے کچھ اور جگہوں کا نام لینا چاہا۔ جہاں وہ جا سکتی تھی۔

"سب جگہ دیکھ لیا۔ سب جگہ...... ہائے"۔ انہوں نے سینے پر ہاتھ مارا۔

"یاور، مجھ میں تو ہمت نہیں کہ بابا صاحب کو کچھ بتاؤں۔ ارے میرے اللہ۔ یہ ہمارا کیسا امتحان ہے"۔ وہ چہرے پر ہاتھ رکھ کر رونے لگیں۔

"بھابی بیگم! پلیز۔ حوصلہ کریں۔ کہاں جائے گی بھلا وہ...... خود کو سنبھالیں"۔

وہ اٹھ کر ان کے پاس آ کھڑے ہوئے اور ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

''ارے نہیں یاور! وہ کچھ کر گزری ہے''۔ وہ اور زیادہ رونے لگیں۔

یاور علی خان کی پیشانی پر لکیریں گہری ہو گئیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا۔

''آپ فکر نہ کریں بھابی بیگم۔ اگر وہ واقعی کچھ کر گزری ہے تو یاد رکھئے۔ میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔ اگر وہ زندہ رہی... ہاتھ سے اسے شوٹ کروں گا''۔

ان کے لہجے میں جیسے کوئی درندہ غرا رہا تھا۔

''ارے..... مگر اب کیا کریں؟ گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں''۔ وہ روتے روتے گویا ہوئی تھیں۔

''گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں ہینڈل کر لوں گا''۔

''ماہین۔ بھابی بیگم کو پانی پلاؤ۔ میں بابا صاحب کے پاس جا رہا ہوں''۔

وہ ساکت بیٹھی ماہین کی طرف پلٹ کر گویا ہوئے اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

....

یاور علی خان نے بابا صاحب کی خواب گاہ کے دروازے پر دستک دی اور اجازت کا انتظار کئے بغیر دروازہ کھول کر داخل ہو گئے۔

''آؤ۔ آؤ یاور بھئی۔ ہم تمہیں بلوانے ہی والے تھے۔ وہ مہمان تو آ چکے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ رات کے کھانے سے پہلے تمام معاملات طے کر لئے جائیں۔ مہر وغیرہ بھی طے کرنا ہو گا۔ جو تمہاری مرضی ہو لکھوا لینا''۔

بابا صاحب ایک بھاری بھرکم سا رجسٹر کھولے بیٹھے تھے۔ بیٹے کو دیکھ کر ایک دم پر جوش سے ہو گئے اور رجسٹر ایک سرکا دیا۔ عینک اتار کر جیب میں اٹکالی۔

''سب کچھ آپ ہی کرتے ہیں۔ آپ ہی نے کیا ہے۔ مہر وغیرہ کا مسئلہ بھی آپ ہی نمٹا لیجئے گا''۔

''وہ سرد سے انداز میں جواب دے کر ان کے سامنے پڑی ایک پرشکوہ کرسی پر بیٹھ گئے۔

بابا صاحب نے چونک کر ان کی شکل دیکھی جہاں ہر طرح کے تاثرات مفقود تھے۔

''نہیں بھئی۔ آخر تم باپ ہو۔ مجھے تمہیں بھی حصہ لینا چاہیے''۔ وہ پھر اسی سابقہ انداز میں گویا ہوئے۔

''ہاں بات تو ہوں۔ مجھے انکار نہیں ہے۔ مگر باپ کی حیثیت سے آپ ہمارے بارے میں ہر قسم کے فیصلے کر سکتے ہیں۔ مگر ہم باپ کی حیثیت سے اس طرح کا کوئی حق استعمال نہیں کر سکتے۔ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے باپ کی حیثیت سے کس طرح استعمال کرنا چاہیے''۔ وہ اسی طرح سرد لہجے میں گویا ہوئے۔

اس مرتبہ دلاور علی خان نے غور سے ان کی صورت دیکھی۔ ...بغیر نہ رہ سکے۔

''نہ جانے کیوں آج ہمیں تم بہت بدلے ہوئے محسوس ہو رہے ہو؟'' وہ اپنی حیرت ظاہر کئے بغیر نہ رہ سکے۔

''میں وہی ہوں، حتیٰ کہ میری قسمت بھی وہی ہے''۔ انہوں نے دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسا کر سر کے پیچھے...

...کرسی کی پشت پر ٹیک لگالی۔

''...بات ہے بیٹے؟'' بابا صاحب کے لہجے میں بلا کی نرمی اتر آئی۔

''سمجھ میں نہیں آتا۔ بابا صاحب، کیا میری اولاد پوری کی پوری ماں پر ہی جائیگی؟'' اس کے لہجے میں بلا کی شکستگی تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ ویسے ہی یاور علی خان کے پراسرار انداز سے فکر مند تھے۔ بری طرح چونک پڑے۔

''مطلب یہ ہے بابا صاحب! اس مرتبہ سارا نقصان میرا نہیں ہوا۔ اس مرتبہ نقصان میں پوری حویلی ہی حصے دار ہے''۔

...پہت کاٹ رہے تھے۔

''پھر بھی کہا بیٹھی ہے؟'' بابا صاحب کی پیشانی پر شکنیں گہری ہو گئیں۔

''کاش کہا لیتی''۔ یاور علی خان دکھ سے گویا ہوئے۔

''کھل کر بات کرو یاور!'' دلاور علی خان کے ضبط کا پیمانہ چھلکنے کو ہو گیا۔

''وہ حویلی سے چلی گئی ہے''۔ انہوں نے بڑے سکون اور آہستہ آواز میں اطلاع دی۔

''کہاں؟'' دلاور علی خان کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ ان کا اونچا شملہ آندھی کی زد پر تھا، پھر حواس کیوں نے جواب دے...

''یہ معلوم ہوتا تو مسئلہ ہی کیا تھا''۔ وہ اسی درجہ سکون سے گویا ہوئے۔

''مگر کیوں؟'' ان کا فشار خون بلند ہونے لگا۔

''وہ یہاں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی''۔ یاور علی خان نے جواب دیا۔ اب وہ سینے پر بازو لپیٹے خاصے پرسکون نظر آ رہے...

''تمہارے علم میں تھی یہ بات؟'' انہوں نے اپنی آواز کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے استفسار کیا۔

''ہاں''۔ انہوں نے مختصر جواب دیا۔

''ہمیں کیوں نہیں بتایا تھا؟'' اب ان کے وجود پر لرزش طاری ہونے لگی تھی۔

''...'' ...سپاٹ لہجے میں بولے۔

''کیا مطلب؟'' ...ور علی خان نے قدرے ناراضگی سے پوچھا۔

''مطلب یہ کہ آپ فیصلے کرنے کے بعد بدلتے نہیں ہیں۔ لہٰذا بات آپ تک پہنچانا بے کار ہی ہوتی''۔ انہوں نے...

''مگر پھر بھی ہمیں باخبر تو رکھنا چاہیے تھا۔ ہم ٹھیک کر دیتے اس کا دماغ۔ اس کی ماں ہماری بہو تھی۔ مگر وہ ہمارا خون ... رشتے اس سے اپنا حساب کتاب۔ تم نے ہمیں بے خبر رکھ کر سخت غلطی کی۔ کیا عالم تاب کو بھی پتا تھا؟'' دلاور علی خان ...بہت کمزور ہو رہی تھی۔

''...سب پتا ہے''۔ یاور علی خان نے جواب دیا۔

"کیا وہ کہیں اور"۔ دلاور علی خان بولتے بولتے رک گئے۔ ان کے چہرے پر پسینے کی بوندیں بہت ... تھیں۔

"شاید"۔ یاور علی خان کی نظریں جھک گئی۔ ان کے شاید میں بڑا یقین چھپا تھا ہوا تھا۔

"کون ہے وہ...... کیا گھر میں؟" وہ آن کی آن میں جیسے بڑھاپے کی انتہاؤں کو چھونے لگے۔

"مجھے ٹھیک سے پتا نہیں۔ میں نے ماہین کے ذریعے پتا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سے بس اتنا اندازہ ہوا ... ہمارے اسٹیٹس کا نہیں ہے"۔

یاور علی خان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"لاحول ولاقوۃ۔ کس درجہ ناشکری اولاد ملی ہے ہمیں"۔

یاور علی خان جواباً خاموش رہے۔

"ہمیں جیتے جی مار دیا ہے اس لڑکی نے یاور! تم یقین کرو۔ تمہاری بہنوں کو ہم نے اتنی چاہت اور توجہ نہیں ... نے روشی کو دی۔ اس لئے کہ تم بھی اس سے دور تھے اور اس کی ماں بھی نہیں تھی"۔

وہ بری طرح ٹوٹ رہے تھے۔

یاور علی خان اس مرتبہ بھی خاموش رہے۔

"یاور...... پہاڑ ٹوٹ گیا ہے"۔ ان کی آواز کانپ رہی تھی۔

"گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں"۔

"ہمت سے کام لیجئے بابا صاحب! مہمانوں سے ضرور ملیے اور انہیں کوئی تاریخ دے کر روانہ کیجئے۔ باقی ... ہیں"۔ یاور علی خان نے مشورہ دیا۔

"اب کیا بات ہوگی ہم سے۔ دل ڈوب رہا ہے ہمارا"۔ وہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر نیم دراز سے ہوگئے۔

یاور علی خان نے اٹھ کر گلاس میں پانی انڈیلا۔ اور باپ کو سہارا دے کر پانی پلانے لگے۔

"وہ کم درجہ لوگ اسے مل کہاں گئے؟ وہ تو لڑکیوں کے کالج میں پڑھتی ہے"۔ وہ چھت کو گھورتے ہوئے گویا ...

"مجھے کچھ معلوم ہے نہیں"۔ یاور علی خان نے گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"ماہین کو پتا ہو۔ ضرور پتا ہوگا۔ بلاؤ انہیں"۔ بابا صاحب کی آواز میں تیزی سی آگئی۔ جیسے ان کی سانس ... ہو۔

"کوئی فائدہ نہیں اب...... بے کار ہے۔ فی الحال تو آپ خود کو سنبھالیں اور ہمت سے کام لیں۔ تا... مہمانوں سے تو معاملات نمٹ سکیں"۔ انہوں نے باپ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا۔

"آفرین ہے یاور تمہاری برداشت پر...... بیٹے"۔

"کیا کروں بابا صاحب۔ اگر برداشت نہ کروں۔ آپ آرام کیجئے۔ تھوڑی دیر میں، میں آپ کو آ کر لے جاؤں گا"

... لہجے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کے ساتھ جواب دیا۔

"پتا نہیں ہم سے اٹھا بھی جائے گا یا نہیں۔ کاش یہی بستر ہمارا بستر مرگ بن جائے اور ہم کسی اگلی بری خبر کو سننے کیلئے ... زندہ نہ ہیں"۔ ان کی آواز میں کپکپاہٹ بڑھ گئی۔

"ٹھیک ہے پھر ہم مہمانوں کو یہیں لے آئیں گے"۔ یاور علی خان جس ضبط سے کام لے رہے تھے۔ یہ انہی کو پتا تھا۔

یاور علی خان واپس اپنے کمرے میں آگئے۔

"وہ لڑکیاں اور ملازمائیں روشی کا پوچھنے کئی بار یہاں آ چکی ہیں"۔ ماہین نے انہیں دیکھتے ہی نئے مسئلے سے آگاہ کیا۔

"پھر کیا کہا آپ نے؟" وہ تھکے تھکے انداز میں گویا ہوئے۔

"کچھ نہیں یہی کہ یہیں ہوں گی"۔ ماہین نے ان کی طرف ہمدردانہ نظروں سے دیکھا۔

"آپ ایسا کیجئے۔ کسی ایک سمجھدار لڑکی کو ساری صورتحال بتا دیجئے۔ ورنہ کہیں انہی لڑکیوں کی وجہ سے کوئی مسئلہ نہیں نہ ہو جائے گا"۔ وہ جیسے ٹوٹ رہے تھے۔

"اگر بھابی بیگم نے"۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"میں کہہ رہا ہوں نا آپ سے۔ پھر آپ کو فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے"۔ وہ قدرے چڑ کر گویا ہوئے تھے۔

ماہین نور زماں کی طرف چل پڑی۔

لڑکیوں میں اسے دیکھ کر کھلبلی سی مچ گئی۔

"ممانی جان! روشی کا تو پتا ہی نہیں چل رہا"۔ مونا بہت پریشان تھی۔

"وہ تو شاید تیار بھی نہیں ہوئی"۔ مریم کو اپنی تیاری بے مزا معلوم ہو رہی تھی۔

"اپنے کمرے میں تو نہیں ہے"۔ بیبہ نے تفتیش کا نتیجہ پیش کیا۔

"صبح ہی سے اس کا موڈ آف ہو رہا تھا"۔ تانیہ نے بتایا۔

"اور تو اور ہاری کو پتا نہیں جو یہ بتا سکتا ہے کہ حویلی کی زمین کی تہہ میں کون کون سی معدنیات نکالی جا سکتی ہیں"۔ روبی کی ... بات ذرا دوسری قسم کی تھی۔

ماہین چپ چپ سی گلو کے پاس بیٹھ گئی۔

پھر اس نے گلا کھنکار کر صاف کیا۔

"آپ سب کیلئے ایک افسوسناک خبر ہے"۔ وہ بولتے بولتے رک گئی۔

لڑکیوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ شیبو نے بری تولتی ہوئی نظروں سے ماہین کی طرف دیکھا اور اون سلائیاں ایک ... طرف رکھ دیں۔

"روشی شاید کہیں چلی گئی ہے"۔ ماہین کی آواز بہت دھیمی تھی۔

... اس درجہ سناٹا چھا گیا گویا کوئی ذی نفس موجود نہ ہو۔

''کیوں؟'' مونا کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

شیبو نے دوبارہ سلائیاں اٹھا کے ٹنگ ٹنگ شروع کر دی۔

''کہاں چلی گئی؟'' یہ تو فوزاردو نے کہو گئی۔

''کیا اسے بابا صاحب نے کچھ کہہ دیا تھا؟'' لالی کا تو وجود ہی جیسے نچڑ کر رہ گیا تھا۔

''معلوم نہیں...... بس آپ لوگوں سے یہ کہنا تھا کہ نعیم کے والدین گھر میں موجود ہیں۔ کوئی بات ایسی نہ کہہ...... بکھر رہی ہیں ناں آپ لوگ''۔

ماہین نے ان کے ستے ہوئے چہرے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

جواب میں خاموشی چھائی رہی۔

چند ثانیے خاموشی کے بعد ایک جانب سے سسکیاں ابھرنا شروع ہوئیں۔

ماہین نے نظریں دوڑائیں تو گلو کو روتے ہوئے پایا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر گلو کے پاس آ گئی۔

''یہ کیا بات ہوئی بھلا۔ آ جائے گا گھر۔ بری بات''۔ وہ گلو کو چپ کرانے لگی۔

اسی دم عالم تاب اندر داخل ہوئیں۔ لڑکیاں اپنی اپنی جگہ سنبھل کر بیٹھ گئیں۔

''ماہین''۔

''جی؟'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم یاور کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ جاؤ۔ مہمان وہیں ہیں''۔ وہ بے حد نڈھال نظر آ رہی تھی۔

ماہین وہیں سے چلی آئی۔ سامنے ہی باری آتا دکھائی دیا۔

''ڈھونڈ لیا حویلی میں؟'' اس نے بے تاثر لہجے میں یونہی سوال کر دیا۔

''جی...... چھان ماری ہے''۔ وہ سادگی سے گویا ہوا۔

''بڑا نقصان ہوا ہے ہمارا۔ تمہاری وجہ سے''۔ وہ سابقہ انداز میں گویا ہوئی۔

''جی''۔ اسے جیسے زلزلے کا جھٹکا محسوس ہوا تھا۔

ماہین نے اس سے مزید بات چیت کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور آگے بڑھ گئی۔ باری حیران پریشان اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔

....

''مجھے تو اس کی صورت بری لگنے لگی ہے۔ منحوس۔ ناشکری کہیں کی''۔

بالو کی ماں غلام محمد کو کھانا دیتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔

''بھاگوان۔ سب نصیب کی بات ہے۔ کیوں کوستی رہتی ہے اسے ہر وقت''۔

''تم نے ہی کلموہی کو سر چڑھا رکھا ہے''۔ اس نے بھڑک کر خاوند کی بات کاٹی تھی۔

''تو کیا گلا دبا دوں؟'' وہ چڑ کر بولا۔

''تمہاری جگہ کوئی اور باپ ہوتا تو چوٹی سے پکڑ کر واپس چھوڑ آتا۔ تم نے تو الٹی آؤ بھگت شروع کر دی''۔ وہ تلخی سے کہہ کر باورچی خانے میں گھس گئی۔

بالو اندر بخار میں پھنک رہی تھی۔ ماں کی کڑ کڑ سے اس کا سر پھٹنے لگا۔

''ابا...... اماں کو سمجھا لو۔ ٹی بی کر دیں گے یہ مجھے''۔ وہ بمشکل دروازے تک آ کر کمزور سی آواز میں گویا ہوئی تھی۔

''ارے ہم کیا کریں گے تجھے ٹی بی۔ تو خود کینسر بن کر آ گئی ہے ہماری جان کو''۔ اس کی ماں باورچی خانے ہی سے چلائی۔

بالو نے لوہے کا دروازہ دھڑ سے بند کر دیا۔

''یہ نخرے دکھا جا کے اپنے ہوتے سوتوں کو''۔ اس کی ماں حلق پھاڑ کر چیخی۔

''یہ لال خان کی بلڈنگ نہیں ہے۔ اکیلا کمرا گھیرا کر لیٹ گئی ہے۔ ٹھنڈ ہو رہی ہے۔ بچے کیا سڑک پر سوئیں گے۔ نواب زادی''۔ اس کی ماں ہنوز چلا رہی تھی۔

''آ گئی ہے ہمیں نخرے دکھانے۔ آج اکیلی ہے۔ کل دو ہو جائینگے۔ بڑی کمائی کر کے لائی ہے۔ ارے کیسے پھوٹے نصیب ہیں میرے۔ خوشی کے دن راس ہی نہیں آتے۔ ارے کسی کی آئی اسے آ جاتی''۔ اس کی ماں برابر چلا رہی تھی۔

بالو نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

''نواب زادی کہتی ہے۔ بڈھا ہے۔ خود کو بڑی بادشاہ کی اولاد ہے۔ نخرے تو دیکھو۔ شکل نہ صورت میں تیری مورت۔ کھانے کو مل رہا تھا بیٹھے بیٹھے۔ فاقے لگیں گے تو پتا چلے گا۔ کانا دجال روٹی پر کان کی میل بھی رکھ دے گا تو کھا لے گی مر''۔

بالو کے اعصاب چٹخنے لگے۔ اس نے سر سے پٹی تو باندھ رکھی تھی۔ چادر اٹھا کر لپیٹ لی اور باہر آ گئی۔

''ابا...... میں ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہوں۔ میری طبیعت بہت خراب ہے''۔ وہ باپ سے مخاطب ہوئی۔

''اندھیرا ہو رہا ہے بھائی کو ساتھ لے جا''۔ غلام محمد نرم آواز میں بولا۔

''نہیں...... رہنے دو۔ ڈاکٹر کون سا دور ہے۔ نکڑ پر تو اس کی دوکان ہے''۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

اس کی ماں نے بڑی زہریلی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

بالو گھر سے نکل کر سیدھی بس اسٹاپ کی طرف بڑھی تھی۔

''یہ گلشن اقبال جائیگی؟'' اس نے کنڈیکٹر سے دریافت کیا تھا۔

''نا بی بی...... یہاں سے کوئی بس سیدھی گلشن اقبال نہیں جاتی۔ تم یہاں سے صدر چلی جاؤ۔ وہاں سے تمہیں بہت ویگنیں مل جائیں گی''۔

"یہ صدر جائیگی ......؟" وہ کچھ پریشان ہوگئی۔ گریبان میں ہاتھ ڈال کر بٹوا نکالا اور ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"ہاں۔ جائے گی"۔

وہ تیزی سے ویگن میں سوار ہوگئی تھی۔

"صدر پہنچ کر......ویگن کے چکر میں پڑنے کے بجائے اس نے رکشہ لے لیا۔

پہلی مرتبہ اس طرح تنہا نکلنے کا اتفاق ہوا تھا' اس لئے خوف سا طاری تھا۔

رکشہ خاصی دیر چلنے کے بعد اس کے بتائے ہوئے مقام پر رک گیا۔ اچھا خاصا کرایہ بن گیا تھا۔ اس نے [illegible] نکال کر اسے دیا اور باقی پیسے واپس لے کر سڑک پار کر کے ایک عمارت کے سامنے پہنچ گئی۔ پہلے کھڑے ہو کر اس نے [illegible] پہچاننے کی کوشش کی پھر اس راستے پر چل پڑی جو اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ آف وہائٹ دروازے پر پہنچ کر اس نے [illegible] بٹن پش کیا۔ دو تین مرتبہ پش کرنے کے بعد دروازہ کھلا۔

"کون ہے بھائی۔ ہم کہاں اتنے اہم ہیں کہ کوئی ہمیں یاد کرے اور آئے"۔ دروازہ کھولتے کھولتے [illegible] گئی تھی۔

دروازہ کھولنے والا...... اچھل کر پیچھے ہٹا تھا۔

"آ......آپ......!"

"راستہ تو دیجئے۔ بخار سے مجھے چکر آ رہے ہیں"۔

یا گردش دوراں کو کوئی کام نہیں ہے
یا میری ہی تقدیر میں آرام نہیں ہے

اس نے بے ساختہ شعر کہتے ہوئے راستہ دیدیا تھا۔ حیرت اتنی تھی۔ آنکھیں جیسے ماتھے پر جا لگی تھیں۔

"ارے بیٹا عارف! کون ہے؟ کس سے باتیں کر رہا ہے؟" اس کی ضعیف آنکھوں کے نور سے محروم [illegible] ہوئی آواز آئی تھی۔

"مہمان آئے ہیں ماں۔ کہتے ہیں مہمان کے آنے سے برکت ہوتی ہے۔ ہمارے بھی دن پھرے ہیں۔ [illegible] کے سلسلے بڑے ہیں"۔

وہ شکستہ سی آواز میں جواب دے کر چٹخنی لگانے لگا۔

"مہمان؟ کون مہمان۔ ارے بولتا کیوں نہیں؟" بڑی بی جھلائیں۔

"بتاتے ہیں ماں۔ بتاتے ہیں"۔

"آیئے......اندر آ جایئے"۔ وہ یوں گویا ہوا جیسے کہہ رہا ہوں "کیا کریں مجبوری ہے"۔

"کیسے ہیں آپ؟" وہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

تو اپنی شیشہ گری کا ہنر نہ کر ضائع
میں آئینہ ہوں مجھے ٹوٹنے کی عادت ہے

وہ ہنس دیا۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

''السلام علیکم اماں!'' بالو بڑی بی کے سامنے تھکے تھکے انداز میں بیٹھ گئی۔

''جیتی رہو' کون؟'' بڑی بی ہنوز الجھی ہوئی تھیں۔

''میں ہوں اماں' بالو''۔ وہ کمزور سی آواز میں گویا ہوئی۔

''بالو......کون بالو؟'' بڑی بی کا حافظہ بالکل چٹ ہو چکا تھا۔

''لال خان کی بیوی!'' عارف نے الجھی ہوئی نظروں سے بالو کی طرف دیکھا۔

''ارے اچھا......اچھا! اکیلی آئی ہو' لال خان نہیں آیا' رات تو گھنی ہو رہی ہے''۔ بڑی بی کو یاد آ گیا۔ بالو جواباً خاموش رہی۔

''بیٹی! اس وقت کیسے آئی؟ ٹھیک تو ہے ناں؟'' بڑی بی کی فکرمندی فطری تھی۔

بالو پھر خاموش رہی۔

''کھانا وانا بھی کھایا؟'' بڑی بی نے ٹٹول کر اس کے گھٹنے چھوئے۔

''مجھے بخار ہو رہا ہے' بہت تیز' میں کہیں لیٹ جاؤں''۔ وہ کمزور سی آواز میں بولی۔

''ائے ہے' بخار ہو رہا ہے؟ ارے عارف! اسے گولی دے دے چائے کے ساتھ''۔

بڑی بی پریشان ہو گئیں۔

عارف نے بھی تشویش بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''آیئے بھابی! ادھر کمرے میں آ جایئے۔ ہم تو ویسے بھی آپ کے مقروض ہیں''۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ایک طرف کھلے دروازے کی جانب اشارا کیا۔

بالو بمشکل تمام کھڑی ہوئی اور اس کے پیچھے چل پڑی۔

''آیئے یہاں لیٹ جایئے' میں چائے لے کر آتا ہوں''۔ وہ الٹے قدموں باہر نکل گیا۔

بالو گرنے کے انداز میں بستر پر بیٹھ گئی' پھر آہستگی سے لیٹ گئی۔

بخار بہت تیز ہو چکا تھا۔ جانے کتنی دیر غفلت رہی۔

''یہ چائے' پہلے کچھ کھا لیجئے پھر گولی کھا لیجئے گا''۔ اسے عارف کی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔

وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ عارف چند ثانیے اس کی بے بسی دیکھتا رہا۔ پھر ٹرے تپائی پر رکھ کر اس کی طرف بڑھا۔

''اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو آپ کو اٹھنے میں مدد دوں''۔ وہ اس کے قریب کھڑا اجازت مانگ رہا تھا۔

''اف......! الفاظ من چاہے' مگر نیت وارادے کا اثر کچھ اور''۔ وہ چپ رہی۔

عارف نے اس کے سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر اسے اٹھنے میں مدد دی۔

کچھ وہ خود کوشش کر کے بیٹھ گئی۔

عارف نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی۔ چائے کے ساتھ بسکٹ اور کیک پیس تھے۔ اس نے ایک چھوٹا بسکٹ اٹھا کر چائے میں بھگویا اور منہ میں رکھ لیا۔

پھر چائے اٹھا کر پینے لگی۔

''اور لیجئے ناں''۔ عارف نے کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بالکل قریب بیٹھ چکا تھا۔

اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

عارف نے آگے جھک کر اس کی پیشانی کو چھوا۔ پھر ایک دم چونک کر ہاتھ ہٹا لیا۔

''حد ہو گئی۔ کس قدر تیز بخار ہو رہا ہے۔ بھلا کیا ضرورت تھی اس حال میں گھر سے نکلنے کی۔ آپ کو تو چلنا بھی مشکل ہو گا۔ میں خود جا کر دوا لے کر آتا ہوں' اگر ڈاکٹر ساتھ آ گیا تو اسے لانے کی کوشش کروں گا''۔ وہ باہر کی طرف بڑھا۔

''رہنے دیجئے۔ مت کیجئے تکلیف' مرنے دیجئے مجھے۔ مجھے کیا کرنا ہے زندگی کا''۔

وہ شکستہ آواز میں اسے روک رہی تھی۔

عارف نے جاتے جاتے پلٹ کر دیکھا۔

ہم چراغ در مفلس تو نہیں ہیں جو ہمیں

یوں سرِ شام ہی پھونکوں سے بجھایا جائے

وہ اتنا کہہ کر باہر نکل گیا۔

بالو نے ٹرے ایک طرف کھسکائی اور پھر ڈھے گئی۔

اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ خاصی دیر بعد عارف ڈاکٹر کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''بہت تیز بخار ہے' برف ہے گھر میں؟''

''جی''۔ عارف نے فکرمندی سے بالو کا چہرا دیکھا۔

''آپ ایسا کیجئے' بہت ٹھنڈا پانی بنا کر ان کی پیشانی پر پٹیاں رکھئے۔ فکر کی بات اس لئے بھی ہے کہ یہ پریگنٹ ہیں''
ڈاکٹر اسٹیتھو اسکوپ سے چیک اپ کرنے کے دوران گویا ہوا۔ عارف بڑی تیزی سے باہر نکل گیا تھا

ڈاکٹر نے بڑی توجہ سے معائنہ کیا اور دوائیں لکھ دی تھیں۔

''اس سے قبل بھی آپ نے اپنی وائف کا چیک اپ کرایا ہے؟'' عارف پانی اور پٹیاں لے کر اندر داخل ہوا تو اس پر سوالیہ حملہ ہوا۔

وہ کچھ بولنے ہی لگا تھا' مگر پھر جانے کیا سوچ کر خاموش ہو گیا۔

''پہلے یہ دوائیں منگوا لیجئے' انجکشن لگا دیا ہے' فکر کی بات نہیں تسلی رکھئے''۔

ڈاکٹر نے اپنا پھیلایا ہوا ''پھیلاوا'' سمیٹنا شروع کیا۔

عارف نے پانی کا برتن تپائی پر رکھ دیا۔ جس میں برف کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔

''آیئے' میرے ساتھ ہی چلئے' میں راستے میں آپ کو کسی میڈیکل سٹور پر ڈراپ کر دوں گا' پچپن ساٹھ کے پیٹے میں دکھائی دینے والا ڈاکٹر۔ بہت شفیق اور مہربان محسوس ہوا۔

''شکریہ' آیئے پلیز''۔ عارف نے اپنے ردعمل سے جذبہ شکرگزاری ظاہر کی اور دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔

عارف کو گھر واپس آتے آتے آدھا گھنٹہ سے زیادہ لگ گیا تھا۔ برف بھی ساری پگھل چکی تھی۔

آتے ہی اس نے پہلے بالو کو دوا دی' پھر پانی میں دوبارہ برف ڈال کر پٹیاں بھگو بھگو کر اس کی پیشانی پر رکھنے لگا۔

بالو پر تقریباً بے ہوشی طاری تھی۔ چہرا بخار سے لال ہو رہا تھا۔ عارف کے چہرے سے فکر و ہمدردی کا ملا جلا تاثر عیاں تھا۔

''عارف...... عارف...... ارے او عارف...... لال خان کی بیوی کا بخار اب کیسا ہے۔ تو کیا کر رہا ہے؟ کہاں ہے رے؟'' بڑی بی نے شور مچا دیا۔

عارف زچ ہو کر بڑی ماں کے پاس چلا آیا۔

''سو جاؤ! اماں' چپ چاپ''۔

''کیا کر رہا ہے تو؟'' بڑی بی کو کھوج ہوئی۔

''جھک مار رہا ہوں''۔ وہ جھلایا۔

''کیا وہ سو گئی؟''

''بے ہوش پڑی ہے فی الحال''۔ وہ قدرے تلخی سے گویا ہوا۔

''تو کیا کر رہا ہے؟'' بڑی بی نے تعجب سے دریافت کیا۔

''دانے بھون رہا ہوں' سو جاؤ تم' اب آواز مت دینا' میں خود آ جاؤں گا تھوڑی دیر میں''۔ وہ تاکید کر کے دوبارہ بالو کے پاس آ گیا۔

اور اس کی پیشانی پر رکھی پٹی ہٹا کر دوسری رکھنے لگا۔

اس کا عمل ہمدردانہ سہی مگر آنکھوں میں بے شمار سوال تھے۔

....

رات کی گہری تاریکی میں جیپ حویلی کے مین گیٹ پر پہنچی تھی۔

اعصاب اتنے شل تھے کہ نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے بیٹھے بیٹھے پرشکوہ سی حویلی کا جائزہ لیا۔

چوکیدار نے گیٹ وا کر دیا تھا۔ جیپ اندر دور تک چلی' پھر جگمگاتے شیڈ کے نیچے رک گئی۔

''اتر آؤ بی بی''۔ ڈرائیور کی آواز پر وہ چونک پڑی۔

اور چادر سنبھالتی اتر آئی۔

''اندر بی بی کو بولو' بڑی حویلی سے مہمان آئے ہیں''۔

ڈرائیور نے دور کھڑے ملازم کو آواز دی۔

وہ اپنی جگہ کھڑی رہی جیسے اندر سے اجازت ملنے کا انتظار کر رہی ہو۔

ملازم چند منٹوں میں واپس آ گیا۔

''بی بی کہتا ہے' مہمان کو گیسٹ روم میں پہنچا دو' خان آ کر خود ملیں گے''۔

ملازم ڈرائیور سے مخاطب ہوا اور پھر اس کی جانب پلٹا۔

''آؤ بی بی''۔

وہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

ملازم نے گیسٹ روم کھول کر اسے اندر جانے کا اشارا کیا۔

وہ اندر داخل ہوئی۔ انتہائی شاندار گیسٹ روم تھا۔ مکمل گولڈن فرنیچر' گولڈن چم چم کرتے پردے' سرخ قالین' سرخ ہی بیڈ شیٹ اور تکیے' سرخ گدیوں والی اونچی نیچی پشتوں والی چار کرسیاں' ہر شے نہایت صاف ستھری۔

اس نے ایک طرف بنے دروازے کو پرشوق انداز میں دھکیلا اور سر اندر کر کے جھانکا' نہایت ہی صاف ستھرا خوبصورت سفید ٹائلوں والا باتھ روم' گولڈن ٹبس' گولڈن فریم کا آئینہ اور گولڈن ہی تولیہ اسٹینڈ۔ یوں محسوس ہوا جیسے کسی فرمانروا

کا بیڈ روم ہو۔ اس کا جی چاہا فوراً ہی غسل کر لے مگر کپڑے......؟ اس نے مایوس انداز میں اپنے لباس پر نظر ڈالی۔

"جب تک کاکا جان نہیں آجاتے' کپڑوں کا مسئلہ بھی حل نہیں ہوگا۔ کس قدر بد اخلاق ہیں کاکا جان کی مہر... والوں کا بھی لحاظ نہیں کرتیں' پتا نہیں وہی "میم" ہیں یا کوئی اور ہیں۔ کاکا جان تو بے حد "مسٹریس" ہیں۔ پتا نہیں... جہاں میں رہتے ہیں۔ مجھے تو ویسے ہی اتنا خوف آتا ہے' پتا نہیں کیسا سلوک کرینگے مجھ سے"۔

اس نے آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ اور احتیاط سے بستر پر بیٹھ گئی۔ لباس گرد آلود ہونے کی وجہ سے... کانشس ہو رہی تھی۔

حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ اب ملازم کو کیسے بلائے؟ یا باتھ روم میں جا کر ٹونٹی سے منہ لگا کر پانی پی لے... میں تھی۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

"ہوں' کون ہے؟ آجاؤ"۔

دروازہ کھلا اور وہی ملازم جو اسے یہاں پہنچا کر گیا تھا' ٹرے میں جگ گلاس لئے اندر داخل ہوا۔ اور خاموشی سے... سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

روشی نے نہایت بے تابی سے پانی گلاس میں انڈیلا اور غٹا غٹ چڑھا گئی تھی۔ پورا گلاس پی کر اس نے گہرا سانس... کر ملازم کی طرف دیکھا۔

"کیوں کھڑے ہو؟"

"آپ کھانا کھائینگی؟" وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔

"ہاں' ہاں بھئی کیوں نہیں کھائیں گے' بڑا مزے دار کھانا چھوڑ کر آئے ہیں' لہٰذا تم کھانا اچھا سا' مگر جلدی لانا' بھوک نے دم نکال دیا ہے"۔

اس نے پٹی چادر جھاڑ کر بیڈ پر پھیلائی اور لیٹ گئی۔

"دروازہ بند کر کے جانا' پہلے بھول کر چلے گئے تھے۔ کسی نے ادب آداب نہیں سکھائے تمہیں؟ ویسے تو کاکا جان بڑے سخت ہیں"۔

بے چارا ہکا بکا اس کی شکل دیکھنے لگا۔ مہمانوں کا تو نہیں البتہ مالکوں کا انداز ضرور تھا۔

"جاؤ بھئی' کیا شکل دیکھ رہے ہو"۔ وہ ناگواری سے گویا ہوئی۔

وہ جلدی سے باہر نکل گیا' مگر اس مرتبہ دروازہ بند کرنا نہیں بھولا۔

روشی چھت پر لگے فانوس پر نظریں جما کر کچھ سوچنے لگی۔ بڑی حویلی اس کے دماغ پر روشن تھی۔

"کیا ہو رہا ہوگا وہاں۔ ایک آفت اتری ہوگی' گلو اور مونا تو رو رو کر پاگل ہو رہی ہوں گی' پپا نے کس طرح ری ایکٹ... ہوگا؟

بابا صاحب تو رائفل لوڈ کر چکے ہوں اور بڑی امی! وہ مجھے کچا چبانے کے منصوبے بنا رہی ہوں گی۔

اور خالہ...... وہ درحقیقت پریشان ہوں گی۔ پپا کو کچھ سمجھا رہی ہوں گی۔ کیا مجھے گلٹی فیل کرنا چاہیے؟ ہرگز نہیں' میں حویلی کے اصطبل میں بندھی قیمتی گھوڑی نہیں ہوں' مجھے انسان ہونے کے ناتے اپنے حقوق کا تحفظ کرنے کا پورا اختیار ہے۔ میں کس خوشی میں عمر بھر کا رونا اپنے سر لگاؤں' انہیں پتا چلنا چاہیے' اپنے لئے تو یہ حال کہ کھانے میں نمک ٹھیک بالکل درست ہو ورنہ کھانا اٹھا کر پھینک دیں۔ دوسروں کی زندگی نمک سے بھی گئی گزری ہے۔

اگر کاکا جان نے مجھے دوبارہ حویلی بھجوانے کی کوشش کی تو اسی حویلی میں جان دے دوں گی اور اسے بھی ذرا پتا چلنے دو' اللہ طون کی اولاد' چلتا کیسے ہے' جیسے زمین روند رہا ہے۔ ساری دنیا اس کی تولہ بھر عقل کی محتاط ہو' اسے تو میں وہ سبق سکھاؤں گی کہ اس کی نسلیں یاد رکھیں گی' بڑا آیا وہاں سے' مجھے تلاش کرنے کے بہانے جھومر بھابی سے باتیں بنا رہا ہوگا' اللہ کرے' یہ سارا معاملہ بابا صاحب کو پتہ چل جائے پھر پتا چلے نواب کو' بڑا بنا پھرتا ہے حویلی کا ریموٹ کنٹرول"۔

اب سارا نزلہ باری پر گر رہا تھا۔

"جکڑا کر رکھ دیا ہے اس معمولی شخص نے مجھے۔ اس کا تو سب سے برا حشر ہونا چاہیے۔ حویلی کی خواتین کا احترام کرتا ہے۔ جھومر بھابی اس کی "ڈیش" لگتی ہیں۔

پتا نہیں ان غریبوں کا کیا ہوگا جو مٹھائی کے ٹوکرے لئے حویلی آئے ہوں گے۔ تاریخ لینے' بھولے نہیں سارہے۔ خان دلاور خان کی پوتی بیاہ کر لے جائینگے۔ ہونہہ...... "خوش فہموں کا ٹولہ"۔

وہ خاصی دیر "غائبانہ" بڑی حویلی میں گھومتی رہی' دل و دماغ میں جھکڑ سے چل رہے تھے۔ اتنا بڑا قدم اٹھا تو لیا تھا مگر سکون ذرا نہیں تھا۔

جانے کتنی دیر خیالی دنیا میں گزری تھی۔ وہ اس وقت چونکی' جب ملازم ٹرالی سمیت کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کاکا جان کب تک آئیں گے؟" اس نے ملازم سے دریافت کیا۔

"کاکا جان! اوہ...... خان کو پوچھتا ہے آپ؟ وہ تو سندھ گیا ہے"۔

اس نے اپنی جانب سے اطلاع بہم پہنچائی۔

"پتا ہے مجھے' آئیں گے کب تک؟" وہ چڑ کر بولی۔

"خبر نہیں' وہ شکار پر گیا ہے دوستوں کے ساتھ"۔ ملازم نے سادگی سے جواب دیا۔

"اچھا جاؤ تم' تمہارے ہاں باری ٹائپ کی کوئی چیز نہیں ہے"۔ وہ بستر سے اترتے ہوئے استہزائیہ انداز میں پوچھنے لگی۔

"جی"۔ بے چارا نہایت پریشان نظر آیا۔

"ارے جاؤ بابا!" وہ جھلا کر کہتی ہوئی منہ دھونے باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

ملازم باہر نکل گیا۔

قلوپطرہ باتھ سوپ کی خوشبو سے سارا باتھ روم مہک رہا تھا۔ اس نے بڑے خوشگوار احساسات کے ساتھ
اور سفید تولیے سے منہ پونچھتے ہوئے باہر آگئی۔

ڈونگوں کے ڈھکن اٹھا اٹھا کر اس نے ڈشز کا اندازہ لگایا۔ ایک میں قیمہ مٹر دوسرے میں بھنے ہوئے
تیسرے میں آلو کا بھرتا۔ اس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے گویا کھانے سے پہلے اللہ کا شکر ادا کیا۔ چھوٹی سی
چائنیز سلاد بھی تھا' جو اسے یوں بھی بے حد پسند تھا۔

''واہ بھئی کھانے کے معاملے میں تو ہماری چچی جان بڑی باذوق ہیں' چلو یہ تو بہت ہی اچھا ہے۔ کم از کم کھانا تو
ملے گا''۔

وہ بہت آرام دہ حالت میں بیٹھ کر کھانا کھانے لگی۔ اس کی ذہنی کیفیت میں اس لئے بھی کوئی تبدیلی نہیں تھی
سے وہ اپنے ہی گھر میں تھی۔

ابھی وہ کھانا کھانے میں مصروف ہی تھی کہ ملازم پھر چلا آیا۔

''آپ چائے یا کافی پیئے گا؟''

''نہیں بھئی' کھانا کھا کر تو بس اب لمبی تان کر سوئیں گے''۔ اس نے بڑے مصروف انداز میں جواب دیا۔

''سنو''۔ اس نے جاتے ہوئے ملازم کو آواز دی۔

''جی؟'' اس نے بڑی دلچسپی سے روشی کو دیکھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''سمندر خان''۔ اس نے بڑی سادگی سے کہا۔

''اوہ! اتنا طویل وعریض نام''۔ وہ ہنس پڑی۔

''جی''۔ وہ بے چارہ خاک..... نہیں سمجھا۔

''سنو اپنی مالکن سے کہو۔ ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہم کوئی غیر نہیں ہیں' خان تیمور علی خان کی سگی بھتیجی ہیں۔ خان
علی خان کی صاحبزادی' جاؤ ہمارا پیغام اپنی مالکن کو پہنچا دو''۔

ملازم چلا گیا' وہ پھر مکمل توجہ سے کھانا کھانے لگی۔

کھانا ختم کرنے کے بعد اس نے برتن واپس ٹرالی میں رکھے اور ہاتھ دھونے باتھ روم میں چلی گئی۔

جب ہاتھ دھو کر باہر آئی تو ملازم اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''بی بی بولتا ہے' آپ خان کے آنے تک انتظار کرو' ابی وہ کسی سے نہیں ملے گا''۔

سمندر خان نے حرف بہ حرف اس تک پہنچا دیا۔

روشی کو بے انتہا انسلٹ محسوس ہوئی۔

''سنو! کیا تمہاری مالکن بہت حسین ہیں؟'' وہ تلخی سے پوچھ رہی تھی۔

سمندر خان خاموش رہا۔ بس تعجب سے اس کی شکل دیکھتا رہا۔

''اچھا یہ بتاؤ تم نے اپنی مالکن سے کیا کہا تھا؟'' اسے پیغام رسانی کے معاملے میں کچھ گڑبڑ کا خدشہ تھا۔

''جو آپ نے بولا تھا' وہی بولا تھا''۔

''یہی تو پوچھ رہی ہوں کیا؟'' وہ جھلائی۔

''آپ خان تیمور کی بھتیجی ہو اور خان یاور علی خان کی صاحبزادی ہو''۔

وہ بھی بے چارا پریشان ہو گیا تھا۔

''ہوں''۔ روشی نے کچھ سوچنے کے انداز میں ہنکارا بھرا۔

''یہ سننے کے بعد بھی تمہاری مالکن پر کوئی اثر نہیں ہوا؟'' اس نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''نہیں''۔ وہاں سے بڑا انکا سا جواب آیا تھا۔

وہ منہ بنا کر رہ گئی۔

''چھوٹا خان گھر میں ہی ہے؟'' اس نے موضوع بدل دیا۔

''نہیں' چھوٹا خان (آسٹل) ہاسٹل میں ہے''۔ سمندر خان نے جواب دیا۔

''اچھا! جاؤ تم یہ ٹرالی لے جاؤ' اور صبح مجھے اٹھانے مت آنا' چاہے کاکا جان بھی آجائیں تب بھی۔ میں اپنی مرضی سے
اٹھوں گی''۔

سمندر خان ٹرالی دھکیلتا کمرے سے باہر چلا گیا۔

روشی نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کیا' لائٹیں بجھائیں اور بستر پر اوندھی گئی۔

بہت عرصے بعد اسے فطری نیند آرہی تھی۔

....

اس نے باغ کی ساری لائٹیں آف کر دی تھی۔

سب ہی لوگ اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ اب یہ خدا کو معلوم سو رہے تھے یا جاگ رہے تھے۔ اسے تو البتہ نیند صبح تک
نہیں آنی تھی۔ وہ سینے پر ہاتھ لپیٹے مسلسل ٹہل رہا تھا۔

اسے محسوس ہو رہا تھا کہ ایک قیامت سی برابر ٹوٹے جا رہی ہے۔

کہاں ہو گی وہ؟

اگر وہ سمندر کی گہرائی میں ہوتا تو سیدھا سمندر میں غوطہ لگاتا اور ڈھونڈتا۔

کیا اس سانحے کا مجرم میں ہوں؟

کیا میں نے روشی خود غرضی سے کام لیا ہے؟

کیا میں نے تو آنے والے ممکنہ دکھوں سے اسے بچانے کی کوشش کی۔

میں تو اس پر کسی دکھ کا سایہ برداشت نہیں کرسکتا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اس رات مجھے نیند نہ
بچپن میں جب وہ تتلیاں پکڑتی بھاگتی بھاگتی گر جاتی۔ اس کے گھٹنے اپنی قمیض کے دامن سے صاف
کے آنسو اپنی ہتھیلیوں سے پونچھتا تھا۔ اس کو ہنسانے کیلئے کیا کیا جتن کرتا تھا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ وہ حقیقی
ترسے گی۔

وہ کس عذاب میں ہوگی؟

کہاں ہوگی؟

کس حال میں ہوگی؟

اگر اسے کچھ ہوگیا؟ یہاں پہنچ کر اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

''افوہ! تم یہاں ہو؟ میں حیران کہ الٰہی گئے تو کہاں گئے؟''

جھومر کی آواز پر تو اس کے بچے کھچے حواس بھی جواب دینے لگے۔

''وہ کمبخت سرسوتی تو کب کی مر کھپ گئی۔ ہمیں یہاں سے وہاں تک حویلی چھاننا پڑ گئی''۔ وہ اس کے ساتھ
لگی۔

باری نے نہایت بےزارکن انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

''فرمایئے' کیسے زحمت کی؟'' وہ اپنے لہجے کی تلخی کو چھپانے میں ناکام رہا۔

''وہ تمہاری قیدی اور سرسوتی کی ''کیدن'' بخار میں دھت پڑی ہے''۔

''مجھے تو تمہاری طبیعت بھی اچھی محسوس نہیں ہو رہی''۔ جھومر واقعی اسے بہت شدت سے محسوس کرتی تھی
ماحول میں بھی اس کی کیفیت محسوس کر چکی تھی۔

''میں آپ کو ایک ٹیبلٹ دے دیتا ہوں' آپ اسے کھلا دیں''۔ وہ بولا۔

''مگر تالا تو تم کھولو گے؟'' جھومر نے تعجب سے اس کو دیکھنے کی کوشش کی۔

''میں آپ کو چابی بھی دے رہا ہوں' کھول لیجئے گا''۔ وہ دھیمی آواز میں بولا۔

ہیں؟'' جھومر کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں تھی۔

''اور جو وہ بھاگ گئی؟'' اس نے قدرے تمسخرانہ انداز میں سوال کیا۔

''بھاگ جائے''۔ وہ بےزاری سے کہتا ہوا حویلی کے اندرونی حصے کی طرف بڑھا۔

''سخت موڈ آف ہے؟'' جھومر دھیرے سے ہنسی۔

باری خاموش رہا۔

''ایسے کیوں ہو رہے ہو' کچھ کھو گیا ہے؟'' وہ پھر دھیمے سروں میں ہنسی۔

''کیا لیں گی آپ خاموش رہنے کا؟'' وہ سخت خفگی کے عالم میں مخاطب ہوا۔

''جو بھی چاہے' دو تم دو گے کب؟'' وہ پھر ...
''... عجب ہے' بڑا زبردست انصاف ... آج ہم پر''۔ وہ پھر ہنسی۔
''تم ... آج حال ہی عجب ہے ... باوجود اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔
باری چونک پڑا۔ کیا اسے پتا چل چکا؟ چاہنے کے باوجود اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔
''وہ تو تمہارے مالکوں میں سے ہے۔ اتنے اونچے خواب دیکھتے ہو؟'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنس رہی تھی۔
باری کو زمین اپنے پاؤں کے نیچے سے سرکتی محسوس ہونے لگی۔
''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ سختی سے بولا۔
''ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ تم ہمارا مطلب نہ سمجھے ہو۔
ویسے عجب بےوقوف لڑکی ہے۔ اسے تو تمہارے ساتھ جانا چاہیے تھا''۔
باری کو گویا چار سو چالیس وولٹ کا جھٹکا لگا تھا۔
''آپ کو کیسے پتا چلا؟ اور آپ ایک معصوم لڑکی کو کیوں مجھ سے منسوب کر رہی ہیں؟ آپ سب کی عزتوں کو تماشا سمجھتی
بے انتہا دکھ کی بات ہے''۔ وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔
''یہ ہونا ہی ناقابل برداشت ہے۔ ایک روز وہ بہت برا مان کر مجھے سمجھا رہی تھی۔ مجھے کیا پتا تھا کہ اس نے اپنا کانٹا ڈالا
ہے اور اس طرف دو طرفہ کارروائی ہے۔
اتنی سخت سردی میں تم نے اسی باغ میں میلوں کا سفر طے کرلیا ہے۔ ادھر سیڑھیوں پر آدھے گھنٹے سے بھی زیادہ ہوگیا۔
میں تمہیں دیکھ رہی تھی۔ جو خود لٹا ہوا ہو وہ دوسرے سے ہوئے کو پہچاننے میں غلطی نہیں کرسکتا۔ حضور والا ورنہ اس وقت تو
سارے فرشتے بھی سو چکے ہوتے ہیں۔ رات پونے دو بج رہے ہیں''۔ جھومر کے انداز میں اعتماد' استہزاء' دکھ' اپنی تکتہ رسی پر
... جانے کیا کیا تھا۔

''آپ ان کیلئے یہ انداز و لہجہ اختیار نہ کریں تو بہتر ہے۔ میں اس حویلی کا ایک فرد ہوں۔ یہاں ہونے والا کوئی بھی حادثہ
... بھی اسی طرح ... انداز ہوسکتا ہے' جیسے کہ دوسروں پر' آپ اسے الٹے سیدھے معنی پہنانے سے باز رہیے۔ اس طرح کسی
... کرنے کی اجازت آپ نے کہاں سے حاصل کی ہے۔ یہاں اتنی بڑی بات ہوگئی ہے' آپ کو ہنسی کی سوجھ رہی ہے۔
... کی بات ہے''۔ باری چلتے ہوئے کہتا جا رہا تھا۔
''... گئی ہے اس حویلی کو میری' میرا بس چلے تو چھت پر جا کر رقص کروں اور منوں مٹھائی تقسیم کروں۔ غریبوں کو کھانا
... اشرفیاں ہوں تو تمہارے سر سے صدقہ اتار کر دہلیز پر پھینک دوں۔ پورے چالیس دن نئے کپڑے پہنوں'
... خوانی کراؤں اور اس کا ثواب رِدشی کی ماں کو پہنچاؤں۔ کیا ''شیرنی'' پیدا کی ہے۔ کم از کم میں تو مرتے دم تک اس
... ہوں گی اس کی وجہ سے میرے کلیجے میں کچھ ٹھنڈک پڑی ہے۔
... ہمدردی کے طور پر البتہ اس کا خیال آ رہا ہے۔ جوان بھی ہے اور خوبصورت بھی' کہیں جلدی ہی کوئی ہاتھ صاف نہ کر
... ہے تو وہ خون خرابا کرنے کی حد تک بہادر ہے۔ مگر ہے تو پھر بھی لڑکی۔

ایک دل کہہ رہا ہے' خدا کرے اسے کچھ نہ ہو۔ دوسرا کہتا ہے' خدا کرے لٹ کر ہی اس حویلی [illegible]
ملے اس حویلی کی شان......؟"

ایک زناٹے دار طمانچہ اس کے رخسار پر پڑا تھا۔ ابھی وہ سنبھلی بھی نہیں تھی کہ دوسرے رخسار پر ایک [illegible]

"میں آپ کا گلا دبانے کی نیت پر ہوں' دفع ہو جایئے یہاں سے' اگر آپ نے آئندہ مجھ سے بات [illegible]
حشر لگاڑ دوں گا۔ اس قیدی کے ساتھ کچھ نہیں ہوا جو آپ کے ساتھ ہوگا"۔

باری کی رگ رگ میں انگارے دہک رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

وہ زینے طے کر رہا تھا۔ جھومر رخسار پر ہاتھ رکھے ششدر دیکھ رہی تھی۔

....

نیند تو خیر ماہین کو بھی نہیں آ رہی تھی مگر یاور علی خان جس طرح دھواں چھوڑنے والا انجن بنے ہوئے تھے [illegible]
انتہائی اذیت ناک تھا۔

کبھی رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھ کر فائلیں دیکھنے لگتے۔ کبھی کمرے میں ٹہلنے لگتے' کبھی صوفے پر نیم دراز ہو جاتے [illegible]
سے نیچے اتر آئی اور ان کے قریب چلی آئی

"اتنے ٹینس نہ ہوں' اللہ پر بھروسہ رکھیں"۔ اس نے ان کی پیشانی پر اپنا نازک سا ہاتھ رکھ کر ملائمت سے [illegible]

یاور علی خان نے اپنی سرخ آنکھیں لمحے بھر کو کھول کر اس کی سمت دیکھا۔ نہایت ہلکے آسمانی رنگ کی [illegible]
بالوں میں وہ بہت اپنی اپنی سی محسوس ہو رہی تھی۔ کمرے میں نائٹ بلب کی کمزور سی روشنی اسے مزید پرکشش [illegible]

"ماہین! یہ کوئی معمولی بات تو نہیں ہے"۔ انہوں نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"تو میں کب کہہ رہی ہوں کہ یہ کوئی چھوٹی سی بات ہے۔ مگر ہمیں یہ بھی تو زیب نہیں دیتا کہ اپنی قوت [illegible]
جائیں۔

بات پیدا ہوتی ہے تو آگے بھی چلتی ہے' پھر کسی منطقی انجام تک بھی پہنچتی ہے۔ ہمیں امید رکھنا چاہیے [illegible]
ہمارے حق میں ہوگا"۔

اس نے اپنا ایک ہاتھ ان کے بازو پر اور دوسرا ان کے سینے پر رکھ کر بہت اپنائیت سے کہا۔

"وہ کمزور سی سڑکی ہے ماہین اور لڑکی بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔ صدیوں کی محنت داؤ پر لگی ہوئی [illegible]
ہمارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے"۔ یاور علی خان کے لہجے میں بلا کی تھکن تھی۔

"وہ جہاں کہیں بھی ہوگی' خیریت سے ہوگی' نادان نہیں ہے' اپنی حفاظت کر سکتی ہے"۔ ماہین نے سمجھ [illegible]
کہا۔

"نادان نہ ہوتی تو یہ حرکت کرتی؟ سخت احمق لڑکی ہے' حماقت در حماقت کر رہی ہے"۔ یاور علی خان غصے [illegible]

[illegible] انہوں نے بے زاری سے کہا۔

"[illegible] آرام کیجئے"۔

"[illegible] آپ اسی طرح سوچتے رہیں گے؟ اس سے کیا مسئلہ حل ہو جائے گا؟" وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"[illegible] جایئے آرام کیجئے"۔

[illegible] کی طرف دیکھتی ہوئی بستر کی طرف بڑھی اور دراز ہوگئی۔

[illegible] خان نے پھر سگریٹ سلگالی اور صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

[illegible] اضطراری کیفیت میں کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ اچٹتی سی نظر ماہین پر ڈال لیتے تھے۔

[illegible] کے سامنے دور تک کھلے ہوئے بال پھیل گئے جو برابر کے تکیے پر بکھر گئے تھے۔ سرخ نائٹی میں ایک دمکتا وجود نیند کی
[illegible] ہوا تھا۔

[illegible] کی چوڑیوں سے بھرا ہاتھ سینے پر رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے فائل بند کر دی تھی اور بستر کی طرف بڑھ آئے تھے اور
[illegible] پر ٹک گئے تھے۔

[illegible] کتنی دیر وہ یونہی دیکھتے رہے' پھر وہ اس کے چہرے پر جھک گئے۔

[illegible] نے کسمسا کر آنکھیں کھول دی تھیں۔

"[illegible] تک جاگ رہے ہیں؟" وہ غنودگی سے پوچھ رہی تھی۔

"[illegible] کیا' تمہیں تو اپنی نیند سے غرض ہے' عمر بھر کی بیداری بخش کر کیا ٹھاٹ سے سوتی ہو"۔ وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"رات سونے کیلئے ہوتی ہے"۔ اس نے بڑے ناز سے کروٹ بدل لی تھی۔

"[illegible] کیلئے ہوتی ہے' دو چاہنے والوں کیلئے نہیں"۔ انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب موڑ لیا تھا۔

"[illegible] بڑی سخت نیند آ رہی ہے"۔ اس نے پھر کروٹ لینے کی کوشش کی۔

"[illegible] میں سے آدھی ہمیں بھی دیدو' تا کہ ہم بھی سو جائیں"۔ انہوں نے اسے کروٹ لینے سے باز رکھا۔

"[illegible] پلیز"۔ وہ بسوری تھی۔

"[illegible] پلیز دن میں چلتا ہے' رات کو نہیں چلے گا۔ سمجھیں میڈم سنیئر کیمبرج؟"

"[illegible] دن میں جو ادھر تنگ کرتا ہے اور رات کو آپ"۔ وہ پھر بسوری تھی۔

"[illegible] بیٹا باپ پر ہی جائیگا"۔ وہ مسکرائے تھے۔

"[illegible] آپ کو نیند کیوں نہیں آ رہی؟" وہ جیسے تنگ آ کر پوچھ رہی تھی۔

"[illegible] ورک میں مصروف تھا' تم پر نظر پڑ گئی شامت اعمال سے۔ خیال آیا کس قدر ظالم ہو؟ کیوں نہ اس وقت
[illegible] جائے۔

"[illegible] بیگم کے ساتھ پشاور بھی جانا ہے' رحم کر دیں"۔ وہ منت سے بولی تھی۔

"[illegible] سونے دوں گا' جو چاہے کر لو"۔ وہ کھڑے ہو کر ڈریسنگ گاؤن اتار کر لٹکانے لگے۔

''بہت ہی خراب ہیں آپ''۔وہ کروٹ لیتے ہوئے دھیرے سے ہنسی تھی۔

''لوگ خراب ہوتے نہیں ہیں' خراب کر دیئے جاتے ہیں''۔وہ دھیرے سے مسکرائے تھے۔

''لے کے اتنی اچھی نیند بھگا دی''۔وہ بڑے ناز سے جھلائی تھی۔

''بھاگ گئی' تھینکس گاڈ''۔وہ شریر ہو رہے تھے۔

''کل سے میں جواد کے پاس سویا کروں گی''۔وہ بولی۔

''وہاں میں بھی سو سکتا ہوں' میرے بیٹے کا کمرا ہے''۔وہ مسکرائے۔

''اپنی قابلیت سے زیر نہ کریں''۔وہ مسکرا رہی تھی۔

''محبت سے کر رہا ہوں''۔وہ شرارت سے گویا ہوئے۔

''یاور!''اس کے انداز میں بے بسی تھی۔

یاور علی خان ٹہلتے ٹہلتے رک گئے۔ان کی آنکھوں کی سرخی گہری ہو گئی تھی۔

وہ ماہین کے قریب آ کر بغور اس کا چہرا دیکھنے لگے۔

وہ سو کب رہی تھی۔ان کی گرم نگاہیں اس نے اپنے چہرے پر محسوس کیں تو پٹ سے آنکھیں کھول دیں
میں جانے کیا تھا۔اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔رواں رواں کھڑا ہو گیا۔

وہ چند ثانیے ان کی جانب دیکھتی رہی۔

''ماہین''۔ان کی آواز میں برف کی سی ٹھنڈک تھی۔

''جی''۔اس نے بمشکل تھوک نگلا۔

''اٹھو''۔ان کا انداز حکمیہ تھا۔

''وہ جھٹ اٹھ کر بیٹھ گئی''جی''۔

''تم اس وقت یہاں سے چلی جاؤ''۔ان کے لہجے میں بلا کی خوفناکی تھی۔

''جی! مگر کہاں؟''وہ حیران پریشان اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''اتنی بڑی حویلی ہے کہیں بھی جا کر سو جاؤ''۔وہ غرائے۔

''جی''۔اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔

''پلیز ماہین۔گو آوے۔دوان مومنٹس (دور چلی جاؤ لمحوں کے اندر اندر)

ماہین حواس باختہ سی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''جی؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا''۔اس کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا۔

''یو۔شٹ اپ''۔انہوں نے بند مٹھی اپنی پیشانی پر ماری۔''دیکھو میرے حال پر رحم کرو۔مجھے
ہری اپ پلیز''۔

اس نے چادر اٹھا کر لپیٹی۔اور ان کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے باہر نکل گئی۔

کمرے میں کھڑے ہو کر صورت حال پر غور کرتی رہی۔یاور علی خان میں پیدا ہونے والی آنا فانا تبدیلی پر ذہن

نہ دیا تو وہ زینے طے کر کے اوپر آ گئی۔اور پہلے ہی دروازے پر دستک دے ڈالی۔

باری کی آواز میں شدید جھلاہٹ تھی۔

پلیز دروازہ کھولو''۔نہ جانے کیوں اس کی آواز بھرا گئی۔

''جھلاہٹ بدستور تھی۔غالباً اس کا دھیان جھومر کی طرف تھا۔

باری......پلیز......ماہین......ہوں''۔اس نے اپنے آنسوؤں پر قابو پایا۔

بڑی حیرت کے ساتھ دروازہ کھولا تھا۔

آپ؟ خیریت؟''

آنکھوں سے اشک سلسلہ وار بہنے لگے۔اس سے کچھ بولا نہ گیا۔

چلے گئے؟''

اشکوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

کا دماغ اب کہیں دور تک پہنچ رہا تھا۔بظاہر اس کی نظر ماہین کے چہرے پر تھی۔

رہے ہیں یاور چچا؟''اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

رہی۔آنسو پینا مشکل ہو رہا تھا۔

ہیں؟''

نفی میں گردن ہلا دی۔

رہے ہیں؟''

نفی میں گردن ہلا دی۔

طبیعت ٹھیک ہے؟''اس کے لہجے میں عجیب سا ٹھہراؤ پیدا ہو چکا تھا۔

چادر سے چہرا پونچھا۔

تو تمہارے پاس آئی ہوں۔کچھ پوچھنا ہے تم سے''۔

چلتے ہیں''۔کس قدر پھونک کر قدم رکھنا آ گیا تھا باری کو۔

یہاں کیا ہے؟''اس نے حیرت سے باری کو دیکھا۔

نیچے چلتے ہیں''۔اس نے جیسے سنی ان سنی کر دی۔

چلتی ہوئی ہال میں آ گئی۔

صوفے کی طرف اسے بیٹھنے کا اشارا کیا۔

’’جی فرمایئے۔ کیوں رو رہی ہیں آپ؟‘‘ اس نے خود بھی ایک نشست سنبھال کر سوال کیا۔ اس کی بوجھل آنکھیں کچھ تلاش کرنے کی جستجو میں بڑی بے تاب نظر آئیں۔

’’باری...... کیا...... یاور ’’سائیکی پرابلم‘‘ ہیں‘‘۔ اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

’’جی؟ نہیں تو...... سارے گھر میں ایک وہی تو بیلنس نظر آتے ہیں‘‘۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

’’کوئی مسئلہ ہو گیا ہے؟‘‘ اس نے ماہین کا چہرا بغور دیکھا۔

’’باری! انہوں نے میری بہت انسلٹ کی ہے‘‘۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

’’کیا کہتے ہیں‘‘۔ باری کو جیسے اس کے ساتھ زیادتی کا بہت دکھ ہوا۔

’’مجھے یہ بتاؤ کہ عموماً گھر والوں کے ساتھ یہ کیسا ’’بی ہیو‘‘ کرتے ہیں؟‘‘ اس نے آنکھیں پونچھیں۔

’’ہی از اے ویری نائس اینڈ جنٹلمین۔ ویل مینرڈ۔ ڈیلنگز میں بہت ایزی ہیں‘‘۔

وہ کہہ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ الجھن بھری نظروں سے اس کے چہرے کے تاثرات بھی دیکھ رہا تھا۔

’’یاد کرو‘ شاید کبھی ایسا ہوا ہو کہ انہیں کوئی دورہ‘ دورہ‘‘۔

’’نہیں۔ میں نے ہمیشہ ان کو فٹ دیکھا ہے‘‘۔ باری نے تیزی سے جواب دیا۔

’’آپ مجھے بتایئے‘ اس وقت وہ کیا کر رہے ہیں؟‘‘ اسے بہت الجھن ہو رہی تھی۔

’’مجھے کیا پتا۔ میں تو اس وقت تمہارے پاس بیٹھی ہوں‘‘۔ اس نے جھلا کر جواب دیا۔

’’میرا مطلب ہے جب آپ اپنے بیڈ روم سے باہر آئیں تو وہ آپ کے ساتھ کیسا بی ہیو کر رہے تھے؟‘‘

’’کمرے سے نکال دیا ہے انہوں نے مجھے‘‘۔ اس نے اطلاع بہم پہنچائی۔

’’جی‘‘۔ باری کو جیسے شاک لگا۔

’’جی‘‘۔ ماہین نے بھی اس کی نقل اتاری۔

’’آپ لوگوں کی لڑائی ہو رہی تھی‘‘۔ اس نے بے حد جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

’’لاحول ولاقوۃ...... کاش ہوتی۔ تو اس طرح نکالے جانے پر اتنی حیرانی کیوں ہوتی‘‘۔ اس نے منہ بنا کر جواب دیا۔

’’پھر کیا ہوا تھا؟‘‘ باری کی حیرت بجا تھا۔

’’اسی لئے تو تمہارے پاس آئی ہوں کہ تم یہاں کے سب سے باخبر شخص ہو۔ بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔ اب روشی کی وجہ سے ٹینشن ہے‘ وہ تو فطری ری ایکشن ہے۔ مگر میرے ساتھ بالکل نارمل تھے۔ البتہ تھوڑے سنجیدہ تھے۔ مجھے سونے کا کہہ کر کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ میں ویسے ہی آنکھیں بند کر کے لیٹی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے وہ جاگ رہے ہیں تو میں کیسے سو سکتی تھی۔ پھر پتا نہیں کیا ہوا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ فوراً کمرے سے باہر چلی جاؤں۔ میں تو ایک دم پریشان ہو گئی۔ کہ الٰہی انہیں کیا ہو گیا؟‘‘

’’ہوں‘‘۔ باری نے ایک گہری سانس لی۔ اور ماہین کی سمت دیکھا۔ وہ سوچ میں کہیں دور پہنچ گیا تھا۔

’’انہوں نے بہت غصے میں کہا تھا؟‘‘ باری ہنوز گہری سوچ میں تھا۔

’’ہاں بہت غصے میں‘‘۔ ماہین کو پھر رونا آ گیا۔

’’آپ فکر مند نہ ہوں۔ وہ صبح تک نارمل ہو جائیں گے‘‘۔ باری نے تسلی دی۔

’’آج رات کی صبح کتنی مشکل ہو گی۔ تمہیں اندازہ ہے؟‘‘ وہ بولی۔

’’آپ ایسا کیجئے۔ گیسٹ روم میں جا کر سو جایئے‘‘۔ باری نے مشورہ دیا۔

’’سونے کا مسئلہ نہیں ہے۔ سونے کا کیا ہے۔ کہیں بھی سو جاؤں گی۔ مجھے تو یہ پریشانی ہے کہ انہیں ایک دم سے کیا ہو گیا‘‘۔ وہ ہنوز فکر مند تھی۔

’’شاید وہ روشی بی بی کی وجہ سے بہت پریشان ہیں‘‘۔ باری نے دھیمی آواز میں کہا۔

روشی کے نام پر ماہین نے چونک کر اس کا چہرا دیکھا۔

’’تو بھلا اس میں میرا کیا قصور ہے؟‘‘ اس نے آزردگی سے کہا۔

باری خاموش رہا۔

’’باری‘‘۔ اس نے گہری نظروں سے باری کو دیکھا۔

’’جی؟‘‘ وہ نظریں جھکائے ہوئے تھا۔

’’کیا روشی سے تمہاری کوئی بات ہوئی ہے؟‘‘ اس نے فوراً پینترا بدلا تھا۔

’’ان سے تو باتیں ہوتی رہتی ہیں‘‘۔ اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

’’بناؤ نہیں مجھے۔ تمہیں پتا ہے کہ میں تم سے کیا پوچھ رہی ہوں‘‘۔ اس نے جیسے ڈپٹ کر کہا۔

باری خاموش رہا۔

’’کیا پوچھ رہی ہوں میں؟‘‘

باری پھر خاموش رہا۔

’’کیا وہ تمہیں پسند کرتی ہے؟‘‘ اس مرتبہ وہ کھل کر بولی۔

’’اگرچہ میں کسی لائق نہیں ہوں‘‘۔ اس کے انداز میں جیسے اقرار گناہ تھا۔

’’تم بھی اسے پسند کرتے ہو؟‘‘ وہ مزید آگے بڑھی۔

باری پھر خاموش ہو گیا۔

’’بھئی جواب دو‘‘۔ وہ اس کی خاموشی سے چڑ گئی۔

’’میں نے کبھی اس زاویئے سے سوچا نہیں۔ میرے خیال میں مجھے اس طرح سوچنا بھی نہیں چاہیے‘‘۔ اس نے بڑے سوچ سمجھ کر بڑے سادہ سے جواب دیا۔

’’میری طرف دیکھ کر جواب دو۔ کیا مجرموں کا سا انداز بنا رکھا ہے‘‘۔ اس نے کہا۔

"جی۔ میں سچ کہہ رہا ہوں"۔ اس نے نظریں اٹھا کر ماہین کی سمت دیکھا۔

"سچ محسوس ہو جاتا ہے۔ اس کے اپنے منہ سے اعلان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تمہارے الفاظ [illegible] انداز کچھ اور کہہ رہے ہیں"۔ اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"نہیں جی، ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ وہ مسکرا دیا۔

"میری بات ہوئی ہے روشی سے باری۔ مجھ سے جھوٹ نہ بولو"۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔

"انہوں نے مجھے بلیم کیا ہے؟" وہ چونک پڑا۔

"وہ بڑی بہادر اور کھری لڑکی ہے۔ اتنے چھوٹے کام نہیں کرسکتی"۔ ماہین نے بڑے وثوق سے کہا۔

"پھر؟" باری کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"پھر یہ کہ مجھے بتاؤ۔ تمہیں اس کے احساسات کی خبر ہے؟"

باری خاموش رہا۔

"باری...... پلیز۔ فار گاڈ سیک"۔ وہ جھلائی۔

"جی"۔ نہ جانے کیوں اس سے جھوٹ نہ بولا گیا۔

"تم نے کس طرح ری ایکٹ کیا ہے آج تک؟" اس نے پوچھا۔

"میں نے کبھی ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی، بلکہ کوشش کی ہے کہ وہ مجھ سے مایوس ہو جائیں"
اس نے سچائی سے جواب دیا۔

"کیوں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"جس بات کا انجام واضح ہو۔ اسی حساب سے ری ایکٹ کرنا چاہیے"۔ اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"تمہیں ذرا دکھ نہیں ہے"۔ ماہین نے بڑے دکھ سے پوچھا۔

باری خاموشی سے اپنے ہاتھ مسلتا رہا۔

"باری۔ کیا تمہیں مجھ پر ذرا بھروسا نہیں؟" وہ الجھی۔

"دکھ کا نہ پوچھیں۔ یہ ہمیشہ کا ہے"۔ بالآخر وہ کہہ گیا۔

"اتنے بزدل ہو؟" ماہین نے گہرا سانس لیا۔

بات بزدلی کی نہیں۔ احسان شناسی کی ہے"۔ وہ بہت آہستگی سے گویا ہوا۔

"میرے خیال میں تمہارے ہاں وہ جذبہ نہیں ہے جو روشی کے پاس ہے۔ ورنہ کوئی راستہ نکل ہی آتا"۔ ماہین [illegible] نتیجے پر پہنچ گئی۔

باری نے خاصے تعجب سے اسے دیکھا۔ مگر بولا کچھ نہیں۔

"تم نے اسے زندگی بھر کا دکھ دیا ہے۔ تمہیں احساس تک نہیں"۔ ماہین نے افسردگی سے کہا۔

"تم نے تو انہیں دکھوں سے بچانے کی ہر ممکنہ کوشش بڑی روشن ضمیری کے ساتھ کی۔ اب یہ انسان کا نصیب"۔ اس نے [illegible] کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

"ذرا سوچو تو اس کا کیا ہوگا؟" ماہین نے اس کا چہرا بغور دیکھا۔

"دکھ کی آخری حد یہ ہے کہ تم اس کے کیلئے کچھ کرنا بھی تو نہیں چاہتے"۔ ماہین نے سرد آہ کھینچی۔

"وہ بہت جلد باز اور جذباتی ہیں۔ ان کی جذباتیت نے راستے بہت مشکل بنا دیئے۔ شاید کوئی راستہ نکل ہی آتا۔ جو آج ہو رہا ہے وہ ہمیشہ تو نہیں ہوتا۔ پہر بھی ایک سے نہیں ہوتے۔ آٹھ پہر کی آٹھ صورتیں ہوتی ہیں۔ بندے کو تھوڑا صابر اور برداشت والا بھی ہونا چاہیے"۔

ماہین نے خوشگوار حیرت کے ساتھ اسے دیکھا۔ وہ بہت آرام زدہ حالت میں بیٹھا ہوا تھا۔ سفید کاٹن کا شلوار سوٹ جس پر شکنیں پڑ چکی تھیں۔ اسے بہت تھکا ہوا اور نڈھال ظاہر کر رہا تھا۔

"تم اسے یہی سمجھا دیتے۔ کم از کم یہ نوبت تو نہ آتی"۔ ماہین نے کہا۔

"ضرور سمجھاتا اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ وہ یہ سب کر گزریں گی"۔ اس نے یوں کہا جیسے اپنے کسی جرم کا اعتراف کر رہا ہو۔

"یہ نرم گوشہ اس لئے ہے کہ وہ تمہاری طرف متوجہ ہے۔ یا تم بھی؟" ماہین بہت سنجیدہ تھی۔

"میں آپ سے درخواست کروں گا یہ نہ پوچھئے پلیز"۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

"چلو ٹھیک ہے۔ فی الحال یہ دعا کرو کہ وہ ساتھ خیریت کے گھر واپس آجائے۔ پھر دیکھنا میں کیا کرتی ہوں"۔

باری نے چونک کر ماہین کی شکل دیکھی۔ "کیا کریں گی آپ؟"

"کیوں بتائیں۔ اچھا جاؤ تم آرام کرو۔ ہم بھی آرام کرتے ہیں۔ آخر صبح کو میاں سے جھگڑا بھی تو کرنا ہے رات کو وہ ڈیوٹی کر رہے ہیں، دن کو ہم کریں گے"۔ ماہین نے خود کو ہلکا پھلکا کرنے کی کوشش کی۔

باری اٹھ کھڑا ہوا۔

"آیئے۔ میں گیسٹ روم کھول دوں"۔ وہ آگے بڑھ گیا اور ماہین اس کے پیچھے چل پڑی۔

....

"اب یہ کپڑے یہاں سے سمیٹو"۔ گلو نے روبی کو مخاطب کیا۔

"ہاں اٹھا رہی ہوں، دھیان نہیں رہا تھا"۔ وہ بجھے بجھے انداز میں بولی۔

"صرف اٹھاؤ نہیں۔ کہیں دفن کردو"۔ لالی چیخ کر گویا ہوئی۔

"[illegible]، کیسی باتیں کر رہی ہو۔ آجائے گی۔ بصورت دیگر ڈھونڈ لیا جائیگا"۔ مونا ہول کر بولی۔

"آپ تو سدا کی خوش فہم ہیں۔ وہ آنے کیلئے گئی ہے۔ جانا اتنی بڑی بہادری نہیں ہے جتنا کہ واپس آنا۔ بابا صاحب تو زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔ ثانیہ اداسی سے بولی۔

''ایسا نہیں ہوتا جیسے کہ ہم سوچتے ہیں۔ اس وقت تک کے غصے ہیں جب تک وہ سامنے نہیں آجاتی''۔ بیبا پہنچی۔

''ویسے اس نے بہت غلط حرکت کی''۔ رری کو غلطی نظر آ گئی' کافی دیر سے خاموش بیٹھی تھی۔

''اب تو جو ہو چکا...... ہو چکا...... آگے کا سوچو۔ نعیم کے گھر والے تو ڈھولکی رکھوا چکے ہوں گے''۔ حنا نے بچ کر...

''ہائے میرا پانچ ہزار کا شرارہ''۔ روبی نے آہ بھری۔

''لاکھوں لگ گئے ہوں گے اس پر لڑکی پر۔ اس طرح بھی سوچو''۔ لالی تنک کر بولی۔

''مشینو آپا...... کب جان چھوٹے گی آپ کی اس ننگ سے۔ کتنی بے حس ہیں آپ''۔ حنا نے چیخ کر مشینو کو مخ...

''میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتی ہوں۔ گارنٹی دو۔ وہ اس طرح آجائیگی''۔ وہ ہاتھ روک کر تلخی سے گویا ہوئیں۔

''یہ الٹی پڑی ہیں''۔ روبی بڑبڑائی۔

''یاور ماموں تو بہت غصے ہو رہے ہوں گے''۔ مونا کو ان کے غصے کا خوف محسوس ہوا۔

''سارا غصہ بے چاری ممانی پر اتر رہا ہوگا''۔

''بھلا ان بے چاری کا کیا قصور؟'' گلو بولیں۔

''یہ کون دیکھتا ہے''۔ زری اداس انداز میں مسکرائی۔

''وہ گئی کہاں ہوگی؟'' روبی کو ایک دم دھیان آیا۔

''شاید کراچی''۔ حنا نے معصومیت سے کہا۔

''وہ بے وقوف ہے مگر اتنی بھی نہیں''۔ زری چڑ کر بولی۔

''ہائے۔ بے چاری نے پتا نہیں کھانا بھی کھایا ہوگا کہ نہیں''۔ بیبہ کو اس کے کھانے پینے کی فکر ہوئی۔

اسی دم باری ہال میں داخل ہوا اور لڑکیوں پر ایک نظر دوڑائی۔

''آپ کو بڑی امی بلا رہی ہیں''۔ وہ گلو سے مخاطب ہوا۔

''شینو نے کن اکھیوں سے اس کی سمت دیکھا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ البتہ کپڑے بدلے ہوئے تھے۔ پینٹ پر آف وائٹ شرٹ اور چمکتے ہوئے جوتے پہن رکھے تھے۔

''کہیں جا رہے ہو؟'' مشینو نے بظاہر بے نیازی سے پوچھا۔

''جی۔ کچھ منگانا ہے؟'' اس نے بڑی سادگی سے دریافت کیا۔

''نہیں...... فی الحال تو کھوئی ہوئی چیز مل جائے تو یہی بہت ہے''۔ وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

''باری' تمہارے ہوتے ہوئے وہ کیسے نکل گئی''۔ مونا کو خاصا تعجب تھا۔

''کیوں۔ مجھ میں ایسی کیا خاص بات ہے؟ گھر میں تیس بتیس افراد اور بھی ہیں؟''

اس نے قدرے ناگواری سے جواب دیا۔ رات بھر جاگنے کی وجہ سے اس کے اعصاب ویسے ہی شل تھے۔

''بھئی تم تو مسلسل حرکت میں رہتے ہو''۔ شینو مسکرائیں۔

''مگر یہ بھی تو میری ڈیوٹی ہیں۔ جدھر جاتا ہوں' ساتھ ہی لے کر جاتا ہوں''۔ وہ بے تاثر لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''باری بھائی...... روشی کو ڈھونڈنے جا رہے ہیں؟'' بیبہ نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

شینو بمشکل ضبط کرتے ہوئے سلائیوں پر جھک گئیں۔

باری نے ایک نگاہ بیبہ پر ڈالی اور واپس پلٹ گیا۔

گلو اس کے پیچھے چل پڑی تھیں۔

''سارے لڑکے جواد سمیت کتنی انسلٹ فیل کر رہے ہوں گے''۔ زری نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

''اور ان سب کے درمیان جواد کی کیا حالت ہوگی؟'' مشینو نے اگلا نکتہ اٹھایا۔

''وہ ویسے ہی غصے کے تیز ہیں۔ اگر روشی سامنے آ گئی تو دیکھئے گا شوٹ کر دیں گے''۔ روبی نے بڑے دکھ سے کہا۔

''دیکھا نہیں رات سے اب تک کسی قسم کا شور شرابا نہیں ہوا اس طرف''۔ لالی نے توجہ دلائی۔

''پتا نہیں بڑی امی نے گلو آپا کو کیوں بلوایا ہے''۔ تانیہ نے سوچ کا رخ موڑا۔

''روشی کے سلسلے میں کوئی بات کرنا ہوگی''۔ روبی نے سوچ کا اندازہ لگایا۔

''اب کیا بات رہ گئی ہے''۔ شینو تمسخرانہ مسکرائیں۔

روبی جل کر ایک میگزین اٹھا کر دیکھنے لگیں۔

اتنی لڑکیاں تھیں ہال میں مگر ایک محسوس کیا جانے والا سناٹا طاری تھا۔

....

''آپ ساری رات جاگتے رہے ہیں کیا؟'' بالو نے اسے کرسی پر بیٹھے دیکھ کر بڑی شرمندگی سے کہا۔

''اس طرح نہ کریں' مجھے کیا ہو جائے گا۔ کیا ہو سکتا ہے۔ ٹھیک ہو جاؤں گی لوٹ پوٹ کر۔ آپ اس طرح۔ میرے لئے تکلیف نہ کریں''۔

یہ وفائیں ساری دھوکے پھر یہ دھوکے بھی کہاں
چند دن کی بات ہے پھر لوگ ہم سے بھی کہاں

وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے ہنس دیا۔

''اللہ نہ کرے۔ اب تو جو ہو بس ٹھہرنے کیلئے ہو''۔ بالو نے بے ساختہ کہا۔

عارف کے ہونٹوں پر بڑی بے ساختہ سی مسکراہٹ آئی تھی۔ پہلی مرتبہ بالو نے اس کے کسی شعر پر ''ردعمل'' ظاہر کیا تھا۔

''بہت دن ہو گئے تھے سکون ٹھہرے ہوئے۔ طبیعت بڑی حیران تھی۔ بار بار یہ شعر یاد آ رہا تھا۔

خدا محفوظ رکھے آفتوں سے!
کئی دنوں سے طبیعت شادمان ہے

وہ مسکراتے ہوئے اس کے نزدیک آیا۔ اور اس کی کلائی تھام لی۔

''کیسی طبیعت ہے اب۔ کیسا محسوس کر رہی ہے؟'' سفید شلوار قمیص میں ملبوس اور بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ بہت اپنائیت اور ہمدردی سے اس کا حال پوچھ رہا تھا۔

بالو ایک ٹک اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ بڑا ہی من چاہا سے در آیا تھا۔

''خدا کا شکر ہے۔ اب تو طبیعت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ آپ ہاتھ منہ دھولیں۔ میں ناشتا لاتا ہوں۔ پھر آپ نے دوا کھانی ہے''۔

وہ اس کی نظر سے انجان بن کر شائستگی اور ملائمت سے کہہ رہا تھا اور بہت غیر محسوس طریقے سے اس کی کلائی چھوڑ دی تھی۔

''آیئے۔ میں آپ کو باتھ روم کا راستہ دکھا دوں''۔

''آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا نہیں''۔ بالو نقاہت بھرے انداز میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

''مثلاً...... کیا پوچھنا چاہیے تھا مجھے؟'' اس نے تجاہل برتا۔

''بہت کچھ ہے پوچھنے کیلئے''۔ اس نے دبی زبان سے کہا۔

''آپ ہوش و حواس کی دنیا میں پورے قدم تو رکھیں۔ پوچھ لیں گے۔ بلکہ پوچھنا کیا آپ خود ہی بتا دیجئے گا۔

کوئی دم اور بیٹھے ہیں' یہ فرصت پھر کہاں لوگو

چلے آؤ جو سننی ہو ہماری داستاں لوگو

کی مثال بن کر۔ کیا خیال ہے؟ آیئے''۔ وہ ہنس دیا تھا۔

''آپ کو کوئی حیرت نہیں ہوئی مجھے یہاں دیکھ کر''۔ بالو حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔

''اب حیران ہونا بھی چھوڑ دیا ہے۔ پریشان ہونا بھی چھوڑ دیا ہے۔ مشتاق ہونا بھی چھوڑ دیا ہے۔

سمیٹیں کاروبار عشق خوباں

بہت نقصان ہوا ہے اے دل اے دل

وہ کمرے سے نکلا تو بالو اس کے پیچھے آہستہ آہستہ چل پڑی۔

''عارف! لال خان کی بیوی کا بخار اتر گیا کہ نہیں''۔ بڑی بی نے قدموں کی چاپ محسوس کرتے ہوئے فوراً پوچھا۔

''اتر گیا ہے اماں''۔

''تو نے چائے پانی کا پوچھا؟'' ان پر میزبانی کا دورہ شروع ہوا۔

''صرف پوچھا ہی نہیں ہے۔ پیش بھی کر رہا ہوں''۔ اس نے رسانیت سے جواب دیا۔

''ہاں تو پھر تو ہی پیش کرے گا۔ اور ہے کون یہاں تیرے سوا۔ میں ٹھہری آنکھوں سے کوری''۔ بڑی بی کو بولنے کا بہت ہی شوق تھا۔

''تو نے یہ نہیں پوچھا اس سے کہ لال خان ساتھ کیوں نہیں آیا۔ کہیں ''بدلی'' (ٹرانسفر) تو نہیں ہو گئی اس کی''۔

''ہاں...... ڈپٹی کمشنر لگا ہوا ہے وہ۔ ''بدلیاں'' کیوں نہیں ہوں گی اس کی؟''

عارف مسکراتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گیا تھا۔

روشی نے سب سن لیا تھا۔ جان جل کر خاک ہو گئی تھی اس کی۔

(ہونہہ...... بڑی بی کو لال خان کے علاوہ کوئی بات ہی نہیں سوجھتی)

....

ناشتے کے بعد وہ کافی دیر تک کمرے میں ٹہل کر اشیا کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر اکتا کر ایک دم دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ خوبصورت لان میں بے حد خوشنما پھول کھلے ہوئے تھے۔ ایک دم آنکھوں میں تراوٹ سی آ گئی۔ گیٹ کے پاس بڑا خونخوار سا چوکیدار رائفل کاندھے سے لٹکائے ٹہل رہا تھا۔ دو چار ملازم آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ چلتی ہوئی لان کے بیچوں بیچ آ گئی۔

مور کی شکل کی سنگی بینچ پر بیٹھ گئی۔ نظر کے سامنے ساری حویلی تھی۔ یہاں سے وہاں تک نظریں دوڑانے لگی۔

''آپ کون ہیں؟''

وہ ایک دم چونک پڑی۔ سامنے دس گیارہ سال کی بے حد خوبصورت بچی بڑی معصوم حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وائٹ پینٹ' سرخ وولن جرسی' وائٹ جوگرز' سنہری بالوں کی تقریباً ایک فٹ لمبی پونی۔

''اف کتنی کیوٹ بے بی ہے''۔ روشی کو بے ساختہ پیار آ گیا۔

''ہوں۔ پہلے آپ بتایئے آپ کون ہیں؟'' اس نے بچی کا ہاتھ تھام لیا۔

''ہم۔ ضوفی ہیں۔ ضوفشاں''۔ اس نے بڑی شاہانہ تمکنت سے جواب دیا۔

''کاکا جان کی بیٹی ہو؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''کاکا جان؟ ہواز؟'' اس نے ناک چڑھائی۔

''بابا صاحب کو جانتی ہو؟'' روشی کا اشتیاق سوا ہو رہا تھا۔

''بابا صاحب کو جانتی ہو؟'' روشی کا اشتیاق سوا ہو رہا تھا۔

''جی۔ وہ ہمارے بابا صاحب ہیں۔ مائی لونگ گرینڈ فادر''۔ اس نے بڑی شان استغنا سے جواب دیا۔

''اوہ''۔ روشی کو اپنے ہر سوال کا جواب مل گیا۔

''آج سکول نہیں گئیں؟'' اس نے بہت محبت سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''نہیں...... ہم آج کل حویلی آئے ہوئے ہیں۔ ہم یہاں نہیں پڑھتے ہیں۔ ہمارا اسکول...... سوئٹزرلینڈ میں ہے''۔ اس نے سادہ انداز میں جواب دیا۔

''اوہ''۔ روشی کو اس کا منفرد سا انگلش لہجہ سمجھ میں آ گیا۔ سوئس ایجوکیٹڈ اپنے لہجے کی انفرادیت سے پہچان لئے جاتے

ہیں۔

''وہاں آپ کے ساتھ آپ کے اور بہن بھائی بھی پڑھتے ہیں؟''

''نہیں۔ بس وہاں ہم پڑھتے ہیں۔ ہمارے بہت سے دوست ہیں وہاں' ہمارا جو سب سے بیسٹ فرینڈ

انڈونیزین' ہے۔ حمادالکریم''۔

وہ بڑی بے تکلفی سے بتا رہی تھی۔

''آپ کون ہیں؟''

''ہم بابا صاحب کی وہی ہیں جو ان کی آپ ہیں''۔ روشی ہنس پڑی۔

''ہیں؟'' بچی نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''بڑی حویلی سے آئے ہیں ہم''۔ اس نے وضاحت کی۔

''بڑی حویلی؟'' وہ پھر الجھی۔

''ہوں۔ بابا صاحب کے گھر سے۔

''اوہ...... آپ ان کے ساتھ ہی رہتی ہیں''۔ وہ معصوم انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''ہوں''۔

''وہ آپ کے ساتھ کیوں رہتے ہیں۔ یہاں کیوں نہیں رہتے ہیں؟'' اسے جیسے جیلسی فیل ہوئی۔

''یہ ان سے پوچھیے گا''۔

''آپ بڑے ابا کی بیٹی ہیں؟'' اس نے انگلش میں پوچھا۔

''نہیں''۔

''بصیر انکل کی بیٹی ہیں؟'' بچی مکمل معلومات رکھتی تھی۔

''نہیں''۔

''تزئین آنٹی کی بیٹی ہیں؟''

''نہیں''۔

''رئیسہ آنٹی کی؟''

نہیں''۔

''چچ...... پھر آپ کس کی بیٹی ہیں؟'' وہ جھنجلا کر رہ گئی۔ روشی کھلکھلا کر ہنس دی۔

''آپ سب کو جانتی ہیں۔ اپنے یاور انکل کو نہیں جانتیں؟'' اس نے پوچھا۔

''یاور انکل؟ اچھا...... بائی نیم جانتی ہو۔ بائی فیس نہیں کیونکہ ہم تو یہاں رہتے ہی نہیں ہیں''۔ اس نے جیسے فخر

کیا۔

''...... کو تو آپ جانتی ہیں؟'' اسے بھی خاصی حیرت ہوئی۔

''...... ہم سے ملنے جو آتے ہیں''۔ اس نے بتایا۔

''...... آتے ہیں؟'' روشی کو حیرت ہوئی' کیونکہ اسے تو کبھی پتا نہیں چلا کہ بڑی حویلی سے لوگ کب سرائے آئے یا گئے۔

...... کہ گھر والے گاڑیوں میں لد کر آتے جاتے تو ضرور ہیں۔ اس سے تو آج تک کسی نے جھوٹوں۔ بھی نہیں کہا

...... ملنے کیلئے۔ پشاور' خیر آباد' کراچی کے علاوہ وہ کبھی کہیں نہیں گئی تھی اور اب ہری پور وہ بھی باپ کی وجہ سے''۔

''اچھا! میو تو آپ کا بھائی ہے ناں؟''

''...... شیور مائی ڈیئر برادر''۔ بڑا دل موہ لینے والا انداز تھا۔

''آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں' آپ نے ہمارے ساتھ اور ممی کے ساتھ بریک فاسٹ کیوں نہیں لیا؟''

''بھئی بات یہ ہے کہ اجازت......''۔

''بے بی! آپ ادھر کیا کرتا اے؟ ہم آپ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا۔ آپ کا ممی پریشان اے''۔

لبی سی فراک پہنے اور ڈھیروں زیور لادے ہوئے ملازمہ ان کے قریب آ گئی۔

''اوفوہ! ہم گھر ہی میں ہیں۔ کوئی باہر تو نہیں گئے''۔ وہ جھنجلائی۔

''آپ کا ممی بلاتا اے''۔ ملازمہ نے منت سے کہا۔

''ممی سے کہہ دو' ہم گیسٹ سے باتیں کر رہے ہیں' تھوڑی دیر میں آتے ہیں''۔

''پہلے آپ ممی کا بات سن لو' پھر آ جانا''۔ ملازمہ نے چمکارا۔

''اوفوہ! آپ یہیں بیٹھیے' ہم ممی کی بات سن کر ابھی آتے ہیں''۔

وہ جیسے بہت مجبوری سے بولی۔

''روشی نے مسکرا کر گویا بیٹھے رہنے کا وعدہ کر لیا۔

ضونشاں چلی گئی اور روشی اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

جانے وہ کتنی دیر خیالات میں کھوئی رہی۔

معاً وہ چونک اٹھی۔ اطراف میں چمکیلی دھوپ پھیل چکی تھی اور صوفشاں ابھی تک نہیں آئی تھی۔ اس نے گیٹ
دیکھا۔ رائفل بردار چوکیدار ٹہلتے ہوئے گاہے گاہے اس کی جانب دیکھ لیتا تھا۔

اس نے ایک اور ملازم کو فیروزی سوٹ پہنے ہنستے مسکراتے گیٹ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا اس نے
رکھے تھے۔ غالباً سودا سلف لے کر آ رہا تھا۔

روشی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور اسے اشارے سے اپنی جانب متوجہ کیا۔

''سنو! اندر سے صوفی کو بھیج دو۔ کہنا بہت دیر سے انتظار کر رہی ہوں''۔

ملازم نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا، مگر بولا کچھ نہیں، اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔ روشی کوفت بھرے
گئی۔

''بتایئے، یہ سگے چچا کا گھر ہے۔ جیسے آزاد کشمیر والے غلطی سے مقبوضہ کشمیر میں پھنس گئے ہوں''۔

وہ جل کر سوچ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ اس طرف بھی نظر ڈال رہی تھی، جہاں ملازم غائب ہوا تھا۔ چند منٹوں بعد
کی جانب آتا دکھائی دیا۔

''بے بی کا طبیعت ٹھیک نہیں ہے، وہ آرام کرتا ہے''۔

ملازم یوں گویا ہو، جیسے ٹیپ چلا ہو۔

بی بی بالکل فٹ تھی''۔ اس کے منہ سے تعجب سے جملہ پھسلا تھا۔

نظریں جھکا کر واپس ہو گیا۔

مجھے اندازہ ہے کہ پپا اور کاکا جان کے تعلقات ٹھیک نہیں ہیں۔ یقیناً مال و دولت ہی کا کوئی مسئلہ ہو گا میرے
بھی لالچی نہیں ہیں۔ البتہ کاکا جان ہر زاویئے سے مشکوک لگتے ہیں۔ میں نے تو زندگی میں کبھی انہیں مسکراتے
نہیں دیکھا۔ پتا نہیں کن خوش قسمت لوگوں نے ان کی مسکراہٹ دیکھی ہو گی؟ اللہ کی دی ہوئی ہر نعمت تو ان کے پاس
پھر کیوں موڈ آف رہتا ہے۔ حتیٰ کہ شادی تک اپنی مرضی کی، کی تھی۔ بالکل انگریزوں کی طرح ''بے رس'' اور خشک

ظاہر ہے صحبت کا اثر ہے۔

بیٹھے بٹھائے بچی کی طبیعت خراب کر دی

بڑھتی ہوئی گیسٹ روم کی طرف بڑھ رہی تھی۔

....

ماہین صبح صبح گیسٹ روم سے نکل کر عالم تاب کے بیڈ روم میں آ گئی تھی۔

وہ اسے اتنی صبح اپنے کمرے میں دیکھ کر قدرے چونک پڑی تھی۔

''تمام رات نیند نہیں آئی''۔ ماہین نے ان کے پاس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے گویا وضاحت کی تھی۔

''ہاں کیا کریں، بات ہی ایسی ہے''۔ انہوں نے سرد آہ بھری۔

ماہین سر جھکا کر اپنے ہاتھ مسلنے لگی۔

''یاور بھی جاگتے رہے ہوں گے؟'' عالم تاب نے اس کا ستا ہوا چہرا بغور دیکھا۔

''ظاہر ہے''۔ ماہین نے نظریں چرائیں۔

''کیا کریں، آزمائش سی آزمائش ہے، پورا گھر ہل کر رہ گیا ہے''۔ وہ دکھ سے گویا ہوئیں۔

''ناشتا تو نہیں کیا ہو گا ابھی؟ یاور اٹھ گئے؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''نہیں اور دل بھی نہیں چاہ رہا، چائے منگوا لیجئے۔ صرف۔ یاور کا معلوم نہیں، میں تو بہت دیر سے باہر ہوں''۔ اس نے
پوچھنے کے انداز میں جواب دیا۔

''مصروف بھی تو بہت رہتے ہیں۔ حویلی آتے ہیں تو سمجھو۔ دو چار دن آرام کر لیتے ہیں۔ تم بیٹھو میں ماما سے چائے کا
کہتی ہوں''۔ انہوں نے سرہانے لگے بٹن کو پش کرتے ہوئے کہا۔

فوراً ہی ملازمہ آ گئی۔

''چائے لے آؤ اور ذرا جلدی، باتیں بنانے مت بیٹھ جانا''۔ انہوں نے تنبیہ کی۔

ملازمہ چلی گئی۔

''یاور کو بھی نیند کہاں آئی ہو گی رات بھر۔ اس لڑکی نے تو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ پتا نہیں کیا چاہتی ہے؟'' وہ

بڑبڑانے کے انداز میں گویا ہوئیں۔

ماہین خاموش رہی۔

''بتاؤ' کیسی جگ ہنسائی کے سامان کئے ہیں''۔ وہ پھر بولیں۔

''کیا کہہ سکتے ہیں''۔ ماہین نے نپا تلا جملہ ادا کیا۔

''اور بھی تو حویلی میں لڑکیاں ہیں' پتا ہی نہیں چلتا کہ یہاں لڑکیاں بھی ہیں''۔ وہ ہنوز تبصرے کر رہی تھیں۔

''اتنے ملازم ہیں' کسی نے بھی اسے جاتے ہوئے نہیں دیکھا' کیسی چھومنتر ہوگئی''۔

اسی دم دروازے پر دستک ہوئی۔

''ہوں' آجاؤ بھئی کون ہے؟'' وہ بےزارکن لہجے میں گویا ہوئیں۔

دروازہ کھلا اور یاور علی خان اندر آگئے۔

ایک لمحے کو ماہین کی نظر ان سے ملی۔ اس نے فوراً ہی چہرہ موڑ لیا۔

''السلام علیکم''۔ ان کی آواز بےحد دھیمی تھی۔

''وعلیکم السلام' خوش رہو''۔ عالم تاب بھی آہستگی سے گویا ہوئیں۔

''بتاؤ' اب کیا کرو گے تم' کیسے تلاش کرو گے؟''

''میں کوئی تلاش ولاش نہیں کروں گا۔ میں کل ہی سے فرض کر چکا ہوں کہ میرے ہاں کوئی بیٹی ہی پیدا نہیں ہوئی...
سے کوئی اس موضوع پر بات نہ کرے''۔

یاور علی خان نے تندی سے بھاوج کی بات کاٹ کر کہا۔

ایک لمحے کو تو وہ دونوں ہی ہکا بکا رہ گئیں۔

ماہین تو ان سے خفگی کا اظہار کرنے کیلئے بےچین تھی۔ ادھر ہنوز رات والی صورتحال تھا۔

''یہ تو وقتی جذبہ ہے' آخر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا''۔ عالم تاب نے مضبوط اعصاب کے ساتھ ان کا سامنا کیا...

''ہاں تو ٹھیک ہے۔ آپ لوگوں کے پاس اگر وقت اور طاقت ہے تو جو چاہیں کرلیں۔ میں کب منع کر رہا...
اس وقت اس لئے حاضر ہوا تھا کہ آپ کو اور ماہین کو بتا سکوں کہ میں ابھی اسی وقت ہری پور روانہ ہو رہا ہوں''۔

ماہین نے چونک کر ان کی شکل دیکھی۔ آف وہائٹ بےشکن شلوار قمیض' سیاہ واسکٹ میں سیاہ پشاوری چپل...
میں دہلا دینے والی گہری سرخی۔

''کیوں ماہین کو ساتھ نہیں لے جا رہے؟'' عالم تاب نے تعجب سے پوچھا۔

''نہیں' بس آپ ذرا جلدی سے ایک کپ چائے کا پلوا دیں''۔ انہوں نے آستین اوپر کر کے ریسٹ واچ...

''آ رہی ہے چائے' میرا خیال ہے کہ ماہین''۔

''پلیز بھابی بیگم! میں کوئی کام بغیر سوچے سمجھے کرنے کا عادی نہیں ہوں''۔

...فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

...''چائے آ رہی ہے''۔ عالم تاب الجھ کر اسے بغور دیکھنے لگیں۔

...ابھی''۔ اس نے جیسے بمشکل کہا۔ اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ اور سیدھی اپنی خوابگاہ میں چلی آئی۔

...بیڈ پر ڈارک بلیو سوٹ کیس تیار حالت میں موجود تھا۔ اس کا مطلب تھا' ابھی وہ کمرے میں آئیں گے' مگر ہو سکتا ہے...
...ٹٹولیں۔ اس کا دل چاہ رہا تھا۔ جتنی جلدی ہو سکے' وہ اپنے دل کا غبار نکال ڈالے' ان سے بہت سارا لڑے اور دل...
...آخر اس کا جرم کیا ہے۔ وہ آنسو پیتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

اسی لمحے ملازم نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور اسے موجود پا کر قدرے خجل سا ہو گیا۔

''آ جاؤں بی بی؟''

''یہ کون سا طریقہ ہے اندر آنے کا' اونٹ کی طرح منہ اٹھا کر گھسے چلے آ رہے ہو''۔

وہ ملازم پر برس پڑی۔ ''آ جاؤ اب' صورت کیا دیکھ رہے ہو''۔

بےچارہ سہمے ہوئے انداز میں سوٹ کیس کی طرف بڑھا' پھر رک گیا۔

''بی بی! وہ صاحب کہہ رہے ہیں' آپ نے اگر ان کی چیک بک کہیں اٹھا کر رکھی ہو تو دے دیں' مل نہیں رہی''۔ وہ ...ہچکچاتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔

''مجھے نہیں پتا کسی چیک بک کا''۔ وہ برہمی سے گویا ہوئی۔

بےچارہ کان دبا کر سوٹ کیس لے کر باہر چلا گیا۔

غصے میں کہہ تو دیا تھا' مگر پھر چین بھی نہیں پڑا۔ اٹھ کر چیک بک تلاش کرنے لگی۔

تمام درازیں دیکھ ڈالیں' مگر کہیں نظر نہ آئی۔ پھر اس نے ٹیبل پر رکھی فائلیں کھول کر دیکھنا شروع کیں' وہ اتنی منہمک تھی کہ اسے یاور علی خان کی کمرے میں آمد کا پتا تک نہ چل سکا۔

آخر دو فائلوں کے درمیان رکھی نظر آ گئی۔ ماہین نے چیک بک ہاتھ میں لی' پلٹنا ہی چاہتی تھی کہ...... یاور علی خان نے چیک بک اس کے ہاتھ سے اچک لی۔

''خدا حافظ''۔ یہ ان کے منہ سے نکلنے والا واحد جملہ تھا' جو خاص کر اس کیلئے تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی یاور علی خان کمرے سے باہر جا چکے تھے۔

ماہین خود پر کنٹرول کرتے ہوئے دریچے میں آ کھڑی ہوئی۔ یہاں سے پورٹیکو واضح نظر آتا تھا۔

یاور علی خان پر وقار انداز رفتار سے پورٹیکو میں نمودار ہوئے۔ ڈرائیور دروازہ کھولے منتظر کھڑا تھا۔ وہ جیپ میں بیٹھے اور چند لمحوں میں جیپ نظروں سے اوجھل تھی۔

ماہین کے اعصاب شل ہو رہے تھے۔

وہ تھک کر بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

"ایسے مارا تھا بجو! آپ کو ان لوگوں نے؟

مگر میں یوں نہیں مروں گی، ٹھیک ٹھاک سبق سکھاؤں گی انہیں"۔ اس نے جیسے ایک نیا عزم باندھا ہو۔

....

ہجوم غم میری فطرت بدل نہیں سکتا
میں کیا کروں میری عادت ہے مسکرانے کی

"شکر ہے، آج آپ بالکل ٹھیک نظر آ رہی ہیں۔ اب آپ ایسا کریں فٹافٹ تیار ہو جائیں"۔

وہ ناشتا کر کے فارغ ہی ہوئی تھی کہ عارف آ موجود ہوا۔

"تیار...... کیوں کہاں لے جائیں گے مجھے؟" بالو نے حیرانی سے سوال کیا۔

"ہم نے بھلا کہاں لے جانا ہے آپ کو۔ یہ آنا جانا تو زندگی کے ساتھ ہے بھابی۔ نہ آتے ہوئے یہ حیرت نہ جاتے ہوئے پر تعجب، پھر بھی ہر انسان ایک ٹھکانے پر پہنچتا تو ہے۔ اس کے پاؤں کا چکر کہیں ٹھکتا تو ہے، ورنہ جگہوں کے مسئلے حل ہوتے ہیں۔

وہ کیا کہتے ہیں کہ......

پرندے دھوپ کی شدت سے گھر کے آنگن میں
پلٹ کے آئے تو دیکھا کہ مسئلہ تھا وہی

مگر پھر بھی ٹھکانہ پھر ٹھکانہ ہے۔

"میں سب ٹھکانے کھو آئی ہوں عارف بھائی! کسی نئے ٹھکانے تک فی الحال بے ٹھکانا ہوں"۔ اس کی آواز رندھ گئی۔

عارف نے سوچتی ہوئی نظریں اس کی صورت پر جما دیں۔ اس کی آنکھوں کی چمک بالو نے اپنے چہرے پر محسوس کی۔ اس کی نظریں کسی انجانے بوجھ سے جھک کر رہ گئیں۔

"لال خان نے گھر سے نکال دیا ہے؟" عارف کی آواز اندیشے سے چور تھی۔

"اس بے چارے میں اتنی ہمت کہاں تھی۔ خود نکل آئے ہیں ہم۔ بلکہ اس بے چارے کو مشکل سے نکال دیا ہے"... تلخی سے مسکرائی۔

"کیوں؟ اس نے آپ کے ساتھ اس دن کوئی بہت بری بدسلوکی کی تھی"۔ عارف کا اشارہ اس دن کی طرف تھا... روز وہ دونوں محو گفتگو تھے اور لال خان آ گیا تھا۔

"نہیں"۔

"پھر......؟"

بالو خاموش رہی۔

"کیا میں نے آپ کو کسی خوش فہمی یا غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا گناہ کیا ہے؟" وہ سر جھکائے پوچھ رہا تھا۔

...نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں سے جیسے چنگاریاں نکلنے لگی تھیں۔

"آپ تو مجرم نمبر ایک ہیں۔ لال خان تو آپ کے مقابلے میں پھر بھی بے گناہ ہی ہے"۔ بالو کی آواز رندھ گئی۔

"جی...... مجرم...... اوہ...... اچھا...... آپ یقیناً پہلے والا الزام دہرائیں گی جو میں سن ہی چکا ہوں۔ لیکن اگر آپ نے ...نے کا تہیہ کر ہی لیا ہے تو سب سے پہلے اپنے والد سے سوال جواب کیجئے۔ ایک خیر خواہ اور ہمدرد کی حیثیت سے میں ...کا مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی تھی۔ بس یہی میرا گناہ ہے"۔ عارف نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے کہا۔

"خیر خواہ، ہمدرد ایسے ہوتے ہیں خیر خواہ؟ ساری دنیا میں آپ کو صرف لال خان ہی ملا تھا۔ دو مردوں کا مسئلہ حل کرتے ...آپ کو دھیان تک نہ آیا کہ ایک عورت کا مسئلہ پیدا ہو رہا ہے"۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"بھابی! جس ماحول سے آپ کا تعلق ہے، وہاں ایسا ہی ہوتا ہے، بس کہیں بھی لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی ہے، یہ دیکھ کر ...ہو، کماتا ہو"۔

"کما!" وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی۔

عارف ایک لمحے کو خاموش ہو کر رہ گیا۔

"میرا خیال تھا، وہ دل کا بہت اچھا ہے اور اس کے پاس وہ سب کچھ ہے، جس کی ایک عورت تمنا کرتی ہے"۔ اس نے ...شرمندہ انداز میں وضاحت کی۔

"سارے زمانے میں ایک وہی دل کا اچھا ملا تھا! پاگل نہیں ہوں میں، جو آپ کی باتوں میں بہل جاؤں گی۔ میرا ہر طرح کا ...صرف آپ کی وجہ سے ہوا ہے"۔ وہ غرائی۔

عارف کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"آپ مردوں کو رونے پیٹنے والے، آپ کو زندہ انسانوں کی کیا سمجھ"۔ وہ پھر طنزیہ انداز میں گویا ہوئی۔

"وہ مردہ نہیں ہے بھابی!" عارف نے آہستگی سے نظریں اٹھائیں۔

"پھر بھی آپ کے بھی تو کسی کام کی نہیں۔ صرف اپنی ہی نہیں بلکہ میری زندگی بھی خاک کر دی ہے آپ نے، اگر دل میں ہمت نہیں ہے تو پھر آپ نے اپنے دل کی کیوں کی آج تک؟"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

عارف دم بخود سا بیٹھا رہ گیا، جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ جواباً کیا کہے؟

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، مجھے اعتراف ہے کہ ہم نے تو آج تک یوں سوچا تک نہ تھا کہ زندہ ہوتے ہوئے بھی مردوں ...بے نشان ہوں گے۔ پتا نہیں کیا ہو گیا تھا! اور کیسے ہو گیا تھا۔

ہم سے کچھ تیرے مراسم ہی بڑے گہرے تھے
ورنہ صحراؤں میں رکتے نہیں بادل جاناں

...اعتراف کرتا ہوں، آپ سزا سنائیے"۔

اس کی نظریں ہنوز جھکی ہوئی تھیں

بالو خاموش رہی۔

''کیا آپ نے لال خان سے علیحدگی کا پکا پکا فیصلہ کر لیا ہے؟''

بالو نے چونک کر سر اٹھایا۔ خوش فہمی کے لطیف سے جھونکے نے اسے چھوا۔

''فیصلہ؟ آ گئی ہوں اس کی بخششوں کو لات مار کر''۔

تو پھر چلئے میں آپ کو غلام محمد کے پاس واپس چھوڑ آؤں''۔

''بغیر ہرجانے جرمانے کے؟'' بالو نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ..... سوال کیا۔

''نہیں پورا ہرجانہ ادا کرنے کی ایماندارانہ کوشش کروں گا''۔ اس کی آواز بہت آہستہ تھی۔

بالو کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

''آپ کیلئے کوئی ایسا شخص ڈھونڈ کر لاؤں گا جو آپ کے خوابوں سے ہٹ کر نہ ہو جس کی عمر بھی کم ہو اور جو پیار بھی دے سکے۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے بشرط زندگی''۔

بالو کا دل پوری قوت سے سمٹا پھر اسی قوت سے پھیلا۔

''شکریہ بہت بہت برائے مہربانی آپ مجھے تنہا چھوڑ دیں میں سونا چاہتی ہوں''۔

اس نے ترشی سے کہا اور پلنگ کی طرف بڑھ گئی۔

''شاید آپ کو پتا نہیں میں لال خان کے گھر سے نہیں اپنے باپ کے گھر سے آپ کے ہاں آئی ہوں جائیے یہاں سے''۔

اس نے بدلحاظ لہجے کے اگلے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے۔

عارف چند لمحے مبہوت سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

''آگے کا کیا سوچا ہے؟'' اس نے دم بخود سے لہجے میں سوال کیا۔

''آپ اس وقت مجھے تنہا چھوڑ دیجئے''۔ اس نے سابقہ انداز میں جواب دیا اور پلنگ پر لیٹ گئی۔

''مگر اس طرح تو نہیں چلے گا''۔ بالآخر اس نے کہا۔

بالو خاموش رہی۔ اس کی خاموشی جیسے کہہ رہی تھی ''جاؤ یہاں سے''۔

''آپ یہاں اس طرح کیسے رہیں گی؟'' وہ ہچکچاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''رہ لوں گی۔ میری دربدری کے ذمہ دار آپ ہیں۔ اب تو جو سوچنا ہے آپ کو سوچنا ہے''۔ اس نے ترخ کر...

''آپ جانتی ہیں میرا دل کیا ہے؟ میرے دل میں کیا ہے؟'' وہ شکستہ لہجے میں گویا ہوا۔

''جانتی ہوں کوئی کلموہی آباد ہے اس دل میں جس نے آپ کو کبھی کچھ نہیں دیا اور نہ دے سکتی ہے جہنم میں...''۔ بالو جل کر بولی۔

خدا کرے کوئی معجزہ ہو وہ نکلے آپ کے دل سے''۔

کب نکلتا ہے کوئی دل میں اتر جانے کے بعد

اس گلی کے دوسری جانب کوئی رستہ نہیں ہے

وہ تیزی سے کمرے سے باہر چلا گیا۔

''خاک ہو جائے نامراد..... جو میرے جیتنے کی چیز تھی کوسوں دور جیتے بیٹھی ہے''۔

وہ آنکھوں پر بازو رکھے بڑبڑانے لگی۔

....

ڈھلتی شام کے سائے تھے جب جواد نے دروازے پر دستک دی۔

''ہوں کون ہے آ جاؤ''۔ ماہین نے کروٹ لے کر دوپٹا اٹھایا اور کسملندی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

جواد نے کمرے میں داخل ہو کر لائٹیں جلائیں۔

ماہین اسے دیکھ کر چونک پڑی۔

''جواد..... تم!''

''جی میں السلام علیکم''۔ وہ گہری سنجیدگی کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔

''پپا ہری پور چلے گئے؟'' اس کی سنجیدہ آواز کمرے میں گونجی۔

''ہاں چلے گئے''۔ اس کے انداز سے اداسی جھلکنے لگی۔

''آپ نہیں گئیں؟'' اس نے عام سے انداز میں سوال کیا۔

''نہیں''۔ وہ اتنا کہہ کر اپنی انگوٹھیوں سے کھیلنے لگی۔

''کیوں؟'' وہاں سے فوراً سوال آیا۔

''بس ایسے ہی''۔ اس نے نظریں چرائیں۔

''اتنا بڑا حادثہ ہو گیا۔ پپا پر کوئی اثر نہیں ہوا؟'' جواد نے جیسے دکھ سے کہا۔

ماہین کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''ویسے تو خیر انہیں شاید کسی کی پرواہ نہیں ہے مگر آپ کا بھی کچھ رول بنتا ہے''۔

اس نے گویا ماہین پر تنقید کی تھی۔

''بدگمان ہونے میں جلدی نہیں کرتے جواد'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''نظر آنے والی حقیقت کو بدگمانی کہنا سب سے بڑی خود فریبی ہے خالہ''۔ جواد نے بہت اکھڑے انداز میں کہا۔

''آپ تو روشی سے بہت قریب ہو کر اس کا مسئلہ پوچھ سکتی تھیں''۔ جواد نے سارا وزن اس پر ڈال دیا۔

ماہین نے نظریں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔ بلیک پینٹ اور لیمن کلر کی شرٹ میں ملبوس وہ بہت شکستہ سا نظر آیا۔ اس نے

نظریں جھکالیں۔

''پوچھا تھا''۔اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

''صرف پوچھا تھا' حل کرنے کی ذمہ داری کیوں نہیں لی''۔اس نے فوراً کہا۔

''وعدہ کیا تھا' مگر اسے شاید اعتبار نہیں ہے''۔اس نے دکھ سے کہا۔

''اعتبار دلائے جاتے ہیں' ویسے مسئلہ کیا تھا؟''اس نے جیسے چونک کر سوال کیا تھا۔

''بہت ٹیپکل''۔ماہین کے منہ سے بہت ہی بے ساختہ نکلا تھا۔

''جواد چونک پڑا''۔وہ کیا؟''

''بتا نہیں سکتی۔یہ اس سے ہمدردی نہیں دشمنی ہوگی''۔اس نے بہت واضح معذرت کی۔

''کیا یہ مسئلہ صرف آپ کے علم میں ہے یا پپا بھی باخبر ہیں؟''جواد نے گہری سانس لی۔

''نہیں' صرف مجھے پتا ہے اور گھر میں کسی کو نہیں پتا''۔

''مجھے کیوں نہیں بتایا جا سکتا۔میں اس کا سگا بھائی ہوں''۔جواد الجھ رہا تھا۔

''اسی لئے تو نہیں بتایا جا سکتا''۔ماہین نے برجستہ کہا۔

''کسی کو پسند کرتی ہے؟''جواد سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں بات کی گہرائی تک پہنچا۔

ماہین کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا (یہ جواد تو بہت مجبور ہے)

وہ کچھ نہیں بولی خاموش رہی۔

''کیا اسی کے ساتھ گئی ہے؟''جواد کا لہجہ نہایت شکستہ تھا۔

''نہیں' نہیں جواد! ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔وہ تیزی سے بولی۔

''خدا کی قسم اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے''۔

''کون ہے وہ؟''جواد نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پوچھا

ماہین جواب میں خاموش رہی۔

''آپ جواب کیوں نہیں دیتیں؟''وہ الجھ کر کہہ رہا تھا۔

''دے نہیں سکتی''۔وہ دھیرے سے گویا ہوئی۔

''کسی کا دباؤ ہے آپ پر؟''جواد نے قدرے ناراضگی سے دریافت کیا۔

''میرے ضمیر کا کہ میں کسی بھی قسم کی بدامنی کی ذمہ داری اپنے سر لینا نہیں چاہتی''۔اس نے بڑی صاف گوئی سے

''آپ جانتی ہیں خالہ کہ میں حویلی میں اپنے کزنز کے درمیان کس طرح ہو گیا ہوں' جیسے میں کوئی مجرم ہوں' بے

گناہ گار''۔وہ دکھ سے بوجھل لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''یہ تمہاری ذاتی فیلنگز ہیں جواد' وہ صرف تمہاری بہن ہی نہیں ہے بلکہ حویلی کے ہر فرد سے ہی اس کا کوئی نہ کوئی رشتہ

ماہین نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی۔

''جی چاہتا ہے وہ سامنے آ جائے تو اسے شوٹ کر دوں۔پپا نے تو اپنی غفلت اور دوری کا ہرجانہ اس طرح دے دیا کہ وہ

زندہ ہی بن گئے۔لوگ کہتے ہیں کہ صرف جاگیردار ہی کا نہیں کہ بڑے آفیسر کا بھی بیٹا ہوں۔لوگ ان کے آگے پیچھے پھرتے

ہیں اور تو رہ داری ہوتی ہے' مگر یہ روشی تو سیدھا سیدھا نقصان کا سودا کر کے گئی ہے''۔

اس نے بہت افسردہ سے انداز میں کہا۔

''یوں دل چھوٹا نہیں کرو جواد' آ جائے گی' گئی کہاں ہوگی یہیں۔ادھر ادھر بس اپنی ناراضگی کا اظہار کر رہی ہے''۔ماہین

نے تسلی دی۔

''اب اسے کوئی ضرورت بھی نہیں آنے کی' اگر آ گئی تو اس کے حق میں اچھا نہیں ہوگا''۔

''ارے جواد' تم ایجوکیٹڈ بندے ہو' کیا جاگیرداروں کی طرح بڑکیں مار رہے ہو''۔

ماہین نے صبر کی تلقین کی۔

''بڑکیں نہیں ہیں خالہ' میں اسے شوٹ کر دوں گا۔اتنی عیش و عشرت کی زندگی کے بعد اسے اس طرح کا کوئی قدم اٹھانے

کا کوئی حق نہیں تھا۔کیا کمی تھی اسے یہاں' سب سے بڑھ کر اتنے عزت دار باپ' دادا دنیا میں کچھ نہ ملے تو تھوڑی ''کمی'' لیکن

اگر عزت نہ ملے تو سب سے بڑی ''کمی'' ہوتی ہے''۔

اس نے بڑے مدبرانہ انداز میں جواب دیا۔

''تمہاری بات سنٹ پرسنٹ درست ہے' مگر دنیا میں ہر طرح کے امکانات موجود رہتے ہیں' اس لئے گنجائش رکھ کر

لیننگ انداز اپنانا چاہیے''۔

''میں نہیں مانتا یہ لوجک' عورت محفوظ ہے' عیش میں ہے تو بس پھر اسے اور کچھ چاہنے کیلئے اتنا کریزی' اتنا شدید نہیں

ہونا چاہیے''۔وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''اگر وہ مل جائے تو اسے حویلی میں نہیں آنا چاہیے' ورنہ پپا کا بہت نقصان ہو جائیگا''۔

وہ تمتماتے ہوئے چہرے کے ساتھ کہتے ہوئے کمرے کا دروازہ جھٹکے سے کھول کر باہر چلا گیا۔

ماہین دم بخود سی بیٹھی رہ گئی۔ان جاگیرداروں سے کچھ بعید نہیں۔اسے خوف سا محسوس ہوا۔یہ جواد سے دلاور علی خان

سے بھی آگے جا رہا ہے۔

جانے کتنی دیر وہ گہری سوچوں کے درمیان گھری رہی۔

دروازے پر پھر دستک ہوئی تھی۔

''ہوں''۔اس نے بڑے بےزار سے انداز میں آنے والے کو اجازت دی تھی۔

دروازہ کھول کر آنے والی کلو تھی۔

''نما بی! آپ کو بڑے خان بلا رہے ہیں''۔اس نے انگلیوں میں آنچل پھنسا کر مروڑتے ہوئے خاصا لہرا کر کہا۔

گہرا براؤن شلوار سوٹ پہنے ہوئے تھی۔ ماہین کو تو جیسے اسے کپڑوں میں سے ''ڈھونڈنا'' پڑا۔

''بابا صاحب! چلو آ رہی ہوں میں''۔ اس نے قدرے فکرمندی سے کہا۔

''پتہ نہیں کیوں بلا رہے ہیں؟ اب کیا مسئلہ ہو گیا؟''

کلو واپس چلی گئی۔ وہ منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے کے خیال سے باتھ روم میں گھس گئی۔ باتھ روم سے

میں جلدی جلدی برش چلایا۔ ذہن مسلسل کچھ سوچ رہا تھا۔

پھر اچھی طرح سر پر دوپٹا جما کر باہر آ گئی۔ اور خاصی تیز چلتی ہوئی بابا صاحب کے بیڈ روم کی طرف آئی اور

دستک دی۔

''آ جاؤ''۔ ان کی بارعب آواز کسی قسم کے تاثر سے عاری تھی۔

وہ اندر چلی آئی۔ وہ ٹیلی فون پر کسی سے گفتگو میں مصروف تھے۔ اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا۔

''نہیں۔ وہ آج صبح ہری پور چلے گئے۔ بہرحال تم میرا نام لے کر کہہ دینا کہ میں نے بھیجا ہے۔ ویسے

ہی چلتا ہے۔ تم بھی اس بات کا خیال رکھتے ہوئے بات کرنا۔ نہیں' نہیں گھبرانے کی بات نہیں۔ کام تو تمہارا ہو

انشاء اللہ...... اچھا اچھا...... ٹھیک ہے۔ ہاں ہاں۔ او کے''۔ انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

''دلہن! یہ یاور کیا بہت جلدی میں گئے ہیں۔ ہمیں تو دوپہر کو پتا چلا''۔ وہ خاصے حیران ہو رہے تھے۔

''شاید''۔ اس نے رکھائی سے جواب دیا۔

''کیوں' تم سے کچھ نہیں کہا؟'' انہیں جیسے اچنبھا ہوا۔

''نہیں' مجھ سے انہوں نے کوئی بات نہیں کی''۔ اس نے سچ سچ کہا۔

''پھر تو کوئی ایمرجنسی ہی ہو گی۔ ملک کے حالات بھی تو ایسے ہی چل رہے ہیں آج کل''۔

ماہین کے پاس ان کی اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''تم ساتھ نہیں گئیں' ہاں مگر تم کیسے جا سکتی تھیں۔ گھر میں تو صف ماتم بچھی ہے''۔ انہوں سنگدلی سے کہا۔

(اللہ نہ کرے) ماہین ہول کر رہ گئی۔

''ہونہہ! اہتمام بھی خود کرتے ہیں اور ماتم بھی۔

''یاور کس قدر پریشان رہے ہوں گے رات بھر' کاش یہ لڑکی پیدا ہوتے ہی مر جاتی''۔

انہوں نے انتہائی دکھ سے کہا۔

ماہین بس ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

''اللہ سے دعا کرتے ہیں' مرتے دم تک ہمیں اس کی صورت دیکھنا نصیب نہ ہو''۔ وہ بہت بڈھال نظر آنے لگے۔

(یہ بددعائیں سنانے کو بلایا ہے مجھے؟) اس کی جان جل کر رہ گئی۔

''دلہن''۔ وہ سوچتے ہوئے مخاطب ہوئے۔

...جواب دینا پڑا۔

''جی'' ...بادل نخواستہ ...

''...کچھ تم سے کہا سنا اس نے؟'' انہوں نے بغور ماہین کا چہرا دیکھا۔

''...اس لڑکی کا معاملہ کیا ہے؟

''جی' مجھ سے تو اس نے کچھ زیادہ بات نہیں کی۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے' وہ نعیم سے شادی پر۔ رضامند نہیں تھی''۔ اس

نے بہت سوچ سمجھ کر جواب دیا۔

''کیوں' وہ انوکھی روح ہے حویلی میں؟ ہمارے ہاں لڑکیوں کو کبھی اتنی آزادی نہیں دی گئی' بڑے جو فیصلے کرتے ہیں' وہ

بخوشی قبول کرتی ہیں''۔

وہ برہمی سے گویا ہوئے۔

(ہونہہ! ''بخوشی'' ان کے پاس کمپیوٹر ہے کوئی جو دوسروں کی ٹھیک ٹھیک فیگر دیتا ہے۔ قربان جایئے اس اعتماد کے بلکہ

بزعم خود اعتماد کے)

''جس کے ساتھ چاہتی تھی کیا اس کے ساتھ گئی ہے؟'' ان کی آواز بے حد پست تھی۔

''خدانخواستہ ایسی کوئی بات نہیں''۔ اس نے تیزی سے کہا۔

''یہ بات تم یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟'' انہوں نے مشتبہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

''اس لئے کہ میں نے اسے ہر زاویے سے ٹٹولا تھا۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ بس وہ نعیم سے شادی پر رضامند نہیں تھی''۔

اس نے اپنے یقین کو دلیل سے ثابت کیا۔

''مگر نعیم میں کیا برائی ہے' شکل و صورت کا اچھا ہے۔ تعلیم یافتہ ہے۔ پیسہ بہت ہے۔ دنیا گھومتا ہے۔ دنیا کی ہر نعمت اس

کے پاس ہے''۔

وہ سر سے پاؤں تک حیرت میں ڈوبے ہوئے تھے۔

''جس طرح یہ انگریزی بہت بولتی ہے' وہ بھی اسی کی طرح انگریزی بہت بولتا ہے''۔

اس بار بڑی سادہ اور معصوم سی دلیل آئی تھی۔ ماہین بے ساختہ مسکرا دی تھی۔

''بابا صاحب! بعض باتیں دل کو منظور نہیں ہوتیں اور سب کچھ بے کار لگتا ہے' اور جب ہر طرح کا عیش و آرام ہو تو بس

...کرنے کو جی چاہتا ہے۔ کیونکہ مادی چیزیں تو بغیر خواہش اور جستجو کے پاس ہی ہوتی ہیں' اس لئے دل اس طرف بڑھتا

ہے جہاں ہونے اور نہ ہونے کا خوف ہوتا ہے اور ایسے مقام پر انسان کامیاب ہونے کا شدید خواہش مند ہوتا ہے۔ دل و

ذہن فطری مصروفیت مانگتے ہیں کہ مصروفیت ہی ان کی زندگی ہے اور پھر حاصل چیزوں میں وہ کشش نہیں ہوتی جو لاحاصل

...میں ہوتی ہے۔ شاید اس نے کچھ اور خواب سوچے ہوں''۔

ماہین نے نہایت سنبھل سنبھل کر جواب دینے کی کوشش کی۔

''دلہن! ہم مانتے ہیں تم بہت پڑھی ہوئی ہو' مگر بیٹی' عورت بس عورت ہے' پردے کی چیز' گھر کی زینت' اسے تحفظ اور

...اور کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے''۔ ان کا لہجہ اس بار بے حد شفیق تھا۔

''گستاخی معاف بابا صاحب! عورت ایک وجود ایک زندہ اور اہتمام سے تخلیق کیا ہوا وجود ہے۔ ہر کتاب کا
موضوع ہوتا ہے۔ ہماری پاکیزہ الہامی کتاب قرآن پاک کا موضوع ''انسان'' ہے۔ نہ کہ ''مرد'' اور انسان میں
دونوں شامل ہوتے ہیں اور اس کتاب میں تو انسان کے حقوق پر بحث ہے۔ قوانین ہیں' حدود ہیں' میرے خیال میں
کے مطابق ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کا خیال رکھا جائے تو کبھی کسی کو کسی سے کوئی شکایت نہ ہو۔''

''بچے نا سمجھ ہوں تو کمال ذمہ داری سے ان کی بھلائی کیلئے اقدامات کرنا بھی تو ایک طرح سے شرعی اصولی
ذمہ داری ہے''۔

انہوں نے اس کی بات نہایت تحمل سے کاٹ کر بڑی بھاری دلیل دی کہ ایک لمحے کو تو ماہین بھی چکرا کر رہ گئی۔

''جی! مگر جب بچے نا سمجھ ہوں' انسانی زندگی میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ اطراف کے لوگوں کو اس کی
پڑتی ہے۔ اس کے ذاتی ذہن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور انسان کے اپنے بنائے ہوئے بے بنیاد اصولوں کی روشنی میں
انسان کی پوری زندگی کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو استحصال کا خوبصورت چہرا ہے۔ جس کے باطن میں صرف بے مروتی
رزق کی زیادتی اور کمی تو اللہ کا ذاتی کام ہے۔ اس بنیاد پر تو فیصلہ یوں بھی کمزور ثابت ہوتا ہے''۔

ماہین نے دبے دبے لہجے میں کہا۔

''کیا وہ کوئی غریب لڑکا ہے' مگر تم تو کہہ رہی تھیں ایسی کوئی بات نہیں''۔ وہ بری طرح چونک پڑے تھے۔

''میرا مطلب یہ نہیں تھا''۔ ماہین بوکھلا گئی۔

''میرا مطلب یہ ہے کہ ان اصولوں کی بنیاد پر جہاں جہاں انسان کا استحصال ہوتا ہے کیونکہ اکثر اسی طرح کے
فیصلے ہوتے ہیں''۔ اس نے سنبھل کر بات بنائی۔

''نام نسب بھی بڑی محنت کی کمائی ہوتی ہے بیٹی''۔ وہ بردباری سے گویا ہوئے۔ پتا نہیں یہ کیا بات ہے جب انسان
عظیم ترین پریشانی سے گزر جاتا ہے تو اس کی برداشت بھی عظیم ہو جاتی ہے۔

''بالکل صحیح فرمایا آپ نے۔ مگر ہر نسب ایک آغاز سے گزر کر آگے بڑھتا ہے۔ اگر کسی شاخ کی پیوند کاری سے
خوبصورت و خوشنما پھول آنے کی قوی امید ہو تو پیوند کاری عیب نہیں ہو سکتی''۔

وہ بھلا ہار ماننے والی تھی۔ اور کچھ یہ بھی ہے کہ جب خلوص سو فیصد ہو تو خود بخود بات پیدا ہوتی رہتی ہے۔

''لیکن جب ایسی کوئی بات ہی نہیں تو اس طرح کی بات کیا معنی؟'' وہ پھر الجھے۔

''ممکن ہے وہاں اس طرح کی کوئی بات ہو اور وہ کسی وجہ سے ہم سے نہ کہہ سکتی ہو۔ ہمیں ہر طرح کا امکان ذہن میں
رکھنا چاہیے''۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا۔

''جو بات اس نے ہم تک پہنچائی نہیں' اس باپ کے پیچھے اس نے خاندان کو ذلیل کرنے کیلئے اتنا بڑا قدم اٹھایا
ہم اسے کبھی معاف نہیں کر سکتے''۔ ان کے لب و لہجے سے جلال ٹپکنے لگا۔

اسی دم دروازے پر دستک ہوئی۔

''...'' بابا صاحب اسی انداز میں گویا ہوئے۔

دروازہ کھول کر باری اندر آیا تھا۔

ماہین کی نظروں سے اس کی نظر ایک لمحے کو ملی تھی۔ وہ فوراً نگاہ چرا گیا تھا۔

''اگر اس کا اتا پتا مل بھی جائے کہیں سے تو کہے دے رہے ہیں' دلہن ہم تک خبر نہ پہنچے یا تو ہم اسے شوٹ کر دیں گے۔ یا
بڑے حویلی کے پیچھے ڈال دیں گے''۔

وہ پر جلال انداز میں گویا ہوئے۔

ماہین نے چونک کر ان کی صورت دیکھی۔ اس کی نظروں میں اس تاریک رات کا منظر گھوم گیا۔ ایک بے کس زنجیروں
میں بندھی عورت آج تک اس کے ذہن سے محو نہیں ہو سکی تھی۔ روشی کا ایسا حشر تصور کر کے اسے جھرجھری آ گئی۔

کیا وہ بھی بے چاری کوئی ماضی کی ''روشی'' ہے۔ وہ کہیں اور کھو گئی۔

''وہ وکیل آیا ہوا ہے۔ کیا آپ کل کچہری چل سکیں گے؟'' باری کی سنجیدہ اور گم صم آواز نے ماحول میں ارتعاش پیدا کیا۔

''نہیں فی الحال ہم کہیں نہیں جا سکتے۔ ہمارا ذہن بالکل مفلوج ہے' تم اسے فارغ کر دو۔ کہہ دینا ہم خود فون کر کے اسے
بلا لیں گے۔ دعا کرو۔ ہم جلد اس کی آخری رسم ادا کریں۔ تاکہ ہمارا دماغ معمولات میں مصروف ہو سکے''۔

ماہین نے نہایت دکھ سے باری کی سمت دیکھا۔ اس کا چہرہ بھی بالکل پھیکا پڑ چکا تھا۔

''اگر خودکشی حرام نہ ہوتی تو ہم خود زہر کھا لیتے''۔ وہ بڑبڑائے۔

''دلہن!''

''جی بابا صاحب!''

''کوئی کام تو نہیں کر رہی تھیں؟'' ان کی آواز سے بہت اضمحلال ظاہر تھا۔

''نہیں...... خیریت؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے ان کی سمت دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔ بس یہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے پاس بیٹھی رہو۔ باتیں کرتی رہو۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہم کیا کریں''۔
وہ بے بسی سے گویا ہوئے۔

ماہین کا نرم دل پگھل کر رہ گیا۔

''ٹھیک ہے' میں آپ کے پاس بیٹھی ہوں۔ ویسے بھی یہاں مجھے کام ہی کیا ہے' سوائے کتابیں پڑھنے کے''۔ وہ زبردستی
مسکرائی تھی۔

....

روشی تو یوں بوریت محسوس کر رہی تھی گویا بڑے معمول کے حالات ہوں۔
رات کا کھانا کھانے سے قبل تک وہ کمرے میں موجود تمام میگزین دیکھ چکی تھی۔
آج کھانا بھی بڑا دعوتی قسم کا آیا تھا۔ چکن' بریانی' کوفتے' سلاد' کھیر' گلاب جامن' پھل۔ ڈٹ کر کھانا کھانے کی وجہ

سے نیند بھی بڑی زبردست آئی تھی۔

گہری نیند کا ٹوٹنا اس وقت آسان نہ تھا مگر دروازے پر دستک یوں ہو رہی تھی گویا کوئی دروازہ اکھاڑنے کے درپے ہے۔ اس نے کلاک کی سمت دیکھا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔

"کون؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور چادر اوڑھنے کی نیت سے اٹھالی۔

"دروازہ کھولو روشانے!" ایک بھاری مردانہ آواز سماعت سے ٹکرائی۔

آواز نامانوس سی محسوس ہوئی مگر ذہن فوراً کاکا جان کی سمت گیا۔

"وہ اٹھ کر دروازے کے نزدیک آئی۔

"کون...... کاکا جان؟" اس نے یقین کر لینا مناسب سمجھا۔

"ہوں!" وہاں سے بڑا سرد جواب آیا۔

اس نے دروازہ کھول دیا۔ بلیو جینز اور بلیو چیسٹر میں ملبوس اپنی بارعب مونچھوں کے ہمراہ سامنے تیمور علی خان کھڑے تھے۔

"السلام علیکم!" اس نے نظریں جھکا کر چادر سنبھالی۔

"وسلام۔ کس کے ساتھ آئی ہو؟" انتہائی خشک لہجہ تھا۔ ساتھ ہی اسے اشارا کیا کہ دروازہ بند کر دے۔ اس نے [illegible] تعمیل کی۔

"کسی کے ساتھ نہیں۔ وہ ڈرائیور شیر گل کے ساتھ بس"۔

"کس لئے...... میرا مطلب ہے کس وجہ سے یہاں آئی ہو؟" ان کے لہجے میں تشویش تھی۔ روشی خاموش رہی۔ تیمور علی خان ایک کرسی پر فروکش ہو گئے اور اسے بھی بیٹھ جانے کا اشارا کیا۔ وہ جلدی سے بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔

"حویلی میں پتا ہے کہ تم یہاں آئی ہو"۔ وہ بہت الجھ رہے تھے۔

"نہیں"۔ اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"کسی کو بھی نہیں؟" تیمور علی خان بری طرح چونک پڑے تھے۔

"جی نہیں"۔ اس نے پھر واشگاف جواب دیا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا؟" ان کی حیرت بجا تھی۔

"اس لئے کہ...... میں بس یہی کر سکتی تھی"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

"مسئلہ کیا ہے"۔ وہ بغور اس کی شکل دیکھنے لگے۔

"وہ میری شادی کر رہے ہیں"۔ اس نے بھی سیدھی سیدھی بات کرنا مناسب سمجھا۔

"تو پھر کیا ہوا۔ لڑکیوں کی شادی تو کرنا ہی ہوتی ہے"۔ ان کا استعجاب سوا ہو گیا۔

"مگر میں شادی کرنا نہیں چاہتی"۔ اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"شادی کرنا نہیں چاہتی تو کیا پلین اڑانا چاہتی ہو؟" ان کو روشی کی بات انتہائی احمقانہ لگی۔ روشی خاموش رہی۔

"مگر تم یہ پرابلم اپنے والد سے ڈسکس کر سکتی تھیں۔ ان سے زیادہ بہتر کوئی اور تمہارا مسئلہ نہیں سمجھ سکتا"۔

انہوں نے جس انداز میں یاور علی خان کا ذکر کیا۔ روشی کو یوں محسوس ہوا جیسے بابا صاحب کی دو بیویاں تھیں اور اس کے پاپا چچا کی الگ الگ مائیں۔ جانے کیوں اسے بے انتہا دکھ ہوا تھا۔

"یہ بابا صاحب کا فیصلہ ہے۔ وہ کیا کر سکتے ہیں"۔ ناچار وہ گویا ہوئی، جانے کیوں اسے آج تیمور علی خان سے خوف [illegible] نہیں ہو رہا تھا۔

"تم نے یہ جو حماقت کی ہے، اندازہ ہے کہ پیچھے حویلی میں کیا قیامت برپا ہوگی۔ تمہارا جب تک جی چاہے یہاں رہ سکتی ہو مگر میں ابھی حویلی فون کر کے مطلع کرتا ہوں کہ تم یہاں ہو"۔ وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

روشی بھی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"کاکا جان! پلیز ہیلپ می۔ آپ میری یہ ساری بھاگ دوڑ بیکار نہ کیجئے"۔ اس کے آنسو بہنے لگے تھے۔

"کون ہے وہ؟" وہ جاتے جاتے رک گئے تھے اور ایک دم پینترا بدلا تھا۔

"کون؟" روشی بالکل نہیں سمجھی۔

"وہی جس نے تمہیں اتنا بہادر بنا دیا ہے"۔ وہ ہنوز اس سے رخ موڑے کھڑے تھے۔

روشی کی نظریں جھک کر رہ گئیں۔

"کون ہے وہ سورما۔ جس نے تمہیں اتنی جرائتیں بخش دیں کہ تم نے حویلی کی عزت خاک میں ملانے میں ذرا دیر نہ لگائی"

"ایسی کوئی بات نہیں کاکا جان"۔ اس کے حلق میں کچھ اٹکنے لگا۔

"بےوقوف مت بناؤ۔ سیدھے سیدھے بتاؤ کون ہے وہ؟" وہ برہم ہوئے۔

"آپ میرا یقین کیجئے کاکا جان ایسی"۔

"دیکھو روشانے! زیادہ عقلمند بن کر دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ گھاس نہیں کھاتے ہم۔ ایک عورت اتنی جرات مند تب ہی بن سکتی ہے جب کوئی واضح ٹارگٹ اس کے پاس ہوتا ہے۔ ورنہ لڑکیاں بڑی خوشی خوشی شادی کر کے چلی جاتی ہے اور والدین کی پسند کو اپنی قسمت سمجھ لیتی ہیں۔

"کیا کرتا ہے۔ کہاں رہتا ہے؟" وہ اپنی بات پر مستقل تھے۔

"کاکا جان! آپ میری بات"۔

"چپ! چپ روشانے۔ اس کا نام اور ٹھکانہ بتاؤ"۔ وہ برہم ہو گئے۔

روشی خاموش کھڑی آنسو پیتی رہی۔

"تم مجھ سے ہیلپ کیوں مانگ رہی ہو؟ تم کیا سمجھتی ہو کہ تم بےوقوف بناؤ گی اور ہم بن جائینگے۔ ہماری عمر کا زیادہ حصہ

انگریزوں کے ساتھ گزرا ہے۔ جو زندگی لوجک سے گزارتے ہیں۔ ہم تمہاری باتوں سے بہلنے والے نہیں...

بات کرو۔ عورت بہت بزدل ہوتی ہے۔ اس کے کچھ مخصوص خواب ہی تخت و تختہ والی کیفیت تک اسے پہنچاتے ہیں...

وہ خواب دکھانے والا؟" وہ بہت گرم لہجے میں ہم کلام تھے۔

"ہماری بات کا جواب دو یا اسی وقت شیر گل کے ساتھ بڑی حویلی روانہ ہو جاؤ"۔

وہ جو تیمور علی خان کی پراعتماد نکتہ رسی پر جی ہی جی میں حیران ہو رہی تھی۔ آخری جملے پر چونک پڑی۔

"نہیں، نہیں پلیز۔ کاکا جان۔ اس سے بہتر ہے' آپ خود ہی مجھے یہاں شوٹ کر دیں"۔ اس کے حلق سے...

گیا۔

"تو پھر بتاؤ۔ تم ہمارے بوڑھے باپ کو سلو پوائزن دے کر آئی ہو۔ ہم اس بات میں انٹرسٹڈ ہوئے تو اس لئے...

کہ ہمارا باپ تمہاری وجہ سے بہت پریشان ہے"۔

"کاکا جان...... پلیز مجھے کچھ وقت دیجئے۔ میں آپ کو چھوٹی بڑی ہر بات بتا دوں گی۔ پلیز"۔

"مگر زیادہ وقت نہیں۔ ہمیں بابا صاحب کی فکر پڑ گئی ہے"۔ وہ ہنوز برہم انداز میں گویا ہوئے۔ روشی خاموش رہی۔

تیمور علی خان دروازہ کھول کر باہر چلے گئے۔

روشی دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ عجیب سی وحشت ہو رہی تھی۔

وسیع لان میں سناٹا طاری تھا۔ صرف پورٹیکو کی لائٹس آن تھیں۔ وہ ٹہلنے لگی۔

کیا وہ کاکا جان کو سب کچھ بتا دے؟

مگر ان کو بتانے کا مطلب ہے جیسے سب کچھ بابا صاحب کو بتا دے۔ کوئی فرضی کہانی گھڑے۔ کوئی ایسی کہانی...

اس کی بچت ہو جائے۔

وہ ٹہل ٹہل کر سوچنے لگی۔

....

یاور علی خان نے اس کے اعصاب ہلا کر رکھ دیئے تھے۔ حالانکہ پچھلی رات بھی وہ سو نہیں سکی تھی۔ اور آج بھی نیند نہیں...

آ رہی تھی۔ وہ بستر پر کب سے کروٹیں بدل رہی تھی۔ ماریہ بھی سو چکا ہوگا کہ اسی سے باتیں کر لیتی۔ وہ بے چین ہو کر...

اور چادر اوڑھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ وہ باغ کی سمت جانے کے خیال سے راہداری میں آئی تھی۔ مگر راہداری کے...

سرے پر کچن سے تیز روشنی پر چونک پڑی۔ یہ اتنی رات کو کچن میں کوئی کیا کر رہا ہے۔ شاید کوئی جاگ رہا ہو اور...

چائے یا کافی بنا رہی ہو۔ وہ محض وقت گزاری کے خیال سے کچن کی طرف بڑھی تھی۔

کچن کا دروازہ وا تھا۔ اس نے سر اندر کر کے جھانکا اور بری طرح چونک پڑی۔ سرسوتی بڑی ترنگ میں...

سے ادھر آ جا رہی تھی۔ دھیان دینے پر پتا چلا۔ ایک ٹرے میں جانے کیا کیا رکھ رہی تھی۔ وہ حیران اور کشاں کشاں...

ٹرے میں پیسٹری' شامی کباب' تلے ہوئے بادام' کوکا کولا کی لیٹر بوتل تھی۔

"...رات میں کس کی تواضع ہو رہی ہے؟" اس نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

سرسوتی اپنی جگہ پر یوں اچھلی جیسے زور کا کرنٹ لگا ہو۔

"آ...آ...آپ...... بی بی۔ ایس ویلے۔ سوئے نہیں تساں"۔

اس کی آنکھیں خوف سے پھٹی پڑ رہی تھیں۔

"میری بات کا جواب دو۔ کون مہمان آیا ہے"۔ ماہین کی حیرت بدستور تھی۔

"کوئی وی نہیں۔ پروہنا تے کوئی نہیں۔ وہ۔ وہ"۔

وہ ہکلانے لگی۔

"پھر کس کی خاطر مدارت ہو رہی ہے؟" اس کے خوفزدہ ہونے پر ماہین یہ تو سمجھ گئی تھی کہ معاملہ فیئر نہیں ہے۔ اس لئے

...اس کا انداز خود بخود تحکمیہ ہو گیا۔

"کس کیلئے لے جا رہی ہو؟"

سرسوتی کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔ اس سے کچھ بولا نہ گیا۔

"کیا پوچھ رہی ہوں میں۔ یہ پکنک کیوں منائی جا رہی ہے؟" اس کا انداز فطری طور پر مالکانہ ہو گیا تھا۔

سرسوتی کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

"لاحول ولا قوۃ...... سچ بتانے میں تمہاری جیب سے کیا جا رہا ہے؟" وہ جھلا گئی۔

"وہ بی بی...... جھومر بی بی جیہڑی اے ناں"۔

"کون جھومر؟" ماہین الجھی۔

"او۔ مگروں۔ اناں دا کمرا ہے"۔ وہ ہکلائی۔

"نوکرانی ہے حویلی کی؟" ماہین نے استفسار کیا۔

سرسوتی نے نفی میں گردن ہلائی۔ "نہیں جی...... ووہٹی اے"۔

"ووہٹی!" ماہین حیران ہوئی۔ "کس کی ووہٹی؟" اس کے حساب سے تو یہاں صرف ایک ہی ووہٹی (دلہن) تھی اور وہ

...

"ظفری صاحب دی ووہٹی"۔ سرسوتی نے کانپتے ہوئے بتایا۔

"ظفری؟ کون ظفری؟" وہ پھر الجھ گئی۔ "اچھا۔ تم مجھے لے کر چلو اس کے پاس"۔ اس نے تحکمیہ کہا۔

"آ...آپ کیوں؟" وہ گھبرا گئی۔

"کیوں...... دریا پار کر کے جانا پڑتا ہے کیا؟" وہ چڑ گئی۔ "جلدی چلو۔ میں بھی دیکھوں ووہٹی بلکہ زندہ دل ووہٹی جو

...پکنک مناتی ہیں۔ جلدی چلو...... یہ بھی اٹھا لو"۔

...ٹرے کی سمت اشارا کیا۔ سرسوتی ہچکچائی۔

''میں کہہ رہی ہوں ناں اٹھالو۔ جلدی کرو''۔ وہ ناراضگی سے بولی۔

سرسوتی نے دسترخوان ٹرے پر ڈالا اور خوفزدہ انداز میں ٹرے اٹھالی اور ماہین کی سمت دیکھتے ہوئے باہر کی طرف بڑھی
وہ آگے آگے اور ماہین پیچھے پیچھے چل پڑی۔

ایک عظیم الشان دروازہ پار کر کے جب وسیع و عریض احاطے میں انہوں نے قدم رکھے تو یوں محسوس ہوا جیسے وہ
باہر کسی میدان میں نکل آئی ہوں۔

ماہین کا حیرت سے برا حال تھا کہ یہ سرسوتی کہاں جارہی ہے؟

اس پر مستزاد کتوں کی بھوں بھوں۔ ماہین کو تو ان کے بھونکنے سے نہایت خوف محسوس ہوا۔ جبکہ سرسوتی بہت
چلی جارہی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ کر سرسوتی کے برابر چلنے لگی۔ کتوں نے ایک آفت اتار دی تھی۔ احاطہ پار کر کے
ایک دیوہیکل دروازے سے گزریں۔ اندر قدم رکھتے ہوئے ماحول میں بلا کی پراسراریت محسوس ہوئی۔ ایک عجیب
وحشت۔ بھاری بھاری بند دروازے۔ جابجا تاریکی۔ اور ایک ہولناک خاموشی۔ ماہین قدرے خوفزدہ اور بہت زیادہ
تھی۔

''سرسوتی کی راہداری میں داخل ہوئی جہاں دور تک صرف ایک بلب روشنی پھیلا رہا تھا۔ سرسوتی ایک دروازے
سامنے جا کر رک گئی اور پلٹ کر ماہین کی طرف دیکھا۔

ماہین نے اشارے سے اسے اندر چلنے کو کہا۔

سرسوتی ایک راہداری میں داخل ہوئی جہاں دور تک صرف ایک بلب روشنی پھیلا رہا تھا۔ سرسوتی ایک دروازے
سامنے جا کر رک گئی اور پلٹ کر ماہین کی طرف دیکھا۔

ماہین نے اشارے سے اسے اندر چلنے کو کہا۔

سرسوتی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ اس کے پیچھے ماہین نے قدم بڑھائے۔

''توبہ ہے سرسوتی! اتنی دیر کر دی۔ بھوک سے برا حال ہورہا ہے۔ رات کا کھانا ویسا کا ویسا واپس کروا دیا تھا
نے۔ آج ''بڑی بی'' کو جلانے چڑانے کا زبردست موڈ ہورہا تھا۔ ویسے ہی ڈراتی رہتی ہوں انہیں کہ ایک دن خودکشی کر لوں
''۔ بات کے اختتام پر بے ساختہ کھلکھلانے کی آواز آئی۔

ماہین حیران پریشان اندر داخل ہوئی۔ اندر کا منظر دیکھ کر تو جیسے چکرا کر رہ گئی۔ سرخ ویلوٹ کے بھرے کام کے
میں ایک حسین و جمیل شوخ و شنگ سی لڑکی بیڈ پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ اس سے ذرا فاصلے پر ڈھلتی عمر کی ایک عورت
جس کے کپڑے بوسیدہ مگر بال بنے ہوئے تھے۔ اور ایک بھاری سی زنجیر کارپٹ پر پڑی نظر آرہی تھی۔ اس نے زیادہ
پتا چلا زنجیر کا دوسرا سرا عورت کے پاؤں سے بندھا تھا۔ آنا فاناً اس کا ذہن اس رات تاریکی میں نظر آنے والی پازیب
کی طرف گیا۔ حواس جیسے ایک دم سے گم ہو گئے تھے۔

''السلام علیکم!'' جھومر بوکھلا گئی تھی ''آپ''۔

سرسوتی ٹرے رکھتے ہوئے سرگوشی سے گویا ہوئی۔

''ڈر دنا تاں دی دوہٹی اے''۔ سرسوتی ٹرے رکھتے ہوئے سرگوشی سے گویا ہوئی۔

مطربہ نے بری طرح چونک کر سر سے پاؤں تک ماہین کو دیکھا تھا۔ آف وہائٹ سرخ کڑھائی کے ڈھیلے ڈھالے کاٹن
کے سوٹ میں ملبوس خوبصورت تراشیدہ ہیئر اسٹائل۔ بہت قیمتی ہیرے کی ناک میں دمکتی لونگ اور وجود سے اٹھتی دھیمی دھیمی
مہک۔ جس نے کمرے میں اس کی موجودگی کی پہلی گواہی دی تھی۔

جھومر بیڈ سے نیچے اتر آئی تھی۔ ''آیئے بیٹھئے ناں''۔ اس نے کرسی پیش کی۔

''بڑی عزت بخشی آپ نے''۔ جھومر مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

''ہیں''۔ ماہین جیسے کسی خیال سے چونک اٹھی۔

اس نے جھومر کو سر سے پاؤں تک دیکھا جس کے وجود سے جیسے روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔

''یہ...... ظفری کون ہے؟'' اس نے پہلا سوال کیا اور مطربہ کی طرف دیکھنے لگی۔

''ارے آپ کو ظفری کا نہیں پتا۔ کمال ہے۔ حویلی کے ولی عہدوں میں سے ایک ہیں۔ ولی عہدی کا نمبر البتہ معلوم نہیں

جھومر نے نہایت غیر سنجیدگی سے سوال چٹکیوں میں اڑایا۔

''مگر میں تو کچھ بھی نہیں سمجھی''۔ ماہین نے برملا اعتراف کیا۔

''بیگم عالم تاب کے نور نظر نور چشم کہہ لیجئے''۔ وہ ہنس دی۔

''سگے؟'' ماہین کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''بالکل سگے۔ نہ ہماری ساس انہیں جہیز میں لائیں نہ ہمارے سسر نے انہیں رونمائی میں عطا کیا۔ اس لئے قیاس کیا جاتا
ہے۔ بالکل سگے''۔ جھومر ہنوز شوخی سے کہہ رہی تھی۔

ماہین نے ایک نظر جھومر پر ڈالی۔ بڑی عجیب قسم کی لڑکی محسوس ہورہی تھی۔ پھر کمرے میں نظر دوڑائی۔

''کہاں ہیں ظفری؟'' اس کی تو عقل خبط ہورہی تھی۔

''نفسیاتی ہاسپٹل میں آرام فرمارہے ہیں جس سے ہمیں تسلی ہورہی ہے۔ ہماری قسمت اتنی بھی خراب نہیں۔ ویسے وہ
ہیں بڑے ہی بے چارے ہیں۔ بس حویلی والے ہیں کہ قدرت سے اپنی شکست تسلیم نہیں کررہے۔ دراصل جہاں پیسہ بہت ہوتا
ہے وہاں خوش فہمیاں بھی بہت ہوتی ہیں''۔ وہ کھلکھلائی۔

ماہین دم بخود سی بیٹھی رہ گئی۔ اسے تو یہ لڑکی بھی ابنارمل دکھائی دی۔

''اور یہ؟'' اس نے اپنی حیران کن نظروں کا رخ مطربہ کی سمت موڑا۔

''ان کی کہانی انہی کی زبانی سنئے گا''۔ جھومر پھر ہنسی۔

(توبہ کس قدر ہنستی ہے یہ لڑکی۔ اگر اس قدر خوبصورت نہ ہوتی تو کتنی بری لگتی اس کی ہنسی)

''یہ ہماری بیگم کی چھوٹی بہن ہیں''۔ مطربہ نے جھومر کا جملہ نظرانداز کر کے خاصے مودبانہ انداز میں اس سے سوال

کیا۔

''ہوں......تم جانتی ہو بجو کو؟'' ماہین کے اندر جیسے طوفان برپا ہوگیا۔

''وہ حویلی کا روشن چراغ''۔عورت افسردگی سے مسکرائی۔

''تم کون ہو؟ تمہیں کیوں قید کیا ہوا ہے ان لوگوں نے؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔آج تو دریافت کرنے کا موقع مل رہا تھا۔

''نمک خوار ہوں......ایک......بس''۔ وہ خاموش ہوگئی۔

''کیا یاور کو پتا ہے کہ تم کون ہو۔اور تمہیں یہاں قید کیا ہوا ہے''۔اس کے ذہن میں جھکڑ چلنے لگے۔

''میں کون ہوں' یہ تو انہیں پتا ہے۔اور یہاں قید ہوں یہ بھی انہیں پتا ہے''۔عورت نے اداسی سے کہا۔

ماہین کا دل دکھ سے جیسے پھٹنے لگا۔وہ تو یاور علی خان کو حویلی میں سب سے مختلف سمجھتی رہی تھی۔ اتنی اہم سیٹ پر بیٹھنے والا اتنا بڑا قانون شکن۔

''تمہارا قصور کیا ہے؟'' وہ خود پر قابو پا کر پوچھ رہی تھی۔

''ایک نہیں ہے''۔ وہ آہستگی سے بولی۔

''پھر بھی''۔ ماہین کا انداز اصرار کرنے کا تھا۔

''یہ لیجئے''۔ جھومر نے خوبصورت گلاس میں اسے کوکا کولا مشروب پیش کیا۔

''شکریہ......میرا موڈ نہیں ہے''۔اس نے اپنے نفیس انداز میں معذرت کی۔

''جھومر وہ گلاس خود لے کر دوبارہ بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں کچھ بھی نہیں بتا سکتی''۔عورت کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

''میرا اتنے دنوں کا دوستانہ۔میرا مطلب ہے فرینڈ شپ ہے۔مجھے نہیں بتایا آج تک۔پوچھو تو رونے لگی ہیں پوچھا بھی کیا۔صاف ظلم کا شکار لگتی ہے''۔ جھومر کی زبان پھر قینچی کی طرح چلی۔

''مجھے بات کرنے دو پلیز''۔اس نے بمشکل اپنے ناگواری کے تاثرات کنٹرول کئے''۔جھومر کانٹے سے کھانے میں مصروف ہوگئی۔

''ہاں......بتاؤ ناں۔تمہارا جرم کیا ہے۔کس بات کی سزا مل رہی ہے تمہیں؟'' وہ اس کے پاؤں میں بندھی دل پر کوڑے کی طرح برستا محسوس کر رہی تھی۔ایک انسان کے ساتھ اس طرح کا سلوک۔اس کے تو اعصاب شل ہو تھے۔

''آپ کیا کر لیں گی؟ جبکہ یہ سزا میری خوشی' میرا سکون بھی ہے''۔ وہ بھرائی آواز میں گویا ہوئی۔

''پھر بھی''۔

''آپ اصرار نہ کریں۔آپ کو بھی دکھ ہوگا۔نئی نئی شادی ہوئی ہے آپ کی۔اللہ مبارک کرے یاور خان

ان کے اندر کا پتا نہیں چلتا۔اللہ بخشے ہماری مالکن کو یعنی آپ کی ساس کہا کرتی تھی۔نو مہینے پیٹ بہت گہرے ہیں۔ اپنے ہاتھوں اٹھایا مگر اسے میں بھی نہیں سمجھ سکی۔سارے لوگ ان سے بہت ڈرتے تھے۔نوکر تو ان کا نام سن کر حالانکہ کبھی زور سے بھی نہیں چیخے''۔

''بہت کچھ جانتی ہو یاور علی خان کے بارے میں۔میری بہن کے ساتھ کیسے تھے؟''

ماہین نے نہایت تاک کر سوال کیا تھا۔

''مطربہ نے چونک کر ماہین کی صورت دیکھی۔

''بہت محبت کرتے تھے ان سے''۔اس کی آواز نہایت ہی دھیمی تھی۔

''اور بابا صاحب؟'' ماہین جانے کیا جاننا چاہ رہی تھی۔

''وہ اور اماں جی تو اپنے ہاتھوں بیاہ کر لائے تھے انہیں۔اپنی بیٹیوں سے بڑھ کر پیار کرتے تھے۔حویلی کی سجاوٹ تھیں وہ ایسی گڑیا کی طرح سجی بنی رہتی تھیں کہ آنکھیں سیر نہیں ہوتی تھیں''۔ وہ پھر خیالوں میں کھوگئی۔

''پھر کیا ہوا؟'' ماہین نے پتا پھینکا۔

''پھر جی......پھر......پھر کچھ بھی نہیں ہوا''۔ وہ خیال سے چونک کر ایک دم ٹپٹا گئی۔

''تم کس حساب میں سزا کاٹ رہی ہو۔تمہاری باتوں سے تو میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں تم بہت منہ چڑھی بارسوخ قسم کی نمک خوار تھیں۔پھر تمہارے ساتھ یہ سلوک کیوں ہوا؟'' ماہین کا تجسس کمال کو پہنچا ہوا تھا۔

''بس جی یہ نہ پوچھیں''۔ وہ پھر مغموم نظر آئی۔

''میں کسی سے کہوں گی تو نہیں۔اعتبار کرو میرا''۔ ماہین نے دوسرا طریقہ آزمایا۔

''بات اعتبار کی نہیں ہے۔دراصل کوئی فائدہ نہیں ہے''۔

''یہ نہیں بتائے گی۔ہر طرح کوشش کر چکی ہوں''۔

جھومر منہ سے پیسٹری کی کریم صاف کرتے ہوئے گفتگو میں شریک ہوئی۔

''کیا تم پر نہ بتانے کیلئے دباؤ ہے؟'' آخر اسی فیصد تو وہ وکیل تھی ہی۔

مطربہ خاموش رہی۔

''اس حویلی میں کون ہے جو دباؤ سے بچا ہوا ہے؟ ابھی تو آپ نے اس طرف کا ایک ڈراما دیکھا ہے۔فرصت سے آئے گی تو اور بہت کچھ دکھاؤں گی''۔

جھومر ہاتھ دھونے کیلئے باتھ روم کی جا رہی تھی۔رک کر ٹکڑا لگایا۔

''ہونہہ''۔ماہین کو جیسے چکر آ گیا۔ابھی اس طرف اور بھی بہت کچھ ہے۔جھومر کی خود اعتمادی بلکہ ڈھٹائی اسے بہت محسوس ہوئی تھی۔

''تم بہت بے دھڑک بولتی ہو۔ڈر نہیں لگتا؟'' وہ واپس آئی تو ماہین کہے بنا نہ رہ سکی۔

''جب انسان بہت ہی بڑے نقصان سے گزر جاتا ہے تو اس کے سارے ڈر ختم ہو جاتے ہیں''۔

''نقصان؟ کیا مطلب؟''

''آپ کیا سمجھیں گی۔ یاور چچا پانچ لاکھ کا مہر باندھ کر لائے ہوں گے آپ کو۔ اور قاضی نے تین مرتبہ آپ سے
کہا' یاور علی خان بن دلاور علی خان آپ کو منظور ہیں۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں آپ نے تینوں بار ''جی'' کہا ہوگا۔
کو میری ساس کہتی ہیں۔ کوئی قاضی واضی نہیں آیا تھا میرے پاس۔ سب ڈراما ہوا تھا۔ پاگلوں کے بھی نکاح ہوتے ہیں؟

''پاگل؟'' ماہین ڈر سی گئی۔

''نفسیاتی اسپتال میں لوگ ناک کی سرجری کرانے نہیں جاتے۔ معاف کیجئے گا۔ سرسوتی۔ لے کچھ کھانے کو۔''

اس نے بات کرتے کرتے دور بیٹھی سرسوتی کو مخاطب کیا اور ٹرے اٹھا کر اس کی سمت بڑھائی۔

''بالکل پاگل ہے؟'' ماہین کا دل کٹنے لگا۔ اس نے نئے سرے سے جھومر کا جائزہ لیا۔ 'اچھا''۔ وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔

''حیوان...... ڈنگر''۔ اس نے دانت کچکچائے۔

''تو بھلا اس کیلئے عورت لانے کی کیا ضرورت تھی؟''۔ ماہین تاسف سے کہہ رہی تھی۔

''موصوف کو دولہا بننے کا بہت شوق تھا۔ نوالہ منہ کے بجائے ناک میں لے کر جاتے ہیں۔ باقی تمام باتوں کا ...''۔ وہ جل کر کہہ رہی تھی۔

ماہین کو اس افسردہ ''پیچیدہ'' ماحول میں بھی بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ چہرہ یکدم گلابی سا ہو گیا۔

''اب آپ شادی شدہ ہیں۔ یاور چچا کو بچوں کی خواہش ہو نہ ہو۔ آپ تو چاہیں گی ناں کہ آپ ماں بنیں۔ عورت کی خواہش
ہوتی ہے۔ اس کے خواب بھی ایک سے ہوتے ہیں۔ یہ مجھے خرید کر لائے ہیں۔ میں نے اپنے خواب رہن رکھ دیئے۔
پاگل کو سکھ دیا ہے۔ ان کا احسان ہے مجھ پر...... یا میرا ان پر؟ بتایئے آپ؟ پھر آپ کہتی ہیں کہ مجھے ڈر نہیں لگتا''۔ وہ
کہہ رہی تھی۔

ماہین دم بخود سی بیٹھی رہ گئی تھی۔

''بد دعا لگی ہے میری۔ مجھے تو رہ رہ کر روشی پر پیار آ رہا ہے۔ کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا میرا۔ حویلی کے سارے بڈھے ...
رہے ہوں گے۔ مجھے تو سوچ سوچ کر سکون مل رہا ہے''۔ وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

ماہین کیلئے بہت زیادہ نا قابل برداشت ہو گیا تھا۔ اس نے افسردہ سی مطربہ پر نظر ڈالی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلو سرسوتی۔ اب چلتے ہیں''۔ وہ تھکے تھکے لہجے میں گویا ہوئی۔

سرسوتی ٹرے اٹھا کر چل پڑی۔

''آتی جاتی رہا کریں۔ آپ کو کس کا ڈر پڑا ہے؟'' اسے پیچھے سے جھومر کی آواز آئی۔

....

... میں بھی ٹھنڈ تھی۔ اس کے باوجود جیسے اس کے حواس بے حس سے ہو چکے تھے۔ وہ صرف چادر میں یہاں سے وہاں
... مسلسل ٹہل رہی تھی۔ اور تیمور علی خان کے انداز و اطوار پر مسلسل غور کر رہی تھی۔

... سفید گیٹ گاڑی کی ہیڈ لائٹس سے مزید روشن ہو گیا۔ پھر ہارن مسلسل بجا۔ ساتھ ہی بنی کوٹھڑی سے چوکیدار نمودار
ہوا۔ پہلے کھڑکی کھول کر باہر جھانکا پھر نہایت پھرتی سے گیٹ وا کیا۔ سیاہ چمچماتی جیپ بڑی برق رفتاری سے اندر داخل ہو کر
پورچ میں دوسری گاڑیوں کے درمیان رک گئی۔

... روشی ... کی پشت تھامے بغور دیکھ رہی تھی۔
جیپ سے اترنے والے کو دیکھ کر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ سیاہ پینٹ اور سیاہ چمکتی جیکٹ میں ملبوس
... چوکیدار کو مخاطب کر رہا تھا۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

وہ مبہوت سی اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔

یہ کیوں آیا ہے؟ شاید اسے شک پڑ گیا ہو۔ ویسے بھی بڑا پہنچا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے اپنے معمول کے کام سے آیا ہو۔ بھی آتا رہتا ہے یہاں۔ اس نے خود کو تسلی دینے کے سو بہانے تراشنے شروع کر دیئے۔

باری نے چوکیدار سے کچھ بات چیت کی۔ پھر اس طرف بڑھ گیا جہاں سے زینہ اوپر کی طرف جاتا تھا۔ روشنی نے طمانیت بھرا سانس سینے سے خارج کیا۔ اس کا مطلب ہے سب خیریت ہے۔ وہ تیز تیز چلتی ہوئی واپس اپنے پورشن میں آ گئی۔

جانے کیوں احساسات عجیب خوشگوار سے ہو گئے تھے۔ سارا وجود ایک دم ہلکا پھلکا سا ہو گیا تھا۔ جی چاہ رہا تھا۔ دھم دھم کرتی اوپر جائے اور اس سے جی بھر کر الجھے۔ جواباً اس کی پرسکون مسکراہٹ اور لہجے سے اپنی جان جلائے۔ خوب اور پھر اسے چکنا گھڑا پا کر جی بھر کر روئے۔ اس کے بعد وہ اپنی بھیگی پھوار سے لہجے میں اسے سمجھائے۔ بڑی کا چہرہ دیکھے۔

اس نے چادر اتار کر ایک طرف ڈالتے ہوئے جانے کیا سوچ ڈالا۔

وہ رات کو بہت بے سکون رہی تھی۔ یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی تھی۔ لہٰذا پھر وہ نماز پڑھ کر ہی سوئی تھی۔

کئی بار اس کے بیڈ روم کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ مگر ہر بار بڑی آہستہ اور سرسری سی دستک تھی۔ لیکن اس مرتبہ بے دردی سے دھڑ دھڑایا گیا تھا۔ اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ دن کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ وہ کسلمندی سے اٹھی اور دوپٹا سنبھالتی دروازے تک آئی۔ اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے گہری نیلے سوٹ میں کلو کھڑی دانت نکوس رہی تھی۔

"السلام علیکم! آپ کا ٹیلی فون آیا ہے"۔ وہ حسب عادت لہرا کر گویا ہوئی۔

ماہین نے نیند بھری آنکھوں سے اس کی سمت دیکھا۔

"کس کا فون ہے؟" (شاید نعمان بھائی)

"ہری پور سے آیا ہے جی"۔ اس نے پھر دانت نکالے۔

ماہین قدرے چونکی پھر نارمل ہو گئی۔

"جاؤ کہہ دو۔ میں سو رہی ہوں۔ بعد میں، میں خود کر لوں گی"۔

اس نے کلو کے کسی اگلے جملے کا انتظار کئے بغیر دھڑ سے دروازہ بند کر دیا اور واپس بستر پر اوندھ گئی۔

"قریب ہوں تو بات نہیں کرتے۔ فاصلے سے باتیں کرنے کا دھیان آتا ہے۔ ہونہہ۔ میں کون سا مری جا رہی ہوں بات کرنے کیلئے"۔

وہ بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔

....

باری حویلی سے ساتھ لائی ہوئی فائلیں الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ ابھی تیمور علی خان سے اذن ملاقات نہیں ہوا تھا۔ وہ کسی اگلے پیغام کا منتظر تھا۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ قدرے چونک اٹھا۔

"ہوں۔ کون ہے؟ آ جاؤ"۔

دروازہ کھلا اور ضوفشان اندر آ گئی۔

"السلام علیکم"۔ وہ وہیں کھڑے کھڑے مسکرائی۔

"آہا۔ وعلیکم السلام"۔

"ابھی ابھی ہمیں پتا چلا کہ آپ آئے ہوئے ہیں۔ سمندر خان پپا سے باتیں کر رہا تھا۔

"آپ کب آئے؟ ہم سے کیوں نہیں ملے؟" وہ بڑی معصوم ادا سے پوچھ رہی تھی۔

"بس...... ذرا مصروف تھا۔ آپ سنائیے۔ کیا حال چال ہیں؟" اس نے فائلیں ایک طرف سرکا دیں۔

"ایسے ہی کھڑے کھڑے سنا دیں"۔ وہ شرارت سے مسکرائی۔ میرون شرٹ، سیاہ پینٹ اور سیاہ چمکتے شوز میں وہ بہت تروتازہ اور کھلی کھلی لگ رہی تھی۔

"نہیں نہیں! آیئے۔ ادھر بیٹھیے"۔ وہ بھی جواباً مسکرایا۔

"پچھلی مرتبہ بھی آپ ہمیں لانگ ڈرائیو پر لے کر نہیں گئے تھے جبکہ پرامس کیا تھا"۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر بولی۔

"سوری۔ جلدی میں تھا"۔ اس نے فوراً معذرت کی۔

"جی نہیں' صرف سوری سے کام نہیں چلے گا"۔ وہ بڑے ناز سے گویا ہوئی۔

"پھر؟" وہ مسکرانے لگا۔

"پھر یہ کہ اس مرتبہ آپ جلدی میں نہیں ہوں گے اور اپنا پرامس۔ نوبل پرامس پورا کرینگے۔ اوکے"۔ وہ کھلکھلائی۔

"اوکے"۔ وہ بھی ہنس دیا۔

"باری بھائی"۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔

"ہوں"۔

"وہ ادھر بابا صاحب کی بڑی حویلی میں بھی تو ہم جتنے بچے ہوں گے۔ وہ بھی آپ کے ساتھ اس طرح باتیں کرتے ہیں۔ ان کی فرینڈشپ ہے آپ کے ساتھ؟" وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں۔ وہاں آپ جتنے بچے نہیں ہیں۔ اکا کا بیٹا چھوٹا ہے۔ بہت چھوٹا اور باقی سب بڑے ہیں"۔ وہ مسکرا دیا اس کی بزرگانہ سنجیدگی پر۔

"باقی سب کتنے بڑے ہیں۔ جتنی بڑی یاور انکل کی بیٹی ہیں؟" اس نے باری کا چہرہ بغور دیکھا تھا۔

باری نے بری طرح چونک کر ضوفشاں کو دیکھا۔

"یاور انکل کی بیٹی؟ دیکھا ہے انہیں؟ آپ ملی ہیں ان سے ضوفی؟" اس کے سامنے تو جیسے زمین گھومنے لگی تھی۔

"دیکھا بھی ہے۔ ملے بھی ہیں۔ بہت کیوٹ ہیں۔ بولتی بھی بہت ہیں۔ مگر پتا نہیں ممی ہمیں ان کے پاس کیوں نہیں جانے دیتیں۔ ہمارا دل چاہتا ہے ہم ان سے بہت سی باتیں کریں۔ لانگ ڈرائیو پر جائیں گے ناں تو چپکے سے انہیں بھی ساتھ لے جائیں گے۔ کیوں ٹھیک ہے ناں؟" وہ اپنے آئیڈیا پر خود ہی خوش ہو کر بولی۔

باری کا تو دم سینے میں اٹک گیا تھا۔

"آپ کب ملی تھیں ان سے ضوفی؟" وہ گم صم انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"کل......کل ہی تو"۔ وہ بے نیازی سے گویا ہوئی۔

"آپ کی ممی ملی ہیں ان سے؟" اس کے حواس ٹھٹھر رہے تھے۔

"پتا نہیں۔ مگر وہ ہمیں تو ملنے نہیں دے رہے"۔ اس نے منہ بنایا۔

"باری بھائی۔ ممی کیوں ملنے نہیں دے رہیں؟" وہ جیسے جھلا گئی۔

"پتا نہیں۔ ہیں کہاں وہ؟" وہ کھوئے کھوئے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سر سے کوئی بہت وزنی بوجھ اتر گیا ہو۔ اور اطراف کے سارے منظر واضح ہو گئے ہوں۔ نکھر گئے ہوں۔

"گیسٹ روم میں"۔ ضوفی نے بتایا۔

"اوپر؟" باری نے معلومات کیں۔

"نہیں۔ وہاں تو آل ریڈی پپا کے فرینڈ ہیں۔ وہ نیچے والے گیسٹ روم میں ہیں۔ لان کے ساتھ ہیں ناں وہ دو گیسٹ روم"۔ اس نے مزید اطلاع بہم پہنچائی۔

"اچھا اچھا"۔

اسی دم سمندر خان ناک کر کے چائے کی ٹرے کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"اوہ بے بی! آپ یہاں ہو۔ اور آپ کا ممی پریشان ہے۔ سب ڈھونڈ رہا ہے آپ کو"۔ جیسے ہی سمندر خان کی نظر ضوفشاں پر پڑی وہ بے ساختہ بولا۔

"ہم کوئی حویلی سے باہر جاتا ہے۔ جو ممی پریشان ہوتی ہیں"۔ وہ برا مان کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"خان۔ چائے بناؤں"۔ سمندر خان نے ٹرے رکھ کر باری کو مخاطب کیا۔

"ہوں۔ ہاں۔ ہاں"۔ وہ جیسے کسی دھیان سے چونکا۔

"باری بھائی! دیکھیں۔ اس مرتبہ آپ پرامس پورا کیے بغیر واپس نہیں جائینگے"۔ اس نے جاتے جاتے انگلی اٹھا کر باری کو تاکید کی۔

"اوکے۔ اوکے"۔ باری ہاتھ اٹھا کر مسکرایا۔

"سمندر خان! وہ نیچے جو گیسٹ روم میں مہمان ہیں انہوں نے ناشتا کر لیا"۔ باری کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"وہ......نیچے والا مہمان۔ اوہ۔ خان وہ تو کوئی لڑکی ہے۔ بڑا حکم چلاتی ہے۔ بڑا غصہ کرتی ہے۔ تیمور خاناں کا کوئی رشتہ دار ہے۔ ام پہلے اسے نہیں دیکھا۔ اور وہ شیر گل کے ساتھ آیا تھا"۔

سمندر خان چائے بناتے ہوئے بڑی سادگی سے بتا رہا تھا۔

"اوہ"۔ باری نے گہری سانس لی۔ جیسے مزید مطمئن ہو گیا ہو۔

"کاکا جان ملے ہیں اس سے؟ وہ تو سندھ گئے ہوئے تھے"۔ باری کو یکدم دھیان آیا۔

"یہ ام کو ملوم (معلوم) نہیں"۔ اس نے چائے کا کپ باری کی طرف بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا......اچھا ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ میں ذرا کام کر رہا ہوں۔ ابھی خان کے ساتھ کچہری بھی جانا ہے"۔ وہ بظاہر سمندر خان سے مخاطب تھا۔ مگر ذہن کہیں دور اڑانیں بھر رہا تھا۔

....

وہ بہت محتاط انداز میں گیسٹ روم کے دروازے تک آیا تھا اور بہت آہستگی سے دستک دی تھی۔

"ہوں......آ جاؤ بھئی"۔ آواز میں زمانے بھر کی بیزاری سمائی ہوئی تھی۔ آج تو وہ باری کی موجودگی کے احساس سے باہر بھی نہیں نکلی تھی۔ اس وجہ سے موڈ کچھ زیادہ ہی آف ہو رہا تھا۔ وہ ترچھے زاویے سے بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ پہلو میں گاؤ تکیہ تھا۔

"سمندر خان! رات بڑی حویلی سے جو بندہ آیا تھا واپس گیا یا نہیں؟" اس نے مڑے بغیر استفسار کیا۔

"اوہ...... محترمہ کو ہماری آمد کی اطلاع بھی ہے"۔ اس کی موجودگی کے یقینی احساس سے باری کے احساسات ... سبک ہو رہے تھے۔

اس نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔

"السلام علیکم"۔

روشی بدحواس ہو کر پلٹی تھی۔

ایک لمحے کو تو اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ نظریں جھک کر رہ گئیں۔

"واہ صاحب...... بندے کی قسمت میں ٹھاٹھ ہوں تو کون اس سے چھین سکتا ہے"۔ باری نے کمرے میں ... دوڑا کر شریر لہجے میں کہا۔

"اتنے گہرے لگتے ہیں کاکا جان۔ ایک ذرا سا راز ہضم نہ کر سکے"۔ وہ تلخی سے کہہ کر چادر اوڑھنے لگی۔

"انہوں نے تو مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ بائی گاڈ"۔

"پتا ہے...... موکل ہیں تمہارے قبضے میں سب خبر دے دیتے ہیں۔ مگر ذرا سست ہیں ورنہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ... جیب کے پیچھے تمہاری جیب ہوتی"۔ وہ طنزیہ کہہ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔

"آپ کو اچھا لگتا ہے' اس طرح سے دوسروں کو پریشان کرنا۔ کتنے افسوس کی بات ہے۔ آپ کو سوائے اپنے ... کچھ اور کوئی یاد نہیں رہتا۔ ادھر حویلی میں ایک قیامت برپا ہے۔ رات رات بھر کوئی سو نہیں سکتا۔ ایسے لگتا ہے' وہاں کوئی موت ہوئی ہو"۔

"تو مر گئی ہوں ناں۔ میں سب کیلئے موت ہی تو ہوں"۔ وہ اس کی بات کاٹ کر غرائی اور اگر تم نے وہاں جا کر بتا ... دی کہ میں سرائے میں ہوں تو میں یہاں سے بھی چلی جاؤں گی"۔ اس نے دھمکی دی۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ ایسا تو کچھ ہوا بھی نہیں"۔

"شٹ اپ باری۔ جی چاہ رہا ہے تمہارا منہ نوچ ڈالوں۔ تمہارا وجود تار تار کر دوں۔ میرا زندہ محسوس کرنا ... لوجیکل اور روایتی انداز میں کسی کو پیش کیا جا رہا تھا' اتنی کمزور نہیں ہوں میں۔ ایک بار کی موت منظور ہے۔ روز روز کی نہیں"۔

"لیکن آپ کی شادی تو کہیں نہ کہیں۔ کسی نہ کسی کے ساتھ"۔

اس کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ بھوکی شیرنی کی طرح اس کی طرف لپکی۔ ایک زور کا ہاتھ اس کے ... اور اس برے طریقے سے اس کا گریبان پکڑ کر کھینچا کہ سارے بٹن ایک جھٹکے میں ٹوٹ ٹوٹ گئے۔ اور گریبان دامن تک چلا گیا۔

"گیٹ آؤٹ فرام ہیئر۔ بی آف فار ایور"۔

اس نے نہایت وحشت کے عالم میں اسے دروازے کی جانب دھکا دیا۔ اور اپنی پیشانی دیوار سے مارنے لگی ...

... پر بہت سوار ہو گیا تھا۔

... اچانک افتاد پر بری طرح بوکھلا کر رہ گیا تھا۔ اس نے خود اپنی حالت پر سے نظر ہٹا کر اس کی جانب دیکھا تو ... روشی کی پیشانی خون آلود ہو چکی تھی۔ وہ اس کی جانب بڑھا ہی تھا کہ اسی دم دروازہ کھلا۔ اور تیمور علی خان نے اندر ...

... تو اندر کی صورتحال نے انہیں ٹھٹکا کر رکھ دیا۔ پھر روشی کی پیشانی سے بہتے ہوئے خون نے جیسے ان کی بیٹری ... کر دی تھی۔ وہ سر پھوڑتی روشی کی سمت تیر کی طرح بڑھے اور اس کا بازو تھام کر اپنی طرف موڑا۔

"روشانے۔ ہوش کرو۔ کیا ہوا ہے؟"

"کاکا جان!" وہ ان کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رونے لگی۔

"کیا ہوا؟ کیا کہا ہے باری نے؟" انہوں نے عجیب سی الجھن میں باری کی سمت دیکھا۔

باری تو ویسے ہی مجرم بنا چپ کھڑا تھا۔ تیمور علی خان کی آواز پر اسے مزید خفت سی محسوس ہونے لگی۔

"روشانے بتاؤ بھئی۔ کیا ہوا ہے؟ اور یہ کیا حرکت کی ہے تم نے"۔ تیمور علی خان کی سفید کلف دار قمیض کا گریبان خون ... رنگین ہوتا جا رہا تھا۔

ان کے وہ مخصوص تاثرات والا چہرا جانے کس اوٹ میں چلا گیا تھا۔ اس وقت تو ان کے چہرے پر تفکرات کا جال پھیلا ... روشی تھی کہ قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ اس کی پیشانی پر لٹیں خون سے چپک گئی تھیں۔ تیمور علی خان نے نہایت احتیاط سے ... انگلیوں کی پوروں سے بال ہٹائے تو ان کی انگلیوں پر بھی خون لگ گیا۔

"کیا دیوانگی ہے روشانے؟ اب تم بچی بھی نہیں ہو۔ چچ چچ۔ باری وہ پھول خان سے کہو۔ میرے کمرے سے فرسٹ ایڈ ... لے آئے"۔

انہوں نے باری کے سراپے پر ایک معنی خیز اور جتاتی ہوئی نظر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

"کاکا جان۔ مجھے مر جانے دیں پلیز۔ یہاں کوئی میرا اپنا نہیں ہے۔ یہ رشتے رشتے نہیں ہیں کاکا جان۔ میری جان ... چکی ہوں ... ہیں۔ انہیں اپنی زندگی کیلئے میرا خون چاہیے۔ مجھے نفرت ہے ان سب سے۔ مجھے کسی رشتے' کسی تعلق ... ضرورت نہیں ہے۔ اور آپ اسے کہیے کہ اس کی صورت مجھے کبھی نظر نہ آئے۔ ورنہ میں اس پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا ... مجھے دنیا میں سب سے زیادہ اس سے نفرت ہے۔ یہ انسان نہیں درندہ ہے"۔

... بری طرح روئی۔ اس قدر پھوٹ پھوٹ کر کہ تیمور علی خان تو امتحان میں پڑ گئے۔ وہ کڑے تیوروں سے باری کی ... گھورنے لگے۔

"کیا کہا ہے تم نے اسے؟ اور یہ تمہارا حلیہ کیا ہو رہا ہے؟" ان کے لہجے میں محسوس کی جانے والی کاٹ اور چبھن تھی۔

"میرے حلیے کے بارے میں روشی بی بی ہی آپ کو بتائیں گی۔ میں پیغمبر نہیں ہوں خان کہ میرے لئے اوپر سے گواہی ...

اس نے اتنی سنجیدگی، اعتماد اور وقار سے کہا کہ تیمور علی خان بے ساختہ روشی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ خون بہہ [illegible] تھا۔ انہوں نے قمیض کی بغلی جیب سے سفید رومال نکال کر اس کی پیشانی پر رکھا تو وہ فوراً سرخ ہو گیا۔ وہ اس کو [illegible] لئے ہوئے بیڈ تک آئے۔

"سلی گرل!"۔ عجیب سا دکھ ان کے چہرے سے جھلکنے لگا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی بیڈ پر بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے خون آلود ہاتھ کو ایک نظر دیکھا۔ پھر اپنی سفید قمیض کے دامن سے ہی صاف کر لیا۔ باری باہر نکل گیا تھا۔

"تم نے یہ سب کیوں کیا روشانے؟ حالانکہ رات ہم نے تم سے تمہاری بات سننے کا وعدہ کیا تھا"۔ وہ الجھے ہوئے رہے تھے۔

"کاکا جان! اگر میرا بس چلے اور صرف ایک خون کرنے کی اجازت ہو تو میں پہلی فرصت میں اسے شوٹ کر [illegible]" وہ ہچکیاں لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کس کو؟ باری کو؟" تیمور علی خان کے لہجے میں استفسار اور استعجاب دونوں تھے۔

وہ کچھ بولی نہیں سسکیاں لیتی رہی۔

"وہ تو بڑا ہارم لیس (بے ضرر) سا بندہ ہے۔ اپنے کام سے کام رکھتا ہے"۔

وہ کہہ رہے تھے مگر ذہن کی اسکرین پر اس کا کچھ دیر قبل کا سراپا روشن ہو رہا تھا۔ لہجہ خود بخود دست و کمزور سا ہو گیا۔

"بالکل بے کار۔ تل ایک دم۔ سیلفش سوائے دکھ دینے کے اسے کچھ نہیں آتا"۔

"کیا کہا ہے اس نے تمہیں۔ تم لاوارث نہیں ہو کہ اکیلی دکھ جھیلو۔ ہم پر اعتبار کرو روشانے۔ تم ہمارا خون ہو"۔ [illegible] نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔

جسم و جان پر پھوار سی برس پڑی۔ یہ بالکل نیا روپ تھا تیمور علی خان کا۔

"کاکا جان! آپ مجھے واپس بڑی حویلی تو نہیں بھیجیں گے ناں؟" وہ ہنوز ان کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔

"ہم تمہارے بینیفٹس کو سپورٹ کریں گے روشانے۔ مگر تمہیں یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا"۔ وہ اس کی پشت تھپکتے ہوئے گویا ہوئے۔

اسی دم پھول خان فرسٹ ایڈ باکس لے کر کمرے میں داخل ہوئے۔

"ایک برتن میں گرم پانی لاؤ اندر سے"۔ انہوں نے باتھ روم کی طرف اشارہ کیا۔ پھول خان سائیڈ ٹیبل سے [illegible] کر باتھ روم میں چلا گیا۔

تیمور علی خان باکس کھول کر ضروری چیزیں نکالنے لگے۔

پھول خان پانی لے کر آ گیا۔ تیمور علی خان نے روئی بھگو کر اس کا چہرا صاف کرنا شروع کیا۔ روشی چپ بیٹھی [illegible] بھرتی رہی۔

تیمور علی خان نے کسی ماہر کمپاؤنڈر کی طرح زخم کی بینڈیج کی تھی۔

"پھول خان! ایک گلاس گرم گرم دودھ لاؤ"۔

"تمہارے پاس اور کپڑے نہیں ہیں روشانے؟" انہوں نے اس کی قمیض پر لگے ہوئے خون کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"خیر۔ ہم اندر سے ابھی کپڑے بھجوا دیتے ہیں"۔

"ہم اندر کیوں نہیں جا سکتے کاکا جان؟" وہ آہستگی سے پوچھ رہی تھی۔

"تم دودھ پی کر ڈریس چینج کر لینا اور آرام کرنا۔ بے فکر رہو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اب یہ سب دوبارہ نہیں ہونا ہے"۔

وہ باکس بند کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ اس کی بات صاف نظر انداز کر گئے۔

"کاکا جان! وہ باری بڑی حویلی جا کر سب کو بتا دیگا۔ بابا صاحب اور سپا یہاں آ جائیں گے اور پھر وہی کریں گے جو ان کا جی چاہے گا"۔ اس نے اپنے اندیشے ظاہر کئے۔

"ایزی روشانے۔ باری وہی کرے گا جو ہم اسے تاکید کریں گے۔ ڈونٹ وری۔ دیکھو۔ اب پھر یہ سب نہیں ہونا ہے۔ اب باری بھی یہاں نہیں آئے گا۔ ویسے وہ یہاں آ کیسے سکتا تھا۔ اسے پتا کیسے چلا؟ تم نے بلایا تھا؟" وہ جاتے جاتے ہونے پلٹے۔

"نہیں..... میں نے نہیں بلایا تھا۔ بائی گاڈ کاکا جان۔ میں تو صبح سے باہر بھی نہیں گئی۔ بلیوی"۔ وہ یقین دلانے کی کوشش کرنے لگی۔ آواز میں ابھی تک آنسوؤں کا تاثر تھا۔ تیمور علی خان باہر نکل گئے تھے مزید کچھ کہے سنے۔

....

باری لباس تبدیل کرنے کے بعد بری الجھن میں بیٹھا ہوا تھا۔

"خان..... تیمور خاناں اپنے کمرے میں آپ کو بلا رہے ہیں"۔ سمندر خان نے آ کر اسے پیغام دیا۔

وہ یہ اور وہ کرتا خود سے الجھتا ان کے کمرے میں آیا تھا۔

دروازے کی چرچراہٹ پر تیمور علی خان نے سر اٹھایا تھا۔ وہ بھی کپڑے تبدیل کر چکے تھے اور لائٹ براؤن شلوار قمیض میں ملبوس تھے۔

باری شلوار قمیض چینج کر کے سیاہ پینٹ اور وہائٹ شرٹ زیب تن کر کے آیا تھا۔

"آؤ باری..... کام تو آج بھی بہت ہے"۔ انہوں نے سگار منہ سے نکالے بغیر کہا اور اسے بیٹھنے کا اشارا کیا۔

"وہ امام دین والا کیس تو میرا خیال ہے ہفتہ دس دن میں نمٹ جائے گا۔ ایک پیشی پرسوں ہے اعوان ایڈووکیٹ کہہ رہا تھا اس کے بعد کی پیشی پر فیصلہ ہو جائیگا۔ مجھے تو کوئی ٹینشن نہیں ہے۔ مگر بابا صاحب نے اس کیس کو خود پر طاری کیا ہوا ہے۔ [illegible] فکر ہوتی ہے۔ فائل بھجوائی ہے انہوں نے؟"

وہ بالکل سابقہ انداز میں ہمکلام تھے۔

"جی..... ہاں"۔ وہ بہت کانشس تھا۔ اسے خوب احساس تھا کہ تیمور علی خان کچھ دیر قبل کا واقعہ فراموش کر کے اس سے

باتیں نہیں کر رہے بلکہ وہ سب اس وقت بھی ان کے دماغ میں ہلچل مچائے ہوئے ہے اور مسلسل وہ ابھی ان ...
آ رہے۔

وہ بے گناہ ہونے کے باوجود بہت شرمندہ شرمندہ سا تھا۔

"قائم خانی آیا تھا بڑی حویلی؟" وہ اس کی طرف بغور دیکھنے لگے۔

"نہیں"۔ باری نے پھر مختصراً کہا۔

"یہ بھی بس چکر باز قسم کا بندہ لگتا ہے۔ ایڈیٹ"۔ انہوں نے بریف کیس کھول کر جانے کیا تلاش کرنا شروع ...

"ادھر حویلی میں تو بہت ٹینشن ہوگا؟" انہوں نے ایک دم پلٹا کھایا تھا مگر باری ہر قسم کی صورتحال کیلئے تیار ...

"جی" اس نے پرسکون انداز میں جواب دیا اور انجان بننے کی مصنوعی کوشش نہیں کی۔

"شوٹ کرنے کا پروگرام ہے یا کچھ رعایت ہے؟" وہ ایک فائل نکال کر رول کا غذات اس میں کھول کر ...
لگے۔

"یہ تو بہت پرسنل ہے۔ کیا کہہ سکتا ہوں"۔ وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا۔

"تم سے کیوں اتنی ناراض ہے؟" وہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ گئے۔

باری خاموش رہا۔

"کیا تمہیں علم تھا کہ وہ یہاں ہے؟ وہ تمہیں بتا کر آئی تھی؟" تیمور علی خان بہت سیریس تھے۔

"نہیں۔ مجھے علم نہیں تھا۔ مجھے ضوفی سے پتا چلا تھا"۔ باری نے بڑی متانت سے جواب دیا۔

"ضوفی سے"۔ وہ چونک پڑے۔

"کیا بتایا تھا ضوفی نے؟" ان کی آنکھوں سے عجیب طرح کی سختی جھلکنے لگی۔

"وہ لانگ ڈرائیو پر جانے کیلئے اصرار کر رہی تھی۔ پچھلی دفعہ میں نے پرامس کیا تھا مگر جلدی میں جانا پڑا تھا ...
یاد دلا رہی تھیں۔ پھر بڑی حویلی کا پوچھنے لگیں کہ وہاں ان کے ہم عمر بچے ہیں یا نہیں۔ میں نے بتایا کہ وہاں آپ جتنے ...
ہیں۔ سب بڑے ہیں تو کہنے لگی یاور انکل کی بیٹی جتنے ہیں سب۔ میں بڑا حیران ہوا کہ یہ کیسے جانتی ہیں۔ پوچھا تو ...
وہ یہاں آئی ہوئی ہیں اور نیچے گیسٹ روم میں ہیں"۔ باری نے تفصیل سے جواب دیا۔

"یاور انکل کی بیٹی کہا تھا اس نے ....؟ اسے ...... خیر"۔ انہوں نے بٹن پش کر کے ملازم کو بلایا۔

تھوڑی دیر بعد سمندر خان اندر داخل ہوا۔

"سمندر خان! ضوفی کو ساتھ لے کر آؤ"۔

وہ بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ اور باری کو تو خاموشی کا بہانا چاہیے تھا۔

تین چار منٹ کے وقفے کے بعد ضوفشاں اندر داخل ہوئی۔ تیمور علی خان نے سمندر خان کو واپس جانے کا اشارہ ...

"یس پپا"۔ ضوفشاں باری کی کرسی کے پاس کھڑی ہوگئی۔

"ضوفی ..... بیٹے! آپ یاور انکل کی بیٹی سے کہاں ملی تھیں؟"

"ہیئر پپا۔ ہیئر۔ ایٹ مائی اون (یہیں اپنے یہاں)"۔ وہ حیرت سے باپ کو دیکھنے لگی۔

"گیسٹ روم میں؟"

"نو..... لان میں پپا"۔

"آپ کو کیسے پتا چلا کہ وہ یاور انکل کی بیٹی ہیں؟ انہوں نے خود بتایا تھا؟"

"انہوں نے بتایا تھا۔ وہ بڑی حویلی سے آئی ہیں۔ آئی ایزیومڈ دیٹ شی از مائی کزن۔ پھر پتا چل گیا کہ وہ یاور انکل کی ...

"... شی ٹولڈ لائی پپا۔ از شی ناٹ مائی کزن؟" وہ الجھ گئی تھی۔

"نہیں۔ یہ سچ ہے۔ وہ آپ کی کزن ہی ہیں اور کیا باتیں کی تھیں ان سے؟" تیمور علی خان کے لہجے میں اچانک سرد مہری ...
... آ گئی تھی۔

"او مائی سویٹ پپا۔ می نے ان سے بات ہی کہاں کرنے دی بلکہ یہ بھی کہا کہ نہ ان سے آئندہ ملوں، ورنہ بات کروں ...
... آپ ہم سے اور می سے ناراض ہو جائینگے"۔ اس نے بسورتے ہوئے بتایا۔

تیمور علی خان ایک ثانیے کو گڑبڑا کر رہ گئے۔ باری پاؤں کے انگوٹھے سے کارپٹ مسلنے لگا۔

"ان تھنک مور پپا۔ ہم جائیں؟" وہ دونوں کو یکدم خاموش دیکھ کر خجل سی ہوگئی۔

"ہوں"۔

"پپا۔ ڈیئر کزن کا نیم کیا ہے؟" وہ جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگی۔

"روشانے"۔ تیمور علی خان نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"باری بھائی"۔ وہ بھاگتے ہوئے واپس باری کے پاس آئی اور دونوں ہاتھوں کی روک بنا کر باری کے کان میں بولی۔

"اٹ از اے سویٹ چانس۔ لانگ ڈرائیو کیلئے پپا سے کزن کیلئے بھی پرمیشن لے لیجئے"۔ باری نے مسکرا کر اس کے سر ...
... کو پھیرا۔ گویا اطمینان دلایا۔ ضوفی باہر چلی گئی۔

"باری! تم نے جواب نہیں دیا۔ تم سے کیوں ناراض ہے؟ اور اتنی شدت سے کہ اپنا سر تک پھوڑ ڈالا۔ تمہاری قمیض بھی ...
... تھی۔ کیا ادھر حویلی بھی اسے ہسٹریا فٹس پڑتے ہیں"۔

"نہیں نہیں"۔ باری کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اسے اعلیٰ درجے کا ڈپریشن کہہ سکتے ہیں"۔ تیمور علی خان خود ہی بولے (Agitation) ہیجان بھی ڈپریشن ہی کا ایک ...
... ہوتا ہے"۔

"اب تم ڈسکرائب کرو گے کہ یہ ڈپریشن ہے یا پس پردہ کوئی اور بات، جس کے سبب وہ تم سے ناراضگی اور نفرت کا ...
... ہے۔ اور شاید تم یہ بھی بتا سکتے ہو کہ وہ کیوں شادی نہیں کرنا چاہ رہی۔ اور یہ بھی کہ اس نے انتہائی قدم کس بیس پر

باری اس قدر لاجواب شاید کبھی ہوا ہوگا۔ تیمور علی خان کی آنکھیں اسے حساس ترین کیمرہ محسوس ہو رہی تھیں۔ ثانیے خاموش ہو کر رہ گیا۔

''کاکا جان! دیکھئے میری طرف سے تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ یہ تمام صورتحال کریں ایٹ ان کی جانب ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ بیسک ریزن انہی کی طرف سے معلوم ہو''۔ باری نے بڑے نپے تلے انداز میں کوشش کی۔

''پھر اس کے بعد کاکا جان جو کچھ آپ مجھ سے پوچھیں گے۔ میرے لئے درست جواب دینا آسان ہوگا۔ خان چند لمحے اس کی جانب دیکھتے رہے۔

''پھر تم آج بڑی حویلی مت جانا۔ ہم بابا صاحب کو فون کر دیں گے۔ یہ بہت بڑا مسئلہ ہو گیا ہے باری۔ بڑی حویلی کیلئے تو یہ تباہ کن موڑ ہے۔ تم سمجھ رہے ہو ناں؟''

''جی...... جی۔ بہت اچھی طرح''۔ باری نے جلدی سے اتفاق کیا۔

''ٹھیک ہے پھر کچہری چلتے ہیں۔ بعد میں بات ہوگی''۔ تیمور علی خان بیڈ سے اترتے ہوئے گویا ہوئے۔ کھڑا ہوا۔

....

بالو دروازے پر دستک دیئے بغیر اندر آ گئی تھی۔

''کیا کر رہے ہیں؟'' وہ وہیں دروازے پر رک کر پوچھنے لگی۔

دوست یہ کیوں ہے یہ کیا ہے؟ مجھے کچھ سوچنے دے
ہر طرف حرص و ہوا ہے' مجھے کچھ سوچنے دے

''سوچ رہے ہیں بھابی''۔

''آپ کے دوست سے میری علیحدگی ہو چکی ہے''۔ بھابی سن کر بالو کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

ہم کو یہ کب تم پہ گماں تھا شاعر بھی ہو انشا جی
اب تک تو جس بھیس میں دیکھا لگتے تھے معقول میاں

رشتے تو ایک بار ہو جاتے ہیں اور بس ہو جاتے ہیں۔ کیا سمجھائیں اور کتنا سمجھائیں''۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''یقین کریں جب بھی آپ کو دیکھتا تھا تو یہی ذہن میں آتا تھا کہ آپ بہت سیدھی' سادی سمجھوتہ کرنے والی وقت سے حوصلے کے ساتھ نمٹنے والی ہیں''۔

''چلانے کی ضرورت نہیں' اس طرح آپ کے جرم معاف نہیں ہو سکتے''۔ وہ تلخی سے کہتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ ہو گئی۔

''اگر وہ اب تک زندہ ہے تو آپ نے اس سے شادی کیوں نہیں کر لی۔ اگر اس میں کس بل تھے تو اب تک تو نکل گئے ہوں گے''۔ وہ اسی سابقہ انداز میں بولی

کوئی ہمیں بھی یہ سمجھاؤ ان پر دل کیوں ریجھ گیا
تیکھی چتون' بانکی چھب والے بہتیرے پھرتے ہیں

''اس سے شادی ہو نہیں سکتی تھی ورنہ اسی سے کرتے''۔ عارف مسکرا دیا۔

''کیوں؟ اس نے آپ کی ماں کا دودھ پیا تھا اور یہ انکشاف بہت بعد میں ہوا تھا''۔ بالو سلگ کر بولی۔

''لاحول ولا قوۃ''۔ عارف جھلا کر رہ گیا۔

''کہاں رہتی ہے وہ؟'' بالو جانے آج کیا ٹھان کر آئی تھی۔

''یہاں سے بہت دور ایک بہت بڑے محل میں''۔ عارف کے لہجے سے کرب چھلکنے لگا۔

روپ سروپ کی جوت جگانا اس نگری میں جوکھم ہے
چاروں کھونٹ بگولے بن کر گھور اندھیرے پھرتے ہیں

''اتنی اونچی جگہ ہاتھ مارا تھا آپ نے؟'' بالو تمسخرانہ انداز میں گویا ہوئی۔

''آہ۔ہا''۔ عارف نے آہ بھری مگر بولا کچھ نہیں۔

''کیا نام ہے اس جگہ کا؟''

''دریا بستی۔ خیر آباد سے پہلے پڑتی ہے۔ بڑا سرسبز علاقہ ہے۔ بستی چھوٹی کھلیان بڑے۔ انسان بھی خوبصورت اور [illegible] بھی۔ جو ایک مرتبہ وہاں بس جائے۔ پھر اس کا کہیں اور دل نہیں لگ سکتا۔ جب ہی تو یہاں رہ کر بھی وہیں پہنچے رہتے ہیں''۔ وہ جیسے تصور میں ایک ایک منظر دیکھنے لگا۔

''آ کیوں گئے تھے وہاں سے؟ جبکہ آپ کا تو سب کچھ وہیں ہے''۔ وہ چیخ کر بولی۔

''کالے پانی کی سزا پر آئے ہوئے ہیں''۔ وہ ہنس دیا۔

''کب ختم ہوگی یہ سزا؟'' وہ زہریلے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''موت پر''۔ وہاں سے برجستہ جواب آیا۔

''اللہ نہ کرے۔ ان کیلئے کیوں نہیں جیتے جنہیں آپ کی قدر ہے؟'' وہ افسردہ سی ہو گئی تھی۔

درد مندوں کو وفاؤں کا صلہ مل کر رہا
چند ایثار کے پیکر مگر ہار گئے

عارف نے پھر شاعرانہ انداز میں جواب دیا۔

''آپ کا دل بھی نہیں چاہتا کہ کبھی وہاں ہو آئیں۔ میں نے تو کبھی آپ کو اس شہر سے باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ جب آپ وہاں رہتے تھے لازمی آپ کا گھر بھی ہوگا وہاں......؟'' بالو کے سوال ختم ہونے والے نہیں تھے۔

انجان فضاؤں میں سرگشت حوادث

اس واسطے ٹھہرا ہوں کہ کس واسطے گھر جاؤں

''وہاں جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے' اس لئے جانا نہیں چاہتا''۔ وہ بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''اگر وہ مجھے کبھی مل گئی ناں تو میں اس کا گلا دبا دوں گی۔ زندہ انسانوں سے کھیلتی پھرتی ہے۔ لگتا ہے [illegible]

ہو۔ اس نے آپ پر''۔

''آپ ناشتا کر چکیں؟'' عارف یوں بولا جیسے اس کی بات ہی نہیں سنی۔

''ہوں۔ آپ کی اماں کو بھی کرا دیا تھا۔ بے چاری کچھ کھاتی ہی نہیں ہیں۔ پریشان کر کے رکھا ہوا ہے [illegible]

آپ کو تو ترس بھی نہیں آتا ماں پر'' بالو بڑبڑائی۔

''ان کے سارے کام اپنے ہاتھ سے کرتا ہوں۔ بہو ہوتی تو ہزار باتیں سنا کر ایک روٹی کھلاتی۔ [illegible]

چاہیے۔ ان کی ناقدری نہیں کرائی''۔ عارف نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

''یہ خیر آباد کہاں ہوتا ہے عارف بھائی''۔ وہ اچانک کسی دھیان سے چونکی۔

''سرحد میں ہوتا ہے۔ خیریت؟'' عارف کی مسکراہٹ میں حیرت بھی تھی۔

''یونہی پوچھ رہی تھی۔ کیا گاؤں محل بھی ہوتے ہیں؟'' وہ پھر سے کھوجنے لگی۔

''ہاں! محل جیسی حویلیاں ہوتی ہیں''۔ عارف نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی۔

''آپ جاتے تھے حویلی میں اس کے پاس۔ آپ کو کوئی روکتا نہیں تھا؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''بابا۔ ہم تو سمجھیں رہتے ہی وہیں تھے۔ آ...... ہا...... کیا دن تھے۔

اس حویلی میں اتنے پھول ہوتے تھے کہ حویلی پھولوں میں چھپ جاتی تھی۔ اور ان پھولوں کے درمیان [illegible]

وہ۔ اتنے حسین منظر آنکھ کیسے بھلا دے''۔

''وہ کون؟ وہی منحوس؟'' بالو جل کر بولی۔

''اس کا نام مطربہ ہے بھابی۔ محبت کے گیت چھیڑنے والی''۔

''زہر گھول دیا ہے جس نے آپ کی زندگی میں''۔ وہ سلگی۔

''عارف خاموش رہا۔ بالو بھی خاموشی سے انگلیاں مروڑنے لگی۔

''میں سوچ رہا ہوں آج غلام محمد کے پاس جا کر اسے سمجھانے کی کوشش کروں۔ پھر آپ کو وہاں چھوڑ [illegible]

کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو''۔ عارف نے موقع غنیمت جان کر موضوع بدل دیا۔

''کوئی ضرورت نہیں آپ کو وہاں جانے کی۔ پہلے میرے حساب کتاب سیدھے کریں۔ میرے نقصان [illegible]

کیا سوچ رہے ہیں اتنی آسانی سے معاف کر دوں گی؟'' وہ بل کھا کر کھڑی ہو گئی۔

....

''[illegible] کا صبح سے تیسرا فون ہے۔ تم بات کیوں نہیں کر رہیں؟ ہو سکتا ہے اسے کوئی ضروری کام ہو''۔ عالم تاب اس

[illegible] خود ہی تھما۔

[illegible] کو بستر سے اترنا پڑا۔

''جی۔ کوئی ضروری کام ہی ہوگا''۔ اس نے طنزیہ انداز میں کہا تھا جس کا عالم تاب نے نوٹس نہیں لیا تھا کہ آج کل ان کی

[illegible] کے دھارے دوسری سمت بہہ رہے تھے۔

وہ نہایت بدمزاجی کیفیت میں ہال میں داخل ہوئی۔ خلاف معمول ہال میں لڑکیاں نظر نہیں آئیں صرف شیتو صبح کے

جذبات میں دھنسی ہوئی دکھائی دیں۔

''السلام علیکم''۔ اس کی آواز ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھی۔

''وسلام۔ طبیعت ٹھیک ہے''۔ یاور علی خان کی آواز میں تشویش تھی۔

''ٹھیک ہوں۔ کوئی ضروری کام تھا آپ کو مجھ سے۔ کیسے یاد فرمایا؟'' وہ اپنا موڈ چھپا نہیں پائی۔

''اوہو! موڈ آف ہے۔ پریشان لوگوں کو مزید پریشان کرنا یہ کیسی لائف پارٹنر شپ ہے؟ وجہ نہیں پوچھ پاتے تو یونہی

[illegible] کر لیتے''۔ یاور علی خان سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

''سب کچھ تو مجھے ہی کرنا ہوگا۔ آپ پر کسی طرف سے کوئی ذمہ داری نہیں۔ وہ سابقہ لہجے میں گویا ہوئی۔

''تم تو بہت وسیع ذہنی کینوس رکھتی ہو۔ عام سی مشرقی عورت نہیں ہو''۔ یاور علی خان نے قدرے دکھ سے کہا تھا۔

''حوا کی بیٹیوں کے بھی بعض تقاضے مشترک ہیں اور فطرت پر ہیں۔ آپ میرے علم و تعلیم کو کارڈ بنا کر مجھے فطری و حسین

لطف جذبات کی قربانی پر مجبور نہیں کر سکتے۔ اتنی سخت زیادتی آپ نے میرے ساتھ کی اور آپ کو احساس تک نہیں بلکہ الٹا

بہت خوب''۔ وہ ناراضگی سے کہہ رہی تھی۔

''احساس نہ ہوتا تو فون کیوں کرتا؟'' ان کی گھمبیر آواز ایئر پیس میں ابھری۔

ماہین کے دل کی دھڑکنوں میں خوشگوار تلاطم برپا ہوا۔

''بہت لیٹ ہو جاتے ہیں آپ۔ چاہے کوئی مر ہی جائے''۔ اسے رونا آ گیا۔

''اتنی انسلٹ تو ہم نے کبھی اپنے ملازمین کی نہیں کی بڑی بڑی غلطیوں کے باوجود''۔

''سوری اگین۔ تمہیں کیا پتا کہ''۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

''کیا......؟'' ماہین متجسس ہو گئی۔

''کچھ نہیں......'' وہ ٹال گئے۔

''روشی کیلئے کیا کر رہے ہیں؟'' ماہین کو پتا تھا کہ اصرار کے باوجود وہ کچھ نہیں بتائیں گے۔

''کون روشی؟'' یاور علی خان کی آواز سے تلخی جھلکنے لگی۔

''یاور صاحب پلیز''۔

"ماہین۔ آج کے بعد تم کبھی مجھ سے روشی کا ذکر نہیں کروگی"۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے...... کہ...... آخر"۔ وہ بولتے بولتے اٹکنے لگی۔

"میں سوپچر نہیں ہوں ماہین' تمام عمر دوسروں کے پھیلائے ہوئے کوڑے کرکٹ سمیٹتا رہوں۔ بتا لیا ہے ذہن۔ نکال دیا ہے اسے دل سے بھی۔ دماغ سے بھی۔ تم اپنا خیال رکھنا۔ موڈ ہو تو آ جانا۔ خدا حافظ"۔

ماہین ریسیور ہاتھ میں تھامے خاموش سی بیٹھی رہ گئی۔ اب تک کی بات چیت سے جو تاثر اس کے حواس پر ... بھی تھا کہ یاور علی خان اس وقت غم سے چور چور ہیں۔ واقعی کتنی بری بات ہے۔ مجھے ایسے میں ان کے ساتھ ہونا ... نے بڑی شرمساری محسوس کی۔ ان پر اتنی بڑی آفت ٹوٹی ہے کہ ان سے جو سرزد ہو کم ہے۔ اپنی انسلٹ کے احساس ... مجھے کچھ یاد ہی نہیں رہا۔

"خدا معلوم وہ کیا کیا۔ اور کس کس اینگل سے سوچ رہے ہوں گے۔

"ماموں جان تو خیریت سے ہیں ناں ممانی جان؟" شمینہ نے اخبار نیچے کر کے ماہین کو گم صم بیٹھا دیکھ کر پوچھا۔

"آ...... ہاں...... وہ ٹھیک ہیں۔ باقی سب کہاں ہیں شمینو؟"

"کچھ تو معمول کے مطابق کالج اور کچھ حالت سوگ میں اپنی اپنی ماؤں کے پاس"۔ وہ اخبار تہ کرنے لگیں۔

"خدا نہ کرے سوگ ہو"۔ ماہین کو ان کا جملہ نہایت شاق گزرا۔

"اور کیا نام دیں۔ آپ ہی بتائیں؟" وہ کہاں ہار ماننے والی تھیں۔

"بے نام رہنے دو شمینو! اس قصے کو نام دینے سے کوئی فائدہ تو ہوگا نہیں"۔

"ماموں جان کیا کہہ رہے تھے۔ آپ نے پوچھا تھا ناں کہ کیا کر رہے ہیں روشی کیلئے؟"

(ایک تو اس گھر میں کوئی اپنے میاں سے بات بھی نہیں کرسکتا فون پر) ماہین کی جان جل کر رہ گئی۔

"ہوں...... کہہ رہے تھے کہ کر رہا ہوں کوشش"۔ اس نے جواب دیا اور تیزی سے باہر نکل آئی۔ مبادا کوئی ... آ جائے۔

....

روشی ہر دستک پر چونک پڑتی تھی۔ ایک ذہنی خلفشار اسے مسلسل گھیرے ہوئے تھا۔ کھانا بھی ٹھنڈا ہو چکا ... سوچ سوچ کر اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا کہ کاکا جان اس سے کیا کچھ پوچھیں گے؟ اور وہ انہیں کیا جواب ... جواب نہ دینے کی صورت میں ان کا انتہائی ردعمل کیا ہوگا؟

"کیا وہ انہیں سب کچھ بتا دے؟ مگر کس طرح؟ کن الفاظ میں؟"

وہ کبھی اس کروٹ لیٹتی تھی' کبھی اس کروٹ' سر الگ دکھ رہا تھا۔

اسی دم دروازہ پر دستک ہوئی۔ "روشانے"۔

"آ جائیں کاکا جان"۔ اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

...ور علی خان اندر آ گئے۔ آتے ہی ان کی نظر برتنوں پر پڑی۔

"کھانا کھالیا؟" ان کا انداز سرد سا تھا۔ شاید پیش بندی تھی۔

"بھوک ہی نہیں لگی"۔ اس نے نظریں چرائیں۔

"جانے کیا کیا حماقتیں کرتی پھر رہی ہو' بھوک خاک لگے گی۔ چلو تھوڑا سا کھاؤ"۔ انہوں نے حکمیہ کہا۔

"آپ فکر نہ کریں' میں تھوڑی دیر میں کھالوں گی"۔ اس نے آہستگی سے کہا۔

"نو بج رہے ہیں رات کے' پھر کب کھاؤ گی؟"

"وعدہ...... میں کھالوں گی"۔ اس نے منت کے انداز میں کہا۔

"طبیعت کیسی ہے اب؟ سر میں دکھن تو نہیں ہو رہی؟.......... اگر ہو رہی ہو تو یہ ٹیبلیٹ لے لینا"۔ انہوں نے قمیض کی اوپری جیب سے چھوٹا سا لفافہ نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا۔

"تھینکس"۔ اس نے لفافہ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"میں ذرا جلدی میں ہوں۔ صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ تم نے اپنے اور باری کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا......؟" وہ ان کے سامنے بیٹھ چکے تھے۔ "یوں بھی مجھے تم سے بہت کچھ پوچھنے آنا ہی تھا۔ تمہیں اندازہ ہے بڑی حویلی میں کتنا ٹینشن ہوگا۔ بہر حال میرے پہلے سوال کا جواب دو"۔

روشی خاموش رہی۔

"مجھے اپنے سوال کا جواب نہ پا کر بہت غصہ آتا ہے روشانے"۔ ان کی آواز میں سختی آ گئی۔

"بس ویسے ہی غصہ آ گیا تھا کاکا جان؟" وہ بہت پست آواز میں بولی۔

"زیادہ چلانے کی ضرورت نہیں۔ ویسے ہی کچھ نہیں ہوا کرتا۔ مجھ سے لوجک کے ساتھ بات کیا کرو"۔

"وہ مجھے سمجھا رہا تھا"۔ معاً اسے جواب سوجھ گیا۔

"اگر میں سمجھاؤں گا تو یہی چیر پھاڑ میرے ساتھ ہوگی؟" وہ برہم ہوئے۔

"کاکا جان...... پلیز...... آپ خود کو اس سے کمپیئر نہ کریں"۔ وہ خفیف سی ہوگئی۔

"یہی بات تھی؟" ان کا انداز مستحکم تھا۔

"جی"۔ وہ بولی۔

"ہرگز ہرگز یہ بات نہیں ہے۔ میری صبح باری سے بات ہوئی ہے۔ اگرچہ اس نے مجھے کچھ بتایا نہیں' مگر جس انداز میں اس نے جواب دیا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ بات عام نہیں ہے عام ہوتی تو بغیر بحث کے بتا دی جاتی۔ روشانے اتنی برداشت ہماری عادت نہیں ہے۔ اس لئے زیادہ مت آزماؤ۔ ہم ابھی اسی وقت تمہیں بڑی حویلی چھوڑ کر ... سکتے ہیں"۔ ان کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"کاکا جان! میں حویلی جانے کو تیار ہوں۔ بس میری اتنی ہیلپ کر دیجئے کہ نعیم کے ساتھ میرا رشتہ ختم کرا دیجئے۔ میری

شادی کا سلسلہ روک دیجئے۔ میں وہاں جانے اور ہر طرح کے برے سلوک کو فیس کرنے کیلئے تیار ہوں"۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"بیس مہیا کرو۔ تمہیں فلی سپورٹ دینے کیلئے تیار ہیں"۔

"یہی بیس ہے کا کا جان کہ میں اس رشتے سے خوش نہیں ہوں۔ بس" اس نے ناک پونچھی۔

"خوش نہ ہونے کی وجہ؟ اتنا معقول رشتہ تو کسی کسی کو ملتا ہے۔ ہر طرح سے ریلیکس رہو گی۔ نہ رشتوں کا جھنجھٹ نہ ذمہ داریوں کا"۔

"مجھے نعیم پسند نہیں۔ بائی گاڈ کا کا جان"۔ وہ پھر رو دی۔

"ہوں"۔ تیمور علی خان گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

"تمہارے پیرنٹس کیا کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ تمہارے پاپا تمہاری اسٹیپ مدر کے ساتھ اس موضوع پر بات ہوئی؟"

(ابھی ابھی کا کا جان کتنے اپنے اپنے سے لگ رہے تھے اور ایک دم کتنے غیر اور اجنبی سے لگنے لگے تھے)

"جی...... مدر سے"۔ اس نے مختصراً جواب دیا۔

"روشانے! تم اس خاندان کی واحد لڑکی ہو جو اپنا اختیار استعمال کر رہی ہو۔ اور ہمارے ہاں یہ اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ اس کے باوجود ہم تمہارے ساتھ کوئی "مس بی ہیو" نہیں کر رہے۔ مرد لوگ مسئلے فیس کرتے ہیں۔ تمہاری مدر نے بات آگے پہنچائی؟"

"شاید"۔ وہ آہستگی سے بولی۔

"شاید کیا؟" انہیں اس کا "شاید" نہایت بھاری گزرا۔

"میرا مطلب ہے۔ کچھ ہوا تو نہیں"۔ وہ سنبھل کر گویا ہوئی۔

"ہوں۔ خیر۔ تم کھانا کھاؤ۔ پھر بات ہوگی"۔ وہ جانے کیا سوچ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یا اللہ...... "پھر" اس نے سر کو تھام کر گہرا سانس لیا" غلطی تو خیر میری ہی ہے میں ہی بات آگے بڑھا نہیں پا رہی۔ اب ...... پھر تو آئے گا"۔

تیمور علی خان اسے کھانا کھانے کی تاکید کرتے ہوئے باہر چلے گئے۔

....

تیمور علی خان اسٹڈی میں خاصی دیر تک ٹہل ٹہل کر کچھ سوچتے رہے۔ بالآخر اپنی آرام دہ کرسی پر بیٹھ گئے۔ اور ٹیلی فون سیٹ اپنے سامنے کھسکا کر ایک نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگا کر پشت کرسی کی پشت سے ٹکالی۔

"ہیلو"۔

"جی...... میں کلو بول رہی ہوں"۔ کلو سے ان کا براہ راست کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا" اس لئے وہ ان کی آواز پہچان نہیں پائی۔

"ماہین بی بی گھر پر ہیں؟"

"جی صاحب۔ اپنے کمرے میں ہیں"۔ دوسری طرف سے جواب آیا۔

"ان سے کہو کراچی سے نعمان صاحب کا منیجر کا فون ہے"۔ وہ بہت آہستہ سے بول رہے تھے۔

"آپ ٹھہریں جی۔ میں بلا کر لاتی ہوں"۔ کلو کی اپنی ذاتی لغت تھی۔

انہیں تقریباً دو منٹ سے کچھ کم انتظار کرنا پڑا۔

"ہیلو"۔ ماہین کی حیران پریشان آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔

"السلام علیکم۔ ہم تیمور خان بات کر رہے ہیں "سرائے" سے"۔

"جی"۔ ماہین کو مزید اچنبھا ہوا تھا" کلو تو کہہ رہی تھی"۔

"اس نے وہی کہا جو ہم نے اسے کہا۔ اب آپ ہماری بات غور سے سنیے۔ ہماری آپ کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ مگر امید ہے کہ آپ ہمیں جانتی ہوں گی۔ خان صاحب یعنی بابا صاحب کے چار بیٹے اور بیٹیوں میں ہمارا چوتھا نمبر ہے۔ ہمارے خیال میں اس سے زیادہ تعارف کی ضرورت نہیں۔ آپ سن رہی ہیں؟"

"جی...... جی میں سن رہی ہوں"۔ وہ جیسے چونک کر بولی۔

"ہماری اس ٹیلی فونک گفتگو کا ذکر بھی آپ کسی سے نہیں کریں گی۔ اس سے بہت سے لوگوں کو افاقہ و آرام رہے گا۔ بات صرف یہ ہے کہ ہمارے خاندان پر روشی کے ہاتھوں بہت برا وقت آچکا ہے۔ ہم اس موضوع پر آپ سے بات چیت کرنا چاہ رہے ہیں"۔

"جی...... جی...... ضرور کیجئے"۔ روشی کے ذکر پر اس کے سارے حواس چوکس ہو گئے۔

"آپ کی اور اس کی کتنی انڈر اسٹینڈنگ ہے؟" وہ گویا حملہ آور ہوئے۔

"بہت اچھی...... ہم بالکل دوستوں کی طرح ہیں"۔ وہ جلدی سے بولی۔

"لگتا تو نہیں۔ اگر ایسا تھا تو یہ سب کیوں ہوا؟" ان کا انداز قطعی تھا۔

"اتنے ڈھیر سارے رشتوں کی موجودگی میں میرا اکیلا تعلق کیا کرتا؟" اس نے وضاحت کی۔

"آپ اپنے ہزبینڈ کو اعتماد میں لے سکتی تھیں۔ کام آسان ہو جاتا"۔ دہاں سے دلیل آئی۔

"میں نے کوشش کی تھی"۔ وہ مجرموں کے انداز سے بولی۔

"کوشش کی تھی یا کھل کر بات کی تھی؟" بڑا ہی دوٹوک انداز تھا۔

"کوشش پہلا درجہ ہوتی ہے۔ کھل کر بات کرنے کی نوبت بعد میں آتی ہے"۔ وہ بولی۔

"گویا کھل کر بات کرنے کی نوبت ہی نہیں آنے دی گئی؟ کیوں......؟" وہ گویا ہوئے۔

"جی...... جی...... آپ ٹھیک سمجھے"۔ وہ تیزی سے بولی۔

"یہی کوئی بات ہے جس کے آگے بڑھنے کی نوبت ہی نہیں آئی"۔ وہ ماہین کو گھیرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

ماہین گڑبڑا کر رہ گئی...... نہ ہاں کہہ سکی نہ ناں۔ خاموش ہو کر رہ گئی۔

''دیکھئے ہماری مینٹیلیٹی یہاں والوں سے تھوڑی سی ڈفرنٹ ہے۔ آپ ہم پر بھروسا کر سکتی ہیں اور یہ سوچ کر اطمینان رکھیں

ہم روشانے کے حقیقی چچا ہیں۔ اور اپنے معاملات میں ہم سے زیادہ محتاط باہر کا کوئی بندہ نہیں ہو سکتا''۔

وہ کہہ رہے تھے' ہو سکتا ہے انہوں نے عام معنوں میں یہ بات کی ہو' مگر ماہین کو محسوس ہوا گویا وہ کچھ جتا رہے ہیں۔

''ہیلو''۔

''جی...... جی...... سن رہی ہوں''۔

''وہ کیا بات ہے جس کو منہ سے نکالنے کا مرحلہ ہی نہیں آیا؟''

''اب کیا فائدہ...... جس کی بات ہے' جب وہی نہیں''۔ ماہین آزردگی سے گویا ہوئی۔

''وہ ہماری حدود سے دور کہیں بھی نہیں جا سکتی۔ ایک دن لا کھڑا کریں گے اسے آپ کے سامنے''۔

''کیا وہ آپ کے پاس موجود ہے؟'' وہ ایک دم مشکوک ہو گئی۔

''یہ بات چھپانے والی تھی؟ ہم نے کہا ناں' وہ ہماری رینج سے باہر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ حالات سے مکمل طور پر باخبر ہوں اور جب وہ ہمارے اختیار میں آ جائے تو ہم پوزیٹو ڈیل کر سکیں۔ سمجھ رہی ہیں ناں آپ؟''

''جی ہاں''۔

''جی...... تو وہ مسئلہ کیا ہے؟''

''وہ...... دراصل یہاں شادی پر رضامند نہیں ہے''۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''ہمیں علم ہے...... اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس کی کسی سے کمٹ منٹ ہے؟'' انہوں نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''کمٹ منٹ تو نہیں کہہ سکتے''۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی ''مگر اس بات کی کیا شیورٹی ہے کہ سب کچھ جان کر روشی کو آپ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا''۔ وہ آہستگی سے پوچھ رہی تھی۔

''تیمور علی خان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ ''امید ہے آپ مائنڈ نہیں کریں گی۔ وہ آپ سے زیادہ ہماری ہے''۔

''لیکن آپ کے ہاں عزت و وقار کی خاطر اپنے خون کو شوٹ کرنے کی روایتیں بھی موجود ہیں''۔ اس نے [illegible] کر کہا۔

''حالات و ماحول بہت تبدیل ہو چکا ہے۔ ہم نے آپ کو زبان دی ہے۔ ہماری زبان [illegible]'' [illegible] لہجے میں آنچ آنے لگی۔

ماہین پھر بھی خاموش رہی۔

''ہیلو...... وہ آپ بات کر رہی تھیں کہ کمٹ منٹ نہیں ہے۔ پھر کیا ہے؟''

''میرا خیال ہے آپ شاکڈ ہوں گے''۔ وہ مسلسل ہچکچا رہی تھی۔

ظاہر تھا کہ وہ خود پر کنٹرول کر رہے ہیں۔

''پلیز''۔ تیمور علی خان کے لہجے سے [illegible]

''شاید وہ اپنے آئیڈیل کی شبیہ 'باری' میں دیکھ رہی ہے''۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

دوسری جانب یکلخت سناٹا طاری ہو گیا۔ ماہین کو ہول آنے لگے۔

''ہیلو''۔ بالآخر خاموشی ٹوٹ گئی۔ اس مرتبہ ان کی آواز ایک دم سپاٹ تھی۔

''جی''۔

''ہماری اور آپ کی گفتگو کا علم اور کسی کو نہیں ہونا چاہیے۔ یوں سمجھ لیجئے۔ یہ روشی کے حق میں اچھا ہو گا۔ یہاں تک کہ یاور بھائی کو بھی نہیں۔ اوکے۔ خدا حافظ''۔

ماہین ریسیور ہاتھ میں تھامے گم صم سی بیٹھی رہ گئی۔

''آپ کے میکے سے فون آیا تھا بی بی؟'' کلو آس پاس ہی منڈلا رہی تھی۔

''جاؤ...... تم اپنا کام کرو۔ تم نے کیا رپورٹ لکھنا ہے؟'' وہ الجھے ہوئے انداز میں بولی۔ بات تو ہو گئی تھی۔ مگر وہ الجھن میں پھنس گئی تھی۔

''کیا اس نے ٹھیک کیا؟ روشی کے چچا پر اعتبار کرنا کہیں مہنگا تو نہیں پڑے گا''۔

''مگر ان کے خلوص پر کیسے شبہ کیا جا سکتا ہے؟ وہ اتنی دور بیٹھ کر یہاں کے طوفان کو محسوس کر رہے ہیں۔ یاور کو دیکھئے۔ بے حسی اوڑھ کر بیٹھ گئے ہیں؟''

وہ خود کو پرسکون کرنے کی کوششیں کرتی وہیں ہال میں بیٹھ گئی اور میگزین کی ورق گردانی ہونے لگی۔

....

لان کی اکثر لائٹس کی جا چکی تھیں۔ باری نے کلاک کی سمت دیکھا بارہ بج کر چند منٹ ہوئے تھے۔ اس نے رسٹ واچ اٹھا کر کلائی میں ڈالی۔ اور آہستہ سے دروازہ بند کر کے باہر نکل آیا۔

''گیسٹ روم کے دروازے پر دستک دی۔

''دروازہ کھلا ہوا''۔ روشی کی تھکی تھکی سی آواز آئی۔

وہ اندر داخل ہو گیا۔

''کیسی طبیعت ہے؟''

روشی آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی تھی۔ اس نے چونک کر بازو آنکھوں سے ہٹایا۔ مگر بولی کچھ نہیں۔

''کل حویلی واپس جا رہا ہوں۔ کیا پیغام دینگی وہاں کیلئے''۔

''اگر تم نے وہاں جا کر بتایا کہ میں یہاں ہوں تو اچھا نہیں ہو گا''۔ وہ غرائی۔

''تو کیا کاکا جان نہیں بتائیں گے؟'' باری نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''نہیں...... جب تک میری مرضی نہیں ہو گی وہ نہیں بتائیں گے''۔

''اوہ''۔ باری کے منہ سے استعجابیہ انداز میں آواز نکلی۔

''پھر کب تک یہاں رہنے کا ارادہ ہے؟'' اس نے کہیں بیٹھنے کی کوشش نہیں کی۔

''جب تک کاکا جان چاہیں گے اور معاملات میرے حق میں ہو جائینگے۔ دوسری صورت میں اس مرتبہ بار ہو...
کہ کنوؤں میں بانس ڈلوائیں گے تو بھی نہیں ملوں گی۔ اب تم بھی جاؤ یہاں سے' نہ مجھے تمہاری ضرورت ہے نہ تمہاری م...
دیکھنے کی''۔

''پہلے تھی کیا؟'' وہ شریر ہوا۔ ''بہر حال' میں اس وقت آپ سے لمبی چوڑی بات چیت کرنے نہیں آیا تھا' بس آپ...
خیریت معلوم کرنا تھی۔ دعا کرتا ہوں' وہی ہو' جو آپ چاہیں' یقین کریں۔ مجھے آپ کے دکھ پر خوشی نہیں ہو سکتی۔

''آپ آرام کریں۔ یہ بھی بہت ہے کہ کاکا جان جیسے ٹف اور اسٹرک آدمی آپ کو سپورٹ کر رہے ہیں۔ شب بخیر۔

''باری''۔ اس نے بے ساختہ آواز دی

''جی؟''

''دیکھو...... حویلی جا کر زیادہ ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو پھر تم مجھے جانتے ہو''۔ اس نے گویا دھمکی دی۔

''پتا ہے مجھے...... اور مجھ سے زیادہ آپ کو کوئی نہیں جانتا۔ یہ بھی پتا ہے۔ او۔ کے''۔ وہ باہر نکل گیا۔

....

تیمور علی خان اسٹڈی کے آگے بنی بالکنی میں یونہی سگاہ پینے کی غرض سے آ کھڑے ہوئے تھے اور کچھ سوچنا چاہ رہے تھے
ماہین سے بات کرنے کے بعد تو انہیں مسئلہ سمجھنے میں کوئی دشواری ہی نہیں ہوئی تھی۔ مگر وہ لائحہ عمل ترتیب دے رہے تھے۔

گیسٹ روم کا دروازہ کھلا تو روشنی باہر تک آئی اور کمرے سے باہر آنے والے کو پہچاننے میں انہیں کوئی دشواری نہ
ہوئی۔

بالکنی کی لائٹ آن تھی۔ وہ فوراً واپس اسٹڈی میں چلے گئے۔

اور واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گئے اور فوراً بٹن پش کیا۔ سمندر خان کو ان سے پہلے سونے کی اجازت نہیں تھی۔
فوراً ہی اندر آ گیا تھا۔ ''خان''۔

''باری کو بھیجو ادھر اسٹڈی میں''۔ وہ ٹائپ رائٹر کے بٹن خواہ مخواہ پش کرنے لگے۔ ان کے چہرے کے تاثرات لمحہ بہ لمحہ
تبدیل ہو رہے تھے۔

تقریباً پانچ منٹ بعد باری اندر داخل ہوا۔

''جی خیریت؟''

''ہاں ہاں...... سب خیریت ہے...... بیٹھو''۔ انہوں نے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارا کیا۔

''سونے لگے تھے کیا؟'' انہوں نے سگار کا کش لے کر دھوئیں کے مرغولے بنائے۔

''نہیں تو''۔

''پھر کیا کر رہے تھے؟''

''ویسے ہی شام کے اخبار دیکھ رہا تھا۔ عادت ہے سونے سے پہلے کچھ پڑھنے کی۔ ادھر حویلی میں ہوتا ہوں تو پیپرز کی
تیاری کیلئے اسٹڈی کرتا ہوں''۔

''کب ہو رہے ہیں تمہارے پیپرز؟''

''اگلے ماہ''۔

''پھر پریکٹس کرو گے؟''

''انشاء اللہ...... اگر بابا صاحب نے اجازت دی''۔

''تم تو بڑے کام کی چیز بننے جا رہے ہو۔ وہ کیوں منع کریں گے؟ میرا خیال ہے وہ تو تمہیں بار ایٹ لا کیلئے باہر بھی بھیج
دیں گے۔ ہم تمہیں بیرسٹر ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔ مورلی سپورٹ کی ضرورت ہوئی تو ہم بیٹھے ہیں ناں یہاں''۔ انہوں نے پھر
کش لگایا۔

''تھینک یو''۔ اس مرتبہ باری کچھ الجھ کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ تیمور علی خان نے کبھی اس کی ذات
سے متعلق اتنی تفصیل سے گفتگو کی ہو۔

''خیر' یہ تو ضمنی سی بات ہے۔ اصل بات کی طرف آتے ہیں''۔

''جی؟'' اس بار وہ واقعی پریشان ہو گیا۔

''کل کیا دن ہے؟''

''جی......؟ سوموار''۔

''اچھا...... ٹھیک ہے۔ کل تمہارا نکاح ہے۔ یہی بتانے کیلئے ہم نے تمہیں بلایا تھا''۔

کوئی آسمان ٹوٹا تھا اس کے سر پر۔

''جی...... کاکا جان......؟'' وہ اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔

''روشانے یاور علی خان کے ساتھ۔ اور کچھ یا بس......؟'' ان کا انداز انتہائی پرسکون تھا۔

''آپ پہلے میری بات تو سن لیں''۔

''سب کچھ سن لیا ہے۔ سارا الزام ایک کمزور لڑکی پر ڈال کر بری ہونا چاہتے ہو؟'' ان کا انداز سرسا ہو گیا۔

''یہ بات نہیں ہے۔ اگر وہ میری وجہ سے کسی نقصان سے بچ سکتی ہیں تو بڑے سے بڑا نقصان اٹھانے کو تیار ہوں۔ مگر
پلیز۔ مجھے اپنے فیصلے کی بیس تو بتائیے''۔ وہ از حد پریشان ہو رہا تھا۔

''تم خوش نہیں ہو...... یاور علی خان کی اکلوتی بیٹی؟''

''اگر خود غرضی سے سوچوں تو اس وقت مجھے انتہائی خوشی ہونا چاہیے۔ پلیز دور تک سوچئے ان کا بہت بڑا نقصان ہو
جائے گا۔ شاید ان کے سارے قریبی رشتے ٹوٹ جائیں۔

باری نے تصویر کا دوسرا رخ دکھانے کی کوشش کی۔

''یہ نہایت مشکل فیصلہ ہے''۔ وہ مزید گویا ہوا۔

''اتنے بزدل ہو باری!.....'' انہیں غصہ آ گیا ''لڑکی کہیں کی نہیں رہی' اس سے زیادہ کیا نقصان ہوگا اس کا؟''

''وہ بہت جذباتی ہیں۔ میں نے انہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی''۔

''تو اسے اس راہ پر لائے کیوں تھے؟'' وہ برہمی سے گویا ہوئے۔

''میں نے انہیں' کبھی ان کے حوصلے بڑھانے کی کوشش نہیں کی' اس لئے کہ واقعی وہ مجھے بہت عزیز ہیں۔ خلوص کا تقاضا تو یہ ہے کہ جنہیں آپ عزیز رکھیں' دور تک ان کی بہتری سوچیں۔ صبح آپ میری حالت زار دیکھ ہی چکے ہیں۔ اگر میں خود غرضی کا مظاہرہ کرتا تو بڑی حویلی سے وہ تنہا باہر نہ نکلتیں۔ میرا ساتھ اور میری حوصلہ افزائی بھی ان کے ساتھ ہوتی''۔

اس نے اتنی وزنی دلیل دی کہ تیمور علی خان جیسا ''لوجیکل بندہ'' چکرا کر رہ گیا۔

''اچھی بات..... ہمیں تمہاری بات پسند آئی۔

مگر فیصلہ ہو چکا۔ اب جو بھی مرحلے ہیں' وہ تم ہمارے ساتھ طے کرو گے۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ چیئر اپ۔ شاباش۔ یہ معاملہ نمٹ جانے دو۔ باقی تفصیل ہم تمہیں بعد میں بتا دیں گے''۔

باری نے بڑی مشکل سے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

سیاہ نائٹ گاؤن میں ملبوس تیمور علی خان کے لب گھنی ڈارک براؤن مونچھوں تلے مسکرا رہے تھے۔

''کاکا جان! پھر سوچ لیں''۔

''یہی تو ہمارا مرض ہے۔ بہت ہی فیصلہ کن قسم کے بندے ہیں ہم۔ برفانی علاقوں میں شکار کھیلتے ہیں۔ صرف ایک چیسٹر پہن کر۔ جوا کبھی نہیں کھیلا' مگر زندگی جواری کی طرف گزاری ہے۔ اور ہمیشہ دوسرے ہی کو ''شو'' کروانا پڑا۔ ہم کبھی نہیں ہارے۔ البتہ ایک بازی ضرور ہارے۔ مگر رہے اس طرح جس طرح جیتنے والے رہتے ہیں۔ جیتنے والوں کو خوش نہیں ہونے دیا''۔

''یہ تو جذباتیت ہے کاکا جان ''لوجک'' تو نہیں''۔ اس نے صاف کہہ دیا۔

''یہی تو لوجک ہے بندہ خدا۔ ہار سے سہم جانے والے پھر عمر بھر ہارتے چلے جاتے ہیں۔ نفسیاتی خوف کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہم صرف کامیابیوں کو گنتے ہیں۔ خیر۔ تم آرام کرو۔ کل تمہاری زندگی کا اہم ترین دن ہے''۔

باری سوچوں کے ایک اژدہام میں سے باہر نکلا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ۔ وہ کس طرح خوش ہو۔ تیمور علی خان اس کی ''بیک'' پر آ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ بہت بڑی بات تھی۔ وہ بھی اس کی ذاتی محنت کے بغیر۔ پتا نہیں روشی کو اطلاع دے دی گئی یا صبح کو یہ بم وہاں پھوڑا جائے گا۔

وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ اتنی بڑی تبدیلی اسٹڈی سے خواب گاہ آنے تک وہ روشی کو ''بی بی'' لگائے بغیر سوچ رہا تھا۔

''ہو سکتا ہے بابا صاحب اور یاور چچا کو نہایت ہی صدمہ ہو۔ مگر ان کے صدمات کا تعلق میری ذات سے ہے۔ ایک چیز

... جبکہ قدرت اس کی بہتری چاہتی ہے ... بڑی بازی لگا بیٹھی ہے۔ اسے ٹھوکریں کھانے کیلئے تنہا چھوڑ دینا کتنا سفاک ظلم ہے۔ جبکہ قدرت اس کی بہتری ... کر رہی ہے' اور میں اسے رونے کیلئے چھوڑ دوں؟ نمک حرامی بہت بڑی گالی ہے مگر تیسرے دن تو مردار بھی ... ایک زندہ وجود۔ اپنی ذات کی حفاظت کرتے کرتے اسے داؤ پر لگا دوں؟

... نہ ہوتا تو بھی دوسرے راستے نکل آتے۔ مگر اب تو بات ہی اور ہے۔ اب تو شاید بڑی حویلی میں ان کی واپسی ...

... ہی ہے۔

... تو کاکا جان یہاں بھی نہیں۔ کہ رکھ نہیں سکتے۔ خیر یہ ان کا ہیڈک ہے۔

''آپ تو بہت کچھ ہیں۔ ہم میں کیا نظر آ گیا آپ کو؟''

... میں آ گیا تھا۔ اور گیسٹ روم کے بند دروازے سے مخاطب تھا۔

''کاش' میں دیکھ سکتا اس خبر کو سننے کے بعد اس کے تاثرات کیا ہیں۔؟'' وہ مسکرا رہا تھا۔

....

''اسلام علیکم کاکا جان!'' وہ تیمور علی خان کو اچانک سامنے دیکھ کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''والسلام۔ ناشتا کر لیا تھا ٹھیک سے؟''

''گیارہ بج رہے ہیں کاکا جان۔ اب تو لنچ ٹائم ہونے والا ہے''۔ وہ دھیرے سے مسکرائی۔

''اچھا' تم ذرا چادر اوڑھ لو۔ کچھ لوگ اندر آ رہے ہیں''۔

روشی کا دل بیٹھ گیا۔ (کہیں بڑی حویلی سے تو نہیں)۔

''کک۔ کیوں کاکا جان؟'' وہ جلدی سے چادر اٹھا کر اوڑھتے ہوئے بدحواسی سے گویا ہوئی۔

''گواہ ہیں' وکیل ہیں' قاضی صاحب ہیں۔ نکاح پڑھائیں گے تمہارا''۔

(یا اللہ۔ کیا مصیبت ہے؟ ساری دنیا ہی کو فکر ہو گئی ہے میرے نکاح کی' بیاہ کی) اسے چکر آنے لگے۔ جس وجہ سے وہاں سے نکلی۔ یہاں بھی وہی.....

''تمہارا نکاح باری کے ساتھ ہو رہا ہے۔ امید ہے تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ پھر بھی رضامندی کا یہ مرحلہ طے ہونا ضروری ہے''۔

انہوں نے اس کے شانے پر تھپکی دی۔ اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

''آیئے صاحب!''

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

روشی اپنی جگہ دم بخود بیٹھی رہ گئی۔ یوں لگا جیسے تمام حسیات سوگئی ہوں۔

ایک کرسی کھینچ کر اس کے بیڈ کے نزدیک کر دی گئی۔

''بیٹی روشانے بنت یاور علی خان! تمہیں حق مہر شرعی ساڑھے بتیس روپے عبدالباری بن عبدالعلی کے نکاح میں دیا جاتا ہے۔ قبول ہے؟''

تیمور علی خان اس کے برابر میں بیٹھ چکے تھے۔

''بولو روشانے''۔ انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

روشی کو محسوس ہوا جیسے وہ بے ہوش ہو رہی ہے۔

''روشانے''۔ اس نے پھر کاکا جان کی آواز سنی۔

''بولو بیٹی''۔ قاضی صاحب کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔

مگر وہ تو جیسے کسی خواب کے عمل میں تھی۔

کمرے میں اس قدر سناٹا طاری تھا جیسے وہاں کوئی نہ تھا۔

ذرا دیر بعد اسے لگا جیسے کوئی اس سے کچھ چھین رہا ہو۔ یوں جیسے ہاتھ آئی چیز واپس چھن جانے کا خطرہ ہو۔

''جی......'' وہ جیسے چونک پڑی۔

قاضی صاحب نے پھر سابقہ الفاظ دہرائے۔

اس نے انتہائی پرسکون انداز میں ''جی'' کہا۔

اس مرتبہ اس نے انتہائی پرسکون انداز میں ''جی'' کہا تھا۔ اور اطراف میں موجود افراد کی

تیسری مرتبہ وہی الفاظ دہرائے گئے۔ اس نے جیسے انتہائی دل و جان سے ''جی'' کہا تھا۔

تیسری مرتبہ تاکید کا انتظار بھی نہیں کیا تھا۔

''مبارک ہو خان صاحب؟'' اس نے قاضی کی آواز سنی۔

ذہن میں ایک دم جھماکا سا ہوا۔ ہیں...... کیا واقعی یہ سب ہو گیا

تیمور علی خان نے اسے شانوں سے تھام کر اپنے سینے لگا لیا۔ اور اس کے سر پر آہستگی سے ہاتھ رکھ دیا۔

گویا ایک دم سارے بند ٹوٹ گئے۔ وہ ایک دم بے اختیار سی ہو کر رو پڑی تھی۔ جانے کیا کچھ ایک فلم کی صورت اس کی

نگاہوں کے سامنے متحرک ہو چکا تھا۔

تیمور علی خان اس کی پشت تھپتھپانے لگے۔ اور وہ بے ہوش ہو کر ان کی آغوش میں ڈھے گئی۔

....

باری بالکنی میں کھڑا زندگی میں اچانک در آنے والی اور سر سے پاؤں تک ہلا دینے والی تبدیلی پر گہرائی سے سوچ بچار میں

گم تھا۔

دوپہر کا کھانا مہمانوں کے ساتھ کھاتے ہوئے اس نے بے ساختہ سوچا تھا۔ آج اس اہم ترین دن...... اس نے کھانا

کیسے کھایا ہوگا۔؟

یوں تو اسے بہت خوش ہونا چاہیے کہ اس انداز کی خوشی اس نے خدا سے خود مانگی تھی۔

''اچھا...... تم یہاں کھڑے ہو۔ کتنے بجے واپسی کا ارادہ ہے؟'' تیمور علی خان اچانک اس کی پشت پر آ کھڑے ہوئے

تھے۔

''بس...... ابھی اسی وقت...... آپ کے اٹھنے کا انتظار کر رہا تھا''۔ اس نے سابقہ انداز میں گفتگو کی۔

''ہاں شام کے پونے چھ تو بج رہے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے تمہیں کسی ہدایت یا تاکید کی ضرورت تو نہیں؟'' وہ

مسکراہٹ دبا کر ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔

باری خاموش رہا۔

''ہاں او...... اگر تم جانے سے پہلے روشانے سے ملنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ کپڑے وغیرہ میں نے اس کے

منگوائے تھے۔ کچھ بازار سے اگلی مرتبہ...... تم آؤ اور اپنی طرف سے کچھ لانا چاہو تو مرضی ہے تمہاری...... او۔ کے۔؟'' وہ اس

کے جواب کا انتظار کیے بغیر واپس پلٹ گئے۔

باری نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر ریلنگ پر بازو ٹکا کر جھکنے کے انداز میں گیسٹ روم کا بند دروازہ دیکھا۔ اس کی

آنکھوں میں شریری چمک در آئی تھی۔

لاکھ "آپ آپ" کرتا رہا تھا' مگر تھا تو آخر مرد...... ایک دم سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس وقت وہ سفید ...
ملبوس تھا۔

"کیا ایسے ہی خالی ہاتھ؟" اچانک اسے خیال آیا۔ "خیر کون سا سب کچھ پلاننگ سے ہوا ہے اور ...
موقع آیا ہے"۔

تیزی سے زینہ طے کر کے وہ نیچے آیا تھا۔

آج اس کی چال کا انداز ہی کچھ اور تھا۔

اس نے بہت آہستگی سے دستک دی تھی۔

جانے کتنی دھول مٹی اتار کر وہ اسی دم باتھ روم سے برآمد ہوئی تھی۔ سرخ کڑھائی کی گہری زرد فراک اور ...
وہ خود کو بالکل تازہ دم محسوس کر رہی تھی۔ اس کے باوجود گھنٹوں سے ایک اعصابی کشاکش جاری تھی۔

اس نے بیڈ پر پڑا سرخ دوپٹہ اٹھا کر گلے میں ڈالا۔ گیلے بال تولیے میں لپٹے ہوئے تھے۔

"ہوں"۔ اس کا خیال تھا سمندر خان چائے لے کر آیا ہوگا۔

باری دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

دھک...... وہ سامنے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس نے بے ساختہ سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔ جیسے دل کہیں نکل کر ...
خوامخواہ ہی آنکھیں جھکتی چلی گئیں۔ اندازہ کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی کہ اس طرح کا وقت بھی زندگی میں آ ...

"السلام علیکم"۔ باری کی شریر آواز اس کے کانوں میں آئی۔

وہ خاموش رہی...... بولا ہی نہیں گیا۔ بس یہی دھیان آیا' کہ دوپٹہ درست کر لینا چاہیے۔

باری کو اسے اس انداز میں دیکھ کر بہت لطف آ رہا تھا۔

"مسلمان سلام کا جواب دے کر بہت سا ثواب حاصل کرتے ہیں"۔ اس کے لہجے میں بلا کی شرارت تھی۔

اس نے باری کی طرف سے فوراً پشت کر لی "دے دیا ہے دل ہی دل میں"۔ اسے اپنی حالت اور احساس ...
غصہ آ گیا۔ اسے اپنی مغلوبیت بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

"کاش باقی سب کچھ بھی دل ہی دل میں کر لیا کریں۔ کم از کم اتنی تکلیف تو نہ اٹھائیں"۔ وہ کرسی کی طرف ...
"بیٹھ سکتا ہوں؟"

"مجھے پتا نہیں"۔ وہ فطری حیا کے حصار میں آ چکی تھی' کہ ہر تعلق کچھ مخصوص احساسات کا فطری پابند ہوتا ہے ...

"یعنی...... سیدھا سیدھا مطلب ہے' بیٹھ جاؤ"۔ وہ باز نہیں آ رہا تھا۔ وہ دوبارہ باتھ روم طرف بڑھ گئی ...
سے آزاد کرنے گئی تھی۔

پتا نہیں یہ کیا ہے۔ میں نے تو اس کے سامنے کبھی کسی بات کی پرواہ نہیں کی۔ آج بال جھٹکنا عجیب لگ رہا ہے ...

... وہ الجھن محسوس کر رہی تھی۔ اس نے برش سے بال سلجھانا شروع کر دیئے۔ پھر چند منٹ بعد بالوں میں برش
... اپنی کرسے میں آ گئی۔

"شکر خدا کا۔ محترمہ میں طویل نشست کا ارادہ کر کے نہیں آیا۔ میں بڑی حویلی روانہ ہو رہا ہوں۔ سو چا دیدار تو کر لیں۔
... اور کیسے وقتوں میں ملاقات ہو"۔

... کے سامنے باری کا بالکل نیا انداز تھا۔ وہ چپ چاپ بالوں میں برش چلاتی رہی۔ اس نے ایک مرتبہ بھی باری کی
... نہیں دیکھا تھا۔

"کوئی بات وات نہیں ہوگی آج...... کوئی چھوٹی موٹی لڑائی"۔

... کی پشت سے ٹیک لگائے بہت طمینان سے بیٹھا تھا۔ اس کا لہجہ بہت معنی خیز اور آواز بہت دھیمی تھی۔

... کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی تھی۔ اس کے اس انداز پر۔

"...ری"۔ اس کی آواز بہت آہستہ تھی۔

"...بے نصیب"۔ وہ چھیڑ رہا تھا۔

"تم جاؤ یہاں سے؟" اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"ایسے تو نہیں جا سکتے "وقوعہ" میں فٹفٹی پرسنٹ ملوث ہیں۔ کارنامہ انجام دیا ہے۔ چند ہیڈ لائنز ہم بھی تو سنیں۔ کہ کس
..."

"مجھے نہیں پتا...... پلیز باری...... مجھے تنگ نہیں کرو"۔

"آپ نے مجھے اتنا تنگ کیا۔ میں نے کبھی آپ سے کہا؟" وہ ہنوز شریر انداز میں کہہ رہا تھا۔

"سوچ لیجیے' خود بھگا رہی ہیں۔ پتا نہیں اب کب آئیں۔ ویسے کبھی دیکھنے کو جی چاہے تو پیغام بھجوا دیجیے گا۔ شیر خان آتا
... جاتا ہے"۔ وہ سرگوشی سے ذرا کچھ اونچی آواز میں مخاطب ہوا۔

"ہائے...... یہ آج آپ کو ہو کیا گیا ہے......؟" اسے آج اس کی حالت دیکھ کر بہت لطف آ رہا تھا۔

"...ری......!" رونا تو اسے یوں بھی آئے چلا جا رہا تھا۔ وقفے وقفے سے روئے چلی جا رہی تھی۔ پھر رونا شروع کر دیا۔

... ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپے کھڑی تھی۔ وہ کرسی سے اٹھ کر اس
... اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔ آنسو ایک تواتر سے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

... نے ایک ہاتھ میں اس کے دونوں ہاتھ تھامے' دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کی پوروں سے اس کے اشک صاف کئے۔

... صرف اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں' آپ کو دکھوں اور امتحانوں سے بچانے کی خاطر بہت کچھ
...

... سب یہ سب کچھ ہو ہی گیا ہے تو آپ کی مشقت کے دن ختم ہو گئے۔ اپنے اور آپ کے حصے کے سارے بوجھ
... ذمہ داری ہیں۔

آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں۔ بالکل ریلیکس رہیں۔

اب بالکل بھی نہیں رونا"۔

روشی کو نئے رشتے کی قربت بہت محسوس ہونے لگی۔ وہ اس کی گرفت سے اپنے ہاتھ چھڑانے لگی۔

"یہ دلہن کی کلائیاں تو بالکل خالی ہیں"۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں روشی کے دونوں ہاتھ تھے۔

"ابھی میں دلہن نہیں ہوں"۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے سادگی سے کہہ دیا۔

"پھر کب......؟" اس کے لہجے میں عجیب سی آنچ تھی۔

"باری"۔ وہ پھر روہانسی ہونے لگی۔

"اچھا چلو مزید تنگ نہیں کرتے"۔ باری نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔ "اچھا خدا حافظ"۔ وہ تیز تیز چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

کتنا دباؤ تھا اس کے ہاتھوں میں...... اس کے دبیز اور نرم ہاتھوں پر سرخی جھلکنے لگی تھی۔ دل کی دھڑکنوں میں ہو گیا تھا۔

"کیسا ہے...... لگتا تو نہیں تھا"۔ چہرے پر حیا کا طلسم چھا رہا تھا۔

اس نے خود کو آئینے میں دیکھا اور خود کو بہت نئی سی لگی۔

....

باری کی جیپ اندر داخل ہوئی تو منتظر کھڑی ماہین دریچے سے ہٹ کر بڑی تیز تیز چلتے ہوئے باہر آئی مگر رک کر سوچنے لگی۔ ضروری تو نہیں باری ہو' کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔ ابھی وہ اپنے خیالات میں الجھی ہوئی تھی کہ آ گیا۔

"السلام علیکم"۔

"وعلیکم السلام۔ شکر ہے تم آ گئے۔ سرائے گئے ہوئے تھے ناں؟ کل دراصل میں ہری پور چلی جاؤں گی تو انتظار کر رہی تھی"۔ وہ بہت دھیمی آواز میں بات کر رہی تھی۔

"خیریت؟" باری کی ساری ترنگ حیرت میں بدل گئی۔

"وہ...... بات یہ ہے کہ تم سرائے ہی میں تھے اور تیمور علی خان کا فون میرے لئے آیا تھا"۔

وہ یوں گویا تھی جیسے اس سے کوئی جرم سرزد ہو گیا ہو۔

باری گڑبڑا کر رہ گیا۔ (کیا انہیں باخبر کر دیا گیا۔؟)

"جی...... مگر آپ کیلئے کیوں......؟" وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بغور ماہین کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"روشی کے سلسلے میں بات کر رہے تھے کہ اس نے یہ حرکت کیوں کی؟ مجھے ضرور علم ہو گا...... اور نہیں تھا۔ وہ نعیم سے شادی پر رضامند کیوں نہیں ہے؟ آیا کسی کو پسند کرتی ہے؟"

بری طرح الجھ گیا تھا' اسے ماہین کا انداز سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ہیں' انہوں نے کچھ اس طرح گھما پھرا کر سوال کیئے کہ میں بس اتنا کہہ (قابلیت) کے مالک ہیں

اپنا آئیڈیل دیکھتی ہے۔ یا یہ کہ وہ اس کے آئیڈیل پر پورا اترتا ہے"۔

باری کی دلچسپی اپنے عروج پر تھی' اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اگلی بات سننے کیلئے نہایت

پھر انہوں نے فون بند کر دیا۔ مجھے رات پھر نیند نہیں آئی کہ یہ میرے منہ سے کیا نکل گیا۔ کہیں تمہیں کوئی مشکل نہ یہ تو اصل میں تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ناں۔ روشی کا تو فی الحال کچھ اتا پتا نہیں مل رہا"۔ وہ بہت شرمندہ نظر

باری نے اطمینان کا سانس لیا۔ روشی سے متعلق وہ سوال کرنا چاہتا تھا حالانکہ اسے اندازہ تو تھا کہ ماہین ہنوز لا پہلی فرصت میں روشی کی خیریت پوچھتی۔

اندازہ لگانے کیلئے بس یہی پوچھا کہ روشی کے متعلق کیا کہہ رہے تھے۔ اب تو یوں بھی وضاحت ہو گئی تھی۔

تم نے تو کوئی بات نہیں کی انہوں نے اس طرح کی......؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

طرح کی......؟" باری نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کنٹرول کی۔

جو میں ان سے کہہ بیٹھی ہوں"۔ وہ نہایت سادگی سے بولی۔

نہیں انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ بلکہ اتنا اچھا ٹریٹ کیا کہ میں خود کو وی آئی پی فیل کر رہا تھا"۔

سچ"۔ ماہین کو جیسے یقین نہیں آیا۔

قسم کھالوں......؟" اس کا لہجہ نہایت شگفتہ تھا۔

جنٹل مین۔ تھینکس"۔ ماہین کی جان میں جان آئی۔

ان سے؟" باری کا انداز یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

کل انہوں نے خود اپنا تعارف کرایا تھا۔ وہ تو شاید ہماری شادی میں بھی شریک نہیں تھے۔ اور میں نے انہیں نہیں دیکھا۔

الگ تھلگ کیوں رکھتے ہیں خود کو...... کم از کم مجھ سے ایک بار تو ملنا چاہیئے تھا......؟"

مزاج کے ہیں۔ عمر کا زیادہ حصہ انگلش سوسائٹی میں گزارا ہے' یہاں وہاں والوں سے ان کی ہم آہنگی نہیں ہو رشتوں سے چونکہ دور رہ کر زندگی گزاری ہے اس لئے بس فارمل سے ہیں۔ اور تو کوئی بات نہیں"۔

کی رنگ جھلاتے ہوئے بے نیازی سے جواب دیا۔

ڈیسنٹ پرسنالٹی اینڈ ریئل گڈ برادر۔ کم از کم ان سے انڈر اسٹینڈنگ ہونا چاہیئے"۔

"جی ہونا تو چاہیے۔ اور میرا خیال ہے۔ کہ ہے بھی۔ ابھی آپ اندازے لگانے میں جلدی نہ کریں"... احتیاط سے بات کی۔

"ایک بات کہوں' مائنڈ تو نہیں کرو گے؟" ماہین نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں نہیں۔ آپ کہیے"۔ وہ ایک دم اسمارٹ ہو گیا' بالکل چوکس۔

"نمبر ایک جب کوئی آئیں بائیں شائیں کرتا ہے تو میں سمجھ جاتی ہوں کہ مجھے ٹاپک چھوڑ دینا چاہیے' بے وقوف ہر گز نہیں ہوں۔

نمبر دو...... مجھے نہایت دکھ سا محسوس ہو رہا ہے کہ کہاں تو تمہیں نیند نہیں آ رہی تھی۔ راتوں کو بھی آپ ... میں اتنے محو اور مگن ہو کہ یہ بھی یاد نہیں کہ روشنی ہنوز لاپتا ہے"۔ ماہین کے لہجے میں بہت افسوس تھا۔

"یہ بات نہیں ہے۔ آپ لوگوں کی خاطر بھی ہم گھر کے مردوں کو اپنے اعصاب کنٹرول کرنا چاہئیں۔ ورنہ بڑا ... والی بات ہے۔

پلیز آپ آرام کیجیے۔ پھر آپ کو صبح لمبا سفر کرنا۔ وش یو گڈ لک"۔

وہ اس کے پاس سے تیزی سے گزر گیا۔

اور وہ کھڑی یہ سوچ رہی تھی۔ کہ اس کو اس گفتگو سے کیا کچھ اخذ کرنا چاہیے' جو کہ نہایت بے ربط اور مبہم تھی۔

....

"دیکھو آپا...... تمہارا بچہ اوپر برتھ سے گر جائے گا"۔

بالو کی جان سولی پر لٹک رہی تھی۔ بچہ آمنے سامنے کی برتھوں کو اس طرح استعمال کر رہا تھا۔ جیسے فرش پر ... رہا ہو۔ ہر بار بالو کو یوں محسوس ہوتا تھا۔ کہ اب آیا نیچے کہ تب۔

"کیا آپا آپا لگا رکھی ہے۔ میری عمر کی ہو بہن۔ جہاں آرا نام ہے میرا۔ باز نہیں آئے گا۔ عبدالحفیظ..."

"یہ آپ کی لڑکی بار بار کھڑکی سے باہر سر نکال رہی ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے"۔ بجلی کے کھمبوں کے پاس سے یا گھنی جھاڑیوں کے قریب سے تو واقعی بالو کا دم اٹک جاتا۔

"سنے گی نہیں...... کی بچی (موٹی سی گالی)"۔ بالو کی نشاندہی پر عورت کو چھلا ہوا کینو کھانا عذاب ہو گیا۔

تیسری بچی گوٹے سے لت پت لال فراک میں ملبوس بالو کی گود میں چڑھ گئی۔

"میں بھی باہر دیکھوں گی"۔ دوسری کھڑکی کے سامنے بالو کی سیٹ تھی۔

"اندھیرا ہو رہا ہے' کیا دیکھے گی؟ تیرا باپ ناچ رہا ہے باہر۔ چل تو نیچے ادھر آ کر بیٹھ"۔ عورت نے ... نکالے اور پہلے سے فرش پر پڑے ہوئے چھلکوں کے درمیان گویا مزید موتی ٹانکے۔

"یہ جو خالی شاپنگ بیگ ہے۔ آپ چھلکے اس میں ڈال لیتیں"۔ بالو سے رہا نہ گیا۔

"بہن! ہم نے تو چوبیس گھنٹے گزارنے ہیں' تم شاید یہاں رہنے آئی ہو' یا یہ ڈبہ ریل کا ساتھ لے کر...

...بولی۔ بالو کی جان جل کا خاک ہو گئی۔

"چائے والا۔ گرم چائے"۔ ایک آدمی پانچ سات کلو کی کیتلی کے ساتھ جانے کہاں سے نمودار ہوا۔

"امی! چائے پیوں گی"۔ لال فراک والی بچی بڑبڑائی۔

"امی!...... میں بھی"۔ لڑکے نے بھی اوپر سے آدھا دھڑ نیچے لٹکایا۔

"چپ کم بختوں...... نشہ ٹوٹا جا رہا ہے اچھیوں کا"۔ چائے والے نے رک کر "مادرانہ صلواتیں" سنیں اور "کاروبار" کا اندازہ کیا۔ پھر باقی چہروں پر نظر ڈالتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

بچی بالو کی گود سے اتر کر فرش پر لوٹنے لگی۔ "چائے پیوں گی"۔ حالانکہ تھوڑی دیر قبل ہی سب بچے ماں سمیت بوتلیں پی کر فارغ ہوئے تھے۔

"اٹھ رہی ہے کہ لگاؤں دو......؟" ماں نے کینو کی پھانک منہ میں ڈال کر آنکھیں نکالیں۔ کیونکہ صرف "دو" کی دار تھی۔ اور بچی ڈھیٹ تھی۔ لہٰذا مطلق اثر نہ ہوا۔

بچی کی ریں ریں سے اعصاب چٹخنے لگے۔ اس نے بے چارگی سے اطراف میں نظر دوڑائی۔ دو تین خیمہ برقعوں اور ادھیڑ عمر پٹھانیاں اور ایک اردو اسپیکنگ بوڑھی عورت بھی بالو کی طرح بچی کی ریں ریں سے عاجز نظر آ رہی تھیں۔

"لے دو ناں اسے چائے۔ امارا تو سر پٹ (پھٹ) رہا ہے۔ شور سے"۔ ایک پٹھانی سے برداشت نہ ہوا۔

"تم نے پیدا نہیں کیے' یا بے اولاد ہو۔ بچے تو کرتے ہی ہیں اس طرح"۔ عورت پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

"خانہ خراب......!" پٹھانی بڑبڑا کر رہ گئی۔

"آپ کدھر جائیں گے؟" بالو نے ماحول کے اثر سے نکلنے کی خاطر پٹھانی سے بات چیت شروع کر دی۔ حالانکہ گھنٹوں سے ساتھ بیٹھی تھیں۔ مگر "جہاں آرا اینڈ کو" نے وہ آفت مچائی ہوئی تھی کہ الامان۔

"نوشہرہ چھاؤنی"۔

"اور یہ......؟" اس نے دوسری پٹھانی کی طرف اشارا کیا۔

"یہ امارا بڑی بہن اے۔ ہم دونوں کا شادی ایک ہی گھر میں ہوا اے"۔

"آپ سسرال جا رہی ہیں"۔ بالو نے بات برائے بات کی۔

"امارا سسرال' میکہ سب نوشہرہ میں ہے۔ امارا مرد کراچی میں فروٹ کا کام کرتا اے"۔

"پھر تو بڑی آمدنی ہو گی۔ فروٹ والے تو منڈی سے ڈبل ریٹ پر بیچتے ہیں۔ ویسے اتنا منافع بھی جائز نہیں۔ رزق حرام ہی ہوا ایک طرح سے"۔ جہاں آرا بیچ میں مخل ہوئی۔

"حرام خور تو ام کو تو لگتا ہے...... کیسا اپنا مرد کا پیسہ پھینکتا اے' جو بچہ مانگتا اے' خریدتا ہے۔ امارا مرد فجر کو اٹھتا اے۔ ... بارش میں کام کرتا اے"۔

"تو نے مجھے حرام خور کہا۔ سود خور کی قوم سے ہے' اور مجھے حرام خود کہتی ہے۔ مرد تو کماتا ہی اپنے بچوں کیلئے ہے۔ لعنت

تیری شکل پر"۔

جہاں آرا نے زبردست "بھرانہ" لیا۔

"کس پر لعنت بھیجتا ہے۔؟" پٹھانی نے آگے بڑھ کر جہاں آرا کا گریبان دبوچ لیا۔

بالو کی طبیعت اندر کسی زاویے سے مطمئن ہوئی کہ اب ملا ہے اس جہاں آرا کی بچی کو سوا سیر۔ پٹھے دو کمبخت...

پٹھانی ہے۔

مگر جب دونوں طرف سے ہاتھا پائی شروع ہوگئی۔ اور بچوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا تو وہ زیادہ دیر ...

سکی۔ دوسری خواتین بھی بالکل ٹھس بیٹھی ہوئی تھیں۔ بلکہ دوسرے کمپارٹمنٹ کی خواتین نے بھی آ آ کر جھانکنا شروع کر ...

اٹھ کر بیچ بچاؤ کرانے لگی۔

پٹھانی نے ایک ہاتھ سے اسے پرے دھکیل دیا۔ وہ دھپ سے سیٹ پر جا گری۔

دوسری پٹھانی نے کھڑے ہو کر دونوں کو الگ الگ کیا کہ وہی کر سکتی تھی۔

"چوڑو (چھوڑو) اس کو لعنت کرو بیٹو (بیٹھو) آرام سے"۔ اس نے اپنی بہن کو سیٹ پر بٹھایا۔

جہاں آرا کلائی سے ٹوٹی ہوئی چوڑیاں جھاڑنے لگی۔ اس کے روکھے بال جھاڑ جھنکاڑ بن چکے تھے۔ بچے سہم کر ماں ...

قریب آ بیٹھے تھے۔

تھوڑی دیر کو وہاں سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ صرف ٹرین کی چھکا چھک سنائی دے رہی تھی۔

"تم پشاور جا رہی ہو۔؟" اردو اسپیکنگ بڑی بی نے بالو کو مخاطب کر کے خاموشی توڑی۔

حالانکہ ابھی وہاں "جنگ" کا ماحول طاری تھا۔ دونوں حریف گاہے گاہے ایک دوسرے کو خونی نظروں سے دیکھ ...

تھیں۔

"ٹکٹ"۔ والا کہہ رہا تھا۔ پشاور سے تمہاری منزل دور پڑے گی۔ اس سے پہلے کسی اسٹیشن پر اتر کر بس یا کوئی اور سواری

لے لینا۔

پشاور سے پہلے کیا آتا ہے؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔ بڑی بی تعجب سے بالو کو دیکھنے لگیں۔

"نوشہرہ...... حسن ابدال۔ اٹک"۔

"ہاں...... ہاں...... میں حسن ابدال اتروں گی"۔ اس نے بڑی بی کو بیچ میں روک دیا۔

"پہلی مرتبہ جا رہی ہو......" بڑی بی بڑی پہنچی ہوئی تھیں۔

"لگتا ہے یہ تو ریل گاڑی میں ہی پہلی مرتبہ بیٹھی ہے"۔ جہاں آرا نے گدھے کے کان اینٹھے جانے کیا کھا کر پیدا کیا تھا

اس کی ماں نے۔

دانش مند بڑی بی نے باقی "انٹرویو" موخر کر دیا۔

....

... ماہین نے عالم تاب کی خواب گاہ سے نکلتی کلو کو آواز دی۔

"جی بی بی"

"سرسوتی کو بھیجنا میرے پاس۔ ابھی"۔ ماہین اسے کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور وارڈ روب کھول کر کپڑے نکالنے

... کی تیاری تھی۔

تھوڑی دیر بعد سرسوتی نے دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ"۔

"جی بی بی"۔

"سرسوتی مجھے جھومر کے پاس جانا ہے"۔

"ہاں بی بی...... تے فیر چلو...... (تو پھر چلو)"۔ وہ مستعد ہو گئی۔

"ابھی نہیں۔ ابھی تو سب جاگ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد آنا۔ میں اتنے میں پیکنگ کر لوں۔ کوک وغیرہ رکھ لینا بہت

... لگتی ہے"۔

سرسوتی واپس چلی گئی۔ ماہین سوٹ کیس میں کپڑے رکھنے لگی۔

اس کے چہرے پر اتنے سوال بکھرے ہوئے تھے کہ امتحانی پرچہ بنا ہوا تھا۔

وہ ہری پور جانے سے پہلے چند سوالوں کے جواب چاہتی تھی۔ جس نے اس کو الجھن میں مبتلا کر رکھا تھا۔

اس نے کپڑے رکھنے کے بعد اور دوسری ضروری اشیا بھی رکھیں۔ اچھا خاصا ٹائم ہو گیا تھا۔

"پھر سرسوتی آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں کھجور کی باسکٹ تھی جس میں کھانے پینے کی چیزیں تھی۔

وہ آف وہائٹ بڑی سی چادر اچھی طرح اوڑھ کر سرسوتی کے ساتھ چل پڑی۔ اور مخصوص راستے سے گزر کر جھومر کے

کمرے تک پہنچ گئی۔

سرسوتی نے دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔

ماہینا نے خود آگے بڑھ کر دروازہ دھکیلا۔ کمرا خالی تھا۔

"شاید باتھ روم میں ہے؟"

"تساں بہہ جاؤ۔ بس ای آئی"۔ سرسوتی باسکٹ رکھ کر باہر چلی گئی۔

ماہین کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور انتظار کرنے لگی۔

سرسوتی فوراً ہی جھومر کو لے کر آ گئی تھی۔

"کہاں تھیں؟" اس نے مسکرا کر جھومر سے دریافت کیا۔

"وہ تیا...... اپنا بے جوڑ سہیلی کے پاس۔ لگتا ہے آپ کا بھی دل لگ گیا ہے ہمارے گروپ میں"۔ جھومر ہنس پڑی۔

"ہمم...... وہ دراصل مجھے اس عورت سے ملنا ہے جس کا بڑا شاعرانہ سا نام ہے وہ میری بہن کے عہد کی عورت ہے

......اور...... خیر کیا وہ سوگئی؟"

ماہین نے بات ادھوری چھوڑ کر سوال کیا۔

"نہیں...... اس بے چاری کو نیند کہاں۔ اور وہاں بیٹھنے کی جگہ کہاں۔ ایسا کرتی ہوں' اسے بٹھاتے...

منٹ"۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

ماہین سامنے لگی پینٹنگ کو خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد زنجیریں چھنکنے کی آواز آنے لگی۔ دکھ سے ماہین کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"السلام علیکم"۔ عورت نے اندر قدم رکھتے ہی سلام کیا۔ اور دو قدم آگے آ کر کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

"وعلیکم السلام"۔ ادھر اوپر بیٹھ جاؤ"۔ ماہین نے صوفے کی طرف اشارا کیا۔

"کیا سمجھ رہی ہیں آپ...... غلام زادی ہوں' نام پر نہ جائیں۔ آپ نے سنا نہیں۔ آنکھ سے اندھے نام نین...

جھومر بی بی ہیں جو کہنے کے باوجود فرق مٹا کر بات کرتی ہیں۔ کہتی ہیں۔ میں تم ہی میں سے ہوں۔ حالانکہ مالک...

تو ہماری مالکن ہی ہوئیں"۔

انسانوں کو ترسی عورت بغیر سانس لئے بولتی چلی گئی۔

"آئے نہیں ظفری"۔ ماہین نے جھومر کی طرف دیکھا۔

"یوں تو نہ کوسیں مجھے"۔ وہ باسکٹ سے چیزیں نکالتے ہوئے سرپیٹ کر گویا ہوئی۔ ماہین تو ایک لمحے کو ڈر گئی۔

"روشی بی بی کا پتا چلا؟" عورت کو کتنی دلچسپی تھی حویلی کے معاملات سے۔

"نہیں"۔ ماہین نے دکھ سے کہا۔

"بے چارے یاور خاناں"۔ عورت کے لہجے میں بھرپور تاسف تھا۔

"کیا مطلب' بے چارے؟" ماہین نے کھوجنے کے انداز میں اس کا چہرا دیکھا۔

"مطلب یہ کہ ان کی ایک ہی تو بیٹی تھی"۔

"ہے"۔ ماہین نے اس کی بات درمیان میں کاٹ دی۔ دل ہول کر رہ گیا۔

"مجھے سب یاد ہے۔ میں کچھ نہیں بھولی"۔ مطربہ کی آواز بھرا گئی۔

"مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ بہت بھروسا کرتی تھیں' کہتی تھیں' مطربہ تیری شکل کتنی پیاری ہے۔ میں حسن...

پرست ہوں۔ خوبصورتی کے بیچ رہوں تو خوش رہتی ہوں۔ آس پاس حسن نظر نہ آئے تو یوں ہو جاتی ہوں جیسے بیمار...

خود ہی ہنس پڑتی تھیں۔ وہ بہت خوش رہتی تھیں۔ بہت ہنستی تھیں"۔

مطربہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ماہین' جھومر اور سرسوتی حیران پریشان اسے دیکھنے لگیں۔

"آپ کو بتا دوں' ان کی ہنسی میں نے چھینی تھی۔ انہیں باسی سبزی میں نے بنایا تھا۔ انہیں جیتے جی میں نے ...

...بیٹھے ہوئے کہہ رہی تھی۔

...بدمزہ اور بدصورت لگنے لگی تھی۔

...ماہین کو وہ کڑوا اور بدصورت... میں تو سمجھ رہی تھی' وہ ہنستی ہوئی چلی گئیں۔ جیسے کہ لوگ چلے ہی جاتے ہیں"۔

"کیا کیا تھا تم نے ان کے ساتھ......؟ وہ یوں کہ یاور علی خان کی مختلف بدلتی کیفیات

...ماہین کو گھرا شاک لگا تھا۔ وہ تو اپنی بہن کے ماضی کے قصے سننے آئی تھی۔

...الجھن میں ڈال دیا تھا۔

"نہ پوچھیں کہ میں نے کیا کیا......؟"

...اسی دم دروازے پر دستک ہوئی۔ ماہین کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

جھومر تیزی سے دروازے کی سمت بڑھی اور دروازہ تھوڑا سا کھول کر جھانکا۔

"آپ تو رعایت سے ناجائز فائدہ اٹھاتی ہیں۔ یہ سیاسی قیدی نہیں جسے آپ "اے سی" میں بٹھاتی ہیں۔ لایئے چابی

...بہت ہو چکا تماشا۔ اور اسے بھی باہر نکالیں"۔ ماہین کے کانوں میں باری کی آواز آئی۔

اس کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ مار کر دروازہ دھڑ سے کھول دیا۔ اور ایک دم ٹھٹک کر رہ گیا۔

"آپ...... یہاں اس وقت؟" وہ بس یہی کہہ سکا۔

مطربہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ماہین نظریں جھکا کر رہ گئی۔

"اسے کچھ مت کہنا باری...... میں نے بلوایا تھا"۔ اس نے آہستگی سے کہا۔

مطربہ آگے چل پڑی۔

باری کچھ الجھی اور کھوجتی نظروں سے ماہین کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"آپ اسے کیسے جانتی ہیں"۔ اسے خاصی تشویش تھی۔

"ایک گھر میں رہتے ہوئے واقفیت ہو جانا کوئی تعجب کی بات تو نہیں"۔ ماہین کو برمحل جواب سوجھ گیا۔

"لایئے۔ چابی مجھے دیجئے"۔ اس نے جھومر کو مخاطب کیا۔

"ایک منٹ۔ دے رہی ہو۔ آج کل تو جناب والا یوں بھی اپ سیٹ ہوں گے۔ پریشان لوگوں کو اور کیا پریشان کرنا"۔

جھومر نے بیڈ سے چابی اٹھا کر اسے تھماتے ہوئے بڑے معنی خیز انداز میں کہا۔

"چلئے گا؟" باری نے ماہین کو مخاطب کیا۔ گویا جھومر کی بات سنی ان سنی کر دی۔

ماہین اٹھ کھڑی ہوئی۔ تھکی تھکی سی کہ خلش اپنی جگہ موجود تھی۔

"خدا حافظ جھومر! کل تو میں ہری پور چلی جاؤں گی۔ اللہ کرے روشی کا پتا لگ جائے۔ دعا کرنا"۔

باری باہر دائیں طرف مڑ گیا تھا' غالباً تالا لگانے گیا تھا۔ سرسوتی بھی اپنی باسکٹ اٹھا کر ڈرتی سہمتی ماہین کے پہلو میں آ...

...کھڑی ہو گئی تھی۔

"تمہارا ...سفر کرنا پڑے گا سرائے۔ بہت زیادہ کام کرنے لگی ہو کمیشن پر"۔ باری ان کی طرف واپس مڑتے ہوئے

سرسوتی سے مخاطب ہوا۔

''میں لائی تھی اسے۔ پلیز کچھ نہ کہنا''۔ ماہین نے سفارش کی۔

''مت سر چڑھایئے اتنا۔ اس حویلی کو سر چڑھی خادمائیں راس نہیں آتی''۔ وہ جانے کس دھن میں کہہ گیا وہ بات جو کمرے میں ادھوری رہ گئی تھی۔ اس میں اور باری کے جملے میں کتنا واضح ربط تھا۔

''مثلاً' میرا مطلب ہے یعنی؟'' ماہین بھلا چپ رہتی۔

''یعنی کچھ نہیں' آپ صبح کتنے بجے روانہ ہوں گی؟'' اس نے عام سے لہجے میں بات پلٹ دی۔

''تم یہاں کے سب سے بڑے بھیدی ہو' بے وقوف سمجھتے ہو مجھے''۔ وہ چڑ گئی۔

''خدانخواستہ۔ آپ اتنی سیریس نہ ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ روشی بی بی والا قصہ ہی فی الحال کافی ہے''۔

ایک خوبصورت سا احساس اس پر چھا گیا تھا جیسے چاند کے گرد ہالہ۔

''ہاں یہ تو ہے' مجھے تو یاور صاحب کی فکر پڑ گئی ہے۔ کہیں ٹینشن زیادہ نہ لے لیں''۔ ماہین فکرمندی سے بولی۔

''جی...... خیر پریشانی کو ذہن سے جھٹک کر اچھی امید رکھیئے کہ اچھی خبر ہی سننے کو ملے گی۔ انشاء اللہ''۔

اس کے ہونٹوں پر بڑی مبہم سی مسکراہٹ تھی جو اندھیرے میں ماہین کو نظر نہیں آسکتی تھی۔

''آمین''۔ ماہین نے دل و جان سے کہا۔

....

رات کے دو بجے کا عمل تھا۔ جب عالم تاب نے ماہین کے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑایا' ماہین کو یونہی جھونک سی آئی تھی وہ بدحواس ہو کر اٹھ بیٹھی۔

''کون؟''

''میں ہوں۔ باہر آؤ جلدی سے بابا صاحب بلا رہے ہیں۔ ان کی حالت اچانک بگڑ گئی ہے''۔ بند دروازے کے پیچھے سے سب کچھ کہہ دیا گیا۔

ماہین دوپٹا سنبھالتی بڑی تیزی سے دروازہ کھول کر باہر آئی تھی۔

''جلدی آؤ ماہین!'' وہ اس سے آگے آگے چل پڑیں۔

کمرے میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ بڑے ابا اور بصیر چچا دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے۔ جبکہ وہ تمام لڑکے جن سے اتفاق سے پہلے راؤنڈ میں ملی تھی۔ وہاں موجود تھے۔ تمام لڑکیاں' سمیہ بھابی اور بابا صاحب کی بہوئیں بیٹیاں بھی دم سادھے کھڑی ہوئی تھیں۔

''بابا صاحب! یہ ماہین آگئیں''۔

اسی دم دروازہ کھلا اور باری اندر داخل ہوا۔

''فون کر دیا دونوں کو؟'' عالم تاب نے استفسار کیا۔

''جی''۔

''آؤ ماہین' وہاج راستہ دو''۔ عالم تاب نے کہا۔ وہاج فوراً ایک طرف ہو گیا۔

ماہین دم بخود سی ان کے قریب چلی آئی۔ اور بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

''ماہین! ہم نے کچھ نہیں کمایا۔ روشی نے ہمیں قلاش کر دیا۔ دیکھو بس ہمارے دماغ کی شریان پھٹنے والی ہے۔ ہم دنیا کے مفلس ترین لوگوں میں سے ہیں''۔ ان کی آنکھوں سے دو موتی ڈھلک گئے۔

''دیکھو یاور بہت دکھی ہیں۔ ان کا خیال رکھنا۔ اور سب کے پاس سب کچھ ہے۔ اس کے پاس صرف تم اور جواد ہو۔ ہم تم سے کچھ نہیں چھپائیں گے ہم نے عالم تاب کو تاکید کی ہے کہ''۔

''گاڑی تیار ہے خان''۔ ڈرائیور نے اندر آ کر باری کو مخاطب کیا۔

جواد' وہاج' مصور' باری بابا صاحب کو اٹھانے کیلئے آگے بڑھے۔ باقی لوگ ایک طرف ہو گئے۔

بمشکل بابا صاحب کو گاڑی تک لے جایا گیا۔ جتنے لوگ لینڈ کروزر میں سما سکتے تھے بیٹھ گئے۔

ساری حویلی کی لائٹیں جلا دی گئی تھیں۔

عالم تاب وہیں ستون سے ٹیک لگا کر رونے لگیں' وہ ان کے سسر ہی نہیں حقیقی تایا بھی تھے۔

''ہائے روشی' تو ہی چلی جاتی دنیا سے' اب تو تیری دی ہوئی ذلت بھی ہے اور بے سائبانی بھی''۔

ماہین کے احساسات عجیب سے ہو گئے۔

وہ ہال کمرے کی طرف آگئی۔ سب لڑکیاں بھی جاگ چکی تھیں۔ اور بالکل چپ چاپ بیٹھی ہوئی تھی۔

''اگر خدانخواستہ بابا صاحب کو کچھ ہو گیا تو عمر بھر کیلئے یہ بات ہو جائے گی کہ روشی کی وجہ سے یہ سب ہوا''۔ روبی نے ماحول پر چھائی خاموشی توڑی۔

''اور کیا۔ اللہ کرے بابا صاحب ٹھیک ہو جائیں''۔ تانیہ نے جلدی سے دعا کی۔

''انتہائی سیلفش نیس ہے کہ انسان اپنے علاوہ اور کسی طرف دھیان ہی نہ دے''۔ شینو تلخی سے گویا ہوئی۔

''اس طرح کی باتیں اس وقت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بہتر ہے کہ بابا صاحب کیلئے دعائے صحت کی جائے''۔ گلو نے ہمیشہ کی طرح بہت سوچ سمجھ کر بات کی۔ کچھ لڑکیاں اسی وقت وضو کرنے چلی گئیں۔

ماہین کا رواں رواں جتلائے اندیشہ اور دعا گو تھا کہ کسی طرح بابا صاحب ٹھیک ہو جائیں' ورنہ روشی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے باپ کو کھو دے گی۔

اس کا ذہن تو پہلے ہی الجھا ہوا تھا۔ جاتے جاتے بابا صاحب اور الجھا گئے تھے۔ وہ کیا ہے جو آج تک چھپایا گیا۔ اور اس کا مجھ سے کیا تعلق؟ وہ مزید الجھن میں پڑ گئی تھی۔

اتنے لوگوں کی موجودگی میں مسلسل خاموشی بھی بہت محسوس ہونے لگتی ہے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی کہ اس طرح بیٹھنے کا فائدہ بھی کیا۔ دو رکعت نماز قضائے حاجت ہی پڑھ لے۔ اسے اگر دور تک کی فکر تھی تو بس روشی کی تھی۔ بس یہی دھیان میں آئے جا رہا تھا

کہ بابا صاحب کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

....

دستک اتنی زور سے ہو رہی تھی کہ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"جی.....کون؟"

"دروازہ کھولو روشانے!" تیمور علی خان کی آواز آئی۔

وہ ساری جان سے کانپ گئی۔ اس وقت۔ کاکا جان۔ وہ اچھل کر بیڈ سے نیچے آئی۔ بڑی بدحواسی سے دروازہ کھو...

"جی کاکا جان؟"

"چادر اوڑھو روشانے۔ اور چلو" وہ انتہائی سنجیدہ تھے۔

"جی کہاں؟" وہ بے حد پریشان ہوگئی۔

"وقت نہیں ہے بالکل۔ ہری اپ" وہ قدرے برہم انداز میں گویا ہوئے۔ روشی سہم گئی۔ جلدی سے پاؤں میں ...
ڈالی اور دوپٹہ گلے میں ڈال کر چادر اوڑھ لی۔ اور تیمور علی خان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

ڈرائیور جیپ کے پچھلے دروازے کھولے ہوئے منتظر کھڑا ہوا تھا۔ تیمور علی خان نے پہلے روشی کو بیٹھنے کیلئے کہا پھر خود ...
کے برابر میں بیٹھ گئے۔

موبائل فون ان کے ہاتھ میں تھا۔

"شیر گل! اندر کی لائٹ جلاؤ"۔ تیمور علی خان نے فون سیٹ کیا۔

فوراً اندر روشنی ہوگئی۔ تیمور علی خان نمبر پش کرنے لگے۔

روشی کبھی ان کے چہرے کی طرف، کبھی ان کی ان متحرک انگلیوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ہاں۔ کون۔ بیہ؟"

"ہوں، راستے میں ہوں۔ کون سے ہاسپٹل میں؟ ٹھیک ہے، اچھا دیکھو۔ ہاسپٹل سے فون آئے تو نمبر لے لینا۔ میں ...
کال کروں گا۔ او کے"۔

روشی دم بخود ان کی شکل دیکھ رہی تھی۔ کاکا جان بیہ سے بات کر رہے تھے۔ جس سے ظاہر تھا کہ بڑی حویلی میں ...
ہے۔ کون بیمار ہے؟ تیمور علی خان کے چہرے سے جو تاثرات اسے نظر آ رہے تھے، ان کی وجہ سے اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی
کہ کوئی سوال کرے۔

"بابا صاحب کی حالت بہت خراب ہے روشانے، اگر انہیں کچھ ہوگیا تو ان کا قتل تمہارے ذمے"۔ وہ بہت ...
تھے۔

روشی کی تو جیسے جان نکل گئی۔ یوں بھی اس کا مسئلہ حل ہو چکا تھا۔ ذہن کی اسکرین سے خواہش، ضد جیسے جذبات کے
بادل صاف ہو چکے تھے۔ اپنے تمام پچھلے اقدامات کی بدصورتیاں سامنے سر، قد آ کھڑی ہوئی تھیں۔

"مجھے، بہو گران کی حالت اور بھی بگڑ سکتی ہے کاکا جان؟" وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

"اب بہ تر ین زہر بھی تم ہوں اور تریاق بھی۔

ہمیں اس وقت موجود رشتوں میں سوائے اپنے باپ کے اور کوئی نظر نہیں آ رہا، ان سے دکھ بھی ملے ہیں، مگر سب سے
... بیتیں بھی ہم نے ہی پائی ہیں"۔

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگئے۔

"بابا صاحب اس لئے بیمار تو نہیں ہوں گے کہ انہیں میرا فراق ستا رہا ہوگا۔ وہ تو اس لئے بیمار ہوئے ہوں گے کہ لوگ کیا
کہیں گے۔ ٹھیک ہے، میں خود سر ہوں لیکن ایک انسان کی حیثیت سے میرا حق نہیں کہ میری بات سنی جائے۔ مجھ میں بہت
زیادہ ہیں مگر اتنی جرات تو نہیں تھی کہ میں باری کا نام لے کر حویلی میں بازگشت کا اہتمام کر دیتی۔

مجھے بھی تو اپنی مرضی سے شادی کرنا تھی نہ اب ج سے نہ زید سے نہ بکر سے۔ میں کسی ان چاہے مرد کو خود سے قریب برداشت ہی نہیں
کر سکتی۔ مجھے کوئی بوجھ جیسا رشتہ برداشت نہیں ہو سکتا نہ عمر بھر کا بوجھ، بابا صاحب اتنا تو کر لیتے کہ میری بات سن لیتے۔
انسانی حیثیت تو ہمیں دی جائے۔ ہم ان کی جاگیر کی زمین کے ٹکڑے تو نہیں ہیں۔ جیتے جاگتے انسان ہیں۔ ایک شخص جس
کی بیک سے مجھے انسیت نہیں۔ اسے اپنی انمول ذات، اپنی انا سونپ دوں؟ کیا میں انسان نہیں؟ استعمال ہونے والی شے
ہوں"۔

تیمور علی خان نے اسے احساس جرم میں مبتلا کیا تو اندر سے "آگہی" کا واویلا شروع ہوگیا۔

وہ خود ہی اپنی وجہ سے بیمار ہوئے ہیں۔ بے وزن دیواروں جیسے اصول بنانے والے آخر کار زحمت اٹھاتے ہیں۔

انسان کی ذات کو تو روشن اور بڑے بڑے دریچوں اور دروازوں والی عمارت کی طرح ہونا چاہیے۔

کہ فضا، ماحول، موسم ہر تبدیلی کا پتا چلتا رہے۔ تدبیر اور انتظام ہوتا رہے۔

پھر شعور کمانے والے راستے پر ڈالنا ہی نہیں چاہیے تھا کہ اپنی ذات کے ہونے کا احساس ہی نہ ہوتا۔

اگر کوئی بات کرنا چاہے تو اس کی بات تو سننا چاہیے۔ باقی مراحل تو بعد کی باتیں ہیں۔

"ہیلو۔ ہوں۔ والسلام"۔

"ہاں۔ لکھو۔ ایک منٹ۔ انہوں نے جیب سے قلم نکالا اور روشی کا ہاتھ تھام کر ہتھیلی سامنے کی۔ پہلے تو وہ سمجھی نہیں۔ گڑبڑا
... گئی پھر فوراً ہی سمجھ گئی۔

"آپ بولیے کاکا جان! میں لکھتی ہوں"۔ اس نے قلم ان کے ہاتھ سے لے لیا۔ تیمور علی خان نے دو نمبر نوٹ کرائے
... دیے۔

"گوہر تاری تمی ایمرجنسی میں ہیں اور ابھی کچھ پتا نہیں چلا کہ کیسی طبیعت ہے۔ سٹی ہاسپٹل میں ہیں۔
شیر گل! سٹی ہاسپٹل چلنا ہے"۔

... تاکید کر کے ایزی ہو کر بیٹھ گئے۔

روشی نے قلم ان کی طرف بڑھایا۔ جو انہوں نے جیب میں اٹکا لیا۔

....

کئی گھنٹے کا کرب انگیز سفر تمام ہوا۔ سٹی ہاسپٹل کے پارکنگ لاٹ میں جا کر جیپ رک گئی۔ اپنے ہاں کی بڑی
روشی نے دور ہی سے پہچان لیا تھا۔ یہ تو گاڑی ہی میں پتا چل گیا تھا کہ بابا صاحب کی حالت اب خطرے سے
جہاں یہ بات باعث طمانیت تھی' وہاں آگے پیش آنے والے حالات اسے اعصابی خلجان میں مبتلا کیے ہوئے ہوئے تھے
"تم یہیں بیٹھو روشانے! ہمارا انتظار کرو"۔ تیمور علی خان نے جیپ سے اترتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

تیمور علی خان کی شخصیت میں ایسی بات تو تھی کہ وہ اس سے خوش نظر نہیں آ رہے تھے۔ متفکر بھی تھے۔ اس کے باوجود
کی ذات سے عجیب تقویت کا احساس بہر حال مل رہا تھا۔

وہ اندر چلے گئے۔

وہ باہر نظریں دوڑانے لگی۔ شیر گل بھی اتر کر ٹہل رہا تھا۔

معاً اس نے محسوس کیا کہ پیچھے کوئی گاڑی آئی ہے۔ اس نے صرف گردن موڑ کر پیچھے دیکھا مگر فوراً ہی سیدھی ہو گئی۔
پوٹھوہار جیپ سے یاور علی خان اتر رہے تھے۔

اس کا دل بڑے زور سے دھڑکا تھا۔ اس نے چادر پیشانی پر مزید کھسکا لی تھی۔ یہ ایک بے ساختہ مگر اضطراری عمل تھا۔
پھر اس نے یاور علی خان کو کاریڈور کی طرف بڑھتے اور ایک طرف مڑتے ہوئے دیکھا۔

"یہاں تو کچھ اور ہی سن نہ ہو جائیں"۔ اسے اندیشے ستانے لگے۔

اسے تقریباً آدھا گھنٹہ ہو گیا۔ کوئی باہر آتا دکھائی نہیں دیا تھا۔ شیر گل بھی ایک بنچ پر بیٹھ چکا تھا۔

معاً اس کی نظر وہاج پر پڑی جو میڈیکل اسٹور کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"یا اللہ۔ کیا سب آئے ہوئے ہیں؟" وہ مزید فکر مند ہو گئی۔

وہاج کے اندر جاتے ہی اس نے دیکھا۔ تیمور علی خان باہر آ رہے ہیں۔ وہ ایک دم سنبھل کر بیٹھ گئی۔

تیمور علی خان نے اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔

"آؤ روشانے!" ان کا چہرہ نہ جانے کیوں نیا محسوس ہوا جیسے وہ کوئی اور ہوں۔

"کا کا جان!"

"ایزی۔ نو پرابلم۔ ہم نے کہہ دیا ہے کہ تم نے ہمیں فون کر کے اپنی پریشانی بتا دی تھی۔ اس لئے ہم نے شیر گل بھیج کر
تمہیں "سرائے" بلوا لیا تھا۔ درمیان میں کچھ ایمر جنسیز ہو گئیں' اس لئے ہم بڑی حویلی پہنچ کر بات نہیں کر سکے۔ ہم بابا صاحب سے
بات کرنا چاہتے تھے۔

دراصل جو ایمر جنسیز ہم نے بابا صاحب کو بتائیں' وہ اتنی رئیل اور سچی ہیں کہ ان کو یقین کرنا پڑے گا۔ کہ اب تم
دوسری صورت میں اگر وہ یقین نہیں بھی کریں تو تمہیں کیا فرق پڑے گا؟

وہ ہمیں جھٹلائیں گے۔ مگر کسی بھی صورت میں وہ اسٹرونگلی ری ایکٹ نہیں کر سکتے کہ تم ہماری سپورٹنگ بیس پر ہو"۔
اس کو ذہنی طور پر تیار کرنے کیلئے وہ اس سے آہستہ آہستہ مخاطب تھے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی سمت دیکھ رہی
تھی۔ کا کا جان ایسے تو نہیں تھے۔ اب کیوں ہو گئے ہیں ایسے۔
وہ تو بچپن ہی سے انہیں دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتی تھی۔ حالانکہ انہوں نے کبھی کچھ نہیں کہا تھا۔ وہی کیا حویلی کے سب ہی
بچے ان سے ڈرتے تھے۔
انہیں بڑی حویلی میں پا کر ادھر ادھر ہو جاتے تھے۔ ایک بصیر چچا ہیں جن کے کان کی میل تک گھر کے بچوں نے چیک کر
لی ہو گی۔ بچوں میں بچے بنے رہتے تھے۔ تیمور علی خان تو پھر ان سے چھوٹے تھے۔
اس نے بے ساختہ تیمور علی خان کا ہاتھ تھام کر ہاتھ کی پشت پر بوسہ دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔
"کا کا جان! میں اپنی نظروں میں گر چکی ہوں' میں اس طرح کے سلوک کی حقدار نہیں ہوں۔ مجھے میرے حصے کی سزا
دے دیں"۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں گویا ہوئی۔ اور جیپ سے نیچے اتر آئی۔
تیمور علی خان آگے اور وہ ان کے پیچھے چل پڑی تھی۔
کاریڈور میں پہنچ کر اس کی رہی سہی جان بھی نکلنے لگی۔ گھر کے تقریباً سب ہی لڑکے اور مرد وہاں موجود تھے۔ اس نے
پست نظریں جھکا لی تھیں۔ یوں جیسے انتہائی قبیح فعل کی مجرمہ بھری عدالت میں ہو۔
تیمور علی خان ایک لمحے کیلئے بھی نہیں رکے' سیدھے چلتے گئے۔ ان کی تقلید میں وہ بھی۔
بابا صاحب بالکل۔ ست لیٹے ہوئے تھے۔ چہرہ سرخ اور تمتما رہا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ وہ تیمور علی خان کی پشت پر تھی۔
انہوں نے برابر آنے کا اشارا کیا۔
اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ اور اس پر یہ احساس کہ شیشے کہ اس پار سب کھڑے دیکھ رہے ہیں۔
تیمور علی خان نے باپ کا ہاتھ آہستگی سے اپنے ہاتھ میں لیا تو انہوں نے فوراً آنکھیں کھولیں۔ تیمور علی خان ان پر جھکے
ہوئے تھے۔ سیدھے ہو گئے اور روشی کی طرف اشارا کیا۔
بابا صاحب کی آنکھوں کی پتلیاں لحظے بھر کو ساکت ہو گئیں۔ جیسے انہیں یقین نہ آ رہا ہو۔ چند لمحے انہوں نے اس کی
طرف دیکھا' پھر آنکھیں موند لیں اور گہرا سانس لیا۔
"روشانے! تم جیپ میں بیٹھو۔ بڑی حویلی ہم خود چھوڑ کر آئیں گے"۔ وہ سرگوشی والی آواز میں گویا ہوئے۔
وہ دروازہ کھول کر باہر آنے لگی۔ مگر ایک دم رک گئی اور پلٹ کر تیمور علی خان کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ بھی اس کی طرف
سوالیہ انداز میں دیکھنے لگے تھے۔
وہ ان کے قریب چلی آئی۔
"کا کا جان۔ وہ۔ چچا۔ جواد بھائی"۔ وہ جیسے ان کے کان میں بولی۔
"اوہ"۔ تیمور علی خان نے شیشے کے پار دیکھا۔ اور گویا ہوئے۔

''آؤ ہمارے ساتھ''۔

سیاہ شلوار قمیض' نازک وضع کی مگر مضبوط چپل پہنے ہوئے تیمور علی خان اپنی ٹھٹھکا دینے والی مردانگی کے ساتھ سائبان سا محسوس ہو رہے تھے۔ مگر نہ جانے کیوں اسے تاثرات میں وہ بہت سرد محسوس ہو رہے تھے۔

وہ آگے بڑھے اور دروازہ کھول کر باہر نکلے تو اس نے لپک کر ان کا بازو تھام لیا۔ سامنے یا دائیں بائیں دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔ بس ان کا بازو تھامے چلتی چلی گئی۔

کاریڈور سے باہر آ کر اس نے تیمور علی خان کا بازو چھوڑ دیا۔

شیر گل انہیں آتا دیکھ کر بنچ سے کھڑا ہو گیا۔

''بڑی حویلی چلو شیر گل''۔ وہ جیپ کا دروازہ کھولتے ہوئے گویا ہوئے' اسے جیپ میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

....

حویلی میں داخل ہوتے ہی اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

''بھائی صاحب (بڑے ابا) اور بصیر چچا کو میں نے سمجھا دیا ہے۔ وہ تم سے اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔ ڈونٹ وری''۔

(اور پپا؟) وہ پوچھنا چاہتی تھی جانے کیا سوچ کر چپ ہو رہی۔

''آؤ''۔ صبح نمودار ہو چکی تھی۔ ہلکا ہلکا اجالا پھیل رہا تھا۔

وہ تیمور علی خان کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی کے گھر پہلی مرتبہ آئی ہو۔ بار بار...... عالم تاب کا خشونت بھرا چہرا سامنے آ رہا تھا۔ سرسوتی جانے' کس کام سے باہر آئی تھی' روشی کو دیکھ کر الٹے پاؤں دوڑ گئی۔ اس کی آواز اندر تک آ رہی تھی۔

''روشی بی بی آساں۔ تیمور خاناں نال۔ بیگم جی روشی بی بی''۔

اندر جیسے کھلبلی مچ گئی۔

عالم تاب لڑکیوں کے ساتھ ہال میں ہی تھیں۔ جہاں نوافل کا سلسلہ جاری تھا۔

ثانیہ تو نیت توڑ کر بھاگی۔

جو نیت سے آگے کے مراحل۔ طے کر چکی تھیں' انہیں سلام پھیرنے کی جلدی ہو گئی۔ البتہ عالم تاب نے بڑے سکون سے نماز مکمل کی۔ باقی خواتین اپنے اپنے کمروں میں تھیں۔ سمیہ بچے کو دودھ پلانے جا چکی تھی۔ ماہین بھی اپنے کمرے میں تھی۔

تیمور علی خان ہال میں داخل ہوئے۔

جو لڑکیاں سلام پھیر چکی تھیں' وہ اپنی اپنی جگہ' رک گئیں۔

''السلام علیکم''۔ تیمور علی خان نے اپنے مخصوص سٹائل میں بھاوج کو سلام کیا۔ مختلف کونوں سے آوازیں ابھریں۔

''السلام علیکم کاکا جان''۔

''بھابی بیگم! آیئے آپ کے کمرے میں چلتے ہیں''۔

''روشی تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ شاباش''۔

''بابا صاحب کیسے ہیں تیمور؟ تم یہ بتاؤ؟'' انہوں نے برہمی اور ناگواری سے جاتی ہوئی روشی کو دیکھا۔

''شکر ہے اب ان کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ آیئے بھابی بیگم''۔

''یہ ''سیاپا'' کہاں سے اٹھا لائے۔ گولی کیوں نہ ماردی تم نے۔ تم بھی تو اسی خاندان سے ہو۔ کس منہ سے آئی ہے یہاں''۔ وہ زیادہ دیر ضبط نہ کر سکیں۔ بھڑک اٹھیں۔

''اگر آپ کہیں گی تو واپس اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے ہم۔ مگر پہلے کچھ بات چیت تو کر لیں آپ سے۔ آیئے''۔

عالم تاب نے ان کے جملے پر بری طرح چونک کر ان کی شکل دیکھی تھی۔

''تیمور۔ تت۔ تم؟''

''پلیز بھابی بیگم؟'' وہ جیسے زچ ہو گئے۔

لڑکیاں انتہائی ذوق وشوق سے تیمور علی خان کی شکل دیکھ رہی تھیں اور ان کی دلی خواہش یہ تھی کہ ان کے منہ سے کوئی ایسا جملہ پھسل جائے جس کا تعاقب کرتے ہوئے حقیقت کا سراغ وہ خود لگا لیں کہ واقعہ کیا ہوا۔

مگر وہ بے دل سی ہو گئیں کیونکہ عالم تاب تیمور علی خان کو ساتھ لے کر ہال سے باہر چلی گئی تھیں۔

''چلو روشی کے پاس چلتے ہیں''۔ بیہ نے تڑپ کر کہا۔

''وہ دروازہ کھولے گی تب ہی تو اس تک پہنچو گی''۔ شینو نے اپنا تمام تر تحیر واستعجاب دبا کر طنزیہ کہا۔

''شینو ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ مشکل ہے جو وہ دروازہ کھولے؟''

گلو نے شینو کا طنزیہ لہجہ نظر انداز کر کے ان کے صحیح اندازے کی تائید کی۔

''چلو ماہین ممانی کے پاس چلتے ہیں۔ انہیں خبر بھی دیتے ہیں اور پھر ساتھ لے کر روشی کے پاس چلتے ہیں۔ وہ کہیں گی تو وہ دروازہ ضرور کھولے گی''۔ مونا کے تڑپتے شوق نے تدبیر سجھائی۔

''بالکل ٹھیک''۔ وہ سب کی سب کھڑی ہو گئیں سوائے شینو کے۔

''آپ نہیں چل رہیں شینو آپا''۔ روبی نے پوچھا۔

''تم لوگ چلو۔ دروازہ کھلواؤ۔ آتی ہوں میں۔ اگر اسٹوری کا شروع تھوڑا سا نکل جائے تو بعد میں تم سنا دینا''۔ وہ مسکرائیں۔

''یہ مت بھول جانا' فجر کی نماز باقی ہے ابھی' ''شیطان'' اسی طرح وار کرتا ہے''۔ وہ معنی خیز انداز میں بولیں۔

اللہ رے زعم پارسائی تعلق' اپنائیت' انسیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ کتنا بدصورت ہو جاتا ہے انسان دوسروں کے کردار پر حملہ کرتے ہوئے۔

نماز پڑھنا تو بڑا آسان ہے۔ کٹھن مرحلے تو اندر کا انسان ایسے ہی موقعوں پر طے کرتا ہے۔ اخلاقی...... خوبصورتیاں نہ

ہوں تو بدنی عبادت بھی مسترد ہے۔عبادت کی جزا تو اخلاقیات سے مشروط ہے۔نہ خالی اخلاق سے بات بنتی ہے نہ
عبادت ہے۔شیطان سے زیادہ تو کسی کی عبادت کاؤنٹ نہیں ہوئی۔پھر بھی مردود کر دیا گیا۔انہیں تو غالب کا یہ شعر
فریم کرا کر دینا چاہیے غور و فکر کرنے کیلئے۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے
مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو!

نانا ابا کہا کرتے تھے۔نماز رابطے کا سلیقہ ہے' عام کنکشن ہے اور تہجد کی نماز ہاٹ لائن۔

نماز بھی رابطہ ہے' اخلاقیات بھی رابطہ۔ایک کا تعلق خدا سے اور دوسرے کا خدا کی مخلوق سے۔

گلو کو شعبو کی بات سے دلی تکلیف ہوئی تھی۔وہ ماہین کی خواب گاہ تک سوچتی ہوئی کیفیت میں پہنچی تھی۔

ماہین پہلی دستک پر باہر آئی تھی۔اس نے بڑی فکر مندی سے ان کے چہرے دیکھے' سب کی سب ایک ساتھ اس کا دل بیٹھنے لگا۔

''ممانی جان! روشی آگئی ہے؟'' مونا نے لب کشائی کی۔

''ہیں'' ۔اسے ساعت کا دھوکا محسوس ہوا تھا۔

''جی۔روشی آگئی ہے'' ۔گلو نے بھی کہا۔

''کیسے؟'' اس کی حیرت کی کوئی حد نہیں تھی۔

''کا کا جان کے ساتھ اور کچھ تو ہمیں بھی نہیں پتا''۔روبی نے کہا۔

''کا کا جان؟'' وہ الجھی۔سارا اعصابی نظام الٹ پلٹ ہونے لگا تھا۔

''جی۔کا کا جان تیمور علی خان'' ۔زری نے وضاحت کی۔

''وہ۔''سرائے'' والے؟'' اس نے پوچھا

''جی جی۔وہی'' ۔

''پرسوں رات۔ایک بجے ان سے بات ہوئی۔آج روشی ان کے ساتھ'' ۔وہ الجھنے لگی۔

''کہاں ہے وہ؟'' وہ سنبھل کر بولی' تمام لڑکیاں بغور اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

''اپنے کمرے میں' ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ آپ کو اطلاع بھی دیدیں اور ساتھ لے کر اس سے ملنے چلیں'' ۔

''ہاں۔ہاں۔چلو۔وہ ہاسپٹل سے کوئی فون وون آیا؟'' وہ ایک دم جیسے کسی دھیان سے چونکی۔

''فون بھی آیا تھا۔کا کا جان بھی بتا رہے تھے کہ اب حالت بہت بہتر ہے۔وہ وہیں سے آ رہے ہیں'' ۔بینے نے بتایا۔

''روشی بھی۔روشی بھی گئی تھی ہاسپٹل؟'' اس نے چلتے چلتے قدرے حیرت اور خفگی سے اندیشے کے ساتھ پوچھا۔

''شاید! آئی تو وہ کا کا جان کے ساتھ ہی ہے'' ۔ثانیہ نے کہا۔

ماہین کا ذہن الجھ گیا تھا۔

''تمہارے کا کا جان کیا واپس چلے گئے؟'' اس نے مونا کی طرف دیکھا۔

''نہیں۔وہ بڑی امی کے پاس ہیں'' ۔اس نے روشی کے کمرے کی طرف بڑی مشتاق نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

ماہین نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔

''کون؟'' روشی کی تھکی تھکی آواز آئی۔

''میں ہوں ماہین۔دروازہ کھولو'' ۔

چٹخنی گرنے کی آواز تو آئی مگر دروازہ نہیں کھلا۔

ماہین نے دروازہ پش کیا تو وہ کھل گیا۔وہ اندر داخل ہوئی۔

''السلام علیکم'' ۔''اللہ تمہیں توفیق دے اور ستاؤ ہمیں'' ۔

اس نے سرخ و زرد کنٹراسٹ کے خوبصورت نئے لباس میں ملبوس روشی کو بڑی دلچسپی سے دیکھا اور آگے بڑھ کر گلے لگا لیا۔

روشی نے بہت ضبط کیا مگر جانے کہاں سے ڈھیر سارے آنسو ابل پڑے' وہ ماہین کے گلے سے لگی سسکیاں بھر رہی تھی۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

لڑکیاں ادھر ادھر بکھرے ہوئے انداز میں بیٹھ گئی تھیں۔

ماہین نے اسے بیڈ پر بٹھا دیا اور اپنے دوپٹے سے اس کی آنکھیں صاف کیں۔

''یہ مردانہ قسم کی انتہا پسندی تمہیں بہت نقصان پہنچا رہی ہے روشی۔ مجھے آنے والے وقت سے ہول آ رہے ہیں''

''چھوڑیں خالہ! اب مجھے کسی تبدیلی' کسی بات کا خوف نہیں۔ میں بالکل پرسکون ہوں''۔

اس نے گہری سانس لے کر باری باری لڑکیوں کو دیکھا

''میں سونا چاہتی ہوں خالہ۔ بہت تھکن ہے''۔ اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے' تم آرام کرو۔ پھر باتیں کریں گے''۔ ماہین کے اٹھتے ہی لڑکیاں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں

....

ماہین فجر کی نماز پڑھ کر باہر باغ میں آئی۔ اسے شاید یاور علی خان کا انتظار تھا۔ وہ روشی کے متعلق سوچتی ہوئے ...

''بی بی...... یہ نہیں سنتا۔ کہتا ہے اندر آنا ہے جس کا نام لیتا ہے' وہ یہاں نہیں رہتا۔ پھر بھی نہیں سنتا''۔ چوکیدار

سے شکایتی انداز میں ماہین کو مخاطب کیا۔

... آہستہ آہستہ چلتی ہوئی پھاٹک تک آئی۔

''پھاٹک کھولو۔ بلاؤ کون ہے''۔ اس نے چوکیدار سے کہا۔

چوکیدار نے تعمیل کی۔

دبلی پتلی دراز قامت سانولی سلونی لڑکی دھول مٹی میں اٹی اس کے سامنے تھی۔

''کون ہو تم؟'' ماہین نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

''اقبال بیگم۔ سب بالو بولتے ہیں''۔ اس نے شکستہ سی کیفیت میں جواب دیا۔

''کس سے ملنا چاہتی ہو؟'' اس نے سوال کیا۔ عجیب سی یاسیت تھی لڑکی کے چہرے پر۔

''مطربہ سے''۔ اس نے بہت دھیمی آواز سے کہا۔

ماہین کو تو جیسے کرنٹ لگا تھا۔

''حویلی میں شاید کسی کو چند لوگوں کے علاوہ معلوم نہیں تھا کہ یہاں کوئی مطربہ رہتی ہے۔ یہ کون ہے جو اتنے یقین کے ساتھ مطربہ کا ذکر کر رہی ہے''۔

''کیا لگتی ہے مطربہ تمہاری؟ کس نے تمہیں بتایا کہ وہ یہاں رہتی ہے؟'' ماہین کی حیرت ہنوز برقرار تھی۔

''بس جی۔ مجھے پتا ہے' یہیں رہتی ہے دریا بستی میں۔ اس کے علاوہ کوئی اور حویلی نہیں ہے''۔ اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

''میں پوچھ رہی ہوں تم اس کی کیا لگتی ہو؟'' ماہین الجھی۔

''بس جی۔ بڑی رشتہ داریاں ہیں ان سے۔ آپ ان سے ملوا دیں۔ بڑی مہربانی ہوگی''۔

''اندر آ جاؤ''۔ ماہین اسے ساتھ لے کر چل پڑی۔ اس کا ذہن کیونکہ غیر ترتیب سوچوں میں الجھا ہوا تھا اس لئے خاموش تھی۔

بالو چلتے ہوئے حویلی کی ایک ایک شے کو بغور دیکھ رہی تھی۔

ماہین اسے بیڈ روم میں لے آئی۔

''بیٹھو''۔ اس نے صوفے کی طرف اشارا کیا۔

''میرے کپڑے بہت گندے ہو رہے ہیں''۔ بالو نے جھجکتے ہوئے قیمتی صوفے پر نظر ڈالی۔

''کوئی بات نہیں' اب ایسے بھی گندے نہیں''۔ وہ خود اپنے بیڈ کے ایک کونے پر ٹک پر گئی۔

''کہاں سے آئی ہو؟'' اس نے اگلا اہم سوال کیا۔

''کراچی سے''۔ اس نے بہت آہستگی سے جواب دیا۔

ماہین ایک مرتبہ پھر چونک پڑی۔ ''کراچی سے؟ اتنی دور سے؟ تمہارا سامان وغیرہ؟''

''اندر ایک لوٹ بھی ہو تو سامان کیسا؟'' وہ نڈھال سے انداز میں بولی۔

ماہین نے اس کے فصیح و بلیغ انداز پر اسے بڑی دلچسپی سے دیکھا۔

"پڑھی لکھی ہو؟"

"چٹی ان پڑھ ہوں۔ مگر اب وقت پڑا ہے تو وقت ہی پڑھا رہا ہے"۔ وہ تلخی سے ہنسی۔

"اتنی دور سے سیدھی یہیں آ رہی ہو؟" ماہین کو یکدم ایک خیال آیا۔

"جی"۔ اس نے مختصراً کہا۔

"ایسا کرو۔ تم نہا دھو لو۔ میں تمہارے ناشتے کا بندوبست کرتی ہوں۔ کپڑے تو تمہارے پاس ہوں گے نہیں۔ میں سوٹ نکالتی ہوں۔ ٹھیک ہے؟ پھر تمہیں مطربہ سے ملوائیں گے۔ فکر نہیں کرو"۔

وہ اٹھ کر وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی۔

"آپ مالکن ہیں یہاں کی؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"ہاں مگر دوسرے نمبر کی"۔ وہ کوئی مناسب سا سوٹ تلاش کرتے کرتے ہنس کر بولی۔

"آپ کا نام نازنین ہے؟" بالو کو عارف کی زبان سے نکلا ہوا حرف حرف ازبر تھا۔

ماہین وارڈ روب کھلی چھوڑ کر چونک کر پلٹی۔

"نہیں۔ مگر تم انہیں کیسے جانتی ہو؟" وہ الجھن بھرے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"بس نام سنا ہے۔ مگر آپ وہ کیسے ہو سکتی ہیں۔ وہ تو بڑی پرانی بات ہے۔ وہ تو آپ سے بہت بڑی ہوں گی"۔ وہ سوچتے ہوئے بول رہی تھی۔

"پھر بھی کس سے سنا تھا نام؟ تم تو کراچی میں رہتی ہو؟" ماہین کی حیرت بجا تھی۔

"بس...... وہیں سے سنا ہے سب کچھ؟" وہ سادگی سے بولی۔

"کس سے؟" ماہین اپنا کام بھول کر پھر سوالوں میں الجھ گئی تھی۔

"عارف بھائی سے"۔ وہ سکون سے گویا ہوئی

"یہ کون ہیں؟" اس کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔

"آپ یہاں مالکن ہیں۔ آپ نہیں جانتیں انہیں؟" اس مرتبہ حیرت بالو کو ہوئی۔

"مجھے زیادہ دن نہیں ہوئے یہاں آئے ہوئے۔ ہاں۔ تو عارف کون ہیں؟" اس نے وضاحت کے ساتھ ہونے کیا۔

"جب آپ انہیں نہیں جانتی تو بیکار ہے۔ آپ مجھے مطربہ سے تو ملوا سکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ آپ کو بتا سکیں"۔

اس نے آس بھری نظروں سے ماہین کی طرف دیکھا۔

"ہاں ہاں میں تمہیں ملواؤں گی"۔ وہ کسی دھیان سے چونکی اور پلٹ کر پھر وارڈ روب میں نظر دوڑانے لگی۔

"اس سے پہلے مطربہ سے کب ملی تھیں؟" اس نے ایک سوٹ نکال ہی لیا۔

"میں ان سے پہلے کبھی نہیں ملی"۔ وہ فطری سادگی سے بولی۔

"اب کیا ضرورت پیش آ گئی؟" اس نے سوٹ اس کی طرف بڑھایا۔

"ضرورت سی ضرورت ہے بیگم صاحبہ، پوری زندگی داؤ پر لگی ہے"۔ وہ تلخی سے مسکرائی۔

"اچھا چلو۔ تم پہلے نہا دھو کر ناشتہ کر لو۔ پھر تم سے آرام سے بات ہو گی۔ ایک منٹ ٹھہرو"۔ اس نے دو قدم آگے بڑھ کر دیوار میں نصب ایک بٹن دو تین بار پش کیا۔

تھوڑی ہی دیر میں کلو اندر داخل ہوئی۔ گہرے فیروزی سوٹ میں ملبوس پازیب چھنکاتی ہوئی۔

"جی بی بی"۔

"دیکھو۔ یہ بے چاری بڑی دور سے آئی ہے۔ اسے باہر کا باتھ روم دکھا دو پھر ناشتا کرا دینا۔ ٹھیک؟" اس نے کلو کو تاکید کی۔

"جی؟ یہ کون ہے؟" اس نے اپنا استعجاب ظاہر کر دیا۔

"اپنے کام سے کام رکھو تمہیں اس سے کیا"۔

"اور ہاں سنو"۔ وہ بالو کی طرف پلٹی۔ "یہاں اور کسی سے کوئی بات نہ کرنا۔ جو بات ہو صرف مجھ سے کہنا۔ ورنہ تمہارا مسئلہ حل ہونا مشکل ہے"۔ اس نے بالو کو سمجھایا۔ کہ اس کی اپنی تمام تر دلچسپی اس میں تھی۔

....

یاور علی خان جیپ سے اتر کر بڑی تیزی سے اندر داخل ہوئے تھے۔ سامنے ہی سرسوتی نظر آ گئی۔

"سرسوتی"۔ ان کا لہجہ برہمی کے تاثر سے مغلوب تھا۔

"ہاں صاحب"۔ وہ ان کے قریب تقریباً بھاگتی ہوئی آئی۔ نوکر لوگ اپنے صاحب کے موڈ کے بارے میں بہت حساس ہوتے ہیں۔

"روشانے کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے چ اے صاب"۔

یاور علی خان اسی رفتار سے روشی کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

دروازے پر دستک بڑی بھرپور تھی۔ روشی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"کون؟"

"دروازہ کھولو"۔ ان کا لہجہ غضبناک تھا۔

روشی کا دل گویا دھڑکنا بھول گیا۔ دروازہ تو کھولنا ہی تھا۔ اس نے تمام تر ہمت یکجا کر کے دروازہ کھول دیا۔

"السلام علیکم"۔ اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

[illegible] غصے سے دروازہ بند کر دیا۔

"تیمور کو کہاں ملی تھیں تم؟" وہ اپنے غصے کو ضبط نہیں کر پا رہے تھے۔

"کہیں نہیں...... میں خود سرائے گئی تھی۔ شیر گل خان کے ساتھ"۔ وہ نظریں جھکا کر کہہ رہی تھی۔

"مطلب کیا ہے تمہارا ان حرکتوں سے؟ سیدھے سیدھے بات نہیں کر سکتیں۔ کیا ضرورت تھی۔ یہ ڈراما کرنے کی"

"کوئی سننے والا ہو تو کہیں"۔ وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔

"آرام سے نہیں رہا جاتا تم سے؟ اور لڑکیاں نہیں ہے۔ تم میں کوئی زیادہ سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔ گھر کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ زندگی کی سب سے بڑی سزا بن گئی ہو۔ کتنے دن اس گھر کے لوگ سوئے نہیں۔ بابا صاحب کی زندگی موت کا سوال پیدا ہو گیا ہے۔ کیا تم اتنی بچی اور کم عقل ہو کہ اپنے کام کے نتائج کا اندازہ نہیں کر سکتیں"۔

"فائدہ محبتوں اور رشتوں کا جو کسی کی خوشی و زندگی کا احساس تک نہ کریں"۔ اس نے رخ موڑ کر آنسو بھرے لہجے میں کہا۔

"شٹ اپ۔ کیا کمی ہے تمہیں؟ باہر نکل کر دیکھو۔ لوگ پیٹ سے پتھر بھی باندھتے ہیں اور غلامی بھی کرتے ہیں"۔ وہ برہم ہو گئے۔

"انسان کو اپنے پیدا ہونے پر اختیار نہیں۔ جو جہاں پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ پھر اس کا ذہن اسی ماحول کا عادی ہوتا ہے۔ اگر اسے نعمتیں ملتی ہیں تو وہ ان کو اپنا پیدائشی حق سمجھ کر وصول کرتا ہے۔ اگر فاقے ملتے ہیں تو وہ اپنی بدنصیبی سمجھ کر اسے قبول کر لیتا ہے۔

جاگیرداروں میں پیدا ہونا میرا قصور نہیں' مجھے معاف کر دیجئے۔ مجھے اس بات کی سزا ضرور دے سکتے ہیں کہ میرا شعور کیوں جاگتا ہوا ہے۔ میں مطلوبہ ڈمی کیوں نہیں۔ مجھے اپنے ہونے کا احساس کیوں ہے؟"

"بالکل بے شعور ہو تم۔ نسلوں کی ناموس سے کھیلنے والی جاہل اور بے حس لڑکی"۔ وہ غرائے۔

"اقدام پر غور کیوں کرتے ہیں' وجہ اقدام پر کیوں غور نہیں کرتے۔ شرع اور قانون کی کون سی دفعہ یا شق ہے جس کے تحت اولاد "انسان" میں شامل نہیں ہوتی۔ عدالت کسی مذہب کی ہو ریزن کے ساتھ کارروائی شروع کرتی ہے"۔

"یہ زبان درازی' بے حیائی اور بے ادبی ہے۔ میں تمہیں اس دانشوری پر ایوارڈ نہیں دے سکتا۔ کان کھول کر سن لو"۔

"کاکا جان اسی لئے شاید بڑی حویلی میں کمس اپ نہیں کر سکے کہ"۔

"مت لو یہ نام میرے سامنے"۔ وہ غضبناک ہوئے۔

"نہیں لیتی۔ کہ مجھے پتا ہے بڑی حویلی میں "اچھوں" کا گزارا نہیں"۔

"روشانے! میں تمہیں شوٹ بھی کر سکتا ہوں۔ سمجھیں"۔ وہ اسی سابقہ انداز میں گویا ہوئے۔

"اس شخص کے ساتھ تمہیں دیکھ کر میری برداشت کی تمام طاقتیں جواب دے چکی ہیں"۔

"وہ آپ کے"۔

"میں نیا یا دوبارہ پیدا نہیں ہوا ہوں۔ اپنی اطلاعات اپنے پاس رکھو۔ بابا صاحب کی طبیعت ایک دو روز میں سنبھل جائے گی۔ لہٰذا تم اپنا سوٹ کیس پیک رکھو۔ آج کے بعد تم میرے ساتھ رہو گی۔ میں اپنا کھیت خود کاٹوں گا۔ تم میرے باپ کو موت کے منہ میں پہنچانے کی آخری حد بھی آزما چکی ہو۔ تم نے میری رعایتوں کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ اگر تم میرا بھگتان ہو تو میں خود بھگتوں گا۔ پھر اس کے بعد تم کبھی یہاں نہیں آؤ گی۔ تم میری اولاد ہو' میں تم سے نمٹنا جانتا ہوں۔ یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے تیاری کر و کہ۔ یہ تمہارے دادا کا گھر ہے۔ تمہارے باپ کا نہیں"۔

وہ تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔

ماہین کو مرسوتی کے ذریعے اطلاع مل چکی تھی' یاور علی خان آ چکے ہیں۔ یہ جان کر کہ وہ روشی کے پاس ہیں' وہ افتاں و خیزاں اپنے کمرے سے باہر آ کر منزل مقصود کی سمت بڑھی تھی مگر یاور علی خان کو راستے میں پا کر ٹھٹک کر رک گئی۔

"السلام علیکم"۔ اس نے قدرے جھجکتے ہوئے ان کے چہرے کا بھی جائزہ لیا۔

"وسلام"۔ وہ بغیر رکے آگے بڑھتے گئے۔

"وہ بھی پیچھے پیچھے چل پڑی۔

یاور علی خان نے کمرے میں داخل ہو کر شرٹ اتار کر بیڈ پر پھینکی تھی اور اے سی آن کر دیا تھا۔

"پانی پلاؤ ماہین! بہت ٹھنڈا سا"۔ انہوں نے بنیان اتار کر صوفے پر پھینکا۔

ماہین نے بیڈ روم فریج کھول کر سب سے ٹھنڈی بوتل تلاش کی۔ درحقیقت اس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ آج یاور علی خان پھر ایک نئے انداز میں سامنے آئے تھے۔

ماہین گلاس بھر کر ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"بابا صاحب کی طبیعت اب کیسی ہے؟" انہوں نے جیسے ہی خالی گلاس اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ اس نے فوراً دریافت کیا۔

"ٹھیک ہیں اب۔ میرا کوئی سلیپنگ سوٹ نکال دو۔ میں آرام کرنا چاہتا ہوں"۔

ماہین روبوٹ کی مانند وارڈ روب کی سمت بڑھ گئی۔

سوٹ نکالتے ہوئے اس کا ذہن روشی کی طرف بھٹکنے لگا۔ اس نے سوٹ ان کو تھماتے ہوئے سوچا یہ جلدی سے لیٹ جائیں تو روشی کی خیریت معلوم کرنے بھاگے۔ اللہ خیر کرے ان کا موڈ تو ایب نارمل ہے۔ اسے مختلف قسم کے وسوسے ستانے لگے۔

"میرا خیال ہے ماہین! تم روشی کو آج ہی ڈرائیور کے ساتھ ہری پور بھجوا دو۔ ہم تو کل پرسوں ہی جا سکیں گے"۔

"جی؟" اسے جیسے اچنبھا ہوا۔

"میں نہیں چاہتا اب وہ بابا صاحب کے سامنے آئے۔ اسی میں سب کی بہتری ہے"۔

"اکیلی؟ مگر"۔

"کچھ نہیں کرے گی اب وہ اسٹوپڈ"۔ انہوں نے سختی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"ٹھیک ہے۔ میرے خیال میں ابھی وہ آرام کر رہی ہے۔ تھوڑی دیر میں"۔

"اچھا...... اچھا...... ایسا کرو، یہ پردے کھینچ دو۔ اندھیرا کر دو کمرے میں تھینکس"۔

وہ سلیپنگ سوٹ اٹھا کر باتھ روم میں چلے گئے۔ اس نے پردے کھینچے اور بیڈ روم سے باہر آ گئی۔ سوچے الجھے
کے ساتھ۔

سب لڑکیاں مغموم صورت بنائے بیٹھی تھیں۔

"آیا تو کرو گی ناں روشی"۔ روبی نے انتہائی غمناک انداز میں پوچھا۔

"پتا نہیں"۔ اس نے بڑے سے سوٹ کیس میں اپنے کپڑے لگاتے ہوئے گم صم سے انداز میں جواب دیا۔

"جا کیوں رہی ہو؟" تانیہ ہاتھوں کے پیالے میں ٹھوڑی ٹکائے اداسی سے گویا ہوئی۔

"پتا نہیں"۔

"کیا تمہاری شادی وہیں ہو گی؟" بیہ نے اپنے غرارے، شرارے کے تصور میں ڈوب کر پوچھا۔

روشی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈریسنگ ٹیبل سے چیزیں اٹھا اٹھا کر ایک بیگ میں بھرنے لگی۔ اس کے چہرے پر
سکون تھا۔

ماہین اس کی تیاری کے مراحل چیک کرنے کے خیال سے کمرے میں آئی تھی۔

"تیار ہو گئیں روشی؟"

"میں کاکا جان سے بات کرنا چاہتی ہوں خالہ۔ وہ یہاں ہیں یا ہاسپٹل میں؟" اس نے روبی سے استفسار کیا۔

"وہ تو تمہیں چھوڑنے کے فوراً بعد دوبارہ ہاسپٹل چلے گئے تھے"۔ اس نے جواب دیا۔

"کوئی بات ہے تو باری سے کہہ دو۔ وہ ادھر میسج دیدے گا"۔ ماہین نے حل بتایا۔

وہ خاموشی سے چیزیں بیگ میں ڈالتی رہی۔

"بلواؤں باری کو۔ ہو سکتا ہے تھوڑی دیر بعد ہاسپٹل چلا جائے"۔ ماہین نے پھر پوچھا۔

"نہیں"۔ اس نے ہر ایک سے نگاہ چرا کر بیگ بند کیا۔ اور ڈریسنگ ٹیبل کی درازیں کھول کھول کر دیکھنے لگی۔

"بابا! بیٹھ کر دو چار باتیں بھی کر لو۔ اگر کچھ رہ بھی گیا تو بعد میں لے جانا"۔ گلو کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"ساری باتیں ہی ختم ہو گئیں۔ کچھ یاد ہی نہیں آ رہا۔ کیا باتیں کریں آپا"۔ وہ مسکراتی ہوئی ان کے قریب چلی آئی۔

"اچھا یہ بتاؤ" کاکا جان والا گھر کیسا لگا؟" گلو نے پیار سے اس کے ہاتھ تھام لئے۔

"اندر سے تو دیکھا نہیں۔ جس گیسٹ روم میں میرا قیام تھا۔ اس سے البتہ انداز ہو گیا تھا کہ گھر اندر سے کیسا ہو گا"۔

"ایک دفعہ بھی اندر نہیں گئیں؟" تانیہ نے تعجب سے اس کی بات کاٹ دی۔

"لگتا ہے، پپا اور کان جان میں زبردست ٹینشن ہے۔ پھر بھی کاکا جان "گڈول" حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے

ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کی وائف مجھ سے مس بی ہیو کرتیں۔ اسی خدشے کے سبب انہوں نے مجھ سے ملوایا نہیں، خیر ہمیں کیا۔ ہمیں
تو اپنے سے مطلب ہے"۔

"ہم نے تو کبھی فیل نہیں کیا کہ یاور ماموں اور کاکا جان میں کوئی ٹینشن ہے۔ کاکا جان کا تو اسٹائل ہی ہمیشہ سے ایسا
ہے۔ ہمیشہ ہی ان کو بہت فارمل دیکھا ہے"۔

مونا بڑی دیر سے خاموش تماشائی تھی۔ جھگڑے فساد کے تصور ہی سے اسے ہول آتے تھے۔ عموماً روشن پہلو نکالتی تھی۔

"پھر بھی ہم نے کبھی یاور ماموں اور کاکا جان کو گھر کے افراد کی طرح بات کرتے نہیں دیکھا"۔

زری بھی شامل ہو گئی۔

"چھوڑیں اس قصے کو۔ اچھی اچھی باتیں کریں۔ اب روشی پتا نہیں کب آئیگی"۔

گلو نے اپنی مخصوص بردباری سے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"تم آ جاؤ پھر بہت دیر ہو جائیگی۔ سامان کھوکھر لے جائیگا"۔ ماہین نے اسے چلنے کا اشارہ کیا۔ سب لڑکیاں بھی
کھڑی ہو گئیں۔

"بڑی امی سے نہیں ملو گی؟" روبی نے دریافت کیا۔

روشی نے ماہین کی طرف دیکھا۔

"مل چکی ہے یہ۔ چلو"۔ ماہین نے اس سے نظر چرا کر کہا۔ روشی کمرے سے باہر نکل گئی۔ اور سب اس کے پیچھے پیچھے
اٹھیں۔

وہ سب اس کے ساتھ پورچ تک آئی تھیں۔ اسی دم دن فنفٹی پر باری زن سے پورچ میں داخل ہوا۔ پہلے تو وہاں موجود
مجمع کو حیرت سے دیکھ کر ٹھٹکا پھر چابی گھما کر فرش پر پاؤں ٹکا کر سب کو باری باری دیکھنے لگا۔

"ہاسپٹل جا رہی ہیں آپ لوگ؟" وہ گلو سے مخاطب ہوا۔

"ہمیں کون لے جاتا ہے۔ جیسے وہ بس حویلی کے لڑکیوں کے بابا صاحب ہیں ہمارے نہیں"۔ یہ تو روشی ہری پور جا رہی
ہے اسے الوداع کہنے کھڑے ہیں"۔

باری نے بری طرح چونک کر جیپ سے ٹکی روشی کی سمت دیکھا۔ سفید کاٹن کے کرتا شلوار میں ملبوس بڑا سا سفید دوپٹہ
جسم پر پھیلائے وہ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔

"یاور چچا جا رہے ہیں کیا؟" اس نے ماہین کی سمت الجھن میں دیکھا۔

"نہیں...... فی الحال صرف روشی جا رہی ہے"۔

"صرف؟" وہ واقعی کچھ نہیں سمجھا۔

"ہوں...... وہ چاہتے ہیں اب روشی وہاں ہمارے ساتھ رہے"۔ ماہین نے بہت دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"تو...... ملاقات ہو گئی روشی بی بی کی یاور چچا سے؟" وہ بظاہر ماہین سے مخاطب تھا مگر درپردہ وہ روشی سے کچھ کھوج رہا

تھا۔

"ہاں، ہوگئی جب ہی تو"۔ ماہین نے معنی خیز انداز میں بات ادھوری چھوڑ دی۔

"باقی تو سب ٹھیک ہے؟" اس کی تشویش صرف روشی سمجھ رہی تھی۔ وہ بائیک سے نیچے اتر آیا تھا۔

"بیبہ! کھوکھر سے کہہ دیا کہ روشی کے کمرے سے سامان لے آئے"۔ ماہین نے بیبہ سے دریافت کیا۔

"جی"۔

"کس کے ساتھ جارہی ہیں روشی بی بی؟" باری نے ماہین سے پوچھا۔

"ڈرائیور کے ساتھ"۔ ماہین نے جواب دیا۔

"بہت جلدی ہے کیا"۔ وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑا ہوگیا۔ وہ نہادھو کر کپڑے بدل چکا تھا۔ جس سے تھا اسے خاصی دیر ہوگئی حویلی آئے ہوئے۔

"ہاں شاید...... چلو روشی بیٹھو...... گھبرانا نہیں۔ ہم پرسوں انشاء اللہ پہنچ جائینگے"۔ ماہین نے روشی سے کہا۔

روشی پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ اس نے وہاں موجود لڑکیوں میں سے کسی سے بات نہیں کی تھی۔

تھوڑی دیر میں کھوکھر اس کا سوٹ کیس اور بیگ لے کر آگیا۔

باری نے چور نگاہوں سے روشی کی سمت دیکھا پھر لڑکیوں پر نظر ڈالی۔ چند ثانیے کچھ سوچا پھر بائیک سے چابی نکالی کی طرف بڑھ گیا۔ •

"یہ سب لڑکیاں کہاں ہیں۔ کچھ پتا ہے؟" مشینو سامنے آگئیں۔

"وہ روشی بی بی کو الوداع کہہ رہی ہیں باہر پورٹیکو میں"۔ اس نے مختصراً کہا۔

"اب کہاں جارہی ہیں موصوفہ؟" مشینو ہکا بکا رہ گئیں۔

"ہری پور"۔ اس نے پھر اختصار سے کام لیا۔

"مگر یاور ماموں اور ممانی تو یہیں ہیں"۔ ان کی حیرت قابل دید تھی۔

"یاور چچا کے حکم پر ہی روانگی ہورہی ہے"۔ اس نے جان چھڑانے والے انداز میں جواب دیا۔

"لیکن کس کے ساتھ جارہی ہے؟" ان کی حیرت بدستور تھی۔

"ڈرائیور کے ساتھ"۔ وہ یہ کہہ کر آگے بڑھا۔

"تم چھوڑ آتے۔ کیا یہ مزید خطرہ مول لینے والی بات نہیں ہے"۔ ان کے طویل جملے نے اسے آگے بڑھنے سے روکا

"اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آپ اطمینان رکھیں"۔ وہ جانے کس دھن میں کہہ گیا۔

"اچھا"۔ ان کا انداز بلا کا معنی خیز تھا "تمہاری "باخبری" پر تو ہمیں رشک آتا"۔ وہ دھیمے سروں میں ہنس پڑیں۔

باری ایک دم کانشس ہوگیا۔

"باری...... اب تو وہ غالباً وہیں رہے گی؟" مشینو کی آنکھیں تک مسکرا رہی تھی۔

"تو کیا ہوا۔ ان کے باپ کا گھر ہے"۔ وہ بھی زبردستی مسکرایا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ مبادا کوئی اور جملہ آجائے۔

مبیہ مسکراہٹ دباتے ہوئے برآمدے کے زینے اترنے لگیں۔

....

"کون ہے یہ لڑکی؟" عالم تاب سخت لہجے میں کلو سے مخاطب تھیں۔

"جی...... وہ ماہین بی بی کی ملنے والی ہیں اور تو مجھے پتا نہیں"۔ کلو گھگھیا رہی تھی۔

بالو راہداری میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی ہوئی گیلے بال سلجھا رہی تھی۔ اسے یہاں کے قاعدے قوانین کا بھلا کیا ادراک تھا۔ اس نے بال سلجھانے کے دوران ہی بیٹھے بیٹھے سونے جواہر سے دمکتی دمکتی عورت کو اپنے حساب سے اس حویلی کی اہم شخصیت سمجھتے ہوئے سلام کرلیا تھا۔ عالم تاب کی شاہانہ نازک طبع پر اس کا یہ انداز بہت گراں گزرا تھا۔ اس لئے لہجے میں خود بخود سختی آگئی تھی۔

"کہاں سے آئی ہو تم؟" وہ سرد مہری سے گویا ہوئیں۔

"کراچی سے"۔ اس نے ہاتھ روک لئے۔

"میرا مطلب ہے ٹھہری ہوئی کہاں ہو؟" وہ جیسے چڑ گئیں۔

"جی۔ سیدھی یہیں آئی ہوں؟" وہ قدرے ہچکچائی۔

"اوہ...... ماہین سے ملاقات ہوگئی؟ کیسے جانتی ہو ماہین کو؟"

"جی...... وہ"۔ اسے ماہین کی ہدایات یاد آگئیں۔ "آپ ان سے پوچھ لیں۔ انہیں سب پتا ہے"۔ وہ بس یہی کہہ سکی۔

"کیا مطلب؟ تمہیں اپنا نہیں پتا؟" تعجب سے ان کی بھنویں اوپر چڑھ گئیں وہ خاموش رہی۔

"بلا کے لاؤں ماہین بی بی کو"۔ کلو نے خدمات پیش کیں۔

"نہیں۔ میں خود جارہی ہوں ان کے پاس۔ تم بھی کنگھی چوٹی کر کے وہیں آجانا"۔

"ماہین بی بی ہال میں ہیں جی۔ یاور خاناں سو رہے ہیں ناں"۔

"یاور کب آئے؟" عالم تاب چونکیں۔

"بڑی دیر ہوگئی ہے آپ آرام کررہی تھیں۔ روشی بی بی کو سب خدا حافظ کہہ کر ہال میں بیٹھی ہوئی ہیں چائے بنانے جا رہی تھی میں سب کیلئے۔ آپ کیلئے بناؤں؟" کلو ان کے سخت موڈ کو جلد سے جلد نرم دیکھنا چاہ رہی تھی۔

"سب ہی کو ان کے آف موڈ سے ڈر لگتا تھا کہ قصوروار بے قصور سب ہی کی شامت آجاتی تھی۔

"نہیں"۔ وہ بالو پر ایک تفصیلی نظر ڈال کر ہال کی طرف بڑھ گئیں۔

سب انہیں ہال میں موجود پا کر ایک دم سنبھل گئیں۔

"یاور آگئے ہاسپٹل سے؟ کیا کہہ رہی تھے؟" وہ ماہین سے مخاطب ہوئیں۔

"کہہ رہے تھے اب تو حالت کنٹرول میں ہے، فکر کی کوئی بات نہیں"۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" وہ فوراً اپنے مقصد کی طرف آگئیں۔

"کون؟" ماہین نے بے ساختہ ادھر ادھر دیکھا۔

"وہ جو نہا دھو کر غالباً تمہارے کپڑے پہنے باہر بیٹھی ہے"۔ وہ بڑے غور سے ماہین کو دیکھ رہی تھیں۔

"اوہ"۔ ماہین کو یکدم دھیان آگیا۔ اس نے فوراً عالم تاب کا چہرا دیکھا۔ انہیں اپنی جانب دیکھتا پاکر بڑے ا... گویا ہوئی۔

"جی۔ ہماری جاننے والی ہے"۔

"جاننے والی۔ کیا مطلب؟" وہ الجھ گئیں۔

"کراچی سے آئی ہے"۔

"ہاں ہاں۔ وہ تو مجھے پتا چل گیا ہے"۔ وہ بات اچک کر بولیں۔

"ہماری کام کرنے والی ہے ناں' اس کی بہن ہے"۔

"مگر یہاں کیا کرنے آئی ہے؟" ان کی حیرت بجا تھی۔

"اپنے کسی سسرالی رشتے دار کے ہاں آئی تھی۔ اس کا گھر نہیں ملا۔ احتیاطاً میرا پتا لے آئی تھی۔ اس لئے یہاں چلی آ... لگتا ہے اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے یا اس کے حالات خراب ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ چلی جائیگی"۔ ماہین نے بہت سمجھ... جواب دیا۔

"نہیں خیر' اس کے یہاں رہنے سے مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔ اتنے نوکر پھر ان کی آل اولاد مجھے تو گنتیوں کی تعداد... نہیں۔ ایک یہ بھی ہوئی۔ وہ تو میں اس لئے پوچھ رہی تھی کہ بالکل نیا چہرہ۔ مقامی بھی نہیں لگ رہی تھی"۔

ماہین نے طمانیت کا گہرا سانس لیا۔

عالم تاب ہال سے باہر چلی گئیں۔ کچھ سوچ کر ماہین بھی اٹھی اور پیچھے پیچھے چل پڑی۔ کچن سے ملحق راہداری میں... بال اور کلو باتیں بنا رہی تھی۔

"کلو! اسے ناشتا کرا دو اور سب سے اوپر جہاں تمہارا کمرا ہے۔ وہاں کسی کمرے میں اسے پہنچا دو۔ اتنا لمبا سفر کر کے آئی ہے' تھک گئی ہوگی۔

"بالو...... تم ناشتا کر کے آرام کرو اور بالکل فکر نہ کرنا' تمہارا کام میں کر دوں گی۔ بس اس بات کا دھیان رکھنا جو تم... مجھ سے کہا ہے۔ کسی اور سے نہ کہنا ورنہ تمہارا کام کبھی بھی نہیں ہو سکے گا اور تمہیں ایسے ہی واپس جانا ہوگا پھر...... سمجھ رہی ہو... میری بات"۔

اس نے بالو کی شکل دیکھی۔ کلو وہاں سے جا چکی تھی۔

"جی...... جی"۔ بالو چوٹی میں بل ڈالنے لگی۔

مطربہ کے حوالے سے وہ اس کیلئے بہت اہم ہوگئی تھی۔ اس کی بہن عجیب پر اسرار انداز میں دنیا چھوڑ گئی تھی۔ ...

...ایک ایک حرکت اسے چونکاتی تھی محض یہی ایک بات اسے پہلی بار کشاں کشاں دریا بستی کھینچ لائی تھی۔

"ایک بات پوچھوں تم سے؟" اچانک اسے دھیان آیا۔

"جی پوچھئے"۔ بالو نے گم صم سے انداز میں جواب دیا۔

"تمہارا چہرہ بالکل کم عمر لڑکیوں جیسا ہے لیکن جب تم میرے کمرے سے نکل رہی تھیں۔ مجھے جانے کیوں محسوس ہوا کہ تم شادی شدہ ہو"۔ ماہین کی آواز بہت دھیمی تھی۔

بالو نے چونک کر ماہین کی شکل دیکھی۔ پھر ایک دم نظریں جھکالیں۔

"آپ کے کتنے بچے ہیں بیگم صاحبہ؟"

"ایک بھی نہیں"۔ اس نے زیادہ لمبی بات کرنا مناسب نہ سمجھا۔

"پھر بھی آپ کی نگاہ"۔ وہ جھجک کر رک گئی۔

"وہ بزرگ کہتے ہیں کہ "بیاہ نہیں کیا باراتیں تو دیکھی ہیں"۔ یہ کوئی ایسی مشکل بات تو نہیں۔

وہ میں اس لئے بھی پوچھ رہی تھی کہ مجھے تمہارے حالات سے مکمل طور پر باخبر ہونا چاہیے۔ ورنہ میرے اپنے لئے مسئلہ ہو سکتا ہے"۔

"وہاں ہمارے ہاں کراچی میں ایک سیانی ہے مائی خیراں۔ بڑا اچھا علاج کرتی ہے۔ کتنی بے اولاد عورتیں"۔

"(لاحول ولا قوۃ) تم ناشتا کر کے اوپر آرام کرو۔ میں موقع مناسب دیکھ کر تمہیں بلوا لوں گی۔ جب تک میں نہ بلاؤں' نیچے مت آنا۔ ٹھیک؟"

اس نے فطری انداز میں جھجک کر اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ جیسے آپ کہیں گی' ویسے ہی کرونگی"۔ بالو نے کنگھے سے بال نکال کر تنکا کرنا شروع کیا۔

ماہین دوبارہ ہال کی سمت بڑھ گئی تھی۔

....

اس نے کلو کو بالو کا خیال رکھنے کی ہدایت کر دی تھی۔ اسے بس رات کا انتظار تھا پچھلی رات کیونکہ بہت پریشان گزری تھی۔ آج رات سب جلدی ہی اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔

دلاور خان آفیشل سٹڈی میں مصروف تھے' یہ وقت اس کیلئے بے حد کٹھن تھا کہ جانے کب سوئیں۔

اور پھر یہ کہ شاید نہ سوئیں بلکہ اسے بھی جگائیں۔ ان کے پل پل بدلتے موڈ کا بھلا کیا بھروسا۔

"کافی بناؤں آپ کیلئے؟" اس نے یونہی پوچھ لیا تھا۔ آخر ٹائم بھی تو گزارنا تھا۔

"نہیں...... موڈ نہیں ہے۔ سونا چاہو تو سو سکتی ہو"۔

... تک وہ بڑی سرعت سے کوئی عرصہ پھلانگ گئے تھے۔ آپ سے تم پر آ گئے تھے۔ اس نے محض نوٹس لیا... نہیں برا منایا بلکہ شاید اسے اچھا لگا تھا۔ حقیقی قربت کا احساس جاگ اٹھا تھا۔

اکثر اوقات تو وہ اسے اتنے پر تکلف محسوس ہوئے تھے کہ لگتا تھا ان کے آفس میں بیٹھی ہوئی ہو۔

''فی الحال تو نیند نہیں آ رہی۔ شاید روشی بھی جاگ رہی ہو۔ فون کر لوں اسے؟''

''کیا ضروری ہے؟ اتنے نخرے مت اٹھاؤ۔ اس کا آل ریڈی دماغ خراب ہے''۔ انہوں نے کوفت بھرے انداز میں کہا۔

''اوں...... ہوں...... یوں نہ کہیے۔ سب کی سننا چاہیے۔ جاتا کیا ہے''۔

''اب آپ موصوفہ اپنی وکالت سے میری رات کالی کرینگی؟ جایئے کر لیجیے''۔

انہوں نے جیسے جان چھڑائی۔ یا پھر یہ کہ کوئی سوفٹ کارنر موجود تھا۔

''تھینکس''۔ اس نے جانے سے پہلے فریج سے چھوٹا سا پانی کا جگ نکال کر ان کے قریب رکھا۔ سائڈ... اور خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

ہال میں آئی تو دیکھا۔ باری فون کرنے میں مصروف تھا۔ سرسوتی سمیتا سمتائی میں مصروف تھی جس سے انداز... اوپر ''مہمان'' کے ساتھ باتیں بنا رہی ہے۔

''صبح ہو سکتے ہیں یہ سب کام۔ تمہیں صبح سب سے پہلے اٹھنا ہوتا ہے۔ سو جایا کرو''۔ اس نے ہمدردانہ انداز میں...

''کہاں اٹھتی ہے یہ صبح۔ ماما بی سے پوچھیے کس طرح اٹھاتی ہیں اسے؟''

باری نے ڈائل کرنے کا عمل موقوف کیا اور ریسیور کان سے ہٹا لیا۔

''خیریت ہے ناں؟'' اس نے ماہین سے استفسار کیا۔

''ہاں خیریت ہے۔ بس وہ ایک فون کرنا تھا ہری پور۔ روشی کو۔ مجھے یقین ہے وہ جاگ رہی ہوگی''۔ وہ... پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''مجھے بھی یقین ہے''۔ وہ بے ساختہ انداز میں گویا ہوا تھا۔ مگر اپنی بے ساختگی پر شرمندہ نہیں تھا۔

ماہین نے بغور اس کا چہرا دیکھا تھا۔

''بڑی خوار ہے لڑکی۔ بس کرو''۔ وہ ہنس رہی تھی۔

''ذرا ڈائل تو کرو۔ کہیں ریکارڈنگ تو نہیں لگی ہوئی۔ السلام علیکم اطلاعاً عرض ہے اس وقت تمام لائنیں مصروف... مہربانی تھوڑی دیر بعد ڈائل کیجیے''۔ اس نے بڑے انداز سے نقل اتاری۔

باری بڑے بھرپور انداز میں ہنس دیا۔ پھر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''کیا بات ہے بڑے خوش نظر آ رہے ہو''۔ ماہین نے کچھ محسوس کر ہی لیا تھا۔

''خوش رہنا چاہیے۔ اگر نہیں تو خوش رہنے کی کوشش کرنی چاہیے''۔ وہ نمبر ملاتے ہوئے بھی جواب دینے...

''جناب۔ مسز یاور علی خان مس روشانے سے بات کرینگی''۔ نمبر مل گیا تھا۔

''آ جائیے۔ ہولڈ کرایا ہوا ہے۔ بڑی خوبصورت دھن لگی ہوئی ہے''۔ اس نے ماہین کو بلایا۔

...بات کر لو حال چال پوچھ لو''۔ وہ مسکراتی ہوئی قریب آ گئی۔

...بھی چھیڑا کریں گی؟'' اس نے ریسیور ماہین کو تھما دیا۔

''...مذاق ہے''۔ اس نے مسکراتے ہوئے ریسیور کان سے لگا لیا۔

باری وہیں بیٹھ کر اخبار الٹ پلٹ کرنے لگا۔

''ہوں...... وعلیکم السلام''۔

''سو گئی تھی۔ سو سوری۔ ریئلی ویری سوری۔ بائی دی وے۔ کیا یہ ٹرنکولائزر کا کمال ہے۔ ہمارا تو خیال تھا' شاید تم تبدیلی ... رہی ہوگی اور جاگ رہی ہوگی''۔

''نیچرل نیند سو رہی تھی؟ یہ تو بہت اچھی بات ہے' اس کا مطلب ہے کہ بالکل بھی ٹینس نہیں ہو۔ ویری گڈ ہونا بھی نہیں ... مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی''۔

''ٹھیک ہے۔ ان کے موڈ کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ نہیں' تم سے متعلق انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ سچ''۔

''...سے بات کرو گی؟'' ماہین نے باری کی سمت دیکھا جس نے جھکا سر اٹھا کر کوئی تاثر نہیں دیا۔

''ہاں یہیں۔ ہال میں مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر۔ نہیں۔ مرضی ہے تمہاری۔ اچھا چلو اب تم سو جاؤ۔ مجھے تمہاری ... ہی معلوم کرنا تھی۔ اوکے۔ اللہ حافظ''۔ اس نے ریسیور لٹکا دیا۔

''اچھا جناب۔ اب خبر لینا ہے تمہاری۔ مجھ سے چھپانے کی کیا ضروری تھی کہ روشی سرائے میں بحفاظت موجود ہے۔ ...بھابی بیگم نے بتایا تو مجھے واقعی تم پر بہت غصہ آیا۔ تم بھی ڈرامہ کرتے ہو......؟

''یہ کوئی چھپانے والی بات تھی؟ وہ اپنے حقیقی چچا کے ہاں تھی' جبکہ وہ گئی ہی وہیں تھی۔ درمیان میں کوئی بلینڈر بھی نہیں ...ہوا''۔

...حالانکہ جب اس پر انکشاف ہوا تھا تو اس نے فوراً باری سے متعلق برا گمان نہیں کیا تھا...... یہی دھیان آیا تھا کہ سرائے ... حویلی کے جس طرح کے تعلقات ہیں' عین ممکن ہے کہ باری وہاں اتنا انوالو نہ ہو اور تیمور علی خان نے باری سے بھی ... روشی کی موجودگی چھپائی ہو جس طرح خود اس سے چھپائی تھی۔ اہم نکتہ تو یہ تھا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا تھا۔ روشی ... کھروڑ پکا ہیر کو اپنی کزنز کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس سے بھی یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ دونوں بھائیوں کے تعلقات ''پروپر'' ...

...لیکن اس وقت تو اس نے اندھیرے میں تیر چلایا تھا۔ یہ تو یقین تھا کہ جلد یا بدیر وہ روشی سے حقائق معلوم کر لے گی' وہ ... بات زیادہ دیر چھپا نہیں سکتی۔

''...وہاں اتنا انوالو نہیں ہو۔ وہاں اگر میرا وقت گزرتا ہے تو زیادہ تر کچہریوں کے چکر یا شوگر مل میں۔ کاکا جان اس ... کہتے ہیں۔ بابا صاحب کہتے ہیں تو چلا جاتا ہوں۔ کبھی کبھار جاگیر کا بھی کوئی کام نکل آتا ہے۔ اینڈ ڈیٹس آل''۔ ...و گر زیادہ یہ اعتماد تھا اس میں۔

''ویسے باری۔ یہ تیمور علی خان کی شخصیت کچھ مسٹریس سی نہیں ہے؟ مجھے تو بہت عجائب غرائب مر...
ہیں۔ یاور تو اس موضوع پر بات ہی نہیں کرتے۔ شاید ان کے درمیان کوئی پراپرٹی ڈس پیوٹ (تنازعہ) ہے...
''جی' میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یقین کیجیے' میں یہاں بھی اتنا انوالو نہیں ہوں جتنا آپ سمجھ رہی ہیں''۔ وہ...
چونک کر بولا تھا۔

ماہین چونکہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ اس لئے گہرا سانس لے کر ایزی ہو گئی۔

''ستو باری۔ ''بنے بنائے'' کو نہیں بناتے''۔ اس کے انداز میں شکایت تھی۔

''خدانخواستہ...... یہ مجال نہیں ہے میری آپ تو ماشاء اللہ بہت جینئیس ہیں''۔ وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم بھی تو کوئی نمبر ڈائل کر رہے تھے جب میں نے مداخلت کی تھی۔ پھر تم نے دوبارہ ڈائل نہیں کیا۔ کیا بھول...''

ماہین نے یاد دلایا۔

''نہیں...... پوسٹ پونڈ کر دیا ہے۔ شاید میرا دوست سو چکا ہو''۔ اس نے جیسے بات کی نہیں۔ بلکہ اڑا دی۔ ''دو...
معاملے میں بہت کانشس ہوتے ہیں۔ ان کی ٹائمنگ کا خیال رکھتے ہیں''۔ ماہین نے معنی خیز انداز میں اسے دیکھا۔

''یاد رکھوں گا''۔ وہ مسکرا دیا۔

''تم سوتے کب ہو؟'' جاتے جاتے وہ پلٹ آئی۔

''خیریت؟'' وہ الجھا۔

''ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔ کیونکہ ہمیشہ جاگتے ہوئے ہی ملتے ہو''۔ وہ بولی۔

''سوتا بھی ہوں مگر بڑی جلدی فریش ہو جاتا ہوں۔ مجھے لمبی نیند کی خواہش نہیں ہوتی۔ ہمیشہ سے۔ اب...
رہا ہوں' صبح پانچ بجے اٹھ جاؤں گا۔ لیکن آپ کا جاگنا معنی خیز ہے۔ اب تو الحمد اللہ سب خیریت ہے''۔

''ہاں۔ خیر اللہ کا شکر ہے۔ ویسے ہی کبھی کبھی نیند نہیں آتی۔ اچھا شب بخیر''۔ وہ باہر آ گئی۔

....

سرسوتی کچن میں برتن دھو رہی تھی۔

''سرسوتی۔ دیکھو اوپر سے کلو اور مہمان کو بلا لاؤ۔ میں یہیں ہوں' ادھر ہی لے آؤ''۔

سرسوتی ہاتھ دھو کر فوراً چلی گئی۔ ماہین فریج سے پانی نکال کر پینے لگی۔

وہ سارا دن اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہی تھی مگر ایک لمحے کیلئے بھی اس کا ذہن بالو کی طرف سے نہیں ہٹا...
ذہن تجسس کے دائرے میں گھوم رہا تھا۔ اتنی دور سے یہ مطربہ کی تلاش میں کیوں آئی ہے۔ اس عورت کی تلاش میں جو...
نظر میں برسوں پہلے مر چکی۔ اس لڑکی کا کیا انٹرسٹ؟ ایک بے دست و پا عورت اس کے کس کام کی؟

وہ کرسی پر بیٹھ کر تانے بانے بننے لگی کہ اسے کس کس پوائنٹ پر بات کرنا ہے۔ اور آج ہر صورت مطربہ کے...
اٹھانا ہے۔ کہ ان راہوں سے گزرتے ہوئے ہو سکتا ہے۔ اسے نازنین کے بارے میں کچھ پتا چل جائے۔

...تمین اس سے حاصل کیا ہوگا۔ جو پردے میں ہے' وہ پردے سے باہر آ بھی گیا تو کیا ہوگا۔ وہ کیا کر سکتی ہے۔ وہ کیا کر...

...شاید کوئی بڑا نقصان ہو جائے۔ شاید کوئی بڑا فائدہ ہو جائے کہ غیر واضح ذہن بھی تو انسان کی توانائیاں توڑتا رہتا ہے۔
...ن کو زندگی کے اگلے راستے واضح نظر آ رہے ہوں تو اس کے حال اور مستقبل کے احساس میں ایک سکون کا احساس در آتا
ہے۔ خواہ نقصان کے سودے ہی طے ہوں مگر ایک ذہن بن جاتا ہے اور پھر وہ تو ایک متوازن اور آرام دہ ماحول میں پلی بڑھی
تھی۔ اسے تو معمولی ٹینشن بھی بھاری گزرتا تھا۔ شاید اس کی حقیقی بہن کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ یہاں کی کسی بات کا گہرائی سے
جائزہ بھی نہ لیتی۔

بس کچھ تھا جو اسے محسوس ہوتا تھا۔

حالانکہ جس کی سمت دیکھتی تھی وہ بڑا پاک صاف اور غیر جانبدار نظر آتا تھا۔ پھر بھی جانے کیا محسوس کرتی تھی۔ اس
احساس سے بڑی وحشت ہوتی تھی کہ یہاں ہر معاملے میں غیر ضروری رازداری برتی جاتی تھی۔ وہ تو اس سوچ کی حامل تھی کہ
جب انسان بلینڈر نہیں کرتا تو کانشس بھی نہیں ہوتا۔

''جی بی بی!'' اسے کلو کی آواز آئی۔

اس نے اپنے دھیان سے باہر آ کر ان کی سمت چند ثانیے خالی خالی نظروں سے دیکھا۔

''ہاں...... تم جاؤ۔ کلو آرام کرو۔ آؤ بالو! تم یہاں بیٹھو۔ سرسوتی تم جلدی سے اپنے برتن نمٹا لو۔ پھر پیچھے چلنا ہے''۔

کلو باہر نکل گئی۔ مگر چند لمحوں کے بعد الٹے قدموں اندر آئی۔

''بی بی۔ یاور خاناں بلا رہے ہیں آپ کو''۔

''اوہ۔ مائی گاڈ!'' اس نے پیشانی پر ہاتھ مارا''۔ بالکل بھی دھیان نہیں رہا کہ انہیں جاگتا چھوڑ کر آئی تھی۔

''ابھی آتی ہوں۔ تم لوگ یہیں میرا انتظار کرو''۔

''یہ کون ہیں جو آپ کو بلا رہے ہیں؟'' بالو نے پونی کسی ہوئی ماہین سے استفسار کیا

''میاں ہیں میرے۔ اور اس وقت کس کی ہمت ہو سکتی ہے بلانے کی؟'' وہ ہنستی ہوئی باہر چلی گئی۔

اس چھوٹے سے دل و دماغ والی لڑکی نے کتنے رشک سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''کتنی خوش ہیں یہ۔ ان کا میاں ہوگا۔ ایسا کہ وہ خوش ہوں''۔ اسے جانے کیا کیا یاد آ گیا۔ آنکھوں کے کنارے بھیگنے
لگے۔

نازنین بہت تیز تیز چلتی ہوئی بیڈروم میں آئی تھی۔ اندر نائٹ بلب جل رہا تھا۔

''جی۔ خیریت؟''

''خیریت کیا۔ آرام کیا کرو۔ کیا کر رہی ہو فون نہیں ہوا ابھی تک؟'' انہوں نے کروٹ بدل کر اس کی سمت دیکھا۔

''میں ذرا ہال میں ہوں۔ ابھی آ کر سوتی ہوں''۔ اس نے دروازے کے نزدیک کھڑے کھڑے جواب دیا۔

''ہال میں کیا ہو رہا ہے؟ کیا لڑکیاں ابھی تک جاگ رہی ہیں؟''

''کچھ نہیں ہو رہا۔ بس میں ابھی تھوڑی دیر میں آتی ہوں''۔ اس نے جانے کے ارادے سے قدم بڑھائے۔

''ٹھیک ہے؟''

''اچھا اچھا۔ یہ نائٹ بلب بند کرتی جانا۔ پلیز''۔

''ماہین نے نائٹ بلب آف کر دیا اور باہر آ گئی۔

''بالو اور سرسوتی اس کی منتظر تھیں۔ حسب ہدایت کولڈ ڈرنگ کی لیٹر بوتل سرسوتی سینے سے لگائے کھڑی تھی۔

''چلو''۔ اس کے سینے میں ایک آتش شوق بھڑکنے لگی تھی۔

وہ دونوں خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑیں۔

چند منٹ کی واک کے بعد اپنی منزل تک پہنچ گئیں۔

جھومر انہیں راہداری ہی میں مل گئی۔ اس نے قدرے حیرت سے بالو کی سمت دیکھا جو ماہین کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ لہٰذا اس پر نوکرانی کا احتمال نہیں ہو رہا تھا۔

''السلام علیکم''۔ اس نے ماہین کو سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہو؟''

''جی۔ الحمد اللہ۔ آپ سنائیں، بزرگوار کیسے ہیں؟'' وہ عجب سرخوشی میں مسکرا رہی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے۔ خطرے سے باہر ہیں۔ تم کہاں ویرانے میں چہل قدمی کرتی پھر رہی ہو؟'' ماہین نے بچی سی جھومر پر ایک نگاہ ڈالی۔

''بس جی قسمت میں یہی لکھا ہے''۔ وہ بالو کی سمت دیکھنے لگی۔

''کیا یہ؟'' بالو نے ماہین کی سمت ہچکچاتے ہوئے دیکھا۔

''نہیں نہیں۔ یہ مطربہ نہیں ہے۔ اسے دیکھ کر تو تمہیں بہت دکھ ہوگا۔ جھومر۔ مطربہ کو لے آؤ اپنے کمرے میں''۔ ماہین نے کہا۔

''آج تو بہت ہی ناممکن ہے۔ خان باری خود تالا لگا کر گئے ہیں۔ ان سے چابی کون لائے۔ سمجھیا بھی نہیں ہے یہ تو کرا ڈالا ئیں''۔

''اوہ۔ یہ تو مسئلہ ہو گیا''۔ ماہین الجھن میں پڑ گئی''۔ یہ تو بے چاری دور دراز سے دھکے کھاتی مطربہ سے ملنے آئی تھی۔ سارا وزن ''بے چاری'' پر پڑا، وہ اپنے شوق و تجسس کا تو اظہار کر نہیں سکتی تھی۔

''پھر اب کیا کریں؟'' وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔

'کیا اسے یہاں قید میں رکھا ہوا ہے۔ عارف بھائی تو''۔ بالو کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

سرسوتی نے خدمات پیش کیں۔

''توڑ ساں بی بی''۔ سرسوتی نے ... ''ہاں۔ چلو توڑ دو، اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے، پہلے ایسا کرو پھاٹک بند کر آؤ تا کہ شور باہر نہ جائے''۔ ماہین نے کہا۔

''لیکن باری۔ وہ۔ مجھ پر چڑھائی کر دے گا''۔ جھومر نے منہ بنا کر کہا۔

''تم فکر نہیں کرو۔ میں اس سے خود بات کر لوں گا''۔ ماہین نے تسلی دی۔

''جاؤ، تم کوئی بھاری سا پتھر لے آؤ''۔ اس نے سرسوتی سے کہا۔ وہ بے چاری پتھر کی تلاش میں چل پڑی۔

''یہ کہاں سے آئی ہیں؟'' جھومر نے بالو کی بابت دریافت کیا۔

''کراچی سے''۔ ماہین نے مختصراً کہا۔

''اتنی دور سے..... صرف مطربہ سے ملنے؟'' جھومر کو بڑی حیرانی ہوئی۔

''رشتے دار ہو مطربہ کی؟'' فطری سوال تھا۔

''نہیں''۔ اس نے تھکے تھکے انداز میں ماہین کی سمت دیکھا۔

''یہ ان کا گھر ہے''۔ اس نے جھومر کی طرف اشارا کر کے ماہین سے پوچھا۔

''ہوں''۔ ماہین نے ٹالنے والے انداز میں جواب دیا۔

بالو نے جھومر کی اس مرتبہ بڑے غور سے دیکھا۔ اندھیرے گھنے جنگل یا ویرانے کے بیچوں بیچ رکھی کوئی قندیل۔ وہ بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی، سب سے پہلے تو یہی کہ آپ کے اس گھر میں وہ بے چاری کیوں قید ہے؟ آپ کا گھر اتنا ویران کیوں ہے؟ اور سب سے اہم یہ کہ مطربہ آپ کی کیا لگتی ہے؟ اتنا مبہوت کر دینے والا حسن جلوہ آرا کیوں نہیں۔ اور یہ کہ اتنی ویرانی و وحشت میں آپ کیسے ہنس لیتی ہیں؟ مگر وہ چپ رہی۔ سرسوتی کچھ دیر بعد ہانپتی کانپتی آموجود ہوئی۔

''جلدی کرو سرسوتی۔ پتا نہیں کتنی دیر بعد ٹوٹے گا''۔ ماہین نے پختہ چٹانی پتھر دیکھ کر پرجوش ہو گئی۔

سرسوتی گویا تالے پر ٹوٹ پڑی۔

''کون؟'' مطربہ کی سوئی سوئی آواز۔

''گھبراؤ نہیں۔ ہم تالا توڑ رہے ہیں''۔ جھومر نے دوستانہ انداز میں تسلی دی۔

''کیوں اپنی جان مصیبت میں ڈالتی ہو۔ بھلا فائدہ کیا ہے۔ جاؤ سو جاؤ''۔

''تمہارے مہمان آئے ہیں، ذرا صبر کرو۔ ابھی ٹوٹ جاتا ہے''۔

''مہمان؟'' اس کی حیرت آمیز آواز آئی۔ آواز کا وہ کھویا کھویا پن اڑن چھو ہو گیا تھا۔

''ایک منٹ صبر۔ ابھی دیکھ لینا''۔ جھومر نے تالے کو غور سے دیکھ کر ''کامیابی'' کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

اندر سے آواز آنا بند ہو گئی۔

وہ تینوں بھی بالکل خاموش تھیں۔ پتھر کی ضرب تالے پر پڑتی تھی اور سناٹے میں ایک آفت سی کوشش کی۔

”اندر سے آواز آنا بند ہوگئی۔

وہ تینوں بھی بالکل خاموش تھیں۔ پتھر کی ضرب تالے پر پڑتی تھی۔ اور سناٹے میں ایک آفت کی اتر آتی تھی۔

بالآخر تالا ٹوٹ گیا۔ پرانی وضع کا بھاری دیسی تالا تھا۔ سرسوتی پسینے پسینے ہو چکی تھی۔

”شکر...... جھومر‘ سرسوتی کو کولڈ ڈرنک پلاؤ“۔ ماہین نے سرسوتی کا شانہ تھپک کر خوشی کا اظہار کیا اور کنڈی کھول کر سب سے پہلے خود اندر داخل ہوگئی۔

ایک لمحے کو تو سر ہی چکرا گیا۔ سیلن اور بو سے کوٹھڑی کا ماحول اس کیلئے ناقابل برداشت سا تھا۔ پھر چھوٹا سا پرانا سا بان کے کوٹ چڑھا تکیہ اس پر مستزاد نہایت کم پاور کا بلب۔

”السلام علیکم بی بی!“ مطربہ کی آواز نے اس کے حواس قدرے بحال کیے۔

”وعلیکم السلام“۔ ”یہ کراچی سے اقبال بیگم آئی ہے۔ تمہارا پوچھ رہی ہے“۔

ماہین نے جلدی سے تعارف کرایا۔

”اقبال بیگم۔ کون؟“ اس نے بغور بالو کو دیکھا۔ جو دم بخود سی کھڑی تھی۔ ”لیکن میں نے تو اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“ وہ حیرت زدہ تھی۔

”میں عارف بھائی کے گھر سے آئی ہوں“۔ اس نے بمشکل حلق صاف کر کے آواز نکالی۔

”یہ...... یہ...... مطربہ“۔ بالو نے بڑے ششدر سے انداز میں ماہین کی طرف دیکھ کر استفسار کیا تھا۔

”عارف...... وہ زندہ ہے؟ کیا لگتی ہو تم عارف کی؟ اس کی کوئی بہن تو تھی نہیں۔ تو کیا بیوی“۔ وہ بولتے بولتے رک گئی۔

ماہین کے جواب دینے سے پہلے ہی وہ شروع ہوگئی تھی۔

بالو کی حالت عجیب و غریب ہو رہی تھی۔ وہ تو مطربہ کا جانے کون سا سنہری سا تصور لئے یہاں تک آئی تھی۔ وہ مطربہ جس کیلئے وہ صرف شعر کی زبان استعمال کرتا تھا۔

”میں اس کی کچھ نہیں لگتی‘ تم نے انہیں کسی کا کچھ لگنے کے قابل ہی کہاں چھوڑا ہے“۔ اس کے اندر تلخی سوئی پڑی تھی ایک دم جاگ اٹھی۔

ایسا کرو مطربہ۔ جھومر کے کمرے میں آ جاؤ“۔ ماہین زیادہ حبس زدہ ماحول برداشت نہ کرسکی۔ یوں بھی آگے ”کام“ تھا۔

”جھومر! انہیں اپنے کمرے میں لے آؤ“۔ وہ کہتی ہوئی باہر آ گئی اور جھومر کے کمرے میں پہنچ کر اس نے اے سی کو لنگ بڑھائی۔ دونوں ٹیوب لائٹیں جلائیں۔ سوواٹ کا ایک بلب بھی تھا۔ اس نے وہ بھی جلا دیا اور گہری گہری سانس لے کر صوفے پر ڈھے گئی۔ اوہ میرے خدا۔ بے چاری مطربہ۔ کاش میں اسے تازہ ہوا میں لاسکوں۔ اس کے مقابلے میں کتنی خوش قسمت ہیں وہ ڈنگر اور گھوڑے جو اصطبل میں بندھے ہیں۔ ایک دکھ اس کی رگ و پے میں اتر گیا۔

چند منٹوں بعد وہ تینوں بھی اندر آ گئیں۔ جھومر اپنے بیڈ پر اور وہ دونوں کارپٹ پر دروازے کے قریب بیٹھ گئیں۔ بالو

تھی کہ کہاں بیٹھے۔

”...... اور تذبذب میں...... کوئی بات نہیں۔ اس حویلی میں سب سے زیادہ بھائی چارہ تمہیں میرے کمرے میں دیکھنے کو ملے گا“

”یہیں بیٹھ جاؤ۔ کوئی بات نہیں۔“ جھومر نے اپنے مخصوص قہقہے کے ساتھ اپنے بیڈ پر بیٹھنے کا اشارا کیا۔

”بھی کہہ سکتے ہیں“۔ (بڑے دل گردے والی ہے جھومر)

...... کو بھی ہنسی آ گئی ...... جھجکتے ہوئے قدم بڑھائے اور بہت احتیاط سے ایک کونے پر ٹک گئی۔ پھر جیسے ایک دم چونک پڑی۔ اس کوٹھڑی میں تو وہ ایک بھوت محسوس ہو رہی تھی۔ مگر یہ کیا۔ اتنے موزوں نین نقش جیسے کوئی تصویر ہو۔

”تم عارف کی کیا لگتی ہو“۔ مطربہ اس سے زیادہ بے چین نظر آئی۔

(تم نے اسے اس قابل ہی کہاں چھوڑا ہے کہ کوئی اس کا کچھ لگے) بالو نے اس پر ایک نگاہ کی۔

”کچھ نہیں...... میں تو تم سے یہ کہنے آئی ہوں‘ کیوں برباد کر دیا اسے؟ تمہیں ملا کیا؟“ اس کی آواز میں تیزی تھی۔

مطربہ نے حیرت سے اسے دیکھا“ ”جب تم اس کی کچھ نہیں لگتی تو کہاں پالیا اسے؟“

”بابا کہاں ہے؟ پانے کے جتن ہیں۔ جب وہ یہاں سے گئے تو تم نے ان کے سامنے سارے دروازے بند کر کے کیوں نہ دکھا دیے؟ کس امید نے انہیں آج تک تنہا کیا ہوا ہے؟“ وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

”میں تو اسے ہمیشہ سے مایوس کرتی رہی ہوں۔ اگر وہ سر پھرا ہے تو میں کیا کروں؟ جو کچھ ہوا اس کے سامنے ہوا“۔ مطربہ نے یاسیت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

”یہ عارف کون ہے؟“ ماہین سے اور زیادہ صبر نہ ہوسکا۔

”یہیں ہوا کرتا تھا۔ خواب دیکھنے والا میری طرح۔ ایک بے وقوف۔ اگر وہ حسن پرست تھا تو بھی احمق تھا۔ باقی نہ رہنے والی چیز کا سایہ بننا چاہتا تھا“۔ مطربہ نے افسردگی سے کہا۔

”کیا یہاں حویلی میں؟“ ماہین نے سوال کیا۔

”ہاں۔ سمجھ لیں۔ گاؤں کے چند پڑھے لکھے لڑکوں میں سے ایک تھا۔ سنو تم اس کے پاس واپس جاؤ تو کہہ دینا جو زنجیریں اس کے سامنے پہنائی تھیں‘ وہ آج بھی میرے پاؤں میں ہیں۔ وہ خوش خبریاں جو وہ پوٹلی میں باندھے پھر رہا ہے۔ وہ میرے کسی کام کی نہیں۔ میری طرف سے اجازت ہے کہ تمہیں دے دے“۔ مطربہ کی آواز بھرا گئی۔

”مجھے تو بڑی جلدی ہے۔ میں تو یہ دیکھنے آئی تھی کہ وہ کس آس پر ہر طرف سے آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں“۔ بالو نے مطربہ کی بیڑیوں پر ترحم آمیز نظر ڈالی۔

”تم عارف‘ عارف کر رہی ہو‘ حالانکہ وہ تمہارا کچھ نہیں لگتا۔ پھر بچہ کس کا ہے؟“ ماہین کہے بغیر رہ نہ سکی۔ دوسرے یہ کہ نو وارد لڑکی سے وہ خود اپنا تعلق ظاہر کر چکی تھی۔ اور یوں براہ راست اس پر ڈرے ...... تھی۔ ایک تو لڑکی مشکوک دوسرے عالم تاب کی کھوجتی نظریں۔ اس کا اس قدر کانشس ہونا فطری تھا۔

”بچہ تو میرے خاوند کا ہے جی۔ آپ غلط مت سوچیں“۔ بالو نے نہایت دکھ سے کہا۔ وہ ماہین کے انداز پر بہت کچھ سمجھ

چکی تھی۔

''پھر...... یہ عارف کا کیا قصہ ہے۔ کیا وہ مطربہ''۔ ماہین کو حقیقت حال جاننے کی بہت بے چینی تھی۔
اعتراف کر چکی تھی کہ وہ نازنین کی مجرم ہے اور اسی وجہ سے قید تنہائی کی سزا ہوئی ہے۔ کیا معلوم عارف کے قصے میں
؟اس لئے تجسس اپنے کمال پر تھا۔

''وہ میرا قاتل ہے۔ میرا خون ہے اس کے ذمے۔ اور یہ اسے پاک صاف نہیں ہونے دے رہی''۔ بالو
سے ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''جھومر' ماہین اور سرسوتی حیران پریشان بیٹھی رہ گئیں۔ مطربہ البتہ بالکل پرسکون تھی۔

''تو اسے یہاں لے آتی ناں۔ کر دیتی اس بے وقوف کو پاک صاف''۔ اس نے سپاٹ لہجے میں بالو سے کہا۔

''میرے اس کے بیچ پابندی والا کوئی رشتہ کبھی قائم نہیں ہوا۔ وہ تو بہت چھوٹا آدمی تھا اور مجھے اونچے خواب دیکھنے
عادت تھی''۔ وہ تلخ لہجہ اور مسکراہٹ سے گویا ہوئی۔

''مگر تم تو شادی شدہ ہو''۔ ماہین ٹوکے بنا نہ رہ سکی۔

''اسی نے یہ پھندا میرے گلے میں ڈالا تھا۔ جب ہی تو کہتی ہوں' وہ میرا قاتل ہے''۔ بالو بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''تمہاری میاں سے بنتی نہیں ہے؟'' ماہین ٹھیک اندازے کے قریب پہنچی۔

''میں بتانا نہیں چاہتی''۔ وہ تڑخ کر بولی۔

''پسند نہیں ہے''۔

''نہیں''۔

''نکھٹو ہے؟''

''مارتا ہے؟''

نشہ کرتا ہے؟''

''بس جی...... مجھے اچھا نہیں لگتا شروع سے۔ بہت بڑا ہے عمر میں مجھ سے''۔ اس نے آنکھیں رگڑیں۔

''تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ میرے میاں بھی مجھ سے بہت بڑے ہیں''۔ ماہین کا انداز سمجھانے کا تھا۔ کہ وہ
ثابت ہو رہی تھی۔

''مگر وہ آپ کو اچھے لگتے ہوں گے''۔ بالو نے بے پرواہی سے کہا۔

''ہاں۔ خیر یہ تو ہے''۔ وہ ہنس پڑی۔

''تمہارا میاں کیا بدصورت ہے؟'' جھومر جو دم بخود بیٹھی سن رہی تھی۔ ایک دم بولی۔

''جب دل ہی نہیں چڑھا۔ تو کیا کریں''۔ بالو نے ایک ناک چڑھائی۔

''عادت کا کیسا ہے۔ ایمانداری سے بتاؤ۔ سچ سچ''۔ ماہین نے اس کی صورت بغور دیکھی۔

عادت تو آپ ہی اچھی ہونی تھی جی''۔ بالو نے ڈنڈی ماری۔
''تنی کم عمر اور کیسری بیوی ملی تھی۔
''خیر یہ تو عادت کیلئے شرط نہیں۔ بڑی بڑی حسین بیویاں ہوتی ہیں مگر عادت خراب ہو تو مرد نہیں بدلتا۔ تم نے اسے بڑا
بےوفائی کا۔ تمہارے گھر والوں کی رضامندی ہوگی۔ تب ہی تو بارات لے کر گیا ہوگا۔ تمہیں اغوا تو نہیں کیا تاں''۔
ماہین نے کڑوا سچ بولا۔ بالو نے گڑبڑا کر اس کی شکل دیکھی مگر بولی کچھ نہیں۔

''اس کا تو کوئی تصور نہیں۔ اسی لئے تو شروع میں شادی سے پہلے ہی یہ بات طے کرنے کا حکم ہے۔ تا کہ بعد میں اس
طرح کی صورتحال پیدا نہ ہو۔ مگر ہمارے ہاں اس بات کا خیال ہی نہیں رکھا جاتا۔ بارات والے دن رضامندی معلوم کی جاتی
ہے۔ جب سو آدمی دروازے پر آموجود ہوتے ہیں۔ پھر لڑکی کیا کرے گی۔ اتنے اہم مقام پر شرع کو نظرانداز کیا جاتا ہے
جب کئی زندگیاں داؤ پر لگی ہوتی ہیں''۔
ماہین نے تاسف سے کہتے ہوئے جھومر کی طرف دیکھا جو درد مشترک کے احساس سے گم صم سی بیٹھی تھی۔

''کیا عارف کا حویلی میں آنا جانا تھا؟'' اس نے مطربہ سے دریافت کیا۔

''اس کی ماں حویلی میں ہی رہتی تھی۔ اس کا باپ پٹواری تھا۔ بڑے خان ہی عارف کو پڑھا لکھا رہے تھے تا کہ باپ کے
بعد پٹواری سنبھالے''۔ مطربہ نے جواب دیا۔

''کیا تمہارے اس قصے سے میری بہن کا بھی کوئی تعلق ہے؟ وہ کسی خیال سے چونکی۔
مطربہ چند ثانیہ خاموش رہی۔
بس کیا کہوں۔ ان کا بڑا نقصان کیا ہے میں نے''۔ وہ رونے لگی۔
وہ موڑ آ گیا تھا جس کے لئے ماہین نے تگ و دو شروع کی ہوئی تھی وہ ایک دم سنبھل گئی۔

☆......☆......☆......☆......☆

وہ چاروں اس کی سمت بغور دیکھ رہی تھیں۔

خدا کے لئے مطربہ۔ اب بس کرو۔ کہہ ڈالو۔ ماہین نے بہت زچ ہو کر کہا تھا۔

تم کیوں مجھے ڈھونڈتی ہوئی آئی ہو۔ اس نے

ماہین کی بے چینی نظر انداز کر کے بہت سکون سے کہا۔ میں تو تمہیں ساتھ لے جانے کے لئے آئی تھی کہ تم بر...

اتنا کہہ دو کہ تم نے اسے آزاد کر دیا۔ اسے رہا کر دو۔ ایسے کہ وہ تمہاری آس میں جینا چھوڑ دے۔ بس اپنے لئے جی...

لئے جو اس کے ساتھ جینا چاہتے ھیں۔،،

بالو ایک تواتر سے بولی اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس کی جانتی تھی بلا کہ ماہین کس عذاب سے گزر رہی ہے۔...

اسے ہمیشہ مایوس کیا ہے۔ کب اسے اپنا پابند کیا ہے۔ کیوں خوامخواہ مجھ مری ہوئی کو درے لگا رہا ہے۔ ایک بات سنو...

کا دماغی توازن درست نہیں رہا۔ تم بالکل جوان ہو۔ کوئی اور گھاٹے کا سودا مت کر بیٹھنا،،۔

مطربہ نے بڑے خلوص سے مشورہ دیا تھا۔ اور ایک سچے چاہنے والے کی ساکھ بری طرح مجروح کر کے رکھ دی...

بھئی، تم یہ قصہ کل پہ اٹھا رکھو مطربہ! مجھے بتاؤ۔ کیا کہہ رہی تھیں؟ ماہین سے مزید برداشت نہ ہو سکا۔

کیا سننا چاہ رہی ہیں آپ؟ پتہ نہیں آپ کی برداشت کی حد کہاں تک ہے؟ وہ پھر اطمینان مگر قدرے تھی...

تم میری فکر نہیں کرو ماہین نے جلدی سے تسلی دی۔

جھومر کے سامنے ہی بتا دوں۔ کہیں یہ تختہ الٹا نہ کر دے۔ مطربہ دھیرے سے مسکرائی۔

...ے گی کو مجھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

بے فکر رہو۔ ماہین بی بی کو مجھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس بات سے قطع نظر کہ ماہین اور بالو اپنے اپنے حصے کی قیامت سے گزر رہی ہے۔

جھومر حسب عادت کھلکھلائی۔

"بات کچھ اس طرح سے شروع ہوتی ہے بی بی!" مطربہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

....

"توبہ توبہ...... بتاؤ چھاجوں پانی برس رہا ہے"۔

خالہ سولہ آنے بھیگی نچڑی ہانپتی کانپتی گھر میں داخل ہوئیں۔ نام تو بے چاری کا اچھا بھلا انوری بیگم تھا۔ مگر اپنے تکیہ کلام کی وجہ سے سولہ آنے مشہور ہو گئی تھیں۔

"کوئی وقت سے ریل پکڑتیں سولہ آنے۔ ایک تو اندھیر نگری دوسرے بارش"۔

ایک کونے میں پڑے پلنگ پر بیمار بڑی بی کراہتے ہوئے بولیں۔

"ارے کیا بتاؤں پھوپھی۔ گھر سے تو حساب سے ہی چلی تھی۔ مگر کیا کروں ضلع اکبر اعظم تحصیل پٹارو موضع گنج بخش کے ان چھوٹے سے گاؤں اللہ وسایا تک پہنچنا آسان سی بات ہے۔ میں تو تمہارا تار ملتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ کس کا علاج کرا رہی ہو؟"

خالہ سولہ آنے نے سر سے برقعہ کھینچ کر نچوڑنا شروع کیا۔

"ارے وہی حکیم چلمن والا۔ اور کون سے شاہی طبیب آئیں گے یہاں"۔ بڑی بی تکلیف سے عاجز بڑے حال پر قابو پا کر جل کر بولیں۔

"خیریوں تو نہ کہو پھوپھی۔ بڑے بڑے شاہی طبیبوں نے نبض ٹٹولی ہے تمہاری"۔ خالہ سولہ آنے نے گلے سے دوپٹہ بھی اتار کر نچوڑنا شروع کر دیا تھا۔

"کمبخت کب کی باتیں لے بیٹھی۔ کچھ کھا پی لے کپڑے بدل کر' بھوکی پیاسی مر رہی ہو گی۔ ارے زیتون بانو۔ کدھر ہے ری۔ خالہ آئی ہیں"۔ بڑی بی نے پوری طاقت اکٹھی کر کے چیخ و پکار شروع کی۔

چند منٹوں بعد ایک بجلی کا جھماکا ہوا تھا۔

"السلام علیکم...... خالہ...... میں تو چھت پر بارش میں نہا رہی تھی"۔ وہ خوشی سے نہال نظر آ رہی تھی۔

"ہزار مرتبہ کہا ہے وقت بے وقت کوٹھے پہ مت کھڑی ہوا کر۔ پرسوں بھی تجھے اصغر لوہاری کا لونڈا چھیڑ رہا تھا۔ باز نہ آ اپنی حرکتوں سے"۔ بڑی بی کا پارہ چڑھ گیا۔

"اب کیا کرے غریب' عمر ہی چھڑوانے کی ہے"۔ خالہ نے قہقہہ لگایا۔

"لاؤ خالہ! چابی دو۔ تمہارے کپڑے نکال دوں۔ ان کی عادت ہی ہے بہانے بہانے سے ڈانٹنے کی"۔ زیتون بانو نے خالہ کے سامنے ہاتھ پھیلایا۔

"بھئی کیا اٹھان لی ہے لونڈیا نے"۔ خالہ نے بھیگے کپڑوں میں جانے کس انجانی خوشی سے چور چور موی گڑیا کو دیکھا۔

''اڑان بھی لے لے گی۔کوئی وقت جاتا۔اسی لئے تجھے بلایا ہے کہ اس بھاری پتھر کو سر کانے میں میرا ہاتھ بٹا''۔ بڑی بی کانپتی آواز میں گویا ہوئیں۔

''ارے اللہ نہ کرے' کہاں کا بھاری پتھر۔کیسی خوشبو جیسی لونڈیا ہے''۔

خالہ نے ستائشی نظروں سے اس کا سراپا دیکھا جو سولہ آنے ترتیب وار تھا۔

''یہ تو اپنی ماں سے بھی بڑی شے نکلی ہے''۔

خالہ نے گریبان سے بٹوا نکالا اور اس میں سے چابی نکال کر زیتون بانو کو تھمائی۔وہ اپنی تعریفیں سن کر کھلکھلا رہی تھی۔

''ارے چھوڑ نامراد کا قصہ۔جان جلتی ہے میری اس کے نام پر''۔

بڑی بی نے اپنی جان ناتوان سے خوامخواہ ایندھن خرچ کیا۔

زیتون بانو ہنستے ہوئے صندوق کھول رہی تھی'۔ ایسی تعریفیں تو مرد ہی عورتوں کی کرتے ہیں''۔وہ بہت سرور میں تھی۔

''اری بدذات کس کس سے سن بیٹھی تعریف۔ابھی سے تیرا یہ حال ہے''۔ بڑی بی تو آگ بگولہ ہو گئیں۔

''مردوں کی تعریف پہ نہیں جاتے بیٹا! چڑیا پھانسنے کا دانہ ہے یہ مردوں کا۔خبردار۔ایسے پھینک کر ڈالتے ہیں ایک طرف کہ چونچ پانی تک نہ پہنچے''۔خالہ سولہ آنے قدرے سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

''اری تو نے بتایا نہیں کس نے کی تھی تیری تعریف؟''بڑی بی کی سوئی ایک جگہ اٹک گئی تھی۔

''ہائے اللہ! میں نے تو ویسے ہی کہہ دیا تھا نانی!''زیتون جھلا گئی۔

''ارے ہٹاؤ بھی پھوپھی۔مچھلی کے بچے کو کون سکھائے''۔خالہ قل قل کرتی ہنسی کے ساتھ گویا ہوئیں۔

''یہ تو اسی طرح نہا دھو کر پیچھے پڑ جاتی ہیں۔جاؤ خالہ! تم نہا کر کپڑے بدل لو۔میں تمہارے لئے کھانا گرم کرتی ہوں''۔زیتون بانو اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تو تو کپڑے بدل لے۔بخار وخار چڑھ گیا تو الٹے لینے کے دینے پڑ جائینگے''۔خالہ کپڑے اٹھا کر غسل خانے کی طرف چل پڑیں۔

''زیتون بانو!''بڑی بی نے پکارا۔

''ہوں''۔

''ذرا سا سوجی کا حلوہ بنا لے۔بڑی دور سے آئی ہے خالہ۔ایک پیالی چائے بھی بنا دیجیو۔پانی میں بھیگتی ہوئی آئی ہے بے چاری''۔

''سن رہی ہے؟''

''ہاں ہاں......بہری نہیں ہوں''۔وہ چڑ کر بولی۔

''تو کاٹ کھانے کو کیوں دوڑ رہی ہے۔آواز دبا کر بولا کر۔جوان لونڈیوں کے یہ ڈھنگ اچھے نہیں ہوتے''۔بڑی بی ناراض ہو گئیں۔

''حکیم ململ والے کے پاس دوا لینے جاؤ تو کم بولنے کی بھی کوئی دوا لیتی آنا۔طاقت کی مت لانا۔وہ تو تمہارے کام آ جاتی ہے''۔زیتون بانو نے جھلا کر کہا تھا۔

''دیکھو اس کی زبان کیسی چلنے لگی''۔نامراد! قد کے ساتھ ساتھ کیا زبان بھی بڑھ رہی ہے۔اب میری استانی بنے گی''۔ بڑی بی بڑبڑانے لگیں۔

زیتون بانو چپ چاپ کھانے کے انتظام میں لگی رہی۔

تھوڑی ہی دیر میں خالہ غسل خانے سے باہر آ گئیں۔

''پھوپھی۔شہر بانو کتنی دیر میں چکر لگاتی ہے اب؟'' وہ بڑی بی کی چارپائی پر ایک طرف بیٹھ گئی۔وہ کیوں چکر لگانے لگی۔ہم نے ان کو کون سا اس کے قرضے دینے ہیں۔بھولے بھٹکے منی پر ذرا آ جاتے ہیں۔کبھی کبھار۔میں تو خدا سے چاہتی ہوں کہ دوبارہ نہ آئے ایسی قیمتی ساڑھی پہن کر سونے میں پیلی ہو کر آتی تھی کہ مہینوں گاؤں میں ہم صفائیاں پیش کرتے پھریں۔ بڑی فرق سے تو مرچکی مردار اور تو سنا تیری کیسی گزر رہی ہے؟''

''بس ٹھیک گزر رہی ہے۔بڑی مشکل سے فرصت نکال کر آئی ہوں حویلی میں خان کے بیٹے کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔بڑی نک سک سے درست بہو ڈھونڈی ہے سولہ آنے۔دیکھی تو نہیں میں نے مگر چرچے بہت ہیں۔بڑی زبردست تیاریاں ہو رہی ہیں۔بری کی تیاری تو جو ہے سو ہے سولہ آنے گھر بھر اپنی اپنی بری بنا رہا ہے۔بڑی بی نے چار سونے کے بندے اپنے بنوائے ہیں۔تین تین جوڑے نوکروں کے بنے ہیں۔میرے لئے بھی کرن پھول بنوائے ہیں۔بڑی بہو نے کہ پرانی اور با اعتماد نمک خوار ہو''۔

''واہ۔تیرے تو مزے آ گئے''۔بڑی بی پہلی مرتبہ مسکرائیں۔

''ارے کیا مزے۔اپنی بھی کوئی زندگی ہے۔دوسروں کی صورت دیکھ دیکھ کر کٹ رہی ہے۔نیند آ رہی ہے تو بھی مالکوں سے پہلے نہیں سو سکتے۔غلامی بڑا بھاری بوجھ ہوتا ہے پھوپھی۔تم مزے کہہ رہی ہو''۔

''چل خیر۔اب تو زیتون بانو تیرے ساتھ جا رہی ہے۔تیرا وزن کم ہو جائے گا۔بجلی سے چلتی ہے یہ۔آلکس تو بالکل بھی نہیں ہے۔جتنا مرضی کام کروا لو''۔بڑی بی نے تسلی کے ضمن میں تعریف کی۔

''اب ایسی جانور بھی نہیں ہوں کہ تم لے جا کر استھان پر ہی باندھ لو''۔زیتون بانو نے ہنستے ہوئے ٹرے تپائی پر رکھی۔

''بہت بولتی ہے کمبخت''۔بڑی بی کے انداز میں محبت تھی۔

''اسے ساتھ لے گئی تو تمہارا کیا ہو گا پھوپھی؟ تم سے تو ہل کر پانی نہیں پیا جاتا''۔خالہ نے تشویش ظاہر کی۔

''تو میری فکر نہ کر......سردار علی مجھے لے جائے گا۔دس مرتبہ کہہ گیا ہے کہ اماں لونڈیا کا ٹھکانہ بنا دو کہیں پھر میں تمہیں لے جاؤں گا۔میرا کیا ہے آج مری کل دوسرا دن۔فکر تو مجھے اس کی تھی۔ پھر بڑی تو مٹی ہی میں وفا نہیں ہے۔اس کی طرف کیا دیکھتی ہے۔بس خوف خدا کر کے اس کا خیال رکھنا۔کوئی جوڑ کا بر حویلی میں کھپا دینا۔روٹی' کپڑا اور سر چھپانے کا آسرا ہو جائے یہ بھی بہت ہے۔

''سولہ آنے۔اس بات کا خیال رکھنا کہ آتش بازی کا کرتب ہوسکتا ہے۔مسالہ بھرا اتار ہوگئی ہے۔ذرا
تو......سمجھ رہی ہے ناں میری بات''۔بڑی بی سرگوشی کے انداز میں بولیں۔

''ہاں ہاں سمجھ رہی ہوں پھوپھی۔باپ پر پوت نسل پر گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا۔آخر بیٹی کس کی ہے۔
بیٹی ماں پر جاسکتی ہے۔حیرت کیا۔ماں بھی' وہ جو ایسی ماہتابی کی طرح چھوٹی کہ دوسرے دیسوں کے آسمانوں تک
جیسے اکیلے چاند کو ستر جگہوں کے لوگ دیکھیں۔مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں۔خوب سمجھتی ہوں میں''۔وہ
ہنسیں۔

''جنے تیری حویلی کا ماحول کیسا ہوگا۔دھیان رکھیو''۔بڑی بی کی فکر کم نہیں ہو رہی تھی۔

''حویلی میں مردانہ زنانہ الگ الگ ہے۔مگر نوکر چاکر تو سب کے سامنے ہی آتے ہیں۔مگر تم بے فکر رہو
اپنی اپنی دنیا میں مگن رہویں ہیں۔ان کی اپنی عورتیں چھانٹی کا مال۔موتی سی۔اوپر سے اچھا کھانا پینا۔ان کی چمک
کس کا چراغ جل سکتا ہے۔اب جو نئی آ رہی ہے اس کے تو چرچے ہی بہت۔بقول بڑی بہو کے جیسے تصویر۔مجھے
اتنے بڑے بال ہیں اس کے کہ تیری ڈیوٹی لگاؤں گی سولہ آنے اس کا سر دھونے کیلئے' مالش کرنے کیلئے۔

''ارے پھوپھی! جس بیٹے سے آ رہی ہے وہ بھی ایک ہی دانہ ہے۔اس سے چھوٹا تو باہر پڑھتا ہے جانے
ہمارے اس خان کا جواب نہیں بہت ہی نیک مزاج ہے۔ہے تو یہ بھی پڑھاکو۔ہر وقت کتاب آنکھ سے لگی رہتی ہے۔
بہت بڑا امتحان دے گا۔ارے ایک سے ایک خوبصورت نوکرانی ہے۔کام مجھ بڈھی سے ہی کرائے گا۔میری
ہے اس کے کمرے کی گھنٹی۔بھلے آدمی رات کا کوئی کام ہو۔گند نہیں ہے ہماری حویلی میں''۔خالہ نے کھانا کھاتے ہوئے
کچھ بتا دیا۔

''یہ تو......تو بہت اچھا بولی سولہ آنے۔سکون آ گیا مجھے''۔بڑی بی نے پرسکون انداز میں آنکھیں موندلیں۔

''خالہ! حویلی کی شادیوں میں تو بڑا مزا آتا ہوگا۔میں تو خوب گانے گاؤں گی''۔

''زیتون بانو نے اشتیاق بھرے انداز میں کہا۔

''ہاں جاتے ہی دکھا دیجیو اپنی اوقات۔بڑی آئی سر تال کی اولاد''۔خالہ ہنسیں۔نوالہ حلق میں اٹک گیا۔

''ایمان سے خالہ! بڑا اچھا ڈھول بجاتی ہوں۔حکیم چلمن والے کے لڑکے کی شادی میں ایسی ڈھولکی بجائی کہ
ہو گیا مگر عورتیں اس وقت تک نہیں ہلیں جب تک میں نے ڈھولکی بجانا بند نہیں کی۔چاہے تم کسی سے بھی پوچھ لو''۔

سنبھال لیجیو سولہ آنے۔دیکھ رہی ہے اس کی حرکتیں''۔بڑی بی کو وسوسوں نے پریشان کیا۔

''سولہ آنے سنبھال لوں گی پھوپھی۔تم کیوں فکر کرتی ہو''۔خالہ قل قل کرتی پھر ہنس پڑیں۔

میری مانے تو کوئی ڈھنگ کا لونڈا دیکھ کر اس کے ہاتھ پیلے کر دیجیو وہیں حویلی میں''۔بڑی بی کوئی سوچ
''ٹھیک ہے ٹھیک ہے''۔خالہ سولہ آنے حلوہ حلق سے اتارتے ہوئے بولیں' جو زیتون بانو ابھی ابھی
''میں نہیں کروں گی وہاں کے کسی نوکر چاکر سے شادی کہ ساری عمر بیگموں کی اترن ہی پہنتی رہوں''۔

زیتون بانو نل کے نزدیک بیٹھی خالہ کے کپڑے کھنگال رہی تھی۔

''پھو پھی ذرا بے غیرت کو۔اور کیا نواب بیاہنے پہنچیں گے اسے''۔بڑی بی نے چیخنا چاہا تو کھانسی گلے پڑ گئی۔

''توبہ ہے پھوپھی۔بچی ہے۔تم تو سیانی ہو۔بولنے دو۔کیا جا رہا ہے۔اری زیتون بانو! حلوہ تو تو نے بڑا مزے دار بنایا
ہے''۔خالہ چسکے کے مزے لے رہی تھیں۔

''دیسی گھی میں بنایا ہے خالہ''۔زیتون بانو نے کپڑے الگنی پر پھیلانا شروع کر دیے۔

''چکھائیو۔مجھے بھی۔میں بھی دیکھوں کیا تیر مارا ہے''۔بڑی بی نے اٹھنے کی کوشش کی۔

''توبہ نانی! اتنی ناک بھی اچھی نہیں ہوتی۔سیدھے سیدھے کہہ دوں حلوہ کھانا ہے''۔زیتون بانو کھلکھلائی۔

''چل نامراد! بوڑھی نانی سے ٹھٹھول کرتی ہے۔لا دے ذرا سا حلوہ''۔

خالہ اپنی خوش مزاجی سے مجبور تھیں' بات بے بات ہنستی تھیں۔

....

''ارے عالم تاب۔یہ پازیب تو بن کر آ گئی۔دیکھنا ویسی ہی ہے جیسی کہی تھی''۔اماں نے ایک ڈبہ بہو کے آگے کر دیا۔

''ہائے اللہ تائی امی۔گھنگھرو تو بہت ہی چھوٹے ڈال دیے۔کیا آواز نکلے گی ان سے۔پازیب میں آواز نہ ہو تو کیا
خوبصورتی۔میں تو سوچ رہی تھی۔نازنین حویلی میں چھم چھم کرتی چلے گی تو در و دیوار سے رونق پھوٹے گی''۔عالم تاب پر جیسے
اتر پڑ گئی۔

''معلوم نہیں' اسے پازیب پہننا اچھا بھی لگتا ہے کہ نہیں۔یاور کا تو تمہیں پتا ہی ہے۔کتنا تنہائی پسند ہے معمولی سے شور
شرابے کو پسند نہیں کرتا''۔

''ارے تائی اماں۔ایسی بیوی آ رہی ہے کہ بس اسی کی سنا کریں گے۔آپ فکر نہ کریں۔بالکل بدل جائیں گے یاور''۔
عالم تاب ہنس پڑیں۔

''پتا نہیں اس کا دیہات میں دل بھی لگے گا کہ نہیں''۔اماں جی فکرمند ہو گئیں۔

''ارے بڑا اچھا دل لگانے والا سونپ رہے ہیں اسے۔یاور خاناں جیسے لوگ بڑے چھپے رستم ہوتے ہیں۔آپ کیوں
فکر کرتی ہیں''۔

عالم تاب نے اپنی طرف آتے ہوئے یاور علی خان کو دیکھ لیا تھا اس لئے ان کی شوخی سوا ہو گئی۔

''کیوں ہر وقت مجھ غریب کو نشانے پر رکھتی ہیں بھابی بیگم''۔وہ مسکراتے ہوئے ماں کے نزدیک بیٹھ گئے۔

''تائی اماں فکرمند ہو رہی ہیں کہ پتا نہیں نازشہزادی کا دل بھی لگے گا کہ نہیں۔وہ شہر کی پلی بڑھی اور یہ دیہات''۔عالم
تاب بولیں۔

''تو جو ہونے والا ہے ان کے سامنے ہی ہے' انہیں دل لگانا آتا ہوگا جب ہی تو راضی ہوئی ہیں''۔یاور علی خان نے بظاہر سنجیدگی
سے کہا مگر ان کے انداز کی شرارت سے عالم تاب سمجھ گئی تھیں۔قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔

"دیکھ لیا تائی اماں۔ کیسے پہنچے ہوئے ہیں آپ کے صاحبزادے"۔

"اللہ خیر کی گھڑی لائے۔ یونہی خیال آ گیا تھا"۔

"یونہی فکر کرتی ہیں تائی اماں۔ جن سے دل لگانا ہے ان کا اطمینان تو دیکھیں۔ جیسے مقابلے کے امتحان کی پریڈ ہو"۔ عالم تاب ہنس پڑیں۔

یاور علی خان بھی قدرے جھینپ کر مسکرا دیئے۔

"اتنی خوشیاں اتنی رونق میرے دل کی بے سکونی بڑھا دیتی ہیں"۔ اماں جی اچانک غمگین نظر آنے لگیں۔

"وہ کیوں تائی اماں؟" عالم تاب حیرت سے انکی شکل دیکھنے لگیں۔ یاور علی خان بھی الجھن بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"کب آئے گا تیمور...... وہ کیسے جان پائے گا کہ اپنے جب خوشیاں مناتے ہیں تو دل کیا محسوس کرتا ہے؟ پردیس میں کیسے رہتے ہیں۔ زنجیر جیسے رشتوں میں بندھنے کے دکھ سکھ کیا ہوتے ہیں۔ یہاں نوکر چاکر نعمتیں کھاتے ہیں وہاں چائے ڈبل روٹی کھاتا ہوگا۔ اپنے جوتے خود پالش کرتا ہوگا۔ کبھی دیر سے آنکھ کھلتی ہوگی تو بھوکا گھر سے نکل جاتا ہوگا"۔

چند قطرے ان کی آنکھوں سے ٹپک کر چہرے کی جھریوں میں گم ہو گئے۔

"ہائے تائی اماں۔ اسے وہاں کوئی کمی نہیں۔ وہ کون سا نوکری کرتا ہے۔ صرف پڑھتا ہی تو ہے۔ ہر مہینے دس ہزار روپے بھجواتے ہیں بابا صاحب۔ وہ اسے بہت ہیں۔ وہ تو یہ کہتا ہے کہ وہ یہاں سے زیادہ خوش رہتا ہے وہاں۔ آپ خواہ مخواہ پریشان ہوتی ہیں۔ بتائیے ذرا۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کا بیٹا کتنا لائق ہے۔ آپ تو بڑی قسمت والی ماں ہے تائی اماں! آپ کے سارے بیٹے لائق ہیں۔ میری طرف دیکھیے۔ ایک بدنصیب ماں ہوں جس کے ایک نہیں دو دو بیٹے"۔ ان کی آواز بھرا گئی۔

"یہ لیجیے۔ اماں جی کو سمجھاتے سمجھاتے آپ شروع ہو گئیں۔ بھابی بیگم"۔ یاور علی خان نے جیسے زچ ہو کر کہا۔

"ان کا علاج ہو رہا ہے۔ وہ ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ آپ کیوں مایوس ہیں"۔ یاور علی خان نے تسلی دینے کے انداز میں ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"ہاں عالم تاب! دل چھوٹا نہ کیا کرو۔ انشاللہ بچے ٹھیک ہو جائینگے"۔

اماں جی بھی اپنا قصہ بھول کر ان کی دل جوئی کرنے لگیں۔

....

"ہائے اماں جی! اتنا سامان جائے گا کراچی"۔ تزئین نے مارے پریشانی کے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"سامان اتنا کیسے نہ ہوگا۔ تم لوگوں کے کپڑے کی کوئی حد ہے' کھانے' سونے' نہانے' کھانے' چھینکنے تک کے جوڑے سلے ہیں"۔ وہ جل کر بولیں۔

"اب ایسا بھی نہیں ہے۔ بڑے بھائی کی شادی پر ہم خاصے چھوٹے تھے۔ اور پھر بڑے بھائی کی شادی ایمرجنسی میں ہوئی کہ آپ کا تلے والا دوپٹا پہن کر بھاگ کر بارات میں بیٹھے"۔

"ہم تھا نے دیکھا تھا۔ تمہارا سانس پھول رہا تھا"۔ سائرہ بھابی (عالم تاب کی سگی بھاوج) تے ٹکرا گایا۔

کمرے میں بے ساختہ قہقہے گونجے تھے۔

"اماں جی! اس نے تو تیراکی کا لباس بھی سلوایا ہے۔ وہاں سیونتھ سی کے سامنے ہی تو سمندر بہہ رہا ہے۔ خوب ڈبکیاں لگانے کا پروگرام ہے"۔ سائرہ کی جٹھانی نے گویا چٹکی بھری۔

"وہ کیسا لباس ہوتا ہے؟ اور اسے کیا آفت آئی ہے ڈبکیاں لگانے کی"۔

اماں جی تعجب سے ایک ایک کی صورت دیکھنے لگیں۔

"اور کیا اماں جی ٹھیک تو کہہ رہی ہیں۔ تمہیں تو چلو بھر کافی ہے"۔ تزئین سے بڑی رئیسہ نے گرہ لگائی۔

"سمندر تو زیادہ رہے گا"۔

"دیکھیں اماں جی۔ آپا کو"۔ تزئین نے شکایتی انداز میں ماں کو دیکھا۔

"توبہ! کیا بچوں کی طرح الجھتی ہیں۔ اپنا اپنا سامان دیکھو۔ پھر وہاں پہنچ کر غدر اتاروگی۔ دن کتنے رہ گئے ہیں۔

"اماں جی۔ یاور کہہ رہے تھے میں سہرا وہرا نہیں باندھوں گا۔ ہندو باندھتے ہیں"۔ رئیسہ بیگم نے جیسے کسی دھیان سے چونک کر مطلع کیا۔

"اچھا۔ ایسے کہہ رہا تھا۔ بھئی ہم تو اپنے ہوش سے ایسا ہی دیکھتے آ رہے ہیں"۔ اماں جی واقعی چونک گئی تھیں۔

"کروڑوں کی آبادی میں اکیلے یاور ہی کو دھیان آیا کہ یہ ہندو باندھتے ہیں۔ یہاں تو دلہنوں کے بھی ان کے قد جتنے سہرے باندھتے ہیں۔ ارے تو سہرا تو اس لئے باندھتے ہیں کہ بھیڑ میں پتہ لگے گا کہ دولہا کون ہے۔ کوٹ پتلون جو موٹے انگریز پہنتے ہیں۔ وہ نہیں پہنتے یہ لوگ۔ ارے میں تو لال گلابوں کا سہرا ضرور باندھوں گی اپنے بیٹے کو اصل بات تو نکاح کی ہے۔ وہ تو قاضی پڑھائے گا۔ یا نہیں؟ پھیرے تو نہیں لگوا رہی۔ اللہ دین ایمان سلامت رکھے۔ یہ تو خوشی کے رنگ ڈھنگ ہیں۔ جیسے مرضی انسان خوشی منا لے۔ اللہ اپنا کرم رکھے ایسے کچے ایمان نہیں ہیں ہمارے کہ ہار پھولوں کی بحث میں گم ہو جائیں۔ بھیجنا اسے میرے پاس۔ بہت پڑھ لکھ گئے ہیں یہ لڑکے"۔

اماں جی کے ارمان تو جیسے سہرے ہی میں اٹک رہے تھے۔

"چھوڑیں اماں جی! ایسا کوئی ضروری تو نہیں۔ نہیں مان رہے تو نہ سہی۔ شادی ان کی ہو رہی ہے۔ ان کے موڈ کا خیال کریں"۔

تزئین جو موجود خواتین میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ تھیں۔ بھائی کے احساسات کے قریب قریب تھیں۔

"کہا ہے ناں تم بہت پڑھی ہوئی ہو۔ اسی کا دماغ رہا ہے تمہیں۔ اسی لئے نباہ نہیں ہوتا تمہارا کسی سے"۔

غصے میں تھیں۔ ان کے منہ سے نکل گیا۔ تزئین یکدم خاموش ہو کر رہ گئیں۔ کہنے والی ان کی حقیقی ماں تھی۔ وہ لب نہ کھول سکیں۔

"اماں جی! حد کرتی ہیں آپ۔ قصہ کیا ہوتا ہے۔ آپ بات کیا نکال بیٹھتی ہیں۔ پڑھا لکھا ہونا کون سی بری بات ہوتی

ہے۔ روشنی چرانے جیسی ہستی بن جاتی ہے انسان کی۔ اب ان لوگوں کا تو ہمارے پاس کوئی علاج نہیں جو
مبتلا ہو کر دوسروں کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں"۔

"رہنے دیں آپا! آپ میرے حصے کی صفائیاں پیش نہ کریں۔ ہم جس سوسائٹی میں رہتے ہیں وہاں
کی ذمہ دار صرف عورت سمجھی جاتی ہے۔ اماں جی اپنے حساب سے ٹھیک ہیں"۔

تزئین نے دکھ سے رئیسہ بیگم کی بات کاٹ دی اور خاموشی سے باہر نکل گئیں۔

"حد کرتی ہیں اماں جی آپ بھی۔ آپ سے بھی اسے دکھ ہی ملے گا کیا؟"۔

رئیسہ بیگم دکھ سے گویا ہوئیں۔

"مجھ سے زیادہ دکھ کسے ہو سکتا ہے؟ غصہ مجھے اس بات پر آتا رہتا ہے کہ ایک ہی طرف ہو کر رہ گئی ہے وہ
شادی کر چکا ہے۔ کبھی بیٹے سے ملنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ نئی دنیا بسائے بیٹھا ہے۔ یہ کیوں اس طرح لکیر پیٹتی رہے
ہے ظہیر میں؟ اس طرح کیسے وقت کٹے گا۔ آگ لگے ایسی پڑھائی کو جو ہٹ دھرم ہی بنا دے۔ کون سی ماں خوش ہوگی
بیٹی دیکھ کر"۔ اماں جی آبدیدہ ہو گئیں۔

"اماں جی! ابھی دکھ نیا نیا ہے۔ زخم تازہ ہے۔ ذرا سنبھلے گی تو ہم منا لیں گے۔ وہ بچی کی وجہ سے منع نہیں کر رہی
کسی سے بھی دوسری شادی کیلئے فی الحال تیار نہیں۔ کیا نام ہے بچی کا۔ ہاں شاید پیار سے شینو بولتے ہیں۔ وہ
نانی کے پاس رہتی ہے۔ اس کا کوئی مسئلہ نہیں۔ بات ہوئی تھی میری ظہیر بھائی سے۔ کریں گے وہ انتظار آپ مت
ہوں"۔

رئیسہ بیگم نے ماں کا چہرہ چھو کر محبت سے سمجھایا۔

"مجھے تو صبر ہے بیٹی۔ وہ تمہارے بابا صاحب جو روز پڑتال شروع کر دیتے ہیں، تمہیں شاید معلوم نہیں۔ مرد
سخت ہو اور ماشاءاللہ بڑے کنبے والا ہو تو اس کی عورت تو جیسے ہر وقت عدالت میں کھڑی رہتی ہے۔ جیسے کہ
بچے۔ نافرمانیاں کر رہے ہوں۔

"بچے بڑے ہو جائیں تو اکثر مرد بچیوں سے براہ راست پوچھ گچھ کے بجائے اپنی عورت ہی کو گرمی سردی دکھاتے
مجھ بڈھی پر رحم کرو اب تم لوگ"۔

وہ آزردگی سے گویا ہوئیں۔

"فکر نہ کریں اماں جی! یاور کی شادی ہو لینے دیں۔ پھر گھیرتے ہیں ہم تزئین کو"۔ سائرہ بھابی نے بھی دلاسا دیا۔

"ہماری سات پشتوں میں یہ پہلا قصہ ہے بیٹی۔ ایک پھانس سی اٹکی رہتی ہے ہر دم"۔ وہ تھکے تھکے لہجے میں
ہوئیں۔

"اس دنیا میں روز ہی کچھ نیا ہو جاتا ہے۔ کسی بات نے پہلی مرتبہ تو ہونا ہی ہوتا ہے۔ ہاں یہ ہے کہ دعا کرنا چاہیے
ہوا تو دوبارہ نہ ہو۔ اور کسی کے بھی ساتھ نہ ہو"۔ رئیسہ بیگم بولیں۔

"اماں جی بچوں کی طرح بہل گئیں

....

"اماں جی سو گئیں"۔ خالہ سولہ آنے نے برقعہ اتار کر پنکھا تیز کیا۔

زیتون بانو کی طرف متوجہ تھیں ایک دم چونک اٹھیں۔

"ارے نہیں سولہ آنے! آج کل تو شادی کی تیاریاں زوروں پر ہیں۔ سب دیر سے سوتے ہیں۔ سب ہال میں بیٹھی
اماں جی کے ساتھ۔ یہ لڑکی کون ہے؟" وہ جواب دیتے دیتے اپنے مطلب پر آ گئیں۔

"اری زیتون بانو۔ سلام کر ماما کو۔ تیری افسر ہیں یہ"۔ خالہ ہنستے ہوئے اپنا بٹوا نکال کر پان کھانے لگیں۔

"سلام علیکم"۔ اس نے بلی آنکھوں والی نوجوان عورت کو جو اپنے حلیے سے بہت باوقار محسوس ہوتی تھی، سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا سولہ آنے"۔

"ارے اپنی ہی لونڈیا ہے۔ یہیں رہے گی اب۔ میرے خیال میں اماں جی منع تو نہیں کریں گی؟ یوں تو بڑی ہمدرد ہیں
بڑی نیک"۔ خالہ نے سوالیہ انداز میں ماما کی طرف دیکھا۔

"اب کیا کہہ سکتی ہوں۔ یہ تو اماں جی کا مسئلہ ہے"۔ ماما نے جواب دیا۔

"روپا دیوی کیا ابھی سے سو گئی؟" خالہ نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔

"ارے نہیں۔ سرسوتی کو بڑا تیز بخار چڑھا ہے، اس کی پٹی سے لگ کر بیٹھی ہے"۔

"کیا لگتی ہے یہ تمہاری؟" ماما بلی کو نہ جانے کیوں نور ادلڑکی غیر معمولی محسوس ہو رہی تھی۔

"بھانجی ہے میری رشتے میں، پھوپھی تاجور کے پاس رہتی تھی۔ ان کی طبیعت اب اچھی نہیں رہتی۔ پھر جوان جہاں لڑکی
کی ذمہ داری اور وہ بوڑھی جان۔ اسی لئے بلوایا تھا انہوں نے مجھے"۔

خالہ سولہ آنے نے اپنی تمباکو کی ڈبیا ڈھونڈنے کے دوران جواب دیا۔

"ماں باپ نہیں ہیں اس کے؟" ماما نے اس کے ترتیب دار حسن کو بڑی تفصیل سے دیکھا۔

"مر کھپ گئے۔ اب کیا انٹرویو لئے جاؤ گی۔ بھوکے ہیں ہم کھانا بھی کھائیں گے۔ کیا کچھ پکا لیا آج؟" خالہ نے جیسے
پہلو بچایا۔

"نیاز دلائی تھی اماں جی نے۔ سارے گاؤں میں کھانا بھجوایا ہے۔ آج کھانا باہر دیگوں میں پکا تھا۔ بکرے کے گوشت کا
قورمہ ہے۔ مرغی کی بریانی ہے۔ لال روٹی ہے۔ کھوئے کی کھیر ہے۔ دوپہر کو گھر میں قیمہ کریلے اور ماش کی دال پکی تھی۔ وہ
بھی ہو گا۔ جو کھانا ہے کھا لو"۔

زیتون بانو کی سوکھی آنتوں میں تراوٹ اترنے لگی۔ جبکہ خالہ سولہ آنے پر ڈشز کی تفصیل سے کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ ان
کیلئے یہ معمول کی بات تھی۔

"پہلے اماں جی سے تو مل لوں، پھر اطمینان سے کھانا کھائیں گے۔ چل زیتون بانو! اچھا سگون ہے، تیری تو آتے ہی

دعوت ہوگئی ویسے تو خیر حویلی میں آئے دن ہی دعوتیں ہوتی ہیں۔ چل اٹھ اماں جی سے ملواتی ہوں''۔

''خالہ دوپٹا سر پر جما کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ زیتون نے بھی ان کی تقلید کی۔

''سولہ آنے تمہارا سامان پہنچا دوں' تمہارے کمرے میں''۔ ماما نے ٹوکا۔

''ہاں' ہاں ماما۔ بڑی مہربانی تمہاری''۔ وہ بغیر رکے بولیں۔

ایک تنگ راہداری میں بیس پچیس قدم چل کر خالہ ایک بڑے سے کھلے دروازے میں داخل ہوگئیں۔ پیچھے پیچھے ز...
بانو بھی۔

ہال میں جیسے زندگی اپنی پوری طاقت کے ساتھ گردش کر رہی تھی۔ اماں جی تخت پر بیٹھی جوڑوں کی ''ٹکائی'' چیک...
تھیں۔ باقی خواتین نیچے قالین پر مختلف قسم کے کاموں میں مصروف تھیں۔

اماں جی کیونکہ عین داخلی دروازے کے سامنے تھیں اس لئے ان کی نظر فوراً خالہ پر پڑی تھی۔

''آ گئی سولہ آنے' چل شکر ہے میں تو سوچ رہی تھی' کہنے کے دو دن ہیں۔ معلوم نہیں ہفتہ لگائے...... کہ پندرہ دن...

''السلام علیکم''۔ خالہ نے اماں جی سمیت تمام بیگمات کو سلام کیا۔ زیتون بانو تو جیسے اندر کا نقشہ دیکھ کر...
دروازے ہی میں اٹک کر رہ گئی تھی۔

وہ کپڑے جو وہ بیاہ باراتوں میں پہننے کا تصور نہیں کر سکتی تھی۔ بیگمات عام حالات میں پہنے بیٹھی تھیں۔ ہر ایک ...
کڑوں' کنگنوں' چوڑیوں سے سنہری تھیں۔ ایسے قرینے سے بنے ہوئے بال' ناکوں میں دمکتی لونگوں کے لشکارے...
ساڑھے گیارہ بجے ایسی تیاری۔ وہ بھی گھر کے ماحول میں۔ یوں لگتا تھا۔ جیسے کسی شادی میں شامیانے تلے مہمان بیٹھے...

''وعلیکم السلام! یہ بچی کون ہے' پتھر پڑے ہیں تیری عقل پر سولہ آنے' اتنی خوبصورت بچی کو لئے رات کے اندھ...
میں آ رہی ہے۔ صبح نہیں ہوئی تھی کیا؟'' اماں جی نے جانچتی نظروں سے زیتون بانو کو دیکھتے ہوئے جھاڑ پلائی۔

''اماں جی! مجھے ڈر نہیں لگتا۔ کوئی ٹیڑھی آنکھ سے دیکھتا تو اس کی اپنے سروتے سے آنکھیں پھوڑ دیتی' کیا سمجھ...
نے مجھے؟''

''کس قدر بھروسا ہے سولہ آنے کو اپنے ''ہتھیار'' پر''۔ رئیسہ بیگم نے سراہا۔

''خیر' بھروسا تو اللہ پر ہے بی بی جان! آپ کو یاد نہیں رمضان کی گائے گھیری تھی میں نے' مردوں نے شاباش دی...
خالہ نے ماضی کا ایک اہم کارنامہ بطور ثبوت پیش کرنا ضروری خیال کیا۔

''وہ بے چاری تو ''گائے'' تھی''۔ امینہ بھابی نے خالہ کو چھیڑا۔ سب ہنسنے لگیں۔

''یہ کون ہے' خالہ تم نے بتایا نہیں؟'' تزئین نے بڑی ستائشی نظروں سے زیتون بانو کو دیکھا۔ باقی سب نے...
نوٹس لیا تھا۔

''بھانجی ہے میری' چھوٹی بی بی جان'! اماں جی سے اجازت لینے آئی ہوں' میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہوں...
ہوشیار ہے سب کاموں میں۔ آپ اس کے کام دیکھیں گی تو خوش ہو جائینگی۔ سولہ آنے''۔ خالہ نے حالات اپ...

...نے شروع ہی میں پورا زور لگایا۔

''تیرے بہن بہنوئی کہاں ہوتے ہیں؟'' اماں جی نے فطری سوال کیا۔

''وہ نہیں ہیں اب اس دنیا میں''۔ خالہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

''تو اب تک کہاں رہ رہی تھی یہ؟'' اماں نے تعجب سے پوچھا۔

''وہ میں آپ سے اپنی پھوپھی کر ذکر نہیں کرتی؟''

''ہاں' ہاں وہ کوئی دور پرے کی''۔ اماں جی نے بات کاٹی۔

''جی! ان کے پاس رہ رہی تھی۔ اب ان کا بڑھاپا اس پر آئے دن کی بیماریاں' اسی واسطے بلوایا تھا انہوں نے تار بھیج کر

''اچھا...... اچھا ٹھیک ہے' سمجھا دینا اسے یہاں کے طور طریقے' کچھ پڑھی ہوئی ہے''۔ اماں جی پھر کپڑوں کو الٹ پلٹ
کرنے لگیں۔

''جی! پانچ جماعتیں پڑھی ہے' قرآن بھی پڑھا ہے' گاؤں میں بس ایک ہی پرائمری سکول ہے' شہر دور ہے اس لئے
آگے نہیں پڑھی''۔ خالہ نے جواب دیا۔

''کھانا کھا لیا تم نے؟'' عالم تاب نے جوڑے میں ٹانکا لگاتے ہوئے سر اٹھایا۔

''کھا لیں گے جی' اماں جی کو سلام کرنے حاضر ہوئے تھے''۔

''لڑکی تو بہت خوبصورت ہے''۔ سائرہ بی بی نے تزئین کو ٹہوکا دیا۔

''ہوں' وہی دیکھ رہی ہوں۔ پوری کیل کانٹے سے لیس ہے''۔ وہ سرگوشی میں کہتے ہوئے مسکرائیں۔

''مردانے میں نہ بھیج دینا غلطی سے آفت مچ جائیگی''۔ عالم تاب مسکرائیں۔

''سب دبی دبی ہنسنے لگیں۔

''کیا کیا کام آتے ہیں تمہیں؟'' رئیسہ بیگم اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

''سب کام کر لیتی ہوں''۔ وہ گھبرا رہی تھی۔

''وہ تو ہم دیکھ رہے ہیں'' ''کام تمام'' کر دیتی ہوگی''۔ امینہ بھابی نے پھلجھڑی چھوڑی۔

''وہ سب قہقہہ مار کر ہنس پڑیں۔

''ہوں' ہوں''۔ اماں جی نے تنبیہی انداز میں گھورا۔

''اماں جی نے انہیں جانے کا اشارا کیا' دونوں باہر نکل گئیں۔

''واہ! کیا نپی تلی لڑکی ہے' چھڑا ہوا کوئی خوبصورت گیت''۔ تزئین نے جاتی ہوئی زیتون بانو پر نظر دوڑائی۔

''شاعرہ ہو گئی آن واحد میں؟'' عالم تاب مسکرائیں۔

''کیا غلط کہہ رہی ہوں بھابی بیگم؟'' وہ بھی جواباً مسکرائیں۔

''نہیں خیر' غلط تو نہیں کہہ رہیں۔ خوبصورت تو بہت سے چہرے ہوتے ہیں' مگر اس میں ایک بڑی پراسرار سی
'جو سمجھ میں نہیں آ رہی'۔

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔

''ارے ہٹاؤ بھی کیا قصہ لے کر بیٹھ گئیں' عمر ہی ایسی ہے۔ جوانی تو گدھی کو بھی خوبصورت بنا دیتی ہے''۔

اماں جی پر اپنی فکریں سوار تھیں' انہیں اس بحث سے الجھن ہوئی۔

''مگر اماں جی! وہ زیتون بانو ہے گدھی نہیں''۔ امینہ بھابی نے ٹکڑا لگایا۔

''ہاں' ہاں! مجھے پتا ہے''۔ وہ بڑے مصروف انداز میں بولیں۔

''کمرا نسوانی آوازوں اور قہقہوں سے گونج اٹھا تھا۔

''سیدھی سادی اماں جی حیران ہو کر ان کی صورتیں دیکھنے لگیں کہ آخر انہوں نے ایسا کیا کہہ دیا۔

....

حویلی کے دو تہائی افراد تو کراچی روانہ ہو چکے تھے۔

ملازم عورتوں میں صرف روپا دیوی اور زیتون بانو حویلی میں تھیں۔ اتنے سارے لوگوں کے چلے جانے کے بعد
میں عجیب سا سناٹا محسوس ہونے لگا تھا۔

نئی ہونے کی وجہ سے زیتون بانو حد درجہ محتاط تھی۔ رات کو چونک چونک کر اٹھ بیٹھتی تھی اور جا کر دروازے اور
دیکھنے لگتی تھی کہ تالے لگے ہوئے ہیں یا نہیں۔ روپا دیوی تو ''ایام نجات'' منا رہی تھی۔ نو بجے ہی پڑ کر سو جاتی تھی۔

نیند نہ آتی تو کچن کے کیبنٹ صاف کرنے بیٹھ جاتی تھی۔ کوئی کام دھیان میں نہ آتا تو باہر باغ میں بیٹھ جاتی
خوامخواہ کی سوچوں میں الجھ جاتی تھی۔

اس وقت بھی وہ کام سے فارغ ہو کر باغ کی سمت چلی آئی تھی۔

''اسی دم گیٹ پر گاڑی کی ہیڈ لائٹس جگمگائی تھیں' ایک تواتر سے ہارن بجا تھا۔

''اس نے ادھر ادھر چوکیدار کو دیکھا پھر دوڑتے ہوئے غلام رسول کی کوٹھڑی کی سمت بھاگی کہ شاید چوکیدار وہاں
غلام رسول سائیں تھا۔

''چاچا! وہاں پھاٹک پر کوئی موٹر آئی ہے''۔ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''وہ ادھر اچھو ڈرائیور کے ساتھ حقہ پی رہا ہوگا' تم رکو میں اس سے چابی لاتا ہوں''۔

چاچا غلام رسول اپنی کوٹھڑی کے پیچھے چلا گیا۔

وہ وہیں کھڑی ہو کر انتظار کرنے لگی۔

''چند لمحوں بعد ہی چوکیدار گرتا پڑتا اپنی سمت آتے ہوئے دکھائی دیا اور تیر کی طرح اس کے سامنے گزر گیا۔

وہ بھی چل پڑی اور جامن کے گھنے درخت کے نیچے کھڑی ہو کر گیٹ کی سمت دیکھنے لگی۔

چوکیدار نے بڑی پھرتی سے گیٹ کھولا تھا۔

''کیا نہیں علم نہیں تھا کہ شبیر خان (ڈرائیور) ہمیں لینے گیا ہوا ہے۔ تم نائٹ واچ مین ہو' تمہیں ادھر ہونا چاہیے تھا......
بدعقل''۔

ایک نوجوان جو پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا بری طرح چوکیدار پر برس رہا تھا۔

''خان! ام ابی ابی ادھر حقہ تازہ کرنے گیا تھا' ام تو یہیں ہوتا ہے''۔ چوکیدار نے چھوٹی سی کھٹولی کی سمت اشارا کیا۔

''یہ حقہ پینے کا وقت ہے نان سینس''۔ نوجوان بھناتے ہوئے آگے بڑھ گیا تھا۔

غلام رسول سائیں بھی وہاں آ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی نظر دم بخود سی زیتون بانو پر پڑی۔

''زیتون بانو اندر جاؤ' خان کو روٹی پانی پوچھو۔ روپا دیوی تو اپنی کوٹھڑی میں ہوگی۔ اسے تو یوں بھی نیند بہت آتی ہے''۔

''جی...... جی...... چاچا! یہ کون ہیں؟ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے''۔ اس کی واقعی بہت بری حالت ہو رہی تھی۔

''ارے کوئی ڈرنے کی بات نہیں' خان تھکا ہوا ہے۔ ولایت سے آیا ہے لمبا سفر کر کے' تو جلدی سے اندر جا' کہیں موڈ اور
خراب نہ ہو جائے''۔

چاچا غلام رسول نے اس میں ''تھرل'' پیدا کرنے کی کوشش اور وہ واقعی اندر دوڑ گئی۔

اندر پہنچ کر اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کس کمرے میں کہاں جائے۔ جانے خان اتنی بڑی حویلی میں کہاں گم ہے؟

معاً کسی طرف سے گھنٹی زور سے چیخی۔ اس کی تو رہی سہی جان بھی نکل گئی۔

وہ خود یہاں نئی نئی تھی۔ اسے گھنٹیوں کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ وہ بدحواس ہو کر ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف
بھاگنے لگی۔

نیچے کے سارے کمرے بھاگ بھاگ کر دیکھ لئے۔ اب بگٹٹ زینے کی طرف بھاگی۔ آخری زینہ طے کرتے ہی اس کا
اوپر کا سانس اوپر' نیچے کا نیچے رہ گیا۔ وہی نوجوان عین سامنے کھڑا تھا۔

''سا...... سس...... سلام علیکم!'' اس نے تھرتھر کانپتے ہوئے سلام کیا۔

''کیا تم ادھر کام کرتی ہو؟'' سلام کے جواب کے بجائے کرخت۔ لہجے میں سوال آیا۔

''جی...... جی...... وہ مجھے پتا نہیں چل رہا تھا کہ آپ کس طرف ہیں؟'' اس نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔

نان سینس! اور ملازم کیا مر چکے ہیں' کوئی پرانا ملازم دکھائی نہیں دے رہا''۔

''جی وہ سب کراچی گئے ہوئے ہیں' باقی جو ہیں' وہ سو رہے ہیں''۔ اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

''یہاں کسی نے نہیں بتایا کہ ہم آ رہے ہیں؟ تم جاؤ اور ٹھنڈا پانی لاؤ''۔

شاید اس کے آنسوؤں نے اثر کر دکھایا تھا۔ آواز اس مرتبے قدرے نرم تھی۔

''آ...... آپ کس کمرے میں ہیں؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

ادھر سامنے' انہوں نے ایک سمت اشارہ کیا۔

وہ جلدی سے پانی لینے بھاگ گئی۔ انتہائی ٹھنڈے پانی میں اس نے مزید برف ڈال دی اور تیز تیز چلتے ہوئے کمرے میں آ گئی۔

وہی نوجوان سوٹ کیس بیڈ پر رکھے' بغیر قمیض کے' بغیر بنیان کے صرف پتلون میں جھکا ہوا تھا۔

''خان پانی'' اس نے متوجہ کیا۔

وہ قدرے چونک کر پلٹا اور سیدھا ہو گیا۔ اس کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے۔

''اسٹوپڈ...... ال مینرڈ...... کیا تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ کمرے میں دستک دے کر آتے ہیں؟''

''جی؟'' ٹرے اس کے ہاتھ میں کانپنے لگی۔

نوجوان نے تولیہ اپنے کاندھوں پر پھیلا لیا تھا۔

''دروازے پر دستک دیئے بغیر کسی کے کمرے میں داخل نہیں ہوتے...... جاہل لڑکی......''۔ وہ برہمی سے کہہ رہا تھا۔

وہ تو اتنی بدحواس تھی کہ اسے تو احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ کس حلیے میں ہے۔ اس نے ٹرے تپائی پر رکھ دی اور گلاس میں پانی انڈیل کر اس کی طرف آئی۔

وہ پورے قد سے کھڑا تھا۔ اس نے اپنا وجود اس کے سامنے چھوٹی سی گڑیا کی طرح محسوس کیا۔

نوجوان نے گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر...... ہونٹوں سے لگا لیا۔

وہ جگ اٹھانے پلٹ گئی اور چند لمحوں کے بعد ہی جگ سمیت پھر اس کے سامنے...... آ کھڑی ہوئی۔

نوجوان نے گلاس خالی کر کے اس کے سامنے کر دیا۔ اس نے فوراً پانی انڈیلنا شروع کر دیا۔

''کھانا کھائیں گے؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ نوجوان کے چہرے پر نظر ڈالنے کی ہمت ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔

''ہوں...... مگر ادھر تو شاید بہت ہیوی ڈائٹ ہو گی اور رات بہت ہو چکی ہے۔ ایسا کرو دو سلائس اور ایک گلاس دودھ لے آؤ بس' مگر بیس منٹ بعد آنا۔ میں باتھ لے رہا ہوں''۔

نوجوان نے گلاس واپس کرتے ہوئے بڑی رسانیت سے جواب دیا۔ یوں لگتا تھا جیسے واقعی کوئی آگ بھڑک رہی تھی جس پر ٹھنڈا پانی پڑ گیا تھا۔

اسے باتھ والا تو سمجھ میں نہیں آیا بس یہ خیال ہوا کہ بیس منٹ بعد آنا ہے۔ اس نے واپس کچن میں آ کر دودھ گرم کرنے کو رکھ دیا۔ مکھن فریج سے نکالا جو پتھر بنا ہوا تھا۔

''یہ تو شاید بیس منٹ میں نرم نہ ہو''۔ بہر حال اس کی ترکیب نکالنے کی کوشش تو کی۔ نل کا سادہ پانی لے کر ایک بڑے پیالے میں' اس میں مکھن کی رکابی چھوڑ دی اور پنکھا (پیڈسٹل) چلا کر پیالہ اس کے سامنے رکھ دیا اور توس سینکنے لگی۔

دماغ ہنوز نو وارد نوجوان میں الجھا ہوا تھا۔ یا اللہ...... اس کو خوش رکھنے کیلئے گھر والوں کو بہت جتن کرنا پڑتے ہوں گے۔

وہ بھی سوچنے لگی کہ اس کی مطلوبہ اشیا اس انداز سے لے کر جائے کہ وہ خوش ہو جائے۔ ماما کے ساتھ کچن میں ہاتھ بٹاتی

رہی تھی۔ اس لیے رکھی ہوئی تمام اشیا کا پتا تو چل چکا تھا' اس لئے چھوٹی الائچی ڈھونڈنے میں اسے کوئی خاص دقت نہ ہوئی۔ ایک چھوٹی سی اسٹیل کی پتیلی لے کر اندازے سے ایک گلاس دودھ اس میں ڈالا اور دو تین الائچیوں کو باریک کوٹ کر اس میں ڈال دی اور دودھ پکنے کیلئے رکھ دیا۔ دو کے بجائے چار سلائس سینک کر...... خوبصورت سی پلیٹ میں رکھے اور انہیں دوہری بھاری پلیٹ سے ڈھانپ دیا تاکہ دیر تک گرم رہیں۔ اتنی دیر میں دودھ کھول چکا تھا اس نے چولہا بند کر دیا اور دودھ کی پتیلی بھی پنکھے کے سامنے لا کر رکھ دی۔ پھر ایک چمچ شکر خوبصورت وضع کے گلاس میں ڈال کر گھڑی کی طرف دیکھنے لگی۔ جو ایک طرف دیوار پر بہت اونچا لگی ہوئی تھی۔ اس تمام کارروائی میں بارہ منٹ صرف ہوئے تھے ابھی اس کے پاس آٹھ منٹ باقی تھے۔ اس نے سوچا وہ ٹھیک دو منٹ پہلے کچن سے نکل کھڑی ہو گی تاکہ پورے بیس منٹ پر کمرے میں موجود ہو۔

اس نے اپنا دوپٹا درست کیا۔ ٹرے میں چیزیں سیٹ کیں' دودھ چھان کر گلاس میں ڈالا اور دھڑکنیں سنبھالتی آہستہ آہستہ منزل مقصود کی طرف بڑھی۔

دروازے پر پہنچ کر اس نے سانس درست کیا اور آہستگی سے دروازے پر دستک دی۔

''ہوں! کم ان''۔ اندر سے سرد لہجے میں جواب آیا۔

وہ اندر داخل ہو گئی۔

میرون باتھ گاؤن میں وہ نوجوان کرسی پر بیٹھا۔ گیلے بال پیشانی پر جھکے ہوئے تھے۔

زیتون بانو نے ٹرے بیڈ پر رکھ کر تپائی نوجوان کے سامنے رکھی۔ پھر ٹرے اٹھا کر تپائی پر رکھ دی اور خود سر و قد ہو کر ہاتھ مسلنے لگی۔

''سلائس پر جیلی لگاؤ' بٹر پسند نہیں ہے ہمیں''۔ حکم صادر ہوا۔

وہ جلدی سے کارپٹ پر بیٹھ گئی عین اس کے مقابل۔

جیلی لگاتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وہ بغور اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''زیتون بانو''۔ اس نے پھنسی پھنسی آواز میں جواب دیا۔

''تم لوگوں کے کیلئے تو چھوٹا سا نام کافی ہوتا ہے' اتنے بڑے بڑے نام رکھنے کی کیا ضرورت ہوتی ہے' کسی ایمرجنسی میں کال کرنا ہو تو نام لینے ہی میں اچھا خاصا ٹائم ویسٹ ہو جائے''۔

''کب گئے تھے یہ لوگ کراچی؟'' وہ اکھڑ لہجے میں بات کرتے ہوئے سوال کرنے لگا۔

''آج ہی گئے ہیں''۔ وہ گھبرائے ہوئے انداز میں بولی۔

''گھر ہی کے لوگ تھے یا باہر سے بھی مہمان آئے ہوئے تھے؟'' اس نے ایک اور سوال کیا۔

''جی میں تو نئی ہوں مجھے زیادہ نہیں پتا''۔ اس نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

''کہاں سے آئی ہو؟'' اس نے جیلی لگا سلائس پلیٹ سے اٹھا لیا۔

''جی میں خالہ سولہ آنے کی رشتے دار ہوں' بہت دور کے گاؤں سے آئی ہوں''۔اس نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

''پیرنٹس نہیں ہیں تمہارے؟'' دوسرے ہاتھ سے اس نے گلاس اٹھالیا تھا۔

''جی؟'' وہ گھبرا کر نوجوان کی صورت دیکھنے لگی۔

''والدین''۔نوجوان نے انتہائی اختصار سے کام لیا اور دودھ کا گھونٹ بھرا۔

''نہیں جی''۔

''ہوں' یہ دودھ میں کوئی فلیور مکس کیا ہے؟ بہت اچھا ہے؟''

زیتون بانو خاموش رہی' بس یہی سمجھ سکی کہ دودھ اسے پسند آگیا ہے' سکون سا محسوس ہوا۔

''بس دو کافی ہیں''۔نوجوان نے تیسرا اسلائس اٹھاتے دیکھ کر اسے روکا۔زیتون بانو نے جھٹ سلائس واپس رکھ دیا۔

''اور سنو! ہم بہت دیر تک سوئیں گے' کوئی فون وون آئے تو ہمیں ڈسٹرب مت کرنا' ہاں کرنے والے کا نام پوچھ لینا' ہم خود کال بیک کرلیں گے اٹھ کر' کوئی ہمیں جگانے نہ آئے۔چاہے ہمیں کتنی دیر ہو جائے''۔

بہت ہی عجیب تھا' اتنے دن ہو گئے تھے اسے حویلی میں آئے ہوئے مگر کوئی بھی اس انداز میں اس سے پیش نہیں آیا تھا۔ حویلی کے مردوں میں کوئی بھی اس جیسا نہیں تھا۔صورت' شکل' قد' کاٹھ' انداز اطوار ہر طرح سے مختلف محسوس ہوتا تھا۔

سب سے زیادہ خوفزدہ وہ بابا صاحب سے مل کر ہوئی تھی' مگر اب یہ ان سے بھی زیادہ خوفزدہ کرنے والی ''شے'' محسوس ہو رہا تھا۔

وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی تھی۔اس کی طرف نظر دوڑانے کی تو ہمت ہی نہیں تھی۔

چند منٹوں بعد اس نے دودھ کا خالی گلاس ٹرے میں رکھا تو وہ چونکی اور فوراً کھڑی ہو کر ٹرے اٹھانے لگی۔

''آ......آ...... آپ بڑے خان کے رشتہ دار ہیں؟''اس نے جاتے جاتے ہمت کر کے پوچھ لیا۔نوجوان نے خاصی حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

''بے وقوف لڑکی! بیٹے ہیں ہم ان کے' سب سے چھوٹے بیٹے''۔

یہ سن کر تو زیتون میں جیسے نئے سرے سے بجلی دوڑ گئی۔وہ افتاں و خیزاں باہر نکلی تھی۔

....

''خان کو چائے ناشتے کا ئیں پوچھنا اے زیتون بانو''۔

دوپہر ہونے کو تھی روپا دیوی کی تشویش درست تھی۔

''انہوں نے منع کیا تھا۔جب وہ اٹھیں گے تو خود گھنٹی بجا دیں گے''۔اس نے برتن دھوتے ہوئے جواب دیا۔اسی دم راہداری میں گھنٹی چیخ اٹھی۔

''اوپروں وجی اے''۔روپا دیوی بدحواس انداز میں دوڑ گئی' اسے اس لمحے روپا دیوی کا دم غنیمت لگا۔شکر ہے اس کی جان چھوٹی۔

چند منٹوں بعد روپا دیوی دوبارہ اندر داخل ہوئی' گھبرائی ہوئی۔

''خان تیں نوں بلاساں' کہندا اے رات والی کڑی نوں بلاؤ''۔وہ جیسے اب اپنی خیر منا رہی تھی۔

زیتون بانو کے تو جیسے چھکے چھوٹ گئے۔اس نے برتن ایک طرف کئے' جلدی جلدی ہاتھ دھوئے اور دوپٹا درست کر کے ڈرتی ہوئی اوپر پہنچی۔

خان بستر پر دراز تھا۔

''السلام علیکم''۔اس نے بڑے سنبھل کر کہا۔

''تمہیں چائے لے کر آنا چاہیے تھا۔بالکل سینس لیس ہو۔اس کو اس لئے واپس کیا تھا کہ اسے ہماری بات سمجھ نہیں آتی اور نہیں اس کی''۔

''وہ......جی مجھے پتا نہیں تھا کہ آپ صبح کی چائے پیتے ہیں یا نہیں۔اب تو دن کے گیارہ بج رہے ہیں''۔

''ہم نے تمہیں اس لئے نہیں بلایا کہ تم ٹائم بتاؤ۔کمرے میں وال کلاک اور ٹیبل پر رسٹ واچ موجود ہے''۔

''دیکھو' پہلے تو چائے لاؤ پھر یہ کپڑے پریس کرنا۔اس کے بعد ناشتا۔دو ہاف بوائل انڈے' ایک گلاس دودھ اور بس''۔

اس نے خان کی طرف دیکھا۔وہ احکامات صادر کر کے ایک موٹی سی انگریزی کتاب میں گم ہو گئے تھے۔

بہت خوبصورت سنہری پھولوں والے سیاہ نائٹ گاؤن میں وہ پورے ماحول پر چھا رہا تھا۔اس کی مونچھیں حویلی کے دوسرے ''خانوں'' کی طرح ڈرانے والی تو نہیں تھیں مگر بہت گھنی تھیں جن کی وجہ سے اس کا اوپری ہونٹ بمشکل نظر آتا تھا۔ چہرہ ابھرا ابھرا تھا۔جس پر سرخی غالب تھی۔بال بہت قرینے سے جمے ہوئے تھے۔

وہ آہستگی سے پلٹ گئی۔

چائے تیار کرتے وقت اس پر عجیب طرح کی عجلت سوار تھی۔

''خان بڑا غصہ کرتا ہے' خیال کریں کڑیئے''۔روپا دیوی نے اسے باخبر کیا۔

''ہاں پتا چل گیا ہے' مجھے' تم اور ڈراؤ''۔اس نے چڑ کر کہا تھا۔

چائے تیار کر کے وہ کمرے میں آئی۔وہ ہنوز اسی زاویے سے لیٹا تھا۔

''خان چائے''۔اس چمچ سے کپ بجایا۔

''ہوں رکھ دو''۔

''ناشتا کتنی دیر میں لاؤں؟''

''پندرہ بیس منٹ میں لے آنا' یہ کپڑے لے جاؤ' ہم شام کو کراچی فلائی کر جائینگے' ڈرائیور کو کہنا کہ وہ کہیں نہ جائے''۔

''جی ٹھیک ہے''۔وہ تابعداری سے کہہ کر نکلنے لگی۔

''لڑکی! وہ کیا نام ہے تمہارا۔ہاف بوائل کا مطلب پوچھ لینا روپا دیوی سے' الٹا سیدھا ناشتا لائیں تو ذرا دھیان سے بچ کر رہو؟''اس نے میگزین سے نظریں ہٹا کر زیتون بانو کو دھمکی آمیز تاکید کی۔

''جی''۔اس کے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا۔دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔وہ فوراً کپڑے اٹھا کر

''یا اللہ! حویلی کے پندرہ بیس لوگ پتا نہیں چلتے اور یہ اکیلا ''خان'' ان سب پر بھاری لگ رہا ہے۔

ہو رہا ہے''۔

وہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ سوچ رہی تھی۔

''توبہ نانی! تمہیں بھی ابھی بیمار پڑنا تھا۔یہ اتنی بڑی حویلی' بجی سجائی' کھانوں کی خوشبوؤں اور پھولوں کی مہک

ہوئی۔

ادھر وہ کچا کوٹھا...... چار برتن دو چار پائیوں والا' جہاں وہ خود کو ملکہ کی طرح محسوس کرتی تھی۔ایک دم احساس ہوا

اس کے ساتھ کچھ اچھا نہیں ہوا۔

....

''ہائے اللہ! اماں جی! تیمور آئے ہیں''۔

مہندی گوندھتی ہوئی رئیسہ بیگم اٹھ کر بھاگی تھیں اور بھائی کے سینے سے لپٹ گئی تھیں۔آناً فاناً ''سیونتھ ی'' کے

کھدروں میں خبر پہنچ گئی تھی۔

یاور علی خان بھی آموجود ہوئے تھے۔

''یار! اطلاع تو کر دی ہوتی''۔وہ ان کو سینے سے لگا کر گویا ہوئے۔

''سوچا تھا شاید ہم کچھ اہمیت رکھتے ہیں' لہذا سرپرائز دے کر دیکھیں۔'' وہ بھائی کی پشت پر تھپتھپا کر مسکرائے۔

''کتنی مبارک شادی ہے یاور علی' سب موجود ہیں''۔رئیسہ بیگم خوشی سے نہال ہو کر کہہ رہی تھیں۔

''کوئی اور نہیں ہے تمہارے ساتھ''۔سائرہ بھابھی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیا مطلب؟'' تیمور خاں حیران ہوئے۔

''بھئی کوئی میم ویم'' وہ مسکرائیں۔

''ابھی تو نہیں''۔انہوں نے معنی خیز انداز میں آنکھ مار کر کہا۔

''کیا مطلب''۔ابھی سے! وہ ڈپٹ کر گویا ہوئیں۔

''مطلب یہ کہ ابھی تو ہم چھوٹے ہیں''۔انہوں نے ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے جواب دیا۔

بے ساختہ قہقہے برسے تھے۔

''بابا صاحب کہاں ہیں؟'' تیمور علی خان نے باپ کے بارے میں پوچھا۔

''ارے وہ بصیر (یاور علی خان سے چھوٹے) کے ساتھ فیکٹری گئے ہوئے ہیں۔علیم الدین آئے تھے۔ان کے ساتھ

چلے گئے میں نے کہا بھی کہ بیٹے کی شادی ہے لوگ آ جا رہے ہیں' پھر ہو جائیں گے کاروبار' مگر وہ سنتے کہاں ہیں''۔اماں جی

نے شکوہ کیا۔

سب ہیں' سب بہت خوش ہوں گے تمہیں دیکھ کر''۔عالم تاب نے کہا۔

مردانے میں جاؤ وہاں

کے ساتھ مردانے کی طرف بڑھ گئے۔

تیمور لال مرچ والا سالن نہیں کھائیں گے''۔

''سولہ آنے! اماں کو یاد دلا دو'

زرّین نے ڈھولکی کے چھلوں میں دوپٹہ پھنساتی خالہ کو مخاطب کیا جو ڈھولکی کو ٹائٹ کر کے تھاپ چیک کر رہی تھیں۔

''کھانے پینے کا مزہ گنوا بیٹھے ہیں تیمور ولائت جا کر''۔شفیقہ بھابھی (عالم تاب کی نمبر ایک بھابھی) نے تاسف سے

کے تینوں شادی شدہ بھائی ساتھ ہی رہتے تھے۔

''ہاں یہ تو ہے''۔رئیسہ بیگم نے تائید کی۔

''ہاں جی! تیمور کے آنے سے تو جیسے خوشی بہت ہی محسوس ہونے لگی ہے''۔

''بڑی خوش قسمت بھابھی ہے آنے والی' ورنہ یہ تو آنے کا نام ہی نہ لیتے تھے''۔تزئین نے نہال ہو کر کہا۔

''ارے گلو اور مونا کے غرارے ڈھونڈ رہی ہوں' استری کرنے کو نکالے تھے اس رونق میلے میں پھر ذہن سے نکل گئے

رئیسہ بیگم ماتھے پر ہاتھ مار کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''اتنے منے غراروں پر بھی استری ہو گی؟''۔رئیسہ سے چھوٹی روشن آرا جو کراچی میں مقیم تھیں مسکراتے ہوئے بولیں۔

نئی نئی شادی ہوئی تھی خوب بجی بنی تھیں۔

''ارے سوٹ کیس میں دب گئے نشان برے لگتے ہیں۔میری بچیوں کو بڑا شوق ہے غراروں کا...... وہ ہنستے ہوئے

''اپنے تیمور ماموں عرف کاکا جان کو پہن کر دکھائیں گے کہ آپ جہاں پڑھتے ہیں' وہاں تو بڑی عورتیں بھی اتنا

پہنتی ہیں' جتنا ہم یہاں پہنتے ہیں''۔

بھابھی نے ہنس کر ٹکڑا لگایا۔سب ان کے ساتھ ہنس پڑی تھیں۔

''ارے عالم تاب! میوہ دیکھ لیا جو دلہن کے ہاں جائے گا' کوئی شے کم نہ ہو۔سولہ آنے سے پوچھو' وہ میوے کے

گیا یا کہیں پڑے رل رہے ہیں۔

اپنے احساس ذمہ داری سے مجبور تھیں۔

''فکر نہ کریں اماں جی! تھیلوں میں میوہ بھروا بھی دیا ہے''۔انہوں نے تسلی سے کہا۔

''مہندی بھی اچھی خاصی گندھوا لینا۔ایک تھال تو سولہ آنے اپنے ہاتھ پاؤں پر لیپ پوت کر لیٹ جائے گی۔

ہے گم ہوا ہے پاکستان بنتے وقت۔جانے کون سے پیر سے فال نکلوا کر بیٹھی ہوئی ہے''۔اماں جی بڑبڑا

سب ہنس ہنس کر لوٹنے لگیں مگر اماں جی کی سنجیدگی میں کمی واقع نہ ہوئی ہوئی۔

''ارے ذری کے جوتے بھی لینے جانا تھا بازار پتہ نہیں ڈرائیور ہے یا نہیں''۔شفیقہ بھابھی کو معاً یاد آیا۔

''اب آپ ایک جوتے کے لئے بھی بازار جائیں گی؟ زدار بھائی کو کہہ دیجئے۔اسکوٹر بھی تو ہے جا کر لے آئیں گے''

''۔تزئین نے مشورہ دیا۔

''عالمتاب! تیمور سید ھے یہاں آئے ہیں یا دریا بستی گئے تھے پہلے۔یہ تو پوچھ لیتے تم' وہاں سب ٹھیک ہے''

جی اٹھتے اٹھتے پھر بہو سے مخاطب ہوئیں۔

''ایک دو دن میں کیا ہو گیا ہوگا' بس آپ کو بھی فکریں لگی رہتی ہیں''۔وہ بولیں۔

''یہ سولہ آنے' ماما کے پاس گئی تھی یا انگلینڈ پہنچ گئی؟'' اماں جی کو معاً یاد آیا۔

''آ گئی اماں جی! ماما اور پھی۔بچیاں نہار ہی ہے ناں اور ہاں وہاں باغ میں خسرے آئے بیٹھے ہیں''۔خالہ جی

نے نئی اطلاع دی۔

''ارے تو باغ میں بیٹھا چھوڑ آئی' کیا بارات میں لے کر جائے گی۔آٹا' چینی' پانچ روپے دے کر فارغ کر'' انہیں

چڑ کر بولیں۔

وہ کہہ رہے ہیں' شنگھائی ساٹن کے دو جوڑے لے کر جائیں گے' چودھریوں کی شادی ہے۔

''لو اور سنو! شنگھائی ساٹن کے جوڑے......ایک بھی نہیں بلکہ دو دو' اتنا منہ پھاڑتے ہیں کراچی کے خسرے''۔وہ حیرت

اور غصے کے ملے جلے تاثرات سے گویا ہوئیں۔

''تزئین' وہ دینے دلانے والے کپڑوں میں سے کوئی جوڑا نکال دو سولہ آنے کو' اور دس روپے رکھ دو۔بارہ آنے'

آٹا آتا ہے۔دس بارہ سیر آٹے کے پیسے کیا بہت نہیں؟ سیر بھر چینی اور سوجی رکھ دینا۔جلدی سے فارغ کرکے

آنے......بہتیرا کام پڑا ہے''۔

وہ خود کلامی کے انداز میں بولتی ہوئی باہر چلی گئیں۔

....

بارات کا ڈنر منیب احمد نے ہوٹل میں دیا تھا۔

نکاح تو صبح دس گیارہ بجے کے دوران ہو گیا تھا۔صرف گھر کے مرد اور اماں جی گئی تھیں۔

ڈومنیاں پہلے سے گیت چھیڑے بیٹھی تھیں۔

،،تزئین آپا! بھئی مجھے دلہن دکھائیں۔میں اور زیادہ صبر نہیں کر سکتا،،۔

تیمور دلہن کو صوفے پر بٹھاتے ہی آن وارد ہوئے۔

،،لو بتاؤ' دلہا سے زیادہ بے صبرے ہو رہے ہو،،؟ سائرہ بھابھی نے چھیڑا۔

،،بھئی' ان کا سامان ہیں' سنبھالتے رہیں گے' کیوں کی تھیں' آپ لوگوں نے اتنی تعریفیں' بس سب سے

تیمور'' ...ایک طرف یاور علی خان' دوسری طرف تیمور علی خان بیٹھے تھے۔گھر کے دوسرے مرد کرسیوں پر براجمان اور

...بڑی دلچسپی سے تزئین اور تیمور کی نوک جھونک دیکھ رہے تھے

''یاور بھائی جان' اجازت ہے،،؟ تزئین نے شرارت سے مسکرا کر یاور علی خان کو دیکھا۔

،،ہوں۔ہوں۔تزئین۔کیا کر رہی ہو پہلے یہ تو پوچھو بھابھی کو دے کیا رہے ہیں رونمائی میں،،؟ سائرہ بھابھی نے ذہنی

...مندی کا مظاہرہ کیا۔

،،بھابھی' ہم جاب لیس ہیں Depended ہیں' ایسے ہی دیدار کرا دیجیے' ثواب ملے گا۔،،وہ شریر ہوئے۔

،،جی نہیں۔جی نہیں۔اگر کچھ نہیں ہے تو کلائی سے گھڑی اتار کر دیجیے۔وہ بعد میں بیچ کر انگوٹھی بنوا لیں گی،،۔ایک رشتہ

...بہن منمنائی۔

''ایکسلینٹ۔۔کون ہیں یہ ماہر معاشیات؟ سامنے آئیں''۔یاور سے چھوٹے بصیر علی خان نے آواز اٹھائی۔

...شرما کر بھیڑ میں گم ہو گئی۔

''کیا سمجھ رکھا ہے آپ لوگوں نے۔۔۔تیمور علی خان ہیں ہم جناب''۔

...تیمور علی خان نے اپنے کوٹ کی جیب سے مخملی ڈبیا نکالی اور کھول کر سامنے کی۔

''ہائے اتنی پیاری انگوٹھی''۔تزئین وفورِ شوق سے بولیں۔

''ہاں نہیں' ماشاءاللہ ہم پردیس میں رہتے ہیں مگر سبق سب یاد ہے۔اصلی ڈائمنڈ ہے محترمہ''۔

''اب تو دیکھ سکتے ہیں؟'' انہوں نے ڈبیا دلہن کی گود میں رکھ دی۔

''بالکل' بالکل' ٹھہرو میں گھونگٹ اوپر کرتی ہوں''۔

...نے گھونگٹ اوپر کر دیا۔

''...نائس' لگتا ہے اماں جی کی ساری دعائیں آپ کو لگ گئی ہیں''۔تیمور نے بے ساختہ سراہا تھا اور یاور علی خان کو

...پاس ہی کھڑی تھیں۔ایک دم تیمور علی خان کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور پیشانی چوم کر بولیں۔

''اب تو نمبر کرے گا نا میم؟ تیری بھی ایسی لاؤں گی''۔

''...میرا نمبر ہے''۔بصیر علی خان نے ٹکڑا لگایا۔

...بکھرے تھے۔

''...کے ہاں آپ کا رشتہ تو ڈال رہے ہیں۔ان کی تو سب لڑکیاں ہی اچھی ہیں،،۔تزئین نے بھی حصہ لیا

...گے۔چپکے سے دیکھ لینا۔کبھی بعد میں اماں جی سے شکایت کرو''۔

...بہت محبت سے بھائی کو دیکھا۔جو خود کو موضوع بنا دیکھ کر قدرے خجل سے ہو رہے تھے۔

''تیمور! فوٹو کھنچوا کر ہی اٹھو گے۔ ہماری بھی باری لگنے دو''۔ بصیر علی خان نے فوراً بات بدلنے کی کوشش کی۔

''دلہن تھک گئی ہوگی۔ آرام کرنے دو''۔ اماں جی نے کہا۔

''منہ دکھائی تو ہونے دیں اماں جی۔ سب دلہن دیکھنے کے شوق میں کھڑے ہیں''۔

دلہا کی اماں تیرے ڈوروں کے صدقے

باہر سے ڈومنیوں کی آوازیں آ رہی تھی۔

''ارے! انہیں چپ کرواؤ۔ صبح سے حلق پھاڑ رہی ہیں۔ اکیلی دلہا کی اماں ہی باراتن ہیں۔ نامرادکون سے اس دیکھ لئے انہوں نے میری آنکھوں میں''۔ اماں جی سادگی سے جھلا کر بولیں تھیں۔

بے ساختہ قہقہے گونجے تھے۔

منہ دکھائی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ یاور علی خان اٹھ کھڑے ہوئے۔

''پتہ ہے۔ مگر فی الحال یہاں میرا تو کوئی رول نہیں''۔ وہ مسکرا کر گویا ہوئے۔

''صحیح کہہ رہے ہیں۔ انکا رول بعد میں شروع ہوگا''۔ عالم تاب نے چھیڑا۔

وہ مسکراہٹ دباتے باہر چلے گئے۔

....

یاور علی خان باتھ روم میں تھے۔ نازنین اپنے بال سکھا رہی تھی۔ معاً دروازے پر دستک ہوئی۔

نازنین یکدم سنبھل کر بیٹھ گئی اور دوپٹہ اٹھا کر سر پر پھیلا لیا۔ اور دروازے کی سمت دیکھنے لگی۔

دستک دوبارہ ہوئی۔ اسکی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ دروازہ کھولے یا وہیں سے آنے والے کو اجازت دے کہ وہ

وہ بیڈ سے نیچے اتر آئی۔ اور دروازہ کھول دیا۔

سامنے ہی تیمور علی خان کھڑے شرارت سے مسکرا رہے تھے۔

''اسلام وعلیکم۔ ہمارے ہاں کی پہلی صبح آپ کو مبارک ہو''۔

نازنین ایک دم اچانک ایک سسرالی نوجوان کو سامنے پا کر نروس سی ہو گئی۔

''اسلام وعلیکم''۔ وہ بس سلام ہی کر پائی۔ ''وہ تو ہم آپکو کر چکے ہیں۔ آپ بڑی بھابھی ہیں ہماری۔ آپ ہمیں جواب دیجیے''۔ وہ تنگ کر رہے تھے۔

''وعلیکم السلام''۔ وہ دانتوں تلے ہونٹ داب کر بہت آہستگی سے بولی۔

''اندر آنے کو نہیں کہیں گی۔ ہم تو رات سے اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں کہ آپ سے کب بات ہو۔ وہ بھی

میں تیرا حسن، حسن بیاں تک دیکھوں

''۔ ابھی پوچھتے ہیں ہم''۔

''بھائی کہاں ہیں۔ کیا کر رہے ہیں۔ پہلے ہی دن آپ سے دروازہ کھلوا لیا۔ تیمور علی خان اندر داخل ہو گئے تھے۔

نازنین انکی برجستگی اور بے تکلفی پر قدرے گھبرا کر ایک طرف ہو گئی۔

''۔۔۔ کہاں چلے گئے؟'' وہ ادھر ادھر نظر دوڑانے لگے۔

نازنین نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ باتھ روم میں ہیں۔

''۔۔۔ جیتی مین خاصے لیٹ ہو گئے۔ اس وقت تک تو انکا ناشتہ بھی ہضم ہو جاتا ہے۔ اوہ۔۔۔ آپکے ہاں تو ابھی چائے بھی نہیں۔۔۔ اگر آپ کو صبح چائے پینے کی عادت ہو گی تو اس وقت آپ کا دل چاہ رہا ہو گا۔ ہے ناں؟''

تیمور علی خان نے آگے بڑھ کر بیل رنگ کی۔ نازنین نظریں جھکا کر بیڈ کے ایک کونے پر ٹک گئی۔

''کچھ تو بولیے۔ سلام کے جواب سے کچھ سہی پتہ نہیں لگا''۔ وہ شریر ہو رہے تھے۔

''کس چیز کا؟'' بالآخر وہ آہستگی سے بول پڑی۔

''ابھی بتائیں گے'' آپکو کہ کس چیز کا؟ اچھا پہلے یہ بتایئے کہ آپ ارلی مارننگ اٹھنے کی عادی ہیں؟''

''ہوں!'' نازنین نے اثبات میں جواب دیا۔

''پھر کیا کرتی ہیں؟''

''نماز پڑھتی ہوں''۔ اسکی آواز سے اسکے وجود کی نفاست ٹپک رہی تھی۔

''پھر؟''

نازنین نے مسکرا کر تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

''کیا اسطرح کا انٹرویو سب لیں گے ہمارا؟''

''ہاہاہا''۔ تیمور علی خان کا قہقہہ بے حد جاندار تھا''۔ اب بنی ہے بات۔ ماشاءاللہ۔ اچھا بولیں گی''۔

نازنین جھینپ کر رہ گئی۔

تبھی ماما اندر داخل ہوئیں۔ تیمور علی خان کو وہاں پہلے سے موجود پا کر جیسے انہیں خوشگوار حیرت ہوئی۔

''صبح ہو گئی ماما! وی' وی' آئی۔ پیز ابھی تک چائے سے محروم ہیں۔ یہ ہماری کوالیفائیڈ بھابی صاحبہ جو اسٹوڈنٹ لائف گزارتے گزارتے ایک دم ہمارے ہاں ٹرانسفر ہو گئیں۔ انہیں صبح کی چائے کتنی اچھی لگتی ہو گی۔ آپ کو تو پتا ہے اسٹوڈنٹ لائف کے کتنے عادی ہو جاتے ہیں۔ ماما۔ سسرال میں بھابی کے ساتھ پہلی زیادتی''۔

تیمور علی خان کشن سر کے نیچے رکھ کر اطمینان سے صوفے پر دراز ہو گئے۔

''۔۔۔ بیگم نے کہا تھا جب تک یاور خاناں خود نہ لائیں' کمرے میں کوئی نہ جائے اس لئے''۔ ماما نے وضاحت کی۔

''اوہ۔۔۔ اچھا۔۔۔۔۔ اچھا۔ اب چائے لے آئیں۔ صرف دولہا دلہن کیلئے نہیں۔ ہمارے لئے بھی۔ ہے تو مداخلت بے جا۔۔۔ ہم تو یہاں بہت تھوڑے دنوں کے مہمان ہیں۔ آپ ہماری آؤ بھگت کیجیے بطور میزبان۔ پتا نہیں پھر کب موقع ملے یا نہیں''۔

وہ مسکین سی صورت بنا کر کہہ رہے تھے۔

''کیا مطلب؟'' نازنین یکدم چونک پڑی۔

''بھئی۔ ہم مکمل آداب غلامی سیکھ رہے ہیں۔ یعنی انگلینڈ میں زیر تعلیم ہیں''۔

''مگر مجھے تعلیم کا اثر خاص نظر نہیں آرہا''۔

یاور علی خان براؤن باتھ گاؤن میں سفید تاول سے سر رگڑتے ہوئے باتھ روم سے باہر آگئے تھے۔

''ہماری ریپوٹیشن خراب مت کیجیے! ہم ال مینرڈ اور ''اوڈ بی ہیو'' بہرحال ہرگز نہیں ہیں''۔ تیمور علی خان نے بہت محبت اور چاہ سے دیکھا۔

''بھئی، ہم تو تعلیم سے متعلق بات کر رہے ہیں لگتا ہے تم۔ ادھر کچھ خاص کو سرکرار ہے ہوگے۔ اچھا کوئی بتا... تم میں''۔

یاور علی خان کا لہجہ معنی خیز اور شرارت آمیز تھا۔

''یہ دیکھیے۔ ہونہار لوگوں کی یہ قدر ہے یہاں۔ کس قدر رشک وشبہ''۔ تیمور علی خان نے شکایتی انداز میں نازنین... کیا۔ جوان دونوں کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہی تھی۔

''بھائی! آپ کو چائے کا کہہ کر باتھ روم میں بند ہونا چاہیے تھا۔ بے چاری کب سے چائے کا انتظار کر رہی...''

''واقعی؟'' یاور علی خان نے تعجب سے نازنین کو دیکھا۔

اس کی نظریں حیا سے جھک کر رہ گئیں۔

''آپ دونوں بھائی کیا اسی طرح میری درگت بنایا کریں گے؟'' خود اعتمادی تو اس میں بہت تھی بس... آواز اور الفاظ محتاط تھے۔

''ہم تو خیر چلے جائیں گے۔ پھر یہ اکیلے ہی بنایا کرینگے''۔

تیمور علی خان نے بڑے معصومانہ اور سنجیدہ انداز میں جواب دیا۔ یاور علی خان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ نازنین... مہندی سے رچے ہاتھ چہرے پر رکھ لئے تھے۔

''چھوڑیئے بھائی۔ بھابی کو تنگ مت کیجیے۔ گڈ ول ڈیچ ہو رہی ہے''۔ تیمور علی خان نے بہت دلچسپی سے... دلنشین ادا کو دیکھا تھا۔

اسی دم ماما چائے کی کشتی کے ہمراہ اندر داخل ہوئیں۔

''ادھر لایئے ماما۔ آج بھائی بھابی کی خدمت کا آغاز کریں گے''۔ تیمور علی خان نے تپائی کھینچ کر... کو کشتی رکھنے کا اشارا کیا۔

''بہت ہی اہم تبدیلی ہے۔ مل کر پانی نہ پینے والے چائے بنا رہے ہیں''۔ یاور علی خان نے بالوں میں... ہوئے آئینے میں تیمور علی خان سے کلام کیا۔

''سارے گھر میں روشنی ہے، خوشبو ہے، تبدیلی سے حیرت کیا''۔ تیمور علی خان نے گویا چھیڑ خانی کی۔

''ہوں... یہ ہمارے حصے کے ڈائیلاگ ہیں''۔ یاور علی خان نے مصنوعی خفگی سے بھائی کو دیکھا۔

''مگر بہت اچھے ہیں۔ اپنی واجب الاحترام بھابی کیلئے بھی بولے جاسکتے ہیں''۔

تیمور علی خان نے چائے کی تیاری کے دوران وضاحتی جواب دیا۔

نازنین جو تیمور علی خان کے بے دھڑک انداز گفتگو سے بڑی جز بز ہو رہی تھی۔ تیمور علی خان کے سادہ اور بے ریا انداز پر دل ہی دل میں شرمندہ سی ہوگئی۔

تیمور علی خان نے چائے پہلے نازنین کو پیش کی۔

''شکریہ''۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''ہیں... اردو''۔ ہم رات سے خوش ہو کر برا حال کئے بیٹھے ہیں کہ اپنے گھر میں کانونٹ انگلش بولنے والا کوئی ہوا۔ ...انگریزی بننے کے شوق میں بولے جا رہے ہیں۔ اور آپ ہیں کہ بھابی بیگم والا شکریہ بھابی بیگم تو بقول ان کے اپنے ...قرآن پڑھی ہوئی ہیں۔ حالانکہ یہ پڑھائی بھی اچھی خاصی ہے۔ ہم تو انہیں کہتے ہیں آپ تھینکس کے ضمن میں ''شکرا'' ...کریں۔ کیونکہ قرآن عربی میں اترا ہے''۔

''بااللہ''۔ نازنین کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ یاور علی خان بھی مسکرا رہے ہیں۔

''ٹھیک کہہ رہے ہیں ناں ہم' انسان کی عام طرز گفتگو سے پتا چلنا چاہیے ناں کہ اس کا ایجوکیشن سرکل کس طرح کا ہے۔ ...آپ کا شکریہ وہیں رکھ دیا ہے۔ سائیڈ ٹیبل پر۔ کریکٹ پرونینسشن کے ساتھ ہمیں مطلوبہ تھینکس کیجیے''۔

نازنین کا دل چاہ رہا تھا کہ قہقہہ لگا کر ہنسے۔ مگر یہاں وہ ایک رات کی دلہن تھی خود پر بڑا کنٹرول کرنا پڑا۔

''بس... مت ستاؤ اپنی نئی نویلی بھابھی کو''۔ یاور علی خان بھائی کے قریب صوفے پر آکر بیٹھ گئے اور چائے کا کپ اٹھالیا۔

''...جا رہے ہیں آپ''۔ تیمور علی خان نے پھر چھیڑا۔

''اچھا یہ بتایئے۔ آپ نے بھابی کی انگریزی سن لی۔ دیسی انداز میں تو نہیں بولتیں؟ ہمیں تو دیسی سٹائل میں ...انگریزی بولنے سے بہتر اشاروں میں بات کرنا لگتا ہے''۔

''بس... جاؤ یار''۔ یاور علی خان نے ایک بھرپور نظر نازنین پر ڈالی۔ جو سادہ سے چہرے پر کامدانی سے مرصع آنچل لٹکائے ...جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ تیز فیروزی لباس میں اسکی چھب اور تھی۔

...زیور ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا تھا۔ صرف کامدار لباس ہی گویا پورا سجا گیا تھا۔ اسی دم دروازے پر ہلبلی سی محسوس ہوئی پھر ...دستک ہوئی۔

''...کیا ہم اندر آجائیں؟'' یاور علی خان نے اجازت دی۔

...زرق برق لباس میں ملبوس خواتین کی ٹولی اندر داخل ہوئی۔

''...ارے تیمور تم یہاں ہو۔ کیا کر رہے ہو ادھر؟'' تزئین نے جھٹ اپنی حیرت پر قابو پا کر ڈپٹ کر پوچھا۔

''...کر رہے ہیں بھابی کی۔ آپ لوگوں کے بند بیڈ رومز سے تو لگ رہا تھا حویلی واپسی کے وقت ہی کھلیں گے

بس ایک دم ہمیں اپنی بھابھی کا خیال آگیا''۔

''اللہ کی شان۔ ہمیشہ ایک جراب ہاتھ میں لے کر دوسری کی ڈھونڈ مچانے والے کس قدر ذمہ دار ہوئے ہیں۔

یوس کن اطلاع ہے کہ ناز بھابھی کی جو دو شادی کے قابل بہنیں ہیں' انکی منگنیاں ہو چکی ہیں''۔

بصیر علی خان سے چھوٹی بہن روشن آراء نے بڑی دلسوزی سے کہا۔

''لاحول ولا قوۃ۔ ہماری تو معلومات زیرو ہیں بھابھی کی فیملی کے متعلق۔ ہمارے لیے تو بہنوں کی اطلاع بھی نئی ہے

منگنیوں کی بھی''۔

وہ تمام چوکس خواتین کو خود پر حملہ آور پاکر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''بھئی آپ لوگ اسے کچھ نہ کہیں۔ واقعی اس نے ہمیں عین طلب کے وقت بہت اچھی چائے بنا کر پلائی ہے''۔

یاور علی خان نے خواتین کو اگلے حملے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

''ذرا جگہ دو۔ میں حیرت سے نہ گر جاؤں''۔ تزئین دھپ سے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

''ہائے اللہ اس نے تو بہت تنگ کیا ہوگا''۔ رئیسہ بیگم نے پیار سے نازنین کو ٹھوڑی اونچی کر کے بوسہ دیا۔

''ہم تو بہت پروگرام بنا کر آئے تھے۔ مگر کیا کریں' بھائی باتھ روم سے جلدی آگئے''۔ تیمور علی خان باہر نکلتے ہوئے

شرارت سے مخاطب ہوئے۔

وہ سب ہنس پڑیں۔ یاور علی خان بھی کپ رکھ کر آہستگی سے باہر نکل گئے۔ بہنوں سے تو نہیں بھابھیوں سے تو انہیں

سخت خطرہ تھا۔

''ہائے۔ ابھی تک زیور نہیں پہنا۔ تزئین ذرا زیور اٹھانا۔ دلہن کے گھر والے بھی آتے ہی ہوں گے''۔

عالمتاب' نازنین کے مقابل بیٹھ گئیں۔

''آپ پہلے چوڑیاں پہنائیں۔ میں بھابھی کے بال سلجھاتی ہوں''۔ تزئین نازنین کی پشت کی طرف چلی گئیں۔

''بھئی۔ کیا زیورات میں اضافہ نہیں ہوا؟''۔ امینہ بھابھی زیورات ٹٹولنے لگیں۔

''مجھے تو نظر نہیں آرہا۔ میرا خیال ہے۔ صرف معلومات میں اضافہ ہوا ہے''۔

روشن آرا شوخی سے بولیں۔ خواتین کے مترنم قہقہے بہت بھرپور تھے۔ نازنین کے چہرے پر سرخی چھلکنے لگی۔

''بھئی ہم زیادہ دیر سسپنس برداشت نہیں کر سکتے''۔ تزئین نے نازنین کے سر سے دوپٹا اتار کر ایک طرف رکھا

اسکے گھنے دراز بال انگلیوں سے سلجھانے لگی۔

''بھئی ہمیں یاور خاناں جیسے چھپے رستم کا کارنامہ دیکھنے کی بڑی جلدی ہے''۔

عالم تاب' نازنین کی کلائیوں میں کنگن اور چوڑیاں ڈالنے لگیں۔

''بھابی پلیز''۔ تزئین نے آگے کی طرف جھک کر نازنین کا چہرہ چھوا۔

نازنین نے سائیڈ ٹیبل کی دراز کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی خود ہی دیکھ لو۔

تزئین نے بے تابی سے دراز کھینچی۔ اور ایک نیوی بلیو مخملی ڈبہ باہر نکالا۔

ڈبہ تجسس بھرے انداز میں کھولا۔ تقریباً سب ہی ڈبے پر جھک گئیں۔

مرصع نوری انتہائی نفیس نازک بہت مختصری اونچائی والا تاج ان سب کے سامنے تھا۔

''واہ۔ زبردست''۔

''ہوں۔ اشارے کی زبان میں کہا ہے کہ حویلی کی ''وہ'' والی ملکہ تو جب بنیں گی تب بنیں گی۔ دل کی ملکہ البتہ بنالیا

ہے''۔ سائرہ بھابھی نے دور کی کوڑی لانے میں سبقت حاصل کی۔

''ویسے کہا بھی ہوگا''۔ تزئین نے شرارت سے ٹکڑا لگایا۔ نازنین کا چہرہ گلگوں ہوگیا۔

''چہرہ تمہاری بات کی تصدیق کر رہا ہے''۔ روشن آراء نے بھی حصہ بٹایا۔

نازنین نے بے ساختہ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لیے۔

خواتین کی مترنم مسکراہٹ سے ماحول یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دنیا میں غم نہیں ہوتے۔ اس سیارے میں خوشی کا سورج

ہی چمکتا ہے۔

....

اسی شام حویلی واپسی ہوگئی۔ اماں جی کا دل کراچی میں ویسے بھی نہیں لگتا تھا۔ انہیں اپنی حویلی کی مصروفیات بہت عزیز

رہتی تھیں۔

''کراچی میں تو میرے ہاتھ پیر بندھ جاتے ہیں۔ یہاں تو کوئی کام ہی نہیں ہوتا اور حویلی میں میرے کام ختم نہیں

ہوتے''۔

انہی کی طرف سے جلدی واپسی کا تقاضا تھا جبکہ ولیمہ تو چار روز کے بعد یعنی اتوار کو تھا۔ کہ بابا صاحب کے بااثر

دوست احباب بشمول بیوروکریٹس کی چھٹی کا دن ہوتا تھا۔

زیتون بانو' تزئین کا بخشا ہوا گہرا جامنی سفید سلمے کے کام سے سجا سوٹ پہنے استقبالیہ عملے میں نہایت ممتاز نظر آرہی

تھی۔ دلہن دیکھنے کے اشتیاق نے اسکے چہرے پر عجیب سی تمتماہٹ پیدا کر رکھی تھی۔

''زیتون بانو۔ ادھر پیچھے سے آکر دلہن کا غرارہ سنبھالو''۔ تزئین نے مستعدی زیتون بانو کو حسب دلخواہ اعزاز بخشا۔

دو برآمدے کی سیڑھیاں ایک جست میں پھلانگی تیمور علی خان برق رفتاری سے اپنا بیگ اٹھائے سب سے پہلے اندر

داخل ہونے کی کوشش میں آگے بڑھے تھے۔

زیتون بانو کی نظر ''درمیانی اشیاء'' کو دیکھ ہی کب رہی تھی اسکی نظر تو براہ راست دلہن پر تھی۔ اس بری طرح تیمور علی خان

کے وجود سے ٹکرائی اور دھڑام سے گری کہ ایک لمحہ کو تو سب ہی مبہوت سے رہ گئے۔

''ہو۔ ہو۔ چوٹ تو نہیں لگی۔ دیکھ کر چلا کرو۔ اچھا چلو شاباش اٹھو''۔ مختلف قسم کی آوازیں ابھریں۔

''نان سنس''۔ دم بخود سے تیمور علی خان نے بس اتنا ہی کہا۔

’’چھوڑو جانے دو۔تم گرے تو نہیں۔گری تو یہ بے چاری ہے‘‘۔امینہ بھابھی نے تیمور علی خان کا موڈ ...
کوشش کی۔

’’گر بھی سکتا تھا۔ویسے بھاگنے دوڑنے کی کوئی لوجک تو نہیں ہے ادھر‘‘۔

انہوں نے بدحواس سی زیتون بانو کے چہرے پر خشک انداز میں نظریں دوڑائیں۔

’’یہ عمر بغیر لوجک کے ہے تیمور خاناں‘‘۔تزئین نے شوخی سے دھیان دیا۔

’’ہوں‘‘۔وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئے۔

وہ بھی کھسیائی ہوئی دلہن کے پیچھے آکھڑی ہوئی۔

دلہن کو ہال میں پہنچا کر وہ ماما کے ساتھ کچن میں مصروف ہوگئی تھی۔سب سے پہلے تو سب کو چائے پلانے کا مرحلہ ...

’’ماما!اب آپ آگئی ہیں۔تیمور خاناں کے کام آپ ہی کرنا۔مجھے ان سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ابھی اگر سب لوگ نہ ...
تو وہ مجھے تھپڑ ضرور مارتے‘‘۔اس نے کپ دھو کر ٹرالی میں لگانا شروع کیے۔

’’ارے نہیں۔ایسے نہیں ہیں۔کبھی کبھی تو تقریباً سب لوگ ہی چڑچڑے ہوجاتے ہیں۔یہ تو سب کو خوش رکھتے ہیں ...
صاحب کے سامنے بھی نہیں چوکتے۔باہر پڑھتے ہوئے اتنے دن ہوگئے ہیں۔حویلی کی تو ساری عادتیں ختم ہوگئیں ...
میں۔اپنے بہت سے کام خود ہی کرلیتے ہیں۔وہاں کراچی میں مجھے اندازہ ہوا تھا‘‘۔ماما نے تسلی دی۔

’’پھر بھی ماما‘‘۔وہ کسی وضاحت سے مطمئن نہیں ہوئی۔

’’اچھا اچھا ٹھیک ہے۔میں خود ہی دیکھ لیا کروں گی۔ویسے آج تو تو پری لگ رہی ہے‘‘۔

ماما نے اسے محبت سے دیکھا۔

’’چھوڑو ماما!آپ بھی کیا بات کرتی ہو۔نانی کے سامنے کوئی میری تعریف کرتا ہے تو پتہ ہے۔نانی کیا کہتی ہے ...
ہنسی۔

’’کیا کہتی ہے‘‘ماما کے انداز میں دلچسپی تھی۔

’’کہتی ہے جنگل میں مور ناچ رہا ہے‘‘۔وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

ماما بھی مسکرا دی۔’’اللہ تمھارے بھاگ جگائے۔وہاں کچھ بھی ناممکن نہیں‘‘۔

انہوں نے شفقت سے دیکھ کر دعائیہ کہا۔چند دنوں میں وہ انہیں بہت عزیز ہوگئی تھی۔اسکی وجہ سے انہیں بھی ...
معنی معلوم ہونے لگے تھے۔

اسی دم روپا دیوی اندر داخل ہوئی۔

زتون بانو۔تیمور خانا بلاساں تساں نوں‘‘

زیتون بانو کے تو حلق میں گٹھلی پھنس گئی۔

’’میں وہاں جاتی ہوں۔چائے دیکھ لینا‘‘۔وہ باہر چلی گئی۔

... کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔

زیتون بانو کے دم میں دم آیا۔اس کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔
چند منٹوں بعد ماما واپس آگئی۔اس نے آتے ہی زیتون بانو کو الجھی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

’’زیتون بانو!خان تمھیں بلا رہے ہیں‘‘۔

’’م۔مجھے‘‘۔وہ گھبرا کر پلٹی۔’’کیوں؟‘‘۔

’’پتہ نہیں۔بس مجھے تو یہی حکم دیا کہ زیتون بانو کو بھیجو‘‘۔

اس نے جلدی سے ہاتھ پونچھے۔بری طرح گھبرا رہی تھی۔اسی حالت میں باہر نکل گئی۔اس نے ہاتھ میں پڑی ...

...انگوٹھی سے دستک دی۔

’’لیں‘‘۔اندر سے خان کی نارمل آواز آئی۔اس نے ڈوپٹہ درست کیا اور اندر داخل ہوگئی۔

’’جی۔خان‘‘۔

’’وہ۔زیتون بانو۔بات یہ ہے کہ تم کریز بہت اچھی بناتی ہو۔یہ پینٹ استری کردو۔ہمیں ذرا باہر جانا ہے‘‘۔خان نے بیڈ
پر پڑی پینٹ کی طرف اشارہ کیا۔

’’جی اچھا‘‘۔وہ خان کے نرم انداز پر سنبھل گئی۔اور آگے بڑھ کر پینٹ اٹھالی۔

’’چوٹ تو نہیں لگی تمھیں؟‘‘اس کے آگے بڑھتے قدم خان کی آواز پر تھم گئے۔

اس نے حیرت سے مڑ کر دیکھا۔خان ایزی چیئر پر جھولتے ہوئے بغور دیکھ رہا تھا۔

اس نے مزید آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔آیا یہ خان ہی ہے۔

’’نہیں‘‘۔اس نے نظریں جھکا کر کہا۔

’’تم گر گئیں تھی ناں۔اس لئے پوچھ رہے تھے‘‘۔لہجہ تو عام ہی تھا۔

’’نہیں۔مجھے چوٹ نہیں لگی بس وہ ذرا گھٹنے میں درد ہوا ہے‘‘۔

’’چلو۔اچھا ہوا۔مگر تمھارا سر ہمارے سینے سے بہت زور سے ٹکرایا تھا۔خاصی تکلیف ہو رہی ہے‘‘۔لہجے میں عجیب سی
شریر تھی۔

اس نے بدحواس ہو کر خان کی طرف دیکھا تھا۔مگر وہ تو پرسکون اور نارمل تھا۔

’’وہ جی۔آپ بام لگالیں‘‘۔اس نے سادگی سے کہا۔

’’وہ۔جی۔وہ مرہم ہوتا ہے ناں بڑی تیز سی خوشبو ہوتی ہے اس میں‘‘۔

اس نے اپنی دانست میں سمجھانے کی کوشش کی۔

’’تمھارا مطلب ہے وکس۔نہیں خیر اب ایسا بھی نہیں ہے کہ محنت کی جائے۔اچھا خیر تم جاؤ۔آتے ہوئے چائے ضرور
...تم بہت اچھا کام کرتی ہو۔ہمیں ڈر ہے اگر ہم یہاں زیادہ دن رہ گئے تو ہماری عادتیں نہ بگڑ جائیں‘‘۔

کس قدر بدلا ہوا تھا خان۔اسے وحشت سی ہونے لگی۔وہ تیزی سے باہر نکل آئی تھی۔

ولیمے کی دعوت بڑے اعلا پیمانے پر تھی۔ کراچی سمیت دوسرے شہروں سے بھی مہمان آئے ہوئے تھے۔ ... ایک برسات تھی۔

نازنین کے بھی سب گھر والے آئے ہوئے تھے۔ اماں جی اور بابا صاحب کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ ... اپنے میکے والوں کی موجودگی میں بہت بے تکلف و آزادی محسوس کر رہی تھی خود کو۔ تزئین اور سائرہ بھابھی نے اسے ... دیا تھا۔ دلہن تو ویسے بھی سب کی توجہ کا مرکز ہوتی ہے۔ نازنین تو پھر نازنین تھی۔ جس کی آمد سے قبل ہی اس کے ... تھے کہ حویلی میں داخل ہونے والے فرد کی پہلی خواہش دلہن دیکھنے کی ہوتی تھی۔

تیمور علی خان نے آج تیاری میں بہت اہتمام کیا تھا۔ آف وہائٹ شیروانی اور تنگ پائجامے میں ملبوس ... شاہی کیا شہزادے کی سی آن بان تھی۔

زیتون بانو دلہن کے گہنوں گجروں کی باسکٹ لئے بیڈ روم کی طرف جا رہی تھی۔ تیمور علی خان زینہ اتر کر نیچے آ رہے ... وہ تو ان کی چھب دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گئی۔ مصروفیات کی وجہ سے ابھی تک اسے خود تیار ہونے کا موقع نہیں ملا تھا ... وائل کے کڑھے ہوئے کرتا شلوار میں پسینے پسینے ہو رہی تھی۔ بے ساختہ ٹھٹھک کر رک گئی تھی۔ جیسے پہچان رہی ہو کہ ... ہی ہے یا کوئی اور۔

تیمور علی خان کی حسیات بلا کی شارپ تھیں۔ انہوں نے اس کا ٹھٹھکنا نوٹ کر لیا۔ ایک مبہم سی مسکراہٹ ان کے ... ٹھہر گئی تھی۔ جیسے وہ خود کو سراہ رہے ہوں۔

''کیا ہوا؟،، وہ عین راہ میں تھی انہیں ٹوکنا پڑا۔ اور خود پر سنجیدگی طاری کرنا پڑی۔

''کک۔ کچھ نہیں۔ وہ۔ خان۔ میری چپل ہے ناں۔ ڈھیلی ہو گئی ہے،،۔ اس نے بوکھلا کر بے تکا جواز پیش کیا۔

تیمور خان نے اس مغلیہ نقوش والی کم سن کنیز کو اپنی گہری اور پہنچی ہوئی نگاہوں سے بغور جانچا اور اپنی رسٹ واچ ... پر سیٹ کرتے اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

''اپنی سب چیزیں فٹ رکھا کرو۔ بعض اوقات پرابلم ہو جاتی ہے،،۔

وہ دم سادھے کھڑی رہ گئی کچھ سمجھی اور کچھ نہیں۔

''ارے۔ تجھے کیا سانپ سونگھ گیا۔ کیا بت بنی کھڑی ہے،،۔ اسے عقب سے خالہ سولہ آنے کی آواز آئی۔ پھر تو ... میں بجلی دوڑ گئی فوراً پھوٹ لی کہ اگر خالہ چھڑ گئیں تو راگ پورا کر کے ہی دم لیں گی۔

....

جانے کیوں جی چاہا کہ جی بھر کے خود کو سنوارے۔ سارے کاموں سے فارغ ہو چکی تھی۔ نہا دھو کر دھلے ہوئے ... کے رنگ کا جھلمل کرتا کرتا شلوار پورے ڈھائی گز کا گوٹے کرن سے سجا دوپٹہ۔ موتیے کے گجرے۔ آج سے پہلے ... نہیں سنوری تھی۔

... سنہری انگوٹھے والی چپل ڈال کر جب وہ نیچے آئی تو تزئین سمیت کئی خواتین راہداری میں کھڑی قہقہے برسا رہی ... تھیں یک دم اپنے سامنے پا کر اسے اپنی آرائش بہت محسوس ہونے لگی۔ حجاب سا طاری ہو گیا اس کی رفتار خود ... میں پڑ گئی۔

''ارے کیا انارکلی بنی ہوئی ہو آج۔ واہ زیتون بانو،،۔ تزئین نے بے ساختہ سراہا تھا۔ خدا کے لئے باہر نہ ... آپ سے باہر ہو گیا تو کہیں اپنی نور جہاں نہ بنا لے،،۔

... بھابھی کو انجانے خطرے کی گھنٹی سنائی دینے لگی۔

... وہ ایک دم دل شکستہ ہو گئی کہ بیکار گئی ساری محنت جب اسے محفل میں گھومنے پھرنے کی اجازت ہی نہیں۔

''جی۔ پھر کیا اوپر ہی رہوں؟،، اس نے افسردہ لہجے میں سوال کیا۔

''... مذاق بھی نہیں سمجھتی۔ خوشی کا دن ہے۔ ناچو گاؤ گھومو پھرو۔ اگر جلدی فارغ ہو گئے تو تمہارا گانا بھی ضرور سنیں ... تمہاری آواز بہت خوبصورت ہے۔ اس سج دھج میں گاؤ گی تو گانا سننے کا مزہ ہی کچھ اور ہوگا''۔

''... بے ڈھب نام ہے تمہارا بالکل بھی سوٹ نہیں کرتا تم پر۔ تمہارا نام تو ''مطربہ'' ہونا چاہیے۔ آج سے تمہیں ہم اسی نام سے پکاریں گے۔ کیا خیال ہے بھابھی۔ کیسا نام ہے؟'' تزئین نے سائرہ کو مخاطب کیا۔

''ارے اتنا سر نہ چڑھاؤ۔ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں''۔ امینہ کے اعصاب ہر قسم کی صورتحال میں کنٹرول میں ... تھے۔

''ارے نہیں بھابھی یہ تو بڑی بے وقوف اور سادہ سی لڑکی ہے۔ چلو اب تم ہمارا شکریہ ادا کرو۔ ہم نے تمہیں کتنا ... نام دیا ہے۔ مطربہ...... محبت کے گیت چھیڑنے والی''۔ تزئیں بہت فراخ دل تھیں۔

... کر ان کی شکل دیکھنے لگی۔

... بہت سرخوشی کے عالم میں باہر باغ میں آئی تھی۔ جو نگاہ بھی اس کی جانب اٹھی تھی پرستائش اور سوالیہ تھی۔ کون ہے؟ کنیز...... واقعی...... حویلیوں میں بھی اتنی خوبصورت کنیزیں ہونے لگیں؟ عجیب طرح کی چہ میگوئیاں تھیں۔ وہ یہاں ... تتلی کی مانند اڑی اڑی پھرنے لگی۔

... وہاں پر موجود خواتین کے لباس جتنا قیمتی نہیں تھا۔ مگر روپ بڑا انمول تھا۔

... کی سمت بھی گئی۔ اسے شاید خود بھی پتہ نہ تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔

... سے قرض وصول کرتا تھا۔

... نے ارادہ بے ارادہ اسے سراہا تھا مگر اسے مزہ نہیں آیا تھا۔ کوئی اور بھی ادھر روشنی بنا گھوم رہا تھا۔ اس کی روشنی ... کب آتا تھا۔

... ادھر ٹہلنے کے باوجود اس کی تمنا پوری نہیں ہوئی تھی۔

... ایک جگہ بیٹھ گئی تھی۔

کھانا شروع ہو چکا تھا۔ غیر معمولی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ کھانے کی خوشبوئیں بھی اسے متوجہ کرنے میں

کھانا ختم بھی ہو گیا لوگ آہستہ آہستہ واپس ہونے لگے۔ سنہری فرشی غرارے میں ملبوس نازنین بھی
پہنچا دی گئی تھی۔

"تو نے کھانا کھالیا زیتون بانو۔؟" گہرے نیلے کپڑوں میں ملبوس کرن پھول پہنے ہوئے ہونٹ
خالہ سولہ آنے اس کے سر پر کھڑے اس کو تعجب سے دیکھ رہی تھیں۔

"کھالوں گی خالہ...... ابھی بھوک نہیں ہے۔" وہ بد دلی سے بولی۔

"کب کھائے گی۔ کیا سویرے۔ آدھی رات ہو چلی۔ چل اٹھ۔ چھوٹی بی بی جان بلا رہی ہیں"۔ وہ بولیں

"کون تزئین بی بی"۔ وہ چونکی۔

"ہاں ہاں اور ادھر ہال میں ہیں سب۔ جلدی سے چلی جا۔ دو بار بول چکی ہیں مجھے۔ مجھے کیا خبر تھی کہ تو
ہے۔ ڈھونڈتی پھر رہی تھی ادھر ادھر۔ چل شاباش"۔ وہ اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ہال میں آگئی۔ وہاں کا تو منظر ہی اور تھا۔

دلہن صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ کچھ خواتین کرسیوں پر کچھ نیچے براجمان تھیں۔ قہقہے اور ہنسی کی آوازوں سے ہال
تھا۔ وہ تزئین کے بائیں طرف آ کھڑی ہوئی۔

"جی بی بی جان!"

تزئین جو اپنی کسی بات میں محو تھیں ایک دم چونکیں۔

"لو بھئی...... مطربہ آگئی"۔

"مطربہ...... یہ سب تمہارا گیت سننے کے لئے بے تاب بیٹھی ہیں۔ بھئی جب ماما نے بتایا کہ بڑی سریلی اور
ہے۔ لگتا ہے کوئی بڑی ہنر مند گلوکارہ گا رہی ہو۔ ہم نے تو اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ اس کے گیتوں سے محفل ضرور سجائیں گے"۔

"مم...... مجھے گانا نہیں آتا بی بی جان۔ ماما تو ویسے ہی کہہ رہی ہوں گی"۔ وہ اتنے ہجوم کی نظریں خود پر پڑتے ہوئے
کر بوکھلا گئی۔

"اچھا اب گلوکاروں والے نخرے نہ کرو۔ چلو جلدی سے سنا دو شاباش"۔ تزئین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے نزدیک
لیا۔

وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔ حلق میں جیسے کچھ اٹک رہا تھا۔

"بات نہیں کریں گے ہم تم سے"۔ تزئین خفا ہونے لگیں۔

اس نے چند منٹ تھوک نگلنے میں لگا دیئے۔ پھر بالآخر اس نے گیت گانا شروع کر دیا۔

آئے گا...... آئے گا...... آئے گا آنے والا

آئے گا آنے والا

دیپ بغیر جیسے پروانے جل رہے ہیں

کوئی نہیں چلاتا اور تیر چل رہے ہیں

تڑپے گا کوئی کب تک بے آس بے سہارے

لیکن یہ کہہ رہے ہیں دل کے میرے اشارے

آئے گا...... آئے گا

محفل پر ایک سکوت طاری ہو گیا تھا۔ کیا غضب کی آواز تھی بلا کا سوز اور رچاؤ تھا۔ پختگی کا یہ عالم گویا روزانہ ریاض کرتی
ہو۔ سانس پر مکمل کنٹرول۔ جیسے ندیا کا پانی رواں ہو اور کوئی معمولی سی بھی رکاوٹ سامنے نہ ہو۔

اس کے خاموش ہوتے ہی جیسے سب سوتے سے جاگ پڑے۔

"واہ واہ۔ بڑی زبردست شے دریافت کی ہے"۔ روشن آرا نے پلٹ کر دروازے کے پاس بیٹھی ماں کو داد دی۔

"بی بی جان اسے کہیں۔ وہ سنائے۔ تنہائی سنایا کرتی ہے کچھ بیتے دنوں کا فسانہ"۔

"ہاں۔ ہاں۔ سناؤ۔ ہم نے نہیں سنا کبھی یہ گیت۔ گیت ہے یا غزل ہے؟" سائرہ نے اشتیاق اصرار کا فوری مظاہرہ
کیا۔

"گیت ہے۔ میں نے کچن میں سنا تھا۔ مجھے بتا رہی تھی کہ میں نے کسی کے ہاں گراموں فون پر سنا تھا ساہیوال
میں"۔ اماں نے جواب دیا۔

"جلدی سے سناؤ مطربہ دیکھو دلہن بھابی کتنے شوق سے سن رہی ہیں۔ یقیناً تمہیں انعام بھی دیں گی"۔

تزئین شریر انداز میں گویا ہوئیں۔ نازنین نے جھینپ کر نظریں جھکا لیں۔

"دیکھیں بھئی۔ سب موجود ہیں۔ غور سے سن لیں ہم نے اس کا نام بدل دیا ہے۔ آج سے سب اسے مطربہ
ہی کہیں۔ حویلی میں بھی کسی انوکھے نام کی پکار ہونی چاہیے"۔

"واہ تزئین کتنا پیارا نام ہے۔ اپنی آنے والی نسل کے لئے ہی سنبھال رکھتیں"۔ عالم تاب نے برجستہ کہا۔

تزئین نے جیسے سنا ہی نہیں۔ بس ایک سایہ سا چہرے پر لہرا کر رہ گیا۔

"ہاں تو شروع کرو ناں۔ کیوں اتنی منتیں کروا رہی ہو"۔ سائرہ بھابی نے قدرے خفگی سے کہا۔ مہمان خواتین کی طرف
سے بھی اصرار ہوا۔

تنہائی سنایا کرتی ہے کچھ بیتے دنوں کا فسانہ

خوابوں کا کسی سے ٹکرانا اک دم سے وہ دل کا رک جانا

وہ [illegible] کسی کی چاہت میں جینے کو مصیبت کر لینا

مجھ سے کوئی تو گھبرانا بہلائے کوئی تو رو دینا

"بی بی جان...... بی بی جان"۔ روپا دیوی گھبرائی ہوئی ہال میں داخل ہوئی۔

"سب چونک پڑیں۔ کیا ہوا؟"

"تیمور خاناں نوں سانپ ڈنگ ساں۔ تے او بے ہواں ساں۔ تساں چھیتی جلو"۔

"ہائے اللہ۔ ارے"۔ مختلف قسم کی آوازیں ابھریں۔ سب ہی کچھ بھول گیا۔ وہ سب گرتی پڑتی باہر بھاگیں۔ دیوی ان کے آگے آگے دوڑ رہی تھی۔ وہ بڑے بھائی کی بیٹھک کی طرف جا رہی تھی۔

ابھی وہ سب دروازے کے قریب پہنچی تھیں کہ بڑے بھائی اور یاور علی خان۔ تیمور کو اٹھائے ہوئے گاڑی کی سمت جاتے نظر آئے۔

تزئین تو جیسے تیورا کر گرنے لگی۔

"دیکھو ماما! اماں جی کو پتا نہ لگے اور دیکھو تم دلہن کو ان کے کمرے میں پہنچا دو"۔

"ہائے اللہ۔ کیا ہو گیا یہ عالم تاب نے مضبوط اعصابی کا مظاہرہ کرتے ہوئے احکامات جاری کئے۔

تزئین، روشن آرا، رئیسہ وہیں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ابھی مہمانوں کی چہل پہل موجود تھی۔ باغ بھی نور سے روشن تھا۔ مگر اب چہار سو وحشت سی طاری ہو گئی تھی۔

گاڑی باہر جا چکی تھی۔

"تزئین۔ خود کو سنبھالو۔ انشاء اللہ کچھ نہیں ہو گا"۔ تزئین کی غیر حالت دیکھ کر عالم تاب نے ان کا سر اپنے سینے سے لگا کر دلاسا دیا۔

زیتون بانو کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔ وہ برآمدے کی سیڑھی پر دم بخود کھڑی تھی۔

بمشکل سب واپس اندر آئیں اور ٹیلی فون کے قریب بیٹھ گئیں۔ انسانوں سے گھر بھرا پڑا تھا۔ مگر ایک ہولناک سناٹا ہر سو پھیلا ہوا تھا۔

نازنین اپنے کمرے میں بری طرح رو رہی تھی۔ اس کے میکے والے اپنے رشتے داروں کے ہاں پشاور روانہ ہو چکے تھے۔

یہاں کے دقیانوسی ماحول کو دیکھتے ہوئے ایک خوف اس کے وجود میں خون بن کر دوڑ رہا تھا۔ خدانخواستہ تیمور علی خان کو کچھ ہو گیا تو ہمیشہ کیلئے منحوس کا ٹھپہ اس پر لگ جائے گا۔ اور یہ داغ دھوئے نہ دھلے گا۔ اس نے فوراً سے پیشتر لباس تبدیل کیا۔ زیورات اتارے۔ نیل پالش صاف کی اور وضو کر کے نفل پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔

اماں جی تو دس بجے ہی اپنے کمرے میں جا چکی تھیں کہ وہ بہت تھک چکی تھیں۔ دوسرے عشا کی نماز بھی پڑھنا تھی۔

زیتون بانو بے قرار سے انداز میں ٹہلتی رہی۔ یوں کہ کوئی معجزہ ہو جائے اور تیمور علی خان اپنے پاؤں پر چلتے ہوئے گھر میں داخل ہوں۔ اور وہ اپنے تھکے ہوئے وجود کو بستر پر ڈال کر پرسکون ہو کر سو جائے۔

کافی دیر ٹہلنے کے بعد وہ اندر چلی آئی۔ بجائے ہال میں جانے کے وہ نازنین کے کمرے میں چلی آئی۔ دروازے پر دستک دی تو نازنین کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ جلدی جلدی دعا پوری کی، چہرے پر ہاتھ پھیر کر بجائے اٹھنے کے بجائے گرتی پڑتی دروازے تک آئی اور کانپتے ہاتھ سے دروازہ وا کیا۔

زیتون بانو کو سامنے دیکھ کر اس نے گہرا سانس لیا اور سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔

"وا"۔ زیتون بانو۔ عجیب سہما انداز تھا۔

"خیریت ہے ناں"۔ عجیب سہما انداز تھا۔

"پتا نہیں چھوٹی بیگم۔ ابھی تو کچھ خبر نہیں"۔ اس نے گم صم سے انداز میں کہا۔

"اندر آ جاؤ زیتون بانو۔ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے اکیلے میں"۔ وہ بستر کی طرف پلٹتے ہوئے روہانسی آواز میں گویا ہوئی۔

وہ دروازہ بند کر کے چلی آئی اور کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

"پتا نہیں سانپ کہاں سے آ گیا۔ کیا اس سے پہلے بھی سانپ نکلے ہیں یہاں؟" نازنین نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ مجھے بھی زیادہ دن نہیں ہوئے یہاں آئے۔ اتنا بڑا باغ ہے۔ پھول پودے ہیں۔ سانپ تو ہو سکتے ہیں۔ سنا ہے رات کی رانی جہاں ہوتی ہے وہاں سانپ آ جاتے ہیں۔ باغ میں تو رات کی رانی بکھری پڑی ہے۔ پوری حویلی مہکی ہوئی ہوتی ہے رات کو"۔ زیتون بانو نے جواب دیا۔

"تم کہاں سے آئی ہو؟" نازنین نے اس کے حسین اور اداس حسن کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"بہت دور کے ایک گاؤں سے آئی ہوں۔ ہمارے گاؤں میں بھی بڑے سانپ نکلتے ہیں۔ کھیتوں میں پانی لگانے والے رات کو عام طور پر بڑے لوگوں کو ڈستے ہیں۔ مگر وہ لوگ انتظام رکھتے ہیں۔ ہمارے گاؤں میں ایک بڑا سیانا حکیم ہے۔ سب حکیم چلمن والا بولتے ہیں۔ اس کو جی بڑا ہنر ہے۔ کوئی دوا لگاتا ہے اور پتا نہیں کیا کھلا کر الٹی کراتا ہے۔ ذرا سی دیر میں بندہ بھلا چنگا ہو جاتا ہے۔ میرے ہوش میں تو جی آج تک وہاں سانپ کے ڈسنے سے کوئی نہیں مرا۔ بس زیادہ ہوتا ہے تو بندہ بے ہوش ہو جاتا ہے"۔ اس نے تفصیل سے جواب دیا۔

"دعا کرو۔ تیمور صحیح سلامت واپس آئیں۔ ورنہ میں تو گئی تھی کام سے"۔ نازنین نے بے قرار لہجے میں کہا۔

زیتون بانو نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔ ہلکا انگوری ہلکے کام کا سوٹ پہنے ہوئے اور پیشانی تک دوپٹا سیدھا ہوئے وہ تیور پہلے سے بالکل مختلف نظر آ رہی تھی۔

"کیوں جی"۔ (سانپ نے تو تیمور خاناں کو ڈسا ہے خدانخواستہ یاور خاناں کو تو نہیں) دماغ میں بنیادی جت سوار ہوئی۔

نازنین نے اس کے حیرت آمیز سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بس خاموشی سے اپنی ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔

"وہ ساتھ گئے ہیں تیمور کے؟" اس نے زیتون بانو کے استغراق میں مداخلت کی۔

"جی"۔

"تمہارے بڑے خان کو پتا چل گیا؟"

"پہنچا"۔

"تمہارے ماں باپ بھی یہیں ہیں؟" خاصی دیر کی خاموشی کے بعد نازنین نے پوچھا۔

''نہیں''۔

''گاؤں میں ہیں؟''

''نہیں''۔

''پھر''۔ نازنین نے تعجب سے اس کی صورت دیکھی۔ کسی خبر کے آنے تک جو اندر کی وحشت تھی اسے بھی تو بہلائے رکھنا تھا۔ اس لئے وہ اس سے سوال جواب کرنے لگی تھی۔

''مجھے میری نانی نے پالا ہے چھوٹی بیگم''۔ اس نے بڑے سبھاؤ سے جواب دیا۔

''ماں مر چکی تمہاری؟'' نازنین نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

''سمجھ لیں''۔ بڑا عجیب انداز تھا۔

''ہیں؟'' نازنین نے بغور اسے دیکھا۔ ''یا تو بندہ زندہ ہوتا ہے یا مرا ہوا۔ یہ سمجھ لیں۔ کیا ہوتا ہے؟''

''بعض لوگ کسی کیلئے جیتے جی مر جاتے ہیں چھوٹی بیگم!'' اس نے خاصی تلخی سے لہجہ آلودہ کر کے جواب دیا تھا۔

''اور باپ؟''

''اسے بھی مرا ہوا سمجھ لیں''۔ وہ زہر خند سے گویا ہوئی۔

نازنین کا جی چاہا' سر پیٹ لے۔

''اچھا چلو چھوڑو۔ جاؤ باہر دیکھ کر آؤ کہ کوئی فون وون آیا''۔ اسے پھر وسوسوں نے آ گھیرا۔

زیتون بانو اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اللہ اپنا کرم کرے جی''۔ وہ خود کلامی کے انداز میں کہتی ہوئی باہر چلی گئی۔

نازنین بستر سے اتر کر دریچے میں آ کھڑی ہوئی۔ یہاں سے پورچ کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ باغ میں لگے ہوئے رنگ برنگ قمقمے بھی جیسے دھندلا رہے تھے۔

وہ سر سے پاؤں تک دعا بنی ہوئی تھی۔ جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔ اس کی خوش قسمتی اور بدقسمتی آج کے واقعے سے مشروط ٹھہری تھی۔

خوشی سے نہال زندگی گزارتے گزارتے۔ یہ عجیب و غریب موڑ آیا تھا۔ ذہن ان مقامات پر اڑان بھر رہا تھا اور ان گوشوں کو بے نقاب کر رہا تھا جو شاید وہ کبھی خواب میں بھی نہ سوچتی۔

اسے نئی آگہی ہوئی کہ ہر تبدیلی اپنے اندر معلومات و احساسات کے ہزار ہا پہلو لئے آتی ہے۔ ورنہ شاید عمر بھر اسے پتہ نہ چل پاتا کہ خوش قسمتی و بدقسمتی بھی مشروط ہوا کرتی ہے۔ اور لوگوں کی رائے پر زندگی کا انحصار بھی ہوا کرتا ہے۔ اتنا بے بس ہے انسان؟ اس کے اعصاب شل ہونے لگے۔

وہ سر تھام کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ جانے کتنی دیر بیٹھی رہی۔ عجیب بے خبری تھی۔ اسی دم یاور علی خان دروازہ کھول کر داخل ہوئے۔

''نازنین چونک کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیسے ہیں تیمور؟'' اس نے یاور علی جان کا چہرا گہری نظروں سے دیکھا۔

''ٹھیک۔ کیسے ہیں تیمور... الحمد للہ۔ ڈاکٹر بتا رہا تھا کہ زہر بڑی تیزی سے پھیل رہا تھا۔ مگر معجزہ ہوا ہے۔ اب ٹھیک ہیں مگر پتہ نہیں کیوں ایک دم تیز بخار ہو گیا ہے''۔ وہ فکرمندی سے بولے۔

نازنین کو احساس ہوا جیسے اس کے اعصاب کسی شکنجے میں کسے ہوئے تھے۔ ایک دم آزاد ہو گئے۔ ہلکا پھلکا ہونے کا احساس اسے پوری شدت سے ہوا۔ بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

یاور علی خان شیروانی کے بٹن کھول رہے تھے۔ ایک دم رک گئے اور تیزی سے نازنین کے قریب آئے۔ ''کیا ہوا''۔

نازنین نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ اور ہچکیوں سے رونے لگی۔

''ناز۔ کیا بات ہے زندگی؟'' وہ بے حد فکرمند ہو گئے۔

''کچھ نہیں۔ خوشی کے آنسو ہیں۔ اب سے کچھ دیر پہلے میں بہت ٹینس تھی۔ خدانخواستہ تیمور کو کچھ ہو جاتا تو میں شاید آپ کی حویلی کے کتے سے بدتر ہوتی''۔ وہ خود پر قابو پا کر کہہ رہی تھی۔

''ہائیں..... مگر وہ کیوں؟'' یاور علی خان دم بخود رہ گئے۔

''آپ کے ہاں تو سب مجھے منحوس کہنے لگتے''۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''اوہ..... مائی..... گاڈ۔ بھروسہ کرنے میں اگرچہ دن تو لگتے ہیں لیکن آغاز تو ہونا چاہیے۔ ایسے لگتے ہیں ہم آپ کو ہماری ارینج میرج ہے مگر ہم کو تو پہلی پہلی شب سے ہی لو میرج لگ رہی ہے''۔

وہ شرارت سے اس کی تھوڑی انگلیوں سے اٹھا کر اشک صاف کرنے لگے۔

''آپ کی بات نہیں کر رہی۔ ماحول کے حساب سے ایک سوچ آئی تھی''۔ وہ جھینپ کر دھیرے سے مسکرائی تھی۔

''بس جب ہم آپ کے ساتھ ساتھ ہیں تو آپ کو دوسروں کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تعلق میں اعتبار نہ ہو تو پھر خوشی کیا''۔ وہ جیسے اس کی دلکش مسکراہٹ پر نثار ہو گئے۔

''شکریہ''۔ اس نے اعتبار دلانے والے کے سینے پر ہاتھ رکھ کر گہرے سکون کا احساس کر کے کچھ دیر پہلے کی اذیت کا مداوہ کرنے کی کوشش کی۔

....

بخار کیا تھا چنے بھن رہے تھے۔ تزئین نے سب کو سونے کے لئے بھیج دیا تھا اور خود تیمور کی پیشانی پر پٹیاں رکھ رہی تھی۔ زیتون بانو تھوڑی تھوڑی دیر بعد پانی بدل رہی تھی۔

''ہائے اللہ..... جرابیں ابھی تک چڑھی ہوئی ہیں۔ ذرا اتارنا''۔ تزئین کی نظر معاً تیمور علی خان کے پاؤں پر پڑی تھی۔

زیتون بانو سرعت سے آگے بڑھی اور جرابیں کھینچنے لگی۔ گلابی گلابی پیروں کو اس نے نرمی سے چھوا۔ پھر ایک دم سے گھبرا کر تزئین کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے کام میں منہمک تھیں۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ آرام کریں بی بی جان۔ پٹیاں میں رکھ دیتی ہوں''۔ اس نے تھکی تھکی سی تزئین کو مخاطب کیا۔

''بس اب آرام ہی کرنا ہے۔ شکر ہے، اللہ نے میرے بھائی کے حال پر رحم کیا۔ ہم سب پر رحم کیا''۔ انہوں نے
کر تیمور خان کی پیشانی سے بال سمیٹے اور بوسہ دیا۔

''آپ آرام کریں آپا۔ اب پہلے سے بہتر ہیں ہم۔ یوں بھی سارا دن مصروفیت رہی ہے''۔ وہ بہت محبت
سے مخاطب ہوا۔

''چاند، میرے میں بالکل بھی تھکی نہیں ہوئی نہیں ہوں۔ تم فکر نہ کرو''۔ انہوں نے تیمور علی خان کا چہرہ محبت سے چھوکر

''پھر بھی۔ رات بہت ہوگئی ہے۔ اماں جی تو ٹھیک ہیں ناں۔ نظر نہیں آئیں''۔ معاً انہیں ماں کا دھیان آیا۔

''وہ اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ انہیں بتایا نہیں، وہ تو ایسے ہی دل کی مریضہ ہیں۔ انہیں تو سنبھالنا مشکل ہو
جاتا''۔ تزئین نے جواب دیا۔

''بہت اچھا کیا''۔ تیمور علی خان نے آنکھیں موند لیں۔

''بی بی جان۔ اٹھیے۔ آرام کیجیے۔ میں خان کے پاس ہوں۔ جب تک خان نہیں کہیں گے میں یہاں سے اٹھ کر نہیں
جاؤں گی، آپ اطمینان رکھیے''۔ اس نے پھر کہا۔

''ٹھیک ہے۔ بہت کام کرتی ہے یہ۔ بڑی محنتی ہے۔ اماں جی کہہ رہی تھیں، یہ تو میرے ہاتھ پاؤں بنتی جا رہی ہے۔ ہ
ہے میں نے اس کا نام زیتون بانو سے بدل کر مطربہ رکھ دیا ہے۔ سب کو بہت پسند آیا''۔ تزئین بھائی سے ہلکی پھلکی باتیں
کرنے لگی۔

''بہت خوب۔ آپ اپنی صلاحیت۔ منوا ہی لیتی ہیں آپا۔ اسکا نام بدلنے کا تو ہم بھی سوچ رہے تھے۔ بڑا لمبا نام تھا
اس کا۔ وہ کون سی بانو۔ انہوں نے ایک لمحے کو آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا''زیتون بانو''۔ تزئین نے مسکرا کر ان کی پیشانی
سے پٹی ہٹا کر دوسری رکھی۔

''ہوں۔ جایئے آپ آرام کیجیے۔ ہم پہلے سے بہت بہتر محسوس کر رہے ہیں۔

''اچھا۔ ایک منٹ ذرا تمہارا ٹمپریچر نوٹ کر لیں''۔

انہوں نے سائیڈ ٹیبل سے تھرمامیٹر اٹھا کر جھٹکا اور تیمور علی خان کے منہ میں دے دیا۔

''ایسا کرو۔ تیمور کے لئے ایک کپ چائے بنا لاؤ۔ انہوں نے تو شاید کھانا بھی نہیں کھایا تھا''۔ تزئین نے زیتون بانو
سے کہا تو وہ ایسے باہر نکل گئی جیسے منتظر ہی تھی۔

پانچ سات منٹ بعد واپس آئی تو تزئین بدستور پٹیاں کرنے میں مصروف تھی۔

''اب بخار کیسا ہے خان کا بی بی جان''۔ اس نے کپ انہیں تھماتے ہوئے پوچھا۔

اسے بھی گویا تھرمامیٹر کے رزلٹ سے بڑی دلچسپی تھی۔

اللہ کا شکر ہے، اب تو بہت فرق ہے۔ میرا خیال ہے دس پندرہ منٹ اور پٹیاں رکھی جائیں تو بہت زیادہ فرق پڑ جائے

''ٹھیک ہے۔ میں بدل دوں گی۔ آپ آرام کریں''۔

بس جی۔ تیمور، تم یہ چائے پی لو۔ کچھ کھاؤ گے''۔ وہ اٹھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

نہیں''۔ انہوں نے آنکھیں کھولے بغیر نفی میں سر ہلا دیا۔

تزئین کمرے سے باہر چلی گئی۔

''آپ کو سانپ نے کیسے ڈس لیا؟''، اس نے گاؤ تکیہ تیمور علی خان کی پشت سے لگاتے ہوئے سادگی سے پوچھا۔

''جیسے وہ سروں کو ڈستا ہے''۔ وہ سنجیدگی اور قدرے چڑے ہوئے لہجے میں بولے۔

''بہت تکلیف ہوتی ہے؟''اس نے ڈرتے ڈرتے ان کا چہرا دیکھا۔

''نہیں۔ گدگدیاں ہوتی ہیں''۔ انہوں نے بے تاثر لہجے میں جواب دے کر چائے کا گھونٹ بھرا۔

وہ یکدم خاموش ہو کر رہ گئی اور بستر کے قریب ہی قالین پر دوزانو بیٹھ گئی۔

''تم تھکتی نہیں ہو''۔ انہوں نے کھلتے ہوئے سبز دوپٹے کے ہالے میں اس کا پرنور چہرا ایک لحظے کو دیکھا۔

''کنیزوں اور غلاموں سے مالک یہ سوال تو کبھی نہیں کرتے''۔ اس کے منہ سے بلا ارادہ نکل گیا۔

''ہوں...... ہمارا خیال ہے حویلی میں اتنے غلام ہیں کہ کسی ایک پر سارا بر ڈن نہیں ہو سکتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں تم سب سے
زیادہ حرکت میں نظر آتی ہو۔ کبھی اس بیڈ روم میں۔ کبھی اس بیڈ روم میں۔ کبھی ڈرائنگ روم میں۔ کبھی ہال میں کبھی باغ میں
کبھی سیڑھیوں پر، کبھی کچن کی طرف''۔

''وہ جی...... جب کوئی بلاتا ہے تو جانا ہی ہوتا ہے''۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''سب تمہیں ہی آواز دیتے ہیں''۔ تیمور علی خان نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''وہ...... گھنٹی بجتی ہے۔ اور آپ تو بلاتے ہی مجھ کو ہیں''۔ اس کے منہ سے بے ساختہ جملہ نکل گیا۔

''وہ تو اس لئے کہ ہم اتنے عرصے بعد حویلی آئے تو تم سے مڈبھیڑ ہوئی۔ بس اس لئے کوئی کام دھیان میں آتے ہی
تمہارا خیال آ جاتا ہے''۔ وہ اس کی طرف دیکھے بنا لاپرواہی سے جواب دے رہے تھے۔

''تم چاہو تو جا سکتی ہو۔ بخار خاصا کم ہے''۔ چند منٹ کی خاموشی کے بعد وہ کپ اسے تھماتے ہوئے نڈھال انداز میں
لیٹ گئے۔

''بس جی دس منٹ پٹیاں رکھ دوں۔ اللہ نہ کرے اگر بخار تیز ہو گیا تو بی بی جان مجھ پر بہت غصہ ہوں گی''۔
اس نے ٹھنڈے پانی میں پڑی ہوئی پٹیوں میں سے ایک نچوڑتے ہوئے جواب دیا اور کھڑے کھڑے ان کی پیشانی پر
رکھ دی۔

''یہ لائٹ بہت محسوس ہو رہی ہے' ڈائریکٹ آنکھوں میں پڑ رہی ہے۔ اسے بند کر کے یہ ٹیبل لیمپ آن کر دو۔ اس
کے بعد تم بھی سو جائیں۔ پلیز''۔ ان کا انداز بلا کا مہذب اور دھیما تھا۔
بعض اوقات میں بھی کیسا جادو کا سا اثر ہوتا ہے۔ اور کم مرتبہ انسان تو یوں بھی معمولی سے حسن سلوک کو بہت محسوس کر

اس نے پہلے دونوں لیمپ روشن کئے پھر دونوں ٹیوب آف کر دیں۔ اور خودکار مشین کی طرح دوسری پٹی نچوڑنے...

اسے بالکل احساس نہیں تھا کہ جب وہ پٹی رکھنے یا ہٹانے کیلئے جھکتی ہے تو اس کا گوٹے سے بوجھل آنچل ان کے چہرے کو چھوا جاتا ہے۔

معاً تیمور علی خان نے پٹی پیشانی سے خود اتار کر اس کی طرف بڑھائی۔

''یہ لو...... ہمارا خیال ہے کہ اب ضرورت نہیں۔ اور تم فوراً یہاں سے چلی جاؤ''۔

وہ ہکا بکا ان کی سمت دیکھنے لگی۔

''کک...... کوئی غلطی ہو گئی؟'' اس کے حلق میں کانٹے اٹکنے لگا۔

''نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں۔ سسٹم ہی غلط ہے''۔ وہ جیسے خود سے گویا ہوا۔

''جی؟'' وہ مزید حیران ہوئی۔

تم سے نہیں کہہ رہے، جاؤ تم اور ہاں سنو''۔

وہ جاتے جاتے رک گئی۔

''جی؟'' دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔ سمجھ میں جو نہیں آ رہا تھا کچھ۔

''آئندہ حویلی کے کسی لڑکے یا مرد کی طبیعت خراب ہو تو رات تین بجے اپنی خدمات پیش کرنے سے باز رہنا۔ ...... بھابی بیگم سے ہم بات کر لیں گے۔ مگر تم بھی نوٹ کر لو۔ اب جاؤ''۔

وہ حیران پریشان باہر نکل آئی۔ ایکا ایکی۔ یہ کیا ہوا یہ گتھی اس سے تو نہیں سلجھ رہی تھی۔

بس یہی سوچ آ رہی تھی کہ خواہ کچھ ہو مگر تیمور علی خان کو اس سے ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ شاید یہ برداشت نہ کرے۔

اس کی جگہ پر کوئی منجھی ہوئی، پختہ ذہن، باشعور عورت ہوتی تو شاید خان کی بڑائی پر نثار ہو جاتی۔

مگر وہ تو عظمتوں، مرتبوں کی پرکھ پہچان سے بہت دور محض لطف و سرور، خوشی و سرخوشی کے بہانے کھوجنے کی عمر میں تھی۔ بس کچھ بہت اچھا ہونا چاہیے۔ خوشی کا احساس مسلسل ہو۔ من چاہا کھانے کو ہو۔ اس سے کوئی غلطی نہ ہو۔ کہ کوئی اونچی آواز میں اسے ڈانٹے۔

انسانوں کی پیشانی پر پڑے بل اسے جن بھوتوں سے زیادہ ہولاتے تھے۔ خان کے نرم انداز سے گرچہ اطمینان تو ہوا تھا مگر عجیب الجھن سی تھی۔ کہ آخر بڑی بیگم سے وہ ''بات'' کیا کریں گے؟

....

''بس اماں جی! یہ تو بعد میں پتا چلا کہ نامراد پان کی بیل کے نیچے بل بنائے بیٹھا ہے۔ مار ایک ڈر بیٹھ گیا سب کے دل میں۔

رات برات بندہ آخر اٹھتا ہی ہے۔ رات بھر انگنائی میں آوازیں آتی تھیں۔ ادھر لیٹا ہوا اپنے برابر والے کو جگاتا... اٹھو ذرا میرے سنگ غسل خانے تک۔ اب آپ خود سوچو، برابر والے کو جگائے گا تو اسکے برابر والا بھی جاگ جائے گا۔ ایک دن بھر کام رات بھر ہول اور جگائی''۔

بیت ...... نے کٹر کٹر چھالیہ کاٹتے ہوئے سلسلہ کلام جاری رکھا۔

''...... سولہ آنے ...... کسی کو ڈسا تو نہیں؟'' اماں جی نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

''اے خدانخواستہ ...... تھے میرے تایا۔ ڈیوڑھی میں بیٹھے لوٹے سے وضو کر رہے تھے۔ سامنے نظر آ گیا۔ تایا نے لوٹا ہی کھینچ مارا۔ نامراد بچ گیا۔ ڈھونڈتے پھرے۔ میری خالہ (کوٹے) کوئٹہ سے آئی ہوئی تھیں۔ دوسری مرتبہ انہوں نے دیکھا۔ بچے کا لنگوٹ غسل خانے میں دھونے جا رہی تھیں آدھی رات کو۔ پاؤں کے نیچے آتے آتے بچا مار چیخیں مچا دیں۔ گھر تو گھر محلہ جاگ گیا۔ آنت الٹی پڑ گئی۔ ہمسائے چیخوں سے سمجھے کمبخت چور گھس گیا ہے۔ ڈنڈے لئے گلیوں میں دوڑتے پھرے۔ اور گھر کے مرد ڈنڈے سوٹے لئے انگنائی میں بھاگے پھرے۔ کمبخت پھر بچ گیا''۔

اماں جی...... دوپٹا منہ پر رکھ کر خوب ہنسیں۔

''توبہ...... سولہ آنے۔ خوب سنائی تو نے''۔ ان کا بھاری بھرکم وجود تھل تھل ہل رہا تھا۔

''اچھا تو پھر مارا کس نے؟''

''خالہ ہی نے مارا ہوگا''۔ تزئین نے اندر داخل ہو کر چھیڑا۔

''نہیں بی بی جان! سانپ بچھو سے بڑا ڈرتی ہوں۔ بھلے پہاڑ میں سوراخ کروا لو مجھ سے۔ ڈنگر قابو کرا لو۔ کھلے دشمن سے نپٹ سکتی ہوں۔ کمبخت سانپ بچھو تو بے خبری میں ڈستے ہیں۔ اگلے گاؤں سے میری پھوپھی کا دیور جناور (جانور) بیچنے آیا ہوا تھا۔ ایک رات ہمارے ہاں ٹھہرا۔ جو سانپ سانپ کا شور سنا تو صبح ہی سے لگ گیا۔ لو بتاؤ پان کی بیل کے نیچے بل بنایا ہوا تھا اس نے ہی کوئی ترکیب کی۔ موذی بل سے نکلنے لگا۔ وہیں سر کچل دیا۔ توبہ توبہ دنوں کی نیندیں پوری ہوئیں پھر۔''

''اب جرات چھوٹے خان کا''۔

''توبہ خالہ...... کچھ نہیں رکتا پیٹ میں''۔ تزئین نے ایک دم ٹوکا۔

''ہاں بس تم لوگ مجھ سے ہر بات چھپایا کرو۔ پتا چل گیا ہے مجھے صبح باغ میں گئی تو چوکیدار سے پتا چلا کہ رات کیا ہوا تھا۔

میں تو یونہی نکل گئی تھی۔ مجھ سے پوچھنے لگا تیمور خاناں کی طبیعت کیسی ہے؟ میں حیران کہ کیا پوچھ رہا ہے؟ رات کو میرا بچہ بستہ کمیتا پھر رہا تھا۔

''میں نے کہا کیا ہوا دشمنوں کو؟

''کاٹھ کا پورا بولتا ہے چوہدرانی جی دشمن تو موج میں ہے تیمور خاناں کو رات سانپ نے ڈس لیا تھا۔

ارے میں تو کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

''احمق''۔ تزئین نے دانت کچکچائے۔

''میری حالت دیکھ کر بولا۔ رات ڈاکٹر نے زہر نکال دیا تھا مگر اس کو بخار چڑھ گیا تھا۔ یہ حرکتیں کیا کرو تم لوگ۔ اگر میرا

دل بند ہو جاتا؟ جب وہ واپس آ گیا تھا۔ تب تو بتا دیتیں۔ تمہارے بابا صاحب بھی رات بھر میری طرف نہیں آئے
میرے بچے کی جان پر بنی ہوئی تھی اور میں بے خبر سوتی رہی تھی"۔

"اسی لئے نہیں بتایا تھا امی جی کہ آپ کی اپنی طبیعت نہ خراب ہو جائے"۔ تزئین نے قدرے خجل انداز میں کہا۔

"تو پورے انتظام کرتیں"۔ وہ خفگی سے بولیں۔

"اب ہمیں کیا پتا تھا کہ صبح صبح کو چوکیدار سے صاحب سلامت ہو جائیگی۔ ہم نے تو یہ سوچا تھا کہ صبح کو آرام سے آپ کو
سب کچھ بتا دیں گے"۔ تزئین نے کہا۔

"کمرے میں گئی تھی۔ بے خبر سو رہا ہے۔ سو کر اٹھے تو ہاتھ چھوا کہ بکرے صدقہ کروں۔ اللہ نے میرے حال پر رحم
کیا۔ مر گئی تھی ورنہ میں تو جیتے جی"۔

"اللہ نہ کرے اماں جی۔ آپ کے دم سے تو حویلی میں رونق ہے، برکت ہے"۔ خالہ سولہ آنے نے ٹکڑا لگایا۔

"اماں جی! دلہن سلام کرنے آ رہی ہیں آپ کو"۔ ماما نے اندر آ کر اطلاع دی۔

"ہاں ہاں لے آؤ۔ اللہ بھاگ جگائے رکھے"۔

"یہ زیتون بانو کی کیا بجلی فیل ہو گئی ہے۔ صبح کے دس چکر تو میرے کمرے میں ہوتے ہیں اس کے"۔ اچانک اماں جی کو
دھیان آیا۔

"سونے دیں آپ اسے، رات بھر جاگی ہے اور ہاں ہم نے اس کا نام بدل دیا ہے۔ مطربہ کہا کریں اسے حویلی والے۔
ہے اماں جی۔ نوکرانی بھی خوبصورت، نام بھی خوبصورت۔

"یہ کیا نام ہوا بھلا؟" اماں جی سادگی سے تزئین کو دیکھنے لگیں۔

"بہت اچھا نام ہے۔ محبت اور خوشی کے گیت گانے والی"۔ تزئین نے تشریح کی۔

"یہ نام تو ناچنے گانے والیوں پر جچتا ہے"۔ اماں جی نے پتے کی بات کی۔

"یہ بھی بہت اچھا گاتی ہے، رات ہم نے اس سے گانے بھی سنے تھے۔ کیا غضب کی آواز ہے"۔ وہ ہنسیں۔

"مگر وہ پیشہ ور تو نہیں ہے ناں؟ کیوں سولہ آنے؟" اماں جی نے کہا۔

"جی۔ جی"۔ خالہ سولہ آنے جلدی سے بولیں۔ جیسے وہ کچھ سوچ رہی تھیں۔

"بہت تیز بخار تھا اماں جی، تیمور کو۔ گویا ایک مصیبت سے نکل کر دوسری میں پڑ گئے تھے۔ تزئین نے موضوع بدلنے
میں عافیت جانی۔

"ارے نظر لگ گئی ہو گی میرے بچے کو، ملکانی بھی تو منہ بھر کر بولی تھی کہ بڑی اچھی اٹھان ہے تیمور خان کی۔ لوگوں کو
نہیں ماشاء اللہ کہنا کیوں یاد نہیں رہتا۔ میرے بچے پہن اوڑھ کر سامنے آتے ہیں مارے ڈر کے میں نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتی
کہ کہیں میری اپنی نظر نہ لگ جائے۔

"کل مجھے کتنا تنگ کر رہا تھا کہ بتائیں اماں جی، کیسا لگ رہا ہوں۔ مجھے مہمانوں کی پڑی ہوئی تھی۔ دھیان ہی نہیں دیا۔

کچھ ہونا ہے ہو تو یونہی مت ماری جاتی ہے"۔

"بابا صاحب کو کہلا دو کہ دو بکرے صحت مند سے اندر حویلی میں بھجوا دیں۔ صدقہ اتار دوں پہلی فرصت میں"۔

اسی دم نازنین زرد جھلملاتے لباس میں ماما کے ساتھ سر جھکائے اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم"۔

"ارے میری پیاری بھابی"۔ تزئین نے سچی خوشی کے جذبے سے نہال ہو کر نازنین کو گلے سے لگایا۔ اور تھام کر اماں
جی کے قریب لائی۔ اماں جی نے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔

"خوش رہو"۔

نازنین ساس کے پہلو میں ہی بیٹھ گئی۔

"کل تو تم بہت تھک گئی ہو گی۔

"تم نے بھی حد کر دی تھی تزئین، گھنٹوں لگا دیئے دلہن تیار کرنے میں۔ مہمان پوچھ پوچھ کر تھک گئے۔ جان جل گئی
میری۔ کیا دوبارہ سے بنا رہی تھیں؟"

تزئین اور خالہ سولہ آنے ہنس ہنس کر دوہری ہونے لگیں۔ نازنین بھی مسکرا دی۔

"ارے میری بھولی اماں جی!" تزئین نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر ان کے شانے سے سر ٹکا دیا۔

"دلہن دلہن ہوتی ہے اماں جی۔ سر سے پاؤں تک سجانا پڑتا ہے۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں بی بی جان"۔ خالہ سولہ آنے نے ٹکڑا لگایا۔

"تو چپ کر سولہ آنے۔ کوئی دین ایمان نہیں تیرا ابھی ادھر ابھی ادھر۔ میری بہو کو تو اللہ نے سجا بنا کر بھیجا ہے"۔

اماں جی نے شفقت سے نازنین کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

اسی دم زیتون بانو افتاں و خیزاں اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم"۔ وہ اماں جی دیر سے سوئی تھی ناں تو صبح صبح آنکھ نہیں کھلی"۔

"کوئی بات نہیں۔ بتا دیا تھا تزئین نے۔ اور سونا ہے تو سو جا، جا کر کام تو ہوتے رہتے ہیں۔ جو میرے بچوں کو سکھ دیں۔
خدا انہیں سکھی رکھے۔ اللہ نصیب اچھے کرے بتا ہے مجھے، تو کام چور نہیں ہے"۔

"دیکھو تیمور جاگ رہے ہیں یا نہیں؟" تزئین نے اسے باہر جاتے دیکھ کر کہا۔

"میں بھی چلوں اماں جی...... ماما بتا رہی تھی کنک (گندم) رکھی ہے پھٹکنے کو"۔ خالہ سولہ آنے بھی اپنا پاندان بند کر کے اٹھ
کھڑی ہوئیں۔

....

زیتون بانو اوپر جانے کیلئے زینے کی طرف بڑھی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ایک لڑکا ٹین کا صندوق لئے اوپر جا رہا تھا۔
بے تکلف انداز میں وہ اسے پہلی مرتبہ دیکھ رہی تھی۔

’’اے۔کون ہوتم۔اوپر کس سے پوچھ کر جارہے ہو‘‘۔اس نے اپنی دانست میں بڑی ذمے داری کا مظ...
تک ولیمے کی تیاری میں تھی۔موقع ہی نہیں ملا تھا کہ لباس تبدیل کر لیتی۔

’’آپ یہاں لیڈی پولیس لگ گئی ہیں؟‘‘لڑکے نے بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا۔

’’تم کس سے پوچھ کر آئے ہو اندر؟‘‘وہ سختی سے پوچھ رہی تھی۔

’’ہم پوچھ کر نہیں آتے۔اپنی مرضی کے مالک ہیں‘‘۔شان بے نیازی سے جواب آیا۔

’’حویلی میں بہت مرد نوکر ہیں مگر ہر کوئی اندر نہیں آسکتا۔تمہیں تو پھر پہلی مرتبہ دیکھ رہی ہوں۔کیسے جانے...
وہ ڈٹ گئی تھی۔

’’آپ کو محنت کرنے کی ضرورت نہیں۔میں خود چلا جاؤں گا اوپر‘‘۔وہ مسکراہٹ دبا کر مزید ایک زینے پر چڑ...

’’صحیح بتاؤ کون ہوتم۔ورنہ شور مچا کر بلالوں گی سب کو‘‘۔اسے تو وہ ایک دم مشکوک لگنے لگا۔

’’بلالو۔میں بھی دیکھوں شور مچاتے ہوئے کیسی لگو گی۔ویسے تو خیر اچھی ہو‘‘۔شرارت لڑکے کی آنکھوں سے پھ...
تھی۔

اتنا بے لگام وہ بھی پہلی دفعہ میں وہ غصے اور حیرت سے ٹکر ٹکر دیکھنے لگی۔

’’ارے......عارف......آگئے تم؟‘‘جانے کس طرف سے رئیسہ بیگم نکل آئی تھیں۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے۔گھر پہنچا تو پتا چلا۔کوٹھے کی مرمت ہو رہی ہے۔بس ادھر ہی ہیں۔یہ ’’بچی‘‘ کون ہے مجھے
اوپر جانے نہیں دے رہی؟‘‘اس نے بظاہر بڑی سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔

’’کیوں تم کیا اپنی سرپرستی میں لینا چاہتے ہو؟بچی نظر آرہی ہے یہ تمہیں؟‘‘رئیسہ بیگم مسکراہٹ چھپا کر ڈپٹ کر بولیں۔

اچھا......وہ......میں نے غور سے نہیں دیکھا تھا۔حرکتیں تو بچیوں والی تھیں میری قمیض پیچھے سے پکڑ لی اور کہنے لگی نہیں
جا سکتے۔‘‘

’’کیا نہیں نہیں؟‘‘رئیسہ بیگم نے تعجب سے پہلے مطربہ اور پھر عارف کو دیکھا۔

’’مطلب یہ کہ مجھے اوپر جانے سے منع کر رہی ہیں‘‘۔

’’مگر کیوں رئیسہ بیگم نے گھورا۔

مطربہ گڑبڑا گئی۔’’وہ جی مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ کون ہیں؟‘‘احساس توہین سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

’’عارف!‘‘رئیسہ بیگم جاتے جاتے پلٹیں۔

’’اوپر سے اپنی ماں کو بھیجنا۔میں اماں جی کے کمرے میں ہوں‘‘وہ دوبارہ چل پڑیں۔

”جی..... اب فرمایئے اجازت ہے۔ اوپر جاسکتا ہوں؟ وہ ایک زینہ طے کر کے آگے بڑھا۔
اس نے رخ موڑ کر اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے چند قطرے انگلیوں کی پوروں سے صاف کئے۔
”آپ رو رہی ہیں۔ معاف کیجیے گا۔ میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی بات تو ہوئی نہیں ہے جس سے آپ کی توہین ہو
پہنچا ہو۔ مگر نہیں بعض انسان ایسے مغرور ہوتے ہیں کہ انہیں ہر دوسری بات اپنی توہین محسوس ہوتی ہے۔ وعلیکم السلام“
وہ تیزی سے زینے طے کر گیا۔ وہ حیران پریشان سے انداز میں اوپر ایک موڑ پر اسے غائب ہوتا دیکھ رہی تھی۔

....

”مطربہ تیمور کا کمرہ اتنا گندہ ہوتا ہے کہ رات کو وہ کہہ رہا تھا۔ میرا بستر باغ میں ڈال دیں وہاں کم از کم گندگی کا احساس
نہیں ہوگا۔ دو دن کو میرا بچہ آیا ہے۔ اتنی شکائتیں دل میں لے کر جائے گا۔ دل کرے گا بھلا دوبارہ آنے کو۔“
”اماں جی میں نے پرسوں ہی تو بستر کی چادریں بدلی تھیں۔“ اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔
”وہ خوامخواہ تو بات کرتا نہیں۔ جا سب سے پہلے اس کا کمرہ اور غسل خانہ چمکا کر آ پھر کوئی دوسرا کام کرنا۔“
انہوں نے حکم دیا اور پھر اپنی وارڈ روب میں جانے کیا تلاش کرنے لگیں۔
وہ ڈرتی ڈرتی اوپر آئی اور آہستگی سے دروازے پر دستک دی۔
”ہوں۔ اجازت آ گئی۔
وہ اندر داخل ہو گئی۔ ”السلام علیکم“ اس نے دن کا پہلا سلام کیا۔
”ہوں۔ والسلام۔“ وہ رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھے بڑی تیزی سے کچھ لکھ رہے تھے۔
”کیسے آئی ہو؟ انداز ہنوز مصروف تھا۔
”وہ جی..... صفائی کرنا ہے۔ اماں جی نے کہا ہے“۔ وہ ڈرے ڈرے انداز میں گویا ہوئی۔
”خاک صفائی کرتی ہو۔ جس چیز پر ہاتھ رکھو دھول مٹی“۔ وہ چڑ کر بولے۔
”جاؤ پہلے باتھ روم کی ٹپس۔ صاف کرو۔ اگر فنائیل ہے تو باتھ روم کی دیواریں اور فرش اچھی طرح دھوؤ۔ ایک ایک
چیز اس طرح چمکنی چاہیے جیسے نئی ہو“۔ انہوں نے حکم صادر کیا۔
”او وہ جی..... ٹپس کیا ہے؟ اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
”ٹونٹی بھئی۔ کچھ پتہ نہیں۔ بالکل گنوار ہو“۔ وہ جھلائے۔
وہ جلدی سے باہر کی طرف بھاگی۔
”کہاں جارہی ہو؟ انہوں نے تعجب سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔
”وہ جی..... فنائیل لینے جارہی ہوں ماما سے“۔ وہ ڈر کر رونے کو ہو گئی۔
”ہوں“ وہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔
تھوڑی ہی دیر میں وہ فنائیل کا ڈبہ لے کر واپس آ گئی تھی۔ پائینچے چڑھائے..... دوپٹہ کسا..... اور باتھ روم میں گھس گئی

اتنی ساری ٹونٹیاں تھیں۔ وہ کھول کر الجھ گئی۔ شاور بند کرنا مسئلہ ہو گیا۔ ایک بند کرتی۔ تو کبھی دوسری۔ بری طرح بھیگ
اوسان تو پہلے ہی باختہ تھے۔ بوکھلا کر باہر آ گئی۔
”خان..... وہ بند نہیں ہو رہا۔ اوپر والا بند کرتی ہوں تو نیچے والی ٹونٹی میں پانی نہیں آتا۔ ٹونٹی بند کرتی ہوں تو وہ کھل جاتا
ہے۔ وہ روہانسے انداز میں گویا ہوئی۔
”کیا..... وہ کیا؟۔ وہ جھلائے۔
”فوارہ جی۔ بڑی تیزی کا پانی آرہا ہے“۔ وہ بولی۔
”وہ بیزار کن انداز میں اٹھ کر باتھ روم میں آئے۔ وہ ایک دم سائیڈ میں ہو گئی۔
تیمور اندر داخل ہوئے شاور فل کھلا ہوا تھا۔ وہ گھستے ہی بھیگ گئے۔ موڈ بری طرح آف ہو گیا ”نان سینس۔ گھر میں کوئی
ڈھنگ کا نوکر بھی نہیں ہے،،۔ انہوں نے شاور بند کیا اور بڑبڑاتے ہوئے باہر آئے۔
”اب کسی ٹیپ کو کھولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کام کے لئے پانی چاہیے تو صرف نیچے والا ٹیپ کھولنا۔ کسی اور ٹیپ کو
گھمانے کی ضرورت نہیں۔
میرے کمرے میں کام کے لئے آیا کرو تو ضروری معلومات لے کر آیا کرو۔ میرا دماغ فالتو نہیں ہے۔ کہ میں ملازموں کو
کوچ بھی کروں یا انہیں ٹریننگ دوں۔ اینڈ بی آف ناؤ۔ فرام ہیر،،۔ وہ جھلا کر پانی سر سے جھاڑتے ہوئے بولے۔
سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا سوائے اس کے کہ فوارہ بند ہو گیا ہے اور اسے کام شروع کر دینا چاہیے۔ وہ اندر گھس کر بری طرح
جت گئی۔ اس قدر جانفشانی کا مظاہرہ کیا کہ باتھ روم کی ٹائلوں سے آئینہ پن جھلکنے لگا اور دیوار پر لگا بڑا سا آئینہ روشنی میں
جھمک کرنے لگا۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑا کر اطمینان کیا اور باہر آ گئی۔
”خان“ وہ ڈرتے ڈرتے مخاطب ہوئی۔
”پھر کھل گیا؟ وہ جیسے برس پڑے۔
”نہیں۔ وہ آپ دیکھ لیں“۔ اس نے چند سانس بمشکل آزاد کیے۔
”کیا دیکھوں؟ وہ چیئر پر گھوم گئے اور اس کی طرف دیکھنے لگے۔
بھیگے ہوئے کپڑوں میں خوفزدہ سی حالت میں وہ جانے کیا محسوس ہوئی۔ پیشانی پر بھیگی ہوئی لٹیں چپکی ہوئی
تھیں۔ آنکھیں یوں جھکی ہوئی تھیں۔ گویا کوئی منوں بوجھ ہو کہ پلکیں اٹھانا محال ہو۔
ایک جادو سا سر چڑھ کر بولنے لگا۔
بے تحاشا جوانی کا لباس ہے۔ جوانی حسن سے بوجھل ہو تو دلفریبی کا معاملہ مسئلہ فیثا غورث سے زیادہ گھمبیر ہو جاتا ہے۔
انہوں نے چیئر واپس گھمالی۔ ”ٹھیک ہی ہو گا یہ میرا ہیڈک نہیں کہ صفائیاں اپنی نگرانی میں کراؤں۔ ماما سے چیک کرا لینا۔ چلو
جاؤ اپنا کام کرو“۔ ان کے لہجے میں پھر حیرت سے مار دینے والی رسانیت اتر آئی۔ اب وہ کمرے میں مصروف ہو گئی تھی۔
تیمور علی خان نے لکھنا بند کر دیا تھا اور ریڈیو آن کر کے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر کچھ پڑھنے لگے تھے۔

دوستی ہے دم کے ساتھ عاشقی ہے چار دن کی بات
میں بھی آتا ہوں چار دن میں لوٹ کر یارو

مہدی حسن کی آواز میں کوئی غزل چھڑی ہوئی تھی۔

اس نے جانے کیوں پلٹ کر تیمور کی طرف دیکھا تھا۔

اسے یوں محسوس ہوا کچھ کمی ہے۔ اور یہ کمی پوری نہ ہونے کے اندیشے بھی پورے تھے۔

کسی قرب' کسی تعلق میں یہ خیال ابھرتا ہے جیسے ذات کوئی شجر ہو جو روشنی اور ہوا' پانی کا محتاج ہو۔ مگر سورج بادلوں سے ڈھکا ہوا ہو۔ جو برسنے والے نہ ہوں۔ جس ایسا ہو کہ دور تک ہوا کا امکان نہ ہو۔

کتنی سخت اور مشروط ہو جاتی ہے ایسے موسم میں شجر کی زندگی۔ سر سبز کیسے نظر آئے؟

ہریالی کہاں سے اوڑھے؟

اس کے ساکت ہونے سے ایک محسوس ہونے والا جمود کمرے میں طاری ہو گیا تھا۔ چوڑیوں کی چھن چھن خاموش تھی۔ کچھ دیر قبل کمرے میں زندگی متحرک تھی۔ سناٹا نہایت قابل ذکر اور قابل غور تھا۔

تیمور چیئر پر بے ساختہ گھوم گئے تھے۔ وہ ان کے چمکتے ہوئے بالوں پر نظریں جمائے پیتل کا گلدان ہاتھوں میں لیے جانے کون سے جہان میں گم تھی۔ اتنی گم اور بے خبر کہ اسے خان کے چیئر گھمانے کا احساس بھی نہ ہوا۔

خان کے تمام لطیف احساسات محتاط ہو گئے۔ انہوں نے آہستگی سے چیئر ٹیبل کی طرف موڑ لی۔

وہ کسی سمت دیکھ نہیں رہی تھی۔

اس کا نقطہ دور کہیں بلندیوں میں روشن تھا۔ یوں جیسے کوئی جسم مرقد میں ہو اور روح کہیں ماورائی جہانوں میں پرواز کر رہی ہو۔

ان کے روئیں روئیں میں البتہ ایک فطری اشتیاق جاگا۔

وہ کیا سوچ رہی ہے۔

وہ کون سا خیال ہے جس کی وجہ سے روح اور جسم کا رابطہ عارضی طور پر منقطع ہو گیا ہے۔ انہوں نے ریسٹ واچ میز سے اٹھا کر کلائی میں ڈالنے کی کوشش کی۔ ان کا دھیان کیونکہ بٹا ہوا تھا۔ اس لئے ریسٹ واچ ہاتھوں سے چھوٹ کر ٹیبل پر گری۔

ایک ٹھک کی آواز پیدا ہوئی۔

اس کے ساتھ ہی چوڑیاں بجنے لگیں۔

حالانکہ ریڈیو ہلکی آواز میں بج رہا تھا۔ مگر ایک خاموشی کا احساس پتھر پر نقش کی طرح تھا۔

''خان یہ کتابیں ٹھیک سے رکھ دوں''۔ اس نے بستر پر پڑی کتابوں کی بابت پوچھا۔

''نہیں' نہیں اسی طرح رہنے دو''۔ انہوں نے قلم بند کر کے جیب میں اٹکاتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا۔

''پھر ... کیسے جھاڑوں''۔ اس نے الجھن بھرے انداز میں کہا۔

''... جھاڑ دو صاف ہی ہے۔ اور بھی بہت سی چیزیں ہیں صاف کرنے کے لئے۔ کمرے کے اندر ذرا دھیان دو''۔ وہ

''مگر میں زور زور سے کپڑا نہیں مار سکتی۔

''کیوں؟ سوال فطری تھا۔

''آپ جو بیٹھے کام کر رہے ہیں۔ بند کمرے میں دھول اڑے گی اور آپ پریشان ہوں گے''۔

''اوہ۔ ہم شہر جا رہے ہیں۔ تم اطمینان سے اپنا کام کرو''۔

وہ کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''شہر جا رہے ہیں۔ پھر کب آئیں گے؟'' اس کا انداز بالکل بے ساختہ تھا۔

تیمور علی خان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

آنے جانے کا حساب رکھنے والے مخصوص ہوتے ہیں۔ ان کا ڈھب اور قرینے بھی خاص ہوتے ہیں۔

تعلق کی کتاب میں ان کا ذکر بھی خاص صفحات میں درج ہوتا ہے۔

یہ کہاں سے آئی۔ ایک ناقابل ذکر طبقے کی بے وقعت سی لڑکی۔ وہ ناگواری کا تاثر دیتی پرشکن سی پیشانی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہر چند کہ وہ اللہ کے کنبے کا مراعت یافتہ فرد تھی۔ مرعت و رعائیت کی ایڑی سے چوٹی تک مہر لگی ہوئی تھی۔

کس قدر با اثر تھی یہ بے حیثیت سی لڑکی۔ کہ وہ نرمی سے گویا ہوئے۔

''دیکھو لڑکی! کیا نام ہے تمہارا۔ کیونکہ تم ان ٹرینڈ ہو اور کافی گنوار بھی' اس لیے تمہیں یہ سینس نہیں ہے کہ کس سے کس طرح کے سوالات جائز ہوتے ہیں اور کس طرح کے ناجائز۔ تم فالتو وقت میں ماما بلی سے سیکھنے کی کوشش کیا کرو۔ کم از کم صبح و شام اپنے آپ سے اتنا ضرور کہا کرو کہ تم اس حویلی کی کنیز ہو۔ ملازم ہو۔ جنہیں صرف اپنے کام سے غرض ہوتی ہے۔ جو اپنے مالکوں سے اپنے طور کبھی بات نہیں کرتے صرف مالکوں کے سوالوں کا جواب دیتے ہیں۔ دوسری صورت میں خاموش رہتے ہیں۔

ہمیں اماں جی کے ساتھ بھی تمہارا بے احتیاط انداز پسند نہیں ہے۔ وہ سیدھی سادھی ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ نوکر سر پر چڑھ جائیں۔ وہ تمہاری سہیلی نہیں ہیں مالکن ہیں۔ ہم اپنی باتیں بار بار نہیں دہراتے۔ ہمیشہ کیلئے یاد کر لو''۔

وہ سانس روکے کھڑی بغور سن رہی تھی۔ کیسی بے رحم گھڑیاں تھیں۔ خوبصورت حریری پردے جو تصور میں لہرایا کرتے تھے۔ ... شعلہ بن کر پردوں سے لپٹ رہا تھا۔

... کا عجب تماشا تھا۔

... کے بھی اوقات' کم مائیگی کا احساس گراں کم حوصلہ انسان کا قبلہ بدل دیتا ہے۔

... تبدیلی آ جاتی ہے۔

تیمور علی خان باہر نکل گئے۔

اس نے تھوک نگل کر حلق تر کیا۔ گہرا سانس کھینچا۔ اور فرنیچر پر کپڑا مارنے لگی۔ کوئی احساس تھا کہ جسمانی قوت پر
زائل ہوگئی تھی۔

وہ روتی نہیں تھی۔ اسے رونا آتا ہی بہت کم تھا۔ جب کبھی روئی تھی تو وجہ بھی معلوم تھی۔

لیکن اس وقت ایک تواتر سے اشک رخساروں پر بہہ رہے تھے اور اسے احساس بھی نہیں تھا۔ دل دکھ کے درخت کی
شاخ میں جا اٹکا تھا۔

درخت بھی وہ جس کی شاخیں آسمان چھوتی تھیں۔

....

''اماں جی، اتوار کی اتوار نوٹنکی جاتے تھے سارے محلے کی عورتیں۔ تانگہ بھر جاتا تھا۔ ایک دن بڑی سڑک پر الٹ
گیا۔ سب سے زیادہ بلو کی اماں کو چوٹیں آئیں۔ پنڈلی کی ہڈی کھسک گئی۔ چھ مہینے بستر پر پڑی رہی بے چاری۔ پر
چھپ کر جاتی تھی اس سے الگ پٹی تھی،،۔

خالہ سولہ آنے نہایت تیزی اور مہارت سے لحافوں میں ڈورے ڈال رہی تھی۔ اماں جی نئے بن کر آئے
تکیوں کے منہ بند کر رہی تھیں۔

''ارے آگ لگے ایسے شوق کو۔ کہ انسان ہلکان ہو جائے، اب یہاں گھر ہی میں دیکھ لو۔ ہفتے کی رات کیسی
جاتی ہے کہ فلم آرہی ہے۔ نوکر باغ میں ٹیلی وژن رکھ رہے ہیں۔ یہ تمام لڑکیاں اسے جلدی جلدی کام نمٹا رہی ہیں
چھوٹی جا رہی ہو''

میں نہیں بھاگی کبھی ان چیزوں کے پیچھے۔ تمہارے بڑے خان کہتے بھی تھے تو مجھے حیاء آجاتی تھی''۔

ان کا چہرہ گلگوں ہوگیا''۔

''اپنے مرد کے ساتھ بھی اماں جی؟'' خالہ نے ایک ذرا رک کر لطیف سی شرارت کی۔

''ہاں بھئی۔ حیاء تو مجھے آج بھی آتی ہے ان سے۔ اب بھی کبھی مجھے اپنے کمرے میں بلواتے ہیں تو قدم من من کے
ہو جاتے ہیں۔ اور فلموں میں تو ایسے منہ پھاڑ کر بولتے ہیں کہ ڈوب مرنے کو جی چاہے۔ جب گھر میں یہ آیا تو
تمہارے خان پر خفاء ہوئی تھی کہ لڑکیوں پر برا اثر نہ ہو۔ وہ باتیں جو ہم بیاہی عورتیں نہ کر سکیں۔ فلموں میں بن بیاہی لڑکیاں
پٹر پٹر کرتی ہیں۔ بھئی مجھے تو بڑی حیاء آتی ہے''۔

''خان تنگ نہیں پڑے اماں جی! آپ کی اس طبیعت سے''۔ خالہ شریر ہوئیں۔

بڑی بے لگام ہے تو سولہ آنے! وہ تو خود اتنے مصروف آدمی ہیں۔ بھول جاتے تھے کہ گھر بار بھی ہے۔ ہمارے
کی ساری عورتیں ہی ایسی تھیں۔ کوئی میں اکیلی ایسی تو نہیں تھی۔ جو انہیں کوئی تعجب ہوتا''۔

''آپ تو بہت ہی سیدھی ہیں۔ آپ کی تو بارہ پشتوں میں محبت کی شادی نہیں ہوئی ہوگی۔'' خالہ ہنسیں۔

''نہ دولہ والی توبہ''۔ اماں جی بری طرح سٹپٹا گئیں''۔ ہمارے ہاں تو پالنے ہی میں رشتے ہو جاتے تھے اب دلوں کے بھید
تو خدا جانے۔ اسی میں ہو جاتی ہوگی یہ نامراد محبت۔ اپنے تو سمجھ میں ہی نہیں آیا یہ چکر''۔

ان کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

''آپ کو نہیں ہے بڑے خان سے محبت؟'' خالہ نے چھیڑ خانی کی۔

اماں جی کے چہرے پر قوس قزح جھلکنے لگی۔

''شرم کر سولہ آنے۔ اپنی اور میری عمر دیکھ۔ اس عمر میں مجھ سے ٹھٹھول کرتی ہے؟''

''تو یہ گناہ تو نہیں ہے۔ بلکہ اپنے مرد سے محبت کرنے میں تو بڑا ثواب ہے''۔ خالہ باز نہ آئیں۔

''ایک عورت عمر بھر کسی کا گھر سنبھالے بیٹھے تو یہ سب کیا ہے۔ یہی اس کے دل کا بھید ہے۔ پتھر پڑے ہیں تیری عقل
پر''۔ ان کے چہرے پر روشنی سی بکھر گئی۔ خالہ ان کی سادگی پر ہنس ہنس کر لوٹ گئیں۔

''السلام علیکم۔ خیریت تو ہے خالہ؟ کیوں اتنا ہنس رہی ہیں'' آتشی گلابی بھاری سوٹ پہنے نازنین اندر داخل ہوئی۔

''خوش رہو۔ پھولو پھلو۔ اس کی تو عادت ہے اوٹ پٹانگ باتیں کرنے کی۔ خود ہی ہنس ہنس کر دوہری ہوتی ہے''۔ اماں
جی مسکرائیں۔

یہ لیجیے چھوٹی دلہن اماں جی کے نزدیک یہ اوٹ پٹانگ باتیں ہیں جن کے دم سے زندگی میں دم ہے۔ میں تو کہہ رہی تھی

''چپ کر سولہ آنے! بچوں کے سامنے کیسی باتیں کرتی ہے،،۔ اماں جی نے گھبرا کر خالہ کو روکا۔

خالہ کی پھر ہنسی چھوٹ گئی۔

''اماں۔ جی۔ میں وہ والی بات تھوڑا ہی کر رہی تھی۔ میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ،،۔

''میں کہہ رہی ہوں نا چپ ہو جا۔ نہ وہ والی نہ یہ والی۔ اور دلہن تم سناؤ۔ ٹھیک تو ہو ناں۔ جی تو نہیں گھبراتا تمہارا۔ نئی جگہ
ہے ناں۔ خیر تمہارے ماں باپ تم سے دور نہیں جب جب چاہے ہوائی جہاز میں بیٹھو اور مل آؤ۔ ڈیڑھ دو گھنٹے میں ادھر سے
ادھر کر دیتا ہے''۔ انہوں نے مسکرا کر گویا تسلی دی۔

''نہیں اماں جی! میرا دل نہیں گھبراتا''۔ ماشاءاللہ اتنے لوگ ہیں کہ وقت کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ رات بھی ایک بج گیا باتوں
میں۔ سب ہال میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ تو ماما نے ٹائم بتایا تو پتہ چلا''۔

نازنین نے اپنی شفیق سی ساس کو جواباً تسلی دینا ضروری خیال کیا۔

''کل شام سے تزئین دکھائی نہیں دی۔ رات میں اسکی طرف گئی تو ماما نے بتایا کہ سو رہی ہے''۔

''جی۔ اسکی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ کل ہمارے پاس بھی نہیں آئی رات کو''۔ نازنین نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

اماں جی خاموش ہو کر رہ گئیں۔ پھر توقف کے بعد گویا ہوئیں۔

''تز...... دیکھو بیٹی! اب تم اس حویلی کی ایک فرد ہو۔ مجھے اس لڑکی کی طرف سے بہت پریشانی ہے''۔

''کیوں۔ کیا ہوا؟'' وہ چونک سی گئی۔ ''اتنی خوش اطوار اور خوش شکل سی تزئین۔ بھلا اسے کیا ہوا''۔

''اس کا رشتہ آیا ہوا ہے۔ شاید یاور نے تمہیں بتایا ہو۔ شادی کے ایک سال بعد ہی طلاق لے لی تھی اس نے۔

بنی' یہ تو اللہ کو ہی معلوم ہے۔ مگر مجھے یہ لگتا ہے۔ اسے پڑھائی کا دماغ ہے۔ اور لڑکیوں سے زیادہ پڑھی ہے نا۔

ہے۔ مرد' عورت کو بیوی بنا کر لاتا ہے' استانی تھوڑا ہی۔ وہ ذرا اس سے کم پڑھا ہوا تھا۔ مگر تھا تو اپنا ہی۔ بہت بڑی

ہے ان کی۔ خیر اب اس کا ذکر کیا۔ جو رشتہ آیا ہوا ہے۔ یہ بھی ہمارے دور پرے کے عزیز ہوتے ہیں۔ بیوی مر گئی ہے

۔ پڑھے ہوئے بھی بہت ہیں۔ تمہارے بابا صاحب بتا رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی بچی ہے شبو نام لے رہے تھے

تمہارے بابا صاحب۔ کراچی میں اوزار بنانے والی فیکٹری ہے۔ اچھا کھاتے پہنتے ہیں سب کچھ ہے اللہ کا دیا ہو''۔

''تزئین کیا کہتی ہے؟'' نازنین نے اماں جی کے خاموش ہوتے ہی فوراً سوال کیا۔

''مان نہیں رہی۔ کہتی ہے کہ میں تو اس کی بچی کی ماں بن جاؤں گی مگر کیا وہ میرے بیٹے کو باپ کا پیار دے سکے گا

کچھ ہوا تو کیا میرا بیٹا مجھے معاف کر دے گا؟ اب یہ بال دھوپ میں تو سفید نہیں کیے بیٹی۔ سنا ہے آدمی اور پتھر کی پہچان بڑی

مشکل ہے' مگر زندگی بہت سے تجربوں کے سائے میں آگے بڑھتی ہے۔ بہت بھلا مانس ہے۔ دور قریب کے سب ہی

اچھا کہتے ہیں۔ پڑھا لکھا ہے۔ صورت شکل اچھی ہے۔ اب تم لوگ اسے اس طرح سمجھاؤ کہ وہ خوشی سے راضی ہو

جائے۔ ظہیر میں بھی ہزار خوبیاں ہیں۔ اسکی عورت مر گئی ہے دنیا کی ہمدردیاں بھی ساتھ ہیں۔ اسے تو بیوی کہیں نہ کہیں مل

جائے گی۔ لیکن اسے طلاق ہوئی ہے۔ اسے آگے مشکل پڑ جائے گی''۔

ان کی آواز بھرا گئی۔

''آپ فکر نہ کریں اماں جی۔ ہم سب تزئین کی بہتری کے لئے جو کچھ ممکن ہو سکا کریں گے۔ آپ ٹھیک کر رہی ہیں

''۔ نازنین نے اپنے نپے تلے لہجے میں ساس کو تسلی دی۔

''یہ اطربہ مطربہ پر نظر پڑی تمہاری سولہ آنے؟۔ اماں جی نے خالہ کو پانی کا گلاس اور جگ لئے اندر داخل ہوتے ہوئے

دیکھا تو فوراً پوچھا۔

''ہو گی یہیں کہیں کسی کام دھندے میں۔ بلاؤں کیا؟''

''تیمور کے کمرے کی صفائی کرنے گئی تھی۔ بہت دیر ہو چکی۔ تم روپا دیوی کو اور اسے ساتھ لگا لو۔ یہ تین رضائیاں تو

ہی نمٹا دو۔ اندر ہو جائیں گی ورنہ پھیلا دا کل تک رہے گا''۔

''اے لو...... وہ آ ہی گئی''۔ خالہ نے مطربہ کو اندر داخل ہوتے ہوئے پہلے دیکھا۔

اس نے نازنین کو دیکھ کر سلام کیا اور بڑی سنجیدگی سے اماں کی طرف متوجہ ہوئی۔

''اماں جی۔ تیمور خاناں کا کمرہ تو صاف کر دیا ہے۔ آپ ماما سے چیک کروالیں''۔

''ہیں؟'' اماں جی نے تعجب سے اس کی شکل دیکھی۔

''صاف کر دیا اچھا کیا۔ اب یہ چیکنگ کیوں کوئی کلکٹر' ڈپٹی کلکٹر آ رہے ہیں انعام بانٹنے''۔ وہ اس کی احمقانہ بات پر

ہے تو تیمور

''وہ تیمور خاناں کہہ رہے تھے ناں''۔

اماں جی کی حیرت مزید بڑھی۔

''کیا کہہ رہے تھے؟'' اماں جی کی حیرت مزید بڑھی۔

''وہ کہہ رہے تھے۔ یہ میرا کام نہیں ہے کہ میں صفائیاں چیک کروں۔ ماما کو دکھا دینا''۔

''ہاں تو ٹھیک تو کہا انہوں نے۔ تو جو کھڑی ہو گئی ہو گی سوال جواب کرنے''۔ خالہ فوراً سے پیشتر سمجھ گئیں۔

''بے وقوف! گھر کے مرد گھر میں رہتے ہیں۔ صاف ستھرے گھر میں۔ عورتوں کی موجودگی میں گھر کی صفائیاں نہیں

ہوتیں۔ یہ کام گھر کے نوکر کرتے ہیں یا گھر کی عورتیں۔ کیا کیا بتاؤں تجھے''۔

''عورتیں صفائی کرتی ہیں اور مرد صفایا''۔ نازنین نے شوخی سے ٹکڑا لگایا۔ مطربہ تو الجھ گئی۔ خالہ البتہ حسب عادت خوب

ہنسا۔

''یہ بھی بتا دیجئے۔ چھوٹی دلہن بیگم اسے کہ صفایا کا کیا مطلب ہوتا ہے؟'' خالہ نے ہنسی کو بریک لگایا۔

''سیدھا سا مطلب ہے۔ مرد کے ہاتھ میں آکر تو ایک ذمہ دار سمجھدار عورت کا تو واقعی صفایا ہو جاتا ہے۔ بڑی مشقت

ہے گرہستی''۔ اماں جی نے مسکرا کر بہو کی طرف دیکھا۔

''تیرے دھندے نمٹ گئے کہ نہیں۔ یہ ڈورے ڈلوا میرے ساتھ کہ کام نمٹے۔ اور دیکھیو' یہ روپا دیوی کیا کسی دیوار میں

گئی۔ رات نو بجے سے غائب ہے۔ دن چڑھ گیا بھلا۔ اسے ساتھ لے کر آ''۔ خالہ نے اسے مزید کام سے لگایا۔

''توبہ خالہ! خود بھی اس عمر میں ڈورے ڈالتی ہو اور لڑکی کو بھی راہ پر لگاتی ہو''۔

تزئین اپنے صحت مند اور خوبصورت سے بچے کو گود میں بھرے کمرے میں آ چکی تھی۔

''چھوڑیں بی بی جان! ہم تو پالنے سے سیدھے بڑھاپے میں کودے ہیں۔ یہ بیچ کے اتنے برس جنے کون چرا لے گیا۔ ہو

نہ ہو تو ساس کے پیر داب رہے تھے۔

تین برس کی تھی بی بی جان میں چولہا جلانا شروع کر دیا تھا''۔

''اب اتنی بھی نہ ہانکا کرو سولہ آنے! تین برس کی بچی سے کون چولہا جلوائے گا؟''

اماں جی نے ٹوکا۔ ان کے حساب سے تو مبالغے کا ریکارڈ ٹوٹ رہا ہے تھا۔

''پوری بات تو سنیں اماں جی۔ گھر میں اور کوئی بچہ جو نہیں تھا۔ گاؤں کے کسی بھی گھر سے آگ مانگ کر لاتی تھی تو ماں

چولہا جلاتی تھی''۔ خالہ نے وضاحت کی۔

''خوب کہی سولہ آنے۔ اگلے وقتوں میں آگ تک مانگی جاتی تھی۔ اب تو بغیر مانگے لگ جاتی ہے''۔ تزئین نے

ہنسی کے پردے میں غیر شعوری تلخی کو چھپاتے ہوئے ٹکڑا لگایا۔

نازنین بہت لطیف مذاق و مزاج رکھتی تھی۔ اس نے نپی تلی نگاہ تزئین پر ڈالی۔

''کیا کر رہا ہے حماد صاحب؟'' اس نے پیار سے بچے کا رخسار چھو کر ماحول کا رنگ بدلنے کی کوشش کی۔

"آرہی ہیں خالہ! رو پا دیوی۔ بکری کا دودھ نکالنے لگی ہوئی تھی۔ اس کی لڑکی بیتی ہے ناں"۔ مطربہ نے تفصیل سے جواب دیا۔

"اب تم بتاؤ کیا کرنا ہے"۔ وہ سب کو نظرانداز کر کے خالہ کے مقابل بیٹھ گئی۔

"تیری طبیعت تو ٹھیک ہے۔ کیسا رویا رویا چہرا ہو رہا ہے۔ دکھاؤ ذرا بخار تو نہیں ہے"۔ خالہ کو اس کے چہرے سے تشویش ہوئی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ کچھ نہیں ہے مجھے"۔

"ہاں۔ خیر یہ تو میں بھی نوٹ کر رہی تھی کہ آپ یہ بہت چپ چپ ہے"۔ تزئین نے بھی خالہ کی تائید کی۔

"نہیں بھئی۔ گھنٹہ پہلے تو بہت چہک رہی تھی۔ شاید تھک گئی ہے۔ جا فرج میں ٹھنڈی لسی رکھی ہوگی جا کر پی لے"۔ اماں جی نے بڑی شفقت سے اس کی جانب دیکھا۔

"پی لوں گی۔ اماں جی! خالہ کا تھوڑا ہاتھ تو بٹا دوں"۔ اس نے خالہ کے ہاتھ سے سوا لے لیا۔

"یہ آج آپ کے دیور صاحب کہاں غائب ہیں؟ بہت تنگ تو نہیں کرتے۔ تیمور آپ کو"۔ تزئین نے پوچھا تو لہجہ خود بخود محبت سے بھیگ گیا۔

"ارے نہیں۔ ان کی وجہ سے تو گھر میں بہت رونق ہے"۔ نازنین نے کہا۔

"ہاں..... ماشاءاللہ میرا بچہ جہاں بیٹھتا ہے۔ رونق ہو جاتی ہے۔ مگر کیا کروں۔ تمہارے باپ نے کتنا دور کر دیا ہے۔ وہ کیا پڑھاتے ہیں جو یہاں والے نہیں پڑھا سکتے"۔ اماں جی کا دکھ ہرا ہو گیا۔

"میرا خیال ہے پندرہ دن بھی نہیں رہے جانے میں۔ ہے ناں اماں جی!" تزئین بھی بھائی کی جدائی کے خیال سے افسردہ ہو گئیں۔

"ارے کہاں۔ گیارہ دن۔ بارہویں دن تو صبح کو چلا جائے گا"۔ اماں جی تو انگلیوں پر دن سوتے میں گنتی تھیں۔

"تزئین! تم کہنا بھائی سے شاید تمہاری بات سمجھ میں آ جائے۔ تم بھی پڑھی ہوئی ہو"۔

"کیا اماں جی؟"

"یہی کہ زیادہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ دماغ کی طاقت خرچ ہوتی ہے اور تمہارا تو کام زمینداری ہے۔ تم نے سرکار کی جوتیاں سیدھی کرنا ہیں"۔ تزئین ماں کے بھولپن پر مسکرا دیں۔

"کہہ دوں گی اماں..... مگر وہ مانیں تب"۔

"صبح صبح مجھے اپنے بچوں پر دم کر کے کیسا سکون ملتا تھا۔ اور اب چہروں کو ترستی ہوں۔ یہ تو بہت چھوٹا تھا۔ تمہارے باپ نے مجھ سے دور کر دیا تھا"۔ اماں جی نے پیشگی رخصتی منانا شروع کر دی۔

"کتنے دن کیلئے جاتے ہیں تیمور خان باہر ملک؟" اس نے بے اختیار پوچھ لیا تھا۔

"پڑھائی کی بات ہوتی تو کیا بات تھی۔ سالوں سرتی ہوں اپنے بچے کی صورت کو"۔ اماں جی افسردہ سے انداز میں بولیں۔

"اماں جی! یہ تو آپ کیلئے فخر کی بات ہونا چاہیے کہ آپ کو لوگ کہیں کہ آپ کتنے لائق بچوں کی ماں ہیں۔ یہ تو کسی بھی ماں کیلئے بہت خوشی کی بات ہوتی ہے"۔ نازنین کا انداز دلاسا دینے کا تھا۔

"تو اپنے وطن میں سب نالائق ہوتے ہیں؟" اماں جی نے فوراً الٹا جواب کر دیا۔

"مجھے تو ایک ڈر اور بھی کھاتا رہتا ہے"۔

"ہائے اماں جی..... ڈر پہ ڈر۔ وہ کیا؟" تزئین زچ ہو گئیں۔

"کہیں میم کے چکر میں نہ پڑ جائے"۔ وہ فکرمندی سے بولیں۔

"کیا پتا پڑ بھی گئے ہوں اور اسے کہہ کر آئے ہوں کہ بس آ رہا ہوں دو چار دن میں"۔

بزدلی۔ کمزوروں کی پناہ گاہ۔

چائے کا گولہ ہاتھ سے چھوٹ کر کرسی کے نیچے لڑھکتا چلا گیا۔ جیسے کوئی اس سے پیمان باندھ گیا ہو اور دغا بازی کا ہوا ہو۔ دھچکا تو یوں لگا تھا۔ تزئین کے شوخ جملے سے ذات کے اندر ایک اور چور دریچہ وا ہوا۔ نارسائی اور محرومی کی گرم ہوائیں اندر آنے لگیں۔ خوب لو چلنے لگی۔

"آپ فکرمند نہ ہوں۔ اگر میم بھی کریں گے تو کوئی اچھی ہی کریں گے۔ ہمیں پوری امید ہے"۔ خالہ نے ٹکڑا لگایا۔

"تیرے منہ میں خاک سولہ آنے۔ مجھے نہیں چاہیے ننگے سر کی پرکٹی۔ اس دن کے لئے اولاد جوان کی ہے"۔ اماں جی تو سلگ گئیں۔

(ہائے اماں جی زنجیریں پہنا کر رکھئے۔ آپ پہنا سکتی ہیں۔ کسی کو بھی تہس نہس کر کے رکھ سکتا ہے آپ کا لخت جگر) اسے کئی طرف سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آنے لگے۔

"کیوں مطربہ کرے گی میم کی خدمت؟" تزئین شرارت سے ہنسیں۔ "تو تو بڑی خوش ہو گی؟"

"آپ لوگ ہوں گے تو میں بھی ہو جاؤں گی"۔ وہ دھیرے سے بولی۔

"قربان جاؤں تیری اطاعت گزاری کے"۔

"تزئین کیا بد فالیں نکال رہی ہو۔ میرے بچے کیلئے۔ کوئی کمی ہے اسے لڑکیوں کی؟" اماں جی نے ڈانٹا۔

"ماں اوپر سے نہیں اتری ابھی تک؟" معاً انہیں دھیان آیا۔

"وہ تو صبح سے شہر گئی ہوئی ہے اسپتال۔ اس کی آنکھوں میں کئی دن سے تکلیف ہے۔ اس کا لڑکا لے کر گیا ہے"۔ خالہ نے مطلع کیا۔

"اچھا..... مجھے بتا کر گئی ہوتی۔ ایک دو کام تھے شہر میں"۔ اماں جی خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئیں۔

"آپ کو کیا کام تھے۔ تیمور بھی تو گئے ہیں شہر"۔ تزئین نے بتایا۔

''اس کے کرنے کے نہیں تھے۔ دوپٹے رنگنے کو گئے تھے' وہ منگانے تھے''۔ اماں جی کی سوئی سے دھاگہ نکل گیا۔ زیتون بانو نے بنا کچھ کہے سوئی دھاگہ مطربہ کی طرف بڑھایا۔

''اماں جی۔ یہ چھوٹا ہے پھر نکل جائے گا' بڑا ڈال دوں؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں ہاں ڈال دو''۔

تزئین اور نازنین اپنی باتوں میں مصروف تھیں۔

....

''لڑکی! بات سنو''۔ وہ بڑے پھاٹک کی طرف جا رہی تھی۔ چونک کر رک گئی۔ پلٹ کر دیکھا۔ عارف تھیلا اٹھائے کھڑا تھا۔ پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

''دو نام ہیں میرے۔ زیتون بانو اور مطربہ''۔ وہ چیخ کر گویا ہوئی۔

''یہ تو تین ہیں۔ کتنی آتی ہے؟'' وہ مسکرا کر جان جلا رہا تھا۔

''اور یہ مطربہ کیا نام ہوا۔ جیسے ٹیکسلا' ہڑپہ۔ مگر کھنڈرات اتنے بھی خوبصورت نہیں ہوتے''۔

''کام بتاؤ''۔ وہ بھڑک کر بولی۔

''کرو گی؟'' وہ بہت شوخ تھا۔

''اماں جی سے شکایت کر دوں گی اگر زیادہ بات کی''۔ وہ مزید بھڑک گئی۔

''کیا کہو گی؟'' اس نے دلچسپی سے اس کا سراپا جانچا۔

''یہی کہ یہ لڑکا مجھے چھیڑتا ہے''۔ وہ اسے گھور رہی تھی۔

''میرا نام عارف ہے۔ ایک ہی نام ہے میرا''۔ اس نے قرض لوٹایا۔

''آئندہ مجھے مت روکنا۔ میں ہر کسی سے بات نہیں کرتی''۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی۔

''ارے بھئی' ہڑپہ' موئن جوڈارو' بات تو سنو۔ یہ تھیلا ماما ملی تک پہنچا دو۔ وہ انتظار کر رہی ہوگی''۔ عارف نے تھیلا زمین پر رکھ دیا۔

''اس میں کیا ہے؟'' وہ تڑخ کر بولی۔

''سانپ بچھو ہیں' آج ماما تمہیں چینی ڈش بنا کر کھلائیں گی''۔

''آخ''۔ مطربہ کو قے آنے لگی۔ ''تم بدتمیز ہو' وہ الگ بات' گندے بھی بہت ہو''۔ وہ جل بھن کر باب ہو رہی تھی۔

''تم واقعی اتنی بھولی ہو یا بنتی ہو''۔ عارف کو پھر گدگدی ہوئی۔

''خالہ! خالہ! یہ لڑکا''۔ اس نے شور مچا دیا۔

''لاحول ولا قوۃ...... عجیب لڑکی ہو''۔ وہ اصطبل کی طرف بھاگ گیا۔

''کیا ہو گیا۔ زیتون بانو؟'' چوکیدار آ موجود ہوا۔

''کچھ نہیں چاچا!'' وہ تھیلا کھینچتی ہوئی اندر چلی۔

''وہ کیوں چیخا کیوں تھا''۔ وہ متعجب ہوا۔

''دماغ خراب ہے میری''۔ اس نے بھی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر مونث مذکر میں ہیر پھیر کی۔

چوکیدار آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

....

''نوابوں کی اولاد ہے بھابی۔ لیکن اتوار کی اتوار میرے اپارٹمنٹ کی صفائی کرتی ہے۔ میری جرابیں تک دھوتی ہیں''۔ تیمور علی خان نے فخریہ بتایا۔

''آہستہ...... اماں جی نہ سن لیں...... ابھی کل ہی انگریز بہو کے اندیشے سے کانپ رہی تھیں''۔ نازنین نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر آہستہ سے کہا۔

''انگریز بہو...... !! ہائیں انہیں کس نے بتایا......؟'' وہ حیرت زدہ ہو گئے۔

''انہیں کچھ بتانے کی کسی کو ضرورت نہیں۔ انہیں گھر بیٹھے ہی سب پتا ہے''۔ نازنین ہنسی۔

''یہ تو بڑی گڑبڑ ہے بھابی۔ آپ انہیں بتا دیجیے کہ انگریز ضرور ہے مگر سات گز کا دوپٹا اوڑھتی ہے''۔

''میں سات گز لمبا جھوٹ نہیں بول سکتی''۔ نازنین نے صاف انکار کیا۔

''مگر یہ تو بھلائی ہے۔ اور بھلائی نیکی ہوتی ہے''۔ تیمور نے دلیل دی۔

''مگر میں اپنی سیدھی سادھی ساس کے ساتھ مشکوک قسم کی بھلائی نہیں کر سکتی۔ آپ اپنا مقدمہ خود لڑیں''۔ اس نے واضح طور پر معذرت کی۔

''وہ بھی بہت سیدھی ہے۔ ہم نے اسے بتایا۔ ہماری ماں کو پائے بہت پسند ہیں۔ کھانے میں تو کہنے لگی۔ ہفتے میں کتنی کرسیوں کا خرچا ہے؟''

نازنین ہنس ہنس کر دوہری ہونے لگی۔

''مطربہ ماما کا بنایا ہوا سوپ لے کر ہال میں داخل ہوئی تھی۔ تیمور علی خان بھاوج کو ہنسا کر مسکراتے ہوئے سر کھجا رہے تھے۔

مطربہ نے تپائی پر ٹرے رکھ دی۔

''وہ کیا نام ہے تمہارا لڑکی...... کیا لائی ہو؟'' تیمور علی خان یکدم سنجیدہ ہو گئے۔

اکثر لوگ نام کے معاملے میں بلا کے غیر محتاط ہوتے ہیں۔ حالانکہ نام ہر انسان کی آرائش ہوتا ہے اور اسے بہت عزیز ہوتا ہے۔

اور جو لوگ کسی کے دل میں سوتے جاگتے ہیں' ان کے منہ سے اپنا نام سننا ایک سعادت لگتا ہے اور اگر وہی نام بھولنے لگیں تو انسان اپنی نظروں میں خود کو بہت بے توقیر لگتا ہے۔

''خان......اصطبل میں بہت خوبصورت گھوڑیاں ہیں''۔اس نے ایک پیالے میں سوپ نکالا۔

''پھر......؟''وہ الجھے۔

''ان کے بہت خوبصورت نام ہیں''۔وہ آہستگی سے بولی' نازنین بھی حیرت سے اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''پھر......؟''ان کا پارہ چڑھنے لگا۔

''ان کے نام خانوں کو ایک دفعہ میں یاد ہو جاتے ہیں۔آپ مجھے بھی کوئی گھوڑی سمجھ لیں''۔

اس نے تپائی ان کے نزدیک رکھ دی۔

نازنین ششدر سی اس کی شکل دیکھنے لگی۔تیمور علی خان خاموش سے ہو گئے۔

''یہ سوپ ہے' ماما نے بنایا ہے۔آپ کیلئے چائے بنا کر لاؤں چھوٹی بیگم''۔وہ نازنین کی سمت مڑی۔

''نہیں......میں اس وقت چائے نہیں پیتی۔البتہ یاور صاحب سے پوچھ لو۔وہ اپنے بیڈروم میں اسٹڈی کر رہے ہیں''۔ اس نے ملائمت سے کہا۔

مطربہ ایک لمحہ رکے بغیر باہر نکل گئی۔

''کچھ سمجھ نہیں آئی''۔اس نے تیمور علی خان کی چپ کو بہت محسوس کیا۔

''ویسے خاصی بے وقوف سی ہے۔آپ جانے دیجئے' کچھ کہیے گا نہیں''۔اس کو مطربہ کے حشر کی فکر پڑ گئی تھی۔

''اس کو زیادہ آئینہ نہیں دیکھنا چاہیے۔بھابی......ورنہ گڑبڑ ہو جائیگی''۔وہ بہت ناراض سے انداز میں گویا ہوئے۔

''کیا فرق پڑتا ہے۔بے حیثیت انسان کتنا ہی حسین ذہین ہو' مگر ہے تو پھر بھی بے چارا......اور بے چاروں کے ر[illegible] درگزر کرنا بڑائی کی بات ہے۔ویسے میں سمجھا دوں گی۔آپ ریلیکس ہو جائیں''۔نازنین نے ان کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کی۔

....

تزئین بالآخر تیمور علی خان کے دلائل کے سامنے بے بس ہو ہی گئیں۔

اماں جی کا خیال تھا۔تیمور علی واپسی سے پہلے تزئین کا نکاح ہو جائے تو اچھا ہے' وہ بھی ایک اور اہم خوشی میں شریک ہو جائیں۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ انسان جس سے غیر مشروط محبت کرتا ہے' وہاں محبت ہی سب سے بڑی دلیل بن جاتی ہے۔ دور ہونے کی وجہ سے دلوں کے مزید قریب آ گئے تھے۔پھر یہ کہ بہن کی خیر خواہی کے جذبے نے ان میں مزید تحریک پیدا کر دی تھی۔

نکاح بے حد سادگی سے ہو رہا تھا۔صرف گھر کے افراد اور چند بہت قریبی دوست احباب شریک تھے۔

تزئین نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ نکاح سے پہلے کی کوئی رسم وغیرہ نہیں ہوگی۔نہ ڈھولکی بجے گی۔نہ وہ ابٹن ملیں گی۔

خالہ سولہ آنے ابٹن کا پیالہ لے کر روپا دیوی کی کوٹھڑی میں چلی گئیں۔تاسف کا یہ عالم تھا کہ گویا تزئین رسم سے نہ

[illegible] خوشنما دلہن سے پھر گئی ہوں۔

''لے روپا دیوی......ابٹن ہے۔اصلی چمیلی کے تیل میں گوندھا تھا۔تو مل لیجیو۔تیرا آدمی بھی مہینے بعد آ رہا ہے چترال سے''۔

[illegible] اس سے قبل کہ روپا دیوی اس ''مہربانی'' کی تفصیل پوچھتی۔وہ واپس بھی پلٹ آئی تھیں۔البتہ عالم تاب نے جب تزئین کے ہاتھ تھام کر مہندی لگانا شروع کی تو وہ خاموش رہیں۔

خالہ نے مہندی گوندھتے ہوئے اپنی لال انگلیوں کی نمائش دس بار کی اور مہندی کی کوالٹی پر سنہرے الفاظ ادا کیے۔یہاں تک کہ مطربہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔اس نے الٹے پلٹے برتن مانجھے اور سب سے پہلے مہندی لگا کر بیٹھ گئی تھی۔

''مٹھیاں بند کیے یہاں وہاں ٹہل رہی تھی کہ بیرونی برآمدے سے تیمور علی خان اندر داخل ہوئے۔ایک اچٹتی سی نگاہ ان پر ڈالی۔

''محترمہ مطربہ یازیتون بانو صاحبہ......عرض یہ ہے کہ دو دن سے کپڑے استری نہیں ہوئے۔اگر مادام پسند فرمائیں تو ابھی کر دیں۔کیونکہ آج کیلئے میرے پاس کوئی نائٹ ڈریس نہیں ہے''۔

وہ اتنا کہہ کر بغیر رکے آگے بڑھ گئے۔مطربہ نے اپنے مہندی لگے ہاتھوں کی طرف بڑی بے بسی سے دیکھا۔اس پر تیمور علی خان کا طنزیہ لب و لہجہ۔ابھی تو آدھا گھنٹہ بھی نہیں ہوا مہنگی لگے۔وہ ان کے پیچھے دوڑی۔

''خان''۔

تیمور علی خان زینے کی طرف بڑھتے ہوئے رک گئے۔

''خان......آدھے گھنٹے بعد کر دوں گی۔یہ مہندی لگی ہوئی ہے۔ابھی تو رنگ بھی نہیں چڑھا ہوگا''۔اس نے ڈرتے ڈرتے ان کی شکل دیکھی۔

''مجھے کپڑے چاہئیں ابھی۔تم یہاں کام کیلئے ہو۔مہندی لگانے کیلئے نہیں' سنا......؟اپنی اوقات پہچانو......پتا نہیں کتنے مور جنگل میں ناچتے ہیں''۔

وہ سختی سے کہہ کر زینہ چڑھنے لگے۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ گئے تھے۔وہ دالان میں لگے ہینڈ پمپ کی سمت بڑھ گئی تھی اور ذرا سی دیر میں مہندی اتار کر ہاتھ دھو ڈالے تھے۔پھر اپنی زرد زرد ہتھیلیاں دیکھتے ہوئے تیمور علی خان کے کمرے میں پہنچ گئی تھی۔

''سب کپڑے یہاں ہیں خان؟''اس نے صوفے پر پڑے کپڑے اٹھاتے ہوئے پوچھا۔اس کی آواز آنسوؤں کی چغلی کھا رہی تھی۔

''نہیں اور بھی ہیں''۔وہ بک شیلف کے سامنے سے ہٹ کر وارڈروب کی طرف آ گئے اور کپڑے نکال نکال کر بیڈ پر پھینکنے لگے۔

"وہ نیچے تو ہال میں بڑا ہنگامہ ہے۔ وہاں کام کروگی تو صبح تک ہی ہوگا' یہیں استری کرلوں"۔

"وہ بنا کچھ بولے استری اور بچھانے کیلئے دری چادر وغیرہ لینے چلی گئیں۔

اتنی دیر میں تیمور علی خان باتھ روم میں بند ہو چکے تھے۔

وہ خاموشی سے واپس آ کر استری کرنے لگی۔ ہتھیلیوں سے اٹھتی مہندی کی مہک سے اس کا دل برا ہو رہا تھا۔ محنت ہی اکارت ہوگئی تھی۔

اماں جی کتنی اچھی ہیں۔ ماما کام کرنے کیلئے بلانے آئی تو اماں جی نے کتنی محبت سے کہا تھا۔ کام تو روز ہی ہے۔ لگانے دو اسے مہندی۔ شوق کی عمر ہے۔ حویلی کی سب سے بڑی تو وہ ہیں۔ انہیں تو بالکل بھی غرور نہیں۔ وہ خاموشی سے آنسو بہاتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

تیمور علی خان غسل سے فارغ ہو چکے تھے اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے تولیے سے سر رگڑ رہے تھے۔ ڈریسنگ ٹیبل کے وسیع آئینے میں، وہ بالکل واضح نظر آ رہی تھی۔

کبھی دوپٹے سے ناک پونچھتے ہوئے کبھی آنکھیں..... وہ چونک کر مڑے۔

"کیا بات ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟"۔

وہ ہڑبڑا کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ اپنی دانست میں تو بڑی "خفیہ" اشک باری تھی۔

"کچھ نہیں....." اسے بوکھلاہٹ میں کوئی مناسب جواز بھی نہ سوجھا۔

"ہمیں اپنی بات دہرانا پسند نہیں۔ کیا مسئلہ ہے؟" وہ واقعی حیران تھے۔

"ک..... کچھ نہیں خان..... وہ..... بس"۔

"اتنا عذاب لگتا ہے تمہیں کام کرنا کہ رو پڑتی ہو۔ ہمیں ڈیکوریشن پیس نہیں چاہیے۔ ہم اماں جی سے کہہ دیں گے، صبح ہوتے ہی واپس چلی جانا۔ جہاں سے آئی ہو۔ رہنے دو یہ کپڑے وپڑے۔ جاؤ آرام کرو"۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف پلٹ گئے"۔ وہ برہم ہوئے۔

"اٹھو بھئی..... نہیں کروانا ہمیں تم سے کام"۔ وہ برہم ہوئے۔

"خ..... خان..... میں کام کی وجہ سے تو نہیں رو رہی"۔ وہ اتنا کہہ کر بلک بلک کر رو پڑی۔

"نان سنس..... پھر کس وجہ سے رو رہی ہو۔ سچ سچ بتاؤ' ورنہ ہم صبح کو تمہاری صورت نہ دیکھیں گے"۔ وہ اب برہم ہونے کے بجائے پریشان تھے۔

"وہ..... مم..... مہندی..... لگائی تھی ناں"۔ اس نے ہتھیلیاں پھیلا کر وضاحت کرنا چاہی۔

"مائی گڈنس..... کیا مہندی دوبارہ نہیں لگ سکتی؟" وہ متعجب ہوئے۔

اس نے سفید کرتا پاجامے میں ملبوس مشین جیسے انسان کو دکھ سے دیکھا۔

شوق کی ایک ان چھوئی گھڑی ہوتی ہے' اس میں خوشی کا جو ہر ڈھلتا ہے۔ اس گھڑی کو ادھر ادھر نہیں ہونا چاہیے۔ خواہ

کتنی بھی جائیں عمر کی پوری نہیں ہوتی۔ اگر یہ گھڑی خطا ہو جائے۔

یہ بت کھل جائیں..... اس بے رحم آقا کو کیسے سمجھائے..... کہ کام کرنے کیلئے طاقت و قوت چاہیے' اور طاقت و قوت شوق کی گھڑیوں سے خوشی کے کنوئیں سے کھینچتے ہیں۔ شوق بار بار نہیں جاگتے میرے مالک۔ اس نے ساعتوں میں عمر کی جانے کتنی منزلیں پھلانگ لی تھیں۔ شعور کیلئے دکھ کتنے ضروری ہیں۔

تیمور علی خان تو اس کے انداز پر چکرا کر رہ گئے۔

ان کے آرٹسٹک مزاج پر کسی شوق کی قربانی کا بھاری وزن آ پڑا۔

وہ کچھ نہیں بولے۔ عجیب سے احساس سے ملامت سے دوچار ہو گئے۔ اب ان کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

"ہم بابا صاحب کے کمرے میں ہیں کوئی پوچھے تو بتا دینا"۔ وہ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بولے۔

نیلی فراک سرخ پاجامے اور دوپٹے میں وہ بہت مصروف تھی۔

بارات آنے میں ابھی وقت تھا۔ وہ تزئین کیلئے گجرے بنا رہی تھی۔ کہ خالہ آ گئیں۔

"تو یہاں بیٹھی ہے؟" وہ تعجب سے منہ پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

"اور کہاں بیٹھوں....." وہ تنک کر بولی۔

"کیا تھک گئی؟"

"کیوں؟" وہ پھر تیکھے لہجے میں گویا ہوئی۔

"کاٹ کھانے کو نہیں ڈسنے کو جی کرتا ہے..... زہر بھر رہا ہے میرے اندر"۔ وہ اطمینان سے گویا ہوئی۔

"اوئی"۔ خالہ نے ناک پر انگلی رکھی۔ "کیوں بول رہی ہے اتنا۔ کسی نے کچھ کہہ دیا؟"

"کوئی کچھ کہتا ہی کہاں ہے۔ ہم اس قابل ہیں کہ ہمیں کوئی کچھ کہے۔ کھری کھری سناتے ہیں لوگ"۔ وہ خالہ کی بدحواسی پر بالآخر مسکرا دی۔

"کون سناتا ہے..... کتنا خیال رکھتے ہیں سب تیرا۔ تیرا دماغ ہی عرش معلیٰ پر رہتا ہے۔ اچھا چل اٹھ وہاں ہال میں بلا رہی ہیں۔ چھوٹی دلہن اور بڑی بی بی جان"۔

"ہیں..... دونوں ایک ساتھ..... مگر کیوں؟" وہ حیران ہوئی۔

"یا تو زبان کاٹ کر پھینک دے' یا یہ "کیوں" نکال دے اپنی زندگی سے کھڑی ہو"۔ جلدی سے وہ ڈانٹ کر واپس چل دیں۔

اس نے جھولی کے پھول واپس باسکٹ میں ڈالے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

ہال میں آئی تو گھر کی خواتین اور مہمان خواتین نے خوب شور برپا کر رکھا تھا۔ اس کے داخل ہوتے ہی سناٹا چھا گیا۔ مہمان خواتین اسے سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھیں۔

''یہ ہے مطربہ...... مطربہ سلام کرو...... مہمان ہیں''۔ رئیسہ بیگم نے اسے ساکت کھڑے ہوئے دیکھ کر ٹوکا۔ چونک کر آداب بجالایا۔

''بھئی بڑی تعریف ہوئی ہے تمہاری آواز کی۔ یہ سب مہمان تمہارا گیت سننا چاہتی ہیں۔ روشن آرا نے کہا۔

''جی''۔ وہ سٹپٹا گئی۔

''اب جی جی مت کرو۔ جلدی سے کوئی اچھا سا گیت سنا دو۔ بارات بھی آنے والی ہے''۔ عالم تاب نے ٹوکا۔

وہ ان کا قطعی حکمیہ انداز دیکھ کر وہیں دروازے کے قریب بیٹھ گئی۔ اور اپنی بھیگی رنگت والی مہندی پر نظریں جمادیں۔

''کوئی خوشی والا سنانا''۔ کسی طرف سے فرمائش آئی۔

''خوشی''۔ اسے ایک دم کھوئے سامان کی طرح خوشی یاد آئی۔

وہ خوشی کے گیت یاد کرنے لگی۔ جو اسے بھولتے جا رہے تھے۔

اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا

ایک تو جو ملا ساری دنیا ملی •

کھلا جو میرا من ساری بگیا کھلی

کتنی میٹھی مدھر آواز تھی۔ سب ہی محو ہو چکے تھے۔

گیت ختم ہوتے ہی ایک اور گیت کی فرمائش زور و شور سے ہوئی۔ تیمور علی خان نیچے اتر کر باہر کی سمت بڑھنے ہی والے تھے' ٹھٹک کر رک گئے

اوڑھ کے تاروں کا یہ آنچل

پیروں میں باندھی میں نے پائل۔ ہو......او......او......

آج نہ روکو دل کی اڑان کو!

رستہ نیا......آہا......ہاہا......ہا

آج پھر جینے کی تمنا ہے

آج پھر مرنے کا ارادہ ہے

اتنی دلفریب آواز'......اتنی رواں اور نفیس جیسے کوئی پائے کی مغنیہ ......کون گا رہا ہے؟ بے حد فطری تجسس تھا۔ مگر...... خانے کی طرف بڑھتے ہوئے جھجک تھی کہ آج اس طرف مہمان خواتین بھی تھیں۔

اسی دم ماما بلی دالان کی طرف سے اندر داخل ہوئیں۔

''ماما......ایک کپ چائے مل سکتی ہے''۔ انہوں نے ماما بلی کو روکنے کا جواز پیدا کیا۔

''کیوں نہیں خان......ابھی لائی......کیا آپ اپنے کمرے میں ہیں؟

''ہوں......باغ کی طرف جا رہا ہوں' پانچ منٹ میں واپس آتا ہوں......اور ہاں......ماما......یہ کون گا رہا ہے؟

...بلی کا رمیان ابھی اس طرف نہیں گیا تھا۔ تیمور علی خان کے سوال پر وہ متوجہ ہوئیں' پھر مسکرادیں۔

''یہ تو مطربہ ہے''۔ وہ بے نیازی سے گویا ہوئیں۔ جیسے یہ کوئی معمول کی بات ہو۔

''مطربہ''۔ انہیں اچنبھا ہوا۔

''اتنی پختہ اور رواں آواز......واقعی ماما؟''

''جی خان......جتنی خوبصورت وہ خود ہے' اتنی ہی خوبصورت آواز بھی ہے۔ میرے باورچی خانے میں تو اس کی وجہ سے رونق آگئی ہیں''۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئیں۔

وہ بھی کسی دھیان میں گم باہر کی طرف بڑھے' کانوں میں نقرئی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔

آج پھر جینے کی تمنا ہے' آج پھر مرنے کا ارادہ ہے

کیا غضب کی آواز ہے۔ ایک لحظے کو بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ جی تو چاہ رہا تھا گیت پورا سنیں۔ مگر یوں سر راہ کھڑے ہونے میں بھی قباحت تھی۔

....

''کیا بات ہے عارف! کسے ڈھونڈ رہے ہو''۔ یاور علی خان بڑے تھکے تھکے انداز میں اپنے بیڈروم کی طرف جا رہے تھے۔ عارف کو ادھر ادھر جھانکتا پا کر چونک پڑے۔

''وہ......خان باہر موٹر میں ایک عورت آئی ہے۔ کہہ رہی ہے' خالہ سولہ آنے کی بھانجی سے ملنا ہے''۔ اس نے بڑے بے نیازانہ انداز میں مطلع کیا۔

''اندر کیوں نہیں بلایا؟'' ان کا تھکا ہوا ذہن موٹر اور عورت سن کر ایک دم مستعد ہو گیا۔

''وہ اندر نہیں آ رہی۔ کہہ رہی ہے۔ اسے یہیں بلا لاؤ۔ اس کے ساتھ دو آدمی بھی ہیں۔ خوب ہٹے کٹے سے''۔ عارف نے مزید اطلاع بہم پہنچائی۔

''یاور علی خان چونک پڑے۔ آدمی؟''

''چلو میں دیکھتا ہوں''۔ وہ آگے بڑھنے کی بجائے بیرونی دروازے کی طرف چلے۔ عارف بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔

پھاٹک سے باہر آئے تو تیمور علی خان وہاں ان سے پہلے موجود تھے' گاڑی کا پچھلا دروازہ کھلا تھا۔ روشنی ناکافی ہونے کی وجہ سے اندر بیٹھی عورات واضح نہیں تھی۔

''کیا بات ہے تیمور......کون ہے یہ؟'' انہوں نے بھائی سے سوال کیا۔

''یہی میں پوچھ رہا ہوں۔ چوکیدار نے بتایا ہے کہ یہ مطربہ کو بلا رہی ہے''۔ تیمور علی خان نے الجھن بھری نظروں سے ان کی سمت دیکھا۔

''السلام علیکم''۔ یاور علی خان تیمور کے پہلو میں آ کھڑے ہوئے اور سلام کیا۔

''وعلیکم السلام''۔

''جی فرمائیے...... کیا مسئلہ ہے؟''

''یہاں حویلی میں ایک سب سے خوبصورت لڑکی ہے' مجھے اس سے ملنا ہے' اتنی خوبصورت کہ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ کے ہاں کی خواتین میں سے کوئی بھی اس کے برابر نہیں ہوگی...... یہی اس کی نشانی ہے۔ اس کا حسن ہی اس کی پہچان ہے''۔

شاہانہ انداز میں بیٹھی ہوئی عورت نے بڑے عجیب انداز میں کلام کیا۔

''آپ کو اس سے کیا کام ہے؟'' یاور علی خان نے پرتشویش انداز میں سوال کیا۔

''آپ اسے بلائیں تو سہی...... پتا چل جائے گا سب''۔

''ہم معذرت خواہ ہیں...... اس طرح اسے یہاں نہیں بلا سکتے...... آپ اندر تشریف لے آئیں۔ اور اس سے ملاقات کر لیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں''۔

تیمور علی خان نے اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے پہلوان نما آدمیوں پر نگاہ ڈال کر جواب دیا۔

عورت نے کچھ دیر سوچا' پھر گاڑی سے اتر آئی۔

''غیرت خان...... ابھی آتے ہیں ہم''۔ اس نے دونوں آدمیوں میں سے کسی کو مخاطب کیا پھر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

''چلیے''۔ یاور علی خان اور تیمور علی خان اس کے دائیں بائیں چلنے لگے۔ اور نزدیکی ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ عارف ان کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

تیمور علی خان نے ڈرائنگ روم میں پہلے داخل ہو کر تمام لائٹس آن کر دیں۔ اور پنکھے بھی چلا دیئے۔ اور پلٹے مگر ٹھٹک سے گئے۔ سفید پلین ساڑھی میں ملبوس بالوں میں' کلائیوں میں موتیے کے گجرے پہنے۔ انتہائی دلکش سٹائل میں بال بنائے۔ وہ ایک انتہائی طرح دار عورت نظر آئی۔ میک اپ اتنا بھرپور اور نفاست سے کیا ہوا تھا کہ اس پر تصویر کا گمان غالب آتا تھا۔ جو مصور کے برش سے وجود میں آئی ہو۔

سر سے پاؤں تک اتنی مرتب۔ ایک لمحے کیلئے تو تینوں کے حواس ہی جواب دے گئے۔

''تشریف رکھئے''۔ یاور علی خان نے سنبھل کر صوفے کی سمت اشارا کیا۔

''مطربہ جیسی غلام زادی سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟'' تیمور علی خان کے ذہن میں یہ سوال ہاؤ گرد کی طرح چکرا رہا تھا۔

''جاؤ عارف! مطربہ کو بلا لاؤ......''۔ بالآخر انہوں نے عارف کو حکم دیا۔ وہ جیسے منتظر ہی تھا۔ فوراً باہر نکل گیا۔

یاور علی خان نے تیمور کی سمت دیکھا۔ دونوں الجھن میں تھے کہ اس سے کیا بات کریں۔

''آپ سے تعارف ہو جائے' تو کیا یہ مناسب نہ ہوگا''۔ عورت نے باری باری دونوں کی سمت دیکھا۔

''ہم دونوں بھائی ہیں...... یہ ہماری حویلی ہے اور مطربہ ہماری خادمہ''۔

یاور علی خان نے بڑے وقار سے مختصراً جواب دیا...... انداز یوں تھا کہ ہمیں آپ سے گفتگو کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔

...... ویسے ہی مغرور محسوس ہوتے تھے۔

''...... ظاہر ہے وہ ...... نہیں محلوں میں رہنے والوں کو یہ شوق کیوں ہوتا ہے کہ ان کی خادمائیں تک حسین ہوں' دراصل برابر کی حسین ...... ذرا نیز ہی ہوتی ہے' اور خود پر غالب نہیں آنے دیتی کسی کو۔ جبکہ خادمہ تو محل کی دیوار میں لگے اینٹ پتھر کے برابر ہوتی ...... ہے...... اس پر آسانی سے......''۔

''...... ول وا تو ...''۔ دونوں بھائی سٹپٹا گئے۔ بظاہر طرح دار عورت کس قدر بھونڈی گفتگو کر رہی تھی۔

''وہ ہماری درخواست پر یہاں نہیں پہنچائی گئی۔ بلکہ ہماری والدہ نے ایک حساب سے اسے ٹھکانا دیا ہے۔ آپ پہلی ...... ذہن میں صحیح کر لیں''۔ یاور علی خان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

''ایکسیلنٹ...... یہ تو بہت اچھی بات بتائی آپ نے...... بلکہ ایک طرح سے میرا بوجھ کم کر دیا۔ شکریہ''۔ عورت نے ...... کھول کر رومال نکالا اور چہرہ تھپتھپانے لگی۔

دونوں بھائیوں نے اس کی حرکات و سکنات سے نتیجہ نکال کر یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے طور پر اس عورت سے کوئی بات نہیں کریں گے۔

اسی دم دروازے سے مطربہ کے بجائے خالہ سولہ آنے نمودار ہوئیں۔ عورت کو دیکھ کر ان کا چہرا پھیکا پڑ گیا۔ انہوں نے لرزیدہ انداز میں یاور علی خان اور تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

''تت...... تم کیوں آئی ہو؟'' وہ سوال عورت سے کر رہی تھیں اور شکلیں دونوں بھائیوں کی دیکھ رہی تھیں۔

''میں تو باہر سے واپس ہو جانا چاہتی تھی' مگر تمہارے مالک اندر لے آئے۔ میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں...... ساری زندگی ایسی ہی آؤ بھگت دیکھی ہے اپنی''۔ وہ تفاخر سے گویا ہوئی۔

دونوں بھائی اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے سے بلا کی شرمندگی محسوس کرنے لگے۔

''محترمہ! آپ صرف کام کی بات کیجئے''۔ تیمور علی خان کا لہجہ تیکھا تھا۔

''کس سے کروں؟ جسے بلایا تھا' وہ تو آئی نہیں''۔ اس نے نخوت بھرے انداز میں جواب دیا۔

''وہ نہیں آئے گی''۔ خالہ نے قطعی انداز میں جواب دیا۔

''جس جوان جسم کو تم نے مشقت پر لگا رکھا ہے' وہ میرے پیسے سے پروان چڑھا ہے۔ اس کی پیدائش کا سرٹیفکیٹ میرے ...... ہے۔ پرچہ کٹوا دیا تو تمہارے خلاف ...... خوار ہو جائیگا''۔ وہ پھنکاری۔

''جو جی میں آئے کر لو۔ یہاں بھی محنت ...... کماتی ہوں۔ جیل میں بھی چکی پیس لوں گی''۔ خالہ نے بڑے نڈر انداز ...... جواب دیا۔

''اپنے جاگیرداروں پر پھول رہی ہو ...... نہیں ...... تو ...... پھنسواؤں گی''۔ وہ زہریلے لہجے میں گویا ہوئی۔

''...... سمجھ لو''۔ خالہ کا انداز ہنوز ......

''آپ ہمیں بتائیے' مسئلہ کیا ہے......'' یاور علی ...... ان کی بحث دور تک لاحاصل نظر آئی تو بول پڑے۔

""خان"۔ یہ مطربہ کو لینے آئی ہے"۔ خالہ نے نہایت ناگواری سے عورت کی جانب دیکھا۔

""کیوں......کس حیثیت سے"۔ سوال عین فطری تھا۔

""ماں ہوں اس کی"۔ دروازے میں کھڑا عارف بدحواس سا ہوگیا اور عورت کو گھورنے لگا۔ دونوں بھائیوں نے ...
اس عورت کا جائزہ لیا......ماں"۔

اتنی عمر چور عورت؟

""اگر آپ اس کی ماں ہیں تو یہ نوبت ہی کیوں آنے دی کہ وہ حویلی میں چلی آئی؟" تیمور علی خان نے ناگواری چھپانے
کی کوشش نہیں کی۔

""فراڈ کیا ہے ان لوگوں نے میرے ساتھ......راتوں رات اسے یہاں پہنچا دیا"۔ عورت نے غضبناک نظروں سے
خالہ کی جانب دیکھا۔

""مگر انہیں نے ایسا کیوں کیا...... بظاہر تو اس میں ان کا کوئی فائدہ نہیں؟"

تیمور علی خان کی استدلالی قوت پوری طرح کام کررہی تھی۔

""کیوں...... پیسے نہیں دیئے ہوں گے آپ نے۔ اس لالچی عورت کو"۔ عورت نے جان جلا کر رکھ دی۔

""دیکھیے محترمہ! آپ ذرا احتیاط سے گفتگو کیجیے۔ ہمارے ننانوے فیصد ملازمین وہ ہیں جن کے باپ دادا ہمارے
بڑوں کے ملازم تھے۔ ہم کبھی منڈی سے انسان خریدنے نہیں گئے۔ وہ ایک فیصد وہ ہیں جن کو کہیں بھی ملازمت چاہیے تھی
ہمارے ہاں کام مل گیا تو یہاں رہنے لگے۔ یہ جب چاہیں نوکری چھوڑ کر جاسکتے ہیں۔ ان پر کوئی زبردستی نہیں۔ اب یہ خالہ
ہیں......ان کے تمام پچھلوں نے حویلی میں کام کیا ہے"۔

یاور علی خان نے خود پر کنٹرول کر کے وضاحت کی۔

""اب بھی تسلی نہیں ہوئی......؟" خالہ نے خوداعتمادی کی نئی رمق اپنے اندر محسوس کی۔

""تو پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ آپ فی الفور میری بچی کو میرے حوالے کیجیے۔ یہ دیکھیے میں تو اسے ہر قیمت پر لے
جانے آئی ہوں"۔

عورت نے چیک بک پرس سے نکال کر ان کے سامنے لہرائی۔

""خان! اگر آپ حج اکبر کا ثواب کمانا چاہتے ہیں تو اللہ کے واسطے زیتون بانو کو اس کے ساتھ مت بھیجیے گا"۔ خالہ نے
ہاتھ جوڑ دیئے۔

""مت بولو اتنا...... تمہیں یہ حق دیا کس نے ہے؟" عورت غرائی۔

""خان! آپ کو اندازہ تو ہوگیا ہوگا یہ کون ہے......خان! وہ بچی بہت معصوم ہے"۔ خالہ کی آواز بھرا گئی۔

""اوں......ہوں......ایک منٹ"۔ یاور علی خان نے انہیں خاموش کرایا۔

""دیکھیے......آپ کا کیس بہت کمزور ہے۔ اس کیلئے ایک ہی دلیل کافی ہے کہ اگر وہ آپ کی بیٹی ہے تو آج تک

...ری' اور آپ کو آج سے پہلے کیوں خیال نہ آیا کہ اپنی اولاد کو اپنے ساتھ رکھنا چاہیے؟"

""میری معروفیات مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھیں کہ میں بچے کی نگہداشت کرسکوں۔ مگر میں اس کی پرورش کا
معاوضہ ادا کرتی رہی ہوں۔

عورت نے ساڑھی کی فال درست کرتے ہوئے بے نیازی سے جواب دیا۔

""اگر وہ معاوضہ واپس کردیا جائے......؟" تیمور علی خان بولے۔ عورت کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

""آپ تو کہہ رہے تھے ہم انسان خریدنے منڈی نہیں جاتے؟"

""بردہ آزاد کرنے کا ہمارے مذہب میں بڑا اجر ہے۔ خالہ ٹھیک کہہ رہی ہیں کہ اس کی نیچر کچھ اور ہے۔ وہ آپ کے
...لیے یا آپ کا ماحول اس کیلئے مناسب نہیں ہے"۔ یاور علی خان اب مکمل پرسکون حالت میں بات کررہے تھے۔ ان کی
...میں اصل بات آگئی تھی۔

""ہم آپ کو لکھ کر دے سکتے ہیں کہ ہماری آپ سے کوئی سودے بازی نہیں ہوئی"۔

""وہ میری اولاد ہے۔ "بردہ" تمہیں ہے۔ کیا آپ کو شک ہے؟ مگر میں آپ کا شک دور کرسکتی ہوں"۔ عورت پرس
...ولنے لگی۔

""نہیں......نہیں ہمیں کوئی شک نہیں"۔ تیمور علی خان نے جلدی سے کہا۔ ان کے کانوں میں سریلی گھنٹیاں بج رہی
...تھا۔

آج پھر جینے کی تمنا ہے' آج پھر مرنے کا ارادہ ہے

""آپ لوگ خوامخواہ وقت ضائع کررہے ہیں۔ اسے حاصل تو میں ہر قیمت پر کروں گی۔ ہم بااثر لوگوں کی پرواہ
...نہ کرتے۔ انہیں لوگوں سے تو ہمارا چولی دامن کا ساتھ ہے"۔ عورت کے انداز میں بلا کی خوداعتمادی تھی۔

یاور علی خان کے سنجیدہ ذہن نے عورت کے تیور بھانپ لئے تھے۔ وہ محض ایک ملازمہ کی خاطر عدالتوں کے چکر میں پڑنا
...نہ چاہتے تھے۔

بابا صاحب تک وہ معاملہ پہنچانا نہیں چاہیے تھے کہ وہ گرہ کھولنے کا نہیں بلکہ ڈوری توڑنے کا مزاج رکھتے تھے۔

""عارف! مطربہ کو بلا کر لاؤ۔ بہتر ہے کہ اس سے پوچھ لیا جائے کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ اور خالہ آپ کو بھی اتنا جذباتی
...نے کی ضرورت نہیں"۔ انہوں نے ایک لمحے میں فیصلہ کن مرحلہ طے کیا۔ یہ سراسر ماں بیٹی کا معاملہ ہے

تیمور علی خان نے کچھ بولنا چاہا تو یاور علی خان نے ہاتھ نے اشارے سے انہیں خاموشی کی تلقین کی۔ عارف مطربہ کو
...لینے جا چکا تھا۔

""اگر اس نے آپ کے ساتھ جانے سے انکار کردیا تو آپ اس کے ساتھ زبردستی نہیں کریں گے"۔ یاور علی خان نے
...ت کو طلب کیا۔ خالہ ایک دم نچڑ کر رہ گئی تھیں۔

""کیوں نہیں۔ میں اس کی ماں ہوں۔ زبردستی بھی کرسکتی ہوں"۔ اس نے غرور سے ناک چڑھائی۔

”مگر وہ ہماری ملازمہ ہے' اس کا تحفظ ہمارا حق ہے' اگر آپ ہمیں قانون پڑھائیں گی تو تھوڑی بہت قانونی معلومات بھی آپ کو پہنچا سکتے ہیں“۔

یاور علی خان کا انداز بہت پر اعتماد اور اٹل تھا۔

اسی دم مطربہ بوکھلائی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆۔

مطربہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس نے گھبرا کر خالہ کو دیکھا تھا۔

عورت اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ادھر آؤ بیٹی...... میں تمہاری ماں ہوں“۔ اس نے بازو پھیلائے۔

مطربہ متوحش انداز میں ایک دم خالہ کے پہلو میں جا کھڑی ہوئی۔

”یہ...... کون ہیں......؟ میں انہیں نہیں جانتی“۔ یاور علی خان مسکرائے۔ بڑی تمسخرانہ سی مسکراہٹ تھی۔

”پہچان جائے گی...... اس کا بھی قصور نہیں۔ ساری عمر میری ماں اور اس کی نانی دیوار بنی جو کھڑی رہی ہمارے بیچ“۔

”میں شہر بانو ہوں بیٹی۔ تمہاری ماں“۔ وہ جیسے چمکار رہی تھی۔

”میں نہیں جانتی آپ کو۔ خان میں جاؤں“۔ وہ بہت گھبرا رہی تھی۔

”نہیں بھئی...... ٹھہرو ابھی۔ یہ تمہاری ماں کہہ رہی ہیں خود کو تمہیں ساتھ لے جانے آئی ہیں۔ ان کی بات کا آرام سے جواب دو تمہیں کوئی کچھ نہیں کہہ رہا۔ گھبراؤ نہیں“۔ یاور علی خان نے پرسکون لہجے میں بات کی۔

”آپ قسم لے لیں خان۔ میں انہیں نہیں جانتی“۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

”خالہ! بتائیں ناں خان کو“۔ اس نے خالہ سے مدد طلب کی' جو لب بستہ کھڑی تھیں۔

"شہر بانو! تم وقت ضائع کر رہی ہو۔ یہ تمہارے ساتھ نہیں جائیگی"۔ خالہ نے ناگواری سے

"تم چپ رہو...... میں کون کہ خواہ مخواہ۔ یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ ابھی اسے پوری بات ہی پتا نہیں

گی"۔ عورت نے خالہ کو ڈانٹ دیا۔

"مجھے پتا ہے پوری بات۔ مجھے نانی نے بہت پہلے سمجھا دیا تھا کہ...... میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی"۔

پر قابو پا کر قدرے سکون سے جواب دیا۔

"یہاں غلامی ہے میری جان اور جہاں میں تجھے لے جا رہی ہوں وہاں تیری بادشاہت ہوگی۔

مالکوں جیسے سینکڑوں تیرے پاؤں چھوئیں گے۔ موٹا جھوٹا وہ کھائیں پہنیں جن کا کوئی نہ ہو۔ میرے پاس تو جو

سب تیرا ہے۔ تو راج کرنے کیلئے پیدا ہوئی ہے۔ غلامی کرنے کیلئے نہیں۔ میری اپنی ماں نے میرے ساتھ

میری پھول جیسی بچی کو بیگار پر لگا دیا ہے۔ میرا تو کلیجہ پھٹتا ہے۔ ماں کا یہ حال جو جوتی اپنے ہاتھ سے نہیں

دوسروں کی جوتیاں سیدھی کرتی ہے"۔ عورت نے لہجے میں بڑا دکھ سمو کر کہا۔

"ماں ایسی نہیں ہوتی۔ مجھے ماں کے بغیر رہنے کی عادت ہے۔ اور میں خوش ہوں"۔ اس نے خالہ کا بازو

سکون سے جواب دیا۔

"اپنا ایک ٹکڑا سیدھا کرنے کیلئے خوب پٹی پڑھائی ہے میری اولاد کو۔ خانوں کو خوش کرنا تھا خود پیدا کر لیتی

ہونہہ۔ حلوائی کی دکان پر دادا جی کی فاتحہ ہو رہی ہے"۔

عورت نے غضبناک لہجے میں خالہ پر چڑھائی کی۔

"دھیان سے بات کرو بی بی۔ منہ سالو (سنبھالو) میں نے کسی کو کوئی پٹی نہیں پڑھائی۔ تم تو اس قابل

تمہارے پیٹھ پیچھے تمہارا ذکر کیا جائے"۔

خالہ نے از حد برا مان کر جواب دیا۔

"ہونہہ...... میری ماں کی سر چڑھی ہو۔ وگرنہ کیا حیثیت ہے تمہاری۔ تمہارے جیسی دو ہیں میرے پاس

کرتی ہیں میرے سر اور بدن کی۔ چلو لڑکی بہت ہو گیا۔ باہر گاڑی میں بیٹھو"۔ عورت نے ایک دم پینترا بدلا۔

مطربہ خوفزدہ سے انداز میں اس صوفے کے پیچھے آ کھڑی ہوئی جس پر دونوں بھائی بیٹھے ہوئے تھے۔

"دیکھیے محترمہ۔ زبردستی کچھ نہیں ہوگا۔ اگر یہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو جا سکتی ہے۔ اگر نہ جانا چاہے تو

برداشت نہیں کرینگے"۔

تیمور علی خان نے نہایت برہم لہجے میں مداخلت کی۔

"تو پھر ابھی قاضی کو بلوا لیجیے اور میرے سامنے نکاح کر لیجیے اس سے"۔

ڈرائنگ روم میں رواں دواں سانسیں یکلخت ساکت ہو گئیں۔ اتنا غیر متوقع حملہ تھا کہ خالہ تو مارے خوف

کانپنے لگیں۔ مطربہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

نے نچلا ہونٹ اس بے دردی سے دانتوں تلے دبایا کہ خون چھلکنے لگا۔

ایک لمحے کو ٹپٹائے تھے مگر فوراً ہی مضبوط اعصاب ہونے کا مظاہرہ کر دیا تھا۔

کی ذاتی پسند اور ناپسند کا معاملہ ہے۔ ہمارا کوئی پریشر نہیں ہے اس پر۔ اس لئے آپ ہم حویلی والوں کو اپنے

باہر رکھیے۔ اس طرح کا سیشن اس وقت دیا جاتا ہے جب پارٹنر برابری کی بنیاد پر انوالو ہوں۔ اگر یہ آپ

چاہے تو ہم اسے نہیں روکیں گے۔ پلیز آپ اپنے ذاتی مسئلے میں ہمیں شامل مت کیجیے۔ محض اپنی ملازمہ کی

کر رہے ہیں اینڈ ناؤ لینگویج پلیز"۔

نے بڑی ذہانت سے صورتحال سنبھالی۔

بس پھر آپ خاموش رہیں۔ اپنی مورل سپورٹ اپنے پاس رکھیے۔ یہ ماں بیٹی کا معاملہ ہے"۔

نے بڑی شاہانہ تمکنت سے ایک حساب سے تیمور علی خان کو ڈانٹ دیا۔

اف۔ تم ٹھہریں بے وقوف۔ یہ کھیلے کھائے لوگ۔ ماں پر بھروسا کرو۔ آؤ شاباش"۔ عورت نے اپنا ہاتھ

پکارا۔

"۔ مطربہ نے بدحواس ہو کر تیمور علی خان کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ جہاں خالہ ہوں گی میں بھی وہیں رہوں گی"۔

ٹھیک ہے"۔ تیمور علی خان نے بڑے وقار سے اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹا دیئے۔

اضطراری حرکت پر ان کا کوئی ردعمل نہیں تھا۔ وہ اس کی کیفیت محسوس کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔

مطربہ۔ اپنا کام کرو"۔ یاور علی خان نے حکمیہ انداز میں کہا۔

کے چہرے کی رونق پلٹنے لگی۔

ساتھ جائے گی۔ یقین کریں جاگیردار صاحب آپ کو بڑی سہولت رہے گی۔ کیوں خود کو مشکلات میں ڈال

؟" بڑے مطمئن انداز میں دھمکی دی گئی۔

کیوں نہیں ہو۔ کیوں کھڑی ہوئی؟" یاور علی خان نے اسی انداز میں بیٹھے بیٹھے پیچھے کھڑی مطربہ کو برہم لہجے میں

نے یوں دوڑ لگائی جیسے گھوڑا ایڑھ لگانے پر دوڑتا ہے۔ دروازے کی چوکھٹ سے ٹکا ہوا عارف فوراً ایک طرف

تو بہت برا تصادم ہوتا۔

چند لمحے دم بخود سی کھڑی رہی۔ پھر ایک گہرا سانس لے کھینچ کر دونوں بھائیوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

...... اگر آپ کے پاس فالتو وقت ہے بیکار ضائع کرنے کیلئے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ انشاء اللہ پھر

انداز سے"۔ وہ پراسرار انداز میں مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

پیچھے چل پڑیں۔ انہیں خاتون سے بہت خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ خود کو سوال جواب کے قابل نہیں پا رہی

تمھیں

روپا دیوی کے سر پر تھال تھا اور مطربہ کے ہاتھ میں باسکٹ' دونوں کھلکھلاتی ہوئی بڑے پھاٹک کی طرف بڑھ رہی
نئی صبح کا تاثر ابھی قائم تھا۔

''پھول خان''۔ تیمور علی خان نے سنگی بینچ پر بیٹھے بیٹھے مالی کو آواز دی۔ وہ کھرپا درانتی پھینک کر دوڑا چلا آیا۔

''جی خان''۔

''دیکھو وہ کالے کپڑوں میں جو لڑکی ہے اسے بلاؤ''۔ انہوں نے کتاب گھٹنوں پر الٹ کر رکھ دی۔

''وہ تو زیتون بانو ہے سرکار''۔

''ہاں ہاں...... وہ جو کوئی بھی ہے بلاؤ''۔ وہ جھلائے۔ مالی دوڑتا ہوا ان دونوں کی طرف گیا اور انہیں روک کر تیمور علی
خان کی سمت متوجہ کیا۔

مطربہ نے ٹوکری وہیں رکھ دی۔ شاید وزنی تھی اور قدرے ڈرے ڈرے انداز میں ان کی طرف چلی آئی۔

''السلام علیکم خان!'' اس کی آواز سہمی ہوئی تھی۔

''ہوں...... کہاں جا رہی ہو؟'' انہوں نے اس کے سلام کا نوٹس نہیں لیا۔

''وہ جی...... ملکوں کے گھر جا رہے ہیں۔ کچھ کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ اماں جی بھجوا رہی ہیں وہاں''۔ اس نے
آہستہ آواز میں بتایا۔

''دماغ تو خراب نہیں ہے تمہارا؟ تمہاری عمر کی لڑکیاں اتنی احمق بھی نہیں ہوتیں۔ حویلی سے باہر قدم بھی نہ رکھو۔
کیا تم رات کا واقعہ بھول گئیں''۔

ان کے انداز میں بلا کی ناراضگی تھی۔

''نہیں جی...... وہ مگر''۔ وہ بوکھلا کر یکدم خاموش ہو گئی۔ خالہ کی ہدایات یاد آ گئی تھیں۔

''اٹھا کر لے جائے گی وہ عورت تمہیں۔ اگر تمہیں کوئی اعتراض نہیں تو سیدھے راستے سے اس کے ساتھ جاؤ۔
ہمارے لئے کیوں دردِ سر پیدا کرتی ہو؟''

وہ اسی آف موڈ میں بات کر رہے تھے۔

''میں کیوں جاؤں اس کے ساتھ۔ خالہ کہہ رہی تھیں وہ صحیح نہیں ہے''۔ اس نے اتنی سادگی اور معصومیت سے کہا کہ تیمور
علی خان کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

انہوں نے ایک اچٹتی سی نگاہ اپنے اطراف میں ڈالی پھر ایک لحظہ کو اس کی سمت نظر اٹھائی۔ مگر فوراً ہی واپس موڑ لی۔

''تمہیں پتا ہے یہ صحیح غلط کا کیا مطلب ہے''۔ ان کی حسِ لطیف میں تحریک ہوئی۔

''پوچھا تھا میں نے خالہ سے''۔

''کیا بتایا انہوں نے؟'' تیمور علی خان نے گھٹنے پر پڑی کتاب سیدھی کی۔

''پہلے اپنے ماتھے پر زور سے ہاتھ مارا پھر ایک دھول میری کمر پر جمائی اور بولیں۔ چل بھاگ کام کر اپنا''۔

تیمور علی خان کے ہونٹوں پر ملازمین نے بہت کم مسکراہٹ دیکھی تھی۔ مطربہ تو بدحواس ہی ہو گئی۔

''وہ عورت غیر نہیں ہے۔ ماں ہے تمہاری''۔ انہوں نے اس کا روشن چہرہ دیکھا۔

''نہیں خان...... ماں ایسی نہیں ہوتی۔ نانی کہتی ہیں کہ جب میں ڈھائی سال کی تھی تو گاؤں میں کوئی وبا پھیلی تھی اور
میں مرتے مرتے بچی تھی۔ نانی نے بتایا کوئی سواری نہیں تھی وہ مجھے اٹھا کر چھ کوس پیدل چلی تھی۔ اتنی دور تھا ڈاکٹر۔ اگر میں اس
دن مر جاتی تو...... نانی نے مجھے بہت پہلے سمجھا دیا تھا کہ زندگی میں کبھی کوئی عورت تیری ماں بن کر آئے تو کبھی اعتبار نہ کرنا۔
وہ نانی کی ہے۔ میں ہی تیری ماں ہوں۔ میں ہی تیرا باپ ہوں۔ بس...... سردار ماموں نے بھی مجھے یہی بتایا ہے کہ میرے
باپ نہیں ہیں جب میں چھوٹی تھی' بہت چھوٹی یہ عورت آتی تو نانی مجھے پڑوس میں بھیج دیتی تھی یا سردار ماموں کے ہاں''۔

''یہ سردار ماموں کون ہے؟'' گفتگو میں دوسری مرتبہ سردار ماموں کا تذکرہ آیا تو لامحالہ پوچھنا پڑا۔

''میں شروع سے ان کو سردار ماموں کہتی ہوں۔ ماموں ہی ہوں گے''۔ اس نے عجیب بے سروپا سا جواب دیا۔

''تمہیں اندازہ ہے کہ وہ تمہیں کیوں لینے آئی تھی؟'' انہوں نے خاصی دلچسپی سے اس کی شکل دیکھی۔

''نہیں...... میں تو خود حیران تھی کہ یہ مجھے کیوں لینے آئی ہے۔ شاید اس سے گھر کا کام نہیں ہوتا ہو گا''۔

کیا سادگی تھی تیمور علی خان نظریں نہ اٹھا سکے۔

''بہرحال نوٹ کر لو تم حویلی سے باہر خواہ کتنا ہی ضروری کام ہو نہیں جاؤ گی سن لیا؟''

''جی...... آپ نے تو جی اس کی باتوں کا بہت برا مانا ہو گا''۔ اس نے چوری چوری تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

ان جیسے ذہین آدمی کیلئے اس کی بات سمجھنا مشکل نہیں تھا۔ وہ کتاب کے صفحے پلٹنے لگے۔

''جاؤ روپا دیوی کو کہو اکیلی چلی جائے۔ وہ کھڑی ہوئی تمہارا انتظار کر رہی ہے''۔

انہوں نے واضح اشارا دیا کہ وہ اس موضوع پر اس سے اب کوئی بات نہیں کرنا چاہتے۔

وہ آہستگی سے پلٹ گئی۔ تیمور علی خان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں مگر وہ کتاب کی سطور نہیں اس کے دودھیا پاؤں دیکھ رہے
تھے۔

''بڑی ظالم ساس تھی میری۔ ہاتھ چھٹ بھی بہت تھی۔ جو چیز ہاتھ میں آتی کھینچ مارتی۔ چار بالشت کا گھونگھٹ کو میں بچہ
گود میں لے کر کھینچے رہتی۔ اب گھونگھٹ میں روتی بھی جا رہی ہوں۔ روٹیاں بھی پکاتی جا رہی ہوں۔ اور جو بہتی ناک سڑ سڑ کر جاتی
تو ساس نے بھی شروع کہ کون مر گیا ہے کس کو رو رہی ہے''۔

خانم بوا نے چاول پھٹکتے ہوئے سسرالی مظالم کا نقشہ کھینچا۔

''تو بہ...... ان دنوں جان بھی دینی ہوتی ہے۔ مرنا یاد نہیں رہتا لوگوں کو''۔ اماں جی نے تاسف کا اظہار کیا۔

"آپ لوگ تو بہت خوش قسمت ہیں کہ اماں جی جیسی عورت آپ کی ساس ہے"۔

خالہ سولہ آنے نے عالم تاب اور نازنین کو خوش قسمتی کا احساس دلایا۔

"ارے...... بہویں تو گھر کی رونق ہوتی ہیں۔ گھر کی بہار ہوتی ہیں۔ مجھے تو اپنی بہویں بہت پیاری ہیں۔ میں تو روشن آرا اور رئیسہ کو کہتی ہوں کہ تم دوسرے گھروں کی رونق ہو۔ میری تو بہویں ہی بیٹیاں بھی ہیں۔ یہ کچھ اور ہیں ... ریس کرنے کی ضرورت نہیں۔ انہیں تو جو کچھ کرنا ہے اسی گھر میں کرنا ہے۔ اللہ سے دعا کیا کرو۔ اللہ تمہارے ... ہری بھری رکھے"۔ اماں نے اپنے مخصوص سادہ انداز میں کہا۔

"اماں جی! میری امی بہت شفیق اور محبت والی ہیں۔ میں ان کے بغیر ایک دن نہیں رہتی تھی۔ مگر آپ نے تو مجھے سب بھلا دیا"۔ نازنین نے بہت محبت سے ساس کو دیکھا۔

"اللہ انہیں خوش رکھے۔ کتنی اچھی تمیز دی ہے تمہیں۔ بات کرتی ہو تو کلیجے میں ٹھنڈ پڑ جاتی ہے۔ وہ کیا کہتے ہیں ... مائی ویسی جائی"۔

اماں جی نے ہاتھ بڑھا کر نازنین کے سر پر پھیرا۔

"میں تو اپنی نوکرانیوں سے اونچی آواز میں بات کرنا پسند نہیں کرتی۔ بہویں تو اس گھر کی شان ہیں۔

"یہ عالم تاب اتنا کام کرتی ہے۔ بہت کہتی ہوں کیوں اپنی جان ہلکان کرتی ہے' بہویں کام کے لئے تو نہیں ... جب ذمے داری پڑتی ہے تو سب ہی اچھا برا کر لیتی ہیں۔ کام دھام کے پیچھے کیا فضیحتہ کرنا جس کا موقع لگے کر لے ... ہو تو سب کام نمٹ جاتے ہیں"۔

"توبہ اماں جی۔ میری ساس تو خالی بیٹھا دیکھ ہی نہیں سکتی تھی۔ بچے کو دودھ پلاتے پلاتے کبھی دو پہر ... مار کر اٹھاتی تھی۔ کہ حرام خور اٹھ۔ شام کینیئے آٹا پیس لے۔ خصم آئے گا تو کیا ریت پھانکے گا"۔

خالہ نے ایک اور زیادتی یاد کی۔

"اے ہے چچ چچ"۔ اماں جی کو تو بہت ہی دکھ ہوتا۔

"بچے والی عورت کی تو جان یوں بھی تھکی ہوئی ہوتی ہے۔ اللہ توبہ"۔

"بچہ بھی چلا گیا اللہ کے پاس۔ دادی کی کل کل کھا گئی اسے۔ پھر تو گود ہری ہی نہ ہوئی"۔ خالہ آواز بھرائی۔

"یہ بچے بھی تیرے ہیں سولہ آنے۔ آج تک تجھ سے نوکرانی سمجھ کر تو تڑاخ سے بات کی کسی نے؟" اماں ... بھرائی آواز پر تڑپ کر رہ گئیں۔

"اماں جی۔ آپ نے تو پیر کی جوتی کو سر پر بٹھایا ہے"۔ خالہ نے آنکھیں پونچھیں۔

"ہاں خالہ! ہمیں تو تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔ دو دن کو گاؤں کیا گئیں ہماری تو حویلی ہی سونی ہو گئی"۔ رئیسہ بیگم ... دھیان بٹایا۔

"یہ زیتون بانو نظر نہیں آئی صبح سے"۔ معاً عالم تاب کو دھیان آیا۔

"تم نے بھیجا ہے اسے روپا دیوی کے ساتھ ملکوں کے ہاں"۔ اماں جی نے جواب دیا۔

تبھی مطربہ اندر داخل ہوئی۔

"ہائیں؟ کچھ کہہ رہی تھی ملکانی؟" اماں جی نے پوچھا۔

"میں نہیں گئی' خان نے باہر جانے سے منع کر دیا ہے۔ روپا دیوی اکیلی گئی ہے"۔ مطربہ' خالہ کے مقابل بیٹھتے ہوئے منمناتے ہوئے بولی۔

"خان نے؟ کون سے خان نے؟" اماں جی متعجب ہوئیں۔

"تیمور خاناں نے"۔ اس نے بے نیازی سے کہا۔

"ہائیں...... کیوں؟" انہیں خاک سمجھ نہیں آئی۔

"وہ کہہ رہے تھے"۔

"ہاں...... ہاں ہر جگہ لونڈے لپاڑے کھڑے رہتے ہیں۔ اس لئے منع کر دیا ہوگا خان نے"۔

خالہ نے انتہائی حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ٹکڑا بھی لگایا اور چھاج اس کے گھٹنے پر زور سے رکھا گویا خاموش ہونے کی تنبیہ کی۔ مطربہ نے چونک کر خالہ کی شکل دیکھی اور چاولوں میں ہاتھ مارنے لگی۔

"تاؤ...... یہ تیمور کب سے اتنا ذمہ دار ہو گیا"۔ اماں جی کو جیسے بہت خوشی ہوئی تھی۔

"بہت پہنچے ہوئے ہیں۔ انگلستان میں رہتے ہیں اماں جی جو پوری دنیا کو غلام بنا کر بھی نہیں تھکے"۔ نازنین ہنس کر گویا ...

"واقعی یہ گورے تو بہت ہی ہوشیار ہوتے ہیں"۔ اماں جی نے تائید کی۔ مگر تیمور میں چالاکی والا کی نہیں بہت سیدھا ہے بچہ"۔

"سب ماؤں کو اپنے بچے سیدھے لگتے ہیں اماں جی"۔ رئیسہ بیگم شرارت سے بولیں۔

"لو...... تو تم نے کچھ دیکھا ہے اس میں۔ ایک کونہ لئے پڑا رہتا ہے۔ زیادہ ہوتی ہے تو ماں بہنوں بھاوجوں سے چھیڑ ..." اماں جی مذاق دل پر لے گئیں۔

"ہائے اماں جی ...... برا مان گئیں؟ آپ کا بیٹا ہے تو میرا بھائی ہے۔ بہنوں کو بھی اپنے بھائیوں میں کوئی برائی نظر نہیں ..." رئیسہ بیگم نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"مطربہ بتا کیسے ہیں تیمور خاناں"۔ رئیسہ بیگم یونہی پوچھ بیٹھیں۔

"مجھے تو جی ان سے بڑا ڈر لگتا ہے"۔ وہ بے ساختہ بولی۔

"... تو خوبصورت ہے میرا بھائی"۔ رئیسہ بیگم مصنوعی ناراضگی سے گویا ہوئیں۔

"کس کی تعریف ہو رہی ہے؟" تیمور علی خان کتابیں ہاتھ میں لئے ہال میں داخل ہوئے۔

"... بڑی عمر ہے"۔ عالم تاب مسکرائیں۔

''مگر اچھی ہونا چاہیے یعنی جیسی ہم چاہیں ورنہ کیا فائدہ لمبی عمر کا''۔ وہ ماں کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

''ماشاءاللہ..... اچھی ہی گزر رہی ہے۔ کفر نہیں بولتے بیٹے''۔ اماں جی نے شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''آخر ذکر خیر کس سلسلے میں ہو رہا تھا؟'' انہوں نے بہن کی سمت دیکھا۔

''ارے یونہی الٹی باتیں کرتی رہتی ہیں۔ ان کی بھلی چلائی۔ لو اس بچی سے پوچھ رہی ہیں جسے اور منی سمجھ رہی ہیں کہ تیمور کیسے ہیں؟'' اماں جی نے اپنے سیدھے پن میں ٹھیک..... رپورٹنگ کی۔

تیمور علی خان کی آنکھوں میں الجھن اور ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ تھی۔ انہوں نے سوالیہ نظروں سے رئیسہ بیگم کو دیکھا۔

''اور اس باؤلی کو بھی دیکھو سوال گندم جواب چنا۔ کہہ رہی تھی مجھے تیمور خاناں سے ڈر لگتا ہے۔ اب کوئی اس سے پوچھے کہ مارتا ہے تجھے؟'' اماں جی مزید گویا ہوئیں۔

مطربہ کے چہرے پر شرمندگی کا عکس جھلکنے لگا۔ وہ مزید تیزی سے چاولوں میں ہاتھ مارنے لگے۔ تیمور علی خان نے دوپٹے کے ہالے میں اس کا صبیح اور شرمندہ شرمندہ سا چہرا ایک لمحے کو دیکھا۔

''لیکن ہمارے کریکٹر سرٹیفکیٹ پر اتنی اہم اسٹیمپ لگانے کی ضرورت کس سلسلے میں پیش آئی''۔ ان کا انداز بڑی طرح پر اعتماد تھی۔

ارے ویسے ہی ہنسی مذاق ہو رہا تھا۔ ان لڑکیوں کی تو عادت ہی ہے اوٹ پٹانگ باتیں کرنے کی''۔ اماں جی نے نمٹ کو تاہ کرنے کا انداز اختیار کیا۔

''کیوں بھئی۔ تمہیں کیوں ڈر لگتا ہے ہم سے؟'' تیمور براہ راست مطربہ سے مخاطب ہوئے۔

وہ خاموش رہی مگر دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

''اب بتادے کیوں ڈر لگتا ہے؟'' خالہ نے بھی زور ڈالا۔

وہ چپ چاپ اپنا کام کرتی رہی۔

''ارے ہٹاؤ..... بچی ہے ویسے ہی کہہ دیا ہوگا۔ کیوں ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے غریب کے''۔ اماں جی کی پرسکون تکرار بوجھ بن رہی تھی۔

''نہیں نہیں اب تو بتانا ہی پڑے گا''۔ نازنین نے شرارت سے تیمور کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا پتا کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔ ہر وقت ہمیں لاجواب کرتے رہتے ہیں''۔ وہ ہنسی۔ ''ہاں بتاؤ نا''

''آپ سے زیادہ ہمیں اشتیاق ہو رہا ہے بھابی جان''۔ تیمور علی خان بھلا ہار ماننے والے تھے۔

مطربہ اسی طرح خاموش رہی۔

''نہیں بولے گی اب شرط لگالو''۔ عالم تاب گویا ہوئیں۔

''ابھی بلواتا ہوں۔ ایک ویک پوائنٹ ہے میرے پاس''۔ تیمور علی خان گردن موڑ کر بھاوج سے مخاطب ہوئے۔

''وہ..... کیا نام ہے تمہارا لڑکی؟'' وہ بڑی سنجیدگی سے مخاطب ہوئے۔

''آپ ''لڑکی'' ہی کہہ لیا کریں''۔ وہ گلوگیر آواز میں بول اٹھی۔

''ہال میں بے ساختہ قہقہے گونج اٹھے۔ تقریباً سب ہی نے تیمور کا یہ انداز دیکھ رکھا تھا۔ بس اماں جی اور خالہ نہ سمجھ سکیں اور حیرت سے سب کو دیکھنے لگیں کہ بھلا ہنسنے کی کیا بات ہے؟۔

''لائیے ہمارا انعام''۔ تیمور نے عالم تاب کے سامنے اپنا دایاں ہاتھ پھیلایا۔

''جی نہیں..... پہلے یہ پتا چلنا چاہیے کہ یہ تم سے خوفزدہ کیوں ہے؟'' وہ بھی اپنے نام کی ایک تھیں۔

''یہ چیلنج ہے بات بلوانے کی ہو رہی تھی۔ کیوں معزز خواتین؟''

''نہیں نہیں اصولی بات ہے بھابی بیگم ٹھیک کہہ رہی ہیں''۔ رئیسہ بیگم نے انصاف کا میزان سیٹ کیا۔

''چلیں یہ بھی کر لیتے ہیں۔ ہاں بھئی کیوں ڈرتی ہو ہم سے؟'' وہ اس سے مخاطب ہوئے۔

''آپ مالک ہیں جی اور مالکوں سے سب ہی ڈرتے ہیں''۔ وہ بلک بلک کر رو پڑی تھی۔

''یک تا پے کو تو سب ہی سناٹے میں رہ گئے۔

''حد ہوگئی۔ خوامخواہ بچی کو پریشان کر دیا۔ کیا کہتی ہے غریب؟'' اماں جی کو نہایت دکھ ہوا۔

''اسے ناحق ستانا کہتے ہیں''۔ وہ خفگی سے گویا ہوئیں۔ ''چپ کر جا بچی۔ چل اٹھ۔ جا شاباش۔ پانی پی جا کر۔ حد ہوگئی تم لوگوں سے بے ماں باپ کی بچی ہے۔ خیال کرنا چاہیے''۔ ان کا انداز ہنوز خفگی بھرا تھا۔

''آپ کو کس نے بتایا کہ بے ماں باپ کی ہے''۔ تیمور علی خان نے خالہ پر سرسری نگاہ ڈال کر ماں سے سوال کیا۔

''لو سیدھی سی بات ہے ماں باپ ہوتے تو سولہ آنے کے ساتھ کیوں بندھی ہوتی۔ کیوں سولہ آنے''۔ وہ تخت سے اترتے ہوئے بولیں۔

خالہ خاموش رہیں۔

''مطربہ آنسو پونچھتی ہوئی باہر نکل گئی۔

''اچھا بھئی ہم بھی چلتے ہیں''۔ تیمور اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''اماں جی ہم ایک رات کیلئے سرائے جا رہے ہیں وہاں سے دوستوں کے ساتھ شکار کر پروگرام ہے''۔

''بیٹے کیوں بے زبانوں کو خون میں نہلاتے ہو۔ جینے دو جب اللہ نے انہیں زندگی دی ہے۔ تمہیں کیا بھاری ہے۔ کیا کہہ رہے ہیں تمہیں''۔

رقیق القلب اماں جی نے بساط بھر دل نرمانے کی کوشش کی۔

''تیمور ہنس دیئے۔

''اماں جی! یہ جو عربی لوگ ہیں ناں۔ ایک کھیل کھیلتے ہیں جوئے سٹے کی طرح کا۔ اونٹوں پر انسانوں کے معصوم بچوں کو باندھ کر اونٹ بھگاتے ہیں۔ بچہ ڈر کر چیختا ہے تو اونٹ اور تیزی سے بھاگتا ہے۔ جس کا اونٹ سب سے آگے نکل جاتا ہے وہ

جیت جاتا ہے۔ اور جب اونٹ تیزی سے بھاگ رہے ہوتے ہیں تو بچے گر بھی جاتے ہیں۔ اور اونٹ بچوں کو روند دیتے
ہیں۔ معصوم بچے ہمیشہ کیلئے معذور ہو جاتے ہیں"۔

"ہائے میرے اللہ"۔ اماں جی سینے پر ہاتھ رکھ کر دوبارہ تخت پر بیٹھ گئیں۔

"کون ظالم اپنے بچے ان کو دیتے ہیں۔ کیا اندھیر ہے"۔

"دے گا کون؟ یہ الگ کاروبار ہے' بچے اغوا کر کے سمگل کر دیئے جاتے ہیں۔ بعض ملکوں میں اتنی غربت اور بھوک ہے
کہ ماں باپ خود اپنی اولاد کو بیچ دیتے ہیں"۔ تیمور نے مزید معلومات بہم پہنچائیں۔

"میں نہیں مانتی...... یہ اغوا والی بات تو خیر صحیح ہو سکتی ہے۔ مگر ماں باپ اپنی اولاد کو بیچ دیں توبہ کرو۔ اتنا اندھیر ہو گیا ہے"۔
اماں جی دہل کر رہ گئیں۔

"کیا واقعی تیمور؟" عالم تاب نے بھی دکھ اور تعجب کا اظہار کیا۔

"جی...... بھابی بیگم۔ یہ سب ہو رہا ہے"۔ انہوں نے یقین دلایا۔

"کیا قیامت ہے۔ لڑکیوں' بچوں کا دھیان رکھا کرو۔ اللہ اپنا کرم کرے سب پر"۔ اماں جی کو پوتوں' نواسوں اور
نواسیوں کی فکر پڑ گئی۔

"اچھا بیٹے! جب بچے معذور ہو جاتے ہیں تو پھر ان کا کیا کرتے ہیں"۔ اماں جی تو اپنے سب کام بھول بیٹھیں۔

"کیا کرتے ہوں گے یتیم خانوں میں ڈال دیتے ہوں"۔ تیمور کو افسوس ہونے لگا کہ ناحق ماں کے سامنے یہ بات کی۔

"اللہ کسی کو اولاد کا دکھ نہ دکھائے سب کی مامتا ٹھنڈی رکھے"۔ وہ ہاتھ پھیلا کر دعا کرنے لگیں۔

تیمور نے ماں کے ہاتھ تھام کر چوم لئے۔ "دنیا میں جتنی روشنی نظر آتی ہے' شاید ماؤں کی دعاؤں کی وجہ سے ہے"۔
اماں جی شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

....

"ماما...... مطربہ نظر نہیں آئی صبح سے"۔ تیمور نے اخبار سے نظریں ہٹا کر ماما بلی کی سمت دیکھا۔

"وہ تو چھوٹی دلہن اور بڑی بی بی جان کے ساتھ بازار گئی ہوئی ہے کوئی کام ہو تو میں حاضر ہوں"۔ ماما نے بڑی
ہوئے اپنی خدمات پیش کیں۔

"بازار گئی ہے۔ کب گئی تھیں یہ لوگ بازار؟" انہوں نے اخبار میز پر رکھ دیا اور فکر مندی سے گویا ہوئے۔

"دو تین گھنٹے۔ مائی گڈنیس۔ کیا خریدنے گئی ہیں ایسا؟ اور کون ڈرائیور ان کے ساتھ گیا ہے"۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جی...... یہ تو مجھے پتا نہیں"۔ ماما نے لاعلمی ظاہر کی۔

"موتی بازار گئی ہیں؟" وہ اضطراری انداز میں پوچھ رہے تھے۔

"شاید"۔ ماما اب پریشان ہو گئی۔

"اسے ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت تھی' اسے کیا خریدنا ہوتا ہے"۔ وہ جھنجھلا رہے تھے۔

"سامان ہی پکڑ لیتی ہے خان"۔ ماما کو ان کی کیفیت سے ڈر محسوس ہونے لگا۔

"اچھا جاؤ اور یاور بھائی سے گاڑی کی چابی لے کر آؤ"۔ وہ جھلا کر بولے۔

ماما نے انتہائی تعجب سے ان کی شکل دیکھی پھر کچھ بولے بنا باہر نکل گئی۔

تیمور کمرے میں ٹہلنے لگے۔

ماما جلدی واپس آ گئی تھی۔ اس نے چابی تیمور علی خان کو تھما دی۔ وہ بجلی کی تیزی سے باہر نکلے تھے۔

ماما بری طرح الجھ گئی تھی۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے؟

وہ اپنے کام میں ضرور مصروف تھی مگر ذہن بہت الجھ رہا تھا۔ کہ آخر مطربہ کے باہر جانے میں کیا قباحت ہے؟

اسی دم تینوں راہداری سے گزرتی نظر آئیں۔ مطربہ نے دونوں ہاتھوں میں سامان اٹھا رکھا تھا۔ وہ ہال کی طرف بڑھ
رہی تھیں۔ ماما تقریباً بھاگتی ہوئی ان کے قریب آئی۔

"بی بی جان...... وہ تیمور خان آپ کو راستے میں نہیں ملے؟"

تینوں کی تینوں اپنی جگہ ٹھٹک گئیں۔

"خیریت؟" رئیسہ پریشان ہو کر پوچھنے لگیں۔

"وہ آپ لوگوں کو لینے گئے ہیں شاید"۔ ماما نے جلدی سے کہا۔

"ہمیں لینے؟ مگر کیوں تم نے بتایا نہیں کہ ہم ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں گئے؟" نازنین نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہ جی انہیں پتا ہے"۔ ماما کی سمجھ میں خود نہیں آ رہا تھا کہ اپنی بات کس طرح سمجھائے۔

"بچ...... کیا ہو گیا ہے ماما۔ مسئلہ کیا ہے؟" رئیسہ بیگم زچ ہو گئیں۔

"وہ جی...... انہوں نے مطربہ کا پوچھا تھا۔ میں نے بتایا آپ کے ساتھ بازار گئی ہے تو غصہ کرنے لگے کہ اس کے جانے
کی کیا ضرورت تھی۔ پھر پوچھا۔ آپ لوگوں کو گئے ہوئے کتنی دیر ہوئی ہے۔ جب میں نے بتایا۔ دو تین گھنٹے ہو گئے تو مجھ سے
یاور خان کی گاڑی کی چابی منگوائی اور فوراً حویلی سے چلے گئے"۔ ماما نے تفصیل سے بتایا۔ وہ دونوں مطربہ کی شکل دیکھنے
لگیں۔

"تجھے کوئی کام کہہ رکھا تھا؟" رئیسہ بیگم کو بھائی کی نازک مزاجی کا دھیان آیا تو مطربہ سے پوچھنے لگیں۔

"نہیں جی۔ میں ان کے کسی کام میں دیر نہیں کرتی"۔ اسے کیونکہ احساس تھا کہ یہ سب کچھ کیوں ہوا اس لئے نظریں
جھکا کر آہستہ سے بولی۔

"پھر؟" نازنین اور رئیسہ بیگم دونوں الجھ گئیں۔

"تو ضرور اس کا کوئی اہم کام بھول گئی ہو گی"۔ رئیسہ بیگم کو اس کی یادداشت پر شک ہوا۔

"آپ قسم لے لیں۔ میں نے تو صبح سے انہیں دیکھا بھی نہیں"۔ وہ بری طرح گھبرا رہی تھی۔

"اچھا چل۔ ہال میں سامان تو رکھ۔ اور ذرا دماغ پر زور ڈال' ہو سکتا ہے کل رات کوئی کام کہا ہو"۔

رئیسہ بیگم کی سوئی ایک جگہ اٹک گئی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی بات ان کے دھیان میں نہیں آ رہی تھی۔

مطربہ آگے بڑھ گئی اسے دماغ پر زور ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اسے سب علم تھا کہ یہ سب کیوں ہوا ہے۔ بلکہ اسے خوف محسوس ہو رہا تھا کہ معلوم نہیں تیمور علی خاناں اس کے ساتھ کس طرح پیش آئینگے؟

اس نے سرخ مخمل کی چادر اور گاؤ تکیوں سے آراستہ تخت پر تھیلے پھینکنے کے انداز میں رکھے اور چادر اتار کر گولا بنا کر ایک طرف رکھ دیا اور پنکھا چلا کر پسینہ سکھانے لگی۔ گھبراہٹ بھی بہت تھی۔

تھوڑی دیر بعد گھر کی تقریباً تمام خواتین ہال میں چلی آئیں۔ کی ہوئی شاپنگ پر ابھی تبصرے باقی تھے۔

''مطربہ! ٹھنڈا پانی تو پلا۔ توبہ حلق میں کانٹے پڑ گئے''۔ رئیسہ بیگم ایک صوفے پر لیٹ گئیں۔ ''اور ماما سے کہنا چائے ذرا جلدی بنا لے''۔

وہ دوپٹا سنبھالتی باہر چلی گئی۔ راہداری میں اس نے ڈرے ڈرے انداز میں ادھر ادھر دیکھا اور جلدی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

فریج سے پانی کی بوتل نکالی اور دو تین گلاس ٹرے میں رکھے پھر ماما کی طرف پلٹی۔

''ماما! بی بی جان کہہ رہی ہیں کہ چائے ذرا جلدی بنا لو''۔

''تیرا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے؟ کیا تھک گئی؟'' ماما نے ہمدردی سے پوچھا۔

''ماما''۔ اس نے ماما کا سوال نظر انداز کر دیا۔

''ہوں؟'' ماما سر سے پاؤں تک متوجہ تھی۔

''کیا تیمور خاناں غصے میں تھے؟'' وہ دل سنبھالنے کے جتن کر رہی تھی۔

''تھے تو غصے میں۔ بات کیا ہے مطربہ! مجھے بتا دے، کسی سے نہیں کہوں گی''۔ ماما اس کے قریب چلی آئی۔

''کوئی بات نہیں ماما...... بس تم خالہ کو ذرا سمجھا دو کہ مجھے گاؤں بھجوا دیں۔ میرا دم گھٹنے لگا ہے حویلی ہیں۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ جیسے کوئی گناہ کر کے چھپتے پھر رہے ہیں''۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ وہ تیزی سے باہر نکل آئی۔

....

مغرب کی نماز کی وجہ سے حویلی میں ایک سکوت طاری تھا۔

وہ اماں جی کے کمرے میں چلی آئی۔ اماں جی ابھی نماز میں مصروف تھیں۔ وہ دروازے کے قریب بیٹھ کر ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

اماں جی نماز سے فارغ ہو کر طویل دعا میں مصروف ہو گئیں۔ وہ ان کے پہلو کی طرف آ کھڑی ہوئی۔

''اماں جی! آپ کے پاس تو سب ہی کچھ ہے آج دعا چھوٹی مانگ لیں''۔ اس سے رہا نہ گیا اور بول پڑی۔

اماں جی نے جلدی جلدی دعا پوری کی چہرے پر ہاتھ پھیرا اور نہایت حیرت کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

''کیا بات ہے؟''

''اماں جی...... مجھے ڈر لگ رہا ہے''۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

''کس سے؟'' وہ مزید حیران ہوئیں۔

''تیمور خاناں سے''۔ اس کی آواز میں بھی آنسوؤں کا اثر تھا۔

''آ...... ادھر بیٹھ میرے پاس''۔ اماں جی کے چہرے پر فکر مندی جھلکنے لگی۔

وہ قالین پر بیٹھ گئی ''آپ کی نماز کی جگہ ہے' میرا وضو نہیں ہے''۔ اس نے فاصلے پر بیٹھنے کی توجیح پیش کی۔

''کیوں ڈر لگ رہا ہے تجھے تیمور سے؟'' وہ بہت تشویش سے پوچھ رہی تھیں۔ اس کا حسین چہرہ انہیں ہولانے لگا۔

''وہ میں بی بی جان کے ساتھ بازار چلی گئی تھی''۔

''تو کیا ہوا اس سے پہلے بھی تو گئی تھی''۔ ان کا ذہن ادھر ادھر بھٹکنے لگا۔ کل بھی اس نے روپا دیوی کے ساتھ جانے سے منع کر دیا تھا۔ اس نے تو آج تک کسی کے آنے جانے پر پابندی نہیں لگائی۔ حتیٰ کہ کبھی دھیان بھی نہیں دیا' اس کی تو اپنی ایک دنیا ہے۔ وہ یکدم سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

''آپ کہہ دیں کہ آئندہ نہیں جاؤں گا میری توبہ''۔ وہ رو پڑی۔

''ہے ناں بے وقوف۔ کہہ دوں گی بھلا اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ پاگل تو نہیں ہے۔ کھا نہیں جائے گا تجھے۔ پر ہاں مجھے بھی تو پتا چلے کہ وہ تیرے باہر جانے پر غصہ کیوں کرنے لگا ہے''۔

ان کی تشویش بجا تھی۔ انتہائی لاپرواہ انسان ایک معمولی ملازمہ پر اتنی توجہ کیوں دے رہا ہے۔ کچھ تو بات ہے ورنہ اس کی بلا سے سارا گھر باہر کودنے لگے تو وہ نہ پوچھے۔

''آپ خود ہی پوچھ لینا اماں جی۔ میں تو آج آپ کے کمرے سے باہر نہیں جاؤں گی۔ یہیں پر ہی پڑی رہوں گی''۔

''خدانخواستہ بندوق تانے بیٹھا ہے تجھ پر پاگل کہیں کی''۔ وہ ناراض ہو گئیں۔

''اماں جی مجھے کسی کا غصہ بھی برداشت نہیں اور خان کا تو بالکل بھی نہیں۔ مجھے ہر کسی کے غصے سے ڈر لگتا ہے۔ اللہ کی قسم اماں جی''۔

''توبہ ہے زیتون بانو! رائی کا پہاڑ بنا رہی ہے۔ کہہ دوں گی میں اس سے کہ تجھ سے آرام سے بات کیا کرے۔ تیرا دل کمزور ہے۔ جا اب۔ شاباش کام کر''۔

وہ کیونکہ حقیقت حال سے بے خبر تھیں اس لئے نیازی فطری تھی۔

اسی دم ماما اندر داخل ہوئی۔

''تیمور خاناں بلا رہے ہیں تجھے''۔ وہ مطربہ سے مخاطب ہوئی۔

''اماں جی!'' اس نے بے چارگی سے ان کی طرف دیکھا۔

''تیمور کو یہیں بھیج دو ماما''۔ اماں جی اپنی نماز کی چوکی پر بیٹھ گئیں۔

مطربہ دبے پاؤں باہر نکلنے لگی۔

''تو کہاں چلی۔ ٹھہر ابھی۔ تیرے سامنے ہی پتا کروں گی سب کچھ۔ آخر مجھے بھی تو پتہ چلے کہ معاملہ کیا ہے
طویل فسانہ بن رہا ہے''۔ وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائیں۔

وہ دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہوگئی۔ چند منٹ گزرے کہ تیمور اندر داخل ہوئے۔

''کہاں ہے وہ مصیبت؟'' وہ تھکن کی وجہ سے شاید خاصے بدمزاج ہو رہے تھے اور شاید وقت کے زیاں پر بھی۔

''کیا بات ہے بیٹے! کیوں غصہ کر رہے ہو اس بے ماں باپ کی بچی پر۔ نوکر کو خود بھی پتا ہوتا ہے کہ وہ نوکر ہے
بار بار جتانا ہے کہ وہ نوکر ہے۔ جو کام وہ کرتا ہے۔ وہ کام ہی اسے یاد دلانے کو کافی ہے کہ تو نوکر ہے۔ اس حویلی میں
بھی خریدا ہوا نہیں ہے۔ ہمارے نوکر ہی پشتوں سے چلے آ رہے ہیں لوگ سمجھتے ہیں ہم نے خرید رکھے ہیں۔

تمہارے بابا صاحب برما سے دو لڑکیاں لائے تھے۔ مول۔ ایسی مورنی جیسی۔ گوری گوری چھوٹے چھوٹے
کی۔ میں نے تو تمہارے بابا صاحب کی جان کھالی۔ ایسی کبوتروں کی طرح سہمی ہوئی تھیں کہ میرا تو دل ہی دکھ گیا۔
بھیج دیا تھا میں نے تو۔ وہ غصے بھی ہوئے تھے کہ تمہاری خدمت کو لایا تھا۔ میں نے کہا میں نہیں لیتی زبردستی کی خدمت
میں مجھے کوسیں اوپر سے دکھاوے کو ٹھنڈا پانی پلائیں۔ مورچھل جھلائیں۔ نہ بابا۔

جس کا خدمت کرنے کو جی نہ چاہے۔ چلا جائے حویلی سے ہم روکیں گے نہیں۔ اگر اس کا کام میں دل نہیں لگا
سولہ آنے سے کہہ دوں گی واپس گاؤں چھوڑ آ۔ بس۔

بیٹے اگر اس سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو آئندہ نہیں ہوگی۔ اب تم میرے پاس بیٹھ کر ہنسی خوشی کی باتیں کرو۔ جا تو چائے
کر لے آ خان کیلئے''۔

اماں جی نے امن کی فاختہ کا رول یوں ادا کیا جیسے کوئی یاد کیا ہوا سبق سناتا ہے۔ کیونکہ وہ خود اونچی آوازوں اور بگڑے
ہوئے تیوروں سے گھبراتی تھیں۔ اس لئے بھی مستعدی قابل ذکر تھی۔

''اماں جی''۔ تیمور علی خان زچ سے ہوگئے۔

''جب آپ کو کچھ پتا ہی نہیں تو کیوں اس احمق اور گنوار کی حمایت کر رہی ہیں''۔

''ہاں تو پھر پتا کراؤ ناں مجھے؟'' وہ برا مان گئیں۔

''تمہیں ہم نے کہا تھا ناں کہ حویلی سے باہر قدم نہ نکالنا۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آتا؟''

وہ ماں کو جواب دینے کی بجائے اس سے مخاطب ہوئے۔

''میں اکیلی نہیں تھی خان۔ بی بی جان اور''۔

''شٹ اپ۔ جب تمہیں کہہ دیا تھا تم باہر نہیں جاؤ گی نہ اکیلی نہ کسی کے ساتھ۔ حویلی یہاں عزت کی علامت ہے
تماشہ ہوا تو گاؤں والے بابا صاحب کے بارے میں کیا سوچیں گے کہ وہ کن لوگوں سے تعلقات رکھتے ہیں۔
سے تم جہنم میں جاؤ مگر ہم تمہیں اپنے خاندان کیلئے مصیبت نہیں بنا سکتے''۔ وہ برہم ہوئے۔

''کیا بات ہے بیٹے! کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔ آخر معاملہ کیا ہے۔ خدانخواستہ کیا بات ہوئی ہے کہ عزت کا مسئلہ

خود سنبھال لوں گی''۔

تیمور کو غصے سے بھڑکتا دیکھ کر بے حد پریشان ہوگئیں۔

''جب خالہ اسے لائی تھیں آپ نے انٹرویو کیا تھا کہ یہ کون ہے؟ خالہ کی کیا لگتی ہے اس کے گھر والے کون ہیں کہاں

وہ ماں کی طرف پلٹے۔

''انٹرویو کیا کرنا تھا بیٹے! خالہ چودہ سال سے حویلی میں ہے۔ عزت دار بے گھر عورت ہے۔ آج تک کوئی ایسی ویسی
نہیں کی۔ محنت کر کے کھاتی ہے۔ خوشی خوشی خدمت کرتی ہے۔ محنتی ہے۔ اس سے بھلا کاہے کے سوال جواب کرتی''۔

اماں جی نے خاصی حیرت سے ان کی صورت دیکھی۔

''لیکن جب کوئی حویلی میں آئے آپ کو اس کا اتا پتا معلوم کرنا چاہیے''۔ تیمور نے اسی انداز میں کہا۔

''بس یہ اتا پتا بہت ہے کہ یہ سولہ آنے کی بھانجی ہے۔ اور سولہ آنے ایک بھلی دکھیا عورت ہے''۔ اماں جی نے سادگی
سے جواب دیا۔

''تم نے بچی کی کوئی غلطی دیکھی ہے؟'' معاً وہ چونک کر پوچھنے لگیں۔ تیمور خاموش رہے۔

''اماں جی! ہمیں اس سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ یہ بہت کم عمر اور بے وقوف ہے۔ اور کوئی بھی صحیح سوچ رکھنے والا
انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ زیادتی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ تو پھر اس حویلی کی ملازمہ ہے۔ اگر اس کے ساتھ زیادتی
ہوئی تو ہمیں بہت دکھ ہوگا''۔ وہ اتنا کہہ کر باہر چلے گئے۔

مطربہ کو تو یہ جملہ بڑی محنت کی کمائی لگا۔ یہاں وہاں رنگ برنگی آتش بازی چھوٹتی محسوس ہوئی۔
جن کا دھیان و خیال ہر آن رہتا ہو۔ ان کی خبر گیری کے انداز تھکن اتارنے کو کافی رہتے ہیں۔

''لو بتاؤ۔ الجھا کر رکھ دیا ہے مجھے۔ بیٹھی معمہ سیدھا کرتی رہوں۔ تو بتا اگر کوئی بات ہے''۔ سیدھی سادی اماں جی بہت
الجھ رہی تھیں۔

مطربہ نے نظریں اٹھا کر ان کی سمت دیکھا۔

''آپ خالہ سے پوچھ لینا اماں جی! مجھے تو خود بھی کچھ پتا نہیں''۔ وہ آہستگی سے بولی۔

''تیری بات تجھے نہیں پتا تو سولہ آنے کو خاک پتا ہوگی''۔ اماں جی جھلائیں۔

''آپ یقین کریں اماں جی انہی کو پتا ہے سب۔ بھیجوں انہیں آپ کے پاس؟'' وہ باہر کی طرف بڑھی۔

''ہاں...... ہاں...... بھیج دے۔ توبہ میرا تو سر دکھنے لگا ہے''۔ اماں جی نے سر تھام لیا۔

....

''آپ نے بلایا ہے اماں جی؟'' خالہ کمرے میں داخل ہوئیں۔

''ہاں...... آ سولہ آنے۔ بیٹھ''۔ اماں جی نے بھی نشست کا آرام دہ انداز اختیار کیا۔

''جی''۔ خالہ قالین پر بیٹھ کر اپنا پان کا بٹوا کھولنے لگیں۔

''سولہ آنے تو نے بتایا تھا اس بچی کے ماں باپ مر کھپ گئے؟'' اماں جی خالہ کو گہری نظروں سے دیکھنے لگیں۔
خالہ ایک دم ٹھٹک گئیں مگر نظریں نہیں اٹھائیں۔

''مرے ہوئے ہی سمجھ لیں۔ خیریت؟ آپ کو یہ کیا دھیان آیا''۔ ان کے لہجے میں فکرمندی کا تاثر تھا۔

''سیدھا سیدھا جواب دے سولہ...... کیا سمجھ لوں''۔ اماں جی کا تو ویسے ہی سر دکھنے لگا تھا۔ ناراضگی سے بولیں۔

''کوئی بات ہو گئی اماں جی؟'' خالہ کی آواز بہت دھیمی تھی۔

''مجھے تو نہیں پتا لیکن لگ رہا ہے کہ کوئی بات ہو گئی ہے۔ تیمور غصہ کر رہے تھے زیتون بانو پر' اور بار بار یہ کہہ رہے تھے کہ یہ گھر سے باہر نہیں جائیگی۔ کیوں کہہ رہے ہیں ایسا۔ تجھے ضرور پتا ہوگا''۔ اماں جی گویا ہوئیں۔

خالہ سر جھکائے سوچتی رہی۔ پھر گلا صاف کر کے بولیں۔

''اماں جی آپ کو تفصیل اس لئے نہیں بتائی تھی کہ بچی کو حویلی والے ذلیل نہ سمجھنے لگیں۔ وہ تو معلوم ہے بے قصور ہے''۔

''ہیں؟'' اماں جی گاؤ تکیے سے ٹکی ہوئی تھیں' چونک کر اٹھ بیٹھیں۔

''یہ میری سگی بھانجی نہیں ہے۔ مگر ہے بہت مظلوم۔ ہندوستان میں اس کی نانی کا گھر میرے میکے کے برابر تھا۔ رشتے داروں سے بڑھ کر سلوک تھا دونوں گھروں میں۔ پاکستان بنا تو ہجرت بھی ساتھ کی۔ پھر ایک ہی جگہ رہے۔ اس کی نانی انبالے کی نامی گرامی گانے والی تھی۔ مشتری انبالے والی کے نام سے سارے ہندوستان میں مشہور تھی۔

ایک سیدزادہ اس پر فدا ہو گیا۔ دلی کے رئیسوں میں سے ایک تھا اس کا گھرانہ۔ اس نے زیتون کی نانی سے چھپ کر شادی کر لی تھی اور کہا تھا کہ آہستہ آہستہ وہ راستہ بنا کر اپنے خاندان میں لے جائیگا اس سے شادی کے بعد مشتری انبالے والی نے دکان بڑھالی اور گمنامی میں چلی گئی تھی۔ مگر تھی بالا خانے میں ہی اپنی ماں کے پاس۔ بہت بھرتا تھا رئیس اس کی ماں کو تب ہی تو چپکی ہو بیٹھی۔

وہیں زیتون بانو کی ماں شہر بانو پیدا ہوئی۔ مشتری کی ماں' مانو آپ کی کتنی لالچی ہوتی ہیں یہ عورتیں اس کی تو یہ سوچ کر ہی روح فنا ہو رہی تھی کہ سیدزادہ مشتری کو جب اپنے ساتھ لے جائیگا تو حلوے مانڈے کیسے چلیں گے۔ مکارنے بچی چھپائی اور اس کے آدمی کو کہہ دیا کہ لونڈا پیدا ہوا تھا۔ مگر فوراً ہی مر گیا۔ آپ جانو اماں جی ان عورتوں کی چالاکیاں۔ کچھ عرصے بعد مشتری کو اس کا مرد لے گیا۔ مگر اس بدنصیب کو چار دن بھی خوشی دیکھنا نصیب نہیں ہوئی۔ اس کے مرد کو کسی نے دشمنی میں گولی مار دی۔ اس کے گھر والوں کو تو مشتری ایک سے لاکھ تک منظور نہیں تھی۔ اکلوتی اولاد کے سامنے جھک گئے تھے۔ جب بیٹا ہی نہ رہا تو وہ کیا لگتی۔ ان کی عدت بھی پوری کرنے نہیں دی کھڑے کھڑے دو کپڑوں میں نکال باہر کیا۔ یوں وہ ہمارے پڑوس میں آ آباد ہوئی۔ میرے ابا نے بہن کہہ دیا یوں ہم سب اسے پھوپھی کہنے لگے۔ محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتی رہی۔

ایک روز دلی میں اسے اپنے وہاں کا خواجہ سرا ٹکرا گیا۔ اس نے بھید کھول دیا پھوپھی پر کہ اس کے وہاں لونڈا نہیں لونڈیا ہوئی تھی اور وہ زندہ ہے اور تیری ماں اس کی ٹریننگ کر رہی ہے۔ پھوپھی کے تو چھکے چھوٹ گئے۔ اس نے سیدزادے کے سامنے حلف اٹھایا تھا کہ مر جائے گی مگر دوبارہ اس دنیا میں نہیں جائے گی۔ اب اس کی اولاد وہاں تھی۔ اس بے چاری کی تو دیکھو۔

ہوتی تھی۔ ایک دن ٹکٹ کٹا کر انبالہ پہنچی خوب فضیحتہ ہوا مگر وہ مکار بڑھیا بھلا اس کی چلنے دیتی بس اتنا مانی کہ آ کر مل لیا کر بیٹی سے اگر زیادہ اڑی کی تو ملنے بھی نہیں دوں گی۔ پھوپھی بے چاری اکیلی کمزور عورت اگر سسرال والوں سے بھی مدد مانگتی تو وہ اس کی بات کا اعتبار کرتے۔ گواہیاں دینے والا تو منوں مٹی تلے سو رہا تھا۔

بس تب بے چاری نے دل پر پتھر رکھ لیا تھا۔ مل کر آتی تھی تو دنوں روتی تھی میرے ماں باپ کے آگے۔ بس اتنی مہربانی کی اس ظالم نے کہ بچی سے ماں کو ماں ہی کہلوانے لگی۔ یوں شہر بانو اپنی ماں کو پہچاننے لگی۔

پھر ہم دونوں انبالے سے ہجرت کر کے سندھ میں آباد ہوئے تھے۔ پھوپھی پائی پائی جوڑتی تھی بیٹی سے ملنے کیلئے۔ بڑا ترس آتا تھا وقت سے پہلے ہی بہت بوڑھی لگنے لگی تھی۔ غربت اور پھر مستقل غم۔ بیوگی اور محبت کی شادی کی اولاد۔ اولاد تو اولاد شہر بانو تو پھر اس کے پیار کی نشانی تھی۔ اس نے بڑے جتن کئے کہ شہر بانو اس ماحول سے نکل آئے مگر کچھ نہ ہوا۔ پھر تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا۔ سندھ کے ایک وڈیرے کا دل شہر بانو پر آ گیا۔ چھپ کر نکاح کر لیا۔ مگر وہ شہر بانو کے بغیر نہیں تھا۔ کچھ شہر بانو کے اپنے مزاج کا بھی عمل دخل تھا۔ گاڑی چلی نہیں یہ واپس آ گئی اپنی نانی کے پاس۔ وہیں زیتون بانو پیدا ہوئی۔

پھوپھی ملنے گئی تو اس کی اپنی ماں کا آخری وقت چل رہا تھا۔ پھوپھی کہہ سن کر بچی کو میں پال لوں گی۔ اکیلے دل گھبراتا ہے زیتون بانو کو ساتھ لے آئی۔ شہر بانو کو کمزور اور اکیلی ماں سے خطرہ ہو سکتا تھا۔ اس کی تو جیسے جان چھوٹی' اسے تو بے فکری ہو گئی۔ جھٹ بچی ماں کے حوالے کر دی۔ سوچ رہی ہو گی کہ ماں پال پوس کر جوان کر دے گی تو وہ لا کر اسے دکان پر بٹھا دے گی۔

اب پھوپھی اتنی بھی سیدھی نہیں تھیں کہ اپنے طور پر کچھ سوچ ہی نہ سکیں۔ زیتون بانو ابھی بہت چھوٹی تھی کہ پھوپھی نے سوچ لیا تھا کہ جب یہ بڑی ہو جائے تو اسے حویلی لے جائیو اور وہیں اس کی شادی کر دیجیو۔ پھوپھی کو اس ماحول سے نفرت تھی۔ پھر گاؤں میں لوگوں نے اس کا بہت خیال رکھا تھا۔ گاؤں کے پٹواری کی بیوی معذور ہو گئی تو اس کی اولاد کو بھی پھوپھی نے پالا پوسا۔ انہوں نے پھوپھی کا بہت خیال رکھا۔ پٹواری کے تینوں بچے پھوپھی نے پالے۔ تینوں پھوپھی کو اپنی ماں سمجھتے ہیں۔ پھوپھی کہتے ہیں۔ ایک لڑکا ہے سردار وہی خیال رکھتا ہے۔ اب پھوپھی کا۔ اسی کو زیتون بانو سردار کہتی ہے۔ خیر سے بیوی بچوں والا ہے''۔

خالہ اب خاموش ہو گئیں۔

اماں جی جیسے سانس روکے سن رہی تھیں۔ خالہ کے چپ ہوتے ہی چونک گئیں۔

''تو گویا ..... اتنے بڑے باپ کی اولاد ہے زیتون بانو۔ کچھ پتا نہیں کون ہے وہ وڈیرہ؟'' اماں کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔

''اماں جی! جس کے ساتھ دو بول پڑھے تھے کبھی پلٹ کر اسے نہیں پوچھا۔ ایسے عیاش آدمی ادھر ادھر کی اپنی اولاد کو کہاں تلاشتے ہیں۔ آپ بھی بہت سیدھی ہیں''۔ خالہ نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے جواب دیا۔

’’تو کیا نکاح کے بعد اسے پتا نہیں چلا ہوگا کہ اس کی عورت کے کچھ ہونے والا ہے؟‘‘ اماں جی کو یہ نہ سمجھ میں نہیں آ رہا
تھا۔

’’اب کیا پتا ان کے چکروں کا۔ ایسا غیرت مند ہوتا تو بیاہ کر عورت کو اس ماحول میں چھوڑتا ہی کیوں؟‘‘ خالہ نے منہ
بنایا۔

’’ہے تو تو بہت سمجھ والی سولہ آنے‘‘۔ اماں جی نے خالہ کی نکتہ رسی کو بڑی فراخدلی سے سراہا۔

’’بتاؤ یہاں وہاں اپنی اولاد چھوڑتے پھرتے ہیں۔ کیسے مرے ہوئے ضمیر ہوتے ہیں لوگوں کے۔ تیمور بتا رہا تھا کہ ان ملکوں میں اتنی غربت ہے کہ لوگ پیٹ کی خاطر اپنی اولاد بیچ دیتے ہیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا مگر اب آ رہا ہے۔ یہ تو اللہ نے کلام میں بھی لکھا ہے کہ بعض لوگوں کے دلوں پر مہر لگی ہوتی ہے‘ اندھے بہرے کہتا ہے اللہ ایسے لوگوں کو۔

چچ......چچ......چچ...... بتاؤ بے قصور بچے۔ میرے بچوں کو بخار چڑھ جائے تو مجھے ساری رات نیند نہیں آتی۔ سورۂ حشر کی آخری چار آیتیں پڑھ کر اپنے بچوں پر دم نہ کروں تو چین نہیں آتا۔ میں تو دم کیے بغیر بچوں کو باہر نہیں نکلنے دیتی۔ بڑی آگ ہوتی ہے اولاد کی۔ کتنا مہنگا ہوتا ہے سہاگ کا جوڑا۔ اسے پہننے کے بعد عورت اپنے لئے کب رہتی ہے۔ ہائے کیسے کیسے لوگ ہیں دنیا میں۔ کس قدر حسین بچی اور کتنی بدنصیب‘‘۔ اماں جی کی جان کو ملال لگنے لگے۔

’’آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں اماں جی؟‘‘ خالہ نے دبے دبے لہجے میں کہا۔

’’کس بات پر؟‘‘ وہ حیران ہوئیں۔

’’زیتون بانو کے حویلی میں رہنے پر؟‘‘ خالہ نے ڈرتے ڈرتے ان کی طرف دیکھا۔

’’بھلی کہی۔ یہ تو میرے اونچے نصیب ہیں کہ کسی دکھیا بے آسرا کو میری چھت کے نیچے امان ہے۔ اللہ میرے بچوں کا بھلا کرائے۔ یہ توفیق خوش بختوں کو ملتی ہے۔

اس کی نانی کے نام کی روٹی بھی بھجوا دیا کر ہر جمعرات کو غریبوں میں۔ نیاز فاتحہ بھی دلایا کر اس کے نام کی۔ بڑی مجبور ہوتی ہیں یہ عورتیں۔ معلوم نہیں کیا کیا مجبوریاں ہوتی ہوں گی انہیں۔ تجھے پتا نہیں زمانے کا حال۔ کتوں کو صونے پر بٹھا کر کھلاتے ہیں۔ اور ان عورتوں کی چادریں خود اتارتے ہیں۔ اور پھر...... اب کیا کہوں سولہ آنے۔ بہت بری ہے دنیا۔ بچی میری اکیلی جان۔ اور اتنے دکھ۔ اور اچھا سن۔ یہ تیمور کو کیسے پتا چلا۔ تو نے بتایا تھا؟‘‘ اماں جی کو دھیان آیا۔

’’مجھے کیا ضرورت پڑی اماں جی۔ پرسوں آئی تھی وہ بدنصیب‘‘۔ خالہ نے بیزاری سے کہا۔

’’کون؟‘‘ اماں جی سمجھیں نہیں۔

’’وہی...... شہر بانو...... اس کی ماں‘‘۔ خالہ نے ناگوار تاثرات کے ساتھ بتایا۔

’’ہیں...... کب...... تو نے مجھے کیوں نہیں ملوایا‘‘۔

’’بس مجھے یہی خیال تھا کہ حقیقت کھلنے پر کہیں بے چاری دربدر نہ ہو جائے جو اسے اتنی توجہ اور محبت ملی ہے۔ جائے۔ اب بھی اماں جی آپ سے یہی درخواست ہے حویلی میں اور کسی کو نہیں بتائیے گا‘‘۔

’’مجھے کیا بتانے کی پڑی ہے۔ اتنا پرانا ساتھ ہے میرا تیرا‘ اب بھی نہیں سمجھتی مجھے۔ مگر یہ تو بتا کیوں آئی تھی وہ‘‘ اماں جی نے تعجب سے سوال کیا۔

’’بن ٹھن کر بچی کو لینے آئی تھی۔ عمر ڈھل رہی ہے‘ پورا نہیں پڑ رہا ہوگا‘‘۔ وہ جل کر بولیں۔

’’توبہ استغفار...... کیسی پھول جیسی معصوم بچی ہے۔ کتنی پتھر ہوتی ہیں عورتیں۔ پھر کیا ہوا‘‘۔

’’تیمور خاناں اور یاور خاناں نے صفا جواب دے دیا کہ ہماری ملازمہ ہے ہماری مرضی کے بغیر کہیں نہیں جا سکتی‘‘۔

’’یاور بھی ملا تھا اس عورت سے؟‘‘ اماں جی چونکیں۔

’’جی...... دونوں بھائیوں نے بات کی تھی‘‘۔ خالہ نے جواب دیا۔

’’اچھا پھر؟‘‘

’’پھر کیا...... دھمکی دینے لگی۔ غصہ دکھانے لگی۔ تب یاور خاناں نے کہا کہ زیتون بانو کو بلوا کر پوچھ لو جانا چاہتی ہے یا نہیں‘‘۔

’’لو بتاؤ...... اسے بیچ میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو بے عقل ہے جو ساتھ چل پڑتی۔ تو مجھ سے کچھ نہ چھپایا کر سولہ آنے‘‘۔ اماں جی کو غصہ آ گیا‘ ’’پھر بتا کیا کہا زیتون بانو نے؟‘‘

’’اس نے انکار کر دیا۔ بولی میں تو اس عورت کو نہیں جانتی‘‘۔

’’شکر خدا کا‘‘۔

’’پھر کچھ نہیں بولی اس کی ماں؟‘‘

’’دھمکی دے کر چلی گئی بولتی کیا‘‘۔ خالہ نے کہا۔

’’اچھا تب ہی تیمور ایسے کر رہا ہے۔ ٹھیک ہی کر رہا ہے۔ کیا بھروسا ایسے لوگوں کا۔ کیوں......؟‘‘ اماں جی نے کہا۔

’’جی...... ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ...... میری تو اس دن سے نیندیں ہی اڑ گئی‘‘۔ خالہ فکرمندی سے بولیں۔

’’تجھے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ مالک ہے‘ یہ بہت اچھا ہوا کہ دونوں بھائیوں کو یہ سارا قصہ پتا لگ گیا۔ تیرے منہ سے مجھے پتا لگ جاتا تو اس عورت کا دماغ اسی وقت ٹھیک کر کے رکھ دیتے۔ چل شکر ہے اللہ نے کرم کیا۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ جا تو اپنا کام کر‘‘۔ وہ مطمئن اور پرسکون ہو گئیں۔ خالہ فوراً اٹھ کر چل پڑیں۔

......

زندگی رواں دواں ہو گئی تھی خوب رونق ہو رہی تھی۔ سب باغ میں ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ یاور علی خان کسی ضروری کام سے پشاور گئے ہوئے تھے۔ نازنین گاہے گاہے باغ میں بھی آ موجود ہوتیں پھر واپس اپنے کمرے میں چلی جاتیں کہ یاور علی خان تیار ہو

"اماں جی ٹھیک نہیں کہتی تھیں۔ کہتے ہیں ہیر۔ تمہاری ایک ایک حرکت سے ظاہر ہے کہ خوش ہو... بگڑتی تھیں"۔

رئیسہ بیگم نے بہت ہی پیار سے رائل بلیو ریشمی شلوار... دوپٹے میں ملبوس کھلکھلاتی ترئین کو دیکھا۔

"شروع میں تو سب ہی اچھے ہوتے ہیں"۔ ترئین ہنسیں۔

"پھر وہی بدشگونی کی باتیں"۔ اماں جی نے ...

"جب خوش ہوتے ہیں تو بس خوش ہوتے ہیں۔ اتنا پیچھے نہیں سوچتے"۔ نازنین نے ترئین کی جھمکیوں کے ... درست کرتے ہوئے ان کے رخسار پہ چٹکی بھری۔

"چھوٹی بھابی کو دیکھ کر تو فرشتے دنیا کے بارے میں "سب اچھا ہے" کی رپورٹ لکھتے ہوں گے"۔ ترئین نے شرارت سے کہا۔

"اماں جی! آج آپ نے ہمارے لئے کیا پکوایا ہے۔ وہاں سسرال میں تو مارے تکلیف کے بھوکے مر رہے ہیں"۔

"ہے ناں ناشکری۔ کیوں کرتی ہے تکلف۔ تیرا گھر ہے وہ"۔

"ہائے اماں جی اتنے مہمان رکے ہوئے تھے وہاں کہ بس۔ مجھ سے نہیں کھایا جاتا نئے لوگوں کے ساتھ کھانا وانا"۔

"جب اندر سب اچھا ہو تو باہر بھی سب اچھا نظر آتا ہے"۔ نازنین نے شوخی سے انہیں چھیڑا۔

"دعا دیں میرے بھائی کو۔ مہینوں میں عالم فاضل بنا دیا ہے آپ کو"۔ ترئین نے بھی جوابی کارروائی کی۔ نازنین کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھر گئے۔

"کون سے والے بھائی کی بات کر رہی ہیں آپ؟" تیمور ان سب کو ڈھونڈتے ہوئے وہیں آ گئے تھے۔

"جن کا یہ سامان ہیں، ظاہر ہے انہی کی بات کریں گے۔ تمہارا کارنامہ دیکھنے کا اشتیاق ضرور ہے مگر ابھی اس ... ہیں"۔ ترئین کھلکھلائیں۔

"نہیں، آپ حکم کریں تو ابھی یعنی جلدی دکھا دیتے ہیں کارنامہ"۔ وہ بڑی سعادت مندی سے گویا ہوئے۔

"جی نہیں...... ہمارے ہاں جوتیاں گھس کر دلہن لانے کا رواج ہے۔ آپ روایات توڑ کر انقلابی بننے کی کوشش نہ کریں"۔

"بعض اوقات انقلاب بہت ضروری ہوتے ہیں آپا؟" تیمور نے مصنوعی سنجیدگی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ "وا" لالائے تو بہت برا ہوگا"۔ رئیسہ بیگم نے دھمکی دی۔

"آپ لوگوں کو نئے نویلے جوتوں سینڈلوں کا اتنا ہی شوق ہے تو فکرمند نہ ہوں اپنا اپنا ناپ دے دیجئے گا۔ انگلش جوتے سینڈلیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔ وہاں سے بھجوا دیں گے"۔

"اماں جی...... ماما پوچھ رہی ہیں کھانا لگا دوں"۔ مطربہ، تیمور کی پشت کی طرف کھڑی اماں جی سے مخاطب تھی۔

"مردانے میں لگوا دو۔ ابھی تو لڑکیاں ہنسی مذاق کر رہی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد لگا دینا۔ روپا دیوی کو ساتھ لگا لو کیوں ... بانان ہو رہی ہو"۔

"اماں جی...... مجھے تو گڑبڑ کی بو آ رہی ہے۔ بس آپ تیمور کا نکاح فوراً پڑھوا دیں۔ باندھ دیں جلدی سے۔ اس سے پہلے ... لال پیلا نیلا ہرا انقلاب لے آئیں"۔ نازنین نے ساس کو مشورہ دیا۔

"اور جو پھپھا سفید آ گیا تو مسئلہ ہو جائے گا۔ اماں جی کو اس عمر میں انگلش سیکھنا پڑے گی۔ کیونکہ ہماری اماں جی اشارے ... میں باتیں کرنا ویسے بھی پسند نہیں کرتیں"۔ ترئین زور سے ہنسیں۔

"ارے آگ لگے اس انگریزی کو، اتنی مشکل سے تو جان چھوٹی ہے میری۔ شادی سے پہلے میرے باپ کے پاس جب ہوتی انگریزوں کی۔ گولے کی طرح لگتی ہے میرے دماغ پر"۔ اماں جی بے زاری سے بولیں۔

"جب ہی تو کہہ رہے ہیں اس مرتبہ باندھ کر بھیجیں"۔

"چلو تو تم لوگ بتا دو۔ کیسے بھاوج بنائیں تمہاری۔ خاندان ملنے جلنے والے سب ہی کی لڑکیاں دیکھ رکھی ہیں تم بہنوں نے"۔ اماں جی نے مسکرا کر گویا شرارت میں بیٹیوں، بہوؤں کا ساتھ دیا۔

"جاؤ بیٹے مردانے میں۔ کھانا لگ رہا ہے، پہلے کھانا کھا لو"۔ اماں جی نے کہا۔

"بھوک نہیں ہے۔ ویسے بھی ہم پر سفر سوار ہے۔ ایک گھنٹے بعد ہم سرائے روانہ ہو جائیں گے"۔

"اس اندھیرے اتنی دور کا سفر کرو گے۔ عجیب کام دھندے ہیں تمہارے بھی"۔

"اماں جی! کراچی سے ٹیلی فون آیا ہے"۔ مطربہ پھر آ گئی تھی۔

"کس کا...... کون سے ٹیلی فون پر۔ پوچھا تھا تو نے"۔ اماں جی کھڑی ہو گئیں۔

"تیمور خاناں کے کوئی دوست ہیں"۔ وہ آہستگی سے بولی۔

"پاگل ہی ہے بالکل۔ مجھ سے باتیں کرے گا تیرے خان کا دوست؟" اماں جی ماتھے پر ہاتھ مار کر دوبارہ بیٹھ گئیں۔

"اسے تیمور سے ڈر لگتا ہے ناں، اس لئے آپ کی لائن پر بات ہو رہی ہے"۔ ترئین ہنسیں۔

تیمور جھلا کر تقریباً پاؤں پٹختے اندر کی سمت بڑھے تھے۔ مطربہ ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی۔

اسی دم بڑے پھاٹک پر تڑتڑ گولیاں چلنے کی آواز آئی۔ تیمور علی خان جو مطربہ کو اپنے پیچھے آتا محسوس کر چکے تھے۔ ایک دم تیزی سے پلٹے۔

"اندر بھاگ جاؤ لڑکی!"

☆......☆......☆......☆......☆......☆

مطربہ تو گویا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی۔

باغ میں بیٹھی ہوئی دیگر خواتین میں بھی کھلبلی مچ گئی۔ وہ اسی طرف حویلی کے پچھلے حصے کی طرف دوڑ گئیں۔ ربیعہ بیگم نے اماں جی کا بازو تھام رکھا تھا۔ دلوں میں گویا پنکھے لگے ہوئے تھے۔ اماں جی بلند آواز سے آیۃ الکرسی کا ورد کرتی جا رہی تھیں۔

"ارے یہ تیمور بڑا نشانے باز بنتا ہے۔ کہیں پھاٹک کی طرف نہ چلا گیا ہو۔ مار کون سی فوج آ گئی۔ اللہ رحم کرے"۔ اماں جی کو یک دم تیمور علی خان کا دھیان آیا۔

"اب اتنے بھی احمق نہیں ہیں تیمور...... اماں جی' کیا ہوائی پستول چلائینگے؟ کون سا ہر دم اپنے ساتھ ہتھیار لئے ہوئے ہیں"۔ نازنین نے حواس پر قابو پا کر ساس کو تسلی دی۔

"ارے اس کا کوئی بھروسا نہیں۔ آگے پیچھے نہیں دیکھتا"۔ اماں جی کی پریشانی کم نہیں ہوئی۔

"آپ اندر تو چلیں"۔ تزئین جھلائیں۔

دوسری طرف تیمور علی خان اندر سے گن لے کر واپس بھی آ چکے تھے اور تیزی سے پھاٹک کی طرف بڑھے تھے۔ چوکیدار اندھا دھند فائرنگ کر رہا تھا۔ جب کہ اس کے بائیں بازو سے گاڑھا گاڑھا سرخ خون دور ہی سے بہتا نظر آ رہا تھا۔

"خان! آپ اندر چلو...... ام نپٹ لے گا۔ صرف دو ہیں......"۔ چوکیدار نے اذیت پر قابو پاتے ہوئے تیمور علی خان کو مخاطب کیا۔

"تمہارا بازو زخمی ہے۔ تم اندر جاؤ۔ ہم دیکھتے ہیں"۔ تیمور علی خان کا انداز قطعی تھا۔

"اسی دم ایک گولی شعلے کی صورت ان کی طرف آئی۔ صرف ایک لمحے کی بات تھی۔ اگر تیمور تیزی سے ایک طرف نہ ہو گئے ہوتے تو کنپٹی پھاڑتی نکل جاتی۔

"خان...... اللہ کا واسطہ آپ اندر جاؤ۔ بڑا خان ام کو گولی مار دے گا' اگر آپ کو کچھ ہو گیا"۔ چوکیدار نے منت کی۔

"ویسے کچھ نہیں ہو گا مگر اس بحث میں کچھ نہ کچھ ہو جائے گا"۔ تیمور علی خان چڑ کر گویا ہوئے۔

"ام ڈیوٹی (ڈیوٹی) پر ہے خان"۔ چوکیدار کو حملہ آوروں سے زیادہ "بڑے خان" کا خوف تھا۔

اسی دم بابا صاحب اپنی نئی گن کے ساتھ باہر آتے نظر آئے۔ ساتھ ہی باہر سے فائرنگ پھر شروع ہو گئی۔

"تیمور! ہٹو ادھر سے"۔ بابا صاحب کی گرج دار آواز سنائی دی۔

"کاکا جان...... خون"۔ گلو گلابی فراک پہنے' فرش پر گیند مارتی' اچھلتی کودتی برآمدے میں آئی تھی' چوکیدار کے بازو سے بہتا خون دیکھ کر ایک دم ڈر کر چیخی۔

ایک لمحے کو تو تیمور علی خان کی تمام اعصابی قوت ایک دم ہوا ہو گئی ایک طرف بابا صاحب کا حکم' دوسری طرف چوکیدار اور پھر گلو کی چیخ۔

"بابا صاحب...... پلیز آپ گلو کو اندر لے جائیں......" اس وقت سب سے پریشان کن مرحلہ بچی کی وجہ سے آیا تھا اور بس اتنی سی دیر میں۔

چوکیدار ایک دیو کی گرفت میں آ چکا تھا۔

"ٹھک"...... گولی چلی تھی اور گن تیمور علی خان کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ نشانے پر تیمور علی خان نہیں بلکہ ان کی گن تھی اور مقصد انہیں نہتا کرنا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ سنبھلتے' دو فولادی بازو انہیں جکڑ چکے تھے۔ چوکیدار کا اندازہ غلط تھا۔ وہ دو نہیں چار تھے۔ دو نے پھاٹک پر مورچہ سنبھال رکھا تھا اور وہ تیمور علی خان اور چوکیدار کو گرفت میں لئے ہوئے تھے۔

بابا صاحب نے گلو کو اندر دھکیلا تھا' بس اتنی مہلت حملہ آوروں کیلئے کافی تھی۔

"گولی چلانے سے پہلے اتنا ضرور سوچ لینا خان۔ چھوٹا خان ہمارے نشانے پر ہے...... ادھر تم گولی چلاؤ اور ام چلائے گا"۔ پھاٹک پر کھڑے ہوئے دیو قامت "انسان نما" نے دھمکی دی۔

"کون ہو تم لوگ؟۔ کیا ارادہ ہے تمہارا؟ ہماری کسی سے دشمنی نہیں"۔

بابا صاحب کا ایک پاؤں برآمدے کی پہلی سیڑھی پر اور دوسرا دوسری سیڑھی پر تھا۔ انہوں نے فکرمندی سے تیمور علی خان کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہمارے پاس سوال جواب کا ٹیم نہیں ہے خان۔ لڑکی امارے حوالے کر کے اپنا بیٹا زندہ سلامت اندر لے جاؤ"۔ ان میں سے ایک نے ترشی سے کہا۔

"لڑکی......کون لڑکی"۔ اتنے اونچے شملے والوں کے ہاں سے اتنی کھلم کھلا لڑکی کی طلب......ایک لمحے کو تو ان کے پسینہ آ گیا۔

"زیتون بانو......شہر بانو کی لڑکی......"۔ فوراً جواب آیا۔

"کیا بک رہے ہیں یہ لوگ تیمور؟" بابا صاحب گرجے۔ (اس قدر فتنہ انگیز ہے اس لڑکی کا حسن؟)

"وہ ہماری نوکرانی ہے تمہیں اس سے مطلب؟" وہ اپنی الجھن پر قابو پا کر بڑے دبنگ انداز میں گویا ہوئے۔

"جاستی (زیادتی) کرتا ہے تم اس کے ساتھ......اس کی ماں کا چار کوٹھی اے......وہ مالکن اے امارا......دیر مخیں کرو ہم مجاخ (مذاق) مخیں اے تمہارے ساتھ امارا"۔

"دو منٹ میں لڑکی کو باہر لاؤ ورنہ خان کو گولی لگے گا"۔ پھاٹک پر کھڑا بدہیبت دیو غرایا۔

"کیا بک رہے ہیں یہ لوگ تیمور؟" بابا صاحب غضب ناک ہوئے۔

"زیتون بانو کو لینے آئے ہیں"۔ تیمور علی خان نے پرسکون انداز میں جواب دیا۔

"مگر یوں؟" ان کی مجال کیسے ہوئی کہ وہ حویلی کی کسی لڑکی کا نام اپنی زبان پر لائیں۔ خواہ وہ ہماری اولاد ہو یا [illegible]......دونوں حویلی کی عزت ہیں"۔

بابا صاحب منہ سے جھاگ اڑانے لگے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فائر کر دیں۔

"دیر نہیں کرو خان......ٹیم نہیں ہے"۔ ایک غنڈے نے خشونت بھرے انداز میں کہا۔

"بابا صاحب......نہیں......آپ اسے باہر نہیں لائیں گے"۔ تیمور علی خان بلا کے نڈر ثابت ہو رہے تھے۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ ام اڑتالیس گھنٹے دیتا اے۔ خان کو ساتھ لے جا رہا اے......لڑکی کو اس کے گھر پہنچا دو......ام اُدھا سے لے جائینگے۔ ابھی خون خرابہ کرنے کا آرڈر نہیں ہے۔ اگر دو دن میں لڑکی نہیں پہنچا تو ام بڑی عزت کے ساتھ خان کا لاش ادر چوڑ جائینگے۔ اب کچھ بولنے کا نہیں۔ چلو خان"۔

ان میں سے ایک نے اپنی بات مکمل کر کے تیمور علی خان کو آگے دھکیلا۔

مطربہ ہال کمرے کی کھڑکی سے ناک لگائے باہر کی کارروائی بغور دیکھ رہی تھی اور تھر تھر کانپ رہی تھی۔ گمان بھی غالب تھا کہ بس بابا صاحب اب بلوانے ہی والے ہیں۔

مگر باہر کا بدلتا منظر دیکھ کر جانے کیا ہوا۔ باہر کی جانب سرپٹ دوڑی۔

"رکو......رکو......ٹھہرو۔ خان کو چھوڑ دو......میں چل رہی ہوں تمہارے ساتھ"۔

بابا صاحب کیلئے یہ اچانک افتاد تھی۔ وہ سنبھلنے بھی نہ پائے کہ وہ پھاٹک پر پہنچ گئی۔ اس سے قبل کہ وہ کوئی اگلا قدم اٹھاتے وہ دو عدد غنڈوں کی گرفت میں تھی۔

جب تک جیپ اسٹارٹ نہیں ہو گئی انہوں نے تیمور علی خان کو نہیں چھوڑا۔ بابا صاحب گن اٹھانے کے باوجود کچھ نہ کر سکے۔ جیپ دھیرے سے آگے بڑھی۔ دونوں غنڈے تیمور علی خان کو چھوڑ کر چلتی جیپ میں کود گئے۔

تیمور علی خان ہونٹ کاٹتے ہوئے دھول اڑاتی جیپ کو دیکھنے لگے مگر پھر شکستہ قدموں سے باپ کی سمت بڑھے جو [illegible] ہو نے لئے اس کی کوٹھڑی کی طرف جا رہے تھے۔ بے چارے چوکیدار کا خون بہت بہہ گیا تھا۔

بابا صاحب کو تنی حیرت اور دلچسپی سہی اس واقعے سے مگر چوکیدار کی جان بچانے کے عمل سے زیادہ اہم تو اب کچھ بھی [illegible]

[illegible] شکار کھیلنے والے اس طرح کے معاملات بہت آسانی سے ڈیل کر لیتے ہیں۔ اس لئے دونوں باپ بیٹے وسواس و [illegible] کا شکار تو نہیں تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے، کس طرح بہتا خون روکنا ہے۔

"خان......اس بے وقوف کا بچی نے سارا محنت ای بے کار کر دیا"۔ چوکیدار نے تکلیف پر قابو پاتے ہوئے جیسے بہت [illegible] سوچ کر کہا تھا۔

وہ دونوں خاموش رہے جیسے انہوں نے کہا سنا ہی نہیں۔

....

خواتین اندر آیات کا ورد کر رہی تھیں۔

"یا اللہ......کیسی ناگہانی ہے......پتا تو کراؤ کہ تیمور اور تمہارے بابا صاحب کہاں ہیں؟ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ بتاؤ [illegible] فصل کٹ رہی ہے، حویلی کے سارے نوکر آج کل زمینوں پر ہوتے ہیں۔ گھر پر تو صرف تیمور۔ اور تمہارے بابا صاحب [illegible] تھے۔ ظہیر اور بصیر تو شہر کی طرف گئے ہوئے ہیں"۔

اماں جی کے دل میں تو جیسے پنکھے لگے ہوئے تھے۔

"تو آپ مردانے میں کھانا کس کیلئے لگانے کو کہہ رہی تھیں؟" نازنین نے پوچھا۔

"تمہارے بابا صاحب تو وقت پر کھاتے ہیں ظہیر اور بصیر بھی کہہ کر گئے تھے کہ وہ کھانے کے وقت تک واپس آ جائینگے۔ [illegible] تیمور بھی سرائے جا رہا تھا اس لئے کہہ رہی تھی"۔

اسی دم ماما ملی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کا چہرا ستا ہوا تھا۔

"اماں جی......بابا صاحب آپ کو اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں"۔ اس نے پیغام دیا۔

"تیمور کہاں ہے؟" انہوں نے پیغام نظر انداز کر کے پہلی فرصت میں بیٹے کی بابت دریافت کیا۔

"خان بھی وہیں ہیں"۔ ماما نے جواب دیا۔

"اماں جی......آپ جائیں ناں۔ پتا نہیں بابا صاحب نے آپ کو کیوں بلایا ہے؟"

"[illegible]" کے فوراً بعد اماں جی کی طلبی بڑی معنی خیز تھی۔ فطری طور پر سب ہی کو تجسس تھا کہ اب سے کچھ دیر پیشتر ہونے [illegible] کا بھید کیا ہے؟

"خیریت تو ہے ناں ماما......؟" اماں جی کی چھٹی حس جیسے چارج ہو چکی تھی۔

"[illegible] ابھی تک نہیں آئی پٹوارن کے ہاں سے؟" انہوں نے ماما کے ساتھ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں' ابھی نہیں آئی''۔ ماما نے اسی سابقہ انداز میں جواب دیا۔

''بتاؤ...... اندھیرا ہوگیا' اس کی باتیں ختم نہیں ہوتیں...... ماما! تجھے پتا چلا کہ گولیاں کون چلا رہا تھا؟''

''پتا نہیں اماں جی''۔ ماما کا جواب مصلحت آمیز تھا۔

''توبہ...... میری تو جان نکل گئی۔ سیدھی سی بات ہے' مجھے اپنے بچے کی فکر مار رہی تھی کہ مارے جوش کے کہیں کچھ کر نہ بیٹھا ہو۔ شکر ہے میرے رب کا۔ میرا بچہ محفوظ ہے۔ یا اللہ کل کی خیر ہو''۔ وہ دعائیں مانگتے ہوئے باباصاحب کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

''آؤ رئیسہ کی ماں''۔ باباصاحب گاؤ تکیے سے لگ کر بیٹھ گئے۔

''خیریت تو ہے''۔ اماں جی نے پرتشویش نظروں سے باری باری باپ بیٹے کی طرف دیکھا۔

''یہ کون گولیاں چلا رہا تھا۔ میرے تو ہاں پیر ابھی تک ٹھنڈے پڑے ہیں''۔

اماں جی تیمور کے پہلو میں بیٹھ گئیں۔ کمرے میں ایک محسوس کیا جانے والا معنی خیز سناٹا طاری تھا۔ فضا میں ایک عجیب غیر معمولی پن چھایا ہوا تھا۔

''یہ زیتون بانو کس علاقے سے تعلق رکھتی ہے؟'' باباصاحب نے وہ سوال کیا جو اماں جی کے دماغ میں دور دور تک نہیں ہوسکتا تھا۔

وہ بری طرح چونک گئیں۔

''خیریت؟'' سولہ آنے کی بھانجی ہے۔ اسی کے گاؤں سے تعلق ہے''۔ ان کے دل میں عجیب دھکڑ پکڑ ہونے لگی۔

''سولہ آنے کدھر ہے؟ اسے بلوائیں''۔ باباصاحب کا لہجہ قطعی بے تاثر تھا۔

''آپ مجھ سے پوچھیں' جو پوچھنا ہے۔ مجھے سب پتا ہے''۔ وہ بے حد پریشان ہوگئیں۔

''کیا پتا ہے؟ کیا آپ کو یہ بھی پتا ہے کہ اس کا کسی شہر بانو نامی عورت سے کوئی تعلق ہے؟'' ان کی انداز قدرے ... تھا۔

''جی...... پتا ہے''۔ وہ مجرموں کے سے انداز میں بولیں۔

تیمور علی خان نے چونک کر ماں کی شکل دیکھی۔ خان دلاور علی خان بھی الجھے۔

''ماں لگتی ہے وہ زیتون بانو کی''۔ وہ بہت آہستہ آواز میں گویا ہوئیں۔

''تو کیا مائیں اس طرح بیٹیوں کو غنڈوں سے اٹھواتی ہیں؟'' ان کے انداز میں محسوس کی جانے والی ناگواری تھی۔

''ہیں؟'' اماں جی دہل کر رہ گئیں۔ ''کک کہاں ہے زیتون بانو؟''

''وہ گولیاں اسی لئے چل رہی تھیں اماں جی''۔ تیمور نے بہت تھکی تھکی آواز میں انہیں کچھ سمجھانے کی کوشش کی۔

''کک...... کیا مطلب؟'' اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑنے لگا۔

''لے گئے ہیں وہ اسے''۔ تیمور علی خان نے مطلع کیا۔

''ہائے میرے اللہ''۔ اماں جی نے سرپٹ دوڑتے دل کو پکڑنے کی کوشش کی۔ ''آپ لوگوں کے سامنے؟'' انہوں نے شوہر کی صورت دیکھی۔

''یہاں سے اٹھنے کے بعد پہلے تو صدقہ بانٹئے گا اپنے بیٹے کی جان کا۔ شکر منایئے زندہ سلامت آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔ آپ اپنے طور پر بڑے بہادرانہ کام انجام دیجئے۔ انسان کو کسی معاملے میں ہاتھ ڈالتے وقت چاروں طرف سے دیکھ لینا چاہیے۔ آپ نے ہمیں اندھیرے میں رکھ کر اچھا نہیں کیا۔ اگر آپ کے بیٹے کو کچھ ہو جاتا خدانخواستہ''۔ خان دلاور علی خان کے انداز سے ہنوز ناراضگی ٹپک رہی تھی۔

''خدانخواستہ...... وہ بھی بے آسرا بچی ہے''۔ وہ سر پر دوپٹہ درست کرتے ہوئے نظریں جھکا کر آہستگی سے گویا ہوئیں۔

''اس حویلی سے باہر لاکھوں انسان مسائل سے دوچار ہیں۔ کیا ہم پر تمام لوگوں کی ذمہ داری ہے؟ ہمیں اس بات سے الجھن ہے کہ یہ واقعہ ہمارے ہوا ہی کیوں؟ اس کی سراسر ذمہ داری آپ پر آتی ہے''۔ باباصاحب کو دو ٹوک بات کرنا ہوتی تھی۔

''جب آپ نے اسے حویلی میں رہنے کی اجازت دی تو کیا آپ اس کے تمام حالات سے باخبر تھیں؟'' انہوں نے بیوی کے نرم اور پریشان چہرے پر ایک اچٹتی سی نگاہ کی۔

''پہلے تو نہیں تھی باخبر...... البتہ بعد میں سب کچھ معلوم ہوگیا تھا''۔ وہ دھیرے سے گویا ہوئیں۔

''مثلاً کیا معلوم ہوا بعد میں؟'' خان صاحب کی مجبوری تھی کہ وہ اس سادہ مزاج اور دھیمی عورت کے سامنے کھل کر خفگی کا اظہار بھی نہیں کرسکتے تھے۔

اماں جی نے تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

''بیٹے! تم بتا دو ناں اپنے باباصاحب کو''۔ وہ بھولپن سے کہہ رہی تھیں۔

''لیکن اماں جی...... مجھے بھی تو صرف اتنا پتہ ہے کہ وہ شہر بانو کی بیٹی ہے اور بس''۔ تیمور علی خان نے انہیں بتایا تو وہ ... پڑ گئیں۔

''جانے دیجئے اب اس قصے کو...... وہ بدنصیب تو اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اب ان باتوں سے کیا حاصل؟ ہائے...... اس کی تو عمر بھی بہت کم ہے۔ اس پر بے عقل ہے۔ اللہ اسے امان دے''۔

''بتاؤ...... آپ دونوں کے سامنے وہ اسے لے گئے؟...... ایسی بزدل پل میں رو دینے والی...... کیا حال ہو رہا ہوگا اس کا ...کیسی ماں ہے وہ عورت؟...... کیسا پتھر دل ہے اس کا''۔ اماں جی کی آواز بھرا گئی۔

''بتاؤ...... لڑکیوں کو کتنا دکھ ہوگا۔ کتنا پیار کرنے لگی تھیں سب اس سے...... کم از کم اس بے حیائی کی زندگی سے تو بچ جاتی ...'' بتے آنسو پونچھنے لگیں۔

''تیمور! جاؤ بیٹے تم اپنا کام کرو۔ اب کیا ہوسکتا ہے''۔ باباصاحب نے کہا۔ تیمور کسی گہری سوچ سے جاگے تھے' پھر بنا کچھ بولے کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔

''آپ ادھر آئیں ہمارے پاس''۔ بابا صاحب نے اماں جی کو اپنے پاس بلایا۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی
کے ایک کونے پر ٹک گئیں۔

''یہ حد سے زیادہ نرمی دلی جہاں آپ کی بہترین خوبی ہے' وہاں آپ ہی کے حق میں وبال بھی ہے' نرم دلی
لیکن یوں بھی نہیں ہونا چاہیے کہ انسان اصول سے ہی ہٹ جائے۔ اگر ہمیں آپ سب کچھ بتا دیتیں تو ہم کچھ انتظام تو کرتے۔''

''بس غلطی ہو گئی...... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ سب بھی ہو سکتا ہے''۔ وہ جیسے جرم کا اقرار کر رہی تھیں۔

''کیا آپ کچھ نہیں کر سکتے اس کیلئے؟'' انہوں نے مدد طلب نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا۔

''غیروں کے ساتھ معاملہ ہوتا تو بہت کچھ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن بقول آپ کے کہ یہ حرکت تو اس کی اپنی ماں کی ہے
ہی الٹا کسی مشکل میں پھنس سکتے ہیں۔ چار کوٹھیوں کی مالک عورت اپنے ہاتھ پیر چلانا بھی جانتی ہوگی''۔

وہ جیسے کچھ سوچتے ہوئے بول رہے تھے۔

''اماں جی نے چونک کر خان صاحب کی شکل دیکھی۔

''چار کوٹھیوں کی مالک......؟'' ''آپ کو کس نے بتایا؟'' وہ متعجب تھیں۔

''وہی جو اسے لینے آئے تھے' انہی کے منہ سے سنا ہے''۔

''اتنی باتیں بھی ہو گئیں آپ سے؟'' ان کی حیرت میں اضافہ ہو گیا۔

بابا صاحب نے اپنی سیدھی سادی بیوی کو یک ٹک دیکھنے کیلئے بغور دیکھا۔

''کیا خاندان ہے سولہ آنے کا؟''

اماں جی کا دل بڑے زور سے دھڑکا...... اضطراری انداز میں دوپٹہ درست کرنے لگیں۔ مزید یہ اگلے کا مرحلہ
تھا۔

''وہ سولہ آنے کی سگی بھتیجی نہیں ہے۔ اس کی نانی سے سولہ آنے کے خاندان کا منہ بولا بہناپا چل رہا تھا۔ سگوں کی طرح
ایک دوسرے کے ہیں مدتوں سے''۔ وہ دھیمے لہجے میں بتا رہی تھیں۔ ''پاکستان بننے سے پہلے کے تعلقات ہیں ان کے''۔

''کیا یہ لڑکی ان لوگوں سے تعلق رکھتی ہے جہاں صرف نانیاں ہوتی ہیں ''دادیوں'' کا کوئی اتا پتہ نہیں ہوتا؟''

صاحب نے گہری نگاہ ان کے چہرے پر جما دی۔

''زیتون کے باپ نے اس کی ماں سے نکاح کیا تھا''۔ اماں جی نے زیتون بانو کی ساکھ بحال کرنے کی کوشش کی۔

''آپ کے پاس امانت رکھا ہے اس کی ماں کا نکاح نامہ؟'' بابا صاحب کا موڈ آف ہو گیا۔ انہیں پتا تھا کہ
شخص کی بات کا اعتبار کر لیتی ہیں۔

اماں جی ایک لمحے کو خاموش ہو کر رہ گئیں۔

''آپ کو تمام باتوں کا کیونکہ علم نہیں ہے اس لئے آپ اس طرح کی باتیں کر سکتے ہیں''۔ اماں جی نے حقیقت
انداز اختیار کیا' انہیں کیونکہ علم تھا کہ خان صاحب آسانی سے مطمئن نہیں ہوتے' اس لئے وہ یہی کہہ سکتی تھیں۔

پھر آپ ہمیں بات بتایئے' اگرچہ اب اس کا کوئی فائدہ تو نہیں ہے۔ مگر اس بہانے آپ ہمیں کچھ وقت ہی دیں
نرم دراز ہو گئے۔

''عورت کو شاید بچے ہی چاہیے ہوتے ہیں۔ سب کچھ ہی بھول جاتی ہیں''۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر حقہ قریب کیا اور
منہ سے لگالی۔

''بچے بھی بہت بڑی ذمہ داری ہوتے ہیں۔ بڑے کام ہوتے ہیں گرہستی کے''۔ وہ نظریں جھکا کر گویا ہوئیں۔

''اتنے بڑے کنبے کی ذرا ذرا سی بات کا خیال رکھنے والی کو کبھی اپنے مرد کی تنہائی کا خیال نہیں آتا؟'' جملے کے اختتام پر
گڑگڑاہٹ گونجی۔

''آپ کے اپنے کام دھندے ہیں۔ اتنے مصروف رہتے ہیں کہ مجھے تو آپ کی تھکن کے خیال سے بڑا ملال ہوتا ہے۔
اسی لئے کہتی رہتی ہوں کہ کھانا بڑے خان کی مرضی کا بنایا کر۔ اب بے چاروں کو گھر کا کھانا ہی تو کھانا ہوتا ہے۔ مجھے
دکھ ہے کہ بڑے رتبے بڑے کام مانگتے ہیں۔ ماشاء اللہ بیٹے جوان ہیں۔ جاگیر کے کام ان پر ڈالئے۔ آپ نے بھی تو
چھوٹی عمر میں یہ سب کچھ سنبھالا تھا''۔

وہ سادگی سے کہہ رہی تھیں اور ان کی نیک تمنائیں ان کے چہرے پر نور جگا رہی تھیں

خان صاحب کا سارا غصہ' ساری کوفت ہوا ہو چکی تھی۔

''آپ نے زمانے کے ہزار رنگ دیکھے مگر کوئی اثر نہیں ہے۔ آپ تو ویسی کی ویسی ہو رئیسہ کی ماں''۔ بابا صاحب کو ان
کے بڑھاپے پن کی ایک ایک ادا یاد آنے لگی۔

اماں جی قدرے سٹپٹا گئیں۔

''مجھے اس بچی کا دھیان آ رہا ہے''۔ انہوں نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

''ہاں تو آپ بتا رہی تھیں اس کی کہانی...... بتاؤ تاکہ ہمیں بھی پتا چلے' اندازہ ہو کہ کون کتنا چلا گیا آپ کو......؟''

''سولہ آنے مجھ سے جھوٹ نہیں بولتی۔ کیا میں اسے جانتی نہیں۔ چار دن کا ساتھ تو نہیں ہے میرا اس کا...... اس کا کیا
لینا ہے اس بچی سے؟ رہنے کو ٹھکانا' روٹی' ٹکڑا' پان' چھالیہ سب اسے ملا ہوا ہے''۔

''بات دراصل یہ ہے''۔ اماں جی نے خالہ سولہ آنے کی وکیل صفائی کا کردار ادا کرنے کے فوراً بعد حقیقت بیانی شروع
کر دی۔

....

''ماما...... اماں جی کہاں ہیں؟'' تزئین نے کچن میں آ کر پوچھا۔

''بڑے خان نے بلایا تھا' ناں وہیں ہیں''۔ ماما کا چہرہ ستا ہوا تھا۔

''کیا تیمور ''سرائے'' چلے گئے؟'' وہ جاتے جاتے پھر پلٹیں۔

''نہیں چھوٹے خان بھی اپنے کمرے میں ہیں''۔ ماما نے جواب دیا۔

''ہیں......ویسے تو بڑی جلدی ہو رہی تھی۔ یہ مطربہ بھی اتنی دیر سے نظر نہیں آئی۔ کچھ پتا چلا ماما' یہ فائرنگ کیسی تھی؟''

''چھوٹے خان سے پوچھ لیں بی بی جان''۔ ماما نے پیٹھ موڑے موڑے جواب دیا۔

تزئین ذہنی طور پر اتنی منتشر تھیں کہ وہ ماما کے غیر معمولی انداز پر دھیان نہ دے سکیں۔ اور سوچتے ہوئے انداز میں تیمور کے کمرے میں جانے کیلئے زینے کی طرف بڑھیں۔ کمرے کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر سوچا بہت آہستہ سے دستک دی۔

''ہوں......کون ہے؟'' تیمور علی خان کے انداز میں جھلاہٹ تھی۔ تزئین دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئیں۔

''آپ......آیئے آپا''۔ تیمور بستر پر نیم دراز سر کے نیچے ہاتھوں کا تکیہ بنائے جانے کس دھیان میں تھے۔ بہن کو دیکھ کر اٹھ بیٹھے۔

''گئے نہیں؟'' وہ نزدیکی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

''کہاں؟'' وہ گم صم انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگے۔

''سرائے......اور کہاں؟ کہاں تو تم پر سفر سوار تھا کہ کھانا بھی نہیں کھا رہے تھے''۔

''ہوں......بس......ویسے ہی موڈ نہیں بن رہا اب''۔ وہ نظریں چرا کر گویا ہوئے۔

''یہ فائرنگ کیسی تھی تیمور؟ وہ ادھر ساری خواتین ابھی تک سہمی بیٹھی ہیں''۔

وہ جانے کیوں ٹھٹک گئی تھیں۔ اس پر سے تیمور کا روانگی ملتوی کرنا' پھر گم صم سا نظر آنا۔ ان کے بے نام شبہات کو تقویت مل رہی تھی۔

''ایک حادثہ ہو گیا ہے آپا۔ حیرت ہے' آپ ابھی تک بے خبر ہیں۔ کسی ملازم نے بھی نہیں بتایا''۔ وہ بہت آہستہ آواز میں بات کر رہے تھے۔

''کیا؟ کیسا حادثہ؟'' وہ ڈر کر بھائی کی صورت دیکھنے لگیں۔

''مطربہ کو اس کی ماں کے'' کارندے'' اٹھا کر لے گئے ہیں''۔ انہوں نے گویا دھماکہ کیا۔

''ہیں......اس کی ماں کے کارندے؟ کیا کہہ رہے ہو؟ اس کی کوئی ماں واں نہیں ہے''۔ انہیں تیمور کی ناقص معلومات پر افسوس ہوا۔

''آپ کو دراصل حقیقت حال کا علم نہیں ہے۔ اس لئے آپ ایسا کر رہی ہیں۔ اس کی ماں بھی ہے اور یقیناً دنیا کے کسی کونے میں باپ بھی ہوگا''۔ وہ پرسکون انداز میں بہن کی معلومات میں اضافہ کر رہے تھے۔

''پتا نہیں کہاں سے سن کر آ رہے ہو۔ خالہ سولہ آنے کبھی بھی ہم میں سے کسی کے ساتھ غلط بیانی نہیں کر سکتی''۔ تزئین کسی طور ماننے کو تیار نہ ہوئیں۔

''ہو سکتا ہے' انہوں نے اماں جی کو بتایا ہو اور آپ سب سے چھپایا ہو' اماں جی غالباً اسی قسم کا انٹرویو دے رہی تھیں آغا صاحب کے کمرے میں۔ وہاں سے آئیں تو پوچھ لیجئے گا''۔ تیمور نے پرزور انداز میں کہا۔

''تب ہی مان لیا۔ لیکن اس کی ماں کو اس طرح سے لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر وہ اماں جی سے بات کر کے لے جاتیں تو کون سا اماں جی اسے روک لیتیں؟'' تزئین کی الجھن کسی طرح کم نہیں ہوئی۔

''وہ تو سیدھے طریقے ہی سے لینے آئی تھی مگر ہم نے اور یاور بھائی نے شاید اس کے بارے میں غلط اندازہ لگایا تھا''۔

''آپ لوگ ملے ہیں اس سے؟ کب؟ کہاں؟'' تزئین سر سے پاؤں تک مستعد ہو گئیں۔

''یہیں......حویلی میں......آئی تھی وہ''۔ تیمور نے جواب دیا۔

''تو ہمیں کیوں نہیں ملوایا؟ ہم بھی تو دیکھتے۔ ویسے کیسی ہے؟'' تزئین کے انداز میں اشتیاق امڈ آیا۔

''جیسی اس علاقے کی عورتیں ہوتی ہیں''۔ تیمور علی خان نے بہن سے نظریں چرائیں۔

''کس علاقے کی؟'' تزئین کی سوچ وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی جس طرف تیمور علی خان اشارہ کر رہے تھے۔

''آپ نے اس کے گیت سنے ہیں۔ کیسی آواز ہے اس کی؟'' انہوں نے سوال کر دیا۔

''اف......بہت خوبصورت آواز ہے۔ میں تو سن کر حیران رہ گئی تھی۔ سچ فنکشن وغیرہ میں گائے۔ تو لاکھوں کھرے کرے''۔ وہ مسکرائیں بے ساختہ۔

''اس کی ماں کر رہی ہے لاکھوں کھرے''۔ تیمور علی خان نے بے ساختہ کہا۔

تزئین یک دم سناٹے میں رہ گئیں۔

''تیمور''۔

''جی......امید ہے آپ سمجھ گئی ہوں گی''۔

''ہوں......کچھ سمجھی ہوں......کچھ نہیں۔ اس کی نانی تو خالہ سولہ آنے کی پھوپھی ہے۔ اور خالہ سولہ تو سر سے پاؤں تک ''بے سر'' ہیں۔ اس علاقے میں خالائیں تو ہو سکتی ہیں مگر پھوپھیاں نہیں''۔ وہ درحقیقت الجھ گئی تھیں۔

''لگتا ہے' خالہ اماں جی کو سب کچھ بتا چکی ہیں۔ اماں جی کو سب معلوم ہے۔ مزید معلومات ان ہی سے مل سکتی ہیں آپ کو''۔ تیمور نے انہیں الجھن سے نکالنے کی کوشش کی۔

''وہ اسے زبردستی خطرہ مول لے کر گئی ہے۔ جب کہ مطربہ اس کے سامنے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر چکی تھی''۔ تیمور گویا ہوئے۔

''پتا نہیں......ان عورتوں کا بھرتا کیوں نہیں۔ کتنا جی لے گی؟ کتنا کھا لے گی؟ کون سا خاندان بنا کر بیٹھی ہے کہ آل اولاد کی فکر میں کما رہی ہو۔ چچ چچ۔ یہ مطربہ تو بہت معصوم' بہت ہی بیوقوف ہے۔ بڑی زیادتی ہو گئی اس کے ساتھ تو''۔ تزئین کو بہت سے خیال ستانے لگے۔

''اگر وہ ان کا کہا نہیں مانے گی تو اور مصیبت۔ یہ لالچی اور حریص قوم۔ یہ لوگ تو تشدد بھی بہت برا کرتے ہیں۔ ایسی بھولی بھالی نازک لڑکی۔ کم بخت کو ابھی پورا ہوش بھی تو نہیں آیا۔ تیمور! کچھ ہو نہیں سکتا؟ مجھے تو بڑا ترس آ رہا ہے غریب پر''۔ تزئین بے حد افسردہ ہو گئیں۔

''ماں بیٹی کا معاملہ نہ ہوتا تو بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ اب تو مشکل ہے''۔ تیمور نے مایوس کرنے میں ذرا دیر نہ لگائی۔

''ہائے...... تیمور یہ تو بہت ہی برا ہوا۔ چچ چچ''۔

''اب کیا بھی کیا جا سکتا ہے؟'' وہ عام سے انداز میں گویا ہوئے۔

''توبہ...... کتنا ڈرتی تھی تم سے۔ خدمت گزار کتنی تھی۔ آدھی رات ہو یا دن۔ ایک سا انداز تھا کام کرنے کا۔ جا ہوں۔ اماں کو دیکھتی ہوں۔ وہ تو یوں بھی دل پر لئے بیٹھی ہوں گی''۔ اب انہیں ماں کی فکر پڑ گئی۔

''کھانا یہیں بھجوا دوں؟'' وہ دروازے کے قریب جا کر رک گئیں۔

''نہیں...... صرف ایک گلاس دودھ بھجوا دیجئے گا۔ تھینکس''۔ وہ بیڈ سے اتر کر رائٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوئے ہوئے۔

تزئین باہر نکل گئیں۔

تیمور رائٹنگ ٹیبل کے نزدیک پہنچ کر چند ثانئے رکے تھے پھر واپس پلٹ کر دریچے میں آ کھڑے ہوئے تھے۔

پھاٹک کے نزدیک ایستادہ مرکزی گلوبز کی روشنی میں پورچ تک منظر واضح تھا۔

ایک لڑکی ننگے پاؤں دوڑتی ہوئی جیپ میں بیٹھ رہی تھی۔ بار بار اس منظر کی تکرار سے ان کا دماغ سن ہونے لگا۔

وہ اس کا دیوانہ وار...... نڈر، بے خوف انداز۔ وہ دریچے سے ہٹ گئے۔

....

''اوہو...... ہو...... بچ گئے چاچا۔ گولی ذرا ادھر ادھر ہو جاتی۔ ہو گیا تھا تمہارا تو کام''۔ عارف چوکیدار سے تفصیلی رپورٹ وصول کر رہا تھا۔

''ام چوڑتا نئیں۔ ادھر وہ بڑا خان آ گئی۔ ام ذرا ادھر سوچی۔ غنڈہ لوگ فائدہ اٹھا گئی۔ افسوس کا بات ہے امارا خون بے کار گئی۔ چوکری تو پھر بھی چلا گیا۔ چوٹا خان نشانے پر تھی ورنہ ام سمجھ لیتی۔ ابی ہم بوڑھا ہے پر ایسا بی نئیں''۔ چوکیدار اپنی ساکھ بحال کرنے کی کوشش میں بولے چلا جا رہا تھا۔

''مگر جب بڑے خان گن اٹھائے ہوئے تھے تو لڑکی کیسے چلے گئی لالہ؟'' عارف نے نکتہ اٹھایا۔

''بس وہ اندر سے بھاگتا ہوا آیا اور جیپ میں بیٹھ گیا''۔ چوکیدار نے بڑے معصومانہ انداز میں بتایا۔

''خود ہی''۔ عارف کی حیرت بڑھ رہی تھی۔

''خود ہی...... ام دیکھتا رہ گیا بس''۔ چوکیدار نے آنکھیں جھپکا کر کہا۔

''خان نے پیچھا نئیں کیا؟'' عارف نے الجھ کر سوال کیا۔

''بڑا تیزی میں معاملہ ہوا۔ کچھ سمجھ ای نئیں آیا''۔ چوکیدار نے سادگی سے جواب دیا۔

عارف چند ثانئے گم صم سا کھڑا کچھ سوچتا رہا۔

اسی دم روپا دیوی اپنے مخصوص گھاگھرے میں ملبوس سر پر ٹوکری بغل میں بچہ دبائے پھاٹک سے اندر داخل ہوئی۔

''روپا دیوی! اندر خالہ سولہ آنے ہوں گی، انہیں کہو، عارف آیا ہے''۔ عارف نے بڑی بے تاب سی کیفیت میں پیغام دیا۔

چند منٹوں بعد سفید چادر میں جھکی چھپی خالہ باہر آتی دکھائی دیں۔ ان کی چال سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بہت نڈھال ہیں۔

''ہاں بیٹے، کہو کیا بات ہے......؟'' وہ قریب آ کر تھکے تھکے انداز میں بولیں۔

''میں نے سنا ہے کل؟''

''ٹھیک سنا ہے بچے۔ لونڈیا کے نصیب پھوٹ گئے۔ کہاوت ہے، ماواں ٹھنڈیاں چھاواں۔ ایک اس حرافہ جیسی ماں ہے۔ بے غیرت، بے ضمیر''۔ وہ رونے لگیں۔

''ارے میں تو تیری ماں کی خیریت پوچھنے گئی۔ دکھیا سے باتیں کرنے میں دیر ہو گئی۔ اور ادھر یہ سب ہو گیا''۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

''اس کا کوئی اتا پتا نشانی بتائیں۔ کچھ کرتا ہوں''۔ وہ بے حد سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''میں صدقے''۔ خالہ نے بے اختیار اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''پرانے وقتوں کی طرح کوٹھے تھوڑا ہی سجاتی ہے۔ نئے فیشن سے دھندا کرتی ہے۔ بڑے بڑے سرکاری افسروں سے تعلق ہے۔ تو اس کے آگے کل کا بچہ...... اللہ تیری ماں کا کلیجہ ٹھنڈا رکھے''۔ انہیں عارف پر ڈھیروں پیار آ گیا۔

یوں بھی عظیم دکھ کے دور لیے میں عملاً دکھ بٹانے والے یوں محسوس ہوتے ہیں جیسے اندھیرے میں ستارے۔

''لیکن خالہ...... اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا تو اس کے ساتھ بہت زیادتی ہے'' وہ بہت فکر مندی سے کہہ رہا تھا۔

''آپ مجھے اس کی نانی کا پتا دیں، وہ ضرور کچھ نہ کچھ کرلے گی''۔ وہ پھر گویا ہوا۔

''ہائے...... اس کے پاس چلے بھی نہ جانا۔ غریب سنتے ہی دم دے دے گی۔ اس کی تو ساری محنت ہی ٹھکانے لگ گئی''۔ خالہ نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔

''یہ تو پتا ہو گا کہ اس کی ماں سندھ، پنجاب، سرحد، بلوچستان چاروں صوبوں میں سے کس میں رہتی ہے''۔ اس کی سوچ پر خالہ کی باتوں سے کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔

خالہ نے شفقت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''پہلے کیوں نہ کچھ پھوٹا؟ تیرے ساتھ ہی بیاہ دیتی۔ پھر تو وہ حرام خور ساری زندگی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ ایسا شریف۔ ہنسنے کھیلنے کا شوقین۔ شکل صورت بھی بھلی''۔

عارف ہونٹ کاٹتا ہوا واپس پلٹ گیا۔ خالہ کی آنکھوں سے ایک تواتر سے آنسو بہنے لگے۔

....

''اماں جی...... آپ نے ہم سے یہ سب کچھ کیوں چھپایا تھا؟'' تزئین نے شکایت آمیز انداز میں کہا تھا۔

''ارے میں نے کہا' رات گئی' بات گئی۔ کیا کسی کے دکھوں سے مزے لینا۔ یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہوتی''۔

''سولہ آنے تو غم نہ کر۔ تیرے بڑے خان سے کہا ہے میں نے کہ کچھ کریں''۔ وہ انشاء اللہ کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے''۔ اماں جی نے سبزی بناتی ہوئی خالہ کو لب بستہ بیٹھے دیکھ کر کہا۔

''آہ...... ہا...... اماں جی...... کھیل تو پورا ہو گیا۔ اب تو یہ خود کو دھوکا دینے والی باتیں ہیں۔ اس کے نصیب کی خرابی میں ہمارا آپ کا کیا دخل؟'' خالہ نے قطعی مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے اپنا کام جاری رکھا۔

''نہ...... مایوس نہیں ہوتے۔ اللہ کے پاس ہر مشکل کا حل ہے۔ مشکل تو انسانوں کیلئے ہوتی ہے' بس دعا کر۔ اللہ بچی کو اپنے حفظ و امان میں رکھے' آمین''۔ اماں جی کی فطرت میں مایوسی کا عنصر کبھی بھی نہیں آیا تھا۔

''ایک عورت ہی تو ہے خالہ۔ کیا کر سکتی ہے۔ ٹھیک ہے' اس نے اپنا سارا زور دکھا دیا ہے' اب جب بابا صاحب کچھ کریں گے تو ظاہر ہے کچھ اچھا ہی بندوبست کریں گے''۔

تزئین نے بھی انہیں مایوسی سے نکالنے کی کوشش کی۔

''وہ عورت بہت پہنچ رکھتی ہے۔ بڑے بڑے لوگوں سے سلامتی لیتی ہے اپنے جبوترے پر''۔ وہ تلخی سے مسکرائیں۔

''کوئی کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو سولہ آنے۔ نعوذ باللہ۔ اللہ سے بڑا تو نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ کسی کی مدد کرے تو کوئی روک کے گا اسے۔ بری بات۔ اللہ پر بھروسہ رکھ تو نے رات بھی کھانا نہیں کھایا۔ کچھ کھا پی لے''۔

اماں جی کا دل ان کی حالت پر پگھلے چلا رہا تھا۔

''بھوک ہی نہیں لگ رہی۔ نہ نیند آ رہی ہے۔ جیسے سکتہ سا ہو گیا ہے۔ میرا تو منہ ہی نہیں اب کہ اس کی نانی کو بتا سکوں کہ تیرا آبدار موتی''۔ ان کی آواز حلق میں پھنس گئی۔

''آپا...... وہ میرا بلیو سوٹ کیس ہے ناں...... اس کا لاک خراب ہو گیا ہے۔ کوئی اچھا سا سوٹ کیس ہو گھر میں تو نکال دیں پلیز''۔

تیمور علی خان دالان میں داخل ہو کر تزئین سے مخاطب ہوئے۔

''ابھی تو چار پانچ روز ہیں تمہاری روانگی میں...... اتنی جلدی پیکنگ شروع کر دی''۔ تزئین نے تعجب سے ان کی جانب دیکھا۔

''اس دوران جو کچھ یاد آتا رہے گا' وہ رکھتا رہوں گا۔ کسی چیز کے مس پلیس ہونے کا خطرہ تو نہیں رہے گا۔ پھر بعد میں بہت کوفت ہوتی ہے''۔

''تمہارے بابا صاحب کے کمرے میں دو تین سوٹ کیس ہیں۔ بہت خوبصورت ہیں۔ اور بڑے بڑے ہیں' ان میں سے کوئی لے لو''۔

''کہاں جا رہے ہو اس وقت؟'' تیمور علی خان فل سوٹنگ کئے ہوئے تھے' اس لئے اماں جی نے پوچھا۔

''...بہ دوست کے ہاں...... بہت ضروری ملنا ہے''۔ انہوں نے سرسری نگاہ خالہ پر ڈال کر جواب دیا۔

''بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں تمہارے جانے میں۔ زیادہ سے زیادہ میرے پاس بیٹھا کرو۔ موت' زندگی کا کیا بھروسہ۔ جانے پھر ماں کی شکل دیکھ بھی سکو کہ نہیں''۔

''اماں جی...... ایسی باتیں نہیں کرتے' جہاں ہم پڑھتے ہیں ناں وہاں دنیا کے کونے کونے سے لڑکے آئے ہوئے ہیں پڑھنے کیلئے۔ اور ان سب کی مائیں ہیں۔ جو اس خوشی میں جدائی برداشت کرتی ہیں کہ ان کے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ہم تو مرد ہیں اماں جی' وہاں تو دوسرے ملکوں سے لڑکیاں آئی ہوئی ہیں پڑھنے کیلئے۔ وہاں دو بیسٹ فرینڈ ہیں لڑکیوں میں' ہماری کلاس فیلوز ہیں''۔ تیمور نے تزئین کی طرف دیکھ کر جھٹ وضاحت بھی کر ڈالی۔

''ایک تو مشہور انڈین ایکٹریس کی بیٹی ہے۔ دوسری اٹالین ہے۔ نسلاً انگلش ہی ہے مگر پیدا اٹلی میں ہوئی تھی۔ اٹلی کے کسی دور افتادہ گاؤں میں ہوتی ہے اس کی ماں۔ دیکھیں اماں جی' وہ بھی تو ماں ہے''۔

''تو تمہیں کیا ضرورت ہے لڑکیوں کو سہیلیاں بنانے کی۔ لڑکے پورے نہیں پڑتے؟''

اماں جی کو یہ لڑکیوں کے ساتھ دوستی کی بات بالکل نہ بھائی۔

''اماں جی دوست سہیلیاں تو بس خود بخود بن جاتے ہیں۔ اچھا ہم چلتے ہیں' دیر ہو جائیگی''۔ وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر ماں کے پہلو سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''بیٹے...... وہ اپنے بابا صاحب پر دباؤ بڑھاؤ۔ دیکھو خالہ کا کیا حال ہو گیا ہے' نہ کھاتی ہے' نہ پیتی ہے' نہ سوتی ہے''۔ اماں جی کو پتا تھا بابا صاحب ان کی بہت سنتے ہیں۔ تیمور علی خان نے بائیں ابرو چڑھا کر کن اکھیوں سے خالہ کی سمت دیکھا۔

''کیا ہم بھی آپ سے وہیں جملہ کہیں جو سب کہہ رہے ہیں کہ ''فکر نہ کریں'' دیکھئے وہ اس حویلی میں کام کرتی تھی' سب اس سے خوش تھے۔ اس کی خدمات کے صلے میں اس کا حق بنتا ہے ناں کہ اس کیلئے کچھ کیا جائے''۔ تیمور علی خان کے انداز میں ان کا آبائی وقار جھلک رہا تھا۔

خالہ نے چھری رکھی اور تیزی سے اٹھ کر تیمور علی خان کے ہاتھ تھام کر چوم لئے۔ ان کی آنکھوں سے چند قطرے بھی تیمور علی خان کے ہاتھوں پر ٹپک گئے تھے۔ سب نے خالہ کو تسلی دی تھی مگر ایسا مضبوط دلاسا کہیں سے نہیں آیا تھا۔

''اتنی خوشیاں دے رب اللعالمین آپ کو کہ آپ سے سمیٹی نہ جائیں''۔

''آمین''۔ اماں جی نے بے ساختہ کہا۔

''اتنی دعائیں دیتی ہے تو سولہ آنے میرے بچوں کو...... تو نے تو خرید لیا ہے مجھے''۔ اماں جی نہال نظر آئیں۔

''ہائے نہیں اماں جی۔ آپ کے پیر کی جوتی ہوں''۔ خالہ نے آنکھیں پونچھیں۔

تیمور علی خان صدر دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

....

''پھما...... تیمور اور بابا صاحب کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا گھر میں؟'' یاور علی خان سفر کی تھکن اتار کر سو کر فارغ ہوئے تو

نازنین نے انہیں مطلع کیا۔ وہ ایک دم خاصے پریشان نظر آنے لگے۔

"لیکن وہ لوگ چوکیدار' بابا صاحب اور تیمور کے ہوتے ہوئے اندر کیسے آگئے؟ صرف صدر دروازے کی طرف تین گنز (بندوقیں) لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور ہر گزرنے والے نے پہلے وہیں سے گزرنا ہوتا ہے۔ اس پر گیٹ پر موجود گن مین... جتنی دیر وہ گن مین سے الجھے ہوں گے۔ اتنی دیر اندر موجود لوگوں کیلئے کافی تھی۔ جب کہ تیمور اور بابا صاحب تو بہتر... ہیں"۔

یاور علی خان کو اس نکتے پر سخت الجھن ہو رہی تھی۔

"چوکیدار بے چارہ تو جلد ہی زخمی ہو گیا تھا"۔ نازنین نے تاسف سے کہا۔

"تو کیا وہ بابا صاحب اور تیمور کو قابو کر کے اندر گھس گئے تھے؟" یاور علی خان درحقیقت بہت فکرمند نظر آرہے تھے۔ اس معصوم سی لڑکی کے ساتھ زیادتی کا انہیں بھی بہت دکھ تھا۔

"وہ اندر نہیں آئے۔ مطربہ خود بھاگ کر ان کی جیپ میں بیٹھ گئی تھی"۔ نازنین نے کہا۔

"یار......"۔ یاور علی خان نے بے بسی سے نازنین کی طرف یوں دیکھا۔ گویا اس کی ذہنی صحت پر شبہ ہو۔

"پوری بات تو سنیں...... یہ اپنی شیطان...... گلو کی بچی اس طرف آنکلی تھی۔ اس نے شور کر دیا' بس اتنی سی مہلت سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے تیمور پر قابو پالیا۔ بابا صاحب بھی کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ لوگ تیمور کو اغوا کر کے لے جارہے تھے۔ بس' شاید اس وجہ سے مطربہ خود ہی باہر آگئی۔ بہت ہی نمک حلال نکلی اس نے سوچا ہوگا۔ کیوں اپنی وجہ سے مالکوں کو نقصان پہنچائے۔ ایسی بزدل دکھائی دیتی تھی۔ مگر حیران کر گئی"۔

نازنین نے چائے تیار کر کے یاور علی خان کے سامنے رکھی۔

"وہ جذبہ بہت ہی طاقتور ہوتا ہے جو دوسروں یا کسی کی خاطر جان کی بازی لگانے پر آمادہ کرتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

یاور علی خان نے بیوی کی سمت تائید طلب نظروں سے دیکھا۔

"وہ بیوقوف ضرور ہے۔ میرا خیال ہے مگر اتنی بھی نہیں...... آپ نے اتنی بڑی بات کس بنیاد پر کہہ دی"۔ نازنین نے الجھ کر پوچھا۔

"اتنی ڈرپوک سی لڑکی۔ جو کسی قیمت پر بھی ماں کے پاس جانے کیلئے راضی نہیں تھی۔ ادھر اس پر کوئی پریشر بھی نہیں تھا اور آپ کی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ بے وقوف لوگوں ہی سے اس طرح کی احمقانہ و بے سروپا حرکتوں کی توقع کی جاتی ہے"۔

یاور علی خان سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر جیبوں میں لائٹر ٹٹولنے لگے۔

"وہ تیمور کا بالکل مالکوں کی طرح احترام کرتی ہے۔ گھگھی تو بندھ جاتی ہے ان کے سامنے"۔ نازنین نے ان کے خیال سے بالکل اتفاق نہیں کیا۔

ہمیں فخر...... ہم اس سے بہت متاثر ہوئے کہ اس نے ہمارے بھائی کو کسی مشکل میں پھنسنے سے بچالیا۔ کوشش کریں ویسے بھی اس طرح نمک حلالی کا انعام اسے دیں' جس مشکل میں ہے اسے نکالنے کی کوشش کریں"۔

"بی بی جی تو اس عورت کا اتا پتا ٹھکانہ کسی کو اندازے کی حد تک بھی معلوم نہیں۔ بے چاری خالہ پر بڑا ترس آرہا ہے۔ بہت بڑی چاہت ہے ان کی"۔ نازنین نے افسوس سے کہا۔

"ظاہر ہے' فطری عمل ہے۔ ان کے پاس وہ کسی کی امانت تھی"۔ یاور علی خان نے سگریٹ سلگا کر فضا میں دھواں بکھیرا۔

"تیمور کہاں ہے؟" انہوں نے جانے کس دھیان میں چونک کر سوال کیا۔

"پتا نہیں...... بڑی زبردست تیاری کے ساتھ باہر نکلے تھے۔ اور چائے بناؤں آپ کیلئے؟" نازنین نے ٹرالی اپنے قریب کرنے کی نیت سے ہاتھ بڑھائے۔

"نہیں...... کیا کسی کو بھی بتا کر نہیں گیا؟" یاور علی خان کی توجہ ایک جگہ مرکوز تھی۔

"نہیں...... شاید بابا صاحب کو علم ہو"۔ نازنین نے جواب دیا۔

"ہوں...... اچھا ہم ابھی آتے ہیں...... بابا صاحب کو سلام کرلیں"۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

نازنین نے محسوس کیا کہ وہ ذہنی طور پر بہت الجھے ہوئے ہیں۔

....

تیمور علی سامان کی پیکنگ کے عمل سے تھک گئے تھے۔ اس لئے کمرے کی لائٹ بجھا کر دریچے میں آکھڑے ہوئے تھے۔ ان تین چار دنوں میں ایک لمحے کو بھی وہ مظلوم ان کے ذہن سے محو نہیں ہوئی تھی۔

سلیقے سے اوڑھنی سر پر جما کر نگاہیں جھکا کر بات کرنے والی...... اس کی دوشیزگی ہی تو اس کا اثاثہ تھی۔ اس کے الھڑپن کی کوئی قیمت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

ان کے گھرانے میں تو عورتوں کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔ بابا صاحب تو اس معاملے میں زیادہ گہرائی میں جاتے ہوئے دیکھے نہ پائے گئے۔ لیکن ان کے والد صاحب اور اماں جی خواتین کی عزت واحترام کے متعلق اتنے حساس تھے کہ بچوں کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ دنیا میں اس سے زیادہ اہم بات ہی کوئی نہیں۔

اچانک ان کی نظر چوکیدار پر پڑی۔ وہ گیٹ کی سمت جارہا تھا۔ انہوں نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی' رات کا ایک بج رہا تھا۔ اس وقت کون آسکتا ہے۔ وہ دلچسپی سے گیٹ کی طرف دیکھنے لگے۔

گیٹ کھلتے ہی کوئی اندر داخل ہوا اور ایک دم فرش پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ چوکیدار بھی دوزانو ہو کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ نووارد اور چوکیدار میں کیا گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ فاصلہ ہونے کی وجہ سے سن نہیں سکتے تھے۔ بجلی کی سی تیزی سے وہ کمرے سے نکلے تھے اور چند جستوں میں زینہ طے کیا تھا۔

"کیا ہوا خان بابا؟...... کون ہے یہ؟"۔ چوکیدار اپنی کوٹھڑی کی طرف جارہا تھا' تیمور نے درمیان میں ہی جالیا۔

"زخمی ہے...... بڑا زخمی ہے...... ام پانی لینے کے واسطے جاتا ہے چھوٹا خان"۔

تیمور علی خان کو گویا زبردست شاک لگا تھا۔

"ارے بھائی... کیا نام ہے؟ وہ؟ اندر چلو جلدی"۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"پ... پ... پانی..." اس نے جیسے کسی کی کوئی بات سنی ہی نہیں۔

"یہاں سے تو اٹھو... پانی بھی ملے گا"۔ وہ جھلائے اور خود آگے بڑھ کر کھلا گیٹ بند کیا۔

وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"پپ... پانی... میں مر رہی ہوں خان... پانی..."۔

"اسی دم خان بابا بڑے سے گلاس میں پانی لے کر بھاگتا ہوا آ گیا۔ اور جھک کر مطربہ کو گلاس تھمایا جو فوراً ہی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

"مائی گڈنیس... اٹھو" تیمور علی خان نے اس کا بازو تھام کر اٹھایا۔

"بابا... پانی بیٹھک میں لے آؤ"۔

وہ نزدیکی کمرے کی طرف بڑھے۔ مطربہ ان کے ساتھ جیسے گھسٹتی جا رہی تھی۔

کمرے میں داخل ہو کر وہ وہیں دہلیز پر بے دم انداز میں بیٹھ گئی۔ چوکیدار بھی پانی لے کر پہنچ چکا تھا۔

"خان بابا... خود پلاؤ اسے" تیمور علی خان نے کمرے کی لائٹس آن کرتے ہوئے کہا۔

چوکیدار نے تعمیل کی... اتنا بڑا گلاس مطربہ ایک ہی سانس میں پینے لگی۔

تیمور لائٹس آن کر کے پلٹے تو بری طرح چونک پڑے۔ مطربہ کے ہونٹوں کے دونوں کناروں پر خون جم کر تاریک شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس کے سارے چہرے پر ورم محسوس ہو رہا تھا۔

"چاچا... ایک گلاس اور" وہ تیز تیز سانس لینے لگی۔

چوکیدار ایک دم تیزی سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔

تیمور دوزانو ہو کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"وہ... کیا نام ہے... مطربہ... کیا ہوا ہے؟ کہاں سے آ رہی ہو" وہ بغور اس کی شکل دیکھنے لگے۔

"خان پنکھا تیز کر دیں... آگ لگ رہی ہے اندر"۔ اس نے دوپٹہ اتار کر دور پھینکا۔

تیمور علی خان روبوٹ کے انداز میں اٹھے اور پنکھے کی اسپیڈ بڑھا دی۔ پھر دوبارہ اس کی طرف چلے آئے۔

چوکیدار بھی اندر داخل ہوا۔ مطربہ ہتھیلیاں کارپٹ پر جمائے بے دم انداز میں جھکی ہوئی تھی۔ چوکیدار گلاس اس کے

"زیتون بانو... لو پانی پیو... ! وہ چھوٹا خان... اس کا قمیص تو خون سے خراب اے"۔ چوکیدار گلاس لگاتے ہوئے بدحواس ہو کر بولا۔

تیمور علی خان نے اس کی پشت کی طرف نگاہ کی تو واقعی سناٹے میں رہ گئے۔ "گڈ گاڈ"۔

انہوں نے فوراً ہاتھ بڑھا کر اس کی نبض دیکھی۔ پھر ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہم ابھی آتے ہیں"۔

تیز تیز اٹھتے قدم رئیسہ بیگم کے کمرے کی طرف تھے۔

ان کی بیٹھک میں خاصا شور تھا۔

"کون؟" ان کے بہنوئی کی آواز آئی۔

"ہم ہیں تیمور... بی بی جان کو بھیجئے"۔

تھوڑے سے توقف کے بعد دروازہ کھلا تھا۔ رئیسہ بیگم نیند بھری آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"خیریت... ! کیا بات ہے تیمور؟" وہ پریشان ہو گئیں۔

"ہمارے ساتھ آئیے"۔ وہ بس اتنا کہہ کر پلٹ گئے۔ رئیسہ بیگم حیران پریشان ان کے پیچھے چل پڑیں۔ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے بیٹھک میں داخل ہوئے۔ مطربہ نڈھال انداز میں کارپٹ پر ڈھیر ہو چکی تھی۔

"ہائے اللہ"۔ رئیسہ بیگم سینے پر ہاتھ رکھ کر جہاں تھیں وہیں تھم گئیں۔ "یہ مطربہ ہے تیمور"۔ وہ بدحواس ہو گئی تھیں۔

"جی... بی بی جان یہ بہت زخمی ہے۔ اس کے کپڑے تبدیل کرائیے۔ خون لگا ہوا ہے۔ ہم فرسٹ ایڈ باکس بھجواتے ہیں۔ اور کوئی ٹیبلٹ وغیرہ دیکھتے ہیں"۔

وہ رئیسہ بیگم کو ششدر کھڑا چھوڑ کر باہر گئے۔

"بی بی جان۔ اس کو بہوت خون نکلا ہے۔ کمزوری ہو گیا اے"۔ چوکیدار نے دکھ سے کہا۔

"مطربہ..." رئیسہ بیگم نے اس کا رخسار دھیرے سے چھوا۔ کتنی جلدی سب کے منہ پر اس کا نیا نام چڑھ گیا تھا۔

"مطربہ... دیکھو۔ میں ہوں تمہاری بی بی جان"۔ ان کے لہجے میں بلا کی محبت تھی۔ مطربہ نے ذرا دیر کو آنکھیں کھول کر ان کی سمت دیکھا۔

"بی بی جان"۔ اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"ہاں... ہاں بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ ابھی دوا لگاتے ہیں۔ فوراً آرام آ جائیگا۔ انشاء اللہ"۔

"ہمت کرو۔ اس طرف آ جاؤ۔ ہم کشن رکھ دیتے ہیں۔ تمہارے سر کے نیچے۔ آؤ شاباش"۔

انہوں نے مطربہ کو اٹھنے میں مدد دی۔ اور اسے عین پنکھے کے نیچے لا کر لٹا دیا اور صوفے سے کشن اٹھا کر اس کے سر کے نیچے رکھ دیا۔

"بی بی جان... میں مر رہی ہوں" اس کی آواز پر آنسو غالب آ گئے۔

"نہیں نہیں... ایسے نہیں کہتے" بری بات... تمہارے کپڑے تو خالہ کی کوٹھڑی میں ہوں گے۔ ٹھہرو ہم اپنا کوئی جوڑا لاتے ہیں" وہ باہر نکلنے لگیں تو تیمور آ گئے۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"کپڑے لینے جا رہی ہوں۔ جگہ جگہ خون لگا ہوا ہے"۔ وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

’’خان بابا! کسی بڑے برتن میں پانی لاؤ...... ہلکا گرم کر کے...... بی بی جان اس کے زخم صاف کریں گے...
ایک گلاس میں پانی پہلے دے جاؤ۔ یہ ٹیبلٹ بھی کھانا‘‘۔

مطربہ نے آنکھیں موندے موندے تیمور علی خان کی مہربان آواز کی تمام روشنیاں اپنے اندر اتار لیں۔ یہ وہ تیمور...
تو ہرگز بھی نہیں تھے جن کے چہرے پر برف جمی رہتی تھی۔ جن کے حافظے میں اس کا نام محفوظ نہیں ہو پاتا تھا...
بلند نظر آتے تھے۔ وہ اسے ’’لڑکی‘‘ کہتے ہوئے۔

چوکیدار پانی لے آیا تو انہوں نے دو ٹیبلٹس اپنی ہتھیلی پر رکھ کر اس کے سامنے کیں۔

’’لو یہ کھالو...... درد کم ہو جائے گا‘‘۔

وہ کہنیوں کے بل اونچی ہوئی‘ بمشکل پہلے ان کی ہتھیلی سے ایک گولی اٹھا کر منہ میں رکھی اور پانی کے چند گھونٹ...
پھر دوسری گولی اٹھائی۔

’’خان بابا۔ ہم اپنے کمرے میں جا رہے ہیں۔ بی بی جان آ رہی ہیں۔ ان سے کہنا کسی طرح کوشش کر کے اسے...
پہنچا دیں۔ پھاٹک میں تالا ڈالو اب پھاٹک اس وقت تک نہیں کھلے گا جب تک ہم اجازت نہ دیں‘‘۔

وہ اپنے مخصوص لب و لہجے میں حکم دے کر باہر چلے گئے۔

....

صبح کو ہال کمرے میں ایک بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ مختلف آوازوں سے ایک شور سا ہو رہا تھا۔ خالہ گاہے گاہے اسے چھو رہی...
رہی تھیں۔ جیسے اسے سامنے دیکھ کر یقین نہ آ رہا ہو۔

’’بتاؤ...... بچی کا کیا حال ہو گیا۔ بیٹی! کیا بہت تکلیف ہو رہی ہے؟‘‘ اماں جی اس کی حالت پر بہت اذیت محسوس کر...
رہی تھیں۔

’’یہ اتنے زخم تجھے آئے کیسے؟‘‘ خالہ بے قراری سے پوچھ رہی تھیں۔

’’بہت مارا ہے انہوں نے‘‘۔ مطربہ نے تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا۔

’’اے ہے...... ستیاناس ہو کم بختوں کا۔ کیا حشر کیا ہے پھول سی بچی کا‘‘۔ خالہ آبدیدہ ہو گئیں۔ ’’لے یہ چائے ڈبل...
کھالے‘‘۔

’’رات تو میں امتحان میں پڑ گئی اماں جی۔ کپڑے زخموں سے چپکے ہوئے تھے‘‘۔ رئیسہ بیگم نے بتایا۔

’’تو یہ تو بتا ان خونیوں سے بچ کر کیسے آ گئی؟ بڑی ہمت دکھائی تو نے‘‘۔ اماں جی کہہ رہی تھیں۔

’’کوٹھی میں کوئی فنکشن تھا۔ وہ چڑیل ادھر لگی ہوئی تھی۔ اس کے کتے سمجھے میں بے ہوش پڑی ہوں اور اتنی زخمی ہو...
مجھ سے اٹھا بھی نہیں جائیگا اور مجھ سے واقعی اٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ پتا نہیں کہاں سے اتنی ہمت آ گئی‘‘۔

’’ہاں‘ بس اللہ ہی ہمت دیتا ہے‘‘۔ اماں جی نے بڑی دلسوزی سے کہا۔

’’مگر انہوں نے تجھے مارا کیوں؟ تو کیا بھاگتے ہوئے پکڑی گئی تھی؟ تزئین بھی گم صم حالت میں باہر آئیں۔

’’...مجھے دلہن بنا رہی تھی۔ میں نے کہہ دیا کہ میں کسی سے شادی نہیں کروں گی۔ میں نے زیور کھڑکی سے باہر پھینک دیا
...بہو زیور تھا۔ وہ دوسرا لے آئی اور مجھے زبردستی کپڑے پہنانے لگی۔ میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا‘‘۔
...مطربہ نے جیسے ہی لفظ ’’تھوک‘‘ سنا اپنے اپنے سینوں میں ٹھنڈ پڑتی محسوس کی اور اس کے اس ’’کارنامے‘‘ پر اسے
...بڑی نظروں سے دیکھا۔

’’پھر......؟‘‘ نازنین نے بے تابی سے پوچھا۔

’’پھر اس نے دو طمانچے میرے منہ پر...... آہ‘‘۔ مطربہ کراہی۔

’’میں نے بھی کہہ دیا کہ انشاء اللہ مجھے کفن پہنا کر ہی بھیجو گی اس ’’کمینے‘‘ کے گھر۔ ہائے بی بی جان ایسا موٹا......
...ڈرا گیا۔ وہ تو بہت چھپا رہی تھی لیکن میں بھی بڑی چالاک ہوں۔ آہ...... ہائے‘‘۔

’’تیری چالاکی‘ ہوشیاری کے تو ڈنکے پٹ رہے ہیں‘‘۔ خالہ نے اس کے بازو پر مرہم لگاتے ہوئے جل کر کہا۔

’’میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اتنا ہی اچھا ہے تو تم خود کر لو نکاح۔ کیوں اماں جی‘ صحیح کہا ہے؟‘‘
...ب کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی تھی۔

’’ہاں...... ہاں صحیح کیوں نہیں ہے؟‘‘ اماں جی نے شفقت سے اس کا دل رکھا۔

’’وہ تو تیرے ’’آئیڈیئے‘‘ پر بڑی خوش ہوئی ہوگی‘‘۔ تزئین نے مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے کہا۔

’’کہاں بی بی جان۔ دو اور لگا دیئے۔ اف‘‘۔

’’چل لعنت بھیج اس کالے‘ موٹے پر۔ میں نے تیرے لئے بر ڈھونڈ لیا ہے۔ تیرے جوڑ کا ہے رنگ بھی گورا ہے۔ ادب
بھی بہت ہے‘‘۔ خالہ نے ٹیوب بند کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

...ب ہی ایک لمحے کو بھونچکے رہ گئے۔ مطربہ تو اپنی تکلیف ہی بھول گئی اور پٹ پٹ آنکھوں سے خالہ کو دیکھنے لگی۔

’’خالہ...... کیا کر چکی ہو چپکے چپکے۔ ہم سے بھی چھپاتی ہو؟‘‘ تزئین نے شاکی انداز میں کہا۔

’’...بڑی بات ہے۔ آپ سے کیوں چھپاؤں گی؟ جو کروں گی‘ آپ سب کی اجازت سے ہی کروں گی‘‘۔ خالہ نے
...جواب دیا۔

’’...؟‘‘ اماں جی بھی خوشگوار حیرت سے پوچھ رہی تھیں۔

’’... فکر نہ کریں‘‘۔

...بہت بھی... میں نظر آنے لگی تھی۔ اور جیسے اپنی تکلیف ہی بھول گئی تھی۔

’’...اچھا ہی ہے... جتنی جلدی ہو سکے تیرا وزن کم ہو‘‘۔ اماں جی نے فطری خلوص کا اظہار کیا۔

’’...گورے رنگ والے سے تیری شادی کر رہی ہیں خالہ‘‘۔ رئیسہ بیگم نے ہنستے ہوئے کہا۔
...بہت خوش رہی۔

’’ویسے کیا بات ہے۔ ثابت ہو گیا کہ بہادر تو بہت ہے۔ بڑا دل گردہ ہے‘‘۔

تزئین نے ایک نگاہ اس کے زخموں پر ڈالی۔

''ہماری تمنا ہماری ''آقا'' ہوتی ہے بی بی جان۔ ''آقا'' جتنا زوردار ہو' غلام کو اتنا ہی تابعدار ہونا پڑتا ہے۔ بہت کمزور اور ڈرپوک ہوں''۔

اس نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ وہ سب ہکا بکا ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

''تو تو زخمی ہو کر بڑی گہری باتیں کرنے لگی''۔ نازنین نے مسکراتے ہوئے گویا داد دی۔

''وہ کون سی تمنا ہے جس کی تو باندی بن گئی ہے''۔ تزئین کو اس کے جملے پر ابھی تک حیرت تھی۔

مطربہ خاموش رہی۔ بلکہ آنکھیں موندلیں۔

''رئیسہ...... اپنے بابا صاحب سے کہہ کر اس کا کوئی بندوبست کرو۔ وہ بہت خطرناک عورت ہے''۔ اماں جی بہت سے یہ بات کہنا چاہ رہی تھیں۔

تیمور علی خان کو دومنٹ ہوئے تھے اس طرف آئے ہوئے۔ وہ اس کا جملہ سن کر متحیر سے دروازے ہی میں ٹھٹکے تھے۔

''ہو گیا ہے بندوبست۔ اسے کراچی بھجوا دیتے ہیں۔ وہاں بھی تو ملازموں کی ضرورت رہتی ہے یہ بہت محنتی ہے بچوں کی دیکھ بھال بھی اچھی طرح کرے گی۔ اشرف کی ماں وہاں پہلے ہی ہے۔ یہ بھی نہیں ہے کہ وہاں یہ اکیلی ہوگی وہ اس کی دیکھ بھال کرے گی اور یہ کوٹھی کی اور ہم آپ کو یہ بتانے آئے ہیں کہ ہم سرائے جا رہے ہیں۔ رات ایک بجے تک ہی واپسی ہوگی فکر مت کیجئے گا۔ حویلی پر پہرہ ہے۔ اطمینان رکھئے''۔ وہ اتنا کہہ کر واپس پلٹ گئے۔

''پہرہ اللہ کا بیٹے...... تمہیں بھی اللہ کی امان میں دیا''۔ اماں جی نے دعا دی۔

''میں اکیلی رہوں گی کراچی میں؟'' مطربہ نحیف آواز میں پوچھ رہی تھی۔

''اور کیا بارات لے کر جائیگی۔ اشرف اور اس کی ماں گاؤں کے ہیں اپنے۔ بھلی عورت ہے''۔ خالہ نے ٹوکا۔

''مگر میرا تو دل نہیں لگے گا''۔ وہ کراہتے ہوئے بولی۔

''جان کی خیر منا...... جان کے ساتھ ہیں دل لگانے کے سودے''۔ خالہ نے ڈانٹا۔ ''یہ کیا کم ہے کہ اللہ نے بچا لیا ہے۔ لگا لیجیو دل ' وخت پڑا ہے''۔

''یہ لڑکیاں تو آتی جاتی رہتی ہے۔ اور اب تو چھوٹی دلہن بھی جاتی رہتی ہیں۔ ان کا تو میکہ ہے وہاں''۔ اماں جی نے سمجھایا۔

''تو کیا بصیر خاناں کی شادی میرے پیچھے ہو جائے گی...... آہ''۔

''ہڈی پسلی ایک ہوئی پڑی ہے۔ مگر دل ہے کہ شادی بیاہ میں اٹکا پڑا ہے''۔ خالہ نے لتاڑا۔

''لیکن میں کراچی کس کے ساتھ جاؤں گی؟''

''اب یہ ہمارا مسئلہ ہے' تو کیوں ہلکان ہو رہی ہے؟'' رئیسہ بیگم نے ڈانٹ پلائی۔

''اماں جی...... آپ مجھے بہت یاد آئیں گی''۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

''تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ تیرا بیاہ کر دیں گے۔ کوئی عمر بھر کو تھوڑا ہی بھیج رہے ہیں کراچی۔ بے وقوف کہیں کی''۔ [illegible] نے دلاسا دیا۔

''میں نہیں کروں گی بیاہ دیاہ۔ نہ گورے نہ کالے سے''۔ وہ بڑبڑائی۔

''سن رہی ہیں اماں جی۔ اس حال میں بھی کیسی پٹر پٹر زبان چل رہی ہے۔ بیاہ نہیں کرے گی تو پھر کیا کرے گی؟'' خالہ [illegible] ہو گئیں۔

''دنیا میں ایسے بھی تو لوگ ہوں گے جو بیاہ نہیں کرتے۔ دنیا میں ایک ہی تو کام نہیں کرنے کیلئے' ہائے''۔ اس نے اپنا [illegible] دبایا۔

''چھوڑ سولہ آنے...... اس وقت اس کا جی اچھا نہیں۔ تو کیوں اپنی جان جلا رہی ہے''۔ اماں نے لاحاصل بحث سمیٹی۔ مگر خالہ جانے کیوں کھٹک رہی تھیں۔

ایک تو لڑکیاں شرم کی وجہ سے شادی بیاہ سے لاتعلقی کا اظہار کرتی ہیں مگر اس کا انداز کچھ اور تھا۔ مگر وہ اماں جی کی وجہ سے [illegible] کے باوجود کچھ بولیں نہیں۔

....

''چل مطربہ اٹھ جا''۔ خالہ نے آہستگی سے جگایا تھا۔

وہ ہڑبڑا کر جاگ گئی تھی۔ چہار سو اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ خوفزدہ سی ہو گئی تھی۔ ''کیا ٹائم ہو رہا ہے خالہ؟''

''صبح کے ساڑھے چار بج رہے ہیں۔ بی بی جان نے ایک بیگ دیا تھا۔ تیرے چار پانچ جوڑے اس میں رکھ دیئے [illegible] یہ لے دوسو روپے رکھ لے''۔ خالہ نے دوسو روپے اس کے ہاتھ پر رکھے۔

ایک تو ذہن ابھی پوری نہیں جاگا نہیں تھا۔ اس پر مستزاد حیلے پہ حملہ۔

''مگر کیوں؟ کپڑے بیگ میں کیوں رکھے ہیں؟ اور دوسو روپے کا میں کیا کروں؟''

''بٹی...... تجھے تیمور خاناں ہوائی جہاز سے کراچی لے جا رہے ہیں''۔ خالہ نے کہا۔

''ہائیں'' ساری نیند اڑنچھو ہو گئی۔ ایک عجیب سے احساس نے اس کی رگ و پے میں لطافتیں بھر دیں۔

''یہ دوسو روپے بھی اسی بیگ میں رکھ دو خالہ۔ میرے پاس تو کوئی پرس یا بٹوا نہیں ہے''۔ اس نے چارپائی سے اترتے [illegible] کمزوری آواز میں کہا۔

''منہ تو دھلوا دو خالہ۔ میرے ہاتھ سے تو کوئی کام نہیں ہو رہا ہے''۔ اس نے بے بسی سے کہا۔

خالہ نے تڑپ کر اسے تھام لیا اور غسل خانے کی طرف لے چلیں۔

خالہ نے ہی منہ دھلوایا پھر خود ہی صاف کیا۔

''کپڑے تو تیرے ٹھیک ہیں۔ اب دوائیوں کی بو کا تو کوئی علاج نہیں۔ یہ میں نے سفید چکن کی چادر تیرے لئے نکالی

ہے۔اسے اچھی طرح لپیٹ لے۔میں یہ پیسے بیگ میں رکھ دوں“۔

خالہ اس وقت مشین کی سی تیزی سے کام کر رہی تھیں۔اس نے چادر سنبھال کر اسٹریپ والی فلیٹ سیاہ چپل پاؤں میں ڈالی۔خالہ کا بازو تھام کر وہ بہت آہستہ آہستہ نیچے آئی تھی۔

”سب تو سو رہے ہوں گے۔اماں جی سے تو مل لیتی“۔اس نے منت سے خالہ کی سمت دیکھا۔

”کوئی بات نہیں...... چند دنوں کی تو بات ہے۔کیوں بے آرام کرتی ہو...... بی بی جان جاگ رہی ہیں تیری خاطر“۔ وہ اسے لئے ہوئے پورچ میں آئیں۔

بی بی جان ڈرائیور کے ساتھ کھڑی ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

”اگر بیٹھنا مشکل ہو تو پیچھے لیٹ جاؤ“۔رئیسہ بیگم نے اس سے کہا۔

ڈرائیور نے جیپ کا دروازہ کھولا‘ خالہ نے سہارا دے کر اسے بٹھایا۔

”دیکھو گھبرانا نہیں۔وہ بھی ہمارا اپنا گھر ہے“۔رئیسہ بیگم نے اسے تسلی دی۔

”اشرف کی ماں بہت اچھی عورت ہے۔بہت خیال رکھے گی تمہارا“۔

”بی بی جا! اللہ آپ کو آل اولاد کی خوشیاں دکھائے...... کتنے بھلے لوگ ہیں آپ۔ایک بے کس بچی کیلئے جو آپ لوگوں نے تکلیف اٹھائی ہے‘ اللہ ہی اس کا اجر دے گا“۔

خالہ کا دل بھر آیا تھا۔کچھ جذبہ سپاس سے اور کچھ اس کی جدائی کے خیال سے۔

”خالہ روؤ نہیں...... ورنہ میں سارے راستے روتی جاؤں گی“۔مطربہ کو خود بھی رونا آ رہا تھا۔

”آ گئی وہ؟“ اسی دم تیمور علی خان سیاہ کوٹ پینٹ میں ان کے قریب آ گئے۔

”ہاں بیٹھ گئی“۔رئیسہ بیگم نے جواب دیا۔

”میرا بیگ رکھا ہے؟“ وہ بہن سے پوچھ رہے تھے۔

”ہوں...... رکھ دیا ہے۔اب بس بیٹھ جاؤ‘ وقت بہت تنگ ہے“۔

وہ پیچھے متوجہ ہوئے بغیر بہت آرام دہ انداز میں اگلی سیٹ پر بیٹھ چکے تھے۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

جیپ ریورس میں چلنا شروع ہوئی۔خالہ بے تاب سے انداز میں...... ساتھ ساتھ چلنے لگیں۔

”آؤ خالہ! اندر چلیں“۔رئیسہ بیگم کو ان پر ترس سا آ گیا۔

خالہ بے ساختہ آئے ہوئے اشک پونچھنے لگیں۔”اللہ۔تیری امان میں دیا“۔

....

تیمور علی خان بورڈنگ کارڈ کے سلسلے میں کاؤنٹر کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔وہ سہمی ہوئی شیشے کی دیوار سے کمر ٹکائے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔روشنیوں کی چکا چوند۔ایک سے ایک خوش لباس و خوش شکل زن و مرد بڑے مصروف انداز میں آ جا رہے تھے۔اسے اپنے لباس پر نظر ڈال کر بڑی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔حالانکہ بے توقیر لباس پر اس نے بہت خوبصورت کڑھائی کی چادر پھیلا رکھی تھی جس سے آدھا چہرہ بھی چھپایا ہوا تھا۔

”آؤ“۔تیمور علی خان کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔وہ لاؤنج کی طرف بڑھ رہے تھے۔وہ گھبرا کر ان کے پیچھے ہو لی تھی۔گویا بھیڑ میں گم ہو جانے کا خوف ہو۔لاؤنج میں الگ ہی نظارہ تھا۔لوگ جیسے اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔

دو تین بچوں نے غالباً پکڑم پکڑائی شروع کر رکھا تھا۔ پورے لاؤنج میں بھاگے پھر رہے تھے۔ وہ دونوں جس صوفے پر بیٹھے تھے اس کی پشت پر آ کر ایک بچے نے چیخ ماری۔ وہ تو یوں بھی بوکھلائی ہوئی تھی ایک دم اچھل پڑی۔ پھر اپنی حرکت پر خود ہی شرمندہ ہو گئی۔ اس وقت تو بچے گھروں میں بے خبر سوئے ہوتے ہیں۔ ادھر تو جیسے پکنک ہو رہی تھی۔

معاً اس کا دھیان گاہے گاہے ہونے والی اناؤنسمنٹ کی طرف گیا جب وہ متوجہ ہوئی تو اناؤنسمنٹ انگلش میں ہو رہی تھی۔

''خ.....خان! شاید کسی کا بچہ کھو گیا' اعلان ہو رہا ہے''۔ وہ بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

تیمور علی خان نے گہری سانس لے کر چہرہ موڑا تھا۔ گویا اپنی جھلاہٹ پر قابو پایا تھا۔

''ابھی اردو میں بھی بولے گی۔ غور سے سن لینا''۔ وہ اس خیال سے گویا ہوئے تھے کہ وہ مزید گوہر افشانی نہ کر بیٹھے۔ کیونکہ اس کے پہلو میں ایک بڑی فیشن ایبل خاتون گود میں شیر خوار اٹھائے براجمان ہو چکی تھی۔ اور اس کے پہلو میں شاید اسی کی بہن تھی۔ دونوں کی شکل میں خاصی مشابہت تھی۔

''ایکسکیوز می انکل! آپ کے اس سائیڈ میری بال ہے''۔ ایک بچہ گھٹنوں کے بل جھکا ہوا صوفے کے نیچے جھانک رہا تھا۔

''ہوں.....ہوں.....وہاں کیا کر رہے ہو تیمور؟'' سامنے صوفے پر بیٹھی ایک طرح دار خاتون نے بچے کو پکارا۔

تیمور علی خان نے دلچسپی سے اپنے ہم نام بچے کو دیکھا اور ایک طرف کو ہو گئے تا کہ بچہ آسانی سے اپنی بال نکال سکے۔

''سوری انکل.....ادھر نہیں ہے' آپ کی آنٹی کے پاؤں کی طرف ہے''۔ بچے نے قدرے خجالت سے کہا اور مطربہ کی طرف ہو کر ہاتھ ڈال کر گیند اٹھانے لگا۔ پھر ایک دم اٹھا۔ اب اس کے ہاتھ میں وہائٹ کلر کی پنگ پانگ بال تھی۔

''تھینک یو آنٹی''۔

''ڈیئر بابا۔ یہ انکل کی آنٹی نہیں ہیں آپ کی آنٹی ہیں۔ انکل کی تو غالباً ''وہ'' ہیں''۔

مطربہ کے حسن سے دم بخود پہلو میں بیٹھی ہوئی عورت بچے کو تھپکتے ہوئے مسکرائی۔ جو بھی متوجہ تھا مسکرا دیا۔

''کراچی جا رہی ہیں آپ؟'' وہی خاتون مطربہ کے چہرے کو پرشوق نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''جی''۔

''شادی شدہ ہیں ناں؟'' اس مرتبہ اس نے پروقار بہت شاندار سے تیمور علی خان کی سمت دیکھا تھا۔

مطربہ نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''پھر یہ آپ کے کون ہیں؟'' خاتون کچھ دیر قبل بولے گئے جملے پر شرمندہ نظر آئی۔

مطربہ خاموش رہی۔

''کزن ہیں؟''

مطربہ خاموش رہی۔

''بڑے بھائی ہیں؟''

مطربہ پھر خاموش رہی۔

تیمور علی خان نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''میڈم! ہم زمیندار قسم کے لوگ ہیں۔ ہمارے ہاں کی زیادہ تر خواتین اردو' انگلش نہ سمجھتی نہ بولتی ہیں۔ یہ صرف مقامی زبان جانتی ہیں''۔

''سوری فار ڈیٹ''۔ عورت خجل سی ہو کر بیگ سے پانی کی فیڈر نکالنے لگی۔

مطربہ نے بھی اطمینان کا گہرا سانس لیا۔

اسی وقت کوئٹہ کی فلائٹ کیلئے اناؤنسمنٹ ہوئی اور مطربہ کے پہلو میں بیٹھی ہوئی دونوں خواتین اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''جب کوئی بات کرتا ہے تو جواب ضرور دینا چاہیے۔ ابھی وہ اپنے میاں کو کہہ کر سکیورٹی والوں کو بلوا لیتی کہ لڑکی اغوا کر کے لے جائی جا رہی ہے۔ نان سنس۔ ایبسولوٹلی پرابلم''۔ تیمور علی خان کی طبع نازک برہم ہو گئی۔

ان کے انداز پر تو اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

''خان! مجھے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ میں کیا جواب دوں؟'' وہ روہانسی ہو گئی اس خوف سے کہ جانے کب تک وہ ناراض رہیں گے۔

''اگر کوئی اور پوچھ لے تو کیا جواب دوں؟'' وہ سہمے ہوئے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''بس اب کوئی نہیں پوچھے گا۔ فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے''۔ وہ اسی طرح آف موڈ میں گویا ہوئے۔ وہ ... درست کرنے لگا۔

''خان.....وہ بیگ تو آپ نے انہیں دیدیا ہے۔ اس میں میرے دو سو روپے بھی تھے۔ کہیں وہ نکال نہ لیں''۔ معاً وہ پریشان ہو گئی۔

''پیسے بیگ میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟'' وہ جھلائے۔

''میرے پاس کوئی بٹوہ نہیں ہے۔ مجھے پیسوں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اماں جی سب کچھ دلا دیتی ہیں۔ کبھی بی بی جان دلا دیتی ہیں''۔ وہ ڈرتے ڈرتے کہہ رہی تھی۔

تیمور علی خان اس کی آواز کے زیر و بم میں اتر گئے۔ چہرہ موڑ کر ایک ثانیے کو اس کی سمت دیکھا۔ سفید چہرہ' عنابی کانپتے ہونٹ' چادر کا ٹھیک ٹھاک گھونگھٹ۔

... حسن کی شعاع میں جل کر خاک ہو گیا۔

''ڈونٹ میٹر.....کوئی نہیں نکالے گا۔ ڈومیسٹک فلائٹ میں اتنی چھان بین نہیں ہوتی''۔

... کے پار نوخیز صبح کے آثار دیکھنے لگے۔

... کچھ سمجھ نہ آیا سوائے اس کے کہ پیسے کوئی نہیں نکالے گا۔

’’اور یہ دوسو روپے تمہارے پاس آئے کہاں سے۔ ٹھیک ٹھاک رقم ہے۔ ایک جوڑی سونے کے بندے آگئے ہیں‘‘ تیمور علی خان نے بنظر غائر اس کا چہرہ دیکھا۔

’’خالہ نے دیئے تھے اور خالہ کو نانی نے دیئے تھے۔ اور نانی کو‘‘۔

’’کنٹی نیوٹریول (مسلسل سفر) اسٹاف پلیز۔ اب کراچی جا کر خیرات کر دینا۔ جان چھڑا لینا اس وزن سے‘‘۔ ٹو دی پوائنٹ بات کرنے والے تیمور علی خان سچ مچ جھلا کر رہ گئے۔

وہ سہم کر خاموش ہو رہی۔ اور دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ جاتے ہی اشرف کی ماں کے حوالے کر دے گی۔

....

وہ سیونتھ سی میں داخل ہوئی تو سراپا حیرت تھی۔ راستے میں جھاگ اڑاتا سمندر دیکھ کر تو وہ دم بخود رہ گئی تھی۔ اٹک کے پل سے بہتا دریا بھی دیکھا تھا۔ اور دریائے جہلم بھی اتنا بڑا سمندر۔ اف خدایا۔

وہ کوٹھی میں داخل ہوئے تھے‘ اشرف منتظر ملا۔

’’خان آپ کے دوست رات کو آ گئے تھے میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ آپ صبح آئینگے‘‘۔

’’اچھا۔ کیا سو رہا ہے؟‘‘

’’جی...... رات کو لیٹ شو دیکھ کر آئے تھے۔ زیبا‘ محمد علی کی نئی فلم لگی ہے ناں اتوار سے‘ وہی دیکھ کر آئے ہوں گے‘‘۔ مطربہ نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ ٹھیک ٹھاک حماقت برس رہی تھی چہرے پر۔

’’بات مختصر کیا کرو‘‘۔ تیمور علی خان ناگواری سے ٹوک کر آگے بڑھنے لگے۔ وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے ہی چل پڑی۔

اسی دم ایک سمت سے ایک ادھیڑ عمر عورت نمودار ہوئی۔ اور بہت ادب سے جھک کر تیمور علی خان کو سلام کیا۔

’’یہ تمہارے ساتھ رہے گی صابرہ۔ اس کا خیال رکھنا تمہاری سب سے خاص ڈیوٹی ہے۔ باہر کے کسی کام سے یہ نہیں جائیگی۔ یہاں کے کاموں میں تمہارا ہاتھ بٹائے گی۔ باقی ہدایات اماں جی فون پر تمہیں دیدیں گی۔ ہم بہت تھکے ہوئے ہیں آرام کریں گے۔ ہمیں کوئی ڈسٹرب نہ کرے‘‘۔ وہ گول چکردار زینے کی جانب بڑھ گئے۔

اشرف کی ماں دم بخود کھڑی مطربہ کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔

’’تت...... تمہیں خان حویلی سے لائے ہیں؟‘‘ عورت کا ذہن اس کا حسن دیکھ کر کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

’’ہوں...... میں وہاں کام کرتی تھی۔ خالہ سولہ آنے کی بھانجی ہوں‘‘۔ اس نے آہستگی سے بتایا۔

’’ارے...... تو سولہ آنے کی بھانجی ہے۔ میں صدقے۔ پھر تو میری بھی بھانجی ہے۔ سولہ آنے نے کہاں چھپا کر رکھا تھا یہ دانہ‘‘۔ صابرہ نے اسے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔

’’آہ...... ہا...... آ...... خالہ میرا جسم بہت دکھ رہا تھا زخم کچے ہیں‘‘۔ وہ اذیت سے دوہری ہو گئی۔

صابرہ نے بدحواس ہو کر اسے ایک دم خود سے الگ کر دیا۔

’’ز...... ز...... زخم۔ کیسے آئے زخم بیٹی؟‘‘ وہ بری طرح پریشان و مضطرب نظر آ ئی۔

’’بتا دوں گی خالہ...... اب تو تمہارے ساتھ ہی رہوں گی۔ سب کچھ بتا دوں گی...... آئے‘‘۔ اس نے درد کی ٹیس پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

’’اچھا...... تو یہاں بیٹھ جا‘‘۔ اس نے مطربہ کو آہستگی سے تھام کر صوفے پر بٹھا دیا۔

’’ناشتا لاؤں تیرے لئے؟‘‘ وہ اس کی پیشانی سے بال سمیٹ کر بہت محبت سے پوچھ رہی تھی۔

’’نہیں...... بس میں سوؤں گی۔ ناشتا جہاز میں کر لیا تھا۔ بہت نیند آ رہی ہے۔ پتا نہیں کتنی راتیں ہو گئیں۔ ٹھیک سے سونا نہیں مل رہا‘‘۔ اس کی آواز میں ڈھیروں تھکن اتر آئی۔

’’چل آ جا پھر...... میرے بستر پر آرام سے سو جا۔ اور جتنا مرضی سو۔ تجھے کوئی نہیں اٹھائے گا۔ جب تو سو کر اٹھے گی تو میں تجھے بہت اچھا سا پلاؤ کھلاؤں گی مرغی والا‘‘۔

جانے اس کی صورت میں کیا جادو تھا کہ وہ موم کی طرح پگھل رہی تھی۔ اس سے بہت محبت سی محسوس ہو رہی تھی۔

’’یہاں کام ہی کتنا ہوتا ہے بیٹی۔ کام تو بندوں سے ہوتا ہے۔ جب چودھرانیاں ادھر آتی ہیں‘ تب ہوتی ہے بڑی رونق۔ رات ایک ایک بجے تک سونا نہیں ملتا۔ ویلا بندہ بھی پریشان ہو جاتا ہے۔ وہ آتی ہیں تو میں بڑی خوشی ہوتی ہوں۔ اماں جی کہتی ہوں صابرہ گھر چمکا کر رکھا کر۔ کہ بسا ہوا نظر آئے۔ تم ادھر ادھر دیکھ لینا۔ آس پاس کی کوئی کوٹھی ہماری کوٹھی کی طرح نہیں چمکتی۔ جیسے آج ہی بنی ہو۔ بڑے خان دو سال میں ایک دفعہ تو لازمی پوری کوٹھی میں رنگ و روغن کرواتے ہیں۔ میری بڑی بہو جب کریچی (کراچی) آتی ہے تو مذاق کرتی ہے کہ اماں یہ تو تیری کوٹھی ہے۔ خانوں کا تو بس نام ہے۔ بسی ہوئی تو ہے اس میں‘‘۔

صابرہ اسے اپنے کمرے تک لے جاتے ہوئے ایک تواتر سے بولے چلی جا رہی تھی۔

’’اور آج سے تو یہ سمجھ کہ یہ تیری بھی ہے‘‘۔ صابرہ قل قل کر کے ہنس پڑی۔

(ہائے...... آگے پیچھے کوٹھیاں بچی ہیں میرے تو۔ مگر دل حویلیوں کوٹھیوں پر راضی ہی کب ہے۔ یہ تو وہ ضدی بچہ ہے جو ماں کی دی ہوئی مٹھائی پھینک کر تیز مرچ مانگ رہا ہو) وہ تھکے تھکے ذہن سے سوچ رہی تھی۔

....

وہ شام پانچ بجے کے قریب سو کر اٹھی تھی۔ گہری نیند سے جاگنے کی وجہ سے کچھ دیر تو اسے سمجھ ہی نہ آئی کہ کہاں ہے۔ خالی نظروں سے چھت کو گھورتی رہی۔ پھر ایک دم اٹھ بیٹھی۔ دوپٹا سنبھالتی باہر آئی۔ سامنے ہی ڈائننگ ہال میں واش بیسن لگا تھا۔ وہ اس سمت بڑھ گئی۔ بازو میں ہنوز تکلیف تھی۔ اس نے بمشکل منہ دھویا۔ بازو اور کمر میں درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ وہ کراہ کر مڑی ہی تھی کہ محسوس ہوا‘ وہاں کوئی اور بھی موجود ہے وہ چونک کر مڑی سامنے تیمور علی خان چھوٹا سا بیگ پکڑے کھڑے تھے۔

’’اس میں تمہاری دوائیاں اور ٹیوبس ہیں۔ اشرف کی ماں سے کہہ کر زخموں پر دوا لگوا لینا۔ ویسے اب حال کیا ہے؟‘‘ وہ بیگ ایک کرسی پر رکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

’’درد تو اب بھی بہت ہے خان اور الٹا بازو تو بہت دکھ رہا ہے‘‘۔ وہ اپنے دوپٹے کو دائیں ہاتھ سے چہرے پر پھیرتے

ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ہوں''۔ وہ کچھ سوچ رہے تھے۔

''ویسے ہماری حیرت کسی طرح کم نہیں ہو رہی کہ اس رات تم نے اتنی انجرڈ حالت میں اتنا لمبا سفر کیسے کر لیا۔ ہو رہ... ہے تمہاری ماں کا گھر حویلی کے نزدیک تو نہیں ہو سکتا۔ پہلے تم شہر آئی ہو گی پھر وہاں سے اتنی رات کو پیدل گاؤں''۔

''میں پیدل نہیں آئی تھی خان''۔ اس نے فوراً تیمور علی خان کی بات کاٹ دی۔

''پھر...... اتنی رات کو تمہیں سواری مل گئی تھی؟'' وہ متعجب ہوئے۔

وہ خاموش کھڑی رہی۔

''بولو''۔ وہ چڑ گئے۔

''مجھے ایک آدمی چھوڑ کر گیا تھا خان''۔ وہ بہت آہستہ بول رہی تھی۔

''تمہاری ماں کی طرف کا آدمی؟'' وہ مزید حیران ہوئے۔

''نہیں...... جب میں دیوار کود کر باہر آئی تو ایک آدمی اپنی دوائیوں کی دکان بند کر کے تالا لگا رہا تھا۔ اس نے مجھے دیوار سے کودتے دیکھ لیا تھا۔ وہ دکان چھوڑ کر بھاگ کر میرے پاس آیا۔ وہ سمجھا تھا کوئی چور ہے۔

شہر بانو کو ادھر سب جانتے ہیں۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ یہ عورت مجھے اغوا کر کے لائی ہے اور میں بہت زخمی ہوں۔ میرے کپڑے خون میں تر بتر ہیں۔ بے چارے کو بہت دکھ ہوا۔ کہنے لگا ''یہ عورت بہت خطرناک ہے۔ نہ میں تمہیں کسی اسپتال لے جا سکتا ہوں نہ اپنے گھر۔ میرا بھی جوان بیٹیوں کا ساتھ ہے۔ یہیں میرا گھر ہے' یہیں کاروبار۔ البتہ میں تمہیں وہاں ضرور پہنچا سکتا ہوں جہاں سے تم آئی ہو۔ میں اپنی بیوی کو بتا کر آتا ہوں اور گاڑی بھی لے کر آتا ہوں ابھی' تم اتنے میں دکان کے اندر بیٹھ جاؤ۔ میں باہر سے بند کر کے جاؤں گا۔ گھبرانا نہیں''۔

پھر خان میں دکان میں بیٹھ گئی۔ اس نے مجھ سے پتا پوچھا۔ مجھے تو خود صحیح سے معلوم نہیں تھا۔ میں نے کہا دریا بستی لے چلو۔ وہاں سے تو میں بتا سکتی ہوں۔

تھوڑی دیر میں وہ آ گیا تھا اس نے مجھے دکان سے نکال کر گاڑی میں بٹھایا۔ پیچھے اور دکان میں تالا ڈالا۔ حویلی سے بہت دور ہے اس کا گھر' بہت دیر گاڑی چلی تھی۔ میں تو پتا نہیں سو گئی تھی یا بے ہوش ہو گئی تھی۔ راستے میں اس نے گاڑی میں پٹرول بھی ڈلوایا تھا۔ میں لیٹی ہوئی تھی۔ پیچھے مجھ سے بولا اٹھ کر بیٹھ جاؤ کہیں کسی کو شک ہو جائے۔

''خان...... وہ بہت نیک آدمی تھا۔ اس نے مجھے حویلی سے تھوڑی دور اتار دیا تھا۔ میں نے اسے کہا بھی تھا کہ آپ ہمارے خانوں سے مل لیں۔ وہ بہت اچھے ہیں۔ کہنے لگا بیٹی بھلائی کا زمانہ نہیں۔ نیکی گلے پڑ جاتی ہے۔ ایک تو تم جوان ہو پھر اس پر اس قدر زخمی۔ اس لئے اللہ کا نام لے کر خطرہ مول لیا''۔

''واقعی وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ یا یہ کہ تمہاری لک (قسمت) بہت اچھی ہے اس اپروچ فل خاتون سے چھوٹ جانا...

...بات نہیں تھی''۔

''پتہ نہیں خان قسمت اچھی ہے یا۔ قسمت اچھی ہوتی تو کہیں اور پیدا ہوئے ہوتے''۔

چھوٹی عمر میں بہت بڑی بات تھی۔ تیمور علی خان تو یک ثانیے کو دم بخود سے رہ گئے۔

''یہ بھی اچھی قسمت کی علامت ہے کہ تم جہاں پیدا ہوئی تھیں وہاں نہیں ہو''۔ انہوں نے گویا اسے تقویت پہنچانا چاہی۔

''اس نے تم پر اتنا تشدد کیوں کیا تھا؟'' وہ جاتے جاتے پھر رک گئے۔

''ایک موٹے سے میری شادی کر رہی تھی۔ میں نے تو کھانا بھی نہیں کھایا تھا وہاں' اس پر بھی بڑا غصہ تھا اسے۔ ایک چڈال بڑھیا بھی تھی وہاں۔ اس سے کہہ رہی تھی کہ ایک دفعہ یہ وہاں جا کر واپس آئے سارا زور ٹوٹ جائے گا گردن جھکا کر نیچی کر جھکا کر چلے گی۔ سارا نشہ ہرن ہو جائیگا بس ایک دفعہ بس چل جائے اس پر کسی کا۔ اس لئے جلدی کر رہی ہوں۔ ورنہ بڈھی بوکی پیاسی مر جائے گی''۔

طریہ نہایت سادگی سے حرف بہ حرف بتا رہی تھی۔

اتنی لمبی بات میں کوئی لفظ اتنا وزنی تھا کہ تیمور علی خان کی پلکیں بوجھل ہو گئی تھیں۔ وہ نگاہ اٹھائے بغیر باہر نکل گئے تھے۔

''خیر سے اٹھ گئی۔ دیکھ تو سہی' تیرے آنے سے کتنی رونق ہو گئی ہے کوٹھی میں۔ تیرے اٹھنے کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ گرم گرم پکوڑے بنائے ہیں اور چٹنی پیسی ہے۔ باہر نوکروں کو بھی دے کر آئی ہوں۔ سب بڑے خوش ہوئے۔ بندہ اکیلا ہو تو کہاں دل کرتا ہے اس طرح کھانے پینے کو''۔

صابرہ اندر داخل ہوتے ہی شروع ہو گئی۔ احساس تشکر کی سینے میں ایک موج سی اٹھی تھی۔ اس نے بہت اپنائیت سے صابرہ کو دیکھا تھا۔

''خان کو تو میں نے پکوڑے نہیں بھجوائے۔ لال مرچوں کی چیزیں پسند نہیں کرتے ناں وہ تو اب یاد آیا کہ خان کا دوست آیا ہوا ہے رات سے۔ اسے ہی بھجوا دیتی مگر اب تو وہ چائے پی چکے''۔

''یہ کیا ہے؟ تیرا ہے؟'' صابرہ کی بات کرتے کرتے نظر بیگ پر پڑی۔

''دوائیاں ہیں اس میں میری۔ اور مرہم ہے۔ جو تم ہی لگاؤ گی۔ کام بڑھ گیا ہے تمہارا''۔ وہ زبردستی کے انداز میں مسکرائی۔

''صدقے جاؤں۔ بھلا یہ بھی کوئی کام ہے۔ مگر۔ صابرہ بولتے بولتے رک گئی۔

''بیٹی! یہ زخم تجھے آئے کیسے؟'' وہ بہت فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں...... ٹھیک ہوں اب۔ سب کچھ بتاؤں گی''۔ وہ اس کے ساتھ باہر کی سمت قدم بڑھاتے ہوئے گویا ہوئی۔

''کیا خانوں نے؟''

''ارے نہیں...... خان لوگ تو بہت اچھے ہیں۔ یہ کچھ اور بات ہے۔ پہلے چائے پلاؤ۔ پکوڑے کھلاؤ۔ پھر سب کچھ بتاؤں گی فکر نہ کرو''۔

"اچھا.....آجا"۔ صابرہ اسے کچن کی لے کر چکی۔

.....

صابرہ اللہ جانے کہاں غائب ہوگئی تھی' وہ جلے پاؤں کی بلی بنی ایک ایک کمرہ جھانک رہی تھی۔ ایک کونے پر بنے کمرے کا دروازہ نیم وا تھا اور روشنی ایک لکیر کی صورت باہر آ رہی تھی۔

اس نے آہستگی سے دروازہ دھکیلا اور دھک سے رہ گئی۔ ایک نوجوان جسے جوان مرد ہی کہا جا سکتا تھا بنیان اور... میں کوئی نقشہ سا پھیلائے بیٹھا تھا بیڈ پر۔ اس نے دروازے کی چرچراہٹ پر چونک کر سر اٹھایا تھا۔ اور ٹھٹک سا گیا تھا۔

"جی.....تشریف لائیے۔ آپ کون؟" اس نے ہاتھ میں پکڑی پنسل نقشے پر ڈال دی اور سیدھا ہو کر قمیض پہننے لگا۔

"جی.....وہ.....جی.....السلام علیکم"۔ وہ بوکھلاہٹ میں بے ربط سی ہوگئی۔

"وعلیکم السلام ورحمت اللہ وبرکاۃ۔ زہے نصیب"۔ اس شخص کی آنکھیں تک مسکرا رہی تھیں۔

"وہ جی.....تیمور خان ادھر نہیں ہیں؟ میں سمجھی"۔ وہ پلٹنے لگی۔

"سنئے"۔ اس شخص کی دھیمی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

"آپ تیمور کی کون ہیں؟" وہ دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اس قدر آپ جناب سے گھبرا کر وہ تو آدھی ہوگئی۔

"میں جی.....کوئی بھی نہیں ہوں ان کی"۔ وہ بہت گھبرا رہی تھی۔

"جب کوئی کسی کو ڈھونڈتا ہے یا پوچھتا ہے تو وہ اس کا ضرور کچھ نہ کچھ ہوتا ہے"۔ وہ بہت اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"آپ یقین کریں"۔

"اس انداز میں یقین نہ دلائیے۔ کہ مجھے ہی کسی تعلق کی ضرورت محسوس ہونے لگے"۔ عجیب شرارتی سا انداز تھا۔

اس کے تو سر سے گزر گیا۔ اسے ایک دم اپنی اوقات یاد آگئی۔

"آپ مہمان ہیں خان کے؟ چائے بھجواؤں آپ کیلئے"۔ اس سے نجات کی یہی آسان صورت نظر آئی۔

"چائے ہی پلوانا ہے تو بھجوایئے نہیں۔ خود لے کر آیئے"۔

وہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ نیچے آئی۔ صابرہ اب بھی منظر پر نہیں تھی۔ وہ کچن میں چلی آئی۔

"اسے یہاں کا کچھ پتا نہیں تھا۔ چینی کہاں رکھی ہے' پتی کہاں رکھی ہے۔ دل تو ذرا سا چلنے ہی سے خالی سا محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ ایک طرف ٹک کر گہری سانس لینے لگی تھی۔

"بیٹی! تو یہاں کیا کر رہی ہے۔ کچھ چاہیے تجھے۔ جا تو آرام کر' میری آنکھوں میں تو ابھی تک تیرے زخم گھوم رہے ہیں۔ ہئے ہئے۔ ظالم کو اپنی اولاد پر رحم نہ آیا تو اوروں کے ساتھ کیا کرتی ہوگی"۔

"کہاں چلی گئی تھیں خالہ! میں تمہیں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ پریشان ہوگئی تھی میں تو"۔

وہ روہانسی ہو کر صابرہ کے گلے سے لگ گئی۔

"تو آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔ میں سمجھی سو رہی ہے۔ میں پڑوس کی کوٹھی میں چلی گئی۔ وہاں اماں حنیفہ کام کرتی ہے۔ چھ بیٹیوں کے بعد پوتا ہوا ہے۔ مبارکباد دینے گئی تھی۔ ابھی تو گئی تھی۔ زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی۔ اتنی رونق والی جگہ سے آئی ہے ویرانے نے گھبرا گئی ہوگی"۔

"خالہ! اوپر کوئی مہمان ہے' چائے کا کہہ رہا ہے"۔ وہ پرسکون ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تو گئی تھی اوپر؟" صابرہ نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں ناں۔ تمہیں ڈھونڈنے گئی تھی"۔

"بیٹی! ادھر کو تیرے بھلے کو کہہ رہی ہوں۔ ہر ایرے غیرے کے سامنے نہ جایا کر۔ اللہ نے تجھے بہت روپ دیا ہے یہ تو آزمائش میں ڈالنے والی بات ہوئی۔ جتنا خود کو چھپا سکتی ہے چھپا۔ اللہ تجھے ساتھ خیریت کے اپنے گھر کی کرے۔

"میں لے آؤں گی چائے"۔ صابرہ نے بڑی محبت سے سمجھایا۔

"تیمور خان بھی پتا نہیں کہاں چلے گئے"۔ وہ بڑبڑائی۔

صابرہ نے کیتلی اٹھاتے ہوئے ایک دم مڑ کر اس کی سمت دیکھا اور بہت بغور دیکھا۔

"ایک بات اور گرہ میں باندھ لے بیٹی۔ مالکوں کی کمی۔ دوری' قربتی' حاضری' غیر حاضری محسوس نہیں کرتے۔ نوکر کو جچتا نہیں ہے۔ تو لاکھ پیسے والی کی اولاد سہی مگر ادھر تو نوکر ہے۔ یہ عیب کی بات ہے بیٹی! برا نہ منانا"۔

مطربہ خاموشی سے ہاتھ مسلنے لگی جیسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہو۔

صابرہ نے باتیں کرتے کرتے چائے تیار کی۔ مطربہ ہوں ہاں کرتی رہی' اوپر والے مہمان کے انداز رہ رہ کر دھیان میں آ رہے تھے۔

"یہ کیک بچا رکھا ہے' صبح کو باسی ہو جائیگا۔ کھائے گی؟" صابرہ نے سنہری پلیٹ میں رکھا کیک اس کے سامنے رکھا' ساتھ خوبصورت دستے والی چھری تھی۔ وہ گم صم سے انداز میں کیک پر چھری چلانے لگی۔ صابرہ چائے لے کر باہر نکل گئی۔

اس نے ایک پیس پورا کھایا بھی نہیں تھا کہ صابرہ ٹرے سمیت پھر سے موجود تھی۔

"کیوں۔ چائے نہیں پی مہمان نے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"کہتا ہے اب دل نہیں چاہ رہا۔ باہر جا رہا ہوں"۔

"اللہ نیکی دے لوگوں کو۔ اب میں ایسی بڈھی بھی نہیں ہوں کہ سٹھیا ہی گئی ہوں۔ اس کی دی ہوئی عقل تھوڑی بہت مجھے بھی ہے۔ ہر کوئی ہمارے خانوں جیسا تھوڑا ہی ہوتا ہے"۔

صابرہ برتن واپس رکھتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔

.....

رات کو کیونکہ وہ جلدی سو گئی تھی اس لئے صبح پو پھٹتے ہی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر باہر باغ میں چلی آئی۔ آج زخموں کی ٹیسوں میں بہت کمی محسوس ہو رہی تھی۔ اعصاب بھی قدرے پرسکون تھے۔ وہ مور کی شکل میں بنی ایک سنگی بنچ پر بیٹھ

گئی۔

اس کے سامنے حویلی کی صبح کا منظر اجاگر ہو گیا تھا۔ کیسی ہڑ بونگ مچی ہوتی تھی۔ صبح کچن میں ماما......
وہ خود۔ مشین بنی ہوتی تھیں۔ تقریباً حویلی کے سارے ہی مرد صبح صبح ناشتا کرتے تھے۔ چائے کی اسے لت نہیں تھی
دھوتے ہی کام میں لگ جاتی تھی۔ ایک افسردگی سی اس کے ذہن پر چھانے لگی۔

''آپ نے خود ہی چائے کیلئے کہا تھا''۔

وہ بری طرح اچھل پڑی۔ رات والا مہمان سنہری ڈریسنگ گاؤن کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سامنے کھڑا تھا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''السلام علیکم جی''۔ وہ گھبرا کر یہی کہہ پائی۔

''وہ چائے...... ویسے وعلیکم السلام''۔ وہ پرشوق نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

''وہ...... خالہ لے کر تو گئی تھیں''۔ اس نے مودبانہ کہا۔

''مگر مجھے خالہ کی بنی ہوئی چائے سے تو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے تو چائے کیلئے آپ نے کہا تھا''۔ وہاں سے
برجستگی کا مظاہرہ ہوا۔

''مگر...... خالہ مجھ سے اچھی چائے بناتی ہیں''۔ وہ اس کی نگاہوں سے بہت گھبرا رہی تھی۔

''اچھی بری کا سوال نہیں ہے۔ چائے بنانے اور لانے والے کا مسئلہ ہے''۔

''آپ خان کے رشتے دار ہیں؟'' اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا اور ماحول کا تاثر بدلنے کی
لاشعوری کوشش کی۔

''آپ خان کی کون ہیں؟'' وہاں سے الٹا سوال کر دیا گیا۔

''میں ان کی ملازمہ ہوں''۔ وہ بڑے سکون سے اور اعتماد سے گویا ہوئی۔

''اوہ!'' مہمان نے سیٹی بجانے کے انداز میں ہونٹ سکوڑے۔ اور پہلے سے زیادہ بے خوف انداز میں اس کے سراپا
کا جائزہ لیا۔

''بڑے خوش قسمت ہیں یہ خان زادے' میں حسد کی آگ میں جلنے لگا ہوں''۔ مطربہ کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں نم
ہونے لگی تھیں۔ اہل جنہ میں سے محسوس ہو رہا تھا وہ۔ اس کے وجود سے آنیوالی آنچ اس کا تن من جھلسا رہی تھی۔

''ویسے ایک بات بتائیں۔ ہم بھی خان زادے ہی ہیں۔ بس قبیلے کا فرق ہے۔ مگر۔ تم خان زادوں میں فرق کر
بیٹھ جانا''۔ وہ فوراً آپ سے تم پر آ گیا تھا۔

سرخ و فیروزی پھولوں کا کرتا شلوار اور سر پر خوبصورت کڑھائی والا سیاہ آنچل۔ صبح کے نوخیز اجالے میں اس کا
سچے موتی کی طرح چمک رہی تھی۔

''ایک بات بتاؤ''۔ وہ جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکالتے ہوئے اس کے چہرے پر نظریں جما کر گویا ہوا۔

خاموشی سے اس کی بات کا انتظار کرنے لگی۔

''تم خان اور خان زادوں سے خوش ہو؟'' اس کا انداز عجیب سا تھا۔

''جی بہت خوش ہوں' سب میرا بہت خیال رکھتے ہیں''۔ وہ ازلی نمک حلالی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

''کیا مجھے بتاؤ گی کہ کس طرح کا خیال رکھتے ہیں؟'' وہ دھواں اس کے چہرے کی سمت اڑا رہا تھا۔

''جیسا کہ رکھنا چاہیے۔ میں اسی وجہ سے اپنے خانوں کی بہت عزت کرتی ہوں کہ وہ سب عورتوں کی عزت کرتے ہیں

اس نے اپنی عمر سے بڑی بات بہت سنجیدگی سے کہی۔ شاید وہ مہمان کی نظروں سے آن کی آن میں علمی درجات طے کر
گئی تھی۔

''شاید تمہارے خانوں کی نزدیکی نظر کمزور ہے''۔ اس نے سرو قد آتش فشاں پر بھرپور نگاہ ڈالی۔

(تمہاری اس بات سے تو مجھے بھی پورا پورا اتفاق ہے) وہ صرف سوچتی رہی بولی کچھ نہیں۔

''میں اندر جاؤں؟'' اس نے ناگواری چھپاتے ہوئے خادمانہ انداز میں اجازت چاہی۔

''اس شرط پر کہ اوپر چائے لے کر تم آؤ گی''۔ اس نے پھر ڈھیروں ڈھیر دھواں اڑایا۔

''میں آپ سے معافی چاہوں گی۔ خالہ منع کرتی ہیں''۔ اس کی ازلی سادگی عود کر آئی۔

''کون خالہ...... وہ بڑی بی جو ادھر کام کرتی ہیں؟'' اجنبی مہمان نے ناگواری سے پوچھا۔

''جی''۔ وہ دھیرے سے بولی۔

''ہوں...... سگی خالہ ہے تمہاری''۔ لہجہ قدرے اکھڑا اکھڑا تھا۔

''نہیں...... مگر اماں جی نے انہیں میرا خیال رکھنے کو کہا ہے''۔ وہ اسی سادہ انداز میں گویا ہوئی۔

مہمان کے دل پر تو کھڑے کھڑے ڈاکہ پڑا۔ ایسا دوٹوک اور خالص انداز۔

''اماں جی...... تیمور کی والدہ؟'' مہمان قدرے الجھا۔

''جی''۔ وہ نظریں جھکا کر بولی۔

''یعنی خالہ تمہارا خیال رکھ رہی ہیں۔ ہوں۔ اچھی بات ہے۔ نایاب پھولوں کے گرد خاردار باڑھ ضرور ہونا چاہیے' اماں
جی بہت سمجھدار عورت ہیں''۔

''جی...... ماشاءاللہ سے انہیں اللہ نے بڑی عقل دی ہے''۔ وہ تندہی سے مالکن کی تعریف میں جت گئی۔
اتنی سادگی۔ کہ مہمان کو حیا آ گئی۔ جانے اپنی کس کس سوچ پر۔

''ٹھیک ہے...... تم جاؤ...... ہم تم سے چائے کیلئے نہیں کہیں گے''۔

اس نے حیرت سے مہمان کی شکل دیکھی۔ بہت ہی محسوس کی جانیوالی تبدیلی تھی۔ وہ آہستگی سے گھاس کا قطعہ پار کرنے
لگی۔

....

وہ کچن میں تھی کہ خالہ نے کہا اسے تیمور خان اں بلا رہے ہیں۔

وہ تو جیسے دوڑتی ہوئی لاؤنج میں آئی تھی۔ پورے چوبیس گھنٹے ہو گئے تھے انہیں دیکھے ہوئے۔

''جی...... جی خان''۔ وہ اندر داخل ہوئی تو اس کی سانس پھول رہی تھی۔

''اماں جی تم سے بات کریں گی''۔ تیمور علی خان مڑ کر اس کی سمت دیکھنے لگے۔ ان کے ہاتھ میں ریسیور تھا'' آ گئی ہے اماں جی۔ بات کریں''۔

''ہائے اللہ...... اماں جی''۔ وہ فورِ شوق سے گرتی پڑتی آگے بڑھی۔

''السلام علیکم اماں جی۔ اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہوں جی۔ جی۔ نہیں آپ فکر نہ کریں۔ صابرہ خالہ بہت اچھی ہیں۔ جی۔ مجھے تو خان کل سے دکھائی نہیں دیئے۔ پھر خیال کیا رکھوں۔ نہ انہوں نے کل گھر میں چائے پی نہ کھایا کھایا۔ نہیں نہیں۔ اں چائے تو پی تھی۔ کوئی مہمان بھی ہے ناں گھر میں اس کے ساتھ۔

جی مجھے تو نہیں پتا۔ شاید خان کے دوست ہیں۔

نہیں ہیں۔...... بالکل نہیں روئی۔ بس آپ بہت یاد آ رہی ہیں۔ جی خان تو باہر چلے گئے ہیں''۔

''اچھا...... خدا حافظ''۔ اس نے اداس سی کیفیت میں ریسیور رکھ دیا۔

وہ باہر آئی تو کچن کی طرف بڑھنے لگی۔

''مطربہ''۔ اسے پشت سے آواز آئی۔

وہ چونک کر مڑی ''جی خان''۔

''زخم کیسے ہیں اب؟'' وہ عام سے لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

''پہلے جیسے دکھ نہیں ہیں' مرہم بہت اچھا ہے''۔ وہ خاکساری کے انداز میں گویا ہوئی۔

''وہ ایک بات ہے''۔ وہ کچھ کہتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔

''جی خان...... حکم''۔

''دیکھو...... کوٹھی میں ادھر ادھر نہیں گھومنا۔ بس صابرہ کے ساتھ رہو اور اپنے کام سے کام رکھو''۔

''جی خان''۔

''اوپر بھی نہیں جانا جب تک ہم یہاں ہیں''۔ وہ بہت دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔

اس نے چونک کر تیمور علی خان کا چہرہ دیکھا۔ دل بہت تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔

''گئی تو نہیں تھیں اوپر؟'' وہ جاتے جاتے پھر پلٹے۔

''وہ گڑبڑا گئی۔ بلکہ پسینے پسینے ہو گئی''۔ وہ...... جی...... جی نہیں...... نہیں تو۔ وہ جی مجھے تو کوئی ضرورت ہی نہیں اوپر جانے کی''۔ اس کی آواز تھرا گئی۔

تیمور علی خان اپنے کسی خیال میں گم تھے۔ اس کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔ اس کی خوف سے بری حالت ہو رہی تھی۔ اگر دیکھ لیتے تو ضرور کھٹک جاتے۔

''ہوں۔ ٹھیک ہے''۔ وہ اپنی راہ پر چل دیئے۔

وہ چند ثانیے سانس درست کرتی رہی۔ اور پیشانی آنچل سے پونچھتی رہی۔

اور جو جھوٹ کھل گیا؟ ادھر حویلی میں تو کسی پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ کام کے وقت تو نوکرانیاں بھی مردانے میں چلی جاتی ہیں۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ الجھے الجھے انداز میں چل رہی تھی۔

....

تیمور علی خان دور دیش کی تیاریوں میں از حد مصروف تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''یس؟'' وہ اسی طرح مصروف رہے۔

''اوہ...... علی آؤ...... نہیں یار۔ ایسا کوئی خاص بزی نہیں۔ یہ سب روانگی کی تیاریاں ہیں''۔

''ابھی کھانا لگنے کی اناؤنسمنٹ تو نہیں ہوئی''۔ تیمور علی خان سوٹ کیس بند کر کے مسکراتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''چھوڑو یار۔ تمہیں کھانے کا بھلا کیا ذوق۔ کچی سبزی زیادہ ہائی جینک ہوتی ہے۔ چبا کر اوپر سے ایک چمچ کالی مرچ پھانک لیا کرو''۔ علی نے جل کر کہا۔

تیمور علی خان کا قہقہہ بے حد جاندار تھا۔

''سو۔ فنی۔ چلو تمہیں تو کھانے کا ذوق ہے ناں۔ دوپہر کو بھی تمہارے لئے بڑے پائے اور تلوں والی روٹی کا اہتمام کیا تھا۔ اب بھی دیکھنا صابرہ نے ٹھیک ٹھاک مشرقی مسالہ جات کا استعمال کیا ہوگا۔ ہمیں پورا یقین ہے''۔

''یہ تو ہے یار۔ یہ صابرہ کھانے بہت اچھے بناتی ہے۔ پلاؤ تو کل اتنا مزے دار تھا کہ میں نے بے اختیار پوچھا تھا کہ اس کی ضرور کوئی اسپیشل ٹرک ہوگی۔ کہنے لگی جیسے پکاتے ہیں ویسے ہی پکایا ہے بس دہی اور کٹی ہوئی ہری مرچ زیادہ ڈالی ہے۔

ویسے یار کھانا بنانا بھی بہت بڑا آرٹ ہے۔ ویسے وہ جو میرے پاس بڑی بی ہے' اس کی عمر اتنی ہو گئی ہے کہ اس سے زیادہ محنت کا کام ہوتا نہیں ہے۔ اب اتنے دنوں سے کام کر رہی ہے کہ نکالتے ہوئے اچھا محسوس نہیں ہوتا۔ پھر یہ کہ اصل کام تو بچے کی دیکھ بھال کا ہے۔ جو وہی کر رہی ہے''۔

''شادی کر لو...... بہت سے پرابلمز آٹومیٹک سولو ہو جائیں گے''۔ تیمور علی خان نے اٹھ کر جگ سے پانی انڈیلا اور پینے لگے۔

''ہاں یار! اب تو میں خود بھی سوچ رہا ہوں۔ سول سروسز کے ایگزام کا رزلٹ بھی آنے والا ہے۔ یوں بھی فراغت ہو گئی ہے''۔

''تو پھر دیر کس بات کی ہے؟'' تیمور علی خان نے دریافت کیا۔

''دیر تو خیر کسی بات کی نہیں ہے۔ ایکچوئلی جو میرے ساتھ پرابلم ہے' وہ تو تمہیں پتا ہی ہے۔ گلے سے بچھڑی بھیڑ

ہوں۔آل ریڈی شادی شدہ ہوں''۔

''ڈزن میٹر......سوواٹ......نو پرابلم''۔تیمور علی خان بے نیازی سے گویا ہوئے۔

''میرے رلجہ اندر......میری جان...... یہ لندن یا یورپ نہیں ہے۔بینی دینے والے بال کی کھال نکالتے ہیں اور شک کا فائدہ تو ذرا نہیں دیتے''۔علی نے ٹیبل سے میگزین اٹھا کر زور سے ٹیبل پر دوبارہ رکھ دیا۔

''ایک بچے کا باپ۔جس سے اس کے خاندان قبیلے والے نہیں ملتے' کیوں نہیں ملتے۔اس کا جواب ملنے پر کوئی بھی معذور بیٹی بھی نہیں دے گا۔اور اس سیدھے سادھے جواب میں شک کی سوشقیں برآمد کر لی جائیگی۔جو ہمارے فرشتوں کو فیڈ بھی نہیں کی گئی ہوں گی۔

یار مجھے پتا چل جاتا کہ وہ اتنی جلدی چھوڑ جائیگی تو میں اتنا بڑا رسک ہی نہ لیتا۔مہندی تو کہتے ہیں کہ ان کی شان کو بٹہ لگا گیا ہوں''۔

''ارے نہیں پارٹنر......خوانخواہ وہم نہ کرو' ٹرائی کرو''۔تیمور علی خان اتنی باریکیوں سے پریشان سے ہوگئے۔

''بھئی جب تم فیر ہو جھوٹ نہیں بول رہے تو سچائی کی قدر کرنا چاہیے''۔وہ حیران سے تھے۔

''پتا نہیں کون سی دنیا میں ہو تم۔بہر حال لگتا ہے اچھی دنیا میں ہو''۔علی نے ٹھنڈی سانس بھری۔''خوش رہو''۔

''اس طرح تو بات نہیں بن رہی۔پرابلم فیس کرو۔سولوشن نکالو پارٹنر''۔تیمور علی خان نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''ہاں تو کرو ناں پرابلم سولو''۔علی نے صوفے پر نیم دراز ہو کر اطمینان سے کہا۔

''تم جو کہو ہم مدد کرنے کو تیار ہیں۔اگر ہمارے اختیار میں ہوا''۔

''بس اب تم تمہارے ہی اختیار میں ہے ڈیئر''۔علی نے بات مکمل ہونے سے پیشتر کاٹ دی۔

''واٹ''۔حیرانی سے تیمور علی خان گلاس رکھنا بھول گئے۔

''ہاں یار......بات تھوڑی سی غیر معقول تو ہے مگر''۔علی نے کچھ توقف کیا۔

''ہوں ہوں......کہو''۔تیمور علی خان الجھے الجھے سے قریب آ گئے۔

''یار......قسمت نے اسے ملازمہ بنا دیا ہے۔مگر کسی طرح ملازمہ نہیں لگتی''۔علی نے بات کرتے کرتے نظریں جھکا لیں۔

''کون؟''تیمور حقیقت میں نہیں سمجھے۔

''نام تو مجھے پتا نہیں۔البتہ جلاوطن ملکہ لگتی ہے''۔

''یار......کیوں الجھا رہے ہو''۔تیمور زچ ہو گئے۔

''واقعی...... مجھے اس کا نام نہیں معلوم۔اس کا نام تو تم بتاؤ گے۔بہت چھوٹی عمر ہے۔گھبراتی بھی بہت ہے۔بات کچھ سمجھتی ہے۔کچھ نہیں''۔

تیمور علی خان چونک پڑے۔اور ششدر سے علی کی شکل دیکھنے لگے۔

''مطربہ''۔ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''بی گڈنیس......واٹ اے فینٹیسی......سو پریٹی نیم''۔علی تو اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''یہ واقعی یہ اس کا نام ہے۔بہت ہی باذوق تھا جس نے بھی یہ نام اسے دیا ہے''۔علی کی نگاہ و لہجہ میں ستائش تھی۔

''نہیں......ہے......تزئین آپا نے دیا ہے اسے یہ نام''۔وہ جیسے گہرے کنوئیں سے بول رہے تھے۔

''تو پھر کیا خیال ہے۔کوئی قباحت تو نہیں ہے ناں؟ علی کی آتش شوق بھڑکنے لگی تھی۔

''نہیں......کوئی قباحت نہیں ہے۔ہم سب تو خود اس کی وجہ سے بہت پریشان ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کی شادی کل کی ہوتی آج ہو جائے۔پرابلم سولو ہو جائیگی۔یہ بڑی سیریس بات ہوتی ہے۔تمہارا مزاج ذرا رنگین سا ہے۔کیا واقعی تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو؟''تیمور علی خان نے الجھی ہوئی نظروں سے علی کو دیکھا۔

''ابھی کرا دو یار!''علی کا جواب بڑا بے ساختہ تھا۔

''بہت ہی سینٹی مینٹل ہو۔دراصل ادھر بھی کچھ پرابلم ہے۔پہلے حقیقت جان لو۔پھر غور کر کے فیصلہ کرنا''۔

''مجھے غور نہیں کرنا بس شادی کرنا ہے۔یار کام سے لگ رہے ہیں' لگنے دو''۔علی نے جھلا کر کہا۔

''ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔اب تو اپنی نوکرانی کے طور پر اسے ہمارا ذہن بھی قبول نہیں کرتا۔اور ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ جلد از جلد اس کی شادی ہو جائے مگر۔تم پہلے تمام حقائق جان لو''۔

''تمہیں اتنا اصرار ہے تو جلد سے جلد بتا دو اور نوٹ کر لو مجھے کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔بچھاؤ راستے جنہیں طے کر کے مجھے منزل تک جانا ہے''۔علی کے انداز میں بڑی بے صبری تھی۔

تیمور علی خان نے جانچتی نظروں سے علی کی طرف دیکھا۔''اتنی بے تابی۔کہاں دیکھ لیا تم نے اسے؟''

''چھوڑو یہ قصہ۔حقائق بتاؤ''۔علی نے کوفت بھرے انداز میں کہا۔

''اس کا بیک گراؤنڈ''ریڈ لائٹ ایریا'' سے ملتا ہے۔مگر وہ بہت انوسنٹ ہے۔وہ نہ اس ماحول میں رہی نہ گرون اپ (پرورش) ہوئی۔اس کی نانی نے چھوٹے سے گاؤں میں اسے پالا۔نکاح ہوا تھا اس کے پیرنٹس کا۔ہماری بہت پرانی ملازمہ کے تعلقات ہیں اس کی نانی وغیرہ سے۔اس کی نانی نے ہماری حویلی میں کام کیلئے بھیج دیا۔کیونکہ وہ اسے اس ماحول میں بھیجنا نہیں چاہتی تھی۔البتہ اس کی اپنی ماں ریڈ لائٹ ایریا ایکٹی ویٹز میں اب بھی بزی ہے۔وہ اسے لینے ہماری حویلی آئی تھی مگر یہ اس کے ساتھ گئی نہیں۔مگر بعد میں وہ اسے اغوا کر کے لے گئی۔شی از اے ویری لکی۔وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی اور حویلی واپس آ گئی۔اس کی ماں کی وجہ سے ہی اسے کراچی شفٹ کرنا پڑا۔اب گھر میں سب ہی یہ چاہتے ہیں کہ اس کی جلد سے جلد شادی ہو جائے۔اسی صورت اس کا پیچھا اپنی ماں سے ہمیشہ کیلئے چھوٹ سکتا ہے''۔

''چلو پھر آج ہی کر لیتے ہیں شادی''۔علی نے گہری سوچ سے چونک کر بڑی ہی بشاشت سے کہا۔

''واقعی؟''تیمور علی خان نے مسکرا کر پوچھا۔

''یس......آف کورس......شی از......انوسنٹ ویسٹ انف (وہ معصوم ہے یہی کافی ہے)''۔

''مگر فی الحال تو وہ انجرڈ (زخمی) ہے۔تمہیں پرابلم ہوگی''۔تیمور علی خان شرارت سے مسکرائے۔

علی نے تعجب سے ان کی طرف دیکھا۔ ''مین''۔

''اغوا کے بعد بہت ٹارچر کیا تھا ان لوگوں نے''۔ تیمور علی خان نے بتایا۔

''واٹس مین۔ لوگوں نے''۔ علی نے الجھ کر پوچھا۔

''ہر مدر اینڈ ہر ناٹس''۔ تیمور علی خان نے وضاحت کی۔

''یار...... پھر بے چاری کی مرہم پٹی بھی ہو رہی ہے یا''۔

''ایک دن میں اس قدر ہمدردی''۔ تیمور علی خان قہقہہ لگا کر ہنس دیئے۔

''یار! تمہاری رضامندی کے بعد اب تو جائز ہے''۔ علی کامیابی کے نشے سے سرشار تھا۔

''ٹھیک ہے پارٹنر! صبح ہم بابا صاحب سے بات کریں گے اور کوشش کریں گے ہماری لندن واپسی سے پہلے پہلے یہ کام ہو جائے''۔ تیمور علی خان نے مزید تقویت بہم پہنچائی۔

''یار تیمور! ایک بات ہے' یونہی ذہن میں آئی ہے۔ تم کچھ اور نہ سمجھ لینا۔ میں لائن پر جما ہوا ہوں اب کوئی میٹنگ پوائنٹ مجھے افیکٹ نہیں کر سکتا''۔

''ہوں''۔ تیمور علی خان بھی سنجیدگی سے متوجہ ہوئے۔

''ابھی تم کہہ رہے تھے کہ اس کے پیرنٹس نے نکاح کیا تھا۔ تو اس کا باپ''۔

''وہ سندھ کی کوئی بڑی آسامی ہوتا ہے۔ وہ بیوی' بیٹی دونوں کو ڈس اون کر چکا ہے۔ ڈونٹ وری۔ یہ سب معلومات ہمیں بابا صاحب سے ملی ہیں اور انہیں اماں جی سے''۔ تیمور علی خان نے درمیان سے ہی بات اچک لی۔ ''مطلب یہ کہ پیسہ ہے''۔ انہوں نے شرارتاً کہا۔

''اتنی کنجوسی بھی اچھی نہیں ہوتی الفاظ ہی تو ہیں۔ ماسٹر پیس کہو''۔ علی کی خوشی اس کے ایک ایک انداز سے چھلک رہی تھی۔

''اگر سندھ کی طرف سے چلو تو پھر ماسٹر پیس کہنا زیادہ سوٹ ایبل ہے''۔ دونوں کے مشترکہ قہقہے سے کمرا گونج اٹھا۔

''یار! ہم تو یونہی چھوٹے موٹے سرکاری افسر ہیں تب تم ہمیں رنگین مزاجی کا الزام دیتے ہو۔ اصل کام تو تم فیوڈل لارڈز دکھاتے ہو''۔

''ہمیں نکال دو پارٹنر۔ یقین کرو ہم خاصے ٹھیک ٹھاک ہیں''۔ تیمور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لگائیں گے عنقریب ہم لندن کا بھی ایک چکر۔ دیکھیں گے تمہارے رنگ ڈھنگ''۔ علی نے اپنے اگلے پروگرام سے باخبر کیا۔

''فکر ہی کوئی نہیں''۔ تیمور علی خان نے اطمینان سے جواب دیا۔ وہ خوبصورت سی کرسی پر علی کے عین مقابل بیٹھے ہوئے تھے۔

''خان''۔ دروازے پر دستک ہوئی اور صابرہ کی آواز آئی۔

''ہونا''۔

''تو لگ گیا ہے۔ اور وہ جی مہمان اپنے کمرے میں نہیں ہیں''۔ صابرہ نے مزید کہا۔

''ہم ایک وقت میں دو جگہ کیسے ہو سکتے ہیں کیونکہ ہم تو یہاں ہیں''۔ علی کے ایک ایک انداز میں تازگی کا اثر محسوس ہو رہا تھا۔ اور تیمور علی خان کو اس پر قطعاً کوئی حیرت نہیں تھی۔

....

وہ صفائی کیلئے ہاتھ میں ڈسٹر لئے لاؤنج میں آئی تھی۔ تیمور علی خان فون پر مصروف تھے۔ خالی بیٹھے بیٹھے وہ اکتا گئی۔ صابرہ نے تو اسے بہت منع کیا تھا اور آرام کی تاکید کی تھی۔

''ایک منٹ پلیز''۔ تیمور علی خان نے فون کرتے کرتے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ دیا۔

''وہ...... کیا نام ہے' ابھی ہم فون کر رہے ہیں۔ بعد میں ادھر آنا''

اس نے ایک افسردہ سی کیفیت میں گلدان واپس کارنر ٹیبل پر رکھ دیا اور خاموشی سے باہر نکل گئی۔

''جی بابا صاحب! اچھا۔ فون پر دھمکی آپ کو دی گئی یا کسی اور بات ہوئی تھی؟

اچھا...... اچھا۔ ہماری قانونی حیثیت کمزور سہی۔ لیکن ہم اسے جیتنے نہیں دیں گے انشاء اللہ۔

پرپوزل۔ اچھا۔ عارف اچھا لڑکا ہے۔ لیکن ابھی کلیئر نہیں ہے کہ کیا کرے گا۔ ہمارا خیال ہے ابھی اس کی عمر خاصی کم ہے۔ جی وہ تو ٹھیک ہے۔ وہ ملازمہ ہے۔ تسلیم۔ لیکن اب وہ اپنے سارے بیک گراؤنڈ سے باخبر ہے۔ اس کی جان بچانے کیلئے شادی کا وقتی کھیل کھیلنا بہت بے اصولی کی بات ہو گی ہمارا خیال ہے۔ تمام حالات سے باخبر ہونے کے بعد اس کی مینٹی لٹی (طرز فکر) بہت چینج ہو گئی ہو گی۔ اور وہ اتنی آسانی سے کمپرومائز لائف نہیں گزارے گی۔ ہمارے پاس آلٹرنیٹ ہے ناں' تب ہی تو آپ سے اتنی بات کی ہے۔ ہم تو خود ابھی آپ کو رنگ کرنے والے تھے۔

''جی جی۔ بتا رہے ہیں۔ وہ علی ہے ناں۔ جی جی۔ مہندی۔ اس کو بہت پسند آ گئی ہے۔ رات ہی اس سے بات ہوئی ہے۔ جی نہیں نہیں۔ وہ گھر بسانا چاہ رہا ہے۔ ہم نے اس سے تفصیلی بات کی ہے۔

جی اسے سب بتا دیا ہے۔ اے ٹو زیڈ۔ اب یہ تو وہ خود بہتر سمجھتا ہو گا۔ ہم نے تو اس سے کچھ نہیں چھپایا۔ کیا برابری کرے گی ہماری۔ ہمارا اور علی کا خاندان حسب نسب سب ڈفرنٹ ہے۔ آپ اتنی گہرائیوں میں مت جائیں۔ دنیا بہت آگے جا چکی ہے۔ اگر نسب کی اہمیت ہر شے سے بڑھ کر ہے۔ سو واٹ۔ وہ بڑی خاندانی ثابت ہو چکی ہے۔ یہ تو اس کے باپ کے سوچنے کی بات تھی۔ ہمیں کیا......؟

نہیں نہیں...... بابا صاحب وہ سیریس ہے۔ اگر وہ درخت پر بھی اگی ہے تو اسے منظور ہے۔ ڈونٹ وری۔

نہیں۔ ابھی اسے نہیں معلوم۔

جی جی...... بہت بہتر ہو گا۔ وہ اس لئے کہ ہماری واپسی میں بھی چند دن رہ گئے ہیں۔ ٹھیک ہے جب فیصلہ تقریباً ہو چکا ہے تو ضرور اماں جی کو بھی ساتھ لے آئیں۔ ظاہر ہے وہ انہیں خالہ کہتی ہے۔ وہ بھی ضرور آئیگی۔ اس کی اب فکر نہ کریں اس سے ہم خود بات کر لیں گے۔ یوں سمجھئے کہ کوئی مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔

او۔کے''۔

انہوں نے بہت ریلیکس انداز میں ریسیور رکھ دیا۔اور لاؤنج سے باہر آ گئے۔

''صابرہ''۔

''جی خان!'' صابرہ فوراً کہیں سے نمودار ہو گئی۔

''دیکھو۔اسے تکلیف ہے۔اس سے کام مت کراؤ۔اسے ریسٹ دو اور کھانے پینے کیلئے اچھی چیزیں دو۔جن سے انرجی گین ہوتی ہے۔ہمارا مطلب ہے۔طاقت آتی ہے۔اسے جلد سے جلد فریش ہونا چاہیے۔لنچ پر بہت اچھی چیزیں تیار کرنا۔تا کہ مہمان خوش ہو''۔

''اتنا خیال کر رہے تھے تیمور خاناں اس کا۔اسے اپنی آنکھوں اور کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔وہ جیسے چکا چوند دینے والی روشنی میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

انگ انگ میں سرمستی سی اترنے لگی۔

''اماں جی اور بابا صاحب۔ممکن ہے رات کو آ جائیں ورنہ صبح کو ضرور آ جائینگے۔ان کا کمرا چیک کر لینا او کے۔ہم باہر کام سے جا رہے ہیں۔علی واپس آئے تو اسے کہنا لنچ پر ملاقات ہو گی''۔

وہ جیب میں چابیاں ٹٹولتے آگے بڑھ گئے۔

''ہائے اللہ......اماں جی آ رہی ہیں''۔مطربہ تو جیسے خوشی سے ناچ اٹھی۔

''جو بات سب سے پہلے بتانا چاہیے تھی وہ بعد میں بتائی۔تیمور خاناں بھی بس۔اماں جی کو انڈے آلو والی بھاجی بہت پسند ہے۔میں خود بناؤں گی۔اماں جی کیلئے۔انہیں کھچڑی اور پودینے کی چٹنی بھی بہت پسند ہے۔یہ بھی بنائیں گے۔ٹھیک ہے ناں خالہ''۔وہ سر سے پاؤں تک خوشی سے چور تھی۔

''ہاں......ہاں کیوں نہیں۔ہماری مالکن تو بہت ہی سادہ ہے۔کتنا لمبا دستر خوان ہے حویلی کا۔اور اماں جی کے کھانے میں بھی سادگی۔میں تجھے غور سے دیکھ رہی تھی ابھی۔کتنی محبت کرنے لگی ہے تو اماں جی سے''۔

صابرہ نے اس کی شکل خوشگوار حیرت کے ساتھ دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''لو......وہ ہیں ہی اتنی اچھی۔نہ گالی دیتی ہیں۔نہ اونچا بولتی ہیں۔غلطی ہو جائے تو انجان بن جاتی ہیں۔اکیلے میں سمجھاتی ہیں۔اگر اماں جی مجھے کہیں کہ ساری رات میری ٹانگیں دبا تو میں ساری رات دباؤں''۔وہ سادگی سے کہتی کہتی میں گھس گئی۔

''اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اماں جی بہت اچھی ہیں۔مگر تو بھی بڑی اصیل ہے۔محبتوں کی قدر پہچانتی ہے۔اللہ تیرے نصیب اچھے کرے۔

سیب کاٹ کر دوں۔کھائے گی۔تیمور خاناں کہہ کر گئے ہیں' تجھے اچھی چیزیں کھلاؤں''۔صابرہ نے فریج کھولتے ہوئے کہا۔

''پتا نہیں کون سے اکھاڑے میں بھیجیں گے مجھے خان۔فالتو کی طاقت کا کیا کروں گی میں؟'' وہ شرارت سے ہنس

...پڑی۔

...ہنس ہنس کر لوٹ گئی۔

''بے وقوف! کبھی طاقت بھی فالتو ہوتی ہے''۔

''...ہی کی تو ہوں۔اماں جی کہتی ہیں کہ بجلی سے چلتی ہوں۔تھکتی نہیں ہوں''۔

''...بی! اس طرح منہ بھر کر نہیں بولتے۔اللہ کا شکر کرتے ہیں۔اپنی بھی نظر لگ جاتی ہے بندے کو''۔صابرہ نے ...

''...نانی کی کھلائی پلائی کا کمال ہے۔اچار مربے کھانے نہیں دیتی تھی کہ کھٹائی زیادہ کھانے سے روگ لگ جاتے ...عورت جلدی ڈھل جاتی ہے۔بیسنی روٹی پر مکھن کا پیڑا صبح صبح کھلاتی تھی اور چمٹا لے کر بیٹھ جاتی تھی کہ سارا کھانا ...۔چائے بھی نہیں پینے دیتی تھی کہ خون جلاتی ہے۔میں چھپ کر سردار ماموں کے ہاں پی آتی تھی''۔

''نانی''۔وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔

صابرہ جو بڑے دھیان سے اس کی باتیں سن رہی تھی ایک دم چونکی۔''ہوں؟''

''خالہ میں اپنی نانی کو کب دیکھوں گی؟'' اس کی آنکھیں بھر آئیں۔''میں نے خالہ سولہ آنے سے کہا بھی تھا کہ نانی کو بھی بلوا لو۔اماں جی بے چاری تو کچھ بھی نہیں کہیں گی''۔

''پھر کیا بولی سولہ آنے؟'' صابرہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

''کیا بولتیں۔یہی کہ نانی کہتی ہیں' پورا گاؤں میرا رشتے دار ہے مر کر ہی یہاں سے نکلوں گی''۔وہ نانی کو یاد کر کے ...نظر آنے لگی تھی۔

....

...وہ سونے کیلئے لیٹ گئی تھی تب ہی صابرہ آ گئی۔

''...خان بلا رہے ہیں۔ڈرائنگ روم میں ہیں''۔

''غصے میں ہیں؟'' وہ اٹھ بیٹھی۔

''نہیں۔غصے میں تو نہیں لگ رہے''۔صابرہ سوچتے ہوئے بولی۔

...چادر سر پر جما کر ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑی۔

...ڈرتے ڈرتے اس نے قدم اندر رکھے تھے۔

''...جی......بلایا؟'' تیمور علی خان دروازے کے مقابل صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔

...اس نے دھک دھک کرتے دل کو قابو میں کرتے ہوئے جواب دیا۔

''...کیا ہے یہاں؟'' وہ عام سے انداز میں پوچھ رہے تھے۔

...نظریں اٹھا کر ان کی سمت دیکھا۔

''...اور خالہ بہت یاد آ رہی ہیں''۔وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''آج رات یا کل صبح وہ یہاں آجائینگی۔تمہاری لائف چینج ہو جائیگی تو سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا''۔

''اچھا...... یہ بتاؤ......تم اوپر گئی تھیں؟'' وہ اصل موضوع پر آ گئے۔

مطربہ کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔ٹانگیں کانپنے لگیں۔

''آپ نے تو منع کر دیا ہے''۔وہ بمشکل گویا ہوئی۔

''غالباً ہمارے منع کرنے سے پہلے تم اوپر کا چکر لگا آئی تھیں''۔وہ بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

مطربہ کی پیشانی پر موتی چمکنے لگے۔(خان کو کیسے پتا؟)

وہ خاموش رہی کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

''جواب دو بھئی''۔

''ج...... جی۔وہ خالہ کو ڈھونڈنے گئی تھی''۔اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''کوئی ملا تھا تم سے؟'' وہ سینے پر بازو لپیٹے اطمینان سے پوچھ رہے تھے۔

''ن نہیں تو''۔ڈر سے اس کی حالت غیر ہونے لگی۔

''جھوٹ بول رہی ہو تم''۔وہ ناراض ہوئے۔

''خان! اللہ کی قسم مجھے تو پتا نہیں تھا۔خالہ نے منع کر دیا تھا۔ورنہ میں چائے لے آتی''۔وہ رو پڑی۔

''چائے۔نان سنس' یہ چائے کہاں سے آ گئی؟'' وہ الجھے۔

''چائے ہی کی تو بات ہوئی تھی۔مہمان نے کہا تھا کہ چائے خود لے کر آنا' مگر خالہ کہنے لگیں۔خان لوگ تو اپنے بڑ

تو ہر کسی کے سامنے مت جایا کر' اسی لئے میں نہیں گئی تھی' خالہ چائے خود لے کر چلی گئی تھیں اور انہوں نے اسی بات پر آ

سے میری شکایت لگائی ہوگی''۔وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

ہم سے کسی نے شکایت نہیں کی''۔تیمور علی خان نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

''ہیں''۔وہ ہکا بکا ان کی شکل دیکھنے لگی۔

(یہ کیا کر دیا اس نے خود ہی ساری بات کھول دی)

''تم نے اندازہ لگایا کہ کیسا ہے وہ شخص؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

وہ خاموش کھڑی آنکھیں صاف کرتی رہی۔

''کچھ پوچھ رہے ہیں ہم تم سے''۔وہ پھر گویا ہوئے۔

وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔''وہ آپ کے مہمان ہیں آپ برا مانیں گے''۔وہ بہت ہچکچاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''نہیں' ہم بالکل برا نہیں مانیں گے''۔انہوں نے اطمینان دلایا۔

''وہ...... پتا نہیں کیسی باتیں کرتے ہیں' دل کو اچھی نہیں لگتیں' کل صبح باغ میں''۔وہ بولتے بولتے ایک دم چپ

ہو گئی۔

''ہوں' تو باغ میں بھی ملاقات ہوئی ہے''۔تیمور کا لہجہ معنی خیز تھا۔

...گھبرا گئی۔

...گئے تھے''۔اس کی آواز پھر رندھ گئی۔

...ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں' بس تمہیں یہ بتانے کیلئے بلایا ہے کہ تمہاری شادی ہو رہی ہے اس مہمان کے

...ڈنگ ہے کہ ایک تعلیم یافتہ شخص تم سے شادی کا خواہشمند ہے' ہم تمہیں یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ تم تعلیم

...ایڈجسٹمنٹ کیلئے بہت محنت کرنا ہوگی۔امکان ہے کہ جلد ہی وہ مزید اعلیٰ عہدہ حاصل کرے گا اور تمہیں

...پڑے گی۔شادی ایک نوبل اور ڈیوٹی فل ہمارا مطلب بڑی ذمہ داری ہے۔اس وقت وہ صرف تمہارے

...ہے اور اس شادی کی بنیاد ہی تمہاری صورت شکل ہے لیکن جب لائف پریکٹیکل ہو جاتی ہے یعنی وہ کیا

...تو صورتحال بدل جاتی ہے۔حسن صورت بیک گراؤنڈ میں چلا جاتا ہے۔جب ضروری اور حقیقی تقاضے

...ہوتے تو مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ہمارے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ بائی لک جب ایک اچھا ساتھی

...ہے تو اسے کسی موڑ پر پچھتاوے کا احساس نہ ہونے دینا۔مضبوط شادی تمہارے اپنے حق میں ہر طرح سے

...تمہیں اس شیم فل بیک گراؤنڈ سے ہمیشہ کیلئے چھٹکارا مل جائے گا۔تم پڑھنا لکھنا شروع کر دینا۔آس پاس

...خواتین سے کچھ سیکھنے کی کوشش کرنا تاکہ تمہارے ساتھی کو زندگی میں کبھی بھی اپنے فیصلے پر ندامت محسوس

...گاؤں میں بھی ایک پروپوزل ہے تمہارے لئے' شاید تم نے اس لڑکے کو دیکھا بھی ہو' عارف نام ہے' مگر ہم

...تمہارے ساتھ جو قسمت کے ہاتھوں ظلم ہوا ہے' جس کے ذمہ دار تمہارے والدین ہیں اس میں مزید اضافہ نہ

...ایک اچھی زندگی گزارنے کا موقع مل رہا ہے تو تمہیں زیادتی سے کام نہیں لینا چاہیے۔آفٹر آل تم ایک بڑے

...ہو''۔

...جا رہے تھے اور مطربہ ششدر آنکھیں پھاڑے ساکت وصامت ان کی سمت دیکھ رہی تھی۔

...کے حریری پردوں میں آگ لگ گئی تھی۔کمرے میں تندور کی سی تپش تھی۔

...کی صورت یوں محسوس ہو رہی تھی' جیسے کوئی سفاک و بے رحم قاتل کسی کو مار کر مردہ جسم کے ٹکڑے کر

...'' اس کی آواز جیسے کسی کنویں سے برآمد ہوئی۔

...بولو''۔

...عزت دار تھی تو حویلی کی نوکر کیوں ٹھہری' کسی تخت پر کیوں نہ بٹھا دیا حویلی والوں نے مجھے''۔پتا

...جرأت آ گئی تھی اس میں' ایک لمحے کو تو تیمور علی خان بھی چکرا کر رہ گئے۔

...خوشی سے آئی تھی تمہیں کوئی دھوکہ دے کر نہیں لایا' تمہارے باپ سے ہمارے باپ کی دوستی

...صورت میں تم سے کوئی اور رشتہ قائم کر لیا جاتا۔حویلی میں جو نوکری کی غرض سے داخل ہوگا' وہ نوکر ہی

...''۔وہ تدرے خفگی

''پھر مجھے نوکر ہی رہنے دیجئے' میں اسی میں خوش ہوں''۔اس کے سینے سے ایک ہوک سی اٹھی۔

(مجھے صاف ستھرا بھی کہتے ہو خان' بڑے آدمی کی بیٹی ہونے کا اعتبار بھی کرتے ہو پھر بھی میرے ہونے ...

ہو۔تمہیں دیکھ کر پوجا پاٹ کی وجہ سمجھ میں آ گئی روپا دیوی۔ہنومان کی مورتی کے آگے ہاتھ جوڑتی ہے نا ہونٹ ...

میں۔اتنا اللہ کو دھیان میں رکھتی تو اللہ والی ہو جاتی۔بیماروں کو پانی دم کر کے دیتی تو انہیں شفا ہو جاتی۔

کون سے سمندر سے چٹان سے بنے ہو۔کبھی کچھ احساس نہیں ہوا؟)

''ہم نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ تمہیں فیصلہ سنائیں اور آگے کی اونچ نیچ سمجھائیں۔تم ہمیں کوئی ...

گی۔تمہیں پتا ہے تمہاری ماں وہاں حویلی میں بابا صاحب کو فون پر دھمکی پر دھمکی دے رہی ہے۔تمہاری وجہ سے ...

لوگوں کی لائف ڈسٹرب ہو رہی ہے۔

تمہارے احمق پن کی انتہا تو یہ ہے کہ تمہیں اپنی خوش قسمتی کا اندازہ نہیں ہے''۔

''خان! میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوئی۔مجھے کنیز ہی رہنے دیں۔اختیار اور عزت والی زندگی ...

ایک بات کی کمی عمر بھر ستائے گی''۔

تیمور علی خان کو وہ یکلخت ہی بہت بردبار اور بڑی محسوس ہوئی۔

''ایک ٹھیک ٹھاک بندے سے تمہاری شادی ہو جانا ہر طرح سے تمہارے حق میں ہے۔تم ہمیشہ کیلئے اس عورت سے

چھٹکارا پالوگی''۔

''خان!''

''شٹ اپ مطربہ! تمہارے پاس دو ہی راستے ہیں۔ایک تو یہ کہ تمہاری شادی ہو جائے یا پھر یہ کہ تم اپنی ماں

ساتھ واپس چلی جاؤ۔ہم انگلینڈ جا رہے ہیں۔بصیر بھائی زیادہ تر سرائے میں ہوتے ہیں۔یاور بھائی ادھر ادھر

ہوتے رہتے ہیں۔ہم بابا صاحب کیلئے مفت کا دردسر چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے۔بڑے بھائی ہیں تو وہ ویسے ہی

سیدھے سادھے ہیں۔صبح اماں جی آ جائیں گی۔دونوں میں سے جو تجویز بھی پسند آئے۔اماں جی کو بتا دینا''۔وہ

کھڑے ہوئے۔

''خان۔کوئی تیسرا راستہ؟''اس کی آواز بھرا گئی۔

''بہت۔بلکہ سب سے آسان ہے۔مگر ہمارا ضمیر ہمیں اجازت نہیں دیتا۔وگرنہ یہ آسان راستہ ہم تمہیں

بتاتے۔فی الحال۔رات پڑی ہے۔دونوں راستوں پر خوب غور کرو۔حویلی میں کبھی اتنا ٹینشن نہیں ہوا تمہاری وجہ

سب ڈسٹرب ہوئے ہیں۔نوکر بننے پر اصرار تو کرتی ہو مگر نوکر بننا نہیں آیا تمہیں۔اس میں ہماری غلطی ہے۔''

غلطی ہے''۔

وہ اس کے واضح انکار پر سخت برہم نظر آ رہے تھے۔

''ہم نے اپنی زندگی میں اتنا احمق کوئی نہیں دیکھا''۔وہ یہ کہہ کر باہر نکل گئے۔

وہ بے دم انداز میں کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

...خان کہ میں غلط ہوں۔مگر''۔

...نوں میں چہرہ چھپا کر وہ رو پڑی تھی۔

....

...رات کروٹیں بدلتے گزر گئی تھی۔

...کے نور کے تڑکے آنکھ لگی تھی۔

...نے نہیں اٹھایا تھا' وہ خود ہی جاگی تھی۔اتنا سونے کے باوجود سر بھاری سا محسوس ہو رہا تھا۔

...ویرانی ووحشت تھی۔یوں محسوس ہوتا تھا پیدائش سے لے کر کل رات تک وہ ایک حسین خواب کے طلسم میں تھی۔

...منتر پڑھ رہی تھی' حصار باندھ کر پڑھائی میں کچھ بھول ہو گئی۔حصار ضائع ہو گیا۔طلسم ٹوٹ گیا۔

...اذیت ناک احساس زیاں تمام محنت کا حاصل رہا۔

...ہو کر بیرونی برآمدے میں آئی تو بے ساختہ خوشی اس کے خون میں دوڑنے بھاگنے لگی۔

...ے میں اماں جی' تزئین اور نازنین بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

...نے سب کو مشترکہ سلام کیا اور اماں جی کے سامنے سر جھکا دیا۔

...نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

...بیعت اچھی نہیں ہے شاید تیری۔بہت دیر سوئی۔میں تو سوچ رہی تھی کہ تو پھاٹک پر کھڑی ہوگی''۔

...جی اماں جی۔میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے''۔اس نے جھک کر ان کے پاؤں تھام لئے۔اور فرش پر بیٹھ گئی۔

...کیا ہو گیا؟''تزئین نے پوچھا۔

...گھٹنوں میں بہت دکھن ہو رہی ہوگی۔کیوں؟''اماں جی نے ہمدردی اور دکھ سے اس کی سمت دیکھتے ہوئے

...جی اماں جی۔اتنی دکھن تو زندگی میں کبھی نہیں ہوئی''۔وہ ان کے گھٹنوں پر سر ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

"پاگل نہ ہو۔ جب چوٹ تازی تھی تو روتی نہیں تھی۔ اب اتنا رو رہی ہے؟" اماں جی نے سر پر ہاتھ پھیر
سے کہا۔

"آہ لگے گی ظالم کو تیری"۔ خالہ سولہ آنے بھی کچن سے اس کی پشت پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

"چل چپ ہو جا۔ مت ہلکان کر خود کو' اللہ نے تیرے بھاگ جگا دیئے۔ سب کچھ بھول جائیگی۔ کیا گبرو جوان ہے
کیا پٹر پٹر انگریزی بولتا ہے۔ پولیس والا ہے۔ خوب دہشت ہو گی تیری۔ پولیس والی کہا کریں گے لوگ تجھے"۔

تزئین نے اسے چھیڑا۔ وہ خاموشی سے آنکھیں پونچھتی رہی۔

"یہ تو جی آپ لوگوں کا بڑا پن ہے اور اس کے بھلے نصیب ہیں"۔ خالہ سولہ آنے جذبہ تشکر سے چور چور تھیں۔

"اماں جی کیا شادی کرنا بڑا ضروری ہوتا ہے؟" اس نے ناک پونچھتے ہوئے سادگی سے پوچھا۔

تزئین کو گدگدی ہوئی۔ مگر اماں جی کے لحاظ میں کچھ بولی نہیں تھی۔

"شادی تو عورت کی طاقت ہوتی ہے۔ نصیب کھلنا کہتے ہیں۔ عورت پوری ہوتی ہے۔ گود میں بچے کھیلتے ہیں
سب سے بڑی خوشی کی پہچان ہوتی ہے۔ اس کا مرد اس کا سنگھار بھی ہوتا ہے اور ڈھال بھی۔ اس لئے ضروری ہوتی ہے
شادی"۔ اماں جی نے ہلکے سے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"شادی تو ہونے دے پھر پوچھیں گے تجھ سے"۔ نازنین کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"اللہ اسے عقل دے"۔ خالہ سولہ آنے بھی مسکرائیں۔

"اماں جی ابٹن ملنے کے تو قابل نہیں ہے یہ۔ ایسے ہی دلہن بنے گی یہ؟" تزئین نے تاسف سے اسے
دیکھا۔

"ارے اسے تو اللہ نے سجا بنا کر بھیجا ہے"۔ اماں جی نے محبت سے کہا۔

"ان کو بھی کہلوا دیں کہ زخمی ہے"۔ نازنین نے تزئین کو آنکھ ماری۔ دونوں بے ساختہ ہنس پڑیں۔

اماں جی تو ان کی شرارت نہیں سمجھیں"۔ البتہ خالہ مسکرا کر یہ کہتے ہوئے واپس پلٹ گئیں۔

"حد ہو گئی چھوٹی دلہن"۔

....

شام کو ہی نکاح ہو گیا تھا۔

ہے حیدرآباد روانہ ہونے میں دو دن تھے۔ دو دن تک اسے "سیونتھ سی" ہی میں رہنا تھا۔ سنہری غرارہ سوٹ اور
زیور پہنے میں وہ ہوش اڑائے دے رہی تھی۔ میک اپ کے نام پر صرف سرخ لپ اسٹک اور کاجل کا استعمال ہوا تھا۔
ہاشم علی اور تیمور علی خان کے چار پانچ دوست علیم الدین اور بابا صاحب شریک ہوئے تھے۔
اس کا چہرہ قطعی بے اثر تھا۔ گویا سکتے کی کیفیت تھی۔ وہ کسی شوروم میں سجی ڈمی محسوس ہو رہی تھی۔

تزئین اور نازنین اسے رات دس بجے اوپر پہنچا گئی تھیں۔ وہ دس بیس منٹ بیٹھی جانے کیا سوچتی رہی' پھر ایک دم
سے نیچے اتر آئی۔ عجیب وحشت و گھبراہٹ اس کے چہرے سے ظاہر تھی۔ وہ دیوانہ وار دروازہ کھول کر بالکنی میں
کھڑی ہوئی تھی۔

نظر کے سامنے جھاگ اڑاتا سمندر تھا۔ اور ایک عظیم جوار بھاٹا اس کے اندر شور مچا رہا تھا۔

دور ایک جہاز کی لائٹیں ننھے ننھے قمقموں کی طرح نظر آ رہی تھیں' وہ ٹکٹکی باندھ کر سامنے گھورنے لگی۔ معاً اسے قدموں
کی چاپ سنائی دی۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ حتیٰ کہ ٹانگیں کانپنے لگیں۔ اس سے رخ موڑ کر دیکھا نہ گیا۔

"وہ بھئی۔ کیا نام ہے تمہارا۔ یہاں کیوں کھڑی ہو؟" تیمور علی خان کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"کوئی ایک دفعہ میں نام دل پر لکھ بیٹھا۔ اور انہیں یاد تک نہیں رہتا"۔

دکھ کی ایک نئی لہر اس کا وجود درگید گئی۔ اس میں ان کی طرف دیکھنے کا یارانہ تھا۔

"کیا پوچھ رہے ہیں ہم؟" وہ الجھے۔

"ٹھنڈی ہوا میں کھڑی ہوں خان۔ آگ لگی ہوئی ہے میرے اندر"۔ اس نے بے تاثر مگر سرد لہجے میں زاویہ بدلے
بغیر جواب دیا۔

"وہ بھئی' بات یہ ہے کہ اس طرح نہیں کھڑے ہوتے"۔

وہ قدرے الجھ کر گویا ہوئے' جیسے اپنی بات کہنے میں انہیں بہت دقت ہو رہی ہو۔

"کس طرح خان؟" اس کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ ابھری اور فوراً ہی معدوم ہو گئی۔

"بھئی' وہ تمہاری شادی ہو گئی ہے"۔ وہ اپنی بات کہہ نہیں پا رہے تھے۔

"شادی کے بعد کیا ٹھنڈی ہوا میں کھڑے نہیں ہوتے؟" اس کا لہجہ زہریلا تھا۔

تیمور علی خان کی طبع کے برعکس تھا یہ سب' مگر انہوں نے بہت ضبط کیا۔

"ہم کہہ رہے ہیں ناں کہ کمرے میں جاؤ"۔ انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔

وہ ٹس سے مس نہ ہوئی جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔

"آپ مجھے کچھ نہ کہیں خان! ورنہ میں نیچے چھلانگ لگا دوں گی"۔ اس کے اندر سے جیسے آتش فشاں ابل پڑا۔

"نان سنس۔ نہایت احمق اور احسان فراموش قسم کی لڑکی ہو۔ شاید ہم غلط جگہ پر بھلائی کر بیٹھے ہیں"۔

"زیادتی آپ نے میرے ساتھ کی ہے۔ میں اسے کبھی نہیں بھول پاؤں گی"۔

وہ ایک جھٹکے سے مڑی اور غرارے میں الجھتی کمرے میں چلی گئی۔

تیمور علی خان اپنی جگہ دم بخود سے کھڑے رہ گئے۔ ایک بھاری پتھر وہ ان کے اعصاب پر مار گئی تھی۔ یقین
نہیں آرہا تھا کہ وہ یہ سب کہہ گئی ہے۔

وہ کچھ دیر اسی طرح کھڑے رہے پھر آگے بڑھ گئے۔

....

علی پھولوں کا ہار ہاتھوں میں تھامے کتنی دیر سے اسے تک رہا تھا۔

''خوش قسمتی کا یقین نہ آئے تو کیا کرنا چاہیے محترمہ؟'' وہ آہستہ آہستہ چلتا اس کے قریب آیا۔

جواب میں سکوت طاری رہا۔

''یہ تو چھومنتر ہوا ہے۔ سنا ہے' لوگ تو عشق کی راہ میں بڑے کشٹ کرتے ہیں پھر بھی گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا۔
واقعی آپ میرے سامنے بیٹھی ہیں یا مرنے کے بعد سیدھا سیدھا جنت میں پہنچ گیا ہوں؟ وہاں ایک شوخی کا عالم تھا۔

''ٹھہریئے' ابھی چھو کر دیکھتا ہوں۔ شاید پھر یقین آجائے''۔ وہ آہستگی سے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے چھونے کی''۔ وہ جیسے چیخ چیخ گئی۔

''واہ...... کیا بولی ہیں۔ ویسے پتا ہے کہ آپ زخمی ہیں۔ مگر خیر کوئی بات نہیں۔ اب مرہم رکھنے کیلئے ہم جو ہیں۔ اس
ہنر سے مرہم رکھیں گے کہ زخم زخم پھول بن جائے گا''۔ وہاں ایک شرارت ہنوز تھی۔

''یقین کیجئے۔ آپ نے تو ہمیں مار ہی دیا ہے''۔ اس نے مطربہ کا ہاتھ تھام لیا۔

مطربہ کو جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا۔ ایک دم اچھلی تھی۔

''آپ مجھے ہاتھ نہیں لگائیں''۔

''اتنے سستے میں کون ہاتھ لگانے کی اجازت دیتا ہے۔ نان نفقے کی ذمہ داری لی ہے عمر بھر کیلئے۔ اگرچہ یہ آپ کے
حساب سے بہت معمولی سی بات ہے۔ آپ تو موتیوں میں تولنے کے لائق ہیں۔ سچ تو یہ ہے''۔ وہاں انداز بدستور تھا۔

''دیکھئے' پہلی بات تو یہ ہے کہ میں آپ کو بالکل نہیں جانتی''۔

''میں آپ کو اس بات کی اجازت بالکل نہیں دوں گا کہ آپ مجھے الٹی چھری سے ذبح کریں' مرے کو کیا مارنا؟''

علی تو اس کے انداز پر اپنے حواس ہی کھو بیٹھا۔ اور اس کی بات بے ساختہ کاٹ دی تھی۔

''دیکھئے۔ میں بہت دکھی ہوں''۔ مطربہ بے بسی سے چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

''آپ کے ایک ایک دکھ میں شریک ہونے کا وعدہ کرتا ہوں۔ عمر بھر کیلئے آپ کو اپنایا ہے''۔ وہ قدرے سنجیدہ تھا۔

''آپ میرا دکھ دور نہیں کر سکتے''۔ اس نے بہتے اشک صاف کئے۔

''کم کرنے کی کوشش تو کر سکتا ہوں''۔

علی جیسے حاضر جواب مرد کے سامنے اس کی سادگی بے بسی میں بدلنے لگی۔

''مجھے آپ کے تمام حالات کا پتا ہے۔ یہ بھی کہ ایک لکھ پتی کروڑ پتی لڑکی معمولی خادمہ بن کر کیوں رہ رہی تھی۔
کے اس جذبے نے تو جیسے مجھے خرید ہی لیا۔ ایسا موتی جو سیپ کی کوکھ سے باہر ہی نہیں آیا۔ جیسے سورج کی کرن

...ہو ہی نہیں۔ مجھے تو اپنی اس پہلی نظر پر شرمندگی ہے جو بے حجاب آپ کو سر سے پاؤں تک چھو گئی تھی۔ جتنی نفاست و
...زینت آپ کے ظاہر میں ہے' اس سے کہیں زیادہ آپ کے باطن کی آرائش ہے۔ مجھے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہو رہا ہے کہ
...زمین کو چھونے والی پہلی روشنی کی کرن میں ہوں۔

...میں آپ کو سونے چاندی میں تولنے کا وعدہ نہیں کرتا۔ مگر یہ ضرور کہوں گا کہ آپ کی خوشی میرا مقصد ہوگی۔ میرا ایک
...بیٹا ہے۔ آپ کو پتا ہوگا۔ بہت چھوٹا ہے ابھی۔ بہت پیارا بچہ ہے۔ آپ اس ذمہ داری میں میرا ہاتھ بٹائیں گی تو میں ہمیشہ
...خود کو آپ کا مقروض سمجھوں گا اور چاہوں گا کہ بدلے میں آپ کو ہر طرح سے خوش رکھ سکوں۔

...اسے ابھی ٹھیک طرح سے بولنا نہیں آیا۔ وہ آپ کو امی کہے گا تو آپ کو بہت اچھا لگے گا۔ آپ اسے پیار دیں گی تو
...ہمیں اور پیاری ہو جائینگی۔

...اس نے آج تک لفظ ''امی'' نہیں بولا۔ مجھے خوشی ہے کہ جب وہ ہوش کی عمر میں آئے گا تو اس کے پاس سب کچھ ہو
...گا۔ ماں باپ اور دنیا کی دوسری ڈھیروں نعمتیں۔ ہماری دنیا اب بہت مکمل اور خوبصورت ہوگی۔ میرا خواب ہے کہ آپ کو
میرے گھر میں ہر طرح کا آرام ملے''۔

اس نے باتیں کرتے کرتے ایک خوبصورت انگوٹھی اس کی انگلی میں ڈال دی۔

مطربہ پتھر کے بت کی طرح ساکت بیٹھی تھی۔ بمشکل اس کے لب پھڑ پھڑائے۔

''آپ کا بچہ۔ کہاں ہے وہ؟'' اس کی آواز میں لرزش تھی۔

''یہ قیمتی رات تو آپ کی ہے۔ وہ بھلا یہاں کیوں آ سکتا ہے۔ کسی نوخیز لڑکی کے خوابوں کا حاصل ہوتی ہے یہ
رات۔ میں کم از کم یہ زیادتی تو نہیں کر سکتا تھا آپ کے ساتھ۔ وہ حیدر آباد میں ہے اپنی آپا کے پاس۔ جب ہم حیدر آباد
جائینگے تو وہ اپنی خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ ہمارا استقبال کریگا۔ وہ اتنا پیارا ہے کہ شاید آپ ہمیں بھول جائینگی لیکن
آپ ایسا کرینگی تو بہت لڑائی ہوگی''۔

علی نے اس کا ہاتھ تھام کر پہلی بار اپنے استحقاق کی مہر ثبت کی۔

مطربہ کی جان کانپ کر رہ گئی۔ ابھی تک وہ غائب دماغی کی کیفیت میں مبتلا تھی۔

''آپ کا بچہ...... تو آپ کی بیوی؟'' اس کا دل جانے کیوں ڈوب رہا تھا۔

''وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اگر وہ ہوتی تو خان زادہ اتنی آسانی سے آپ کو میرے حوالے کیسے کر دیتا؟'' علی
نے بھرپور نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔

''خان زادہ؟'' مطربہ نے چونک کر پلکیں اٹھائیں۔

''تیمور علی خان۔ میری جان! یہ بھی نہیں جانتیں؟'' وہ ہنس دیا۔

مطربہ کا چہرا جیسے یک دم پتھر کا ہو گیا۔ باطنی کیفیت کی ایک ایک لہر چہرے پر جیسے نقش ہو گئی۔

''ایک بات ہے''۔ اس کی آواز قطعی بے تاثر تھی۔

''بسم اللہ...... ارشاد ہو''۔ علی گاؤ تکیہ پہلو میں لے کر نیم دراز ہوتے ہوئے شوخی سے گویا ہوا۔

"جب آپ مجھ سے بات کریں تو حویلی کے کسی شخص کا ذکر بیچ میں نہ لائیں"۔

اس کی آواز میں کسی پاتال کی سی گہرے دکھ کی کاٹ تھی۔

عجیب تاثیر ہے نکاح کے چند بولوں کی دو اجنبی رفاقت کی ہر لہر کو دل سے گزرتا محسوس کرنے لگتے ہیں۔ قربتیں نئی جگہ آپ بنانے لگتی ہیں۔

حالانکہ اس نے کتنا مصمم ارادہ کیا تھا کہ وہ علی کو ہر طرح سے مایوس کرے گی۔ قہر اوڑھ لے گی۔ بیگانگی اپنا لے گی۔

اور علی کے وارفتہ اور اپنائیت بھرے لب و لہجے نے اسے بے حد کمزور کر دیا تھا۔ اس پر سے وہ "نفسیاتی ٹریٹمنٹ" جو عموماً دلہن کو دی جاتی ہے۔ تزئین نے اسے یہاں پہنچانے سے پہلے جانے کتنی قسم کی نصیحتیں کی تھی۔ علی کیلئے اس کے دل میں ایک دروازہ بے آواز کھولنے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت تو وہ بغاوت ونفی کے مرحلے طے کر رہی تھی۔ تزئین کا ایک ایک لفظ اسے چھلنی کر رہا تھا۔ مگر علی کے لب و لہجے کی خواب پرور حلاوت یادداشت کے خفیہ گوشوں سے تزئین کے نفسیاتی داؤ پیچ ڈھونڈ لائی تھی۔

ایک بے توقیر اور حقیقی رشتوں کی محبت سے محروم اور پھر بے حد کم عمر، اتنی پختگی کہاں تھی کہ ایک بھرپور مرد کا مقابلہ کر پاتی۔

اس پر مستزاد ایک بے ماں کے معصوم بچے کا ذکر۔ اس کی تمام تر دنیا کمرے کے اندر گردش کرنے لگی۔

"آپ کی بیوی"۔ اس نے کچھ بولنا چاہا۔

"وہ تو اب آپ ہیں"۔ وہاں سے برجستہ جواب آیا۔

"میرا مطلب ہے کہ"۔ حیا نے اس کی قوت منتشر کر کے رکھ دی۔

"وہ عشق کرتی تھی مجھ سے۔ میرے اپنے قبیلے کی تھی۔ بچپن کی مانگ تھی مگر پھر ایسا ہوا کہ ہمارے خاندانوں میں قتل کی وجہ سے دشمنی ہو گئی اور دشمنی بھی اعلیٰ درجے کی۔ اس وقت میں پڑھ رہا تھا اس دشمنی کے نتیجے میں ہماری منگنی بھی ختم ہو گئی۔ دکھ تو خیر مجھے بھی بہت تھی۔ میں کیونکہ مرد تھا اور میرے باپ دادا مجھے صبح شام غیرت و مردانگی جس کا مطلب خون کے بدلے خون تھا۔ کا سبق پڑھاتے تھے۔ اس لئے میری توجہ کئی جگہ بٹ گئی تھی۔ مگر اس کی توجہ صرف ایک سمت تھی۔ یعنی میری طرف۔ وہ مجھ سے جدا ہونے پر کسی قیمت پر راضی نہیں تھی۔ ایک رات وہ ڈھیروں سونا پہن کر میرے کمرے میں آ گئی اور فرار ہونے کیلئے ضد کی۔ اس کی شادی کہیں اور طے کر دی گئی تھی۔ وہ بہت جذباتی ہو رہی تھی۔ میں نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے مجھے بزدلی کا طعنہ دیا اور کہا اگر میں نے اس کا ساتھ نہ دیا تو وہ کنوئیں میں چھلانگ لگا دے گی یا اپنی شہ رگ کاٹ لے گی۔ وہ جس انتہا پر پہنچ چکی تھی، کچھ بعید نہیں تھا۔ وہ یہ کچھ کر گزرے گی۔ میں اٹھ کھڑا ہوا مجھے اس کی شدید محبت نے سب کچھ بھلا دیا۔ پانچ ہزار روپے اور ایک رائفل لے کر میں اپنے قبیلے کو ہمیشہ کیلئے چھوڑ گیا۔ ہمیشہ کیلئے اس لئے کہ اس اقدام کے بعد نہ میں اپنوں کیلئے قابل قبول تھا اور نہ اس کے رشتے داروں کیلئے۔ ابھی وہ میرے سر کی قیمت لگائے ہوئے ہیں"۔

مطربہ نے لرز کر پہلی مرتبہ اس کی سمت بغور دیکھا۔ تپتا ہوا سرخ رخساروں والا صحت مند چہرہ، گھور سیاہ مگر روشن کھلی کھلی آنکھیں۔ گہری تراش کے خوبصورت ہونٹ پر سیاہ گھنی مونچھیں جھکی ہوئی تھیں۔ اس نے مطربہ کو بغور اپنی سمت دیکھتے پا کر بڑی شرارت آنکھوں میں سمو کر جواباً اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"ساتھی پسند آیا؟" بہت اعتماد سے سوال ہوا۔

مطربہ نے جھینپ کر پلکیں جھکا لیں۔ "پھر؟" اس کے لبوں نے جنبش کی۔ اس کے حساب سے ابھی بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔

"پھر یہ کہ ہم نے پہلی فرصت میں شادی کر لی۔ میں نے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس دوران چھوٹی موٹی ملازمت بھی کرتا رہا۔ دو برس بعد ہمارے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ اور ٹھیک اس کی پیدائش کے ایک سال بعد وہ مجھے اور اپنے بیٹے کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے چھوڑ کر اپنی حقیقی منزل کی طرف لوٹ گئی۔

مجھے اس کے چلے جانے کا بہت دکھ تھا۔ وہ مجھے چاہے جانے کے عظیم جذبے کی لذت سے آشنا کر گئی تھی۔ اس نے صرف مجھے دیا۔ مجھ سے کبھی کچھ مانگا نہیں۔ انسانوں کی اس بستی میں اس نے مجھے ہر ہر موڑ پر بہت اہم ہونے کا احساس دلایا تھا۔ بہت خود پسند بنا دیا تھا اس کی محبت نے مجھے۔ میں نے اسے کچھ دینے کا جب بھی سوچا تو محسوس ہوا کہ میں تو بال بال اس کا مقروض ہوں۔ قرضے اترتے تو کچھ دینے کے مرحلے آتے۔ اس سے پیشتر کہ ایسا کچھ ہوتا وہ چلی گئی۔

آپ بھی تو مجھے اس کے حوالے سے ملی ہیں۔ اس رات وہ اپنی جذباتی طاقت سے مجھے قبیلے سے نہ لاتی تو میرے آپ کے ملنے کے لمحے کیونکر آتے۔ ایک پیارا سا بیٹا اور ایک بے حد حسین اور سادہ جیون ساتھی۔ یہ اسی کی طرف سے دیئے ہوئے بیش بہا تحفے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ اس پردہ کی ہوئی بہت اچھی عورت سے کبھی رقابت محسوس نہیں کرینگی"۔

"جی؟" مطربہ سمجھی نہیں۔

"مطلب یہ کہ آپ کو اس کا ذکر ناگوار تو نہیں گزر رہا؟" علی کے انداز میں سنجیدگی تھی۔

"وہ کوئی اور بزدل نہیں تھی۔ اتنی اچھی عورت تو ہوتی بھی نہیں ہے"۔ اس نے سادگی سے کہا۔

علی نے بے ساختہ اس کا مہندی سے سرخ ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

"چشمے کا صاف پانی دیکھا ہے؟"

مطربہ نگاہیں جھکائے خاموش رہی۔

"آپ کو دیکھ کر اس کا خیال آتا ہے"۔ وہ بھرپور جذبے سے مسکرایا۔

"آپ مجھے آپ آپ کیوں کہہ رہے ہیں"۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے ٹوکا۔

"رعب حسن کے آگے بے بس ہوں"۔ وہ شریر ہوا۔

"آپ کو میں نے اپنی عزت بنایا ہے۔ میں صرف آپ سے محبت نہیں کروں گا بلکہ آپ کی عزت بھی کروں گا۔ مطربہ یہ میرا پہلا اور سچا وعدہ ہے آپ سے"۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور کوٹ اتارنے لگا۔

مطربہ کو جانے ایک دم کیا ہوا۔ اس کا سارا وجود کانپنے لگا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

علی کوٹ صوفے پر اچھال کر اس کی سمت متوجہ ہوا۔

''مطربہ...... جان...... کیا ہوا؟''

وہ مزید ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

''پلیز بتاؤ ناں' کیا میری کسی بات سے تمہیں تکلیف ہوئی؟'' وہ بہت پریشان ہو گیا۔

''نہیں جو کچھ آپ مجھے دے رہے ہیں۔ وہ میری اوقات سے بہت زیادہ ہے''۔

''بڑی قناعت پسند ہو' ابھی کچھ دیا ہی کب ہے''۔ وہ ہنس دیا۔

''دیکھو' چپ ہو جاؤ ورنہ مجھے تین سو ساٹھ طریقوں سے چپ کرانا آتا ہے۔ اپنے اسٹائل میں چپ کرایا تو گھبرانا نہیں پھر اور نہ مجھے کوئی الزام دینا''۔

مطربہ کے تمام حواس اس کی وارفتگی کے سامنے ڈھیر ہو رہے تھے۔

....

''بی بی جان! کیا یہ کپڑے بھی رکھ لوں؟'' مطربہ نے بیگ کی سمت اشارہ کیا۔

''بے وقوف۔ اب یہ کپڑے پہنے گی؟ اماں جی نے دس بارہ سوٹ جو دیئے ہیں تجھے اور تیرے ''وہ'' بھی تو لائے ہیں اتنے کپڑے۔ ابھی تو' تو روز نیا جوڑا پہنے گی''۔ نازنین ہنسیں۔

''مطربہ! اللہ کی قسم قیامت لگ رہی ہے۔ ویسے رات کو خیریت تو رہی تھی ناں۔ ویسے تجھے بے ہوش انسانوں کو ہوش میں لانے کی ترکیبیں تو آتی ہیں ناں؟'' تزئین شرارت سے ہنسیں۔

مطربہ کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھر گئے۔

''اب بتا...... اب بھی رویا کرے گی؟'' تزئین نے چھیڑا۔

اسی دم تیمور علی خان ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ وہ اسی سمت رخ کیے کھڑی تھی۔

''السلام علیکم خان''۔ اس کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ بمشکل سنی جا سکتی تھی۔

''وسلام...... آپا...... اماں جی کہاں ہیں؟'' انہوں نے اچٹتی سی نگاہ اس پر سے دوڑاتے ہوئے تزئین سے پوچھا۔

''برآمدے میں ہی تو بیٹھی ہوئی تھی۔ وہاں نہیں ہیں کیا؟'' تزئین کی بجائے نازنین نے جواب دیا۔

''نہیں' وہاں تو نہیں ہیں''۔ انہوں نے پھر ایک الجھی ہوئی نگاہ مطربہ پر ڈالی۔

گہرے میرون کامدانی سے مرصع سوٹ میں ایک نئی زندگی کا انکشاف اس کے ایک ایک نقش پر ثبت تھا۔ اس نے یکدم تیمور علی خان کی سمت سے رخ موڑ لیا تھا۔

''بی بی جان۔ اگر میں ان سے کہوں تو کیا یہ مجھے نانی سے ملانے لے جائینگے''۔

''پھر تو دیکھو۔ افق کے اس پار بھی لے جائینگے۔ ہمارے علی مہندی صاحب''۔ نازنین کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

مطربہ کو تیمور کی موجودگی کے خیال سے کچھ زیادہ ہی حیا آ گئی تھی۔

''ہوں...... نانی تو نانی اب تو تم اس کے ساتھ اپنی ماں کے پاس بھی ملنے جا سکتی ہو۔ اب تمہیں پتا چلے گا کہ ہم نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے یا برائی''۔ تیمور علی خان کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''بعض انسانوں پر اتنی مشکلیں آ پڑتی ہیں کہ انہیں بھلائی' برائی کی تمیز ہی نہیں رہتی''۔

وہ عجیب سے انداز میں بیگ بند کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے بولی۔

''ذہین تو تو بہت ہے مطربہ! کوئی حیرت کی بات نہ ہو گی اگر تو کچھ دن بعد علی مہندی کی استانی نہ ہو گئی''۔ تزئین نے اپنی حیرت کو شوخی میں چھپایا۔

''ارے تم لوگ یہاں ہو۔ بتاؤ۔ مطربہ بھی ہے۔ اس کا سامان دیکھ لیا''۔

''تیمور! میں نے تمہارے بابا صاحب سے کہا تھا کہ علی کو کچھ نقد دے دیں اپنی طرف سے۔ گھر کی ضرورت کی چیزیں مطربہ اپنی پسند سے لے لے گی۔ اب اتنی جلدی کیا ہو سکتا تھا''۔

''اماں جی! دو سو روپے ہیں میرے پاس''۔ وہ سادگی سے بولی۔

نازنین' تزئین کے قہقہے بلند اور اماں جی اور تیمور علی خان کی مسکراہٹیں مبہم تھیں۔

''گویا ابھی تک پیچھا نہیں چھوٹا' ان دو سو روپے سے''۔ تیمور علی خان صوفے پر بیٹھ گئے۔

''اماں جی! علی نے کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا ہے۔ بابا صاحب نے بہت اصرار کیا تھا مگر وہ نہیں مان رہا تھا''۔

''اماں جی! کیا ضرورت ہے۔ میری اوقات سے بڑھ کر سلوک کیا ہے آپ نے؟'' مطربہ کی آواز بھرا گئی۔

''یوں نہیں کہتے۔ تیرا نانا تو قول نباہنے والا اصیل تھا اور کیوں نہ ہوتا۔ سیدزادہ تھا۔ کم نسب تو نہیں ہے تو...... اللہ لگتی تو یہ ہے کہ تو نوکرزادت ہو کر بھی ہی نہیں تھی۔ اللہ نے تیرا نصیب کھول دیا۔ خوش رہ''۔

''مزاج واقعی بہت ہیں اماں جی! جو اس کی حقیقت بتا ہی دیتے ہیں''۔

تیمور علی خان کے لہجے میں جانے کیا تھا۔ اس نے بے ساختہ ان کا چہرا دیکھا تھا اور انہوں نے پہلی مرتبہ اس سے نگاہیں چرائی تھیں۔

''دیکھ بچی۔ اپنے مرد کی توجہ و محبت چاہیے تو اس کی اولاد کو اپنا کر لینا پھر دیکھ کتنی قدر کرے گا تیری۔ بچہ ضرور ہے اس کا مگر اتنی عمر نہیں ہے علی کی۔ تیمور سے سال دو سال ہی بڑا ہو گا''۔

کوئی بات ہو...... کوئی مثال ہو۔ یہ تیمور کہاں سے آ جاتے ہیں بیچ میں جبکہ یہ کبھی بیچ میں نہیں ہوں گے۔

''اور میری بات سن...... ہر صورت نباہ کرنا ہے۔ کوئی مشکل پڑے تو جان چھڑانے کی جلدی نہیں کرنا۔ سمجھ رہی ہے۔ مرد نباہنا آسان نہیں ہوتا لیکن نباہنا آ جائے تو عورت کی ساری زندگی سنور جاتی ہے۔ خدمت اور محبت دو ہی ہتھیار دیئے ہیں اللہ نے عورت کو۔ ان سے کام لینا سیکھ گئی تو بھلی گزر جائیگی''۔

اماں جی بغور اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے سمجھا رہی تھیں۔

''سن رہی ہے ناں میری بات؟''

''جی اماں جی''۔

''اللہ بھاگ جگائے رکھے۔نصیب اچھا کرے۔حویلی کے دروازے کھلے ہیں۔جب چاہے ملنے آ جایا کر۔ یاد
بہت آئیگی مجھے۔بڑی خدمت کی ہے میری''۔

''اماں جی! آپ ایسی باتیں نہ کریں۔مجھے رونا آرہا ہے''۔وہ رونے کو ہوگئی۔

''اچھا اچھا۔دھیان سے اپنی چیزیں رکھ لے۔کبھی بعد میں پریشان ہو۔چھوٹی دلہن۔وہ شال بھی دیدو اسے جو تم
لائی تھی۔ساتھ ہی رکھ لے گی۔کبھی بعد میں دھیان نہ رہے''۔

''وہ رکھ دی ہے اس کے کپڑوں مین''۔نازنین نے جواب دیا۔

''یہ علی کہیں گیا ہوا ہے؟'' معاً انہیں دھیان آیا۔

''پتا نہیں میں تو صبح سے اوپر نہیں گئی''۔وہ اپنی مخصوص سادگی سے بولی۔

''کیوں؟'' تزئین نے شوخی سے سرگوشی کی۔

وہ حیا آمیز انداز میں خاموشی سے کپڑے تہ کرنے لگی۔

''پاگل...... کیوں نہیں گئی اوپر۔اس کا سامان نہیں باندھے گی''۔اماں جی مسکرائیں۔

''اصل سامان تو ساتھ بندھا چلا جارہا ہے''۔نازنین بہت سروں میں ہنسیں۔

''یہ چلی جائے گی تو تم بھی اپنے میکے ہو آنا''۔اماں جی نازنین سے مخاطب ہوئیں۔

''جی اماں جی۔امی بھی فون پر پوچھ رہی تھیں کہ کب آؤ گی۔تزئین بھی رات کو اپنے سسرال جائیگی پھر آپ اکیلی
کیا کریں گی' آپ میرے ساتھ چلئے گا''۔

نازنین نے ساس کو بہت محبت سے دیکھا۔

''ہاں خیر' ملنے تو مجھے بھی جانا چاہیے۔چلوں گی''۔وہ بولیں۔

''آپ کے کپڑے استری کرنے کو دے دوں؟'' تزئین بولی۔

''ہماری بھی سن لیجئے۔سیٹ کنفرم ہوگئی ہے ہماری' پرسوں رات کی فلائٹ ہے۔آج ہم حویلی جارہے ہیں۔پرسوں
شام کو پہنچیں گے واپس۔ہم سے الوداعی ملاقات جس جس کو کرنا ہے۔ابھی کرلو''۔

''پرسوں...... بس جارہا ہے؟'' اماں جی نے دہل کر ان کی سمت دیکھا۔

''جانا تو ہے اماں جی!''

''تجھے مجھ پر ترس نہیں آتا تیمور''۔وہ آبدیدہ ہوگئیں۔

''اماں جی...... پھر وہی...... ہم ہمیشہ کیلئے تو نہیں جارہے۔آنے کیلئے جارہے ہیں جہاں اتنی ہمت دکھائی ہے تھوڑی
اور سہی''۔

وہ ماں کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔

گھل گئی ہوں تیری جدائی میں''۔ان کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔

''یہاں کی ہمت۔
مطربہ کا جی ایک دم چاہا' وہ مڑ کر تیمور علی خان کو دیکھے مگر نہ جانے پھر کیا ہوا۔وہ مزید تندہی سے کپڑے تہ کرنے لگی
اور ان کی سمت سے بالکل پشت کرلی۔

....

وہ رات گئے حیدرآباد پہنچے تھے۔سارا شہر نیند کی آغوش میں تھا۔تیمور علی خان نے گاڑی مع ڈرائیور ان کے ساتھ کی
تھی۔

پرانی وضع کا گھر تھا جس کے باہر ایک زرد رنگ کا بیمار سا بلب لگا ہوا تھا۔دستک پر ایک بوڑھی عورت کی آواز سنائی
دی تھی۔

''کھولو اماں۔میں ہوں علی''۔

دروازہ فوراً ہی کھل گیا تھا جس شوق سے بوڑھی عورت دروازے میں آئی تھی اتنی ہی حیرت سے پیچھے ہٹی تھی۔کاہی
سبز سوٹ اور سنہری بارڈر والی چادر' پھولوں کی خوشبو۔چوڑیوں سے بھری کلائیاں۔اور جھکی ہوئی آنکھیں۔اس پر مستزاد
حسن بھی غیر معمولی۔

''اندر آنے نہیں دو گی اماں۔فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔آپ کے پیارے کیلئے ماں لایا ہوں''۔

علی کے انداز میں اس کی فطری شوخی جھلک رہی تھی۔

عورت پیچھے ہٹ گئی مگر حیرت اپنی جگہ بدستور تھی۔

''اماں! ڈرائیور بہت تھک گیا ہوگا۔بیٹھک کھول دو اور اسے چائے پانی کا پوچھو''۔

''وہ تو پوچھ لوں گی۔مگر یہ''۔

''افوہ۔یقین نہیں آیا ابھی تک جب ہی تو دلہن کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا نہیں دی۔تمہاری قسم اماں۔نکاح کیا ہے''۔

بڑی بی کے اوسان ذرا بحال ہوئے۔وہ آگے بڑھیں اور مطربہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''کہاں سے ملی یہ چاند سی دلہن۔سارے گھر میں روشنی سی ہوگئی ہے''۔وہ بہت پرشوق انداز میں جائزہ لے رہی
تھیں۔''آؤ بیٹی۔یہاں بیٹھ جاؤ۔

انہوں نے اسے تھام کر ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

''میں نے آپ کو بیٹی کہا۔آپ نے برا تو نہیں منایا۔دراصل علی میاں نے میری عادت بگاڑ دی ہے۔ہوں تو میں
نوکر یہ مگر مجھے ماں کی طرح عزت دیتے ہیں''۔

''تو اماں! تم بھی تو ہمارا' میرا مطلب ہے ہم باپ بیٹے کا اتنا خیال رکھتی ہو جیسے سگے رکھتے ہیں''۔

اس کی تو خود نوکر ذات سے بڑی اونچی ترقی یکلخت ہوئی تھی۔اس نے نگاہ اٹھا کر اب اپنی ملازمہ کو دیکھا۔ایک دم
جانے کیوں دل بھر آیا۔وہ تیزی سے پلکیں جھپکا کر آنسو چھپانے لگی۔

''علی میاں! دلہن بہت پسند آئی۔اللہ مبارک کرے خوشیاں دکھائے۔آمین''۔وہ دعا دیتے ہوئے باہر نکلنے لگیں۔

''کہاں جارہی ہو؟'' علی نے کوٹ اتار کر ان کی سمت بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

مطربہ نے درمیان ہی میں اٹھ کر کوٹ تھام لیا۔ علی نے بہت خوشی اور دلچسپی سے اس کی سمت دیکھا۔

''منہ تو میٹھا کرادوں۔ دلہن پہلی بار گھر آئی ہے''۔ وہ رکے بغیر آگے بڑھتے ہوئے بولیں۔

وہ علی کا کوٹ بازو پر لٹکا کر ادھر ادھر لٹکانے کی جگہ تلاش کررہی تھی۔ نظروں ہی نظروں میں۔

''اتنا حسین روپ' سروپ اور پھر یہ ادائیں۔ محترمہ بندہ ہلاک بھی ہوسکتا ہے۔ میں تو یوں بھی ابھی خواب و وہم کے سلسلوں میں بھٹک رہا ہوں۔ ابھی تک یقین نہیں آرہا''۔ علی نے اپنے بازو اس کے شانوں پر ٹکا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''اماں آجائینگی''۔ اس نے گھبرا کر دروازے کی سمت دیکھا۔

''تو کیا ہے۔ آنے دو''۔ علی نے شرارت سے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا۔

''شرم نہیں آتی آپ کو''۔ حیا سے اس کی حالت غیر ہوگئی۔

''دھیان نہیں دیا کبھی اس پوائنٹ پر''۔ اس نے قہقہہ لگا کر بازو ہٹالئے۔ مطربہ سے پلکیں اٹھانا دوبھر ہوگیا۔

''فی الحال تو یہی ہے گھر میں۔ شام کو بچے کیلئے یہ کسٹرڈ بنایا تھا''۔ اماں ٹرے اٹھائے تھوڑی دیر بعد اندر آگئی تھیں۔

''اماں! تم نے بیٹھک کا دروازہ کھول دیا؟ بہت سامان آیا ہے کھانے پینے کا ان کی طرف سے کھانا بھی ہے۔ پھل بھی ہیں' ڈھیروں مٹھائی ہے۔ صبح اٹھ کر محلے میں بانٹنا شروع کردینا۔ کئی دن میں بٹے گی۔ تب جاکر ختم ہوگی''۔

علی نے قمیص کے اوپری بٹن کھول کر کسٹرڈ پیالی میں ڈالتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

''ماشاءاللہ بڑے دل والوں کی اولاد ہے''۔

مطربہ کا چہرہ یکلخت سفید سا پڑ گیا۔ ان دیکھے روشن چراغوں کی لوئیں ٹمٹمانے لگیں۔

''یہ لیجیے محترمہ''۔ علی نے بہت شوخ انداز میں اس کے سامنے پیش کی۔ اس پر اماں کے جملے نے کوئی اثر نہیں ڈالا تھا یا پھر اسے اپنے اعصاب وافعال پر بہت کنٹرول تھا۔

مطربہ نے پیالی تھام لی۔

''کھانے کیلئے دی ہے''۔ علی نے اسے پیالی کی سمت گھورتے دیکھ کر چونکایا اور وہ حقیقت میں چونک پڑی۔

''کس دھیان میں ہیں آپ؟ یہ دنیا بڑے دل والوں کیلئے ہے۔ چھوٹے حوصلے اور چھوٹے دل والے ان خوشیوں سے بھی محروم رہتے ہیں جن پر ان کا جائز حق ہوتا ہے۔ بہت تنگ کرتی ہے انہیں یہ دنیا۔ کسی قسم کی فکر خود پر طاری کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو ہمیشہ خوش دیکھوں۔ جس دن کسی غم میں مبتلا دیکھا۔ بہت لڑائی ہوگی۔ اور اپنا پلنگ باہر گلی میں ڈال کر سوجایا کروں گا۔ لوگ پوچھیں گے کہ باہر کیوں سورہا ہوں تو صاف کہہ دیا کروں گا کہ بیوی کہنا نہیں مانتی''۔

مطربہ نے منہ پر ہاتھ رکھ کر بمشکل ہنسی ضبط کی۔

''ابھی ہم آپ کو اپنے بیٹے سے ملائیں گے۔ بڑا پنکچوئل (وقت کا پابند) ہے۔ نو بجے ہی سوجاتا ہے۔ صبح چھ بجے سے پہلے ہی جاگ جاتا ہے۔ بڑی فوجیوں کی سی عادت ہے۔ لگتا ہے پکا نمازی بھی بنے گا اور باقاعدہ جماعت سے نماز پڑھ

کرے گا''۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے''۔ مطربہ نے دھیرے سے کہا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

''ابھی ہم آپ کو ایک اور سرپرائز دینگے۔ چلیں بتادیتے ہیں۔ آپ کیلئے پیور کاٹن کے بہت خوبصورت نائٹ ڈریس لائے ہیں کراچی سے۔ بہت ترس آتا ہے آپ پر۔ یہ چبھنے والے کپڑے پہن کر نیند کیسے آجاتی ہے''۔

مطربہ نے پیالی واپس رکھ دی تھی۔

''آئیں چلیں۔ پہلے اپنا ہونہار دکھاتے ہیں آپ کو''۔ علی نے اٹھ کر اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

وہ پیچھے پیچھے چل پڑی۔

علی اوپر جانے کیلئے زینے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ بھی اس کی تقلید میں زینہ طے کرنے لگی۔

زینہ طے کرتے ہی چند فٹ کی خالی جگہ کے بعد سامنے ہی کمرا تھا۔ علی آہستگی سے دروازے پر دباؤ ڈال کر اندر داخل ہوگیا۔ اور پھر وہ بھی۔

چھوٹا سا کمرہ بہت خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ دیواروں پر خوبصورت بچوں اور جانوروں کی تصویریں اور وال پیپر۔ رنگیں میں سجے بے شمار کھلونے کارپٹ پر اوندھے سیدھے پڑے بھالو گھوڑا اور بطخیں۔ کھڑکی پر گلابی جالی کا پردہ۔ وہائٹ چھوٹا سا سنگل بیڈ اور اس کے ساتھ ہی وہائٹ الماری۔ کھڑکی کے ساتھ لگی سفید میز پر بچے کی کتابیں قاعدے وغیرہ۔ ایک بچے کیلئے اس قدر اہتمام یہ تو اس نے حویلی میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہاں ایک کمرے میں کم از کم دو تین بچوں کا اہتمام ہوتا تھا اور اسی حساب سے بے ترتیبی بھی ہوا کرتی تھی۔

''یہ رہے ہمارے ولی عہد۔ وہ جو آپ ہمیں دیں گی وہ ان کے جانشین ہوں گے''۔

''ہائے اللہ''۔ مطربہ کو تو مارے حیا کے قدم اٹھانا مشکل ہوگیا۔ ''یہ علی تو بس بولے چلے جاتے ہیں''۔

''آؤ بھئی۔ رک کیوں گئیں۔ دیکھئے کیسے ٹھاٹھ سے سورہے ہیں۔ باپ کی تو ذرا پرواہ نہیں''۔

مطربہ نے بچے پر نگاہ ڈالی۔ دو ڈھائی سال کا نہایت صحت منداور خوبصورت بچہ تھا۔ بے خبر سویا ہوا۔ اسے بے ساختہ پیار آگیا کہ وہ ان بچوں میں سے تھا جنہیں راستہ چلتے ہوئے بھی پیار کرتے ہیں''۔

اس نے آہستگی سے اس کی پیشانی سے بال سمیٹے اور جھک کر بوسہ دیا۔

''محترم عبدالباری مہندی! دیکھئے کتنی اچھی امی لائے ہیں آپ کیلئے''۔ علی نے مطربہ کو شانوں سے تھام کر سرگوشی کی۔

چند روز قبل تک یہ شخص اس کو کتنا بھاری تھا۔ محض عزت ومحبت نے جو وہ اسے دے رہا تھا۔ سمجھوتے کی راہ کتنی آسان بنادی تھی۔

خواب کے طلسم اتنی آسانی سے کب جان چھوڑتے ہیں۔ مگر محبت بھی ایک قیامت ہے انقلاب ہے بشرطیکہ محبت

''کیسا لگا آپ کو ہمارا بیٹا؟''

''ماشاءاللہ۔ بہت پیارا ہے''۔ اسے واقعی بچہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی تھی۔

....

اسے حیدرآباد میں رہتے ہوئے ٹھیک ایک ماہ ہو رہا تھا۔ دس دن پہلے علی اسے نانی سے ملوا کر لایا تھا۔ نانی بہت بیمار
تھی' اسے بہت دکھ ہوا تھا۔ اس نے کہا بھی تھا کہ وہ ساتھ چلے اب تو اس کا اپنا گھر ہے۔ مگر اس کی ''ناں'' کو وہ ہاں میں
نہ بدل سکی تھی۔

سردار ماموں نے علی کی بہت آؤ بھگت کی تھی۔ زندگی میں پہلی بار مطربہ کو گلے سے لگایا تھا سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ چلتے
ہوئے ایک جوڑا اور دس روپے بھی دیئے تھے۔ اور ساتھ ہی کہا تھا کہ تھوڑے بہت پیسے اس نے کفن دفن اور سردار کے
بچوں کیلئے اٹھا رکھے ہیں۔ کفن دفن کا سن کر اسے بہت رونا آیا تھا۔ وہ بہت بوجھل دل کے ساتھ واپس ہوئی تھی۔ یوں
محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے یہ اس کی آخری ملاقات تھی نانی سے۔

چلتے ہوئے نانی نے کہا تھا۔

''زیتون بالو۔ علی تیرا مرد ضرور ہے مگر یہی میری عمر بھر کی کمائی ہے۔ عمر بھر کوشش کی کہ اس کا احسان میرے سر پر نہ
ہو' اپنی محنت مزدوری کی روٹی کھاؤں مگر سولہ آنے اور حویلی والوں نے جو احسان کیا ہے میرے پاس اس کا بدل نہیں
ہے۔ سوائے اس دعا کے کہ حویلی کی جتنی بیٹیاں ہیں۔ اللہ ان کے نصیب اچھے کرے''۔

وہ حیدرآباد آ کر بہت دن اداس رہی پھر ایک روز علی نے اسے خوشخبری سنائی کہ بصیر علی خان کی شادی ہو رہی ہے۔
آج آفس میں اماں جی کا ٹیلی فون آیا تھا۔ انہوں نے کہا ہے کہ پہلی فرصت میں مطربہ کو حویلی بھجوا دوں۔ اسے بصیر علی خان
کی شادی کا بہت انتظار تھا اور یہ بھی کہ کوئی تیاری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اس کیلئے کپڑے بنوا لئے ہیں۔
اماں جی کے اس اپنائیت بھرے پیغام پر اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بہت مضبوط بنیے
کی بیٹی ہے۔

علی نے تو کوئی ایسا تاثر نہیں دیا تھا کہ وہ بچے کو ساتھ لے کر جائے اس نے خود کہا تھا وہ بچے کو ساتھ لے کر جائیگی۔
اور جب وہ گلابی سوٹ اور سرخ چادر میں بچہ گود میں اٹھائے حویلی مس داخل ہوئی تو وہاں ایک خوشی کی لہر دوڑ
گئی۔ ایک لمحے کو تو اسے یقین ہی نہیں آیا کہ وہ حویلی والوں کو اتنی پیاری ہے۔

''واہ مطربہ۔ کیا ریڈی میڈ اولاد ملی ہے۔ ماشاءاللہ کتنا پیارا بچہ ہے''۔

تزئین نے بے اختیار بچہ گود میں لے کر رخسار چوم لیا تھا۔

''ماشاءاللہ۔ بڑی جلدی ہل گیا تجھ سے''۔ بچے نے منہ بسور کر مطربہ کی طرف ہاتھ بڑھائے تو اماں جی نے بہت
خوشی سے کہا۔

''آخر کس باپ کی اولاد ہے۔ جو اس سے ایک لمحے کو ہل گیا تھا''۔ نازنین کی خوبصورت ہنسی فضا میں بکھری تھی۔

''اچھی تو ہے؟'' اماں جی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے اسے دیکھا۔

''آپ کی دعا ہے اماں جی''۔ اس نے نظریں جھکا کر کہا۔

''اللہ خوش رکھے۔ ایک جنجال سے عمر بھر کو تیری جان چھوٹ گئی''۔ وہ جذبہ تشکر سے چور انداز میں جیسے خود کلامی کر
رہی تھیں۔

''آج کل تو بڑا کام ہو گا حویلی میں''۔ اس نے بچے کو تھپکتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ مگر ہم تجھ سے کام نہیں کروائیں گے۔ تیرا مرد کیس بنا دے گا ہم پر آخر پولیس والا ہے''۔ اماں جی نے بھی
ہنس کر کہا۔

''نہیں اماں جی۔ میں تو اب بھی آپ کی باندی ہوں''۔ وہ بہت دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''باندیاں تو تیری بارہ پشتوں میں ہوتی آئی ہوں گی۔ ایک ذرا آزمائش تھی بس تجھ پر''۔

''جن بارہ پشتوں کا ایک ڈھیلے کا رزق نہ کھایا میں نے۔ میں کیا جانوں ان کو'' وہ بہت اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

''دیکھا اماں جی! ایک مہینے میں ہی کتنی سنجیدہ باتیں کرنے لگی ہے''۔ تزئین نے ہنس کر کہا۔

''نہیں خیر سمجھ والی تو ہے یہ''۔ اماں جی نے شفقت آمیز انداز سے اسے دیکھا۔

''مگر تیمور تو یہ کہتے ہیں کہ سر سے گزر جاتی ہیں اس کے ہماری باتیں۔ بہت آسان انداز میں بات کرنا پڑتی ہے اس
سے''۔ نازنین نے کہا۔

مطربہ جیسے ایک دم چونک پڑی۔ یہ تو خیال ہی نہیں آیا کہ نان سنس۔ احمق کہنے والا اب اس حویلی' اس وطن ہی میں
نہیں ہے۔

اسے حویلی میں یکایک بہت بڑی کمی کا احساس ہوا۔

چمڑی بوٹوں کی چرچراہٹ۔ زینہ اترتے ہوئے قدموں کی مخصوص دھمک ان کی آمد سے قبل ہی ان کی آمد کا اعلان
یہ مخصوص خوشبو کی زبانی۔ ایک خاص انداز کی کھنکار۔

جانے کیا کیا کم ہو گیا تھا حویلی میں۔ اس کے اندر وحشت کے بگولے ناچنے لگے۔ اسے محسوس ہوا کہ علی کی ذات اتنی
ہنگامہ پرور اور پرجوش و پرشور ہے کہ ذات کے بند دروازے کھلنے کی فرصت اور مہلت نہیں ملتی۔ محض اتنی سی دوری نے
اندر اکھاڑ پچھاڑ شروع کر دی تھی۔

اس نے گھبرا کر بچے کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

''بچے کا نام کیا ہے''۔ اماں جی کو وہ بہت اچھی لگی بچے کو پیار کرتے ہوئے۔

''باری''۔ اس نے دوبارہ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''بڑا جچ رہا ہے یہ نام بچے پر''۔ تزئین نے بہت خوش ہو کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

''میرے خیال میں تو پورا نام عبدالباری ہو گا''۔ وہ پھر گویا ہوئیں۔

''جی..... عبدالباری مہندی''۔ اس نے تائید کرتے ہوئے پورا نام بتایا۔

''واہ صاحب! کیا بارعب نام ہے''۔ نازنین نے بچے کا رخسار چھو کر کہا۔

''اسے نیند آ رہی ہے۔ اوپر سلا آؤں نیچے تو بہت شور ہے''۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''سولہ آنے کی کوٹھڑی میں نہ چلی جانا۔ اماں جی نے اوپر آخر والا کمرہ کھلوایا ہے''۔ عالم تاب بھی آ گئی تھیں۔

''دودھ پلا دے پہلے۔ آرام سے سوتا رہے گا''۔ اماں جی نے تاکید کی۔

''ڈبے کا پلاتی ہوگی''۔ تزئین نے شرارت سے کہا۔

''جی''۔ وہ جھینپ کر مسکرا دی۔

''لو اس عمر میں تو یوں بھی اپنا چھوٹ جاتا ہے''۔ اماں جی مذاق نہیں سمجھیں' سیدھے پن میں کہہ گئی تھیں۔

''ہیں۔ اماں جی ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے''۔ نازنین مسکرائیں۔

''ارے میں بچے کی بات کر رہی ہوں۔ ماشاءاللہ دو سال کا تو ہو گیا ہے ناں؟'' اماں جی نے پھر سادگی سے وضاحت کی۔

''جی...... ''یہ'' بتا رہے تھے کہ دو سال کچھ مہینے کا ہو گیا ہے''۔ وہ بولی۔

''ہائے ظالم کیا آفت لگی ہے''۔ ''وہ'' ''ان'' کہتے ہوئے۔ اب بتا' بہت رو رہی تھی کہ شادی نہیں کروں گی''۔ تزئین نے کھنچائی کی۔

واقعی لگ رہا تھا کہ عین نکاح کے وقت انکار کر دے گی''۔ نازنین بھی گویا ہوئیں۔

مطربہ کا چہرہ ایک دم بے تاثر ہو گیا۔ نئے سرے سے جیسے حواسوں پر برف پڑ گئی۔ اس کی نظریں بے ساختہ اس درست کی طرف اٹھ گئیں جہاں سے چھپ کر اس نے دل کی ویرانی کا پہلا مرحلہ طے کیا تھا۔ زرخیز زمین پر پہلی بار ہل چلا تھا۔ سبزے کے شوق میں جیسے زمین کو روندے جانے کی تکلیف نہیں ہوئی یا یہ کہ روئیدگیاں پھوٹنے کی لذت ہر اذیت بھلا دیتی ہے۔ ایسی روئیدگیاں پھوٹی تھیں کہ بے پھل پھول کے جھاڑ اگے تھے۔

اس نے خود پر قابو پا کر بچے کو شانے سے لگایا اور اندر کی سمت بڑھ گئی۔

....

بصیر علی خان کی رسم ابٹن کا ہنگامہ تھا۔ وہ بچہ ماما بلی کو تھما کر اپنی تیاری میں مصروف تھی۔ ہال میں صوفے پر پڑے استری شدہ کپڑے اٹھانے آئی تھی۔ تقریب باہر باغ میں ہو رہی تھی۔ فی الحال سب اپنے اپنے کمروں میں تیار ہو رہے تھے۔ وہ کپڑے بازو پر لٹکا کر باہر کی طرف بڑھی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے آگے بڑھ کر فون اٹھایا اور اپنے مخصوص انداز میں پوچھا۔

''کون؟''

''کون نہیں تیمور علی خان''۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ وہ تو جیسے اچھل پڑی۔

''السلام علیکم خان''۔

''مطربہ؟'' وہاں سے استفسار ہوا۔

''جی خان''۔ اس کا لہجہ سرد ہو گیا۔ (شکر ہے آپ کو میرا نام تو یاد ہوا۔)

''علی کیسا ہے؟''
(شاید زندگی میں کبھی پوچھ ہی لو کہ تم کیسی ہو؟)

''جی ٹھیک ہیں''۔

''اچھا سنو۔ پہلے ناز بھائی کو بلاؤ پھر تین چار منٹ کے وقفے کے بعد اماں جی کو بلا لانا''۔

عجب طرح کا پیغام تھا اس نے ریسیور رکھ دیا۔ عین اسی لمحے نازنین ہال میں داخل ہوئی۔

''آپ کا فون ہے۔ چھوٹے خان ہیں''۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''اوہ...... تیمور''۔ نازنین وفور شوق سے آگے بڑھی۔ ''ہیلو تیمور۔ وعلیکم السلام۔ اچھا۔ ٹھیک ہو ناں؟ ہاں...... ہاں ...... بتاؤ''۔

وہ بولتے بولتے ایک دم رکی اور ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مطربہ کو وہاں سے جانے کا اشارا کیا۔ وہ تو یوں بھی جانے والی تھی۔ اماں جی کو بلانے۔ ہدایت کے مطابق دو منٹ کا وقفہ گزار رہی تھی۔ عجیب الجھے ہوئے انداز میں وہ اماں جی کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

تیمور کی آواز نے ایک مرتبہ پھر اس کا اعصابی نظام تلپٹ کر کے رکھ دیا تھا۔ علی کی سہاگن ہونے کے احساس کے ساتھ آج وہ سنورنے کا ہر شوق پورا کرنا چاہ رہی تھی۔ مگر اب ایسی کیفیت ہو رہی تھی گویا کوئی لمبی بیماری کاٹ کر اٹھا ہو۔

وہ اپنی سوچوں میں گم اماں جی کے کمرے میں آئی تھی۔

''اماں جی...... چھوٹے خان کا فون ہے''۔ اس نے عام سے انداز میں مطلع کیا۔

''اچھا؟'' وہ ایک دم پلنگ سے اتر آئیں۔ ''بتاؤ۔ کچھ دن اور رک جاتا۔ بھائی کی شادی میں شریک ہو جاتا۔ اس لڑکے کی بھی اپنی الگ دنیا ہے۔ تیری بات ہوئی تھی تیمور سے؟'' خوشی سے وہ جیسے اپنا آپ بھول رہی تھیں۔

''جی''۔ وہ ان کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے بولی۔

''بہت خوش تھا تیرے بیاہ سے۔ کہ اماں جی۔ بہت اچھا کام کرایا ہے اللہ نے میرے ہاتھوں۔ مطربہ ٹھکانے پر پہنچ گئی۔ اتنا خوش تو میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ یوں بھی گھر بسانا وہ بھی کسی مجبور کا بڑے ثواب کا کام ہے۔ بھلی نیکی کی میرے بچے نے...... اللہ اسے خوشیاں دے''۔

اماں جی ساتھ چلتے ہوئے بولتی جا رہی تھیں۔ دعائیں دے رہی تھیں اور وہ زمان و مکان سے ماورا۔ جہاں میں کچھ آنے والے دکھ کی چھاؤں میں بیٹھ گئی تھی۔

کتنی عجیب بات ہے کسی کی عظیم خوشی' کسی کا عظیم دکھ۔ جیسے ایک تصویر کے دو رخ۔ تمہاری تو دین دنیا سنور گئی تیمور خان۔ میری داؤ پر لگی ہوئی ہے کوئی کسی کو کتنا سمجھا سکتا ہوگا۔ جتنا میں خود کو سمجھاتی ہوں علی۔ میری بھنور میں پھنسی کشتی کا تنکے کی طرح۔ حالانکہ میں اس پر قربان ہونا چاہتی ہوں۔ میں اسے خوشیاں ہی خوشیاں دینا چاہتی ہوں۔ مگر مجھے اپنی سمجھ نہیں آ رہی۔

وہ اماں جی کو ہال تک چھوڑ کر اپنے ٹھکانے کی طرف چل پڑی تھی۔

....

ولیمے کی شام وہ روپہلی کام کے اورنج شلوار کرتے میں ڈھیروں پھول پہنے باری کو گود میں اٹھائے پنڈال سے باہر کھڑی علی کو ڈھونڈ رہی تھی جو صبح ہی حویلی پہنچا تھا۔

''خیریت سے ہو مطربہ؟'' ایک جانی پہچانی آواز پر وہ چونکی بائیں جانب براؤن پینٹ اور سفید قمیص میں عارف کھڑا تھا۔

''ہوں۔ خیریت سے ہوں''۔ اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

''تم تو بڑی خوش ہوگی۔ سنا ہے۔ کسی پولیس والے سے شادی ہوئی ہے''۔ وہ اس کے سراپے کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

''جس طرح انسان پیدا ہوتا ہے۔ کھاتا پیتا ہے اسی طرح ایک دن سب کاموں کی طرح شادی بھی ہو جاتی ہے۔ اس میں خوشی غمی کا کیا سوال۔ انسان کو خوش رہنے کا شوق ہو تو شادی کے بغیر بھی خوش ہو لیتا ہے اور نہ ہونا چاہے تو شادی سے بھی کیا ہوتا ہے''۔

اس نے قدرے سرد مہری سے اسے دیکھ کر جواب دیا۔

''لیکن وہ تو اپنی شادی پر بہت خوش ہوتا ہوگا جسے اپنی مرضی کا ساتھی ملتا ہوگا۔ جیسے کہ تمہارا خاوند''۔ وہ بظاہر مسکرا رہا تھا۔

''شاید۔ مجھے تو یوں بھی یہاں وہاں ہر شخص ہی خوش دکھائی دیتا ہے''۔ اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔

''ہاں..... دراصل تمہیں غور سے دیکھنے کی عادت نہیں ہے''۔ اس نے ہنس کر کہا۔

''تو ضرورت بھی کیا ہے۔ اور ہاں سنو تم مجھے تم تم نہیں کہو۔ میرے میاں نے سن لیا تو برا منائیں گے۔ وہ بھی مجھے تم'' نہیں کہتے۔ گھسیارے نہیں ہیں۔ خاندانی ہیں''۔

اس نے ناگواری سے ٹوکا۔ اسے عارف کا یوں تفصیلی بات کرنا بہت کھل رہا تھا۔

''تمہاری چال سے لگتا تھا کہ تم بہت اونچے خواب دیکھتی ہوں۔ خوشی کی بات ہے۔ خواب پورے ہوگئے''۔ وہ بہت سادہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

''شاید تمہیں میرے اونچے خوابوں پر اعتراض تھا''۔ وہ قدرے تلخی سے مسکرائی۔

''آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں۔ کیا تنگ کر رہا ہے؟'' علی کسی سمت سے نمودار ہوا اور باری کی طرف دیکھا۔

''نہیں، تنگ تو نہیں کر رہا۔ میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ آپ کھانا کھا چکیں تو اسے لے جایئے گا۔ میں اطمینان سے کھا لوں گی''۔

''میں آپ سے کہہ بھی رہا تھا کہ اماں کو ساتھ لے جائیں۔ خیر۔ ٹھیک ہے۔ اور ہاں آپ کو اس طرح باہر نہیں ہونا چاہیے، ابھی خطرہ موجود ہے۔ میرا شناختی کارڈ آپ کے ماتھے پر لگا ہوا نہیں ہے''۔

وہ پھر شوخ ہوا چاہتا تھا۔ مگر ایک دم سنبھل گیا۔

''آپ کی تعریف؟'' اس نے مطربہ سے سوال کیا تھا۔

''یہاں گاؤں میں ہی رہتے ہیں پڑھنے لکھنے کا بہت شوق ہے انہیں۔ حویلی میں بھی آتے جاتے ہیں۔ ان کے والد بڑے نانا کے خاص آدمی ہیں۔ صحیح بتایا ہے ناں؟''

مصطفائی۔ علی کی ایک بھرپور ستائشی نگاہ نے پھر اسے بہلا دیا تھا۔

''بالکل صحیح بتایا ہے''۔ وہ دھیمے لہجے میں بات کرتا تھا۔ بہت غور سے اس نے علی کا جائزہ لیا تھا۔

''اچھا چلیں اب آپ اندر جائیں۔ باہر آنے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔ ٹھیک؟''

وہ بشاشت سے کہہ کر پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر ٹہلنے کے انداز میں مردانے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

مطربہ بھی عارف پر نگاہ ڈالے بغیر پلٹ گئی تھی۔

اور عارف جوتے کی نوک سے گھاس مسلتے ہوئے جانے کس دھیان میں تھا کہ ایک لڑکے نے اسے متوجہ کیا۔

''یہاں اکیلے کھڑے کیا سوچ رہے ہو یار؟''

وہ بہت وقار سے مسکرایا تھا

کتنی آوازوں کے اسرار تھے پنہاں ان میں
آج تک سوچ رہا ہوں وہ سُریلی آنکھیں!

....

علی تو اگلے ہی دن چلا گیا تھا۔ مطربہ کو خالہ سولہ آنے نے دو تین دن کیلئے روک لیا تھا۔ شادی کا ہنگامہ سرد پڑ چکا تھا۔ بچوں کی تھکن اتر رہی تھی۔ بہت جلد سب پڑ کر سو جاتے تھے۔ وہ گرم پانی کا فلاسک لے کر اوپر چڑھنے لگی تو نازنین سامنے آگئی۔

''مطربہ''۔

''جی''۔ وہ رک گئی۔

''بچہ سو گیا یا سلاؤ گی ابھی؟'' عجیب پیش بندی کا سا انداز تھا۔

''وہ تو جی سو چکا۔ کوئی کام؟''

''ہاں۔ وہ بات یہ ہے کہ تیمور کا لندن سے فون آئے گا۔ بہت تھوڑے ٹائم کیلئے اور یاور مجھے بلا رہے ہیں اس لئے میں ہال میں نہیں بیٹھ سکتی۔ ماما اور روپا دیوی سے میں یہ کام نہیں لینا چاہتی کہ اماں جی کو پتا چل گیا تو ان کا جی برا ہوگا کہ تیمور کی ان سے بات کیوں نہ کرائی۔ آج دراصل یہ ممکن نہیں ہے۔ کیا تم گھنٹہ آدھ گھنٹہ یہاں ہال میں بیٹھ سکتی ہو؟ بچے سو جائیں تو میں روپا دیوی کو بھیج دیتی ہوں۔ ٹھیک ہے''۔

''ٹھیک ہے جی''۔ وہ درحقیقت کچھ سمجھی نہیں تھی۔

''ہاں۔ جب مجھے بلانے آؤ تو کچھ کہنا مت، بس دستک دینا۔ میں آجاؤں گی ٹھیک؟''

''جی''۔ اب ذرا سی پریشانی اس کے چہرے پر جھلکنے لگی تھی۔

نازنین دوپٹہ سر پر ڈالتے ہوئے پرسکون انداز میں آگے بڑھ گئی۔

اور وہ صوفے پر بیٹھ گئی سوچنے لگی کہ بغیر کسی کام کے گھنٹہ بھر کیسے بیٹھا جا سکتا ہے؟ اس نے کارپٹ سے کشن اٹھا کر صوفے پر رکھے اور دراز ہو گئی۔ ذہن میں بے ترتیب سوچیں گردش کرنے لگیں۔

وہ تو اپنے حق میں بہتر ہی سمجھ رہی تھی کہ تیمور علی خان وطن میں نہیں تھے۔ ان کی موجودگی اسے گاہے بگاہے بے سکون ضرور کرتی۔

مگر اب پھر ان کی آواز سننا تھی۔ جو وہ اب کبھی سننا نہیں چاہتی تھی۔

وہ جانے کیا کیا سوچتی رہی اور جانے کب اونگھ آ گئی۔

فون کی بیل جانے کب سے بج رہی ہوگی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی اور بدحواس انداز میں ریسیور اٹھایا تھا۔

''جی خان...... السلام علیکم۔ جی میں کافی دیر سے انتظار ہی کر رہی تھی آپ کے فون کا!'' اس کی آواز میں نیند کا غلبہ ہنوز تھا۔

''کون سے خان کے فون کا انتظار کر رہی تھیں۔ حالانکہ اب تو صرف میرے فون کا انتظار کرنا چاہیے آپ کو''۔

وہ دھک سے رہ گئی دوسری طرف علی تھا۔

''آپ؟'' اس کے منہ سے بس یہی نکلا۔

''کوئی شک؟ کیا میرا فون آنا کوئی حیرت کی بات ہے؟'' وہ دوسری طرف بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''نہیں تو۔ وہ جی۔ بس۔ وہ یہ ہے کہ''۔ وہ گھبراہٹ میں بے ربط ہو گئی۔

''باری کہاں ہے؟'' وہ بہت بدلے ہوئے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

''سو رہا ہے''۔

''اکیلا؟ اس کی آیا کو یہاں چھوڑ گئی ہیں آپ؟''

''نہیں' وہ روپا دیوی ہے اس کے پاس''۔ وہ جانے کیوں اس کے بدلے ہوئے انداز پر گھبرا رہی تھی۔

''ٹائم کیا ہوا ہے اس وقت؟'' وہ اپنی نیند کا اندازہ کرنا چاہ رہی تھی۔

''حیرت ہے آپ کو نہیں پتا؟ باری کی وجہ سے اس وقت فون کرنے کا خیال آ گیا تھا''۔

''کہاں سے فون کر رہے ہیں؟'' اس نے یونہی پوچھ لیا۔

''اسٹیشن سے آج ابھی تک یہاں ہی ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ صبح تک یہاں ہی رہوں۔ بچے کا خیال رکھنا۔ مجھے بہت فکر ہے۔ خدا حافظ''۔

وہ۔ وارفتگی۔ وہ بے ساختگی۔ آج کچھ بھی نہیں تھا۔ جن کو بھرپور چاہت ملنے کا ادراک ملتا ہے وہ کبھی بیشی کا ادراک اس سے کہیں زیادہ رکھتے ہیں۔ اس کا گم صم ہونا عین فطرت تھا۔ یہ چند دنوں کی قربتیں اس کی زندگی کا اہم موڑ تھیں۔ سادہ سے سادہ عورت کو بھرپور مرد کی بھرپور رفاقت جو شعوری ترقی دیتی ہے وہ کسی کے سکھائے پڑھائے سے بھی نہیں آ سکتی۔ اس نے بے دلی سے ریسیور رکھ دیا تھا۔

ریسیور رکھتے ہی گھنٹی بجی تھی۔ اس نے فوراً ریسیور اٹھالیا تھا۔ اور بہت محتاط انداز میں بولی تھی۔ ''ہیلو کون؟''

''اس وقت بھی اتنا بزی ہوتا ہے فون''۔ دوسری جانب تیمور علی خان جھلا رہے تھے۔

''السلام علیکم ابا۔ کرلاتی ہوں خان۔ ہولڈ رکھیے''۔

اس نے کوئی بات کرنے اور سننے سے پہلے ہی ریسیور ہولڈ کر دیا اور تیزی سے یاور علی خان کی خواب گاہ کی سمت بڑھی تھی۔

بہت آہستگی سے دستک دی تھی۔

''ٹھیک ہے مطربہ۔ چلو آ رہی ہوں۔ ایسا کرو تم اوپر چلی جاؤ''۔ وہ دروازہ کھول کر باہر آتے آتے اپنی بات مکمل کر چکی تھی۔

مطربہ کچھ بولے بنا ہی اپنے راستے پر چل پڑی تھی۔

....

رات اس کی بہت کل کٹی تھی۔ نہایت فطری امر تھا کہ ایک شخص اس کی زندگی کا اہم حصہ بن چکا تھا۔ وہ اپنے والہانہ نذارں اس پر نچھاور کیے تھے۔ چاہے جانے کی عظیم لذت سے آشناس تھا۔ صرف ''دینا'' کیا ہوتا ہے یہ قیمتی آگہی بخشی تھی۔ پھر اس کا بدلا ہوا انداز اس پر کیونکر اثر انداز نہ ہوتا۔

صبح ہی اس نے اماں جی سے کہہ دیا تھا کہ اسے حیدر آباد بھجوا دیں۔

''ہیں! یہ ایکا ایکی کیا ہوا؟ دو چار روز کیلئے تو تو اپنی خوشی سے رکی تھی۔ نہیں رکنا تھا تو علی کے ساتھ ہی چلی جاتی''۔ وہ فکرمندی سے بولی تھیں۔

''بس اماں جی! میرا دل چاہ رہا ہے جانے کو''۔

''آہم!'' تزئین شرارت سے کھنکھاریں۔

''اب تجھے بچے کے ساتھ اکیلا بھیجنے سے تو رہی۔ علی نے کہا تھا علیم الدین کے ساتھ بھیج دیجئے گا۔ حیدر آباد ایئرپورٹ سے میں لے جاؤں گا۔ خیر میں تیرے خان سے بات کرتی ہوں۔ تو فکر نہ کر۔ تیرا تو حویلی سے زیادہ کہیں دل ہی نہیں لگتا تھا''۔ اماں جی مسکرائیں۔

''اب بتا۔ بہت رو رہی تھی کہ شادی نہیں کروں گی''۔ نازنین نے چھیڑا۔

اس نے جانے کس دھیان سے چونک کر نازنین کی سمت دیکھا۔ پھر خالی خالی نظروں سے اماں جی اور تزئین کو باری باری دیکھا۔

''کل کیا ہونا ہے۔ کسی کو پتا تھوڑا ہی ہوتا ہے''۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔

تزئین کو اس میں کوئی خاص بات محسوس ہونے لگی۔

''اچھا اچھا۔ فکر نہ کر۔ کرتی ہوں بندوبست۔ اس سے اچھی کیا بات ہے کہ تجھے اپنے گھر کا خیال ہے''۔

''پھر بھی۔ کیا کوئی بات ہو گئی ہے؟ مجھے تو بڑی چپ چپ سی لگ رہی ہے''۔ تزئین نے پوچھا۔

"نہیں بی بی جان! ویسے ہی کچھ طبیعت سی خراب ہے"۔ اس نے خالی خالی نگاہوں سے نازنین کی سمت دیکھا تھا۔

"اماں جی! میں سامان باندھ رہی ہوں۔ بس آپ مجھے بھجوا دیں"۔

"ہاں ہاں۔ کہہ تو دیا۔ تیرے سفر کا انتظام ہو جائے تو علی کو بھی فون کروا دوں گی ٹھیک ہے۔ تسلی رکھ"۔

"علیم الدین کو بھی تیری وجہ سے جلدی جانا پڑے گا۔ تیرے بڑے خان اکیلی کو تو بھیجیں گے نہیں"۔

وہ خاموش رہی۔ اسے کسی اور کے مسئلے سے دلچسپی نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ وہ اس شخص کو قریب سے ایک مرتبہ پھر دیکھنا چاہ رہی تھی جو اس کے سوکھے دھان جیسے وجود پر ابر بن کے برس رہا تھا۔ اتنا گھنا گہرا بادل کہ اس کی سیرابی کی طلب بڑھ گئی تھی۔ ضرورت طمع بن گئی تھی۔ اسے کچھ دیئے بغیر بہت کچھ مل رہا تھا۔ ایسا نفع کا سودا کہ خسارے کے خیال ہی سے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

....

علی اس کو لینے آیا تھا۔ جیپ ڈرائیور ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس لئے رسمی بات چیت کے علاوہ انہوں نے آپس میں اور کوئی بات نہ کی تھی۔

مگر رسمی بات چیت کے دوران بھی علی اسے بہت دور محسوس ہوا تھا۔ اس لئے اس کی ہمت نہیں پڑی تھی کہ وہ خود سے کوئی عام سی بات بھی کر لیتی۔

حالانکہ اسے بہت تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ مگر پھر بھی اس نے کھانا خود بنایا تھا۔ علی اس کو گھر چھوڑ کر دوبارہ اپنے اسٹیشن جا چکا تھا۔ اور یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ گھر واپس کب آئیگا۔

وہ باری کو سلاتے سلاتے خود بھی سو گئی تھی۔ حالانکہ ایسا ارادہ تو نہیں تھا۔

رات کو اچانک آنکھ کھلی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ ریک پر رکھے ٹائم پیس پر نگاہ ڈالی۔ رات کا سوا ایک بج رہا تھا۔

اس نے باری کے ہاتھ پاؤں درست کئے اور اٹھ کھڑی ہوئی نیچے کارپٹ پر اماں بے خبر سو رہی تھی۔

وہ آہستہ سے زینہ اتر کر اپنی خواب گاہ میں آئی۔ خواب گاہ میں روشنی تھی۔

علی جاگ رہے ہیں؟ وہ حیرت سے سوچنے لگی۔

اور دھیرے سے دروازہ کھول کر جھانکا۔ علی اپنے دفتری کام میں مصروف تھا۔ مگر اس نے دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آواز سن لی تھی اور سر اٹھا کر سامنے دیکھا تھا۔

"باری کو سلاتے سلاتے میں خود ہی سو گئی' پتا ہی نہیں چلا"۔ اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے غیر اہم وضاحت کی۔

"کھانا بھی نہیں کھایا تھا آپ کے انتظار میں۔ آپ نے کھا لیا ہے ناں؟"

وہ وارڈروب سے علی کا پسندیدہ خوابی کا لباس نکالتے ہوئے بولی۔

"ظاہر ہے' آدھی رات گزر چکی ہے۔ ایسا کریں کھانا کھا لیں۔ صبح ہونے میں بہر حال کافی وقت ہے"۔

وہ مصروف انداز میں اس کی سمت دیکھے بغیر گویا ہوا۔

"آپ آ گئے تھے تو مجھے اٹھایا کیوں نہیں؟" وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

"میں نے سوچا۔ آپ تھکی ہوئی ہیں"۔ وہ اسی طرح مصروف انداز میں قلم استعمال کر رہا تھا۔

وہ لباس تبدیل کر کے واپس آئی تو علی کمرے میں نہیں تھا۔ طبیعت اور بھی پریشان ہو گئی۔ وہ بیڈ پر بیٹھ کر اس کے کاغذات کو الٹ پلٹ کرنے لگی۔

تقریباً آٹھ دس منٹ کے وقفے کے بعد دروازہ کھلا اور علی اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں ٹرے تھی۔

"یہ آپ نے کیا کیا؟" وہ بہت شرمندگی محسوس کرنے لگی۔

"نہ جانے کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ آپ کھانا نہیں کھائینگی۔ کچھ اچھا نہیں لگا"۔ مطربہ نے آگے بڑھ کر ٹرے تھام لی۔

"اس طرح نہ کریں آپ میرے ساتھ۔ میں اس قابل نہیں تھی"۔ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"علی جواب میں خاموش رہا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ وہ تھوڑا سا سالن پلیٹ میں نکال کر کھانے لگی۔ حالانکہ دل تو بالکل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔

"آپ...... آپ۔ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" وہ ہچکچاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"الحمدللہ۔ بالکل ٹھیک ہوں"۔ وہاں سے برجستہ جواب آیا۔

"پھر کیا بات ہے"۔ اس نے مزید ہمت کی۔

"کوئی بات نہیں۔ کیوں؟" وہاں انداز قطعی سادہ تھا۔

"جب انسان کچھ کہنا چاہتا ہے' تب ہی اس طرح ہوتا ہے"۔ نوالہ اس کے حلق میں اٹک رہا تھا۔

"مثلاً کس طرح کا؟" وہ بہت پرسکون تھا۔

"جس طرح آپ ہو رہے ہیں؟" وہ روکھی ہو گئی۔

"اچھا"۔ مسکراہٹ بہت مصنوعی تھی۔

"کوئی بات نہیں ہے تو آپ فکرمند کیوں ہیں؟" بہت سکون سے سوال ہوا۔

"فکرمندی کی تو بات ہے۔ آپ بہت بدلے ہوئے محسوس ہو رہے ہیں"۔ وہ بہت ہمت کر رہی تھی۔ مگر دل بہت تیز تیز دھڑک رہا تھا۔

"وہم ہے آپ کا۔ دراصل مصروفیت بہت ہے"۔ علی نے سادہ لہجے میں کہا۔

"نہیں وہم نہیں ہے۔ دراصل وہ جو ہیں ناں یاور خاناں کی بیگم۔ نازنین نام ہے ان کا"۔

"ہوں...... پھر؟" علی نے قدرے دلچسپی ظاہر کی۔ مگر اس کی طرف دیکھا نہیں۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

"وہ میرے پاس آئیں اور بولیں۔ تیمور خاناں کا فون آئے گا۔ میں بچے کے پاس روپا دیوی کو بھیج دیتی ہوں۔ تم یہاں ہال میں بیٹھی رہو۔ فون آئے تو مجھے بلا لانا۔ اور کسی کو پتا نہ چلے کہ تیمور خاناں کا فون آیا تھا"۔

وہ ایک تواتر سے بول رہی تھی۔ علی بغور اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا جو ہر طرح کی باطنی کشمکش سے صاف تھا۔

"ہوں...... پھر؟" علی کا چہرہ اس کی گہری سوچ کا مظہر تھا۔

"میں پھر صوفے پر لیٹ کر فون کا انتظار کرنے لگی۔ جب آپ کا فون آیا تو میں یہی سمجھی...... تیمور خاناں کا فون آیا ہے"۔ وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔

"ہوں"۔ علی کی ہوں بہت لمبی اور گہری سوچ کا اظہار تھی۔

"یہ تیمور کیسا انسان ہے تمہاری نظر میں؟" علی کا سوال قطعی غیر متوقع تھا۔ وہ بری طرح چونک پڑی۔

"بہت شریف آدمی ہیں۔ اچھے ہیں۔ آپ کو نہیں پتا' آپ کے تو دوست ہیں"۔ وہ حیرانی سے بولی۔

"میں بھی مرد ہوں' وہ بھی ایک مرد ہے ایک عورت کی رائے لے رہا ہوں کہ کوئی عورت اسے کس درجے کا مرد سمجھتی ہے؟" علی کا لہجہ عام سا تھا۔

"میں نے تو ان میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی' جیسے حویلی کے دوسرے مرد ہیں' ویسے ہی وہ ہیں"۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"البتہ...... بابا صاحب کی طرح ذرا سخت ہیں۔ غصہ بڑی جلدی آ جاتا ہے"۔ وہ مزید گویا ہوئی۔

"ناز بھابی کی شادی تو ان کے سامنے ہی ہوئی ہے۔ حویلی میں پہلے سے آنا جانا تھا ان کا؟" علی کا سوال بڑا عجیب سا لگا اسے۔ وہ الجھ کر اس کی سمت دیکھنے لگی۔

"میرا خیال ہے نہیں۔ جب میں حویلی آئی تھی تو اس وقت یاور خاناں کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ بعد میں بھی ایسی کوئی بات نہیں ہوئی کہ جس سے پتا چلتا۔ وہ حویلی میں پہلے بھی آتی تھیں۔ میرا خیال ہے' وہ لوگ بالکل غیر ہیں۔ ناز بھابی کی امی تو بڑی فیشن ایبل ہیں۔ ان کے بال بھی کٹے ہوئے ہیں۔ وہ زیادہ تر ساڑھیاں پہنتی ہیں۔ حویلی میں تو ان کی عمر کی عورتیں ساڑھیاں نہیں پہنتی ہیں۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ غیر لوگ ہیں۔ کیوں؟ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں آپ؟" وہ الجھی۔

"یونہی"۔ علی مسکرا دیا۔

"آپ مسکرائے کیوں؟" وہ کچھ نہیں سمجھی۔

"چلو نہیں مسکراتا۔ برا لگتا ہوں مسکراتے ہوئے؟"

"نہیں"۔ وہ جھینپ گئی۔

"اچھا لگتا ہوں؟" وہ شرارت کے موڈ میں آ چکا تھا۔

مطربہ کے سر سے جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ سرک گیا تھا۔ اس نے حیا آمیز انداز میں اثبات میں سر ہلایا تھا۔

....

اور پھر زندگی بے حد مصروف ہو گئی۔ علی نے بھی ترقی کے کئی مدارج طے کیے اس دوران کئی شہروں میں ٹرانسفر ہوئے۔ حال ہی میں وہ نواب شاہ آئے تھے۔ ایس پی کی حیثیت سے علی نے چند روز ہوئے چارج سنبھالا تھا۔ حویلی یوں تو وہ کئی مرتبہ گئی مگر ایک دو دن سے زیادہ قیام نہیں رہا۔ علی کے ساتھ گئی اور اسی کے ساتھ واپس آ گئی۔

حال ہی میں جواد کی سالگرہ کا دعوت نامہ ملا تھا۔ اس کے سامنے حویلی کی تقریبات کے مناظر گھوم گئے۔ وہ

بے چین سی ہو گئی۔ اور پھر تقریب بھی کراچی میں تھی۔ علی نے تو اپنی مصروفیات کی بنا پر جانے سے انکار کر دیا البتہ اسے جانے کی اجازت دیدی۔ ساتھ ہی ضروری شاپنگ بھی کرادی۔ ایک عرصے کے بعد اس نے سیونتھ سی میں قدم رکھا تھا۔ سب کچھ یونہی تھا جیسا وہ چھوڑ گئی تھی۔ اماں جی تو اسے دیکھ کر یوں خوش ہوئیں جیسے برسوں بعد بیاہی ہوئی بیٹی میکے آئی ہو۔

نازنین ماں بن کر کچھ اور نکھر گئی تھی۔ دوسرے بچوں کا بھی خاندان میں اضافہ ہو چکا تھا۔ تزئین کی ہنسی اسی طرح جلترنگ بجا رہی تھی۔

ہاری کے ساتھ کھیلنے کو اب کئی بچے تھے جنہیں گودوں میں دیکھا تھا وہ بھاگتے پھر رہے تھے اور کئی ایسے تھے جنہیں وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

اسے وہی گیسٹ روم ملا تھا جس میں اس نے شادی کی پہلی رات گزاری تھی۔

''توبہ...... مطربہ...... تو تو بالکل ہی نکمی نکلی۔ تیری فیکٹری میں کچھ نہیں بنا ابھی تک؟'' تزئین نے چھیڑا۔

''توبہ ہے بھئی جان!'' وہ بھری محفل میں ٹوکے جانے پر لال لوال ہو گئی۔

''علی نے تو نہیں کہا۔ ایک ہی ٹھیک ہے''۔ روشن آرا نے اصل کھوج لگانے کی کوشش کی۔

''نہیں' وہ تو نہیں کہتے۔ وہ تو کہتے ہیں''۔ وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم رک گئی جیسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔

''ہاں...... ہاں۔ کیا کہتے ہیں''۔ نازنین نے اس کی بات پکڑی۔

''کچھ نہیں''۔ اپنی حماقت پر وہ بری طرح خجل ہو رہی تھی۔

''ہمیں بھی نہیں بتائے گی''۔ تزئین نے مصنوعی خفگی ظاہر کی۔

''وہ خاموش رہی۔

''مجھے پتا ہے' وہ کیا کہتا ہو گا''۔ روشن آرا نے اطمینان سے کہا۔

''کیا؟'' وہ سب سنجیدگی سے ان کی سمت دیکھنے لگیں۔

''یہی کہ ممندیوں نے مجھے اپنے قبیلے سے نکال دیا۔ اب میں اپنا قبیلہ الگ بناؤں گا''۔ وہ اتنے اعتماد اور سنجیدگی سے بولیں۔ گویا ان کے سامنے ہی یہ بات ہوئی ہو۔

بے ساختہ قہقہے برسنے لگے تھے۔

''تو آپا! دیر نہیں ہو گئی کچھ؟ اتنی دیر سے قبیلہ بننا شروع ہوا تو مسئلہ ہو جائیگا۔ اسے تو بڑی دیر تک کام کرنا پڑے گا''۔ تزئین فکرمندی سے گویا ہوئیں۔

ایک مرتبہ پھر ہنسی کا طوفان برپا ہوا تھا۔ مطربہ کا چہرہ گلال ہو گیا۔

''ارے لڑکیوں! کتنے بجے کا جہاز ہے تیمور کا؟'' اماں جی ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر بے قراری سے پوچھ رہی تھیں۔

''اماں جی! رات دو بجے کی فلائٹ ہے۔ گھر پہنچتے پہنچتے انہیں چار بج جائیں گے۔ آپ آرام سے سو جائیں''۔

رضیہ بیگم نے انہیں پرسکون کرنے کی کوشش کی۔ مطربہ گہرے جامنی رنگ کا بھاری کامدار آنچل سر پر رکھ رہی تھی۔ ہاتھ ایک لمحے کو فضا ہی میں معلق ہو کر رہ گیا۔

ماحول پر یکلخت دھند سی چھا گئی۔ اسے اپنے آپ سے خوف آنے لگا۔ ہر روز ہی کوئی نہ کوئی بات نئی ہو جاتی تھی۔ ہر دن پچھلے دن سے کچھ مختلف ضرور آتا تھا۔ دن کی شکل کچھ اور رات کی کچھ ہوتی تھی۔ اتنے ڈھیر سارے بدلتے مناظر کے بیچ گہرے رنگ کا منظر کیوں نہیں بدلتا۔ نہ دھندلاتا ہے۔

کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں اس کے مختلف رنگ اس کے سامنے موجود ہونے کا احساس دلا ہی دیتے ہیں۔

اس نے دھیرے سے آنچل سر پر جمایا۔ زخموں پر جمی کھرنڈ میں پھر کھنچاؤ محسوس ہونے لگا۔

''کہاں چلی مطربہ؟'' وہ اٹھنے لگی تو کئی آوازیں ابھریں۔

''ہاری کو دیکھتی ہوں۔ کہیں اٹھ نہ گیا ہو''۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔ امتحان کی تاریخ کا غیر متوقع اعلان ہو گیا تھا۔ اسے امتحان سے پہلے کی تیاری درپیش تھی۔

''خالہ سولہ آنے دیکھ آئیگی۔ آج تو ہم تجھ سے گانا سنیں گے''۔ تزئین کے انداز میں اصرار تھا۔

''نہیں' جب وہ جاگ جاتا ہے تو میرے بغیر بہت گھبراتا ہے''۔ اس کا انداز بھی قطعی تھا۔

''یوں کیوں نہیں کہتی کہ تجھے خود نیند آرہی ہے''۔ وہ خفگی سے گویا ہوئیں۔

''واقعی بی بی جان! مجھے نیند آرہی ہے۔ سفر کی وجہ سے تھکن بہت ہے''۔

''ابھی کچھ دیر پہلے تو بہت فریش لگ رہی تھی''۔ نازنین نے حیرانی سے کہا۔

''نیند تو نیند ہے۔ پوچھ کر تھوڑا ہی آتی ہے''۔ وہ بے دلی سے مسکرائی۔

''ارے سونے دو اسے۔ کیوں زور ڈال رہی ہو''۔ اماں جی نے محبت سے اس کی سمت دیکھا۔

''تو بھی تھکنے لگی مطربہ؟'' خالہ سولہ آنے نے بٹوے سے پان نکالتے ہوئے جیسے تعجب سے پوچھا۔

''انسان ہی تھکتے ہیں خالہ''۔ وہ اداسی سے مسکرائی جیسے گہرے بادلوں کے بیچ ذرا کی ذرا کو چاند۔

''تاؤ۔ ہم تو سوچ رہے تھے' تجھ سے گانا سنیں گے''۔ روشن آرا نے مایوس انداز میں نشست کا انداز بدلا۔

''گانا تو میں نہیں سناؤں گی۔ نہ آج' نہ کل''۔ اس کا انداز واضح اور قطعی تھی۔

''ہیں...... وہ کیوں؟'' سب کی سب بھونچکی رہ گئیں۔

''کہیں علی ناراض نہ ہوں۔ بقول اماں جی کہ بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھر بگڑ جاتے ہیں''۔ وہ بہت آہستہ انداز میں بات کر رہی تھی۔

''خدانخواستہ''۔ اماں جی تو دہل کر رہ گئیں۔

''تو...... علی کو بتائے گا کون کہ تو نے گانا سنایا تھا''۔ نازنین نے کہا۔

''پھر بھی۔ ان سے چوری تو ہوئی ناں؟''

ایک رو پہلی روشن دودھیا ہاتھ اس کے قلب سے نمودار ہوا۔ ایک طمانچہ اس کے رخسار پر رسید کیا۔ وہ تھرا کر رہ گئی۔

"آپ لوگ مجھے معاف کر دیجئے۔ پھر سنا دوں گی، کل ان کا فون آئے گا تو پوچھ لوں گی"۔ وہ سادگی سے کہہ کر باہر نکل گئی۔

"واہ صاحب! کیا اطاعت ہے۔ سیدھی جنت میں جائیگی"۔ روشن آرا نے ہنس کر کہا۔

"ہاں تو اچھی بات ہے ناں۔ اپنے مرد کا خیال رکھنا چاہیے"۔ اماں جی نے اس کی اس خوبی کو سراہتے ہوئے کہا۔

"بہت ہی سیدھی ہیں اماں جی! آپ بھی۔ اس طرح کی گھریلو محفلوں میں تو سب جگہ چلتا ہے۔ کسی کی آواز اچھی ہوتی ہے تو اس سے گانا سن لیتے ہیں مگر لگتا ہے کہ یہ بہت گہری ہو گئی ہے۔ ہمیشہ کیلئے اندر سے اداس۔ اس کی "بے خبری" اس کا سب سے بڑا سکھ تھی"۔

تزئین کا تجزیہ دل کو لگ رہا تھا۔

محفل میں عجیب اداسی اتر آئی تھی۔

....

رات نیند بار بار ٹوٹی تھی۔ اور صبح باری کے جلد اٹھ جانے کی وجہ سے اسے بھی اٹھنا پڑا تھا۔ کوٹھی میں سناٹا طاری تھا۔ یوں لگتا تھا سب سو رہے ہیں۔ وہ باری کی انگلی تھام کر کچن میں آ گئی تھی۔ صابرہ معمول کی معروفیات میں مگن تھی۔

"ناشتا کرے گی مطربہ؟" وہ اس کی شکل دیکھتے ہی گویا ہوئی۔

"نہیں خالہ! مجھے تو بس ایک کپ چائے دیدو۔ البتہ باری کو ناشتہ کراؤں گی۔ ایک انڈہ ابال دو ہاف بوائل۔ اتنے میں میں توس سینکتی ہوں"۔ وہ تھکے تھکے انداز میں باری کو کرسی پر بٹھا کر ٹوسٹر آن کرنے لگی۔

"میں کر لوں گی سب۔ رہنے دو"۔ صابرہ نے ٹوکا۔

"کوئی بات نہیں خالہ۔ اتنے میں تم ایک کپ دودھ ٹھنڈا کر لو۔ چینی ہلکی ڈالنا"۔ وہ اسی کیفیت میں گویا ہوئی تھی۔

"طبیعت ٹھیک نہیں لگتی تیری"۔ صابرہ غور سے اس کی شکل دیکھ کر بولی۔

"نہیں ٹھیک ہوں"۔ وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولی۔

"گھر والا یاد آ رہا ہو گا؟" صابرہ نے ماحول خوشگوار کرنے کی کوشش کی۔

"وہ بھولتا ہی کب ہے۔ وہی تو اب راستے کی روشنی ہے۔ کیسے بھولوں؟" وہ یاسیت سے گویا ہوئی۔

"آج تو سب دیر سے اٹھیں گے۔ تیمور خان رات ساڑھے تین بجے آئے تھے۔ سب صبح تک جاگتے رہے۔ اب دیکھو ناشتا کتنے بجے ہو گا"۔ صابرہ جیسے خود کلامی کر رہی تھی۔

اس کا دل پھر بڑی زور سے دھڑکا۔ "آ گئے"۔ وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"ہاں..... ماشاء اللہ بڑی اچھی صحت ہو رہی ہے۔ بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ کالے کوٹ پتلون میں"۔

صابرہ کے انداز میں جاں نثار ملازم کا وارفتہ بے لوث تاثر تھا۔

"اس کے سامنے دیوار پر ایک عکس روشن ہو گیا۔ وہ جلدی سے باری کی سمت آئی۔ وہ اگر نظر دونوں کی سرگرمیاں دیکھ

وہ اس کے خاموش، معصوم انداز پر اسے بے ساختہ پیار آ گیا۔ اس نے باری کا رخسار چوم لیا۔

"اللہ نظر سے بچائے۔ بڑا نصیب والا بچہ ہے۔ قسمت سے ہی سوتیلی ماں اچھی ملتی ہے"۔ صابرہ کو اس کی بے ساختگی اچھی لگی۔

"بڑے نخرے چڑھا دیئے ہیں اس کے باپ نے مجھ پر۔ بہت ہوشیار ہے، جیتنا آتا ہے اسے"۔

وہ توس پر مکھن لگاتے ہوئے عجیب اداس انداز میں مسکرائی۔

"وہ مرد ہی کیا جو عورت کو نہ جیت سکے"۔ صابرہ دودھ میں چینی ملاتے ہوئے ہنسی۔

"بعض لوگ تو کھیل میں شریک ہوئے بغیر بھی جیت جاتے ہیں"۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"تیری بات سمجھ میں نہیں آئی"۔ صابرہ تعجب سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"وہ خاموش رہی اور باری کو ناشتہ کرانے لگی۔

"ویسے اس کا باپ تو خوش ہے ناں تجھ سے؟" صابرہ نے جانے کیوں پوچھا۔

"بس وہی تو خوش ہے"۔ وہ پھر عجیب انداز میں مسکرائی۔

"کیوں تو خوش نہیں ہے؟ اتنا بڑا افسر ہے وہ تو"۔ صابرہ کو حیرت ہوئی تھی۔

"نہیں..... میں بھی خوش ہوں۔ بلکہ مارے خوشی کے برا حال ہے"۔ وہ کھلکھلائی۔

صابرہ بھی اس کی برجستگی پر مسکرا دی۔

"اسے کہتے ہیں بھاگ جاگنا۔ جب دل مل جائیں"۔ وہ گویا ہوئی۔

"اچھا؟" اس کا چہرہ یکلخت سپاٹ ہو گیا تھا۔

....

وہ باری کو نہلا کر خود بھی نہا دھو کر باغ میں چلی آئی تھی۔ صبح کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔ چمکیلی دھوپ نے باغ میں بہت حسن پیدا کر دیا تھا۔ ابھی دھوپ میں تیزی نہیں تھی۔ وہ باری کے ساتھ بیٹ بال لے آئی تھی۔ چھوٹا سا اور اس کا وائٹ گھوڑا بھی کہ جانے کس موڈ میں کیا طلب کر بیٹھے۔ بیٹ بغل میں تھا اور گھوڑا سینے سے لگا ہوا تھا۔ اور چھوٹی سی گیند ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی جبکہ باری پیچھے بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ بہت ہی دلچسپ منظر تھا۔

"امی..... گھوڑا..... گھوڑے پہ بیٹھوں گا"۔ وہ بھاگتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بیٹا! گھوڑے پر بیٹھ کر کرکٹ نہیں کھیلی جاتی۔ البتہ گھوڑے پر بیٹھ کر ہاکی کھیلتے ہوئے تصویروں میں دیکھا ہے"۔ وہ ہنستی ہوئی کہتی جا رہی تھی "اب بتاؤ گھوڑے پر بیٹھنا ہے یا کرکٹ کھیلنا ہے"۔

"اسے پولو کہتے ہیں۔ جس کی آپ بات کر رہی تھیں یعنی گھوڑے پر بیٹھ کر ہاکی کھیلنے کی"۔ سائیڈ کی جانب سے ایک وضاحتی جملہ کانوں تک آیا۔

وہ بری طرح چونک پڑی۔ بھلا یہ آواز نہ پہچانتی۔

"السلام علیکم خان!" سامنے تیمور علی خان اسے نئے انداز میں دیکھ کر خفیف سا مسکرا رہے تھے۔

"وسلام۔ ٹھیک ہے۔ لگتا ہے بہت دوستی ہو گئی ہے بچے سے؟" انہوں نے بچے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔
"دشمنی تو ہماری بس اپنے آپ سے ہے۔ دوستی بہت جلدی ہو جاتی ہے سب سے"۔ وہ خود کو سنبھال کر بہت دھیمی آواز میں گویا ہوئی۔

"علی کیسا ہے؟" انہوں نے سبز کپڑوں میں ملبوس بھیگے بالوں والی مطربہ کو بغور دیکھا تھا۔

"اچھے ہیں۔ خوش ہیں"۔ اس نے خاصی بے توجہی سے جواب دیا۔

"یعنی تم نے خوش رکھا ہوا ہے۔ گڈ"۔ انہوں نے کسی استاد کی طرح شاباشی دی۔

"آپ کا' اماں جی کا حکم ہے"۔ اس نے مبہم سی تلخی کے ساتھ جواب دیا۔

"یعنی تمہارا دل نہیں چاہتا کہ اتنے اچھے شوہر کا خیال رکھو"۔ انہوں نے تعجب سے سوال کیا۔

وہ خاموش رہی۔

"ہماری اس سے دو تین بار فون پر بات ہوئی۔ ہمیں یہ جان کر بہت خوشی ہوئی تھی کہ وہ تم سے بہت خوش ہے کہ تم اس کے بیٹے سے بہت پیار کرتی ہو"۔

"اتنا پیارا بچہ ہے۔ اسے تو سب ہی پیار کرتے ہیں۔ پھر میں کیوں نہ کروں گی کہ یہ اس شخص کی اولاد ہے جس نے مجھے عزت دی"۔ وہ زہریلے انداز میں مسکرا رہی تھی۔

تیمور علی خان نے اس کی سمت ستائشی نظروں سے دیکھا۔ ان کے سامنے وہ الہڑ سی مطربہ نہیں تھی بلکہ ایک سنجیدہ ذمے دار بیوی کھڑی تھی۔

"یعنی بات عقل میں آ گئی۔ اچھی بات ہے"۔ وہ اخبار رول کرنے لگے۔

"بعض لوگ دو زندگیاں گزارتے ہیں خان ایک عقل کے ساتھ۔ ایک دل کے ساتھ۔ اور یہ بڑا مشکل کام ہوتا ہے"۔

وہ گھاس پر بیٹھ کر باری کے گھوڑے کو دھکیلنے لگی۔

تیمور علی خان ایک ثانیے کو دم بخود سے رہ گئے۔ انہیں ہرگز یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ مطربہ ہے۔ بلا کی پر اعتماد' بے نیاز و بے خوف۔ مگر بہت ناراض ناراض سی۔ کیوں؟

وہ گھنے جنگل میں شکار کھیل سکتے تھے مگر اس کیوں کے صحرا سے انہیں ہمیشہ خوف آتا تھا۔ وہ اس کی سرحدوں کے پاس سے بھی گزرنا نہیں چاہتے تھے۔ تھوڑی بہت خود غرضی سب ہی کو جائز ہے۔

"تو یہ بے وقوفانہ حرکت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیوں خود کو مشکل میں ڈالتی ہو۔ اتنے اچھے پارٹنر کے ساتھ تو یوں بھی زندگی بہت آسان ہو سکتی ہے"۔

وہ اپنے فطری مالکانہ سبھاؤ سے گویا ہوئے حالانکہ اب وہ ان کی کنیز نہیں تھی۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور بچے کی طرف ساری توجہ کر لی۔ تیمور علی خان کو اس کے اس انداز سے بہت احساس توہین ہوا۔ مگر برداشت کیا کہ اس مقام تک وہ اسے خود ہی تو لائے تھے۔ وہ بے امان زعفران ہاؤ نہیں تھی۔ ایسی

ہ علی مہدی کی بیگم تھی۔ سخت مشکل مرحلہ تھا۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ یوں مگن رہی جیسے وہ وہاں موجود ہی نہیں ہے۔

....

وہ اماں جی کو ڈھونڈتی ہوئی ڈائننگ ہال میں آئی تھی۔ وسیع و عریض ڈائننگ ٹیبل پر تیمور علی خان اور نازنین آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ وہ جھجک کر رک گئی تھی۔

"آؤ مطربہ۔ کوئی کام"۔ نازنین فوراً متوجہ ہوئی۔ کسی بات پر دونوں مسکرا رہے تھے۔ مسکراہٹ کا تاثر ابھی تک نازنین کے چہرے پر تھا۔

"جی۔ وہ اماں جی کو دیکھ رہی تھی"۔ وہ جانے کیوں گڑبڑا رہی تھی۔

"کہاں چلی گئیں اماں جی۔ یہیں نیچے برآمدے میں تو تھیں"۔ نازنین نے کہا۔

"جی نیچے تو کہیں نہیں ہیں۔ سب جگہ دیکھ لیا"۔ وہ پلٹنے لگی۔ اسی دم ڈرائنگ روم میں رکھے ٹیلی فون سیٹ کی گھنٹی

"مطربہ! ذرا فون سننا۔ شاید امی کا ہے"۔

نازنین نے گھوم کر اسے مخاطب کیا۔ ڈرائنگ اور ڈائننگ کے بیچ صرف ایک پردہ تھا' وہ بھی ہٹا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو"۔

"کیا حال ہے بیگم صاحبہ کے"۔ دوسری طرف علی کی شوخ آواز ابھری۔

"السلام علیکم"۔ شوخی کا جواب بڑا سادہ سا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ اماں جی تو اب مجھ سے کوئی کام کراتی نہیں ہیں۔ یہاں والوں کا خیال ہے' آپ برا مانیں گے"۔ وہ آہستہ آواز میں بات کر رہی تھی۔

"بالکل برا مانیں گے۔ بہت سمجھدار ہیں حویلی کے لوگ"۔ اسی سابقہ انداز میں علی کی برجستگی تھی۔

"خیر' یہ بات تو ہے مگر یہ سب لوگ مجھ سے سچ مچ محبت کرتے ہیں"۔ وہ مسکرائی۔

"سب کی محبتوں کا ٹھیک ٹھاک اندازہ ہے سوائے ہماری محبت ہے"۔ وہ حد پار کرنے لگا۔

"اوں...... ہوں...... اکیلی نہیں ہوں میں ادھر"۔ اس نے گھبرا کر ٹوکا۔

"کون کون بیٹھا ہوا ہے؟" لاپرواہی کے انداز میں سوال ہوا۔

"تیمور خاناں آئے ہوئے ہیں۔ اپنی بھابی سے باتیں کر رہے ہیں"۔

اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

"پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا۔ بلاؤ تیمور کو"۔

"خان! آپ کو بلا رہے ہیں"۔ اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بلند آواز سے کہا۔

''کون؟'' وہ اٹھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''یہ ہیں''۔ اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا اور ریسیور ہیلڈ اپ کر دیا۔

''خاندان تو چھوٹا ہی تھا۔ نام بھی چھوڑ دیا پارٹنر؟'' تیمور علی خان نے مسکرا کر گفتگو کا بے ساختہ آغاز کیا۔

''کیا مطلب؟'' علی کے لہجے میں حیرت آمیز استفسار تھا۔

''مطلب یہ کہ آپ کی بیگم صاحبہ سے پوچھا۔ فون پر کون ہے تو فرماتی ہیں۔ ناؤن (Noun) ختم پرو ناؤن (Pro Noun) سے گزارا ہو رہا ہے''۔

''بس یار! ہم تو اسے بھی ادا ہی کہتے ہیں۔ اس قدر حسن ہو تو پھر ہر ادا ہی سجتی ہے''۔ علی کا قہقہہ بلند ہوا۔

''بس اپنی اپنی قسمت بھی ہے۔ تم تو ڈارلنگ کہہ کر انشاءاللہ بلائے جاؤ گے اور ہمیں ''یہ'' ''وہ'' پر گزارا کرنا پڑے گا ''۔

وہ تیمور کو ہنستا مسکراتا اور نازنین کو فون بند ہونے کا منتظر چھوڑ کر باہر نکل گئی تھی۔

....

سالگرہ کا ہنگامہ رات گئے تک جاری رہا۔ اس نے کھانا بھی لیٹ کھایا تھا اور شاید پانی پیے بغیر ہی سو گئی تھی۔ اس لئے کہ وہ نہایت گہری نیند سے چونک کر جاگی تو دھیان آیا شاید پیاس لگی ہے۔

اس نے ٹیبل پر رکھے جگ کی سمت دیکھا۔ پھر کچھ سوچ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ اس وقت نہایت ٹھنڈا پانی پینے کی خواہش ہو رہی تھی۔ وہ زینہ اتر کر نیچے آئی تو یہ دیکھ کر بڑی حیرانی ہوئی کہ لاؤنج اور ڈرائنگ روم کی لائٹیں روشن تھیں اور دھیرے دھیرے باتیں کرنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ دل تو پہلے ہی گھبرا رہا تھا اس کی گھبراہٹ مزید بڑھ گئی۔

اس نے کھڑکی کے شیشے سے یونہی چلتے چلتے جھانکا تو حیرت سوا ہو گئی۔

اماں جی' بابا صاحب اور تیمور علی خان نہایت فکر مندی بلکہ سکتے کی سی کیفیت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے دہشت ہوئی تھی۔ وہ بے ساختہ اور بلا ارادہ دروازے سے اندر داخل ہو گئی تھی۔

''کیا ہو گیا اماں جی۔ اتنی رات ہو گئی آپ سوئیں نہیں ابھی تک؟''

اسے ان کا چہرہ دیکھ کر ڈر سا لگنے لگا۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے اس کی سمت دیکھ رہی تھیں۔ مرجھائی ہوئی کلیاں تک اس کے بالوں میں جھول رہی تھیں۔ مٹے مٹے میک اپ کے نشان باقی تھے۔ نیند سے جاگنے کی وجہ سے آنکھیں [illegible] ہو رہی تھیں۔ پپوٹے بوجھل تھے۔

''ادھر آ میری بیٹی۔ میرے گلے سے لگ جا'' اماں جی کی آواز بھرا رہی تھی۔

''اوں..... ہوں۔ کیا کرتی ہیں آپ۔ بچی ہے۔ رات کا وقت ہے''۔ بابا صاحب کا سکتہ ٹوٹا۔ تیمور نے بے قراری سے پہلو بدلا۔

اس کا دل بیٹھ گیا۔ ''کیا ہوا اماں جی؟'' اس کی آواز لرز رہی تھی۔

''کچھ نہیں''۔ بابا صاحب نے تیمور کی سمت دیکھا۔

''[illegible] آپ سب اتنی رات کو کیوں جاگ رہے ہیں؟'' اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔

''تم نہیں تو آپ [illegible] گے تو کیا کالے چور کو بتائیں گے''۔ اماں جی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

''[illegible] نہیں بتائیں گے تو کیا [illegible]'' ''[illegible] خان! کیا ہوا ہے؟'' اس کی نیند ایک دم ہوا ہو گئی تھی اور ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔ جانے کیوں اس کا [illegible] تھا کہ جو کچھ بھی ہے اس کی ذات سے متعلق ہے۔

''[illegible] بات یہ ہے کہ علی زخمی ہو گیا ہے۔ ڈاکوؤں سے مقابلے میں۔ وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے۔ گھبرانے کی بات نہیں [illegible]'' تیمور علی خان نے ٹھہر ٹھہر کر اسے دلاسے کے انداز میں بتایا۔

[illegible] رتی برابر ان کی بات پر یقین نہیں آیا۔ اماں جی کے چہرے پر کچھ اور بے رحم سچائیاں تھیں۔ وہ وحشت بھری [illegible] سے صرف انہی کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

بعض اوقات چہروں سے اتنا روشن اور پرتپش سچ جھلکتا ہے کہ الفاظ کھوکھلے اور اپاہج محسوس ہوتے ہیں۔ وہ بھاگ کر اماں کے نزدیک آئی اور قالین پر بیٹھ کر ان کے گھٹنے تھام لئے۔

''اماں جی! مجھے سکھ راس نہیں آتے۔ یہی بات ہے ناں؟'' اس کے حلق سے بمشکل آواز نکل رہی تھی۔

اماں جی کی آنکھوں سے چند قطرے ٹپک کر جھریوں میں گم ہو گئے۔ اور اتنے زور کے جھکڑ چلے کہ بادبان ہی ٹوٹ [illegible] اس پر سکتے کی کیفیت طاری ہو گئی۔

''طربہ بیٹی! حوصلہ رکھ۔ خبردار جو تو نے کسی کے کہنے پر چوڑیاں اتاریں۔ یہ سب ہندوانہ رسم و رواج ہیں۔ کتنی سجتی [illegible] تیری کلائیاں ان رنگ برنگی چوڑیوں سے''۔ اماں جی اسے سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

[illegible] وہ ایک پتھر کی سل کی طرح ان کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ آنکھیں صحرا کی طرح خشک تھیں اور تیمور علی خان پر جمی [illegible] تھیں۔

''اب بتایا ہے تو اسے رلاؤ بھی۔ ورنہ اس کی جان کے لالے بھی پڑ سکتے ہیں''۔

بابا صاحب نے اداس آواز میں گھمبیر خاموشی توڑی۔

''طربہ''۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''بیٹی! بہت سی عورتیں یہ دکھ اٹھاتی ہیں اور پھر تیز دھوپ میں بڑے حوصلے سے راستہ کاٹتی ہیں۔ دکھ کتنا ہی بڑا [illegible] نہ ہو جھیلنا تو پڑتا ہے''۔ اماں جی نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر گلوگیر آواز میں سمجھایا۔

''[illegible] چلے گئے اماں جی؟'' اس کی آواز بہت گہرے کنویں سے آئی۔

''سب نے جانا ہے بیٹی!'' وہ رو پڑیں۔

''وہ تو جب جانا ہے جانا ہے۔ مگر آپ خان سے پوچھیے۔ انہیں کھیلنے کو میں ہی ملی تھی؟ آپ انہیں کوئی بڑی سی گڑیا لا [illegible] اماں جی۔ یہ میرے دل کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہیں۔ ذرا ان کی طرف دیکھئے' قصائی نظر آ رہے ہیں۔ اماں [illegible] ہر وہ بات پسند ہے جس سے میرا دل کانپ جائے۔ جس سے میری آواز کمزور پڑ جائے۔ جس سے میری [illegible] فون روکیں۔ جو مجھے راتوں کو رلائے جگائے۔ آپ کو پتا ہے۔ آج ان کی خوشی سے بری حالت ہو گی۔ اماں جی

امیں رو جو رہی ہوں"۔

وہ بلک بلک کر رو دی۔

تینوں اپنی جگہ دم بخود سے بیٹھے تھے جیسے حرکت محال ہو۔ بابا صاحب الجھی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"اماں جی! مجھے تو جینے کا شوق تھا۔ یہ رونا کیوں پڑ گیا ہے؟ اماں جی' میں بیلے کی کلیاں پہنوں گی۔ میں بھی پہنوں گی سفید کپڑے۔ خان۔ میری جان کے دشمن۔ اللہ کرے"۔

"ہوش کر مطربہ!" اماں جی نے بے ساختہ اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔ کلیجہ کانپ کر رہ گیا تھا ان کا۔

"بیٹی وہ کسی سے پوچھ کر تقدیر نہیں لکھتا۔ تیرا خان اسے تیرے لئے خوشی بنا کر لایا تھا۔ تیرا گھر بسایا تھا بیٹی"۔

"میرا دل اجاڑ اتھا اماں جی"۔ وہ چیخیں مار مار کر رونے لگی۔

بابا صاحب کو ایک گہری چپ نے گھیر رکھا تھا۔ تیمور اپنی انگلیاں چٹخا رہے تھے۔ نہایت اضطراری کیفیت تھی۔ شاید کوئی اور موقع ہوتا تو دلاور علی خان اس کی زبان پر انگارہ رکھوا دیتے مگر اب یہی سمجھا جا رہا تھا کہ اچانک صدمے سے اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔

"یہی لائے تھے اسے میرے لئے۔ انہوں نے قسمت کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ تو یوں بھی گولی کے نشانے پر تھے۔ وہ مجھے کہتا تھا کہ مہمندی اس کے نام کی گولی سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں۔ وہ مجھ سے مذاق میں کہتا تھا۔ کبھی بھی خدا حافظ کہہ سکتا ہوں۔ ہر ملاقات کو آخری سمجھا کرو۔ وہ ڈاکوؤں کی گولی سے نہ مرتا تو مہمندی اسے مار دیتے۔ اماں جی' انہوں نے مجھے اجاڑنے کیلئے بسایا تھا۔ اماں جی انہیں مجھ سے بہت چڑ ہے۔ انہیں میرا ہر کام غلط لگتا تھا۔ پتا نہیں کہاں کہاں کا غصہ نکالا ہے انہوں نے مجھ پر...... ہائے میرے اللہ۔ علی"۔

وہ بری طرح دھاڑیں مار مار کر روئی۔

"تیمور!" بابا صاحب کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"جی بابا صاحب"۔ وہ کسی دھیان سے چونکے۔

"بیٹے! تم اس کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ یہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔ جاؤ اور پتا کرو میت یہاں کب تک پہنچے گی"۔

وہ بہت دھیمی آواز میں بول رہے تھے مگر اس نے سن لیا۔

"میت...... ہائے اماں جی!" وہ تیورا کر قالین پر ڈھے گئی تھی اور اسی لمحے دوسرے گھر والے اتفاں وخیزاں اندر داخل ہوئے تھے۔ سب سے آگے بدحواسی کے عالم میں خالہ سولہ آنے تھیں۔

"کیا ہوا اماں جی؟" تزئین حواس باختہ نظر آ رہی تھیں۔

"پانی لاؤ سولہ آنے اسے ہوش میں لاؤ"۔ اماں جی نے جیسے تزئین کی بات نہیں سنی۔ خالہ سولہ آنے بھاگم بھاگ دوڑ گئیں۔

"بابا صاحب کیا ہوا ہے اسے؟" رئیسہ بیگم کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"بیٹی...... علی...... اب دنیا میں نہیں ہے بیٹی"۔ بابا صاحب نے بہت وقار سے مضبوط لہجے میں سب کے سروں پر بم پھوڑا۔

"جی ابا...... کیا؟" مختلف قسم کی آوازیں گونجنے لگیں۔

"کس نے بتایا؟" نازنین نے بہت دکھ سے مطربہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"فون آیا تھا اس کے اسٹیشن سے۔ وہاں گھر پر کیا ہوگا۔ ملازم نے یہاں کا نمبر دیا ہوگا" تیمور نے سنا تھا"۔

انہوں نے بیوی کی سمت ایک نگاہ اپنے مخصوص انداز میں ڈال کر جواب دیا۔

"ہمیں بہت دکھ ہوا۔ بچی کی زندگی بگڑی ہے۔ جتنا غم کرے کم ہے"۔ وہ تاسف بھرے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"اللہ ہے صبر دینے والا۔ ورنہ مرنے والے کے ساتھ مر جائیں لوگ۔ مجھے تو فکر ہو گئی ہے۔ اس کا دماغ نہ پلٹ جائے"۔ اماں جی بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھیں۔

اسی دم خالہ سولہ آنے جگ گلاس لئے ہوئے تیزی سے اندر داخل ہوئیں۔ رئیسہ بیگم نے جگ ان کے ہاتھ سے لے لیا اور جلدی جلدی اس کے منہ پر چھینٹے ڈالنے لگیں۔ تزئین بھی دوزانو بیٹھ کر اس کے رخسار تھپتھپانے لگیں۔

"مطربہ...... اٹھو...... دیکھو۔ یہاں سب ہیں۔ دیکھو اماں جی بہت پریشان ہو رہی ہیں۔ شاباش"۔

مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"ٹھہریں آپا۔ اس طرح کام نہیں چلے گا۔ ہم میڈیکل ٹریٹمنٹ کرتے ہیں"۔ تیمور باہر نکل گئے۔

"ہائے...... کیسی مشکل آئی ہے بچی پر"۔ اماں جی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"آپ اپنے آپ کو سنبھالو رئیسہ کی ماں۔ ورنہ بچی کو سنبھالنا مشکل ہو جائیگا"۔

دلاور علی خان کو بیوی کے بہتے آنسوؤں سے اور طرح کی پریشانی لاحق ہوئی۔

"میرا تو دل پھٹ رہا ہے۔ شام کو نیلی ستاروں بھری ساڑھی میں کیسی ہنستی کھیلتی پھر رہی تھی۔ ناز کی طرف کی عورتیں کہہ رہی تھیں۔ ایسا حسن نہیں دیکھا۔ کہیں کوئی کمی نہیں۔ نظر لگی ہے غریب کو"۔

"اماں جی۔ پلیز آپ کچھ نہ بولیں"۔ تیمور علی خان اندر داخل ہوتے ہوئے گویا ہوئے۔

"اس طرح تو وہ دوبارہ بے ہوش ہو جائیگی"۔

"تیمور ٹھیک کہہ رہا ہے رئیسہ کی ماں؟"

تیمور نے روئی میں کوئی دوا لگا کر اس کے نتھنوں کے قریب کی مطربہ نے تڑپ کر چہرہ ادھر ادھر کیا' پھر دوبارہ ساکت ہو گئی۔

تیمور نے پھر عمل دہرایا۔ مطربہ کے جسم میں زور سے جھٹکا لگا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ تیمور فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔

"مطربہ! اٹھو شاباش!" تزئین نے بہت پیار سے کہا اور اسے سہارا دے کر بٹھایا

''بی بی جان!'' وہ ان کے شانے سے لگ کر پھر بلک بلک کر رو دی۔ تزئین کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔

تیمور علی خان فوراً باہر نکل گئے۔

''یہ کہاں گئے ہیں۔ کیا علی کو لینے گئے ہیں'' وہ زور سے چیخی۔

اماں جی اپنی جگہ سے اٹھیں۔ ''خود کو سنبھال بیٹی' چل اپنے کمرے میں''۔

''اٹھو'' رئیسہ بیگم نے بھی اسے اٹھایا۔

''بی بی جان! اسے اوپر نہ لے کر جائیں۔ بچہ اٹھ گیا تو اور مشکل ہو جائے گی'' تزئین نے رئیسہ بیگم سے کہا۔

''ہاں ٹھیک کہتی ہو' چلو اسے میرے کمرے میں لے چلو'' تزئین نے رئیسہ بیگم کے ساتھ مل کر اسے بمشکل کھڑا کیا۔

''بی بی جان! باری کو تو بتا دیں کہ اس کا باپ تیزی دکھا گیا۔ ہائے اماں جی میں بچے کا کیا کروں گی؟''

وہ بے ربط ہو گئی۔ وہ سب خاموش رہیں۔

''کیا کرتے ہیں بچے کا۔ تیرے مرد کی اولاد ہے۔ تو رکھے گی اس کا خیال اور کون رکھے گا'' اماں جی نے بہت دکھ سے کہا۔

وہ باہر آئیں تو دیکھا تیمور علی خان پشت پر ہاتھ باندھے برآمدے میں ٹہل رہے تھے۔

''وہ بچہ مجھ سے زیادہ ان کا ہے۔ انہیں دیدیں۔ یہ لائے تھے ناں؟ انہوں نے ہی باندھی تھی یہ گھنٹی میرے گلے میں۔ انہی کے ہوتے سوتے کا ہے وہ بچہ۔ میرا کچھ نہیں لگتا''۔

وہ تیمور علی خان پر نظر پڑتے ہی پھر ہذیانی ہو گئی۔

''اب دیکھئے گا۔ اگر ایک دن میں نے بھی اپنے گلے میں پھندا ڈال کر نہ دکھایا انہیں۔ دیکھ لینا آپ سب کھ دیکھئے گا کتنا خوش ہوں گے''۔

وہ پھر بے ہوش ہو کر رئیسہ بیگم کے بازوؤں میں آ رہی۔

تیمور علی خان نے ماں کی طرف دیکھا۔

''میں نے تو اسے بتا دیا تھا کہ میت یہیں آ رہی ہیں۔ اچانک دیکھتی تو اور برا ہوتا''۔ وہ شرمندگی سے وضاحت کرنے لگیں۔

....

قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ جنازہ برآمدے میں تھا غسل دیا جا چکا تھا' ماحول میں کافور اگربتی کی خوشبو ہر سو سوگواری پھیلا رہی تھی۔

مطربہ بڑی سی کالی چادر پہنے کمرے میں بت بنی بیٹھی تھی۔ اور نیچے اسی کا انتظار ہو رہا تھا کہ روانگی کے سارے انتظامات مکمل تھے۔ تزئین اسے دو مرتبہ نیچے آنے کا کہہ آئی تھیں اب اور کسی میں ہمت نہیں تھی کہ اسے بلا لائے۔

بابا صاحب بار بار گھڑی دیکھتے تھے پھر اماں جی کی طرف دیکھتے تھے مگر وہ کیا کر سکتی تھیں۔

آدھا گھنٹہ اسی کشمکش میں گزر گیا۔

بڑی خالہ سولہ آنے کے پاس تھا۔

تھوڑی دیر بعد زینے پر قدموں کی چاپ ابھری۔ سب نے چونک کر سر اٹھائے تھے۔ قیامت حسن سیاہ چادر میں سمٹا ہوئے کچھ اور ہی رنگ میں آ گیا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے قدم رکھتی جنازے کے قریب پہنچی۔ سب کے دل تیز تیز دھڑکنے لگے۔

پھولوں میں گھرا علی کا چہرا دیکھ کر احساس ہوتا تھا گویا گہری نیند سو رہا ہو اس نے جھک کر بغور دیکھا۔

''اتنی خوبصورت چمکدار آنکھیں۔ اب انہیں کبھی نہیں دیکھیں گے۔ میں تو ویسے ہی دیکھ نہیں پاتی تھی۔ کیا بجلی تھی ان آنکھوں میں۔ ''تیمور خاناں!'' اپنے دور کھڑے تیمور کو مخاطب کیا۔ ساری خواتین تھرا کر رہ گئیں کہ جانے کیا بول پڑے۔ گھر سے باہر کی خواتین بھی قریبی لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔

''آپ نے بڑی زیادتی کی تھی اپنے دوست کے ساتھ۔ میں اس کے قابل نہیں تھی کھوٹا سکہ۔ ڈھول۔ بے قیمت۔ علی مجھے معاف کر دیجئے گا۔ میں کیکر تھی' اس لئے مجھے پھل نہیں آئے' مجھے معاف کر دیجئے''۔

وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

اماں جی اٹھ کر اس کے قریب آئیں۔

''بس زیتون بانو! اب خدا حافظ کہہ دے۔ مرد انتظار میں کھڑے ہیں''۔

انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ پھر انہوں نے تیمور کو اشارا کیا کہ مردوں کو بلا لو۔ پھر مطربہ کو اٹھایا۔

''چلو اندر چلتے ہیں''۔ دوسری تمام خواتین بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اماں جی اسے لے کر لاؤنج کی طرف بڑھ گئیں۔ وہ اب بالکل بت بن چکی تھی۔ ایک دم خاموش اور بے تاثر۔

اسی دم کلمہ طیبہ پڑھنے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ تزئین نے گھبرا کر مطربہ کی طرف دیکھا۔

''میں نے علی سے معافی مانگ لی ہے۔ کیا مرا ہوا انسان معاف کر دیتا ہے؟'' اس نے سپاٹ لہجے میں اماں جی کو مخاطب کیا۔

''اسے تجھ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ وہ تجھ سے بہت خوش تھا۔ بہت تعریف کرتا تھا''۔ انہوں نے دلاسا دیا۔

''اسی بات پر تو رونا پڑ گیا ہے۔ مگر کسی کے میری بات سمجھ میں نہیں آئے گی''۔

''مجھے ٹیلی فون پر کہتا تھا۔ اماں جی آپ سب کا بہت بہت شکریہ۔ مطربہ بہت اچھی ہے۔ تو کیوں پریشان ہوتی ہے؟'' وہ پھر گویا ہوئیں۔

مطربہ نے سرد آہ بھری۔

''آئینہ جتنا صاف ہو۔ شکل کے عیب بھی اتنے ہی صاف دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بہت صاف آئینہ تھا اماں جی''۔ وہ دیوار کو گھورتے ہوئے بولی۔

''تجھے تو وہ دنوں میں پڑھا گیا' مشکل باتیں کرنا سیکھ گئی ہے''۔ انہوں نے اسے صوفے پر بٹھا دیا۔

"اماں جی! جب کوئی عورت بیوہ ہوتی ہے تو سب سے زیادہ دکھ اس کی ماں کو ہوتا ہوگا"۔

اماں جی خاموش رہیں۔

"پتا نہیں، وہ سب بھی کیوں یاد آ رہے ہیں جنہیں یاد نہیں آنا چاہیے"۔ وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"اماں جی! علی کو یہ لوگ کب لے جائیں گے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

سب نے چونک کر اس کی شکل دیکھی اور شکر ادا کیا کہ وہ بے خبر ہے۔

شاید جنازے کی روانگی کے وقت وہ ذہنی طور پر ماحول سے کٹی ہوئی تھی۔

حالانکہ کلمہ پڑھنے کی آوازیں دیر تک اندر آتی رہی تھیں۔

"لے جائیں گے آرام سے۔ تم یہاں بیٹھو"۔ تزئین نے کہا۔

....

سوئم کے بعد وہ لوگ حویلی واپس آ گئے تھے۔ جبکہ روشن آرا اور تزئین اپنے اپنے سسرال چلی گئی تھیں۔

وہ کہیں بھی ہوتی تھی اسے تزئین ہمیشہ ہر وقت یاد آتی تھیں۔ ان کی شوخ ہنسی چھیڑ چھاڑ کرنے کی عادت۔ کسی کو نہیں بخشتی تھیں۔ اماں جی تک سے سہیلیوں کی طرح مذاق کرتی تھیں اسی وجہ سے ان کی غیر موجودگی بہت عرصے تک محسوس ہوتی تھی۔ اور اب تو پھر اور طرح کا موسم تھا۔

اسے ایک گہری چپ لاحق ہو چکی تھی۔ جانے کیا سوچتی رہتی تھی۔ جہاں بیٹھتی تھی بس بیٹھی رہ جاتی۔ خالہ سولہ آنے ہی باری کو سنبھال رہی تھیں یا وہ اماں جی کے پاس رہتا تھا۔

اتنے عرصے میں اس کا تیمور سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ یوں بھی عدت میں تھی۔ اماں جی کی ہدایت تھی کہ گھر کے نوکروں کے بھی سامنے نہ آئے۔ اسے نیچے آخری بالکل کونے کا کمرہ ملا ہوا تھا۔ جہاں وہ زیادہ وقت گزارتی تھی۔ باقاعدگی سے قرآن پاک پڑھ رہی تھی غالباً ایصال ثواب کیلئے۔ آخر عدت پوری ہوئی مگر اس کے طور طریقوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اب بھی اس کا زیادہ وقت اسی کمرے میں گزرتا تھا۔ اماں جی اسے بہت کہتی تھیں کہ سب کے ساتھ اٹھا بیٹھا کرے کھانا کھایا کرے۔

آج وہ سورج چھپنے سے کچھ دیر پہلے باغ میں آئی تھی۔

باری بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ کسی بچے کے ساتھ شرارت کر کے پناہ کی تلاش میں اس کی طرف بھاگا۔

"امی! امی"۔ وہ اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

"باری! مجھے تنگ نہیں کرو"۔ اس نے افسردگی و بیزاری کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اسے پیچھے ہٹایا۔

مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ پہلے سے زیادہ گرمجوشی سے لپٹ گیا۔

"ہٹو باری! خدا کیلئے میرا پیچھا چھوڑ دو"۔ اس نے چٹاخ ایک طمانچہ اس کے پھول سے رخسار پر رسید کیا۔

پہلی مرتبہ اس کا یہ بدصورت رویہ بچے نے دیکھا تھا۔ سہم کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ اسی دم تیمور علی خان اس کی پشت سے سامنے آئے۔ اور باری کا ہاتھ تھام کر اس کے مقابل کھڑے ہو گئے۔

"ہم آئندہ یہ سب برداشت نہیں کریں گے۔ ہمیں علی کی بیوہ سے زیادہ اس کے بچے کی فکر ہے۔ اور پھر تم کسی ایسے شہید کی بیوہ نہیں ہو جو جنگ کے دوران کافروں کے ہاتھوں شہید ہوا ہو۔ اگرچہ وہ بھی درجہ شہادت پر فائز ہوا ہے مگر اس کا رنگ اور ہے۔ تمہاری شادی کبھی بھی کسی اور کے ساتھ ہو سکتی ہے مگر اس بچے کا نہ سگا باپ ہے نہ ماں۔ ہم اس کے ساتھ معمولی سی زیادتی بھی برداشت نہیں کریں گے۔ جانتی ہو، اس کے باپ سے ہماری دوستی کب ہوئی تھی۔ جب ہم پانچ سال کے تھے۔ گھر کے بڑے بچوں اور بابا صاحب کے ساتھ خیرآباد چھٹیاں گزارنے جاتے تھے۔

جس شخص نے تمہیں دنیا میں سب سے زیادہ عزت دی۔ اس کی اولاد سے تم اس طرح کی بدسلوکی کرو گی؟"

"میرا دل بہت پریشان ہے خان! کچھ سمجھ نہیں آتا۔ آپ کو برا تو ضرور لگے گا مگر آئندہ آپ یہ شادی بیاہ کی باتیں میرے سامنے کبھی نہ کیجئے گا۔ آپ سے درخواست ہے۔ ناحق تو حیوان کو ستانا بھی جائز نہیں۔ کیا میں آپ کی گھوڑیوں سے بھی گئی گزری ہوں؟"

وہ علی کی دی ہوئی شناخت کے بعد اب بہت اعتماد سے بات کرتی تھی پھر حویلی میں بھی اس کی "ترقی" ہوئی تھی۔ اس کا اثر بھی اس کی بول چال پر تھا۔ اور وہ "فیشن ایبل" عورت جو اس کی ماں تھی۔ اس کی ذات میں حلول ہو کر رہ گئی تھی۔ جس کی وجہ سے ذات میں ایک معرکہ برپا رہتا تھا۔ اس کا اثر بھی چہرے سے جھلکتا تھا۔ تیمور "بہت کچھ" کے خود بھی ذمہ دار تھے۔ اس لئے برداشت کا عمل ایک اصولی بات تھی۔

بچے ان کے اردگرد کھڑے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"کاکا جان! باری کی پٹائی کیوں ہوئی؟" ایک بچے نے افسوسناک لہجے میں دریافت کیا۔

"جاؤ کھیلو آپ لوگ۔ جاؤ بیٹا آپ بھی"۔ انہوں نے باری کا ہاتھ چھوڑ کر نرمی سے کہا۔

"حویلی میں رہنا ہے تو بچے سے بہت پیار کرنا ہوگا۔ اب تم اسے جو چاہے سمجھ لو۔ تم یا حویلی میں کوئی اور اس کے ساتھ معمولی سی بدسلوکی کرتا پایا گیا تو اسی دن سے ہماری اس سے دشمنی طے ہوگی۔ یہ ہم اس لئے کہہ رہے ہیں کہ تمہیں پتا چلے کہ یہ بچہ ہماری نگاہ میں کتنا اہم ہے امید ہے بات سمجھ میں آ گئی ہوگی"۔

وہ اتنا کہہ کر پورچ کی طرف بڑھ گئے۔

....

اسے اب کوئی کسی کام کیلئے تو نہیں کہتا تھا۔ وہ خود ہی کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھی۔ آج اس نے ہال میں سجے تمام پلاسٹک کے پھول سرف کے جھاگ میں دھوئے تھے۔ اور باغ میں سکھائے تھے۔ اب سمیٹ کر ہال میں آئی تھی۔ دروازے ہی میں اسے نازنین مل گئی۔

"تیمور اپنے کمرے میں ہیں مطربہ؟" اس نے رک کر پوچھا۔

"جی! مجھے تو نہیں پتا۔ اب تو مجھے اوپر کوئی کام ہی نہیں ہوتا"۔ وہ سنجیدگی سے کہہ کر اندر داخل ہو گئی۔

"اچھا ہم اوپر ہیں۔ پلیز اچھی سی چائے بھجوا دینا"۔ وہ عجلت بھرے انداز میں بولی۔

’’خان کے کمرے میں؟‘‘ اس نے جاننا ضروری خیال کیا۔

’’ہوں۔وہیں‘‘۔

وہ تیزی سے آگے بڑھی۔سنہری کام کا آف وہائٹ پائجامہ اس پر بہت اٹھ رہا تھا۔دوپٹہ سینے پر پڑا تھا اور ناگن جیسی چوٹی پشت پر لہرا رہی تھی۔چال میں عجیب سرمستی و بے نیازی تھی۔مطربہ نے گہری سانس اندر کھینچی اور پھول میز پر ڈال کر چائے بنانے کیلئے کچن میں آگئی اور بجائے ماما یا خالہ سے کہنے کے خود چائے بنانے لگی۔

’’کس کیلئے بنا رہی ہو؟‘‘ ماما نے یونہی پوچھا۔

’’چھوٹی دلہن نے کہا ہے‘‘۔اس نے جواب دیا اور ٹرے میں برتن رکھنے لگی۔

’’لاؤ میں بنا دیتی ہوں‘‘۔ماما نے آگے بڑھ کر کہا۔

’’کیوں اتنا تکلف کرنے لگی ہوں ماما۔میں وہی ہوں کم ذات‘‘۔وہ تلخی سے مسکرائی اور اپنا کام کرنے لگی۔

ماما نے خالہ کی سمت بہت دکھ بھری نظروں سے دیکھا تھا۔مگر خاموش ہو رہی تھی۔

اس نے بہت اہتمام سے چائے بنائی اور ٹرے اٹھانے سے قبل ماما کی طرف بڑھی۔

’’ماما! اچھے اچھوں کی بیٹیاں بیوہ ہو کر میکے واپس آجائیں تو کر کے کھاتی ہیں۔میں تو پھر؟‘‘

وہ اداسی سے مسکرا دی اور ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔

حالانکہ وہ بڑی سیدھی اور صاف نیت سے چائے تیار کر کے لائی تھی۔مگر تیمور علی خان کے کمرے کے قریب پہنچ کر جانے کیا ہوا۔دروازے سے کان لگا کر کھڑی ہوگئی۔اس نے ایسا کیوں کیا۔یہ شاید اسے خود بھی پتا نہیں تھا۔

’’مجھے تو اس کی آواز ہی اتنی پیاری لگی تھی کہ بس کیا بتاؤں۔ویسے بہت دیر ہوگئی ہے۔آپ کو اب گھر میں بتا دینا چاہیئے‘‘۔نازنین کہہ رہی تھی۔

’’وہ ٹھیک ہے۔بابا صاحب کے ہاں تو پھر بھی گنجائش ہو سکتی ہے۔اصل فکر تو ہمیں اماں جی کی ہے۔یقین کریں سخت ٹینشن ہے‘‘۔تیمور کی آواز بہت سنجیدہ تھی۔

’’آپ بابا صاحب کو ہینڈل کریں۔باقی وہ خود سنبھال لیں گے‘‘۔نازنین نے نکتہ سمجھایا۔

’’ہوں۔یہ تو ہے۔اماں جی بہت اموشنل ہیں۔کہیں بات بہت سیریس نہ ہو جائے‘‘۔

’’آپ کی شادی کی بات پر تو شاید اتنی سیریس نہ ہو لیکن یہ جان کر انہیں بہت دکھ ہوگا کہ ان کا بہت پیارا سا پوتا ایک آپریشن کے بعد دنیا میں نہیں رہا۔اس کے دادا' دادی اس معصوم کی شکل تک نہ دیکھ سکے‘‘۔

نازنین نے بہت افسردہ لہجے میں کہا۔

مطربہ کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔

’’شادی! پوتا‘‘۔اس کا دماغ گھوم کر رہ گیا۔

تیمور خان کی شادی بھی ہو چکی۔بچہ بھی ہو گیا۔وہ گم صم کھڑی تھی۔

’’اس دن اس سے بات ہوئی۔بہت خوشی ہوئی مشرقی اداؤں کی مغربی لڑکی ملی ہے۔آپ سے تو عشق کرتی ہے۔

میرا خیال ہے دھما کہ کر ڈالیں اور بلوالیں امید ہے' اماں جی کو پسند آجائیگی‘‘۔نازنین کی آواز آئی۔

’’سوچ تو ہم بھی رہے ہیں۔وہ بھی اصرار کر رہی ہے۔بچے کی ڈیتھ کے بعد بہت ڈپریسڈ ہوگئی ہے۔ہمیں آنے ہی نہیں دے رہی تھی۔بہت مشکل تھی‘‘۔تیمور علی خان کی آواز میں تھکن سی تھی۔

’’پہلے تو وہ ماں بننے پر ہی آمادہ نہیں تھی۔کہتی تھی جو کچھ ہوگا۔پاکستان میں ہوگا۔ہم نے اسے سمجھایا کہ بچے کے ساتھ قبولیت کا مرحلہ آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔خیر پھر سمجھ گئی تھی۔مگر ہوا وہی جو قسمت میں تھا‘‘۔

مطربہ کی نگاہوں کے سامنے تیمور علی خان کے مختلف انداز گھومنے لگے۔جس کا دل جگر جگر آباد ہو۔اسے دلوں پر ٹوٹتی قیامتوں کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے؟ اس کے دل سے ہوک سی اٹھنے لگی۔چکر سا آرہا تھا۔اس نے بے اختیار دروازہ دھڑ دھڑا کر بجا دیا۔

’’یس‘‘۔تیمور علی خان کی آواز ابھری۔

وہ اندر داخل ہوگئی۔دونوں دیور بھابی ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے تھے' کمرے میں وہ خاموشی چھا گئی جو اچانک آجانے والے تیسرے فرد کیلئے ہوتی ہے اور گفتگو اپنے تسلسل کیلئے اس تیسرے فرد کے واپس جانے کا انتظار کرتی ہے۔

’’ارے۔تم کیوں۔لے آئیں۔تمہاری تو طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔کسی سے کہہ دیتیں‘‘۔

نازنین نے میز پر ٹرے رکھتی ہوئی مطربہ کو مخاطب کیا۔

’’کوئی بات نہیں' خالی بیٹھنے سے تو طبیعت اور الجھ جاتی ہے‘‘۔وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

’’چائے بناؤں؟‘‘ وہ خود کو کمرے میں بوجھ محسوس کر رہی تھی۔جیسے وہ دونوں اس کے باہر جانے کا انتظار کر رہے ہوں۔اسے یقین تھا کہ نازنین کہے گی' ہم خود بنا لیں گے اور وہی ہوا۔نازنین نے کہہ دیا تھا کہ وہ خود بنا لے گی۔

مطربہ نے سیدھے کھڑی ہو کر آنچل درست کیا اور تیمور علی خان پر ایک نگاہ ڈالی۔

دل ان کی طرح آباد ہو تو بندے کو ادھر ادھر دیکھنے کی کب فرصت ہوتی ہے۔وہ لیمن کلر شرٹ اور بلیک پینٹ میں بہت نکھرے نکھرے محسوس ہو رہے تھے۔

اسے کیا پتا تھا' آگے کون سے انکشافات کی کھائی ہے۔اسے تو نازنین کے پراسرار انداز ہی چونکا تے تھے۔آج پتا چلا۔وہ سب تو ہم رازی کی ادائیں تھیں۔

وہ خاموشی سے باہر آگئی۔جانے کیوں تیمور کی آبادی پر دل میں محشر برپا ہو گیا تھا۔اس کے ذہن میں اس طرح ہیجان برپا ہو گیا جس طرح کاظم علی کے انتقال والی رات ہوا تھا۔وہ سیدھی باغ میں آگئی اور سر پکڑ کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔

تیمور علی خان اپنی انگریز بیوی کے ساتھ اسے باغ میں چہل قدمی کرتے نظر آنے لگے۔وہ مسکرا رہے تھے۔ایک انا کے وجود پر طاری تھی۔وہ دنیا کے مطمئن ترین انسان دکھائی دے رہے تھے۔

اسے ان کے لہجے کی رتی رتی سفا کی یاد آئی۔دل کے معاملے کو اتنی اہمیت دینے والے کو دوسروں کے دلوں کے ساتھ اتنی زبردستی زیب دیتی ہے۔اسے اپنی شادی کی پہلی رات بھی یاد آئی جب وہ دوزخ کی آگ میں جل رہی تھی

اورزہر کھا کر مرجانے کا جی چاہتا تھا۔

کاش اماں جی مان کر ہی نہ دیں۔

اس کے دل میں شرارے اٹھنے لگے۔علی کی سادگی اور سچائی پر وہ کس طرح دن میں سوسو بار مرتی تھی۔اس کی محبتوں کے بوجھ سے آج تک اس کی کمر ٹوٹی جاتی تھی۔

وہ ابھی تک سیاہ لباس پہنتی تھی۔سیاہ رنگ' سوگ کا رنگ اندر آج تک جنگ ہوتی تھی کہ روگ کی نوعیت کیا ہے؟

اس کا جی چاہا۔جلد سے جلد انکشاف ہو جائے۔اور تیمور علی خان ہمیشہ کیلئے حویلی سے نکال دیئے جائیں۔انہیں اتنے دکھ ملیں کہ وہ اس کے دکھوں پر غور کرنے لگیں۔رابطے کا یہ سلسلہ بھی بہت ہوگا۔کسی طرح تو وہ ان کے دھیان میں آئے گی۔

''مطربہ! یہاں کیا کر رہی ہے؟ یہ باری اتنی دیر سے تجھے ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔بہت رو رہا ہے''۔

خالہ سولہ آنے کی آواز اسے خیالات کے جہنم سے باہر کھینچ لائی۔وہ باری کی انگلی تھامے سامنے کھڑی تھیں۔

باری کے رخساروں پر اشک رواں تھے۔وہ ہچکیاں بھر رہا تھا۔

''یہ مجھے سامنے نہ پائے تو دکھ محسوس کرتا ہے۔کتنا گہرا رشتہ ہے میرا اس کے ساتھ''۔اس نے باری کا ہاتھ کھینچ کر اسے اپنے سینے سے لگالیا۔

''کیا ہوا میری جان! کیوں رویا میرا بیٹا؟'' وہ اس کی پیشانی سے بال ہٹا کر چومتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''آپ کہاں چلی گئی تھیں امی''۔وہ ہچکیاں لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میں آپ کے بغیر باہر نہیں جاتی جان۔آپ کو پتا نہیں۔تو پھر آپ کیوں روئے؟ اس طرح نہیں روئے۔اماں پریشان ہو جاتی ہیں''۔

''یہ تیری ذمہ داری ہے اب۔دھیان رکھ کر۔میں دیکھ رہی ہوں۔تو بہت الگ الگ رہنے لگی ہے''۔

''یہ زندگی تو خود بھاری جنازے کی طرح میرے کندھوں پر دھری ہے۔اس پھول کا کیا بوجھ خالہ''۔وہ تلخی سے سکرائی۔اور باری کا رخسار چوم لیا۔

''اللہ نہ کرے ابھی تیری عمر ہی کیا ہے۔قسمت کا لکھا تو ہو کر ہی رہتا ہے۔حویلی والوں نے تو اپنے ظرف بڑھا کر ری بہتری چاہی تھی۔کسی کی دشمنی تو نہیں تھی تیرے ساتھ۔ایک عزت دار آدمی سے بیاہا تھا۔اب تقدیر کو کیا کہیں۔کیا نیں کہ یہ دھوپ چھاؤں کیوں ہوئی؟'' وہ افسردگی سے گویا ہوئیں۔

مطربہ خلا میں گھورنے لگی۔

''خالہ! بعض لوگوں کی بات بات میں عزت جاتی ہے۔وہ انجانے میں بدلے لیا کرتے ہیں''۔

''پتا نہیں کیسی باتیں کرتی ہے۔میری تو سمجھ میں نہیں آتیں''۔وہ جھلا کر بولیں۔

''خالہ! اسے دودھ کے ساتھ کچھ دیا تھا؟'' اس نے باری کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''ہاں بس ایک توس کھایا تھا' وہ کیا کہتے ہیں لگا کر وہی سیب کی بنی ہوئی کھٹی کھٹی''۔وہ دماغ پر زور ڈالنے لگیں۔

''چھ جیلی''۔

''باری! اب آپ کو سکول میں داخل کرا رہے ہیں اور اسکول جانے والے بچے روتے نہیں ہیں۔بڑے ہو جاتے ہیں''۔وہ بہت شفقت بھرے لہجے میں اس سے ہم کلام تھی۔

''ماشاء اللہ۔سب ہی پیار کرتے ہیں اس سے۔بڑے خان جو حویلی کے بچوں کو ساتھ لے کر نہیں جاتے۔وہ بھی اسے ہر جگہ ساتھ لے جاتے ہیں۔سب کتنا ڈرتے ہیں بڑے خان سے۔یہ نہیں گھبراتا۔بے دھڑک ان کے کمرے میں پہنچ جاتا ہے۔کہتا ہے۔''خان! گھوڑے کی سیر کرائیں''۔

''بڑے خان کہتے ہیں بیٹا! آپ ہمیں بابا صاحب کیوں نہیں کہتے۔خان کیوں کہتے ہیں؟ تو پتا ہے کیا جواب دیا؟'' وہ ہنس کر پوچھنے لگیں۔

''کہنے لگا' امی بھی تو آپ کو خان کہتی ہیں''۔بڑے خان بہت ہنسے۔بڑے خان کہتے ہیں بہت ذہین بچہ ہے۔

''اس کا باپ کم حاضر جواب تھا کہ وکیلوں کو ہرا دے۔مجھے تو اس کے سامنے جواب ہی نہیں سوجھتے تھے۔اور جو جواب سوجھتے بھی تو لگتا تھا۔اس سے جھوٹ بول رہی ہوں۔اس لئے چپ ہی رہی تھی''۔

اس کی آواز بھرا گئی۔چند قطرے آنکھوں سے ٹپکے اور باری کے سیاہ بالوں میں جذب ہو گئے۔

''اس طرح اکیلی نہ بیٹھا کر۔ورنہ یہ سوچیں تجھے کھا جائینگی''۔خالہ نے اسے سمجھایا۔

''یہ چھوٹی دلہن پتا نہیں کہاں ہیں۔یاور خاناں دو تین مرتبہ پوچھ چکے ہیں''۔انہیں اٹھتے ہوئے دھیان آیا۔

مطربہ نے خالی خالی نظریں خالہ کے چہرے پر جما دیں۔

''وہ خوشیوں میں شریک ہیں۔تو اب کما رہی ہیں''۔اس کی آواز بھی بے تاثر تھی۔

''ہائیں''۔خالہ سولہ آنے تعجب سے اسے دیکھنے لگیں۔''کیا بولی؟''

''کچھ نہیں۔آؤ باری! اندر چلیں''۔اس نے باری کو گود سے اتارا اور کھڑی ہو گئی۔

....

وہ باری کو سلا کر دریچے میں کھڑی جانے کن سوچوں میں مستغرق تھی۔نازنین اور تیمور علی خان کی شام کی گفتگو بار بار دماغ میں دھماکے کر رہی تھی۔

اسی لمحے روپا دیوی اندر داخل ہوئی۔

''اماں جی بلا رہی ہیں''۔اس نے پیغام پہنچایا۔

مطربہ نے کارنس پر رکھے ٹائم پیس کی سمت دیکھا۔رات کے دس بج رہے تھے۔

''چلو آتی ہوں''۔وہ باری کی طرف آئی۔اسے درست کیا۔اوپر بڑی چادر ٹھیک کی۔اور کھوئی کھوئی سی اماں جی کے کمرے میں چلی آئی۔

''جی اماں جی''۔وہ ان کے قریب جا بیٹھی۔اماں جی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔انہوں نے اشارے سے اسے صبر سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ خاموش ہو کر اپنی انگلیاں چٹخانے لگی۔

''باری سو گیا؟'' اماں جی نے تسبیح پوری کر کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''جی''۔ اس نے اختصار سے کام لیا۔

''تیری طبیعت کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہے۔ مجھے بھلا کیا ہو گا''۔ وہ تلخی سے بولی۔

''اللہ نہ کرے۔ عمر پڑی ہے آگے۔ اپنے آپ کو سنبھال۔ ماں بھی اپنے مرے ہوئے بچے کے ساتھ قبر میں جا کر نہیں لیٹتی اور دنیا میں ماں کی محبت سے بڑی کوئی محبت نہیں۔ کیا تجھے احساس ہے کہ تیری یہ کالی چادر مجھے کتنا دکھ دیتی ہے''۔ اماں جی نے بہت دکھ سے کہا۔

''اب کیا کریں۔ اس میں ہمارا قصور کیا''۔ وہ بے دلی سے بولی۔

''کر کیوں نہیں سکتے۔ اللہ کی ذات راستے بنانے والی ہے''۔ اماں جی کا انداز وتمہید باندھنے کا سا تھا۔

وہ چونک کر ان کی شکل دیکھنے لگی۔ دل وسوسوں میں گھرنے لگا۔

''شرع میں حکم ہے کہ بیواؤں اور طلاق والی عورتوں کے گھر بسانے میں جلدی کرو''۔

اماں جی نے کہنا شروع کیا۔

اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ اب کیا ہونے والا ہے' اب کون عزت دار آ گیا ہے؟

''پٹواری آئی تھی میرے پاس۔ عارف نام ہے اس کے لڑکے کا۔ پہلے بھی پیام دیا تھا اس نے مگر تیمور نے کہا زیادہ بہتر ہے۔ اس کی زندگی خطروں میں گھری ہوئی ہے۔ اسے کوئی مضبوط سہارا چاہیے۔ اب قسمت کا تو کوئی پتہ نہیں ہوتا۔ علی کی موت والے دن تو جو بولی سب کے سامنے۔ وہ تو شاید تجھے یاد نہ ہو۔ تجھے ہوش ہی کہاں تھا۔ مگر بچی بات ال کی بات دیوانے پن میں ہی منہ سے نکل جایا کرتی ہے۔ تو نے اپنے سارے دکھ کی ذمہ داری تیمور کے سر ڈال دی تھی۔ مگر دنیا کی عدالت ہو یا اللہ کی۔ یہی بات ظاہر ہو گی کہ اس نے تیرا بھلا چاہا تھا۔ تو اس گھر کی نوکرانی بن کر آئی تھی۔ تجھے اس نے اپنے دوست کی بیوی بنایا تھا۔

میں نے تیمور اور رئیسہ سے ذکر کیا تھا۔ تیمور بہت خوش ہوا کہ اللہ نے تیرے آباد ہونے کا پھر سے آسرا پیدا کیا۔ کہنے لگا اماں جی پہلی فرصت میں نکاح کر دیجئے''۔

''یہ کہا تھا خان نے؟'' اس نے سپاٹ لہجہ میں پوچھا۔

''ہاں یہی کہا تھا۔ کیوں؟'' وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگیں۔

''کتنا خیال ہے انہیں میری خوشیوں کا''۔ اس کا انداز بدستور تھا۔

''کیوں نہیں۔ اسے سب کی خوشیوں کا احساس رہتا ہے''۔ وہ خوش ہو کر بڑے فخر سے کہہ رہی تھیں۔

''تو پھر سب سے زیادہ انہیں اپنی ماں کی خوشیوں کا احساس کرنا چاہیے۔ کیوں؟''

وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

''بالکل۔ بہت خیال رکھتا ہے میرا بچہ۔ اللہ خوشیاں دکھائے''۔ وہ دعائیں دینے لگیں۔

''پٹوارن کہہ رہی تھی کہ عارف بچے کو بھی اپنے ساتھ رکھنے پر تیار ہے۔ بس اسے تو یہ ہے کہ اس کی شادی کسی طرح تیرے ساتھ ہو جائے۔ ہر شرط پر راضی ہے''۔

وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

''ہر شرط پر؟'' وہ طنزیہ لہجے میں پوچھ کر مسکرانے لگی۔

''ہاں۔ ہاں۔ یہی کہہ رہی تھی پٹوارن۔ تیمور اور تیرے بڑے خان بچے کو تو شاید اب کبھی حویلی سے نہ جانے دیں۔ اب سب کچھ ہے' تو فکر نہ کر''۔

''اس سے کہئے گا۔ ہر شرط کی بات نہ کرے۔ معاملات میں زیادہ ہی سچائی آ گئی تو رسی تڑا کر بھاگ جائیگا''۔ اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''ہیں۔ کیا باتیں کر رہی ہے؟ سب کچھ پتا ہے انہیں۔ خدانخواستہ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی کہ دنیا سے چھپاتے پھریں۔ تیری ماں تو اس کے سامنے ہی آئی تھی''۔ اماں جی کو الجھن ہوئی۔

''تیمور کہہ رہا تھا کہ بس جلد سے جلد کر دیں۔ سب سے الگ تھلگ رہنے لگی ہے۔ کہیں وہ مریض نہ بن جائے۔ کیا کہتے ہیں''۔ وہ دماغ پر زور ڈالنے لگیں۔ ''ہاں' نفسیاتی''۔

''وہ کہہ رہا تھا۔ اس سے بہت مسئلے ہو جاتے ہیں''۔ وہ سادگی سے بولیں۔ وہ خاموش رہی۔

''کچھ تو بول''۔ اماں جی کو اس کی گہری خاموشی کھلنے لگی۔

''اماں جی! مجھے بہت تھکن محسوس ہو رہی ہے۔ باری کو بھی اکیلا چھوڑ کر آئی ہوں۔ جاؤں؟'' وہ یوں گویا ہوئی جیسے ان کے درمیان کوئی خاص بات نہیں ہو رہی تھی۔

اماں جی نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ یہ ان کی اتنی اہم بات کا جواب دیا تھا۔

''اچھا...... جا آرام کر۔ غور کر لینا''۔ وہ کچھ الجھن میں پڑ گئی تھیں۔

وہ بنا کچھ کہے باہر آ گئی۔ اس کے قدموں کا رخ اپنے کمرے کے بجائے تیمور علی خان کی خواب گاہ کی طرف تھا۔

وہ زینہ طے کر کے اوپر آئی۔ چند لمحے رک کر کچھ سوچا پھر آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔

''آ جاؤ۔ دروازہ کھلا ہے''۔ تیمور علی خان کی آواز سے ایسا محسوس ہوتا تھا گویا وہ مصروف ہوں۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

''السلام علیکم خان!''

''وعلیکم السلام''۔ وہ ڈرائنگ ٹیبل پر مصروف تھے۔ اس کی آواز پر ریوالونگ چیئر کا رخ اس کی سمت موڑ کر قدرے حیرانی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

''السلام علیکم خان!''اس کا لہجہ قطعی سپاٹ تھا۔

''وسلام''۔انہوں نے جواب دینے کے دوران سامنے لگی وال کلاک کی طرف نگاہ کی۔

''خیریت؟''ان کی ایک ایک ادا میں استعجاب تھا۔

''جب سے حویلی میں آئے ہیں۔خیریت کے علاوہ سب کچھ ہے''۔وہ دروازے ہی پر کھڑی تھی اور ایک انچ آگے نہیں بڑھی تھی۔

تیمور علی خان نے کالی چادر میں لپٹی مطربہ کی سمت ایک لحظہ دیکھا اور قلم کا کیپ لگا کر قلم ٹیبل پر رکھ دیا جیسے کہہ رہے ہوں کہ ہاں اب بات کرو۔

''کیا ہوا؟''انہوں نے اس کے غیر معمولی حسین چہرے پر یوں نگاہ ڈالی جیسے راستے کے سنگ میل کو سرسری دیکھتے ہیں۔

''میں نے آپ نے درخواست کی تھی خان۔کہ اب کبھی میری شادی کی بات نہ کیجئے گا''۔اس کی آواز پست اور نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

''احمق ہو تو۔مگر یہاں تمہاری طرح کا غیر ذمے دار اور بے وقوف نہیں۔کیا سمجھیں؟''وہ اپنی کرسی پر گھوم گئے اور اپنے کاغذات الٹ پلٹ کرنے لگے۔

''میں آپ سب سے رحم کی درخواست تو کر سکتی ہوں''۔اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

''عارف پسند نہیں ہے تمہیں؟''ان کے ذہن میں ایک خیال سرعت سے آیا تھا اور انہوں نے چونک

...ہو تھا۔

''...موش رہی۔

''ہاں خیر......اتنا تو ہم سمجھتے ہیں کہ علی جیسے کوالیفائیڈ بندے کے بعد عارف جیسا نوجوان جو ابھی تعلیم ...م کر رہا ہے تمہیں قابل قبول کیسے لگ سکتا ہے''۔

''...خود ہی ایک نتیجے پر پہنچ کر گویا ہوئے۔

''یہ بات بھی نہیں ہے خان!''اس کی آواز بمشکل نکلی۔

''پھر''۔وہ قدرے حیران نظر آئے۔

''خان۔میں نے خواب تو علی سے بھی اونچے بندے کے دیکھے تھے مگر پھر علی کے ساتھ بھی نباہنے لگی ...ب اگر اس سے کم مل رہا ہے تو کیا ہوا؟ میرے انکار کی وجہ یہ نہیں ہے''۔اس کی نگاہیں ہنوز جھکی ہوئی ...تھیں۔

تیمور علی خان کی گہری خاموشی طویل ہوتی چلی گئی۔

...کمرے کے سناٹے میں مطربہ کے جملے کے معنی شور مچانے لگے۔کہ مزید کسی گفتگو کی گنجائش نکلتی نظر نہ ...آتا۔

چند منٹ معنی کے شور میں گزرے۔تیمور علی خان نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔

''تمہاری آمد کا مقصد؟''ان کا انداز قدرے سخت و سنجیدہ تھا۔

''آپ کی یہاں بہت سنی جاتی ہے۔اماں جی اور بڑے خان آپ کی بات نہیں ٹالتے۔اگر آپ انہیں ...ہ گے کہ وہ میری شادی کا ذکر بھی نہ کریں تو وہ کبھی نہیں کریں گے۔اور پھر آپ کو کیا میں ایسے رہوں یا ...ے؟''اس کا لہجہ یکدم تلخ ہو گیا۔

''ہم سے کام بھی کرانا ہے اور ہم سے الجھتی بھی ہو۔بات کرنے کا سلیقہ سیکھو پہلے''۔وہ برہم ہو گئے۔ ...مگر ایسی برہمی جس میں سطحی پن تھا۔قطعی ناراضگی نہیں۔

''الجھ کہاں رہی ہوں خود پر اختیار نہیں رہتا۔دکھ بھی تو بڑھتے ہی جا رہے ہیں''۔اس کی آواز بھرا گئی۔

''تمہارے دکھ ہی تو کم کرنا چاہ رہے ہیں سب''۔تیمور علی خان نے بہت دھیمی آواز میں کہا۔

''اگر میں قسم کھا کر کہوں کہ دکھ بڑھا رہے ہیں تو پھر؟''وہ دوپٹے سے آنکھیں پونچھنے لگی۔

''تمہیں ابھی اپنے برے بھلے کا سینس نہیں ہے۔صرف جذباتی ہوا جب کوئی تمہیں ہر طرح کا سکھ دے ...تو سب کچھ بھول جاؤ گی۔یہی زندگی ہے''۔وہ لاپرواہی سے کہہ رہے تھے۔

''ایک بات کہوں۔آپ برا تو نہیں مانیں گے خان؟''وہ ہچکچائی۔

''ہوں......بولو۔پہلے تم نے ہمارے برا ماننے کی پرواہ کی ہے؟''

وہ ایک دم چوکس نظر آنے لگے (ان کے لحاظ سے تو بلا کی منہ پھٹ تھی)

''اگر آپ کی شادی زبردستی کر دی جائے جبکہ آپ کہیں اور شادی کرنا چاہ رہے ہوں تو کیا آپ سب کی بات مان لیں گے۔ اگر مان لیں گے تو آپ کے دل کا کیا حال ہوگا''۔

وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر مگر بے خوف انداز میں بول رہی تھی۔

تیمور علی خان کیلئے یہ حملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ ایک لمحے کو تو چکرا کر ہی رہ گئے۔ قلم سے ٹیبل کی سطح کھرچنے لگے۔

''تم کہاں کرنا چاہتی ہو؟'' انہوں نے جلد ہی اپنے مضبوط اعصاب ہونے کا ثبوت دیا۔ لہجے میں واضح ناراضگی جھلک رہی تھی۔

مطربہ نے ایک ثانیے کو ان کی سمت دیکھا۔ بہت خوبصورت سنہری پروں والا پرندہ۔ جو بہت بلندی پر اڑان بھرتا۔ اس کے دل کے قید خانے میں صرف اس کے حسن کی یادداشت محفوظ رہ سکتی تھی۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

''کہیں نہیں خان۔ کہیں بھی نہیں''۔ وہ بے ساختہ بول پڑی تھی۔

''ہم جانتے ہیں تمہارا دکھ تازہ ہے اور جب انسان بہت دکھی ہو یا بہت خوش ہو تو اس کا ذہنی توازن قائم نہیں رہتا۔ اور اس کے فیصلوں پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ فی الحال تم آرام کرو۔ دراصل باری کی وجہ سے تم ہمارے لئے پہلے سے کہیں زیادہ اہم ہو گئی ہو۔ ہم اس بچے کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں''۔

''وہ بچہ ہے تو کیا ہوا' سرداروں کی اولاد اور میں ٹھہری۔ ہونہہ۔ میں شادی نہیں کروں گی خان۔ آپ سن لیجئے''۔

''وہ تو تمہیں کرنا پڑے گا''۔ حد ہو گئی تھی۔ وہ ایک دم کھڑے ہو گئے۔ احساس توہین سے ان کا چہرا سرخ ہو رہا تھا۔

''اماں جی نے آپ کیلئے شیخ رفیع کی لڑکی پسند کی ہے' آپ وہاں شادی کر لیجیے۔ پھر جہاں آپ کہیں گے' میں چپ چاپ کر لوں گی۔ وعدہ''۔ وہ تلخی سے مسکرائی۔

''تیمور علی خان دم بخود سے اس کی صورت دیکھنے لگے۔

''تم علی کی بیوہ ہو' اس لئے برداشت کر رہے ہیں۔ مت دکھاؤ ہمیں اپنی کم ظرفی کے رنگ۔ ایک بے حیثیت لڑکی ہے ہم تمہاری ماں سے چند مربع کے عوض خرید بھی سکتے تھے۔ یہ صلہ ہے ہماری مہربانیوں کا''۔ وہ چیخ چیخ گئے۔

''ہم سے برابری کرنے چلی ہو۔ ہم یہ کریں تو تم وہ کرو گی۔ تم ہو کون؟ فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔ بلکہ ہماری طرف سے جہنم میں جاؤ۔ اور کبھی ہمارے سامنے نہ آنا۔ احسان فراموش۔ نان سینس'' د

(احسان کرتے تو سہی۔ آپ کے قدموں میں سر رکھ دیتے پھر کبھی نہ اٹھاتے)

ایک دھن دولت والا آدمی اپنے سے کمتر کے ساتھ جو بھی کرے وہ احسان۔ کاش کہیں یہ رسم بھی ہوتی کہ ... یہ پوچھ لیا جاتا کہ ظلم و احسان میں فرق کیا ہوتا ہے۔ جن پر احسان کیا گیا ہے اس کے دل کا کیا معاملہ ہے۔ یا احسان ... یہ بھی یا نہیں۔ اپنی دانست میں احسان کرنے والے کو مشورہ کس حکیم سے دیا تھا۔ نہیں آؤں گی میں آپ کے سامنے ... میں کبھی آپ کے سامنے ہی نہ آتی''۔

... چھپا کر روتی ہوئی پلٹ گئی۔ خرید ہی لیتے مربعوں کے عوض۔ آخری جملہ کیا تھا۔ بارود کا سلسلہ تھا۔ ... تنوں میں ...

... تنگ سرنگ میں دھماکے ہونے لگے تھے۔

... کہہ گئے تھے اس پر ساتھ ساتھ انہیں افسوس بھی ہوتا جا رہا تھا۔ مگر اس کی سکہ بند کم عقلی کی وجہ سے اس کی ... کے سامنے بند بھی باندھنا ضروری تھی۔

... سے زیادہ حیران پریشان تھے کہ آج وہ کیسے عجیب رنگ میں تھی۔ جیسے ہوش بھلائے ہوئے تھی۔

... منہ زور۔ گستاخ۔ نڈر و بے خوف۔ وہ اپنا کام جاری رکھنے کے قابل نہ رہے تھے۔

....

''یہاں بیٹھی ہے۔ لے بتا۔ سب ڈھونڈ رہے ہیں تجھے''۔ پٹوارن خالہ سولہ آنے کے ساتھ باغ کے انتہائی کونے میں ... ڈھونڈتی چلی آئی تھی۔

اس نے بڑی بے رحم سرد نگاہوں سے پٹوارن اور خالہ سولہ آنے کو دیکھا اور پاؤں کی انگلیوں سے کھیلنے لگی۔

''نیک بخت سلام کر''۔ خالہ سولہ آنے نے ٹوکا۔

''مت خوش کیا کرو خالہ! یہ جھوٹے نام رکھ کر۔ نام رکھنے سے کیا قسمت بدل جاتی ہے؟'' اس کا حرف حرف سلگ رہا ... سلام پھر بھی نہیں کیا تھا۔

''میں صدقے جاؤں۔ اللہ نے چاہا تو قسمت ضرور بدلے گی۔ یہ دھوپ چھاؤں کا کھیل تو سب ہی کے ساتھ ہے میری ...''۔ پٹوارن نے آگے بڑھ کر اس کا چہرا ہاتھوں میں تھام لیا اور پیشانی چوم لی۔

... ناگواری لاشمار شکنوں کی صورت اس کی پیشانی پر نمودار ہوئی مگر وہ خاموش رہی۔

''صبح سے میرا دل کر رہا تھا اپنی بیٹی کی صورت دیکھ کر آؤں۔ اب اتنی دیر سے تجھے ڈھونڈ رہے تھے۔ ہمیں کیا پتا تو یہاں ... ہے۔ چل اندر چل سب فکر میں بیٹھے ہیں کہ جانے کہاں گئی؟'' پٹوارن نے اس کا ہاتھ تھاما۔

''ہونہہ...... فکر...... سب کو بس فکریں ہی ہیں''۔ وہ ہاتھ چھڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''باری کہاں ہے؟'' اس نے خالہ کی طرف دیکھا۔

''وہ بڑے خان کے ساتھ گیا ہے''۔ خالہ نے بڑی کھوجتی نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔

''اچھا''۔ وہ کسی دھن میں چل پڑی۔ وہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے آ رہی تھیں۔

... باغ عبور کر کے وہ برآمدے میں آئیں تو یادر علی خان اور تیمور علی خان انہیں دروازے کے عین سامنے کھڑے باتیں ... گئے۔

''کہاں سے آ رہی ہیں آپ؟'' یادر علی خان نے قدرے حیرانی سے پٹوارن کی طرف دیکھا تھا۔

''یہیں باغ میں تھے۔ خان!'' خالہ نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

''یہ اکیلی بیٹھی جانے کون سے ہار پرو رہی تھی' اسے ڈھونڈنے گئے تھے''۔ وہ مزید گویا ہوئیں۔

"ہاں......اس کا خیال رکھنا چاہیے یہ بہت الگ تھلگ رہنے لگی ہے"۔ یاور علی خان نے ہمدردانہ نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"خیال رکھنے کی کوشش تو کر رہے ہیں۔ پٹوارن تو اسے بیٹی سمجھنے لگی ہے"۔ خالہ نے جواب دیا۔

"سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ یوں تو میں بھی جانے کیا کیا سمجھ لوں"۔ وہ یہ کہہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

وہ چاروں ایک لمحے کو خاموش سے ہو کر رہ گئے۔ اس کا گستاخانہ انداز یاور علی خان نے پہلی بار دیکھا تھا۔ انہوں نے ایک اچٹتی نگاہ بھائی پر ڈالی تھی۔

"ڈپریسڈ ہے"۔ تیمور علی خان نے بظاہر لاپرواہی سے کہا۔

"میرے خیال میں اماں جی کا فیصلہ درست ہے"۔ یاور علی خان نے پٹوارن کی طرف دیکھ کر جیسے کسی نتیجے پر پہنچ کر کہا۔

"ہمارا بھی یہی خیال ہے"۔ تیمور نے تائید کی۔

"ہمارا نال ہے آج نہیں"۔ تیمور علی خان کے انداز میں الجھن تھی۔

"جو کام آخر، نا ہی ہے اس میں پھر آج اور کل کیا؟" یاور علی خان نے حیرت سے کہا۔

"مسئلہ ہے۔ یاور بھائی! فی الحال یہ ذہنی طور پر تیار نہیں ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں ہر طرح سے بدلحاظ ہو گئی ہے۔ غصہ بہت آتا ہے مگر اس کے دکھ کا اندازہ کر کے برداشت کرنا پڑتا ہے۔

لیکن جلد تبدیلی اسے جلد تبدیل کر دے گی۔ یہ سب تو کچھ نہ ہونے تک ہے۔ یاور علی خان کیونکہ قطعی غیر جانبدار تھے اس لئے ان کا ذہنی رویہ بہت واضح تھا۔

"ہوں......تو کوشش کر دیکھیے"۔ تیمور نے گویا اتفاق کر لیا تھا۔

"میرا خیال ہے۔ اماں جی پیچھے دالان میں ہیں"۔ یاور علی خان نے اپنی شکل دیکھتی دونوں خواتین کو گویا احساس دلایا کہ انہیں یہاں سے اب چلے جانا چاہیے۔

وہ دونوں فوراً وہاں سے آگے بڑھ گئیں۔

پٹوارن تو یاور علی خان کی صورت اتنے انہماک سے دیکھ رہی تھی کہ گویا وہ ہی دن تاریخ دیں گے۔

"ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے تیمور؟" یاور علی خان نے گفتگو کا سلسلہ جوڑا۔

....

روپا دیوی، تیمور علی خان کے کمرے میں یہ پیغام لے کر آئی تھی کہ اماں جی نے فوراً بلایا ہے۔

وہ چونک پڑے تھے۔ جب انسان خود اپنے اندر بڑے دھماکہ خیز راز لئے پھر رہا ہو تو ہر ہر بات پر چونک پڑتا ہے کہ کہیں کسی کو بھنک تو نہیں پڑ گئی۔ وہ بھی بڑی الجھی الجھی کیفیت میں ماں کی طرف آئے تھے۔

لیکن کمرے میں پہنچتے ہی انہوں نے گہرا سانس سینے سے خارج کیا۔ سامنے ہی مطربہ بیٹھی تھی اور دوپٹے سے اپنے آنسو صاف کر رہی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ معاملہ کیا ہے۔

"جی......اماں جی......اس وقت کیسے یاد کیا؟" انہوں نے متفکرانہ انداز میں نگاہ مطربہ پر ڈالی تھی۔

"آؤ......بیٹا......ایک بات ہے۔ میں چاہتی ہوں تمہارے بابا صاحب تک نہ پہنچے۔ اسی کمرے میں نمٹ جائے"۔

...پریشان نظر آ رہی تھیں۔

"خیریت"۔ انہوں نے بغور ماں کا چہرا دیکھا۔

"اسے سمجھاؤ۔ قسمت ہمیشہ ساتھ نہیں دیتی۔ ایک ہی بچہ ہے۔ اپنی ماں کا اور پٹوارن بھی بہت سیدھی سادھی ہے۔ دن صدقے تو ہو رہی ہے اس پر۔ لڑکا بھی بخوشی راضی ہے۔ مگر یہ نہیں مان رہی۔ روئے چلی جا رہی ہے۔ اور مجھ سے کسی کا رونا نہیں دیکھا جاتا۔ بہت بے وقوف ہے یہ"۔

اماں جی نے انہیں بلانے کی وجہ تفصیل سے بیان کی۔

"بے وقوف تو ہے یہ اس میں کوئی شک نہیں۔ آپ اس کے انکار اقرار پر نہ جائیں اور کوئی مناسب تاریخ سیٹ کر لیں۔ بعد میں ٹھیک ہو جائے گا سب"۔

"ٹھیک ہے پھر اماں جی! مجھے سمجھ آ گئی ہے۔ میں ایک غلام زادی ہوں۔ مجھے اپنی اوقات پہچان لینا چاہیے تھی۔ مگر آپ لوگوں کے رویئے نے مجھے اپنی اوقات بھلا دی تھی۔ علی کی موت کے بعد گورنمنٹ نے جو پیسہ دیا ہے۔ وہ میں آپ لوگوں کے حوالے کرتی ہوں۔ اسے میری آزادی کی قیمت سمجھیں یا کچھ اور۔ بس مجھے اجازت دیں"۔

وہ چادر سنبھال کر آنکھیں پونچھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ نے مجھے بہت پیار دیا۔ میں کبھی نہ بھول پاؤں گی"۔

"کیا مطلب؟" اماں جی ہکا بکا اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

"مطلب یہ کہ حویلی میں میرا دانہ پانی اتنا ہی تھا"۔ اس نے قدم بڑھا دیئے۔

"ایک قدم آگے بڑھایا تو ٹانگیں توڑ دوں گی تیری، آئی کہیں سے پیسے والی"۔ اماں جی سچ مچ غضبناک ہو گئیں۔

"اپنا اچھا برا نہیں پہچانتی پتھر پڑے ہیں عقل پر۔ چل بیٹھ یہاں"۔ انہوں نے ڈانٹا۔

"اماں جی! آپ سب اب جو کام مجھ سے لے رہے ہیں۔ وہ میری طاقت، ہمت سے بہت زیادہ ہے۔ مجھ میں طاقت نہیں ہے اماں جی۔ میں اندر سے بالکل ختم ہو چکی ہوں"۔ وہ اماں جی کے پیروں پر جھک کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"بھلا اس میں طاقت ہمت کی کیا بات۔ گھر بس جائے گا تیرا۔ ٹھکانے لگے گی"۔

وہ بری طرح روئی تو اماں جی کا دل پگھل پگھل گیا۔ انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"تیمور۔ بیٹے اسے سمجھاؤ"۔

"انہیں میرے معاملے میں مت ڈالیے بلکہ انہیں کہیے یہ جتنی جلد ہو سکے۔ شیخ رفیع کی لڑکی سے شادی کر لیں۔ آپ کو ننھی بہو کا بھی تو بہت ارمان ہے"۔ وہ چیخ پڑی۔

اماں جی تو ایک لمحے کو چکرا کر رہ گئیں۔ بھلا اس وقت شیخ رفیع کی لڑکی کا ذکر کیا معنی جبکہ یہاں تو مقدمہ ہی اور ہے۔

''اماں جی! اس سے کہیے کہ ہمارے ذاتی معاملات میں مداخلت نہ کرے''۔ تیمور علی خان کا پارہ چڑھنے لگا۔

''ارے یوں نہ کہو' اسے بھی تو اپنے چھوٹے خان کے بیاہ کا ارمان ہوگا۔ اس لئے کہہ رہی ہے۔ میں نے شیخ رفیق لڑکی یونہی تو پسند نہیں کر لی۔ صورت' سیرت' تعلیم ہر طرح نازنین سے میل کھاتی ہے بلکہ وہ تو ناز سے زیادہ پڑھی ہوئی ہے۔ بھلا کیوں انکار کرے گا۔ ابھی کہوں تو ابھی چل دے گا''۔

اماں جی کے لہجے میں بلا کا مان اور اعتماد تھا۔

''تو پھر ذرا کہہ کر دیکھیے''۔ وہ بیڈ کے کنارے پر ٹک کر استہزائیہ انداز میں گویا ہوئی۔

''لے بتا کہوں تو جب کہ مجھے شک ہو۔ تو اپنی بات کر''۔ وہ مسکرائیں۔

''گوٹو ہیل''۔ تیمور علی خان بھنا کر کھڑے ہو گئے''۔ ہمیں اس احمق کے معاملے میں مت ڈالیے اماں جی۔ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہم چلتے ہیں۔ آئندہ آپ اس سے متعلق کوئی بات ہم سے نہیں کیجیے گا''۔ انہوں نے قدم آگے بڑھا دیئے۔

''تیمور...... بیٹے ......اس نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی کہ تم برا مان گئے ہو''۔ سیدھی سادی اماں جی شش و پنج میں پڑ گئیں۔

''ہم نے کہا ناں اماں جی۔ ہماری طرف سے یہ جہنم میں جائے۔ بس آئندہ آپ اس کے معاملے میں ہم سے کوئی بات نہ کیجیے گا۔ بلکہ ہم آپ کو صحیح مشورہ دیں''۔ وہ بولتے بولتے رک گئے۔

''ہاں ہاں...... بولو''۔ وہ ہمہ تن گوش ہو گئیں۔

''آپ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں''۔ وہ بولے۔ آواز میں جھنجھلاہٹ تھی۔

''لو ایسے کیسے چھوڑ دوں۔ میں نے تو روپا دیوی تک کا بیاہ اپنے ہاتھوں کیا ہے''۔

''اچھا...... زیتون بانو...... جا تو آرام کر۔ باری کو دیکھ پھر بات کریں گے تجھ سے۔ آؤ تیمور۔ تم یہاں بیٹھو۔ ہمارے پاس''۔

انہوں نے جاتے ہوئے بیٹے کو بصد اصرار روکا۔ جو ان کے لہجے سے جھلک رہا تھا۔

تیمور' ماں کے قریب جا بیٹھے۔ وہ باہر نکل آئی۔ مگر جانے کیوں دل بہت اندیشہ مند سا تھا۔ وہ دروازے کے ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ آخر اس کی زندگی بھر کی بات تھی۔ اتنی حساس محتاط کیوں نہ ہوتی۔

''اماں جی! ہماری مانیں اتنے نخرے اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سیدھے سیدھے ان لوگوں کو بلائیں اور نکاح پڑھوا دیں۔ ایسی کون سی انٹلیکچوئل لڑکی ہے۔ جسے ایڈجسٹمنٹ میں مشکل ہوگی نہ ہی باشعور اور با اختیار ہے۔ اس طرح کا انسان بہت آسانی سے ہر رنگ میں ڈھل جاتا ہے۔ شروع شروع میں ذرا مشکل ہوتی ہے۔ آپ گھبرائیں نہیں...... بر...نہ کریں''۔

مطربہ کی روح اس کے وجود میں یوں پھڑپھڑاتی محسوس ہوئی جیسے خالی برتن میں چکراتی ہوئی۔ کوئی کھی۔

ان کے حواس کی ایک لہر اتنی باخبر' ہیجان خیز اور بے اختیاری تھی کہ اس نے شعور کے اس مقام سے استحصال' توہین اور بے حسی کا ادراک کیا جس مقام پر پاؤں دھرنے کا خیال عام حالات میں نہیں آتا تھا۔

دنیا ان کی' جاگیر ان کی' دل ان کا' خوشی ان کی' میرا اور ان کا خدا ایک ہی تو ہے۔

جب کوئی تقاضا نہیں۔

مطالبہ نہیں۔

خاموشی ہے' بے چارگی کے اعتراف کے ساتھ ایک کونہ منظور ہے تو انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ میں نئے سرے سے ٹانکا بنتا اور ادھڑتی جاؤں۔ ہر روز نئے سرے سے خود سے لڑوں؟ جبکہ مجھے دنیا سے کچھ طلب کرنے کی خواہش نہیں۔

اپنے دل کا اتنا خیال۔ ہر صورت جیت کر' خوش ہو کر' ایک ذرا دور ہیں تو اداس ہو جاتے ہیں۔ بھاوج کے دکھڑے روتے ہیں۔ جانے کی جلدی ہے۔

جتاتی ہوں تیمور علی خان تمہیں اچھی طرح' کر کے دیکھو میرے ساتھ زبردستی۔

وہ ان دیکھی آگ میں بھڑ بھڑ جلتی اپنے ٹھکانے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

....

''بندر کو ادرک ملی کہے میں پنساری''۔ خالہ سولہ آنے نے پان کا بٹوا نکال کر کھولا اور بڑبڑانے لگیں۔

''یوں نہ بول سولہ آنے۔ نئی نئی مصیبت ہے۔ زخم ہرے ہیں۔ بچی ہے۔ پھر مرد بھی وہ ملا تھا کہ اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا ہوگا۔ بہت دکھ ہے اسے''۔ اماں جی کے لہجے میں بہت افسوس تھا۔

''تو ہم بھی تو اس کے دکھ دور کرنے کے جتن کر رہے ہیں۔ اسے سنی چاہیے ہماری''۔ خالہ کا موڈ ہنوز آف تھا۔

''سمجھ جائیگی۔ ہمیں بھی اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ تو کیوں غصہ کرتی ہے۔ قسمت کا غصہ۔ اس پر کم ہے؟ اور دکھی ہوگی۔ اکیلی محسوس کرے گی۔ اب کچھ نہ کہنا اسے۔ میں سمجھا لوں گی''۔ اماں جی کے انداز میں بلا کا ٹھہراؤ تھا۔

''باری سنو گے نہیں؟ ٹھہرو ابھی بتاتی ہوں''۔ باری بھاگتا ہوا دالان میں آیا تھا اور مطربہ ایک کرتا ہاتھ میں پکڑے پیچھے پیچھے تھی۔ باری نے پائجامہ اور بنیان پہنا ہوا تھا۔ اور شرارت کے موڈ میں تھا۔

''دیکھنا ڈنڈے سے پٹائی کروں گی...... اماں جی دیکھ رہی ہیں آپ؟''

''باری بیٹے...... کیوں تنگ کر رہے ہو ماں کو۔ آ میرے بچے میں پہناؤں تجھے کرتا''۔ اماں جی مسکرا رہی تھیں۔

وہ بھاگتا ہوا اماں جی کی آغوش میں دبک گیا۔ ''میں ممیں پینوں دا یہ۔ کاکا جان والا سوٹ پینوں دا''۔ وہ کہہ رہا تھا۔

اماں جی نے اسے بانہوں میں بھر لیا اور اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

''میرے چاند اتنے بڑے کپڑے تجھے نہیں آئینگے۔ میں سلوا دوں گی کاکا جان جیسا سوٹ...... لا زیتون بانو مجھے دے کرتا۔ میں اپنے بچے کو خود پہناؤں گی۔ میرا لال اپنی اماں جی کا کہنا مانے گا ناں۔

''تیرے بڑے خان سے کہوں گی' وہ ابھی تیرا سوٹ لے آئیں گے اور گھوڑے کی سیر بھی کرائیں گے''۔

اماں جی نے اسے باتوں میں لگا کر کرتا پہنا دیا۔

''اماں جی! میں کاکا جان جیسی بلی والی (بڑی والی) رائفل بھی لوں دا''۔ اس نے منہ بسورا۔

''ہاں ہاں...... تجھے رائفل بھی لا کر دیں گے''۔

''اور میں کاکا جان والے شوزی (شوز) بھی لوں دا''۔

''لو بتاؤ...... تیرے کاکا جان کی تو دلہن بھی آنے والی ہے۔ تو تو کہے گا کہ میں بھی ایسی دلہن لوں گا''۔ خالہ سولہ آنے ہنس ہنس کر لوٹنے لگیں۔

اماں جی بھی مسکرانے لگیں۔

اسی دم تیمور علی خان ماں کو تلاش کرتے ہوئے دالان میں چلے آئے۔

''ماشاء اللہ اتنے مرد ہیں حویلی میں۔ مگر جب نام لے گا کاکا جان کا''۔ خالہ نے تیمور علی خان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''کیا ہو رہا ہے پارٹنر؟'' تیمور علی خان نے باری کا رخسار چھوا۔

''تنگ کر رہا ہے ماں کو۔ کپڑے نہیں بدل رہا تھا کہ کاکا جان جیسا سوٹ پہنوں گا''۔ اماں جی نے بتایا۔

''ارے ہم ضرور بنوائیں گے اپنی جان کے سوٹ۔ ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔ تمہارا باپ تمہارے لئے بہت کچھ چھوڑ کر گیا ہے۔ عیش کرو پارٹنر''۔

''تیمور علی خان نے اس کا سر تھپتھپایا۔ اور ایک اچٹتی ہوئی نظر کھڑی مطربہ پر ڈالی۔

''اماں جی! آپ فوراً اس کی پسند کے کپڑے سلوائیں''۔

''بیٹے! بچوں کو بہلایا کرتے ہیں۔ ہر ضد پوری نہیں کرتے۔ آگے مشکل ہو جاتی ہے۔ کل تمہارے اپنے بچے ہوں گے تو اتنی توجہ اس پر دے سکو گے؟''

''اگر ایسی بات ہے تو یہ ہمارا پہلا بچہ ہوگا۔ اماں جی ہماری اتنی گہری دوستی کبھی کسی سے نہیں ہوئی۔ اس دوستی میں بھی اس کے باپ ہی کا زیادہ حصہ ہے۔ ہر طرح کے عیب ہنر نباہنے کی ساری ہی ادائیں تھی''۔

''چلو باری...... باہر چلتے ہیں''۔ انہوں نے اپنی اداسی پر فوراً بشاشت کا پردہ ڈالا۔

''اسے کہاں لے جاؤ گے؟''

''کچہری جا رہے ہیں ہم بابا صاحب کے ساتھ۔ ہم تو پھر وہاں سے شہر چلے جائینگے۔ یہ بابا صاحب کے ساتھ واپس آ جائیگا۔ چلو پارٹنر''۔

باری فوراً تخت سے نیچے اتر آیا۔

''کاکا جان امی بھی''۔ اس نے مطربہ کی طرف دیکھا جو اپنی کالی چادر درست کر رہی تھی۔

''نہیں...... جان...... وہاں امی نہیں جاتیں''۔

''امی کہاں جاتی ہیں؟'' اس کی نگاہوں میں معصوم سی حیرت تھی۔

''امی گھر پر رہتی ہیں''۔ وہ دھیرے سے گویا ہوئے۔

''باہر پولیس پکڑ لیتی ہے؟'' اس نے تعجب سے سر اٹھا کر تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

''پکڑا تو تھا ایک پولیس والے نے تیری ماں کو...... آہ...... ہا......''۔ خالہ سولہ آنے نے ٹھنڈی سانس لے کر بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔

ماحول پر یکلخت سکوت طاری ہو گیا۔

باری نے خوفزدہ ہو کر مطربہ کی طرف دیکھا تھا۔ وہ خالہ کی بات سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔

تیمور علی خان نے باری کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں تھام لیا۔ ''آؤ بیٹے۔ خالہ! بچوں کے سامنے اس طرح کی باتیں نہیں کرتے''۔ وہ بہت آہستگی سے کہہ کر آگے بڑھ گئے۔

''امی...... آپ یہیں رہیں۔ میں آپ کیلئے چاکلیٹ اور آئس کریم لے کر آؤں گا''۔

اس کے حساب سے اس کی ماں باہر نہ جانے پر نہایت غمگین تھی اور اسے تسلی دے رہا تھا۔

بہت بزرگانہ، سنجیدہ اور بردبار انداز تھا۔ مطربہ اس معصومانہ محبت کی ادا پر اندر سے بکھر کر رہ گئی۔

اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

''کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ اس بچے کی سوتیلی ماں ہے۔ کتنا پیار کرتا ہے اس سے۔ حویلی میں گھستے ہی اسے ڈھونڈتا ہے''۔

خالہ نے اماں جی سے اس انداز میں کہا گویا وہ ان تمام باتوں سے بے خبر ہوں۔ مطربہ نے اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

''کہاں چل پڑی...... ادھر آ میرے پاس بیٹھ جایا کر۔ نہ جانے کہاں گم رہتی ہے''۔ خالہ نے ٹوکا۔

''کسی کے پاس بھی بیٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔ ایک ہی بات رہ گئی ہے سب کے پاس''۔ وہ بیزاری سے بولی۔

''یہ تیرے بھلے نصیب ہیں کہ سب کو تیری فکر ہے۔ کون کرتا ہے ورنہ اتنی پرواہ''۔ خالہ نے بہت ناراضگی سے کہا تھا۔

''بھلے نصیب ہوتے تو''۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''اچھا چل...... ادھر آ کر بیٹھ...... نہیں کریں گے ہم وہ باتیں جو تجھے بری لگ رہی ہیں''۔ اماں جی کا انداز صلح کن تھا۔

وہ آہستگی سے چلتی ہوئی آئی اور اماں جی کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

''کتنی کمزور ہو گئی ہے۔ اچھی طرح وقت سے کھایا پیا کر''۔ اماں جی نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

اسی دم نازنین دالان میں بڑی تیز رفتاری سے آئیں۔

''پتا نہیں سب ملازم کہاں چلے گئے۔ تیمور کہاں ہیں؟ اپنے کمرے میں بھی نہیں ہیں۔ ان کا فون آیا ہے''۔ وہ خاصی پریشان نظر آ رہی تھی۔

''وہ تو اپنے باپ کے ساتھ کچہری گیا ہے۔ کس کا فون ہے؟'' اماں جی نے بہو کی شکل سرسری دیکھ کر جواب دیا۔

''اماں جی! خان کے کسی دوست کا ہوگا اور کس کا ہوگا''۔ خالہ سولہ آنے نے بے نیازی سے کہا۔

''ہاں تو کہہ دو کام سے گیا ہے''۔

''کب تک آنے کا کہا ہے؟'' نازنین کی فکرمندی چھپائے نہ چھپی۔

مطربہ نے چونک کران کا چہرا دیکھنے کی کوشش کی۔

''لندن سے آیا ہوگا''۔اس نے سرد لہجے میں ٹکڑا لگایا۔

اس بار نازنین نے چونک کراس کی سمت دیکھا تھا۔(اسے کیسے پتا؟)

''لندن سے''۔اماں جی نے ہول کر پوچھا تھا۔

''نہیں......اماں جی......لندن سے نہیں ہے''۔وہ عجلت میں کہتی ہوئی باہر چلی گئیں۔ظاہر ہے دوسری طرف کوئی منتظر تھا۔

''ہونہہ......چھوٹی دلہن آپ کے تو چہرے پر لکھا ہے کہ فون لندن سے آیا ہے۔اور یقیناً بیگم صاحبہ کا ہوگا''۔

اس کے اندر الاؤ بھڑکنے لگے۔آنکھوں سے تپش آنے لگی۔

....

وہ ہال کی صفائی کی غرض سے جھاڑن ہاتھ میں لئے اندر آئی تھی مگر ٹھٹھک کر رک گئی تھی۔تیمور علی خان نہایت روانی سے انگریزی میں فون پر بات کر رہے تھے۔اس کی آمد کا انہوں نے کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔انگریزی یوں بھی اس کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔مگران کا رازدارانہ اپنائیت بھرا انداز چغلی کھا رہا تھا کہ وہ کس سے مخاطب ہیں۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ کسی کے کان میں سرگوشی کر رہے ہوں۔عجیب سے رنگ ان کے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔جو اس کیلئے بالکل نئے تھے۔

یہ چہرا جو کئی بار خواب میں اسے اپنے قلب میں جگمگاتا نظر آیا تھا۔ہوش کی دنیا میں انہی رنگوں کے ساتھ کہیں اور متوجہ تھا۔

وہ بے خبری کیفیت میں انہیں دیکھتی رہی۔

''وہ بھئی کیا نام ہے۔کیسے۔کھڑی ہو؟''

وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر سرد لہجے میں مخاطب ہوئے۔

وہ چونک پڑی۔''کام کر رہی ہوں خان۔آپ فکر نہ کریں میرے انگریزی سمجھ میں نہیں آتی''۔

وہ طنزیہ مسکرا کر ڈیکوریشن پیس پر کپڑا پھیرنے لگی۔

''جانے کیوں تیمور علی خان بھنا کر رہ گئے۔مگر کچھ مزید بولے بغیر دوبارہ فون میں مصروف ہو گئے۔

''نو......نو......ڈارلنگ......ڈزن میٹر......کنٹی نیو پلیز۔ہوں۔ہوں۔یس''۔

''دل کسی گڑھے میں پھنسا تھا۔اس نے چادر درست کی اور کام ادھورا چھوڑ کر باہر آ گئی۔

''مطربہ......تیمور کو دیکھا ہے کہیں؟'' سامنے ہی اسے یاور علی خان مل گئے۔بہت زبردست سوٹنگ کر رکھی تھی۔

''خان ہال میں ہیں۔لندن بات کر رہے ہیں''۔وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

''اوکے......وہ دیکھو ایک کپ چائے میرے کمرے میں بھجوا دو۔ذرا جلدی''۔

وہ زینے کے قریب کھڑے تھے۔جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اوپر سے آرہے ہیں۔

''جی......خان''۔وہ جھاڑن ایک طرف ٹکا کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔وہ خود چائے تیار کرنا چاہ رہی تھی۔

ماما بلی نے اس سے بہت سی باتیں کیں مگر اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔جانے ذہن کہاں اڑا پھر رہا تھا۔

ایک خوبصورت مرد کے ساتھ شادی شدہ زندگی گزارنے کے بعد وہ اس طلسمی لب و لہجے سے خوب آشنائی رکھتی تھی۔

زبانوں کے زیر بم اس پر کھل چکے تھے۔ایک عجیب سا ملال اس پر طاری تھا۔اس نے بہت اہتمام سے چائے بنائی تھی۔اسے پتا تھا یاور علی خان چائے میں کوکو بہت پسند کرتے ہیں۔

اس نے تھوڑے میں کوکو ملا کر ٹی کوزی ٹی پاٹ میں ڈھانپ دی تھی۔اور ان کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

یاور علی خان صوفے پر بیٹھے کوئی فائل دیکھ رہے تھے۔وہ کارپٹ پر بیٹھ کر چائے بنانے لگی۔

''چھوٹی دلہن کیا بازار گئی ہوئی ہیں خان؟''

آں......ہاں......شاید......پتا نہیں''۔وہ اپنی مصروفیت کے دوران قدرے چونکے۔

''آپ کو نہیں پتا؟'' وہ تعجب سے مسکرائی۔

''وہ خود حویلی میں بہت مصروف رہتی ہیں۔پتا ہے''۔وہ اسی انداز میں گویا ہوئے۔

''جی آپ کے ساتھ تو وہ کم ہی نظر آتی ہیں۔میرے خیال میں تیمور علی خاناں سے ان کا مزاج زیادہ ملتا ہے۔اسی لئے بس انہی کے ساتھ رہتی ہیں''۔

وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ ان سے مخاطب تھی۔

''ہوں......یہ تو ہے''۔انہوں نے اسی مصروف انداز میں تائید کی۔

''ایک دن کہہ رہی تھیں کہ تیمور خاناں اس گھر میں نہ ہوتے تو حویلی میں رہنے کا کوئی مزا نہ ہوتا۔وہ پڑھے لکھے زیادہ ہیں اور باتیں بھی بہت اچھی کرتے ہیں۔پھر بولیں۔کاش حویلی کے سب مرد تیمور خاناں جیسے ہوتے''۔

اس نے چائے کا کپ یاور علی خان کے سامنے رکھتے ہوئے سادگی سے بتایا۔

''ہوں''۔یاور علی خان کے انہماک میں کوئی کمی نہیں آئی۔

''اماں جی سے کہہ رہی تھیں کہ یاور تو بس بزرگ بنے رہتے ہیں۔ہر وقت کتابیں اور فائلیں''۔

روپا دیوی کہنے لگی کہ ''اگر ان کی شادی تیمور خان سے ہو جاتی تو جوڑا بہت سیٹ بنتا''۔

''شٹ اپ......واٹ اے نان سینس''۔یاور علی خان نے فائل صوبے پر پٹخ دی۔''اتنی بڑی ہو چکی ہو تمہیں ابھی تک بات کرنے کی سینس نہیں ہے کہ کس سے کس طرح کی بات کرنا چاہیے۔

اس روپا دیوی کو بھیجنا ادھر' کرتا ہوں اس کا بھی دماغ سیٹ''۔یاور علی خان یکدم غضبناک ہو گئے تھے۔''ان نوکروں کی اتنی ہمت''۔

حیرت کی بات تھی کہ ان کے غصے کا اس پر کوئی اثر نہیں تھا۔ایسی سکون کی کیفیت میں تھی جیسے کوئی بات ہی نہیں تھی۔

"جاؤ تم یہاں سے۔ ہری اپ"۔ وہ اسی آف موڈ میں کہہ رہے تھے۔

"خان...... حویلی کے سارے نوکر سب سے زیادہ آپ سے پیار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ ادھر بہت کم ہوتے ہیں۔ نوکروں کو بہت کم بلاتے ہیں۔ کسی کو کچھ نہیں کہتے"۔ وہ اٹھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اچھا بس جاؤ"۔

"خان آپ غصہ نہ ہوں۔ مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے۔ ہم آپ کے دشمن نہیں ہیں کہ آپ کو مفت میں پریشان کریں۔ بھلے آپ تیمور خان سے پوچھ لیں۔ وہ کبھی بھی شیخ رفیع کی لڑکی سے شادی نہیں کریں گے۔ بلکہ آپ لوگ اگر انہیں کہیں کہ وہ پاکستان کے بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر لیں تب بھی نہیں کریں گے"۔ وہ یہ کہہ کر رکی نہیں بلکہ تیزی سے باہر نکل آئی۔

"ایبسولوٹلی ال لٹریری گرل۔ اتنا بھی نہیں پتا۔ پاکستان میں بادشاہت نہیں"۔ انہوں نے جھلا کر کاغذات سمیٹنا شروع کر دیئے۔

....

ہال کمرے میں عجیب شور و غل مچا ہوا تھا۔ روشن آرا بچوں کے ساتھ آئی ہوئی تھیں۔ پشاور سے بھی اماں جی کے میکے سے مہمان آئے ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے گھر میں غیر معمولی چہل پہل تھی۔ کچن میں بھی خاص اہتمام تھا۔ عالم تاب اور اماں جی گاہے بگاہے کچن میں بھی چکر لگا لیتی تھیں۔ یاور علی خان شہر سے آئے تو بہن کی آمد کا سن کر سیدھے ہال میں ہی چلے آئے تھے۔

نازنین...... اماں جی کے دوپٹے پر کروشیے کی بیل بنا رہی تھیں اور جملے بازی بھی چل رہی تھی۔

"یہ تیمور پتھے پر ہاتھ ہی دھرنے نہیں دے رہا۔ اب تم بہنیں بھاوجیں مل کر اسے گھیرو۔ شیخ رفیع کے گھر والے بھی کئی بار جتا چکے ہیں کہ ان کی لڑکی کے بہت پیام آ چکے ہیں۔ وہ لوگ جلد کوئی فیصلہ کرنا چاہ رہے ہیں"۔ اماں جی نے روشن آرا سے کہا تھا۔

"ارے چھوڑیں اماں جی۔ ایک منٹ میں سمجھالیں گے انہیں۔ فکر ہی نہ کریں۔ مگر وہ ہیں کہاں؟ بلوائیں انہیں پھر دیکھیں کیسا تماشا دکھاتے ہیں آپ کو ابھی"۔

روشن آرا کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

"ارے روپا دیوی۔ دیکھنا تیرے چھوٹے خان کدھر ہیں؟ کہنا گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں"۔

اماں جی نے روپا دیوی کو برتن اٹھا کر باہر جاتے دیکھا تو ساتھ ہی نیا کام بتا دیا۔

"ان کے انداز کچھ اور کہہ رہے ہیں' بلاوجہ محنت کر رہے ہیں آپ لوگ"۔ نازنین نے دھاگے کا لڑھکتا ہوا گولہ سنبھال کر ٹکڑا لگایا۔

یاور علی خان نے لاشعوری طور پر نگاہ ایک لمحے کو نازنین کے چہرے پر جما دی تھی۔

"ارے یوں نہ کہو' اماں جی کی تو جان اٹکی ہوئی ہے شیخ رفیع کی لڑکی میں"۔ عالم تاب نے ٹوکا۔

"تم سے کچھ کہا ہے اس نے؟" اماں جی پریشان ہو گئی تھیں۔

"کہتے تو وہ کسی سے کچھ نہیں ہیں۔ آپ خیر ان سے بات کر لیں"۔

نازنین کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ تھی۔ یاور علی خان کی نظریں مسلسل اسے فوکس کیے ہوئے تھیں۔

تھوڑی دیر بعد تیمور علی خان اندر داخل ہوئے۔ بہت دلکش انداز میں انہوں نے حاضرین کو...... السلام علیکم کہا تھا۔

"آؤ...... آؤ...... تیمور کہاں ہو تم۔ مہمان کب سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں"۔

عالم تاب نے ہمیشہ کی طرح بہت محبت و شفقت سے انہیں مخاطب کیا۔

"سیدھی سیدھی بات کریں بھابی بیگم ان سے۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں"۔ روشن آرا نے بھاوج میں اکساہٹ پیدا کی۔

"ہیں۔ کون سی بات؟" تیمور ماں کے پہلو میں بیٹھ کر کچھ حیران نظر آئے۔

"آپ کی منگنی کی رسم ادا کرنے اکٹھے ہوئے ہیں یہ سب۔ بس چلنے کا عالم ہے۔ اب تو آپ بھی کچھ اچھی سوسونگ کر لیجئے"۔

یاور علی خان بغور بھائی کی شکل دیکھتے ہوئے بظاہر مسکرا رہے تھے۔

"منگنی!" تیمور علی خان کو گویا شاک لگا تھا "وہاٹ"۔

"کیوں اس میں حیرت کی کیا بات ہے کیا لوگوں کی منگنیاں' میرا مطلب ہے منگنی نہیں ہوتی"۔ یاور علی خان نے جوابی حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"پلیز...... ٹاپک چینج کریں۔ بالکل بھی اچھا ٹاپک نہیں ہے"۔ تیمور علی خان کے لہجے میں بلا کی لاپرواہی تھی جیسے انہیں درحقیقت اس قسم کے موضوع سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

"تو اسی ٹاپک کیلئے تو اسپیشلی آپ کو یہاں بلوایا گیا ہے"۔ نازنین کے چہرے پر شرارت کھیل رہی تھی۔

تیمور علی خان کے چہرے سے یکدم سنجیدگی جھلکنے لگی۔

"سوری...... فی الحال ہم اس ٹاپک پر بات کرنا پسند نہیں کریں گے۔ کوئی اور بات کریں آپ لوگ"۔ وہ غیر معمولی سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔

"واہ...... کیوں اور بات کریں۔ ہم نے تمہیں یہاں بلوایا ہی اسی لئے ہے کہ تمہیں بتائیں کہ کل ہم سب شیخ رفیع کے ہاں جا رہے ہیں۔ اور بس"۔ اماں جی کا انداز قطعی فیصلہ کن تھا۔

"ہرگز نہیں...... فی الحال ہم لندن واپس جا رہے ہیں۔ ہمارا شادی منگنی کا دور دور تک پروگرام نہیں۔ آخری بات کے طور پر اماں جی آپ سے عرض کر رہے ہیں۔ آپ کے ملنے والوں میں کہیں کوئی لڑکی ایسی نہیں جس سے ہم شادی منگنی کریں۔ پلیز"۔

"خوبصورت ہے۔ نازنین جیسی انگریزی بولتی ہے۔ بڑے خاندان کی ہے اور کون پسند آئیگی۔ کون سے سرخاب کے پر لگے ہوں گے اس میں؟"

اماں جی کا خواب چکنا چور کیا ہوا' صدمے سے ان کا لہجہ تھرتھرانے لگا۔ انہیں جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

یاور علی خان کی سوئی نازنین جیسی پر اٹکی ہوئی تھی۔ حالانکہ کوئی بات بھی تو نہیں تھی۔ اس سے پہلے ہزار مرتبہ اس طرح کی بات ہوئی تھی۔ مگر وہ آج بات بات پر چونک رہے تھے۔ انہوں نے وہ گھڑیاں انگلیوں پر گن ڈالی تھیں۔ جو نازنین کی ان کے ساتھ گزری تھیں۔ اور وہ بھی جو نازنین کی تیمور کے ساتھ گزری تھیں۔ انہیں ازسرنو ہر واقعہ یاد آ رہا تھا۔ جب نازنین ان کے گھر میں موجود ہونے کے باوجود تیمور کے ساتھ بیٹھی باتیں کرتی ملتی تھی۔ مطربہ...... اس نے زندگی میں کوئی فالتو بات نہیں کی ہوگی۔ کم از کم ان سے تو ہرگز بھی نہیں۔ اتنی ڈرپوک' بزدل لڑکی۔ اتنی بڑی بات بلاوجہ کیسے منہ سے نکال سکتی ہے جبکہ اس کی واحد جائے پناہ یہ حویلی ہے۔

''اچھا تو یہ شرط ہے کیا کہ تمہاری دلہن بالکل چھوٹی بھابی جیسی ہونا چاہیے''۔ روشن آرا نے استفسار کیا۔

''ان کے جیسی تو شاید ہی کوئی ہو۔ مشرق کا نادر نمونہ۔ جب دس سیر وزنی کام کا سوٹ پہن کر انگریزی میں بات کرتی ہیں تو بس دیکھنے والی چیز ہوتی ہیں''۔

تیمور علی خان نے اپنے مزاج کے مطابق بہت کھل کر اپنے تاثرات بیان کیے۔

سب خواتین کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں۔ ''میرے خدا دس سیر وزنی کام کا سوٹ''۔ عالم تاب کی بھاوج شفیقہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ رہی تھیں۔

''آپ کوئی تبصرہ نہیں کریں گے یاور بھائی! آپ کی بیگم کی تعریف میں زمین آسمان ایک ہو رہے ہیں''۔ روشن آرا نے سوچ میں گم یاور علی خان کو چونکایا۔

''ایسا تو بہت عرصے سے ہو رہا ہے۔ شاید ہم لوگوں نے دھیان نہیں دیا''۔

''ہماری چھوڑیئے اپنی کہیے۔ آپ نے واقعی نہیں دیا ہوگا۔ آپ کو اپنی کتابوں سے فرصت کہاں۔ کتابیں سامنے ہوں تو آپ بندوں سے گزر جاتے ہیں''۔

روشن آرا نے تنقید کی۔ یاور علی خان کا جملہ درمیان ہی میں کٹ گیا تھا۔

''واہ آپا...... کیا شاعرانہ وزن میں جملہ کہا ہے''۔ تیمور علی خان نے بے ساختہ داد دی۔

''اچھا...... تم باتیں نہ بناؤ۔ نہ ہمیں چلاؤ۔ سیدھی بات کرو۔ کیوں منع کر رہے ہو۔ کیوں نہیں کرنا چاہتے شادی''۔ اماں جی پر درمیان میں در آنے والی جملے بازی کا کوئی اثر نہیں تھا۔ ان کا ذہن ہنوز ایک نقطے پر اٹکا ہوا تھا۔

''کہہ تو دیا ہے اماں جی۔ ابھی نہیں کر رہے ہم شادی۔ جب کرنا ہوگی' ہم خود کہہ دیں گے''۔

''پھر کب کرو گے۔ اچھی لڑکیاں اتنی آسانی سے بھی نہیں ملتیں۔ اپنی بہنوں بھاوجوں سے پوچھ لو۔ دیکھی ہوئی ہے انہوں نے۔ کیوں ناز؟'' انہوں نے محسوس کیا کہ سب سے مضبوط گواہی نازنین کی ہو سکتی ہے۔

''یاور علی خان نے فوراً نازنین کی سمت دیکھا۔ وہ خاموش تھیں اور یاور علی خان کو اس کی خاموشی پر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔

''ہمارا دور دور تک شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ سوری۔ اگین''۔ انہوں نے اس مرتبہ پھر دوٹوک انداز اختیار کیا۔

''اماں جی...... یہ لندن جا کر قابو سے باہر ہو گئے ہیں۔ بگڑ گئے ہیں''۔ عالم تاب کی چھوٹی بھاوج سائرہ نے تصویر کا رخ بدلنے کی کوشش کی۔

(یہ بھی تو ہو سکتا ہے) یاور علی خان چونک کر بھائی کا چہرا بغور دیکھنے لگے۔

''آپ لوگ جو مرضی کہیں مگر شادی کا نام نہ لیں''۔ ان کا موڈ آف ہونے لگا تھا۔

''تیمور...... یوں نہ کر میرے بچے۔ بڑی خوشی ہے یہ میری۔ ایسے نہیں کرتے بیٹے''۔

اماں جی کی آواز میں صدمے کی کیفیت محسوس کی جا سکتی تھی۔

''اماں جی ہو جائیں گی آپ کی خوشیاں پوری۔ فی الحال میری خوشی کی خاطر یہ معاملہ ختم کر دیں''۔ وہ بیزار کن لہجے میں گویا ہوئے۔

''ختم کر دیں''۔ اماں جی سناٹے میں رہ گئیں۔

''جی''۔ تیمور علی خان کے انداز میں غصہ و جھلاہٹ واضح تھی۔ یاور علی خان بہت جانچتی نظروں سے بھائی کو دیکھ رہے تھے۔

''چلو ٹھیک ہے۔ فی الحال معاملہ تو موخر کر دیتے ہیں۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد تو کرو گے ناں شادی؟ یہ انکار ہمیشہ کیلئے تو نہیں ہے؟''

انہوں نے بہت رسانیت سے تیمور علی خان سے سوال کیا۔

''ماشاءاللہ ہم اتنے بہن بھائی ہیں۔ سب ہی کی شادیاں ہو چکی ہیں اور دھوم دھام سے ہوئی ہیں۔ ہم نہ کریں تو کیا کمی ہے۔ شادی تو انسان کی اپنی ذات کیلئے ہوتی ہے۔ جب ہمارا موڈ ہی نہیں ہے تو پھر مسئلہ کیا ہے؟''

بہت ہی پیچیدہ و عجیب و غریب جواب تھا۔

''شادی کا موڈ سے کیا تعلق ہے؟ ماں باپ کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ وقت پر اپنے بچوں کے نکاح کا بندوبست کریں''۔

اماں جی کے لب و لہجے سے شدید قسم کی ناراضگی کا اظہار تھا۔

''آپ نے آغاز و عملی اہتمام کر کے اپنا فرض پورا کر دیا۔ آپ نے تو اپنی طرف سے فرض ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ اب تو یہ ہمارا فعل ہے اچھا ہے یا برا ہم خود ہی ذمے دار ہوں گے ناں۔ آپ پر تو کوئی الزام نہیں ہے۔ پھر آپ کیوں فکر کرتی ہیں؟ پلیز اماں جی۔ آپ اتنا سیریس نہ لیں ہمارے انکار کو''۔

تیمور علی خان نے ماں کے ہاتھ تھام کر گویا انہیں منانے کی کوشش کی۔

''وکیل بننے کی ضرورت نہیں میرے سامنے۔ میں نہیں آنے کی تمہاری باتوں میں''۔

انہوں نے ناراضگی سے منہ موڑ لیا۔

''اماں جی' کبھی کبھی کوئی بات ہمیشہ کیلئے نہیں ہوتی۔ گنجائش ہوتی ہے۔ بہت وقت ہے۔ سمجھیں اماں جی''۔ تیمور علی خان

نے پھر ماں کو منانے کی کوشش کی۔

''کوئی خیال نہیں ہے تمہیں میرا۔ بس اوپر اوپر سے ہو''۔ ان کی ناراضگی اتنی آسانی سے کیسے ختم ہو سکتی تھی۔ ایک انسان جس کی ہر امید اللہ نے پوری کی ہو اس کیلئے تو خلاف امید کچھ ہو جانا سانحے سے کم نہیں ہوتا''۔

''آپ سمجھائیں ناں یاور بھائی پلیز''۔

''ضرور ہیلپ کریں گے۔ مگر ریزن تو بتائیں۔ موصوف''۔

یاور علی خان کی ذہنی کیفیت اعلیٰ درجے کے انتشار سے دوچار تھی۔ وہ ''سب اچھا ہے'' سننے کے عادی تھے۔ انہیں یہی سننے کی آرزو تھی۔ وہ یہ خوفناک اکھاڑ پچھاڑ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں عجلت تھی کہ ''سب اچھا ہے''۔ جلد سے جلد ہو جائے اور وہ مطربہ کو سر عام کوڑے لگوائیں۔ انہوں نے بہت اچھی امید کے ساتھ بھائی سے ریزن دریافت کی تھی۔

تیمور علی خان نے ایک لمحے کو نازنین کی سمت نظریں اٹھائیں۔ ''سوری ابھی ہم کوئی ریزن نہیں دے سکتے''۔

یاور علی خان کے دل میں کچھ ہوا۔ وہ ایک دم اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''جو ہونا ہے وہ ہو جائے گا۔ سب ایک روز سامنے آجائے گا آپ لوگ کیوں بے کار کی بحث کر رہے ہیں''۔

وہ تیکھے انداز میں کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

تیمور علی خان اور نازنین ان کے اس انداز پر چونک سے گئے تھے اور خاصی حیرت سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

....

آج وہ سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہے تھے۔ حال ہی میں انہیں یہ لت لگی تھی مگر آج تو چین اسموکر بنے ہوئے تھے۔

اسی دم دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ کسی دھیان سے چونک پڑے۔

نازنین تو نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی خواب گاہ میں دستک دے کر کیوں آنے لگی۔

''لیس...... کم ان''۔ وہ دروازے کی سمت دیکھنے لگی۔

دروازہ کھلا اور مطربہ اندر داخل ہوئی۔

''خیریت''۔ وہ بہت عرصے بعد ان کے بیڈ روم میں بن بلائے داخل ہوئی تھی۔

''جی۔ سب کیلئے چائے بنائی تھی۔ خیال آیا کہ آپ تو رات دیر تک لکھنے پڑھنے کا کام کرتے ہیں۔ آپ کو بھی پوچھ لوں''۔

''ہوں...... ٹھیک ہے لے آؤ''۔

''وہ واپس مڑ گئی۔

''مطربہ''۔ انہوں نے بے ساختہ انداز میں آواز دی تھی۔

''جی خان؟'' وہ پلٹی۔

''تمہاری چھوٹی دلہن کیا کر رہی ہیں؟''

ایک لمحے کو کچھ سوچنے کے انداز میں کھڑی ہو گئی۔

''وہ''۔ ایک لمحے کو...

''خان۔ وہ تو چھوٹے خان کے ساتھ شطرنج کھیلنے اوپر چلی گئی ہیں۔ بہت دیر ہو گئی۔ میں انہیں بھی چائے دینے جاؤں یا آپ کہیں تو بھیجوں؟''

''شطرنج کھیلنے۔ اس وقت؟

''نہیں کوئی ضرورت نہیں۔ ٹھیک ہے تم جاؤ اور ہاں سنو''۔ انہیں پھر کچھ یاد آیا۔

''جی''۔

''باقی لوگ سو گئے؟''

''نہیں سب جاگ رہے ہیں۔ اماں جی اپنے کمرے میں نماز پڑھ رہی ہیں''۔

''اچھا ٹھیک ہے''۔ وہ سگریٹ کا کش لینے لگے۔

مطربہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

....

''پٹوارن جواب لینے کیلئے چکر پہ چکر لگا رہی ہے۔ دیر سے آئی بیٹھی ہے۔ بتاؤ کیا جواب دوں؟ اس کی تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہی''۔

اماں جی آج خود حویلی چل کر تیمور کے کمرے میں آئی تھیں۔

مطربہ نے پٹوارن کو بھی دیکھ لیا تھا اور اماں جی کو بھی تیمور کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ فوراً سے پیشتر دروازے سے کان لگا کر کھڑی ہو گئی تھی کہ آخر اسے اپنی اوقات' اپنے اختیار کی حدود کا پتا تھا۔

''ایک نان سینس لڑکی کو آپ نے درد سر بنا لیا ہے۔ ناٹ اے بزنس۔ نا رائے جاب۔ آپ پٹوارن کو جمعرات یا جمعے کو بارات لانے کا کہہ دیں۔ اینڈ ڈیٹس آل''۔ وہ جھلا کر گویا ہوئے۔

''یہ انگریزی میں اتنا آسان لگ رہا ہے۔ اردو میں اتنا آسان نہیں ہے''۔

اماں جی کی جان جل کر رہ گئی تھی۔ جھلا کر بولی تھیں۔

''نو پرابلم اماں جی۔ آپ غیر ضروری حد تک کائنڈ ہارٹڈ ہیں۔ میرا مطلب ہے نرم ہیں۔ کیا کرلے گی جب اس کے تمام سیکرٹ ظاہر ہو جائیں گے اور ہول ایٹ موسفیئر''۔

''خدا کا واسطہ تیمور۔ میرے کانوں میں انگارے اترتے ہیں۔ اس مردار انگریزی سے۔ اس سے تو بہتر ہے تم مجھ سے پنجابی میں بول لیا کرو۔ کم سے کم میری سمجھ میں تو آتی ہے''۔

''سوری اماں جی۔ ہمارا مطلب ہے' آپ دن تاریخ طے کر دیں اور پٹوارن سے کہیں' زیادہ شور و غل کرنے کی ضرورت نہیں۔ خاموشی سے چار آدمیوں کی بارات لے آئے''۔

''اور جو عین وقت پر اس نے''۔ اماں جی کا دل جانے کیوں نہیں مان رہا تھا۔

''شوٹ کر دیں گے ہم اسے۔ اسے اچھے برے کی تمیز آج نہیں ہے تو کیا ہوا کل تو ہوگی۔ پتا چل جائے گا کہ ہم نے
کے ساتھ اچھا کیا تھا یا برا۔ اور وہ جو اس کی نام نہاد ماں ہے۔ اگر اسے ہوا لگ گئی کہ بیٹی ''فارغ'' ہے تو کچھ بعید نہیں
یوں بھی اس کا بگڑا ہی کیا ہے۔ بچہ ہے تو وہ کون سا اس کا اپنا ہے''۔

''خیر' یہ تو تمہاری بات ٹھیک ہے۔ مگر ایک سوچ یہ آتی ہے کہ اللہ جانے وہ دوسری شادی سے کیوں انکار کر رہی ہے
کہیں کوئی اور وجہ نہ ہو اور وہ ہمیں کہہ نہ پا رہی ہو''۔ اماں جی کا انداز ابھی تک فیصلہ کن نہیں تھا۔

''ہم آپ کو کہہ رہے ہیں ناں۔ چلیے۔ ہم خود بابا صاحب سے بات کرتے ہیں۔ وہ خود کہہ دیں گے پٹواری سے۔ نہ ہم
نہ آپ۔ اب آپ پرسکون ہو جائیے اور ذہن سے ہر قسم کا بوجھ اتار دیجیے۔ پٹوارن سے کہہ دیجیے کہ بابا صاحب خود بات کر
لیں گے' وہ اب زحمت نہ کرے۔

''آئیے۔ بہت کوفت ہوتی ہے ہمیں دیکھ کر کہ ایک خوامخواہ کی پریشانی میں مبتلا ہیں آپ۔ آپ چلیے اپنے کمرے میں۔
ہم بابا صاحب کے پاس جا رہے ہیں''۔

مطربہ فوراً دروازے سے ہٹ کر سیڑھیوں کی طرف بھاگی اور بھاگتی ہوئی سیدھی باغ میں ڈھے گئی اور گہری گہری سانس
لینے لگی۔

''جمعے کو نکاح ہوگا میرا۔ اس سینک سلائی بڑھاکو کے ساتھ۔ بچے کے ساتھ راتوں کو میں نے میٹھی نیندیں قربان کیں
اور میرا نہیں''۔

جتنا تیز سانس چل رہا تھا اس سے ہزار گنا تیز اور دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔

''اب میں اپنے دل کے ساتھ زبردستی نہیں ہونے دوں گی۔ اب کسی کے پہلو میں بیٹھ کر میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی تیمور
علی خان۔ اب یہ نہیں ہوگا کہ کوئی قریب ہو اور میں تمہاری خوشبو محسوس کروں۔ تم چاہنے والی ماں کے احساس کو بھسم کرنے ہو
تو پھر میرے کیا لگتے ہو؟
اس جمعے کو تمہارا نکاح ہو تو کیا خوب تماشا ہو۔ دل صرف جاگیردار ہی کا ہوتا ہے۔ اب کچھ نہیں ہوگا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا
''۔

ایک ان دیکھی آگ کے شعلوں میں وہ جل کر خاک ہو رہی تھی۔

....

''تم...... اس وقت؟'' یاور علی خان نے چونک کر گھڑی دیکھی۔

''جی خان ...... آپ کو دیکھنے آئی تھی۔ آپ یقیناً چھوٹی دلہن کا انتظار کر رہے ہیں''۔ وہ دروازے کے قریب کھڑی
تھی۔

یاور علی خان جواباً خاموش رہے۔

''خان...... آپ بہت اچھے ہیں۔ بہت نیک آدمی ہیں۔ مجھے بھی آپ کے ساتھ اس زیادتی کا دکھ ہے''۔ وہ بولی

...ی تھی۔
...ری زیادتی''۔ وہ چونکے۔
...تیمور خاناں کو آپ کے ساتھ یہ نہیں کرنا چاہیے۔ انہیں ایک سے ایک پڑھی لکھی بیوی مل سکتی ہے۔ پھر آپ تو ان کے
...سے افسوس کی بات ہے''۔ مطربہ کے انداز میں تاسف تھا۔
...بک رہی ہو؟'' یاور علی خان کا ضبط جواب دے گیا۔
''آپ جتنا غصہ کریں کم ہے خان۔ میں حویلی کے ہمدردوں میں سے ہوں اور آپ تو اتنے اچھے ہیں کہ میں آپ کے
...زیادتی برداشت ہی نہیں کر سکتی۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں پیٹھ پیچھے لگائی بجھائی کر رہی ہوں۔ آپ مجھے تیمور خاناں اور
...دلہن کے سامنے بھی لا کر کچھ پوچھیں گے تو میں حاضر ہو جاؤں گی۔ اور مجھ سے جو پوچھیں گے' میں ان دونوں کے
...سے جواب دوں گی''۔ یاور علی خان۔ ایک سکتے کی کیفیت میں اس کی صورت دیکھ رہے تھے۔
''آپ چاہیں تو ابھی بلوالیں۔ میں یہیں ہوں آپ کے کمرے میں''۔ وہ بہت سادگی سے کہہ رہی تھی۔
''میں اب بھی تمہاری بات نہیں سمجھا''۔ یاور علی خان کی شریانوں میں طوفان برپا ہو چکا تھا۔
''سمجھ تو خیر آپ گئے ہیں خان۔ مگر آپ کو یقین نہیں آ رہا۔ اور آ بھی کیسے سکتا ہے۔ یہ کوئی چھوٹی سی بات تو نہیں ہے۔
...آپ ان دونوں کو ابھی میرے سامنے بلوا سکتے ہیں''۔
...تنی بزدل لڑکی۔ یہ سب کہہ رہی تھی۔ سامنا کرنے کو تیار تھی۔ ان کی ہستی آخر کیسے تہس نہس نہ ہوتی۔
''کیوں کر رہی ہو تم یہ سب؟'' وہ بہت تھکی تھکی آواز میں پوچھ رہے تھے۔
''اس لئے کہ آپ بہت اچھے ہیں۔ کسی کو کچھ نہیں کہتے۔ میں آپ کی سب سے زیادہ عزت کرتی ہوں۔ بس مجھ سے
...برداشت نہیں ہوا یہ سب''۔
''یہ جانتی ہو تم...... تم یوں بھی خاصی بے وقوف لڑکی ہو''۔ وہ ہنوز کسی اچھی آس میں مبتلا تھے۔
''بے وقوف ضرور ہوں خان۔ مگر چھوٹی سی بچی نہیں ہوں۔ شادی کی تھی آپ لوگوں نے میری۔ ایک عقلمند آدمی کے
...ساتھ''۔ وہ تلخی سے گویا ہوئی۔
''تمہیں کیا حاصل ہوگا اس ہمدردی سے؟'' وہ دکھ سے پوچھ رہے تھے۔
''یہ اپنی اپنی برداشت کی بات ہے۔ مجھ سے نہیں ہو رہا برداشت۔ مجھے پتا ہے تیمور خاناں مجھے گولی بھی مار سکتے ہیں۔ میں
...آپ کو بتانا نہیں چاہ رہی تھی۔ میں نے تو آپ کو موقع دیا کہ آپ خود دیکھ لیں سب کچھ اور میں اس معاملے میں نہ
...آؤں مگر آپ''۔ وہ بولتے بولتے رک گئی۔
''تمہیں علم ہے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے۔ اگر غلط ثابت ہوئی تو تمہارا انجام کیا ہوگا؟'' انہیں اتنی آسانی سے یقین آ رہا تو
...نہیں تھا مگر بہت سارے واقعات ان تمام باتوں کے حق میں جاتے محسوس ہو رہے تھے۔
''ٹھیک ہے ناں خان۔ مجھے ہر سزا منظور ہوگی''۔ وہ بولی۔

یاورعلی خان تو جیسے کوما میں چلے گئے۔ ایک ڈانٹ سے تھر تھر کانپنے والی لڑکی ایک دم اتنی نڈر کیسے ہوگئی۔ یہ تو بہت ... اور معصوم لڑکی ہے۔ درحقیقت جو کچھ وہ کہہ گئی' وہ کوئی بے وقوف ہی کہہ سکتا ہے۔ ورنہ اچھے اچھوں کی ہمت نہیں ہوسکتی کہ ... اتنے بااختیار لوگوں کے سامنے ایسی حقیقت پیش کرسکیں۔ جو سچ ہونے کے باوجود الٹا انہیں نقصان پہنچاسکتی ہو۔

''سنو''۔ یاورعلی خان نے اسے مخاطب کیا۔

''جی خان''۔

''آئندہ...... ہم سے اس قسم کی بات نہ کرنا۔ ہم میں جتنی برداشت ہے وہ ہم کرچکے۔ مگر ہوسکتا ہے ہم آئندہ یہ سب نہ کرسکیں اب تم جاؤ''۔

وہ ان کے تیور دیکھ کر ایک لمحے کو تو واقعی خوفزدہ ہوگئی تھی اور جلدی سے باہر نکل گئی تھی۔

....

''آپ نہیں چلیں گے خیر آباد؟'' نازنین نے کوفت بھرے انداز میں یاورعلی خان سے پوچھا۔

''نہیں...... نہیں کا مطلب نہیں ہوتا ہے نازبیگم''۔

''دیکھیے اماں جی۔ یہ کراچی بھی نہیں گئے تھے میرے ساتھ۔ دو دن کی تو بات ہے۔ آپ کہیے ناں انہیں''۔ اس کے انداز میں زبردست اصرار تھا۔

''چلے جاؤ یاور۔ بروقت اپنی نہیں کرتے''۔ اماں جی نے بھی بہو کا دل رکھا۔

''تیمور جارہے ہیں ناں...... بس ٹھیک ہے''۔

''یہ لیجیے۔ آپ آپ ہیں' تیمور تیمور ہیں۔ ہم آپ کو ڈسٹرب نہیں کرتے تو اس کا مطلب ہے آپ بالکل ہی چھٹی پر چلے جائیں''۔ وہ بسوری۔

''مطربہ اماں جی کے پیچھے بیٹھی ان کے کرتے کی ترپائی کررہی تھی۔ اور ان کی تکرار سے بے نیاز نظر آرہی تھی۔

''دل اور سا ہو جاتا ہے۔ ادھر ادھر سیر تفریح کرنے سے۔ یہ پڑھائی تو بہو کی سوت بنا رکھی ہے تم نے''۔ اماں جی نے قدرے ناراضگی سے کہا۔

''یہ بات نہیں ہے اماں جی...... ان کی سیر و تفریح پر ہماری غیر حاضری سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں انہیں تو منع نہیں کررہا''۔ وہ بہت بے دلی سے کہہ رہے تھے۔

''ٹھیک ہے پھر میں نہیں جارہی''۔ نازنین کا موڈ آف ہوگیا۔

''بیٹے۔ بہو دوسرے جی سے ہے' کیوں جان جلاتے ہو اس کی۔ ایک دو دن سے ہو کیا جاتا ہے''۔ اماں جی کا انداز سمجھانے کا سا تھا۔

''میری اور ان کی ملاقات ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ رات کو ہوتی ہے۔ چھ گھنٹے یہ رات کو سوتی ہیں اور دو گھنٹے ... کو۔ باقی رہے چودہ گھنٹے یہ کہاں صرف ہوتے ہیں۔ یقیناً خوشگوار ہی بسر ہوتے ہوں گے''۔

... پڑھ پڑھ کر ہر بات کتابی ہوگئی ہے۔ کیا حساب نکالا ہے۔ بیٹے تم خود اتنے مصروف رہتے ہو' وہ بے چاری ... اماں جی کو بہو کے ساتھ اعداد و شمار و پڑتال کا انداز پسند نہیں آیا۔ نازنین بھی چپ سی ہو کر رہ گئی تھی۔ اسے بھی ... سامنے یہ حساب کتاب اچھا نہیں لگا تھا۔

... نہیں جائیں مگر اس طرح سب کے سامنے انسلٹنگ وے پر تو نہ آجائیں''۔ وہ دوپٹہ سنبھال کر کھڑی ہوگئی۔

''ہم بھی نہیں جائیں گے اماں جی...... ایک کونے میں پڑے رہیں گے۔ آپ ان سے کہیے ہمیں بھی اپنے ساتھ ہی کہیں ... رکھوا دیں۔ کرسی بھی بالکل ان کے برابر ہونا چاہیے''۔ وہ ناراضگی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

....

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ یاورعلی خان نے چونک کر کتاب سے سر اٹھایا تھا۔ حیرت ہوئی۔ سامنے اماں جی تھیں۔ وہ ایک دم سنبھل گئے۔

''آپ اماں جی...... خیریت...... مجھے بلوالیا ہوتا آپ نے کیوں زحمت کی؟''

''سنا ہے۔ مرد کی شادی ہوتی ہے تو بیوی کے پیچھے سب بھول جاتا ہے۔ مگر جس کو بیوی دھیان نہ پڑتی ہو' وہ ماں باپ کا دھیان کرتا ہوگا۔ آگ لگے اس پڑھائی کو۔ تم اتنے دور محسوس ہوتے ہو کہ لندن گیا ہوا تیمور قریب لگتا ہے''۔ وہ فکرمند اور شکایتی لہجے میں بولتی ہوئی ان کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

''بہت ناراض لگ رہی ہیں؟'' وہ زبردستی مسکرائے تھے اور ماں کو بہت محبت سے دیکھا تھا۔

''ناراض نہ ہوں تو پھر کیا کروں۔ کتنی غلط بات کی تم نے چھوٹی دلہن کے ساتھ۔ اس نے رو رو کر برا حال کرلیا ہے۔ نہ ... ہے۔ سب کے سامنے اس نے اپنی بہت بے عزتی محسوس کی ہے تمہیں اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔ انکار ... بھی بہت سے طریقے ہوتے ہیں۔ مجھے تم سے ایسی بے تکی حرکت کی امید نہیں تھی۔ وہ میری پسند ہے۔ بڑے ارمانوں سے بیاہ کر لائی تھی۔ اور سچی بات مجھے اپنی پسند پر کبھی پچھتاوا نہیں ہوا۔ اتنی انگریزی پڑھی ہوئی ہے مگر حویلی کے اصولوں پر ... ہے۔ کتنے نوکر ہیں گھر میں مگر میرے کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اپنے ہاتھوں میری کنگھی چوٹی کرتی ہے۔ ... کیا کیا طاقت کی چیزیں بنا بنا کر مجھے کھلاتی ہے۔ بیٹے! گھر میں اس کی جڑیں مضبوط ہوچکی ہیں۔ ہمارے پوتے ... ہے۔ پہلے سے زیادہ اس کا رشتہ گہرا ہو چکا ہے ہم سے۔ مت پریشان کیا کرو اسے مجھے تکلیف ہوتی ہے''۔ وہ بہت سنجیدہ تھیں۔

''اماں جی...... اب تو سب کچھ اسی کا اس گھر سے وابستہ ہے۔ گھر آباد ہو جائے تو خاص بات نہیں ہوتی۔ دل آباد ہو تو زندگی مکمل ہو جاتی ہے۔ انسان قیامت تک کیلئے پرسکون ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات دل کا معاملہ اتنا گہرا ہوتا ہے کہ ... خوشی غم' جنت دوزخ' دنیا آخرت سب اس دل سے مشروط ہو جاتی ہے۔ پھر انسان کسی نفع نقصان کی پرواہ نہیں کرتا ...''

''... کیا زمین آسمان کی جوڑ رہے ہو۔ بات کیا ہو رہی ہے۔ کہاں ملا رہے ہو۔ اللہ کا شکر ہے اس کا دل تم سے آباد ...

ہے۔ایک عمر شہر میں گزارنے کے بعد وہ یہاں ہم میں رہ رہی ہیں اس طرح جیسے ہمیشہ ایسے ہی ماحول میں رہی ہوں۔

"اسے فرق کیا پڑا ہے اماں جی...... حویلی میں بھی پڑھا لکھا ماحول ہے۔ کھیتوں میں ہل چلانے تو نہیں جا رہی ناں؟"

وہ قدرے جھلائے جیسے وہ اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہ رہے ہوں۔

"تمہیں کوئی شکایت ہوگئی ہے اس سے؟" اماں جی نے گہری نظروں سے ان کا چہرہ دیکھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ میں دراصل بہت مصروف ہوں۔ میرے ایگزام ہونے والے ہیں"۔ انہوں نے نگاہیں چرا لیں۔

"نہیں اگر کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ"۔ وہ شاید گہرے وجدان کے تحت بات کر رہی تھیں۔

"اماں جی! کوئی بات نہیں ہے۔ آپ فکرمند نہ ہوں"۔

"فکرمند کیسے نہ ہوں۔ میری بہو پریشان ہے' رو رہی ہے۔ حد کرتے ہو تم"۔ وہ ناراضگی سے بولیں۔

"اٹھو۔ چلو میرے ساتھ۔ اسے ساتھ یہاں لے کر آؤ"۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "چلو"۔

"آپ اسے لے آئیں۔ پھر میں سنبھال لوں گا"۔ وہ جز بز ہو رہے تھے۔

"نہیں...... تم میرے ساتھ چلو...... اٹھو شاباش۔ یہ کوئی ناک کی بات نہیں ہے۔ ایسا کرنے سے گھر مضبوط ہوتے ہیں۔ خوشی ملتی ہے۔ آؤ"۔

"اماں جی کے انداز میں قطعی حکم تھا۔ وہ ناچار بیڈ سے اتر آئے۔

اماں جی چل پڑیں اور وہ ان کے پیچھے ہو لیے۔

ان کا خیال تھا کہ اماں جی ہال کی طرف جائیں گی مگر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

"واقعی بہت ذہین ہو نازنین بیگم"۔ وہ دل ہی دل میں گویا ہوئے۔

اماں جی کے پیچھے وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ مگر پھر ڈھیر غبار میں گھر گئے۔ نازنین اماں جی کے بستر پر نیم دراز تھی اور تیمور علی خان کرسی پر ان کے قریب جھکے ہوئے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہے تھے۔ جبکہ نازنین کی آنکھیں رو رو کر متورم ہو رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟ طبیعت خراب ہے؟" وہ یکسر انجان بن کر پوچھنے لگے۔ آواز بالکل سپاٹ تھی۔

نازنین خاموش رہی۔

"یہاں اماں جی کے کمرے میں کیوں لیٹی ہو؟ اپنے بیڈ روم میں چلو"۔ وہ پھر اسی سرد و سپاٹ انداز میں گویا ہوئے۔

نازنین پھر خاموش رہی۔

"ہاں بیٹی...... جاؤ اپنے کمرے میں آرام کرو۔ میرے کمرے میں تو سب کا آنا جانا لگا رہتا ہے"۔

اماں جی بہت محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"اماں جی! میں یہیں ٹھیک ہوں"۔ اس نے منہ دوسری طرف موڑتے ہوئے ناراضگی سے کہا۔

"بھئی' ضد کر رہی ہیں؟ یہاں آپ کو آرام نہیں ملے گا۔ ہر دوسرے منٹ تو یہاں کوئی نوکر ہدایت لینے آ جاتا ہے۔ اور

یاور بھائی آپ کو لینے آئے ہیں"۔ تیمور علی خان کے لہجے میں شرارت تھی۔

"یہ میری وجہ سے ڈسٹرب ہو گئے یوں بھی انہیں کام بڑے ہوتے ہیں"۔ وہ سابقہ انداز میں گویا ہوئی۔

"پلیز...... جھگڑا نہیں۔ آپ اس طرح کی صورت حال زیادہ دیر افورڈ نہیں کر سکیں گی"۔ تیمور علی خان مسکراہٹ چھپا کر کہہ رہے تھے۔

نازنین بے دلی سے اٹھ بیٹھی۔ "ٹھیک ہے پھر آپ بھی چلیں ہمارے ساتھ بیڈ روم میں"۔ اس نے دوپٹا سنبھالا۔

"ڈر لگ رہا ہے؟ یاور بھائی ڈانٹیں گے نہیں"۔ وہ پھر شرارت سے گویا ہوئے۔

"جی نہیں۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ آپ سے باتیں کریں گے"۔ اس کے انداز میں ابھی بھی خفگی کا تاثر تھا۔

"ہاں چلو تیمور! یوں بھی ان کی سب سے زیادہ انڈراسٹینڈنگ تم ہی سے ہے"۔ یاور علی خان نے بھی خشک انداز میں کہا۔

"تو اس میں شک بھی کیا ہے"۔ نازنین نے منہ بنا کر کہا۔

"اگر کسی کے ساتھ انڈرسٹینڈنگ نہ بھی ہو تو پیدا کرنے کی کوشش تو کی جا سکتی ہے"۔

تیمور علی خان اس وقت مکمل شرارت کے موڈ میں تھے۔ ذو معنی بات کہہ رہے تھے۔

یاور علی خان اس کے قدم بڑھانے سے پہلے باہر نکل گئے تھے۔

"بات بڑھانے کا کیا فائدہ دلہن؟ جب وہ چل کر تمہارے پاس آ ہی گیا تھا"۔

اماں جی نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"اماں جی ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابی۔ یاور بھائی ایکچوئلی بہت سیریس ہیں۔ آپ نہ اتنا سیریس ہوا کریں۔ خوامخواہ کی پرابلم کری ایٹ ہوتی ہے"۔

انہوں نے بھی ماں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"بہت روڈ اور موڈی ہیں یاور۔ اگر آپ جیسے کائنڈ اور سوفٹ نیچر لوگ حویلی میں نہ ہوتے تو میں بہت پریشان ہو جاتی"۔ وہ ناراضگی سے کہہ کر چل پڑی۔

"کیا بولی دلہن؟" اماں جی نے الجھ کر تیمور سے پوچھا۔

"آپ کی تعریف کر رہی تھیں"۔ تیمور علی خان مسکرا رہے تھے۔

"وہ تو "لوگ" کہہ رہی تھی؟" ان کی فکرمندی بڑھ رہی تھی۔

"تو یہاں لوگوں کی سردار تو آپ ہی ہیں ناں"۔ تیمور علی خان نے وضاحت کی۔

"مجھے نہیں چاہیے سرداری۔ میرے بچے خوش رہیں اور کیا چاہیے مجھے۔ جاؤ تمہیں بلا گئی ہے۔ اس کا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔ کہیں یاور سے نہ الجھ پڑے۔ خوامخواہ بات بڑھے گی۔

اماں جی نے تیمور علی خان کو اس طرح کہا کہ وہ اٹھنے میں مزید دیر نہ کریں۔

''کچھ نہیں ہوتا اماں جی۔ بھابی اتنی اچھی ہیں کہ یاور بھائی ان سے زیادہ دیر ناراض رہ ہی نہیں سکتے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ بہرحال چلا جاتا ہوں''۔

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

کوئی سایہ کھڑکی سے فوراً ہٹا تھا۔ جس کا گمان ابھی تک ماں بیٹے کو نہ ہو سکا تھا۔

....

''اماں جی! پٹوارن سے کہیے ایک مہینہ ٹھہر جائے۔ ابھی میرا دل ٹھکانے نہیں ہے' دماغ پریشان رہتا ہے''۔

مطربہ کارپٹ پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی اور باری کو چمچ سے کوئی دلیہ وغیرہ کھلا رہی تھی۔

اماں جی نے خوشگوار حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''تیرا دل ہی تو ٹھکانے لگانا چاہ رہے ہیں۔ بے ٹھکانہ جو ہو گیا ہے''۔ خالہ نے ہنس کر کہا۔ وہ بھی جیسے خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی تھیں۔

''لو وہ تو ٹھہر جائیگی۔ وہ تو ہمیں ہی جلدی ہے''۔ اماں جی نے بہت مسرور انداز میں کہا۔

''آپ کو کیوں جلدی ہے؟'' اس نے قدرے خشک لہجے میں پوچھا۔

''ہمیں تو رنگین کپڑوں میں ہنستی کھیلتی اچھی لگتی ہے۔ ان کالے کپڑوں میں تو بہت بے رونق ہو گئی ہے''۔ ان کے انداز میں حد درجہ حلاوت واپنائیت تھی۔

''اماں جی بعض اوقات رنگ تو دوسروں ہی کیلئے ہوتے ہیں۔ کسی کو کیا پتا چلے کہ ماتم تو رنگوں میں بھی ہوتا ہے۔ انسان کو اپنے دیکھنے کا اتنا اعتبار بھی نہیں ہونا چاہیے۔ غیب کا حال اللہ جانتا ہے یونہی تو نہیں کہہ دیا کسی نے؟'' اس نے یاسیت سے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ مگر اپنے آس پاس موجود بندوں کو خوشی دینے سے بھی انسان کو سچی خوشی مل جاتی ہے۔ ایسی ہی خوشی کے پاؤں بھی ہوتے ہیں جم کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ تیری عمر کیا ہے ابھی تجھے زندگی پوری سمجھ نہیں آئی''۔

اماں جی نے پوری سنجیدگی مگر مخصوص نرمی سے کہا۔

''ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ یہ اللہ والوں کی باتیں ہیں۔ آپ کر سکتی ہیں' خالہ کر سکتی ہیں''۔ اس نے قدرے تلخی سے کہا تھا۔

''چل چھوڑ اس بحث کو۔ مہینہ چھوڑ دو مہینے کا کہہ دوں گی پٹوارن سے۔ تو اتنے میں اپنا دل سنبھال' خود کو سنبھال۔ یہ بھی بہت ہے کہ 'ہاں' پر تو آئی''۔

اماں جی نے بات سمیٹنے کی کوشش کی ان کے حساب سے جو اس پر ہو گزری تھی' بہت کٹھن تھی۔ اسے رعایت ملنا چاہیے کہ دکھ بڑا ہے عمر کم ہے۔

''اماں جی! اب آپ چھوٹے خان کی شادی بھی جلدی سے کرنے کی کوشش کیجیے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی میم پر ان کا دل آ جائے''۔ مطربہ نے نیپکن سے باری کا منہ صاف کیا۔

''میں تو آج کر دوں مگر تیرا خان ابھی راضی نہیں ہے۔ بہنوں نے بہت گھیرا مگر وہ نہیں سن رہا''۔

''کیا کہتے ہیں؟'' وہ بظاہر لاپرواہی سے پوچھ رہی تھی۔

''کہتا کیا ہے۔ کہ ابھی پڑھ رہا ہوں''۔ وہ بے بسی سے بولیں۔

''تو کیا ہوا۔ شادی کے بعد بھی تو پڑھ سکتے ہیں۔ انہوں نے کون سا گھر چلانے کیلئے نوکری کرنا ہے۔ کیوں خالہ؟''

''لو بھلا...... ہم کون ہوتے ہیں انہیں مشورے دینے والے۔ وہ ہمارے مالک ہیں جو چاہیں کریں۔ اللہ رکھے ان کے ماں باپ ہیں۔ ان کا بھلا سوچنے والے۔ اتنی باتیں نہ کیا کر' خان کو پسند نہیں''۔ خالہ نے جھاڑ پلائی۔

''آپ کو پتا ہے خان کو کیا پسند ہے؟'' اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

''ہمیں جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ وہ مناسب سمجھیں گے تو خود بتا دیں گے۔ انسان کو اپنی حیثیت کے ساتھ بات کرنی چاہیے۔ امیری غریبی سے انسان کی عزت نہیں ہوتی۔ انسان اپنا مقام پہچان کر بات کرے تو سب جگہ اس کی عزت ہوتی ہے' بھلے امیر ہو کہ غریب''۔

خالہ نے ناصحانہ انداز اختیار کیا۔ انہیں کچھ اچھا نہیں لگا تھا کہ وہ خان کی شادی کے موضوع پر اماں جی سے بات چیت کرے۔

''کیوں ٹوک رہی ہے؟ سیدھی بچی ہے۔ اسے اپنے خان کی شادی کا ارمان ہے۔ اس میں بھلا کیا برائی ہے؟'' اماں جی نے اس کا دل رکھا۔

''کیا کریں۔ اس نے تو اپنی ماں ہی کا دل توڑ دیا۔ مجھے تیمور سے یہ امید نہیں تھی۔ تو نے دیکھی ہے سولہ آنے! شیخ رفیع کی لڑکی؟ میں تو خیالوں میں اسے حویلی میں چلتا پھرتا بھی دیکھ چکی''۔ اماں جی کا لہجہ مغموم ہو گیا۔

(ہاں اماں جی...... جو ماں کا دل توڑ دے' وہ کس کا دل رکھے گا؟) وہ باری کو گود میں بھر کر کھڑی ہو گئی۔

''یہ کیا تو اسے گود میں لیے لیے پھرتی ہے؟ ماشاءاللہ بھاگنے کھیلنے والا بچہ ہے۔ بڑا ہو رہا ہے''۔ خالہ نے ٹوکا۔

''بس مجھے اچھا لگتا ہے۔ سارے یقین کھو چکے ہیں۔ اسے ساتھ لگا کر کچھ زندگی کا یقین سا ہونے لگتا ہے''۔ مطربہ نے باری کا رخسار آہستگی سے چوما۔

''دیکھیں اماں جی۔ اتنی بڑی بڑی باتیں کرنا اسے کہاں سے آ گئیں''۔

خالہ نے بڑی حیرت سے پہلے اسے پھر اماں جی کو دیکھا۔

''وقت سب کچھ سکھا دیتا ہے سولہ آنے''۔ اماں جی نے گہری سوچ کے دوران جواب دیا۔

''جا...... اسے بڑے خان کے پاس چھوڑ دے اور تو باورچی خانے میں ماما کا ہاتھ بٹا دے دوپہر کے کھانے پر بڑے خان نے کچھ لوگوں کو بلایا ہے''۔

''رہنے دے سولہ آنے۔ اسے کام کو نہ کہا کر۔ تیمور منع کرتا ہے۔ کہتا ہے اب یہ ہماری ملازمہ نہیں ہے۔ دوست کی بیوہ ہے۔ اس کے بیٹے کی ماں ہے۔ اپنا گھر سمجھ کے اپنی خوشی سے کچھ کر لے وہ دوسری بات ہے''۔ اماں جی نے خالہ کو ٹوک دیا۔

''بغیر مانگے کی مہربانیاں بارش کی طرح برستی ہیں۔ مگر جب دل کسی چوراہے پر کھڑا کسی ایسی مہربانی کا انتظار کر رہا ہو جو دعائے نیم شبی کا عطر ٹھہری ہو تو بن مانگی مہربانیاں اسی چوراہے پر غبار بن کے اڑتی ہیں''۔

اس کے سینے سے سانس یوں خارج ہوئی جیسے دیر بعد راستہ ملا ہو۔ پھر ایک دم باہر نکل گئی۔

....

''مطربہ''۔ وہ بڑے انہماک سے دوپٹے پر کروشیا کی بیل بنا رہی تھی۔ یاور علی خان کی آواز پر تقریباً اچھل پڑی۔ اور ایک دم کھڑی ہو گئی۔

''جی خان''۔ اس نے آنچل سر پر ڈال کر مودبانہ جواب دیا۔

''کام کر رہی ہو؟'' وہ ایک کرسی پر اطمینان سے بیٹھ گئے۔

''جی...... بس ایسے ہی''۔ وہ انگلیاں مروڑنے لگی۔

''ہوں...... باری کہاں ہے؟'' انہوں نے سرسری انداز میں پوچھا۔ جیسے خاص بات سے پہلے پیش بندی کی جاتی ہے۔

''وہ جی بڑے خان کے پاس ہے۔ زیادہ انہی کے پاس رہتا ہے۔ بہت پیار کرتے ہیں خان اس سے''۔

اس نے قدرے الجھ کر ان کی جانب کھوجتی نظروں سے دیکھا تھا۔

''وہ پٹواران والا کیس نمٹ گیا؟''

اس نے بڑی حیرت سے یاور علی خان کی سمت دیکھا تھا۔ اپنے کام سے کام رکھنے والے یاور علی خان اس کے ذاتی معاملات میں اتنی دلچسپی لے رہے تھے کہ خود چل کر آئے تھے۔

''نمٹ ہی گیا خان''۔ وہ بے زاری سے گویا ہوئی۔

''ہوں اچھی بات...... اچھا ہے تم جلد سے جلد پھر سے شادی شدہ ہو جاؤ۔ تمہاری ماں سے تو ہر وقت کا خطرہ ہے ہی''۔

وہ خاموش رہی۔

''اور کوئی بات تو نہیں ہوئی تمہارے سامنے؟'' وہ ہچکچاتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''کیسی بات خان؟'' وہ نئے سرے سے حیران ہوئی۔

''کس قدر بے وقوف لڑکی ہو۔ ہماری زندگی میں آگ لگا کر کتنی معصومیت سے پوچھ رہی ہو کیسی بات؟ ایک بات بتائے دیتے ہیں تمہیں اگر تمہاری اطلاع غلط ثابت ہوئی تو پھر شہر جانے والے چوک پر تمہارے کوڑے لگوائے جا سکتے ہیں''۔

ان کا انداز برہم بھی تھا اور شکستہ بھی۔

''خان...... بھلا مجھے ایسی بات کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیا مجھے اندازہ نہیں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ پھر آپ نے میرے ساتھ کیا برائی کی ہے۔ اگر میں جھوٹ بولتی تو آپ سے یہ کیوں کہتی کہ مجھے چھوٹے خان کے سامنے بلوا کر پوچھ لیں''۔

''میں تو شاید اس طرح سوچتی بھی ناں۔ وہ تو علی نے بھی اس طرح کے شک کا اظہار کیا تھا''۔

''علی نے؟'' یاور علی خان کی دنیا میں پھر زور سے زلزلے کا جھٹکا لگا۔

''علی...... کیا کہا تھا علی نے؟'' ان کی آواز میں بلا کی شکستگی تھی۔

''وہ میں حویلی آئی ہوئی تھی ناں۔ تب چھوٹے خان لندن میں تھے' ایک رات چھوٹی دلہن میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں۔ یاور جاگ رہے ہیں۔ میں اپنے کمرے میں جاؤں۔ لندن سے تیمور کا فون آنے والا ہے۔ تم روپا دیوی کو باری کے پاس چھوڑ کر ہال میں بیٹھ جاؤ۔ جیسے ہی تیمور خاناں کا فون آئے مجھے بلا لینا مگر کچھ بولنا نہیں۔ اور نہ حویلی میں کسی کو بتانا کہ تیمور خاناں کا فون لندن سے آیا تھا۔ میں تیمور علی خان کے فون کا انتظار کر رہی تھی کہ اتنے میں علی کا فون آ گیا۔ میں سمجھی چھوٹے خان ہیں۔ میں نے ''جی خان'' بول دیا۔ علی شک میں پڑ گئے کہ اتنی رات کو میں کس خان کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔ جب میں واپس گئی تو وہ چپ چپ تھے۔ تب میں نے ساری بات ان کو بتا دی۔ انہوں نے مجھ سے کئی سوال کئے پھر کہنے لگے۔ ہاں تیمور نازنین کا بہت ذکر کرتا ہے۔ مجھے لگتا ہے اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ اب تو شاید وہ زندگی بھر شادی نہ کرے''۔

وہ ایک تواتر سے بولتی جا رہی تھی اور یاور علی خان کے پاؤں کے نیچے سے زمین کا تختہ دھیرے دھیرے سرک رہا تھا۔

''اور''۔ ان کی آواز کسی پاتال سے ابھر رہی تھی۔

''اور کچھ نہیں خان! جو کچھ تھا وہ میں پہلے بتا چکی ہوں''۔ وہ آرام سے بولی تھی۔

''مگر...... جانے کیوں دل نہیں مانتا''۔ وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

''جلدی مان جائے گا...... آپ ساتھ عزت کے اپنی جان چھڑا لیں خان۔ پھر دیکھیں تیمور خاناں کیا کرتے ہیں۔ آپ دیکھ لیجیے گا۔ وہ حویلی چھوڑ دیں گے۔ چھوٹی دلہن کی خاطر۔ آپ نے دیکھا نہیں' وہ ایک سے لاکھ تک شادی پر راضی نہیں ہیں۔ اماں جی کہتی ہیں۔ شیخ رفیع کی لڑکی بہت خوبصورت ہے۔ بہت پڑھی لکھی ہے پھر بھی چھوٹے خان راضی نہیں''۔

''بس خاموش ہو جاؤ مطربہ۔ سر پھٹ جائے گا میرا''۔ واقعی ان کا سر گھوم رہا تھا۔

''خان...... یہاں میں ایک بے حیثیت لڑکی ہوں۔ اپنی اوقات پہچانتی ہوں۔ پھر بھی آپ سے یہی کہوں گی کہ آپ پہلی فرصت میں بات صاف کر لیں۔ اگر آپ دونوں سے اکیلے اکیلے بات کریں گے تو وہ کبھی نہیں مانیں گے۔ آپ ایسا کیجیے گا کبھی نہیں بلکہ آپ جب بھی بات کریں مجھے بلوا لیں۔ میں نے ہی بات شروع کی ہے۔ پھر آپ کیوں برے بنیں؟''

یاور علی خان نے بغور اس کی شکل دیکھی۔ اتنی جرأت' ایسی ہمت۔ کہاں سے آئی اس میں؟ بھلا اس سارے قصے میں اس کا اپنا کیا فائدہ؟

''تم اتنا بڑا خطرہ مول کیوں لے رہی ہو۔ تمہیں شوٹ بھی کیا جا سکتا ہے''۔ انہوں نے اپنی دانست میں اہم نکتے کی طرف توجہ مبذول کرائی۔

''بھلے سے...... یوں بھی یہ زندگی بھی کوئی زندگی ہے''۔ وہ بے زاری اور بے خوفی سے گویا ہوئی۔

’’ہوں‘‘۔ وہ زانوؤں پر ہاتھ کا دباؤ ڈال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

’’اور کیا کہنا چاہتی ہو؟‘‘ وہ ریزہ ریزہ ہو رہے تھے۔ بے وقعت لڑکی کے سامنے اب وہ تھے ہی کیا۔

’’کہنے کو تو بہت کچھ ہے خان۔ مگر کہنے کی ہمت نہیں ہے‘‘۔

وہ خود فراموشی کے عمل میں تھی۔ ورنہ بے دم سے ضمیر میں کسی رکی ہوئی رمق کے تحت تھوڑا بہت تو کچھ ہوتا۔

یاور علی خان تھکے تھکے قدموں سے باہر نکل گئے۔

وہ بے حس سے انداز میں دوبارہ بیل بنانے لگی۔

’’بھئی‘ وہ کیا نام ہے تمہارا۔ ہاں مطربہ! دیکھو لندن سے فون آنے والا ہے۔ کوئی فون پر بات کرے تو زیادہ دیر فون بزی نہ رکھنا۔ بہت مشکل ہو جاتی ہے‘‘۔

’’تم بیٹھی ہوناں یہاں پر؟‘‘ وہ جاتے جاتے پلٹے۔

’’جی‘‘۔ وہ نگاہ اٹھائے بغیر گویا ہوئی۔

’’او کے۔ فون پر کوئی خاتون ہوگی۔ وہ مجھے بلائیں گی۔ سمجھ رہی ہوناں؟‘‘ وہ پھر اسی عجلت بھرے انداز میں گویا ہوئے۔

’’جی‘‘۔

تیمور علی خان تیزی سے باہر نکل گئے۔

’’ہونہہ...... خاتون...... جانتی ہوں۔ کون خاتون ہوں گی۔ کاش تم سے پوچھ سکوں تیمور علی خان۔ کیسی لگی ہے دل پر؟ کیوں پھر رہے ہو مارے مارے۔ سارے سکھ چین لندن میں گروی رکھ کر آئے ہو۔ قرض بہت ہے۔ اتارے نہیں اتر رہا۔ دل تو سب کا ایک جیسا ہوتا ہے۔ تیمور علی خان تمہارے بھی دل پر نہ لگائی تو نام نہیں‘‘۔ اس کی رگ رگ میں آگ دہکنے لگی تھی۔

’’تم کچھ نہیں کر سکتے مگر کسی کو اس کے حال پر تو چھوڑ سکتے ہو‘‘۔

وہ سر جھکائے بیل بناتی رہی۔ سوچتی رہی۔ جانے کتنا وقت گزر گیا اسے احساس تک نہ ہو سکا۔

فون کی بیل ہوئی تو چونک پڑی۔ اور تیزی سے فون کی طرف بڑھی۔

دوسری طرف کسی مرد کی آواز تھی۔

’’آصف حسین خان اسپیکنگ۔ تیمور ہیں؟ لندن سے کال ہے‘‘۔

’’بلاتی ہوں‘‘۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔ یہ تو کوئی آدمی ہے۔ خان تو کہہ رہے تھے کسی عورت کا فون آئے گا۔ وہ الجھی ہوئی تیمور علی خان کو بلانے چل پڑی۔

وہ بھی شاید انتظار کی کوفت سے بے زار ہو کر خود ہی آ رہے تھے۔ راہداری میں ہی مل گئے۔

’’فون آ گیا ہے خان!‘‘ وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ ’’مگر کسی آدمی کا ہے‘‘۔

’’ہوں...... آصف ہوگا‘‘۔ وہ جیسے خود سے کہہ رہے تھے۔ رفتار ایک دم تیز ہو گئی تھی۔

وہ بھی پیچھے پیچھے چلی آئی۔

تیمور علی خان نے بڑی عجلت میں ریسیور اٹھایا تھا۔

’’ہوں۔ ہیلو۔ بول رہا ہوں...... ہوں...... ہوں...... بات کراؤ۔ تھینکس‘‘۔

پھر وہ اس کی جانب پلٹے۔

’’وہ کیا ہے کہ تم باہر جاؤ‘‘۔

’’کوئی بات نہیں خان۔ مجھے پتا ہے۔ آپ اپنی انگریز بیوی سے بات کر رہے ہیں۔ فکر نہ کریں۔ مجھے انگریزی نہیں آتی‘‘

وہ تمسخرانہ انداز میں مسکرا کر بڑی بے نیازی اور ڈھٹائی سے کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ اس نے تیمور علی خان کے تاثرات دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی اور نئے سرے سے بیل بنانے لگی۔

’’تیمور علی خان بہت آہستہ آواز میں بات کر رہے تھے اور دوسری طرف شاید بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اس لئے خان کو بات دہرانا پڑ رہی تھی۔

تین چار منٹ بعد انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

’’کیا کہہ رہی تھیں تم‘‘۔ اسے پشت سے ان کی غضبناک آواز سنائی دی۔

’’کب؟‘‘ وہ چندرا کر پوچھ رہی تھی۔

’’ابھی کچھ فرما رہی تھیں آپ‘‘۔ وہ چبا چبا کر کہہ رہے تھے گویا یوں کہہ رہے ہوں کہ کیا بک رہی تھیں آپ؟‘‘۔

’’ہم کیا فرما سکتے ہیں خان۔ ہم تو نوکر ہیں آپ کے۔ بھلا ہماری کیا مجال‘‘۔ بلا کا بے خوف انداز تھا۔

’’آپ بے فکر رہیں۔ کسی سے نہیں کہوں گی‘‘۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

’’اس طرح کی بکواس کرنے کی تمہیں ہمت کیسے ہوئی‘‘۔ وہ بے حد برہم ہو رہے تھے۔

’’سچ بھی کبھی چھپا ہے خان...... بے چاری اماں جی کو اتنا نہ آزمائیں۔ اگر آپ انہیں بتا دیں تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تھوڑا سا پریشان ہو کر رو لیں گی پھر انہیں صبر آ جائے گا‘‘۔ وہ بے حد پرسکون تھی۔

’’کس نے دی ہے تمہیں یہ غلط خبر؟‘‘ لگتا تھا غصے سے ان کی شریانیں پھٹ جائینگی۔

’’ہم بھلا اس قابل کہاں کوئی ہمیں خبر دے‘‘۔ اس نے دھاگا انگلی میں لپیٹتے ہوئے بہت سکون سے جواب دیا۔

’’ہمارا صبر مت آزماؤ۔ کیوں اپنا ٹھکانا کھونے پر تل گئی ہو؟‘‘ وہ بمشکل خود پر قابو پا رہے تھے۔

’’مجھے پتا ہے۔ آپ کو حیرت ہے کہ مجھے اتنی اہم خبر کیسے مل گئی۔ چھوٹی دلہن آپ کی راز دار ہیں۔ مگر جب وہ اپنے میاں سے بات چھپا سکتی ہیں تو مجھے کیوں بتائیں گی۔ میں بھلا ان کی کیا لگتی ہوں۔ آپ ان پر شک کیجیے گا بھی نہیں‘‘۔

’’پھر‘‘۔ وہ ضبط کی اعلیٰ حدود سے گزر رہے تھے۔

’’پھر کچھ بھی نہیں۔ چائے لاؤں آپ کیلئے؟‘‘ وہ اٹھ کر ان کے سامنے آ گئی۔ سیاہ چادر کے گھونگھٹ سے اس کا صبیح چہرا

بہت تر و تازہ محسوس ہو رہا تھا۔ ہونٹ تو ہونٹ آنکھیں تک مسکرا رہی تھیں۔

''اپنے پاس رکھوا اپنی خدمات۔ چند دنوں کی بات ہے پھر دیکھتے ہیں تمہیں''۔ وہ اس سے پہلے باہر نکل گئے۔

....

وہ باری کو بہت خوبصورت لوری سناتے ہوئے تھپک رہی تھی۔ دن بھر کے مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے سے ایک تسلسل سے گزر رہے تھے۔ اس کے چہرے پر بلا کا سکون تھا۔ اسی دم دروازے پر دستک ہوئی اور وہ اپنے دھیان سے چونک پڑی۔

''کروٹ لے کر دروازے کی سمت دیکھنے لگی۔ گہرے سبز کپڑوں میں فکرمندسی نازنین اندر داخل ہو رہی تھی۔

وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔

''آپ...... مجھے بلوا لیا ہوتا''۔ وہ گہری نظروں سے نازنین کا چہرا دیکھتے ہوئے بہت انجان بن کر کہہ رہی تھی۔

''کیا فرق پڑتا ہے۔ آج کل تو تم ہم سب پر حکومت کر رہی ہو''۔ نازنین پہلی بار بہت طنزیہ انداز میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

''خیریت؟ بہت ناراض دکھائی دے رہی ہیں''۔ وہ پھر بڑے انجان پن سے پوچھ رہی تھی۔

''خیریت کہاں...... ہم تو اس تبدیلی کا سراڈھونڈنے آئے ہیں جو تم میں آناً فاناً آ گئی ہے''۔ وہ بہت تلخ ہو رہی تھی۔

''کیوں ناراض ہیں؟ مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے''۔ وہ بڑے بھول پن سے پوچھ رہی تھی۔

''غلطی تو ہم حویلی والوں کی ہے کہ ایک کم ظرف پر اپنا خلوص نچھاور کیا۔ انسان بنیاد سے صحیح ہو تو برے ماحول میں بھی اچھائی ڈھونڈ نکالتا ہے۔ بنیاد غلط ہو تو اچھے ماحول سے بھی کچھ نہیں لے پاتا''۔ نازنین کی برہمی بہت واضح ہو گئی۔

''آپ مجھے گالی نہ دیں۔ نکاح کیا تھا میرے باپ نے میری ماں سے اور میرے نانا نے میری نانی سے''۔

''نکاح گناہ کی طرح رات کے اندھیرے میں چھپ کر ہوں تو نکاح نہیں ہوتے دل کا بہلاوا ہوتے ہیں''۔ نکاح وہی ہوتا ہے جس کی گواہی دور دراز تک پھیلے۔ ٹوہ لیتی پھرتی ہو حویلی میں۔ حویلی والوں کو آپس میں لڑانے کی کوشش کرتی ہو۔ کیا ملے گا تمہیں ایسی حرکتوں سے؟'' نازنین جیسے پھٹ ہی پڑی۔

''ہر وقت سودے بازی نہیں ہوتی''۔ وہ طنزیہ مسکرائی۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ مجھ سے کیا حرکت ہو گئی ہے۔ آپ کیوں مجھ سے خفا ہو رہی ہیں؟''

''بنومت۔ کیوں بدتمیزی کی تم نے تیمور سے۔ اس شخص سے جس نے تم پر احسان کی انتہا کر دی۔ ڈوب مرو کہیں شرم سے''۔ نازنین کا غصہ واقعی بہت انتہا کو چھو رہا تھا۔

''میں غلام زادی ہوں چھوٹی دلہن۔ میری کیا مجال؟'' وہ پھر بڑے بھول پن سے گویا ہوئی۔

''ہاں تو پہچانو اپنی اوقات۔ کیوں مالکوں کے منہ لگتی ہو۔ اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ سرداروں کی اولاد تمہاری کوکھ سے پیدا نہیں ہوئی تو بہت ہی اچھا ہوا۔ تم تو کسی سردار کی ماں بن کر ہمیں نکے سیر پیچ کھاتیں''۔

''آپ گالیاں ہی دیئے جائیں گی یا میرا قصور بھی بتائیں گی''۔ وہ بہت ہی اطمینان سے بول رہی تھی۔

''زیادہ انجان بننے کی ضرورت نہیں۔ مجھے صرف یہ جاننے کی بے چینی ہے کہ تم نے تیمور سے بدتمیزی کیوں کی؟''

نازنین نے اپنی بپھری ہوئی سانسیں کنٹرول کیں۔ تم کون ہو ان سے سوال جواب کرنے والی؟''

مطربہ خاموشی سے باری کو تھپکنے لگی۔

''انہوں نے شادی کی ہے گناہ تو نہیں کیا۔ یہ اور بات ہے کہ انہوں نے بھی اس طرح کی شادی کی جس طرح کی میرے ماں باپ نے کی تھی اور۔ آپ تو ایسی شادی کو مانتی ہی نہیں ہیں''۔ وہ بہت آرام سے چھریاں چلا رہی تھی۔

''ٹھیک ہے انہوں نے شادی کی۔ تو تمہیں کیا تکلیف ہے۔ تم نے کس حیثیت سے ان سے یہ بات کی۔ تمہارے لئے مناسب یہی ہے کہ تمہیں تمہارے اصل مقام پر رکھا جائے اور یہ بچہ تم ہمارے حوالے کرو۔ ہم خود پال لیں گے''۔

نازنین نے آگے بڑھ کر باری کو اٹھانا چاہا۔

''تو یوں کہیے ناں...... آپ کو خان نے اس کام کیلئے بھیجا ہے۔ حد ہو گئی۔ آخر میں نے کیا کہہ دیا۔ آخر ایک دن تو ان کی شادی کا پتا سب کو لگ جائے گا اور لگنا بھی چاہیے۔ شادی کوئی بری بات تو نہیں ہے''۔

وہ نازنین کے غصے کی پرواہ کئے بغیر بہت رسانیت سے کہہ رہی تھی۔

''یہ ہمارا دردسر ہے۔ تمہیں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں''۔ نازنین جیسے برس پڑی۔

''ادھر لاؤ۔ باری کو مجھے دو۔ تیمور اسے تمہارے پاس چھوڑنے پر راضی نہیں ہیں''۔ نازنین نے باری کو اٹھانے کی کوشش کی۔

''آپ اسے نہیں لے جا سکتیں چھوٹی دلہن۔ خان سے کہہ دیجیے۔ بچہ میرے مرحوم شوہر کا ہے۔ دوست دوست ہوتا ہے۔ اور شوہر شوہر ہوتا ہے۔ ان کا حق میرے حق سے زیادہ نہیں''۔ اس نے باری کو گود میں بھر لیا۔

''یہ ان کا حکم ہے''۔ نازنین چیخ چیخ گئی

''میں ان کی نوکر نہیں ہوں' عبدالعلی مہندی کی بیوہ ہوں۔ وہ خود ہی تو کہتے ہیں''۔ وہ ناگواری سے کہہ رہی تھی۔

''مگر تم دوسری جگہ شادی کی حامی بھر چکی ہو۔ اب تمہارا علی کی چیزوں یا اس کی اولاد پر کوئی حق نہیں ہے سمجھیں''۔

نازنین بپھر گئی۔ اس سے یہ گستاخی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

''کس نے کہا؟'' وہ تمسخرانہ انداز میں مسکرائی۔

''کیا؟'' نازنین سمجھی نہیں۔

''یہی کہ میں اس سوکھے اچھور سے شادی کی حامی بھر چکی ہوں''۔ مطربہ کا انداز خون کھولا دینے والا تھا۔

''تم حد سے بڑھ چکی ہو مطربہ۔ حویلی سے تمہاری چھٹی بھی ہو سکتی ہے''۔ نازنین نے دھمکی دی۔

''دے دیجیے چھٹی۔ چلی جاتی ہوں میں بچے کو لے کر''۔ وہ اطمینان سے گویا ہوئی۔

''بکواس کرنا چھوڑو۔ کچھ نہیں ہے اب یہ تمہارا۔ ادھر دو مجھے ورنہ تیمور خود آ کر لے جائینگے اور جو تمہارا حشر ہو گا وہ علیحدہ

"۔

نازنین نے شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھورا۔

"مجھے مت ڈرائیے۔اب مجھے کسی بات سے ڈر نہیں لگتا"۔وہ بے خوفی سے بولی۔

"ٹھیک ہے' میں بتا دیتی ہوں تیمور کو۔وہ خود نمٹ لیں گے"۔

"آپ اتنی ناراض کیوں ہو رہی ہیں۔مجھے تو خان کی شادی کی بات کب سے پتا ہے۔میں نے تو کسی سے نہیں کہا۔۔۔۔۔ اگر چاہتی تو کہہ سکتی تھی"۔

وہ جان جلانے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔نازنین سلگ کر رہ گئی۔چند لمحوں کے توقف کے بعد بڑی تیزی سے باہر چلی گئی۔

مطربہ' باری کو کاندھے سے لگائے بڑی عجلت میں باہر آئی اور اماں جی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

....

وہ بہت دیر اماں جی کے کمرے میں بیٹھنے کے بعد واپس اپنے کمرے میں آئی تھی اس کا خیال تھا تیمور علی خان اس کی جھاڑ جھپاڑ کرنے جلد ہی آئینگے لیکن خاصا وقت گزرنے کے بعد جب محسوس ہوا کہ وہ نہیں آئینگے تو اطمینان سے واپس کمرے میں آ گئی تھی۔

اسی دم روپا دیوی کمرے میں چلی آئی۔

"تیمور خاناں تسانوں بلاساں"۔

"کہاں ہیں؟" اس کا دل دھڑک اٹھا۔

"اپنے کمرے وچ"۔وہ روبوٹ کی طرح پیغام دے کر باہر نکل گئی۔

مطربہ نے باری پر ایک نگاہ ڈالی اور چادر اٹھا کر لپیٹی اور گہری سوچ میں تیمور علی خان کے کمرے میں چلی آئی۔

"جی خان"۔اس نے دستک دے کر ان کی اجازت کا انتظار بھی نہیں کیا تھا اور فوراً ہی اندر آ گئی تھی۔

"سنو...... کیا نام ہے تمہارا۔ہم تمہیں سرائے بھیج رہے ہیں۔اب تم ہمیشہ وہیں رہوگی۔تیاری کر لو۔صبح تمہیں ڈرائیور چھوڑ آئے گا۔اور پھر جب تک ہم اجازت نہ دیں۔تم دریا بستی واپس نہیں آؤ گی۔

"میں...... میں خان؟" وہ ایک لمحے کو چکرا کر رہ گئی۔

"ہاں صرف تم...... باری نہیں جائیگا...... وہ یہیں رہے گا"۔وہ حتمی انداز میں گویا ہوئے۔

"مگر وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتا"۔وہ بھی قطعی انداز میں گویا ہوئی۔

"جب وہ اپنی سگی ماں کے بغیر رہ سکتا ہے تو تمہارے بغیر بھی رہ سکتا ہے۔اب ہم تم سے کوئی مزید بات نہیں کرنا چاہتے۔تم جا سکتی ہو"۔

"وہ بہت ناراض لہجے میں ہمکلام تھے۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔جب تک یاور خاناں مجھے کہیں جانے کو نہیں کہیں گے میں یہاں سے ایک قدم بھی نہیں ہلاؤں گی"۔

وہ بڑی بے خوفی سے گویا ہوئی۔

"ان کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ہم نے بابا صاحب سے بات کر لی ہے۔جاؤ تم جا کر تیاری کرو۔ناؤ گیٹ آؤٹ"۔وہ بمشکل اپنے غصے پر قابو پا رہے تھے۔

"انہوں نے مجھے منع کیا ہے۔آپ پوچھ لیں ان سے"۔وہ نڈر انداز میں بات کر رہی تھی۔

"کیا منع کیا ہے؟" غصے کی جگہ حیرت نے لے لی۔

"یہی کہ میں حویلی سے کہیں نہیں جاؤں گی۔آپ پوچھ لیں ناں ان سے"۔

"کیا بدتمیزی ہے"۔وہ مشتعل ہو گئے۔

"آؤ...... ہمارے ساتھ"۔

وہ تیزی سے باہر کی طرف بڑھے' وہ بھی پرسکون انداز میں ان کے پیچھے چل پڑی۔

تیمور علی خان اس سے کہیں پہلے یاور علی خان کی خواب گاہ تک پہنچ گئے تھے اور دستک دے چکے تھے۔وہ ان سے تھوڑے فاصلے پر کھڑی ہو گئی۔

دروازہ نازنین نے کھولا تھا۔

"یاور بھائی جاگ رہے ہیں؟" تیمور کا انداز ناراض ناراض سا تھا۔

"ہوں...... پڑھ رہے ہیں۔البتہ میری آنکھ ابھی ابھی لگی تھی' نازنین نے حیرت سے پہلے انہیں پھر مطربہ کو دیکھا۔

"سوری بھابی۔بس ایک ایمرجنسی ہے"۔انہوں نے مہذبانہ انداز میں معذرت کی۔

"کوئی بات نہیں۔آ جاؤ۔مگر یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟"

نازنین نے ناراض سی نظر اس پر ڈالی۔اور دروازے کے ایک طرف ہو گئی۔یاور علی خان آوازوں کے سبب دروازے کی سمت متوجہ ہو چکے تھے۔تیمور کو سامنے پا کر چونک سے گئے۔کچھ ان کا چہرا بھی غیر معمولی تاثرات کا حامل ہو رہا تھا۔حیرت مزید بڑھ گئی۔جب مطربہ کو بھی اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔

"خیریت؟" انہوں نے الجھی ہوئی نگاہ سے بھائی کا چہرا پڑھنے کی کوشش کی۔

"خیریت ہی تو نہیں ہے۔کس عذاب کو داخل کیا تھا اماں نے حویلی میں"۔وہ برہمی سے گویا ہوئے۔

"کیا ہو گیا؟" وہ پھر الجھے۔

"ہم اسے سرائے بھیج رہے ہیں۔یہ حویلی میں پرابلم کری ایٹ کر رہی ہے۔اپنی حیثیت بھول چکی ہے۔محترمہ فرما رہی ہیں آپ نے انہیں منع کیا ہے کہ یہ حویلی سے باہر نہیں جائینگی"۔

"ٹھیک فرما رہی ہیں"۔یاور علی خان نے قلم میز پر رکھ دیا اور بہت آرام سے گویا ہوئے۔

"جی؟" تیمور علی خان تو گویا حیرت کے مارے جامد ہی ہو کر رہ گئے۔

"آپ نے سنا ناں کہ ہم نے کیا کہا"۔ انہیں یاور علی خان کا سٹائل یکسر بدلا ہوا لگا۔

"جی جناب...... اس لئے کہ بفضل خدا بہرہ نہیں ہوں"۔ ان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"یاور بھائی پلیز...... آپ بہت سادہ دل انسان ہیں۔ آپ کو پتا نہیں کہ"۔

"خیر، یہ تو پتا ہے کہ بہت احمق ہوں۔ بتانے کی ضرورت نہیں"۔ یاور علی خان نے خشک لہجے میں کہا۔

"پلیز یاور! آپ تیمور کی بات سنیں تو سہی"۔ نازنین کو یوں لگا کہ یاور علی نے بھائی کی جی بھر کے توہین کی ہو۔

"غالباً...... آپ کی اور تیمور کی رائے ایک ہے۔ ایک بے حیثیت سی لڑکی۔ کیا تکلیف پہنچ رہی ہے آپ کو اس سے۔ ایک کونے میں پڑی ہوئی ہے کیا کہتی ہے کسی کو؟"

ان کا انداز گفتگو بہت چبھتا ہوا تھا۔

"آپ فرصت نکالیں تو ہم بتائیں کہ مسئلہ کیا ہے"۔ نازنین نے برا مان کر کہا۔

"میرے پاس واقعی فرصت نہیں ہے۔ بس اسے میری درخواست یا سفارش سمجھ لیا جائے کہ اسے کہیں نہ بھیجا جائے"۔

"یاور بھائی۔ اس نے ہماری مہربانیوں کا مطلب بہت غلط لے لیا ہے اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو"۔

"تم نے تو اسے احسانات تلے دبا دینا چاہا تا کہ یہ تمہاری ممنون و مشکور ہو مگر بے چاری کی قسمت ہی کچھ ایسی تھی"۔

انہوں نے بہت مبہم سے تلخ لہجے میں تیمور علی خان کی بات کاٹ دی۔

"آپ کو اندازہ نہیں ہے یاور بھائی"۔

"ڈونٹ ڈسٹرب مور۔ پلیز"۔ یاور علی خان جھلائے۔

"آپ بھی اس لڑکی کے سامنے ہماری انسلٹ نہیں کیجیے۔ ہمیں حیرت ہے آپ ہماری بات سننے کے بجائے صرف اس کی بات کو اہمیت دے رہے ہیں"۔ تیمور علی خان کے لہجے سے ناراضگی بہت واضح تھی۔

"بات یہ نہیں ہے۔ اصول کی بات ہے۔ کہاں تو اس پر اتنی مہربانی ہوئی۔ کہاں یہ سلوک' کیوں اتنی اہمیت دے رہے ہو۔ یہ کہیں بھی رہے کیا فرق پڑتا ہے"۔ یاور علی خان کا لہجہ دھیما ہو گیا۔

"پہلے آپ تیمور کی بات تو سن لیں"۔ نازنین کو پھر مداخلت کرنا پڑی۔

"آپ سے سن لیں گے۔ ایک ہی بات ہے"۔ وہاں ہنوز ایک ضدی پن تھا۔

"یہ وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں"۔ نازنین نے زچ ہو کر کہا۔

"اور ہم بھی اتنے بے وقوف نہیں ہیں جتنا آپ لوگ سمجھ رہے ہیں"۔ یاور علی خان نے ایک کتاب اٹھا کر ورق گردانی کرتے ہوئے خفگی بھرے لہجے میں کہا۔

"خدانخواستہ۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو...... پہلے تو کبھی آپ نے ایسے نہیں کیا"۔ نازنین کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"ضروری نہیں ہمیشہ وہی ہو جو پہلے ہوا ہو۔ یہ کہیں نہیں جائے گی۔ یہ ہرگز اتنی اہم نہیں ہے کہ ہم لوگ اپنا وقت ضائع...

...بیس آل"۔

"یہ مطربہ نہیں ہے یاور۔ اس کا اسٹائل آپ نے نہیں دیکھا۔ بہت گستاخ ہو گئی ہے۔ چند دنوں بعد ہی سب کیلئے ...برداشت ہو جائیگی۔

"چند دنوں بعد ناں؟ دیکھ لیں گے"۔ یاور علی خان نے نازنین کی بات کاٹ کر بے نیازی سے کہا۔

"...جو تیمور کر رہے ہیں' وہ کرنے دیں۔ میں کہہ رہی ہوں ناں آپ سے؟" نازنین ہار نہیں مان رہی تھی۔

"تبدیلی ہی ضروری ہے تو پھر آپ کراچی چلی جائیں۔ ہماری طرف سے اجازت ہے"۔ وہاں سے پھر بے نیازی سے ...

"یاور آپ اس طرح میری انسلٹ نہیں کر سکتے"۔ نازنین کی آواز بھرا گئی۔

"یاور خاناں...... یہ لوگ مجھ سے بچہ بھی چھین رہے ہیں"۔ مطربہ نے اتنی دیر میں پہلی مرتبہ زبان کھولی تھی۔

"حد ہو گئی ظلم کی۔ یہ بچے کے قابل نہیں تھی تو پہلے اس پر مہربانی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" یاور علی خان کی پیشانی پر ...شکنیں پڑ گئیں۔

"دیکھیں یاور بھائی آپ کو اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔ بھابی کا خیال کیجیے"۔ تیمور علی خان ضبط کے کڑے مرحلوں سے گزر رہے تھے۔

"تم ان کا خیال کر سکتے ہو۔ اجازت ہے"۔ وہ سابقہ انداز میں بولے۔

"یہ آج کیا ہو گیا ہے؟" نازنین پر حیرت کا دورہ پڑنے لگا۔

"آج ہوا نہیں۔ اظہار ہوا ہے۔ اس سے پہلے آپ کی اتنی واضح یک جہتی بھی تو دیکھنے میں نہیں آئی"۔

"مزید بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بھابی۔ ہم بابا صاحب سے بات کر لیں گے"۔

تیمور علی خان ناراضگی سے کہتے ہوئے پلٹے۔

"مطربہ کے موضوع پر ان سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنی بھابی کے کراچی جانے کا انتظام کرو۔ جب کسی ...بیڈنس کا انتظار ہو جائے گا ہم بلا لیں گے"۔ یاور علی خان نے بہت سکون سے دھماکہ کیا۔

ایک ثانیے کو نازنین ششدر سی ان کی صورت دیکھتی رہ گئی۔

تیمور علی خان بھی ٹھٹک کر رک گئے۔

"ہم کسی کی نمک حرامی کی وجہ سے بھابی کے ساتھ یہ زیادتی نہیں ہونے دینگے"۔

"گیٹ لاسٹ یو...... آئی مین آل آف یو"۔

یاور علی خان کتاب بیڈ پر پٹخ کر بری طرح دھاڑے۔ ان کی آنکھوں سے وحشت چھلکنے لگی تھی۔

...ہکے بکے کھڑے رہ گئے۔ شادی کے بعد پہلی مرتبہ نازنین نے ان کی اتنی بلند آواز سنی تھی۔ تھرا کر رہ گئی۔

"یہ ہو گیا ہے یاور آپ کو"۔ وہ بہت ہمت کر کے آگے بڑھی۔

یاور علی خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس گہری گہری سانسیں لینے لگے۔

''بھابی...... فی الحال اسے کہیں اپنی شکل گم کرلے۔ جی تو چاہ رہا ہے اس شکل پر تیزاب پھینک دیں''۔ تیمور علی خان نے انتہائی نفرت سے کہا۔

مطربہ نے نازنین کو بولنے کی زحمت نہیں دی اور تیزی سے چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔

''دکھ اٹھاؤ تیمور علی خان ...... انسان کو دکھ بھی اٹھالینا چاہیں۔ کوئی ہرج نہیں''۔ کس درجہ سفا کی اتر چکی تھی اس کے اندر۔ جیسے اس کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہو۔

''دکھ دینے اور دکھ سہنے میں کیا فرق ہوتا ہے بندہ بشر کو جاننا چاہیے''۔

وہ بڑے نڈر انداز میں سوچتی ہوئی اپنے ٹھکانے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''بچہ چھین سکتے ہیں؟ اسے تو میں تمہاری طرف کا جرمانہ سمجھتی ہوں۔ میرے دکھوں کا حساب ہوگا اس کے ذریعے''۔

....

نازنین تیمور کے پیچھے پیچھے نکل آئی تھی۔

''تیمور کیا ہوگیا ہے انہیں؟'' وہ روہانسی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''کچھ نہیں بھابی! ہم سب نے زبردست دھوکا کھایا ہے''۔ وہ درحقیقت بہت پریشان تھے۔

''کیسا دھوکا؟'' وہ حیران ہوئی۔

''یہ لڑکی بہت ہوشیار نکلی ہے سب اسے بہت انوسینٹ سمجھ رہے تھے''۔ وہ فکرمندی سے گویا ہوئے۔

''یاور اس کو اتنا سپورٹ کیوں کررہے ہیں؟ وہ تو اس سے بات بھی نہیں کرتے تھے''۔ وہ عجیب سے اندیشوں میں گھری ہوئی تھی۔

''پریشان نہ ہوں۔ ہینڈل کرلیں گے''۔ وہ جیسے اس کے دل کی بات سمجھ رہے تھے۔

''کس قدر توہین کی ہے انہوں نے میری بھی اور تمہاری بھی۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ ایسے کیوں ہورہے ہیں۔ مجھ سے کیا غلطی ہوگئی ہے؟'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''تیمور...... کمبخت حسین بھی تو بہت ہے''۔ نازنین اندیشوں سے باہر نہیں آرہی تھی۔

''بھابی! کیا سوچنے لگی ہیں؟ یاور بھائی ایسے نہیں ہیں۔ ڈزن میٹر''۔ وہ بھاوج کی دل جوئی کرنے لگے۔

''اماں جی کا اندازہ غلط ہے تیمور۔ یہ شادی پر ابھی بھی رضامند نہیں ہے۔ مجھ سے اس نے خود کہا۔ کیا مطلب ہوا پھر اس کا؟'' وہ گھبرا کر پوچھ رہی تھی۔

''کچھ مطلب نہیں ہے۔ بات کچھ اور ہے۔ ہم یاور بھائی کو جانتے ہیں۔ وہ اس طرح کی کوئی حرکت نہیں کرسکتے۔ ایک دم جاہل گنوار ان پڑھ لڑکی۔ یاور بھائی اس طرح کی کمپنی کبھی نہیں پسند کرسکتے۔ صرف حسن سے کیا ہوتا ہے؟'' وہ سمجھانے کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

''مگر پتا نہیں مجھے کیوں ڈر لگ رہا ہے۔ پہلی فرصت میں بات بابا صاحب تک پہنچائیں تاکہ معاملہ کھلے''۔ وہ بہت ... تھی۔

''آپ فکر نہ کریں۔ ہم بھی سوچ رہے ہیں۔ اب اس کی حرکتیں بڑوں سے چھپانا بہت ہی حماقت ہوگی''۔

''میرا تو سر پھٹ جائیگا۔ یاور نے کبھی اس طرح نہیں کیا''۔ وہ بولی۔

''پتا چل جائے گا وہ ایسا کیوں کررہے ہیں''۔

''ایسا کریں پہلی فرصت میں اپنی شادی ڈکلیئر کردیں اس طرح اس کی بلیک میلنگ سے تو نجات ملے گی۔ پھر دیکھ لیں ...ہے''۔ وہ جلد بازی کے انداز میں گویا ہوئی۔

''ہماری شادی کا اس معاملے سے تو بظاہر کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ مگر چلیں، یہ بھی کرلیتے ہیں۔ کچھ دن بعد نہ سہی۔ آج ہی ...''۔ انہوں نے گویا نازنین سے اتفاق کرلیا۔

''نہیں بس اماں جی کا خیال تھا۔ باقی تو آسانی سے ہینڈل کیا جاسکتا ہے''۔ وہ سوچتے ہوئے بولے۔

''آخر ایک دن تو اماں جی کو پتا چلنا ہی ہے۔ بس دیر نہ کریں۔ میں زیادہ دیر یاور کا یہ رویہ برداشت نہیں کرسکتی''۔ وہ ...نی ہوگئی۔

''بھابی۔ اپس اینڈ ڈاؤن ...... یہ تو زندگی میں آہی جاتے ہیں۔ سب ٹھیک ہوجائیگا''۔ وہ تسلی دے رہے تھے۔

''آمین...... خدا کرے''۔ وہ بے ساختہ بولی۔

''اچھا۔ اب آپ اپنے کمرے میں جائیں۔ اور ریلیکس ہونے کی ٹرائی کریں''۔ انہوں نے نرمی سے اسے مشورہ دیا۔

''مجھے تو ڈر لگ رہا ہے یاور سے۔ پھر کوئی بات نہ ہوجائے''۔ وہ واقعی خوفزدہ تھی۔

''اوں...... ہوں...... کچھ نہیں ہوگا۔ آپ فکر نہ کریں۔ کوئی مسئلہ ہو تو ہم حاضر ہیں۔ آپ اکیلی تو نہیں ہیں''۔ وہ اس ...حوصلہ پیدا کرنے کی کوشش کررہے تھے۔

نازنین نے چند لمحے سوچا پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کمرے میں داخل ہوئی تو یاور علی خان سوئی ہوئی حالت میں ...لائے۔ اس نے سکون کا گہرا سانس لیا۔

....

اماں جی بہت فکرمندی بابا صاحب کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

...دلاور علی خان باپ کے پہلو میں اخبار کھولے بیٹھے تھے۔ دلاور علی خان اپنی چھڑی سے قالین کریدرہے تھے۔

''جی؟ خیر تو ہے۔ اتنی صبح صبح مجھے کیوں بلایا؟'' وہ ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''...ضروری کام پڑگیا ہے آپ سے''۔

''...دھیمی آواز میں بات کررہے تھے۔ پیشانی پر شکنوں کا جال بن گیا تھا۔ ایک دکھ کا تاثر چہرے سے واضح تھا۔

''جی...... کہیے''۔ نہ جانے کیوں ان کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

''آپ...... آپ نے چھوٹی دلہن کو یاور کیلئے پسند کیا تھا۔ کیا بات اچھی لگی تھی آپ کو؟''
وہ کچھ سوچتے ہوئے مخاطب تھے۔

''جی...... کیا مطلب؟ یہ کیا سوال ہوا۔ ساری دنیا میں مائیں بہویں پسند کرتی ہیں۔ میں نے کون سا انوکھا کام کیا تھا؟''
وہ بہت ہی حیرت سے شوہر کو دیکھ رہی تھیں۔

''یقیناً آپ ان کے حسن و جمال سے متاثر ہوئی ہوں گی''۔ وہ جیسے خود ہی کسی نتیجے پر پہنچ گئے۔

''یہ کیا بات ہوئی۔ حسن و جمال زیتون بانو کا کیا کم ہے؟ صرف حسن دیکھ کر اتنے بڑے فیصلے نہیں ہوتے۔ ماشاءاللہ انگریزی پڑھی ہوئی ہے اور خاندان بہت اچھا ہے۔ پشتوں سے کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ ان کی ماں بہت وضع دار عورت ہیں۔ یوگنڈا جانے سے پہلے وہ ہمارے ہاں آ کر رہیں۔ آپ سے بھی بات چیت رہی۔ اب تک تو ان سے آپ کی بس سلام دعا ہی ہوئی تھی۔ آپ نے نہیں دیکھا کتنی عقل مند اور طریقے کی عورت ہیں۔ اور شادی کے اتنے دنوں بعد بھلا کون سمدھیانے کی چھان پھٹک کرتا ہے۔ یہ آپ کو کیا سوجھی؟'' ان کی حیرت سوا تھی۔

''خاندان تو خیر بہت اچھا ہے یہ تو ہم بھی جانتے ہیں''۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

''یہ بتایئے۔ کیا وہ مطربہ کو پسند نہیں کرتیں؟'' انہوں نے بالکل ہی مختلف سوال کر دیا۔

اماں جی ہکا بکا ان کی صورت دیکھنے لگیں۔ ''کیا مطلب؟ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ مطربہ تو ناز سے بہت محبت کرتی ہے۔ اس کے کام اپنے ہاتھ سے کرتی ہے۔ اس کا بس چلے تو وہ دلہن کے بال بال موتی پروئے''۔ انہوں نے وثوق سے کہا۔

''پتا نہیں آپ کون سی دنیا میں رہتی ہیں؟ اتنی محبت ہے۔ جب ہی اس کا وجود حویلی میں برداشت نہیں''۔ وہ قدرے ناراض ہوئے۔

''ہیں؟'' وہ پھر دھک سے رہ گئیں۔ ''نہیں نہیں ایسا نہیں ہے۔ آپ لوگوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے''۔ انہوں نے باری باری بیٹے اور شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور بھلا مطربہ سے کسی کو کیا بیر۔ نہ تین میں نہ تیرہ میں۔ حد ہو گئی''۔ انہوں نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔

''ہوا کیا ہے؟ کبھی آپ چھوٹی دلہن کی بات کرتے ہیں۔ کبھی زیتون بانو کی۔ سیدھی سیدھی بات بتائیں مجھے''۔ اپنی پریشانی چھپا نہ پائیں۔

''بقول آپ کے وہ چھوٹی دلہن سے بہت محبت کرتی ہے۔ پھر چھوٹی دلہن اس کی دشمن کیوں ہو رہی ہیں؟'' بابا صاحب نے دریافت کیا۔

''کیا دشمنی ہو گئی ہے۔ کل دوپہر تو وہ ناز کے بالوں میں تیل ڈال رہی تھی۔ دونوں ہنسی خوشی باتیں کر رہی تھیں''۔ اماں جی کا حیرت سے برا حال تھا۔

''کل دوپہر کی نہیں کافی دن پہلے کی بات ہو گی۔ آپ شاید بھول رہی ہو رئیسہ کی ماں''۔

''سیدھے سیدھے کہیں سٹھیا گئی ہوں''۔ اماں جی برا مان گئیں۔

''بھئی اگر ایسی بات ہے تو وہ اسے حویلی سے نکالنے پر اصرار کیوں کر رہی ہیں''۔ انہوں نے بالآخر اصل معاملہ سامنے رکھا۔

''ہیں!'' وہ پھر سٹپٹا گئیں''۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی کہ نوبت یہاں تک پہنچے۔ لو بھلا بتاؤ''۔ وہ بڑبڑائیں۔

''صرف نکال ہی نہیں رہیں۔ بچہ اس سے لے رہی ہیں؟'' بابا صاحب نے مزید انکشاف کیا۔

''بچہ تو اس کے مر کا ہے کوئی کیسے لے سکتا ہے اور بچے سے اسے کیا دلچسپی۔ اس کا اپنا بچہ اس کی گود میں کھیل رہا ہے۔ دوسرا ابھی دنیا میں آنے والا ہے''۔ ان کی حیرت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

''ہم نے آپ کو اس لئے بلایا تھا کہ آپ سے ضروری معلومات حاصل کریں گے۔ مگر یہاں تو بے خبری ہی بے خبری ہے''۔ وہ کسی دھیان میں گم کہہ رہے تھے۔

''یاور بیٹے...... کیا بات ہو گئی ہے۔ تمہارے بابا صاحب تو مجھے الجھا رہے ہیں۔ میرا دل یوں بھی بہت کمزور ہے''۔ وہ یاور علی خان کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''بابا صاحب کو سب علم ہے۔ یہی آپ کو بتائیں گے امی جی۔ میرا تو اپنا دماغ پھٹنے کو ہے''۔ ان کی آواز سے شکستگی ظاہر تھی۔

''ہیں''۔ اماں جی دہل کر رہ گئیں۔

ان کا دل خوفناک اندیشوں سے سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا۔ یاور علی خان کی ٹوٹ پھوٹ ان کے ایک ایک خلیے میں اتر گئی تھی۔

''تیمور اور چھوٹی دلہن کسی قیمت پر بھی مطربہ کو حویلی میں رکھنے پر تیار نہیں ہیں۔ ان کا بس چلے تو وہ ابھی اس کا ہاتھ پکڑ کر حویلی سے باہر کر دیں''۔

''ہیں...... اب تیمور بھی آ گیا بیچ میں''۔ اماں جی نے بابا صاحب کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی بے تابی سے کہا۔

''یہی بات آپ کو سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ بات کچھ اور ہو گئی ہے۔ ان دونوں کو مطربہ کا وجود حویلی میں گوارا نہیں ہے۔ یہ بات البتہ سمجھ میں نہیں آ رہی کہ وہ بچہ اس سے کیوں لینا چاہ رہے ہیں''۔ بابا صاحب نے بتایا۔

''دوسری بات...... یاور کہہ رہا ہے اب وہ حویلی میں نہیں رہ سکتا''۔ انہوں نے بہت دکھی انداز میں اماں جی کو مطلع کیا۔

اماں جی حیران پریشان دلاور علی خان کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ استعجاب اتنا حاوی تھا کہ وہ کچھ بولنے کے قابل نہ رہی تھیں۔

''آپ مطربہ کو بلاؤ...... اپنے پاس اکیلے میں...... اس سے بات کرو، پوچھو حقیقت کیا ہے، اس لئے کہ جو کچھ ہم نے سنا ہے ہم اس کا یقین نہیں کر پا رہے اور خدا کرے جو سنا ہے وہ غلط ہو''۔

''بیٹے...... دلہن انگریزی پڑھی ہوئی ہے۔ تھوڑی آزاد خیال ہے۔ طبیعت میں ذرا غفلت اور لاپرواہی ہے۔ تم اتنا آگے جا کر نہ سوچو''۔

دلاور علی خان نے یاور علی خان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بہت شفیق لہجے میں کہا۔

''میں قیامت تک اس طرح کی کسی بات کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ مگر بابا صاحب مطربہ جیسی بے وقوف اور بزدل لڑکی ان دونوں کے سامنے اپنی کہی ہوئی بات دہرانے کو تیار ہے۔ اس کا کیا مطلب ہوا؟ وہ بے وقوف ہے مگر اتنی نہیں کہ اسے اندازہ نہ ہو۔ وہ کیا کہہ گئی ہے اور بات غلط ثابت ہونے پر آپ کے ہاتھوں اس کا کیا حشر ہوسکتا ہے۔ آپ اس پوائنٹ پر غور کریں''۔ یاور علی خان نے تھکے تھکے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی۔

''اسی بات نے ہمیں بے حد پریشان کردیا ہے''۔ وہ ہارے ہوئے انداز میں گویا ہوئے۔

''اماں جی!'' نہایت سہمے ہوئے انداز میں دونوں کو دیکھ رہی تھیں ان کا وجدان کسی بہت بڑے خطرے کی گھنٹی بجا رہا تھا۔ جس کے سبب ان کی قوت گویائی سلب ہوکر رہ گئی تھی۔

''اب یہی ہے کہ تمہاری ماں مطربہ سے تنہائی میں حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد ہی سوچا جاسکتا ہے کہ آگے کیا کرنا چاہیے''۔

''کیا پوچھنا ہے زیتون بانو سے؟'' اماں جی کی آواز کانپ رہی تھی۔

''یہی کہ وہ بات جو اسے آپ سے کرنا چاہیے تھی اس نے یاور سے کیوں کی؟ کیوں اسے پریشان کیا؟ ہوسکتا ہے جو کچھ اس نے سمجھا وہ صرف اسی کی احمقانہ سوچ ہو''۔

طوفان سر پر پہنچا ہوا محسوس ہورہا ہو تو پھر دعا طوفان ٹالنے والے کسی معجزے کی ہوتی ہے۔ معجزہ بھی وہ جو اگلے ہی لمحے ہو۔ اب خان دلاور علی خان معجزے کے مرحلے پر آگئے تھے۔ انہیں اب صرف معجزہ چاہیے تھا۔ ایسے میں خود فریبی ہی پہلا مرحلہ ہوتی ہے معجزے کا۔

''کیا بات کی اس نے یاور سے؟'' اماں جی کی معصوم آنکھوں سے خوف اور تشویش برسنے لگی۔

حالانکہ وہ بات جو ان تک پہنچنے والی تھی اس نوعیت کا خیال تو انہیں بہت گہرائی میں جاکر بھی نہ آسکتا تھا۔ ان کا دھیان کسی اور ہی سنگین قسم کے جرم کی طرف آرہا تھا۔

''یہی کہ نازؔ یاور کے ساتھ خوش نہیں ہے اور تیمور''۔

''ارے۔ آسمان پھٹ جائیگا۔ کچھ خوف خدا کریں''۔

ان کی حسیات تو اتنی چوکس تھیں کہ ادھوری بات سے انہوں نے پوری کہانی اخذ کرلی۔

''لاحول ولا قوۃ۔ میں مری نہیں' حیرت ہے زندہ ہوں...... ارے میرے اللہ''۔ وہ ایک طرف ڈھلک گئیں۔ دونوں باپ بیٹے ان کی طرف تیزی سے بڑھے۔

''یاور! اپنی ماں کو بستر پر لٹاؤ''۔ دلاور علی خان نے ملازم کو بلانے کیلئے گھنٹی بجائی۔

''یہی خطرہ تھا ہمیں''۔ وہ کہہ رہے تھے۔

''یاور! تمہاری ماں کا دل بہت کمزور ہے بیٹے''۔ وہ دکھ سے گویا ہوئے۔

''مجھے اسی بات کا تو خطرہ تھا۔ بابا صاحب۔ اسی لئے تو آپ سے کہا تھا مجھے خاموشی سے خدا حافظ کہہ دیں''۔ وہ کتنے ٹوٹے ہوئے محسوس ہورہے تھے۔

''مگر ایسے کیسے کہہ دیں۔ تم اولاد ہو ہماری۔ پھٹا ہوا کپڑا تو نہیں''۔

وہ اماں جی کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ یاور علی خان ماں کے تلوے سہلا رہے تھے۔ چند لمحوں بعد روپا دیوی کمرے میں داخل ہوئی۔

''روپا!...... بڑی دلہن کو بلاؤ۔ اور ایک گلاس پانی گلوکوز ملا کر لاؤ''۔ دلاور علی خان نے فوراً حکم دے کر اسے الٹے پاؤں روانہ کیا۔

مطربہ سوپ لئے دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی۔ مگر قدم ایک دم من من بھر کے ہوگئے۔ سامنے ہی تیمور علی خان ماں کے بالکل قریب بیٹھے تھے۔ انہوں نے دروازے کھلتے ہوئے دیکھا پھر مطربہ کو اندر آتے ہوئے۔

وہ ٹرے تپائی پر رکھ کر اماں جی کو بغور دیکھنے لگی کہ آیا جاگ رہی ہیں یا سو رہی ہیں۔ تیمور علی خان نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ خاموش بیٹھے ماں کا ہاتھ سہلاتے رہے۔

''اماں جی! آپ جاگ رہی ہیں؟'' اس نے براہ راست اماں جی کو مخاطب کیا۔ تیمور علی خان کو مخاطب کرنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔

''کون؟ زیتون بانو؟'' اماں جی نے آنکھیں کھول دیں۔

''جی...... سوپ بنایا ہے بڑی بیگم نے آپ کیلئے''۔ وہ دھیمی آواز میں کہنے لگی۔

''لے جا اپنا سوپ ووپ۔ میرا جی نہیں کررہا کسی چیز کو''۔ وہ بے زاری سے گویا ہوئیں۔

''تھوڑا سا لے لیں...... آپ نے دوپہر کو کھانا بھی نہیں کھایا۔ مرغی کا سوپ ہے''۔ وہ اصرار کے انداز میں گویا ہوئی۔

''مرغی کا ہو یا اونٹ کا۔ کہہ دیا ناں۔ میرا دل نہیں کررہا۔ لے جا یہاں سے''۔ وہ اسی سابقہ بیزار کن انداز میں گویا ہوئیں۔

''لے لیجئے اماں جی...... کمزوری بڑھ جائے گی۔ پلیز''۔ تیمور علی خان نے بہت خوشامدانہ انداز میں کہا۔

''یا تو آپ پریشانی بتایئے یا سوپ لے لیجیے۔ پتا تو چلے ناں آپ کیوں پریشان ہیں''۔ تیمور علی خان نے محبت سے ماں کا ہاتھ دبایا۔

''کچھ نہیں۔ جاؤ تم بھی اپنا کام کرو۔ میں ٹھیک ہوں''۔ انہوں نے بے زاری سے جواب دیا۔

''ایسے کیسے چلے جائیں۔ اتنی دیر سے پوچھ رہے ہیں کہ آپ کو کیا پریشانی ہے۔ آپ بتائیں گی تو دور کرنے کی کوشش کریں گے''۔

وہ بھلا باز آنے والے تھے۔ وہ خاموشی سے گہری سانسیں لینے لگیں۔

''مجھ سے زیادتی برداشت نہیں ہوتی تیمور۔ تم اس بے آسرا بچی کو کیوں پریشان کررہے ہو۔ کیوں نکال رہے ہو سے

حویلی سے"۔ وہ جیسے پھٹ پڑیں۔

"نکال تو نہیں رہے۔ سرائے بھیج رہے ہیں۔ یہ آہستہ آہستہ مسئلہ بن رہی ہے۔ اب آپ کو کیا بتائیں اور کیا نہ بتائیں"۔

"اس کی جگہ کوئی اور انسان ہوتا تو وہ ہمارے لئے نعمت بن جاتا۔ ہمیں بھی سکون پہنچاتا اور خود بھی سکون سے رہتا۔ مگر اسے مہربانیاں راس نہیں آئیں۔ ہم تو لندن چلے جائینگے۔ مگر پھر یہ آپ کیلئے مسئلہ بن جائیگی۔ اماں جی آپ نے جو مہربانی اس کے ساتھ کی۔ ہم سب کو بھگتی پڑ رہی ہے۔ یہ اپنا آپ بھول بیٹھی ہے۔ برابری کرنے لگی ہے۔ ٹھیک ہے ہم ہی اسے برابر لے آئے تھے۔ مگر کچھ اس کو بھی تو سوچنا چاہیے۔ آپ نے اس کی گستاخی دراصل دیکھی نہیں ہے"۔

"ارے ایک کونے میں پڑی ہوئی ہے کیا کہہ رہی ہے کسی کو"۔ اماں جی نے ان کی بات کاٹ دی۔

"کاش ایک کونے میں پڑی رہنے والی ہوتی۔ حویلی کے معاملات میں مداخلت کرنے لگی ہے۔ یہ ہم برداشت نہیں کر سکتے"۔

☆......☆......☆......☆......☆

تیمور علی خان ماں کی حالت کے پیش نظر اٹھ کر تو آ گئے تھے مگر بہت الجھ گئے تھے۔ پتا نہیں انہیں کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ پس پردہ کوئی بڑا طوفان متحرک ہے جو سامنے آنے ہی والا ہے۔

وہ پھر بے کل انداز میں ماں کے پاس دوبارہ آ گئے تھے۔ یہ ان کیلئے مزید بہتر ہوا کہ وہاں مطربہ نہیں تھی۔

اماں جی آنکھیں موندے لیٹی تھیں، وہ خاموش انداز میں ان کے قریب پڑی کرسی پر آ کر بیٹھ گئے تھے۔

"میرا بیٹا ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ہاں تو کنیزیں بھی سر ڈھانک کر پھرتی ہیں۔ اور بڑی آبرو کے ساتھ بیاہی جاتی تھیں"۔ وہ بے اختیار بڑبڑا رہی تھیں۔

"میرے اللہ تو مان رکھ لے میرا۔ میری عزت رکھ لے"۔ وہ پھر بڑبڑائیں۔

تیمور علی خان بری طرح چونک پڑے۔ جانے کیا کیا ان پر الہام ہونے لگا۔ پھر کسی یوسف کا دامن پیچھے سے پھٹا ہے؟ نہایت مضبوط اعصاب ہونے کے باوجود ان کی نگاہوں کے سامنے تاریکی چھانے لگی۔ [illegible]

وہ احمق جاہل لڑکی۔ اتنا نہیں کر سکتی۔ لیکن کیا پتا کر گئی ہو؟ رات کی تاریکی میں چھپ [illegible] سے نکاح کرنے والا ایسا روشن ضمیر ہوتا تو نکاح روشنیوں میں ہوتا۔

خان کاغذی نسب سے کیا ہوتا ہے۔ کہہ تو دیا سرکار ﷺ نے کہ تقویٰ سے بلند کوئی نسب نہیں۔ آ تو گئی ہے وضاحت ان کی ساری خطبہ حجۃ الوداع میں۔ یہ ہم زنگ کھائے ہوئے انسان ابھی تک نسب کی حقیقت سمجھ ہی نہیں پا رہے۔ تو یہ بات ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر کارروائی کا آغاز کس سے ہونا چاہیے۔ ہم نہیں چھوڑیں گے اسے۔ ان کی آنکھوں سے لہو ٹپکنے لگا۔

"اماں جی! ہم خاصے آزاد خیال' تھوڑے سے نافرمان اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کے معاملے میں تھوڑے سے لچک اور سنگدل ضرور ہیں۔ مگر اس درجہ کمینے اور گھٹیا نہیں ہیں"۔

وہ خود پر کنٹرول کھو چکے تھے اور کچھ اس بات کی بھی جلدی تھی کہ ماں کو تکلیف دہ کشمکش سے نجات دلا دیں۔ جس کے سبب ان کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ انہوں نے بے اختیار ماں کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ان کی آواز شدت جذبات سے لرز رہی تھی۔

اماں جی نے چونک کر آنکھیں کھول دی تھیں۔ تیمور کے جملے نے انہیں تڑپا کر رکھ دیا تھا۔

"ہاں مجھے، یقین ہے میرا بیٹا ایسا نہیں ہو سکتا"۔ اماں جی کی آنکھوں میں نئے سرے سے چمک آ گئی۔

"جب آپ کو یقین ہے تو پھر آپ کی یہ حالت کیوں ہوئی؟" تیمور علی خان کے انداز میں شکوہ تھا۔

"یہ تو اس بات کا صدمہ ہے کہ میرے گھر میں اس طرح کی بات ہوئی کیوں۔ غلط خواہ صحیح۔ ہمارے ہاں ایسی بات کا بھی بھی تصور نہیں کیا جا سکتا"۔

اماں جی میں نئے سرے سے توانائی آتی محسوس ہو رہی تھی۔

"تو پھر جھگڑا کیا ہے۔ جب کوئی بات ہی نہیں ہے۔ پڑی ہوئی ہے ایک طرف تمہارا کیا لیتی ہے بیٹے۔ چھوڑ دو اسے اس کے حال پر"۔

وہ تیمور علی خان سے گویا سفارش کر رہی تھیں۔

"حد ہو گئی اماں جی...... ابھی بھی آپ اس کی سفارش کر رہی ہیں۔ اب تو آپ کو چاہیے کہ پہلی فرصت میں اسے یہاں سے شفٹ کر دیں تاکہ آئندہ اس قسم کا کوئی مسئلہ دوبارہ سر نہ اٹھا سکے۔ اتنی گھٹیا الزام تراشی وہ بھی ہم پر۔ خفگی اور دکھ کی ملی جلی کیفیت تھی اس وقت ان کی۔

"کم عقل ہے...... سمجھا دوں گی اسے۔ بے سہارا بچی ہے۔ اسے بھرے کنبوں میں رہنے کا تجربہ بھی نہیں اور رشتوں کی نزاکتوں تک اس کے دماغ کی پہنچ نہیں۔ جانے کس بات کو کس رنگ میں لے بیٹھے۔

"میں تمہارے بابا صاحب کو یہی سمجھانا چاہ رہی تھی کہ اس طرح غصے اور تیزی میں نہیں سوچیں۔ میرا تیمور اپنی بھاوجوں کی جتنی عزت کرتا ہے شاید ہی کسی دیور نے کبھی کی ہو۔ نہ ہی نازنین کوئی ایسے گرے پڑے گھر کی ہے جہاں گدھے گھوڑے ایک ہو رہے ہوں"۔

"یہ ناز بھابی کا اس قصے میں کیا ذکر؟" تیمور علی خان نے تعجب کا مظاہرہ کیا۔ اگرچہ اندر کہیں ایٹم بم گرا تھا۔

اماں جی ان کی شکل غور سے دیکھنے لگیں۔ (تو پھر کس کا ذکر؟) مگر وہ معاً چپ ہو کر رہ گئیں۔

دونوں ماں بیٹے اپنی اپنی خاموشی میں کچھ ڈھونڈنے لگے تھے۔ دونوں کو ادراک ہوا تھا کہ بات وہ ہے جو کبھی جا چکی ہے ہونی وہ ہے جو سمجھائی جا چکی ہے۔ بلکہ بات تو وہ ہے جو نوک زبان پر آنا ہر طرف کسی مرحلے سے کم نہیں۔

دکھ ہو خوشی دونوں کیفیات ان گنت موڑ رکھتی ہے ان کی لاتعداد منزلیں مقرر ہیں۔ مرحلے متعین ہیں۔

دونوں ماں بیٹے۔ اس وقت دو علیحدہ علیحدہ کیفیات سے گزر رہے تھے۔

اماں جی کی حیرت تکلیف دہ الجھن میں تبدیل ہو چکی تھی۔

"ہم آپ سے پوچھ رہے ہیں اماں جی کہ ناز بھابی کا اس قصے سے کیا تعلق؟ ہم تو اس بے حس و بے ضمیر لڑکی کا ذکر کر رہے تھے جس نے ہمیں آپ کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی ہے۔ پھر یہ بھاوجوں کا یا دیور بھابی کے رشتے کا ذکر درمیان میں کہاں سے آ گیا؟"

اونچے چوڑے تیمور علی خان کے سینے میں ایک ذرا سے دل نے تباہی مچا رکھی تھی۔ وہ بات جو سمجھ میں آ رہی تھی اتنی خوفناک تھی کہ اس وقت انہیں اعلیٰ درجے کی معجزاتی امداد درکار تھی جو انہیں کسی انتہائی اقدام سے باز رکھ سکے۔

"آپ چپ کیوں ہیں اماں جی؟ ایک بات بتا دیں' ہم آپ کو' اگر ہم اس کے سو ٹکڑے یاور بھائی کے سامنے نہ کریں تو پھر کہیے گا"۔

وہ مٹھیاں بھینچے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اتنی ہمت اس کم ظرف کی۔ ابھی نمٹتے ہیں"۔

اماں جی روکتی رہ گئیں مگر وہ باہر نکل گئے تھے۔

سامنے ہی ماما بلی آ گئی تھی

"ماما! مطربہ کہاں ہے؟"

سنا ہے جب انسان پر خون سوار ہوتا ہے تو اس کے خون سے بھاپ اٹھ رہی ہوتی ہے۔ ماما کو ان کے وجود سے کچے گوشت کی بو آنے لگی۔ کہ ان کی آنکھیں اندر کا بھید بتا رہی تھیں۔

ماما تو تھر تھر کانپنے لگی۔

"خ...... خ...... خان۔ ابھی تو یہیں تھیں۔ باورچی خانے میں۔ نہیں نہیں اپنے کمرے میں۔ نہیں وہ ادھر باغ میں"۔ ماما کی بدحواسی نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"ماما! ہمیں ٹھیک جگہ بتاؤ ورنہ ہم تمہیں شوٹ کر دیں گے"۔

ان کی غراہٹ بتا رہی تھی کہ بشریت کے دائرے سے نکل کر اتنی دور آ گئے ہیں کہ انہیں واپس لوٹانے کی کوشش میں اعلیٰ درجے کی ناکامی ہو گی۔

"ارے ہم اماں جی بھی ہانپتی کانپتی چلی آئی تھیں۔

"ارے میرے بچے میری بات تو سن...... تو نے بات تو سنی نہیں"۔ وہ یوں چمکارنے لگیں جیسے چھوٹے بچے کو بہلاتے

ہیں۔

مگر تیمور علی خان کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

اسی دم مطربہ باری کی انگلی تھامے ایک موڑ سے راہداری میں نمودار ہوئی۔ وہاں کی صورتحال پر قدرے جھکی جیسے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"تیمور علی خان اس کی طرف عقاب کی طرح جھپٹے تھے۔ مطربہ کے حواس اتنے چوکس تھے کہ وہ آن کی آن میں بہت کچھ سمجھ گئی۔

وہ باری کو وہیں چھوڑ کر بابا صاحب کے کمرے کی طرف سرپٹ بھاگی۔

دلاور علی خان ٹیلی فون پر کوئی بہت ضروری بات رازدارانہ انداز میں کر رہے تھے۔ دروازہ دھڑ سے کھلا اور مطربہ گرتی پڑتی اندر گھستی نظر آئی تو انہوں نے مخاطب کو مطلع کیے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

"کیا بدتمیزی ہے لڑکی؟" وہ حیران بھی تھے اور ناراض بھی مگر صرف ناراضگی ظاہر کر رہے تھے۔

"خ...... خان!" وہ ان کے بیڈ کی پشت پر آ کھڑی ہوئی"۔ خان وہ تیمور خاناں۔ مجھے بچا لیں"۔

ابھی وہ اتنا ہی بول پائی تھی کہ تیمور ست قدموں سے اندر داخل ہوئے۔ باپ کی موجودگی کو شاید وہ کسی بھی موڑ میں نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ عجیب بے بسی ان پر چھا گئی تھی۔

ادھر اماں جی نے "امدادی کارروائی" کا کورم پورا کرنے کی غرض سے یاور علی خان کو پکار لیا تھا۔

"کیا ہوا بیٹے۔ ہوش میں آؤ۔ عورت ذات ہے"۔

وہ بہت ہی گھبرائے ہوئے انداز میں تیمور علی خان کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔ یاور علی خان بھی بابا صاحب کی خوابگاہ میں داخل ہوئے۔

"یہی بھول ہم سب سے ہوگئی ہے۔ یہ عورت ذات نہیں ہے"۔

عزت نفس پر ایسی کاری پڑی تھی کہ سارا اکتساب۔ ساری سیکھ اڑن چھو ہوگئی تھی۔ اب تو منظر پہ ایک خوش شکل حیوان غرا رہا تھا۔

"بیٹے! اس نے کچھ نہیں کیا۔ کچھ نہیں کہا۔ تم میری بات تو سنو"۔ اماں جی پھر ملتجی انداز میں تیمور علی خان کی تھوڑی چھو کر بولیں۔

"اچھا اس نے کچھ نہیں کیا۔ پھر ایسا کیا ہے کہ یاور بھائی ہماری شکل سے بیزار ہیں۔ بات ابھی ابھی سمجھ میں آئی ہے"۔ وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بمشکل گویا ہوئے۔

"ہمارا نام مت لو تیمور۔ ہم تم سے پہلے اسے مطلع کر چکے ہیں کہ غلط بیانی ثابت ہوئی تو اس کا انجام ہمارے ہاتھوں بہت عبرتناک ہوگا۔ یہ بے وقوف ضرور ہے' پاگل نہیں ہے"۔ یاور علی خان کا لہجہ قطعی غیر جانبدار اور سپاٹ تھا۔

"آپ لوگ بیٹھ جائیں"۔

بابا صاحب کی پرجلال آواز گونجی۔ اماں جی تو تابعدار بچے کی طرح جھٹ بیٹھ گئیں۔ اس آس میں کہ خان صاحب عذاب سے نکالنے کیلئے کوئی بہترین اقدام کرنے والے ہیں۔ ان کی نازک طبع اس قدر تناؤ زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

یاور علی خان باپ کے قریب پڑی کرسی پر آ بیٹھے۔ تیمور علی خان بادل نخواستہ صوفے پر بیٹھ گئے۔

"تم ادھر آؤ لڑکی...... ہمارے سامنے کھڑی ہو"۔

وہ اپنی چھڑی پر دونوں ہاتھ مضبوطی سے جمائے کھڑے تھے۔ بغیر حرکت کیے انہوں نے مطربہ کو مخاطب کیا۔

مطربہ سر پر چادر ٹکاتی آہستہ چلتی ہوئی ان کے بہت قریب آ کھڑی ہوئی۔ اس زاویے سے کہ دونوں بھائی کسی بھی وقت اسے نقصان پہنچانے کی کیفیت میں آ جائیں تو بابا صاحب سے گزرے بغیر اس تک نہ پہنچ سکیں۔

بابا صاحب کا بیڈ داخلی دروازے سے کافی فاصلے پر دریچے کے بالکل ساتھ لگا ہوا تھا۔ دیوار اور بیڈ کے درمیان بمشکل دو قدم کا فاصلہ تھا۔ جہاں کچھ دیر قبل مطربہ پھنسی ہوئی تھی۔

جس صوفے پر تیمور بیٹھے تھے۔ وہ داخلی دروازے کے بالکل ساتھ تھا اور جس کرسی پر یاور علی خان بیٹھے تھے۔ وہ کسی بیڈ کی پائنتی کی طرف تھی۔

جبکہ یاور علی خان اور مطربہ کے درمیان بابا صاحب سرو قد کھڑے تھے۔ اماں جی یاور علی خان کے قریب بیڈ پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اور نہایت حواس باختہ تھیں۔ کبھی اضطراری انداز میں دوپٹہ سنبھالتی تھیں۔ کبھی بیٹوں کی شکلیں دیکھنے لگتی تھیں۔

"تمہیں نہ آداب غلامی آتے ہیں نہ آداب مختاری۔ اے بدنصیب لڑکی تمہیں اتنی جرات ہوئی کیسے کہ تم یاور علی خان سے براہ راست بات کر سکو' جرات کو بھی نظر انداز کر دیں تو یوں کیوں نہ کہیں کہ تم اس قدر بے حیا ہو چکی ہو۔ عورت کے پاس حیا کے علاوہ بڑی کون سا ہوتا ہے۔ ہمارے منہ میں خاک اگر کسی قسم کی من گن تمہیں مل ہی گئی تھی تو کیا تمہیں یہ زیب دیتا ہے کہ تم ہمارے ہوتے ہوئے گھر کے لڑکوں سے براہ راست بات کرو۔

"صحیح یا غلط چھرا ابھی اس کی پیٹھ میں اتارو جس نے تمہاری بھلائی کیلئے سب سے زیادہ جرات دکھائی۔ عملی کام کیا؟

"کیوں کی تم نے یہ حرکت؟" وہ بغیر نگاہ اٹھائے مطربہ سے مخاطب تھے۔

وہ خاموش کھڑی انگلیاں چٹختی رہی۔

"کیا تمہیں ادھر حویلی میں کسی نے مشورہ دیا تھا کہ یاور علی خان سے تم خود بات کرو"۔ وہ پھر خاموش کھڑی رہی

"دیکھ رہے ہیں آپ اس کی ڈھٹائی؟" تیمور علی خان نے شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھورا۔

مطربہ نے نگاہیں اٹھا کر تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

"کل مجھے کالج پر لوٹی تھی خان۔ تمہارے شملے میں پھندنے لٹک رہے تھے۔ تمہارا دوست صبح اٹھنا تھا جیسے جنت سے اترا تھا۔ تم نے مجھ پر احسان کیا یا نئے سرے سے مجھے نیچ ہونے کا احساس دلایا۔ خود تو تم نے کبھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ میری کوئی ہستی ہے مجھے تو گھڑی گھڑی بڑی خاموش تاکید کی گئی کہ اپنی اوقات پہچانوں۔

اور نہیں تو میرا دکھ سن لیا تھا۔ بغیر آواز کے تو بغیر کچھ دیئے ایک طرف ہو جاتے۔ نہیں۔ نہیں۔ تم کچھ پا گئے تھے۔ ہی
لے مجھے سزا دی تھی۔ حفاظت کیلئے اور دوسرے راستے بھی تھے۔

میرا تن من روندا گیا ہے۔ میرے دل کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ میں بغیر خوشی کے رہ سکتی ہوں تو اور سب کیوں نہیں رہ سکتے؟ جب میں برباد ہو کر سانس لے سکی ہوں تو اور دوسرے ایسا کیوں نہیں کر سکتے۔ مدتیں ہوئیں کھلی آنکھوں صبح کی پہلے دیکھتی ہوں۔

اگر یہ سب بے قصور ہیں تو میں بھی بے قصور تھی۔ ان کی کوئی اور دنیا اور کوئی اور خدا نہیں ہے۔

تمہیں کیا پتا خان۔ اپنا وجود پیش کرنا عورت کی سب سے بڑی سخاوت اور سب سے بڑی ہار ہے۔ مگر یہ ہار مرضی کی ہو تو عورت گلاب اگاتی ہے اور مرضی کی نہ ہو تو اس ڈاکے پر کبھی خود کو معاف نہیں کرتی۔ میرے اندر آگ دہک رہی ہے۔ میرا بہت نقصان ہوا ہے۔ میں کسی پر رحم نہیں کھاؤں گی۔ سب کچھ جلا کر خاک کر دوں گی۔ جب میں رو سکتی ہوں تو دوسرے کیوں نہیں رہ سکتے۔ جب میں مر مر کے جی سکتی ہوں تو اور کیوں ایسا نہیں کر سکتے۔

جب میری ہنسی کے بغیر آس پاس خوشی برس سکتی ہے۔ جب علی کے بغیر اس کے جیتے جی اس کے ماں باپ زندہ رہ سکتے ہیں۔ جب اس کے بغیر اس کا محکمہ چل سکتا ہے۔ جب میرے بغیر میری ماں زندہ رہ سکتی ہے۔ جب میرا باپ اپنا نسب ایک طوائف کی جھولی میں ڈال سکتا ہے تو پھر سب کچھ ہو سکتا ہے۔ وہ میرے ہاتھ تو آئے پھر بتاؤں گی اسے بھی بھول کی قیمت۔

''بے ادب...... کیا گونگی بنی کھڑی ہے۔ کیا پوچھ رہے ہیں تیرے بڑے خان؟''

اماں جی نے اس کی مسلسل خاموشی پر نہایت ناراضگی سے ٹوکا۔

''کیا؟'' وہ بری طرح چونک کر ان سب کی صورتیں دیکھنے لگی۔ ''جی خان...... کیا پوچھا آپ نے؟''

''تو نے یاور علی خان سے کیا الٹی سیدھی بات کی۔ شرم آنا چاہیے تجھے خانوں سے اس طرح کی بات کرتے ہوئے؟''

اماں جی کو اندازہ تھا کہ دلاور علی خان اس وقت خون کے گھونٹ پی رہے ہیں' لہٰذا انہوں نے شریک حیات کی معاونت کی۔

''یاور خاناں بہت مہربان' بہت نیک انسان ہیں۔ وہ سب کی عزت کا حق پہچان کر بات کرتے ہیں۔ مجھے اچھا نہیں لگا کہ ان کا اپنا بھائی ان کے ساتھ اتنی بڑی زیادتی کر رہا ہو اور انہیں خبر بھی نہ ہو'۔

کمرا ہلا تھا یا پوری حویلی۔ یا چھت سر پر آ رہی تھی۔

کمرے میں اس طرح کی خاموشی تھی جیسے کسی مرنے والے کی آخری ہچکی سے پہلے ماحول میں سکوت چھایا ہوا ہوتا ہے' جبکہ اس کے پلنگ کے پاس ہر طرح کا رشتہ موجود ہوتا ہے مگر لب بستہ ہوتا ہے۔

تیمور علی خان یوں بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے جیسے کسی تصحیح کے منتظر ہوں جیسے وہ بولنا کچھ اور چاہ رہی ہو اور بول کچھ اور گئی ہو۔ یا پھر انہیں مغالطہ ہی ہوا ہو۔

''آپ خود بتائیں بڑے خان! میں یہ بات اور کسی سے کیوں کہتی۔ اس کا کیا فائدہ ہوتا؟ یاور خاناں ہی اپنی بیوی کے

بارے میں ...... میں بہت دفعہ بہت کچھ دیکھ چکی تھی۔ جب مجھ سے برداشت نہیں ہوا تو میں نے یاور خاناں سے کہہ دیا''۔

یاور علی خان نے جوتے کی نوک سے قالین کو مسلا پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر باہر نکل گئے۔

اماں جی سکتے کی کیفیت میں دل پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھیں۔

تیمور علی خان دکھ اور حیرت سے پتھرا کر رہ گئے تھے۔

دلاور علی خان انتہائی شکستہ انداز میں بیوی کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

بابا صاحب ہنوز چھڑی پر مضبوطی سے جمے تھے مگر سر جھکا ہوا تھا۔

''بیگم جی، ہاں! اس سے پوچھو' یہ ایسا کیوں کر رہی؟''

ان کی کمزور سی آواز کمرے میں ابھری۔ اگر ایسا کچھ تھا بھی تو اسے زبان سینا چاہیے تھی یا یہ سب کرنا چاہیے تھا۔

اماں جی خالی خالی آنکھوں سے مطربہ کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

چند لمحے بعد تیمور علی خان اپنی جگہ سے اٹھے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے مطربہ کے قریب آئے۔ بابا صاحب نے اپنی نشست میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اماں جی میں سکت نہ تھی۔

مطربہ اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

تیمور علی خان تیرہ پونڈ مالیت کی بلیک اسٹائلش پتلون اور لیمن کلر شرٹ میں ملبوس بلا کے خوبصورت اور پر کشش نظر آ رہے تھے۔

''کیا چاہیے تمہیں؟'' ان کی آواز میں کوئی اتار چڑھاؤ نہیں تھا۔

مطربہ سر جھکائے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ بابا صاحب کی موجودگی میں تھوڑی بہت تقویت ضرور تھی مگر تیمور علی خان سے شرافت ہر طرح کی امید کی جا سکتی تھی۔

''ہم پوچھ رہے ہیں تم سے کچھ۔ کیا چاہیے تمہیں؟ بابا صاحب' اماں جی اس وقت یہاں موجود ہیں ہم تمہیں اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ ہم میں کوئی بھی تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ تم ہم تینوں کی موجودگی میں صرف بتادو کہ تمہیں کیا چاہیے؟ زمین...... حویلی...... یا......''۔ وہ قدرے جھجک کر رک کے۔ ''یا تیمور علی خان''۔

جیسے پٹرول پڑا ہوا تھا۔

تیلی دکھانے کی دیر تھی۔ ایسی بھڑ بھڑا کر آگ لگی کہ تن من خاکستر ہونے لگا۔

وہ دو قدم مزید پیچھے ہٹ گئی۔

اماں جی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا تھا۔ جیسے وہ کہیں اکھڑ کر بھاگا جا رہا ہو۔

بابا صاحب پورے حلم اور وقار سے صورتحال کا سامنا کر رہے تھے۔

''خود غرض لڑکی! تم اتنا آگے نکل جاؤ گی۔ ہمیں یہ امید نہیں تھی۔ انسان کا پہلا کمفرٹ روٹی کے بعد یہ ہے کہ موسائٹی میں اس کی عزت ہو۔ دل کی تمام خواہشات اس کے بعد آتی ہیں لوجیکلی۔ ہم نے اسی کا بندوبست کیا تھا۔ تمہارے پاس آل

ریڈی یہ سب کچھ ہوتا تو ہم تمہاری دوسری ضروریات کو اہمیت دیتے مگر تم علم و فضل کی پیداوار ہو تم تو یہ کہتے بھی نہ...

''بتا دو بابا صاحب کو کہ یہ اصل میں تمہیں کیا چاہئے۔ بتاؤ؟''

انہوں نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے انگلی لگا کر چہرا اونچا کیا۔

اس کی حیرت سے پھٹی آنکھیں تیمور علی خان کے چہرے پر ٹک گئیں۔

وہ تو ''بے خبری'' کے ماتم کرتے کرتے پاگل ہو گئی۔ مگر یہاں تو خبری خبر تھی۔

پہلے کہیں اتنا بھی ہو جاتا تو وحشتیں یہ مقام کیوں دیکھتیں۔ اس کی تو دنیا ہی بدل گئی تھی۔ اس نے یوں تیمور علی خان کو دیکھا جیسے قربان ہو جائیگی۔

''یہ تم اس سے کس طرح کی باتیں کرنے لگے تیمور؟'' بابا صاحب زیادہ دیر خاموش رہ نہ رہ سکے۔ ہرنئی بات نئی اذیت تھی۔

''تم تو اس قابل بھی نہیں ہو کہ ہم تم پر تھوک ہی دیں۔ بتاؤ۔ بابا صاحب کو' یاور بھائی کو' ناز بھابی کو تم نے نہایت گھٹیا حرکت کس لئے کی؟ بولو۔ خاموش کیوں کھڑی ہو؟'' ان کی آواز بہت دھیمی تھی۔

''بتاؤ۔ ورنہ ہم تمہارا حشر کر دیں گے''۔

ایک زنانے دار تھپڑ انہوں نے مطربہ کے گلابی رخسار پر جڑا تو پانچ انگلیوں کے نشان واضح طور پر ابھر آئے۔

اماں جی کانپ کر کھڑی ہو گئیں۔ اور مطربہ اور تیمور علی خان کے درمیان کھڑی ہو گئیں۔

''یہ نہ کرو میرے بچے' تم نے کبھی ایسا نہیں کیا''۔ انہوں نے تیمور علی خان کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

''پہلے کبھی ایسا ہوا بھی تو نہیں۔ اماں جی! ہم کھڑے کھڑے لٹ رہے ہیں۔ آپ درمیان میں نہ آئیں۔ پلیز''۔

وہ بمشکل خود پر قابو پا کر مخاطب تھے۔

''آپ ادھر آرام سے بیٹھ جائیں''۔ بابا صاحب نے بھی انہیں ٹوکا۔

مطربہ رخسار پر ہاتھ رکھ کر نظریں جھکائے چپ کھڑی تھی۔

''تم بھی ادھر آؤ تیمور۔ جتنی بات ہم سمجھے ہیں' اس حوالے سے ہم خود اس سے بات کرتے ہیں''۔ دلاور علی خان چھڑی پر زور ڈال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اپنا مقام پہچانتی ہو لڑکی۔ یہ وہ جاگیردار ہے جسے انگلستان کا کوئی لارڈ بھی خوشی سے بیٹی دے دے گا''۔

''تم نے یہ سب اندازہ کر لیا تھا' تب ہی یہ گندا ڈراما کھیلا۔ کیا تیمور صحیح کہہ رہا ہے؟ ہم ٹھیک سمجھے ہیں؟''

وہ بہت رسانیت سے پوچھ رہے تھے۔ مطربہ نے نظریں اٹھا کر تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔ نفرت سے اس کا چہرا جھلس رہا تھا۔ پھر اس نے بابا صاحب کی سمت دیکھا۔

''جو بات آپ کے بس میں نہیں چھوٹے خان۔ وہ آپ نے منہ سے بھی کیوں نکالی؟ میں نے تو کبھی آپ سے کہنہ...

...جو چاہے مجھے سزا دیدیں۔ مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا''۔

...اس پر اتنے بھی پتھر نہیں پڑے تھے کہ وہ بڑے خان کے سامنے بات بدل کر اپنے بدترین انجام کو دعوت دیتی۔

...سی کے سامنے اپنی غلط بیانی کا اعتراف کرو مگر یاور کے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگو اور بتاؤ کہ تمہاری حماقت و ...نے یہ سب کروایا۔ اور پھر تم ہمیشہ کیلئے سرائے چلی جاؤ۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ تمہیں دھکے دے کر حویلی سے باہر کر ...ہم اپنی بچیوں کے صدقے میں تمہارے ساتھ رعایت کر دیتے ہیں''۔

...ایک بات اور یہ ہے کہ ہم کبھی تمہیں اپنے سامنے نہ دیکھیں۔ اگر ہم مر جائیں تو ہمارے جنازے سے تمہیں سوگ ...ہوئے''۔

...علی خان نے اپنے اعلیٰ درجے کا غضب بہت دھیمے انداز میں ظاہر کیا تھا۔

...کیوں خان؟ میں نے کب کہا کہ میں نے جو کہا۔ غلط کیا ہے۔ یہ البتہ صحیح ہے کہ مجھے یاور خاناں کے بجائے اماں جی ...ہے تھا''۔

...نے رخسار پر ہاتھ رکھ کر نہایت سنگدلی سے تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

...نے جو مجھے دکھ دیئے۔ ذلیل کیا۔ کیوں دیا تھا کسی کے ہاتھوں میں؟

...دیا تھا دوست کو کھیلنے کیلئے۔ میرے روئیں روئیں سے بے بسی کا وہ احساس رس رہا ہے جب میں روز جیتے جی ...اب ہم ایک جیسے رہیں گے۔ کوئی خوش نہیں ہوگا۔ اگر کوئی بھول کر خوش ہوا تو میں اس پر تیل چھڑک کر آگ لگا دوں

...اس کا ذہنی توازن بگڑ چکا تھا۔

...نے تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

...ہو کیا کہہ رہی ہے''۔

...کا صرف ایک ہی حل ہے کہ لوہے کی سلاخ سے اس کا جسم داغا جائے۔ پھر تو سچ بولے گی''۔ وہ خونی لہجے میں

...توبہ! کیا آفت آئی' اب یہ بھی ہوگا۔ یوں تو گھوڑے سے بھی گدھا کہلوا لو گے''۔ اماں جی نے اپنا چکراتا سر

...صاحب''۔ تیمور علی خان باپ سے مخاطب ہوئے۔

...اماں تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ ہم خود دیکھ لیں گے۔

...اس وقت ہی جائیں گے جب اپنے ماں باپ کی نظروں سے سرخرو ہوں گے۔ یہ بہت مکار ہے۔ ہمیں مزید ...آپ یاد کریں۔ تاریخ گواہ ہے میدانوں میں جیتی ہوئی جنگیں عورتوں کی سیاست سے ہار میں تبدیل ...میں آئی اور فتح شکست میں بدل گئی۔ حالانکہ نے بہادری میں کمی تھی نہ ہتھیاروں میں''۔

بابا صاحب اور اماں جی چونک کر تیمور علی خان کا چہرا دیکھنے لگے۔ دل تو یہی کہتا تھا کہ تیمور یہ سب نہیں کر سکتے۔ انہوں نے الٹا مطربہ کو موردِ الزام ٹھہرایا تھا۔ جس کے بعد بھی بیان نہیں بدلا تھا۔ مگر یہ بزدل سی لڑکی ہنوز اپنی بات پر قائم ہے۔ اب کیا نازنین کو بھی بلائیں۔ اس خیال سے دونوں ہی کو شرم آ رہی تھی کہ وہ بہو سے اس موضوع پر بات کریں۔

دلاور علی خان بہت سوچ سمجھ کر اگلا قدم اٹھانا چاہتے تھے۔

''دیکھو تیمور......ہم بلا سوچے سمجھے تم سے بدگمان کیوں ہوں گے جبکہ حقیقت ابھی بھی پوشیدہ ہے''۔

''کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے بابا صاحب۔ ہم اس کی تمام سیاست سمجھ چکے ہیں''۔ وہ برہم ہوئے۔

''وہ ہم اس سے قبول کروالیں گے مگر یاور کے سامنے۔ جاؤ بیٹے آرام کرو۔ ہم تمہارے ساتھ کسی قسم کی زیادتی برداشت نہیں کریں گے۔ آپ بھی آرام کیجیے۔ اس بات کا خیال رہے کہ اس واقعے کی ہوا بھی ناز کو نہ لگے''۔

بابا صاحب نے اماں جی سے بہت نرمی سے کہا۔

''اجی......اب کیسا آرام۔ ارے زیتون بانو بھلی نیکی کی بیٹی تو نے ہمارے ساتھ''۔

اماں جی کی اندرونی ٹوٹ پھوٹ ان کے چہرے سے عیاں تھی۔

ایک لمحے کو مطربہ کے دل کو کچھ ہوا۔ بے ساختہ اس کا جی چاہا' اماں جی کے پاؤں تھام کر معافی مانگ لے۔ مگر دونوں خانوں کی سمت نگاہ ڈالی تو تھرا کر رہ گئی۔ اب تو زندگی کی شرط ہی زبان پر قائم رہنا ٹھہری تھی۔

پھر تیمور علی خان کی موجودگی میں تو وہ یوں بھی بہت سنگدل ہو جاتی تھی۔

''اب تو جو ہونا تھا ہو چکا''۔ مطربہ نے گہری سانس لے کر تیمور کی سمت دیکھا تھا۔ اسی دم عالم تاب گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئیں''۔

''اماں جی ناز کی طبیعت بہت خراب ہے' میں نے ڈرائیور سے گاڑی نکلوانے کو کہہ دیا ہے آپ بھی چلئے''۔

اماں جی ایک دم کھڑی ہو گئیں۔ ''یاور کہاں ہے؟''

''وہ تو کہیں دکھائی نہیں دے رہے بس آپ جلدی کیجیے۔ اسی اسپتال چلنا ہے جہاں ناز نے نام لکھوایا ہے''۔ وہ دبے لہجے میں گویا ہوئیں۔ وہ اتنی پریشان تھیں کہ انہوں نے کمرے کی غیر معمولی صورتحال کی طرف بھی توجہ نہیں دی تھی۔

''اوہ! ا[illegible] جی کی سمجھ میں بات آ گئی۔ انہوں نے بابا صاحب کی طرف دیکھا۔

''مجھے چھو[illegible] کے ساتھ جا[illegible] ہوگا۔ آپ فکر نہ کریں۔ کوئی ایسی بات نہیں''۔ وہ عالم تاب کے پیچھے نکل گئیں۔

''لڑکی تم بھی جا[illegible]......باری کو ہمارے پاس چھوڑ جاؤ۔ آج سے اس کا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ مزید تمہارے ساتھ کیا کرنا چاہیے سوچ کر بتائینگے۔

''بابا صاحب کا لہجہ بالکل سرد و سپاٹ تھا۔

''اب تم جا سکتی ہو''۔ گویا انہوں نے جتا دیا تھا کہ اب اس کی کوئی بات نہیں سنی جائیگی۔ وہ فوراً باہر نکل گئی۔

''...اسپتال جا رہی ہے۔ یاور کا وہاں ہونا بہت ضروری ہے مگر وہ ہے کہاں؟'' وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

...مور علی خان خاموش رہے۔

...بابا صاحب چند ثانیے کچھ سوچتے رہے پھر باہر چلے گئے۔

....

...ح کا روپہلی اجالا ٹھیک سے پھیلا بھی نہیں تھا کہ حویلی میں خبر آ گئی کہ یاور علی خان ایک بہت خوبصورت بیٹی کے باپ بن گئے ہیں۔ بیٹے کی پیدائش کے بعد بیٹی کی خبر بہت خوشی کے ساتھ سنی گئی۔

مگر سب خوشی منانے والے افراد کے درمیان بابا صاحب اور تیمور علی خان بہت پریشان تھے کہ رات سے اب تک یاور ...خان کا کچھ پتا نہ تھا۔

تمام ممکنہ جگہوں پر فون کر ڈالے تھے مگر سب جگہ سے لاعلمی کا اظہار کیا گیا نازنین بار بار یاور علی خان کا پوچھ رہی تھی۔ ...ورتحال سنگین ہو رہی تھی۔ تیمور علی خان ہزار پریشان سہی مگر ان کے حواس بے حال نہیں تھے۔ باری کو ماما ملی کے پاس پہنچا کر ...نہوں نے مطربہ کا کمرا باہر سے بند کروا دیا تھا۔ ان کا وجود ان دیکھی آگ میں سلگ رہا تھا۔ وہ بھتیجی کو دیکھنے اسپتال بھی نہیں ...گئے تھے۔ جانے کیوں نازنین کے سامنے جانے کا حوصلہ وہ خود میں نہیں پا رہے تھے۔ ایک دم ہی اس سے بہت فاصلہ محسوس ...ہونے لگا تھا۔

ایک دہشت یہ بھی تھی کہ یاور علی خان کچھ کر نہ بیٹھیں کیونکہ ان کے انداز سے محسوس ہو رہا تھا کہ انہیں مطربہ سے مکمل ...ت ہے اور اس میں حیرت کی بات بھی کیا تھا ایک کمزور لڑکی اتنے مضبوط لوگوں کے درمیان انتہائی جرات سے کچھ کہہ ...دے تو سننے والے دماغ کچھ نہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو سکتے ہیں۔

...اسی سبب انہیں بھائی کی طرف سے بہت زیادہ پریشانی ہو رہی تھی۔ وہ کچھ بھی کام کرنے کے قابل نہیں تھے۔

...انہیں اسپتال سے کئی فون آ چکے تھے۔ اماں جی انہیں بلا رہی تھیں۔ باقی خواتین واپس حویلی آ چکی تھیں۔

...جب ٹہلتے ٹہلتے ان کا وجود سن ہونے لگا تو بالآخر کوئی فیصلہ کر کے اندر آ گئے۔ اپنے کمرے سے بائیک کی چابی اٹھائی اور ...تھوڑے فاصلے پر موجود شہر کے اس اسپتال کا رخ کیا جہاں نازنین موجود تھی۔

...برآمدے ہی میں اماں جی مل گئیں۔

''مبارک ہو۔ اللہ نے بہت پیاری بھتیجی دی ہے''۔ کتنی کھوکھلی ہو رہی تھی ان کی آواز۔

''شکریہ اماں جی......آپ کو بھی مبارک ہو''۔ ان کا انداز بھی بجھا بجھا سا تھا۔

''یاور کی کوئی اطلاع آئی؟'' اماں جی نے ان کی شکل بغور دیکھی۔

...انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

...اماں جی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"مجھے تو ناز کے سامنے جاتے ہوئے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ اللہ اسے ہر بری چیز سے بچائے۔ تم ایسا کرو کہ اس سے یہ کہہ دو کہ اسے اچانک ضروری کام سے حسن ابدال جانا پڑ گیا۔ کوئی سرکاری مسئلہ ہے ایک دو دن میں آ جائیگا"۔ اماں جی نے راہ بجھائی۔

"وہ زندگی موت کی جنگ لڑ کر نڈھال پڑی ہے۔ اسکو بس ہر طرح سے پرسکون کرنا ہے۔ سمجھ رہے ہو ناں میری بات"۔ ان کا انداز درخواست گزار کا سا تھا۔

"جی...... جی۔ آپ فکر نہ کریں۔ کس طرف ہے ان کا کمرا؟" انہوں نے اپنے منتشر ذہن کو بمشکل سمیٹ کر پوچھا۔

"آؤ...... میرے ساتھ"۔ اماں جی نے اپنی چادر درست کر کے چہرا۔ ڈھانپ کر ایک طرف کو چل پڑیں انہوں نے بھی تقلید کی۔

طویل راہداری جس وہائٹ دروازوں کا ایک طویل سلسلہ تھا اماں جی ایک دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھیں۔ اور انہوں نے اندر قدم رکھتے ہوئے چند لمحے رک کر کچھ سوچا تھا اپنے چہرے پر نقش ہر تحریر مٹانے کی کوشش کی تھی۔ اندر داخل ہوئے تو نازنین کو ہاتھ روم کے دروازے سے باہر آتے دیکھا۔ ایک نرس اس کو سہارا دیئے ہوئے تھی۔

اس کے سر پر ڈھیر سارا تیل یقیناً اماں جی کی ہدایت پر ہی ڈالا گیا تھا۔ خوب کس کر چوٹی بندھی ہوئی تھی۔ ہلکے سبز کپڑوں میں وہ بہت ہی زرد محسوس ہو رہی تھی۔

کان' ناک' گردن ہر طرح کی جیولری سے آزاد تھے۔ حتیٰ کہ کلائیاں تک سونی پڑی تھیں۔ اس کے باوجود اس کا حسن اسی طرح دو آتشہ تھا جس طرح کبھی بنی حالت میں ہوتا تھا۔

وہ تیمور کو دیکھ کر بڑے پھیکے انداز میں مسکرائی۔

"السلام علیکم"۔ تیمور نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام"۔ تم تو بڑے لبرل اور ماڈ ہو۔ کیا بھتیجی کی پیدائش سے خوشی نہیں ہوئی۔ ایک اور بھتیجا چاہیے تھا؟"۔

وہ نقاہت بھری آواز میں بولتے ہوئے بیڈ سے ٹک گئی۔

"ایسا نہیں ہے۔ سنا تھا کہ آپ کی طبیعت خاصی ناساز ہے۔ سنبھلنے کا انتظار کر رہا تھا"۔ انہوں نے جلدی سے سنبھل کر جواب دیا۔

"چلو خیر...... تم تو چچا ہو کر پھر بھی آ گئے۔ باپ کو تو ابھی تک ہوش نہیں"۔ وہ دکھ چھپاتے ہوئے مسکرائی۔

"کیسی باتیں سوچنے لگی ہیں بھابی۔ ایمرجنسیز بھی ہماری زندگی کا حصہ ہوتی ہیں۔ آتے ہی ہوں گے یاور بھائی اتنی جلدی دل برا نہیں کرتے"۔

"اچھا بناؤ نہیں مجھے۔ کیا تمہیں پتا نہیں' ان کا موڈ کیسا ہو رہا تھا؟"

"یہ تو وقتی باتیں ہوتی ہیں بھابی۔ آپ خوامخواہ اپنا ذہن نہ الجھائیں' ایزی فیل کریں"۔

وہ کہتے ہوئے کاٹ کی طرف بڑھے۔

اماں جی دونوں کو بات کرتے ہوئے بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں

"ہائے' کتنے معصوم ہیں میرے بچے...... ارے زیتون بانو اللہ تجھے ہدایت کی روشنی دکھائے"۔ ان کا دل بھر آیا۔

"اماں جی' آپ بیٹھ جایئے ناں"۔ نازنین نے کسی دھیان سے چونک کر ساس سے کہا۔

"میری بٹی! تو دل اچھا رکھ۔ یاور کی طرف سے تو پریشان نہ ہو۔ اس کی تو ہمیشہ سے عادت ہے یونہی ایک دم کہیں نہ کہیں چل پڑتا ہے۔ اپنی تو سمجھ میں اس کے کام آتے نہیں۔ مگر بیٹی تو تو پڑھی ہوئی ہے۔ تو ہی سمجھنے کی کوشش کر"۔

انہوں نے آگے بڑھ کر نازنین کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ بس ہاتھ پھیرنا غضب ہو گیا۔

وہ اماں جی کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"اماں جی! وہ مجھ سے بہت ناراض ہیں۔ وجہ بھی نہیں بتاتے' مجھے ان سے بہت ڈر لگنے لگا ہے اسی لئے میں نے رات کو کمرے میں سونا بھی چھوڑ دیا تھا۔ اوپر بستر لگوا لیا تھا۔ کھلی ہوا کا بہانہ بنا کر"۔

"اماں جی میرا قصور کیا ہے؟" وہ بلک بلک کر رو پڑی۔

"میں صدقے واری جاؤں اپنی بیٹی کے۔ میری بیٹی بہت اچھی ہے۔ زندگی میں چھوٹی موٹی پریشانی تو آتی ہی رہتی ہیں۔ سب ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ سب ٹھیک ہو جائیگا تو اپنا دل سنبھال۔ دودھ پینے والی بچی گود میں آ گئی ہے۔ اللہ نصیب اچھے کرے۔ تو خوش ہو گی تو بچی کی صحت پر اچھا اثر پڑے گا"۔

وہ بہت شفقت و محبت سے اس کی پشت سہلا رہی تھیں۔

"کیسے خوش رہوں اماں جی؟" وہ بری طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"بھابی! بہت غلط بات ہے۔ اتنی جلدی ہمت ہار دیتی ہیں۔ یہ سب وقتی ہے۔ دیکھئے' آپ کی روتی ہوئی آواز سن کر گڑیا نے بھی رونے والا منہ بنا لیا ہے۔

ہمیں پتا چلا ہے' ابھی تک آپ لوگوں نے اس کا نام سیٹ ہی نہیں کیا

وائس اے پرابلم...... اماں جی ہم آپ کی اجازت سے گڑیا کا نام رکھ رہے جو ہمیں بے حد پسند ہے۔ روشانے۔ روشانے یاور علی خان۔ ہے ناں بڑا بارعب سا نام؟"

"بڑا خوبصورت نام دیا ہے چچا نے۔ سب سے اچھا تحفہ۔ کیوں بٹی؟ مجھے تو بہت اچھا لگا"۔ اماں جی نے خوش ہو کر نازنین کا چہرا اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔

"ایسے تو وہ گھبراتے ہیں جو اکیلے ہوتے ہیں۔ حویلی میں جتنے ہیں۔ سب تیرے اپنے ہیں۔ تیری خوشی کی خاطر سب کچھ کر سکتے ہیں"۔

واقعات خواہ کچھ ہوں...... اماں جی کا معاملہ ان کے اپنے دل کی گواہی کے ساتھ ساتھ تھا۔ نازنین کا رونا ان کیلئے ناقابل برداشت تھا۔ گزرے دنوں میں کیا ہوا' کیا سنا۔ اس وقت ان کے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔

"تو اور کیا...... ٹھیک کہہ رہی ہیں اماں جی! جب تک آپ کی پریشانی دور نہ کر دیں۔ حویلی کے ایک ایک فرد پر مسکراہٹ

جرم ہے۔ کیا سمجھ رہی ہیں آپ اور جو آپ کی خوشی' آپ کے سکھ چھیننے کی کوشش کرے۔ اس کا گوشت ہم چیل کوؤں کو کھلا دیں گے۔

اب اگر آپ پھر روئیں تو بہت غلط بات ہوگی۔ اس کا مطلب ہوگا۔ آپ یہاں خود کو تنہا سمجھتی ہیں۔ دیکھئے' ہم کس طرح سے یاور بھائی کو برآمد کر کے آپ کے حضور پیش کریں گے۔ معافی مانگیں گے وہ آپ سے۔ آپ فوراً معاف مت کر دیجئے گا۔ تھوڑی سختی دکھایئے گا تاکہ آئندہ اس قسم کی زیادتی کرنے سے پہلے وہ سو بار سوچ لیں۔ ٹھیک ہے؟''

وہ نازنین کے قریب آ کر بہت اپنائیت وخلوص سے کہہ رہے تھے۔

''مگر وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟'' اس کی الجھن بدستور تھی۔

''آپ اس بات کو اہمیت نہ دیں۔ ہم آپ سے کہہ رہے ہیں ناں۔ انشاء اللہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا بس''۔

''اماں جی کا دل بہت کمزور ہے۔ بہت جلدی پریشان ہو جاتی ہیں۔ ان کی خاطر خود کو سنبھال لیجیے۔ پلیز''۔

نازنین دوپٹے سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اماں جی سے الگ ہوگئی۔

''اچھا یہ بتایئے۔ آپ کا کھانا پرہیزی تو نہیں بن رہا؟ تاکہ ہم ماما سے کوئی اچھی سی ڈش بنوا کر بھجوائیں''۔

''بتاؤ۔ کیا زچہ کو سری پائے کھلاؤ گے ابھی اس کو اور کچھ نہیں کھانا بس۔ ہلکی پھلکی طاقت کی چیزیں۔

''میں نے اپنے ہاتھوں سے گوند بنایا ہے۔ دیکھنا کیا گھوڑوں کی سی طاقت آ جائیگی''۔

اماں جی نے تیمور کو بڑی تفصیل سے بتایا۔

''پھر تو ہم بھی کھا سکتے ہیں؟'' تیمور نے برجستہ کہا۔

''پہلے ...... اس طرح کے کام تو کرو''۔ اماں جی نے مسکرا کر بچی کے پھیلے ہوئے کپڑے بیگ میں رکھنے لگیں۔ نازنین پشت پھیر کر مسکرانے لگی۔

تیمور علی خان کھسیا کر سر کھجانے لگے تھے۔

....

نازنین چھٹی نہائی تھی۔ حویلی میں عید کا سماں تھا۔ خیرات کا کھانا باہر پک رہا تھا۔ اور اندر کچن میں گھر والوں کیلئے دعوت کا اہتمام تھا۔

نازنین پر چوتھی کی دلہن کا گمان ہو رہا تھا۔ روشانے کاٹ میں اور جواد اس کی گود میں تھا اور ماں کے چمکیلے بھڑکیلے کپڑوں سے بہت پریشان تھا۔ زیورات کھینچ کھینچ کر اتارنے کی ضد کر رہا تھا۔ بیزار تو وہ خود بھی تھی مگر اماں جی کی خاطر یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔

تزئین اور روشن آرا بھی آئی ہوئی تھیں۔ ابھی انہیں یاور علی خان کی غیر موجودگی کی حقیقی وجہ معلوم نہیں تھی۔ ادھر ادھر ہونا حویلی کے معمولات کا حصہ تھا۔ بعض اوقات تو حویلی کے سب ہی مرد کہیں نہ کہیں نکلے ہوتے تھے۔ بڑے ابا کراچی فیکٹری کے کسی کام سے' بصیر علی خان کسی دوسرے شہر بابا صاحب شکار پر یا پشاور' خیر آباد وغیرہ۔ یاور علی خان اپنے کام سے' تیمور علی ...

... اور جو دوسرے ساتھ رہتے تھے عالم تاب کے بہنوئی وغیرہ وہ اپنے کام سے۔ ایسے دنوں میں حویلی میں بڑی ... زحمت سی ہوا کرتی تھی۔

''... آج تو بس غضب ہو رہا ہے سب پر۔ ایک وہ ہمارا بھائی میں آپ کی جگہ ہوتی ناں تو کب کی ان کی ... دونوں کو ٹھکانے لگا چکی ہوتی''۔

... نے روشی کو اپنی گود میں بھر کر چٹ چٹ کئی بوسے لئے۔

''تیمور بھی نہیں ہے۔ بڑی بے رونقی سی ہے۔ ہے ناں؟'' وہ نازنین سے تائید لے رہی تھی۔

''... ٹھائیس گھنٹے ہو گئے انہیں پشاور گئے ہوئے''۔ نازنین نے سرد آہ بھری۔

''کچھ منٹ اور کچھ سیکنڈ بھی ہوئے ہوں گے جب حساب ہی کرنا ہے تو پورا پورا کریں''۔

تزئین نے اٹھائیس گھنٹوں کے ذکر پر اپنا تعجب چھپا کر مسکرا کر ٹکڑا لگایا۔

اسی دم اماں جی نے کمرے میں آ کر اطلاع دی کہ تیمور علی خان آ گئے ہیں۔ نازنین نے چونک کر ان کے چہرے کی ایک ... میں کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ اماں جی جیسے کھلی کتاب جیسی عورت کچھ چھپانے میں کامیاب ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ نازنین نے اپنے اندر دکھ کی گہری کاٹ محسوس کی۔

''ابھی ہم لوگ ذکر ہی کر رہے تھے۔ بھابی تو اٹھائیس گھنٹے گن کر بیٹھی تھیں۔ کیا کر رہے ہیں تیمور؟ ہم سے ملنے بھی نہیں آئے''۔

تزئین نے روشی کو واپس نازنین کی گود میں ڈالا اور بیڈ سے اترتے ہوئے شکوے کے انداز میں گویا ہوئیں۔

''تم ابھی یہیں بیٹھو۔ بھائی تھکا ہوا آیا ہے بیٹی۔ نہا دھو لے پھر مل لینا''۔

اماں کی آواز کی لرزش صرف نازنین محسوس کر سکتی تھی۔

اس نے بمشکل اپنے آنسو ضبط کئے تھے۔

''چائے بھجواؤں تم دونوں کیلئے''۔

اماں جی کے قدم جو من من بھر کے ہو رہے تھے چلتے چلتے ایک ثانیے کو رکے۔

''بھجوا دیجیے اماں جی ...... بلکہ روشن آپا وغیرہ کو یہیں بھیج دیجیے۔ بھابی بھائی کیلئے بہت اداس ہیں۔ ذرا ان کا دل بہلے گا''۔ تزئین نے شرارت سے کہا۔

''بھیجتی ہوں۔ اللہ تمہیں خوش رکھے''۔

اماں جی میں اتنی ڈھیر ساری ہمت جانے کہاں سے آئی تھی۔ بہت مضبوط محسوس ہونے لگی تھیں۔

....

اماں جی باری کو کھانا کھلا رہی تھیں۔ وہ بہت ضدی موڈ میں تھا۔ بمشکل قابو میں آ رہا تھا۔

''ظفر کی طبیعت زیادہ خراب ہے اماں جی؟'' تزئین اماں جی کے دوپٹے میں نازک سی بیل ٹانک رہی تھی۔

اماں جی نے دور صوفے پر بیٹھے ہوئے تیمور علی خان کی سمت دیکھا جو ٹیلی فون ڈائل کر رہے تھے۔

''ہوں''۔انہوں نے ہنکارا بھرنے پر اکتفا کیا۔

''کیا ہو گیا؟'' تزئین نے فکرمندی سے پوچھا۔

''ایسے ہی بخار وغیرہ ہے''۔وہ جھوٹ بولتے ہوئے بہت الجھن محسوس کر رہی تھیں۔

''بہت ہی غم لگا لیا ہے اس نے اپنی جان' سنبھال نہیں پا رہی''۔تزئین نے دکھ سے کہا۔

اماں جی خاموش رہیں۔

''یاور بھائی کب تک آ جائینگے؟ اگر ظہیر آ گئے تو ان سے تو ملاقات نہ ہو سکے گی''۔

اماں جی کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔

''لے بیٹا! تھوڑا سا اور کھا لے۔شاباش''۔اماں جی نے توجہ ادھر ادھر کی۔

''اماں جی! بھابی کچھ گم صم سی لگی ہیں اس مرتبہ۔کیا بیٹی کی پیدائش پر خوش نہیں ہیں؟''۔

''نہیں۔تمہارا وہم ہے۔کمزوری ہے' نڈھال ہے۔دو چار روز میں ٹھیک ہو جائیگی''۔اماں جی نے نوالہ بنا کر باری کے منہ میں دیا۔

''آپ کہتی ہیں تو مانے لیتی ہوں۔مگر مجھے تو کچھ اور محسوس ہو رہا ہے۔روشن آپا بھی کہہ رہی تھیں''۔تزئین کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

اسی دم ماما ہال میں داخل ہوئی۔

''بی بی جان! آپ کو بڑی بیگم اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں''۔

''اچھا...... چلو...... آ رہی ہوں''۔وہ دوپٹا تپائی پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''جی...... شیروانی صاحب۔جی تیمور علی خان بات کر رہا ہوں۔بتایا تھا آپ کے پی اے نے؟''

''جی جی...... ہوں''۔

''پرسوں...... کچھ بتایا نہیں کہ پھر کہاں چلے گئے؟ ہوں۔ٹھیک۔

اب کب آنے کا امکان ہے؟ کچھ اندازہ تو ہوگا؟

''جی۔جی۔ٹھیک ہے۔تھینکس۔او۔کے''۔

تیمور نے ریسیور بے دلی سے کریڈل پر ڈال دیا۔اماں جی تو کان کھڑے کیے بڑی توجہ سے سن رہی تھیں۔

''پرسوں کہاں آیا تھا؟'' وہ بے تابی سے پوچھ رہی تھیں۔

''نوشہرہ چھاؤنی''۔انہوں نے نہایت اختصار سے جواب دیا۔

''اب کہاں ہے؟'' اماں جی تو اس احساس کے تحت کہ یاور علی خان کو کہیں تو دیکھا گیا ہے۔ہاتھ پیر پھلا بیٹھیں۔

''یہ پتا چل جائے تو مسئلہ کیا ہے؟'' وہ تھکے تھکے انداز میں گویا ہوئے۔

''بھائی جی''۔

''جی صدقے جائے کیا بات ہے بیٹے؟'' وہ تڑپ کر بولیں۔

''اماں جی۔بھائی اتنا نا قابل اعتبار۔اور ایک بے وقوف لڑکی اس قدر معتبر؟''

''وہ ہم سے کچھ کہتے تو...... شوٹ کر دیتے ہمیں۔مگر اب جو کر رہے ہیں۔اس کے ساتھ کیا کیا عذاب چھپے ہوئے ...ن کا اندازہ نہیں ہے انہیں؟''

...ان کے انداز میں بلا کی شکستگی تھی۔

''وہ ایسا نہیں ہے۔زیتون بانو جو سب کے سامنے اول فول بولی۔یہ بڑی بات ہے۔اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا''۔وہ رک گئیں۔

''بیٹے! ایسا تو نہیں کہ صدمے سے زیتون بانو کے دماغ میں فرق آ گیا ہو اور اسے خود بھی نہ پتا ہو کہ وہ کیا کر رہی ...''

یکایک دم ان کے دماغ میں نیا خیال آیا۔

''دیکھا نہیں علی کی موت والے دن بھی اس کے حواس جواب دے گئے تھے۔کتنے ٹیکے لگائے تھے ڈاکٹر نے''۔وہ مزید ...ہوئیں۔

تیمور علی خان نے سلگتی ہوئی نگاہ ماں پر دوڑائی۔

''بہت سیدھی ہیں اماں جی آپ...... ہم سب آپ کا کیا کریں''۔وہ قدرے تلخی سے گویا ہوئے۔

''اگر ہمیں بھابی کا خیال نہ ہو تو اس کا ذہنی توازن تو آج بحال کر دیں۔مگر ہم نہیں چاہتے کہ بھابی کے کان میں اس قسم کی بات بھی پہنچے۔اماں جی نے بغور بیٹے کی شکل دیکھی۔

...سراج کی نیک فطرت کا اندازہ لگانے والا کج رو بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟

''تم مجھے زیتون بانو کے کمرے کی چابی دو۔میں اس سے پوچھوں تو کہ اس نے اس طرح کی بات کس دشمن کی شہ پر منہ سے نکالی''۔

''بیکار ہے اماں جی...... ہم خود نمٹ لیں گے۔بس ذرا یاور بھائی ہاتھ لگ جائیں۔ان کے بغیر دراصل کچھ بھی نہیں ...ان کا یہاں موجود ہونا بہت ضروری ہے''۔وہ بہت الجھے ہوئے تھے۔

عشاء کا وقت ہو چکا تھا۔اماں جی نماز کیلئے اٹھنے والی تھیں۔انہوں نے رومال سے باری کا منہ صاف کیا۔

''جاؤ بیٹے! کاکا جان سے باتیں کرو۔اماں جی اتنے میں نماز پڑھ لیں۔میرا پھول سا بچہ چند دنوں میں کیسا مرجھا گیا ...''

انہوں نے باری کی پیشانی سے بال سمیٹتے ہوئے نہایت دکھ سے کہا۔

''ادھر آؤ پارٹنر''۔تیمور علی خان نے باری کو بلایا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب چلا گیا۔

"کیسی چل رہی ہے پڑھائی لکھائی؟ مس پڑھاتی ہیں۔ سر پڑھاتے ہیں؟"

"کاکا جان! نہ وہ مس ہے نہ سر ہے۔ وہ تو بلیا (بڑھیا) ہے۔ انہیں میڈم کہتے ہیں"۔ وہ سنجیدگی سے بتا رہا تھا۔

ایسے اعصاب شکن ماحول میں مسکراہٹ کا تصور بھی محال تھا۔ مگر وہ اپنے ہونٹوں پر آنیوالی بے ساختہ مسکراہٹ روک نہیں سکے۔

"دیکھا..... ماشاءاللہ کیسی پیاری باتیں کرتا ہے"۔ اماں جی بھی مسکرا دیں۔

"کاکا جان"۔

"میری جان؟"

"امی! ڈاکٹر کے پاس سے کب آئینگی؟" اس کی آواز بھرا رہی تھی۔

"آجائینگی..... پارٹنر..... یہ اتنے سارے لوگ آپ کے پاس ہیں۔ آپ اکیلے تو نہیں ہیں"۔ انہوں نے اس کا رخسار چھو کر کہا۔

"ہم آپ کو گھوڑے کی سیر کرائینگے۔ آپ کو شیر دکھانے لے جائینگے"۔

"کتنے؟ بہت سارے شیر؟" باری کے اندر ایک نیا جوش پیدا ہو گیا۔

"بہت سارے تو نہیں۔ ایک شیر۔ ایک شیرنی اور ان کے دو بچے"۔

"شیرنی بچوں کی امی ہوتی ہے؟" وہ معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

"کر لو اور دو چار روز امی امی پارٹنر۔ اس کے بعد تو تمہیں ایسا بنا دیں گے کہ آگے چل کر تم دوسروں کا سہارا بنو اور خود کسی سہارے کی آس رکھو اور نہ جستجو"۔ وہ پھر کسی خیال میں ڈوب گئے۔

"کیسی باتیں کر رہے ہوں، تیمور؟ اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائیگا"۔

اماں جی جاتے جاتے پلٹیں اور بہت فکر مندی سے گویا ہوئیں۔

تیمور علی خان بڑی تلخی سے مسکرائے تھے۔ عین اسی لمحے نازنین نے اندر قدم رکھے تھے۔

وہ بالکل سادہ سوتی لباس میں تھی۔ اس کے بالوں میں تیل چمک رہا تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کچھ دیر قبل [illegible] تھا۔ بال کھلے ہوئے تھے۔ سوائے ناک میں چمکتی ہیرے کی لونگ کے کسی قسم کے زیور کا بوجھ نہیں تھا۔

پاؤں میں ربڑ کی وہ چپل تھی جو باتھ روم کے استعمال کیلئے مخصوص تھی۔

"اماں جی! کہاں ہے وہ۔ منحوس؟" اس کے انداز میں ایک دیوانگی سی تھی۔

"کون بیٹی؟ بری بات، کسی کو منحوس نہیں کہتے"۔ اماں جی نے گھبرا کر اسے شانوں سے تھام لیا۔

"کہاں چھپا دیا ہے آپ لوگوں نے اسے۔ اگر نہیں تو پھر جان لیجیے کہ وہ یاور کے ساتھ چلی گئی ہے"۔ وہ پھر بول رہی تھی۔

"نہ اس کا پتا ہے نہ یاور کا۔ اماں جی دیکھیے گا۔ میں اس ناگن کا پھن کیسے کچلوں گی؟ آئے تو سہی میرے سامنے"۔

"آپ کو میری بات کا اعتبار نہیں۔ یہ تیمور بیٹھے ہیں۔ ان سے پوچھ لیجیے۔ یاور نے میرے اور ان کے سامنے کھلم کھلا سپورٹ کیا تھا۔ اور ان کی شہہ پر اس نے مجھ سے اور تیمور سے کتنی بدتمیزی کی تھی۔ پوچھ لیجیے۔ بتائیے تیمور اماں جی کو۔ کیوں چھپا رہے ہیں ان سے حقیقت۔ اماں جی۔ مجھے وہ ناگن چاہیے۔ ورنہ صبح ہونے سے پہلے میرے دماغ کی شریان پھٹ جائیگی"۔

نازنین پر بلا کی وحشت سوار تھی۔

"اماں جی! وہ صرف خوبصورت ہی تو ہے۔ اور تو کسی چیز میں وہ میرے برابر نہیں ہے"۔

نازنین، اماں جی کے شانے سے سر ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"پاگل نہیں تو۔ یہ کیسے وہم ستانے لگے بیٹی! لاحول ولا قوۃ۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تو کہے تو میں قسم کھا لوں گی تیری تسلی کو"۔

اماں جی نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"تیمور! آپ کیوں چپ ہیں۔ بتائیں ناں اماں جی کو کہ اصل بات کیا ہے؟ یہ بڑی مجرمانہ خاموشی ہے اس وقت آپ کی۔ مجھے اس وقت آپ کی مورل سپورٹ کی سخت ضرورت ہے اور آپ ہیں کہ چپ چاپ بیٹھے ہیں۔ بتائیں ناں اماں جی کہ جو کچھ ہوا تھا"۔

"آپ ہم میں سے کسی سے بھی بدگمان نہ ہوں۔ یہاں موجود ہر شخص دل و جان سے آپ کا مخلص ہے۔ پھر آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں"۔

تیمور علی خان نے بہت رسانیت سے صورتحال پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"نہیں نہیں۔ آپ میرے سامنے بتائیں اماں جی کو"۔ وہ جیسے کچھ سننے کو تیار نہ تھی۔

"بیٹی! مجھے سب پتا ہے۔ یقین کر، بات وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو"۔

"تو پھر بات کیا ہے؟" اس نے تیزی سے اماں جی کی بات کاٹ دی۔

اماں جی تیمور کی سمت ایک نگاہ ڈال کر خاموش ہو گئیں۔

"نہیں، بات یہی ہے۔ پھر وہ کہاں ہے۔ یہ باری اکیلا کیوں ہے۔ آپ کے پاس کیوں ہے؟ یہ دیکھیں اسے کھانا بھی آپ نے کھلایا ہے" اس نے ٹرے کی سمت اشارا کر کے کہا۔

"آپ لوگ سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ اس کے خون کا تقاضا ہے۔ کچھ انہونی نہیں ہوئی۔ گھر اجاڑنا اس کی غلیظ فطرت کا تقاضا ہے"۔

"بری بات بیٹی! یوں کسی کے حسب نسب کو گالی نہیں دیتے"۔

اماں جی نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

اس کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

''تیمور علی خان حیران پریشان باری کو صوفے پر ٹکا کر ان دونوں کی سمت بڑھے۔

''بائی گاڈ بھابی! اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم آپ کو اس سے ملوا دیں گے۔ وہ یہیں ہے ہمارے پاس''۔

نازنین نے بے یقینی کے انداز میں ان کی سمت دیکھا۔

''کہاں ہے؟'' اس کی بے تابی قابل دید تھی۔

''بابا صاحب نے اسے حویلی سے بے دخل کر دیا ہے۔ اب یہاں چلتی پھرتی وہ نظر نہیں آئیگی۔ البتہ ہم آپ کو اس سے ملوا دیں گے''۔

مگر بابا صاحب نے اسے بے دخل کس وجہ سے کیا ہے' اسی وجہ سے ناں جو میں کہہ رہی ہیں؟''

''نہیں...... بات کچھ اور ہے...... بائی گاڈ...... پلیز آپ میری زبان کا اعتبار کریں''۔

''پلیز تیمور...... آپ مجھے بتائیں کہ کیا بات ہے؟ فار گاڈ سیک پلیز''۔

اماں جی بلا ارادہ تیمور کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ مگر تیمور کو ان کا دیکھنا بہت محسوس ہو رہا تھا۔

وہ نگاہ چرا کر ایک طرف ہو گئے۔ دکھ سے اماں جی کا کلیجہ پھٹنے لگا۔ یہ کیسا وقت ہے۔ کیسی بات ہے جو زبان سے ادا ہونا محال ہے۔ اور وہ بدنصیب کتنے آرام سے کہہ گئی۔

''آپ مجھے ابھی اسی وقت اس سے ملوائیں''۔ نازنین بچوں کی طرح مچل گئی۔

''ایزی...... بھابی۔ ایزی پلیز۔ ہم کہہ رہے ہیں ناں کہ ضرور ملوائیں گے۔ آپ کو ہماری زبان پر اعتبار کرنا چاہیے۔ بابا صاحب نے اس سے ملنے پر پابندی لگائی ہوئی ہے۔ وہ اس سے کچھ اگلوانا چاہتے ہیں''۔

''دیکھیے یہ باری بھی ہمارے پاس ہے۔ پلیز آپ آرام کریں''۔ وہ اسے پرسکون کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''کیا اگلوانا چاہ رہے ہیں بابا صاحب؟ وہی ناں جو ہم سوچ رہے ہیں''۔ نازنین نے تڑپ کر ان کی طرف قدم بڑھائے۔

''ہرگز نہیں۔ جو آپ سوچ رہی ہیں' وہ تو ہرگز بھی نہیں ہے۔ اماں جی آپ بھابی کو لے کر ان کے کمرے میں جائیں۔ آؤ باری۔ باہر چلتے ہیں''۔

انہوں نے سہمے ہوئے باری کی سمت ہاتھ بڑھایا تو وہ جلدی سے صوفے سے اتر آیا۔

تیمور علی خان اسے لے کر باہر نکل گئے۔ اور ان کے پیچھے اماں جی' نازنین کو شانوں سے تھام کر چل پڑیں۔

....

''ماما! مطربہ کے کمرے کی چابی آپ کے پاس ہے کھانا تو آپ ہی لے کر جاتی ہیں''۔

تیمور علی خان کچن کے دروازے میں کھڑے ماما سے مخاطب تھے۔

''جی خان...... آپ ٹھہریں میں اپنے کمرے سے لے کر آتی ہوں''۔ ماما دوپٹا درست کرتی باہر نکل گئی۔

تیمور علی خان راہداری میں پشت پر ہاتھ باندھ کر ٹہلنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد ماما واپس آ گئی۔ اور چابی انہیں تھما دی۔

تیمور علی خان ایک لمحہ ضائع کیے بغیر مطربہ کے کمرے کی سمت بڑھے تھے۔ جو انتہائی کونے میں بنا ہوا تھا۔ جہاں حویلی کا [illegible] تمام ہو جاتا تھا اور ایک دروازہ بس پھر ایک وسیع احاطے میں کھلتا تھا جسے طے کرنے کے بعد حویلی کا دوسرا فیز [illegible] ہو جاتا تھا۔ جو حویلی کے ملازمین کے تصرف میں زیادہ رہتا تھا۔ اس طرف زیر زمین اور بالائے زمین بڑے بڑے [illegible] بھی موجود تھے۔ فصلوں کی کٹائی کے زمانے میں اس طرف زیادہ چہل پہل ہو جاتی تھی۔

تیمور علی خان نے تالا کھول کر بہت آہستگی سے دروازہ دھکیلا۔ مطربہ بغیر دوپٹے کے دریچے میں کھڑی تھی۔ دروازہ کھلنے [illegible] پر چونک کر پلٹی تھی۔

سامنے تیمور علی خان کو دیکھ کر یکبارگی دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔ اس نے بے ساختہ ان کے ہاتھوں کی سمت دیکھا [illegible] کوئی خنجر کوئی پستول نظر نہ آیا۔ اس نے قدرے حیرانی سے ان کی سمت دیکھا تھا۔

''دیکھو لڑکی...... وہ کیا نام ہے تمہارا۔ ہم تمہارے پاس آخری بار آئے ہیں۔ خود پر رحم کرنے کا یہ آخری موقع دینے

''نہیں کرنا مجھے خود پر رحم اور کسی سے کوئی بات بھی نہیں کرنا۔ آپ کے پاس دولت اور خاندان کی طاقت ہے۔ آپ اسی سے کام لیں''۔ وہ بھڑک کر بولی تھی۔ ان کا خیال غلط نکلا۔ اس کا دماغ درست ہونے کے بجائے اور زیادہ خراب ہو چکا تھا۔

''کیا چاہتی ہو تم''۔ وہ بہت ضبط سے کام لے رہے تھے۔

''اب کچھ نہیں چاہتی''۔ وہ سابقہ لہجے میں پھنکاری۔

''دیکھو' ناز بھابی کی حالت بہت خراب ہے۔ انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے' انہیں کس بات کی سزا مل رہی ہے۔ ہم نے تمہاری شادی ایک بہترین انسان سے''۔

''بس بھی کریں خان! وہ آدمی بہترین تھا مان لیا۔ شیخ رفیع کی لڑکی بھی تو بہترین ہے۔ کیوں قبول نہیں ہے وہ آپ کو۔ انگریز لڑکی سے نکاح کرتے ہوئے آپ نے سوچا تھا کہ اماں جی کو اس پر کتنا اعتراض ہوگا۔ مگر اپنے دل سے ہار گئے تھے۔ [illegible] ہار گئی' دل جیت گیا۔ کیا دل صرف آپ ہی کے پاس ہے؟''

''اگر وہ انگریز لڑکی ہماری بیوی ہے تو صرف ہماری وجہ سے نہیں بلکہ وہ خود بھی ہمارے لئے اتنی ہی پیور ہے' سنسیئر ہے جتنے ہم اس کے ساتھ ہیں۔ یہ دونوں طرف کی بات ہے۔

''تمہیں اپنے حسن پر غیر ضروری اعتماد یا غرور تھا۔ اسی وجہ سے تمہارا دماغی توازن بگڑ گیا ہے کیونکہ غرور بھی پاگل پن کی [illegible] قسموں میں سے ایک ہے۔ صرف حسن سے بات نہیں بنتی مطربہ بیگم''۔

تیمور علی خان کے انداز میں واضح سفا کی جھلک رہی تھی۔

''ہم تم پر مرکز بھی ظاہر نہ کرتے کہ ہم تمہارے دل کی بات شروع سے ہی سمجھتے ہیں۔ مگر نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ تم نے اپنا خود غرضی کی آگ میں' ہمارے بھائی کا گھر بھی جلانے کی کوشش کر ڈالی ہے''۔

''مطربہ بیگم! ایسے نہیں ہوتا جیسے تم سوچ رہی تھیں۔ جی تو چاہتا ہے تمہیں ہمیشہ کیلئے یہاں سے دور کر دیں اور اخبار میں

اشتہار دیدیں تمہاری تصویر کے ساتھ کہ یہ جہاں نظر آئے اسے پتھر مارے جائیں کہ تم نے ہمیں پریشان کرنے کے علاوہ جو سنگین جرم کیا ہے اس پر جو سزا ہو کم ہے۔

''ہم اس وقت صرف تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ تمہیں یاور بھائی کے سامنے اعتراف جرم کرنا ہوگا۔ حلف اٹھانا ہوگا کہ تم نے محض اپنی تسکین کیلئے یہ شعلے بھڑکائے۔ صرف ہم سے انتقام لینے کی نیت سے۔

......اور انتقام بھی اس بات کا کہ تمہارے حسن کو خراج ہم نے خود کیوں نہیں دیا۔ علی جیسے سادہ اور پرخلوص انسان سے تمہارا رشتہ کیوں جوڑا۔ یہی بات ہے ناں؟

''اگر تم ایسا کرو تو ہم تمہیں ضمانت دیتے ہیں کہ ہم تمہیں معاف کر دیں گے' کوئی بھی تمہیں کچھ نہیں کہے گا''۔

''رہنا تو پھر بھی مجھے اپنی محرومیوں کے ساتھ ہے۔ جب میں دکھ اٹھا سکتی ہوں تو دوسرے کیوں نہیں اٹھا سکتے۔

''میرے نقصان پورے نہیں ہو سکتے خان۔ بلکہ آپ کو دیکھتے ہی ایک ایک زخم رسنے لگتا ہے آپ اپنے دل پر زور نہیں رکھتے تو میرے دل پر زور کیوں چلایا۔ اگر یہ اتنا آسان کام ہوتا تو آپ نہ کر لیتے؟ یہ تو اتنا مشکل کام ہے کہ انسان ماں کی پرواہ بھی نہیں کرتا''۔

وہ زہر سے زرد ہونے لگی۔

''مطربہ! تمہیں یہ کرنا ہوگا۔ ہم اپنے بھائی کا گھر بچانے کیلئے یہاں تک کرنے کو تیار ہیں کہ اپنی بیوی کو چھوڑ دیں۔ اماں جی کی پسند سے شادی کر لیں۔ مگر تمہیں یاور بھائی کے سامنے قسم کھانا ہوگی کہ تم نے ان کے اور بھابی کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ یہ حلف اٹھانا ہوگا' بلکہ پس پردہ جو کچھ ہے' وہ بھی تفصیل سے بتانا ہوگا۔ سن رہی ہو ہماری بات؟''

وہ برہمی سے پوچھ رہے تھے۔

''یہ تو صرف آپ کے نقصان پورے ہو رہے ہیں''۔ وہ سنگدلی سے بولی۔ تیمور علی خان کا جی چاہا اس پر فائر کھول دیں۔

''ہم اپنا گھر برباد کرنے کا وعدہ کر چکے ہیں' صرف اپنی بے گناہ بھابی کی خاطر''۔ اتنی بے مایہ لڑکی نے انہیں کس مقام پر لا کھڑا کیا تھا۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

وہ بظاہر سرسری مگر بباطن بہت گہری نظروں سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہے تھے۔ یہ ان کی مجبوری تھی کہ وہ تڑپ چال چل رہے تھے کہ کسی طرح وہ حقیقت بیانی پر آ جائے اور یہ طوفان تھم جائے۔ یاور علی خان کے حویلی واپس آنے سے پہلے پہلے وہ صورتحال کنٹرول کرنا چاہ رہے تھے، تاکہ جب وہ واپس آئیں تو حقیقت ان کے سامنے ہو اور اس بحران سے نجات حاصل ہو۔

مطربہ نے ان کی سمت ایک اچٹتی نگاہ ڈالی۔

(مجبوری میں شادی بھی کریں گے تو شیخ رفیع کی لڑکی کے ساتھ میں کم ذات اپنے نقصان کے ساتھ اسی جگہ..... بلکہ شاید یاور علی خان یا بڑے خان کی گولی کھا کر قبر کے اندھیرے گڑھے میں)

جھوٹ نبھانا ہمیشہ ایک مجبوری ہوتی ہے۔ اب وہ کیچڑ میں لت پت تھی۔

محبوب سامنے کھڑا انگارے بھی چبا رہا تھا اور انگاروں پر بھی چلا رہا تھا۔ اب تو ایک ہی تیر سے دونوں جئیں گے۔ اس کی نس نس میں جیسے زہر اترنے لگا۔

''آپ جائیے تیمور خان۔ اب مجھے کچھ نہیں کہنا''۔ وہ بے رخی سے اٹھنے کی جانب بڑھی۔

''نازنین بھابی بالکل بے قصور اور مظلوم ہیں اور بھائی بھی۔ ہم سے انتقام ہی لینا ٹھہرا تو کوئی اور تدبیر سوچو''۔ وہ ایک

دم شکستہ حال نظر آئے۔

''میں کیوں کسی سے انتقام لینے لگی''۔ وہ بدستور نروٹھے پن سے گویا ہوئی۔

ایسا عظیم الشان سا جاگیردار اس کے سامنے بے بس کھڑا تھا۔ اندر کہیں سلگتے کوئلوں پر پانی پڑ رہا تھا۔ چھن چھن..... چھن۔

''کیا ہمیں اپنے بھائی کا گھر بچانے کیلئے تم سے شادی کر لینا چاہیے؟'' وہ اتنی آسانی سے ہار ماننے والے بھی نہیں تھے۔

مطربہ نے چونک کر پوری قوت سے گھوم کر ان کی سمت دیکھا تھا۔

گلے میں گلابوں کے ہار ڈالے یہ حسین شہزادہ اسے محبت سے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

مگر باوجود کوشش کے یہ تصور جما نہیں۔ یہ مسکرائے گا؟ ہرگز نہیں..... ایک ذرا اقبال جرم کی دیر ہے۔ اس کے ایک ایک مسام سے روح کھینچی جائیگی۔ یہ جاگیردار ہیں۔ لینے والے انہیں دینا نہیں آتا۔ یہ احسان کرتے ہیں، نوازتے ہیں، بخشتے ہیں، دیتے نہیں ہیں۔ دینا تو یہ ہے کہ جواب میں کوئی طلب نہیں ہو۔ احسانات سے بوجھل کاندھے۔ جھکی کمریں ان کی جاگیر کی آرائش ہیں۔ ہیبت ہیں، حشمت ہیں۔

''آخر کار انجام یہ ہے کہ میرا ماس چیل کوؤں کو کھلایا جائے گا۔ جب یہ طے ہے تو آپ کیوں اپنے مقام سے نیچے آتے ہیں؟'' وہ سرد سپاٹ لہجے میں کہہ کر پھر پلٹ گئی۔

''یہ تو بہت ''منجھ'' گئی ہے''۔ انہوں نے اپنے کھولتے ہوئے لہو پر قابو پانے کی کوشش کی۔

''ہم تمہیں آسان موت سے مرتا ہوا نہیں دیکھیں گے۔ اگر نقصان ہوئے کہ جو ابھی محض اندیشے ہیں تو یاد رکھنا۔ ہم نے بے گناہوں کو نقصان سے بچانے کیلئے اپنی حیثیت تک فراموش کر دی۔ مگر..... دیکھو ابھی وقت ہے''۔ وہ بمشکل ضبط کے راستوں سے گزر رہے تھے۔

''کیا چاہتے ہیں آپ؟'' وہ ان کی طرف سے پشت کئے کھڑی تھی۔

''پتا ہے تمہیں، کیا چاہتے ہیں ہم''۔

''مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔ سزا سنا دیجیے۔ جو بالآخر آپ نے سنانا ہے''۔ اس میں کسی طرح کی کوئی لچک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

''از روئے حساب جو سزا تمہاری بن رہی ہے، وہ تو یہ ہے کہ تمہیں اس طرح زندہ رکھا جائے کہ موت کے دروازے تم پر بند کر دیئے جائیں لیکن تم اس طرح جیو کہ سوائے موت کی دعا مانگنے کی دعا مانگتے کے تمہیں کچھ یاد نہ رہے''۔

تیمور علی خان اب زیادہ دیر اپنی مستقل اندرونی کیفیت چھپا نہ سکے جو پہلے روز سے ان کے اعصاب چٹخا رہی تھی۔ ایسا محسوس ہوا کہ وہ اس کے وجود کے ایک ایک خلیے کو موت و زندگی کی کشمکش میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی آنکھیں لہو چھلکاتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''اب بھی اس سے کم نہیں ہو رہا''۔ وہ بے خوفی سے گویا ہوئی۔

''پتا چلے گا تمہیں۔ حشر تو تمہارا اسی وقت کرنے کو جی چاہ رہا ہے مگر یاور بھائی کی غیر موجودگی ہمیں۔ بے بس بنائے ہوئے ہے۔ تم پر تشدد کر کے ایک منٹ میں اصلیت معلوم کی جا سکتی ہے۔ کہ اس صورتحال میں بڑے بڑے مجرموں کی پیش نہیں جاتی۔ تم تو کیا چیز ہو۔ مگر وہ یہیں سمجھیں گے کہ تمہیں مجبور کر کے ہم اپنی مرضی کا بیان لے رہے ہیں۔ بدگمان دل ہے، بدگمانی کے راستوں پر چل نکلا ہے۔ اتنی آسانی سے ہماری طرف نہیں پلٹے گا۔ لہٰذا۔ ہم یہ کڑوا گھونٹ صرف ان کی آمد تک پی رہے ہیں۔ جو کارروائی کریں گے، ان کے سامنے کریں گے۔ تب تک خیر مناؤ''۔

وہ ایک دم تیزی سے پلٹ کر باہر نکل گئے۔

ان کے لہجے کی غراہٹ ان کے آئندہ کے عزائم کا پتہ دے رہی تھی۔

....

تیمور علی خان تھکے تھکے قدموں کے ساتھ گہری سوچ میں مستغرق بابا صاحب کے کمرے کی طرف آئے تھے۔

دستک بھی اس انداز میں دی تھی گویا ہاتھوں میں کوئی وزن اٹھا رکھا ہو۔

''ہوں..... کون ہے آ جاؤ''۔ بابا صاحب کی آواز میں بھی تھکن واضح تھی۔

تیمور علی خان اندر داخل ہو گئے۔ بابا صاحب نیم دراز حالت میں حقے کا پائپ منہ سے لگائے دروازے کی سمت دیکھ رہے تھے۔ تیمور علی خان کو دیکھ کر ایک دم چونک سے گئے۔

''آؤ..... تیمور! ہم تمہارے بارے ہی میں سوچ رہے تھے کہ جانے تم اس وقت کیا کر رہے ہو۔ یہ تمہارے ہاتھ میں چابی ہے۔ کہیں سے آ رہے ہو؟'' انہوں نے الجھ کر بیٹے کی شکل دیکھی۔

تیمور علی خان نے چونک کر اپنے ہاتھ کی سمت دیکھا۔

''اوہ..... یہ..... یہ اسی شقی القلب اور منحوس کے کمرے کی چابی ہے۔ ہمیں دھیان ہی نہیں رہا۔ دروازہ کھلا چھوڑ آئے ہیں۔ کہیں وہ فرار نہ ہو جائے۔ ہم ابھی آتے ہیں''۔ وہ پلٹنے لگے۔

''رہنے دو۔ ہم ماما کو بلاتے ہیں۔ وہ تالا لگا کر آئے گی۔ بے فکر رہو، وہ فرار نہیں ہو گی۔ اس کے انداز فرار ہونے والوں کے سے نہیں۔ ہم نے تو تالا اس لیے ڈالا ہے کہ اسے یاد رہے کہ اس سے تمام مراعات واپس لے لی گئی ہیں۔ اب اس کی حیثیت وہ نہیں جو پہلے تھی''۔

''بابا صاحب! آخر آپ اس کی کھال کیوں نہیں اتار دیتے۔ ہمیں تو بس مصلحتیں روکے ہوئے ہیں۔ آپ اتنا ضبط کیوں کر رہے ہیں؟'' وہ اپنے شل اعصاب کے ساتھ گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے۔

''یہی کچھ ہمارے ساتھ ہے۔ کچھ وقت جاتا ہے۔ کریں گے اس کے ساتھ بھی حساب کتاب''۔ وہ نرمی سے گویا ہوئے۔

''آپ کے انداز سے ظاہر ہے کہ آپ کو ہم پر کتنا اعتماد ہے۔ یاور بھائی بھی تو ہمارے سگے بھائی ہیں۔ آپ کو کیا پتا بے اعتباری ہمیں کس عذاب میں ڈالے ہوئے ہے''۔ وہ بہت شکستہ لہجے میں باپ سے مخاطب تھے۔

”حوصلہ رکھو تیمور۔ سب ٹھیک ہو جائیگا“۔ بابا صاحب نے شفقت کے ساتھ بیٹے کو تسلی دی۔

”ہم نے زندگی میں کبھی گالی نہیں سنی۔ یہ اتنی ننگی گالی۔؟“ وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں گویا ہوئے۔

”اس لڑکی کے بارے میں سب کے اندازے غلط ہو گئے۔ ہماری سات پشتوں میں ایسا فتنہ نہیں گزرا۔ مگر انشاءاللہ ہم اس پر قابو پالیں گے“۔ بابا صاحب نے وثوق سے کہا۔

”مگر کیسے؟ بڑے بھائی نے تو حد ہی کر دی ہے۔ وہ ہماری بھابی ہیں، ہم انہیں اتنا جانتے ہیں۔ ان کی تو بیوی ہیں۔ ابھی تک نہیں پہچانے“۔

”کوئی بات نہیں۔ دنیا میں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں ساتھ رہنے والے ایک دوسرے کو جڑ بنیاد کے ساتھ پہچانتے ہیں۔ بائبل تو ایک ہی نازل ہوئی تھی پھر اس کی کئی شکلیں کیسے ہو گئیں۔ اس کی جتنی شکلیں ہیں، وہ سب حضرت عیسیٰ کے حواریوں سے ہی منسوب ہیں۔ وہ ہر کے آدمیوں سے نہیں، یوحنا کی بائبل کچھ بتاتی ہے۔ متی کی بائبل کچھ کہتی ہے۔ یہ تو حواری تھے۔ پیغمبر کے ساتھ تھے۔ کیا یہ بھی پیغمبر کو نہیں سمجھتے تھے۔ ورنہ آسمانی پیغام کئی شکلوں میں کیسے تبدیل ہو جاتا؟

بات انہونی تھی کہ خیر باپ کے انسان کا جنم کیسے ہو گیا؟ سمجھ میں نہیں آئی تو حسب توفیق دماغ کو استعمال کر کے حقیقت مسخ کر دی۔ سب کے پاس الگ الگ دماغ ہے۔ سب اپنے اپنے حساب سے سوچتے ہیں۔ تم سوچنے سے بدگمان ہونے کے بجائے اس سے ہمدردی محسوس کرو۔ اصل عذاب تو اس کی جان پر پڑا ہے“۔

تیمور علی خان باپ کے قریب ہی جا بیٹھے تھے۔ بابا صاحب نے ان کی پشت پر ہاتھ رکھ کر بڑے تحمل سے سمجھایا تھا۔

”انشاءاللہ وہ جلد آ جائیگا۔ اچھا ہے۔ تنہا رہ کر تو سہولت سے غور و فکر کریگا“۔ وہ مزید گویا ہوئے۔

”بابا صاحب! آپ سے ایک بات کرنا ہے۔ اصولاً تو کوئی ٹینشن والی بات موجودہ صورتحال میں کرنا ایک مجرمانہ فعل ہے مگر...... مگر جو بات ہم آپ سے کرنے جا رہے ہیں، اس کی اہمیت کا تعلق موجودہ صورتحال ہی سے ہے“۔ وہ بولتے بولتے رک گئے۔

بابا صاحب نے بیٹے کے لب و لہجے سے کچھ پا لیا تھا۔ ان کے حواس ایک دم مرتکز ہو گئے کہ حوالہ موجودہ صورتحال کا تھا۔

”ہاں۔ ہاں۔ کہو“۔ وہ بظاہر بہت پرسکون نظر آ رہے تھے۔

”ہم ایک نافرمانی کر بیٹھے ہیں۔ شاید آپ ہم سے ہمیشہ کیلئے ناراض ہو جائیں“۔ وہ پھر رک گئے۔

دلاور علی خان پلکیں جھپکنا بھول گئے۔ ان کا لاڈلا بیٹا نافرمانی کا اعتراف کر کے کون سی اعصاب شکن خبر سنانے جا رہا تھا کہ ہمیشہ ان کی ناراضگی پیدا ہونے کا امکان کسی چھوٹی موٹی بات سے تو نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ کچھ بولے نہیں بلکہ تیمور علی خان کے بولنے کا انتظار کرنے لگے۔

”بابا صاحب! ہم وہاں لندن میں شادی کر چکے ہیں۔ دراصل صورتحال ایسی ہو گئی تھی کہ ہمیں یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑا“۔ وہ پھر خاموش ہو گئے۔

کمرے میں شور مچاتا سناٹا متحرک ہو گیا۔ بابا صاحب نے دو تین مرتبہ حقہ گڑگڑایا۔

”کون ہے وہ؟“ آخر کار ان کی آواز کمرے میں گونجی۔ بالکل سپاٹ لہجہ تھا۔

”انگریز ہے۔ ماں سوئس ہے۔ باپ انگریز تھا“۔ تیمور علی خان کی آواز مجرموں کی طرح دھیمی تھی۔

”تھا کیا مطلب؟“ بابا صاحب کا انداز ہنوز سپاٹ تھا۔

”وہ فوجی تھا۔ جہاز کے ایک حادثے میں چل بسا تھا۔ وہ ایک لینڈ لارڈ کی واحد نرینہ اولاد تھی۔ اس کے علاوہ اس کی بہن ہیں“۔

”صورتحال کیا تھی؟“ اس مرتبہ بابا صاحب کے انداز میں عجلت تھی۔

”اس کی ماں نے وہیں دوسری شادی کر لی تھی۔ جس شخص سے اس نے شادی کی تھی۔ اس نے وراثت میں ملنے والی جائیداد کے لالچ میں دوسری شادی کر لی تھی۔ مگر پراپرٹی ہماری وائف کے نام ہے۔ جب یہ بات کھلی تو وہ ہماری وائف کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا اور ان کو پالیس چلنے لگا۔ اسے مدتوں دور افتادہ فارمز میں رکھا گیا۔ اس کی زندگی اس طرح گزر رہی تھی گویا وہ زیر حراست ہو۔ وہ ہم سے جونیئر ہے۔ ہماری ملاقات لائبریری میں ہوئی تھی۔ سب لوگوں پر اس کا تاثر لینڈ لیڈی کا تھا۔ اس کے ساتھ ہمیشہ گارڈز ہوتے تھے۔ یہ بعد میں پتا چلا کہ درحقیقت وہ گارڈز اس کے سوتیلے باپ کے مسلط کردہ تھے۔ یعنی ایک خاموش دھمکی اس کے ساتھ چلتی تھی۔ وہ اس قدر شاطر ذہن کا آدمی ہے کہ اپنے ہاتھ صاف رکھتا ہے۔ قانون کو جل دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اس کی ماں کی حیثیت اس کے ہاتھ میں کھلونا کی سی تھی۔ وہ تو اتنی خوفزدہ تھی کہ یہ تمام حقائق اس نے ہمیں لکھ کر بتائے تھے۔ زبان سے ایک لفظ نہیں نکالا تھا۔ کہتی ہے۔ مجھے تو ہر وقت محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی دیوار سے کان لگائے کھڑا ہو۔ اور وہ ہر وقت گن پوائنٹ پر ہو“۔

”ہوں“۔ بابا صاحب نے ہنکارا بھرا۔ ”کیا نام ہے لڑکی کا؟“

”لیزا...... ہمارا مطلب ہے ایلزبتھ ولیم براؤن“۔

”کیا تم نے اس سے چرچ میں شادی کی ہے؟“ دلاور علی خان نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

”کیا؟ کیا مطلب“۔ تیمور علی خان کچھ سمجھے نہیں۔

”ہمارا مطلب ہے اس نے اسلام قبول نہیں کیا؟“

”پہلے اس نے اسلام قبول کیا۔ بعد میں ہمارا نکاح اسلامک سنٹر میں ہوا تھا“۔ انہوں نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

”مگر پھر اس کا نام مسلمانوں والا کیوں نہیں؟“۔

بابا صاحب کے پرسکون سے انداز سے تیمور علی خان کے اعصاب کا تناؤ ڈھیلا پڑنے لگا۔

”نام تو اس کا ہم نے عائشہ رکھا ہے۔ بس وہ عادتاً منہ سے لیزا نکل جاتا ہے“۔ وہ قدرے جھجک کر گویا ہوئے۔

”اور تم اسے اتنے خطرات میں چھوڑ کر یہاں آرام سے اتنا وقت گزارتے ہو؟ پھر تم سے اسے شادی کر کے کیا فائدہ ہوا؟“

دلاور علی خان نارمل انداز میں کہہ رہے تھے جیسے ان کے درمیان کوئی انوکھی یا غیر معمولی بات نہ ہوئی ہو۔

''اسے بچپن ہی سے نفسیاتی مریضہ بنادیا گیا تھا۔اس کی عملی پاور زیرو ہو کر رہ گئی تھی۔وگرنہ وہاں قانونی تحفظات حاصل کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔بشرطیکہ آپ خود ذہنی طور پر مضبوط اور پراعتماد ہوں۔ہم نے اپنی ذمے داری خوش اسلوبی سے نبھانے کی کوشش کی ہے۔ہمارا وہاں ایک ہم وطن دوست ہے بارایٹ لاء کیا ہوا ہے۔اس کی بیوی بھی پاکستانی ہے۔وہاں ہم اسی کے ساتھ رہتے ہیں۔لیزا ابھی انہی کے پاس ہے۔جس ڈاکٹر نے اس کا نفسیاتی علاج کیا ہے۔اس نے قانونی تحفظات حاصل کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔اب لیزا خود بھی اتنی پراعتماد ہے کہ پرابلم فیس کرسکتی ہے۔وہ تو یہاں آپ لوگوں کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ہم اس مرتبہ اسے یقین دلا کر آئے ہیں کہ حویلی میں اس کی جگہ بنا کر ہی لندن واپس جائیں گے۔کئی مرتبہ ہم نے کوشش کی۔مگر اماں کی وجہ سے ہر بار رک جاتے تھے۔وہ بہت جلدی پریشان ہو جاتی ہیں۔اور ان کی صحت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔آج سے پہلے ہم نے یہی فیصلہ کیا تھا آپ کو سب کچھ بتا دیں گے پھر آپ خود ہی اماں جی کو ہینڈل کرلیں گے۔ ہم نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو سب کچھ بتا دیں گے۔پھر آپ خود ہی اماں جی کو ہینڈل کرلیں گے۔ہم ان سے براہ راست بات کریں گے ہی نہیں۔ہمیں پتا ہے ہمارے اس اقدام سے آپ کو صدمہ ضرور پہنچا ہوگا۔مگر بابا صاحب شادی تو انسان کا سب سے زیادہ پرسنل معاملہ ہوتی ہے۔دو انسانوں نے ایک عمر ساتھ گزارنی ہوتی ہے۔انٹرفیئر کرنے والوں کا کیا رول ہو سکتا ہے؟''

تیمور علی خان نے اعتراف خطا کے ساتھ ساتھ اپنی صفائی کا بھی بندوبست کیا۔

''ہوں''۔بابا صاحب نے ہنکارا بھر کر حقہ گڑگڑایا۔

''صدمہ تو ہمیں واقعی ہوا ہے کہ ہمارا عزیز ترین بیٹا گھر بسا کر بیٹھ گیا اور ہمیں پتا تک نہ چلا۔اپنے بچوں کی باراتیں لے جاتے ہوئے ماں باپ کے جو احساسات و جذبات ہوتے ہیں۔وہ خوشی جو دولہا کے باپ کو ہوتی ہے'وہ تو ہر باپ کا آسانی اور جائز حق ہے۔بڑے انتظار کے بعد ماں باپ وہ دن دیکھتے ہیں۔اپنی زندگی ہی میں اس سے محروم ہونا۔بڑی کمی رہ جاتی ہے۔بیٹے زندگی میں''۔

''مقام شکر یہ ہے کہ تم نے ولایت میں بھی نام و نسب والوں ہی سے رشتہ جوڑا۔اگر کسی درجہ سوئم کی لڑکی کو بیوی بنا لیتے تو شاید یہ دکھ ہمیں قبر میں لے جاتا۔جو ہوا سو ہوا۔اب کیا کریں' کیا کہیں۔اتنا بڑا طوفان حویلی میں اٹھ چکا ہے کہ ہر طوفان اس سے چھوٹا محسوس ہوتا ہے۔تم ایسا کرو جتنی جلد ہو سکے عائشہ کو حویلی میں بلوا لو۔اب یہ بہت ضروری ہو گیا ہے۔ہم کوشش کرتے ہیں کہ یاور سے کسی طرح رابطہ ہو اور ہم اسے تمہاری لو میرج کی اطلاع دیں۔اب یہ فتنہ بہت آسانی سے رفع کیا جا سکتا ہے''۔

تیمور علی خان کی سمجھ میں فوراً ہی یہ بات آگئی کہ اتنی اہم خبر پر دلاور علی خان نے اتنے صبر و سکون کا مظاہرہ کیوں کیا۔ان کی لو میرج تو حویلی کے حق میں غیبی امداد ثابت ہو رہی تھی۔

مدتوں سے وہ جس ذہنی دباؤ کا شکار تھے۔وہ ایک دم ہوا ہو گیا۔انہیں محسوس ہوا وہ گھٹن سے نکل کر اچانک کسی پرفضا مقام پر آگئے ہوں۔

''ہم لیزا کو ابھی فون کر کے خوش خبری سناتے ہیں''۔وہ چاق و چوبند سے کھڑے ہو گئے۔

''عائشہ کو''۔بابا صاحب نے ٹوکا۔

''سوری''۔تیمور علی خان قدرے جھینپ گئے۔پھر باہر نکل گئے۔

....

''بادشاہ والی کہانی سنائیں اماں جی!''باری' اماں جی کے بازوؤں میں مچل گیا۔

''دن میں کہانیاں نہیں سناتے بیٹے! راستہ بھول جاتے ہیں۔رات کو سنائیں گے کہانی''۔اماں جی نے پیار سے اس کی پیشانی پر سے بال سمیٹے۔

''یاور کو تو دن میں کہانی نہیں سنا دی تھی۔اماں جی کبھی بھول سے؟''

روبا دیوی نازنین کے سر میں مساج کر رہی تھی۔ماما بلی ہال کمرے کے دروازے کے قریب بیٹھی دھل کر آئے ہوئے کپڑے گن رہی تھی۔خالہ گم صم بیٹھی چھالیہ کتر کتر کر بٹوے میں ڈال رہی تھیں۔

''اماں جی! آپ بولو تو میں پاؤں پڑ کے آپ سے بڑے خان سے معافی مانگ لوں۔اللہ سے دعا کر رہی ہوں۔اللہ برا پردہ ڈھک لے گا''۔ان کی آواز بھرا گئی۔

اماں جی نے خالہ کو ٹہوکا مار کر اشارا دیا کہ نازنین موجود ہے۔خاموش رہو۔

''کیوں آپ کو کیا ہوا ہے؟ آفت تو ہم پر ٹوٹی ہے''۔نازنین نے تڑخ کر کہا

خالہ پھڑ پھڑا کر رہ گئیں مگر اماں جی کی تاکید کے سبب خاموش رہیں۔

''ہماری تو عقل حیران ہے۔یاور جیسا سوبر بندہ۔آخر نہیں ہوا کیا ہے۔ایسے تو کہیں بھی نہیں ہوتا''۔وہ بڑبڑانے کے انداز میں گویا ہوئی۔

''تم اپنے دماغ پر زور مت ڈالو۔بچی پر برا اثر پڑے گا۔اللہ بہتر کریگا''۔

''بچی صرف میری تو نہیں اماں جی۔جو اچھے برے اثر کا صرف میں ہی سوچوں''۔

وہ بہت جھنجھلاہٹ اور بدمزاجی کا شکار ہو رہی تھی۔

''ماں کے کام بڑے ہیں' اس لئے درجے بھی بڑے ہیں۔اللہ تمہیں ہر طرح کی خوشیاں دے۔(آمین)''۔

''اماں جی! کسی بات سے دل نہیں بہل رہا۔عجیب سے وسوسے ستا رہے ہیں''۔

وہ ایک دم شکستہ خاطر نظر آنے لگی۔

''ماشاءاللہ بھرے گھر میں بیٹھی ہو۔پریشان ہونے کی کیا بات ہے''۔وہ تسلی دینے سے زیادہ کیا کر سکتی تھیں۔

''اس کم ذات سے میری ایک مرتبہ بات تو کرائیں اماں جی۔ذرا پوچھوں تو اوقات بھول کر مالک پر ریجھ گئی۔تیمور پر ریجھ جاتی۔وہ تو اکیلے اور فارغ ہیں۔میرا میاں ہی ملا تھا پھانسنے کو''۔

نازنین کی ذہنی حالت گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ دگرگوں ہوتی جا رہی تھی۔ایک تو زچگی سے ذہنی و جسمانی کمزوری

دوسرے یہ اتنی بڑی پریشانی۔ جب تک نوزائیدہ بچے کا باپ بچے کے چہرے پر مسکراتی نظر نہ ڈالے بچے کی ماں کی تھکن نہیں اترتی۔ بچہ تو پیدا ہونے سے پہلے ہی قبول کرلیا جاتا ہے۔ جب ہی تو اپنے باپ کے گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ مگر انسانی زندگی کے چھوٹے چھوٹے جذباتی موڑ ایسے ہیں جن سے گزرے بغیر اندر کی تشنگی دور نہیں ہوتی۔

''ہیں۔ یہ کیا اولی بولی بولنے لگیں؟'' اماں جی بھونچکا سی رہ گئیں۔

''ایسی کوئی بات نہیں میری بچی۔ تو کہے تو قسم اٹھالوں''۔

اماں جی اپنی جگہ سے اٹھ کر نازنین کے قریب چلی آئیں۔

''تو پھر کیا بات ہے۔ اتنا تو خیر میں محسوس کرسکتی ہوں جو بات بھی ہے' وہ آپ کو' بابا صاحب کو اور تیمور کو پتا ہے' مگر میں تو اپنا ذہن دوڑا دوڑا کر تھک گئی۔ سرا ہاتھ نہیں آرہا''۔ نازنین نے سر تھام لیا۔ ''وہ کیا بات ہے جو آپ لوگ مجھ سے چھپا رہے ہیں''۔

ماما اس بحث میں گنتی بھول گئی۔ ایک لمحے کو ساس' بہو کی طرف دیکھا۔ پھر دوبارہ سے کپڑے گننے لگی۔

روپا دیوی اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی کہ کب نازنین اپنا تھاما ہوا سر آزاد کرے اور وہ پھر سے مساج شروع کرے۔

''اماں جی! چھوٹی دلہن آپ سے لڑائی کررہی ہیں؟''

باری اماں جی کی پشت پر کھڑا ہوا تھا اور قدرے پریشان کن انداز میں دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ اماں جی نے اسے کھینچ کر اپنی گود میں بھر لیا۔

''ماں صدقے' نہیں بیٹے لڑائی تو گندے لوگ کرتے ہیں۔ ہم تو بات کررہے ہیں''۔

''چھوٹی دلہن کہہ رہی تھیں' یاور خاناں رستہ بھول گئے ہیں' آپ نے انہیں دن میں کہانی سنائی تھی اماں جی؟''

وہ اٹک اٹک کر بڑی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ ایک لمحے کو وہ سب دم بخود ہوگئیں۔

''ماشاءاللہ...... اللہ نظر سے بچائے' کتنا ذہین ہے۔ ہر بات پر دھیان دیتا ہے''۔ اماں جی نے اس کا منہ چوم لیا۔

خالہ سولہ آنے منہ ڈھانک کر بے اختیار رونے لگیں۔

''اماں جی! مجھے معاف کردیں۔ وہ فتنہ میں ہی لے کر آئی تھی''۔

''سولہ آنے! بچوں سے گئی گزری ہوگئی۔ پیغمبروں کے ہاں بھی صرف پیغمبر نہیں ہوئے۔ نوح کا بیٹا بھی نافرمان تھا جسے اللہ نے طوفان میں غرق کردیا تھا۔ وہ کون سا تیری اولاد ہے۔ جو تجھے کوئی کہے گا کہ ٹھیک سے نہیں پالی اور وہ بھی بچی ہے' بے وقوف' کم عقل۔ اپنی کم عقلی کا احساس ہوگا تو خود ہی معافی مانگے گی' شرمندہ ہوگی''۔

''چاہے میں اتنے میں برباد ہوجاؤں''۔ نازنین تلخی سے گویا ہوئی۔

''اللہ نہ کرے۔ اللہ میرے بیٹے کو سلامت رکھے۔ اس سے تجھے عمر بھر خوشیاں ملیں۔ آمین۔ بری بات بیٹی ایسے نہیں کہتے۔ میرا دل بہت کمزور ہے''۔

انہوں نے نازنین کے ہاتھ تھام لئے۔

''جب ہی تو آپ خود کو دھوکا دینے کی عادی ہیں۔ کبوتر کے آنکھیں بند کرلینے سے بلی بھاگ نہیں جاتی''۔

''بھابی پلیز! آپ اماں جی سے اس طرح بات نہیں کریں' یہ بھی آپ کی طرح بہت پریشان ہیں''۔ تیمور علی خان اندر داخل ہوئے۔

''کوئی بات نہیں بیٹے۔ بیٹی ہے یہ میری۔ اس کا دل ٹھکانے نہیں ہے۔ میں اس کی باتوں کا برا نہیں مانتی''۔ اماں جی نے بہت دلسوزی سے کہا۔

''تم کہاں جارہے ہو؟'' انہوں نے نک سک سے درست تیمور علی خان کی طرف دیکھا۔

''جی۔ ہم کوہاٹ جارہے ہیں۔ پتا لگا ہے یاور بھائی پرسوں وہاں پہنچے ہیں''۔

''اچھا!'' اماں جی کے چہرے سے خوشی چھلکنے لگی۔ ''وہاں پہنچتے ہی فون کرنا اور یاور سے میری بات ضرور کرانا''۔

''جی ضرور...... انشاءاللہ...... بس ہم آپ کو یہی اطلاع دینے آئے تھے''۔

''ٹھیک ہے جاؤ۔ خیر کی خبر لاؤ۔ اللہ کی امان میں دیا''۔

''کاکا جان! یاور خانا راستہ بھول گئے ہیں۔ اماں جی نے انہیں دن میں کہانی سنائی تھی۔ ہے ناں اماں جی؟'' باری نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

تیمور علی خان نے الجھی ہوئی نظروں سے ماں کی سمت دیکھا۔

''کاکا جان...... میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ یاور خاناں کا ہاتھ پکڑ کر لے آؤں گا۔ مجھے راستہ پتا ہے''۔

باری' اماں جی کی گود سے نکل کر تیمور علی خان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''انہیں ہم لے آئیں گے۔ آپ یہاں روشی کے پاس رہو۔ ورنہ وہ رونے لگے گی''۔ انہوں نے اس کا سر چھو کر کہا۔

''کاکا جان۔ روشی آئس کریم کیوں نہیں کھاتی؟ آئس کریم تو اچھی ہوتی ہے''۔ اس نے قدرے پریشانی سے پوچھا۔

''جب وہ آپ کی طرح بھاگنے لگے گی تو آئس کریم بھی کھائے گی''۔

''اور لیگ پیس (مرغی کی ٹانگ) بھی؟'' وہ ان کی بات کاٹ کر بے تابی سے بولا۔

''اوہ...... شیور...... پارٹنر...... ضرور کھائے گی۔

''اچھا ہم چلتے ہیں۔ بالکل پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ خالہ آپ سب کا خیال رکھیے گا''۔ وہ خالہ سولہ آنے سے مخاطب ہوئے۔

''بیٹے! میں تو یہاں کسی سے آنکھ ملانے کے قابل نہیں ہوں''۔ وہ رندھے ہوئے گلے سے مخاطب ہوئیں۔

''ایسا نہیں سوچیں۔ کوئی بات نہیں۔ اچھا اماں جی۔ بھابی۔ خدا حافظ''۔

''خدا حافظ کاکا جان!'' باری بڑی بردباری سے مخاطب ہوا۔

''خدا حافظ پارٹنر...... اماں جی کو پریشان نہیں کرنا۔ ٹھیک؟'' وہ باہر نکل گئے۔

''چلو شکر ہے' یہ تو پتا چلا کہ وہ کہاں ہے''۔

اماں جی نے سکون کا سانس لیا مگر نازنین کا چہرا اسی طرح بے تاثر رہا۔

....

"جب سے لڑکیاں (روشن آرا' تزئین) گئی ہیں گھر بالکل ہی سونا ہو گیا ہے"۔

اماں جی عالم تاب سے مخاطب ہوئیں۔

"بابا صاحب نے بلایا ہے آپ کو۔ وہ کہہ رہے ہیں' شام کی چائے آپ ان کے کمرے میں ہی پئیں"۔

عالم تاب نے ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنی سوچ سے باہر آ کر ساس کو پیغام دیا۔

اماں جی کا دھیان پوری طرح مطربہ کی طرف گیا۔

"کیا کچھ بول پڑی زیتون بانو؟ کیوں اسے کمرے میں بند کر رکھا ہے۔ کہیں نہیں جانے کی وہ"۔

"اماں جی! کسی فتنے کے ساتھ اتنی نرمی' رعایت' نیکی نہیں بہت بڑا گناہ ہے' آگ لگا رہی ہے وہ حویلی میں اور آپ ہیں کہ"۔

عالم تاب کی آواز سے ناراضگی واضح تھی۔

اماں جی...... بچے کی طرح گھبرا کر چپ ہو گئیں۔

"اچھا میں عصر کی نماز پڑھ لوں۔ اپنے بابا صاحب کو کہلوا دو۔ آتی ہوں ابھی"۔

وہ دھیمی آواز میں کہہ کر وضو کیلئے چل پڑیں۔ عالم تاب' روپا دیوی کو بلا کر بابا صاحب کہ پیغام پہنچانے لگیں۔

اماں جی نے عصر کی نماز کے بعد معمول کے مطابق تسبیح پڑھی۔ اپنے کانپتے دل کو قرار ملنے کی دعا کی اور بابا صاحب کے کمرے میں آ گئیں۔

"آؤ۔ رئیسہ کی ماں۔ بہت دیر لگا دی"۔

"نماز پڑھ رہی تھی"۔ اماں جی نے سر پر دوپٹہ درست کرتے ہوئے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"آؤ بیٹھو۔ بہت سی باتیں جمع ہو گئی ہیں جو آپ سے کرنا ہیں"۔

بابا صاحب نے اپنے پہلو میں بیٹھنے کا اشارا کیا۔

"اتنے سے دنوں میں کتنی باتیں جمع ہو گئیں"۔ وہ بڑے مودبانہ اور حیا آمیز لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

"ایک تو آپ ساری عمر شیشے کا سامان بنی رہیں۔ آپ سے کوئی بات کرنا ہو تو ہر طرف سے انتظام کرنا پڑتا ہے"۔ بابا صاحب نے آج واقعی جھلا کر کہا تھا۔

اماں جی سہم کر رہ گئیں۔

"کوئی شکایت ہو گئی مجھ سے؟" وہ سادگی سے پوچھ رہی تھیں۔

دلاور علی خان اٹھتے ہوئے جھاگ کی طرح پھر بیٹھنے لگے۔

"رئیسہ کی ماں۔ یہ دنیا مشقت گاہ ہے۔ ہر وقت مرضی کی خبریں نہیں آتیں"۔

"یہاں ہر کسی کو کوئی نہ کوئی مسئلہ ہے۔ یہ انسان کی تقدیر ہے۔ اور ایسا قیامت تک ہو گا۔ اب ہم ہیں۔ اللہ نے غنی کر دیا ہے۔ مگر اور دوسری الجھنیں ہمارے ساتھ ہیں۔ جو بعض اوقات اس قدر بڑھ جاتی ہیں کہ غنی ہونے کا احساس تک مٹا دیتی ہیں۔ مال و دولت کے ڈھیر ہونے کا سارا نشہ ہرن ہو جاتا ہے"۔

"ہزار طرح کے جھمیلے ہیں۔ دشمنیاں ہیں تو ان کے اپنے ڈھنگ۔ دوستیاں ہیں تو علیحدہ آزمائش دوستی' دشمنی' یاری کے ساتھ ساتھ اولاد کے مسئلے مسائل"۔

"کہیں یہ سب نہیں ہے تو روٹی کا مسئلہ ہے۔ جہیز کا مسئلہ ہے۔ کہیں یہ کچھ بھی نہیں ہے تو۔ بے اولادی کا دکھ ہے۔ زندگی میں مسئلے مسائل تو چلتے رہیں گے۔ انسان کو ہمت سے کام لینا چاہیے"۔

"اب کیا ہو گیا؟" اماں جی کا دل کانپ کانپ گیا۔ بات سے پہلے اتنی لمبی پیش بندی۔ اللہ خیر کرے۔

"کچھ نہیں ہوا۔ خبر تو اچھی ہے۔ آپ برا بنا لو وہ دوسری بات ہے"۔ دلاور علی خان نے کہا۔

اماں جی کے دل کو کچھ تقویت پہنچی' وہ خبر کا انتظار کرنے لگیں۔

"ماشاءاللہ ہمارے چار بیٹے ہیں۔ تین بچوں کی آپ باراتیں لے کر گئیں۔ اللہ نے بڑی عزت دی۔ ہمیں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اب اگر تیمور اپنی پسند سے وہیں ولایت میں شادی کر لے تو کیا حرج ہے؟ وقت اور زمانہ صرف ہمارا نہیں ہمارے بچوں کا بھی ہے۔ سب سے بڑھ کر اگر کسی مشین کے ذریعے آپ کو ٹھیک ٹھیک بتا دیا جائے کہ آپ کا بچہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی حاصل کر چکا ہے تو یہ بات خوشی کی ہونا چاہیے نہ کہ افسوس کی۔ بچوں کی خوشیاں تو ماں باپ کی عمر بھر کی کمائی ہوتی ہیں"۔

"مجھے پتا ہے' وہ شیخ رفیع کی لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ اگر آپ اس کی مرضی پر خوش ہیں تو میں بھی خوش ہوں۔

"مگر یہ کیسا ستم ہے میں اپنی آنکھوں کی تارے کی دلہن سے کبھی دل کی بات نہ کر سکوں گی۔ وہ تو انگریزی بولے گی"۔

وہ آنکھوں پر آنچل رکھ کر رونے لگیں۔ وہ اپنے دکھ پر کسی اور بہانے سے رو رہی تھیں۔ دلاور علی خان نے انہیں شانوں سے تھام لیا۔

"ہمارا بیٹا انگریزوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے۔ عقل کا کورا نہیں ہے۔ وہ اسے اردو سکھائے گا۔ وہ آپ سے اردو میں بات کرے گی"۔

"آپ کو بھی تو ہم ریاست رامپور سے یہاں لائے تھے۔ کیا چھنی ہوئی اردو بولتی تھیں۔ اب کس طرح مقامی بولی بولتی ہیں کہ اپنی اصل زبان بھول چکی ہیں۔ ہمارے رشتے پر آپ کی بھابیوں اور بہنوں نے کتنا اعتراض کیا تھا کہ نسلاً افغان پٹھان کو بیٹی دے کر آپ کے گھر والے گناہ کبیرہ کر رہے ہیں۔ ان کی تو عقل موٹی ہوتی ہے۔ گھر میں فارسی آمیز پشتو بولی جاتی ہے۔ جبکہ آپ کو اردو کے علاوہ کوئی زبان نہیں آتی تھی۔

ہمارے خاندان میں آپ کے علاوہ کوئی باہر کی عورت نہیں تھی۔ مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ اس خاندان کی نہیں ہو؟"

دلاور علی خان مزاج آشنائی کے سبب جن دلائل کو استعمال کر رہے تھے اس سبب اماں جی بہت پرسکون اعصاب کے

ساتھ ہمہ تن گوش تھیں۔

"پھر آپ مجھے لندن بھجوا دیجئے' تیمور کے ساتھ۔ خود اپنے ہاتھوں بیاہ لاؤں گی۔ شیخ رفیع کی لڑکی"۔

"بس آج کے بعد شیخ رفیع کی لڑکی کا ذکر ان معنوں میں حویلی میں نہیں ہوگا۔ ختم کرو اس قصے کو رئیسہ کی ماں"۔ دلاور علی خان نے قطعیت سے کہا۔

"پتا نہیں اس کی عادتیں کیسی ہوں گی"۔

ان کے منہ سے بلا ارادہ نکل گیا۔ خلاف توقع خبر پر عجیب طرح کی بے اختیاری تھی۔ وہ تو دلاور علی خان کا پرسکون انداز اور بیٹے کی حمایت میں دلائل کے ساتھ کی گئی پیش بندی کی وجہ سے ان کے اوسان خطا نہیں ہوئے تھے۔ مگر جانے کیوں اندر کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس کر رہی تھیں۔

"رئیسہ کی ماں! تمہارے بیٹے کا گزارا اس کی عادتوں سے ہو سکتا ہوگا۔ تب ہی تو اس نے اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے" انہوں نے سمجھایا۔

اماں جی سر جھکا کر کسی سوچ میں گم ہو گئیں۔

"آ...... آپ نے اس طرح کی باتیں کبھی پسند نہیں کیں۔ سچی سچی کہیں۔ جب آپ کو پہلے پہل یہ خبر ملی ہوگی تو کیا آپ کو صدمہ نہیں ہوا ہوگا۔ حالانکہ میرے حساب سے تو آپ کو غصہ آنا چاہیے"۔

وہ چند لمحوں کے توقف کے بعد گویا ہوئی تھیں۔

دلاور علی خان جواب میں خاصی دیر خاموش رہے۔

"آپ ہماری شریک حیات ہو۔ شریک راز ہو۔ اللہ سے دعا ہے کہ وقت آخر یہی اخلاص بھرا چہرہ آنکھوں کے سامنے ہو۔ ایک بات بتا رہے ہیں آپ کو" وہ بہت گہری سوچ میں ڈوب کر مخاطب ہوئے تھے۔

"جب زیتون بانو نے ہمارے سامنے زبان کھولی اور بعد میں تیمور نے اس پر الزام لگایا...... ہمارے' آپ کے سامنے۔ تو ہمارے دل کو بہت وسوسوں نے گھیر لیا تھا۔

یہی خیال دل میں جم رہا تھا کہ تیمور سے غلطی ہو سکتی ہے ورنہ ایسی کمزور و بے سہارا لڑکی ہمارے سامنے اس طرح کی جرات کم از کم نہیں کر سکتی۔ یقین جانو رئیسہ کی ماں اس رات ہم ایک لمحے کو بھی نہیں سوئے۔ اگرچہ ہم نے مصلحتاً یہی ظاہر کیا تھا کہ ہم تیمور کو بالکل بے قصور مان چکے ہیں۔ جو خطا ہے' اسی لڑکی کی ہے۔

اس مضبوط وسوسے کے پیچھے بھی بہت سی حقیقتیں ہیں۔ تیمور ماشاء اللہ موجود لوگوں میں سب سے حسین جواں مرد ہے۔ انگلستان میں رہتا ہے۔ بات کرنے کا ڈھنگ جانتا ہے۔ اس پر کسی کا دل آ جانا ایسی کوئی انہونی بات نہیں۔ نازنین ہو کہ زیتون بانو' یہ کم عمر لڑکیاں ہیں۔ غلطی ہو سکتی ہے"۔

"اللہ سے پناہ مانگتی ہوں خان صاحب' نازنین ایک ہیرا ہے جو ہمیں نصیب سے ملا ہے"۔ اماں جی تھرا کر رہ گئیں۔ دلاور علی خان جیسے حوصلے وہ کہاں سے لاتیں۔

"آپ بات تو مکمل ہونے دو' خیال ہی ہے' اسے تو آ کر گزرنا ہی ہوتا ہے' پھر اللہ نے ہماری مدد کی' تیمور کی شادی کی بات سامنے آ گئی۔

اب یہ خبر آپ حویلی کے چپے چپے پر پھیلا دیں کہ تیمور اگلے ماہ اپنی دلہن انگلستان سے لا رہے ہیں۔

تیمور خود بخود تمام الزامات سے بری ہو رہا ہے رئیسہ کی ماں۔ اب اس لڑکی کو یہ بتاتے ہی بن پڑے گی کہ اس نے یہ سب کیوں کیا۔ وہ کیا چاہتی ہے؟ اب صرف اور صرف یاور کا انتظار ہے۔ سوچنے کا مقام ہے جس بات نے وسوسے کی شکل میں کئی دنوں ہمیں جگائے رکھا۔ یاور کی کیا حالت ہوگی۔ بات بنتے دیر...... لگتی ہے' نہ بگڑتے۔ آسمان سے فرشتے نہیں آتے ثبوت و گواہی لے کر۔ ہمیں اس کی اتنی فکر ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ کم حوصلہ ہوتا تو شاید خود کو گولی مار لیتا۔ بس اسی فکر نے چین حرام کیا ہوا ہے"۔

دلاور علی خان کی پیشانی کی لکیریں گہری ہو گئیں۔

اماں جی کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"اللہ میرے بچے کا حامی ناصر ہو"۔ وہ بے اختیار ہاتھ اٹھا کر بولیں۔

"تیمور گیا تو ہے کوہاٹ۔ بتا رہا تھا کہ پتا چلا ہے یاور وہاں ڈپٹی کے ڈاک بنگلے میں ہے۔ اللہ کرے وہیں ہو۔ ہمارے سروں سے یہ مصیبت ٹل جائے۔ میں تو زیتون بانو کو کراچی میں صابرہ کے پاس ہی بھیج دوں گی' وہیں ٹھیک ہے"۔

"اب یہ ہمارا کام ہے' ہم خود طے کریں گے کہ اسے کس مقام پر رکھنا ہے۔ خواہ کچھ ہو' یاور اب اس کے ساتھ نہیں رہے گا۔ ہم خود اس کی پرورش کریں گے۔ وہ سورما نسل کا "پٹھا" ہے ہم الٹی سیدھی گود میں اسے ضائع نہیں ہونے دیں گے"۔ دلاور علی خان نے بیوی کی بات کاٹ کر تفصیلاً کہا۔

"وہ اسے بہت یاد کرتا ہے"۔ وہ دبے دبے لہجے میں بولیں۔

"ہم اسے سب کچھ بھلا دیں گے۔ آپ فکر نہ کرو"۔

"کم عقل ہے۔ معافی مانگ لے تو معاف کر دیجئے گا"۔ ضمانت قبل از گرفتاری کے انداز میں سفارش کی گئی۔

"رئیسہ کی ماں! جرم کا نتیجہ خود اپنی گنجائش بتا دیتا ہے۔ حقیقت کو سامنے آنے تو دو"۔ وہ دور خلا میں کوئی نوشتہ پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"بس دھیان رہے کوئی زیادتی نہ ہو جائے۔ ہم بھی بال بچوں والے ہیں"۔ انہوں نے قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"ہوں...... فی الحال تو زیادتی ہمارے ساتھ ہو رہی ہے' ہمارے بچے اپنے اپنے کام بھول کر در بدر ہیں"۔ دلاور علی خان نے کھوئے کھوئے انداز میں بیوی کی طرف دیکھا۔

"انشاء اللہ۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تیمور نے اطمینان دلایا ہے کہ لڑکی اچھے باپ دادا کی اولاد ہے' مسلمان ہو چکی ہے' عائشہ نام رکھا ہے"۔

"تو کیا نماز انگریزی میں پڑھتی ہوگی؟" وہ بڑی معصومیت سے پوچھنے لگیں۔

"جب آئے گی تو پوچھ لینا۔ نماز تو سب کو ایک ہی طرح پڑھنا ہوتی ہے۔ خواہ انسان کسی قوم کا ہو"۔

"خیر' قرآن تو میں اسے خود پڑھاؤں گی۔ ساری حویلی کی لڑکیوں کو قرآن میں نے ہی پڑھایا ہے"۔ وہ خاصی پرسکون محسوس ہو رہی تھیں۔

"اچھی بات ہے"۔ دلاور علی خان نے حقے کا پائپ اٹھا کر منہ سے لگایا "آپ کہاں چلیں' چائے نہیں پئیں گی؟"

"وہ ہی دیکھنے جا رہی ہوں' کیا کر رہی ہے ماما بلی"۔ وہ دوپٹہ درست کرتے ہوئے چل پڑیں۔ مگر ایک گہری سوچ کا عکس ان کی چال سے واضح تھا۔

....

نازنین کمرے میں بچی کو فیڈ کر رہی تھی۔ ماما بلی نے ایک سفید سا لفافہ اسے لا کر دیا کہ آپ کے نام ہے۔ یوگنڈا سے اس کے نام کی ڈاک آنا معمول کی بات تھی۔ اس نے لفافے پر سرسری نگاہ ڈالی اور روشی کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

"تیمور آ گئے؟"

"نہیں' ابھی تو نہیں آئے"۔ ماما نے بہت بجھے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"جیسے ہی آئیں' مجھے فوراً اطلاع دینا"۔ اس نے کہا۔

"جی بہتر"۔ ماما نے مودبانہ کہا اور باہر نکل گئی۔

نازنین نے فیڈ کرنے کے بعد روشی کو آہستگی سے کاٹ میں لٹایا اور لفافہ اٹھا کر الٹ پلٹ کرنے لگی۔ دل ایک دم سکڑ کر تیزی سے پھیلا تھا۔ حیرت و خوشی سے اس نے "سینڈر" کا نام پڑھا۔

"یاور۔ اوہ مائی گاڈ"۔ اس نے بے تابی سے لفافہ چاک کیا' کئی کاغذ نکل کر قالین پر گر پڑے۔

اس نے نسبتاً ہلکا کاغذ اٹھا کر کھولا۔ اس کے نام خط تھا۔ وہ انداز تخاطب پر چونک پڑی۔

محترم نازنین منیب احمد!

السلام علیکم۔!

آپ کی خیریت کی نیک تمنا کے ساتھ بات بڑھاتا ہوں۔ ممکن ہے حویلی میں میری غیر حاضری سے بہت پریشانی ہو رہی ہو۔ مگر میں اس ماحول سے دور اس لئے چلا آیا تھا کہ میں بہت کچھ سوچنا چاہتا تھا۔ اس طرح کہ کوئی شخص بھی میری سوچ پر اثر انداز نہ ہو اور مجھ سے کوئی بہت بڑی بھول نہ ہو جائے۔

یہ تو میں شروع ہی سے محسوس کرتا آ رہا ہوں کہ آپ تیمور کی کمپنی کو حویلی میں سب سے زیادہ پسند کرتی ہیں' میرے لئے یہ خوشی کی بات تھی کہ میں اس تعلق کو پاکیزگی اور وقار کے واسطے سے دیکھتا اور محسوس کرتا تھا۔ ہم بھائیوں میں جو جذباتی وابستگی ہے' اس میں اماں جی کی تربیت کا بہت دخل ہے۔ اس لئے قیامت تک کوئی الٹی سیدھی سوچ مجھے ڈسٹرب نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن' حویلی کا ایک بہت مظلوم اور بے بس کردار مطربہ ہے۔ وہ اتنی سادہ اور نائس لڑکی ہے جس کے ایک ایک انداز سے تابعداری ظاہر ہوتی ہے۔ ہماری اس سے بہت کم بات ہوئی ہے' اس نے بھی کبھی ہم سے غیر ضروری بات نہیں کی۔ اس نے

جس انداز سے حویلی میں خدمت کا حق ادا کیا۔ وہ کوئی پوشیدہ بات نہیں۔ ہمارے موزے اور رومال دھو کر' استری کر کے جب ہماری روانگی کے وقت سوٹ کیس میں رکھتی تو ہمیں اس کی خدمت کی یہ ادا بہت اچھی لگتی تھی۔ کیونکہ ہم ہمیشہ یہ دو چیزیں سوٹ کیس میں رکھنا بھول جاتے تھے۔ ہماری اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کا دھیان رکھنے والی لڑکی جس نے کبھی ہم سے اپنی خدمات کے جواب میں کسی قسم کی رعایت نہیں مانگی۔ رات بارہ' ایک بجے تک ہماری چائے کافی کا دھیان رکھنے والی نے ہم سے سلام کے علاوہ کبھی کوئی بات کرنے میں پہل نہیں کی۔

جب تیمور علی خان نے اپنے دوست سے اس کے نکاح کا عندیہ دیا تو ہمیں دلی خوشی ہوئی تھی کہ ہمارے بھائی نے ایک طرح سے بہت بڑی انسانیت کی خدمت کی ہے اتنی اچھی لڑکی کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔

پھر آپ کے ساتھ اس کا پیار۔ وہ آپ کیلئے ہمیشہ ان تھک ہو جاتی تھی۔ ہم نے اسے آپ سے بہت محبت کرتے دیکھا ہے۔ وہ آپ کی دوست محسوس ہوتی تھی' ہمیں اس بات کی خوشی تھی کہ حویلی میں آپ کو اچھی کمپنی مل رہی تھی' اور آپ خوش تھیں۔

ہم نے تو یہ دیکھا کہ حویلی کا ہر فرد مطربہ سے پیار کرتا تھا۔ تیمور سے وہ بہت ڈرتی اور گھبراتی تھی۔ مگر جب تیمور نے اپنے دوست کیلئے اسے پسند کیا تو ہمیں تیمور کے اچھے اقدام پر بہت خوشی ہوئی تھی۔

لیکن پھر ایکا ایکی یہ کیا ہو گیا؟ آپ اور تیمور اس کے دشمن بن گئے۔ اس کے نام سے آپ دونوں برہم نظر آنے لگے۔ وہ بے وقوف' سادہ سی لڑکی ایک دم آپ کے زیر عتاب آ گئی۔

میں نے اس میں کبھی کوئی "چھوٹی بات" نہیں دیکھی' جس نے عزت دار زندگی حاصل کرنے کیلئے اپنی زندگی خطرے میں ڈال دی۔ آج بھی اس کے وجود پر زخموں کے نشان اس کی نیت کی گواہی دے رہے ہوں گے۔ وہ موم جیسی نرم لڑکی آپ دونوں کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔ کیوں؟ ہم اس بات کی طرف آ رہے ہیں۔

وہ میرا خیال تو شروع دن سے رکھ رہی تھی مگر اس نے خیال رکھنے میں حد ہی کر دی۔ ہمیں حقیقت کے دروازے تک لے آئی۔ اس لئے کہ شاید وہ واقعی خیر خواہ ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جو بات اس نے میرے سامنے کہی' وہی تیمور اور بابا صاحب کے سامنے کہی۔

ایسا بھی ہوا کہ آپ کے انتظار میں گھنٹہ بھر راستہ دیکھا مگر آپ تیمور کو کمپنی دے رہی تھیں۔

تیمور اس قابل ہیں کہ دل ان کے راستے میں بچھائے جاتے ہوں گے۔ میں اپنے بھائی کو اتنا قصوروار نہیں مانتا جتنی کہ آپ ہیں۔ عورت کی آمادگی کے بغیر مرد کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔

مرد کی پہل اس کے جیت جانے کی علامت نہیں ہوا کرتی۔ مرد کی جیت عورت کے تعاون کے بغیر ممکن ہو ہی نہیں سکتی۔

میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میری موجودگی میں آپ بہت چپ ہوتی تھیں۔ جبکہ تیمور کے ساتھ آپ کو اتنا خوش اور ہنستا ہوا دیکھا کہ کسی اور کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا۔ مگر تب بھی میرے ذہن میں کوئی نیگیٹو خیال اس لئے نہیں آیا کہ مجھے خود پر ہمیشہ بہت اعتماد رہا ہے۔

مطربہ نے جب اس پوائنٹ کی طرف میری توجہ دلائی تو میں نے بغور جائزہ لیا' شک کو یقین میں بدلتے کیا دیر لگتی ہے۔ اس رات تو اچھا خاصا یقین ہو چلا جب آپ دونوں مطربہ کو حویلی سے نکالنے کے در پے تھے۔ کہ پوری حویلی میں شاید یہی مظلوم حقیقت سے باخبر تھی اور اسی وجہ سے آپ دونوں کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔

مگر اس رات بھی میں نے خود کو سمجھا لیا کہ ابھی مجھے مزید تحقیق سے کام لینا چاہیے مگر جس روز اس نے تیمور کے سامنے بابا صاحب سے واشگاف الفاظ میں اپنی بات دہرائی تو پھر بتائیں' اب کیا رہ جاتا ہے؟

کوئی لاکھ بے وقوف ہو مگر خان دلاور علی خان کے سامنے غیر ذمہ دارانہ بات کرنے کی جرات نہیں کر سکتا نہ کہ وہ ایک کمزور' بزدل اور بے سائبان لڑکی۔ سوچنے کی بات ہے۔ تیمور تو اس کے محسن ٹھہرے۔ ان کے وسیلے سے تو اس نے باختیار' عزت دار زندگی کی لذت چکھی۔ وہ محسن کشی کیوں کر رہی تھی؟ پھر آپ سے تو اس کی بڑی دوستی تھی۔ مگر بے وقوف انسان نبتاً نیوٹرل ہوتا ہے مصلحتوں سے عاری ہوتا ہے

فقیہہ مصلحت بیں سے وہ رند بادہ خوار اچھا

یا شاید وہ نرم دل تھی کہ کسی کے ساتھ کوئی خوفناک زیادتی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

نازنین منیب احمد!

میرا واسطہ دن رات قانون دان حضرات کے ساتھ رہتا ہے۔ میں انصاف کے تقاضوں سے بے بہرہ نہیں ہوں۔ مگر۔ حویلی کی عظمت کے کنگرے اتنے بلند ہیں' وہاں گواہیاں خرید لی جائیں گی۔ اس قسم کا انصاف ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا جس سے حویلی کی عظمت پر آنچ آتی ہو' میں جانتا ہوں بابا صاحب اپنے حسب نسب کی زیبائش میں کسی قسم کی کوئی کمی برداشت نہیں کریں گے۔ وہ اپنی اولاد کو قربان کر دیں گے مگر باپ دادا کی محنت کو ضائع نہیں جانے دینگے۔

ان میں اتنا دم' اتنی قوت ہے کہ وہ تیمور کو راتوں رات لندن بھیج سکتے ہیں۔ اور اپنے شملے کا ایک ایک بل بچانے کیلئے وہ مجھے اور آپ کو ایک جگہ جانوروں کی طرح باندھ رکھنے پر صرف اصرار ہی نہیں کریں گے بلکہ ایسا کرا کے دم لیں گے۔ مگر میں یہ اذیت ناک زندگی نہیں گزار سکتا۔ ایک ذرا سی پھانس چبھ جائے تو ذہن کام سے ہٹ جاتا ہے۔ یہ عمر بھر کا معاملہ ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ ہمارا ساتھ اتنا مختصر رہا۔ اسی لحاظ سے کوشش کی ہے کہ اس مختصر رفاقت کے سبب سے کوئی سستا' چھوٹا جملہ آپ کیلئے استعمال نہ کروں۔ بابا صاحب کے نام ایک الگ لفافہ ہے۔ اس میں بھی لکھا ہے اور آپ سے بھی استدعا ہے کہ اس مظلوم پر اتنا تشدد (ٹارچر) نہ کیا جائے کہ وہ خوفزدہ ہو کر سچ بولنا ہی چھوڑ جائے۔

آپ کانونٹ سے فارغ التحصیل ہیں۔ حویلی کا ماحول یوں بھی آپ کیلئے بڑا اجنبی سا تھا۔ مگر میں نے کوشش کی تھی کہ آپ کو ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ رفیق سفر کا اعتماد حاصل ہو مگر۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واقعی آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو اور مجھے آپ نے اپنے آئیڈیل سے بہت مختلف پایا ہو۔ کتنی حیرت کی بات ہے' ہم چاروں بھائی ایک دوسرے سے کس قدر مختلف ہیں۔

نازنین منیب احمد! کیا آپ یقین کریں گی کہ آج میں بہت دنوں بعد خود کو بالکل پرسکون محسوس کر رہا ہوں' جیسے دیر تک دھوپ میں چلنے والا سائے میں آ بیٹھا ہو۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا' کہ مجھے آپ سے معذرت کرنا چاہیے یا آپ کو میرا شکریہ

...ہے۔ کیونکہ کاغذات پہلے تیار کرائے ہیں خط بعد میں لکھ رہا ہوں۔ اس لئے میں اس میں کسی بوجھ جیسے تعلق کا شائبہ ...ہے۔ اسی سبب آپ کو نازنین منیب احمد کے نام سے مخاطب کیا ہے۔

...رے ہیں۔ مجھے امید ہے' آپ اس معاملے میں مجھے نہیں الجھائیں گی۔ جب عورت حقیقی معنوں میں ماں کا ...ادا کرنے لگتی ہے تو دوسری دلچسپیوں کی اسے فرصت ہی کب ہوتی ہے......اللہ حافظ

یاور علی خان

...نازنین نے پورا خط بقائمی ہوش و حواس پڑھا بھی تھا یا درمیان ہی میں پتھرا گئی تھی۔ ماما روشی کو دیکھنے آئی تو نازنین ...بنی ہوئی تھی۔ خط اس کے ہاتھ میں تھا۔

ماما تو یہی سمجھی کہ وہ کاغذات لئے بیٹھی ہے' اور اپنا کوئی ذاتی کام کر رہی ہے یا یاور علی خان کی چیزیں سنبھال رہی ہے۔

"روشی سو رہی ہے چھوٹی دلہن' بصیر خاناں اور ان کی دلہن کراچی سے آ گئی ہیں۔ اماں جی نے کہلوایا ہے' آپ اماں جی ...کمرے میں آ جائیں۔ ساری حویلی میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ تیمور خاناں کی دلہن انگریز ہے۔ وہ اسے لینے جا رہے ہیں۔ ...یاور خاناں کا انتظار ہے"۔

ماما نے سوئی ہوئی روشی کے چہرے پر محبت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے اپنی دھن میں کہا۔

"اماں جی کہہ رہی تھیں کہ ناز کو یہ خبر کیسے سناؤں' وہ کہے گی میری پریشانی کا کسی کو کوئی احساس نہیں۔ اپنی اپنی پڑی ہے"۔

جواب میں پھر خاموشی تھی۔

"بصیر خاناں کی دلہن کی صحت پہلے سے بہت اچھی ہو گئی ہے۔ ماشاء اللہ۔ اب تو سب سے باتیں بھی کرنے لگی ہیں۔ ...پہلے تو بہت چپ چپ رہتی تھیں"۔

اس مرتبہ ماما چونکی۔ جواب میں کوئی ردعمل ہوتا یا نہ ہوتا۔ وجود میں کوئی حرکت تو ہوتی جو انسان عام حالات میں فطری ...طور پر کرتا ہے۔ ماما قریب چلی آئی۔ مگر خوفزدہ ہو کر نازنین کو دیکھنے لگی تھی۔ نازنین کے دونوں ہاتھ جن میں خط تھا۔ گود میں ...رکھے تھے۔ دوزانو انداز میں وہ بیٹھی ہوئی تھی اور آنکھیں وال پیپر پر بہتے گرتے آبشار پر ٹکی ہوئی تھیں۔

ایک نگاہ میں تو کسی مجسمے کا گمان ہوتا تھا۔

"چھوٹی دلہن"۔ ماما نے خوف و تعجب سے اسے چھوا۔

اب وہ الٹے پاؤں سرپٹ بھاگی تھی۔ عالم تاب سامنے سے آتی نظر آ گئیں۔ وہ خود ماما بلی کے بدحواس انداز پر ٹھٹک کر رک گئی تھیں۔

"کیا بات ہے ماما؟" وہ پریشان نظر آئیں۔ یاور علی خان کے اچانک چلے جانے سے یوں بھی ایک دھڑکا سا دل کو لگا ...تھا۔

"بڑی بیگم! وہ چھوٹی دلہن' پتا نہیں انہیں کیا ہو گیا ہے' آپ چل کر دیکھیں"۔

ماما نے بے اختیار انداز میں عالم تاب کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا' عالم تاب ایک لمحہ ضائع کئے بغیر چل پڑیں۔

نازنین ان کی نگاہ کے سامنے مورتی کی طرح نصب تھی۔

''ناز!'' انہوں نے اسے شانوں سے تھام کو جھنجھوڑا۔ وہ لڑھک کر ان کی گود میں آ رہی۔ عالم تاب ایک ثانیے کو سناٹے میں رہ گئیں۔

''ماما! بصیر سے کہو کہ چھوٹی دلہن کو اسپتال لے کر جانا ہے' جلدی کرو''۔

وہ گود میں گری نازنین کے ہاتھ پاؤں درست کرنے لگیں۔

ماما فوراً دوڑ گئی۔

چند لمحوں بعد ہی بڑے ابا (عالم تاب کے شوہر) اور بصیر علی خان اندر تیزی سے داخل ہوئے۔

''کیا ہوا بھابی بیگم؟'' بصیر علی خان پریشانی سے پوچھ رہے تھے۔

''ہٹو ایک طرف''۔ بڑے ابا کے اعصاب شاید سب سے زیادہ مضبوط تھے۔ انہوں نے نازنین کو بازوؤں میں اٹھا لیا۔

''آپ کوئی چادر لے کر گاڑی میں آؤ''۔ انہوں نے باہر کی سمت بڑھتے ہوئے بیوی کو مخاطب کیا۔

قدموں کی دھمک سے راہداری اور پورچ گونج اٹھے۔ گاڑی کے دروازے کھٹاک کھٹاک کھلنے کی آواز اس میں شامل تھی۔ جو شور برپا ہو رہا تھا۔ عالم تاب پچھلی سیٹ پر بیٹھیں اور نازنین کا سر اپنے اپنے زانو پر رکھ لیا۔ آگے بصیر علی خان اور عالم تاب کے شوہر بیٹھ گئے تھے۔ گاڑی ایک زناٹے سے بیک ہوئی پھر ایک شور کے ساتھ موڑ کاٹا اور دوڑ پڑی۔

اتنی دیر میں گھر کے بہت سے لوگ پورچ میں آ کھڑے ہوئے تھے۔ اور حیران پریشان دھول اڑاتی گاڑی کو سامنے سے غائب ہوتا دیکھ رہے تھے۔

خط نازنین کے ہاتھوں میں ابھی تک بھنچا ہوا تھا۔ مڑے مڑے انداز میں' عالم تاب نے بہت رسانیت سے خط اس کے ہاتھوں سے آزاد کرایا اور تہہ کر کے اپنے گریبان میں رکھ لیا اور بہت افسردگی سے نازنین کا چہرہ دیکھتے ہوئے۔ اس کے سر پر' پیشانی پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔ کار پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔

....

پورے گھر میں موت کا سا سکوت طاری تھا۔ اماں جی اور بابا صاحب بھی اسپتال گئے ہوئے تھے۔ روشی نے رو رو کر ایک الگ مسئلہ پیدا کر رکھا تھا۔ ماما اسے گود میں لئے ٹہل ٹہل کر آدھی ہو رہی تھی۔

عشاء کی اذانوں سے کچھ دیر پہلے تیمور علی خان نے حویلی میں قدم رکھا تھا۔ سامنے برآمدے ہی میں ماما پر نظر پڑ گئی۔

''السلام علیکم خان''۔

''وسلام۔ یہ؟'' انہوں نے روشی کی سمت اشارہ کر کے کچھ پوچھنا چاہا۔

''روشانے ہے خان''۔ وہ افسردہ سے انداز میں گویا ہوئی۔

''بھابی کہاں ہیں؟'' جانے کیوں ایک وسوسہ سا خود بخود اندر در آیا تھا۔

ماما نے مختصراً جواب دیا۔

''اسپتال میں''۔ ماما نے مختصراً جواب دیا۔

''کیا ہوا؟'' ڈھیروں ناکردہ گناہوں کے ملال ان کے قلب پر خون آشام جنگلی پرندوں کی طرح منڈلانے لگے۔

''دل پر سکتہ ہو گیا ہے۔ ٹوٹ نہیں رہا''۔ وہ دھیمی آواز میں اس طرح مخاطب ہوئی جیسے اس حادثے میں اس کا اپنا قصور

''سکتہ؟ وہاٹ۔ کیا یاور بھائی آ گئے؟'' ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح ان کے ذہن میں لپکا۔

''نہیں شاید اسی صدمے سے''۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اپنے مقام کا ادراک کرتے ہوئے اسے بات ادھوری

چھوڑنی پڑی۔

''کیا ہوا تھا؟ کب کی بات ہے؟''

بیگ وہیں رکھ کر پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہو گئے تھے۔ پریشانی کی ایک ایک لہر ان کے چہرے سے

ہویدا تھی۔

''پتا نہیں جی' میں تو روشی بی بی کو دیکھنے لگی تھی۔ چھوٹی دلہن بہت سے کاغذ لئے بیٹھی تھیں۔ میں سمجھی' یاور خاناں کے کاغذ

دیکھ رہی ہیں۔ میں نے ان سے دو چار باتیں کی۔ وہ کچھ بولیں نہیں پھر میں نے انہیں دیکھا تو پتھر بنی بیٹھی تھیں۔ میں

جا کر بڑی بیگم کو بلا لائی۔ وہ بولیں' یہ تو سکتے میں ہے۔ بڑی بیگم اور میاں خان (بڑے ابا) انہیں موٹر میں ڈال کر اسپتال

لے گئے..... بصیر خاناں بھی ساتھ ہیں۔ موٹر وہی چلا رہے تھے۔

بعد میں جب ٹیلی فون آیا تو باقی لوگ بھی اماں جی کے ساتھ چلے گئے۔ بڑے خان مغرب کی نماز کے بعد گئے تھے''۔

ماما نے تفصیلی رپورٹ پیش کی۔

''خالہ سولہ آنے کو بڑا تیز بخار ہے' وہ اوپر لیٹی ہیں''۔ ماما نے مزید بتایا۔

''ہوں''۔ تیمور علی خان نے گہری سوچ میں ڈوبے ڈوبے ہنکارا بھرا۔

''ناز بھابی کو اسپتال لے جانے کے بعد کوئی یاور بھائی کے بیڈروم میں گیا تھا؟''

وہ کچھ سوچتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''جی۔ بی بی جان (رئیسہ بیگم) گئی تھیں''۔ ماما نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے بتایا۔

''بابا بی جان بھی اسپتال گئی ہیں؟'' تیمور علی خان نے قدرے چونک کر پوچھا۔

''وہ گئی تھیں بصیر خاناں کے ساتھ ابھی تھوڑی دیر ہوئی واپس آئی ہیں۔

''بصیر بھائی کہاں ہیں؟ آج ہی آئے ہیں کراچی سے؟''

''یہ بیگ ہمارے کمرے میں پہنچا دینا۔ ہم بی بی جان کے پاس ہیں۔ اسپتال سے فون آئے تو ہمیں بتانا''۔ وہ نہایت

تیزی سے زینے کی طرف بڑھے تھے۔

رئیسہ بیگم کے کمرے کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ اور وہ جائے نماز پر بیٹھی ہوئی باہر ہی سے نظر آ رہی تھیں۔

پھر بھی انہوں نے اخلاقاً دستک دی کہ شاید ان کے بہنوئی کمرے کے کسی حصے میں موجود ہوں۔

رئیسہ بیگم دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپے بیٹھی تھیں۔ دستک پر چونک پڑی تھیں۔

تیمور کو دیکھ کر ان کی نظریں جھک گئیں۔ جھکتی نظریں ہزار معنی رکھتی ہیں۔ بعض اوقات تو مقابل کھڑے فرد کی قوت گویائی سلب کر لیتی ہیں۔

''ہم اندر آ سکتے ہیں''۔ وہ بہن کی آواز سن کر جلدی سے کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتے تھے۔

''ہوں''۔ وہ بس ہوں کہہ کر رہ گئیں۔

''آپ اپنا کام پورا کر لیں۔ ہم بیٹھے ہیں''۔ وہ بظاہر اطمینان سے گویا ہوئے۔

''کر لیا ہے میں نے اپنا کام' تم سناؤ کب پہنچے۔ ملاقات ہوئی یا ور سے؟''

وہ جائے نماز کا کونہ موڑ کر ان کے قریب چلی آئیں۔

''ابھی آئے ہیں' اب کیا ہوا ہے بی بی جان؟'' انہوں نے آدھے سوال کا جواب دے کر اپنی طرف سے سوال کر دیا۔

''بس اب تو کھیل ختم ہو گیا۔ اب تو بس نئے آغاز ہوں گے فی الحال تو دور تک پریشان نظر آتی ہے''۔

وہ بھائی کے پہلو میں بیٹھ کر نہایت دل گرفتہ انداز میں گویا ہوئیں۔

''کیا مطلب؟ ناز بھابی؟'' ایک خوفناک خیال سے ان کی جڑیں تک ہل گئیں۔

''فی الحال تو موت سے لڑ رہی ہے''۔ وہ دکھ سے بولیں۔

''پھر۔ آپ کی بات کا کیا مطلب لینا چاہیے؟'' وہ بے قراری سے پوچھ رہے تھے۔

رئیسہ بیگم نے جیسے خود پر قابو پایا۔ ایک خیال یونہی اچانک آ گیا تھا جو سراسر چھٹی حس کے تحت تھا۔

''بابا صاحب تو نہیں آئے ناں ابھی؟'' یہ سوال اسی خیال کے تحت تھا۔

''شاید نہیں''۔ تیمور نے جلدی سے کہا جیسے کہہ رہے ہوں چھوڑیئے اس بات کو اصل بات بتائیں۔

''ہوں۔ میرا خیال ہے' رات ختم ہونے سے پہلے ناز کو ہوش آ جائے گا''۔

''آپ ہماری بات کا جواب دیجئے بی بی جان! دور تک پریشانی کیوں نظر آ رہی ہے؟ ناز بھابی کی یہ حالت کیوں ہوئی؟ ہمیں پتا چلا ہے جب ان کی یہ حالت ہوئی تو وہ کچھ کاغذات لئے بیٹھی تھیں اور ان کے اسپتال جانے کے بعد صرف آپ ان کے کمرے میں گئی تھیں۔ کیسے تھے وہ کاغذات آپ نے اٹھائے ہوں گے۔ پڑھے بھی ہوں گے؟ بتایئے ہمیں''۔ وہ بہت قطعی اور ضدی لہجے میں بہن سے مخاطب تھے۔

رئیسہ بیگم بری طرح گھبرا رہی تھی۔ انہوں نے اپنے لاڈلے دلارے' لائق فائق خوبرو وجیہہ بھائی کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا۔ ان کی جان تو اسی دن سولی سر لٹک گئی تھی جب ان کی ماں نے بڑی بیٹی کی حیثیت سے انہیں شریک غم کیا تھا۔

''کچھ بھی نہیں' پنکھے سے ادھر ادھر اڑ رہے تھے۔ انگریزی تو مجھے کوئی خاص نہیں آتی۔ میں نے سمیٹ کر بابا صاحب کو دے دیئے تھے''۔ وہ نظریں چرا کر کمزور سی آواز میں گویا ہوا۔

''نہیں۔ معاف کیجئے گا۔ آپ کی بات پر یقین نہیں آیا۔ آپ کی ایک ایک بات سے ظاہر ہے آپ ہم سے کچھ چھپا رہی ہیں؟'' وہ ناراض سے انداز میں گویا ہوئے۔

''میں کیا چھپاؤں گی میری جان۔ میرے چاند''۔ وہ تیمور کے کاندھے سے پیشانی ٹکائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

تیمور علی خان کی ساری اعصابی قوت ریزہ ریزہ ہونے لگی۔ انہوں نے بہن کو اپنے بازو کے حصار میں لے لیا۔

''آپ ہمیں بتا دیں پلیز۔ جو کچھ بھی ہے' ہم اطمینان سے سنیں گے''۔

''کچھ بھی نہیں ہے' بس ناز کی طبیعت خراب ہے ناں تو دل بہت پریشان ہے''۔ وہ دوپٹے سے آنکھیں پونچھنے لگیں۔

''آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں بی بی جان؟ جو بات آپ برداشت کر سکتی ہیں۔ کیا ہم نہیں کر سکتے؟'' وہ بے بسی سے گویا ہوئے۔

''جب کوئی بات ہی نہیں تو کیا بتاؤں۔ ناز کی وجہ سے''۔

''بی بی جان! ہم کوئی دودھ پیتے بچے نہیں ہیں۔ ٹھیک ہے جس کی وجہ سے ہمارے گھر کا سکون برباد ہوا ہے ہم ابھی آپ کے سامنے اسے خون میں نہلا دیں گے۔ آپ اسی خوف کے سبب حقیقت چھپا رہی ہیں ناں۔ تو دیکھئے''۔

انہوں نے دائیں طرف کی جیب (پینٹ کی) ہاتھ ڈالا۔ جدید وضع کا ولایتی پستول ان کے ہاتھ میں چمک رہا تھا۔

رئیسہ بیگم ہائیں ہائیں کرتی رہ گئیں مگر انہوں نے اتنی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا کہ وہ بس بے بسی سے انہیں کمرے سے نکلتا دیکھ رہی تھیں اور پھر ننگے پاؤں ان کے پیچھے دوڑی تھیں۔

''تیمور...... بات تو سنو''۔ مگر وہ آندھی طوفان کی مانند زینہ عبور کر گئے تھے۔ رئیسہ بیگم بھی شاید زندگی میں کبھی اتنا تیز دوڑی ہوں گی۔

مطربہ کے کمرے کا دروازہ لاکڈ تھا۔ تیمور علی خان نے وحشت بھرے انداز میں ایک فائر لاک پر کیا۔ پھر دوسرا کیا اور ٹھوکر سے دروازہ کھولا۔ اتنے میں رئیسہ بیگم بھی ان کے قریب جا پہنچی تھیں۔

مطربہ پہلے فائر پر تو سمجھی نہیں تھی مگر دوسرے فائر پر اس نے سامنے کی دیوار کی طرف ایک شعلہ جذب ہوتے دیکھا تو بجلی کی تیزی سے ساری صورتحال سمجھ گئی۔ ایک سرعت سے اس نے دریچے کے پٹ کھولے اور چوکھٹ پر ہاتھ جما کر اچکنے کی کوشش کی مگر مضبوط گرل دیکھ کر جو جنگلے کی شکل میں لگی ہوئی تھی۔ آنکھوں کے سامنے موت کا اندھیرا چھانے لگا۔

تیمور کے پستول سے شعلہ نکلا اور اس کے بائیں شانے میں جذب ہو گیا۔

''تیمور''۔ رئیسہ بیگم کے حلق سے ایک چیخ ابھری اس چیخ میں مطربہ کی چیخ بھی شامل ہو گئی۔ ایسی دردناک چیخ کہ دل پھٹ جائے سن کر۔

رئیسہ بیگم نے تیمور کو دونوں بازوؤں میں دبوچ لیا۔

''اس نمک حرام کی وجہ سے میں تمہیں برباد نہیں ہونے دوں گی۔ تیمور میرے شہزادے۔ میرا پیارا سا بھائی''۔

وہ پوری قوت سے انہیں دروازے سے ہٹا کر مطربہ کو بھاگنے کا موقع دے رہی تھیں۔

''چھوڑیئے بی بی جان آپ ہمیں''۔

ان کے پستول سے ایک شعلہ اور نکلا۔ مگر رئیسہ بیگم کی کشمکش کی وجہ سے نشانہ خطا ہو گیا مطربہ نے شانے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا اور خون ابل ابل کر بہہ رہا تھا۔ خوف سے وہ سفید پڑ چکی تھی۔

''خان...... مجھے ایک موقع دیں۔ میں۔ آپ''۔

''شٹ اپ''۔ ایک فائر اور ہوا۔ مطربہ نے بستر کی طرف دوڑ لگائی تھی۔ گولی اس کی ران میں گھس گئی تھی۔ اس نے بڑی ہولناک چیخ ماری تھی۔ رئیسہ بیگم نے اپنی پوری قوت صرف کر کے تیمور علی خان کا رخ موڑا۔ ان کے اندازے کے مطابق اس وقت پستول میں ایک گولی بچی ہوئی تھی۔ وہ چاہ رہی تھی' یہ گولی کسی طرح ضائع ہو جائے کہیں دیوار میں گھس جائے۔ ان کو آتشی اسلحے کے استعمال کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ مگر اس وقت ان کا ذہن کارکردگی کے لحاظ سے اپنے کمال پر تھا۔ انہوں نے تیمور کے ہاتھ پر دباؤ ڈال کر گولی دیوار پر ضائع کرنا چاہی۔ یہ تو وہ جان چکی تھیں کہ تیمور کو ان کے ارادے سے باز رکھنا قطعی ناممکن ہے۔

دوسرے یہ کہ تیمور اس طرح کھڑے تھے کہ مطربہ بھاگ کر کمرے سے باہر بھی نہیں جا سکتی تھی۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

رئیسہ بیگم کی کھینچا تانی کی وجہ سے تیمور علی خان جیسا نشانے باز کامیاب ہو کر نہیں دے رہا تھا۔

مطربہ بے دام انداز میں ایک طرف لڑھک گئی تھی اور تیمور علی خان کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ انہوں نے پھر نشانہ لینا چاہا۔ اسی دم ماما چیخیں مارتی ہوئی ان سے آ کر لپٹ گئی تھی، اب رئیسہ بیگم اور ماما دونوں انہیں دروازے سے باہر لے جانے کی جدوجہد کرنے لگی تھیں۔ ان کی مزاحمت سے تیمور علی خان زخمی شیر بنے جا رہے تھے۔

تیمور! ہوش کی دوا کرو۔ اس کی ماں زندہ ہے۔ کچھ ہو گیا تو خدانخواستہ وہ نہیں چھوڑے گی۔ وہ اتنی شاطر عورت بلاوجہ خاموش نہیں بیٹھی ہے۔ ضرور اس کی منصوبہ بندی ہو رہی ہو گی۔ اس بدنصیب کی خاطر کیوں مصیبت کو آواز دے رہے ہو۔ میرے چاند میرے بھائی اپنے اوپر نہ سہی ہمارے اوپر رحم کرو کوئی ایسے ہی مل جاتے ہیں بھائی۔ ارے روگ لگ جائیں گے ہمیں۔ ایسا ہی خون سوار ہے تو مجھے مار دو گولی۔ میں بھائی گنوا کر کیسے زندہ رہوں گی۔''

وہ تیمور علی خان کے سینے سے لگ کر بری طرح رو پڑیں۔

تیمور علی خان نے نہایت بے بسی سے اپنا نچلا ہونٹ کاٹ ڈالا۔

انہیں کمزور پڑتا پا کر رئیسہ بیگم نے بڑی سرعت سے ریوالور ان کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور ماما کو مطربہ کی طرف اشارا کر کے تیمور کو لے کر باہر نکل گئیں۔

"کچھ ہو جاتا تو اچھا تھا بی بی جان! اب یہ آگ ہمیں عمر بھر بے کل رکھے گی۔" وہ نڈھال سے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"اور جو ہمیں عمر بھر کے روگ لگ جاتے' اس کا تمہیں ذرا خیال نہیں۔" وہ شاکی انداز میں گویا ہوئیں۔

اچھا اب تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ ہمیں اب اس کی فکر ہے۔ خون بہت بہہ رہا ہے۔ کہیں واقعی کوئی مسئلہ نہ ہو جائے۔" وہ زینے کے قریب ٹھہر کر بولیں۔

تیمور علی خان دھیرے دھیرے زینہ طے کرنے لگے۔ ان کی چال سے ان کا اپنا ذہنی خلفشار بہت واضح تھا۔

رئیسہ بیگم الٹے پاؤں مطربہ کے کمرے میں واپس آئی تھی۔ ماما نے اسے بیڈ پر لٹا دیا۔ اور اپنا دوپٹہ پھاڑ کر بہتے زخموں سے خون روکنے کی جدوجہد میں مصروف تھی۔

مطربہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کا زرد چہرہ آہستہ آہستہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔ رئیسہ بیگم کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑے جا رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' پہلے باپ کو مطلع کریں یا کسی ڈاکٹر کو۔ ایک ڈاکٹر جو حویلی آتا تھا اس کا نمبر انہیں یاد نہیں تھا۔ عجیب طرح کی بدحواسی ان پر طاری ہو رہی تھی۔ روپا دیوی حویلی سے باہر تھی۔ جو مرد ملازم تھے وہ اس وقت کسی چوپال پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حویلی کے اندر یوں بھی انہیں بے تکلف آنے کی اجازت نہیں تھی۔

معاً ان کے ذہن نے بالکل درست کام کیا کہ وہ بابا صاحب کو مطلع کریں اور کہیں کہ وہ ڈاکٹر ساتھ لیتے آئیں۔

وہ بڑی تیزی سے ہال میں آئیں اور اس ہاسپٹل کا نمبر ڈائل کیا کہ وہ بابا صاحب کو مطلع کریں اور کہیں کہ وہ ڈاکٹر ساتھ لیتے آئیں۔

وہ بڑی تیزی سے ہال میں آئیں اور اس ہاسپٹل کا نمبر ڈائل کیا جہاں نازنین ایڈمٹ تھی۔ ایک ایک لمحہ پہاڑ محسوس ہو رہا تھا۔

حالانکہ اگلے دو منٹوں میں خان دلاور علی خان کی آواز ریسور سے خارج ہوئی تھی۔

"بابا صاحب۔ میں رئیسہ۔ گھر سے بات کر رہی ہوں۔ آپ جلدی سے گھر آئیں۔ کسی ڈاکٹر کو ساتھ لے کر۔ وہ مطربہ کے گولی لگ گئی ہے۔"

"لگ گئی ہے یا کسی نے ماری ہے؟"

ان کی سپاٹ آواز رئیسہ بیگم کے کانوں سے ٹکرائی۔

خیر آ رہے ہیں ہم۔ تیمور کہاں ہے؟" انہوں نے جیسے چونک کر پوچھا تھا۔

"وہ اپنے کمرے میں ہے۔ بس آپ جلدی آ جائیں۔" انہوں نے ریسور بے دھیانی میں پٹخا اور تیز تیز چلتی ہوئی واپس مطربہ کے کمرے میں آئیں۔

"ماما! خون تو بہت بہہ گیا ہے۔ کہیں" وہ بولتے بولتے لرز کر خاموش ہو گئیں۔"

"دل دھڑک رہا ہے بی بی جان۔ میں دیکھ رہی ہوں برابر۔ زخموں کے اوپر نیچے میں نے کس کے پٹیاں باندھ دی ہیں تا
کہ خون نہ بہے۔ یہ دیکھیں۔" ماما نے انہیں زخموں کی طرف متوجہ کیا۔ "ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ بہت ہمت دکھائی اس وقت تم
نے ورنہ میرے تو اس وقت حواس جواب دے رہے ہیں۔ یا اللہ ہمارے حال پر رحم کرنا۔ بھلا کیا ملا ہے اسے چاروں طرف
آگ لگا کر؟" ان کی آواز بھرا گئی۔

"اس کو ہاسپٹل لے کر کون جائے گا بی بی جان؟" ماما نے تشویش بھرے انداز میں اس پر نگاہ دوڑائی۔

"بابا صاحب ڈاکٹر کو لے کر آ رہے ہیں۔" وہ آنکھیں پونچھ کر گویا ہوئیں۔

"آپ نے انہیں گولی کا بتا دیا ہے۔ ناں؟ تاکہ ڈاکٹر انتظام کے ساتھ آئے۔" ماما نے پوچھا۔

"ہاں ہاں بتا دیا ہے۔" وہ پریشانی کے عالم میں بولیں۔

"پریشان تو نہیں ہوئے خان؟" ماما نے دریافت کیا۔ وہ بہت مضبوط اعصاب ثابت ہو رہے تھی۔

"پتا نہیں۔ اب فون پر کیا پتا چلتا ہے۔" وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولیں۔

رئیسہ بیگم بے قرار سے انداز میں کمرے سے باہر نکل گئیں۔

ماما' مطربہ کے سرہانے بیٹھ گئیں۔

چند لمحوں بعد ہی روپا دیوی، ماما کو ڈھونڈتی ہوئی بوکھلائی ہوئی کمرے میں آئی۔

گولی وجی اے اناں نوں۔ کی ہو سی ماما۔؟"

تو سیریں کرتی پھر تجھے کیا۔ ہوش نہیں تجھے کہ حویلی خالی پڑی ہے۔ جیسی تو ہے ویسا تیرا مرد دونوں جانے کہاں گم رہتے ہیں۔" ماما نے جھاڑ پلائی۔

"بابا نے دسیا سی اندروں گولی چلی اے۔ میں تے ڈوگروں دے گھر پٹھے لین گئی ساں ماما۔" وہ مجرموں کی طرح سر جھکا کر بولی۔ اس نے دو بھیڑیں پالی ہوئی تھی۔ غالباً انہیں کے لئے چارا لینے گئی تھی۔

مطربہ کے بستر پر خون دیکھ کر وہ خود ہی سمجھ گئی تھی کہ حادثہ کس کے ساتھ ہوا ہے۔

اچھا۔ اچھا۔ دیکھ خان آتے ہوں گے انہیں لے کر سیدھی ادھر آ۔"

ماما نے اسے روانہ کر دیا۔ جبکہ وہ ماما سے تفصیلات جاننے کے لئے بے چین ہو رہی تھی اور بہت فکرمندی سے مطربہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"اے زندہ اے کی مر گئی؟" وہ بہت احمقانہ انداز میں پوچھنے لگی۔

"خاک پڑے تیری عقل پر۔ بات کرنے کا ڈھنگ نہیں۔ زندہ ہے تو جا یہاں سے۔" ماما کا دل کانپ کانپ گیا۔ سچ مچ اسے غصہ آ گیا تھا۔

روپا دیوی جلدی سے باہر نکل گئی۔

تقریباً آدھا گھنٹہ انتظار کے بعد بابا صاحب ڈاکٹر کے ہمراہ حویلی میں داخل ہوئے۔ باغ میں بچے آنکھ مچولی کھیل

رہے تھے۔ ان کا ٹیوٹر گرمیوں میں سب کو وہیں باغ ہی میں پڑھاتا تھا۔ کچھ دیر قبل ہی اس نے بچوں کو چھٹی دی تھی اور خود گیٹ سے باہر کھڑا ہوا تھا۔

دلاور علی خان نے اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ غالباً وہ اس کے چہرے پر کچھ پڑھنا چاہ رہے تھے۔

"منیر صاحب خیریت۔ آپ ابھی تک؟"

"جی خان۔ آج ادھر کوئی حویلی میں نظر ہی نہیں آیا۔ اجازت کے لئے آپ کا انتظار تھا۔ تیمور خاناں شاید آرام کر رہے ہیں۔" اس نے مودبانہ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ جاؤ تم۔" انہیں اس کی بے خبری کی طرف سے اطمینان ہوا۔ راہداری میں رئیسہ بیگم بڑی بے تابی سے ان کی راہ دیکھ رہی تھی۔ باپ کے ساتھ ڈاکٹر کو دیکھ کر فوراً چہرہ ڈھانپ کر آڑ میں ہوگئیں۔

"اپنے کمرے میں ہے وہ بابا صاحب۔" وہ مطلع کر کے زینے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ تیمور کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ ایک ثانیے کو رکیں پھر کچھ سوچ کر آگے بڑھ گئیں۔

....

ڈاکٹر ابتدائی طبی امداد کے بعد فوراً ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرنے کا مشورہ دیا تھا جبہ یہ بتائی تھی کہ خون بہت بہہ چکا ہے۔

ایک لمحے کو تو خان دلاور علی خان سوچ میں پڑ گئے۔ سیاسی صورت حال خاصی سخت جا رہی تھی۔ ایوب خان کی حکومت ختم ہو چکی تھی۔ یحییٰ خان مسند اقتدار پر متمکن ہو چکے تھے۔ ایک جرنیل گیا تھا دوسرا آ گیا تھا۔ سیاسی فضا بہت مبہم تھی اختیار و رسوخ کا استعمال بہت احتیاط کا تقاضا کر رہا تھا۔ بیوروکریسی کے اہم مہرے جگہ بدل چکے تھے فوجی حکومت میں اثر و رسوخ رکھنے والے بھی کم اعتماد ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ ہوش میں آ کر کچھ بول پڑی؟ اب تو اسے انتقام لینے کا زیادہ اچھا موقع مل رہا ہے۔

"بہتر ہے کہ اسے مرنے دیا جائے۔ اس طرح قصہ ہی تمام ہو جائے گا۔ لیکن اگر یہ مر گئی تو اس کی خطرناک ورثہ جاگیرداروں کو کسی مصیبت میں نہ پھنسا دے۔"

انہیں بہت دور تک سوچنا تھا۔ وہ کم عمری سے جاگیر کا انتظام چلا رہے تھے۔ وہ کوئی پہلو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ جبکہ مطربہ تو ایک مسئلے کی شکل میں ثابت ہو چکی تھی۔

"کیا سوچنے لگے خان صاحب؟ جتنی دیر ہوگی اتنی مشکل ہو جائے گی۔"

ڈاکٹر انہیں سوچ میں ڈوبا دیکھ کر قدرے حیران ہوا۔ کہاں تو انہیں اتنی جلدی تھی کہ ایک منٹ کی تاخیر برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"ہوں۔ اللہ مالک ہے۔ اچھا اچھا چلتے ہیں۔ ماما ہم نوکروں کو بھیجتے ہیں۔ تم روپا سے کہہ کر کوئی ہلکا پلنگ کمرے میں منگوا لو اور اسے پلنگ پر لٹا دو اور چادر ڈال دو۔ وہ پلنگ اٹھا کر پورچ میں نے آئیں گے ہم اللہ بخش سے کہہ کر بڑی گاڑی نکلواتے ہیں۔"

وہ جھڑی ٹکاتے ہوئے رہداری کے موڑ پر غائب ہو گئے۔ ڈاکٹر ان کے پیچھے چل پڑا تھا۔ رئیسہ بیگم اوپر بالکنی میں ماما

[illegible] کی طرف سے کسی اطلاع کا انتظار کر رہی تھیں۔ خالہ تو اماں جی کی خراب حالت کے پیش نظر ان کے ساتھ ساتھ تھیں۔ اماں جی کو سب ہی نے ہاسپٹل جانے سے منع کیا تھا۔ مگر وہ کیسے رک سکتی تھی۔ ان پر تو ایک قیامت نازل تھی۔

....

تیمور علی خان نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ بس فون سے لگے بیٹھے رہے۔ اب تک دونوں بہن بھائی مطربہ کے موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی۔ رئیسہ بیگم نے البتہ یہ ضرور بتا دیا تھا کہ بابا صاحب مطربہ کو لے کر ہاسپٹل گئے ہیں جبکہ تیمور علی خان نے جواب میں یہ پوچھا تھا کہ ناز بھابی کی طبیعت کے بارے میں بابا صاحب نے کیا بتایا۔ رئیسہ بیگم کو یہ پوچھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا پھر وہ کیا جواب دیتیں۔

کتنی دیر دونوں بہن بھائی خاموش بیٹھے بس ایک دوسرے کے وجود کو محسوس کرتے رہے تھے تب کہیں جا کر رات پونے گیارہ بجے گاڑیاں حویلی میں داخل ہوئیں۔ وہ دونوں گاڑیاں رکنے کی آواز پر فوراً باہر آ گئے تھے۔ سب سے پہلے اماں جی خالہ سولہ آنے کے ساتھ اگلی گاڑی سے اترتی نظر آئیں۔ رئیسہ بیگم بیتابی سے ماں کی طرف بڑھیں۔

"کیسی طبیعت ہے اماں جی' ناز کی؟"

"اچھی ہے۔ ٹھیک ہے۔ ہوش میں ہے۔" وہ نڈھال سے انداز میں گویا ہوئیں۔

تیمور علی خان اتنا سنتے ہی آگے بڑھے اور ڈرائیور سے چابی مانگنے لگے۔

"بیٹے! کہاں جا رہے ہو۔ بہت رات ہو گئی ہے صبح چلے جانا۔"

وہ پلٹ کر تیمور علی خان سے مخاطب ہوئیں۔

"اسے روکو رئیسہ! کہیں ایسا نہ ہو، اسے دیکھ کر ناز کی حالت پھر بگڑ جائے۔"

وہ بہت کمزور سی محسوس ہونے لگی تھیں۔

"تمہارے بابا صاحب آ گئے کیا؟ پتا نہیں اسپتال سے ایک دم کہاں چلے گئے تھے۔"

"ہاں تیمور! اماں جی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ رات ہو رہی ہے۔ صبح چلے جانا۔"

"یہ رات صبح کی نزاکتوں کا ماحول نہیں ہے بی بی جان۔ کمال لوگ ہیں آپ۔"

وہ جھلائے اور جھٹکے سے کار کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئے۔ چوکیدار نے گاڑی کی لائٹیں آن ہوتی دیکھ کر پھرتی سے پھاٹک وا کر دیا۔ تیمور علی خان زن سے گاڑی لے اڑے۔ وہ سب دیکھتے رہ گئے۔

....

پہلے تو ڈاکٹرز نے ان سے درخواست کی تھی کہ ابھی وہ مریضہ کے پاس نہ جائیں لیکن جب انہوں نے قطعی انداز میں کہا کہ وہ صرف انہیں دیکھنا چاہتے ہیں اور کوئی بات چیت کا ارادہ نہیں ہے تو تھوڑی سی پس و پیش کے بعد انہیں ناز کے کمرے میں جانے کی اجازت مل گئی۔

وہ کمرے میں داخل ہوئے تو دیکھا' ناز چت لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ نرس کرسی پر بیٹھی ایک ٹک دیوار کی سمت دیکھ رہی تھی۔ تیمور علی خان کو اندر داخل ہوتا دیکھ کر وہ چونک کر کھڑی ہو گئی۔

''آپ''

''جی۔ ہم پرمیشن سے آئے ہیں آپ چاہیں تو یہیں تشریف رکھئے۔ چاہیں تو کمرے سے باہر جا سکتی ہیں۔'' وہ خشک انداز میں کہہ کر بیڈ کے نزدیک آ گئے۔

''کیسی ہیں بھابی آپ؟''

نازنین نے خالی خالی نظریں انکے چہرے پر ٹکا دیں۔ نظر کا انداز بتا رہا تھا کہ اس کا دماغ حاضر نہیں ہے۔ خاصی دیر خاموشی چھائی رہی۔

''کیا فیل کر رہی ہیں؟'' وہ بہت دھیمی آواز میں پوچھ رہے تھے۔ نازنین نے پھر ان کے چہرے کی سمت خالی خالی نگاہیں دوڑائیں۔

''او کے۔ آپ آرام کیجیے۔ ہم یہاں کچھ دیر بیٹھتے ہیں۔ پھر چلے جائیں گے۔'' وہ کرسی پر بیٹھ گئے۔ نازنین۔ ان کی طرف اسی سابقہ انداز میں دیکھتی رہی۔ تیمور علی خان نے نظریں جھکا لیں۔ جانے کتنا وقت گزرا تھا دس منٹ یا پندرہ منٹ۔ بالآخر مسلسل خاموشی نے انہیں واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اچھا ہم چلتے ہیں۔ صبح آئیں گے۔'' انھوں نے قدم بڑھا دیئے۔

''تیمور!'' وہ دروازے کے قریب پہنچے تو ناز کی آواز نے انہیں بری طرح چونکا دیا۔

''جی۔'' وہ نہایت تیزی سے اس کے بیڈ کے قریب دوبارہ آئے۔

''تیمور!'' اس کی آواز بہت آہستہ تھی۔

''جب انسانوں کے دلوں میں وسعتیں نہیں ہوتیں تو وہ اپنے گھر کا ماحول اس طرح کا کیوں بناتے ہیں؟ سگے بھائیوں سے بیوی کو پردہ کیوں نہیں کراتے۔ اندر اتنی بے اعتباریاں ہوتی ہیں تو ظاہر کیوں نہیں کر دیتے ایک لمحے میں باوقار عورت کو کتیا بنا دیتے ہیں۔ کیوں آئے ہیں آپ یہاں۔ ہم عدت میں ہیں۔ اتنی عمر دار عورتیں ہیں حویلی میں کسی نے نہیں سمجھایا آپ کو۔ حویلی کے اسی دوغلے پن نے آج ہمیں اس مقام تک پہنچایا ہے۔ وہ کلف لگا ہوا بیروکریٹ یاور علی خان اس سے اچھا تو وہ اصطبل کا جاہل سائیس ہے جس کی بیوی تنہا کھیت میں کام کرتی ہے۔ رات نہر سے پانی لے کر آتی ہے۔ گاؤں سے شہر اکو تانگے والے کے ساتھ بچہ گود میں لے کر چلی جاتی ہے۔ فیفو پنساری کے ساتھ گھنٹوں باتیں بناتی ہے۔ اور وہ ہے کہ اس کے ناز اٹھاتے نہیں تھکتا۔ یہ اعتبار کے، اعتماد کے رشتے ہوتے ہیں تیمور علی خان ضمیر کی آوز کے بندھن ہوتے ہیں۔''

ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ دل و جان سے بھڑاس نکال رہی ہے۔ تیمور علی خان تو پتھر کے بت کی طرف ساکت و صامت ہو گئے تھے ''ہم عدت میں ہیں'' جیسے ہتھوڑے کی ضرف انکے دماغ پر پڑ رہی تھی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ بمشکل گویا ہوئے۔

''مطلب بتانے کو حویلی میں لوگ کم ہیں؟ آپ چلے جائیں یہاں سے۔ یہ ہماری اور آپ کی آخری ملاقات ہونا چاہیے۔'' نازنین نے بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

''بھابی!'' وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

''اب میرا آپ کا کوئی رشتہ نہیں۔ صرف آپ اپنے بھتیجے و بھتیجی کے چچا ہیں اور بس جایئے آپ یہاں سے۔'' وہ بے زار کن لہجے میں گویا ہوئی۔

''آپ ہم سے اس طرح کیوں بی ہیو کر رہی ہیں۔ ہمارا کیا قصور ہے؟'' عظیم صدمے سے وہ چور چور ہو گئے۔ آواز بمشکل حلق سے نکل رہی تھی۔

''قصور تو میرا ہے کن بے بصیرت لوگوں میں آ پھنسی تھی۔ دیکھئے عظیم ذلت سے آنکھیں تک پتھرا گئیں۔ اب ان میں کوئی آنسو نہیں۔ واہموں نے اتنا رلایا کہ حقیقت پر رونے کو آنسو نہیں بچے۔ دیکھ رہے ہیں آپ میرا حوصلہ۔ کبھی بھائی سے ملاقات ہو تو کہہ دیجیے گا۔ قیامت کا قرض چڑھایا ہے۔ قیامت کے دن ہی اتاروں گی تب تک وہ میرے مجرم ہیں انشاء اللہ سکھ کی آس میں عمر تمام ہو جائے گی مگر سکھ نہیں ملے گا۔''

''بھابی!''

''اب اگر آپ نے مجھے بھابی کہا تو یہ گلاس توڑ کر اپنی رگ کاٹ لوں گی۔''

اس نے بہت پرسکون انداز میں دھمکی دی۔

تیمور علی خان بے بسی سے اس کی شکل دیکھنے لگے۔

''پھر کیا کہیں ہم آپ۔'' وہ کس قدر شکستگی سے پوچھ رہے تھے۔

''اپنے بھائی کی پسند کی کوئی گالی دیجیے۔'' وہ اذیت بھری آواز میں گویا ہوئی۔

''بھائی بھائی ہے۔ ہم۔ ہم ہیں۔ آپ بھی جانتی ہیں۔ یہ زیادتی ہے۔'' وہ تڑپ کر بولے۔

''تیمور! میں آپ کو خبردار کر رہی ہوں میرا ذہنی توازن بگڑنے والا ہے۔ کچھ ہو جائے گا۔ اس سے پہلے آپ یہاں سے چلے جائیں پلیز۔''

تیمور علی خان گھبرا کر باہر نکل گئے۔

پھر وہ کہیں ٹھٹکے بغیر ٹھہرے بغیر تیزی سے اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے۔

''ہو تو وہ سب ہو گیا۔ مطربہ۔ خوب نمٹیں گے تم سے۔ اور یاور بھائی۔ بھابی تو بھابی۔ ہم بھی قیامت تک آپ کو معاف نہیں کریں گے۔ ہمارا آپکا آج سے کوئی تعلق نہیں۔ یاور علی خان نام کا کوئی بھائی نہیں ہے۔ آپ نے بھابی کو نہیں ہمیں گالی دی ہے۔ ایسی ننگی گالی جس پر قتل جائز ہو جائے۔ ہم کوشش کریں گے کہ زندگی بھر آپکا چہرہ دیکھنے کے گنہگار نہ ہوں۔ اگر کبھی دیکھ لیا تو دوبارہ وضو کریں گے۔ بھائی ایسا نہیں ہوتا۔ جو ایسا ہوتا ہے وہ بھائی نہیں ہوتا۔''

تیمور علی خان کی رگ رگ میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔

اماں جی کلیجہ تھامے بیٹھی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اب حد ہو گزری ہے اور انہیں کچھ ہونے والا ہے۔

رو پا دیوی انہیں دودھ دینے آئی تھی۔ اور اپنی حماقت میں انہیں مطربہ والے حادثے کی اطلاع کر گئی تھی۔ انہوں نے رئیسہ بیگم کو بلا بھیجا تھا۔ ان کی حالت غیر ہوئی جا رہی تھی۔

رئیسہ بیگم تھکے تھکے قدموں سے ماں کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

''آپ نے بلایا اماں جی؟'' وہ ماں کے قریب بستر پر بیٹھ گئیں۔

''ہاں۔ تم لوگ کیا ہمیں بچہ سمجھتے ہو جو اتنی اہم باتیں چھپاتے ہو۔'' وہ ناراضگی سے گویا ہوئیں۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں اماں جی! آپ تو ویسے ہی پریشان تھیں۔ سوچا اور کیا پریشان کریں۔'' انہوں نے وضاحت کی۔

''تمہیں میری قسم۔ یہ بتاؤ وہ زندہ ہے۔ خون تو نہیں ہو گیا میرے بیٹے سے؟'' وہ بے قراری سے پوچھ رہی تھیں۔

''اللہ نہ کرے اماں جی۔ وہ تو شکر کریں گھر میں، میں موجود تھی۔ ورنہ تو تیمور پر واقعی خون سوار تھا میرے تو قابو ہی میں نہیں آ رہا تھا۔''

وہ یاسیت سے بولیں۔

''تو اسے تم نے بتا دیا تھا کہ۔'' ان کی آواز بھرا گئی۔

''میں کیسے بتا سکتی تھی۔ باہر ماما ہی سے سوال جواب ہوئے تھے اسی سے اس نے کچھ نتیجہ نکال لیا ہو گا۔ پہلے تو مجھ سے پوچھتا رہا پھر۔'' وہ بولتے بولتے رک گئیں۔

''پھر کیا؟'' اماں جی نے بے تابی سے پوچھا۔

''پھر کیا اماں جی۔ آگے تو آپ کو پتا چل ہی گیا ہے۔'' رئیسہ بیگم جیسے تھکن سے چور چور تھیں۔

''''بچ تو جائے گی ناں۔ گولی کہاں لگی۔'' وہ خوفزدہ انداز میں بیٹی کو دیکھنے لگیں۔

''بس۔ اللہ نے کرم کیا۔ میری کھینچا تانی میں نشانے خطا ہوتے رہے۔ بس ایک منٹ کی اگر دیر ہو جاتی تو۔ وہ تو پکا نشانے باز ہے۔'' رئیسہ بیگم نے دھیمی آواز میں بتایا۔

''''بتاؤ۔ ناحق کسی کا خون سر لگ جاتا۔'' اماں جی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''خیر ناحق تو نہیں۔ حشر تو اس کا بہت برا ہونا چاہئے۔ چاروں طرف آگ لگا دی ہے۔ منحوس نے۔ اللہ کرے مرتے دم تک سکون کی سانس کو ترسے۔ زمیں اسے نہ قبولے۔ جنم جنم میں کیڑے پڑیں۔ بس یہ کہیں اللہ نے میرے بھائی کے گندا خون نہیں لگایا۔''

''یوں نہ کوسو۔ پہنچ جائے گی اپنے انجام کو تم کیوں اپنی زبان خراب کرتی ہو۔ بدی کا تو یوں بھی انجام برا ہی ہے۔ قدرت کا اصول ہے۔''

اماں جی اپنی فطرت سے مجبور تھیں۔ دہل کر بیٹی کو ٹوکنے لگیں۔

''یہ بھی فطرت کا اصول ہے اماں جی! انسان کو دکھ پہنچتا ہے تو اس کے منہ سے پھول نہیں جھڑتے بددعائیں ہی نکلتی ہیں دکھ پہنچانے والوں کے لئے برباد ہو گئے ہم سب۔'' رئیسہ بیگم ناراض لہجے میں بولیں۔

''اب مر بھی جائے تو ہمیں کیا فائدہ ہے؟ جو تباہی ہونا تھی وہ ہو چکی۔ ڈس لیا ناگن نے۔

رئیسہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ اماں جی اپنے آنسو روک کر بیٹی کی کمر سہلانے لگیں۔

''میری طرف بھی دیکھو رئیسہ! مر جانے کو جی چاہتا ہے۔ کٹ گئے سکھ کے دن۔ اب اندھیرے میں جانے کہاں تک چلنا ہے۔ میری بیٹی میں بوڑھی ہوں۔ مجھے تو حوصلہ دو۔''

ان کی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔ رئیسہ بیگم ماں سے لپٹ گئیں۔ دونوں طرف طغیانی آ گئی۔ یوں بلک بلک کر رو رہی تھیں گویا گھر میں کوئی فوت گی ہو گئی ہو۔

''ہم لٹ گئے اماں جی!'' رئیسہ بیگم کی چیخیں نکل گئیں۔ ''اماں جی میرے بھائی۔ ہائے اماں جی میرے بھائی۔'' دونوں رو رہی تھیں۔ آنسو پونچھنے والا کوئی نہ تھا۔

''ارے زیتون بانو۔ کیا مل گیا تجھے۔ یا اللہ میرے کس گناہ کی سزا ہے۔'' اماں جی سسکیاں بھرنے لگیں۔

ماما کسی کام سے کمرے میں آئی اور الٹے پاؤں بھاگ گئی اور بصیر علی خان کے کمرے کا دروازہ۔ دھڑ دھڑایا۔ وہ چند لمحوں بعد اماں جی کے کمرے میں تھے۔ ان کی بیوی بھی ان کے پیچھے آنے لگیں۔ تو انہوں نے وہیں کمرے میں رکنے کی تاکید کی۔ ابھی ان کے اور حویلی کے درمیان بہت سے حجاب تھے۔ ان کے سامنے کھل کر باتیں نہیں ہوتی تھیں۔

''کیا ہوا بی بی جان۔ چپ ہو جائیے۔ دیکھئے اماں جی کی حالت خراب ہو جائے گی۔'' انہوں نے بمشکل ماں بہن کو جدا کیا۔

''لو کیا تمہیں نہیں پتا کیا ہو گیا۔'' رئیسہ بیگم کراہیں۔

''مگر اس طرح بھی تو بات نہیں بنے گی بی بی جان۔'' وہ بہن کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

''بات تو بگڑ گئی میری جان' اب نہیں بنے گی۔''

وہ بصیر علی خان کے شانے سے پیشانی ٹکا کر پھر رونے لگیں۔

''میرے بھائی عظیم دکھ، عظیم رسوائی۔ ذرا سوچو کیا ہو گیا ہمارے ساتھ۔''

''اس طرح پریشان ہونے سے بھلا کچھ ہو سکتا ہے؟ حوصلہ کیجئے۔ اماں جی کی طرف دیکھیے انہیں ہمت دلائیے بی بی جان۔''

بصیر علی خان نے بڑی بردباری سے سمجھایا۔

''مطربہ کا بھی اتنا قصور نہیں ہے بصیر! جتنا کہ یاور کا ہے۔ بہت خود غرض ثابت ہوا ہے۔ قربانی کا جذبہ ہوتا تو بہت کچھ برداشت کر لیتا۔ ہماری خاطر اپنے بچوں کی خاطر۔ اتنا بڑا قدم اٹھا لیا۔ اسے کسی کا خیال نہیں آیا۔ اپنی بوڑھی ماں کا بھی نہیں۔'' وہ پھر سے رو پڑیں۔

بصیر علی خان کی قوت گویائی جیسے سلب ہوگئی۔ وہ بہن کا شانہ سہلانے لگے۔

''ساری جاگیر رہن رکھ کر بھی نقصان پورے نہیں ہو سکتے۔ ذرا سوچو بصیر۔''

''رئیسہ یوں دہائی نہ دے بیٹی! میرا دل رک جائے گا۔ میری خاطر چپ ہو جا بیٹی اور مجھے کچھ ہو جائے گا۔'' اماں جی نے بڑی ہمت سے اپنے آنسو روکے۔

''دیکھو تیمور آتا ہوگا۔ خود کو سنبھالو۔ جانے کیا کہہ سن ہوئی ہوگی وہاں۔ کس حال میں گھر آئے۔ جاؤ تم اپنے کمرے میں۔ ماما سے کہنا تمہارے بابا صاحب آ جائیں تو مجھے بتا دے۔ پتا نہیں کس پریشانی میں ہوں گے۔ چلو اٹھو شاباش بیٹی۔''

اماں جی کتنی ہمت کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ جس کی امید کسی کو بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

''بصیر! تم تیمور کا راستہ دیکھو۔ بھائی کو سنبھالنا ہوگا بیٹے۔ بڑی گردش ہے اس پر۔''

''ٹھیک ہیں اماں جی! آپ فکر نہ کریں۔ ادھر بیٹھک میں ہوں میں۔ آپ آرام کیجئے آیئے بی بی جان۔ آپ بھی آرام کر لیجئے۔''

بصیر علی خان نے انہیں زبردستی اٹھایا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اماں جی اپنی نماز کی چوکی کی طرف بڑھ گئیں۔ ان کی چال سے لگتا تھا گویا خود کو گھسیٹ رہی ہوں۔

بصیر علی خان بہن کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

....

دروازے پر دستک ہوئی۔ اماں جی یہی سمجھیں کہ ماما روپا دیوی ہے۔ انہوں نے رخ موڑے بغیر ہی اندر آنے کی اجازت دی۔ وہ ہنوز جائے نماز پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آواز تو آئی مگر آنے والا کچھ بولا نہیں۔ کارپٹ پر قدموں کی چاپ تو محسوس ہوتی نہیں۔ وہ خود ہی بول پڑیں۔

''ہوں۔ کیا بات ہے آ گئے تیرے خان۔''

''ہم ہیں اماں جی۔'' تیمور علی خان کی آواز نہایت دھیمی اور افسردہ تھی۔

ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اماں جی جواب میں متوجہ ہونے کے بجائے دوبارہ تسبیح پڑھنے میں مصروف ہو گئیں۔

وہ بے قرار سے انداز میں چوکی کے بالکل ساتھ کارپٹ پر بیٹھ گئے۔

''ایک تو آپ کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے گویا مسجد میں داخل ہو رہے ہوں۔ طبیعت خوا مخواہ محتاط ہو جاتی ہے اور اگر اس پر آپ کلام نہ کریں تو آنے والے کی تو ہمت ہی جواب دے جاتی ہے۔ ناراض ہیں آپ ہم سے؟''

تمہاری ہمت جواب نہیں دے سکتی۔ بڑی ہمت دی ہے تمہیں اللہ نے تم تیمور علی خان ہو۔ خوفناک درندوں پر گولی چلاتے ہو خنجر سے ان کا سینہ چاک کرتے ہو۔ ان کی کھال اتارتے ہو پھر اپنا خاص شکار کا کمرہ اس کھال سے سجاتے ہو۔

مرے ہوئے شیر پر ٹانگ رکھ کر تصور کھنچواتے ہو پھر اسے بڑی ساری بنا کر شکار والے کمرے کی دیوار پر لگاتے ہو میل جول والے تمہاری بہادری کی داد دیتے ہیں۔ تمہیں بہادر مشہور کرتے ہیں۔ تمہاری ہمت کیسے جواب دے سکتی ہے؟''

اماں جی! یوں نہ کریں۔ ظالموں کی اس بھیڑ میں آپ شامل نہ ہوں۔ پلیز اماں جی! ہم پر بہت بڑی مصیبت آئی ہے۔ اماں جی سمجھیں۔

''اتنا بڑا دکھ ہے دل چاہتا ہے خود کو شوٹ کر لیں۔''

اس سے زیادہ اماں جی میں برداشت کی طاقت نہیں تھی۔ انہوں نے بے اختیار ان کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''کیا ضرورت تھی اس پر گولی چلانے کی؟ قسم کھا لی ہے میرے بیٹوں نے ماں کو جی بھر کے دکھ دینے کی؟'' وہ آنسو پیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''آپ کو کیا معلوم ہمیں کتنا افسوس ہے اس کے زندہ بچ جانے کا۔؟'' وہ پھر اشتعال میں آنے لگے۔

''بیٹے! خون' خون ہوتا ہے۔ ایسی باتیں نہیں چھپتیں۔ ایسی ہری بھری عمر ہے۔ اسے کال کوٹھری کے نام لگا دینا چاہتا ہے۔ آج پہلی جیسے بات نہیں ہے۔ مسلمانوں کا اتنا بڑا لیڈر اسے کس طرح گھیرا جس کے اتنے چاہنے والے ہیں۔ یاد نہیں مولانا مودودی کا معاملہ جاگیردار بہت پہنچ والا ہوتا ہے مگر دشمن بھی ایسے ہی موقعوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انسان کا خون کرنا کوئی کھیل ہے۔ تم سے زیادہ لمبے ہاتھ ہیں اس کی ماں کے۔ اس ملک کا بادشہ تک اس کا گانا سنتا ہوگا۔ مولانا کی قسمت اچھی تھی۔ ورنہ بہت بری طرح گھیرے گئے تھے۔ پھانسی لگا رہا تھا بادشاہ (صدر) ارے میں کس کس کے دکھ کو روؤں گی' رحم کرو میرے حال پر۔ آگے پیچھے دکھ بچھ گئے ہیں۔ مگر میں قربان۔ اللہ نہ کرے میرے بیٹے مجھے اپنی جوانیوں پر رونے پیچھے چھوڑ جائیں میرے منہ میں خاک۔''

ان کی آواز آنسوؤں میں بھگی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

''اماں جی! ہم انسان ہیں فرشتہ نہیں ہیں۔''

''بیٹے! بس مجھ پر رحم کرو۔ حد ہو چکی ہے اب''

''آپ کو کیا پتا آج تو سچ مچ مر جانے کو جی چاہ رہا ہے۔ جب ہمیں ناز بھابی نے کہا کہ انہیں آئندہ بھابی نہ کہیں۔ آپ کو کیا بتائیں اماں جی؟''

ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے وہ۔ اب اس کے سامنے مت جانا۔ عدت شروع ہو چکی ہے اس کی۔ اس وقت بھی روک رہی تھی نہیں آہ بیٹے! مجھے سہارا دے کر بستر تک لے چلو۔ ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔''

انہوں نے تیمور علی خان کا شانہ تقریباً دبوچتے ہوئے کہا۔ وہ ایک دم گھبرا گئے۔ ان کو سہارا دیا اور بستر پر لٹا کر جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا۔

''پانی پی لیجیے اماں جی۔''

اماں جی نے محض چند گھونٹ پیے اور دوبارہ تکیے پر سر ڈال دیا پھر گہرے گہرے سانس لینے لگیں۔

''تیمور! دیکھنا تمہارے بابا صاحب آ گئے؟ اب تو بہت رات ہو گئی ہے۔ جانے کن حالوں میں ہیں۔'' وہ بدقت گویا ہوئیں۔

''اچھا ہم دیکھتے ہیں۔'' جانے کس احساس کے تحت ان کی نظریں جھک گئیں۔ ''آپ کے پاس ماما کو بھیجتے ہیں۔ آپ کی طبیعت ٹھیک تو ہے ناں اماں جی؟''

''ہاں۔ میں ٹھیک ہوں تم اپنے باپ کی خبر کرو۔ جاؤ بیٹے۔'' وہ الجھن بھرے انداز میں کمرے سے باہر نکلے تھے۔

....

حویلی میں اگر انجان آدمی داخل ہوتا تو پہلا تاثر یہ ہوتا کہ یہاں کوئی نہیں رہتا۔

سجا سجایا باغ، تراشیدہ گھاس' پھولوں کے تختے، گھنے سایہ دار درخت۔ سفید سنگ مرمر کے برآمدے وستون چمکتے ہوئے جیسے ابھی دھوئے گئے ہوں۔ سیاہی مائل چم چم کرتے ہوئے دروازے جو مختلف سمتوں اور گزرگاہوں کا پتا دیتے محسوس ہوتے تھے۔ سرخ بجری والی گزرگاہ جو شاندار پورٹیکو تک جا کر تمام ہوتی تھی۔ شام کا سلونا پن بڑھتے ہی برقی روشنی کا نہایت خوبصورت اور مرتب سلسلہ۔ صفائی اتنی کہ تنکا پڑا نظر نہ آئے۔

اس کے باوجود اتنی گہری خاموشی اور ویرانی تھی کہ بعض اوقات مکینوں کے دل وحشت سے پھڑ پھڑانے لگتے تھے۔ روشن مستقل طور پر حویلی آ گئی تھیں۔ ان کے شوہر وہیں کہیں سیمنٹ فیکٹری لگا رہے تھے۔ وہ اپنی دونوں بیٹیوں روبی اور لالی (جو گود میں تھی) کے ساتھ وہیں آ گئی تھیں۔ اس میں اماں جی کے اصرار کا بھی بہت دخل تھا۔ تزئین اپنے شوہر کے امریکہ چلے جانے کے بعد خاص طور پر دونوں بچوں شینو اور حماد کو لے کر معمول کے انداز میں آ گئی تھیں۔ انہیں کیا خبر تھی کہ کن قیامت کی گھڑیوں میں انہوں نے حویلی میں قدم رکھا ہے۔

ہر طرف ہُو کا عالم محسوس ہوتا تھا۔ ہنسی تو بڑی بات تھی مسکراہٹیں تک گم ہو گئی تھیں۔ ہر فرد یوں کان دبائے پھرتا نظر آتا تھا جیسے کوئی جرم کر بیٹھا ہو۔ کھانے کے وقت ابتدائی مرحلہ جو بچوں کے سلسلے میں ہوتا صرف اس وقت کچھ چہل پہل اور شور محسوس ہوتا تھا۔ بچوں کے کمروں میں گھستے ہی پھر سکوت طاری ہو جاتا تھا۔ صرف برتنوں کی کھڑ پٹر باقی رہ جاتی تھی۔

مطربہ کے بارے میں خان دلاور علی خان کسی سوال کا جواب نہیں دیتے تھے۔ نازنین کمرے میں محصور ہو کر رہ گئی تھی۔ ہر کوئی اس کے پاس جاتے ہوئے ڈرتا تھا۔ باری کو روشنی آراہی سنبھال رہی تھیں۔

تیمور علی خان دن کی روشنی میں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ وہ چند دنوں کے لئے لندن جانا چاہتے تھے۔ مگر بابا صاحب نے اجازت نہیں دی بلکہ بہو کو خود فون کر کے تسلی دے دی تھی۔

یاور علی خان ہنوز لاپتا تھے۔ خالہ سولہ آنے کے سردتے کی کٹ کٹ سنائی نہیں دیتی تھی۔ نہ وہ کسی کے پاس بیٹھی رہنے دیتی تھیں۔

ان ہی وحشتوں میں عدت کے دن گزرتے رہے صرف ماما بلی ہی نازنین کے کمرے میں آتی جاتی تھی۔ یا اماں جی دو تین چکر لگا لیتیں تھیں مگر وہ بالکل خاموش رہتی تھی۔ لہذا وہ تھک کر واپس آ جاتی تھیں۔ ان کی اپنی طبیعت گری گری رہتی

...بھی ماں بیٹیاں اکٹھی بھی ہو جاتی تھیں تو یوں خاموش رہتی تھیں گویا خاموشی کے راستے ایک دوسرے کے حال سے ...عاصل کر رہی ہوں۔

اماں جی کی سرد آہیں انہیں کوئی بات کرنے سے روک دیتی تھی۔

ہاں جب ان کے درمیان اماں جی نہیں ہوتی تھیں تو جی بھر کر مطربہ کو کوستی تھیں رئیسہ بیگم تو باقاعدہ کوستے ہوئے آنچل پھیلا لیتی تھیں۔ پھر بری طرح رو پڑتی تھیں۔

دور دور تک اس ویرانی اور خاموشی کا توڑ نظر نہیں آ رہا تھا۔ زندگی گویا ایک جگہ ٹھہر گئی تھی۔

بستی کی عورتوں کی آمد و رفت نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ مہمانوں کا آنا بہت کھلنے لگا تھا عارضی مہمان داری ایک ...بیت بن جاتی۔ حویلی کا ہر فرد چاہتا تھا کہ گھر میں مہمان نہ آئیں۔

عدت ختم ہونے میں چند دن باقی رہ گئے تو بابا صاحب نے ایک رات تیمور علی خان کو بلوا بھیجا۔ کافی دنوں بعد دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔ خان صاحب اس حادثے کے بعد کھانا اپنے کمرے ہی میں کھا رہے تھے۔

''جی؟'' تیمور علی خان کا سر مجرم کی طرح جھکا ہوا تھا۔

''ابھی تک ناز کے والدین کو اس حادثے کی اطلاع نہیں پہنچائی۔ اب تم سے مشورہ کرنا ہے۔ کہ اب کیا اسٹیپ لیا جائے۔''

''ان کے کومیکٹ کا انتظار کر لیں۔ جو ہم سب میں عالم فاضل ہیں۔'' تیمور علی خان گویا پھٹ پڑے۔

خان صاحب دایاں ابرو چڑھا کر جھکا سر اٹھائے بغیر نظریں اٹھائیں اور بیٹے کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اور چند ثانیے خاموش رہے۔

''اس طرح مسئلوں کے حال نہیں نکلتے۔ اب کچھ سوچنا ہے۔ کچھ کرنا ہے تیمور!''

''میرے کچھ کرنے کی تو اب اس مسئلے میں گنجائش نہیں ہے۔ آپ بتائیے آپ کیا کرنا۔ چاہتے ہیں۔'' انہوں نے ناگواری پر قابو پا کر باپ کی بات کاٹ دی۔

''تمہارا کیا خیال ہے۔ منیب احمد کو اس حادثے سے مطلع کر دیا جائے۔ ان کے اس دوران میں دو تین فون آ چکے ہیں۔ ہم نے ناز کو نہیں بتایا۔ ہر مرتبہ عالم تاب ہی کی ان سے بات ہوئی۔ اس نے کہہ دیا ناز یاور کے ساتھ سیر کرنے سوات گئی ہے۔ ہمارا خیال ہے ناز۔ اب ان سے خود بات کرنا چاہے گی۔''

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے جیسے کچھ سوچنے لگے ہوں۔

''ظاہر ہے وہ انہیں یہی اطلاع دینے کے لیے فون کرے گی۔''

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ تیمور علی خان بات آگے بڑھنے کا انتظار کرنے لگے۔

''قطعی ممکن ہے کہ اس کے بعد وہ بچوں کو لے کر یوگنڈا چلی جائے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ بچے حویلی سے باہر نہ جائیں۔ ...کے وارثوں میں ہیں۔

اور ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ ہمارے وارث کی ماں باہر کے کسی آدمی کے ساتھ دوسرا نکاح کرے۔ وہ پڑھے ہوئے سمجھدار لوگ ہیں اس بات کا ہمیشہ خطرہ رہے گا کہ وہ قانون کے راستے سے بچے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ کچھ ہو۔ ہم بچے حویلی سے باہر نہیں جانے دیں گے۔

ہم اپنے خون کو در بدر نہیں ہونے دیں گے۔"

وہ اتنا کہہ کر پھر خاموش ہو گئے اور سوچ میں پڑ گئے۔

"ہاں تو ٹھیک ہے۔ بچوں کے نامی گرامی والد کو آنے دیجئے' ان کا انتظار کیجئے۔ دن رات قانون دانوں کے ساتھ کٹے ہیں۔ بڑا ہی صائب مشورہ دے سکتے ہیں آپ کو۔"

تیمور علی خان تلخی سے گویا ہوئے۔

"یہ جلے پھپھولے پھوڑنے کا وقت نہیں ہے تیمور! حقیقت کا سامنا اور مقابلہ کرنے کا وقت ہے۔"

"آپ کے خیال میں ہم کیا رول ادا کر سکتے ہیں؟" وہ جیسے زچ ہو کر پوچھ رہے تھے۔

پھر ایک بے معنی خاموشی دونوں کے درمیان حائل ہو گئی۔

"ہمارے ہاں پیچھے۔ بزرگوں کی دو دو تین تین بیویاں رہی ہیں۔ مرد جوان ہو، غنی ہو تو بہت آسانی سے دو بیویاں نبا سکتا ہے۔"

بہت مشکل بات تھی بہت مشکل سے کہی تھی۔

تیمور علی خان نے بے تحاشا چونک کر باپ کی سمت دیکھا۔ جیسے انہیں سماعت کا دھوکا ہوا ہو۔ ان کی تو گویائی ہی سلب ہو گئی۔

"ہم نے بہت سوچا ہے تیمور۔ بڑی راتیں جاگ کر سوچا ہے۔ دیکھو۔ بہو کے ساتھ زیادتی کی حد ہو گئی ہے۔ ہمیں مداوا کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔"

"کیجئے بابا صاحب! ضرور مداوا کیجئے۔ مگر ہم بھی اتنے ہی بے قصور ہیں جتنی کہ ناز بھابی۔ آپ تو کم سے کم ہمارے ساتھ زیادتی نہ کیجئے۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیٹے بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" خان صاحب نے بڑی نرمی سے کہا۔

"بابا صاحب! ہمارا جی چاہ رہا ہے۔ ہم بھی یاور بھائی کی طرح لاپتہ ہو جائیں۔ پلیز بابا صاحب بھائی کی چھوڑی ہوئی کسر میں آپ شریک نہ ہوں۔ ورنہ ہمیں آپ سے عمر بھر کے لئے شکایت ہو جائے گی۔ جو کچھ ہوا ہے، وہ بھی رسوائی کی بات ہے اور جو آپ کہہ رہے ہیں' یہ اس سے بھی بڑی رسوائی ہے۔ مفادات سے ہٹ کر ذرا سکون سے سوچیے۔ مفادات انسانوں کے لئے نہیں ہوتے۔ ہمیں آپ کی بات سے کتنا دکھ ہوا ہے۔ ہم بیان نہیں کر سکتے۔ ہمیں اجازت دیجئے اور یہ وعدہ بھی کیجئے کہ آئندہ آپ ہم سے اس طرح کی کوئی بات کبھی نہیں کریں گے۔"

"بیٹھ جاؤ تیمور!" دلاور علی خان کی آواز میں تحکم تھا۔

تیمور علی خان نے بے بسی سے باپ کی شکل دیکھی۔

"تم اپنی عمر کے حساب سے ٹھیک ہو مگر ہماری بات بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی نہ ناز حویلی سے باہر قدم رکھے گی اور نہ بچے۔ تم غلط ہو نہ یاور۔ جو مجرم ہے۔ ہم اس کا بندوبست کر چکے ہیں۔"

"یہ رشتہ بہت حساس، بہت نازک ہوتا ہے تیمور! اعتبار کی اینٹیں چنتے چنتے بازو شل ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود ایک بے یقینی ختم ہو جاتا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ بہت سی اطلاعات مشکوک سمجھ کر نظر انداز کر دی جاتی ہیں مگر اس طرح کی افواہ پر زمانے کو اعتبار کرنے کی بڑی جلدی ہوتی ہے۔

ہماری طرف دیکھو تیمور! پرکھوں کی محنت ٹھکانے لگ رہی ہے۔ ہمارا سکھ چین حرام ہو چکا ہے۔"

"اس کے باوجود آپ اس کی جان بچا رہے ہیں۔ شکاری کتے چھوڑیئے آپ اس پر ہمارے گلے پر پھندا کیوں کسا ہے۔"

"ہم نے جو کہنا تھا کہہ دیا۔ اس لیے نہیں کہا تم سے تمہارا فیصلہ آج ہی سنیں۔ تم غور کرو۔ ہم وقت دے رہے ہیں۔ پھر بات ہو گی۔ تم جا سکتے ہو۔"

خان دلاور علی خان نے حقے کا پائپ منہ سے لگا کر گویا زبان بندی کا اشارا دیا۔ تیمور علی خان نے بے بسی سے باپ کو دیکھا پھر ایک گہری سانس کھینچ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

انہیں ایسا لگا جیسے صحیح کی مصیبت میں اب گھیرے ہوں۔ جی تو چاہ رہا تھا۔ اماں جی کے سامنے جا کر بے تکان بولیں۔ دل کی بھڑاس نکالیں۔ زیادتی در زیادتی پر دہائی دیں۔

اگلے ہی خیال نے سارے جھاگ بٹھا دیے۔

دو عملی، دو رخی، دوغلی زندگی۔ جب ہم بنیاد سے، اندر سے ابھی وہ نہیں جو اپنے ظاہر سے دکھائی دیتے ہیں تو ایسا تو ہو سکتا ہے۔ ابھی تک یہاں عورت اتنی کمزور و کچی سمجھی جاتی ہے جسے ابھی تک خواہش کی تکمیل سے لے کر نسوانی پندار کا نصاب از بر ہو جانا۔ نا قابل بھروسا بے وقوف جذباتی۔

ابھی یہاں عورت کو وہ اعتماد ہی کہاں دیا گیا ہے۔ اس کی نگرانی کی جاتی ہے کہ وہ خاندان کی عزت پامال تو نہیں کر رہی؟ اسے یہ اعتماد دے کر پروان نہیں چڑھایا جاتا کہ دوسرے اس کی نگرانی کیوں کریں؟ وہ اپنی نگرانی خود کیوں نہ کرے۔ یہ کیوں نہیں یقین دلایا جاتا کہ سوسائٹی میں حیثیت، عزت حاصل کرنے کا اسے بھی اتنا ہی اختیار و حق ہے جتنا مردوں کو۔ عزت اور پندار اس کا بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا مرد کا۔ ہم اپنی عورت کو تعلیم دیتے ہیں اعتبار نہیں دیتے۔ اس کی نگرانی کرتے ہیں اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کی طرف سے چوکس رہتے ہیں۔ کہیں کوئی اس میٹھی گولی کو چپکے سے نگل نہ لے۔

اس کو یہ شعور۔ یہ مان کیوں نہیں دیتے کہ وہ اپنی عزت نفس کی حفاظت کے معاملے میں تمام خیر خواہوں سے زیادہ چوکنا و حساس ہے۔ انسان خود سے زیادہ کسی کو نہیں چاہتا۔ اس لیے اپنے پندار اپنی عزت نفس کا معاملہ اس سے بہتر کوئی دوسرا کیسے طے کر سکتا ہے۔

اس حقیقت کا ثبوت و دلیل یہ ہے کہ پھر یہ جذباتی اندھیرے کیوں آتے ہیں۔ خون خون سے دھاندلی کیوں کرتا ہے؟ نگرانی و پہرے کے باوجود رفاہی و فلاحی اداروں کے باہر جھولے کیوں لگا جاتے ہیں۔ جیتی جاگتی زندگی کو سفاکی کی بھینٹ چڑھانے سے بچانے کے لیے یہ اقدام کیوں کیے جاتے ہیں؟

تربیت یہ نہیں کہ دوسرے نگرانی کریں۔ تربیت یہ ہے کہ اپنی نگرانی انسان خود کرے۔

ابھی ہم نے اپنی عورت کو یہ اعتماد نہیں دیا۔ اس لیے جب چاہیں اسے ننگی گالی دے دیتے ہیں۔ اس کا حوصلہ توڑ دیتے ہیں۔ اس کا اعتماد چھین لیتے ہیں۔

دوسروں کی دیکھا دیکھی ہم اپنی عورت کو پڑھا رہے ہیں۔ اکیلا نکلنے کی اجازت دے رہے ہیں۔ اس کی گرد صاف ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ اور اپنے شعور کی گرد پر دھیان نہیں۔

جب عورت پر اس طرح کی الزام تراشی ہوتی ہے۔ ہم پہلی فرصت میں یقین کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کہ ہم نے ابھی تک اس حقیقت کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔ یہ بھی اس کائنات کا باشعور اور انتہائی اہل جز ہے۔

یہ دوغلی زندگی کا عذاب ہے۔ حویلی میں ابھی پر اعتماد، اعلا تعلیم یافتہ عورت کی جگہ نہیں بنی۔ اور اس وقت تک نہیں بنے گی جب تک ادھر کے مرد یہ امر تسلیم نہیں کر لیتے کہ باشعور عورت عام عورت سے زیادہ مضبوط اور صاحب پندار ہوتی ہے۔

یہ دہری سوچ کا عذاب ہے۔ اندر کی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ وہ گہرا تجزیہ کرتے کرتے اپنے کمرے میں پہنچ گئے تھے۔

کوتاہی اپنی جگہ' حقیقت اپنی جگہ۔ بابا صاحب نے انہیں نئے عذاب کا راستہ دکھایا تھا۔ اتنی مشکل بات نہایت آسانی سے کہہ گئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سنی ہوئی بات کس طرح ذہن سے کھرچ ڈالیں۔ اور پر سکون ہو جائیں۔ یہ دل تو ان کی طاقت سے زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس بات پر پچھتا رہے تھے کہ ایک عمر دیار غیر میں بسر کرنے کے بعد یہاں آئے کیوں؟

اذیت سلسلہ وار بڑھ رہی تھی۔ کوئی ایسا حل نہیں تھا جس سے حالات معمولات پر آنے کا امکان روشن ہو۔

وہ اب سو نہیں سکتے تھے۔ کبھی کتابیں ٹٹولنے لگتے۔ کبھی دریچے میں آن کھڑے ہوتے۔

....

''توبہ توبہ۔ رسوائی سی رسوائی ہے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ اسی رسوائی کو برداشت کر لیں۔''

اماں جی نے پھڑکتے کلیجے پر ہاتھ رکھ کر بے اختیار کہا تھا۔

''رئیسہ کی ماں۔ وہ ابھی کم عمر ہے۔ اللہ نے شکل اچھی دی ہے۔ باپ کے پاس پیسے کی کمی نہیں۔ اگر وہ یہاں سے چلی جاتی ہے تو اس کے ماں باپ ہر صورت اس کا نکاح کریں گے۔ ہمارے ہاں جو عورت آتی ہے پھر وہ غیر خاندان میں نہیں

جاتی ہے۔ اگر وہ بچوں کو ساتھ لے گئیں؟ ہمارے بچے دوسرا مرد پالے گا۔ ہرگز نہیں۔ ہم اپنے بچوں کو در بدر نہیں ہونے دیں گے۔'' ان کا انداز قطعی تھا۔

''دنیا کیا کہے گی۔ ایک بھائی نے طلاق دی، دوسرے نے نکاح کر لیا۔ اس مشکل کو سمجھیں۔''

اماں جی کی آواز کمزور اور لرز رہی تھی۔

''اب کیا مصلحتوں کی خاطر اپنی اولاد کو گنوا دیں؟ کسی غیر مرد کے حوالے کر دیں۔''

''میں یہ ذلت بھری زندگی نہیں جی سکتی خان صاحب۔ دعا کریں اللہ میرے پردے ڈھک لے۔'' وہ رونے لگیں۔

''آپ صورت حال سمجھنے کی کوشش کرو رئیسہ کی ماں۔ بڑا نازک، بہت مشکل وقت ہے''

''یہ بڑی شرم کی بات ہے خان صاحب۔ تیمور بھی اس پر کبھی راضی نہیں ہوگا۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ ''یاور کس مشکل میں ڈال دیا ہے تم نے ہمیں۔''

''یہ کڑا وقت ہے' اس میں بڑا حوصلہ چاہیے۔ آپ عورتیں بہت چھوٹے دل کی ہوتی ہو۔ دور تک نہیں دیکھ سکتیں۔ دور تک کی سوچو رئیسہ کی ماں۔'' دلاور علی خان نے نرمی سے سمجھایا۔

''نکاح کے بعد ہم اسے سرائے بھیج دیں گے۔ یہاں رکھیں گے۔ آپ اس تک ہماری بات پہنچاؤ۔ اسے اونچ نیچ سمجھاؤ۔ ساتھ میں یہ بتاؤ کہ ہم اسے اس صورت میں یہاں سے جانے دیں گے جب وہ دوسرا نکاح نہ کرنے کا وعدہ کرے۔ ہر دو صورتوں میں ہم اسے بچے ساتھ لے جانے نہیں دیں گے۔ بلکہ اسے یقین دلاؤ کہ ہم اس کے ہمدرد ہیں۔ ہمارے بیٹے نے اسے جو زخم لگایا ہے۔ ہم اس پر مرہم رکھنا چاہتے ہیں۔ اسے اپنا سمجھتے ہیں۔ اس کے تحفظ اور بہتری ہی کے لیے یہ سب کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ مزید گویا ہوئے۔

''میں تو اسے اپنی بیٹی ہی سمجھتی ہوں۔ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتی ہوں۔ اسے ایک نظر میں یاور کے لیے پسند کیا تھا۔ میں کب چاہتی ہوں کہ وہ یہاں سے جائے آپ اسے دیکھیں گے تو پہچان نہیں سکتے۔ میرا کلیجہ پھٹتا ہے۔ مجھ سے بات تک نہیں کرتی۔ میں جاتی ہوں تو سوتی بن جاتی ہے۔ میرے دکھ کا اسے یقین نہیں آ سکتا نہ وہ حساب کر سکتی ہے۔ جب وہ مجھے دیکھ کر منہ موڑتی ہے تو برچھی سی دل پر پڑتی ہے۔''

اماں جی کی آواز پر آنسو غالب آ گئے۔

ایک ثانیے کو دلاور علی خان بھی گم صم سے نظر آئے۔

''اگر آپ سے یہ کام نہیں ہو سکتا تو رئیسہ یا عالم تاب سے کہو۔ وہ بات کریں گی۔''

انہوں نے دوسرا حل بتا دیا۔

''بے کار ہے' وہ نہیں مانے گی۔'' اماں جی آنکھیں پونچھنے لگیں۔

''ہم منوا لیں گے۔ ہم کوئی کھلونا نہیں ہیں کہ بیٹے بہویں ہم سے کھیلیں۔ یہی سوچا ہے یہی ہونا چاہیے۔ جو بیٹا ہم سے اختلاف کرے، وہ جاگیر چھوڑ دے۔ بہت ہو چکا۔ یا تو یہ ہو جو ہم نے سوچا ورنہ کوئی ہم سے تعلق نہ رکھے۔''

خان دلاور علی خان۔ اب مزید ضبط سے کام نہ لے سکے اور اپنی حاکمانہ وضع پر واپس آ گئے۔ نازک سی اماں جی دہل کر رہ گئیں۔

''اس حادثے سے پہلے تک کی ہماری نرمی مصلحت تھی اور مصلحت یہ تھی کہ یہ حادثہ نہ ہو۔ مگر حادثہ ہو چکا ہے۔ اب آپ احکامات کی تعمیل کرائیے۔ بس۔''

خان دلاور علی خان اس وقت پوری طرح جلال میں آ گئے تھے۔ اماں جی کھڑی ہو گئیں۔

''ٹھیک ہے۔ میں آپ کی بات پہنچا دیتا ہوں۔''

''پہلے اونچ نیچ اور مصلحت بتاؤ۔ نہ مانے تو صرف ہمارا حکم سنا دو۔ جس کو ہمارے فیصلے سے اختلاف ہو، وہ حویلی چھوڑ دے۔ اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔

گنجائش رکھ کر بات کیجئے خان صاحب۔'' اماں جی لرز کر بولیں۔

''ختم ہو گئی گنجائش۔ الفتنة الا کبر من القتال (فتنہ قتل سے بڑا جرم ہے) یہ اللہ کا فرمان ہے۔ ہم ایک فتنے سے گزر رہے ہیں۔ حادثہ برا ہے۔ بڑے حوصلے سے بڑے فیصلے کرنے ہیں یہ کل کے بچوں کی بات نہیں اب آپ جاؤ اور جیسا ہم نے کہا ہے ویسا کرو۔''

وہ فون نزدیک سرکا کر کوئی نمبر ملانے لگے۔

اماں جی چل پڑیں۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

رئیسہ بیگم کی تو ہمت نہیں پڑی تھی ناز کے پاس جانے کی کہ وہ یاور کی بہن تھیں اور ڈرتی تھیں کہ بھائی کی طرف سے اس طرف جو غبار ہے وہ ان پر نہ ڈال دیا جائے۔ اور تلخی نہ بڑھ جائے۔

لہٰذا عالم تاب تنہا کمرے میں آئی تھیں۔

ناز روشانے کو کاٹ میں لٹا رہی تھی۔ الجھی ہوئی چوٹی سے ظاہر تھا کہ کئی دنوں سے سر میں کنگھی نہیں ہوئی۔

اس نے دروازے کھلنے کی آواز پر گردن موڑ کر دیکھا تھا۔ مگر بولی کچھ نہیں۔ عالم تاب چپ چاپ اس کے بستر پر بیٹھ گئیں۔

''آپ کو ابھی بلوانے ہی والی تھی بھابی بیگم!'' وہ بے تاثر آواز میں کہتی ہوئی ان کی طرف پلٹی عالم تاب کے حلق میں کچھ اٹکنے لگا۔ وہ کچھ کہے بغیر اس کی سمت دیکھنے لگیں۔

''محسوس تو یہی ہوا ہے کہ آپ لوگوں نے میری بدبختی کی خبر میرے ممی پاپا کو نہیں پہنچائی۔ اگر ایسا ہے تو بہت مہربانی آپ سب کی۔ یہ اندازہ مجھے اس لیے ہو رہا ہے کہ اگر انہیں اطلاع ہو گئی ہوتی تو وہ حویلی آ چکے ہوتے۔

دنیا میں شادیاں بھی ہوتی ہیں علیحدگیاں بھی ہو جاتی ہیں مگر یاور نے میرے ساتھ جو شرمناک سلوک کیا ہے۔ جس طرح

مجھے میری نظروں میں گرایا ہے وہ میں اپنے ماں باپ کو نہیں بتا سکتی کیسے بتاؤں انہیں کہ یہ شخص جس کے گن گاتے آپ لوگ نہیں تھکتے اتنا سفاک ہے۔ اتنا خود غرض اس قدر ظالم۔

ایک حرافہ کی اولاد کے اتنے اعتبار و یقین۔ بھابی بیگم میرے اندر ایک آگ دہک رہی ہے۔ ایک پیغمبر کی عالی مرتبت زوجہ پر بہتان لگتا ہے تو آسمان سے گواہی آ جتی ہ۔۔ اور آئندہ اس قسم کا ظلم روکنے کے لیے ساتھ ہی قانون بھی آتا ہے۔ جو ہم جیسی کمتر اور بے مقام عورتوں کے لئے ہوتا ہے۔ مگر۔ کون لیتا ہے اس قانون سے کام۔ وہ کتاب مقدس میں بند پڑا ہے۔ میرا جی چاہ رہا ہے میں یاور سے ایسا بھیانک انتقام لوں۔ اس ذلت کا کہ چوک پر کھڑی ہو کر چیخ کر کہوں۔ کہ یہ بچی بھی تمہاری نہیں ہے۔۔ اس مفت کی ذلت میں یاور کے نام کے بھی ڈنکے بجیں۔ وہ ایسے ہی ذہنی عذاب سے گزرے جس سے میں گزر رہی ہوں۔ بھابی بیگم مجھے موت کیوں نہیں آ جاتی۔''

وہ عالم تاب کے شانے سے لگ کر سسک پڑی۔

عالم تاب کی آنکھوں میں بھی نمی تیر گئی۔ وہ اس کی پشت سہلانے لگیں۔

''بھابی بیگم! میری ماں کا دل بہت نازک ہے۔ میرا باپ بہت شفاف ہے۔ وہ جیتے جی مر جائیں گے۔ بتائیں میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔ تیمور نے اسے گولی کیوں ماردی؟ اسے اتنی آسان موت کیوں دی؟ میں اسے ایڑیاں رگڑتے دیکھنا چاہتی تھی۔ موت کی دعائیں مانگتے دیکھنا چاہتی تھی۔''

عالم تاب نے اس کی پیشانی چومی۔

''مجھے بابا صاحب نے تمہارے پاس بھیجا ہے ناز! جو میں کہہ رہی ہوں' بہت صبر اور حوصلے سے سننا۔ اس یقین کے ساتھ کہ یہاں سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔''

''یا اللہ۔ پھر کوئی امتحان؟'' وہ عالم تاب سے الگ ہو کر خوفزدہ انداز میں ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''نہیں کوئی امتحان نہیں۔ بابا صاحبنے بچوں کے مفادات سامنے رکھ کر ایک فیصلہ کیا ہے کہ تمہارا نکاح۔''

''بھابی بیگم! حد ہو گئی۔ اگر یہ نکاح حلالہ کے چکر میں کرنے کا مکروہ پروگرام ہے تو سن لیجیے۔ یاور قیامت تک کے لیے میرے دل سے نکل چکے ہیں۔ آپ لوگ کچھ کر لیں۔ میں زندگی کے کسی موڑ پر ان سے کسی مصلحت کے نام پر کوئی سمجھوتہ نہیں کروں گی۔ اگ رمجھ پر ڈکیٹیر شپ اپلائی کی گئی تو میں خودکشی کر لوں گی۔ میں شرفاء کی اولاد ہوں' بازار کا مال نہیں ہوں۔''

''بات تو پوری سن لو۔'' عالم تاب نے اس کا ہاتھ تھام کر ملائمت سے کہا۔

''اگر اس سے ہٹ کر ہے تو سنائیے اگر اس طرح کی کوئی منصوبہ بندی ہے تو مجھے کچھ نہیں سننا۔''

وہ ضدی انداز میں بولی۔

عالم تاب نے اس کے زرد اور ویران چہرے کو بغور دیکھا اور ٹھنڈی سانس بھری۔

''یاور بہت کٹر اور قطعی قسم کا انسان ہے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ کبھی اپنے فیصلے پر پچھتائے۔ لہٰذا اس طرح کی بات نہ ہم نے سوچی نہ تم سوچو۔''

نازنین نے اپنی شفاف و حسین آنکھیں حیرت سے ان کے چہرے پر جما دیں۔ جیسے کہہ رہی ہو پھر؟

"باباصاحب کا خیال ہے اگر تم اپنے والدین کے پاس چلی گئیں تو وہ ضرور تمہاری دوسری شادی کر دیں گے۔ اور ہمارے ہاں ہمارے وارثوں کی ماں غیر خاندان میں نہیں جاتی۔ خواہ بیوہ ہو یا طلاق یافتہ۔ جو عورت جاگیر میں داخل ہو جاتی ہے پھر اس پر کسی اور خاندان کا حق نہیں رہتا۔

تیمور کی بیوی انگریز ہے وہ وہیں رہے گی۔ تیمور دوسری بیوی یہاں رکھ سکتا ہے۔"

بات بہت مشکل تھی اور بڑی مشکل سے کہی گئی تھی۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

عالم تاب تو جیسے دھماکہ کر کے اپنی جگہ سہم کر رہ گئی تھیں۔ ان کی جھکی نظروں کا اٹھنا اب محال تھا۔ انہیں طویل ہوتی خاموشی سے خوف سا آنے لگا۔ مگر آواز پھر بھی نہ نکلی۔ انہیں اندازہ تھا کہ وہ کیا کہہ چکی ہیں کہ [illegible]لوں کے بخت اس طوفان کی زد میں لرز رہے ہیں۔

نازنین نے نہ نظریں اٹھائیں نہ سر۔ اپنی ہتھیلیوں کو غور سے دیکھتی رہی۔

"آپ کو اندازہ ہے بھابی بیگم! آپ کیا کہہ گئی ہیں۔؟" بالآخر خاموشی ٹوٹ گئی۔ نازنین کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

عالم تاب جواب میں خاموش رہیں۔

ایک مرتبہ پھر دونوں کے درمیان خاموشی حائل ہو گئی۔

"ابھی مجھے کچھ مرحلے طے کرنا ہے۔ آپ لوگ انتظار کریں۔" اس نے بہت سکون سے کہا۔

عالم تاب نے کمال حیرت سے اس کی سمت دیکھا ان کا تو خیال تھا کہ ایک طوفان اٹھ کھڑا ہو گا۔ وہ جانے کیا کیا بولے گی، لحاظ و ادب کی ہر منزل طے کر جائے گی مگر اس کے سکون نے تو انہیں پریشان کر دیا وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔ جیسے کچھ ہوا

نہیں تو ہو جانے کا ڈر ہو، ایک لفظ منہ سے نکالے بغیر وہ بڑی تیزی سے کمرے سے باہر چلی گئی تھیں۔

وہ کئی بار روشانے کو گود میں اٹھا کر کمرے سے باہر تو نکلی مگر پھر دوبارہ واپس آ گئی ایسی اضطراری کیفیت تھی جس میں انسان کو خود اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔

چند لمحوں بعد جیسے وہ کسی نتیجے پر پہنچ گئی اور روشانے کو کاٹ میں لٹا کر ہال کی سمت آئی اور دروازے سے اندر جھانکا کوئی ملازمہ نظر نہیں آئی۔ وہ وہاں سے دلان کی طرف بڑھی، وہاں روپا دیوی فرش دھوتی نظر آ گئی۔

''روپا۔!'' اس نے اپنی تمام منتشر قوت کو اکٹھا کر کے آواز دی۔ اپنی دھن میں مگن روپا دیوی نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا پھر نازنین کو دیکھ کر جھاڑو پھینک کر دوڑی آئی۔ کتنے عرصے بعد اس نے نازنین کو پہلے جیسی بے تکلف حالت میں دیکھا تھا۔

''ہلاں چھوٹی دلہن جی۔؟''

''تیمور خان سے کہنا، چھوٹی دلہن نے بلایا ہے۔ اور یہ بھی کہنا، جب بھی آئیں۔۔ دن میں آئیں، رات یا شام کے وقت آنے کی ضرورت نہیں۔''

وہ روپا دیوی کے تاثرات دیکھنے کے لیے رکی نہیں بلکہ یہ کہتے ہی واپس پلٹ گئی۔ ابھی وہ اپنے کمرے میں پہنچ کر وارڈ روب کھول کر کھڑی ہی ہوئی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''ہوں۔ کون ہے آ جاؤ۔'' وہ اسی مصروف انداز میں گویا ہوئی تھی اور فوراً ہی دروازہ کھل گیا تھا۔

اس کا خیال تھا۔ روپا دیوی کوئی جوابی پیغام لے کر آئی ہے۔ مگر جب آنے والے نے دیر تک کچھ نہ کہا تو وہ لامحالہ پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہوئی۔

مگر ایک دم ہی بدحواس ہو گئی۔ جانے سارے اعتماد و اعتبار کہاں گم ہو گئے تھے۔

تیمور علی خان پشت پر ہاتھ باندھے نظریں جھکائے کھڑے تھے۔ نازنین کی کمزوری غالباً ان پر عیاں ہو گئی تھی۔

''السلام علیکم۔!'' انہوں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور پہل کی۔

''وعلیکم السلام۔ بیٹھیے۔'' اس نے دوپٹہ درست کیا۔

تیمور علی خان بڑے اعتماد سے آگے بڑھے۔ کاٹ میں لیٹی روشانے کے رخسار چھو کر پیار کیا اور صوفے پر بیٹھ گئے۔

نازنین جیسے کسی لمحے میں منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک بے خبری کی کیفیت تھی۔

''آپ بیٹھیے ناں۔ بھا۔!'' وہ بولتے بولتے ایک دم رک گئے۔ نازنین جیسے گہری نیند سے جاگی اور اپنے بیڈ پر ٹک گئی۔

''آپ نے یاد فرمایا تھا۔'' وہ اس کی خاموشی سے الجھنے لگے۔

''جی۔ سنا ہے۔ آپ کو بھی یاور علی خان سے اتنی ہی شکایتیں ہیں جتنی ہمیں ہیں۔ سو آپ تو ہمارے کیمپ کے آدمی ہیں۔''

اس مرتبہ اس کا انداز پراعتماد تھا۔

''ہمیں ان کے ذکر میں بھی حصہ نہیں لینا۔'' تیمور علی خان کا انداز قطعی تھا۔

''یہ میٹنگ ان کے ذکر کے لیے نہیں ہو رہی۔ بات یہ ہے، اس نام سے گزرے بغیر بات آگے بھی تو نہیں بڑھ سکتی۔''

اس نے نگاہ اٹھا کر تیمور علی خان کو دیکھا۔ ان کی نظریں ہنوز نیچی تھیں۔، وہ چند لمحے ان کی سمت دیکھتی رہی۔ وہ اس کی نظریں محسوس کر رہے تھے اس لیے نظر اٹھا نہیں رہے تھے کہ نگاہ ملانے کا مرحلہ بہت اذیت ناک تھا۔

''بابا صاحب نے ایک سجیشن دیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے؟'' نازنین نے بہت ہی دھیمی آواز میں کہا۔ تیمور علی خان گویا سناٹے میں رہ گئے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ کہ وہ اس موضوع پر براہ راست بات کرے گی۔ وہ لب بستہ سے بیٹھے رہ گئے۔

''میرے خیال میں بہت ہی مناسب حل نکالا ہے۔ انہوں نے اس کرائسس کا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟'' وہ نارمل انداز میں بولی۔

''ہمارا خیال ہے، اب تو حویلی میں دور دور تک مذاق کا ماحول نہیں ہے۔'' ان کا انداز اس مرتبہ قدرے تیکھا اور برا منانے والا تھا۔

''میرا خیال ہے۔ نکاح شادی کی باتیں مذاق میں صرف پاگل ہی کرتے ہوں گے، میرے اس عظیم نقصان میں آپ کا برابر کا حصہ ہے، میری زندگی کے اگلے مرحلے آپ کے نام، آپ کی ذات کے ذکر کے بغیر کیسے طے ہو سکتے ہیں؟'' اس کے لہجے میں بھی طوفان کے آثار جھلکنے لگے۔

''لیکن ہم قسم کھا سکتے ہیں کہ ہم نے کبھی آپ کو نقصان پہنچانے کا تصور تک نہیں کیا' نہ کر سکتے ہیں۔''

وہ یکدم اجنبی محسوس ہونے لگے۔

''تو پھر میرے بارے میں بھی قسم کھائیے کہ میں نے کبھی کسی کو نقصان پہنچانے کا نہ کبھی پلان بنایا نہ عملاً کچھ کیا۔'' وہ جیسے پھٹ پڑی۔

تیمور علی خان یکدم خاموش سے ہو کر رہ گئے۔

''پھر۔ اس مسئلے کا صرف یہی تو حل نہیں ہے۔''

''مسئلہ تو کسی کے لیے ہے ہی نہیں۔ مسئلہ تو ہے ہی صرف میرا۔ حل بھی مجھے چاہیے۔ حویلی کے ہر فرد کی اپنی اپنی ایک محفوظ اور لگی بندھی زندگی ہے، کچھ عرصہ میرے نقصان پر سب ماتم کر کے پھر مگن ہو جائیں گے۔ آپ لندن تشریف لے جائیں گے، وہاں آپ کی اپنی ایک الگ زندگی شروع ہو جائے گی، میں حویلی سے صرف راشن پانی پاتی رہوں گی اور گاہے میرے ذکر خیر سے محفلوں میں رونق ہو جایا کرے گی۔ یہ ہے میری باقی ماندہ زندگی کا نقشہ۔''

وہ تلخی سے ان کی بات کاٹ کر ایک تسلسل سے بولی۔

''ایسا بھی نہیں ہے۔ آپ کی زندگی بھی نئے موڑ سے شروع ہو سکتی ہے۔ اب سے پہلے ایسا بہت ہوا ہے۔ یہ روئے

زمین کا نیا واقعہ نہیں ہے، دوسری شادی کسی اور سے آپ کی بھی ہو سکتی ہے"

"ہاں ہو سکتی ہے۔ مجھے طلاق ہوئی ہے اور عورتوں کو طلاق ہوتی رہتی ہے۔ لیکن اس طلاق کے پیچھے جو ریزن ہے۔ آپ کی سوسائٹی کی نظر میں اس قدر قبیح فعل ہے کہ بہت وسعت سے مجھے اپنانے والا بھی مجھ سے اس احسان کا خراج مانگتا رہے گا۔

میں کسی ایسے شخص کی رفاقت برداشت نہیں کر سکتی جو رات کو میرے ہاتھ روم جانے پر بھی چونک اٹھے۔ میں کسی کے ساتھ مشکوک زندگی گزارنے سے بہتر یہ سمجھتی ہوں کہ اپنے بچوں کو لے کر ایسی گمنامی کی زندگی میں گم ہو جاؤں کہ مر جاؤں تو رونے والوں میں کوئی میرا جاننے والا نہ ہو۔"

بولتے بولتے نازنین کی آواز بھرا گئی۔

"صرف اور صرف آپ ہی واحد انسان ہیں، جس کی نگاہ میں میری اصلیت روشن ہے اور وہ مجھے وہی سمجھتا ہے جو میں ہوں۔ یا تو میری اتنی مدد کیجئے کہ مجھے حویلی سے بچوں کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکل جانے دیجئے یا پھر۔!"

وہ خاموش ہو کر آنسو پینے لگی۔

"یوگنڈا میں تو قریب کی شناسائیاں نہیں ہیں، ادھر تو صرف آپ کے والدین ہیں اور والدین تو۔"

"جی ہاں۔ وہاں میرے والدین ہیں۔ جن کی نگاہ میں یاور کا امیج اتنا پوزیٹو ہے۔ کہ وہ بھی مجھ میں کچھ ڈھونڈتے رہیں گے۔ صرف ذلت کی شکل بدلے ذلت عزت میں نہیں بدلے گی، دو چار روز کی بات ہو تو انسان بڑے دکھ سے بھی گزر جائے۔ میں اے ٹو زیڈ بے قصور ہو کر کیوں مجرموں کی طرح شرمندگی کی زندگی گزار دوں؟"

وہ پھر رونے لگی۔

"بالفرض ایسا ہو جائے تو کیا زندگی میں کبھی آپ کو افسوس نہیں ہوگا کہ ہمارے ساتھ آپ نے بہت زیادتی کر دی ہے؟" تیمور علی خان نے بہت شکستہ انداز میں پوچھا۔

"نہیں۔ اس لیے کہ آپ نے اپنے بھائی کو سمجھے بغیر اپنی زندگی کے اصول کیوں بنائے، دکھ آدھا آدھا بٹ جائے گا تو وزن کم ہو جائے گا۔ میرے دل پر بددعاؤں کا کام کم پڑ جائے گا۔ بددعا منہ سے نہیں دی جاتی، دکھا دل خود ایک بددعا کی گزر گاہ ہوتا ہے۔"

وہ بدستور رو رہی تھی۔ تیمور علی خان گم صم بیٹھے تھے۔

(کتنا خوفناک موڑ ہے زندگی کا' سارے بے رحم فیصلوں کا رخ ہماری طرف ہے۔)

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہمارا خیال ہے' آپ کی بات ہم تک پہنچ گئی ہے۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔"

نازنین نے سر نہیں اٹھایا بس آنچل سے آنکھیں پونچھتی رہی۔

تیمور علی خان بہت آہستہ آہستہ دروازے کی سمت بڑھے تھے، جیسے وہ کوئی تیسری تجویز بتانے کے لیے ان کو آواز دے

رات کا ابتدائی مرحلہ تھا۔ کھانا کھانے کا سلسلہ ابھی ابھی تمام ہوا تھا۔ تیمور علی خان باپ کے پیچھے پیچھے کمرے میں پہنچ گئے۔ بابا صاحب نے قدرے الجھے ہوئے انداز میں مڑ کر ان کی طرف دیکھا تھا۔ اور اپنا شملہ اتار کر بیڈ کے ایک طرف رکھا۔ اپنے سر پر اس طرح ہاتھ پھیرنے لگے جیسے کچھ جھاڑ رہے ہوں۔

یہ بھی اندرونی خلفشار کا ایک اشارہ ہوا کرتا ہے کہ انسان بے وجہ و بے ترتیب حرکات و سکنات کرتا پایا جائے۔

تیمور علی خان سینے پر ہاتھ لپیٹے اس بات کے منتظر تھے کہ کب ان کو بیٹھنے کا حکم ملے۔

"بیٹھو بیٹے! کھڑے کیوں ہو۔" بالآخر انہوں نے کہا۔

"کیا بات ہے۔ کچھ کہنا چاہتے ہو؟ اتنا تو وہ بھی ادراک کر سکتے تھے کہ بیٹے کو جس امتحان میں ڈال چکے ہیں، وہ کوئی معمولی امتحان نہیں ہے۔ جس میں حواس بھی گم ہو سکتے ہیں اور الفاظ بھی اس لیے بات کی ابتدا میں حوصلہ بڑھانا بھی انہی کے ذمے کا کام ہے۔

"جی!"

"ہوں، تو پھر کہو، جو بھی کہو گے ہم بہت غور سے سنیں گے، تمہارے سامنے تو یوں بھی ہم بہت کمزور پڑ جاتے ہیں۔ تم ہمیں اپنی سب اولادوں میں سب سے زیادہ عزیز ہو۔ یہ بات ہمارے بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ کیوں؟ تمہاری ماں کہتی ہیں شاید اس لیے کہ تم سب سے چھوٹے ہو۔ شاید وہ ٹھیک کہتی ہوں۔" وہ یوں مخاطب تھے جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہے ہوں۔

"بھابی نے بلایا تھا ہمیں۔"

"عالم تاب نے؟"

"جی نہیں۔ ناز بھابی نے۔"

"اب وہ تمہاری بھابی نہیں ہے۔" بابا صاحب گاؤ تکیے سے پشت ٹکا کر نیم دراز ہو گئے۔

"یہ رشتہ بہت مضبوط ہو کر منقطع ہوا ہے۔ وہ یاور بھائی کے بچوں کی ماں ہیں۔ بچے ہمارے بھتیجی بھتیجا ہیں ہمارا خون ہیں اور وہ ان کی ماں ہیں۔ اس لیے۔"

"خیر۔ چھوڑو تم اس بات کو۔ یہ کہو اس نے کیوں بلایا تھا؟"

آپ کی بات ان تک پہنچ گئی ہے" وہ نظریں جھکا کر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئے۔

"انہوں نے تو مجھے حیران بلکہ پریشان کر دیا ہے"

بابا صاحب نے حیرت آمیز انداز میں سوال نظروں سے کیا۔

تیمور علی خان اس طرح خاموش ہو گئے جیسے الفاظ ترتیب دے رہے ہوں۔

''ہم آپ کی بات سن کر پریشان ضرور ہوئے تھے مگر اس قدر نہیں جتنے اب ہیں۔ ہمارا خیال تھا وہ آپ کے اس پر پوزل کو پہلی فرصت میں مسترد کر دیں گی اور معاملہ از خود رفع دفع ہو جائے گا۔ ہم آپ سے غیر ضروری بحث کیوں کریں۔ مگر۔''

وہ بولتے بولتے چپ ہو گئے۔

باباصاحب اسی طرح خاموش تھے، انہوں نے نظریں اٹھا کر گویا تیمور علی خان کو بات جاری رکھنے کا اشارہ دیا۔

''انہوں نے آپ کے پرپوزل سے اتفاق کر لیا ہے۔ اور جو بات بتائی ہیں ہم انہیں تسلیم نہیں کرتے ہمارا خیال ہے، وہ یاور بھائی سے انتقام لینا چاہتے ہیں، اسی لیے انہوں نے یہ پرپوزل منظور کرنے میں ذرا دیر نہیں لگائی۔'' انہوں نے بمشکل اپنی بات تمام کی۔

''ہوں۔ وجوہات کیا بتائی ہیں؟ یہ جان کر ہی ہم تم سے اتفاق کر سکتے ہیں کہ تمہارا خیال درست ہے۔''

انہوں نے کروٹ بدل کر مکمل طور پر ان کی طرف رخ کر لیا۔

تیمور علی خان نے اسی انداز میں بلکہ مزید آہستہ آواز میں نازنین کی کہی ہوئی ایک ایک بات دہرا دی۔

''ہوں۔!'' باباصاحب نے سوچنے کے انداز میں ہنکارا ابھرا۔

''ہم تمہارے خیال سے اتفاق نہیں کرتے، کوئی بھی بات ہو ہمیشہ کے لیے دفن نہیں ہوتی۔ کبھی بھی سامنے آ سکتی ہے، جو امکانات اس نے ظاہر کیے ہیں ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔''

''اب تمہارا کیا خیال ہے؟ اسے حویلی سے نکلنے میں مدد دو گے یا حویلی میں رہنے کا بندوبست کرو گے؟''

انہوں نے بہت رسانیت سے سوال کیا تھا۔

''باباصاحب! یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ پلیز، ہمارا خیال کیجئے۔''

''تم بھی ہماری اولاد ہو اور جواد اور روشانے بھی ہمارا خون ہیں ہمیں ان کا بھی خیال کرنا ہے۔ ہم یا نازنین تمہیں اس بات پر مجبور تو نہیں کر رہے کہ تم عائشہ (لیزا) کو چھوڑ دو۔ بلکہ نوے فیصد تم اس کے رہو اور دس فیصد نازنین کے۔ بچوں کی خاطر، ہماری خاطر، ہم تو تمہیں یہ بھی نہیں کہہ رہے کہ نازیا بچوں کے خرچ حساب کتاب تک تم کرو ہم تمہیں اس ذمہ داری سے بھی سبکدوش کرتے ہیں۔ اپنا بن کے سوچو تیمور۔''

''لیزا کسی صورت میں نہیں مانے گی۔''

''ہم سمجھ لیں گے اسے'' باباصاحب نے فوراً بات کاٹ کر کہا۔

''آپ اسے نہیں سمجھتے، ہم بتا رہے ہیں ناں آپ کو وہ اور طرح کی لڑکی نہیں ہے، اس معاملے میں وہ بالکل عام لڑکی ہے۔ وہ خودکشی کر سکتی ہے۔'' انہوں نے گویا باپ کو ہولایا۔

باباصاحب نے قدرے پریشانی سے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''تو پھر اس کو چھوڑ دو، کیونکہ اس کو چھوڑنے میں کوئی نقصان نہیں ہے، اب اس کے سوا کوئی راستہ نہیں۔'' انہوں نے کتنا

بڑا حتم فیصلہ صادر کیا تھا۔

تیمور علی خان ساکت سے ہو کر باپ کی شکل دیکھنے لگے۔

نہ جانے کیوں آن واحد میں مطربہ ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''میرا بڑا نقصان ہوا ہے تیمور خاناں! مجھے انگاروں میں پھینک کر دوست کی زندگی میں پھول کھلائے تھے؟''

تیمور علی خان جیسے دنوں سے سو رہے تھے ایک دم جاگ گئے۔

''وہ فساد کی جڑ کہاں ہے باباصاحب؟''

''اب کسی کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ مزید تاکید ہے کہ ہم سے اس کے موضوع پر کوئی بات نہ کرے۔'' ان کے لہجے سے ناراضگی جھلکنے لگی۔

''مری نہیں ہے زندہ ہے۔ اپنی طرف سے تو تم نے بھی ہمیں مزید آزمائش میں ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔''

تیمور علی خان خاموش رہے۔

''یہ تو بہت لیٹ ہوا ہے باباصاحب! ہماری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ بہت پہلے اس دنیا سے جا چکی ہوتی۔ اس کے دل کی نہیں ہوئی تھی تو کیا ہوا۔ اس کے ساتھ بھلائی تو ہوئی تھی۔ ورنہ اس کی حیثیت تو یہ تھی کہ اسے کسی کمی، چوکیدار یا سائیس کے پلے باندھا جاتا ہم نے جو کیا، وہ عین نیچرل ری ایکشن ہے''

تیمور علی خان نے خود ہی خاموشی کو توڑ کر بہت اعتماد اور بے نیازی سے جواب دیا۔

''لیکن جب کچھ ہو چکا ہوتا ہے تو نقصانات پر غور کر کے وقت ضائع کرنا حماقت ہوتی ہے۔ نقصان کا توڑ تلاش کیا جاتا ہے۔''

باباصاحب نے زندگی میں بہت اہم اور بڑے فیصلے کیے تھے، عمر جوش کی منزل عبور کر چکی تھی، وہ اتنی آسانی سے جوان خون سے اتفاق نہیں کر سکتے تھے۔

''ہماری آپ سے درخواست ہے کہ آپ فی الحال کوئی حکم صادر نہ کریں اور کچھ غور کریں۔ پلیز۔'' انہوں نے زچ ہو کر استدعا کا انداز اختیار کیا۔

ہوں۔ ہم غور کر چکے ہیں۔ جب غور زیادہ ہوتا ہے تو پھر کچھ نہیں ہوتا۔ ہم تمہیں مشورہ دیتے ہیں کہ سکون سے تھوڑا غور کرو اور خاندان کو سامنے رکھ کر غور کرو، عائشہ کو نہیں۔ دانائی اجتماعی مفادات کو اہم بتاتی ہے۔ اب تم جاؤ۔ آرام کرو۔ ہم بہت تھک چکے ہیں۔ البتہ تھوڑا سکون محسوس کر رہے ہیں۔ کہ ناز نے ہمارا راستہ آسان کر دیا ہے''

وہ دوبارہ سیدھے ہو کر پاؤں پھیلا کر لیٹ گئے اور آنکھیں موند لیں۔

تیمور علی خان بے بسی سے ہونٹ کاٹ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''جب فطری محبت میں بھی اتنا دم نہیں کہ وہ فیصلہ اپنے حق میں کرا سکے تو پھر محبت کے ہونے اور نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے''

انہوں نے کہا اور تیزی سے کمرے سے نکل گئے۔

''اچھا!'' اماں جی کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ ''میری تو نیندیں اڑی ہوئی تھیں کہ بچوں کو لے کر وہ چلی جائے گی، وہ بھی غیر ملک، بچوں کو ترستی ہوئی مر جاؤں گی۔''

''مگر یاور۔؟'' ان کی آواز بھرا گئی۔ اس کی صورت کیونکہ دیکھوں گی، بہت زیادتی ہوئی ہے اس کے ساتھ۔''

''اس نے اپنے ساتھ خود زیادتی کی ہے۔ ہم میں سے کسی پر اعتبار کرتا کچھ کہتا سنتا تو بات سنبھل بھی سکتی تھی'' بابا صاحب نے حقہ گڑگڑایا۔

اگر یہ سب ہو جاتا ہے تو وہ۔''

اس نے اپنی اولاد کی فکر نہیں کی۔ وہ بھی ہمیں کرنا پڑ رہی ہے۔ مگر خیر آئے گا اسے ایک دن ہوش، مگر افسوس وہ کتنا تنہا رہ جائے گا۔''

بابا صاحب نے واقعی بہت تاسف سے کہا۔

''ایسا تو نہیں بات اور بگڑ جائے؟'' وہ پھر خدشات میں گھر گئیں۔

اب بگڑنے کو کچھ نہیں بچا جب ہی تو بگاڑ پر سمجھوتا کر رہے ہیں۔''

انہوں نے پائپ منہ میں سے ہٹا کر بہت بردباری اور متانت سے جواب دیا۔

پھر تو شاید وہ کبھی گھر نہ آئے۔'' اماں جی کو بیٹا یاد آیا تو وہ سب کچھ بھول بیٹھیں۔''

''آئے گا۔ ضرور آئے گا۔ اس کا بھی بندوبست کریں گے کہ وہ بے دھڑک یہاں آنے لگے۔ آپ بے کار اپنا دماغ نہیں الجھاؤ۔ فی الحال تو مشکل حل نہیں ہوئی۔ تیمور راضی نہیں ہے۔ وہ ایک مرتبہ باغیانہ فیصلہ کر چکا ہے۔ اس کی جھجک ٹوٹ چکی ہے۔ اب صرف آپ ہی اس سے بات منوا سکتی ہو۔ یہی سمجھانے کے لیے آپ کو بلایا ہے۔''

انہوں نے اماں جی کی طرف بہت تجزیاتی نگاہ سے دیکھا۔

''میں کمزور سی عورت۔ میری کون سنے گا۔؟'' وہ شکستہ سے انداز میں بولیں۔

''انسان ہار کا اندیشہ رکھ کر میدان میں اترے تو ضرور ہارتا ہے۔ آپ کے پاس محبت کی وہ طاقت ہے۔ جسے آپ کمزوری کہہ رہی ہو۔'' بابا صاحب نے نکتہ سمجھایا۔

''اب تک تو یہ طاقت میرے کسی کام نہ آئی۔ زیتون بانو ہی کو دیکھیں۔ کیا خوب انعام دیا ہے میری محبت کا۔'' ان کی آنکھوں میں اشک چمکنے لگے'' آپ مجھے یہ تو بتائیں کہ وہ ہے کہاں۔''

''اب کوئی ہم سے اس کے موضوع پر گفتگو نہ کرے۔'' بابا صاحب کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔'' سب کو حکم ہے آپ سے درخواست ہے۔'' بابا صاحب کو اماں جی کی سہمی ہوئی صورت پر نظر ڈال کر لہجہ نرم کرنا پڑا۔

''زندہ تو ہے ناں؟'' وہ ڈرتے ڈرتے بولیں۔

''زندہ نہ ہوتی تو ہم یہاں نہیں اسلام آباد میں ہوتے۔ آپ کو بتا رہے ہیں کسی کو پتا نہیں ہے۔ حویلی کے آس پاس بہت دنوں سے باہر کے لوگ نظر آتے رہتے ہیں۔ لوگ بتاتے ہیں کہ وہ دریا بستی کے بندے نہیں ہیں۔ اگر وہ ہمیں پھنسانے کے لیے کوئی چال چلتی ہے تو ہم اس کا بھی بندوبست کر چکے ہیں۔ اور یہ بندوبست اسی وقت فائدہ دے گا کہ وہ زندہ ہو۔ امید ہے آپ کی تسلی ہو گئی ہوگی۔''

کیا وہ اسے اٹھانے کو پھرتے ہیں۔'' اماں جی دہل کر رہ گئیں۔

ہمارا خیال ہے کہ اس کو بیٹی کی بیوگی کی خبر مل گئی ہے کیونکہ جب تک وہ یہاں واپس نہیں آئی تھی۔ اس طرح کے مشکوک بندوں کی خبر بھی نہیں آئی تھی۔ اس طرح کی عورتوں کی بہت پہنچ ہوتی ہے۔ جن کے پاس بہت پیسہ ہوتا ہے وہی ان عورتوں کو پال سکتے ہیں یا جو حکومتمیں بیٹھ کر قلم دوات کنٹرول کرتے ہیں۔''

بہر حال یہ سب آپ کے بکھیڑے نہیں ہیں بس آپ تو ہم پر مہربانی کر دو۔ بیٹے کو کسی طرح راضی کر لو۔ ہم حکم دے کر یہ کام کروا سکتے ہیں۔ لیکن پھر کام کمزور رہے گا۔ پھر اس میں ہمیشہ کا کوئی خطرہ لگا رہے گا اور ساری بھاگ دوڑ بے کار جا سکتی ہے۔''

بابا صاحب نے حقے کا پائپ دوبارہ منہ سے لگا لیا۔

''کوشش کروں گی، ناز نے بھی بچوں ہی کا سوچا ہوگا۔ ورنہ اتنی آسانی سے کیسے راضی ہو جاتی؟'' وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہی تھیں۔''

بابا صاحب جواب میں خاموش رہے۔

''میں چلوں۔ کوئی کام تو نہیں ہے کسی سے؟'' وہ تھکے تھکے انداز میں اٹھ گئیں۔

''نہیں۔ بس یہی کام ہے جو آپ سے کہا ہے۔'' وہ کہہ کر حقہ گڑگڑانے لگے۔

تیمور ماں کے بلاوے پر سمجھ تو گئے تھے کہ ان سے وہ کیا بات کریں گی، مگر یہ بھی خیال تھا کہ شاید کوئی اور بات ہو۔ اور مگر بات ان تک مکمل طور پر پہنچی ہی نہ ہو، دل تو ان کا کئی دنوں سے چاہ رہا تھا کہ ماں کے سامنے دل کا غبار نکال ڈالیں کہ وہ کہاں ماننے والی ہیں۔ زندگی بہت الجھن میں پھنس گئی تھی۔ دو تین دن سے نازنین کی جھلک بھی دکھائی نہیں دی تھی۔ ایسی زندگی تھی جیسے بہتا پانی ایک جگہ ٹھہر گیا ہو، مگر ماں کے پیغام نے جیسے ماحول میں دوبارہ ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔

انہوں نے کھلے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ اماں جی اپنی نماز کی چوکی پر بیٹھی دعا مانگ رہی تھیں۔ وہ اندر آ کر ان کے سامنے تخت پر بیٹھ گئے۔

بہت طویل دعا ہوتی تھی اماں جی کی۔ تمام زندہ اور مرحومین کا ان کی دعا میں حصہ ہوتا تھا۔ اس لیے تیمور علی خان بہت بے چینی سے ان کی دعا مکمل ہونے کا انتظار کرنے لگے

تھوڑی دیر بعد اماں جی نماز کی چوکی سے اتر آئیں۔

''السلام علیکم اماں جی!''

اماں جی نے ان کا چہرہ ہاتھوں پر لے کر پیشانی پر بوسہ دیا۔

''وعلیکم السلام کہاں ہو تم؟ دن بھر دکھائی نہیں دیے؟''

''ابھی تک اس قید خانے میں پھڑ پھڑا رہے ہیں آزادی کے دن بہت یاد آ رہے ہیں اماں جی!'' ان کے لہجے کی شکستگی پر اماں جی تڑپ اٹھیں۔

''ناشکری ہے بیٹھے، گھر میں ہو یہاں سب ہی تم سے محبت کرتے ہیں۔''

''رہنے دیجیے اماں جی۔ ہم باز آئے ان محبتوں سے بہت ٹیکس بھر رہے ہیں ہم ان محبتوں کا'' انہوں نے جھلا کر قطع کلامی کی۔

یک ثانیے اماں جی خاموش سی ہو کر رہ گئیں۔

''آپ نے ہمیں یاد کیا'' ماں کی خاموشی پر جیسے وہ کسی احساس جرم میں مبتلا ہو گئے۔

''یاد تو ہر وقت ہی آتے ہو۔ کیسی مشکل پڑی ہے میرے بچوں پر۔'' اماں جی نے اداسی سے کہا۔

''یوں کہیے بچے کی وجہ سے دوسرے بچے پر۔'' تیمور علی خان کے لہجے میں زہر گھل گیا۔

''یوں نہ بولو بیٹے! میرا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔'' اماں جی کی آواز رندھ گئی۔

''دیکھو بیٹے! مشکل بڑی ہے۔ مگر زندگی کا راستہ بھی اسی میں سے نکالنا ہے۔

اماں جی نے ان کا شانہ تھام کر نرمی سے کہا۔

''ہم سمجھ گئے آپ نے ہمیں کیوں بلایا ہے کم از کم آپ ہم سے اس موضوع پر کوئی بات نہ کریں ہم آپ کے احسان مند ہوں گے۔''

وہ عاجز آنے والے انداز میں گویا ہوئے۔

''مت مارو مجھ کمزور کو، تم سب چاروں طرف سے۔'' اماں جی بھی خلاف توقع ناراض ہو گئیں۔

''اب تو میری اور تمہاری بات ہو گی تو یہی اور اس وقت تک ہو گی جب تک تم ہاں نہیں کرو گے۔

ہم اپنا سامان اپنے گھر میں رکھنا چاہتے ہیں۔''

وہ اسی طرح خفا خفا لہجے میں بولیں۔

''رکھیے شوق سے رکھیے مگر یقین کیجیے ہم بالکل بے گناہ ہیں آپ کی قسم اماں جی!'' اس بار لہجہ ملتجی سا تھا۔

''تو تمہیں قصوروار کون کہہ رہا ہے۔''

''تو پھر سزا کیوں دے رہے ہیں؟ سزا تو قصوروار کو دی جاتی ہے۔'' وہ خفگی بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''میری زندگی ماں تو تیرے دکھ پر اندر سے مر رہی ہے مگر دکھ کتنے ہی بڑے ہوں، اس نے زندگی لکھی ہو تو ... ہے۔''

... ان کے شانے سے پیشانی ٹکائے پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

''میرے اختیار میں ہو تو مر جاؤں۔ بڑے بیٹے معذور بچے دوسرا صحت مند بچوں کا باپ بنا۔ ماشاءاللہ تو انہیں بے سایہ ... اللہ گواہ ہے ہر نماز میں دعا مانگتی ہوں کہ ربنا والا تحملنا مالا طاقۃ لنا بہ (اے ہمارے رب ہم پر ہماری طاقت سے بوجھ نہ ...)

تمہارے پرنانا نے بچپن میں ہمیں سورہ بقرہ کی آخری دس آیات زبانی یاد کرائی تھیں۔ انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ ... ابھی طاقت ہے جب ہی آزمائش ایک کے بعد ایک آ رہی ہیں، مگر کسی وقت میری ہمت جواب دے سکتی ہے بیٹے! ... سنبھال لو۔ یہ گھر بکھر رہا ہے، بات بگڑ رہی ہے۔ اس وقت جس کو ذرا سا بھی ہوش ہے اس پر ذمہ داری بھی بڑی ہے۔ ... وہ تو انگریز ہے۔ اس کی زبان، رہن سہن طور طریقے سب ہم سے الگ ہیں۔ وہ ہماری ہو کر بھی ہم میں سے نہیں ہو ... مگر یہ تو اب ہماری ہے اسے غیر نہ کرو۔''

''یہ سارے بوجھ ہمارے لیے کیوں، وہ جو روپوش ہیں ان کی ذمہ داری کچھ نہیں؟'' تیمور علی خان بات کاٹ کر تلخی سے ... لے۔

''بیٹے! اصول ہے کہ پانی ڈھال کی طرف بہتا ہے۔ اس طرف ڈھال نہیں ہے چڑھائی ہے، تمہاری سمجھ میں بات ... ہے اور کچھ ہو سکتا ہے''

اماں جی محبت بھرے لہجے میں دلیل سے کام لیا۔

''یہ آپ کیسے کہہ سکی ہیں کہ ہماری سمجھ میں بات آ سکتی ہے۔ نہیں آ رہی ہماری سمجھ میں بات۔'' انہوں نے جھلا کر کہا۔

''جان کر انجان بن رہے ہو تیمور! یہ دوسری بات ہے۔'' اس مرتبہ اماں جی کا لہجہ بہت شکستہ تھا۔ ''آپ یقین کریں اماں ... ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ دکھ تو اس بات کا ہے، وہ ہمارے ساتھ اس زیادتی میں کتنی آسانی سے شریک ہو گئیں۔!''

''وہ'' کا صیغہ استعمال ہوا تھا جو اس بات کی علامت تھا کہ ذہن میں چور راستے سے کوئی تبدیلی در آئی ہے وہ افسردگی ... ٹھہر رہے تھے۔

''وہ عورت ہے بیٹے! اس کے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا ہے۔ اسے اس وقت سنبھالا بھی چاہیے اور سہارا بھی۔''

اماں جی نے ابھی تک ہار نہیں مانی تھی نہ ان کا لہجہ تبدیل ہوا تھا۔

''اماں جی! آپ ماں ہیں ہماری، ہماری طرف بھی دیکھیے۔''

''تمہاری ماں ہوں۔ ان بچوں کی بھی تو کچھ ہوں۔''

''کچھ نہیں ہو گا اماں جی! بچوں کے باپ میں اتنے گٹس ہیں کہ وہ بچوں کو اپنی کسٹڈی میں لے سکتے ہیں۔''

''اس کا کیا کروں وہ نہ یہاں رہنے کو تیار ہے نہ اپنے ماں باپ کے پاس جانے کو۔'' اماں جی نے بے چارگی سے ...

''... صاحب چاہیں تو ان کو ہینڈل کر سکتے ہیں مگر آپ لوگ ایسا چاہتے ہی نہیں ہیں۔'' ان کا انداز خفا خفا سا تھا۔

"ٹھیک ہے بیٹے! تم اس کی دربدری پر پرسکون رہ سکتے ہو تو اچھیات میں تمہارے باپ تک تمہاری بات پہنچ دوں گی۔ اب تم جاؤ مجھے کچھ اور نہیں کہنا۔"

انہوں نے پاؤں اوپر کر کے لیٹنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

یہ حلیم الطبع ماں کی خفگی کا بہت واضح انداز میں تھا۔ تیمور علی خان نے اتنی بے بسی محسوس کی کہ جی چاہا خود کو شوٹ کر لیں۔ وہ ست سے انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے اور کچھ بولے بنا باہر نکل گئے۔

عصر کی نماز کے بعد حویلی میں چہل پہل شروع ہو جانا روزانہ کا معمول تھا۔ گاڑیوں کے ہارن بچوں کی اچھل کود چائے کے برتنوں کی کھنکھناہٹ گھوڑوں کی ہنہناہٹ۔

اس لیے سب نہیں تو حویلی کے بہت سے لوگوں نے نازنین کے کمرے سے سامان نکلتا دیکھا۔ تو چونک پڑے۔ ایک بڑا سا سوٹ کیس ایک بیگ ایک پرام۔ جو نوکر اٹھا کر بڑے پھاٹک کے سامنے کھڑے تانگے کی طرف لے جا رہے تھے سیاہ بڑی سی چادر میں آدھا چہرہ چھپائے گود میں روشانے کو لیے جواد کی انگلی تھامے نازنین اپنے کمرے سے نکل کر اماں جی کے کمرے کی طرف بڑھی مگر اماں جی درمیان ہی میں مل گئیں ننگے پاؤں کھلے سر حواس باختہ پیچھے پیچھے عالم تاب، رئیسہ بیگم اور روشن آراء۔

اماں جی نے چیل کی طرح جھپٹ کر جواد کو اپنی جانب کھینچا۔

"کہاں جا رہی ہے بیٹی! بغیر کچھ کہے بغیر کچھ سنے۔"

وہ بھرآئی ہوئی آواز میں مخاطب ہوئیں۔ ان کا پورا وجود سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

"میرا اس گھر سے کوئی رشتہ نہیں اماں جی! مگر میں آپ کی محبتوں کی مقروض ہوں۔ میں بچوں کو آپ سے ملانے کبھی کبھی آ جایا کروں گی۔ مگر اس شرط پر کہ آپ لوگ میرے ماں باپ کو اس حادثے کی اطلاع نہیں دیں گی، اگر آپ لوگوں نے ایسا کیا تو نہ میں اپنے ماں باپ سے ملوں گی اور نہ بچے آپ سے۔"

اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"مگر آپ جا کہاں رہی ہیں چھوٹی بھابی!"

روشن آراء نے آگے بڑھ کر نازنین کے شانے تھام لیے۔

"کیوں کہہ رہی ہیں آپ مجھے چھوٹی بھابی۔ کالک لگی ہے میری شکل پر اور ایسی عورت سے کسی کو رشتہ قائم کرنے میں کوئی خوشی نہیں ہوتی۔"

وہ اسی طرح سرد مہری سے گویا ہوئی۔

"ہمیں پتا ہے تم کیا ہو۔ تم ہماری ہو۔ ہمیں تم پر فخر ہے کہ اتنے آزاد ماحول میں پرورش پانے کے بعد بھی تم نے حویلی میں خوش رہنے کے طریقے سیکھ لیے۔ یہاں کے ہر قاعدے قانون کو اپنایا سب سے بڑھ کر ہم سب کے دل جیت لیے جنہیں

یہ تو ہمارے سینوں میں ٹھنڈک پڑ جاتی ہے۔"

"کہاں اپنایا یہاں کے قانون قاعدوں کو اسی کی تو سزا بھگت رہی ہوں بس اتنی سی غلط فہمی میں ماری گئی کہ ایک اعلا تعلیم یافتہ آدمی کی بیوی ہوں۔ وہ اس دور کی آگاہ اور پُراعتماد عورت کی فضیلت سمجھتا ہے۔ آپ لوگ مجھے نہ روکیں۔ اگر ایسا کریں گے تو بیکار کریں گے کیونکہ مجھے ہر صورت جانا ہے۔ آپ لوگ مجھے الوداع کہہ دیں میں بچوں کو آپ سے ملانے جلد ہی آؤں گی۔" اس کا لہجہ قطعی انداز ظاہر کر رہا تھا۔

اماں جی روتی ہوئی آگے بڑھی تھیں۔ اور نازنین کو لپٹا لیا تھا۔

"میں بے موت مر جاؤں گی میری بیٹی۔"

"یقین کریں اماں جی مجھے آپ کو دکھ پہنچا کر خوشی نہیں ہو رہی، مرا بس چلے تو میں آپکو ہمیشہ کی خوشی دوں آپ کی دعائیں لوں، مجھے جانے دیں۔ اماں جی میں مجبور ہوں۔"

تیمور علی خان تانگے میں سامان دیکھ کر چونکے تو تھے مگر دوسرا خیال یہی آیا تھا کہ شاید کوئی مہمان آیا ہے۔ مگر ہال کے سامنے کشادہ اور طویل راہداری میں ان سب کو کھڑا دیکھ کر خاص طور پر سیاہ چادر میں چھپی ہوئی عورت کے گلے لگی روتی ہوئی ماں کو دیکھ تو جیسے ان میں بجلی سی بھر گئی، جواد کو رئیسہ بیگم نے گود میں اٹھا لیا تھا۔

"کیا ہوا ہے بھابی بیگم؟" وہ بری طرح پریشان ہو گئے۔

"نازنین جا رہی ہے۔ تم بھی خدا حافظ کہہ دو۔"

رئیسہ بیگم نے شکایتی سے انداز میں بھائی کو جیسے کچھ جتایا۔ جیسے واقعی وہ اس حادثے کے ذمہ دار ہوں۔

"کہاں؟" ان کی مضبوط اعصابی قوت امتحان میں پڑ گئی۔

"یہ نہیں بتا رہی۔"

"کیوں!" وہ درحقیقت بری طرح پریشان ہو رہے تھے۔

"کیا کیوں لگا رکھی ہے۔ جاؤ تم اپنا کام کرو۔"

رئیسہ بیگم نے جواد کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے ناراض لہجے میں کہا۔

"تو کیا بچوں کو بھی۔"

"حد ہو گئی سیلفش نیس کی۔" روشن آرا نے کچھ جتانے کے انداز میں بھائی کو گھورا۔

"یعنی تمہاری طرف سے یہ چلی جائے، بچوں کو چھوڑ جائے؟ بچے اتنے چھوٹے ہیں کہ انہیں ماں سے جدا کرنا گناہ کبیرہ کے برابر ہے۔ ہم تو اس کے ساتھ یہ ظلم نہیں کر سکتے۔ اول تو ہم اسے جانے ہی نہیں دے رہے، بالفرض اگر یہ جاتی ہے تو بچے اس کے ساتھ جائیں گے۔ ہمیں بچوں سے کتنی محبت سہی مگر ہم اس سے زیادہ تو اس کی اولاد کو نہیں چاہ سکتے۔" عالم تاب نے بھی گویا ان کی جھاڑ جھپاڑ کی۔

اماں جی نے ہنوز نازنین کا سرا اپنے سینے سے لگا رکھا تھا۔

"ہمارا مطلب یہ نہیں تھا۔"

"تیمور! تم ہمارے معاملات میں حصہ نہ لو۔ کیوں اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہو۔" رئیسہ بیگم نے بھی بھاوج کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"آپ کو اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔" تیمور علی خان نے بہت دکھ سے نازنین کو مخاطب کیا۔

"پھر کس طرح کرنا چاہیے۔ مزید مفت کی ذلت کا انتظار کرنا چاہیے؟"

اس مرتبہ اماں جی بولی تھیں' اور نازنین نے ان کی طرف حد درجہ عقیدت و محبت سے دیکھا تھا۔ اس کے لبوں تک آیا جملہ اماں جی نے کہہ دیا تھا۔

"خدانخواستہ۔ اگر یہ اپنے گھر جانا چاہتیں تو ہم خود سارے انتظامات کرتے، مگر اس طرح تو ہم بھی انہیں نہیں جانے دیں گے۔ پلیز آپ اپنے کمرے میں چلئے، اماں جی سامان اتر وائیے۔"

"ہم جواد کو لے کر باہر جارہے ہیں۔" انہوں نے جواد کی طرف ہاتھ بڑھائے۔

"میں بچی نہیں ہوں، جو آپ کے الفاظ کے ہیر پھیر میں الجھ جاؤں۔ آپ مجھے نہیں روک سکتے۔ آپ لوگ مجھے مزید پریشان نہ کریں حق مہر کا چیک میرے پاس ہے میں بچوں کی کسٹڈی کا مقدمہ لڑ سکتی ہوں۔

آؤ جواد! اس نے بیٹے کو پھوپھی کی گود سے اتارنے کی کوشش کی۔

"ہم بابا! صاحب کو لے کر آتے ہیں تب تک آپ انہیں رد کیے۔" تیمور علی خان کو یہی حل سجھائی دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے بابا صاحب کو بلانے کی۔ بات نہ الجھائیں کوئی فائدہ نہیں۔ آؤ بیٹے! اس نے پھر جواد کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

رئیسہ بیگم نے روشن آراء کو آنکھ بچا کر اشارہ کیا کہ وہ بابا صاحب کو بلا لائیں۔

اس طرح جانا مناسب نہیں ہے ناز۔ آرام سے بیٹھ کر بابا صاحب سے بات کرو۔ وہ تمہاری ہر ممکن مدد کریں گے۔ تمہاری بات سنیں گے۔ کوئی ایسا حل نکالیں گے جو تمہارے حق میں ہر طرح سے بہتر ہوگا۔"

رئیسہ بیگم نے بہت نرم لہجے میں بہت اپنائیت کے ساتھ اسے سمجھایا۔

روشن آراء اس موقع سے فائدہ اٹھا کو کھسک گئی تھیں۔

تیمور علی خان اب خاموش کھڑے تھے۔

"آؤ بیٹی! تم میرے کمرے میں چلو۔ آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

اماں جی نے اسے شانوں سے تھام کر کہا۔

"مجھے معاف کر دیجئے اماں جی! اب بس مجھے جانے دیں۔" نازنین کی نرمی میں ضد پوشیدہ تھی۔

"ہاں تو ٹھیک ہے۔ ہم تمہیں یہاں نہیں رکھیں گے۔ خود گھر ور کا انتظام کر کے دیں گے۔" عالم تاب نے چنگھاڑنے کے انداز میں کہا۔

تیمور علی خان نے الجھ کر عالم تاب کی طرف دیکھا۔ انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں زبان بندی کا اشارا کیا۔

اسی دوران بابا صاحب چھڑی ٹکا کر تیز تیز چلتے ہوئے ان کی طرف آتے دکھائی دیے۔ روشن آراء ان کے ہمراہ نہیں تھیں۔

نازنین نہیں اچانک سامنے دیکھ کر ایک لمحے کو تو چکرا کر رہ گئی۔ اس نے آج تک ان سے بھی دو بدو بات نہیں کی تھی۔"

"یہ کیا ہوگیا۔؟؟" وہ انجان بن کر پوچھ رہے تھے، روشن آرا نے نہایت اختصار سے انہیں مکمل رپورٹ دے دی تھی۔ ان کا تو بلڈ پریشر ہائی ہوگیا تھا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اور کانوں کی لوؤں سے لگتا تھا۔ خون ٹپک رہا ہے۔

"یہ جانے کا کون سا انداز ہے ناز۔ ہمیں تمہارے اس اقدام سے بہت دکھ ہوا۔"

"سب کے دکھ دور ہو جائیں گے۔ مگر میرے دکھ میری موت تک بڑھتے رہیں گے۔"

نازنین نے بے بسی سے کہا۔ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"ہم تمہیں اس طرح کیسے جانے دے سکتے ہیں؟ اگر تم یوگنڈا جانے پر راضی ہو، تو ہم انتظام کیے دیتے ہیں۔" انہوں نے بمشکل خود پر قابو پایا۔

"اگر وہاں اس حادثے کی اطلاع ہوئی تو میں زہر کھا لوں گی۔"

بابا صاحب ایک ثانیے کو خاموش ہو کر رہ گئے۔ سب کھڑے ہوئے افراد ان کی شکل دیکھنے لگے۔ "تم بے قصور ہو۔ عزت کی بربادی ہے ہم چاہتے ہیں کہ کسی بھی صورت تمہارے تحفظ کا بندوبست کریں۔ تم نقصان کے سودے اپنے ساتھ لے کر چلی گئیں۔ تو ہم خود کو کبھی معاف نہیں کر سکیں گے۔"

"عزت اور موت کا نقصان کبھی پورا نہیں ہوتا۔ یہ ہمیشہ کے نقصان ہوتے ہیں بابا صاحب۔"

نازنین کے رخساروں پر اشک رواں ہو گئے۔ چاروں طرف بھیانک سناٹا چھا گیا۔

"آپ اسے اپنے کمرے میں لے کر چلو۔ اس کو اچھے کپڑے پہننے کو دو۔ خوشبو لگاؤ۔ دلہن بناؤ۔" وہ اماں جی سے مخاطب ہوئے۔

"جاؤ تیمور! تم بھی نہا دھو کر تیار ہو جاؤ۔ مغرب وعشاء کے درمیان تمہارا نکاح ہے۔ اپنے دو تین دوستوں کو بلاؤ۔" پھر وہ عالم تاب کی سمت بڑھے" کھانے میں اچھا سا میٹھا بنواؤ۔ خوشی کی تقریب میں خوشی نظر آنا چاہئے۔ اسے ہمارا حکم سمجھا جائے۔"

وہ چھڑی ٹکاتے ہوئے واپس پلٹ گئے۔ تیمور علی خان تو سکتے کی کیفیت میں باپ کو جاتا دیکھتے رہے، رئیسہ بیگم نے روشانے کو اپنی گود میں لے لیا۔

نازنین کی کیفیت اس کی اپنی سمجھ سے بالاتر تھی۔ اس کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے وجود کی کائی کٹ رہی ہو۔ وہ نکھر کر دوبارہ منظر پر طلوع ہو رہی ہو۔

"آخر کر دی تمہاری ساری زندگی حرام یاور علی خان تمہاری اولاد۔ تمہاری جاگیر، تمہارا بھائی سب کچھ میرا ہے۔ تم نے

بڑی بے رحمی سے میرے سر سے چادر اتار دی تھی۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح میرے دل کی عدالت میں بے گناہ ثابت ہو جاؤ۔ اور یہ نہ ہو جو میں مجبوراً چاہ رہی ہوں۔ مجبوری یہ ہے کہ میں اپنے اندر کی کھولن کو ٹھنڈا نہیں کر پا رہی۔ یہ تب ہی ٹھنڈی ہو گی جب تمہاری ہمیشہ کی نیندیں حرام ہوں گی۔"

"آؤ بیٹی! اندر چلتے ہیں۔" اماں جی نے اسے تھام کر بہت محبت سے کہا۔

نہ جانے کیوں تیمور کی طرف دیکھ کر انہیں یوں محسوس ہوتا۔ کہ ان کا دل کسی اتھاہ میں اترتا جا رہا ہو۔

"اگر میں ایسی ہوں جیسا تم نے سمجھا اور مجھ پر طلاق کا داغ لگایا تو پھر ایسی ہی سہی۔"

وہ اماں کے ساتھ چلتے ہوئے طمانیت سے سوچ رہی تھی۔

"آج ہی کیوں۔ دو چار روز بعد چلے جائیں گے۔" اماں جی نے ہچکچا کر دلاور علی خان کی طرف دیکھا۔

"نہیں آج ہی۔ آج کہانی کا باب مکمل ہوا۔ نئی کہانی۔ نئی جگہ سے۔ آپ اگر کچھ روز ان کے ساتھ گزارنا چاہتے ہو تو ان کے ساتھ چلی جاؤ۔ ہماری طرف سے اجازت ہے۔ فی الحال ہم بچے ان کے ساتھ نہیں بھیج رہے تا کہ وہ دونوں چند دن بالکل تنہا رہیں۔ اور ایک دوسرے کے لیئے گنجائش پیدا کریں۔ اور حقیقت کا سامنا کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں اور دور تک کی سوچیں۔

ہمارا خیال ہے ان دونوں کے درمیان آپ کی موجودگی انہیں اپنی ذمہ داری کا احساس دلانے میں کارآمد مفید رہے گی۔"

وہ کہہ کر اس طرح خاموش ہو گئے جیسے اب ان کے پاس کہنے کو کچھ نہ رہا ہو۔ اماں جی زینے کی طرف بڑھ گئیں۔

تیمور علی خان کا کمرہ کھلا ہوا تھا۔ رئیسہ اور بصیر علی خان کی دلہن دروازے ہی میں کھڑی تھیں۔

"خیریت اس طرح بیچ دروازے میں کیوں کھڑی ہو۔" وہ حیرانی سے بولیں، آواز میں افسردگی کا تاثر بھی تھا۔

"بہت رو رہی ہے ناز۔ دو مرتبہ بے ہوش ہو چکی ہے۔ ابھی اسے سکون کی دوا دے کر لٹایا ہے۔"

دیکھو نو بے ہوش تو نہیں ہے" اماں جی گھبرا گئیں۔

تیمور کہاں ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ ابھی تو سوٹ کیس پیک کر رہے تھے۔" بصیر علی خان کی دلہن بولیں۔

"اچھا میرے بھی دو تین جوڑے رکھ دو۔ اماں جی بہت اداس نظر آ رہی تھیں۔

"آپ کے۔ کیوں؟" رئیسہ بیگم حیران ہوئیں۔

تمہارے بابا صاحب کہہ رہے ہیں۔ کہ مجھے ساتھ جانا چاہئے۔"

اسی لمحے تیمور علی خان تیزی سے اپنے کمرے کی سمت آتے دکھائی دیے۔

انہیں دروازے میں کھڑا دیکھ کر ٹھٹکے، پھر بغیر بات کئے انکے درمیان راستہ بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کمرے میں

...ہونے لگے۔

وہ سب بھی ان کے پیچھے کمرے میں داخل ہو گئیں۔

نازنین پر خوبصورت کھیس ڈالا ہوا تھا۔ دلہن بننے کی کوئی علامت اس کے چہرے پر نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ بالوں ...پھول لگے ہوئے تھے۔ تیمور علی خان وارڈ روب کھول کر کچھ تلاش کر رہے تھے۔

"...مرد کھانا کھا رہے ہیں تم پہلے کھانا کھا لو تیمور۔" رئیسہ بیگم نے انہیں متوجہ کیا۔

"بھوک نہیں ہے ہمیں۔" وہ سپاٹ لہجے میں کہہ کر پھر ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگے۔

"تھوڑا بہت تو کھا لو بیٹے۔ بہت دور جانا ہے۔" اماں جی کا انداز خوشامدانہ سا تھا۔

تیمور علی خان نے کچھ نکال کر وارڈ بند کی، ایک نگاہ نازنین پر ڈالی۔

"سفر بہت دور کا ہے بی بی جان، اگر ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو۔"

"...اب تو بہت دنوں تک اس کی طبیعت اسی طرح رہے گی۔ تھوڑا تماشا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ بڑی گاڑی ہے، پیچھے لیٹ ...جائے گی، تم فکر نہ کرو۔"

انہوں نے دکھ بھرے انداز میں تسلی دی۔

تیمور علی خان نے ماں کی طرف دیکھا۔

"خوش ہیں ناں اماں جی آپ؟" ان کے انداز میں جانے کیا تھا۔ اماں جی تیزی سے آگے بڑھیں۔ اور ان کا سر سینے ...سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ "بیٹھے احسان کیا ہے تو بار بار نہ جتانا اماں جی مر جائے گی۔"

"اماں جی۔ چپ ہو جائیں۔" رئیسہ بیگم نے گھبرا کر پہلے نازنین کی طرف دیکھا، پھر دونوں کو الگ کیا۔

"اب اتنے بھی کمینے نہیں ہیں اماں جی! کہ آپ سے بدلے لیں۔" تیمور علی خان نے انگلیوں کی پوروں سے ماں کے اشک صاف کیے۔

"میں صدقے جاؤں اپنے بچے کے۔" وہ پھر رونے لگیں۔

"تم تھوڑا سا کھانا کھا لو تیمور۔" رئیسہ بیگم نے اصرار کیا۔ "ورنہ اماں جی بوجھ محسوس کرتی رہیں گی۔"

"ٹھیک ہے ہم کھا لیں گے، آپ فکر نہ کریں۔" وہ اپنا سوٹ کیس کھولنے لگے۔

"ناز کا سامان رکھ دیا رئیسہ۔؟" اماں جی نے پوچھا۔

"جی وہ تو شام ہی کو رکھ دیا تھا۔ ماما ساتھ جائے گی۔ آپ فکر نہ کریں۔ وہ سب سنبھال لے گی۔ انہوں نے اماں کو تسلی دی۔

اسی لمحے نازنین کسمسا کر اٹھ بیٹھی۔ اور سر جھٹک کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

"کیا ٹائم ہوا ہے؟ میں کہاں ہوں۔" وہ گھبرا کر پوچھ رہی تھی۔

وہ سب تیزی سے اس کی طرف بڑھیں۔

''تم یہاں حویلی میں ہو۔ تیمور کے کمرے میں۔'' یہ کہتے ہوئے رئیسہ بیگم کے دل کو کچھ ہوا۔

اور نازنین گویا ایک دم حواسوں میں آگئی۔ ''اماں جی! روشانے کہاں ہے؟''

''وہ عالم تاب کے پاس ہے بیٹی۔ دودھ پی کر سو چکی ہے۔''

''اماں جی میں بچوں کو یہاں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ مجھے وہم آ رہے ہیں۔''

اس نے اماں جی کی طرف التجا کے انداز میں دیکھا۔

''ارے نہیں بیٹی۔ بچے اپنے گھر میں ہیں۔ تمہارے بابا صاحب کی تو جان ہے بچوں میں۔ جب وہ باری کو اتنا پیار کرتے ہیں تو پھر روشی اور جواد تو ان کی اولاد ہیں تم فکر نہ کرو۔''

اماں جی نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''میرا دل نہیں مان رہا۔'' وہ ضد کے انداز میں گویا ہوئی۔

''تمہارے بابا صاحب کا حکم ہے بیٹی؟ انہوں نے سوچ سمجھ کر ہی کہا ہوگا'' انہوں نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''جواد تو پھر بھی بڑا بچہ ہے اماں جی! روشی بہت چھوٹی ہے مجھے چین نہیں آئے گا۔''

''اماں جی! آپ بچوں کو ساتھ لے چلیں۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

تیمور علی خان نے مداخلت کی۔ ''اور پھر سب کچھ بچوں کے نام پر تو ہوا ہے۔ ہم بھی بچوں کو یہاں چھوڑنے کے حق میں نہیں ہیں۔''

وہ کسی کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گئے۔

کمرے میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔

''کتنا اونچا ہو گیا ہے، ایکا ایکی مرا تیمور۔ رئیسہ! سب سے چھوٹی اولاد ہے یہ میری۔ سب کا پیارا، آنکھوں کا تارا۔ اور کام بڑے پڑ گئے ہیں اس پر۔''

اماں جی روتی ہوئی بڑبڑاتی ہوئی خود بھی باہر نکل گئیں۔

سرائے آئے انہیں ایک ہفتہ ہونے کو آیا تھا۔ ماما بلی اماں جی بچوں کے ساتھ لگی رہتی تھیں۔ نازنین زیادہ تر اپنے بیڈ روم میں بند رہتی تھی۔ تیمور علی خان دن کی روشنی میں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ رات کے پہلے پہر ان کی جیپ پورٹیکو میں داخل ہوتی تھی۔

آج تو کچھ زیادہ ہی وقت ہو گیا تھا۔ پریشانی فطری تھی۔ روشی کو ایک نظر دیکھ کر جب وہ واپس آئی تو دل بڑا پریشان سا تھا۔ وہیں دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

تیمور علی خان جانے کب خاموشی سے اوپر چلے آئے تھے۔

''خیریت۔ یہاں اس طرح کیوں کھڑی ہیں آپ''؟ وہ چونک پڑے۔

''ایسے ہی۔'' وہ سرد آہ بھر کر دروازے سے ہٹ گئی۔

''آپ لندن کب جا رہے ہیں۔'' اس نے گیلے بالوں کا جوڑا کھول کر بال پھیلائے اور پنکھے کی ہوا میں سکھانے لگی۔

''ہم نہیں جا رہے۔'' انہوں نے کوٹ اتار کر بیڈ کی طرف اچھالا۔ جو فوراً ہی نازنین نے آگے بڑھ کر اٹھا لیا اور ہینگ کرنے لگی۔

''اب آپ کو چلے جانا چاہیے۔''

تیمور علی خان نے ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے قدرے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔ زرد کرتے' سرخ دوپٹے شلوار میں ملبوس گھٹنوں سے نیچے لٹکتے ہوئے ریشمی سیاہ گھنے بال میک اپ سے عاری سادہ مگر ہوش ربا چہرا۔ رشتہ بدل گیا تھا۔ تو دیکھنے کا انداز بھی بدل گیا تھا۔ کسی طرح بھی دو بچوں کی ماں محسوس نہیں ہوتی تھی۔ رشتہ ابھی صرف کاغذ پر نقش ہوا تھا۔ ذہن پر ابھرے نقش اتنی آسانی سے نہیں مٹتے۔

انہیں یاد تھا لیزا اسے نکاح کے بعد اس سے ملاقات کی کس درجہ بے قراری تھی۔ ایک ایک پل پہاڑ بن کر گزر رہا تھا۔ لیزا ان کی شدتوں پر گھبرا اٹھی تھی۔ باقاعدہ اس نے ہاتھ جوڑے تھے۔ اور وہ اس کی اس ادا پر نثار ہو کر رہ گئے تھے۔

مغربی لڑکی کا کس درجہ مشرقی حیا آمیز انداز تھا۔

ناز سے ان کے نکاح کو سات دن ہو گئے تھے۔ رات کے آخری پہر بستر پر آتے ہوئے وہ ایک نامعلوم سے احساس جرم میں گرفتار ہو جاتے تھے صبح آنکھ کھلتی تو وہ بستر پر نہیں ہوتی تھی''

نازنین ان کے اس طرح دیکھنے پر گھبرا سی گئی تھی۔

''کیوں اب ہمیں کیوں چلے جانا چاہیے؟''

''وہ آپ کا دن گن گن کر انتظار کر رہی ہو گی۔ اور پھر سب کچھ قابو میں آ چکا ہے۔ یہی میرا گھر ہے۔ یہی میری مرقد ہے۔ میں ہمیشہ ہمیشہ آپکی مشکور رہوں گی۔ اور اتنا یقین رکھیے۔ کبھی بھی آپ کی پر سکون زندگی اور خوشیوں بھری زندگی میں کوئی الجھن ڈالنے درمیان میں نہیں آؤں گی۔ میرے لیے یہ احساس ہی کافی ہے کہ میں بے ٹھکانہ نہیں ہوں۔ یہ سرائے ہے گھر اوروں کے لیے۔ میں احساس ملکیت عطا کرنے پر ایک بار پھر آپ کی مشکور ہوں۔

بری عورت سے کوئی شریف مرد شادی نہیں کرتا۔ آپ نے مجھ سے نکاح کر کے مجھ پر پڑے چھینٹے بہت حد تک صاف کر دیے ہیں۔ اس حد تک کہ نفسیاتی طور پر میں جس احساس بے بسی و تنہائی سے دوچار ہو گئی تھی، وہ دور ہو چکا ہے۔ اب آپ لندن چلے جائیں اور اپنی حقیقی زندگی گزاریں۔''

وہ کوٹ لٹکا کر پھر پنکھے کے نیچے کھڑی ہو گئی۔

''بس۔؟'' تیمور علی خان نے ٹائی بھی بستر پر اچھال دی۔ اور شرٹ اتارنے لگے، روزانہ وہ لباس تبدیل کر کے اسٹڈی میں چلے جاتے تھے، مگر آج بیڈ پر بیٹھ گئے۔ جیسے انہیں کہیں جانے کی جلدی نہ ہو۔

''بس۔'' وہ انہی کے انداز میں گویا ہوئی۔

''نکاح ایک ذمہ داری کا نام ہے۔ ہم اسے کھیل تماشا نہیں سمجھتے۔'' وہ بردباری سے گویا ہوئے۔

''مگر یہ نکاح اور طرح کا ہے۔ اس میں سیکنڈ پارٹی آپ سے کوئی تقاضا نہیں کر رہی۔''

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی۔ اتنی رات کو دونوں ہی چونک پڑے تھے۔

یہ بھی طے ہو چکا تھا کہ وہ کبھی ڈائریکٹ فون ریسیو نہیں کرے گی۔ اس لیے وہ اسی انداز میں بیٹھی رہی تیمور علی خان نے ہی آگے بڑھ کر فون اٹھایا تھا۔

''ہیلو۔ السلام علیم۔ کیا حال ہیں۔ اتنی رات کو فون کیا آپ نے خیرت۔؟''

''کب۔؟ ابھی۔ ابھی۔ لگ گیا ان کا سراغ۔ ہمارے حصے کی جنگ ان سے لڑنا اب آپ پر فرض ہے، اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو یہ بے مثال ناانصافی ہوگی۔''

''جی۔ جی۔ ہم سن رہے ہیں۔''

''ایسا نہیں ہو سکتا وہ قیامت تک اس پر راضی نہیں ہوں گی، ظاہر ہے آپکی خاندانی آن محفوظ ہوگئی کوئی عورت ہمارے خاندان میں آ کر واپس غیر خاندان میں نہیں گئی، آپ کا کام ہو گیا، اس لیے آپ ان کی وکالت کر رہے ہیں، بچے ان کے پاس نہیں جائیں گے، وہ کسی قیمت پر رضامند نہیں ہوں گی۔''

''جی۔؟ وہ پریشرائز کر رہے ہیں آپ کو۔ آپ ان سے پوچھیے پہلے ان پوائنٹس پر غور کیوں نہیں کیا تھا۔ بچے یہیں رہیں گے ان سے کہیے جو کرنا ہے کر لیں۔''

''نہیں بس۔ پلیز آپ بہت کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہیں کر سکتے ہیں۔''

''جی۔ جی۔ جی ہاں۔ ہم سن رہے ہیں۔ تو ٹھیک ہے انہوں نے کسر ہی کیا چھوڑی ہے، یہ تماشا بھی کر کے دیکھ لیں ہل لیں گے ہم انہیں کورٹ میں۔'' تیمور علی خان نے شدت جذبات میں ہونٹ کاٹے۔

نازنین سینے پر ہاتھ دھرے ساکت وصامت کھڑی تیمور علی خان کی سمت دیکھ رہی تھی۔

تیمور علی خان فون بند کر کے اس کی سمت متوجہ ہوئے تو اسے پتھرائی ہوئی حالت میں دیکھ کر ایک دم کھڑے ہوئے۔ اس کی طرف بڑھے اور بے ساختہ اسے شانوں سے تھام لیا۔

''کچھ نہیں ہوگا پریشان نہ ہوں ڈونٹ وری۔ ہمیں اندازہ تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ ہم تو منتظر تھے کہ کچھ ان تک پہنچے وہ منظر پر آئیں اور یہ معاملہ بھی ہمیشہ کیلیے نمٹ جائے۔ آخر کب تک انڈر گراؤنڈ رہتے؟ یا شاید انہیں ہوش ہی اب آیا ہو کہ بچے یوگنڈا نہ پہنچ گئے ہوں۔ مگر اتنا اندازہ تو انہیں بھی ہوگا کہ بابا صاحب کے جیسے جی بچے حویلی سے باہر نہیں جا سکتے۔ ان کے حساب سے تو آپ یوگنڈا پہنچ چکی ہوں گی۔''

''تیمور! مجھ پر احسان کی انتہا کر دیجئے۔ بچوں کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل کر دیجیے۔'' اس نے تیمور علی خان کی سمت التجا کے انداز میں دیکھا۔

''آپ کیوں وقت سے پہلے اتنا پریشان ہو رہی ہیں۔ ایزی پلیز۔''

میں آپ کو بتا رہی ہوں تیمور۔ اگر مجھ سے۔ بچے چھین لیے تو میں حویلی والوں کے لیے بھی مر جاؤں گی۔ بچے میرے ہی ہوں گے۔ تو کم از کم وہ اپنی ماں کو جانیں گے تو سہی۔ سمجھیں گے تو سہی۔ ______ جوان ہو کر انہیں معلوم ہوگا کہ ان کی ماں ان کے چچا کے نکاح میں ہے جبکہ باپ زندہ ہے تو وہ اپنے باپ کی طرح مجھ سے پیش آئیں گے۔ میں بالکل خالی ہو جاؤں گی تیمور۔ وہ میرے پاس ہوں گے۔ تو میں انہیں اسٹیپ بائی اسٹپ تمام صورت حال تو سمجھا سکوں گی۔ پلیز تیمور۔''

''ہم نے آپ سے کہا ناں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ انہوں نے ایک جذباتی لمحے میں ٹھہر کر دور تک راستے دشوار کر دیے ہیں۔ ہم انکی زندگی میں کوئی آسانی آنے نہیں دیں گے، اطمینان رکھیے۔''

جذبات کی شدت سے ان کا چہرہ تمتمانے لگا۔

''اور کیا کہہ رہے تھے بابا صاحب؟'' اس نے خوف زدہ ہرنی کی طرح تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

''کچھ نہیں۔ یہی کہ بیوروکریٹ صاحب فرما رہے تھے۔ بچے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ان تک پہنچ جائیں ورنہ قانونی مدد سے وہ بہت آسانی سے بچے حاصل کر لیں۔ گے۔ اور یہ کہ مقدمہ میں ہم کمزور پارٹی ہیں۔ کوئی اچھا وکیل سرے سے مقدمہ لے گا ہی نہیں، کیونکہ ان کی ایکس وائف ان کے حقیقی بھائی کے نکاح میں ہے جو کیریکٹر وائز از خود۔''

جب ہمارا مقدمہ ہی کمزور ہے تو آپ مجھے جھوٹی تسلیاں کیوں دے رہے ہیں؟''

نازنین کا دل بیٹھنے لگا، یہ سب سن کر۔ اس نے بے تابی سے ان کی بات کاٹ دی تھی۔

یہ تو ان کا جائزہ ہے غور کرنے پر پوائنٹس ہمارے ذہن میں بھی آ سکتے ہیں۔ اس لیے ڈونٹ کیئر۔ کوئی ضرورت نہیں زیادہ سوچنےکی، ہم دیکھ لیں گے سب۔ اب آرام کیجئے۔

''میری تو پھر نیند اڑ گئی ہے۔ اور کیا انہیں پتا چل گیا ہے کہ۔''

وہ کہتے کہتے جھجک کر رک گئی۔

''ہوں۔ تب ہی تو سختی سے ایکشن لے رہے ہیں۔'' تیمور علی خان کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

چھن چھن۔ اندر کہیں دہکتے کوئلوں پر پانی کے چند چھینٹے پڑے۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے تیمور۔!'' اس کا دل کانپنے لگا۔

''کچھ نہیں ہوگا۔ ہمیں کچھ اندیشے تھے، اسی وجہ سے ہم لندن نہیں گئے۔'' وہ گویا ہوئے۔

''اسی وجہ سے صرف۔؟'' نازنین کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

''ظاہر ہے۔ یہ وجہ کوئی چھوٹی وجہ نہیں۔''

''یہ بھی ٹھیک کہا آپ نے بچوں کے صدقے میں کھونٹا ملا ہے۔ اللہ میرے بچوں کو ہر وہ خوشی دے جو مجھے نہیں ملی۔''

وہ آگے بڑھی اور برتن اٹھا کر بال سلجھانے لگی۔

تیمور علی خان یکدم گم صم سے ہو گئے تھے۔

چند دن بہت خاموشی سے گزرے تھے، مگر دلوں میں طوفان برپا رہے تھے، فون کی ہر بیل پر نازنین کا دل اچھل کر حلق میں آ جاتا تھا۔ تیمور علی خان پہلے کی نسبت اس کا بہت خیال رکھ رہے تھے۔ اماں جی بچوں کو لے کر اسی کے پاس بیٹھی رہتی تھیں۔ خالہ کا دل اماں جی کے بغیر نہیں لگ رہا تھا۔ یوں بھی مطربہ کے غائب ہو جانے کے بعد وہ بہت چپ اداس اور بیمار سی نظر آنے لگی تھیں۔

اس لیے دلاور علی خان سے اجازت لیکر وہ بھی سرائے آ گئی تھیں۔ نازنین کے سامنے اس طرح بیٹھتی تھیں۔ جیسے اس حادثے کی سب سے بڑی ذمہ دار وہی ہوں۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ حویلی میں روشنیاں جل چکی تھیں۔ نازنین اماں جی اور بچوں کے ساتھ لان میں بیٹھی تھیں اسی دم گیٹ پر کوئی بھاری انجن کی گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی ہارن بجا۔ چوکیدار کسی کونے سے نکلکر بھاگا۔ اور چھوٹی کھڑکی کو کھول کر باہر جھانکا نازنین اور اماں جی اسی سمت دیکھ رہی تھیں۔

چوکیدار کی پھرتی بتا رہی تھی کہ آنے والا اہم اور جانا پہچانا ہے۔ گیٹ کھلا بجائے گاڑی اندر آنے کے صرف دلاور علی خان اندر داخل ہوتے دکھائی دیے نازنین اور اماں جی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

دلاور علی خان چھڑی زمین پر ٹکاتے تیز تیز قدم رکھتے ان کے قریب پہنچے۔

''السلام علیم!'' نازنین نے سر پر آنچل ڈال کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔ خوش رہو۔'' انہوں نے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔

''تیمور کہاں ہے؟'' انہوں نے ادھر ادھر نظر دوڑا کر عجلت بھرے انداز میں پوچھا۔

''خیریت۔؟'' دونوں ساس بہو دھک سے رہ گئیں۔

''وہ تو ابھی نہیں آیا۔ رات ہی کو آتا ہے۔'' اماں نے بتایا۔

دلاور علی خان نے سرسری نگاہ نازنین کے چہرے پر ڈالی۔ اس کا کوئی کونٹیکٹ نمبر۔؟''

''جی مجھے تو پتا نہیں۔ کبھی دھیان ہی نہیں آیا'' وہ یوں بولی جیسے کسی غلطی کا اعتراف کر رہی ہو۔

''اچھا۔ بیٹی ہماری بات غور سے سنو، اصل معاملہ تو تم ہی سے ہے۔''

نازنین کا دل اور تیزی سے دھڑکنے لگا، یوں بھی بابا صاحب کے انداز شروع سے ہی کھٹک رہے تھے۔ وہ خوف زدہ نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''دیکھو بیٹی! بچے اس حویلی میں رہیں یا اس حویلی میں ہیں تو ہمارے پاس ہماری نگرانی میں۔''

''کک کیا۔ مطلب آپکا؟'' اس کا دل بیٹھنے لگا۔

''یاور باہر جیپ میں ہے، بچوں کو لینے آیا ہے۔ بات سمجھنے کی کوشش کرو بیٹی! بچے تو وہ کورٹ کے ذریعے بھی لے لے گا۔ مگر بیٹی آگے تھوڑی رسوائی ہو چکی دو سگے بھائی کورٹ میں دلاور علی خان کی بہو سمیت دیکھو بیٹے بات اونچی آواز کے بغیر یہیں انجام کو پہنچ سکتی ہے۔ بس اب تماشا ختم ہو جانا چاہیے۔ ہم صرف یہ کر سکتے ہیں کہ اس پر حویلی کے دروازے بند کر دیں

عدالت کے نہیں۔ اس کے دل میں کوئی گنجائش نہیں وہ سب کچھ کر گزرے گا۔ بات کو سمجھو۔''

اماں جی تو یہ سن کر کہ یاور باہر ہیں چپل چھوڑ کر بھاگی تھیں۔ نازنین پر گویا سکتہ سا طاری ہو گیا تھا دیکھو بیٹی ہونا یہی ہے نہیں تو کل۔ پھر تماشا کیوں کیا جائے۔ ہم اس بگڑے کھیل کا نتیجہ اسی طرح چاہتے تھے۔ کہ نہ تم حویلی سے جاؤ اور نہ بچے تم بھی گھر میں رہو اور بچے بھی۔ کوئی کسی سے دور نہیں۔''

نازنین نے آگے بڑھ کر روشی کو یوں اٹھایا جیسے چیل چوزے پر جھپٹی ہے۔

''خدا کے لیے بابا صاحب۔ خدا کے لیے'' وہ گڑگڑائی۔

''حوصلہ کرو بیٹی! اب یہ تو ہونا ہے ہم نے طے [illegible] ہے، اب کوئی نیا تماشا نہیں ہوگا۔ غفور انہوں نے [illegible]

[illegible]

[illegible] وہ بھی گاڑی میں بیٹھے۔''

[illegible] مگر وہ [illegible] علی خان نے روشی کو اس کی گود سے اپنی گود میں لے لیا۔ اور [illegible]

[illegible] گئے۔

[illegible] پردے سے بے نیاز اماں جی بدحواس ہو کر اندر بھاگی آئی تھیں۔

نازنین بابا صاحب کے پاؤں چھو رہی تھی۔ اماں جی نے اسے اٹھا کر اپنے گلے سے لگا لیا۔

''مت کریں اس پر یہ ظلم۔ اگر ایسا کیا تو میں یاور کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' وہ ناراضگی سے بولی تھیں۔

''ہونا یہی ہے تو آپ لوگ اور دشواریاں کیوں پیدا کرتے ہو۔ وہ ہمیں چھوڑ دے گا۔ آپ کو چھوڑ دے گا مگر بچوں کو نہیں چھوڑے گا۔ یہ اس کی محبت نہیں ہے'' آن'' کا مسئلہ ہے۔ بات کو سمجھو، آپ کے بچے کہیں نہیں جا رہے، حویلی ہی میں ہیں۔''

بابا صاحب اتنا کہہ کر پلٹ گئے۔ غفور جواد کو لیے ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ صدمے سے اماں جی کے اعصاب ٹھٹھر گئے تھے۔ مگر وہ چونک پڑیں۔ نازنین کا سر ان کے سینے پر لڑھک گیا تھا۔

....

روزانہ ماہین مطربہ کے پاس سے ڈیڑھ پونے دو بجے تک اٹھ آتی تھی، مگر آج ریسٹ واچ پر نگاہ پڑی تو ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔ فجر کا وقت ہونے والا تھا۔ اس نے ایک نگاہ مطربہ پر ڈالی اس میں دکھ بھی تھا اور ملامت بھی۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ مطربہ۔ تم فکر نہ کرو، میں جو کچھ بھی کروں گی اس میں تمہارا نام نہیں آئے گا۔ اپنے حصے کی تو تم پہلے ہی سے بھگت رہی ہو۔ میرے تو یہ سوچ کر ہاتھ پاؤں پھول رہے ہیں کہ میں اپنی بہن سے ملوں گی، جسے تصویروں میں دیکھتی رہی، اور مرحومہ جان کر ایصال ثواب پہنچاتی رہی۔ اسے اپنے سامنے دیکھوں گی۔''

''آپ ان سے ملیں گی۔'' بالو نے حیرت سے پوچھا۔

’’میں تو یہاں کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گی۔ میں ناز بجو نہیں ہوں، میرے حصے میں نہ کوئی زیتون بانو آئی ہے نہ تیمور علی خان۔‘‘

’’آپ نے مجھ پر تھوکا نہیں۔؟‘‘ مطربہ کی آواز بھرا رہی تھی۔

’’تم نے مجھے بہن کے زندہ ہونے کی نوید دی ہے' شاید اس لئے‘‘۔

ماہین کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا نشان نہیں تھا۔ وہ بالو کو لے کر باہر آئی۔ تو اس کے اندر بلا کا جوش و خروش محسوس ہو رہا تھا۔ بالو تو زینہ چڑھ گئی۔ وہ اپنے بیڈروم کی طرف بڑھی تو باری اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

’’جلدی جاگ گئے یا سرے سے سوئے ہی نہیں میری طرح؟‘‘ اس نے بڑی معنی خیز نگاہ اس کے سراپے پر دوڑائی۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

’’نہیں، سو کر آ رہا ہوں۔ روزانہ اسی وقت اٹھتا ہوں۔ البتہ آپ۔‘‘ وہ بات ادھوری چھوڑ کر مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

ماہین نے بغور اس کا چہرہ دیکھا جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔

’’تمہاری عمر اتنی نہیں ہے باری۔ مگر کمال سمندر سے ہو تم۔ اتنا سیلف کنٹرول؟‘‘ وہ ذومعنی انداز میں کہہ رہی تھی۔

’’ارے نہیں۔ میں تو خاصا آؤٹ آف کنٹرول ہوں۔‘‘ وہ ہنس دیا۔

’’کسر نفسی سے کام لے رہے ہو؟ تازہ ترین ثبوت تو یہ ہے کہ تم نے مجھ سے اتنی صبح یہاں نظر آنے کی وجہ نہیں پوچھی حتیٰ کہ چونکے تک نہیں۔‘‘

وہ جیسے اسے گرفت میں لے رہی تھی۔

’’اس میں چونکنے کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ آپ کا گھر ہے۔ آپ جب چاہیں۔ جہاں چاہیں نظر آ سکتی ہیں۔‘‘ باری کا انداز بدستور تھا۔

’’خیر، تمہارے بھی چھکے چھڑاؤں گی ایک دن۔ فی الحال تو اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ امتحان کی تیاری رکھنا۔‘‘ وہ اس کی سمت دیکھے بغیر آگے بڑھنے لگی۔

''آل ریڈی چھکے چھوٹے ہوئے ہیں۔اور بھی کئی لوگ ہیں ادھر چھکے چھڑانے کے لیے۔'' وہ زیر لب مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''غالباً وہ لوگ ہری پور پہنچے ہوئے ہیں۔'' ماہین رکی اور پلٹ کر بولی۔ باری بڑی بے ساختگی سے ہنس دیا۔

یاور علی خان تین دن کراچی گئے ہوئے تھے۔ اس لیے اسے کمرے میں جاتے ہوئے تو کوئی الجھن نہیں تھی۔ نہ ہی آنکھوں میں نیند تھی کہ سونے کی جلدی ہو۔ لہٰذا غسل کر کے پہلے نماز پڑھی پھر قرآن کی تلاوت کرنے لگی۔ نہ جانے کیوں جیسے ہی سورۃ فتح شروع کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں سے ایک تواتر سے آنسو بہنے لگے۔ بمشکل سورۃ تمام کی اور قرآن کو بوسہ دے کر رکھ دیا۔

اس کی کیفیت خود اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا' وہ اڑ کر سرائے پہنچے اور نازنین کے گلے لگ کر دل کھول کر رو دے۔

وہ بے قرار سے انداز میں باہر نکل آئی اور ہال کی طرف بڑھی۔ وہاں فون کے ساتھ چھوٹی سی ڈائریکٹری رکھی ہوئی تھی۔ وہ بے تابی سے سرائے کا نمبر تلاش کرنے لگی۔ ''ایس'' کے کالم میں سرائے کے حساب سے دیکھا۔ پھر ٹی (T) کا کالم دیکھا کہ شاید تیمور علی خان کا نمبر درج ہو۔ پھر کے (k) کا کالم کہ شاید ''خان'' کے حساب سے نمبر درج ہو۔ مگر کسی طرح بھی کوئی نمبر ہاتھ نہیں لگا۔ مارے کوفت کے اس کا جی چاہا ڈائریکٹری دیوار پر دے مارے۔

معاً اسے خیال آیا کہ چلتی پھرتی ڈائریکٹری تو باری کی صورت میں موجود ہے۔ اور اس سلسلے میں تو وہ کوئی بہانا بنا ہی نہیں سکتا۔ اس کے اندر جیسے برقی رو دوڑ گئی۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی اوپر پہنچی۔ اور آہستگی سے دروازے پر دستک دی۔

''باری اپنے کمرے میں نہیں ہے ماہین! اسے تو میں نے کچھ دیر ہوئی باہر جاتے دیکھا تھا۔'' اسے پست سے عالم تاب کی آواز آئی۔

وہ چونک کر پلٹی۔ دل میں کچھ عجیب سی پکڑ دھکڑ ہونے لگی۔

''وہ۔ مجھے یاور صاحب سے بہت ضروری بات کرنا تھی مگر ان کا نمبر مجھ سے کہیں مس ہو گیا ہے میں نے سوچا شاید باری کو پتا ہو۔'' وہ فوراً سنبھل گئی۔

''ہاں اسے سب نمبر پتا ہوتے ہیں مگر اس وقت تو وہ باہر ہے۔ کوئی پریشانی کی بات تو نہیں۔؟ وہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

''نہیں بھابی بیگم! پریشانی کی تو کوئی ایسی بات نہیں۔ بس ہوتے ہیں کچھ پرسنلز۔'' وہ زبردستی مسکرائی۔

''ہاں، جب میں نماز پڑھ کر نیچے گئی تو وہ باہر جاتا دکھائی دیا تھا۔ جانے کون کون سے کام اپنی جان کو لگا رکھے ہیں، صبح ہوتی ہے اور بس شروع۔ میں تو بس اسے مصروف ہی دیکھتی ہوں۔ اللہ اسی طرح چلتا پھرتا رکھے۔ صحت تندرستی دے، ماشاء اللہ کسی کام سے نہیں گھبراتا۔ جب ہی بڑے خان اس کی اتنی قدر کرتے ہیں۔ دو چار روز کو کراچی یا سرائے چلا جائے تو بڑے خان کو بات بے بات غصہ آنے لگتا ہے۔ وہ آگے سے آگے ان کے کام سنبھال لیتا ہے۔''

عالم تاب بہت محبت سے اس کا ذکر کر رہی تھیں۔

''مگر میرا خیال ہے یاور صاحب تو اسے بہت معمولی آدمی سمجھتے ہیں۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ عالم تاب اس کے لہجے سے کچھ چونکی تھیں۔ اور اس کی شکل بغور دیکھ رہی تھیں۔

''نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ یاور کا انداز تو سب ہی کے ساتھ بہت تکلف والا ہوتا ہے۔ خیر آؤ میرے کمرے میں، وہاں چائے پیتے ہیں۔ یہ تو بیٹھک میں جا چکے ہیں۔ ماما چائے بنا رہی ہے۔''

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔ ماہین چپ چاپ ان کے پیچھے چل پڑی۔

''ہماری ساس کی کوئی تصویر نہیں ہے بھابی بیگم۔ حیرت کی بات ہے۔'' وہ ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

عالم تاب کی حیرت فطری تھی۔ اتنے دن گزر جانے کے بعد آج اسے یہ کیا خیال آیا تھا۔ مگر انہوں نے حیرت چہرے سے ظاہر نہیں کی۔

''اللہ بخشے اماں جی کو، بہت ہی شرم و حیا والی تھیں۔ کبھی تصویر نہیں کھنچوائی۔ بڑا سخت پردہ کرتی تھیں اصل میں ان کی تربیت ہی اس طرح کے ماحول میں ہوئی تھی۔ تمہیں حیرت ہوگی یہ سن کر کہ وہ زندگی میں کبھی بازار نہیں گئیں۔ ان سے کبھی پوچھتے کہ آپ کا دل نہیں چاہتا کہ گھومیں پھریں، خریداری کریں تو بڑی ہی سادگی سے کہتی تھیں کہ عورت کو گھر کے کام تھوڑے ہیں۔ گھر سے اچھا کچھ نہیں ہوتا۔''

''سنا ہے وہ بہت اچھی تھیں، بہت ہی اچھی۔''

عالم تاب نے ایک مرتبہ پھر تعجب سے اس کی صورت دیکھی۔ (آج یہ صبح صبح اماں جی کیسے یاد آ گئیں۔؟

''خیریت۔ کیا رات خواب میں آئی تھیں اماں جی؟'' وہ کہے بنا رہ نہ سکیں۔

''یہی سمجھ لیں۔'' وہ بھی مسکرا دی۔

''ہاں وہ بہت بھلی عورت تھیں۔ ٹھنڈی چھاؤں۔ محبت کا سمندر۔ حویلی کا اجالا۔ بس صدمے اتنے ملے کہ سہہ نہ سکیں۔ حسرت ہی رہی کہ ہم ان کی خدمت کرتے۔ بس ایک رات سوتے ہی میں چل بسیں۔ بڑے خان کو پہلے اتنی جلدی غصہ نہیں آتا تھا۔ بڑا ضبط تھا ان میں۔ کہتے تھے کہ غصہ تو بہت آتا تھا مگر اس بھلی عورت کی موجودگی کے احساس سے خود بخود جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا تھا۔ نہ ان میں شور تھا نہ اونچی آواز۔ بہت دبی چال چلتی تھیں۔ اس کے باوجود گھر کے کونے کونے میں محسوس ہوتی تھیں۔''

''وہ صدمے کیا تھے جو انہیں لے کر ہی ٹلے؟'' ماہین نے ان کے جملے پر گرفت کر لی تھی۔

''ہزار باتیں ہوتی ہیں گھروں کی۔ میرے بچوں کا تو بہت غم کرتی تھیں۔'' عالمتاب نظریں اٹھائے بغیر یوں بولیں جیسے انہیں موضوع بدلنے کی جلدی ہو۔

'''بہت خوش قسمت لوگ ہیں جنہوں نے ان کے ساتھ وقت گزارا۔'' ماہین نے عام سے انداز میں ٹکڑا لگایا۔

عالم تاب خاموش ہوکر اپنی ہتھیلیاں غور سے دیکھنے لگیں۔ یہ حرکت غمازی کر رہی تھی کہ وہ کچھ سوچ رہی ہیں۔

''اچھا میں نے ایک بات اور نوٹ کی کہ ناز بجو کی بھی تصویریں نہیں ہیں۔ امی تو بتاتی ہیں انہیں تصویریں کھنچوانے کا بہت شوق تھا؟'' جانے کیوں بلا ارادہ اس کے منہ سے کچھ نہ کچھ نکل جاتا تھا۔

اسی دم ماما بڑے اٹھائے اندر داخل ہوئی۔

''ماما! باری نظر آئے تو اسے کہنا ماہین بلا رہی ہیں، انہیں کوئی کام ہے۔'' عالمتاب نے ماما کو تاکید کی۔''

ماما خاموشی سے چائے تیار کرنے لگی۔

''ہاں بس۔ حویلی میں رواج نہیں ہے عورتوں کی تصوریں وغیرہ لگانے کا۔ ہوں گی تو سہی بس رکھی ہوں گی ادھر ادھر۔ دیکھوں گی میں۔''

وہ ٹالنے کے انداز میں جواب دے رہی تھیں۔

ماما نے کپ اٹھا کر پہلے عالم تاب کو تھمایا پھر ماہین کو۔

''جس زمانے میں بجو یہاں تھیں، اس وقت تو ماما بلی ایک دم جوان ہوں گی۔ کیوں بھابی بیگم؟''

ماہین نے دلچسپی سے ماما کا سراپا دیکھا۔'' شادی کیوں نہیں کی ماما تم نے؟'' اس نے ماما کے نرم و صبیح چہرے کو بغور دیکھا۔'' تمہارے تو بہت رشتے آئے ہوں گے؟''

''ضروری تو نہیں کہ ہر عورت کی شادی ہو۔ شادی کرتے نہیں ہیں ماہین بی بی شادی تو ہوتی ہے۔ اب دیکھیں آپ کا اتنا وقت یوگنڈا میں گزرا۔ کتنے لوگ ہوں گے جو آپ کو وہاں پسند کرتے ہوں گے مگر آپ کا دانہ پانی تو حویلی میں لکھا تھا۔ کیوں بڑی بیگم۔'' ماما بہت شفیق انداز میں مسکرا رہی تھیں۔

''بڑی موتیوں میں تولے جانے والی بات کہی ہے ماما تم نے؟'' عالم تاب نے تائید کی۔

''کبھی دل تو چاہا ہوگا ماما کہ تبدیلی آئے۔'' ماہین نے ماما کو چھیڑا۔

''دل کے چاہنے کو چھوڑیئے ماہین بی بی۔ دل تو جانے کیا کیا چاہتا ہے۔ دل کے چاہنے پر چلیں تو زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ جو گھڑی خیر کی گزر جائے شکر ہے۔'' ماما گھٹنوں پر ہاتھ جما کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آج ماہین بی بی کو جانے کیا کیا خیال آ رہے ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے عالم تاب سے مخاطب ہوئی۔

''یہی میں سوچ رہی ہوں۔ دراصل آج کل یاور نہیں ہیں تنہائی میں غور و فکر ہو رہا ہوگا۔'' عالم تاب بھی مسکرائیں۔

''باری کا دھیان رکھنا ماما۔ ملے تو کہنا ماہین بی بی بلا رہی ہیں۔'' عالمتاب نے مزید تاکید کے طور پر کہا۔

''جی اچھا۔ ویسے مشکل ہے خان اگر باہر گئے ہیں تو دوپہر سے پہلے نہیں آئیں گے۔ انہیں کچہری جانا تھا منشی سے تاریخ لینے۔ ناشتا انہوں نے کچن میں کیا تھا۔ بتا رہے تھے۔'' ماما باہر نکلتے ہوئے بولی تھی۔

''چلیں خیر۔ کوئی بات نہیں اگر میں سوگئی تو انہیں روک کر رکھنا آ جائیں۔ تو ویسے بھی ادھر پاؤں میں چکر ہے۔'' ماہین نے کپ اٹھا کر گھونٹ بھرا۔

''کیا سونے کا پروگرام ہے اس وقت۔ رات دیر سے سوئی تھیں؟'' عالم تاب نے الجھن بھرے انداز میں سوال کیا۔

''جی۔ بس نیند ہی نہیں آئی رات بھر۔'' اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

''روشی کی طرف سے فکر ہوگی۔ مگر فکر کرنے کی ضرورت نہیں وہ اب دودھ پیتی بچی نہیں ہے'' عالم تاب نے خود ہی سوال کر کے خود ہی تسلی دی۔

''بہت ضد ہے اس کی طبیعت میں۔ لڑکیوں میں ضد اچھی نہیں ہوتی۔ عورت کی تو تمام عمر سمجھوتے کرتے گزرتی ہے تم سمجھانا۔ یاور بھی بہت اٹل ہے اور باپ سے الجھنا تو یوں بھی کوئی اچھی بات نہیں ہوتی۔'' عالم تاب نے اسے روشی کی علاج کے لیے تیار کرنے کی کوشش کی۔

''بات تو سننا چاہیے بھابی بیگم۔ عورت مرد کا فرق کیا معنی۔ تقاضے تو دونوں ہی کے مشترک ہوتے ہیں اور باپ کو تو خاص طور پر اپنی اولاد کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے، تب ہی وہ سمجھانے کی پوزیشن میں آ سکتا ہے''

ماہین نے نرم انداز میں اختلاف کیا۔

عالم تاب نے ایک نظر ماہین کو دیکھا اور مصلحت آمیز خاموشی اختیار کی۔

....

شام ڈھلنے میں کچھ دیر تھی مگر حویلی میں مکمل طور پر روشنی ہو چکی تھی۔ تب تھکے ہارے باری نے حویلی میں قدم رکھا تھا۔ ماما کے کمرے کے قریب سے گزرے بغیر وہ اپنے کمرے میں نہیں جا سکتا تھا۔ فون کی بیل اس کے راہداری میں قدم رکھنے سے پہلے شروع ہو چکی تھی۔ اس نے تھکے تھکے انداز میں دروازے کی سمت دیکھا اور اندر داخل ہو کر ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو۔''

''کون؟ باری؟'' دوسری طرف روشی تھی۔

باری کے اونگھتے جھومتے حواس ایک دم جاگ پڑے،، مائی گاڈ۔''

''جناب!'' خود بخود اسکا لہجہ شریر ہو گیا۔

''جناب کے کچھ وہ۔ یہ کیا طریقہ ہے فون تک نہیں کیا؟'' روشنی کے لہجے میں بلا کی ناراضگی تھی۔

''خیر۔ جناب کے کچھ نہیں اب تو سب ہی کچھ ہیں۔ مگر یہ تو بتایئے، فون کس سلسلے میں کرنا چاہیے تھا۔ میں کچھ سمجھا نہیں؟''

''باری! میں رو رو کر پاگل ہو چکی ہوں۔ مجھے مزید تنگ نہیں کرو۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''بتایئے۔ آپ کو تنگ کر کے مجھے کتنے نفلوں کا ثواب ملے گا۔ مگر آپ یہ تو بتائیں مجھے فون کیوں کرنا چاہیے تھا۔؟'' وہ ہونٹ دانتوں تلے دبا کر مسکرا دیا۔

''باری! میرا دل چاہ رہا ہے میں مرجاؤں۔''

''واہ صاحب! کیا دل ہے آپکا۔ موت بھی ایسے چاہ رہا ہے جیسے آئس کریم۔''

''تم یونہی میری جان جلانے والی حرکتیں کرتے رہنا۔ بعد میں میری قبر کے سرہانے سر پکڑ کر روتے رہنا۔'' وہ جھلائی۔

''سر پکڑنے کی پابندی ہوگی؟'' وہ بڑی سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

''تمہارے بس کی بات تو کچھ بھی نہیں تھی۔ کاغذ کے شیر ہو۔ یہ تو میری جراتوں کا نتیجہ ہے۔''

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی جیسے کوئی اور خیال آ گیا ہو۔ توقف کے بعد پھر بولی۔

''باری! میں بے لگام نہیں ہوں اور میں نے کسی غلط نیت سے قدم گھر سے باہر نہیں نکالے تھے۔

میں تو کاکا جان کے پاس اس لیے گئی تھی کہ وہ مجھے سمجھیں پھر حویلی والوں کو سمجھائیں۔ مجھے پتا ہے بابا صاحب کاکا جان کی بات کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ یہ سب تو کاکا جان نے خود۔'' اس نے جیسے خود کو روکا۔

باری بہت توجہ اور دلچسپی سے اس کا ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔ اس لمحے اپنے پندار کا تحفظ کرتی روشی روشنی بن کر اس کے حواسوں پر چھانے لگی۔

''آپ کیا ہیں، کس وجہ سے ہیں' مجھے سب پتا ہے۔ آپ کیوں خود کو اتنا الجھاتی ہیں میری جان؟''

اس نے بہت آہستگی سے اسے تنگ کرنے کی انتہا کر دی تھی اور زیر لب مسکرا رہا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' روشی ایک دم حواس باختہ سی ہوگئی۔ محسوس ہوتا تھا کہ دل پسلیاں توڑ کر باہر نکل بھاگے گا۔

''مجھ سے آئندہ اس طرح بات مت کرنا۔'' اس نے ناراض انداز میں درحقیقت گھبرا کر فون بند کیا تھا۔ باری نے ریسور کان سے ہٹا کر سر کھجاتے ہوئے ریسور کو کچھ دیر گھورا۔ پتا نہیں کیا کہنا چاہتی ہوگی کیوں فون کیا تھا۔

''غلطی ہوگئی میڈم۔ مگر معاف کیجیے گا، بالکل بے کار ہیں آپ۔ ایک جملہ نہیں سہہ سکیں۔''

اس نے ریسور کریڈل پر لٹکا دیا اور پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر سیٹی پر کوئی خوبصورت سی دھن بجاتا اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ سارا اضمحلال، ساری تھکاوٹ اڑن چھو ہوگئی تھی۔ چال بتا رہی تھی کہ طبیعت بہت ہلکی ہے۔

''خان! آپ کا فون ہے'' سرسوتی نے دروازے سے جھانک کر باری کو مخاطب کیا۔

باری نے چونک کر کتاب بند کی۔ ''کس کا ہے؟'' اس کا دھیان روشی کی طرف گیا تھا۔

''جی یاور خاناں کا ہے۔ کراچی سے'' وہ اتنا کہہ کر پلٹ گئی۔

باری سوچنے کے انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اب تو ہر بات ہی چونکا رہی تھی۔ انسان بہت سے رازوں کا بوجھ اٹھائے پھر رہا ہو تو خواہ مخواہ کے دھڑکے لگے رہتے ہیں۔

وہ بڑی تیزی سے زینہ طے کر کے نیچے آیا تھا۔

''السلام علیم خان۔'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''وسلام۔ ایکچوئیلی ایسا ہے باری کہ تمہیں ہری پور جانا ہے۔ وہاں میرے پی۔ اے شیخ اسد اللہ سے کہنا کہ وہ جو رنج

...ٹ فائل ہوا تھا۔ اس کی تاریخ پتا کر کے بتائیں اور اس کی فائل تمہیں دے دیں۔ میں واپس دریا بستی پہنچوں گا اور یہ ...لے کر پشاور جاؤں گا۔ حویلی میں بھی کچھ کاغذات ہیں، وہ لیے بغیر میں پشاور نہیں جا سکتا۔ میرے پاس وقت بہت کم ...تم خود ڈرائیو کر کے ہری پور جاؤ۔ یہ فائل نہایت اہم ہے۔ بہت احتیاط کرنا۔ وہاں موجود اگر کوئی شخص تم سے فائل لے کر ...نا چاہے تو ہرگز ایسا نہ ہونے دینا۔ اسپیشلی میں اس کام کے لیے تمہیں بھیج رہا ہوں۔ جب تم ہری پور پہنچو تو شیخ اسد اللہ سے ...''مجھے کراچی رنگ کر لیں۔''

باری توجہ سے ہدایت سن رہا تھا۔

''جی خان۔ اور کچھ؟''

''نہیں۔ ماہین ٹھیک ہیں؟ ان کو بتا دینا میں پرسوں صبح حویلی پہنچوں گا۔ او کے۔'' انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔

باری نے ریسور رکھتے ہوئے کچھ سوچا اور مسکرا دیا۔

''اللہ کی مہربانی ہے اور کیا ہے۔ کسی کی پریشانی میں کسی کا سکون پوشیدہ ہوتا ہے۔ نیارے کھیل ہیں میرے مولا۔'' اس کے انگ انگ سے سرور چھلک رہا تھا۔

وہ پلٹا تو ماہین کو کھڑے پایا۔

السلام علیکم۔ ٹھیک ہیں آپ۔ ڈی سی کی لائف بہت بزی (Busy) ہوتی ہے۔ بیگم صاحبہ۔''

''ہوسکتا ہے پریشانی بھی بہت ہوتی ہو مگر ڈی سی صاحب ظاہر نہ کرتے ہوں۔''

ماہین پھیکی سی ہنس ہنس کر گویا ہوئی۔

''آپ کے ساتھ تو پریشان نہیں ہونا چاہیے، اب تو انہیں بہت ایزی فیل کرنا چاہیے'' باری نے مسکراتے ہوئے برجستہ کہا۔

''اور کوئی کہے تو کوئی بات نہیں۔ مگر تم نہ کہو۔ تمہاری پیورٹی تمہارا اسنس (جوہر) ہے۔ دوغلی بات تمہیں سوٹ نہیں کرتی۔'' ماہین اپنے لہجے کی تلخی پر قابو نہ رکھ سکی۔

باری کی مسکراہٹ ایک دم ہوا ہوگئی۔ اس نے بہت الجھ کر ماہین کی طرف دیکھا۔

آج وہ اسے بہت بدلی بدلی محسوس ہو رہی تھی۔ بدلے بدلے انداز تو گزشتہ کئی دنوں سے نوٹ کر رہا تھا مگر اس کے ...وہ اب سے پہلے تک سابقہ انداز میں بات کرتی رہی تھی۔ تبدیلی جو دوسروں کے ساتھ اس نے نوٹ کی تھی وہ یہ تھی کہ وہ ...کی خواتین سے بہت دور دور نظر آنے لگی تھی۔ زیادہ تر اپنے کمرے میں بند رہتی تھی۔

''یاور صاحب کا فون تھا۔''

''جی۔'' اس نے سنجیدگی اور احتیاط سے جواب دیا۔

''مجھ سے بات کرنے کی خواہش نہیں کی تمہارے خان نے'' وہ بے تاثر لہجے میں مخاطب تھی۔

''وہ بہت جلدی میں تھے۔ آپکا پوچھ رہے تھے اور آپ کے لیے میسج دیا ہے کہ پرسوں صبح حویلی پہنچیں گے۔'' اس نے

ماہین کا چہرہ دیکھ کر اندازہ لگانا چاہا کہ میسج کے بعد کیا تبدیلی آئی ہے۔مگر وہ بالکل ٹھس محسوس ہوئی۔

''باری۔''

''جی؟''

''وہ تمہارے تیمور خاناں جو ہیں۔ان کی حویلی کا فون نمبر ڈائریکٹری میں نہیں ہے۔میں نے بہت تلاش کیا۔تم تو اس حویلی کے آپریٹر بھی ہو۔تمہیں تو زبانی یاد ہوگا'' ماہین نے بہت مہارت سے اسے گھیرا۔

''تیمور خاناں۔آپ کیا بات کرنا چاہتی ہیں ان سے؟'' وہ واقعی گڑبڑا گیا۔

''کیوں۔کیا میں ان سے بات نہیں کرسکتی؟ وہ یاور صاحب کے حقیقی چھوٹے بھائی ہیں۔میری ان سے بہت قریبی رشتے داری ہے''

ماہین نے تیکھے انداز میں جواب دیا جس کی وجہ سے باری کو بات کرنے میں دشواری محسوس ہوئی۔

''اگر آپ مائنڈ نہ کریں۔تو ایک بات کہوں آپ سے؟'' وہ ہچکچاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''جب بات کہے بنا چارہ نہ ہو تو یہ پرواہ نہیں کرتے کہ کوئی مائنڈ کر جائے گا۔بس بات کر دینا چاہیے''

وہ بہت ناراض ناراض سی محسوس ہوئی۔

''وہ بات صرف اتنی ہے کہ آپ تیمور خاناں سے بات کرنے سے پہلے یاور خاناں سے اجازت لے لیں۔میرا خیال ہے اگر آپ نے ان کی اجازت کے بغیر بات کرلی تو وہ ناراض ہوں گے۔میں آپ کو کسی خوامخواہ کی الجھن سے بچانے کے لیے اونیسٹلی۔یہ مشورہ دے رہا ہوں۔یا پھر آپ بڑے خان سے ڈسکس کرلیں۔''

''کیوں؟ یاور صاحب کیوں اعتراض کریں گے۔میں فیملی ممبر ہوں۔کسی دوسرے فیملی ممبر سے بات کرنے میں کیا حرج ہے۔یہ تو روٹین لائف کا ایک حصہ ہے۔''

وہ تو یوں بھی دلیل دینے میں ایکسپرٹ تھی۔خفا خفا سے انداز میں گویا ہوئی۔

''آپ ابھی تک نہیں سمجھیں۔دونوں بھائیوں کے تعلقات ٹھیک نہیں ہیں۔اس لیے آپکو یہ مشورہ دیا تھا۔وہ زچ ہونے لگا۔

''کیوں؟ کس وجہ سے؟'' اس نے باری کے چہرے پر نگاہیں جما دیں۔

''شاید پراپرٹی وغیرہ کا مسئلہ ہوگا۔فیوڈل لارڈز میں اس طرح تو ہوتا رہتا ہے۔'' وہ نگاہیں چراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''بابا صاحب کی موجودگی میں اس طرح کا مسئلہ تو نہیں ہوسکتا۔کوئی اور بات ہوگی۔'' وہ بدستور اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

''میں تو اندازے سے بات کر رہا ہوں۔حقیقت کیا ہے وہی جانتے ہوں گے۔'' وہ جان چھڑانے والے انداز میں گویا ہوا۔

''باری! مجھے فون نمبر چاہیے'' وہ قطعی انداز میں بولی۔

''آپ یقین کریں پرمیشن نہیں ہے۔کیوں مجھے حویلی سے نکلوائیں گی۔'' وہ سنجیدگی سے انکار کر رہا تھا۔

''کوئی نہیں نکالے گا۔یاور صاحب کو تو میں خود ہینڈل کرلوں گی۔'' وہ مصر تھی۔

''بڑی پرابلم ہو جائے گی۔پلیز، آپ سمجھیں۔''

''ہاں، اگر اجازت دیں تو میں بڑے خان سے بات کرنے کے بعد آپ کو نمبر دے سکتا ہوں۔''

اس نے جان چھڑانے کے لیے ایک وقتی حل نکالا۔

اور ماہین واقعی اس کے دام میں آگئی۔

''ٹھیک ہے تم ابھی بڑے خان سے بات کرو اور مجھے نمبر دو۔میں تمہارا انتظار کروں گی۔'' وہ واپسی کی نیت سے پلٹ گئی۔

''ویسے اف یو ڈونٹ مائینڈ آپ تیمور خاناں سے بات کیا کرنا چاہتی ہیں' ہوسکتا ہے اس سلسلے میں آپکی پروپر ہیلپ کر سکوں۔'' اس نے قدرے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

''ساری حویلی میں صرف تم ہی پروپر ہیلپ کرسکتے ہو۔مگر افسوس تم کرو گے نہیں۔فی الحال تو پروپر ہیلپ یہی ہی کہ تم مجھے تیمور علی خان کا نمبر دے دو۔'' وہ یہ کہہ کر چل پڑی۔

باری ایک دم کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

ایک تو طویل ڈرائیو دوسرے ماہین کا بدلا بدلا انداز پھر اس کا تیمور علی خان کے فون نمبر کے لیے اصرار۔ہری پور پہنچتے پہنچتے اس کے اعصاب شل ہو چکے تھے، ساری سرمستی ہوا ہو چکی تھی۔رات کو دس بجے وہ ہری پور پہنچا تھا۔سبزے کی کثرت نے ماحول میں رات کے وقت گہرے اندھیرے پھیلا دیے تھے۔وہ کوٹھی میں داخل ہوا تو صرف ایک ملازم جاگتا ہوا ملا۔اس کی متلاشی نگاہیں ادھر ادھر بھٹک کر ملازم پر آ کر ٹھہر گئیں۔

''سب سو گئے؟''

''جی خان۔سر نہیں ہوتے تو سب جلدی سونے چلے جاتے ہیں۔'' ملازم نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

''اور۔وہ تمہاری روشی بی بی؟'' اس نے دبے دبے انداز میں پوچھا۔

''وہ جی۔ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔کمرے سے باہر نہیں نکلتیں۔آج تو انہوں نے نہ دوپہر کو کھانا کھایا اور نہ رات کو بہت فکر ہو رہی ہے مجھے۔''

ملازم کا انداز بہت اپنوں جیسا تھا۔

''چائے وغیرہ پی؟'' باری کی پریشانی چہرے سے ظاہر ہونے لگی۔

''نہیں جی انہوں نے تو دروازہ ہی نہیں کھولا۔''

''مائی گڈنیس۔آواز وغیرہ تو سنی تم لوگوں نے۔'' وہ ایک دم بہت پریشان ہوگیا۔

''جی خان۔جب دستک دیتے ہیں تو بولتی ہیں۔کوئی ضرورت نہیں اس طرف آنے کی۔'' ملازم نے فکر مندی سے

جواب دیا۔ ''میں تو دعا کر رہا تھا سر جلدی سے آ جائیں یا بیگم صاحبہ ہی آ جائیں۔'' وہ مزید گویا ہوا۔

''اچھا تم ایسا کرو۔ کھانا گرم کرو۔ میں ذرا ہاتھ لے لوں۔ چینج کر کے آتا ہوں۔'' وہ تیزی سے گیسٹ روم کی طرف بڑھ گیا۔ ایک رات ہی تو تھی اس کے پاس۔

جلدی جلدی باتھ لے کر شب خوابی کا ہی لباس پہن لیا تھا اور تولیے سے بال خشک کر کے تولیہ کندھے پر پھیلا لیا اور بال بنائے بغیر باہر آ گیا۔ ملازم ٹرالی سمیت اسے منتظر ملا۔

''کس طرف ہے بی بی کا کمرا؟''

ملازم نے ایک سمت اشارا کر دیا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ ملازم ٹرالی گھسیٹتا پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

باری نے کمرے کے سامنے رک کر ملازم کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ۔ یہی ہے؟''

ملازم نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

باری نے دروازے پر دستک دی۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے دوبارہ دستک دی۔ جواب میں وہی خاموشی۔ باری نے دروازہ دھڑ دھڑایا۔

''کیا بدتمیزی ہے ڈی سی کے ملازم ہو یا جوکی؟'' روشی کے جھلانے کی کیفیت عیاں تھی۔

باری نے پھر دروازے پر دستک دی۔

''کہہ دیا ناں مجھے پریشان نہیں کرو۔ جاؤ یہاں سے'' وہ بری طرح دھاڑی۔

''بی بی! خان آئے ہیں آپ سے ملنے'' باری کو مسلسل خاموش دیکھ کر ملازم سے رہا نہ گیا تو بول ہی پڑا۔

''تم نے بتایا نہیں تھا۔ پپا کو کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے'' روشی کی تھکی تھکی سی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ روشی ایک دم چونک کر پیچھے ہٹی تھی۔

وہ اس طرح باری کو دیکھ رہی تھی جیسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

باری نے آگے بڑھ کر دائیں بائیں سوئچ بورڈ تلاش کیا پھر لائٹ آن کر کے نائٹ بلب آف کر دیا۔

کمرے میں تیز روشنی ہو چکی تھی۔ روشی ابھی تک حیران پریشان کھڑی آنکھیں جھپک رہی تھی۔

''یہ ٹرالی یہاں لے آؤ اور جا کر ایک کپ کافی بناؤ اچھی سی۔'' باری نے منتظر ملازم کو مخاطب کیا۔ وہ مشینی انداز میں فوراً ٹرالی کمرے کے درمیان میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

روشی ابھی تک جیسے ساکت سی کھڑی تھی۔

باری نے قدم بڑھا کر دروازہ بند کر دیا۔

''دروازہ بند نہیں کرو۔'' وہ بے ساختہ انداز میں ٹوک رہی تھی۔

''دروازہ تو پہلے بھی بند تھا۔'' باری نے ایک نگاہ پرشوق اس کے چہرے پر ڈالی۔ وہائٹ کاٹن کا سوٹ جس پر شکنوں

بال بن چکا تھا۔ پہنے وہ بہت زرد اور بیماری محسوس ہوئی۔ بال بھی بے ترتیب تھے البتہ ناک میں پڑی ڈائمنڈ کی لونگ غضب سے بڑی آرائش تھی۔ بہت بجتی تھی اس پر۔

''پہلے میں اکیلی تھی۔'' وہ روٹھے روٹھے انداز میں بولی۔

''واقعی پہلے آپ اکیلی تھیں مگر اب ہم دور ہیں مگر ایک ہیں باری ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور شانوں پر پڑا تولیہ اٹھا کر سر رگڑنے لگا۔

''بتایئے، یہ بھی کوئی انداز ہے۔ بندہ اتنی دور سے آیا ہے تھکن سے چور چور ہے۔ نہ سلام نہ دعا نہ خیر خیریت۔ پھاڑ کھانے کو دوڑ رہے ہیں لوگ۔ لوگوں کا بھی کیا قصور۔ دوپہر سے بھوکے ہیں آخر۔''

وہ تولیے سے سر رگڑتے ہوئے ایک تواتر سے کہہ رہا تھا۔

''کس نے کہا تھا آنے کو۔ میں نے تو نہیں کہا تھا۔ اپنے کسی کام یا مطلب ہی سے آئے ہوگے۔ یقیناً میری وجہ سے یا میری خاطر تو زحمت نہیں کی۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں۔''

وہ دوپٹا درست کر کے کھڑے کھڑے کہہ رہی تھی۔

باری نے اس کی سمت قدرے حیرت سے دیکھا تھا۔ ایسی گہرائی کہ اندازے ٹھیک لگانے لگی۔

''اچھا یہ بتائیں۔ کھانا کیوں نہیں کھایا؟'' باری نے اس کا دھیان ادھر ادھر کرنے کی کوشش کی۔

''آ گئے بڑے وہاں سے خیال رکھنے والے۔ جاؤ باری یہاں سے، تمہیں۔ یہاں دیکھ کر مجھے بہت غصہ آ رہا ہے۔ خون کھول رہا ہے میرا۔'' وہ آنسو پینے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اب کیا خطا ہو گئی؟'' وہ اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف گیا اور برش اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اجازت ہے؟''

اس نے جیسے جل کر پشت کر لی۔

''پلیز آپ کھانا کھا لیں۔''

''باہر ڈیلی بندھا ہے، اسے ڈال دو۔ اور چلے جاؤ یہاں سے۔ مجھے لاوارثی کے احساس کے ساتھ زندہ رہنا ہے۔ مجھے نہیں چاہیے کسی کی ہمدردی، کسی کا ساتھ۔'' اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

''آپ بھی کمال ہیں۔ اپنائیت کا اظہار کرو تو فرماتی ہیں'' کیا بدتمیزی ہے؟ نہ کرو تو طعنے مار مار کر ہلاک کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔''

وہ بالوں میں برش چلاتے ہوئے آئینے میں اسے دیکھتے ہوئے شریر لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''کورٹ میں جا کر کرنا یہ الجھانے والی باتیں۔ جتنا الجھاؤ گے۔ اتنے پیسے ملا کریں گے۔ مجھ سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' وہ آنسو پیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''یا اللہ۔ مدد۔ اب کس بات کا غصہ ہے؟'' وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ خاموش رہی۔

''کھانا کھا لیں پلیز۔ روشانے۔ کیوں بلاوجہ کی اذیت دیتی ہیں مجھے؟'' وہ بہت ہارے ہوئے انداز میں بولا۔

’’ہونہہ۔ اذیت۔ تمہیں اذیت کے معنی بھی پتا ہیں؟ اذیت؟ اس نے سر جھٹکا۔

’’زندگی بچوں کا کھیل نہیں ہے روشانے۔ بڑی تکلیفوں سے بچنے کے لیے چھوٹی موٹی تکلیفیں برداشت کر لینا چاہئیں۔ وقتی خوشی کی خاطر پائیدار مفادات کو قربان کرنا کہاں کی عقلمندی ہے‘‘

’’یہاں فون ڈائریکٹ نہیں ہے۔ اور میں بلاوجہ کی بہادری دکھا کر آپکو مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔‘‘

’’مجھے احساس ہے آپ نے فون کی ہر گھنٹی پر دوڑ لگائی ہو گی کہ باری کا فون ہو گا حویلی سے مجھے آپکے جذبات و احساسات کا اندازہ ہے۔‘‘

’’حد ہو گئی خوش فہمی کی۔‘‘ روشی نے ناک سکوڑی۔

’’اچھا۔ کوئی بات نہیں۔ ہو جاتی ہے انسان کو۔ یہ بھی ایک مرض ہے۔ خیر آپ کھانا کھالیں۔ میں تیار ہو کر آ رہا ہوں۔ دیر ہو جائے گی حویلی پہنچتے پہنچتے۔ بابا صاحب پریشان ہو جائیں گے‘‘ وہ برش رکھ کر پلٹا جیسے بہت جلدی میں ہو۔

اس وقت؟ کیا صبح نہیں ہو گی۔ ڈرائیور ہے ساتھ میں؟‘‘ وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔ سب بھول بھال گئی تھی۔

’’نہیں۔ خود ہی ڈرائیو کی تھی۔ خیر آپ کھانا کھائیں۔ میں چلتا ہوں۔‘‘ وہ عجلت بھرے انداز میں گویا ہوا۔

’’کیا نوکر ہو حویلی والوں کے۔ یہ کوئی انسانیت ہے۔ رات کے اندھیرے میں دوڑیں لگوا رہے ہیں۔ اتنی طویل ڈرائیو۔ بغیر ریسٹ و وقفے کے۔ کوئی ضرورت نہیں ہے اس وقت جانے کی۔ تمہیں بھی تابعداری کرنے کا کچھ زیادہ ہی شوق ہے۔ کتنے بجے چلے تھے وہاں سے؟ کھانا کھایا تھا؟‘‘

وہ کتنی فکرمند نظر آئی تھی کہ باری نے خود کو بمشکل کنٹرول کیا۔

’’کہاں کھانا کھایا۔ دو بسکٹ کھائے ہوئے ہیں شام سے‘‘۔ وہ بڑی سادگی سے بولا۔

’’یہ کھانا ہے تو کیوں نہیں کھا رہے؟‘‘ اس کے انداز سے بڑی اپنائیت جھلکنے لگی

’’جب آپ کھائے بغیر رہ سکتی ہیں اور یہ آسان کام ہے تو میں بھی یہ آسان کام کر سکتا ہوں۔‘‘ ہونٹوں پر آئی مسکراہٹ روک کر کہا۔ روشی کی حالت ہی ایسی ہو رہی تھی کہ جیسے کسی عظیم مشکل میں پھنس گئی ہو۔

’’آپ کھائیں گی تو تھوڑا سا ہم بھی کھالیں گے‘‘ اس نے گویا اس پر احسان کیا۔ انداز تو ایسا ہی تھا۔ روشی چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اور ایک خالی پلیٹ اس کے سامنے رکھ دی۔

’’ویسے اس وقت اگر کاکا جان آ جائیں تو خوب تماشا ہو۔ وہ سمجھیں گے کہ اب ہم اسی طرح کھانا کھانے لگے ہیں۔ مل جل کر۔‘‘ وہ شریر انداز میں اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

روشی کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ باری کی قربت اسے بہت محسوس ہونے لگی۔

’’کھانا شروع کیجیے ناں۔‘‘ وہ اسے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا دیکھ کر ٹوکنے لگا۔

’’میں نہیں کھا رہی تمہارے ساتھ۔ مجھ سے نہیں کھایا جائے گا۔‘‘ اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

’’پھر میں بھی نہیں کھا رہا‘‘

’’میں کھالوں گی باری۔ سچ۔ پرامس۔‘‘ اس کے چہرے پر حیا کے رنگ بہت کھل رہے تھے۔

’’پرامس کا مطلب، جانتی ہیں؟‘‘ باری نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا۔

روشی نے اپنی مٹھایاں یوں بند کر لیں جیسے وہ زبردستی اپنے ہاتھ پر وعدہ لے لے گا۔ وہ اس کے مقابل اپنے بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

’’اچھا میں چلتا ہوں۔ آپ حسب وعدہ کھانا کھائیے‘‘

’’تھوڑا سا تو کھالو۔‘‘ روشی کے تو جیسے سارے کس بل نکل چکے تھے۔ (اتنی جلدی جا رہا تھا)

’’میں کھا چکا ہوں۔ اونیسٹلی۔ آپ کی خاطر دوبارہ بیٹھ گیا تھا۔ مگر آپ تو ہمارے سامنے خیر۔ ساری عمر ساتھ ہی کھانا ہے۔ کبھی کبھی خیال آتا ہے تو ڈر سا لگنے لگتا ہے کہ ساری زندگی آپ کے ساتھ گزارا کرنا ہے‘‘

روشی نے گھور کر اس کی طرف دیکھا مگر دیکھ نہ سکی فوراً ہی نظریں جھکا لیں۔

’’اچھا۔ گڈ نائٹ۔ صبح ناشتے پر ملاقات ہو گی۔ اب آپ آرام سے کھانا کھائیں۔ فی الحال میرا قیام آپ کی کوٹھی کے گیسٹ روم میں ہے۔‘‘

روشی منہ کھولے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ وہ خوشی جو چھپائے نہ چھپ سکتی تھی آنکھوں سے عیاں تھی۔

’’فراڈ ایک دم‘‘ اس نے ٹرالی دھکیل کر ایک طرف کر دی۔ ’’ہمیشہ ستاتے ہو۔ کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا؟‘‘ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

’’بتاؤں تفصیل۔ کیا کیا بگاڑا ہے‘‘ وہ دوبارہ چیئر پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

’’ویسے یاور خاناں بھی کیا مہربان انسان ہیں۔ دل سے دعائیں نکل رہی ہیں۔ اللہ ان کے دل کو بھی ایسے ہی خوش رکھے جیسے انہوں نے میرا دل خوش کیا ہے۔ کیا ماحول ہے۔ اتنی بڑی کوٹھی۔ سوئے ہوئے ملازم۔ ویسی پھولوں کی مہک۔ گہری رات اور۔ بڑی زبردست نیند۔‘‘

وہ ایک دم کھڑا ہو کر جمائیاں لینے لگا۔ روشی کی جان میں جان آئی۔ کتنا نیا سا انداز تھا اس کا، وہ تو ڈر ہی گئی تھی۔

....

صبح آٹھ بجے وہ یاور علی خان کی رہائش گاہ سے نکلا تھا۔ حویلی پہنچنے کی اسے بہت جلدی تھی روشی سو رہی تھی۔ اس نے اسے جگانے کا خیال ملتوی کر دیا تھا۔ اسے فائل لے کر یاور علی خان سے پہلے حویلی پہنچنا تھا۔ اسے اندازہ تھا وہ اس سے ملے بغیر جا رہا ہے۔ اگلی ملاقات میں اس کا کیا حشر ہونا ہے۔

حویلی پہنچا تو راستے ہی میں شینو مل گئیں۔ بڑی سی چادر لپیٹے، کتابیں اٹھائے اوپر سے آ رہی تھیں۔

’’السلام علیکم‘‘ اس نے فوراً سلام کیا۔

’’الحمد اللہ۔ سب خیرت ہے‘‘ وہ طرح دے کر مسکرایا۔

’’روشی کا دل لگ رہا ہے‘ بہت سے اہم لوگوں سے دور ہے مثلاً اس کی ینگ اور نئی نویلی ماں‘‘ شینو کا لب ولہجہ اسے ہمیشہ

بہت محسوس ہوتا تھا۔مگر اب صورت حال بہت تبدیل ہو چکی تھی۔ان کی معنی خیز باتیں اب اسے ہولاتی نہیں تھیں۔دلچسپ لگتی تھیں۔

"پاسیبل۔میری ان سے زیادہ بات نہیں ہوئی۔آئندہ ملاقات ہوئی تو پوچھ لوں گا۔" اس نے جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

"وہ۔یاور خان آگئے؟" وہ کچھ سوچ کر پھر شینو کی طرف پلٹا۔

"نہیں۔بڑی امی ماما لی سے کہہ رہی تھیں وہ آنے والی ہیں۔اب مزید پتا نہیں۔ویسے یاور ماموں کو یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔بے چاری روشی کو قید تنہائی میں ڈال دیا۔ممانی کو بھی ساتھ ہی بھیج دینا چاہیے تھا۔اب انہیں روشی کے ساتھ ہی رہنا چاہیے۔یاور ماموں تو ویسے بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کا بریف کیس چوبیس گھنٹے تیار رہتا ہے کہ پتا نہیں کب اگلے سفر کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔"

"یہ باپ بیٹی کا معاملہ ہے،ہم کیا کہہ سکتے ہیں" اس نے جان چھڑائی۔

"ویسے تم بھی کمال ہو۔یہاں روشی کی ڈھنڈیا پڑ رہی تھی اور تم نے بتایا تک نہیں کہ وہ سرائے میں ہے۔بابا صاحب نے تمہیں آڑے ہاتھوں نہیں لیا۔"

شینو کی تیز نگاہیں اس کے وجود کے آر پار ہو رہی تھیں۔

"لیں گے" وہ ہونٹ دبا کر مسکرایا۔

"بہت نڈر ہو گئے ہو۔کیا ہوا ہے؟" شینو کی مسکراہٹ طنز سے بوجھل تھی۔

"دراصل میں تو سرائے جاتا رہتا ہوں۔اور وہاں میرا قیام بہت مختصر ہوتا ہے۔ضروری نہیں کہ سرائے میں ہونے والا ہر حادثہ یا واقعہ میرے علم میں لایا جائے۔مجھے کاکا جان نے حویلی کے لیے کوئی میسج دیا ہوتا تو میں ضرور پہنچاتا۔" اس نے بہت شائستگی سے جواب دیا اور چل دیا۔

(یہ شینو تو اس حویلی میں زیرو زیرو سیون بنی رہتی ہیں۔بڑا مشکل ہو جاتا ہے انہیں فیس کرنا۔)

....

ماہین سو کر اٹھی تو باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز سن کر سمجھ گئی کہ یاور علی خان آگئے ہیں۔اس نے کچھ سوچا پھر ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل سے ہیئر بینڈ اٹھا کر بالوں کو سمیٹا اور وارڈ روب سے کپڑے نکالنے لگی۔اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی اور تفکر تھا۔

یاور علی خان باتھ روم سے باہر آئے تو اس نے رخ بدلے بغیر سلام کیا۔

"وسلام۔ٹھیک ہیں؟" وہ تولیے سے سر خشک کرتے ہوئے اس کے قریب آئے۔

"جی۔آپ تو اگلے سفر کے لیے سفر سے لوٹ آئے ہیں میرے لیے بھی اگلا حکم صادر فرمائیے۔جب میرا ٹھکانا ہری پور ہے تو میں یہاں کس خوشی میں رکھی گئی ہوں؟" وہ بہت خشک انداز میں بات کر رہی تھی۔

"آپ کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے وہاں۔ڈونٹ وری" وہ بدستور اپنے بال خشک کر رہے تھے۔

"میں روشی کے ساتھ بھی جا سکتی تھی۔آپ کو اسے تنہا نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔کتنی حیرت کی بات ہے،بابا صاحب نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔"

"خیریت۔خیال کچھ جلدی نہیں آ گیا؟" وہ مسکرائے۔بڑے دنوں بعد مسکرائے تھے۔

ماہین پر ان کے خوشگوار موڈ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔وہ اپنے کپڑے نکالنے میں مصروف رہی۔

"بس اب ہری پور ہی چلیں گے۔چند گھنٹے پشاور پھر ہری پور" انہوں نے تولیہ ماہین کو تھما دیا۔اور بریف کیس کھول کر کچھ تلاش کرنے لگے۔

"میرا خیال ہے باری آ چکا ہوگا" وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

ماہین خاموش رہی۔

"چائے نہیں پلوائیں گی؟" یاور علی خان اپنی تمام حسیات سے اس کے اندر خاموشی سے در آنے والی تبدیلی کو محسوس کر رہے تھے۔گمان یہی تھا کہ ان کی عدیم الفرصتی کی وجہ سے اس کا موڈ آف ہے۔

"کہتی ہوں ماما سے" وہ بیڈ سے دوپٹا اٹھا کر سر پر جمانے لگی۔

"آپ تیاری مکمل کر لیں۔ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" ماہین کچھ نہیں بولی۔باہر نکل گئی تھی۔

یاور علی خان نے کچھ دیر بریف کیس الٹ پلٹ کیا پھر بند کر دیا۔اسی لمحے دستک ہوئی،وہ سمجھے کوئی ملازمہ ہوگی۔وہ ہوں کہہ کر برش چلانے لگے۔

دروازہ کھول کر آنے والا باری تھا اس کے ہاتھ میں براؤن بڑا سا لفافہ تھا۔

"السلام علیکم خان۔"

"ہوں۔وسلام۔کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا" وہ بہت اہتمام سے بالوں میں برش کر رہے تھے۔

"جی نہیں۔سب ٹھیک ہے" وہ عام سے انداز میں جواب دے رہا تھا۔

"روشی تو پرابلم نہیں کر رہی۔ملازم بتا رہا تھا وہ کھانا وغیرہ کھانے میں پنکچوئیل نہیں ہے۔شی از ناٹ بے بی ناؤ۔مگر اس لڑکی نے بہت ہی پرابلمز کری ایٹ کی ہیں میرے لیے۔اب بس جلد سے جلد اس کی شادی ہو جانا چاہیے نان سنس۔"

انہیں نئے سرے سے پھر کچھ یاد آ گیا تو موڈ آف ہو گیا۔

باری ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بہ نظر غائر دیکھ رہا تھا کہ ماہین واپس آ گئی۔اسنے باری باری دونوں کے چہرے دیکھ کر اندازہ لگانا چاہا کہ اس کی غیر موجودگی میں کیا بات ہو رہی تھی۔

"اچھا۔میں بابا صاحب کے کمرے میں ہوں۔آپ چائے وہیں بھجوا دیجیے گا"

یاور علی خان یہ کہ کہ وہ فائل جو باری لے کر آیا تھا اور دوسرے کچھ کاغذات سمیت کمرے سے باہر نکل گئے باری نے بھی جانے کو قدم بڑھائے۔

"آپ کدھر چلے مسٹری باری تشریف رکھیے"

باری کے چہرے پر قدرے بے بسی کے تاثرات نمودار ہوئے۔ وہ ناچار بیٹھ گیا۔

"ایک کام لگایا ہوا ہے آپ کے ذمے۔ شاید آپ بھول گئے۔" وہ کپڑے ہاتھوں میں لیے اس کے مقابل بیٹھ گئی۔

باری یکدم گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر جیسے کسی دھیان سے چونک کر ماہین کو دیکھنے لگا۔

"آپ مائنڈ نہ کریں تو ایک گزارش کروں۔"

"یہاں تو ہر دوسری بات پر مائنڈ کرنا ہوتا ہے اسکی فکر نہ کرو۔ کہو۔" وہ قدرے بے لحاظ انداز میں گویا ہوئی۔

"آپ کیا کریں گی چھوٹے خان کا نمبر لے کر۔ جب یاور خان ان سے تعلق ختم کیے ہوئے ہیں تو آپ کا ان سے کیا حساب بن رہا ہے۔ یہ میں نہایت خلوص دل سے کہہ رہا ہوں کہ آپ کسی الجھن میں نہ پڑ جائیں مفت کا کوئی دردسر۔ پلیز میری بات پر غور کیجیے۔" وہ بڑے سبھاؤ سے بات کر رہا تھا۔

"حساب تو بہت بن رہے ہیں۔ مسٹر عبدالباری مہمندی۔ آپ تو بس یہ بتائیے آپ ہماری یہ بہت بڑی خدمت کر سکتے ہیں یا نہیں۔ تاکہ ہم کوئی دوسرا راستہ تلاش کریں۔ آپ کے انکار کی صورت میں۔"

"آپ اس راستے کی طرف نہ جائیں۔ میرا پرخلوص مشورہ ہے" اپنا پورا نام ماہین کے منہ سے سن کر وہ بری طرح چونک پڑا تھا مگر یہاں بھی اس نے اپنی سیلف کنٹرول پاور سے کام لیا تھا اور بہت سکون سے اس سے ہم کلام ہوا تھا مگر اندر عجیب سی کھدبد شروع ہو گئی تھی۔ "اس چار دیواری میں خلوص راس نہیں آتا ہے۔ میں ایسی دلدل میں آ پھنسی ہوں کہ آس پاس کوئی گرا ہوا درخت نہیں ہے کہ کوئی امکان روشن ہو۔ صرف جواد اور روشانے کا مضبوط بندھن جو مجھ سے ہے مجھے کسی انتہائی فیصلے سے روکے ہوئے ہے۔ میں اب اپنے ان پیاروں کو فطری محبتوں سے مزید محروم نہیں کرنا چاہتی۔ ان کی اتنی عمر نہیں ہے۔ جتنے امتحان سے گزر رہے ہیں۔ میں ان کے عظیم دکھوں اور محرومیوں پر بہت سارا رونا چاہتی ہوں۔"

اس کی آواز بھرآ گئی۔

باری کا خود پر اختیار اب ختم ہو چکا تھا۔ وہ حیرت سے ساکت ... سا اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"آپ۔" اس نے کچھ کہنا چاہا۔

"مجھ سے کوئی اور بات نہیں کرو باری۔ بس یہ بتاؤ نمبر دے رہے ہو یا نہیں۔ دیکھو میں بہت سکون سے وہ سب کچھ کرنا چاہتی ہوں جو میرے ذہن میں ہے لیکن اگر مجھے مسلسل بندشوں سے گزرنا پڑا تو میں تمام مصلحتیں بالائے طاق رکھ دوں گی۔ جواد اور روشانے نئے سرے سے اس کی زد میں آ سکتے ہیں۔" وہ ناراض سے لہجے میں گویا ہوئی۔

"آپ ایسا کریں یاور خان سے اس سلسلے میں کھل کر بات کر لیں۔ یہ بہت آسان راستہ ہے۔"

"وہ انتہا پسند شخص ایک جملے میں میرے پر کاٹ کر رکھ دے گا۔ اور مجھے اب کام بہت ہے۔" اس نے سابقہ انداز میں جواب دیا۔

"کیا آپ مجھے اس لائق سمجھتی ہیں کہ مجھے اپنے کام کے بارے میں کچھ بتا دیں۔ ہو سکتا ہے میں اس انداز میں آپ کی

ہیلپ کرسکوں۔ جو آپ کے ذہن میں نہ ہو۔ مگر جب میں ایسا کروں تو آپ اسے قبول کر لیں۔"

"نہیں۔ مجھے کسی سیکنڈ تھرڈ پرسن کو انوالو نہیں کرنا۔" ماہین نے دوٹوک کورا سا جواب دے دیا۔

اسی وقت سرسوتی دروازہ بجا کر اندر آ گئی۔

"آپ کو بڑے خان بلا ساں بی بی!"

"مجھے؟" اس نے الجھ کر باری کی طرف دیکھا۔ "چلو تم۔ کہو آتی ہوں۔"

وہ کپڑے صوفے پر ڈال کر کھڑی ہو گئی۔ "باری مجھے آج ہر صورت میں نمبر چاہیے۔ یا تمہارا صاف انکار۔"

وہ دوپٹا درست کرتی باہر چلی گئی۔ سرسوتی اس سے پہلے نکل چکی تھی۔

باری کی آنکھوں سے پریشانی جھلکنے لگی تھی۔ وہ سیدھا ہال میں چلا گیا۔

اب وہ نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

"خان ہیں؟" وہ ماؤتھ پیس میں کہہ رہا تھا۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد تیمور علی خان کی آواز ائرپیس میں ابھری تھی۔

"باری بات کر رہا ہوں خان حویلی سے۔" اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے قدرے آہستہ آواز میں کہا۔

"خان۔ وہ ماہین بی بی آپ سے کونٹیکٹ کرنا چاہتی ہیں۔ اور آپ کا نمبر مجھ سے مانگ رہی ہیں۔ کسی اور سے اس موضوع پر بات نہیں کر رہیں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"نمبر دے دو۔ ڈونٹ میٹر۔ اب کسی بات سے پریشانی نہیں ہوتی باری تم ایزی رہو۔ نو پرابلم۔ فیس کر لیں گے ہم۔"

"مگر خان! ان کے اپنے لیے تو پرابلم ہو سکتی ہے۔" وہ ہچکچاتے ہوئے گویا ہوا۔

"وہ اتنی ہوش مند تو ہیں کہ اپنا نفع، نقصان سوچ سکیں۔ خیر ان شارٹ۔ تم نمبر دے دو۔ تمہیں کوئی برڈن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ پارٹنر۔ او۔کے۔"

انہوں نے مزید کوئی بات کہے بغیر فون بند کر دیا تھا۔

باری ریسیور ہاتھ میں تھامے کچھ سوچنے لگا۔

"آج کل بہت سوچنے لگے ہو۔" وہ گلو کی آواز پر چونک پڑا جو بہت قریب سے آئی تھی۔

"سوچنا، سمجھنا تو اچھی بات ہوتی ہے۔" وہ مسکرایا بڑی تازہ دم مسکراہٹ تھی۔ جیسے کوئی بوجھ ذہن سے اتر گیا ہو۔

"زیادہ سوچنے سے قوت عمل کمزور پڑ جاتی ہے اور خدانخواستہ یہ تمہارے ساتھ ہو گیا تو ہمارا کیا ہو گا۔" وہ اپنی مخصوص نرم مسکراہٹ کے ساتھ ہم کلام ہوئیں۔

"ہم تو تمہیں دیر سے تلاش کر رہے ہیں۔ ہری پور سے آئے ہو۔ بتاؤ کیسی ہے؟ ویسے یاور ماموں کو اس طرح اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔ اب تو اس کی طرف سے دھڑکے ہی لگے رہتے ہیں۔ کتنی بے وقوفی کر چکی ہے پہلے بھی۔" وہ فکر مندی سے گویا ہوئیں۔

"آپ فکرمند نہ ہوں۔ وہ ٹھیک ہیں۔ زندگی سے بہت محبت ہوگئی ہے۔ دو سو سال مزید جینا چاہتی ہیں۔" وہ شریر لہجے میں ان سے مخاطب ہوا۔

"ہیں۔ کیا واقعی؟ یہ بڑا گولڈن ریولوشن ہے۔ مگر کیا اسی طرح اکیلے؟ کیا دو سو سال میں بور نہیں ہو جائے گی؟" گلو نے چھوٹا سا قہقہہ لگایا۔

جواب میں باری کا قہقہہ بھی بڑا بے ساختہ تھا۔

"یہ پوچھ لیجیے گا ان سے۔ فون پر بھی بات نہیں ہوئی ان سے؟" اس نے پوچھا۔

"بات۔ ایک کال اور سات کی لائن پیچھے۔ صرف آواز ہی سن سکتے ہیں اس طرح سے تو۔" وہ پھر ہنس پڑیں۔

"کیا واقعی وہ خوش ہے؟" انہیں جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"فون کر کے دیکھ لیں۔ بری حالت ہے خوشی سے" اس نے جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

"مگر کیوں؟" گلو کی حیرت بجا تھی۔

"ویسے ہی کہہ دیا۔ خوش محسوس ہوئی تھیں"۔ اس نے ٹال دیا۔

"کچھ کہہ رہی تھیں؟"

"نہیں۔ زیادہ بات نہیں ہو سکی، مجھے حویلی پہنچنے کی جلدی تھی۔ صبح جب میں وہاں سے روانہ ہوتو سو رہی تھیں۔"

"ویسے صحت کیسی لگی تمہیں۔ کمزور تو نہیں ہو رہی؟"

انہیں باتوں کے دوران پتا ہی نہ چلا کہ بالو آ کر کھڑی ہوگئی ہے۔

"وہ جی ماہین بی بی کہاں ہیں؟"

وہ دونوں آواز کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اپنے کمرے میں ہوں گی۔" گلو نے جواب دیا۔

"نہیں وہ اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔ بابا صاحب کے کمرے میں ہیں۔ وہاں یاور خاناں بھی ہیں۔"

باری نے مطلع کیا۔

"یہ ابھی تک یہیں ہے؟" باری نے گلو سے استفسار کیا۔

"ہوں۔ بلکہ میرا خیال ہے۔ ممانی اسے ہری پور ساتھ لے کر جائیں گی۔"

"کوئی خاص وجہ۔ اتنا اعتبار کیسے کر لیا اس پر؟"

"اب کیا کہہ سکتے ہیں ویسے تو بڑی سیدھی سادی لڑکی ہے۔" گلو نے کہا۔

اف یہ سیدھے سادے لوگ۔" باری نے گہری سانس لی۔

گلو۔ نے کچھ الجھ کر باری کی طرف دیکھا تھا مگر کچھ بولیں نہیں۔

....

سامان گاڑی میں رکھا جا رہا تھا۔ ماہین حویلی کی خواتین سے الوداعی ملاقات کر رہی تھی مگر اس کی متلاشی نگاہیں باری کو تلاش کر رہی تھیں۔ کئی بار ذہن اڑان بھر کے حویلی کے پچھواڑے بھی پہنچا تھا۔ جی چاہا تھا مطربہ سے دو چار باتیں اور پوچھ لے گردن کی روشنی میں ایسا ممکن نہ تھا۔ وہ بڑی غائب دماغی کی کیفیت میں سب کے درمیان بیٹھی تھی۔

"اس لڑکی کو ساتھ لے کر جا رہی ہو؟" عالم تاب کا اشارا بالو کی طرف تھا۔

"جی۔ وہاں بھی تو ملازمہ کی ضرورت ہوگی یاور صاحب بتا رہے تھے، وہاں تو سب مرد ملازم ہیں اچھا ہے ایک عورت بھی ہو جائے گی۔ یوں بھی یہ بے سہارا بے ٹھکانا ہے۔ جانے کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتی پھرے گی۔" ماہین نے بڑے اعتماد سے تفصیلی جواب دیا۔

"اس طرح کسی انجان پر بھروسا ٹھیک نہیں ہوتا۔ آگے پیچھے دیکھ لیا نا۔" روشن آرا نے دبے لفظوں میں گویا خبردار کیا۔

"جی میں سمجھتی ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔" وہ ان کے اس طرح کے اشارے اب بھی نہ سمجھتی۔

"بعض لوگ بہت سیدھے نظر آتے ہیں مگر ہوتے نہیں ہیں۔"

بصیر علی خان کی دلہن نے بھی حصہ لیا۔ وہ جوان بیٹیوں کی ماں تھیں مگر آج بھی بصیر خاناں کی دلہن کہلاتی تھیں۔ حنا، ثانیہ کہا کرتی تھیں بلکہ چھیڑتی تھیں کہ ہم آپ کو دلہن امی کہا کریں گے۔

"جی بھابی جان! ایسا بھی ہوتا ہے۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" ماہین نے اختلاف نہیں کیا۔

"فون کرتی رہنا۔ یہاں سے تو جب فون کرتے ہیں۔ بزی ملتا ہے۔ اگر ملتا ہے تو پھر آپریٹر ملتا ہے۔ جو اطلاع دیتا ہے کہ ڈی سی صاحب بزی ہیں۔" سائرہ ممانی (عالم تاب کی بھاوج) نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"جی۔ میں فون کرتی رہوں گی۔" ماہین نے تسلی دی۔

"روشی بہت ضدی ہوگئی ہے۔ ذرا تدبیر سے اسے قابو کرنا۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ جلد سے جلد اس کی شادی ہو جائے۔ یاور کو بہت پریشان کیا ہے اس نے۔ الجھ کر رہ گئے ہیں۔" عالم تاب فکرمندی سے گویا ہوئیں۔

"جی۔ آپ فکر نہ کریں۔" اس نے پھر بے قراری سے ادھر ادھر نظر دوڑائیں۔

"سامان رکھ دیا ہے بی بی۔ یاور خاناں بلا رہے ہیں۔" کلو نے آ کر مطلع کیا۔

اتنے میں تمام لڑکیاں بھی آ گئیں۔ جو روشی کے لیے مختلف قسم کے پیغامات دے رہی تھیں۔

"ممانی جان! آپ جب بھی حویلی آئیں روشی کو ضرور ساتھ لائیے گا خواہ آپ کو یاور ماموں کے ساتھ لڑائی کرنا پڑے۔ روبی نے تاکید کی۔ سب مسکرا دیے۔

"یعنی ماموں، ممانی کی لڑائی کرانے کے درپے ہو۔" گلو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہی سمجھ لیں۔" روبی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"بری بات۔ اللہ انہیں شاد و آباد رکھے۔" عالم تاب نے بڑی شفقت سے ماہین کے سر پر ہاتھ رکھا۔

وہ آنکھوں پر گلاسز چڑھا کر بڑی سی چادر لپیٹے پرس سینے سے لگائے پورچ کی سیڑھیاں اتری تو باری کو یاور علی خان کے

ساتھ باتوں میں مصروف پایا۔ گہری سانس لے کے رہ گئی۔ بہت ہوشیار ہے یہ باری۔

اسے آتا دیکھ کر یاور علی خان پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور نے ان کی طرف کا دروازہ بند کیا۔ اور ماہین کیلئے دوسری طرف کا کھول دیا لیکن ماہین گاڑی کی طرف بڑھنے کے بجائے باری کی طرف بڑھی۔

''وہ ایک درخواست کی تھی آپ سے۔'' اس نے قدرے جتانے والے لہجے میں بہت آہستگی سے باری کو مخاطب کیا۔

''پابند انسانوں پر طنز نہیں کرتے۔ گناہ ہوتا ہے'' وہ دھیرے سے بولا۔ لبوں پر ہلکی سی بلکہ مبہم مسکراہٹ تھی۔

''یہ آپ کی کتاب۔ انٹرنیشنل لاء۔'' اس نے ایک بلیو جلد کی کتاب اس کی طرف بڑھائی۔'' اس میں آپ کا مطلوبہ نمبر ہے۔'' وہ سرگوشی کے انداز میں کہہ کر دور ہٹ گیا۔

ماہین نے انا فانا خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کیا۔ نئے سرے سے وجود میں توانائی دوڑنے لگی جیسے کھڑے کھڑے کسی عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہو۔

بڑی تیزی سے وہ گاڑی کے کھلے دروازے تک آئی اور ہاتھ ہلا کر برآمدے میں کھڑی خواتین کو خدا حافظ کہا اور بیٹھ گئی۔

یاور علی خان بہترین سوٹنگ کیے ہوئے اور کوئی لاجواب خوشبو لگائے ہوئے تھے۔ گاڑی کے بند ماحول میں ایک خوبصورتی اتر آئی تھی۔ ایسا حسن جو بیرونی دنیا سے بیگانہ کر کے رکھ دے۔

''اس طرح کی فارمیلٹیز سے مجھے بہت الجھن ہوتی ہے۔ صرف خدا حافظ کہنے میں تیس پینتیس منٹ صرف ہو گئے یاور علی خان کے لہجے میں ناگواری تھی۔

''کیا یہ مرا قصور ہے؟ ماہین کو ان کے آف موڈ پر غصہ آ گیا۔

یاور علی خان کچھ بولے نہیں۔ بلکہ اس کے ہاتھ میں تھمی کتاب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ماہین ہڑبڑا کر رہ گئی۔

''آپ کے کس کام کی۔ آپ تو ایسی کتابیں گھول کر پی چکے ہوں گے۔'' اس نے کتاب اس طرح سینے سے لگائی جیسے کسی قیمت پر انہیں نہیں دے گی۔

''پڑھی ہوئی کتاب میں سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سے پوائنٹس ذہن سے نکل جاتے ہیں۔ دکھایئے ذرا۔ ابھی تو فاصلہ بھی طے کرنا ہے۔'' انہوں نے کتاب کی طرف پھر ہاتھ بڑھایا بلکہ کتاب کو تقریباً پکڑ ہی لیا۔

ماہین نے بے بسی سے کتاب کی طرف دیکھا اور کتاب پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔

''آپ کتنے آرام سے انسان کی توہین کرتے ہیں اور پھر آپ کو کچھ فیل بھی نہیں ہوتا۔''

اب ایک یہی تدبیر رہ گئی تھی کہ وہ انہیں کسی بحث میں الجھا دے تاکہ وہ کتاب کی طرف متوجہ ہی نہ ہوں۔

''میں سمجھا نہیں۔'' وہ واقعی حیران ہوئے۔ گاڑی گیٹ سے باہر نکل چکی تھی۔

''کیسے لائف پارٹنر ہیں آپ۔ گاڑی تک میں تو پارٹنرشپ بناہ نہیں سکتے آپ کتاب پڑھیں۔ میں کیا کروں؟'' وہ خفا خفا سے انداز میں بولی۔

''پڑھ تو نہیں رہا۔ صرف سرسری دیکھ رہا ہوں۔ دراصل کتاب میری کمزوری ہے۔ کتاب دیکھ کر بڑی بے اختیاری کیفیت ہو جاتی ہے۔ او۔ کے۔''

انہوں نے تو جھگڑا ہی ختم کر دیا۔ اور بیک سے بریف کیس کھینچ کر کتاب اس میں رکھ دی۔

''ظاہر ہے آپ بھی اسے منزل پر پہنچ کر پڑھیں گی۔ اس لیے رکھ دی ہے۔ چلیے اب پارٹنرشپ کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔ یہ بتایئے وقت کیسے گزرا۔ حویلی کی خوتین سے آپ کو کوئی شکایت تو نہیں ہوئی۔''

انہوں نے بریف کیس واپس پیچھے رکھتے ہوئے بہت خوشگوار موڈ میں گفتگو شروع کی۔ وہ ذہنی طور پر اتنی الجھ گئی تھی کہ اس نے جیسے یاور علی خان کا ایک لفظ بھی نہیں سنا۔ خالی خالی نگاہوں سے اپنی ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔

''کہاں گم ہیں۔ واپس آ یئے۔'' ان کا لہجہ بہت دھیما تھا۔ جیسے سرگوشی کر رہے ہوں۔

''آں۔ ہاں۔ کہیں نہیں۔ میں سوچ رہی تھی۔ پشاور سے روشی کے لیے کچھ کپڑے وغیرہ لے لوں گی۔ ریڈی میڈ۔ اس کے پاس سیزن کے کپڑے نہیں ہیں۔'' اس نے پریشان ذہن کے بات بنائی۔

''ہوں۔ ٹھیک ہے۔ پانچ گھنٹے ہوں گے ہمارے پاس۔ میں اپنا کام کروں گا۔ آپ شاپنگ کر لیجیے گا۔ او کے۔''

انہوں نے فوراً معقول حل سے نواز دیا۔

''ویسے سچ سچ بتائیں۔ آپ کو کبھی اپنی مصروفیات میں خیال آتا ہے۔ کہ روشنی کو اس عمر میں کس کس چیز کی خواہش ہوگی اور وہ خواہش وہ کس طرح پوری کرتی ہوگی۔ انسان اپنے پیرنٹس سے بے دھڑک ڈیمانڈ کر سکتا ہے۔ ہر کسی سے تو نہیں۔ اور آپ تو اسے کبھی کبھی میسر آتے ہیں۔ وہ اپنی خواہشات کا اظہار بھابی بیگم یا بابا صاحب سے کس حد تک کرتی ہوگی؟''

ماہین نے ان کا ذہن ادھر ادھر کرنے کی کوشش میں یونہی روشی کا ذکر چھیڑ دیا۔

''آپ اس کا ذکر نہ کریں۔ اس نے مجھے جتنا ہرٹ کیا ہے، جتنی میری انسلٹ کی ہے شاید میں عمر بھی اسے معاف نہ کر سکوں۔''

یاور علی خان کی پیشانی کی لکیریں گہری ہو گئیں۔

''کیا کیا ہے اس نے۔ ذہنی لحاظ سے ابھی وہ بچی ہے۔ ماں سے محرومی باپ سے دوری نے اسے کامپلیکس میں مبتلا کر دیا ہے۔ جو اس کے نقصان ہیں۔ وہ بھی شاید آپ کے سرخ فیتے کی نذر ہو گئے ہیں۔''

''وہ ایک کمفرٹ لائف گزار رہی ہے۔ اسے باپ دادا کی وجہ سے سوسائٹی میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اور انسان کو کیا چاہیے ہوتا ہے؟''

ان کے لہجے سے خفگی کا تاثر بدستور چھلک رہا تھا۔

''سر پر رکھ کر نا ہے انسان ایسے امتیاز کو۔ جب انسان انتشار اور دکھ کی ایسی سطح پر پہنچ جائے کہ اسے کمفرٹس کی موجودگی کا احساس تک نہ رہے تو کمفرٹس ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اگر آپ اس سے خفا ہوئے تو وہ اندر سے مزید چور چور ہو جائے گی۔ تو کیا آپ کو دکھ نہیں ہوگا؟''

ہری پور پہنچنے سے پہلے اسے برین واشنگ کا اچھا موقع ملا تھا۔

''کوئی گنجائش نہیں ہے اب اس کے لیے بہت برا کیا ہے اس نے۔'' ان کے لہجے میں ایک قطعی پن تھا۔

''اپنے خون، وہ بھی بیٹی سے برابری کی بنیاد پر اس طرح جنگ تو نہیں لڑی جاتی ہوسکتا ہے۔ اسے وراثت میں وہ پیچیدگیاں ملی ہوں جن کے نتیجے میں آج اس سے غلطیاں ہو رہی ہوں۔ ہوسکتا ہے وہ اندر سے کبھی بھی ریلیکس نہ رہی ہو۔'' ماہین نے بھی قدرے آف موڈ میں جواب دیا۔

''آپ اس کی وکالت نہ کریں۔ اب میں جو کر رہا ہوں۔ مجھے کرنے دیں۔'' انہوں نے فیصلہ کن انداز اختیار کیا۔

ماہین خاموش ہوگئی اور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

''میں سوچتی ہوں، انسان سے کس قسم کا عمل سرزد ہوتا ہوگا کہ پھر اسے زیادتی راس آجاتی ہے۔ پھر زیادتی در زیادتی۔'' وہ کچھ توقف کے بعد گویا ہوئی۔

یاور علی خان کے لہو سے آنچ آنے لگی۔ ان کے کانوں کی لوؤں سے گویا خون ٹپکنے لگا۔ اتنی بڑی بات کہہ دی گئی تھی انہیں۔ وہ بھی اتنے آرام سے۔ مگر انہوں نے ڈرائیور کی موجودگی کو فراموش نہیں کیا اور کمال ضبط سے کام لیا۔

''اتنی پرانی شادی نہیں ہوئی ہماری کہ کہنے کو کوئی خوبصورت بات نہ بچی ہو۔''

''کہاں ہے یہ شادی۔ یہ تو کوئی پراجیکٹ ہے۔ جس پر آپ مرحلہ وار کام کر رہے ہیں۔'' وہ بات کاٹ کر بہت آہستہ آواز میں بولی۔

''پچھتا رہی ہیں غالباً۔'' ان کا لہجہ یکدم برف ہوگیا۔

''ارے نہیں۔ جواد اور روشانے کی موجودگی میں کبھی اس فیصلے پر پچھتاوے کا احساس نہیں ہوسکتا میرے پیارے میرے اپنے میرے قریب ہیں۔'' وہ دھیرے سے مسکرادی۔

''میری تو کہیں جگہ ہی نہیں بن رہی۔ پراجیکٹ تو پھر آپ کا ہوا؟'' یاور علی خان کے لہجے میں واضح تلخی تھی۔

''سودے بازی میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر مرتبہ متوقع منافع ہو۔ ویسے آپ ایک بات بتائیے۔''

''ٹاپک بہت سینسٹو ہو چکا ہے۔ میرا خیال ہے بات گھر پر ہونا چاہیے۔''

یاور علی خان کی تمام حسیات شارپ ہو کر خطرے کا الارم بجا رہی تھیں۔

ماہین خاموش ہوگئی۔

....

پشاور سے ہری پور پہنچتے پہنچتے تھکن سے بری حالت ہو چکی تھی۔ مگر روشی کو سامنے پا کر جیسے وہ ایک دم تازہ دم ہوگئی تھی۔ گہرے رنگوں کے پرنٹڈ کپڑوں میں سبزے کے درمیان کھڑی روشنی اسے قدرتی حسن کا ایک حصہ محسوس ہوئی۔

''بہت خراب ہیں آپ اب آ رہی ہیں؟'' وہ ماہین کے گلے لگ کر شکوہ کناں ہوئی۔

''تمہیں پہلے اس لیے بھیج دیا تھا کہ کوئی تو ہمارے استقبال کے لیے موجود ہو۔'' وہ اس گرم جوشی سے لپٹا کر بولی۔

''اف خدایا۔ آپ آئی ہیں تو لگا ہے کہ گھر ہے یہ۔ تھوڑے دیر پہلے کیا وحشت تھی۔'' وہ اسی طرح گلے لگے لگے کہہ رہی تھی۔

اسی دم یاور علی خان پاس سے گزرے تو روشی ماہین سے الگ ہوگئی اور ڈرتے ڈرتے ان کی طرف دیکھا اور سلام کیا۔

یاور علی خان نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ اور تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ روشی نے ماہین کی طرف دیکھا۔

''انداز تو ہمیشہ ہی یہ رہا ہے خالہ! مگر پہلے سلام کا جواب دے دیا کرتے تھے۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''ایک بار پپا سے دور ہو جاؤں خالہ پھر کوشش کروں گی کہ مرتے دم تک سامنے نہ آؤں۔ کاکا جان اتنے روڈ لگتے ہیں مگر ہیں نہیں۔ میں ایک بار ان کے گلے لگی تو ایسا لگا جیسے وہ کوئی ٹھنڈی چھاؤں ہوں۔ اتنے اچھے ہیں۔ کہ کبھی اندازہ نہیں ہوا۔ بابا پپا ان سے کیوں ناراض ہیں۔ لگتا ہے پپا تو بس سب ہی سے ناراض ہیں۔ شاید اپنے آپ سے بھی۔'' وہ بہت دل گرفتہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

ماہین خاموشی سے سنتی رہی۔

''بری بات ہے روشی! اپنے باپ سے زیادہ کوئی نہیں ہونا چاہیے۔ باپ پھر باپ ہوتا ہے۔''

ماہین کا اخلاقی فرض تھا، وہ ساتھ رہنے والوں کے درمیان فاصلے پیدا نہ ہونے دے۔ لہٰذا وہ اسے سمجھانے لگی۔

''چھوڑیے خالہ۔ آپ کو کیا پتا مجھے پپا سے کتنی محبت ہے۔ مگر وہ اتنی مرتبہ میرا دل توڑ چکے ہیں کہ ستیاناس ہوگیا ہے برا۔''

وہ اس طرح بولی کہ ماہین بے ساختہ مسکرادی۔

لاؤنج کی طرف روشی کے ہمراہ جاتے ہوئے معاً وہ کسی خیال کے تحت چونک پڑی۔ اوہ کتاب میں تیمور علی خان کا فون نمبر ہے اور کتاب یاور علی خان کے بریف کیس میں ہے۔ یقیناً وہ اب سب سے پہلے غسل کریں گے۔ بہترین موقع ہے کہ کتاب بریف کیس سے نکالی جاسکتی ہے۔

شام کے چھ بج رہے تھے۔ مگر سبزے کی کثرت کی وجہ سے شام گہری محسوس ہو رہی تھی۔ لگتا تھا بس رات ہونے والی ہے۔ اس نے گم صم سی روشنی کی طرف دیکھا۔

''روشی۔ جان اچھی سی چائے پلواؤ۔ جب تک میں باتھ لے لیتی ہوں۔''

وہ کمرے میں آئی تو یاور علی خان کوٹ اور ٹائی اتار کر بستر پر دراز تھے۔ سلگتا ہوا سگریٹ ان کی انگلیوں میں دبا ہوا تھا۔ وہ کسی سوچ میں تھے، وہ کمرے میں داخل ہوگئی مگر انہوں نے توجہ نہ کی۔

''طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟'' اس نے قدرے حیرت سے دریافت کیا۔ ان کی عادت تھی وہ باہر سے آکر پہلی فرصت میں غسل کرتے تھے بعد میں کوئی اور کام کرتے تھے۔

''کیوں کیا ہوا میری طبیعت کو؟'' انہوں نے سرد مہری سے دریافت کیا۔ ماہین اس عجیب سے جواب پر سٹپٹا سی گئی۔

''میرا مطلب ہے آپ نے باتھ نہیں لیا۔ وہاں میں چائے کے لیے کہہ آئی ہوں۔ اس لیے پوچھ رہی تھی کہ آپ

چائے ابھی پئیں گے یا باتھ لینے کے بعد؟'' اسے ایک دم جواب سوجھ گیا۔

''کوئی بات نہیں۔ کبھی کبھی یوں بھی ہو جاتا ہے۔ آپ چائے منگوا لیجیے۔'' ان کا انداز بدستور تھا۔

''ماہین۔'' ان کے سرد سے انداز سے فضا میں عجیب سوگواری سی رچ گئی۔

''جی۔''

''آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ روشی علیم الدین کے ہاں رشتے پر کیوں رضامند نہیں ہو رہی؟''

بڑا ہی غیر متوقع سوال تھا۔

''جی۔ وہ مجھے کیا پتا۔ شاید نعیم اسے پسند نہ ہو۔'' اس نے گڑبڑا کا جواب دیا اور ان کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''کیوں کیا وہ اس کے جوڑ کا نہیں؟'' ان کے ماتھے کی شکنیں گہری ہو گئیں۔

''میرا خیال ہے، شاید وہ اس سے کچھ چھوٹا ہے'' اس نے جھجکتے ہوئے ان کی سمت دیکھا۔

''نان سنسن۔ مرد بھی کبھی چھوٹا ہوتا ہے۔ واٹس اے جوک؟ ایز یوم دیٹ۔ اگر ایسا ہے بھی تو وہ کون سا اوور ایج ہو چکی ہے؟ جنریشن گیپ تو نہیں ہے۔ اس کی شادی یہیں ہری پور میں ہوگی۔ آپ اس کا مائنڈ میک اپ کریں۔ ساتھ ہی شادی کی تیاری بھی۔ جواد کے ایگزام ختم ہونے والے ہیں۔ اسے بھی ہم یہیں بلا رہے ہیں۔ ویسے بھی میں اسے مزید تعلیم یہاں نہیں دلانا چاہتا۔ وہ یورپ جانا چاہتا ہے۔ تعلیم کے لیے اور میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ وہ بعد میں وہیں سیٹل ہو جائے اور بس۔''

وہ یہ کہہ کر کش لگانے لگے۔

ماہین خاموشی سے سنتی رہی۔

'میرا خیال ہے بابا صاحب سے مشورہ کر کے روشی کی شادی اگلے مہینے کی کسی تاریخ کو ٹھہرا دیتے ہیں۔''

''احساس ذمے داری کے تحت ایسا چاہ رہے ہیں یا اسے خود سے دور رکھنے کے لیے غصے میں یہ فیصلہ کر رہے ہیں۔'' اس نے ان کی بات کاٹ دی۔

''کچھ بھی سمجھ لیں۔ شادی کوئی بری چیز نہیں ہوتی۔ اچھا ہے وہ اپنی عملی زندگی کا آغاز جلد سے جلد کر دے۔''

''اتنی جلدی تو شاید وہ۔''

''مجھے کچھ نہیں سننا۔ میری ساری زندگی پرابلم فیس کرنے میں گزری ہے۔ اب میں ٹھہراؤ چاہتا ہوں۔ آپ اسے مطلع کر دیں۔''

بعض اوقات انسان کے پرابلمز اس کی اپنی کسی غلطی کی وجہ سے بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کا بدلہ دوسروں سے تو نہیں لینا چاہیے۔'' ماہین کہے بنا رہ نہ سکی۔

سو ہاٹ۔ پھر فیس بھی تو انسان خود ہی کرتا ہے۔ اگر میں بدلہ لے رہا ہوں تو بہت اچھا بدلہ لے رہا ہوں۔ اس کی شادی کر رہا ہوں۔ شوٹ تو نہیں کر رہا۔'' وہ قدرے برہم انداز میں گویا ہوئے۔

ماہین معلیٰ خاموش ہو گئی۔ وگرنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ آج کھل جائے۔

اسی لمحے ملازم نے دروازے پر دستک دی۔

''آ جاؤ۔'' ماہین نے ٹیبل پر سے میگزین ہٹا کر ٹرے کے لیے جگہ بنائی۔

یاور علی خان بھی اٹھ کر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

ملازم نے ٹرے میز پر رکھ دی اور اگلے حکم کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔

''ہوں۔ بس جاؤ تم۔'' ماہین نے ٹرے اپنے آگے کھسکا کر اسے فارغ کیا۔

''وہ ایکمنٹ ٹھہرو۔ روشی کو چائے دی؟'' اس نے جاتے ہوئے ملازم کو روک کر سوال کیا۔

''چائے مس صاحبہ نے بنائی ہے اور وہ وہیں پی رہی ہیں۔'' ملازم نے مودبانہ جواب دیا۔

''اب تو زیادہ تر دوپہر کو کھانا وہ خود ہی بناتی ہیں کسی کو بھی کچن میں آنے نہیں دیتیں ہیلپ کے لیے۔''

ویری نائس۔ گڈ چینج۔'' ماہین نے بے ساختہ یاور علی خان کی سمت دیکھا۔

وہ چہرہ صاف سلیٹ کی طرح تھا۔

ملازم ایک منٹ مزید رک کر باہر چلا گیا۔

''باپ کا گھر آخر باپ کا گھر ہوتا ہے۔ یہ احساس آپ کی ناراضگی بھی اس سے نہیں چھین سکتی۔'' ماہین چائے بناتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''باپ کے گھر کا احساس کر سکتی ہے۔ باپ کا نہیں۔'' وہ خفگی بھرے انداز میں کہہ کر سگریٹ ایش ٹرے میں مسلنے لگے۔

''بدگمانی حد سے بڑھ جائے تو انصاف کی حس مریز ہو جاتی ہے۔ حق چھپ جاتا ہے۔ فریب چھا جاتا ہے۔'' ماہین نے چائے میں شکر ملاتے ہوئے خفا خفا سے لہجے میں کہا۔

''آپ کا مینٹل لیول اتنا ہائی ہے کہ سم ٹائم میں اپروچ نہیں کر پاتا۔'' یاور علی خان نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

ماہین خاموشی سے چائے میں شکر ملانے لگی۔ پھر اس نے چائے کا کپ ان کی طرف بڑھا دیا۔ یاور علی خان نے کپ تھام لیا۔

معاً ماہین کی نگاہ کھلے ہوئے برف کیس کی طرف پڑی۔ جو ان کے پہلو میں رکھا تھا اور اس میں سے کاغذات جھانک رہے تھے۔ اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ مبادا انہوں نے کتاب نکال کر باہر رکھ دی ہو۔ مگر اسے کتاب نظر نہ آئی۔

وہ بریف کیس میں سے کتاب تو نکال دیجیے جو باری نے دی تھی۔'' کتاب ہاتھ میں لینے کا یہ موقع وہ گنوانا نہیں چاہتی تھی۔

یاور علی خان نے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور تکیے کے نیچے سے کتاب نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

''بڑی عام سی کتاب ہے مگر آپ جانے کیوں اتنی کانشس ہو رہی ہیں؟'' انہوں نے عام سے لہجے میں کہا اور دوبارہ چائے کا کپ اٹھا لیا۔

ماہین نے خاموش رہنا مناسب سمجھا اور کتاب کھول کر دیکھنے لگی۔ وہ تیزی سے صفحات اڑا رہی تھی کہ فون نمبر والا کارڈ سامنے آجائے۔ مگر کئی بار صفحات ادھر ادھر کرنے کے باوجود کارڈ نظر نہ آیا۔ اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ وہ بار بار صفحات ٹٹولنے لگی۔ بدحواسی میں اتنا دھیان بھی نہ رہا کہ یاور علی خان اس کی حرکات وسکنات بغور دیکھ رہے ہیں۔

انہوں نے تکیے کے نیچے دوبارہ ہاتھ ڈال کر کچھ نکالا؟ اس کتاب میں سے یہ کارڈ گر گیا تھا میں نے باری کا سمجھ کر الگ رکھ دیا تھا۔ کسی وکیل صاحب کا ہے دو نمبر تو پرنٹ ہیں اور ایک نمبر ہاتھ سے لکھا ہوا ہے۔ کہیں آپ یہی تو تلاش نہیں کر رہیں؟''

ماہین اپنی حماقت پر سر پیٹ کر رہ گئی۔ مگر اس نے فوراً ہی خود پر کنٹرول کر کے بڑے اعتماد سے کارڈ ان کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ مگر بولی کچھ نہیں کہ بعض اوقات صفائی پیش کرنے سے الجھنیں پیش آنے لگتی ہیں۔

البتہ دل ہی دل میں حیران تھی کہ آئے ہوئے زیادہ دیر تو نہیں ہوئی مگر یاور علی خان نے اتنی دیر میں بریف کیس بھی کھول لیا کتاب بھی دیکھ لی۔ اور پھر یہ بھی نہیں پوچھا کہ ایک مقامی ایڈووکیٹ کے کارڈ کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟ اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ جان بوجھ کر اس معاملے کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ اس خیال کے تحت عجیب سی فکر نے اسے مضطرب سا کر دیا۔

اس نے کارڈ کو بظاہر لاپروائی سے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں ڈال دیا اور واپس اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی اور چائے پینے لگی۔ دونوں کے مابین خاموشی کی زبان میں بڑی تیز دتند گفتگو ہونے لگی۔

ماہین صبح ہی سے بہت مصروف تھی۔ کچھ گھر کی سیٹنگ اپنی سہولت ومرضی سے کی تھی دوسرے کچن بہت اپ سیٹ محسوس ہوا تھا۔ وہاں ملازم کے ساتھ مل کر کام کیا تھا۔ روشی ابھی تک کمرے سے باہر نہیں آئی تھی۔ یاور علی خان کا سوٹ اس نے رات ہی تیار کر دیا تھا۔ رات سے اب تک اس کی ان سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی دو مرتبہ وہ بیڈ روم میں گئی تھی مگر اس کا انداز بہت مصروف تھا یا یہ کہ کام کی دھن سوار تھی دوسری مرتبہ وہ چادر اور اپنا بیگ لینے بیڈ روم میں گئی تھی۔ اور بہت عجلت کے انداز میں انہیں بتایا تھا۔

کہ وہ نزدیکی بازار جا رہی ہے۔ ملازم کے ساتھ کچھ گھر کی بہت ضروری اہم چیزیں لینے۔ یہ بتا کر اس نے یاور علی خان کے جواب کا بھی انتظار نہیں کیا تھا۔

وہ راہداری میں آئی تو سامنے سے ایک خوش شکل وخوش لباس نوجوان آتا دکھائی دیا۔ اس نے بہت آہستگی سے ماہین کو سلام کیا اور ایک طرف ہو کر اسے راستہ دیا۔

''یہ کون ہے خوش دل؟'' اس نے افغان ملازم کی سمت دیکھا۔

''ڈی۔سی صاحب کا آپریٹر ہے بیگم صاحبہ، خوش دل نے مودبانہ جواب دیا۔

''کیا نام ہے ان کا؟'' اس نے یونہی پوچھ لیا تھا۔

''سب لوگ عثمانی صاحب بولتا اے۔ امارا زیادہ بات نہیں اے بیگم صاحبہ۔''

''اچھا۔ اچھا۔ خیر۔ زیادہ دور تو نہیں ہے بازار؟ ٹیکسی کر لیں؟'' اس نے پوچھا

''زیادہ دور تو نہیں اے۔ ویسے آپ گاڑی لے لیں۔ ڈرائیور موجود اے۔'' ملازم نے مشورہ دیا۔

''یہ صاحب کے آفس جانے کا ٹائم ہے، وہ ڈسٹرب ہوں گے۔ اور مجھے تو یہ گھریلو شاپنگ خود ہی کرنے کی عادت ہے۔ اس لیے بازار کا رستہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے دوسروں کا لایا ہوا سودا سلف پسند نہیں آتا۔''

''ادھر حویلی میں بھی آپ ہی لاتا اے سب سامان۔'' خوش دل نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''نہیں۔ وہاں نہیں۔ شادی سے پہلے کیونکہ گھر کی ذمے داری مجھ پر آ پڑی تھی۔ بہنوں کی شادیاں ہو گئی تھیں۔ والدہ کی بیٹھ ہو گئی تھی اس لیے عادت ہے سب کچھ کرنے کی۔ حویلی میں تو بہت سے لوگ ہیں۔ مگر یہ تو میرا اپنا گھر ہے یہاں تو مجھے ہی سب کچھ سنبھالنا ہے۔'' اس نے گیٹ عبور کرنے کے دوران یہ سب کچھ کہہ دیا تھا۔

''آپ اجازت دیں تو ایک بات عرض کروں؟ خوش دل بہت جھجکتے ہوئے اجازت طلب کر رہا تھا۔

''ہوں۔ اسے اس مودب ملازم سے کسی حماقت کی توقع نہیں تھی۔ اس لیے بہت اطمینان سے اجازت دے دی تھی۔

''آپ بس مس صاحبہ کو سنبھال لیں۔ ام اس کی بہت فکر کرتا اے۔''

''کیوں کیا کیا ہے اس نے؟'' اس نے تشویش کے انداز میں قدرے چونک کر سوال کیا۔

''بہت غصہ کرتا اے۔ پھول دان' برتن توڑ دیتا اے۔ ام یہ سب ڈی سی صاحب کو نہیں بولا اے۔ پھر وہ کھانا وانا کچھ نہیں کھاتا اے۔ ام فکر کرتا اے۔ پر ام کیا کر سکتا ہے۔

ایک روز مس صاحبہ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا اور بہت رویا۔ وہ اللہ نے خان کو ادر بھیج دیا۔ وہ اس کو کھانا کھلایا رات کو۔''

''وہ ادھر حویلی میں ہوتا اے۔ کبھی کبھی ادر آتا ہے۔ آپ نہیں جانتا؟'' خوش دل نے حیرت سے پوچھا۔

''باری۔؟'' اس نے اندازے سے پوچھا۔

''جی۔ اور سب اس کو خان بولتا اے۔ بڑا اچھا اے۔ بہت پڑھا ہے۔ ابھی وکیل بنے گا وہ۔'' خوش دل نے اپنی دانست میں اطلاع بہم پہنچائی۔

''اوہ۔'' ماہین نے گہرا سانس لیا۔

''پھر وہ صبح صبح چلا گیا تھا۔ مس صاحبہ نے اٹھ کر پوچھا خان کدر گیا۔ ام بتایا' وہ واپس چلا گیا تو وہ بوت غصہ کیا۔ پتا نہیں کیا کیا بولا؟''

''ہوں۔'' ماہین گویا گہری سوچ میں چلی گئی۔

''پھر اس کے بعد تو بھوک ہڑتال نہیں کی روشی نے؟'' اس نے دریافت کیا۔

''نہیں۔ پر وہ اس طرح کھانا نہیں کھاتا اے۔ بس جب دل چاہتا اے کھا لیتا اے۔ ام اس کی بہت فکر کرتا اے بیگم صاحبہ۔ امارا دو بیٹی اے اس کے برابر کا۔ ڈی۔سی صاحب بھی اس سے پتا نہیں کیوں بات نہیں کرتا اے۔ ام بوت افسوس کرتا اے۔ آپ مس صاحبہ کا خیال کرو بیگم صاحبہ۔''

وہ بہت ہمدردی اور دلسوزی سے کہہ رہا تھا۔ اس کی اپنائیت نے ماہین کے دل پر بہت اثر کیا۔

''ہاں خوش دل! اب مجھے صرف اسی کا خیال کرنا ہے۔ میرا تو اثاثہ ہیں یہ بچے۔ میرا بس چل تو ان کا ایک ایک دکھ اپنے نام کرلوں۔ میں ان کی دوسری ماں ہوں اور یہ رشتہ بہت کمزور ہے مگر میں ان کی سگی خالہ بھی ہوں اور یہ رشتہ بہت مضبوط ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ ٹھیک ہو جائے گی وہ۔''

اس نے آج تک کسی گھریلو ملازم سے اتنے قریب ہو کر بات چیت نہیں کی تھی۔ مگر اس بوڑھے میں اس نے بلا کی جانثاری محسوس کی تھی۔

''دراصل وہ اکیلے میں گھبراتا ہوگا۔ اب آپ آ گئی ہیں تو وہ ٹھیک ہو جائے گا۔''

خوش دل نے ماہین کے انداز سے بہت اچھی امید باندھ لی تھی۔ اس لئے مطمئن انداز میں کہا تھا۔

سارا دن کی ادھیڑ بن سے اس کے اعصاب شل ہو چکے تھے۔ یاور علی خان اپنی فائلوں میں مگن تھے۔ وہ کافی دیر ادھر ادھر ٹہلتی رہی۔ روشی دس بجے ہی کمرہ بند کر چکی تھی۔ اس کا اپنا موڈ بھی نہیں تھا۔ باتیں کرنے کا وگرنہ وہ دروازے پر دستک بھی دے سکتی تھی اور روشی کو باتوں میں لگا سکتی تھی۔

وہ سر پر آنچل جما کر دبے پاؤں باہر چلی آئی۔ یاور علی خان سے یہ کہہ کہ روشی کے پاس جا رہی ہے وہ آپریٹر کے چیمبر میں چلی آئی تھی۔

آپریٹر، ماہین کو دیکھ کر سرو قد کھڑا ہو گیا۔ ''السلام علیکم میڈم۔''

''والسلام۔ اتنی لمبی ڈیوٹی ہوتی ہے آپ کی؟'' وہ سامنے پڑی لیدر کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''جی نہیں۔ ایکچوئلی میں پانچ بجے آف ہو جاتا ہوں۔ اس کے بعد گل صاحب آ جاتے ہیں۔ مگر آج ان کے ساتھ پرابلم ہو گئی ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ کبھی ان کے ساتھ کبھی میرے ساتھ وہ بڑے مودبانہ انداز میں جواب دے کر مسکرایا۔

''ہوں۔''

''بھئی، مجھے تو یہ لائف باؤنڈری سی محسوس ہوتی ہے۔ دم الجھتا ہے اپنے کمرے میں خود فون ڈال کرنے کا مزا ہی کچھ اور ہے۔''

اس نے بند مٹھی کھول کر کارڈ اس کے سامنے کیا جو اس نے دراز سے نکال کر پہلی فرصت میں اپنے پرس میں رکھ لیا تھا۔ محض بے نیازی ظاہر کرنے کیلیے یاور علی خان کے سامنے دراز میں ڈال دیا تھا۔

''یہ تیسرا نمبر جو ہینڈ رائٹنگ میں ہے۔ یہ ملا دیجیے۔''

''آپ نے زحمت کی آپ اپنے بیڈروم سے حکم فرماتیں۔ میں ملا دیتا۔'' آپریٹر حیرانی سے کہہ رہا تھا۔ ''نہیں۔ بس میں ذرا پرائیویسی میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ آپ بھی پلیز نمبر ملا کر یہ چیمبر خالی کر دیجیے گا۔'' اس نے قدرے تحکمانہ انداز اختیار کیا۔

ے میڈم!'' وہ نمبر ڈائل کرنے لگا۔ پھر لائن کاٹ کر ماہین کی سمت قدرے سوچتے ہوئے انداز میں دیکھا اور ایکسچینج کا
ڈائل کیا۔

''جی۔ ہیلو۔ فرام ڈی۔ سی ریزیڈنسی۔ یہ ایک نمبر ہے کیا کوڈ نمبر سے ڈائل ہوگا۔ جی۔''

''جگہ؟'' اس نے ماہین کی سمت دیکھا۔

''سرائے۔'' ماہین اس کے مزید بولنے سے پیشتر بول پڑی۔ آپریٹر کے بھی شاید ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ یا وہ کچھ
محسوس کر رہا تھا۔ ورنہ جگہ پوچھ کر کوڈ خود ہی برآمد کر سکتا تھا۔

قدرے خجل سا ہو کر وہ نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

''بیل جا رہی ہے میڈم! کس سے بات کیجیے گا؟'' اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''تیمور علی خان سے۔''

''اوہ۔ نہیں۔ نہیں۔ آپ یوں کہیے کہ حویلی سے بڑی بیگم عالم تاب، بیگم تیمور سے بات کرنا چاہتی ہیں۔۔'' اس نے
عقل کے گھوڑے دوڑانے کی کوشش کی۔

آپریٹر نے نظریں جھکا کر اپنی حیرت چھپائی اور ایئر پیس میں آنے والی آواز کی سمت متوجہ ہو گیا۔

''یس۔ ہیلو۔ مسز تیمور سے بات کرائیے۔ جی حویلی سے فون ہے بڑی بیگم عالم تاب کا۔ یس۔''

آپریٹر نے ریسور ماہین کی سمت بڑھایا اور خود کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا در پھر باہر نکل گیا۔

ریسور میں ہنوز سناٹا طاری تھا۔

چند لمحوں بعد سوئی سوئی سی نسوانی آواز ایئر پیس میں ابھری۔ ''جی بیگم السلام علیکم۔''

ماہین کا دل بڑی تیزی سے دھڑکا تھا۔ ایک لمحے کو تو جیسے گویائی ہی سلب ہو کر رہ گئی تھی۔

''ہیلو۔ ہیلو!'' دوسری جانب سے نازنین ہیلو ہیلو کر رہی تھی۔ ایسی دلکش آواز، صاف چھنی ہوئی
سماعت کو اعلا درجے کا خوشگوار تاثر دیتی ہوئی۔

ماہین نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔

''السلام علیکم۔'' اس نے بمشکل سلام کیا۔ بڑی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔

''وعلیکم السلام۔ آپ کون؟'' نازنین ایک نامانوس آواز محسوس کر کے بری طرح چونک پڑی تھی۔۔

''میں جو کوئی بھی ہوں، کیا آپ سے بات کرنے کی سعادت حاصل کر سکتی ہوں۔''

''آپ کا نام؟'' وہ بے تابی سے اس کی بات کاٹ کر پوچھ رہی تھی۔

''نام بتانے کے بعد فون بند تو نہیں کر دیں گی؟'' ماہین بہت دھیمی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

ائر پیس میں خاموشی چھا گئی۔

''ہیلو!'' ماہین کا انداز بے قراری لیے ہوئے تھا۔

”جی۔کون محترمہ بات کررہی ہیں؟“معاریسور سے تیمور علی خان کی آواز ابھری۔

ماہین بری طرح سٹپٹا گئی۔اس نے بے ساختہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ دیا۔وہ اضطراری کیفیت میں ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

”ہیلو!“تیمور علی خان مسلسل ہیلو ہیلو کررہے تھے۔

اس کی خوداعتمادی انتشار میں بدل چکی تھی اس لیے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ فون بند کردے اور ہر پہلو سے اچھی طرح سوچ کر پھر کوئی قدم اٹھائے۔اس نے ناکامی کے تھکادینے والے احساسات کے ساتھ ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور باہر نکل آئی۔اسے آپریٹر آس پاس کہیں دکھائی نہیں دیا۔

وہ دکھ کے گہرے سمندر میں غوطے لگارہی تھی۔”آپ کا نام،،ایک نقش ہوجانے والی آواز نے اس کا رہا سہا سکون بھی درہم برہم کردیا تھا۔

”ایکسکیوزمی میڈم۔یہ آپ کارڈ۔“اسے پشت سے آپریٹر کی آواز آئی وراس نے گویا اپنا سر پیٹ لیا تھا۔غائب دماغی اعلا درجے کی ہوتو اس طرح کے نازک کام کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہوتا۔

”تھینکس۔“اس نے کارڈ اس کے ہاتھ سے لے کر چند قدم کے فاصلے پر موجود اپنے بیڈروم کے بند دروازے کی سمت دیکھا تھا۔اور گویا اطمینان کا سانس لیا تھا۔

اندآئی تو یاور علی خان ہنوز اپنے کام میں مصروف تھے۔سیاہ نائٹ سوٹ میں ملبوس گریبان کھولے بائی فوکل گلاسز لگائے گویا وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر تھے۔انہوں نے اس کی آمد کو محسوس تو کرلیا تھا مگر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔نہ ہی ہاتھ میں پکڑے قلم کی رفتار میں کوئی فرق آیا تھا۔

وہ وارڈروب سے اپنا شب خوابی کا لباس نکال کر ڈریسنگ کی طرف بڑھ گئی۔

واپس آئی تو ادھر انداز ہنوز تھا۔وہ برش اٹھا کر بالوں میں چلانے لگی۔

ڈریسنگ ٹیبل بیڈ کے بالکل برابر میں تھی وہ ان سے بہت کم فاصلے پر کھڑی آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھی۔

”روشی کو وہ سب بتادیا جو میں نے آپ سے کہا تھا۔؟“یاور علی خان نے خاموشی توڑنے میں پہل کی۔

”ہوں۔“وہ غائب دماغی کی کیفیت سے دوچار تھی۔

”سوگئی وہ۔؟“

”آپ کی بلا سے۔“وہ بہت نرم انداز میں سخت بول گئی۔

”کیا بات ہے پھر لڑائی کا موڈ ہے؟ آئی ایم سوری۔مجھے احساس ہے۔میں نے بہت دنوں سے آپ کو وقت نہیں دیا۔چلیں۔آج صرف اپنی باتیں کریں۔“

انہوں نے واقعی فائلیں سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیں۔

بے خبری کے دنوں میں ان کا یہ انداز شاید اسے لوٹ لیتا۔مگر آج اس انداز پر اس کا دل بھر آیا۔

یوں بھی آج سماعت پر صرف ایک آواز کی دستک ہورہی تھی۔”آپ کا نام؟“

”مجھے نیند آرہی ہے میں سونا چاہتی ہوں۔“اس نے سرد مہر انداز میں جواب دیا۔

”لیکن میں آپ سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔دن میں آپ کے پاس سونے کے لیے بہت وقت ہے۔“ان کا انداز قطعی

”کیا یہ زیادتی نہیں؟“اس کے لہجے سے آنچ آنے لگی۔

”زیادتی تو آپ کررہی ہیں میرے ساتھ۔“انہوں نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ آف کردیا۔

ماہین کا جی چاہ رہا تھا ان سے دور بہت دور بھاگ جائے۔وہ اسے بہت غیر بہت اجنبی سے محسوس ہونے لگے تھے۔

یک عجیب سی وحشت نے اسے گھیر لیا۔

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر ہچکیوں سے رونے لگی۔

یاور علی خان نے پہلے ٹیبل لیمپ آن کی پھر کمرے میں تیز روشنی کردی۔وہ خاصے پریشان دکھائی دیے تھے کہ ماہین کے رونے کا انداز بہت غیر معمولی تھا۔جس کا غیر معمولی پن وہ اپنی تمام حسیات سے محسوس کررہے تھے۔

”ماہین!“وہ اسے شانوں سے تھام کر بیڈ تک لائے۔

”کیا ہوا ہے؟ مجھے نہیں بتائیں گی تو پھر کسے بتائیں گی؟“وہ اس کا سر اپنے شانے سے لگائے بہت نرمی سے مخاطب تھے۔

”کچھ نہیں۔بس ویسے ہی نعمان بھائی بہت یاد آرہے ہیں“اس نے خود پر بمشکل کنٹرول پاکر جواب دیا۔

”دالس اے جاب۔یہ بھی کوئی بات ہے۔اگر وہ کراچی آچکے ہیں تو آپ چلی جایئے گا کچھ دن ان کے پاس رہ آئیں روشی کو بھی اپنے ساتھ لے جایئے گا۔یہ بھی کوئی مسئلہ ہے۔ڈونٹ بی سلی۔

اچھا یہ بتائیں۔حویلی میں نعمان کو یاد کرکے کتنی مرتبہ روئیں۔“وہ تکیے کے نیچے سے رومال نکال کر اس کے آنسو صاف کرنے لگے۔

”کاش اس شخص کے اور میرے درمیان وہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا جو ہوچکا ہے تو یہ آنسو پونچھنے والے ہاتھ کتنے نورانی کتنے ماورائی لگتے۔جن کو عقیدت سے بوسہ دینے کے لیے انسان کتنے نقصان کے سودے منظور کرلیتا ہے۔وہ نقصان جو لبوں اور ہاتھوں کے درمیان پھیلے راستے میں کہیں بھی کسی بھی موڑ پر پیش آسکتے ہیں۔محبت کا وہ عظیم ادراک جو ایسے لمحے کا حاصل ہوتا ہے جسے پاکر جان سے گزر جانے کو جی چاہے اس لاجواب اور کامل حسن کے بعد کسی بدصورت وقت کا سامنا نہ ہوجائے۔ایسے ادراک کے بعد اندر کا ہر تقاضا کھوکھلا اور بے معنی ہوجاتا ہے۔عظیم الشان محبت کا ادراک عظیم الشان احساس تکمیل ہے۔پھر اس کے بعد رہ ہی کیا جاتا ہے؟

”میں سونا چاہتی ہوں پلیز یاور صاحب!“اس نے التجا کے انداز میں کہا۔

”اوکے۔“یاور علی خان کو اس کی بتائی ہوئی رونے کی وجہ پر اعتبار نہیں آیا تھا۔انہیں محسوس ہورہا تھا کہ بات کچھ اور ہے لیکن پر ان کا ذہن ماؤف ہورہا تھا۔انہوں نے رومال رکھ دیا اور اٹھ کر لائٹیں آف کرنے لگے۔

بابا صاحب نے باری کو بلایا تھا۔ ان کا رات گئے بلانا کوئی معنی رکھتا تھا۔ وہ سوچوں میں الجھا ہوا ان کی خواب گاہ تک آیا تھا اور بہت آہستگی سے دستک دی تھی۔

"ہوں۔ آ جاؤ۔" بابا صاحب کی آواز آئی۔

وہ اندر داخل ہو گیا۔

"جی خان۔ آپ نے یاد کیا۔"

"ہاں بھئی۔ ہم نے ہی یاد کیا۔ آؤ بیٹھو۔" وہ نیم دراز لیٹے ہوئے حقہ گڑگڑا رہے تھے۔ باری ان کے بیڈ کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آج شام یاور کا فون آیا تھا۔" وہ یہ کہہ کر رک گئے جیسے کچھ سوچ رہے ہوں۔ باری ان کی بات آگے بڑھنے کا انتظار کرنے لگا۔

"وہ کہہ رہے ہیں کہ روشی کی شادی اگلے مہینے کی کسی تاریخ کو ٹھہرا دیں۔ مگر ایک الجھن جو ہمیں پریشان کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ تیمور ہمیں دو تین مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ ابھی روشی کی شادی میں جلدی نہ کریں۔ ہم نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے۔ کچھ دن بعد بتائیں گے ہماری پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ تیمور اس معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں اور وہ کیا وجہ ہے جو انہیں معلوم ہے اور کسی کو معلوم نہیں یاور علی خان روشی کے باپ ہیں۔ اہمیت انکی بات کی ہے۔ ہم ان کی بات کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں۔ ہمارا ذہن تو سوچ سوچ کر تھک چکا ہے۔ تم ہی بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

وہ بڑے بے بس سے انداز میں پوچھ رہے تھے۔

"آپ کاکا جان سے کہہ دیں کہ یاور علی خان کا یہ ارادہ ہے اس لیے جو وجہ ہے، وہ دیر کیے بغیر بتا دیں۔"

باری نے قدرے جھجکتے ہوئے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"ہوں۔ یہ درست ہے لیکن فرض کرو اگر تیمور نے ایسی وجہ بتائی جس سے شادی میں مزید تاخیر ہو سکتی ہے۔ تو یاور کو کس طرح سمجھایا جائے گا؟"

"یہ تو وجہ ظاہر ہونے کے بعد خود بخود واضح ہو جائے گا کہ اب کیا کرنا ہے؟" باری نے بڑی حاضر دماغی کا مظاہرہ کیا۔

"ہم سوچ رہے ہیں۔ وجہ کیا ہو سکتی ہے کہیں نازنین۔ آخر وہ بھی تو اس کی ماں ہے" بابا صاحب نے اتنی آہستہ آواز میں کہا گویا دیواروں سے بھی احتیاط کر رہے ہوں۔

باری خاموش رہا۔ اس کے اور دلاور علی خان کے مابین آج تک نازنین کے موضوع پر کبھی براہ راست بات چیت نہیں ہوئی تھی۔

جب کبھی سرائے جاتے تھے تو اس کے ساتھ جاتے تھے کہ باری کل صبح سرائے جانا ہے بہت دن ہو گئے ہیں ناز سے ملے ہوئے۔ تیمور تو خود ہی آ جاتے ہیں ہم سے ملنے کے لیے۔ کیسی اذیت ناک زندگی کا انتخاب کیا ہے ناز نے اپنے لیے۔"

وہ خاموشی سے سنتا رہتا تھا۔

"باری! کتنا بھاری پتھر رکھا ہے اپنے دل پر ناز نے۔ روشی سرائے گئی۔ کئی دن رہی اور وہ پھر بھی سامنے نہ آئی۔ جب یہ بات ہمیں اندر سے بری طرح کاٹنے لگتا ہے تو ہمارا دل چاہتا ہے کہ ایسی نیند سوئیں کہ پھر کبھی صبح نہ دیکھیں۔" بابا صاحب کی آواز دکھ سے بوجھل تھی۔

ایسے زور آور با اختیار شخص کی حالت بے بسی پر باری نے بھی بہت تاسف کیا۔ دل ہی دل میں اسے واقعی ترس آنے لگا تھا۔

مگر مسئلہ یہ ہو گیا تھا کہ وہ اب ان کی دلجوئی کے لیے مناسب الفاظ استعمال کرتے ہوئے بھی ڈر رہا تھا کہ آنے والے دنوں میں اس کے اپنے الفاظ اس کے۔ لیے طعن بن سکتے تھے۔ وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے ہوئے بس بیٹھا سنتا رہا۔

"باری۔ بیٹے! ہم کیا کریں۔ بتاؤ۔ ہماری کوئی تدبیر دونوں بھائیوں کے دلوں کے فاصلے کم نہیں کر سکتی۔ ہمیں حیرت ہے اتنے بڑے دکھوں کے درمیان ہم ابھی تک زندہ کیسے ہیں۔"

"آپ اتنا مت سوچیں۔ میں فون کر دیتا ہوں۔ کاکا جان کو بلوا لیتا ہوں" وہ آپ سے بات کریں گے۔ تو ضرور کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔" باری نے تسلی دی۔

"صرف ایک پریشانی تو نہیں ہمیں۔ ہو سکتا ہے ہمارا وہم ہو۔ مگر ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ تیمور بھی علیم الدین کے ہاں روشی کے رشتے پر رضامند نہیں ہے۔ اور اس کے رضامند نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ناز رضامند نہیں ہے ہمارے اختیارات ابھی ہمارے پاس ہیں۔ ہم اپنی بات دونوں سے منوا سکتے ہیں۔ کل ہی روشی کو رخصت کر سکتے ہیں۔ لیکن بحیثیت باپ یہ احساس ہمیں بے اختیار کر دیتا ہے کہ کہیں ہمارے بچوں کے دکھوں میں مزید اضافہ نہ ہو جائے۔ اور وہ ہم سے اتنی نفرت کرنے لگیں کہ ہماری موت کے بعد ہمیں ایصال ثواب پہنچانے کے لیے ہاتھ اٹھانا بھی گوارا نہ کریں۔"

ہم تیمور کے سامنے بہت کمزور پڑ جاتے ہیں باری۔ جو زبردستی ایک بار اپنی خود غرضی کے سبب اس کے ساتھ کر چکے ہیں۔ وہ خود غرضی ہمیں اندر سے دیمک کی طرح آج بھی چاٹ رہی ہے۔ اس نے نکاح کے بعد سے آج تک ایک حرف شکایت کوئی گلہ۔ ہم سے نہیں کیا۔ نہ اپنے کسی دکھ کا اظہار کیا۔ وہ عائشہ کے پاس لندن چلا گیا تھا تو ہم نے کچھ سکون محسوس کیا تھا۔ مگر وہ عورت بہت بے وقوف نکلی۔ سچے موتی جیسا ہمارا بیٹا۔ قدر نہیں پہچانی اس نے۔ خود بھی دکھوں کے سودے کر لیے ہمارے بیٹے کو بھی دکھی کیا۔

باری! یہ بھی گمان آتا ہے وہ روشی کے معاملے میں مداخلت کر کے کہیں یاور کو اذیت دینا تو نہیں چاہتا انسان ہی تو ہے۔"

"نہیں خان۔ وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔ وہ بھی روشی بی بی کے ساتھ جوان کی نگاہ میں قطعی بے قصور ہیں۔" باری نے بے ساختہ کہا تھا۔

"ہاں خیر دل تو ہمارا بھی یہی کہتا ہے۔" دلاور علی خان نے تائید کی۔

''ہماری تو نیند ہی اڑ گئی ہے۔'' وہ اتنا کہہ کر حقہ گڑگڑانے لگے۔

''صبح آپ کا کا جان کو بلوائیں۔ بے فکر ہو جائیں۔ وہ ضرور آپ کا خیال کریں گے۔'' باری تسلی دیتے ہوئے ایک انجانے احساس جرم سے چور چور تھا۔

''ہاں کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ کاش یہ شادی پہلے ہو جاتی اور یہ نیا مسئلہ پیدا نہ ہوتا۔'' وہ تاسف سے گویا ہوئے۔

باری اٹھ کھڑا ہوا۔

''مسئلوں کو ختم کرنے لئے بڑے بڑے فیصلے کیے مگر مسئلے اپنی جگہ موجود ہیں۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑا رہے تھے۔

....

''ہم اس لیے منع کر رہے ہیں اس رشتے سے کہ روشی اس رشتے پر راضی نہیں ہے''۔ تیمور علی خان ظہر سے پہلے حویلی پہنچ چکے تھے اور اب باپ بیٹا بند کمرے میں بات چیت کر رہے تھے۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے ہاں ان معاملات میں لڑکیوں کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' بابا صاحب نے ان کا مئوقف یکدم مسترد کر دیا۔

''مسئلہ ہے بابا صاحب! نازنین نے صاف کہہ دیا ہے کہ اپنی بیٹی کے ساتھ ڈھور ڈنگر والا سلوک وہ برداشت نہیں کریں گی۔ روشی عاقل و بالغ ہے۔ وہ جو قدم اٹھائے گی وہ بحیثیت گارجین اسکو سپورٹ کریں گی۔'' تیمور علی خان نے دبے لفظوں میں بتایا۔

''نہ وہ بے وقوف لڑکی عاقل ہے اور نہ ناز اس کی گارجین۔'' بابا صاحب نے پیشانی پر لاتعداد بل ڈال کر جواب دیا۔'' اسے یاد دلایا ہوتا کہ وہ خود کو بچوں کے لیے مار چکی ہے۔ جب وہ ہے ہی نہیں تو یہ مداخلت کیا معنی؟'' وہ ناراضگی سے مزید گویا ہوئے۔

''لیکن یہ بھی تو فیکٹ ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ اور اپنے بچوں کے ساتھ زیادتی پر ردعمل کر سکتی ہیں۔''

''یہ زیادتی ہے؟ اچھے گھر میں شادی کر رہے ہیں ہم اس کی بیٹی کی۔ اکلوتا لڑکا ہے وہ۔ سب کچھ اسی کا ہے۔ صورت شکل تعلیم سب ہی کچھ تو ہے'' وہ ہنوز ناراض لہجے میں بات کر رہے تھے اور قطعی پن تھا۔

''مگر اس طرح کی جنونی اور ناسمجھ لڑکی کی زبردستی شادی سے دو خاندان بہت مسائل کا شکار بھی ہو سکتے ہیں''۔ تیمور علی خان نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ یہ سب شادی سے پہلے کی باتیں ہیں۔ شادی کے بعد لڑکی مصلحتاً اپنے اندر بہت سی تبدیلیاں پیدا کر لیتی ہے''۔

''یہ لڑکی ایسی نہیں ہے''۔ تیمور علی خان نے باپ کی بات کاٹ دی۔ ان کے انداز میں بڑی مضبوطی اور قطعی پن تھا۔

''یہ محض تمہارے اندیشے ہیں۔'' ولاور علی خان اپنی بات پر اسی طرح قائم تھے۔

''یہ اندیشے نہیں ہیں بابا صاحب! آپ جانتے ہیں' ہم نے جواد اور روشانے کے معاملات میں زندگی میں کبھی مداخلت نہیں کی اور نہ ان کے قریب آنے کی کوشش کی۔ حالانکہ وہ ہمارا خون ہیں۔ مگر جب بھائی۔ خیر چھوڑیے اس بات کو۔ اصل بات یہ ہے کہ روشانے سرائے ہمارے پاس ہماری مدد حاصل کرنے آئی تھی۔ جس پر ہمیں آج بھی حیرت ہے کہ اس نے ہم سے اتنی زیادہ پوز یٹو امیدیں کیسے وابستہ کر لیں؟ اس کے ذہن میں یہ کیسے آیا کہ ہم اس کے لیے کچھ کر سکتے ہیں۔'' تیمور علی ذہن جیسے سوچ سوچ کر بول رہے تھے۔

''کس قسم کی مدد لینے گئی تھی وہ تمہارے پاس؟'' بابا صاحب کا لہجہ ایک دم تبدیل ہو گیا۔ بڑی تشویش سی تھی۔ ان کے انداز میں۔

''یہی کہ ہم آپ سے کہہ کر نعیم سے اس کا رشتہ ختم کرا دیں۔'' تیمور علی خان نے یہ جملہ بہت مشکل سے کہا تھا۔

''تم سے براہ راست کہا تھا اس نے؟'' ولاور علی خان حیرت سے ساکت ہو گئے۔

تیمور علی خان گہری سانس لی۔ اور بہت آہستہ سے کہا۔ جی۔''

کمرے میں یکدم صحرائی سکوت طاری ہو گیا۔ دونوں باپ بیٹے خاموشی کا توڑ تلاش کرنے لگے۔

''اور تم کل کی لڑکی کی بات ہم سے منوانے لگے۔ کیا فرض بنتا تھا تمہارا؟ کہ اس کو سمجھاتے۔ تابع داری کے اندر سکھاتے۔ بڑوں کے فیصلوں پر اعتماد کا درس دیتے۔ الٹا ہمیں قائل کرنے کے چکر میں پڑ گئے۔'' بلا کی ناراضگی تھی ولاور علی خان کے لہجے میں۔

''بابا صاحب! بہت کچھ ہونے کے باوجود ایک بہت بڑی کمی ہے ہماری زندگی میں۔ اور یہ کمی ہم سے کہیں اور برداشت نہیں ہوگی اور وہ بھی اپنے بچوں کی زندگی میں۔

آپ نے اور بھائی میاں نے ہمیں یقین دلایا تھ کہ ظفری کے شادی کے بعد ٹھیک ہونے کے نائٹی نائن پرسنٹ چانسز تھا۔ میڈیکل کے مطابق اسے کوئی فزیکل پرابلم نہیں ہے۔ ہم نے بھتیجے کے لیے خود غرضی کا مظاہرہ کیا۔ اور آپ کی بات مان لی۔ جھومر آپ کے حوالے کر دی کہ اس کا باپ دس ہزار روپے میں ساٹھ سال کے بوڑھے سے اس کا نکاح کر رہا تھا۔ ہم نے سوچا کہ تھوڑے دنوں کی تکلیف کے بعد نسبتاً اسے بہتر اور ینگ پارٹنر تو مل جائے گا۔ تھوڑا سا ڈس ایبل سہی، اس بوڑھے سے تو پھر بھی بہتر ہے۔ مگر جھومر ایڈ جسٹ نہیں ہو سکتی۔ ہم تھوڑا سا گلٹی فیل کر رہے تھے۔ بہت تھوڑا سا۔

مگر روشانے نے تو ایک رات میں اکیس سال پہلے کے تیمور علی خان کو زندہ کر دیا۔ وہ بے حسی جو ہم نے اپنے آپ سے انتقام لینے کے لیے اوڑھ لی تھی۔ اس لڑکی نے نوچ ڈالی ہے۔

ہماری ذات اس لڑکی کی بہت سی محرومیوں کی ذمہ دار ہے۔ ہماری اولاد ہے۔ ہمارے وجود کا حصہ ہے۔ ہمارے بخشے ہوئے نقصانات نے کبھی اسے کھل کے خوش نہیں ہونے دیا۔ اس کے والد محترم اسے بڑے استحقاق کے ساتھ لائے تھے مگر کیا بس خبر نہیں کہ اسے ان کا کتنا قرب حاصل رہا۔' آپ ہمارے باپ ہیں ہم بھی آپ کی غلطیوں کی نشان دہی نہیں کریں گے مگر خود اپنے آپ کو تو لعن طعن کر سکتے ہیں۔ اپنے گناہوں کا اعتراف تو کر سکتے ہیں۔ تائب تو ہو سکتے ہیں؟ مداوا کرنے کو

کوشش تو کر سکتے ہیں؟

تیمور علی خان کے لہجے سے تپش آ رہی تھی۔ دکھوں کا ایک الاؤ تھا جس میں کراہیں سوکھی لکڑیوں کی طرح چیخ رہی تھیں۔

دلاور علی خان تو جیسے سانس لینا ہی بھول گئے تھے۔

''ہم اپنے ہاتھوں اسے مزید دکھ نہیں دے سکتے۔ آپ ہمیں معاف کر دیں۔'' وہ اتنا کہہ کر پھر خاموش ہو گئے۔

دونوں کے درمیان ایک بے معنی خاموشی چھا گئی۔

''تم خیر خواہ کی حیثیت سے اسے اچھا برا سمجھا تو سکتے ہو تیمور۔!'' دلاور علی خان نے چند منٹوں پر محیط خاموشی بالآخر توڑ ڈالی۔

''ہم نے چونکہ اس کی بات سمجھ لی ہے۔ اس لیے یہ کافی ہے۔ یہی ہونا چاہیے تھا۔ یا تو وہ ہماری بات سمجھ لیتی یا ہم اس کی بات سمجھ لیتے۔''

''یعنی تمہارا مطلب یہ ہے کہ علیم الدین کو جواب دے دیا جائے؟ مگر کیا تم ہمیں یہ بتانا پسند کرو گے کہ اس نے تمہیں کیا بات سمجھائی ہے؟'' بابا صاحب نے سوال کیا۔

''ہم آپ کے احسان مند ہوں گے۔ آپ پہلی فرصت میں یہ رشتہ ختم کر دیجیے۔ آپ کے مکمل سوال کا یہی مکمل جواب ہے۔

''اب یہ اتنا آسان نہیں ہے تیمور۔ یاور فوراً اسے پیشتر اس کی شادی چاہ رہے ہیں۔'' دلاور علی خان۔ بہت الجھ گئے تھے۔

''آپ رشتہ ختم کر دیں گے تو وہ کیا کر سکیں گے۔ رشتہ طے بھی تو آپ ہی نے کیا تھا۔''

تیمور علی خان تو فیصلہ کن حالات میں تھے اس لئے ان کا ہر جواب دوٹوک اور بے دھڑک تھا ہر قسم کی مصلحت سے عاری۔

''کیا بدلہ لے رہے ہو بیٹے ہم سے؟'' دلاور علی خان نے جیسے شکست مان لی۔

''اتنے برے گمان کر کے ہمیں اپنی ہی نظروں میں نہ گرائیں بابا صاحب بس اتنا چاہتے ہیں کہ دکھوں کا سلسلہ کہیں رک جائے۔'' تیمور علی خان کا لہجہ بھی شکستہ تھا۔

''بہت مسئلہ ہو جائے گا تیمور۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔'' بابا صاحب گویا ہوئے۔

اگر اس مسئلے کا نتیجہ کسی حقیقی خوشی کی صورت میں نکلتا ہے تو بابا صاحب مسئلہ ہو جانے دیں۔'' وہ اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے قطعی انداز میں کہہ رہے تھے۔

دلاور علی خان نے آنکھیں موند لیں۔ ان کی شکن آلود پیشانی سے ظاہر تھا' وہ کسی گہری سوچ میں ہیں۔

''ہم ذرا بی بی جان سے مل لیں۔ وہ کئی دنوں سے ہمیں بلا رہی تھیں'' تیمور علی خان اٹھتے ہوئے گویا ہوئے۔

''ہوں۔!'' دلاور علی خان نے غائب دماغی کی کیفیت میں ہنکارا بھرا۔ تیمور علی خان کمرے سے باہر آ گئے۔

حویلی کی راہداریوں میں سناٹا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا' سب اپنے اپنے کمروں میں بند ہو چکے تھے۔ ملازمین بھی اس وقت

پنے تھے۔

تیمور علی خان کے چرمی جوتوں کی چرچراہٹ اس خاموشی میں بہت واضح تھی۔ باری کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس چرچراہٹ ہی سے اندازہ لگا لیا تھا کہ تیمور علی خان کا رخ اس کے کمرے کی طرف ہے وہ مستعد اور چوکس سا ہو گیا

''

اور چند لمحوں بعد۔ تیمور علی خان واقعی دروازے میں تھے۔

''ابھی کچھ پروسیڈ نہیں ہوا پارٹنر۔ اپنا رویہ حسب معمول رکھو۔''

''او کے۔''

ڈارک براؤن پینٹ اور بسکٹی کلر کی شرٹ میں ملبوس تیمور علی خان کا انداز بہت پرسکون تھا۔ باری نے ان کے چہرے کی نہیں دیکھا تھا اس کی نظریں ان کے ڈارک براؤن چمکتے ہوئے جوتوں پر جمی تھیں مگر اس نے محض ان کے لہجے سے محسوس کیا تھا کہ کوئی ''گڑبڑ'' نہیں۔

''ہم بی بی جان کے کمرے میں ہیں۔ کوئی بات ہو تو کہہ سکتے ہو۔'' وہ پلٹ گئے۔

''جب کچھ پروسیڈ'' ہی نہیں ہوا تو بات کیا کریں خان۔'' وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ دل ہی دل میں کہہ کر۔ اور اپنے ے کا دروازہ بند کر لیا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں بابا صاحب آپ۔؟'' یاور علی خان تو جیسے سناٹے میں رہ گئے۔ ماہین اپنے سر میں مساج کر رہی ی۔ اس کے گردش کرتے ہاتھ رک گئے۔

''مگر کیوں؟ کل تک تو اس لڑکے میں دنیا جہان کی خوبیاں تھیں؟ انہیں واقعی بڑا شاک پہنچا تھا۔ بابا صاحب سے یہ سن کر وہ علیم الدین کو جواب دے چکے ہیں۔

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کل تک تو سب ٹھیک تھا آناً فاناً سب غلط کیسے ہو گیا۔'' وہ اپنی جھلاہٹ پر بمشکل قابو پا رہے ے۔

''ٹھیک ہے۔ آ جاؤں گا ویک اینڈ پر۔ جی۔ سب خیریت ہے'' انہوں نے بے دلی سے خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

''کیا ہو گیا؟'' ماہین اٹھ کر قریب چلی آئی۔

''علیم الدین کو جواب دے دیا ہے۔ وجہ بھی نہیں بتائی۔ حویلی بلایا۔ کیا زندگی ہے۔ مسئلہ در مسئلہ۔'' انہوں نے فائل سے اٹھا کر ادھر پٹخی۔

''کوئی تو وجہ ہو گی۔ جائیں گے تو پتا چل جائے گا۔ غصہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔''

ماہین تو جیسے اپنی خوشی چھپا نہیں پا رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر روشی کو یہ خوش خبری سنا دے۔

''بس۔ ادھر ہی ہوتی ہے ہر وجہ۔ واٹس اے لائف،

بس اب کوئی شادی وادی نہیں ہوگی اس کی۔ پاسپورٹ بنوا رہا ہوں۔ اس کا جواد کے ساتھ اسے بھی بھیج دوں گا اسٹڈیز کے لیے۔ آپ کہہ دیں اس سے کہ وہ مائنڈ میک اپ کر لے۔ گو ہیل۔ شادی۔ وہ بری طرح جھلا رہے تھے۔

ماہین تیل کی بوتل بند کر کے تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ مزید تاخیر اس کی برداشت سے باہر تھی۔

اس نے دروازے پر دباؤ ڈالا تو وہ کھل گیا۔ روشی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی بالوں میں برش کر رہی تھی۔ ماہین کو دیکھ کر دھیرے سے مسکرا دی۔

''آئیں خالہ! پپا نے ہمارے پاس آنے کی اجازت دے دی؟''

''اچھا بند کرو یہ طعنے بازی۔ ایک اچھی خبر لے کر آئے ہیں۔ موڈ خراب نہیں کرو۔''

''اچھی خبر۔ ادھر بھی ایسا ہونے لگا ہے؟'' وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

''بابا صاحب کا فون آیا تھا ابھی تمہارے پپا کے پاس۔''

روشی کے کان کھڑے ہو گئے مگر بظاہر بے تاثر چہرہ لیے کھڑی رہی۔

''بھئی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا مبارک باد دیں یا افسوس کریں۔ ماہین اس کے بستر پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

روشی ہنوز خاموش رہی۔

''تمہارے پپا تو بہت غم ناک بیٹھے ہوئے ہیں۔'' وہ مزید گویا ہوئی۔

''کیوں سسپنس کری ایٹ کر رہی ہیں۔؟ روشی مزید ضبط نہ کر سکی۔

''علیم الدین صاحب کی امیدوں پر پانی پھر گیا ہے ڈی سی صاحب ان کے سمدھی بنتے بنتے رہ گئے۔ افسوس۔'' ماہین نے مسکرا کر افسوس کا اظہار کیا۔

روشی نے حیرت آمیز خوشی سے ماہین کی سمت دیکھا۔ ''کیا سچ خالہ۔؟''

''بالکل سچ۔ کیسی لڑکی ہو تم۔ منگنی ٹوٹنے پر خوش ہو رہی ہو؟'' ماہین نے گویا ملامت کی۔

''اگر یہی وہ خبر ہے جو آپ سنانے آئی ہیں۔ تو آپ کے منہ میں گھی شکر۔ مگر یہ بتائیں بات ختم ہو گئی ہے۔ یا خاتمے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اگر بڑھ رہی ہے تو یہ خبر کچھ اچھی نہیں ہے۔ کیونکہ پھر کوئی گڑبڑ ہو سکتی ہے۔'' روشی نے مایوس لہجے میں کہا اور ماہین کے قریب آ بیٹھی۔

''ہر خوشی کا اختتام کسی دکھ پر ہوتا رہا تو خوشی پر سے اعتبار اسی طرح اٹھ جاتا ہے۔ ابھی یہ تو علم نہیں کہ بابا صاحب نے اچانک اس طرح کا فیصلہ کس وجہ سے کیا۔ مگر کیونکہ فیصلہ ان کا ہے اس لیے یہ بات بہت اہم ہے۔'' ماہین نے پیار سے روشی کے بال سمیٹے۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' روشی نے سوچتے ہوئے کہا۔

اب بس اس بات کا تجسس ہے کہ بات کیا ہوئی ہے۔ یہ فیصلہ کیوں کیا گیا؟'' ماہین کے لہجے میں گہری سوچ کا تاثر تھا۔

اور روشی کے ذہن میں جیسے ایک جھماکا ہوا۔ تیمور علی خان اس کے تصور کے پردے پر مسکرانے لگے۔ اس نے طمانیت کی گہری سانس لی۔

''اور کوئی بات نہیں کی کاکا جان نے۔؟'' اس نے بے دھیانی میں سوال کیا۔

''کاکا جان نے؟'' ماہین نے حیرت سے پوچھا۔ ''کاکا جان کا کیا ذکر۔'' وہ بڑی تشویش بھری نظروں سے روشی کو دیکھنے لگی۔

''آن۔ ہاں۔ وہ میرا مطلب ہے بابا صاحب نے۔'' روشی ایک دم سٹپٹا گئی۔

''تمہارے ذہن میں اچانک کاکا جان کا خیال کیسے آیا؟'' ماہین نے کھوجتی نظریں اس کے چہرے پر جما دیں۔

''پتا نہیں۔ یونہی منہ سے نکل گیا۔'' روشی نے خجل سے انداز میں بات بنانے کی کوشش کی۔

''وہ ہر شخص کے خیال میں آسانی سے آ سکتے ہیں۔ مگر تمہارے والد صاحب جواد اور تمہارے خیال میں بلا وجہ نہیں آ سکتے۔'' ماہین درحقیقت کسی وسوسے میں مبتلا ہو چکی تھی۔

دونوں چند لمحوں کے لیے اپنی اپنی جگہ خاموش ہو کر بیٹھ رہیں مگر کسی اہم بات کے دوران اچانک آنے والی خاموشی بہت محسوس ہوا کرتی ہے۔ دونوں سوچنے لگیں کہ اب کیا بات ہو۔

''روشی۔!'' ماہین از حد سنجیدہ ہو رہی تھی۔

''ایک بات پوچھنا ہے تم سے۔ وعدہ کرو جھوٹ نہیں بولو گی۔'' ماہین نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑی نرمی سے پوچھا۔

''آپ پوچھیے۔ اور میں آپ سے کیوں جھوٹ بولوں گی؟'' اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

''تم سرائے گئی تھیں؟۔ وہاں کئی دن ٹھہری بھی تھیں۔ وہاں کس کس سے ملیں؟''

ماہین سوال تو کر رہی تھی مگر جیسے جواب اسے پتا تھا۔ اگر روشی نازنین سے ملی ہوتی تو ماحول میں زبردست تبدیلی آ چکی ہوتی۔ اگر اس سے چپ رہنے کے وعدے بھی لے لیے جاتے تو اس کا چہرہ بہت کچھ بتا رہا ہوتا۔

کم از کم اس کے سامنے ضرور کھل جاتی۔ کسی نہ کسی زاویے سے پھر بھی جانے کیوں اس نے پوچھ لیا تھا۔

''کسی سے نہیں، وہاں تھا کون۔ کاکا جان کی بیٹی تھی صوفشاں اور وہ جو کاکا جان کی وائف ہیں انہیں تو ہم نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ گلو آپا بتا رہی تھیں کہ جب ہم بہت چھوٹے تھے تو وہ ایک مرتبہ حویلی آئی تھیں۔ اماں جی کیونکہ کاکا جان کی شادی پر خوش نہیں تھیں، اس لیے شاید وہ دوبارہ پھر کبھی حویلی نہیں آئیں۔ گلو آپا نے بتایا تھا۔ کہ ان کا نام لیزا تھا۔ مگر کاکا جان نے ان کا اسلامی نام عائشہ رکھا تھا۔ شاید۔ اماں جی کا بی ہیوئیر انہوں نے پسند نہیں کیا ہوگا۔ مائنڈ کیا ہوگا اسی لیے دوبارہ کبھی نہیں آئیں۔ بلکہ وہ تو لگتا ہے حویلی کے سب ہی لوگوں سے ناراض ہیں کیونکہ میں جتنے دن بھی سرائے میں رہی وہ مجھ سے نہیں ملیں۔''

روشی نے بڑی تفصیل اور سادگی سے جواب دیا۔

ماہین گویا سانس روکے اس کی بات سن رہی تھی۔ روشی خاموش ہوئی تو اس نے گہرا سانس سینے سے آزاد کیا۔

"تو کیا وہ اتنے دن کمرا بند کر کے بیٹھی رہیں؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ البتہ مجھے حویلی کے اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ میں گیسٹ روم میں تھی یا پھر باغ میں چلی جاتی تھی۔ صوفشاں سے میری ملاقات باغ ہی میں ہوئی تھی۔ بڑی کیوٹ بچی ہے۔ کاکا جان کی۔ ان کے بیٹے ٹیپو کو تو ہم نے دیکھا ہوا ہے۔ بہت چھوٹا تھا۔ ایک مرتبہ جب بابا صاحب اسے حویلی میں لائے تھے۔ انگریزی میں بات کرتا تھا، اور ان دنوں ہمیں گزارے لائق انگریزی بھی نہیں آتی تھی۔"

روشی اپنی بات کے اختتام پر ہنس پڑی۔

"بہت انجوائے کیا تھا ہم نے۔ بڑا مزہ آیا تھا۔ چھوٹی بی بی جان (تزئین) سے ٹرانسلیشن کراتے تھے۔" وہ بھی ہنس پڑی۔

"تم نے کوشش بھی نہیں کی ان کی وائف کو دیکھنے کی۔؟"

ماہین کے چہرے پر اس کی ہنسی کے جواب میں مسکراہٹ بھی نہ آئی۔

"میں اتنی پزل تھی کہ بس کچھ سوجھتا ہی نہیں تھا۔ اور پھر آرڈر کاکا جان کا تھا اور میں ان کی ناراضگی کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔" وہ بڑی روانی سے جواب دے رہی تھی۔

"ہوں۔ ملازموں سے بھی تم نے ان کی وائف کے متعلق بات چیت نہیں کی۔؟"

"ملازم۔؟" روشی ہنس پڑی۔ "جتنے پراسرار کاکا جان نظر آتے ہیں،، ان کے ملازم ان سے زیادہ پراسرار لگتے ہیں۔ روبوٹ جیسے۔ جذبات سے عاری ایک دم بلینک۔" وہ اب بات بات پر ہنس رہی تھی۔

"اچھا صوفشاں سے تمہاری کیا باتیں ہوئیں؟" ماہین کسی دھیان سے چونک کر پوچھنے لگی۔

"ارے۔ خالہ کیا یاد دلایا۔ کیا زبردست بچی ہے۔ اتنی پیاری باتیں کرتی ہے کہ دل چاہتا ہے اس سے باتیں کیے جائیں۔ اس پر اس کے ڈریسز۔ غضب کی میچنگ۔ کیا باذوق خاتون ہیں کاکا جان کی وائف۔ سچ اب تو آپ دیکھیے گا۔ میں کاکا جان سے ضد کروں گی کہ وہ مجھے ان سے ضرور ملوائیں۔ کیا زبردست کپل ہے ہمارے خاندان کا۔"

"آہستہ بولو۔ مت کرو کاکا جان، کاکا جان۔ تمہیں پتا نہیں تمہارے پپا ان کا نام سن کر کتنے اری ٹیٹ ہو جاتے ہیں۔" ماہین نے اسے ٹوک دیا اور اسے واقعی بریک لگ گئے تھے۔

"وائس اے مسنگ۔ ہم نے بہت اہم بات مس کی ہوئی ہے۔ اور وہ کیا بات ہے کوئی نہیں بتاتا۔ بابا صاحب جیسی اتھارٹی بھی دونوں بھائیوں کا پرابلم سولو نہیں کر سکتی۔ ہاؤ اسٹرینج۔ کیوں خالہ؟"

"اچھا۔ تمہیں اتنا انوالو ہونے کی ضرورت نہیں۔" ماہین نے اسے جیسے ڈانٹ دیا۔

"افوہ۔ واقعی ممی بن گئی ہیں۔ ڈانٹنے بھی لگی ہیں پپا سے کہوں گی۔" روشی نے کھلکھلاتے ہوئے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"بدتمیز۔" ماہین نے جھینپ کر مسکراتے ہوئے ہلکی سی چپت رسید کی۔

"اچھا خالہ! یہ بتائیں آپ کا دل چاہتا ہے کاکا جان کو دیکھنے کا، ان سے باتیں کرنے کا؟" روشی ابھی تک اس کے گلے میں بانہیں ڈالے ہوئے تھی۔

"نہیں۔ مجھے کوئی شوق نہیں۔" ماہین نے اس کی بانہوں کا حصار توڑتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔

"سچ۔ آپ ان سے ضرور ملیے گا۔"

"مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دیکھ لیا تھا البتہ میں نے جب تم نے حویلی میں طوفان اٹھایا تھا اور بابا صاحب ہاسپٹل چلے گئے تھے۔"

"مجھے تو اب کاکا جان سے اچھا کوئی نہیں لگتا۔" روشی اٹھ کر دوبارہ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"اسی بات پر خفا ہیں تم سے تمہارے پپا۔" ماہین کے لہجے میں نامعلوم سی اداسی اتر آئی۔

"کوئی بھی باپ اپنی اولاد سے زیادہ دیر خفا نہیں رہ سکتا۔ میں کسی غیر کی تعریف تو نہیں کر رہی ہوں۔ کاکا جان ان کے سگے بھائی ہیں۔ وہ میرے کاکا جان ہیں تو پپا ہی کی وجہ سے ہیں۔"

"اچھا اب خاموش ہو جاؤ۔ میں تو تمہیں خوش خبری سنانے آئی تھی۔ صاحب میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ گڈ نائٹ۔ اللہ نگہبان۔"

ماہین ایک دم گم صم سی نظر آنے لگی تھی۔

"بہت جچتی ہیں آپ۔ پپا کو صاحب کہتے ہوئے۔ روشی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔" ویسے بنڈل آف تھنکس فار ہیپی نیوز۔"

"چیئر اپ مائی ڈیئر۔" ماہین زبردستی کی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی اور باہر نکل گئی۔

....

ابھی ویک اینڈ میں دو دن باقی تھے کہ حویلی سے پھر ایک زبردست خبر آ گئی کہ گلو کا نکاح ہو رہا ہے کیونکہ مصور ہائر اسٹڈی کے لیے باہر جا رہے ہیں۔ اس لیے فیصلہ کیا گیا ہے۔ کہ ان کو نکاح کے بندھن میں باندھ کر روانہ کیا جائے۔ غالباً تیمور علی خان کے ماضی میں کیے گئے اقدام کی وجہ سے اب ہر باہر جانے والے لڑکے کا خصوصی خیال' رکھا جاتا تھا۔

روشی تو سنتے ہی بے تاب ہو گئی۔ "خالہ! جلدی چلیں۔ وہاں کتنا مزہ آ رہا ہو گا۔ اور یہ خالی نکاح کی کیا تک ہے۔ گلو پا کو مصور بھائی کے ساتھ ہی بھیج دیں۔ پتا نہیں کتنے سال بعد لوٹیں۔"

"یہ تو وہاں جا کر ہی پتا چلے گا کہ صرف نکاح کیوں ہو رہا ہے۔ رخصتی کیوں نہیں ہو رہی۔"

"خالہ پپا سے کہیں وہ ہمیں آج ہی حویلی بھجوا دیں۔ پلیز خالہ!"

ماہین کچن کے کام سے فارغ ہو کر ڈائننگ میں اپنے حساب کتاب سے الماریوں میں برتن سیٹ کر رہی تھی۔ روشی بجائے ہاتھ بٹانے کے اس کے پیچھے پیچھے منت کے انداز میں پھر رہی تھی۔

"وہ کہہ رہے ہیں ہم بس نکاح والے روز جائیں گے۔ وہ بہت بزی ہیں۔" ماہین نے بہت مصروفیت کے عالم میں

جواب دیا۔

''فرسٹ کزن کا نکاح ہے۔ محلے کی شادی تو نہیں ہے۔ حد ہو گئی۔'' وہ بری طرح جھلا گئی۔

''ہاں تو صبح سے چلے جائیں گے۔ اب وہ عام آدمی تو نہیں ہیں کہ جب چاہے کہیں چل دیں۔ ایک حساس اور ذمہ دار سیٹ ہے۔ ان کی۔ میں اصرار کروں گی تو یہی کہیں گے کہ پڑھ لکھ کر جاہل بن رہی ہو۔'' اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تو آپ ان سے یہ کہیں، وہ ہمیں ڈرائیور کے ساتھ بھیج دیں۔'' روشی کے انداز میں ضد تھی۔ سب ان سے ڈرتے ہیں۔ آپ تو اتنا نہیں ڈریں آپ کی بات تو وہ سن لیں گے۔''

''وہ مجھے فیصلہ سنا چکے ہیں مجھے تو وہ ڈرائیور کے ساتھ بھیج سکتے ہیں۔ مگر تمہارے بارے میں ان کا کہنا ہے۔ تم جہاں جاؤ گی، ان کے ساتھ جاؤ گی۔''

ماہین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تو پھر میں نکاح والے دن بھی نہیں جاؤں گی۔'' وہ دھم سے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''ہو سکتا ہے آنے والے کل میں تمہیں ان سے اس سے بھی زیادہ اہم بات منوانا پڑ جائے۔ ان کا غصہ بڑھاؤ گی تو خود ہی مشکل میں پھنسو گی۔''

''اب بھی کونسی آسانی ہے۔ جیل میں ڈال دیا ہے اٹھا کر۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

ماہین الماری کھلی چھوڑ کر تیزی سے اس کے قریب آئی۔

''بری بات ہے روشی! اتنا قنوطی ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنی بیٹی کو بس ہر جگہ اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں تو برا کیا ہے۔ انہوں نے تمہیں پڑھایا لکھایا ہے۔ تمہاری شادی بھی اچھی جگہ کریں گے۔ تمہیں زندگی میں خدانخواستہ سرد و گرم پیش آئیں گے۔ تو ڈھال بنیں گے۔ کوئی تمہارے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کرے گا تو اس سے سختی سے نمٹیں گے۔ خود تمہیں سخت سست کہہ لیں گے۔ مگر کسی دوسرے کو کبھی اس طرح کی حرکت کی اجازت نہیں دیں گے۔ حتیٰ کہ اگر میں بھی تمہارے ساتھ زیادتی کر بیٹھوں تو وہ مجھے بھی معاف نہیں کریں گے۔''

وہ اسے گلے سے لگا کر بہت محبت سے سمجھا رہی تھی۔

''آپ کو واقعی پپا سے بہت محبت ہے۔ اور مجھے اس بات پر افسوس نہیں بلکہ خوشی ہے اس لیے کہ میرے باپ نے ایک طویل زندگی ویران اور بے رنگ گزاری ہے۔ بہت اچھی وکیل ہیں آپ پپا کی۔''

روشی نے دوپٹے سے آنکھیں پونچھیں۔

''بدتمیز نہیں تو۔'' ماہین نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کی۔

''اس طرح بولتے ہیں باپ کے ''پرسنلز'' پر؟ بے وقوف۔ اور میں کیوں ان کی وکالت نہیں کروں گی۔ جس کا کھاتے ہیں، اس کا گاتے ہیں۔'' وہ ہنس پڑی۔'' چلو موڈ ٹھیک کرو۔ پھر شاپنگ کرنے چلیں گے۔ تمہیں نکاح پر پہننے کے لیے کوئی اچھا سا سوٹ دلوا دیتے ہیں۔''

''بچی نہیں ہوں میں جو آپ مجھے بہلا لیں گی۔'' وہ منہ بسور کر بولی۔

''اچھا میں ان سے اصرار کروں گی کہ وہ ہمیں حویلی اس طرح پہنچا دیں کہ ہم نکاح سے پہلے ایک رات لڑکیوں کے ساتھ ہونے والے لڑ تو گا لیں۔ ٹھیک۔ ویسے مجھے پتا تو ہے کہ تمہیں حویلی پہنچنے کی جلدی کیوں ہے۔'' وہ رک کر شرارت سے مسکرائی۔ ''بہت ہی مشکل پسند لڑکی ہو۔''

''خالہ۔ آپ شادی سے پہلے بھی اتنا ہی کام کرتی تھیں۔ یا ہمارا گھر ہی آپ کو بہت بے ترتیب لگا ہے۔ کیونکہ جب سے آپ آئی ہیں صبح سے شروع ہو جاتی ہیں۔'' اس نے فوراً بات بدل دی۔

''نہیں بھئی تمہارا گھر تو بہت خوبصورت ہے۔ بس یونہی ذرا چینج کر کے دیکھ رہی ہوں۔ ویسے بات بدلنے سے خیال نہیں بدلتا۔'' ماہین نے اسے شرارت سے چھیڑا۔

''پھر شاپنگ کے لیے کب چلیں گی۔؟''

''بتا دوں گی۔ پہلے تمہارے پپا سے ایک دن پہلے جانے والی بات تو ٹھہرا لوں؟ اگر انہوں نے انکار کر دیا تو خوامخواہ شاپنگ بے کار جائے گی۔''

''ہاں بس یہ بات ضرور منوائیں۔ ورنہ میں واقعی نہیں جاؤں گی۔''

''اچھا بابا۔ ویسے تم اپنے پپا سے سوری ضرور کرو۔ کتنی بری بات ہے وہ تم سے ناراض ہیں، اور تم نے ابھی تک ان سے سوری نہیں کیا۔ اس طرح کی ہٹ دھرمی سے تو بڑوں کا غصہ اور بڑھتا ہے''

''کرلوں گی سوری۔ مگر میرے سوری کرنے سے ان کی ناراضگی ختم نہیں ہو گی۔ کیونکہ معاملہ کاکا جان کی انوالومنٹ کا ہے۔ اور مجھے تو ان سے بہت سے سوری کرنا ہیں اکٹھے کرلوں گی۔' اس نے دھیمی قدرے شرمندہ سی آواز میں کہا۔

''کیا مطلب؟'' ماہین نے بری طرح چونک کر اس کی صورت دیکھی، اسے وہ بہت عجیب سی محسوس ہوئی تھی۔

''کچھ نہیں۔'' وہ یہ کہہ کر ایک لمحہ رکے بغیر باہر نکل گئی۔

''سوری تو ڈی۔ سی صاحب کتنوں کے آپ پر ادھار ہیں کیا کروں کبھی آپ پر ترس آنے لگتا ہے اور کبھی دل چاہتا ہے کہ ہمیشہ کے لیے آپ کی نظروں سے اوجھل ہو جاؤں کیا قسمت ہے ہم دونوں بہنوں کی۔ ہماری تقدیر میں کھل کر خوش ہونا نہیں لکھا۔ یا یہ کہ حویلیاں'' ہمیں راس نہیں۔''

مصلحتوں کی جکڑ بندیوں سے پریشان دل بہانے بہانے سے رسیاں تڑانے لگتا تھا۔

....

بہت عرصے بعد یاور علی خان نے فور وہیل ڈرائیور جیپ خود ڈرائیو کی تھی۔ ماہین نے پوچھا بھی تھا۔ ڈرائیور کو کیوں نہیں لے جا رہے؟''

''ایسے ہی۔ یہ جواب تھا ان کا۔

ماہین تو ان کے برابر میں ہی بیٹھی تھی، جبکہ روشی عین اس کے پیچھے بیٹھی۔ بظاہر میگزین پڑھنے میں مصروف تھی۔ یوں بھی

یاور علی خان کی موجودگی میں اب وہ ضرورت سے زیادہ کانشس ہو جاتی تھی۔

کوشش کرتی تھی کہ ان سے کم سے کم سامنا ہو۔ بس کچھ اندر کے چور ہوتے ہیں جو انسان کی خود اعتمادی چھین لیتے ہیں۔ وہ جیت بھی سکتا ہے مگر ہار جاتا ہے۔ اس نے کئی بار نظریں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس۔ نفیس ہیر اسٹائل۔ اسٹیئرنگ پر جمے مضبوط ہاتھ۔ ایک ایک شے سے بلا کی نفاست جھلک رہی تھی۔ اس پر ان کی مخصوص خوشبو۔ چہرہ مگر ایک دم برف۔ سپاٹ۔ سرخ رہنے والی آنکھیں ونڈ اسکرین پر اس انداز میں جمی تھیں کہ نیم وا محسوس ہو رہی تھیں۔

ایک دم اس کا دل بھر آیا۔ اس کا دل چاہا جان ہار کر باپ کو منا لے۔ آنسو ایک تواتر سے رخساروں پر بہہ نکلے۔ وہ ہونٹ کاٹ کر آنسو روکنے کی کوشش کرتی رہی۔

''روشی کچھ کھانے کا موڈ ہو تو باسکٹ سے لے لینا۔ فنگر چپس بھی ہیں۔'' ماہین نے گردن موڑے بغیر اسے متوجہ کیا۔

وہ خاموش رہی۔

''وہ اسٹور کی چابیاں تم نے کچن سے اٹھا لی تھیں۔؟'' معاً ماہین کو ایک اور فکر نے ستایا۔

''جی۔'' روشی نے خود پر قابو پاتے ہوئے بمشکل کہا۔

ماہین کو یہ فکر بھی ہو رہی تھی کہ وہ بور نہ ہو رہی ہو۔ اس لیے وہ بات برائے بات بھی کر رہی تھی۔ اور اسے بات کرنے کا حوصلہ بھی بخش رہی تھی۔

''وہ بکس رکھ لی تھیں تم نے جو تم کہہ رہی تھیں کہ بیبہ کو دینا ہیں۔'' ماہین نے پھر ایک سوال کیا۔

''جی۔!'' اس نے جلدی سے رخسار اور آنکھیں چادر سے پونچھ ڈالیں۔ مبادا ماہین گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھ لے۔

یاور علی خان نے مرر میں دیکھ لیا تھا۔ ان کے دل کو کچھ ہوا تو تھا۔ دل تو چاہا تھا کہ پوچھیں کہ کیا دکھ رلا رہا ہے؟ مگر پھر وہی اذیت ناک منظر ونڈ سکرین پر لگا۔ چادر میں لپٹی روشی تیمور علی خان کا بازو تھامے ان کے سامنے سے گزر گئی تھی۔ ان کی آنکھوں کی سرخی گہری ہونے لگی۔

ماہین اپنی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی۔'' گھر کی اہم تقریب ہے کیا تیمور علی خان شریک ہوں گے؟''

رات گیارہ بجے کے قریب وہ حویلی پہنچے تھے۔ باہر کا تو کوئی مہمان نہیں تھا۔ حویلی کے مکین ہی ماشاء اللہ اتنے تھے کہ اکٹھے بیٹھے دکھائی دیتے تو عام حالات میں تقریب کا گمان ہونے لگتا تھا۔

فاران اور ثمر گیٹ پر ہی مل گئے۔ ماہین کو دیکھ کر بہت خوشی سے مسکرائے تھے۔ اور یاور علی خان کی موجودگی کا احساس کر کے ذرا احتیاط سے باتیں کر رہے تھے، ورنہ ماہین سے تو وہ خاصے بے تکلف ہو چکے تھے۔

بالوان کی آمد کا سن کر بھاگی چلی آئی۔

''السلام وعلیکم ماہین بی بی:۔ آپ تو کہہ رہی تھیں کہ دو ایک روز میں بلوا لوں گی۔''

اس نے چھوٹتے ہی شکوہ کیا۔ اس روز وہ تیار تھی مگر یاور علی خان نے ماہین سے کہا تھا کہ اسے ڈرائیور سے کہہ کر بعد میں بلوا لینا۔ وہ بھی وعدہ کر کے گئی تھی مگر مصروفیت میں دھیان ہی نہیں آیا۔

''ہاں بھئی، واقعی میں مصروفیت میں بھول گئی تھی، خیر اب چلنا۔'' اس نے تسلی دی۔ اور روشن آرا کی طرف بڑھ گئی، جو استقبال کے لیے پورچ تک چلی آئی تھیں۔ روشی انہیں سلام کر کے اندر بھاگ گئی تھی۔ جہاں لڑکیوں میں اس کی آمد کی خبر نے تہلکہ مچا دیا تھا۔

یاور علی خان بھی اندر کی طرف بڑھے تھے، کہ ایک اور گاڑی پورچ میں داخل ہوئی ماہین روشن آرا اور بالو ایک طرف ہٹ گئی تھیں۔

''اوہ۔ تیمور۔؟'' روشن آرا نے گویا صرف گاڑی پہچان کر کہا تھا اور بے ساختہ اندر کی طرف جاتے ہوئے یاور علی خان کی سمت دیکھا تھا۔ ماہین نے جیسے اندر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ قدم ہی زمین نے پکڑ لیے تھے۔ روشن آرا نے ماہین کی سمت دیکھا، وہ کچھ پریشان سی نظر آنے لگی تھیں۔

تیمور علی خان پچھلا دروازہ کھول کر باہر آ چکے تھے۔ بہن پر نظر پڑی تو ان کی طرف ہی چلے آئے۔

''السلام علیکم بی بی جان!'' ساتھ ہی ماہین کی سمت دیکھا تھا۔

''وعلیکم السلام! انھوں نے اسی پریشانی کے انداز میں جواب دیا۔

''السلام علیکم ماہین۔!'' اس نے مسکرا کر بہت ہی زیادہ اختصار سے کام لیا۔ وہ بہت دلچسپی سے تیمور علی خان کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔

''والسلام۔!'' تیمور علی خان نے گویا الجھ کر بہن کی طرف دیکھا تھا۔ انہوں نے نظروں ہی نظروں میں سمجھا دیا کہ یاور علی خان آئے ہوئے ہیں۔ ٹیلی فونک رابطے سے انہیں حویلی کی سب خبریں ملتی رہتی تھیں دوسرا ذریعہ باری تھا جن دنوں یاور علی حویلی میں مقیم ہوتے تھے۔ وہ اس طرف آنے سے احتراز ہی کرتے تھے۔ کہ زخموں کے ٹانکے کھلنے کے سوا اس مڈ بھیڑ سے اور ملتا ہی کیا۔

''ہم ادھر گیسٹ روم میں ہیں بی بی جان! آپ بابا صاحب کو بتا دیں۔''

انہوں نے ماہین کو یکسر نظر انداز کر کے بہن سے کہا اور آگے بڑھ گئے۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

''آؤ ماہین۔'' روشن آراء نے گم صم سی کیفیت میں ماہین کو مخاطب کیا اور اسے شانوں سے تھام کر اندر بڑھ گئیں۔

اندر کا تو رنگ ہی اور تھا۔ روشی کے اپنے چہرے پر اتنے رنگ تھے کہ وہ پہچانی نہیں جا رہی تھی۔

بیہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے گھول کر پی جائے۔ اس کے گلے میں بانہیں ڈالے بیٹھی تھی۔

''دیکھ لیجئے ممانی جان۔ کیا حال ہو گیا ہے بے چاری کا۔ کتنی دبلی ہو رہی ہے یا ور ماموں کو ذرا خیال نہیں۔'' روبی نے سلام کے فوراً بعد دلدوز دہائی دی۔

''بھئی لڑکیاں دبلی ہی اچھی لگتی ہیں اب وہ زمانہ نہیں جب موٹاپا خوشحالی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔'' ماہین نے روشن آرا کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ جو ہنوز متفکر سی نظر آ رہی تھیں۔ بظاہر اپنی حاضر دماغی ظاہر کرنے کو مسکرائی تھیں۔

''گلو آپا نظر نہیں آ رہی ہیں خیریت؟'' روشی کو بے چینی ہوئی۔

''ابھی اور بھی بہت سے لوگ نظر نہیں آئے ہیں۔'' شینو اپنی چوٹی میں بل ڈالتی ہوئی اندر داخل ہوئیں اور با قاعدہ کلام کرتی ہوئیں، پھر با قاعدہ رُخ موڑ کر ماہین کو سلام کیا اور اپنی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئیں۔

چند ثانیے کیلئے خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

''ہائے اللہ ڈھولکی'' معاً روشی کی نگاہ کونے میں پڑی ڈھولکی پر پڑی۔

''کتنے دن سے گانے گا رہی ہو تم لوگ؟ روشی کے چہرے پر دلی مسکراہٹ کا واضح عکس تھا۔

''جب سے اعلان ہوا ہے'' تانیہ نے برجستہ کہا۔

''واہ کتنے مزے ہیں تم لوگوں کے۔''

''ایک تو پھٹ بھی چکی ہے'' حنا نے اطلاع دی۔

''مائی گاڈ۔ اتنے جوش و خروش سے بجائی تھی؟'' ماہین ہنس پڑی۔

''اتنا ترس ترس کر خوش خبریاں ملیں تو یہی حال ہوتا ہے'' مونا نے بھی حصہ لیا، عجیب سی بات تھی اس کے لہجے میں۔

ماہین کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی، جانے اسے کیا یاد آ گیا تھا۔

''رخشانہ کی ڈھولکی تھی، اسے ڈھولکی کے پیسے دیئے اور گھر کیلئے الگ سے منگوالی'' زری نے قصہ کوتاہ کیا۔

''کس سوچ میں گم ہو گئیں؟'' بیہ نے روشی کو ٹہوکا دیا۔

''کچھ نہیں میں سوچ رہی ہوں ایک شادی پر اگر دو ڈھولکیاں خرچ ہوں گی تو ٹوٹل ہمارے گھر میں کتنی ڈھولکیوں کا خرچہ ہے؟'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی، قہقہوں میں بڑی بے ساختگی تھی۔

روشی ایک دم تیزی سے ڈھولکی کی طرف بڑھی تھی اور وہیں بیٹھ کر اسے ٹائٹ کرنے لگی تھی، چھلوں میں دوپٹا پھنسا کر کھینچ رہی تھی، ساتھ ہی تھپتھپا کر تال بھی چیک کر رہی تھی۔

''اسٹائل سے تو لگتا ہے بڑی ایکسپرٹ ہو'' ماہین بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

''بڑی اچھی ڈھولکی بجانا آتی ہے اسے ممانی، ابھی بجائے گی تو دیکھئے گا، اسے تو رقص بھی بہت اچھا آتا ہے، اکا کی شادی میں اس نے ڈانس کیا تھا، کون سا گانا تھا وہ؟'' زری نے مونا کی طرف دیکھا تھا۔

''ڈھونڈ و ڈھونڈ و رے ساجنا مورے کان کا بالا'' مونا کو اچھی طرح یاد تھا۔

''ارے واہ بڑے بڑے انکشافات ہو رہے تھے'' ماہین نے بڑی حیرت سے اس کی سمت دیکھا۔

''اچھا ذرا بجا کر دکھاؤ''

''پہلے گلو آپا کو بلائیں، ایک گانے نے میرے اندر آفت مچائی ہوئی ہے'' وہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

''کیا گانا ہے بھئی'' سب ہی از حد مشتاق نظر آنے لگی تھیں۔

اے مصور تیری تصویر ادھوری ہے ابھی

اس نے با قاعدہ گا کر سنایا، پھر ماہین کے پہلو میں بیٹھی روشن آرا کو دیکھ کر ایک دم جھینپ گئی۔

''سوری بی بی جان'' اس نے خفیف سے انداز میں نظریں جھکا کر کہا۔

''اس کی کیا خاص بات ہے اس میں، سوائے اس کے کہ مصور بھائی کا ذکر ہے'' تانیہ نے حیرت سے کہا۔

''بہت خاص بات ہے اس میں' ہمارے مصور بھائی بھی ادھورا کام کر رہے ہیں یعنی صرف نکاح' بتائیے سینئرز کا یہ حال ہے'' روشی نے بڑے تاسف سے کہا۔

''یعنی مطلب یہ کہ تمہیں نکاح پسند نہیں ہے' حاضرین غور سے سن لیں بلکہ فرمائش نوٹ کر لیں' روبی نے چاروں طرف سر گھما کر گویا اعلان کیا۔

''چلو ٹھیک ہے کتنا ہی شارٹ نوٹس کیوں نہ ہو' روشی کا صرف نکاح نہیں کریں گے بلکہ رخصتی بھی ساتھ ہی کریں گے'' روشن آرا نے مسکراتے ہوئے کہا اور گویا اپنی کیفیت میں تبدیلی پیدا کرنے کی شعوری کوشش کی۔

''امید ہے چین آ گیا ہوگا۔ آخر بی بی جان نے کہا' بڑی مضبوط تسلی ہے'' زری نے شرارت سے کہا۔

روشی یک ثانیے کو چپ ہو گئی تھی اور نگاہیں بے ساختہ دروازے کی سمت اٹھ گئی تھیں کہ جیسے وہ وہاں سے ہر دم ہی گزرتا رہتا ہو۔

''میرے خیال میں ہال میں سانپ آ گیا ہے'' بیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

لڑکیاں گویا اچھل پڑیں ''کیا مطلب'' وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں' باغ میں کبھی کبھی سانپ نکل آتے تھے' بس اسی وجہ سے غالباً بیہ کا مذاق نہیں سمجھی تھیں۔ روشن آرا اور ماہین بھی تشویش بھری نظروں سے ہال میں نظر دوڑانے لگی تھیں۔

''بھئی روشی پتھر کی ہو چکی ہے' میں سمجھی سانپ سونگھ گیا ہے۔''

''بدتمیز'' سب جھینپ کر دوبارہ اپنی اپنی جگہ پر ٹک گئیں۔

''امی بتا رہی تھیں ایک مرتبہ کاکا جان کو بھی سانپ نے ڈس لیا تھا۔ بہت حالت خراب ہوئی تھی ان کی'' زری نے اطمینان کا سانس بھرتے ہوئے گویا اپنے ڈر جانے کی توضیح پیش کی تھی۔

''ہیں بی بی جان'' تانیہ نے پھوپھی سے تصدیق چاہی۔

''ہوں'' روشن آرا نے ٹالنے والے انداز میں ہنکارا بھرا اور ماہین پر اچٹتی ہوئی ایک نگاہ ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئیں' ایک مرتبہ پھر وہ گم صم سی نظر آنے لگی تھیں۔

''آؤ ماہین۔ اوپر بھابی بیگم کے پاس چلتے ہیں' وہ بہت شدت سے تم لوگوں کے آنے کا انتظار کر رہی تھیں'' عجیب سرد مہری سی محسوس کی تھی ماہین نے ان کے لہجے میں۔ اب تو وہ حویلی والوں سے اتنی واقف ہو چکی تھی کہ نہ کسی انداز پر چونکتی تھی اور نہ الجھن میں پڑتی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس وقت حویلی میں کسی قسم کی کھلبلی مچی ہوئی ہے' شاید دوسری خواتین تو دم سادھے بیٹھی ہوں گی۔ وہ اطمینان بھرے انداز میں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی۔

کھانے سے فراغت کے بعد لڑکیوں نے جلدی جلدی عشاء کی نماز پڑھی' پھر باقاعدہ ڈھولکی لے کر بیٹھ گئیں تھیں سوائے عالم تاب کے تمام خواتین بھی وہیں آ گئیں تھیں۔

روشی' گلو کو بھی کمرے سے گھسیٹ لائی تھی' اس کا جوش و خروش حالانکہ خاصا سرد پڑ چکا تھا' تین گھنٹے ہونے کو آئے تھے وہ دشمن جان ابھی تک نظر نہیں آیا تھا' پہلے تو کسی بہانے سے اس کا ذکر بھی کر لیتی تھی' اب تو خیال ہی سے زبان پر تالے پڑ جاتے

''روشی بتاؤ ناں' کون سا گانا گائیں اب؟'' حنا کو کوئی گانا یاد نہ آیا تو اس نے روشی سے تعاون چاہا۔

''وہ والا گاؤ ناں' بڑی پیاری لے ہے اس گانے کی' چاندنی میں آئیو میاں بنرے''

''مگر آہستہ گانا۔ ان کا کمرہ زیادہ دور نہیں ہے' اس طرف سے سچ مچ آ بھی جائیں گے یہ کہتے ہوئے کہ جی فرمائیے کیسے یاد فرمایا؟'' مونا قہقہہ لگا کر گلو کے شانے سے ٹک گئی۔ گلو کے چہرے پر ان گنت رنگ بکھر گئے۔

''بہت شیطان ہیں یہ'' تزئین نے اندر داخل ہوتے ہوئے سب کچھ سن لیا تھا۔

''چھوٹی بی بی جان سے پوچھو' انہیں بہت گانے آتے ہیں'' لالی نے ٹکڑا لگایا۔

''تمہاری امی کو بھی کم نہیں آتے' تم بڑی روتی رہتی تھیں اور یہ گھر کی شادیوں میں بیٹھی ڈھولکی بجاتی رہتی تھیں'' تزئین نے ہنس کر روشن آرا کو چھیڑا۔

''ہیں' بی بی جان صحیح کہہ رہی ہیں امی؟'' لالی نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

''ارے توبہ کرو مجھے کہاں آتے ہیں گانے وانے۔ اسے ہی سدھ بدھ نہیں رہتی تھی' نہ کھانے کا ہوش نہ پینے کا۔ بیٹھی ہوئی بجاتی رہتی تھی'' روشن آرا نے مسکرا کر ماہین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اچھا بتائیں۔ آپ کے زمانے میں جب حویلی میں شادیاں ہوتی تھیں تو سب سے اچھے گانے کون گاتا تھا'' حنا نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔

خواتین کے چہروں سے مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی تھی' تزئین نے روشن آرا کی طرف بے ساختہ دیکھا تھا۔ ایک وحشت ناک سی خاموشی ماہین نے ماحول میں محسوس کی تھی' اس نے سب کے چہرے پر باری باری ایک بہت ہی گہری نگاہ ڈالی تھی' وہ سوچ رہی تھی' وہ پڑھ رہی تھی۔

''بتائیں ناں امی؟'' روبی نے روشن آرا کو متوجہ کیا۔

''اے کیا بے کار کی باتیں کرنے لگیں' چلو گانے گاؤ'' روشن آرا نے جھلا کر کہا۔

''کوئی مزے دار سا گانا یاد نہیں آ رہا'' حنا ذہن پر زور ڈالنے لگی' روشی ڈھولکی پر تھاپ لگانے لگی۔ بیہ نے دف بجانا شروع کر دیا۔

''گلو باجی سے پوچھو۔ نہیں تو پتہ نہیں کون کون سے بھولے گانے یاد آ رہے ہوں گے'' تانیہ نے چھیڑا۔

''تزئین ممانی سے پوچھ لو'' سونی نے پہلی بار مشورہ دیا۔

''نہ بابا نہیں تو انگریزی میں آتے ہوں گے یا ''اس'' میں۔ یوگنڈا میں کون سی زبان بولی جاتی ہے ممانی'' روبی نے لگے ہاتھوں معلومات میں اضافہ کرنا چاہا۔

ہال میں پھر جلترنگ بجنے لگے تھے۔ حنا نے راکھ سے ایک چنگاری جو نکالی تھی وہ پھر راکھ تلے دب گئی۔ مگر ماہین کے اندر چنگاریاں نہیں' الاؤ روشن تھے۔

اندر ایک مستقل سی کیفیت کا قیام عمل میں آ چکا تھا' وہ بظاہر ہال میں تھی' مگر ذہن کبھی اپنے بیڈ روم میں سیر کناں ہوتا تو کبھی گیسٹ روم میں۔ پھر اگلے ہی لمحے سرائے میں' اس نے روشی کی سمت دیکھا' فیروزی جگمگاتے کپڑوں میں ایک مرتبہ پھر اس کی آنکھوں میں روشنیاں اتر آئی تھیں۔

''یہ باری کہاں ہے۔ ابھی تک دکھائی نہیں دیا'' وہ کسی دھیان سے چونک پڑی۔ تھاپ گویا ڈھولکی پر نہیں روشی کے دل پر پڑی تھی۔ اس نے بڑی شکر گزار نظروں سے ماہین کی سمت دیکھا' اتنی دیر میں کسی نے اس کا نام تو لیا۔

''خوشی کی تقریب ہے اب تو مصروفیات میں گونا گوں اضافہ ہو گیا ہوگا'' شینو کے بستہ لبوں پر بھی جنبش ہوئی۔

''صبح مصور کے ساتھ ہی دیکھا تھا' بائیک پر جا رہے تھے دونوں کہیں'' رئیسہ بیگم نے بھاوج کو جواب دینا بہت ضروری خیال کیا۔

''خوشی کا موقع ہے بی بی جان' جھومر کو بھی ادھر بلوا لیا کریں'' ماہین کو مطربہ کی تنہائی کا دھیان آتے ہی جھومر کا خیال آیا۔

''بابا صاحب نے چند دنوں کیلئے اسے کوہاٹ بھیج دیا ہے' ظفری کراچی ہسپتال میں داخل ہو گیا ہے ناں۔ دو تین مہینے تو اسے وہاں لگ جائیں گے'' رئیسہ بیگم بہت آہستہ آواز میں بات کر رہی تھیں۔

''کوہاٹ میں اس کا میکہ ہے؟'' ماہین نے دریافت کیا۔

''میکہ ہی سمجھو بوڑھے نانا نانی رہتے ہیں' خود ہی کہا تھا وہاں جانے کو'' رئیسہ بیگم بولیں۔

''کس سے؟ بابا صاحب سے؟'' ماہین نے جانے کیا سوچ کر پوچھا۔

''نہیں۔ بھابی بیگم سے کہتی ہے جو کچھ کہنا ہوتا ہے'' وہ تزئین کی سمت دیکھتے ہوئے کچھ منتشر سی کیفیت میں کہہ رہی تھیں۔

اسی لمحے لڑکیوں نے گیت چھیڑ دیا۔

سن ری سکھی موہے سجنا بلائے

وہ سب یکدم لڑکیوں کی سمت متوجہ ہو گئیں' بلکہ تزئین تو گلو اور روشی کے درمیان جگہ بنا کر خود بھی گانے میں شریک ہو گئیں اور اشارے سے شینو کو بھی حصہ لینے کیلئے کہا۔ ساتھ ہی ماہین کو بھی اپنے برابر آ بیٹھنے کیلئے اشارتی اصرار کیا۔

شینو تو اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئیں' ماہین نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر معذرت کر لی۔

اسی دوران باری اندر داخل ہوا تھا' روشی ڈھولکی بجانے میں اور سُر تال ملانے میں اتنی منہمک تھی کہ اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے باری کو نہیں دیکھا تھا اور جب وہ رئیسہ بیگم کو باہر آنے کا کہہ کر ایک بھرپور نگاہ روشی پر ڈال کر واپس پلٹ رہا تھا تو روشی جیسے کسی خواب کے عمل سے باہر آئی تھی' مگر اب اس کی سمت باری کی پشت تھی' وہ کیمل کلر کے کلف لگے شلوار سوٹ میں ملبوس تھا۔ کپڑوں پر پڑی بے تحاشہ شکنیں اس کی دن بھر کی مصروفیت کی چغلی کھا رہی تھیں' رئیسہ بیگم بھی اس کے ساتھ چل پڑی تھیں' غالباً بابا صاحب نے طلب کیا تھا۔

''ارے ستیاناس کر دیا گانے کا بار بار ایک ہی مصرعہ دہرائے جا رہی ہو'' لڑکیوں نے شور مچا دیا' وہ کچھ کہہ رہی تھیں' روشی

کچھ اور گا رہی تھی' جیسے ریڈیو سے بیک وقت دو اسٹیشن سنائی دے رہے ہوں۔

''اچھا بھلا گا رہی تھی کیا ہو گیا ایک دم؟'' روبی نے برا مان کر پوچھا۔

ماہین کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

شینو کھنکار کر لڑکیوں کے کپڑوں پر بنا کام چیک کرنے لگیں۔ انداز تو بڑا ناقدانہ تھا' یہاں وہاں ادھر اُدھر ہر طرف کیڑے ہی نظر آ رہے تھے' ماہین نے نوٹ کیا گانے بجانے میں اب روشی کی دلچسپی برائے نام تھی۔

''ذرا میں صاحب کو دیکھ لوں ورنہ کہیں گے اپنی مصروفیات میں میرا خیال ہی نہیں کیا'' ماہین نے بصیر علی خان کی بیگم جو ابھی تک دلہن کہلاتی تھیں' کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''روشی وہ والا گائیں''

جب ساون گھر گھر آئے کوئلیا گائے
بلم تو آ جانا....... سجن تو آ جانا

حنا کو اپنا ایک پسندیدہ گیت یاد آیا۔

''پھر تو نہیں پاکستانی موسم کی خبروں کیلئے بہت کانشس رہنا ہوگا' کوئی آسان سی شرط لگاؤ'' زری نے برجستگی کا مظاہرہ کیا' سب ہنس پڑی تھیں مگر روشی کے لب مسکراہٹ سے بھی عاری تھے۔

''میرا خیال ہے روشی تھک گئی ہے'' شفیقہ بیگم نے روشی کی بدلتی کیفیت کو شاید سب سے زیادہ محسوس کیا تھا' وہ عالم تاب کی بیگم' بھاوج اور گلو کی ہونے والی ساس بھی تھیں۔

''امی ٹھیک کہہ رہی ہیں'' زری نے تائید کی' ''واقعی اب یہ بالکل ڈھیلی محسوس ہو رہی ہے''

''اتنا لمبا سفر کر کے آئی ہے' بیٹھے بیٹھے بھی انسان تھک جاتا ہے'' روشی اپنے آپ کو موضوع بنتا دیکھ کر قدرے سٹپٹا گئی۔

''ارے نہیں رات پڑی ہے سونے کیلئے' ایک کپ کافی پی لوں گی سب تھکن بھاگ جائے گی' بناؤں کافی؟ کون کون پیئے گا؟'' اس نے سب حاضرین کو آفر کی۔

''ماما سے کہہ دو بنا لے گی'' روشن آرا بولیں۔

''نہیں کافی تو میں خود بناتی ہوں'' اسے وہاں جیسے ایک دم گھٹن سی محسوس ہونے لگی تھی' بس وہ جلدی سے باہر نکل جانا چاہتی تھی۔

یہ بھی عمر کا ایک ایسا موڑ ہوتا ہے جب سنگ کھیلی سکھیوں کے بیچ تنہائی اور وحشت ہونے لگتی ہے' یا تو تنہائی اچھی لگتی ہے یا پھر ''وہ'' جس کی ذات میں دوستی کے سارے رنگ جھلمل جھلمل کرتے ہیں۔ جس کے ساتھ باتیں کرنا بھی اچھا لگتا ہے اور خاموش بیٹھنا بھی۔

''بھئی عجیب لڑکی ہو' تھکن بھی ہے اور کام بھی کرنا چاہ رہی ہو؟ بالو سے کہہ دو بہت اچھی چائے کافی بنا لیتی ہے'' زری کو محفل سے اس کا اٹھنا اچھا نہیں لگا تھا۔

''ابھی آ جاتی ہوں آپی' بیٹھے بیٹھے ٹانگیں بھی جڑ گئی ہیں'' اس پر کسی کے اصرار کا مطلق اثر نہیں تھا۔

وہ تیزی سے باہر نکل آئی تھی' عجیب سی بے کلی تھی' جی چاہ رہا تھا کہ وہ سامنے آ جائے۔

کافی کا کہہ کر آئی تھی کافی تو بنانا ہی تھی' مگر کچھ سوچنا بھی تھا' بہت سی خوبصورت سوچوں سے کیف کشید کرنا تھا۔

وہ بڑی بے خبری سی کیفیت میں کچن میں داخل ہوئی تھی' مگر مسرت کے احساس سے جیسے پتھرا سی گئی۔

سائیڈ پر پڑی ڈائننگ ٹیبل کے سامنے باری بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ یہ تو اس کے دھیان میں بھی نہیں آیا تھا کہ وہ یہاں بھی ہوسکتا ہے' بالو ماما اور کلو اوون کے سامنے کھڑی جانے کن خوش گپیوں میں مصروف تھیں' سرسوتی سنک کے سامنے کھڑی برتن دھو رہی تھی۔

''خیریت روشی بی بی۔ ہم سب بھی تو ایک جگہ اکٹھی ہو گئیں' وہاں آوازیں پڑ رہی ہوں گی'' سب سے پہلے ماما ملی کی نظر دروازے میں ایستادہ روشی پر پڑی' ایک دم گڑبڑا کر گویا ہوئی۔

''کوئی نہیں بلا رہا' میں تو کافی بنانے آئی ہوں'' وہ باری کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھی' جیسے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔

''میں بنا لیتی ہوں کافی۔ سب پئیں گی؟'' ماما نے اپنے مخصوص خادمانہ انداز میں کہا۔

''دو تین کے علاوہ تقریباً سب ہی پئیں گی۔ مگر کافی میں خود بناؤں گی' آپ لوگوں کو ہمارے گانے اچھے نہیں لگے غالباً جب ہی کچن کو ''جائے پناہ'' بنا لیا۔ وہ مسکرا کر نظروں ہی نظروں میں الیکٹرک کیتل تلاش کرتی ہوئی گویا ہوئی۔

''ہم تو گانے سننے کیلئے ہی کچن کا کام جلدی جلدی سمیٹ رہے تھے' آپ لوگ تو بہت اچھا گانے گاتی ہیں' بڑے اچھے گانے آتے ہیں آپ کو'' بالو نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

''ہم نکلنے ہی والے تھے یہاں سے کہ خان آ گئے' ان کیلئے کھانا گرم کیا' سرسوتی کہہ رہی تھی کہ اس کے بغیر یہاں سے نہ نکلیں۔'' کلو نے مزید تفصیل بیان کی۔

''ہاں بھئی۔ خان تو ہیں ہی سر سے پاؤں تک بے ترتیب کوئی وقت ہی نہیں' جب دل چاہا کھا لیا۔ جب جی چاہا سو گئے''

باری بظاہر کھانے میں بہت منہمک تھا' مگر اس کی ساری توجہ اسی ستم گر کی طرف تھی جو اس کی روح کی غذا بن چکی تھی۔

''بے مہار تنقید بھی بے ادبی میں شامل ہوتی ہے' مرشد فرماتے ہیں عورت بے ادب ہو تو گھر سے برکت اٹھنے لگتی ہے''

اس نے کانٹے میں کھیرے کا ٹکڑا پھنساتے ہوئے بڑی شریر مسکراہٹ کے ساتھ حصہ بٹایا۔

سرسوتی تو خاک نہیں سمجھی۔ ماما کی صرف آنکھوں تک مسکراہٹ محدود رہی البتہ بالو دوپٹے میں منہ چھپا کر ہنسنے لگی۔

روشی کا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ تو بڑا ''جرات مند'' ہو گیا ہے۔ بتاؤ ملازموں کے سامنے ہی شروع ہو گیا۔

''خان! مرشد نے تو بیوی کیلئے کہا ہوگا ہر عورت کیلئے تھوڑا ہی' اس طرح کی باتیں تو گھر والی کے لئے کی جاتی ہیں'' بالو نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے گرہ لگائی۔

''اچھا؟ ہوسکتا ہے آپ ٹھیک فرما رہی ہوں مگر یہ بیویاں اتنی بے ادب کیوں ہوتی ہیں کہ ان کیلئے اس طرح کی باتیں فرمانا پڑتی ہیں'' وہ بڑی سادگی سے کہہ رہا تھا' یعنی بننے کی انتہا کر دی تھی۔

''سب ایسی تھوڑا ہی ہوتی ہیں'' بالو نے اپنے حساب سے جیسے اسے تقویت پہنچانے کی کوشش کی۔

''مگر جس بے چارے کی قسمت میں ایسی بے ادب بیوی ہوگی وہ تو سمجھو بے موت مارا گیا' محلے والے سمجھتے ہوں گے عورت اپنے سب سے چھوٹے بچے کو ڈانٹ رہی ہے۔ یہ نہیں معلوم اندر شوہر نامدار زیر عتاب ہیں۔ ویسے سنا ہے بہت گناہ ہوتا ہے۔'' دبی دبی سی مسکراہٹ بلا کی شرارت ظاہر کر رہی تھی۔

روشی کیتل کا سوئچ آن کر چکی تھی' ''ماما تم کپ ٹرے میں رکھ لو'' وہ یوں گویا ہوئی جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

''آپ فکر نہ کریں خان۔ انشاء اللہ آپ کا جوڑا اللہ نے اچھا ہی اتارا ہوگا'' ماما نے ہنس کر اسے تسلی دی۔

''فکر تو برحق ہے ماما۔ تکلیف کی دو صورتیں ہیں۔ ایک آزمائش' دوسری سزا۔ نیک لوگوں کی تکلیف آزمائش ہوتی ہے اور گنہگار کی تکلیف عذاب و سزا۔ آزمائش تو ہوسکتی ہے نا میری۔ کیوں روشی بی بی؟'' اس نے اتنی دیر میں پہلی مرتبہ روشی کو براہ راست مخاطب کیا۔

''مجھے کیا پتا۔ آپ کے پاس تو فرشتے پروگریس کارڈ لے کر حاضری لگاتے ہیں' ابھی ہمارا مرتبہ بہت چھوٹا ہے اس لئے ہمارے پاس نہیں آتے۔'' اس نے جیسے جل کر جواب دیا۔

''اللہ کسی کی پرخلوص محنت ضائع نہیں کرتا' آپ کوشش کرتی رہیے شاید آپ کے پاس بھی آنے لگیں'' اس نے بہت تھوڑا سا بادام کا حلوہ نکالا تھا اور دو تین چمچے کھا کر نیپکن سے ہاتھ پونچھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''آپ کافی پئیں گے خان۔'' کلو نے پوچھا

روشی اس کے فارمل انداز پر پہلے ہی جل کر خاک ہو رہی تھی اب باہر جانے کیلئے اس کا عجلت بھرا انداز اسے اپنی توہین محسوس ہوا تھا۔ وہ تو سوچ رہی تھی کہ وہ تو اب وہاں سے اٹھائے نہ اٹھے گا۔

''ارے نہیں بھئی۔ میری مرغے کے ساتھ بڑی انڈرسٹینڈنگ ہے جلدی سونا چاہتا ہوں آج۔ بہت تھکن ہے۔ اوپن جیپ میں سینکڑوں کلومیٹر طے کئے ہیں۔ یوں بھی رات کو چائے کافی پینا کوئی اچھی بات نہیں ہوتی' سارا دن ہوتا ہے کھانے پینے کیلئے' رات سونے کیلئے ہوتی ہے' دو ہستیاں ہی رات کو جاگتی اچھی لگتی ہیں۔ ایک اُلو اور دوسرا عاشق۔ نہ میں الو ہوں اور نہ عاشق۔ حالانکہ دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں''

''توبہ خان آپ تو پوری کتاب ہی پڑھ کر سنانے لگے۔ سیدھے سیدھے ''نہ'' کر دیں'' ماما کی ہنسی چھوٹ گئی' مگر روشی کا تو اس بے مہر نے دِل توڑ کر پھر موڈ آف کر دیا تھا۔

اس کی نیندیں' اس کے کام' اس کے کاز' وہ ان سب کے بعد ہے۔ کیسا اذیت ناک احساس ہوا تھا کہ آنکھیں بھر آئی تھیں' اس کا سب سے بڑا ثبوت تو یہی تھا وہ اتنی دور گیا تھا اور اس سے ملے بغیر واپس آیا تھا۔ یہ تک نہیں سوچا کو خدا معلوم دوبارہ کب ملنا ہو۔

''ماما یہ کافی اندر لے جانا' اگر کوئی میرا پوچھے تو کہہ دینا میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ آرام کر رہی ہوں۔'' وہ کافی بنانے کا پروگرام ملتوی کر کے اس سے پہلے کچن سے باہر نکل گئی۔ ماما ہکا بکا اسے جاتے دیکھتی رہی۔

"روشی بی بی کا بھی پتہ نہیں چلتا' خود ہی تو کافی بنا رہی تھیں اب خود ہی چھوڑ کر چلی گئیں" ماما نے باری کی طرف دیکھتے ہوئے جیسے بڑے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

باری بھی کسی گہری سوچ سے جاگا۔

"حویلی کی ساری لڑکیاں بڑی سادہ اور عام سی ہیں۔ حویلی میں شہزادی تو صرف روشی بی بی ہیں۔ بڑا شاہانہ اور نازک مزاج ہے اور شاہوں کے ہاں دلیل تو نہیں ہوتی۔ موڈ ہوتا ہے" وہ مسکراتے ہوئے ماما کو سمجھا رہا تھا' دوسرے معنوں میں ماما کی حیرت کو ختم کر رہا تھا۔

"یہ تو ہے' مجھے تو شروع ہی سے ان سے ڈر لگتا ہے' ہر وقت خفا خفا سی نظر آتی ہیں" کلو نے باری کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"اب پتہ نہیں خود کافی پئیں گی یا نہیں" ماما خود کلامی کرتے ہوئے کافی بنانے لگی' باری کچن سے باہر جا چکا تھا۔

ماہین تو اپنے اندر کی ادھیڑ بن سے گھبرا کر ہال سے باہر آئی تھی' یاور علی خان کو دیکھنے کا تو بہانا تھا۔ بے اختیار اس کی نظریں گیسٹ روم کی طرف اٹھ رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا بھاگ کر وہاں جا پہنچے اور تیمور علی خان کو بتا دے کہ وہ سب جانتی ہے' پہلی فرصت میں اپنی بہن سے ملنا چاہتی ہے' وہ تو اسے سرائے لے چلیں' ابھی' اسی وقت۔

وہ برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر گھاس پر ٹہلنے لگی' وہ اضطراری انداز میں اپنے ہاتھ مسل رہی تھی۔

اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کس حساب میں اتنی مصلحت سے کام لے رہی ہے' زیادہ سے زیادہ یاور علی خان کے غصے کی انتہا یہ ہوگی کہ وہ اسے چھوڑ دیں گے۔

ذہنی عذاب تو یوں بھی ہے اور یوں بھی۔ روشی کی شادی ہو جائے گی' جواد باہر چلا جائے گا' اسے تو اب ہمیشہ ان سے دور ہی رہنا ہے۔ کم از کم اتنا تو ہو جائے گا کہ بچے اپنی ماں سے مل لیں' ناز بجو اپنے بچوں کو ایک بار سینے سے لگا لیں۔

وہ بے اختیاری کیفیت میں گیسٹ روم کے دروازے تک چلی آئی تھی' اس احساس سے بے خبر کہ کسی نے اسے اس طرف آتے ہوئے دیکھ نہ لیا ہو۔

اس نے دروازہ ناک کیا۔

کوئی آواز سنائی نہ دی' اس نے دروازہ دوبارہ ناک کرنا چاہا' ابھی ہاتھ فضا میں ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ تیمور علی خان کو درحقیقت شاک لگا تھا۔

"اندر آنا چاہتی ہوں" اس نے نگاہوں میں نگاہ جما کر بے خوفی سے کہا۔

"تشریف لائیے" انہوں نے الجھن بھرے انداز میں ایک طرف ہو کر اسے راستہ دیا۔ وہ اندر چلی آئی اور پلٹ کر خود دروازہ بند کیا بلکہ بٹن پش کر کے لاک لگا دیا۔ تیمور علی خان اس کی ایک ایک حرکت دیکھ رہے تھے۔ "بیٹھ سکتی ہوں؟" اس نے اجازت طلب کی۔

"اوہ شیور۔ ٹیک یور سیٹ پلیز" انہوں نے بہت مہذبانہ انداز میں صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ چہرے پر الجھن کے آثار ہنوز تھے۔

"میں غیر ضروری تمہید میں نہیں الجھنا چاہتی اور اصل بات کرنا چاہتی ہوں" اس نے سنجیدگی سے کہا اور ان کی سمت دیکھنے لگی۔

"پلیز آپ بھی تشریف رکھیے۔ اس طرح مجھے بات کرنے میں دشواری ہوگی"

تیمور علی خان ایک طرف ایک بیڈ پر بیٹھ گئے' بے تابی ان کی نظروں سے چھلکنے لگی تھی۔

"ایک درخواست ہے آپ سے" وہ کہتے کہتے رُک گئی۔

"جی فرمائیے"...... بے قراری سوا ہونے لگی۔

"آپ مجھے میری بہن سے فون پر بات کرنے دیجئے' اگر میں ان سے ملنا چاہوں تو مجھے ملنے دیجئے پلیز"

تیمور علی خان اس کی طرف یوں دیکھ رہے تھے گویا سماعت کا دھوکا ہو رہا ہو۔

"جی۔ بہن۔ آپ" ان کے پاس جیسے الفاظ ختم ہو گئے' وہ رُک گئے۔

"جی میری حقیقی' میری بے گناہ اور محروم بہن۔ وہ بیس سال سے غلطی کر رہی ہیں' آپ ان کی غلطی میں ان کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ آپ۔ صرف آپ ہی تو انہیں سمجھا سکتے تھے' کتنی زیادتی کی ہے آپ نے بچوں کے ساتھ" اس کی آواز بھرانے لگی۔

تیمور علی خان کی گویائی سلب ہوگئی۔ وہ اس کی جانب بغور دیکھ رہے تھے۔ کتنی شباہت تھی اس میں نازنین کی' جب ہی تو ایک لمحے کیلئے بھی اجنبی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

"بیس سال بعد اچانک حویلی والوں کو کیا ہو گیا؟ آپ کے ساتھ یہ مہربانی کس نے کی' خیر۔ اگر آپ ان سے مل بھی لیں تو کیا ہوگا۔ وہ خود تو کسی سے ملنا نہیں چاہتیں" تیمور علی خان بہت ٹھہر ٹھہر کر بول رہے تھے۔

گرے نائٹ سوٹ پر سلور پرنٹ کا گاؤن پہنے گہری سوچوں میں گرفتار وہ آج بھی اتنے جاذب اور حسین نظر آ رہے تھے جتنا بیس سال پہلے مطربہ کے ہوش اڑانے کیلئے تھے۔

"ان کا چاہنا چھوڑیئے' میرے چاہنے پر توجہ فرمائیے۔" ماہین بے ساختہ کہہ رہی تھی۔

"ہماری will کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ہم آپ کی خواہش ان تک پہنچا دیں گے اور جو بھی ان کا جواب ہوگا آپ تک پہنچ جائے گا۔"

"خواہش نہیں پہنچائیں گے۔ اصرار کریں گے ان سے۔ پریشرائز کریں گے ورنہ میں خود سرائے پہنچ جاؤں گی۔ چاہے روشی کے پاپا مجھے ہمیشہ کیلئے چھوڑ دیں" ماہین کا انداز قطعاً جذباتی تھا۔

"ہم نے کہا ناں۔ ہم انتہائی کوشش ضرور کریں گے۔ آپ کو اطلاع ہو جائے گی۔ انہوں نے قدرے پرسکون انداز میں کہا" حویلی میں کسی کو معلوم ہے آپ یہاں ہیں؟ وہ قدرے ہچکچاتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"نہیں' اس لئے کہ حویلی میں کسی کو یہ بھی پتہ نہیں کہ مجھے معلوم ہے۔ ناز بجو الحمدللہ زندہ ہیں" اس نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

تیمور علی خان چونک پڑے ''پھر آپ کو کیسے پتہ چلا؟'' ان کی حیرت بجا تھی۔

ماہین مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی ''کیا کریں گے جان کر۔ اور پھر فائدہ بھی کیا''

''ہم آپ سے ایک بات کہیں' غور ضرور کیجئے گا'' تیمور علی خان بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

''جی فرمایئے'' ماہین نے قدم روک لئے۔

''زندگی نئے موڑ لے چکی ہے' ہر تبدیلی پرانی ہو چکی ہے' تسلسل اسی طرح رہنے دیجئے' نئے اقدامات سے صرف منفی اثرات ہوں گے۔ اگر کچھ ہوا بھی تو یہ کہ نقصان کی فہرست طویل ہو جائے گی''

''شکریہ میں ضرور غور کروں گی'' اس نے گہری سوچ میں ڈوب کر جواب دیا اور دروازہ کھول کر باہر آ گئی تھی۔

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بہت دِنوں سے کوئی بوجھ اٹھائے پھر رہی تھی' وہ آج تھوڑا سا اتر گیا تھا۔

''مہندی لگانے میں تو خالہ سولہ آنے ماہر تھیں' خود بھی مہندی لگانے اور پھول پہننے کی بہت شوقین تھیں' اماں جی کہتی تھیں توبہ سولہ آنے تو ہر وقت چوتھی کی دلہن بنی رہتی ہے۔ انہوں نے کبھی مرتے دم تک یہ حقیقت تسلیم نہیں کی کہ وہ بیوہ ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس کے شوہر فسادات میں لاپتہ ہو گئے ہیں اور ایک روز انہیں ڈھونڈتے ہوئے حویلی میں آ پہنچیں گے۔''

''رنگ اتنا نہیں چڑھا جتنا مہندی کی تعریف تھی'' تزئین گلو کے مہندی سے رچے ہاتھ دیکھ کر تبصرہ کر رہی تھیں۔

''انہیں خالہ سولہ آنے کیوں کہتے تھے۔'' ''ایک روپیہ'' کیوں نہیں کہتے' بی بی اماں'' تانیہ نے آج پوچھ ہی لیا۔

تزئین کی ہنسی چھوٹ گئی ''بھئی ان کا تکیہ کلام تھا سولہ آنے۔ جانے کس نوکرانی نے انہیں مذاق میں سولہ آنے کہنا شروع کیا پھر تو سب ہی انہیں چھیڑتے تھے۔ انہوں نے تو تکیہ کلام ترک کر دیا مگر لوگوں نے یہ ان کا نام ہی رکھ چھوڑا۔ سب لوگ مذاق میں کہا کرتے تھے مگر اماں جی تو بڑی سنجیدگی سے انہیں سولہ آنے کہتی تھیں۔

کوئی ایسی عمر بھی نہیں تھی۔ برسات کے موسم میں انہیں ڈائریا ہو گیا تھا' وہی موت کا بہانہ بن گیا۔

• یوں بھی اماں جی کی رحلت کے بعد وہ بہت غمگین رہنے لگی تھیں۔ بہت محبت کرتی تھیں اماں جی سے اور اماں جی کو بھی بہت لگاؤ تھا ان سے۔ ہمیشہ ہمیں تاکید کی کہ خالہ کا احترام کریں' انہیں نوکر نہ سمجھا جائے' گھر کا فرد سمجھیں' حویلی کی شادیوں میں ان کا بھرپور رول ہوتا تھا۔ اللہ جانے کیا کیا ملاتیں تھیں' ابٹن مہندی میں۔ مایوں کے بعد مہینوں دلہن کے وجود سے خوشبوئیں پھوٹتی رہتی تھیں' تزئین بڑی افسردگی سے خالہ سولہ آنے کا ذکر کر رہی تھیں۔

''گانے بھی وہ گاتی تھیں کہ بس۔ بڑی رونق تھی ان کے دم سے حویلی میں۔ گلو ایک دفعہ اور لگا دوں مہندی۔ رنگ ... در تیز ہو جائے گا'' انہوں نے گلو سے کہا۔

''رہنے دیں بی بی جان۔ بس ٹھیک ہے'' وہ سر جھکا کر دھیرے سے گویا ہوئیں۔

''اور کیا بی بی جان۔ کیوں بے چاری گلو آپا کو باندھ کر بٹھائیں۔ کون سا رخصتی ہو رہی ہے'' مونا نے کہا۔

''کاکا جان آئے تھے کیا چلے گئے ہیں بی بی جان؟'' زری نے پوچھا۔

''لو تقریب اٹینڈ کئے بغیر کیسے چلے جائیں گے'' مونا نے تعجب سے پوچھا۔ تزئین خاموش رہیں۔

''ہو بھی سکتا ہے وہ کب امپورٹینس دیتے ہیں حویلی کو۔ بالکل دور کے مہمان محسوس ہوتے ہیں۔ بہت ہی سنجیدہ ہیں۔ پتہ نہیں کیوں ان سے اتنا ڈر لگتا ہے' بابا صاحب سے بھی زیادہ'' روبی نے بھی حصہ لیا۔

تزئین ہنوز خاموش تھیں۔

''یا ور ماموں اتنے اچھے ہیں پھر پتہ نہیں کاکا جان سے ان کی اَن بن کیوں ہے؟ آج تک کسی نے بتایا نہیں جس سے بھی پوچھ بیٹھو ڈانٹنے لگتا ہے'' بیہ نے منہ بسور کر کہا۔

''ہاں تو پھر بچوں کا کیا واسطہ۔ کوئی ضروری ہے بچوں کو ہر بات بتائی جائے؟'' اس مرتبہ تزئین نے ٹوک دیا کہ بات طوالت اختیار کر رہی تھی۔

لڑکیاں تزئین کا آف موڈ دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔ اگرچہ ان کے لئے نئی بات نہیں تھی' جب بھی کبھی وہ اس موضوع پر آتی تھیں انہیں اسی طرح ٹوک دیا جاتا تھا۔

''گلو تم ایسا کرو نہا لو۔ پھر تمہیں چوڑیاں بھی پہنانا ہیں' تمہیں چوڑیاں بہت مشکل سے چڑھتی ہیں'' تزئین جیسے کسی بہانے سے وہاں سے اٹھ جانا چاہتی تھیں۔

''چوڑیاں تو ہم سب نے بھی پہننا ہیں بی بی جان۔ روز کل کل کرتے آج کا دن آ پہنچا'' بیہ نے یاد دلایا۔

''میرے خدا۔ وہ اتنے چوڑیوں کے جوڑ ڈھیر پڑے ہیں۔'' تزئین نے گویا سر پیٹ لیا۔

''وہ تو سب پرانی ہیں' اتنی اہم تقریب ہے کیا پرانی پہنیں گے؟'' وہ بسور کر بولی ''آپ چلیں ناں ہمارے ساتھ امی سے کہہ دیں ورنہ وہ بھی آپ کی طرح کہہ دیں گی کہ وہی پرانی پہن لو'' روبی نے جیسے خوشامد کی۔

''اچھا ٹھیک ہے' دیکھتی ہوں۔ ماہین کو کہتی ہوں وہ تم لوگوں کے ساتھ چلی جائیں گی' ایک تو ابھی تک منہ سے ماہین نکل جاتا ہے' بھابھی نکلتا ہی نہیں''

''حالانکہ سولہ آنے بھابی ہیں'' زری شرارت سے بولی۔

''ہاں اب تم خالہ کی جگہ سنبھال لو'' تزئین مسکرا کر باہر نکل گئیں۔

''ارے روشی کو تو دیکھو۔ اسے نہ بھول جانا ورنہ موڈ آف کر کے ساری تقریب کا ستیاناس کر دے گی۔'' زری نے توجہ دلائی۔

''ابھی جاتی ہوں۔ اس کے بغیر کیا مزا آئے گا'' بیہ بھاگ کر باہر نکل گئی۔

تھوڑی دیر بعد اعلان ہوا کہ باہر گاڑی تیار کھڑی ہے' لڑکیاں تو جیسے خوشی سے دیوانی ہو کر چادریں اوڑھ کر باہر بھاگیں۔

روشی اور روبی باہر آئیں تو گاڑی کھچا کھچ بھر چکی تھی۔ البتہ ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ ابھی خالی تھی۔ وین میں اچھی خاصی گنجائش تھی مگر لڑکیاں بھی تو تقریباً ساری تھیں۔ شینو اور گلو کے علاوہ۔

''تم دونوں آگے بیٹھ جاؤ'' ماہین نے پرس سے گلاسز نکال کر چادر سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

وہ اگلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئیں۔ ''ذرا ٹھیک سے بیٹھو میں تو گیئر پر ہی چڑھ گئی ہوں'' روشی نے روبی کو ٹوکا۔

''ذرا احتیاط سے کہیں ڈرائیور کی گود میں نہ چڑھ جانا'' پیچھے سے ایک شرارتی آواز آئی۔

''کوئی بات نہیں اگر ڈرائیور گل شیر ہے تو چلے گا۔ بچے بڑوں کی گود میں بیٹھ سکتے ہیں'' روشی نے بھلا ہارنا سیکھا تھا۔

اسی شور شرابے میں پتا ہی نہ چلا۔ بلیو جینز پنک شرٹ میں ملبوس آنکھوں پر ڈارک گلاسز چڑھائے باری ڈرائیونگ سیٹ کی طرف کا دروازہ کھول رہا تھا۔ تقریباً ایک ساتھ ہی سب کی نظر پڑی تھی۔ سب ہنس ہنس کر لوٹنے لگیں۔

''روشی یہ کیسا ڈرائیور ہے؟'' پیچھے سے مونا کی آواز آئی۔ روشی تو پہلے ہی جز بز ہو رہی تھی۔ اتنی زور سے پہلو بدل کر روبی کی طرف ہوئی کہ روبی بلبلا کر رہ گئی۔

''دروازہ کھول کر پاؤں لٹکا کر بیٹھ جاؤں؟'' وہ جھلائی۔

''کوئی مضائقہ نہیں یہ کوئی پلین نہیں کہ ایئر پریشر سے حادثے کا خطرہ ہو'' پیچھے سے پھر حنا نے گرہ لگائی تھی۔

چوکیدار گیٹ وا کر کے منتظر کھڑا تھا۔ باری نے گاڑی تیزی سے بیک کی' اس پر گویا لڑکیوں کے جملے بازی کا مطلق اثر نہیں تھا۔

باری نے کچے سے گاڑی گزار کر ٹیپ ریکارڈ آن کر دیا تھا' بہت دھیمے سروں کی غزل تھی۔ آواز بھی بہت آہستہ تھی۔

''باری آواز تو تیز کر دو' کیا صرف روشی' روبی کو سنا رہے ہو'' مونا نے باری کو ٹوکا۔

''نہیں میں خود سن رہا ہوں' بابا صاحب کو پتہ چلا کہ لڑکیوں کو غزلیں سناتا ہوا بازار لے گیا تھا تو کورٹ مارشل ہو جائے گا میرا۔''

''تو پھر روشی روبی کو روئی لے دو اپنے کانوں میں ٹھونس لیں گی' کچھ نہ کچھ تو دونوں سن ہی رہی ہوں گی'' لالی نے جیسے جل کر کہا۔

''کیا خیال ہے؟'' اتنی دیر میں پہلی بار براہ راست باری نے روشی کو مخاطب کیا۔

روشی کی آنکھوں میں پانی اتر آیا' غلطی میری ہی ہے میں نے اسے خوامخواہ میں اہم بنا دیا ہے' اتنے مضبوط تعلق کے باوجود اس کی کوئی فیلنگز نہیں ہوتیں۔ پہلے سے بھی زیادہ دور اور اجنبی ہو گیا ہے۔

زندگی یوں تھی کہ جینے کا بہانہ تو تھا
ہم فقط زیب حکایت تھے فسانہ تو تھا

سلمیٰ آغا کی آواز میں فراز کی غزل کے اشعار سماعت سے ٹکرا رہے تھے' روشی نے ہاتھ بڑھا کر ٹیپ آف کر دیا۔

''بند کر دیا۔ کیوں بھئی؟'' پیچھے چیخ و پکار شروع ہو گئی۔

''روشی کو غزل پسند نہیں آئی'' روبی نے اطلاع پہنچائی۔

''چلو باری تم خود ہی کچھ گنگناتے چلو'' ماہین نے کافی دیر میں لب کشائی کی۔

''ممانی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ روشی کی یہی سزا ہے'' لالی بولی۔

''منظور ہے؟'' باری نے لمحے بھر کو چہرہ اس کی طرف موڑا۔

''بات نہیں کرو مجھ سے'' وہ غرائی۔

''لڑائی ہو رہی ہے ممانی'' روبی نے پیچھے اطلاع پہنچائی۔

''دوران ڈرائیونگ ڈرائیور سے لڑائی رولز اینڈ ریگولیشن کیخلاف ہے' پیسنجرز زندہ بچے تو انشاء اللہ رٹ دائر کریں گے۔'' لالی نے قانون کے تحت بات کرنا مناسب سمجھا۔

''بہت مطلبی دنیا ہے مطلب نکل جائے تو لوگ پہچاننے سے ہی انکار کر دیتے ہیں'' باری نے اتنی آہستگی سے کہا کہ صرف روشی ہی سن سکے۔

اس کا بھی تو بھڑاس نکالنے کو جی چاہ رہا تھا مگر سب شیطان کی خالائیں اس طرف متوجہ تھیں' وہ خون کا گھونٹ پی کر رہ گئی۔

نزدیکی شہر کا بازار آ بھی گیا' نوک جھونک میں پتہ بھی نہ چلا۔

وہ سب بڑی سرخوشی کی کیفیت میں اتر رہی تھیں۔ ماہین چاہنے کے باوجود اپنا موڈ خوشگوار نہ کر پا رہی تھی۔ بس رات ہی کا منظر آنکھوں کے سامنے گردش کیے جا رہا تھا۔ اسے بہت سے ملال تھے کہ اس نے یہ نہیں کہا وہ نہیں کہا' اسے یہ بھی کہہ دینا چاہیے تھا' اسے وہ بھی کہہ دینا چاہیے تھا۔ روبی اتری تو وہ بھی کھسکنے لگی۔

مگر جیسے جان نکل کر رہ گئی۔ باری نے گیئر سے ہاتھ ہٹا کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا' اور اتنی مہارت سے کہ باہر کھڑے کسی شخص کی نگاہ اس کی اس حرکت پر نہیں پڑ سکتی تھی۔

روشی تو دم بخود بیٹھی رہ گئی تھی۔

باری کے وجود سے اٹھتی ہوئی دھیمی سی مہک اسے آنچ کی طرح محسوس ہونے لگی۔ اس کے ہاتھ کی گرمی سے روشی کا وجود سلگنے لگا۔

''بہت رش ہے گھر میں۔ میں آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں' میرا دل بہت ضبط کر چکا' بہت ہو گئی' اگر آپ رات کو میرے کمرے میں نہیں آئیں تو حویلی چھوڑ کر چلا جاؤں گا'' اس کی سرگوشی کرتی آواز سے اس کے اوسان خطا ہونے لگے۔

''میں ہی ملا ہوں بے وقوف بنانے کیلئے'' وہ کہہ رہا تھا۔

''میرا ہاتھ چھوڑو۔ یہ کیا طریقہ ہے'' خوف' جھجک' غصہ' جانے کیا کیا تھا اس کے لہجے میں۔ ''سب ادھر دیکھ رہے ہیں''

''دیکھنے دیں۔ میں خود چاہتا ہوں دیکھ لیں قصہ تمام ہو۔ تخت ہو یا تختہ۔''

''میں کاکا جان سے کہہ دوں گی'' اس کے حلق میں کانٹے پڑنے لگے تھے۔

''انہوں نے ہی تو یہ ہاتھ ہاتھ میں دیا ہے'' اس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''اللہ بس ختم کرو لڑائی'' بیبہ نے قریب آ کر کچھ متعجب اور غصے سے ان کی طرف دیکھا۔

''روشی بی بی کا دوپٹا پھنس گیا ہے ہینڈ بریک میں' آپ لوگ اتنے برے گمان کیوں کرتے ہیں۔''

اس کا ہاتھ ہٹتے ہی جیسے روشی کی جان میں جان آ گئی۔ وہ تیزی سے گاڑی سے اتر گئی تھی۔

''چہ می بھی تو بیٹھی تھیں ہینڈ بریک پر'' بیہ کو مزید دیر ہونے پر کوفت ہو رہی تھی' جل کر بولی تھی۔

روشی نے دوپٹہ سر پر اوڑھا' چادر شانوں پر سیٹ کی۔ ابھی تک اس کی حالت غیر تھی' جلدی میں گلے میں پڑا دوپٹہ اتارنا بھول ہی گئی تھی' اسی پر چادر اوڑھ لئی تھی اور اب گاڑی سے اتر کر دونوں کا استعمال طریقے سے کر لیا تھا۔ تھوڑی دور کھڑی ماہین بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے یہ بات خصوصی طور پر نوٹ کی تھی کہ روبی کے اتر جانے کے باوجود روشی کا انداز نشست ہنوز تھا ورنہ بڑی فطری سی بات ہے۔ دو افراد اگلی سیٹ پر پھنس کر بیٹھے ہوں تو ایک کے اُتر جانے کے بعد دوسرا فوراً ایزی ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اسی طرح باری کے بالکل قریب بیٹھی ہوئی تھی' اس نے روشی کے ہلتے ہوئے ہونٹ بھی دیکھے تھے جس سے واضح ہوتا تھا دونوں کے درمیان بات چیت ہو رہی ہے۔ وہ بس اتنا دیکھ کر رُخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

نکاح تو عصر مغرب کے درمیان ہو گیا تھا' مہمان کچھ زیادہ نہیں تھے' زیادہ تر گھر کے افراد اور جاگیر کے اہم کارندے تھے۔ ماہین کو اس بات کی بے چینی تھی کہ آیا تیمور علی خان اور یاور علی خان محفل میں اکٹھے مرجود ہیں یا نہیں؟ اس نے حیلے بہانے سے کھوکھر (ملازم) سے دریافت کیا تھا مگر اس نے صرف تیمور علی خان کی موجودگی کی اطلاع دی تھی' یاور علی خان کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی تھی۔

وہ اپنے بیڈ روم میں بھی نہیں تھے' فکر کی بات تو تھی کہ پھر کہاں ہیں۔ وہ بہت مضطرب سی تھی، اپنے اضطراب کی وجہ تو اسے خود بھی معلوم تھی' وہ اوپر چلی آئی اور بالکنی میں کھڑی ہو کر باہر کا جائزہ لینے لگی۔ بہت سے لوگ باغ میں بیٹھے اور چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ اسے تو تیمور علی خان بھی دکھائی نہیں دیئے' صرف پھاٹک کی طرف کھڑا ہوا باری نظر آیا' وہ چونک پڑی' وہ آج پہلی مرتبہ اسے پینٹ کوٹ میں نظر آیا تھا۔ سیاہ ڈنر سوٹ' سرخ اور سیاہ دھاریوں والی ٹائی کوٹ کو اوپری جیب سے جھانکتا سرخ رومال دور سے خوبصورت پھول محسوس ہو رہا تھا۔ مصور اور فاران سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر جواد بڑے ابا کے ساتھ بڑی سنجیدگی سے محو گفتگو تھا۔

پتہ نہیں روشی کی نظر باری پر پڑی کہ نہیں۔ آج تو نیا ہی رنگ ہے۔ یونہی بے ساختہ اسے خیال آیا تھا اور اپنے خیال پر وہ خود ہی چونک کر مسکرا دی تھی۔ معاً اسے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

اس نے صرف گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ تیمور علی خان کا رُخ اس کمرے کی طرف تھا جو حویلی میں ان کیلئے مخصوص تھا۔

وہ ایک دم پوری گھوم گئی۔

''السلام علیکم۔ مزاج بخیر'' وہ بہت دوستانہ اور مہربان انداز سے مسکرا رہی تھی۔

تیمور علی خان تو جیسے اسے سامنے پا کر الجھن میں پڑ گئے تھے۔ اس پر اس کا پرانے شناساؤں جیسا انداز۔

''مزاج کہاں بخیر؟ رات بھر نہیں سو سکے ہم' اتنی پسند آ گئی تھی آپ کو حویلی کہ آناً فاناً یہیں مستقل قیام کا فیصلہ کر لیا۔ الجھنیں آہستہ آہستہ معدوم ہو رہی تھیں۔ حادثات کا اثر دھندلا رہا تھا۔ آپ نے آ کر زخم ہرے کر دیئے۔ یوں محسوس ہوتا ہے ان پاسٹ پرفیکٹ' ہماری آپ کی خاندانی دشمنی رہی ہے۔ صدیوں پہلے۔ آپ راکھ کیوں کرید رہی ہیں۔ اتنی مشکل سے بیٹ

اپ ہوا ہے آپ کیوں اپ سیٹ کر رہی ہیں؟'' تیمور علی خان کے گویا اعصاب جواب دے چکے تھے۔ عجیب سی شکستگی ان کے لہجے میں چیخ رہی تھی۔

''اگر مجھے یہ سب معلوم ہو گیا ہوتا تو میں حویلی میں آنے کی بجائے بہت آزادی سے وہ سب کرتی جو میں اب کرنا چاہتی ہوں۔ میں یہ جاننے کے بعد کہ میری بہن زندہ ہے' اس سے ملے بغیر کیسے رہ سکتی ہوں۔ وہ تو اتنی خالی' اتنی تنہا ہیں کہ میرے ضمیر کا تقاضا ہے کہ میں ان کے قریب ہوں۔ وہ مدفن اُکھاڑ پھینکوں جس میں وہ خود کو زندہ دفن کر چکی ہیں۔ یاور علی خان کا بت ٹوٹ چکا ہے۔ اب مصلحتاً ان کے ساتھ تعلق ہے۔ وہ میرے ارادوں میں مزاحم ہوں گے تو میں سرائے کے مدفن سے اپنی بہن کو لے کر کراچی چلی جاؤں گی۔ ایک اپنائیت کے احساس کے ساتھ ایک دوسرے کے آنسو پونچھتے ہوئے عمر کاٹ لیں گے''

ماہین کا انداز قطعی اور جارحانہ تھا۔

''آپ نقصانات میں ہمارا حصہ نظر انداز کر کے یہ سب کیسے کر سکتی ہیں؟ ہم بھی تو کچھ کر سکتے ہیں؟'' تیمور علی خان نے تلخی سے کہا۔

''شیور۔ آپ ضرور کچھ کریں۔ مگر ہمیں بھی کچھ کرنے سے نہ روکیں'' اس کا لہجہ ہر مصلحت سے عاری تھا۔

''آپ کو احساس ہے کہ بچوں پر اس نئے حادثے کا کتنا گہرا اور جان لیوا اثر ہو سکتا ہے' یہ آپ کی ہمدردی نہیں اعلیٰ درجے کا ظلم ہے' کیا فائدہ اب ان باتوں سے کیا حاصل ہے؟''

''ظلم تو میری بہن نے کر ہی دیا ہے بلکہ ظلم کی انتہا کر دی ہے۔ آپ مجھے ان سے ملائیں تو سہی تا کہ میں ان کو یہ کہہ سکوں کہ خود غرضی کی کیا اعلیٰ مثال قائم کی ہے' اپنی عزت نفس کی حفاظت کیلئے خود کو مار لیا کہ بچے ان کو غلط نہ سمجھیں۔ ابھی تک سوائے بچوں کے باپ کے کسی نے انہیں غلط نہیں سمجھا۔ آپ نے بھی نہیں۔ تو پھر بچے کیسے غلط سمجھ لیتے؟ حویلی والوں کا آج تک جوان کے ساتھ رویہ ہے بابا صاحب سمیت کیا بچوں کے اطمینان کیلئے یہ کافی نہیں تھا۔ یاور علی خان غلط ہو کر شملے میں پُھندے لٹکا کر پھر رہے ہیں اور بچے اپنے باپ کو اوتار سمجھ بیٹھے ہیں۔ میری بہن صحیح ہو کر محروم ہے' جو غلط ہے۔ وہ غلط سمجھا جائے۔ جو صحیح ہے وہ صحیح سمجھا جائے۔ ضمیر کی آواز تو ہی ہونا چاہئے۔ یاور علی خان نے زیادتی کی ہے ان کا چہرہ زیادتی کا چہرہ ہونا چاہئے۔ کیوں سجا رہے ہیں حویلی والے ان کے سینے پر اسٹارز۔ وہ اس کے بالکل مستحق نہیں ہیں'' وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔

ہمارے ساتھ تو جو ہوا یعنی ہم سب کے ساتھ اس میں مزید اضافہ ہو جائے گا مگر آپ کیوں بلاوجہ آگ میں کود رہی ہیں؟ کوئی فائدہ دور دور نظر نہیں آ رہا سوائے آپ کے نقصانات کے۔ غور کیجئے ہماری بات پر'' تیمور علی خان سپاٹ لہجے میں گویا ہوئے۔

آپ ہمیں ان سے ملایئے تو سہی' نفع نقصان بھی طے ہو جائیں گے۔ آپ کو میری ذہنی اذیت کا اندازہ ہے؟ میں اپنے وطن میں بالکل تنہا ہوں جبکہ میری سگی بہن موجود ہے' میں یہ حقیقت کیسے نظر انداز کر دوں'' اس کی آواز بھرا گئی۔

تیمور علی خان چند ثانیے کیلئے خاموش کھڑے رہے۔

''ہم تو آپ کے لیے کانشس ہو رہے ہیں۔ ورنہ ہم تو متاثرین کے گروپ میں آل ریڈی شامل ہیں۔'' ان کے انداز سے گنجائش چھلکنے لگی تھی۔

''دوسری بات یہ کہ ہم اپنے ساتھ آپ کو سرائے کیسے لے جاسکتے ہیں۔ جب تک وہاں آپ کا تعلق قائم ہے۔ آپ آزاد نہیں ہیں۔ اور آپ نے کیا سوچا ہے ہمیں اس کا اندازہ نہیں ہے' تیمور علی خان نے فیروزی کتان کی ساڑھی میں ملبوس بھاری زیورات سے آراستہ ماہین کی سمت ایک اچٹتی نگاہ ڈالی تھی۔

''میں کراچی چلی جاؤں گی کچھ دن کے لیے آپ بجو کو وہیں لے آیئے گا؟'' اس نے بہت خوش ہو کر تیمور علی خان کی سمت دیکھا تھا۔

''اگر وہ رضامند نہیں ہوئیں؟'' تیمور علی خان نے امکان ظاہر کیا۔

''اف اتنی پتھر ہو چکی ہیں۔ بجو۔'' ماہین نے بڑے دکھ سے بے ساختہ کہا تھا۔

''تو پھر میں وہاں سے ڈائریکٹ سرائے خود پہنچ جاؤں گی۔'' اس نے فوراً دوسرا راستہ بتا دیا تھا۔

''بولڈلی میں آپ کے ساتھ یہاں سے بھی جاسکتی ہوں۔ مگر یہاں بہت خوفناک زلزلے کی کیفیت پیدا ہوسکتی ہے۔ جب ایک کام سکون سے ہوسکتا ہے۔ تو بلاوجہ کی ٹینشن کری ایٹ کرنے کا کیا فائدہ۔ سکون ہوگا تو ہوسکتا ہے کچھ بینیفٹ ہاتھ لگ جائیں۔ یوں بھی ٹینشن ہو تو پوزیٹو پاور زیرو ہو جاتی ہے۔ اس تعاون کے لیے میں ہمیشہ تھینک فل رہوں گی۔ آپ کی۔''

اس کے سر سے گویا بہت بڑا بوجھ سرک گیا تھا۔ وہ بہت پرسکون دکھائی دے رہی تھی۔

''اب بھی نہیں بتائیں گی کہ حویلی میں کون آپ کا رازدار غمگسار پیدا ہو گیا ہے۔'' تیمور علی خان کے ذہن میں اس سوال کی پھانس اپنی جگہ تھی۔

''بتا دیں گے پھر کسی اچھے وقت میں۔'' وہ مسکرائی۔ ماضی کی تمام کہانیوں کے رنگ وہ تیمور علی خان کے وجود میں دیکھ رہی تھی۔

معاً اس کی نگاہ سامنے زینے کی طرف پڑی۔ یاور علی خان آخری اسٹیپ سے واپس پلٹ رہے تھے۔

ایک لمحے کو تو جیسے وجود یکدم بے روح ہو گیا۔ اچانک پہنچنے والے شاک کے سبب اس کا منہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا اور پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی۔ تیمور علی خان اس کی یہ کیفیت دیکھ کر پیچھے مڑ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اتنی دیر میں مگر یاور علی خان زینے کے اگلے موڑ پر گم ہو چکے تھے۔

''کون تھا؟'' انہیں یکدم اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ وہ عین درمیان مین کھڑے ماہین سے گفتگو کر رہے تھے۔ باری نے تو انہیں بتایا تھا کہ یاور علی خان خیرآباد گئے ہوئے ہیں تو پھر ماہین نے کس کو دیکھا

'''یاور صاحب۔'' ماہین کے منہ سے بمشکل آواز نکلی۔

''اوہ۔'' تیمور علی خان نے فکرمندی سے ماہین کا چہرہ دیکھا۔

''ڈزن میٹر۔ آپ فکر نہ کریں۔ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ او کے۔ پھر میں آپ سے کونٹیکٹ کروں گی اور کراچی والا شیڈول آپ سے ڈسکس کروں گی۔'' وہ کھٹ کھٹ کرتی زینے کی سمت بڑھ گئی۔

تیمور علی خان کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں واضح ہو رہی تھیں۔

....

انسان کا کوئی ہمراز دوست ہو تو وہ پیٹ میں درد کرنے والی بہت سی باتیں کر کے ہلکا ہو جاتا ہے۔ اس کی تو یہ مشکل تھی کہ کسی سے اشارے کنائے تک میں کوئی ذکر نہیں کر سکتی تھی۔ البتہ شینو کو دیکھ کر دل چاہا کہ کہہ دے۔

آپا۔ ہو گیا ہے وہ سب کچھ جس کے اندیشوں سے آپ لرزتی رہتی تھیں۔ اب میں آپ کو بتاؤں کہ آج دوپہر اس نے کیا۔ پھر میں یوں ہو گئی۔ آپ بتائیں اس سے ملنے جاؤں یا نہیں۔ آفٹر آل وہ میرا شوہر ہے۔ بڑا غیر مشکوک اور مضبوط نکاح ہے۔ میرا۔ میرے سگے چچا نے کرایا ہے۔ میں نے دل و جان سے ہاں کی ہے۔

مگر آپا۔ کہیں یہ سب سن کر تم ہیرانہ چاٹ لو طیش میں آخر۔ وہ حویلی میں یہاں سے وہاں تک یونہی بے مقصد گھوم رہی تھی۔

عجیب عجیب سے خیالات کی یلغار تھی۔

اس کے ہاتھ کی گرمی ابھی تک ہاتھ میں تھی۔

یہ تو بہت خراب ہے۔ لگتا تو نہیں ہے ایسا۔ یعنی ہم خود سے ان کے پاس ہوں تو انہیں ہری ہری سوجھنے لگے۔ کبھی خود سے تردد کیا کہ میرا حال پوچھ لیا جائے۔ میں کیوں جاؤں؟ قیامت تک نہیں وہ جیسے خواہش اور انا کی جنگ میں پھنس گئی تھی۔

ہونہہ نواب صاحب۔ گھوڑے دماغ سے اتر گئے تو بھولے بھٹکے میرا خیال آ گیا۔ مجھے تمہاری توجہ چاہیے باری تمہارے وجود سے اہم تمہاری توجہ ہے۔ تمہارا خلوص تمہاری شدت۔ میں تمہیں چاہوں یا نہ چاہوں۔ مگر تم صرف مجھے چاہو۔ جب تک مجھے تمہارے خلوص اور انتہائی توجہ کا یقین نہیں آ جاتا۔ میں یونہی بے کل بے زار پھرتی رہوں گی۔ ہو سکتا ہے مر ہی جاؤں۔

ایک دم ہی دل بھر آیا۔

''بھئی پلاؤ پک رہا ہے یا کھچڑی؟'' شینو جانے کب سے کچن میں اور کیوں تھیں۔ غالباً وہیں سے راہداری میں نمودار ہوئی تھیں۔

''کھچڑی آپ پکائیں ہمیں تو پلاؤ پسند ہے۔'' اس نے بجی بنی شینو کو پرشوق نگاہوں سے دیکھا لائٹ پنک حیدرآبادی ڈریس میں وہ آج درحقیقت بہت اچھی لگ رہی تھیں۔

''خیریت۔ اکیلے بالکل تنہا۔ کوئی بات ہو گئی ہے؟ وہ اسے نظروں میں تولنے لگیں۔

''نہیں ویسے ہی۔ بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی۔'' وہ زبردستی مسکرائی۔

''پتا نہیں کیوں بہت الگ تھلگ محسوس ہونے لگی ہو۔ پہلے تو یہ تھا کہ تمہاری شادی زبردستی ہو رہی تھی اب تو سنا ہے۔ بابا صاحب نے بات ختم کر دی ہے۔ اب تو تمہیں خوش رہنا چاہیے۔ پھر اب کیا ہوا؟'' وہ جیسے کچھ اگلوانے کے درپے تھیں۔

"کچھ نہیں۔" اب وہ انہیں کیا کہتی۔

"ماہین ممانی تو تمہاری سگی خالہ ہیں۔ دوستوں کی طرح ہیں کوئی بات ہے تو ان سے کہہ دو۔" انہوں نے مخلصانہ مشورہ دیا۔

روشی نے چونک کران کی صورت دیکھی۔ آج تو بڑی خیر خواہ محسوس ہو رہی تھیں۔

"کوئی بات نہیں ہے شینو آپا۔ آپ گیدرنگ انجوائے کریں۔ میں بھی آتی ہوں۔ شینو اپنی خیر خواہی کے باوجود اسے بہت بھاری محسوس ہو رہی تھیں۔

"ٹرنکولائزر لے لو کوئی۔ ڈپریشن کم ہو جائے گا۔" وہ جاتے جاتے پھر مشورہ دے گئیں۔

اس نے کچھ دیر قبل یاور علی خان کو باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ جانے کیا یاد آ گیا تھا۔ کچھ طبیعت اس وجہ سے بھی اداس تھی۔ وہ غیر ارادی طور پر ٹہلتے ٹہلتے ان کے کمرے کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ دروازے کے ہینڈل پر دباؤ ڈالا تو وہ کھل گیا۔ اس نے سر اندر کر کے جھانکا تو بہت سی ملی جلی خوشبوؤں کے جھونکے اس تک آئے۔ کچھ دیر پہلے ماہین تیار ہوئی تھی۔ یہ خوشبوئیں اسی تیاری کی گواہ تھیں۔

سامنے سائیڈ ٹیبل پر یاور علی خان اور ماہین کی شادی کی تصویر بڑے خوبصورت فریم میں سجی ہوئی تھی۔

وہ کشاں کشاں اندر چلی آئی اور تصویر اٹھا کر دوپٹے سے صاف کرنے لگی۔

"بہت اچھی لگ رہی ہیں آپ پپا کے ساتھ۔ مگر۔ میری امی کی تصویر بھی تو دوسرے کونے پر ہونا چاہیے۔ انسان مٹی کے جسم دفنا دیتے ہیں تصویریں تو نہیں۔ پتا نہیں کیوں محسوس ہوتا ہے۔ امی تصویر کی صورت کمرے ہی میں نہیں پپا کے دل میں بھی نہیں ہیں۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے اور فریم کے شیشے پر آ گئے۔ اس قدر زبردست قحط پڑا ہے میری زندگی میں محبت کا۔ بظاہر تو سب ہی محبت کرتے دکھائی دیتے ہیں پھر مجھے یقین کیوں نہیں آتا۔ ایسا لگتا ہے فرض ادا ہو رہا ہے۔ بے اختیاری اور بے ساختگی محسوس نہیں ہوتی۔ وہ جس کو میری وجہ سے رات دیر تک جاگنا چاہیے۔ وہ بھی کام نمٹاتے ہی پڑ کر سو جاتا ہے۔ اگر میں اس کی خواہشوں میں ہوں تو وہ میرے پندار کو بار بار ٹھیس کیوں پہنچاتا ہے۔ نہ مان رکھتا ہے نہ دل۔ آنسو ایک تواتر سے بہنے لگے۔

جی چاہتا ہے اسے اپنی عظیم جدائی سے آشنا کروں پھر دیکھوں کہ میں اس کی خواہشوں میں کس حد تک شامل ہوں۔

ماحول میں اتنی اجنبیت کیوں ہے۔ حقیقی اور خوبصورت رشتوں کی موجودگی کے باوجود۔

وہ اپنی کیفیات سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ حالانکہ یہی ہوتا ہے۔ جب انسان اپنی شدید خواہش کی تسکین کے سارے راستے بند دیکھتا ہے تو غم واندوہ اس پر غالب آنے لگتے ہیں۔ اور کسی ایک غم کے بہانے جانے کتنے پرانے اور مدفون غم حافظے کی اسکرین پر نمایاں ہو جاتے ہیں۔ آنسو اس قدر تواتر سے بہہ رہے تھے۔ کہ اگر اس نے میک اپ کیا ہوتا تو سب ڈھل جاتا۔

آپ تو باپ ہیں پپا۔ میری تقدیر کے ناہموار راستے آپ کے علم میں نہیں آ سکتے۔ میرے مزاج کے کچے گھروندے تو آپ کی دسترس میں ہیں۔ ہونا چاہئیں۔ ہو سکتے ہیں۔

وہ سوچتے سوچتے چونک پڑی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔

"کون؟" وہ جلدی جلدی چہرہ دوپٹے سے پونچھنے لگی۔

دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ وا ہوا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر آنے والے کو دیکھا تھا۔ چہرے پر رونے والی ساری علامتیں موجود تھیں۔ اس لیے اس نے نیچی نظروں سے دیکھنے پر اکتفا کیا تھا۔ مگر گھبرا کر دوبارہ رخ موڑ لیا تھا۔ سامنے تو ہینڈ سم بارِی کھڑا تھا۔

"اصل میں تو میں یاور خاناں کی تلاش میں آیا تھا۔ مگر آپ کی آواز سنی تو بغیر اجازت درواز کھول لیا۔ آئی۔ ایم سوری۔ خیریت سے ہیں آپ؟" وہ اپنے مخصوص شریر لہجے میں مخاطب تھا۔

وہ بہت احتیاط سے چہرہ پونچھنے لگی کہ سمجھے گا اس کے لیے رو رہی ہوں۔

"میں نے خیریت پوچھی ہے۔" وہ بھلا باز آنے والا تھا۔

"اپنی خیرت اپنے پاس رکھو۔ باہر بہت لوگ ہیں۔ جا کر پوچھ لو ان کی خیرت۔" اس کی آواز اس کے آنسوؤں کی چغلی کھا رہی تھی۔ بارِی چونک پڑا تھا۔ دونوں کے درمیان ایک بے معنی سی خاموشی حائل ہو گئی تھی۔

وہ ہنوز پشت کیے کھڑی تھی۔

"کیوں رو رہی ہیں۔ یاور خاناں نے کچھ کہہ دیا۔؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"تمہیں کیا۔" وہ تنک کر گویا ہوئی۔

"اب میں آپ کو کیا بتاؤں کے مجھے یہ ہے مجھے وہ ہے۔" وہ پھر شگفتگی کے رنگ میں ڈھلنے لگا۔

"اچھا بس جاؤ۔ دیکھ تو لیا کہ پپا نہیں ہیں ادھر۔" اس نے آنکھ بچا کر تصویر واپس ٹیبل پر رکھتے ہوئے بڑی بے لحاظی سے کہا۔

"میرا سوال اپنی جگہ ہے کہ کیوں رو رہی ہیں۔ حالانکہ رونا تو گلوبی بی کو چاہیے کہ ان کا نکاح ہو رہا ہے اور نکاح کے وقت تقریباً ساری ہی لڑکیاں روتی ہیں اور بعض تو بے ہوش ہو جاتی ہیں۔ جیسے آپ ہو گئی تھیں۔" وہ بہت شرارت بھرے لہجے میں مخاطب تھا۔

روشی کا دل دھک سے رہ گیا۔ اتنا اہم موڑ میری زندگی میں آ چکا ہے اور یہ میرا سب کچھ ہو چکا ہے تو پھر کچھ محسوس کیوں نہیں ہوتا۔ صرف ایک گھٹن۔ ایک دکھ۔ اور کچھ کیوں محسوس نہیں ہوتا؟

"خیر مبارک ہو۔ باہر تمام کام بخیر و خوبی انجام پا چکے ہیں۔ آپ اور گلوبی بی ایک کشتی میں سوار ہو چکی ہیں۔ دیکھیں پہلے کون پار اترتا ہے۔ سچ پوچھیں میرا دل تو یہ چاہ رہا ہے پہلے آپ کی کشتی پار لگے۔ اصولی طور پر کہ نکاح پہلے آپ کا ہوا ہے۔ میں دعا کروں گا حوصلہ کیجیے۔"

"ہاں بس دعا ہی کر سکتے ہو اور کر بھی کیا سکتے ہو۔" مارے غصے کے وہ اول فول بول گئی۔

باری کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ وہ جز بز ہو کر رہ گئی۔ باری کے قہقہے نے احساس دلا دیا تھا کہ وہ کیا کہہ گئی۔

''عقل مند وہ ہوتے ہیں جو کر کے دکھاتے ہیں اور ثابت ہو جاتے ہیں۔ پہلے سے دعوے نہیں کرتے۔ مجھے تھوڑا سا عقلمند بننے کی اجازت دے دیں۔ خیر۔ یہ یاور خاناں کا کمرا ہے۔ اس سے زیادہ بات نہیں ہو سکتی۔ وہ میں نے اپنے کمرے میں بلایا تھا آپ کو۔'' وہ جاتے جاتے مڑ کر گویا ہوا۔ اس کو پلٹتا دیکھ کر وہ بھی رخ بدل چکی تھی۔ اور بڑی حسرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیا غضب ڈھا رہا تھا۔

''ایسا ہی ہوتا ہے۔ امیر خسرو فرماتے ہیں کہ پی کی چھب دیکھ کر اپنی بھول جاتے ہیں۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ آئیں گی آپ؟''

''کیوں؟'' وہ تنک کر بولی۔ ''پہلے تو تم نے مجھ سے کبھی اس طرح بات نہیں کی؟''

''پہلے رشتے داری نہیں تھی اب تو بڑی قریبی رشتے داری ہے۔'' وہ ہونٹ دانتوں تلے دبا کر مسکرایا۔ ایک بار میرا کہا مان کر تو دکھایئے۔ تاکہ ہمیں بھی اپنی خوش قسمتی کا یقین آ جائے۔'' اس نے دروازہ وا کرتے ہوئے پھر سے چھیڑا۔

''میں نہیں آ سکتی۔ یہ کوئی آسان بات ہوتی ہے؟'' جانے کیسے اس نے رواداری کا مظاہرہ کر دیا تھا۔

''پھر آسان بات کیا ہوتی ہے۔ دوسرے کو بات بات پر آزمانا؟ احساسات کی انتہا پر اذیت پہنچانا؟ ساحل کنارے پڑا کوئی خوش رنگ پتھر نہیں ہوں۔ جسے آپ نے چن لیا تھا۔

جی بھر کر بے اعتباری کا اظہار کریں کوئی پابندی نہیں۔ لیکن پہلے آپ کو ثابت ہونا ہے مجھ پر۔ میں کیا ہوں آپ کے لیے کیا ہوں مجھے کوئی جلدی نہیں ہے بتانے کی۔

میں تو ویسے ہی تنگ کر رہا تھا آپ کو۔ میں کیوں آپ کو کسی مشکل میں ڈالوں۔ مگر آپ کچھ اس طرح تو ظاہر کرتیں کہ مان رہ جاتا۔ میری خاکساری پر نہ جایئے خاکسار نہیں ہوں۔ بس کچھ انسان کے اپنے اپنے سلیقے ہوتے ہیں۔

میں آپکی پسندیدہ چیزوں میں نہیں ہوں۔ جو آپ نے اپنے کاکا جان سے فرمائش کر کے حاصل کر لی تھی۔ آپ کو اس ریلیشن میں پہلے میری جگہ واضح طور پر بتانا ہے۔ پھر کچھ سوچیں گے۔''

دروازہ معمولی سا کھلا ہوا تھا اور اس نے جھٹکے سے مزید کھولا تو گویا اوسان جاتے رہے۔ سامنے یاور علی خان کھڑے تھے۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

یاور علی خان نے باری کے چہرے پر جو نگاہ ڈالی تھی، نہ وہ شعلہ بار تھی نہ اس میں سرد مہری تھی۔ نہ کوئی سوال۔ لیکن باری کو معمول کے مطابق بھی محسوس نہیں ہوئے یعنی کوئی تبدیلی تھی اندر جو اس بات کا بھید دیتی تھی کہ انہوں نے کچھ سن لیا ہے۔ روشی کے تو جسم کا سارا خون نچڑ چکا تھا۔ وہ لاکھ بہادر سہی مگر اس طرح کی بے ساختہ صورت حال میں تو یہ اس کا فطری رد عمل تھا۔

یاور علی خان اس طرح ایک طرف کو ہو گئے گویا باری کو جانے کے لیے راستہ دے رہے ہوں۔

باری دل ہی دل میں خیران تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ یاور علی خان نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا روشی ہنوز سکتے کی کیفیت میں کھڑی تھی۔ باپ کو دروازہ بند کرتے ہوئے دیکھا تو قدرے چونک پڑی۔ اب اس کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔

یاور علی خاں گہرے تفکر کے ساتھ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔

''کیوں کھڑی ہو؟'' ان کے لہجے میں جیسے اجنبیت کا سارا زہر اُمڈ آیا تھا وہ اسے جانیں نہ جانیں، وہ تو جانتی تھی۔ دل نیچے بہت نیچے کہیں گہرائیوں میں اُترنے لگا۔

وہ خاموشی سے دوسرے صوفے پر ٹک گئی۔ کچھ دیر قبل وہ جو یہاں اسے کھری کھری سُنا رہا تھا۔ اس کے احساسات

خاک کے مول کر رہا تھا۔ وہ قیامت کیا اسے بکھیرنے کو کم تھی کہ نئی اُفتاد آن پڑی تھی۔

وہ خوف کی اس انتہا پر تھی جب احساسات منجمند ہونے لگتے ہیں۔ اور بے حسی نجات کا راستہ دکھائی دیتی ہے۔

''روشانے۔''

''جی پپا!'' بمشکل اس کی آواز نکلی تھی۔

''تم مجھے اپنا فادر اون کرتی ہو یا کوئی شبہ ہے؟'' ان کا لہجہ سرد تھا۔

اس نے دہل کر ان کی صورت دیکھی۔ چھٹی حس نے تو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ اب ضرور کچھ ہوگا۔

''میں سمجھی نہیں پپا!'' اس کی آواز لرز رہی تھی۔

''پپا! اس وقت میری بہت بُری حالت ہے۔ آپ اس طرح کی باتیں نہ کریں۔ بس جو پوچھنا ہے' پوچھ لیں۔'' اس نے اپنی آواز کی لرزش۔ پر قابو پانے کی کوشش کی۔

''تو پھر تم میرے کچھ پوچھنے کا انتظار نہ کرو۔ خود ہی بتا دو جو بات بھی بتانے والی ہے۔ ورنہ میری شریان بھی پھٹ سکتی ہے۔''

یاور علی خان کے لہجے میں کوئی اُتار چڑھاؤ نہیں تھا۔ مگر وہ اندر سے کانپ کر رہ گئی۔ بات اتنی بڑی تھی کہ اب اندازہ ہو رہا تھا کہ کیا کچھ ہو چکا ہے۔

''آپ نے اگر باری کی بات سن لی ہے تو پھر یہی ہے کہ آپ جو سمجھے ہیں' وہی ہوا ہے۔''

''انتہا کیا ہوئی؟'' یاور علی خان نے تیزی سے بات کاٹی تھی۔

روشی خاموش رہی۔ درحقیقت اس کی سمجھ میں یاور علی خان کا سوال نہیں آیا تھا۔

''تمہاری شادی باری کے ساتھ کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے؟ تم نے خود تیمور سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ صرف زبانی معاملہ طے ہوا ہے یا عملی طور پر کچھ ہو چکا ہے؟'' بلا کی روانی تھی طرزِ تخاطب میں۔

روشی ہنوز خاموش تھی۔

''روشانے! میرا وقت ضائع نہ کرو۔'' اس مرتبہ وہ برہم ہو کر پوچھ رہے تھے۔

''نکاح ہوا ہے پپا۔'' اس کی جان ٹانگوں کی حد تو نکل چکی تھی۔

کوئی بلاسٹ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ایک ہولناک سناٹا کمرے میں چھا گیا تھا۔

''صرف نکاح ہی ہوا ہے ناں؟'' یاور علی خاں نے خاصی دیر بعد خاموشی توڑی تھی۔ ان کی آواز میں گہری سوچ کا عکس تھا۔

''صرف'' وہ سمجھی نہیں ڈرتے ڈرتے نگاہ اُٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

''جی۔ بس نکاح ہوا ہے۔'' اب اسے کچھ تو کہنا تھا۔

''نکاح۔ سرائے میں ہوا تھا۔ میرا مطلب ہے چھوٹی حویلی میں؟'' یاور علی خان جس قدر پُرسکون انداز میں پوچھ رہے

تھا اسے حیران کرنے کو کافی تھا۔

''جی؟''

''کون کون شریک ہوا تھا؟'' اس مرتبہ ذرا ان کا لہجہ گہری کھوج کی چغلی کھا رہا تھا۔

''جی بس۔ کاکا جان اور اُن کے دوست تھے۔ بس۔'' خوف سے اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

''گھر کی یا باہر کی کوئی خاتون؟'' یاور علی خان کے انداز میں کچھ ہچکچاہٹ تھی۔

''نہیں تو۔ کوئی خاتون نہیں تھیں۔ کاکا جان کی وائف تو مجھ سے ملیں تک نہیں۔''

اس نے پھر ڈرتے ڈرتے ان کی سمت دیکھا۔ وہ بڑی گہری سوچ میں ڈوبے نظر آئے۔ اور اس کی بات مکمل ہوتے ہی ایک گہرا سانس لیا اور ریلیکس ہو کر بیٹھ گئے۔

''تم اور کچھ تو نہیں کہنا چاہتیں؟'' انہوں نے اِبرو اُٹھا کر اس کی سہمی ہوئی صورت دیکھی۔

اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''او۔ کے اب میری بات غور سے سنو۔'' ان کے انداز سے پھر سرد مہری چھلکنے لگی۔

روشنی کا دل زخمی پرندے کی طرح پھڑ پھڑانے لگا۔ وہ ہمہ تن گوش تھے۔

''تم سرکشی دکھا چکیں۔ اپنی سی کر چکیں۔ ایک احمق انسان سے صرف حماقت ہی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ تمہارے پاس عقل ہوتی تو یہ سب کیوں ہوتا؟ ٹھیک؟''

''اب یہ ہے کہ اسی وقت بتاؤ۔'' باری یا باپ'' تمہیں ہمیشہ کے لیے ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے۔''

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔ اپنا غضب انہوں نے کس سکون سے ظاہر کیا تھا اور اپنے فولادی اعصاب ہونے کا ثبوت دیا تھا۔

''آپ ایسے نہیں کریں پپا۔'' اس کی آنکھوں سے اشک بہنے لگے۔

''تم جو چاہے کرو نہ باپ کی انا کا خیال نہ اس کی سالوں کی ریاضت کا احساس' میں کوئی لمبی چوڑی بات یا تقریر نہیں کروں گا مگر مجھے جواب ابھی چاہیے۔''

غضب بلا کا مگر انداز دھیما تھا۔ جس انتہائی فیصلے پر اصرار تھا' وہ میانہ روی کی زد میں تو نہیں آتا۔

''پلیز پپا!'' وہ زار و قطار رونے لگی۔

''یہ تو باری ہے۔ باغی اور ان کلچرڈ باپ کی اولاد اگر تیمور علی خان تمہارے لیے کسی پرنس کا رشتہ بھی لاتے تو میں قبول نہ کروں۔ اتنا انٹرفیئر تو اُسے کرنا بھی نہیں چاہیے تھا اصولاً۔ خیر۔ کیا فیصلہ ہے تمہارا۔ اگر باری کا ساتھ منظور ہے تو یاد رکھنا' یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔'' ان کی آواز میں اس مرتبہ بہت تلخی تھی۔

''پپا پلیز۔ ابھی مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ آپ بابا صاحب سے تو ڈسکس کیجئے۔''

''شیم یور سیلف۔ تمہارے کارنامے ڈسکس کرتا پھروں۔ یو فول نان سنس۔ مجھے تمہارا جواب مل گیا ہے۔ ہمیشہ کے

لیے دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔ گیٹ آؤٹ۔''

یاور علی خاں خود پر قابو پاتے ہوئے بمشکل کہہ پا رہے تھے۔

''پپا! آپ ساری بات سنے سمجھے بغیر اتنی سخت سزا نہیں سُنا سکتے۔ فار گاڈ سیک۔''

وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور کارپٹ پر بیٹھ کر ان کے گھٹنے تھام لیے۔

''پتا ہے مجھے پوری بات۔ باری اگر چیف جسٹس کا بیٹا بھی ہوتا تو میں اس کا پروپوزل مسترد کر دیتا۔ احمق لڑکی تم ابھی بہت چھوٹی ہو۔ فیصلے کرنے کی عمر نہیں ہے تمہاری۔ تم نے میری اتنی انسلٹ کی ہے کہ جی چاہتا ہے خود کو شوٹ کر لوں اور ایسا ہو بھی سکتا ہے اگر کسی رات ضبط جواب دے گیا۔''

''مائی گڈنیس!'' روشنی نے بدحواس ہو کر ان کی صورت دیکھی۔ ''پپا! میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ مجھے آپ سے کتنی محبت ہے۔ آپ کی اگنورینس کے باوجود میں نے گھر میں ہمیشہ آپ کی راہ دیکھی ہے۔ آپ کا انتظار کیا ہے۔ کتنے کتنے دن آپ کی ایک جھلک کو ترستی ہوں۔''

وہ ان کے گھٹنوں پر پیشانی ٹکا کر بُری طرح رو رہی تھی۔

''جن سے انسان محبت کرتا ہے، انہیں کبھی عظیم دُکھ نہیں بخشتا۔'' انہوں نے بے رحمی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''پپا! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ بات آپ کے لیے عظیم دُکھ کا باعث ہو سکتی ہے۔ مجھے یہ تو پتا تھا آپ اتنا بڑا اقدام اُٹھانے پر خفا ضرور ہوں گے۔ مگر بات یہ ہوئی کہ کاکا جان کی انوالومنٹ کی وجہ سے یہ سب ممکن ہو گیا۔ پپا! کاکا جان بہت کائنڈ بہت سوفٹ۔''

''شٹ اَپ۔'' یاور علی خان اسے ایک طرف ہٹا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ''تم چلی جاؤ اسی کائنڈ شخص کے پاس۔ میرا تمہارا اب کوئی تعلق نہیں ہے۔''

وہ اتنا کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

وہ ششدر سی دروازے کی سمت دیکھ رہی تھی۔

.....

ماہین کب سے اِدھر اُدھر بے مقصد آ جا رہی تھی۔ اپنی خواب گاہ میں داخل ہونے سے پہلے اس نے تمام ممکنہ سوالات کے جواب تیار کرنا تھے۔ سب ہی ہیں گھر میں۔ کچھ ہو نہ جائے۔ پھر کوئی نیا تماشا نہ ہو۔ یاور علی خان سے ہر طرح کی امید کی جا سکتی ہے۔ نہ اس میں حوصلے کی کمی تھی نہ فیصلہ کرنے کی طاقت سے محروم تھی۔ مگر وہ اندھا دُھند کچھ بھی کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اب بھی سارے قصے میں روشی اور جواد کی اہمیت سب سے زیادہ تھی۔ ان کے دُور تک کے مفادات پیش نظر تھے۔

تقریب کے اثرات دھندلا رہے تھے۔ حویلی میں آہستہ آہستہ آوازیں معدوم ہو رہی تھیں۔ روشنیاں دھیرے دھیرے گُل ہو رہی تھیں۔ لڑکیاں تھکی ہاری اِدھر اُدھر گری پڑی نظر آ رہی تھیں۔ اور وہ الگ ادھیڑ بُن میں تھی۔ یاور علی خان تقریب میں کسی وقت بھی حصہ لیتے نظر نہیں آئے تھے۔ البتہ تیمور علی خان کو اس نے کئی جگہ مختلف اوقات میں موجود پایا تھا۔

نکاح کے وقت لڑکی کے وکیل کی حیثیت سے بھی وہ گلو کے اور دوسری لڑکیوں کے مشترکہ کمرے میں آئے تھے۔ وہ اس وقت گلو کے پاس ہی بیٹھی تھی۔

آخر کب تک ٹہلتی' ماما بلی نے کئی بار راہداری سے گزرتے ہوئے اس کی سمت تعجب سے دیکھا تھا مگر کچھ بولی نہیں تھی۔

تقریباً ساڑھے بارہ بجے اس نے اپنی خوابگاہ میں قدم رکھا تھا۔ یاور علی خان شب خوابی کے لباس میں بیڈ کی بیک سے پشت ٹکائے ہوئے فائل میں گم تھے۔ انہوں نے اندر داخل ہوتی ہوئی ماہین کو گلاسز سے جھانک کر صرف لمحے بھر کر دیکھا تھا اور پھر مصروف ہو گئے تھے۔

ماہین نے البتہ بغور ان کی سمت دیکھا تھا۔ ان کی انگلیوں میں سُلگتا سگریٹ دبا ہوا تھا اور ایش ٹرے سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھری ہوئی تھی جو ان کے ذہنی انتشار کا واضح ثبوت تھا۔

وہ چپ چاپ آگے بڑھ کر شب خوابی کا لباس وارڈ روب سے نکالنے لگی۔ نائٹی نکال کر اس نے بیڈ پر ڈالی اور ڈریسنگ ٹیبل کی طرف رُخ کر کے جیولری اتارنے لگی۔ وہ اسے سہ رُخی آئینے میں دکھائی دے رہے تھے۔ وہ آئینے میں غور سے ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔

''آپ روشی کی وجہ سے اس حویلی میں داخل ہوئیں' اسی کی وجہ سے غالباً میری زندگی میں بھی۔ یا پھر کہیں گے کہ یہ پوائنٹ بھی بیس کرتا ہے۔'' اچانک ہی انہوں نے کہنا شروع کر دیا۔

آویزہ اتارتے اتارتے وہ ٹھٹک کر رُک گئی تھی۔ کسی کھنچی ہوئی تصویر کی صورت۔

''مطلب؟'' اُن کا انداز دل جلانے والا تھا تو اس کا بھی لہجہ تیکھا ہو گیا۔

''غالباً آپ دونوں خالہ بھانجی کی انڈر اسٹینڈنگ بھی بہت ہے؟'' پھر طنزیہ استفسار تھا۔

''جو کہنا ہے بس وہی کہیے اور جلدی کہیے۔'' وہ بے تاب سے انداز میں ان کے قریب چلی آئی۔

''سرائے سے واپسی کے بعد آپ کی روشانے سے باز پُرس والی کوئی بات چیت تنہائی میں ہوئی تھی۔؟'' یاور علی خان نے گلاسز اتار کر سائیڈ ٹیبل پر لگا دیے۔

''ایک مرتبہ؟ نہ جانے کتنی مرتبہ۔'' ماہین نے بے نیازی و اعتماد سے جواب دیا۔

''تو پھر اس کا مطلب ہے' آپ کو سب کچھ معلوم ہے۔ بلکہ آپ اس کے ساتھ اس تمام قصے میں۔ شریک ہیں۔''

''کون سا قصہ۔ کیسا قصہ؟'' ماہین دھپ سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''پلیز میرے ساتھ یہ ڈرامانہ کریں۔'' یاور علی خان نے بڑی ناگواری سے ہاتھ اُٹھا کر گویا اسے مزید سے روکا۔

''آپ اس طرح بغیر ثبوت و تحقیق مجھے بلیم نہیں کر سکتے۔'' ماہین کو شدید غصہ آ گیا۔

''بلیم نہیں کر رہا۔ بالکل شیور ہوں۔ یقیناً سب کچھ آپ کی نالج میں ہے۔ جب اتنی اہم باتیں حقیقی باپ سے چھپائی جائیں تو پھر اس رشتے کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے۔'' وہ بھی ناراضگی سے گویا ہوئے۔

''کیا ہے میری نالج میں آپ کے حساب سے۔ بتا دیجیے مجھے۔ بلکہ دُہرا دیجیے پلیز میرا تو دماغ پھٹ جائے گا ان

پہیلیوں میں۔'' ماہین نے سر تھام لیا۔

''یہی کہ میری بیٹی شادی شدہ ہو چکی ہے۔'' وہ تیزی سے گویا ہوئے۔

ماہین بھونچکی سی ہو کر ان کی شکل دیکھنے لگی جیسے اسے سننے میں مغالطہ ہوا ہو۔

''جی؟'' اس کا چہرہ یکدم سفید پڑ گیا تھا۔

''جی!'' وہ شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھورنے لگے۔ ماہین نے تاب نہ لا کر نظریں جھکا لیں۔ دل بُری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔

''اِٹس اے ویری شاکنگ نیوز فارمی۔ اونیسٹلی۔ مجھے کچھ نہیں پتا بلیومی۔'' اس کی آواز مجرم کی طرح پست تر ہوتی چلی گئی۔

''آپ جس طرح چاہے تفتیش کر لیں۔ عنقریب ثابت ہو جائے گا کہ میں قطعی لاعلم اور بے گناہ ہوں۔ بلکہ میرے لیے تو عظیم دُکھ کی بات ہے کہ مجھے اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ میرا اعتبار کیا جاتا۔'' اس کے لہجے میں واقعی دُکھ گہرا تھا۔

''کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گے کہ ایسا کیسے ہوا۔ کب ہوا؟ اور وہ کون ہے۔'' وہ اتنی شرمندگی سے پوچھ رہی تھی گویا اس سے کوئی بہت بڑا جرم سرزد ہوا ہو۔

''مجھ سے یہ ڈراما نہیں کرو۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ تمہیں یہ سب معلوم ہی نہ ہو۔ اتنا بڑا کام وہ اتنے حوصلے سے کر ہی نہیں سکتی۔'' یاور علی خان نے بڑی ناگواری سے اسے ٹوک دیا۔

''آپ کو یقین دلانے کا کیا پیمانہ ہے؟ کون سی قسم کھائی جائے کہ آپ کو یقین آ جائے۔ یہ نیوز جتنی شاکنگ آپ کے لیے ہے اتنی ہی میرے لیے۔'' ماہین نے بے بسی سے کہا۔ ''اگر ایسا ہوا ہے تو اس نے کم از کم میرے ساتھ تو بہت ہی بُرا کیا ہے۔ میں آپ کو کیسے سمجھاؤں۔'' وہ بہت دُکھ سے کہہ رہی تھی۔

یاور علی خان نے نظریں اُٹھا کر اس کا چہرہ بغور دیکھا۔ جہاں صرف تفکر ہی تفکر تھا۔

''بتائیے ناں۔ وہ کون ہے؟ جس نے اسے اتنا بہادر بنا دیا۔ کہ اسے بابا صاحب تک کا خوف نہیں رہا۔'' اس نے منت کے انداز میں کہا۔

''اسے بڑی مضبوط بیک ملی ہے۔ انتقام لیا گیا ہے مجھ سے۔ مگر میں یہ اسکیم فیل کر دوں گا۔ جتینا دو بھر کر دوں گا۔'' وہ غضبناک ہو کر کہہ رہے تھے۔

''آپ کسی ملازمہ سے کہہ کر باری کو بلوائیں۔ ابھی سامنے آ جائے گا سب کچھ۔''

ماہین حیران پریشان سی اُٹھ کھڑی ہوئی ''باری! ابھی بلوا لیتی ہوں۔''

وہ تیزی سے باہر کی سمت بڑھی۔ اس کے انداز سے محسوس ہوتا تھا کہ اسے بہت کچھ جاننے کی بہت جلدی ہے۔

چند منٹوں بعد وہ واپس آ گئی تھی۔ ''ماما گئی ہے بلانے۔'' اس نے اطلاع دی اور صوفے پر بیٹھ کر گاہے بگاہے یاور علی خان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

پانچ سات منٹوں بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

''آ جاؤ باری!'' ماہین نے بے تابی سے کہا۔

یاور علی خان نیا سگریٹ سلگا رہے تھے۔

دروازہ کُھلا اور باری اندر آ گیا۔ اس کے قدم رُک رُک کے اور نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

''السلام علیکم!'' اس نے یاور علی خان کی سمت دیکھ کر سلام کیا۔ یاور علی خان نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ اور کش لگانے لگے۔

''بیٹھ جاؤ باری!'' ماہین نے اپنے قریب کی نشست کی سمت اشارہ کیا۔ باری فوراً بیٹھ گیا۔

''یہ۔ ماہین تمہاری اور روشانے کی کارگزاری سے لاعلم ہیں۔ ذرا انہیں تفصیل سے بتاؤ۔'' یاور علی خان نے آغاز کیا۔

ماہین کا منہ حیرت سے کُھلا کا کُھلا رہ گیا۔

''باری۔!'' وہ حیرت سے بس اس کا نام ہی لے پائی۔

باری خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا رہا۔

''خاموشی ٹوٹ چکی ہے باری! سازش منظرِ عام پر آ چکی ہے۔ ماہین کا کہنا ہے کہ یہ کچھ نہیں جانتیں تمہارے بیان سے تصدیق ہو گی کہ یہ غلط کہہ رہی ہیں یا درست۔''

یاور علی خان نے سرد لہجے میں باری کو متوجہ کیا۔

''درست کہہ رہی ہیں۔ انہیں کچھ معلوم نہیں۔'' باری کی آواز کمرے میں گونجی۔

''مگر مجھے یقین نہیں۔ ہو سکتا ہے یہ بھی کوئی کمٹ منٹ ہو اور تم انہیں بچانے کے پابند ہو اس کمٹ منٹ کے تحت۔'' یاور علی خان کو کسی طور یقین نہیں آ رہا تھا۔

''یہ سچ ہے۔ انہیں کچھ پتا نہیں۔ مجھے، روشانے بی بی کا کا جان اور ان کے دو تین دوست اور وہیں کے چند ملازمین کے علاوہ کسی کو اس واقعے کا علم نہیں۔''

اس نے اس مرتبہ بہت پُرسکون انداز میں جواب دیا تھا۔ شام سے اب تک وہ ایک ذہنی عذاب سے دوچار تھا۔ بھید نہیں کُھل رہا تھا کہ روشی کے ساتھ یاور علی خان نے کیا معاملہ کیا۔ اور حیرت اس بات پر تھی کہ بابا صاحب کے دربار میں اب تک اسے پیشی کے لیے کیوں نہیں بلوایا گیا۔ اور اب آخر کار وہ کٹہرے میں آ کھڑا ہوا تھا۔ اور اس کے باوجود پُرسکون تھا کہ شام سے اب تک کسی کشمکش و ذہنی اذیت سے نجات مل گئی تھی۔

''تم سے تیمور علی خان نے کس طرح کہا۔ اور کس انداز میں تمہیں اس کے لیے تیار کیا۔ تم پر تو بابا صاحب اندھا بھروسا کرتے ہیں۔ تم نے تیمور علی خان کی سازش کا حصہ بنتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ اس کے بعد بابا صاحب تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ تم نے اتنی آسانی سے تیمور علی خان کی بات کس طرح مان لی؟ آدھی جاگیر تمہارے نام کرنے کا وعدہ کیا تھا اس نے تمہارے ساتھ۔ یا ہیوی اماؤنٹ۔''

''پلیز۔ یاور خاناں۔ تفصیل جانے بغیر اور میرا جواب سُنے بغیر آپ بات کو یہیں روک دیں۔ پلیز۔'' اس نے بے اختیار ان کی بات کاٹ دی۔

ماہین ششدر سی بیٹھی کبھی یاور علی خان کو دیکھنے لگتی۔ کبھی باری کو۔ اس کے اپنے حلق میں تو بہت بڑا سا گولہ پھنس چکا تھا اور وہ بات کرنے کے قابل تو کیا کوئی ٹکڑا لگانے کے قابل بھی نہیں تھی۔

''آپ اس پوائنٹ پر بھی غور کیجیے کہ روشی بی بی سرائے خود اپنی مرضی سے گئی تھیں۔ کہ وہ نعیم سے شادی کرنے پر قطعی آمادہ نہیں تھیں۔ اور ان کا انکار حویلی کے تمام اہم لوگوں کے علم میں تھا آپ سمیت۔ کاکا جان ان کو پہلی فرصت میں بڑی حویلی واپس بھیجنا چاہتے تھے کہ حویلی میں ان کی غیر موجودگی سے قیامت برپا ہو رہی ہوگی۔ انہوں نے حویلی واپس جانے سے صاف انکار کر دیا۔ لامحالہ کاکا جان نے ریزن طلب کی اور روشی بی بی نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نعیم سے شادی نہ کرنے کی وجہ تم تھے؟''

یاور علی خان نے برہم انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔

باری ایک لمحے کا خاموش سا ہو گیا۔

''آپ یقین نہیں کریں گے پھر بھی میں یہ ضرور کہوں گا کہ میری ان سے کبھی کسی قسم کی کوئی کمٹ منٹ نہیں ہوئی تھی۔ میں تو اپنے معمول کے کام سے سرائے گیا تھا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ روشی بی بی وہاں ہو سکتی ہیں۔ اس لیے کہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

وہ بولتے بولتے ایک دم چپ ہو گیا۔ ماہین نے ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر دوڑائی۔ اور ایک گہری سانس لی اور صوفے کی پُشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ اس کے اندر تو قیامتیں برپا ہو رہی تھیں۔

''تو پھر روشا نے تیمور علی خان کو وجہ بتا دی کہ وہ تمہاری وجہ سے نعیم کے ساتھ شادی کرنے پر رضا مند نہیں۔ اور انہوں نے تمہاری خدمات کے اعتراف میں کھڑے کھڑے تمہارا نکاح پڑھوا دیا۔ یعنی حد ہو گئی' کیا خیال ہے تمہارا۔ گھاس کھاتا ہوں میں؟'' یاور علی خان برہمی کی انتہا کو چھونے لگے۔

''ریزن تو مے بی پاسیبل یہی ہو مگر باقی سب کچھ اس طرح نہیں ہوا۔ کاکا جان نے مجھ سے تفصیلی بات چیت کی تھی۔''

''مثلاً انہوں نے تمہیں بہت خوبصورت خواب دکھائے اور ہر صورت تمہیں اس نیک کام کے لیے آمادہ کیا۔'' یاور علی خان نے تلخی سے کہا۔

''نہیں' انہوں نے میرے ساتھ کسی قسم کی زبردستی یا دباؤ سے کام نہیں لیا۔ میں اگرچہ اس رشتے سے بہت خوش ہوں۔ بلکہ یہ میری خواہش کی تکمیل ہے لیکن جس طرح یہ سب ہوا' یہ میرے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ میری خواہش قیامت تک نہ میری زبان پر آ سکتی تھی نہ ہی میرے کسی عمل سے ظاہر ہو سکتی تھی۔ اس کے باوجود کہ میں بہت آسانی سے اپنا مقصد پورا کر سکتا تھا۔ کیونکہ سیکنڈ پارٹی کی بھی یہی خواہش تھی۔ مگر باباصاحب نے جو ضابطے بنائے ہوئے ہیں۔ اس میں اس طرح کی خواہش پوری ہونے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ خواہش بہت طاقتور سہی مگر میں حویلی والوں سے ٹکرانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا اور اپنی

بڑے حویلی میں کسی قسم کا انتشار نہیں پھیلانا چاہتا تھا۔ بہت سے حقیقی رشتوں کے بغیر جب زندگی برداشت کی جا سکتی ہے تو پھر مزید کسی نئے من چاہے تعلق کے بغیر بھی گزاری جا سکتی ہے۔ دُنیا میں بہت سے لوگ گزارتے ہیں۔

مگر روشی بی بی نے سب کچھ کہہ دیا۔ جس سے یہ بات آشکار تھی کہ اگر بندھ نہ باندھے گئے تو وہ حویلی والوں کو کسی نئے بہت بڑے امتحان میں ڈال سکتی ہیں۔ جو کچھ ہوا ہے' وہ اس سے بہت کم ہے جو وہ کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ آپ کو یاد ہو گا وہ کراچی میں سوسائیڈ (خودکشی) کی کوشش کر چکی ہیں۔ ان کے ہاں کوئی لچک یا گنجائش نہیں ہے۔ کاکا جان نے تو بات سنبھالی ہے۔''

''یہ تو میں ہی جانتا ہوں کہ موصوف نے بات کتنی سنبھالی ہے اور کتنی بگاڑی ہے۔

ایکچوئلی تم بہت ذہین ہو' تم نے بہت سلیقے سے رپورٹ پیش کی ہے۔ مگر میرے لیے یہ بہت ہے کہ تم میرے یا باباصاحب کے نہیں اس کے دوست کے بیٹے ہو۔ اسی کو سپورٹ بھی کرو گے اور صرف اسی کی بات مانو گے۔ تم چھوٹی حویلی میں ہو یا بڑی حویلی میں تم صرف اس کے آدمی ہو بلکہ اس کے خاص آدمی ہو۔''

یاور علی خان کی شریانوں میں جو جوار بھاٹا اُٹھ رہا تھا وہ ان کے طرز تخاطب سے آشکار تھا کہ ماہین بھی آج ''تم'' تھی اور تیمور علی خان بھی ''اُس'' ''اِس'' ہو رہے تھے۔

باری خاموش رہا کہ وہ آناً فاناً ان کے خیالات تبدیل نہیں کر سکتا بلکہ اختلاف یا تردید' اس وقت جلتی پر تیل چھڑکنے کے مترادف تھا۔

''سب لوگ اتفاق کریں یا اختلاف مگر میں اپنی جگہ قائم ہوں۔ یہ صرف سازش اور انتقام ہے۔ محض مجھے اذیّت پہنچانے کے لیے ہے۔ مگر آپ سب کو بہت مایوسی ہوگی۔

محترمہ!'' وہ ماہین کی سمت یکلخت متوجہ ہوئے۔ ''آپ کو میں نے تیمور علی خان سے خود بات کرتے دیکھا ہے۔ مجھے اب بھی اسی صحت کے ساتھ مکمل یقین ہے کہ آپ اس سارے قصے سے صرف واقف ہی نہیں باقاعدہ اس میں آپ کا رول ہے۔

آپ کا انداز اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ تیمور علی خان سے آپ کی وہ پہلی ملاقات نہیں ہے۔

باباصاحب کی موجودگی میں یہ ڈراما اپنے منطقی انجام کو پہنچے گا ورنہ تنسیخ نکاح کے لیے کورٹ سے رجوع کیا جائے گا۔''

انہوں نے گویا فیصلہ سنا دیا۔

''مت دیکھیے یہ خواب۔ نکاح اس کی اپنی مرضی سے سگے چچا کی موجودگی میں ہوا ہے۔ میں جا رہی ہوں بھابی بیگم کے کمرے میں۔ اب آپ مجھے تب ہی بلائیے گا اور مخاطب کیجیے گا۔ جب میرا جرم ثابت ہو جائے۔''

ماہین نے شب خوابی کا لباس اُٹھایا' دو چار چیزیں ڈریسنگ ٹیبل سے اُٹھائیں اور ادھر اُدھر دیکھے بغیر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

باری اور یاور علی خان چند ثانیے خاموش رہ کر ایک دوسرے کو محسوس کرتے رہے۔

''باری! بہتری اسی میں ہے کہ تم اسے آزاد کردو۔ وہ تمہیں ملے گی کبھی محض یہ تمہارا خواب ہے۔ زندہ بچے گی تو تمہیں ملے گی۔ یہ میری انا کا سوال ہے۔ اس وقت میری ذہنی کیفیت اتنی آؤٹ آف کنٹرول ہے۔ کہ میں اپنی انا کی بڑی سے بڑی قیمت دینے کو تیار ہوں۔ تم پر تو اس حویلی کی پرت پرت عیاں ہے۔ کیوں کود پڑے اس آگ میں؟ کس قدر احمق ثابت ہوئے ہو تم۔''

یاور علی خان کے لہجے میں تاسف بھی تھا اور برہمی بھی۔

''میری اپنی رضامندی تھی ورنہ آگ میں کودنا کون پسند کرتا ہے۔'' باری نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر اور گردن جھکا کر بہت دھیمی آواز میں گویا اعتراف جرم کیا۔

''اسی لیے تو احمق کہا ہے تمہیں۔ وہ یاور علی خان کی بیٹی ہے۔'' یاور علی خان نے بڑی سختی و رعونت سے کہا۔

''مگر خیر۔ اگر کسی نے ہار جیت کا کھیل شروع ہی کر دیا ہے تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ اس میں کسی کا کوئی رول نہیں ہے۔ روشی بی بی کی فیصلہ کن نیچر کا بس سب سے اہم رول ہے۔''

''سب وزن اس پر ڈال کر اپنی جان بچا رہے ہو۔ کاش یہ جملہ وہ بے وقوف اپنے کانوں سے سنتی۔'' یاور علی خان برس پڑے۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو ان کا شکر گزار ہوں۔ اب اگر نقصان بارش کی طرح برسیں تو مجھ پر برسیں۔ روشی بی بی کا رول تو اب ختم ہو چکا ہے۔ اب تو صرف رول ہی میرا ہے۔ وہ بہت بہادر اور فیصلہ کن ہیں۔ میں گستاخی اور بے ادبی نہیں کروں گا۔ ان کے لیے مورل سپورٹ حاصل کروں گا۔ تھرو پروپر چینل۔ میں ہر قسم کی سزا کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کر چکا ہوں۔ آپ جو چاہیں میرے لیے سزا تجویز کریں سوائے اس کے کہ میں انہیں آزاد کر دوں۔''

وہ کھڑا ہو گیا اور یاور علی خان کی کسی اگلی بات کا انتظار کرنے لگا۔

''لوگ اسٹیٹس حاصل کرنے کے لیے صبح سے شام تک جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز کرتے رہتے ہیں۔ تم بھی کچھ دیر کے لیے خود کو بہادر شو کر لو تو کیا فرق پڑتا ہے۔''

یاور علی خان نے تلخی سے کہا اور کش لگانے لگے۔ باری نے ہونٹ کاٹتے ہوئے ان کی سمت دیکھا۔

''میں نے آپ سے کبھی کوئی غیر ضروری بات نہیں کی' مجھے افسوس ہے کہ آج میں بہت کچھ کہہ بیٹھا ہوں مگر کیا کروں۔ یہ راستہ بھی میرے سفر میں پڑتا ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ باہر نکل گیا تھا۔ یاور علی خان کا انداز بھی یہ تھا کہ فی الحال جو کہنا تھا' وہ کہا جا چکا اور اب وہ کچھ آگے کی سوچ رہے ہیں۔

....

تیمور علی خان رات گئے سرائے پہنچے تھے۔ نازنین گہری نیند سوئی تھی۔ دستک پر وہ اونگھتی جھومتی اُٹھی تھی اور دروازہ کھول کر پھر بستر میں دبک گئی تھی۔ انہوں نے بہت آہستگی سے دروازہ بند کیا تھا اور بہت احتیاط سے وارڈروب سے نائٹ ڈریس نکال کر ڈریسنگ کی طرف چلے گئے تھے۔ لباس تبدیل کر کے باہر آئے تو ہاتھ میں کف لنکس اور ریسٹ واچ تھی جو انہوں نے بہت احتیاط سے سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی۔ ساتھ ہی ایک نگاہ نیند کی آغوش میں پہنچی ہوئی نازنین پر ڈالی تھی اور کچھ سوچنے کے انداز میں ایزی چیئر پر بیٹھ گئے تھے۔ وہ تو تقریب ختم ہونے سے پہلے ہی وہاں سے چل پڑے تھے۔ گاڑی چونکہ ڈرائیور ڈرائیو کر رہا تھا اس لیے وہ کچھ دیر راستے میں سو بھی چکے تھے۔ حالانکہ ذہن بہت منتشر سا تھا۔ آنے والے کسی پریشان کن واقعے نے ان کے وجود میں شورش برپا کر رکھی تھی۔ وہ سوئی ہوئی نازنین کو بغور دیکھ رہے تھے۔ اور اس کے حوالے سے جانے کیا کیا خیال آ رہے تھے۔

نازنین نے خاصی دیر بعد کروٹ بدلی تھی۔ جانے تیمور علی خان کے کسی مرتکز خیال کی قوت تھی کہ اس کی نیند ٹوٹ گئی تھی۔ اس نے نیند بھری آنکھوں سے اپنے پہلو میں نظر دوڑائی تھی۔ جہازی سائز بیڈ دور تک خالی نظر آیا تھا۔ جس پر غالباً وہ چونک پڑی تھی اور کمرے میں نظر دوڑانے لگی تھی۔ سامنے ایزی چیئر پر تیمور علی خان اسے کسی دھیان میں گم نظر آئے۔

''حویلی سے آ رہے ہیں؟'' اس کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز کمرے میں اُبھری تھی۔

''ہوں۔'' انہوں نے صرف ہنکارا بھرا تھا۔

''روشی آئی تھی؟'' اس نے جانے کس خیال کے تحت پوچھا تھا۔

''ہوں۔'' انہوں نے پھر ہنکارا بھرا۔

''اور وہ بدنصیب۔'' اس کی آواز نیند کے سبب بھاری تھی۔

''ہم کون ہوتے ہیں کسی کے نصیب کا فیصلہ کرنے والے۔'' تیمور علی خان نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

نازمین کی نیند بھک سے اُڑ گئی۔ آج پھر اسٹائل بدلا ہوا تھا۔ گویا پھر سے محنت پڑنے والی ہے۔ اتنے عرصے سے یہی تو ہوتا آیا تھا۔ وہ اس موڈ میں آتے تھے تو اسے کتنی ریاضتیں درپیش ہونے لگتی تھیں۔ اُن کی چپ کو توڑنا ایک مرحلہ بن جاتا تھا۔ وہ اُٹھ بیٹھی۔

''طبیعت کیسی ہے؟'' اس نے بہت جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

''آپ سو جائیں۔ ٹھیک ہیں ہم اور اب ہمیں مزید کیا ہوگا۔ بہت ہو چکا ہے ہمارے ساتھ۔''

''مجھے اس سے اختلاف نہیں کہ آپ کے ساتھ بہت ہو چکا۔ مگر اب نئے سرے سے نیندیں ویران کرنے کا کیا فائدہ؟ سو جائیں آپ بھی۔'' وہ کھوجتی نظروں سے ان کا چہرا دیکھ رہی تھی۔

''کوئی بات تو نہیں ہوئی؟'' وہ بیڈ سے اُتر کر اُن کے قریب چلی آئی۔

''کچھ نہیں ہوا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ پلیز۔'' وہ تقریباً جھلا گئے۔

''اتنا تو مجھے شعور ہے کہ آپ کی یہ کیفیت نیچرل ہوتی ہے۔ دیوالیہ کاروباری گاہے گاہے اپنے نقصان یاد کرتا ہے اور آہیں بھرتا ہے۔ مگر آپ کی اس کیفیت سے جو نئے سرے سے مجھ پر احساس کا بوجھ پڑتا ہے تو میری کمر ٹوٹنے لگتی ہے۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

تیمور علی خان یکدم اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ کی طبیعت یوں بھی ٹھیک نہیں رہتی۔ اتنا ڈیپ میں کیوں چلی جاتی ہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہوا کہ آپ وہم میں پڑ جائیں۔ جو عام سے واقعات ہوئے ہیں' وہ ہم آپ کو صبح بتائیں گے۔ پلیز آپ آرام کریں۔"

وہ نازنین کو تھام کر بیڈ تک لائے۔ زیرو پاور کے بلب کی روشنی میں نازنین سیاہ نائٹی پہنے ہوئے بالکل سفید محسوس ہو رہی تھی۔

"یہ سیاہ کلر مت پہنا کریں۔ اس سے ڈپریشن بڑھتا ہے۔" وہ اُسے لٹاتے ہوئے بہت رسانیت سے کہہ رہے تھے۔

"قسمت کا رنگ سیاہ ہو تو کیا کرتے ہیں؟" وہ آزردگی سے پوچھ رہی تھی۔

"یہ تو اِن ڈائریکٹ آپ ہماری کوتاہیوں کی نشان دہی کر رہی ہیں۔" وہ اس پر کمبل ڈالتے ہوئے بہت رسانیت سے کہہ رہے تھے۔

"آپ کو تو ٹمپریچر ہے؟" وہ اس کی پیشانی چھو کر تشویش سے گویا ہوئے۔

"پتا نہیں کب ٹھنڈا ہوگا یہ وجود۔" نازنین نے یہ کہہ کر ان کی طرف سے پشت کر لی۔

"بہت ذہن پر زور ڈالتے ہیں۔ کسی طرح وہ نام یاد آ جائے جس نے ہمیں اذیت نہ دی ہو۔" سائیڈ ٹیبل کی دراز سے کوئی ٹیبلٹ نکالتے ہوئے بڑے دُکھ سے کہہ رہے تھے۔

ایک گلاس میں پانی جگ سے انڈیلا جو بیڈ کے سرہانے ہی رکھا ہوا تھا۔

"یہ لیجیے یہ ٹیبلٹ لے لیجیے۔" انہوں نے اسے اُٹھنے میں مدد دی۔ "ایک تو یہ آپ کے گیسوئے دراز آدھا بیڈ تو صرف انہی کے لیے وقف ہوتا ہے۔"

وہ احتیاط سے اس کے بال ایک طرف ہٹاتے ہوئے اپنے بیٹھنے کی جگہ بنا رہے تھے۔

"لگتا ہے ان ہی کی نحوست ہے زندگی میں۔ نہ کسی کے ایسے بال ہیں نہ ایسی قسمت۔"

اس نے بے نیازی سے ان کی ہتھیلی سے ٹیبلٹ اُٹھا کر منہ میں رکھی۔ اور گلاس ان کے ہاتھ سے لے منہ سے لگالیا۔ اور دو تین گھونٹ لے کر واپس دے دیا اور گرنے کے انداز میں دوبارہ لیٹ گئی۔

"اتنا تھک کر آپ آئے اور بجائے آرام کرنے کے چیئر پر بیٹھ کر کچھ سوچنے لگے اس کا مطلب کچھ ہوا ہے وہاں۔" اس کی سوچ ایک ہی جگہ ٹھہری ہوئی تھی۔

تیمور علی خان سر کے نیچے ہاتھ باندھ کر چت لیٹے چھت کی سمت تک رہے تھے۔

"کچھ نہیں ہوا۔ جو خوشگوار واقعات ہمیں پیش آئے ہیں' صبح بتائیں گے آپ کو۔" وہ بے تاثر لہجے میں گویا ہوئے۔

"خوشگوار۔؟" کس قدر خوبصورت لفظ ہے' اس کے حُسن کی اہمیت کوئی ہم سے پوچھے۔"

"اب تو اس گھر میں روشنی صرف آپ کی وجہ سے ہے۔ کیوں عمر بھر کی ریاضتوں کو غیر اہم کر رہی ہیں۔ آپ ٹھیک ہونے کی امنگ رکھیں گی تو کچھ امپرومنٹ ہوگی اگر یہ ذہن بنالیں گی کہ بس کھیل ختم ہو جانا چاہیے تو زندگی تو خود بخود ہاتھ چھڑا کر بھاگے گی۔ اب ہماری طرف بھی دیکھیے۔ کچھ ہمارا بھی خیال ہونا چاہیئے۔" تیمور علی خان کے لہجے میں بلا کی تھکن اُتر

آئی۔

"ضوفی ابھی بہت چھوٹی ہے۔ آپ اسی کا خیال کر کے زندگی کی طرف بڑھیں۔"

"بات بات پر آپ مجھے خود غرض ہونے کا احساس دلا دیتے ہیں تیمور۔ ضوفی کے ساتھ آپ کو ٹیپو کا بھی ذکر کرنا چاہیے تھا۔ میں نے تو اسی کے لیے جو آد کی طرح کی فیلنگ رکھی ہیں۔ اور یہ تو آپ کی قربانیوں کا ریٹرن ہے کہ میں نے ضوفی پر اسے ترجیح دی ہے۔ مگر میں کیا کروں۔ زندگی جوں جوں ناراض ہوتی جاتی ہے' میرے اندر سکون اُترتا جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے مشکلیں آسان ہونے والی ہیں۔" اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"ہر شخص اپنے دل کی کر لیتا ہے۔ کہہ لیتا ہے۔ ہمارے دل کی جانے کب ہوگی۔ کب لوگوں کو اس بات کا یقین آئے گا کہ ہم بھی اللہ کے بندے ہیں۔ نہ فرشتے ہیں اور نہ ہی کسی میٹل (دھات) سے بنے ہیں۔" انہوں نے بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

"آئی ایم سوری تیمور۔ ہماری طرف سے تو آپ کو صرف دُکھ ہی ملتے ہیں۔ مگر جس کے پاس جو ہوگا وہی تو دوسرے کو دے گا۔"

نازنین نے رُخ موڑ کر اُن کے بازو پر دھیرے سے ہاتھ رکھ کر بڑی ندامت سے کہا تھا۔

....

ساری رات کروٹیں بدلتے گزر گئی تھی۔ عالم تاب نے از خود خود سے اس سے کچھ پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ ہو جاتی ہے بعض اوقات میاں بیوی میں بدمزگی۔ نہ انہوں نے کچھ پوچھا نہ اس نے کچھ بتایا۔ وہ نماز کے لیے اُٹھیں تو وہ بھی اُٹھ گئی تھی۔ ماما چائے لے کر آئی تو دونوں نے بہت خاموشی سے ایک دوسرے کے مقابل بیٹھ کر چائے پی۔ عالم تاب نظر بچا کر اس کے چہرے کا جائزہ تو لے رہی تھیں مگر کچھ پوچھنے کی جیسے ہمت نہیں تھی۔ پرسوں سے دونوں بیک وقت حویلی میں تھے تو حویلی میں کچھ پیش آ جانے کے خوف سے ہر فرد اندر سے سہا ہوا تھا مگر تیمور کے چلنے جانے کے بعد کیا ہوا اُن کی موجودگی میں تو کچھ نہیں ہوا۔ پھر ان کے جانے کے بعد کیا ہوا؟ یہ جاننے کی خواہش پیدا ہونا فطری امر تھا۔ مگر جاننے کے لیے سوال کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

اس نے بھی انہیں زیادہ دیر امتحان میں مبتلا نہیں رکھا اور ادھر اُدھر کی معمول کی بات چیت کر کے روشی کے کمرے کی طرف آ گئی۔ دروازہ لاک تھا۔ اس نے کئی بار دستک دی' تب جا کر کھلا۔ بڑی گہری نیند تھی۔ ساری رات کی کشمکش کے بعد صبح ور کے تڑکے تو آنکھ لگی تھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہی ماہین نے آ کر اُٹھا دیا تھا اور یہ اتنا غیر معمولی تھا کہ خوف سے اس کا دل بیٹھ گیا تھا۔ بلکہ رات اس حیرانی میں کٹی تھی کہ خالہ ابھی تک کیوں نہیں آئیں یا اسے بلوایا کیوں نہیں؟

ایسا تو ممکن ہی نہیں کہ پپا کے کمرے میں قیامت برپا ہو اور خالہ کو خبر نہ ہو۔ اس نے بغیر کچھ کہے ایک طرف کو ہٹ کر ماہین کو اندر آنے کا راستہ دیا۔ وہ اندر آ گئی تو دروازہ دوبارہ لاک کر دیا اور وہیں کھڑے کھڑے ماہین کا چہرا دیکھنے لگی جو اس کے بستر پر پاؤں اٹھا کر بیٹھ گئی تھی۔

"کیوں کھڑی ہو۔ ادھر آ کر میرے پاس بیٹھو۔" ماہین نے اسے مخاطب کیا۔

وہ چپ چاپ اس کے مقابل بیٹھ گئی۔

"اتنا سب کچھ کر کے بیٹھی ہوئی ہو اور مجھے پتا تک نہیں۔ میرے لیے کتنی مشکلات کھڑی کر دی ہیں مجھ پر اعتماد نہیں تھا؟ جب دل کی بات پہنچاتی تھی مجھ تک خاموشی کی زبان ہی سے سہی تو اتنا سب کچھ بھی بتا دیا ہوتا۔ تو یہ نئی مشکلیں ایٹ اے ٹائم میرے اور تمہارے لیے کھڑی نہ ہوتیں۔ بلکہ اب تک تو بہت سارے حل بھی نکل چکے ہوتے۔"

ماہین ناراضگی سے کہہ رہی تھی۔

"وہ شخص تو ازلی بدگمان ہے، کیسے یقین دلاؤں گی، کیسے سنبھالوں گی یہ سب۔ یہ کونفیڈنس نہیں پرلے درجے کی حماقت ہے۔ کیا ضرورت تھی اس طرح سے کرنے کی۔ ادھر تو پہلے ہی گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا۔"

ماہین شدید ناراضگی کا اظہار کر رہی تھی۔ اور روشی بس ہاتھ مسلتے ہوئے سنے جا رہی تھی۔

"خالہ! میں اس لیے باہر نہیں نکلی تھی۔ بلیو می۔" بالآخر اس نے لب کشائی کی۔

"اتنی بڑی بات بغیر سوچے سمجھے، پروگرام بنائے بغیر کیسے ہو سکتی ہے؟ اب اتنا پاگل بھی نہیں بناؤ۔" ماہین نے ناراضگی سے کہا۔

"خالہ! آپ کاکا جان سے ساری بات پوچھ لیں۔ ان کا تو اعتبار کریں گی ناں آپ۔" اسے معقول جملہ سوجھ گیا جس سے مزاج میں تبدیلی متوقع تھی۔

"ان کا کیا ذکر۔" ماہین نے تفصیل جاننے کے شوق میں انجان بننا پسند کیا۔ باری کے اختصار میں ساری تفصیل وہ اخذ کر چکی تھی۔

"ان ہی کی وجہ سے تو یہ ناممکن سا کام انجام کو پہنچا ہے۔" اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"مگر ان تک تمہارے دل کی بات پہنچی کیسے؟" ماہین کی حیرانی بجا تھی۔

"پتا نہیں۔ وہ تو خود ہی سمجھ گئے تھے۔" اس نے قدرے جھینپے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"سبحان اللہ۔ بڑے ولی اللہ ہو گئے ہیں تمہارے کاکا جان۔" اس بے سر و پا جواب پر ماہین نے جل کر کہا تھا۔

اب روشی سے ماہین کا یہ انداز مزید برداشت نہیں ہو سکا۔ وہ ماہین کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"خالہ! اتنے اجنبیوں کی بھیڑ میں آپ تو ایسے نہ کریں۔ مجھے تو کاکا جان نے منع کیا تھا کہ ہم کسی سے اس واقعے کا ذکر نہ کریں، وہ خود ماحول حق میں کر کے یہ سب کچھ ہینڈل کریں گے۔ مجھے بھی تاکید کی تھی اور باری کو بھی۔ آپ میری بات کا یقین کیوں نہیں کر رہی ہیں؟" وہ بری طرح رو رہی تھی۔

"کیسے کروں۔ کوئی سر پیر ہے بھلا۔ کاکا جان کو الہام ہوا تھا کہ تم باری میں انٹرسٹڈ ہو؟" ماہین کی سوئی ہنوز ایک جگہ اٹکی ہوئی تھی۔

"صحیح طریقے سے بتاؤ مجھے۔ دماغ نہیں گھماؤ۔" اس کے اس بری طرح رونے سے ماہین پسیج سی گئی تھی۔

"کیا بتاؤں۔ کوئی بات ہو تو بتاؤں؟" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"روشی! یہ نہیں کرو میرے ساتھ۔ تمہیں پتا ہے میں آل ریڈی کتنے عذابوں سے گزر رہی ہوں۔ کس دلدل میں دھنسی ہوئی ہوں۔ کسی لمحے میں میری شادی ختم ہو سکتی ہے۔ تمہارے پپا کو ایک پل میں اجنبی بن جانے کا ہنر آتا ہے۔ اب یہ پرابلم۔ اب تو کوئی کسر ہی نہیں رہ گئی۔"

روشی نے چونک کر اس کے شانے سے سر اٹھایا اور دم بخود سی اس کی صورت دیکھنے لگی۔

"خالہ! آپ نے کیا کیا ہے؟ پپا آپ کے ساتھ اس قدر زیادتی نہیں کر سکتے۔ ان کو تو تھینک فل ہونا چاہیے کہ انہیں اتنا اچھا پارٹنر ملا ہے۔ آپ کی وجہ سے وہ کتنے مکمل لگنے لگے ہیں۔ اب کیا کمی ہے ان کے پاس بچے بھی ہیں۔ پارٹنر بھی ہے۔ اسٹیٹس بھی ہے۔ کیا ہوا ہے انہیں۔؟"

وہ خود پر پڑی بھول گئی۔ جذب سے اس کا چہرا تمتمانے لگا تھا۔ ماہین کو بھی اس پر بے ساختہ پیار آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"میری جان۔ بے خبری بھی بڑی نعمت ہے۔ نہ زیادہ کی کھوج کرنا کہ پھر کھائی کا سفر پڑتا ہے۔ اتنی بہادری دکھانے سے پہلے یا فوراً بعد ہی مجھے بتا دیتیں تو شاید کوئی آسانی کی راہ نکل آتی۔ کچھ طے کر کے چلتے تو منزل آسان ہو جاتی۔"

"مگر جو انکشاف اچانک ہوا ہے۔ یہ ڈھول آندھی کی طرح ہے کہ کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔ بیک وقت کتنے لوگ ٹینشن میں آ گئے ہیں۔" ماہین نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"زبردستی اور بلاوجہ کی ٹینشن ہے خالہ۔ نکاح ہوا ہے کاکا جان کی موجودگی میں۔ کورٹ میرج تو نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی اس طرح کے ارادے سے حویلی سے چھوٹی حویلی گئی تھی۔ کاکا جان کا بھی تو وہی خاندان ہے۔ وہی خون ہے جو میرا اور پپا کا ہے۔ انہیں تو کوئی اعتراض نہیں۔ اس کا صاف مطلب تو یہ ہے کہ پپا صرف ضد میں میری اور کاکا جان کی مخالفت کرتے ہیں لوجیکل نہیں۔ یہ تو قطعی اونیسٹی نہیں ہے۔ بہت بڑی زیادتی ہے۔ اگر وہ کم تر ہے تو اس کے برابر گاڑی میں۔ ڈائننگ میں کیوں بیٹھتے ہیں۔ اسے بیڈروم کیوں دیا ہوا ہے، کوٹھڑی کیوں نہیں دی۔ اسے اعلا تعلیم کیوں دلوائی جا رہی ہے؟"

وہ ناراض انداز میں تواتر سے بول رہی تھی۔

"ٹھیک ہے مگر نکاح تمہارے پپا اور بابا صاحب کی رضامندی کے ساتھ بھی تو ہو سکتا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ تھوڑی محنت کرنا پڑتی انہیں قائل کرنے کے لیے۔"

"نہیں ہو سکتا تھا قیامت تک۔ اس کا اندازہ کاکا جان کو بھی ہو گا، تب ہی تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا۔ میرے اصل گارجین بس وہی ہیں جنہوں نے میری فیلنگ کو سمجھا اور بڑی ہمت اور حوصلے کے ساتھ ایک پروپر کام کیا۔ جو رات کی تاریکی میں نہیں ہوا تھا، دن کی روشنی میں ہوا تھا۔ پپا تو میرے فادر محسوس ہی نہیں ہوتے۔ وہ صرف قانونی کاغذات اور شناختی کارڈ میں میرے والد محترم ہیں۔ وہ اتنی بے رحمی سے فیصلے سناتے ہیں کہ لگتا ہے الٹی چھری سے ذبح کر رہے ہوں۔"

اس نے تیزی سے ماہین کی بات کاٹ کر بہت تلخ انداز میں کہا تھا۔

''باپ ہونے کے ناتے وہ بہت سے حقوق محفوظ رکھتے ہیں۔ وہ کبھی تمہارا بُرا تو نہیں چاہیں گے۔ پہلے ان کے سامنے یہ سب کچھ مشورے کے لیے پیش تو کیا جاتا' تب کہیں جا کر اس اقدام کا جواز بنتا تھا۔''

ماہین نے پھر اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔

''اگر ایسا ہوتا تو وہ محض ضد میں خیر آباد کے کسی مزارع سے مجھے بیاہ دیتے۔ کاکا جان بھی تو انہیں جانتے ہیں' آخر ان کے سگے بھائی ہیں۔ کاکا جان جیسے آدمی سے ان کی ناراضگی صرف یہی یقین دلاتی ہے کہ اس میں بھی قصور پپا کا ہوگا۔ انہی کی زیادتی ہوگی۔'' اس نے گویا فیصلہ سُنا دیا۔

حیرت سے ماہین کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اتنا تیز وجدان ہے اس کا۔ حقیقت کو کھوجے جانے بغیر اس نے کیسا نشانے پر تیر چلایا تھا۔

''روشی۔! جس طرح یہ سب ہوا ہے' اس طرح نہیں ہونا چاہیے تھا۔ تم نے اگر یہ سب کر ہی لیا تھا تو کم از کم مجھے تو مطلع کر دیتیں۔ میں اپنے طور پر کچھ تو کرتی' مجھے تو پہلے ہی بہت کام پڑے ہوئے تھے۔ بہت گڑبڑ کر دی ہے تم نے' جیت کر بھی ہار سکتی ہو۔ یاور صاحب اتنی آسانی سے شکست تسلیم نہیں کریں گے۔''

ماہین زچ ہو کر کہہ رہی تھی۔

''پپا اب کچھ نہیں کر سکتے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اگر وہ چاہیں تو سچویشن سنبھال سکتے ہیں۔'' اس بار اس کے لہجے میں بہت سکون تھا۔

وہ سچویشن کیوں سنبھالیں گے۔ اب تو مزہ چکھانے کا موقع ملا ہے انہیں۔'' ماہین نے تلخی سے مسکرا کر کہا۔

''آپ فکر نہ کریں۔ میں کلیئر کر دوں گی کہ اس تمام قصے میں آپ کی کوئی انوالومنٹ نہیں ہے۔ وہ آپ کو ہماری وجہ سے پریشان نہ کریں۔'' اس نے ماہین کی ٹھوڑی چھو کر کہا۔

''تم کہو گی اور جیسے وہ یقین کر لیں گے۔ حیرت ہے' تم انہیں نہیں سمجھ پائیں ابھی تک۔'' وہ افسردہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''وہ تو خود بخود ظاہر ہو جائے گا۔ ظاہر ہے' اب معاملہ بابا صاحب کے سامنے پیش ہوگا۔ اور تمام تفصیلات سامنے آئیں گی۔'' روشی نے اطمینان سے کہا تھا۔

''یہ تو خیر جانتے ہوں گے وہ کہ میں اس معاملے میں شریک نہیں تھی۔ مگر یہ خیال ان کے دل سے کیسے نکالا جائے گا کہ نکاح کے بعد تم نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہوگا۔ اور میں نے خاموش رہ کر تمہیں سپورٹ کیا ہے۔ ناراضگی کا سبب تو یہی ہے ناں۔'' ماہین نے جیسے تنگ آ کر کہا۔

''کچھ نہیں ہوگا۔ بلکہ اب آپ نے مجھے سپورٹ کرنا ہے۔ پپا جو چاہ رہے ہیں۔ وہ میں نہیں کروں گی۔'' اس نے قطعی انداز میں جواب دیا تھا۔

''مگر باری پر پریشرائز ہو سکتا ہے۔'' ماہین بیڈ سے اُترتے ہوئے بولی۔

''وہ ایسا نہیں کرے گا۔ اگر وہ ایسا کرنے کی نیت ظاہر کرے گا تو میں خود ہمیشہ کے لیے اس سے الگ ہو جاؤں گی۔

چونکہ پھر یہ وہ باری نہیں ہوگا جس کے لیے میں نے اتنا بڑا اقدام اٹھایا تھا۔ اس کی ثابت قدمی اور کردار کی پختگی ہی تو اس کی وہ خصوصیت ہے جس کی خاطر اتنا بہادر بنا جا سکتا ہے۔ اگر وہ اس طرح کا ثابت نہیں ہوتا تو پھر اس میں اور فیضو تانگے والے میں فرق کیا رہ جاتا ہے۔ پھر میں اپنی غلطی تسلیم کر لوں گی اور سب سے معافی مانگ لوں گی۔ اور ساری زندگی غلط انتخاب کے پچھتاوے کے ساتھ گزار لوں گی۔''

اس کے لہجے میں پختگی تھی' ماہین اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''کسی کے ثابت ہونے کا یقین نہ ہو تو اتنا بڑا رسک نہیں لینا چاہیے۔ مگر کیا کریں۔ تمہارے پپا تو ہر طرح سے ثابت ہوتے نظر آ رہے تھے' پھر بھی یہ شادی خطرے سے دوچار ہے۔ اب یہ قسمت ہی تو ہے۔ بہر حال ابھی کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اب تو بس یہ ہے کہ ممکن حد تک لوگوں کو ریزہ ریزہ ہونے سے بچانا ہے۔ اب تو ہر مرحلے پر تمہارے کاکا جان کی انوالومنٹ ضروری ہو گئی ہے۔ پھر باری کو بھی ٹٹولنا ہے کہ وہ کس حد تک جرأت مند ہے۔ خیر۔ تم فکر نہ کرو۔ حل بھی انہی کرائسس میں ہوگا۔'' وہ سوچنے کے انداز میں ہم کلام تھی۔

....

وہ خواب گاہ میں داخل ہوئی تو تیمور علی خان کو آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ٹائی باندھتے ہوئے پایا۔

وہ پرنٹڈ تھری پیس شلوار سوٹ میں ملبوس بہت نکھری نکھری نظر آ رہی تھی۔

''یہ لیجیے۔ آپ تو کہیں جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ نے تو کہا تھا کہ صبح کو بڑی حویلی میں پیش آنے والے ''خوشگوار'' واقعات بتائیں گے۔'' نازنین نے تعجب سے ان کی طرف دیکھا۔

''بتائیں گے۔ صرف تھوڑی دیر کے لیے جا رہے ہیں۔ پولیس اسٹیشن تک۔'' انہوں نے ٹائی درست کرتے ہوئے عجلت بھرے انداز میں کہا۔

''اب مجھ سے صبر نہیں ہوگا۔ آپ مجھے ابھی بتائیے۔ آپ کو کیا پتا کہ صبح کے انتظار میں رات کیسے کٹی ہے۔''

وہ ان کی پشت کی طرف جا کھڑی ہوئی' اور انہیں آئینے میں دیکھتے ہوئے مخاطب تھی۔

''روشی آپ کو کیسی محسوس ہوئی۔ خوش یا اُداس؟'' وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''فی الحال تو خوش ہی ہوگی۔ ماہین کی موجودگی میں وہ خوش ہی نظر آتی ہے۔''

''ہاں...... ماہین کے متعلق آپ نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ کاش مجھے اندازہ ہوتا کہ یہ سب بھی ممکن ہو سکتا ہے تو میں صرف اسے بچانے کے لیے بڑی حویلی میں پہنچ جاتی دوبارہ زندہ ہو کر۔ میرے تو...... وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ وہ اس قدر ایج ڈفرنس ہونے کے باوجود اس پتھر کے ساتھ شادی کرنا پسند کرے گی۔ یہی خیال تھا' بھانجے' بھانجی سے مل کر واپس چلی جائے گی' اور پھر اپنی رنگوں بھری زندگی میں واپس پلٹ جائے گی۔''

''خون ایک ہو تو ضروری نہیں کہ قسمت بھی ایک ہو۔ اس کا بھی اتنا قصور نہیں' جتنا قصور بابا صاحب' بھائی میاں اور بھابی بیگم کا ہے۔ ان سب کو مزاحمت کرنا چاہیے تھی۔ کیا ہمیشہ اس شخص کے ہی دل کی ہوگی۔؟ اور صرف اسی شخص کے ہاتھوں لوگ

برباد ہوتے رہیں گے۔" اس کی آواز بولتے بولتے بھرّانے لگی۔

تیمور علی خان نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

"اب ان سب باتوں کا فائدہ۔ نئی بات تو یہ ہے کہ وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"مم۔ مجھ سے۔؟" وہ مارے حیرت کے دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"آپ سب کچھ بتا چکے ہیں اسے۔ یہ آپ نے کیا کیا؟ ساری ریاضتیں ہی مٹی میں ملا دیں۔ یہی سب کچھ کرنا تھا تو وہ سب کیوں کیا تھا؟ تھک گئے، یا انتقام کا جوش چڑھا ہے؟ اب تو وہ جوان ہیں۔ اب تو انہیں ماں کی نہیں لائف پارٹنر کی ضرورت تھی۔ مگر تیمور علی خان میں تماشا نہیں بنوں گی۔ یوں بھی زندگی مجھ ناراض ہو رہی ہے۔ بہت مایوسی ہوگی سب کو۔ یہ آپ نے کیا کر دیا۔؟"

وہ نڈھال سے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا تھا۔

تیمور علی خان نے دوسری کرسی کھینچی مگر اس کے مقابل کی اور بیٹھ گئے۔ ان کی سیاہ جادو اثر آنکھیں نازنین کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"یا تو کسی کو سمجھنے کا دعوا نہیں کرتے اور جب دعوا کر لیتے ہیں تو گنجائش رکھ کر بات کرتے ہیں۔ ہم بھلا اُن سے اتنے قریب کس حساب میں ہوں گے؟ اور کیوں اپنی اُلجھی ہوئی زندگی میں مزید پریشانیاں مول لیں گے۔"

وہ اپنی بھاری اور جذب ہونے ولی آواز میں اس سے دھیرے دھیرے مخاطب تھے، نازنین نے اُلجھ کر ان کی سمت دیکھا۔

"آپ ہی کی طرح ہمیں بھی یہ سوال پریشان کر رہا ہے کہ ان کے سامنے حقائق سے پردہ کس نے اُٹھایا ہے؟۔ کسی پرانے ملازم کی تو یہ جرأت نہیں ہو سکتی؟ حویلی کے ذمہ دار افراد یہ حرکت نہیں کر سکتے۔" وہ سوچتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

نازنین کو فوراً ہی اعتبار آ گیا تھا۔

"آئی۔ ایم۔ سوری تیمور علی خان!...... پھر کس نے کی یہ حرکت؟

اگر "وہ" زندہ ہوتی تو میں سمجھتی یہ نیا شر و فساد پھر اس کی طرف سے آیا ہے کہ اس کا خمیر ہی شر سے بنا تھا۔" اس کی رگ رگ میں آگ اُترنے لگی۔

تیمور علی خان چونک پڑے۔ (مائی گڈنیس۔۔ے بی پاسیبل)

ظاہر ہے یاور علی خان تو یہ سب کچھ نہیں کر سکتے۔ اس سارے واقعے میں سب سے زیادہ قصوروار وہی تھے۔ وہ اپنا یہ پہلو کس طرح ماہین کے سامنے پیش کر سکتے ہیں؟ اس میں تو سراسر نقصان ان کا ہوتا نظر آتا ہے (ڈیٹس پوائنٹ) انہوں نے شکریہ کی ایک نگاہ نازنین کے چہرے پر ڈالی۔ ایک اُلجھن سے بیٹھے بیٹھے نجات ملی تھی۔ ہو سکتا ہے، وہ زنجیر چھنکاتی رات کے اندھیرے میں پھر باہر آ گئی ہو، تازہ ہوا میں سانس لینے اور ماہین اتفاق سے اسے مل بیٹھی ہو۔

"اچھا! آپ اسے ایک طرف ہٹائیں اور ہماری بات غور سے سُنیں۔" انہوں نے سمجھانے کے انداز میں مخاطب کہا۔

"آپ کی بات ہمیشہ ہی غور سے سُنتے ہیں۔ مگر آپ اس سے ملنے کے لیے نہیں کہیے گا۔ اُس رات اس کی آواز نے جو اذیت پہنچائی، وہ میں آپ کو کیسے بتاؤں۔ مجھے رشتے کہاں راس ہیں تیمور! صرف سترہ سال کی عمر میں آپ کی حویلی میں آ گئی تھی۔ ماں باپ سے جُدا ہو کر۔ باپ سفر میں رہتا تھا، پہلے ملک کے اندر پھر ملک سے باہر میں مری کا نونٹ میں ماں سے دور۔ پھر شادی ہوئی اور جو کچھ ہوا آپ کے سامنے ہے۔ زندگی کی ڈور آپ سے بندھی تو میں نے ڈھیلی کر کے آپ کو زبردستی فاصلے پر بھیج دیا لیزا کے پاس۔ کہ میں نے تو صرف اس شخص کو اذیت پہنچانے کے لیے آپ سے کاغذی رشتہ استوار کیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اذیت مجھ پر دوہری پڑ گئی۔ اِدھر تو کوئی فرق نہیں پڑا۔ بلکہ اس شخص نے تو مجھ سے نئے انداز میں نئے سرے سے انتقام لیا۔

پھر لیزا کی نادانی کے سبب آپ عرصے بعد پلٹ کر آئے۔ ضوفی گود میں آئی۔ تو زندگی کی خفگی کی خبر مل گئی۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

تیمور علی خان سر جھکائے سُن رہے تھے۔

"آپ نے ہمیشہ اپنے فیصلے کو درست سمجھا ہے جو سوچا وہی کیا ہے، مگر اب آپ کو ہماری بات سُننا ہو گی۔ کیا اب بھی تھوڑی سا حق نہیں بنتا آپ پر۔ تیمور علی کا انداز دوٹوک تھا۔

"آپ ان سے مل لیں، مسائل شیئر کرنے کے لیے نہیں صرف اس لیے کہ وہ آپ کی حقیقی بہن ہیں، وہ محرم راز ہو ہی گئی ہیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ شاید ہی کسی نے خود سے اس قدر شدید انتقام لیا ہو۔ ہماری پارٹنرشپ میں تو آپ کے جذبات سرد ہی ہوئے ہوں گے۔ تھوڑی سی حرارت اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے آپ ان سے مل لیں۔ پلیز۔"

"چلیں فرض کریں میں کر چکی ملاقات پھر اس کے بعد بلاوجہ کا ٹینشن جو دوسروں کو ہو گا۔ سب سے زیادہ پرابلم تو خود ماہین کے ساتھ ہو سکتی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے۔ وہ شخص بہت مہارت کے ساتھ اسے بے وقوف بنا رہا ہو، اور وہ ان کے ساتھ خوش گمانیاں ہو۔"

"نہیں ہیں وہ خوش۔ وہ بس آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ بہن کی حیثیت سے۔ آپ کے اندر اس طرح کی خواہش نہیں اُبھرتی؟ حیرت ہے۔"

تیمور علی خان نے قدرے تاسف سے کہا اور اُٹھ کر بالوں میں برش چلانے لگے۔

"آپ کے اندر اُبھرتی ہے؟" نازنین کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔

"ہمارے اور آپ کے کیس میں بہت فرق ہے۔" اس لیے ہماری آپ کی فیلنگ یکساں نہیں ہو سکتیں، ہمارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ انہوں نے آپ کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ اور ہم آپ کو کنوینس اس لیے کر رہے ہیں کہ اگر آپ ان سے ملنا بھی نہیں چاہیں گی، وہ تب بھی آپ سے ملیں گی۔ وہ صرف ہمارے جواب کا انتظار کر رہی ہیں، اگر انہیں ہمارا جواب ملنے میں تاخیر ہوئی تو وہ کسی بھی وقت یہاں پہنچ یہاں گی۔"

"اسے سمجھایا ہوتا۔ مُردوں پر تو فاتحہ پڑھتے ہیں، ان سے ملنے پر اصرار نہیں کرتے۔" اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب

گئی۔

''میری بچی باہر باغ میں ٹہل رہی تھی۔ اور میں اسے دیکھ رہی تھی۔ تیمور! میں..... ضبط کے اُن راستوں سے گزر آئی ہوں؛ جن کے پیش آنے کے خوف سے لوگ اقدامِ خودکشی کرنے کا سوچنے لگتے ہیں۔ مجھے خود پر جبر کرنے میں مہارت ہوگئی ہے۔' آپ یہ سب ماہین کو سمجھا دیجئے' کیونکہ وہ صرف ملاقات کرنے نہیں آئے گی۔ بلکہ بہت سی تبدیلیوں کے منصوبے ساتھ لائے گی۔ ابھی اس نے دنیا آنکھیں کھول کر دیکھی نہیں ہے' اس لیے اس بڑی خوش گمانیاں ہوں گی۔ اسے کہیے وہ بس اپنی زندگی نبا ہے۔ جو فیصلہ کر کے حویلی میں داخل ہوئی ہے' اس فیصلے کی آبرو سنبھالے۔ روشی کا خیال رکھے اور بس۔ اور یہ کہ روشی کا باپ اس کی خوشیوں میں حائل ہو تو اسے اس کے حق میں قائل کرے وہ کم عمر بیاہتا ہے تھوڑی سی کوشش سے اپنی بات منوا سکتی ہے سُن رہے ہیں ناں آپ۔ اسے مایوس کر دیجئے گا' یوں بھی ہم تو اب گئے کہ تب گئے۔''

اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

''انسان اپنے گھر میں پالتو جانور رکھتا ہے تو ان سے محبت کرنے لگتا ہے۔ بیمار ہوتے ہیں تو ان کا علاج کرتا ہے۔ ان سے اٹیچ منٹ محسوس کرتا ہے' ایک حسین خاتون جو ہمارے گھر میں عرصے سے ہے' وہ جس رشتے میں بندھ کر بڑی حویلی میں آئی تھی' وہ رشتہ تو ہمارے اور اس کے درمیان گنتی کے چند سالوں پر کنسسٹ کرتا ہے۔ اور جو دوسرا رشتہ ہے' وہ تو بڑی طویل رفاقت کا سلسلہ ہے۔ اصل رفاقت تو مینٹل بیس پر ہوتی ہے۔ اس میں ڈسٹینس ڈسکس نہیں ہوتا۔ ہم اپنے نقصان بھول کر زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کیوں بار بار یاد دلاتی ہیں۔ اللہ سے رحم مانگتے رہتے ہیں۔ کیا آپ سے بھی اس قسم کی ریکویسٹ کیا کریں۔ فارگاڈ سیک۔''

گزرے ہوئے بیس سالوں میں ایک مرتبہ بھی انہوں نے نام لے کر مخاطب نہیں کیا تھا۔ اس طرح سے ہمکلام ہوئے تھے۔ کہ نام استعمال کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

''ڈرائیور بہت دیر سے ہمارا ویٹ کر رہا ہے۔ ہم ایک ڈیڑھ گھنٹے میں واپس آتے ہیں۔ پھر آرام سے بات کریں گے۔ اوکے۔'' وہ ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈال کر باہر نکل گئے۔

....

''اچھا۔ تو باقاعدہ مالی بھی بن گئے ہو۔ ماشاءاللہ۔''

وہ جھومر کی آواز پر بُری طرح چونک پڑا تھا۔ اور مُڑ کر پیچھے دیکھا تھا۔

''پودوں' درختوں سے دوستی رکھنا چاہیے۔ قدر دان ہوتے ہیں۔ اچھا سلوک کرنے پر دعا دیتے ہیں۔''

''بھئی تمہیں تو گھوڑے بھی بہت دعائیں دیتے ہوں گے۔ تمہیں دعاؤں کی بھلا کیا کمی۔'' وہ کھلکھلائی۔

''آپ صبح صبح تشریف لے آئیں' اس کا مطلب ہے۔ منہ اندھیرے گاڑی میں بیٹھی ہوں گی۔ بڑی جلدی واپسی ہوگئی؟'' باری نے پائپ سنبھالتے ہوئے پوزیشن بدلی۔

''حویلیوں میں رہنے کی عادت ہو جائے تو چھوٹے گھروں میں دل نہیں لگتا' اور ہمیں تو بڑے اصرار اور منت سے حویلی

والوں نے قبول کیا ہے۔'' وہ پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''اس میں کیا شک ہے۔'' باری بھی مسکرا دیا۔

''اور سُنائیے صاحب۔ سُنا ہے کل بڑی خوشی کی تقریب ہوئی۔ یہ تو یہاں آ کر معلوم ہوا۔ خیر۔ ویسے بھی یہاں خوشیوں کا قحط ہے۔ حویلی والوں کا ذائقہ بھی بدلا ہوگا۔ وہ تو ہمیں ماہین بی بی کی شرم ہے ورنہ مزے لینے کے دن تو اب آئے تھے۔''

باری نے اُلجھ کر اس کی سمت دیکھا۔

''خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ کیسی گزر رہی ہے' آپ کی روشی بی بی کے کیا حال ہیں؟'' وہ چھیڑنے کے انداز میں مسکرائی۔

''صرف روشی بی بی کے۔؟'' وہ بھی انجان بن کر مسکرا دیا۔

''ان سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے بھابی میرا حال' مجھ سے ڈائریکٹ پوچھ لیا ہوتا۔''

روشی کی آواز بہت قریب سے سُنائی دی' دونوں چونک پڑے۔ اس نے اوپر بالکنی سے دونوں کو باتیں کرتے دیکھا تو بے اختیار نیچے چلی آئی تھی۔

باری نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔ ملگجے کپڑے' سُتا سُتا چہرا جو اس کی شب بیداری کی چغلی کھا رہا تھا۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

"چلو تم ہی سے پوچھ لیتے ہیں تمہارا دل۔ سناؤ کیسی گزر رہی ہے۔ شکر ہے حویلی میں بھی خوشگوار تبدیلیاں شروع ہوئیں۔ لگتا ہے تمہاری روانگی بھی شروع ہونے والی ہے۔ وہ اپنی اماں کے اکلوتے نعیم صاحب۔ کیا خیر خبر ہے وہاں کی؟"

اس نے گہری نگاہ روشی کے چہرے پر دوڑائی۔ باری پائپ گھسیٹتا دُور چلا گیا۔

"لگتا ہے باری کو یہ موضوع پسند نہیں۔ حصہ لینے کا ارادہ نہیں۔" جھومر پھر کھلکھلائی تھی۔ "بے چارا باری اور کر بھی کیا سکتا ہے۔ تم نے وہ بیل تو دیکھا ہی ہوگا۔ جس کی آنکھوں پر چمڑے کے "ڈھکن" لگے ہوتے ہیں؟" جھومر کا انداز بے باک اور جارحانہ تھا۔

"مگر یہ باری ہے بیل نہیں ہے۔" روشی نے تنتنا کر جواب دیا۔

"مگر مجھے تو کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہوتا۔" جھومر نے ہنس کر مزید دُور ہوتے ہوئے باری کو دیکھا۔

روشی کا چہرہ جذب سے تپنے لگا۔ جھومر کی حسین صورت سے اسے وحشت ہونے لگی۔

"اس نے آپ کا کیا بگاڑا ہے بھابی! جو آپ اتنی انسلٹ کر رہی ہیں؟" وہ کہے بنا رہ نہ سکی۔

"ہائے یہ تو وہ ہیں کہ بگاڑیں تو اگلے سنور جائیں۔" جھومر نے ایک آہ سرد کھینچی۔ روشی کا ضبط جواب دینے لگا۔

"یہ تو بہت ہی گری ہوئی بات ہے بھابی۔ آپ کو اپنے مقام کا تو خیال کرنا چاہیے۔"

"بالکل۔ بڑا اونچا مقام ہے میرا حویلی میں۔ پچھواڑے ایک پُرشکوہ بیڈ روم۔ بہت سارے قیمتی ڈیکوریشن پیس اور انہی میں سے ایک میں۔ تم لوگ مقام دو گے؟ مقام تو اپنا میں خود بناؤں گی۔ بلکہ چھین کر حاصل کروں گی۔ ایسے ہی تو خوش نہیں رہتی۔ اپنے حصے کی خوشی اسی حویلی میں رہ کر چھینوں گی۔ نہ ناچ نچایا بڑی بیگ والوں کو تو نام بدل دینا۔ مجھے تو باری پر حیرت ہے۔ عجیب جوان کا بچہ ہے کولہو کا بیل بنا ہے۔ جوانی ٹھکانے لگانا ہے تو کشمیر چلا جائے۔ مجاہد بن جائے۔ شیر کی سی طاقت سے کوئی تو فائدہ اُٹھائے۔" جھومر تلخی سے بولی۔

"آپ دے دیجیے ناں اسے مشورہ۔" روشی کی رگ رگ میں محشر برپا تھا۔

اسی دم سرسوتی ان کی سمت چلی آئی۔

"تساں نوں بڑی بیگم بلاساں۔" وہ جھومر سے مخاطب ہوئی۔

"یقیناً بھری بیٹھی ہوں گی بڑی بی۔ مگر مجھے سب پر ترس آتا ہے۔ ڈر نہیں لگتا۔" وہ ہنستی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

روشی تیز تیز چلتی باری کے قریب پہنچی۔

"تم اندر نہیں جا سکتے تھے۔ تم پانی نہیں دو گے پودوں کو تو انہیں پانی نہیں ملے گا؟ کیوں اتنا پوز کرتے ہو کہ حویلی تمہارے کندھوں پر کھڑی ہے؟" وہ بُری طرح برس پڑی۔

"کس حساب میں آپ میرے کان اینٹھ رہی ہیں۔ ابھی میرا اور آپ کا تعلق متنازعہ ہے۔ مجھ سے پرہیز کریں۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ نگاہ بدستور پودوں پر تھی۔

"وہ تو شروع ہی سے متنازعہ ہے۔ نئی بات کیا ہے؟" وہ جل کر بولی۔

"کم از کم ایک بات پر تو اتفاق ہوا تھا ناں۔ سرائے میں چار گواہ موجود ہیں۔" وہ شرارت سے کہہ رہا تھا۔

روشی ایک ثانیے کو لاجواب سی ہو کر چُپ ہو گئی۔

"خدارا آپ اندر جائیے۔ کسی کی نگاہ پڑ گئی تو آج ہی سُوٹ فائل کر دیں گے یاد رکھنا ناں۔ اور آپ سے بڑی آسانی سے اقرار کروالیں گے عدالت میں کہ یہ نکاح جبری ہے۔"

"ہونہہ کہلوا ہی نہ لیں کہیں۔" وہ ناک سکوڑ کر نخوت بھرے انداز میں بولی۔

"اور جو کہلوا لیا؟" وہ مسکرا رہا تھا۔

"نہ وہ کہوں گی جو وہ کہلوائیں گے اور نہ وہ کہوں گی جو تم کہو گے۔"

"مگر اس طرح کے کیس میں تیسرا راستہ تو پڑتا ہی نہیں۔" وہ درحقیقت حیران ہوا۔

"پڑتا ہے۔ مگر میں تمہیں کیوں بتلاؤں۔ تا کہ وکیل صاحب پہلے سے تیاری کر لیں؟"

"ابھی وکیل صاحب کہاں۔ ایڈووکیٹ اپنے نام کے ساتھ اس دن لگائیں گے جب حویلی والوں سے آپ کو جیتیں گے۔ ورنہ تو ڈگری اور پریکٹس لائسنس دونوں کو آگ لگا دیں گے۔"

اس نے پائپ ایک کیاری میں چھوڑ دیا اور اس کی سمت دیکھ کر بہت دل آویز انداز میں مسکرایا جو گم صم ہی کھڑی تھی جیسے

اپنے کانوں پر اعتبار نہ آ رہا ہو۔

"جو کسی کی جستجو میں ہوتے ہیں' ان کے سکون میں بھی بے قراری ہوتی ہے۔ جو کہہ رہے ہو' وہ محسوس نہیں ہوتے۔ کچھ نہ کہو مگر محسوس تو ہو۔ میں تو آج تک جو محسوس کرتی رہی ہوں وہی بعد میں سچ بھی نکلا ہے۔ مثلاً میں سمجھتی تھی کہ میں خواہ مخواہ پپا سے بدگمان رہی ہوں۔ ان کے بارے میں میرے احساسات غلط ہیں' وہ سخت دل نہیں ہیں شاید مجھے لگتے ہیں مگر اب تو ثابت ہو رہا ہے کہ وہ وہی ہیں جو میں محسوس کرتی تھی۔"

"ذہن پر بہت زیادہ دباؤ ہو تو انسان وہم کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی Will ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے ہاں شک کی پوٹینسی وہی ہوتی ہے جو صحیح ذہن رکھنے والے پُرسکون انسان کے "یقین" کی ہوتی ہے اس طرح کے ذہنی امراض میں مبتلا ہونے والے بعض اوقات اتنے آوٹ آف کنٹرول ہو جاتے ہیں کہ پیغمبری کے دعوے کر بیٹھتے ہیں۔ اپنے خیالات و احساسات پر حقیقت کو Base مت کیجئے نفسیاتی مریضہ بن جائیں گی۔"

باری نے اس کی بات کاٹ کر سمجھانے کے انداز میں اسے مخاطب کیا۔

"جو پیش آئے اسے فیس کیجئے۔ افلاطون بننے کی کوشش میں مَت بھی ماری جاتی ہے بندے کی۔" اس نے مزید کہا۔

"تمہیں تو تسلی دینا بھی نہیں آتی۔" اس کے مشینی انداز پر اسے رونا آ گیا۔ اسے اندازہ ہی نہیں کہ وہ کتنی پریشان ہے۔

"ہم تسلیوں' پر نہیں رکھتے۔" اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ روشنی کو نہ جانے کیوں اس کے لہجے پر ٹوٹ کر حیا آ گئی۔

وہ آگے بڑھ گیا تھا مگر اس کے اپنے مقدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

دل کی دھڑکن بھی غیر معمولی طور پر تیز ہو چکی تھی۔ پتا نہیں کس کے لیے رکھتا ہے سینت سینت کر اتنی دلفریب باتیں۔ وہ بھی دھیرے دھیرے قدم بڑھانے لگی۔ معاً وہ اپنے دھیان سے چونک پڑی' ماہین سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

"یہ دلیری نہیں حماقت ہے۔ ایسی کون سی ایمرجنسی تھی کہ بیچوں بیچ کھڑی ہو کر اس سے باتیں کرنے لگیں۔ اس طرح کی حماقتیں کرو گی تو بنتی بات بھی بگڑ جائے گی۔ اسے تمہاری سرکشی سمجھ کر سب بڑے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیں گے۔ ایک حساب سے یاور صاحب ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ اس طرح کے فیصلہ کن اقدام کرنے کی عمر نہیں تھی تمہاری۔" ماہین سخت ناراض نظر آ رہی تھی۔

"وہ جھومر بھابی اس سے باتیں کر رہی تھیں مجھ سے رہا نہیں گیا تو میں بھی اس طرف آ گئی۔"

اسے بس یہی جواب سوجھا۔ نظریں جھکا کر شرمندگی سے کہہ رہی تھی۔

"جھومر اس سے بات کر رہی تھی تو کیا ہوا۔ وہ بھی میری طرح حویلی کی بہو ہے۔ کسی سے بھی بات کر سکتی ہے۔ تمہیں کیا فرق پڑتا ہے اس کی بات چیت سے؟" ماہین نے ناراضگی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"آپ لوگ سمجھتے ہیں انہیں بہو۔ وہ نہیں مانتیں خود کو یہاں کی بہو۔" وہ زچ ہو کر کہہ رہی تھی۔

"تمہیں کوئی ضرورت نہیں اس معاملے میں اُلجھنے کی۔ تم صرف اپنی فکر کرو۔ اور مزید اُلجھنیں نہیں پھیلاؤ۔ اب کیا تم اس کو پابند کرو گی کہ وہ تمہارے علاوہ کسی سے بات بھی نہ کرے۔ حد ہو گئی۔ پہلے اعتبار کا رشتہ پھر نکاح کا رشتہ۔ بھاگا جا رہا ہے کہیں۔ یاور صاحب مجھ سے کہیں زیادہ کوالیفائیڈ اور خوبصورت خواتین سے صبح سے شام تک ملتے ہیں۔ اس کا کیا مطلب

ہے کہ میں ان کے پیچھے سراغ رساں چھوڑ دوں؟ مرد ہزاروں عورتوں سے ملتے ہیں ہزاروں سے شادیاں تو نہیں کرتے؟ اور وہ اتنا گیا گزرا ہے کہ بھابی سے "علیک سلیک" شروع کر دے گا؟ وہ تو کچھ ہے تب ہی تو تم نے اتنا بڑا اقدم اُٹھایا ہے ورنہ شکل تو نعیم کی بھی بہت اچھی ہے۔ روشی اس وقت بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ تمہارے پپا کی رگ رگ میں خون کے بجائے بارود بھرا ہے۔ ہوش کے ناخن لو۔" ماہین بہت سنجیدہ تھی۔

"مجھے پتا ہے خالہ! مگر آپ کو یہ بھی پتا ہونا چاہیے۔ اب وہ ہرگز نہیں ہوگا جو کہ بابا صاحب اور پپا چاہیں گے۔ نقصان کے سودوں میں عمر کٹی ہے' مجھے کسی بات سے خوف نہیں آتا۔ میں ڈوبنے کا حوصلہ رکھتی ہوں مگر ڈوبنے سے پہلے کشتی کو ایک بار اُچھالا ضرور دوں گی۔ جسے آپ پوزیٹو ٹرائی بیسٹ کہہ سکتی ہیں۔"

روشی کے لہجے میں دُور دُور تک کسی مصلحت کا نام و نشان نہیں تھا۔

"خاک ہے تمہاری ٹرائی بیسٹ ایک دم کنڈم۔ نیگیٹو ایبسلوٹلی۔" ماہین جھلا پڑی۔ "عین میدان میں کھڑی تم ٹرائی بیسٹ کا نہیں بلکہ حماقت بیسٹ کا مظاہرہ کر رہی ہو۔ خود سے دشمنی کر رہی ہو' مجھ پر اعتماد نہیں۔ مجھے پروپر چینل سے کام کرنے دو۔ جاؤ اندر اور پُرسکون رہو۔ اور سُنو جب تک کام فائنل نہ ہو جائے اس سے ملنے اور بات کرنے کی ضرورت نہیں۔"

ماہین کا انداز حتمی تھا۔ روشی چند ثانیے کھڑی سوچتی رہی پھر اندر کی سمت بڑھ گئی۔

ماہین بھی کچھ دیر کسی دھیان میں رہی پھر جیسے کوئی فیصلہ کر کے اندر کی سمت بڑھی۔ سامنے ہی کلّو ٹرالی دھکیلتی نظر آ گئی۔

"کلّو!" اس نے آواز دی۔

"جی چھوٹی دُلہن!" وہ اپنی جگہ تھم گئی۔

"دیکھو۔ باری کو فوراً میرے کمرے میں بھیج دو اور اسے کہنا یاور خان باہر گئے ہوئے ہیں۔" وہ اتنا کہہ کر اپنے کمرے کی سمت بڑھ گئی۔ اور خواب گاہ میں داخل ہو کر دریچے میں جا کھڑی ہوئی۔

تقریباً پانچ منٹ بعد ہی دروازہ بجا تھا۔

"ہاں۔ آ جاؤ۔" وہ عجیب تھکے تھکے انداز میں کہہ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ باری قدرے فکرمند انداز میں کمرے میں داخل ہوا۔

"آؤ۔ نادان لڑکے۔ بیٹھو۔" ماہین مبہم سے انداز میں مسکرائی۔

باری اس طرزِ کلام پر قدرے سٹپٹایا تھا۔ اور سر جھکا کر اس سے خاصے فاصلے پر بیٹھ گیا تھا۔

"خیریت؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے ماہین کی سمت دیکھا۔

"اپنی شامت کو خود آواز دیتے پھر رہے ہو' بھلا خیریت کیسے ہو؟" ماہین کے لہجے میں ناراضگی واضح تھی۔

باری اُلجھ سا گیا مگر کچھ بولا نہیں۔

"دیکھو سب کچھ منظرِ عام پر آ چکا ہے۔ تیمور علی خان اور میں بہت سبھاؤ سے کوششیں شروع کر چکے ہیں مگر تم لوگوں کی نادانیاں ہمیں فلاپ کر دیں گی۔ کیا ضرورت تھی اسے لے کر باغ میں کھڑے ہونے کی۔ تم تو اس کے مقابلے میں بہت مجبور

ہو۔ سر پیٹنے کو دل چاہ رہا ہے میرا۔" ماہین نے بدستور ناراض انداز میں کہا۔

"مجھے تو واقعی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں تو روٹین نمٹا رہا تھا۔ پہلے بھابی آ گئیں پھر "محترمہ۔"

باری کے ساری بات سمجھ میں آئی تو اس نے سکون کا گہرا سانس لے کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

دیکھو باری! صورت حال تم پر واضح ہے کتنی نازک سچویشن ہے۔ معمولی سی غفلت بہت سارے لوگوں پر اثر انداز ہو سکتی ہے اور ایسے بگاڑ بھی پیدا ہو سکتے ہیں جو کبھی ٹھیک نہ ہوں خدانخواستہ۔" ماہین فکر مند انداز میں گویا ہوئی۔

"آپ فکر مند نہ ہوں۔ میری جانب سے آپ بے فکر رہیں۔ بس محترمہ کو تھوڑا فیڈ کر دیجئے۔ باقی خیر ہے۔ مجھے اجازت ؟یا کوئی اور بات باقی ہے ابھی؟" وہ اُٹھتے ہوئے ماہین سے مخاطب ہوا۔

"نہیں۔ بس یہی فکر تھی کہ کیا کرے رہے ہو تم لوگ۔ اور "محترمہ" سے تو خیر میں نپٹ لوں گی۔ مگر ایک بات تو بتاؤ محترمہ کی کون سی خوبی ہے جس نے سماج سے ٹکرانے کا حوصلہ پیدا کر دیا۔ تم جیسا گہرا اور مجیو ر بندہ صرف شکل وصورت کی بنیاد پر تو اس طرح آگ میں نہیں کود سکتا۔" ماہین بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اب اس کے لبوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"کئی بار یہ سوال میں نے اپنے آپ سے بھی کیا ہے۔" وہ بھی شرارت بھرے لہجے میں جواب دہ ہوا۔

"ان کے پاس چاہنے کی ایک پاور ہے غالباً۔ یہ جس سمت بھی رُخ کرے گی غالب ہو جائے گی۔ وہ ہر کام بہت توجہ سے کرتی ہیں۔" وہ سنجیدگی سے کہتے کہتے یکدم ہنس پڑا۔

"کام؟" ماہین بھی بے ساختہ مسکرا دی۔

"چاہنا تو یہاں الزام ہے جو تم اُس پر لگا رہے ہو۔ تمہیں احساس ہے؟" ماہین نے بغور اس کا چہرا دیکھا۔

"وہ یہ الزام مجھ پر لگا کر حساب برابر کر سکتی ہیں؟" اس نے پھر مسکرا کر جواب دیا۔ اب وہ بہت مودبانہ سے انداز میں خمیدہ کھڑا تھا۔

"اچھا؟ بہت ذہین ہو۔ مانتے ہیں۔ کیا قیامت ہے اور کس قیامت کا سکون ہے تم میں۔ کامیابی سے پہلے اٹل ارادہ بجائے خود ایک خوشی دسکون ہے۔ مجھے حیرت ہے یاور علی خان جیسا سنجیدہ اور بہت گہرائی میں سوچنے والا شخص جو تمہیں بہت پسند کرتا رہا ہے۔ اس نئے رشتے پر ساری دُنیا سے جنگ کرنے کے درپے ہیں۔ شاید روشی کا یہ خود مختارانہ انداز ان کے لیے چیلنج بنا ہے۔ ہاں۔ یہی بات ہو سکتی ہے۔"

اس نے خود ہی اپنے خیال کی تائید کی۔ "بات ہے بھی غلط۔ ابھی مارجن تھا' اتنی جلدی یہ انتہائی قدم نہیں اُٹھانا چاہیے تھا۔" بہرحال وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئی۔

"یہ بات نہیں ہے۔ مارجن نہیں تھا ورنہ کم از کم میں ان کے اس انتہائی قدم میں ان کا ساتھ نہ دیتا۔ اور یہ بات آپ بھی بہت اچھی طرح جانتی ہیں کہ یاور خاناں مجھے سونے کا تاج تو پہنا سکتے ہیں بحیثیت داماد مجھے قبول نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ میں تیمور خاناں کے بیسٹ فرینڈ کی اکلوتی اولاد ہوں۔ ان کے حساب سے تو تیمور خاناں ہی کی اولاد ہوں۔ کیونکہ میرا باپ انہیں بہت عزیز تھا۔

آپ انجان بن کر مجھ سے سوال نہ کیا کریں' مجھے اچھا نہیں لگتا۔ میں جانتا ہوں آپ کیا اور کتنا جانتی ہیں۔"

ماہین تعجب سے دیکھ رہی تھی۔ اتنی صاف گوئی کی گویا اسے امید نہیں تھی۔ باری نے چند ثانیے اس کے بولنے کا انتظار کیا پھر تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

....

"ممی! وہ جو بڑی کیوٹ سی لڑکی بڑی حویلی سے آئی تھی۔ وہاٹ ہر نیم؟" وہ دماغ پر زور ڈالنے لگی۔

نازنین نے چونک کر ضوفشاں کی شکل دیکھی۔ دل سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگا۔

یہ آج اسے کیا دھیان آیا؟ وہ خاموشی سے ضوفی کے بالوں میں برش چلاتی رہی۔

"بتائیں ناں ممی۔ رئیلی آئی فارگوٹ ہر نیم"

"روشانے۔ مائی ڈارلنگ" نازنین اس طرح گویا ہوئی جیسے کسی جُرم کا ارتکاب کر رہی ہو۔

"مام۔ ڈارلنگ آپ نے کسے کہا۔ ہمیں یا روشانے کو؟" ضوفی نے گھوم کر ماں کا چہرا دیکھا۔

"بُری بات۔ بڑی ہے وہ تم سے۔ باجی کہہ سکتی ہو۔ آپی کہہ سکتی ہو۔" نازنین نے گم صم سے انداز میں فہمائش کی۔

"آئی ایم ساری۔ وہ دوبارہ بھی آئی تھیں؟ یعنی ان مائی ایب سینس۔ (میری غیر موجودگی میں)؟" اس نے فوراً معذرت کی اور وہ سوال کیا جو نام پوچھنے کا محرک تھا اور درمیان میں گم...... ہو گیا تھا۔

"نہیں۔"

"وہ تو بہت اچھی' بہت نائس ہیں پھر آپ نے پپا نے ہمیں ان سے ملنے سے کیوں روکا؟ وہ تو بہت ویل مینرڈ ہیں۔ بلیوی۔ بہت تمیز والی ہیں۔ باری بھائی نے بھی پپا کے ساتھ مل کر منع کیا تھا اور خود وہ دو بار ان کے کمرے میں گئے تھے۔ ہم نے اوپر بالکنی سے خود دیکھا تھا۔"

"کیوں یاد رکھے ہوئے ہو۔ اتنی پرانی بات؟ کتنے مہینے ہو گئے۔ جب ممی' پپا کسی بات سے منع کر دیتے ہیں تو بچے وہائے' وہاٹ کر کے انہیں پزل نہیں کرتے۔" نازنین نے جھنجلائے ہوئے انداز میں اسے سرزنش کی تھی۔

"جب ہم نے بھی ان سے بات نہیں کرنا اور آپ نے بھی' تو پھر وہ ہمارے گھر کیوں آئی تھیں؟ کیا ان کے ممی پپا نہیں ہیں؟" ضوفشاں پر نازنین کی تنبیہہ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

نازنین خاموشی سے ضبط کی منزلیں طے کرنے لگی۔

"کیوں پریشان کرتے ہو بیٹا' ماں کو۔ آل ریڈی ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" تیمور علی خان تولیے سے سر رگڑتے ہوئے باتھ روم سے برآمد ہوئے تھے۔

نازنین نے چھلکتے آنسو ضوفشاں کی نظر بچا کر صاف کیے۔

"بچوں کو ممی پپا کے افیئرز میں انوالو نہیں ہونا چاہیے۔" انہوں نے ایک اچٹتی نگاہ نازنین پر ڈالی۔

"پپا! کیا وہ باری بھائی کی کزن ہیں؟" بچی تھی بس ایک دھن میں آ گئی تھی۔

نازنین نے اسے بازو سے اپنی طرف موڑا اور چٹاخ چٹاخ پے در پے دو تھپڑ اس کے پھول سے رخساروں پر جڑ دیے۔ تیسرے تھپڑ کی نیت سے ہاتھ فضا میں گیا ہی تھا کہ تیمور علی خان نے درمیان ہی میں تھام لیا اور دوسرے ہاتھ سے ضوفی کو اپنی طرف کھینچا جو فوراً سہم کر ان سے لپٹ گئی تھی۔ اور بلک بلک کر رو رہی تھی۔

''تمہارے تو خاندان کی عادت ہے کلیجے کھرچنا۔'' عجیب سی وحشت نازنین کے چہرے پر برسنے لگی تھی۔

ضوفی باپ سے لپٹی تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ ''پپا! ممی بہت خراب ہیں۔''

''میری جان! ممی کو ایسے نہیں بولتے۔ ممی کی طبیعت خراب ہے جب ممی کسی بات سے منع کرتی ہیں۔ تو بچوں کو مان جانا چاہیے۔''

''جاگیرداروں کے ہاں جاگیردار ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اپنی منوانے والے۔ اپنی سُنانے والے۔ خواہ مائیں باہر سے ہی لے آئیں۔ مٹی نہیں بدلے گی۔ اسے اچھی طرح سمجھا دیجیے۔ آئندہ مجھ سے کوئی الٹی سیدھی بات نہ کرے۔''

نازنین کے سانسوں کی بے ترتیبی بتا رہی تھی کہ اس وقت وہ اپنے حواس کھو چکی ہے۔ تیمور علی خان نے ہاتھ میں پکڑے تولیے سے ضوفی کا چہرہ صاف کیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ جو بُری طرح سے سسک رہی تھی۔

''آؤ بیٹا! آپ کے کمرے میں چلتے ہیں۔'' انہوں نے ضوفی کا ہاتھ تھاما اور وضع داری فراموش کر کے ہاتھ گاؤن ہی میں بیڈ روم سے باہر چلے گئے۔

نازنین بیڈ پر گرنے کے انداز میں لیٹ گئی۔ اس کی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ پہلی مرتبہ کسی بچے پر اس نے ہاتھ اُٹھایا تھا۔ اب اس کا اپنا دل کٹ رہا تھا۔ وہ بُری طرح رو رہی تھی۔

پندرہ بیس منٹ کے دورانیے کے بعد تیمور علی خان اندر داخل ہوئے۔

''آئی ایم ساری تیمور! پتا نہیں میں کیا اول فول بول گئی۔''

تیمور علی خان خاموش رہے اور وارڈ روب سے اپنے کپڑے نکالنے لگے۔

''بہت ہی سوال جواب کرنے لگی ہے۔ تنگ آ جاتی ہوں میں۔ میرے اپنے اندر کیا کم سوال جواب ہوتے رہتے ہیں۔''

تیمور علی خان بدستور خاموش رہے۔

''اب مجھے آپ کی ناراضگی کی بھی پروا نہیں۔ اب میری کشتی کو ایک اُچھالے کی بھی ضرورت نہیں۔ اب میں بے خوف خطر ہوں۔ میں انیکسی میں چلی جاؤں گی۔ مجھے اپنی ناراضگی کے خنجر سے مزید لہولہان مت کریں۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''جو آپ کا دل چاہتا ہے' آپ وہی کرتی ہیں۔ لہٰذا جو دل چاہ رہا ہے کر ڈالیں۔'' تیمور علی خان نے بہت آہستہ آواز میں اور بے تاثر لہجے میں کہا تھا۔

[illegible] چھوڑنے کے اختیارات دینا ان کے انتہائی غضب کا بھید تھا۔

''تو بہت [illegible] اشت کر سکتی ہیں۔ بچی کی معصومانہ ضد سے اتنی جلدی ٹمپر لوز کر گئیں۔ ہم اسے ہمیشہ کے لیے سمجھا

رہے تھے۔ پانچ منٹ کی محنت سے مسئلہ حل ہو جاتا مگر۔ کیا طے پا گیا اسے ٹارچر کرنے کے بعد؟ ہم اپنی اولاد کے ساتھ یہ سب برداشت نہیں کر سکتے۔ آپ اپنی اُلجھنیں دور کرنے کے لیے ہماری بیٹی کو استعمال نہیں کریں گی۔ ہماری بیٹی بہت چھوٹی ہے بہت تنہا ہے۔'' تیمور علی خان کے لہجے سے دُکھ' ناراضگی کمال ظاہر تھی۔

''میری بھی تو بیٹی ہے' کیا میرا اس پر کوئی حق و اختیار نہیں۔ افسوس مجھے بھی ہے مگر کبھی کبھی بچوں کے ساتھ ایسا کرنا بھی پڑ جاتا ہے۔'' نازنین نے بھی ناراضگی سے جواب دیا۔

''وہ صرف ہماری بیٹی ہے۔ آپ تو۔ حقوق و فرائض کا پاس تو صرف ہم ہی نے کیا ہے۔ آپ تو خود کو پتھر کی مورت میں ڈھال کر' بہت سارے جواز کی ڈھال بنا کر ہمیشہ بچت کرنے کی عادی رہی ہیں۔''

وہ ڈریسنگ کی سمت بڑھ گئے۔ نازنین ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔ ان کے ایک لفظ میں کئی کئی معنی ڈھونڈنے کی عادت تو یوں بھی ہو چکی تھی۔

''شکر ہے کہ زندگی کا چکر عنقریب پورا ہوا چاہتا ہے۔ ہمارے بعد دیکھیں' کون اگلا بدنصیب نشانے پر ہوگا۔ کہ چھوٹا بڑا ہر الزام اس کے سر۔''

اس نے قدرے اونچی آواز میں تیمور علی خان کو سنانے کی غرض سے کہا اور پیاز کے چھلکوں جیسی رنگت والے پاؤں سیاہ گرگابیوں میں پھنسا کر دوپٹا گلے میں ڈال کر کچھ اور بھی بڑبڑائی ہوئی خواب گاہ سے باہر نکل گئی۔

تیمور علی خان ڈریسنگ سے باہر آئے تو ان کی پیشانی پر بھی شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے وہ جیسے اُلجھ رہے تھے۔

....

ماہین غسل کر کے ابھی ابھی باتھ روم سے باہر آئی تھی کہ بیڈ روم کے دروازے پر دستک ہوئی۔

''کون؟'' اس نے باتھ گاؤن میں لپٹے اپنے سراپے پر نگاہ دوڑا کر قدرے اُلجھ کر پوچھا۔

''میں ہوں جی بالو۔ آ جاؤں۔؟''

''اوہ۔ ہوں۔ آ جاؤ۔'' اس نے تولیے سے بالوں کو آزاد کرتے ہوئے جواب دیا۔

بالو اندر آ گئی۔

''خیریت۔ کوئی کام؟'' ماہین نے انگلیوں سے بال سلجھانے شروع کر دیے۔

''جی۔ ماہین بی بی۔ آپ سے اجازت لینے آئی ہوں۔ اب نہ میں ہری پور جاؤں گی اور نہ یہاں رہوں گی۔''

''کیوں بھئی۔ کیا ہوا۔ کیا کام بہت کرنا پڑتا ہے یہاں؟ اور تمہاری کنڈیشن ایسی نہیں کہ تم اب در بدر پھرو۔'' ماہین نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''نہیں جی۔ میں در بدر نہیں پھروں گی' اس کے پاس جاؤں گی جس نے در بدر کیا ہے۔'' بالو دوزانو ہو کر بمشکل کارپٹ پر بیٹھی۔

''عارف کے پاس۔ کیوں کیا قاضی لیے تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوا ہے؟'' ماہین نے قدرے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

''ساری بات سمجھ میں آ گئی ہے بی بی! وہ تو اب اس کے کسی کام کی نہیں۔ کوشش کروں گی کہ اس سودائی کی خواری ختم ہو جائے۔''

''سودائی وہ کم تم زیادہ ہو۔ لال خان تم سے عمر میں بہت بڑا ہے تو عارف کون سا تمہارے برابر کا ہے۔ اس میں کیا تُک کی بات ہے؟ فلمی ہیروئن مت بنو۔ بچے کے سر پر اس کے باپ کا سایہ رہے' اسی میں عافیت ہے۔'' ماہین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اس کی عمر کا بھید تو اب کھلا ہے مجھ پر۔ مگر جی آپ بھی اسے دیکھو تو حیران ہو جاؤ۔ دُبلا پتلا بالکل لڑکوں جیسا لگتا ہے' بالوں میں بھی سفیدی نہیں۔ سچی۔'' بالو کے پاس جواب تیار تھا۔

''کیا کھاتا ہے بھئی' وہ تو آج سے بیس سال پہلے بھی جوان تھا۔ بالوں کو ڈائی کرتا ہوگا۔ تیمور علی خان سے کچھ ہی چھوٹا ہوگا۔ ان کے بھی سر میں ہلکی ہلکی سفیدی جھلکنے لگی ہے۔'' وہ بڑے تعجب سے تجزیہ کرنے میں اُلجھ گئی تھی۔

''کیا کرتا ہوتا ہوگا؟'' بالو کی سمجھ میں نہیں آیا تو پریشان ہو کر پوچھنے لگی۔

''میرا مطلب ہے' بالوں کو رنگ لگاتا ہوگا۔'' ماہین نے وضاحت کی۔

''ایسا تو میں نے نہیں دیکھا' پر کیا خبر جی۔ دُنیا ہی دھوکے کی ہے۔'' بالو نے اس سے اتفاق کر ہی لیا۔

''ایک بات کہوں بی بی! آپ بُرا تو نہیں مانیں گی؟'' بالو نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

''ہوں۔ پوچھو۔'' ماہین نے برش سے بال سلجھانا شروع کر دیئے' ساتھ ہی اندازہ بھی لگانا شروع کر دیا کہ وہ کیا سوال کرنا چاہ رہی ہے۔

''یاور خاناں بھی تو آپ سے عمر میں بہت بڑے ہیں مگر آپ تو بہت خوش ہیں۔''

ماہین کے گردش کرتے ہاتھ یکدم رُک گئے۔ چہرا متغیر سا ہو گیا۔

''یہ تو بہت اچھی خبر ہے میرے لیے کہ میں بہت خوش نظر آتی ہوں۔'' وہ خیال سے باہر آ کر بڑی بے ساختگی سے مسکرائی۔

''بالو!'' یکلخت وہ سنجیدہ ہو گئی۔

''جی بی بی؟'' بالو ہمہ تن گوش تھی۔

''بالو۔ شادی بس ایک اشیاق ہے۔ یا ایک سودے بازی ہے۔ جو کبھی مرضی سے ہوتی ہے کبھی مجبوری سے۔ مثلاً ہم ایک لاکھ روپے کے مالک ہیں۔ اگر جیولر سے ایک لاکھ کے ہیرے خریدتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں کیونکہ ہم نے اپنا پیسہ خوشی سے خرچ کیا ہوتا ہے۔ اگر اسی پیسے سے ہم اپنے گردے یا دل کا علاج کراتے ہیں اور یہ پیسہ اسپتال میں خرچ ہوتا ہے تو ہمیں تمام عمر ایک قلق رہتا ہے کہ ہمارا اتنا سارا پیسہ استقبال میں چلا گیا۔ ہیرے خریدیں تو خوشی' بیماری میں خرچ کریں تو مجبوری۔

بے وقوف ''عورت'' نے خرچ ہی تو ہونا ہوتا ہے۔

عورت تو بس ایک رات ہی کے لیے ہوتی ہے۔ ایک رات کی ہوتی ہے۔ مگر تیری سمجھ میں شاید بات آئے گی نہیں۔ حالانکہ آنا چاہیے کہ تُو اپنے حصے کی رات گنوا چکی ہے۔ اب تجھ کون سے اشتیاق لاحق ہیں؟'' وہ جیسے جل کر پوچھ رہی تھی۔

''بی بی! دل کی بھی تو کوئی آبادی ہوتی ہے۔'' بالو کی آواز بھرا گئی۔

''چھوڑ اس دل کا پیچھا۔ نری خواری۔ تجھے خبر نہیں کتنے ضروری کام رہ جاتے ہیں اس دل کے پیچھے۔ اپنے بچے کی فکر کر۔ اب صرف ماں بن کر سوچ۔ اب بھی سبق نہیں پکڑے گی۔ پچھواڑے پڑی ہوئی ہے۔ دل برباد لے کر' دیکھا نہیں ہے؟'' ماہین کے لہجے میں ترشی آ گئی تھی۔

''بی بی! اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔ آپ کا دل آباد رکھے۔ یاور خاناں کی لمبی عمر ہو۔ آپ کا دل آباد ہے۔ خالی جگہ کا زق آپ کو کیا پتا؟'' بابو نے بڑے کرب سے کہا۔

''میں تجھے کیسے سمجھاؤں بالو۔ تیرے اندر زندگی پروان چڑھ رہی ہے مگر تیرے اندر کی ماں ابھی تک نہیں جاگی؟ بس تجھے اپنے بچے سے زیادہ کسی کا خیال نہیں ہونا چاہیے۔ چاہے عورت خوشی سے خرچ ہو یا مجبوری سے ''ماں'' کے معنی نہیں بدلنا چاہئیں۔ سُن رہی ہے ناں میری بات؟

عورت آخر کار صرف ماں ہے' جو عورت ماں نہیں ہوتی۔ ماں ہونے کو محسوس نہیں کراتی۔ اس کی قسمت کے اندھیرے مرتے دم تک دور نہیں ہوتے۔ تو کیا سمجھتی ہے' میں ماں نہیں ہوں؟ میں اپنی بہن کے بچوں کی ماں ہوں۔ تو کہہ رہی ہے ناں کہ میں خوش نظر آتی ہو۔ میں ان بچوں کی وجہ سے خوش ہوں۔ ان کو ملنے والی خوشیوں کے خیال سے خوش ہوں' میں بچوں کے باپ کی وجہ سے خوش نہیں ہوں۔'' ماہین نے پھر سے بالوں میں برش چلانا شروع کر دیا۔

''تو آپ کی شادی زبردستی ہی ہوئی تھی' یاور خاناں آپ کو پسند نہیں؟'' بالو نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''شادی تو زبردستی ہی ہوتی ہے۔ کہیں دل زبردستی کرتا ہے کہیں گھر کے لوگ۔'' ماہین عجیب سی تلخی کے ساتھ ہنس پڑی۔

بالو اس مبہم جواب پر اس کی صورت دیکھ کر رہ گئی۔

''ایک بات اور پوچھ لوں بی بی! آپ غصے تو نہیں ہوں گی۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''ہاں۔ ہاں پوچھ لو۔ بہت سوال پیدا ہونے لگے' میں تمہارے ذہن میں بھی' اللہ رحم کرے۔'' وہ پھر بے معنی انداز میں مسکرائی۔

''مجھے اور سرسوتی کو باہر بھیج کر وہ آپ کو کیا باتیں بتاتی تھی۔ سرسوتی تو یہ بھی بتا رہی تھی کہ بی بی تو بہت دن سے اس کے پاس رات کو جا رہی ہیں؟''

''بس چُپ ہو جا۔ آیندہ پھر اس طرح کی بات تیری زبان پر نہ آئے۔ سرسوتی کو دیکھا ہے' بس اسی کی طرح اندھی بہری گونگی ہو جا۔'' ماہین نے اسے راہ ہی میں ٹوک دیا۔ ''یہ تیرے سوچنے کرنے کی باتیں نہیں۔ میں تم لوگوں کو پہرے کے لیے ساتھ لے جاتی تھی۔ حویلی کے بھیدوں میں حصہ دلانے نہیں۔ حویلی کے نوکروں کے منہ میں زبان نہیں ہوتی۔''

''بی بی! میں کب حویلی کی نوکر ہونا چاہتی ہوں۔ بس آپ تو مجھے واپس جانے کی اجازت دے دیں۔'' بالو نے منت سے کہا۔

''میرا تم پر کیا زور...... مگر اس حالت میں تمہیں حویلی سے نکالنے کو میرا دل نہیں مانتا۔''

''آپ اپنے دل کی نہ مانیں۔ میری مان لیں۔ مجھے جانے دیں۔'' بالو نے منت کی۔

''ہاں مجھے پتا ہے۔ تجھے کچھ سمجھ نہیں آئی۔ اسی کے چکر میں نکلنا چاہ رہی ہے۔'' ماہین نے ناراضگی سے کہا۔

بالو خاموش رہی جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔

''کیا سوچ رہی ہے؟'' ماہین نے بالوں کو چھو کر ان کے خشک ہونے کا اندازہ لگایا۔

''کچھ نہیں بی بی۔ انسان کے پاگل پن کو سوچ رہی ہوں۔ جیسے تلاش اس کا نصیب ہو۔ آگے کا نظر نہیں پڑتا' دور کی کھوج رہتی ہے۔ جو مل جاتا ہے اُس پر دھیان نہیں ہوتا جو نہیں ملتا' اس سے دھیان نہیں ہٹتا۔ میرا بھی بڑا اچھا گھر تھا' دو منزلوں والا۔ اس کے کئی کمرے تو میں نے کھول کر بھی نہیں دیکھے تھے' ساری مشینیں تھیں۔ یہاں حویلی میں تو بہت پانی ہے۔ میرے گھر میں پانی کا مسئلہ تھا۔ مگر لال خان موٹر لے آیا تھا۔ میرے باورچی خانے میں بھی ساری مشینیں تھیں۔ آم کا جوس بنانے والی' سیب کا جوس بنانے ولی۔ گیلا مسالا پیسنے والی الگ۔ سوکھا پیسنے والی الگ۔ قیمہ بنانے والی' آلو پیاز کاٹنے والی۔ پانچ صوفے تھے' تین ڈرائنگ روم میں ایک ٹی۔ وی والے کمرے میں جو باورچی خانے کے ساتھ تھا' ایک اُس کمرے میں جہاں ہم سوتے تھے۔

کیسا بھرا گھر تھا بی بی۔ پر مجھے وہاں نیند کیوں نہیں آتی تھی؟ میرے باپ کا آدھا پکا' آدھا کچا گھر تھا۔ وہاں تو مجھے بہت نیند آتی تھی۔ ماں چیختی رہتی تھی۔ کہ مُردار اتنا نہ سویا کر نیستی ہوتی ہے۔ مگر میں سُنتی کب تھی۔

کہاں گئی میری نیند بی بی؟'' وہ پھوٹ کر رونے لگی۔

ماہین کے دل میں بھی لہریں اُٹھنے لگیں۔

''چُپ کر جا بالو۔ دل کی کر کے تو بعض اوقات جنم میں رونا پڑ جاتا ہے' کیسی وحشت تھی کہ تجھے قدم قدم پر بکھرے سُکھ نظر نہیں آئے۔'' اس نے بڑے دُکھ سے بالو کی سمت دیکھا۔

''ایسی ویسی بی بی! وحشت تو اب بھی وہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا کچھ اور سمجھ میں آئی ہے۔ مگر وحشت تو کم نہیں ہوتی۔''

''بالو! اس بچے کی خاطر خود کو روک لے بس۔ ایک خاندان کی سات پشتیں تیری احسان مند ہوں گی۔ مت بھٹک۔ میرا بس چلے تو تیرے ہاتھ پاؤں باندھ کر پچھواڑے ڈال دوں۔''

ماہین کو بھی اندازہ تھا کہ ان وحشتوں میں سمجھ ہی تو سب سے پہلے ساتھ چھوڑتی ہے۔ مگر ایک امید کے سہارے اگلا قدم تو انسان اُٹھاتا ہی ہے۔ اس نے بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''بی بی! دُعا کرنا کہ یہ باپ پر نہ ہو' اگر یہ باپ پر چلا گیا تو میں اس سے محبت کیسے کروں گی؟'' بالو کے انداز میں بلا کی سادگی تھی۔

''مجھے تو یہ خطرہ ہے کہ کہیں یہ اس پر نہ ہو' جس کے دھیان میں تُو ہر دم رہتی ہے۔''

ماہین یونہی سرسری سا مسکرائی۔

''ہائے اللہ۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔'' بالو نے گھبرا کر پوچھا۔

''ہوں۔ مگر اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو۔ گالی بن کر پیدا ہونے سے بہتر تو ہے کہ بندہ پیدا ہی نہ ہو۔

اب حویلی کے مردوں کے سامنے نہ پڑنا۔ یاور صاحب کو مطمئن کرنا مشکل ہو جائے گا۔ مجھے کام بہت پڑے ہیں ورنہ میں تو ہری پور کے بجائے تجھے کراچی پہنچا دیتی۔''

''آپ بھجوا ہی دیں۔'' بالو نے پھر اصرار کیا۔

''میرا بھائی ابھی گھر پر نہیں ہے۔'' ماہین نے بتایا۔

''تو کیا آپ مجھے اپنے بھائی کے پاس بھیجیں گی؟۔ میں آپ کے میکے جانے کے لیے تھوڑا ہی کہہ رہی ہوں۔ میں تو بس اپنے شہر واپس جانا چاہتی ہوں۔'' بالو نے وضاحت کی۔

اسی دم یاور علی خان دروازہ کھول کر مالکانہ بے نیازی کے ساتھ اپنی دھن میں داخل ہوئے۔ وہ شلوار قمیض میں ملبوس تھے۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ حویلی ہی میں موجود تھے۔

ماہین بری طرح گڑبڑا کر رہ گئی۔ بالو کا انداز نشست ایسا تھا۔ کہ اس کا چہرا دروازے کی طرف تھا۔ اس کی حالت ایسی تھی کہ وہ گھبرانے کے باوجود پھرتی سے اُٹھ نہ سکی۔ اور بمشکل کھڑی ہوئی تھی۔ چوڑا سا چادر نما دوپٹہ اس کے ہاتھ میں تھا جو اس نے کانپتے ہاتھوں سے اوڑھنا شروع کر دیا تھا۔ عجیب سے خوف نے اسے پسینے میں بھگو دیا تھا۔

''السّلام علیکم جی۔!'' اس کی آواز بھی کانپ رہی تھی۔

یاور علی خان نے اس پر ایک نگاہ ڈالی تھی' ان کی ایک نگاہ بھی بہت تھی۔

''کون ہے یہ......؟'' انہوں نے عام سے انداز میں ماہین سے دریافت کیا۔

''بالو ہے۔ ایسے ہی ٹمپریری طور پر حویلی میں کام کرتی ہے۔'' ماہین کی آواز بہت آہستہ تھی۔ اسے اپنی ہمدردانہ طبیعت پر پہلی مرتبہ غصہ آیا۔

بالو دوپٹہ اچھی طرح لپیٹ کر باہر چلی گئی۔

یاور علی خان صوفے پر بیٹھے تھے اور ماہین کھڑی تھی۔

''کس نے کی تھی یہ ٹمپریری اپائنٹمنٹ؟'' ان کا لہجہ بہت تیکھا تھا۔

''کراچی سے آئی تھی' حویلی کا پتا پوچھتی ہوئی۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے۔ میں نے بھابی بیگم سے سفارش کی تھی۔''

''یعنی حد ہو گئی۔ کتنے دن سے قیام ہے حویلی میں محترمہ کا؟'' یاور علی خان نہایت سنجیدہ تھے۔

''چند ماہ ہوئے ہیں۔'' ماہین نے اسی طرح کھڑے کھڑے جواب دیا۔

”یعنی آپ کی صورت میں حویلی کو نئی لماں جی مل گئی ہیں۔ کیا بیک گراؤنڈ ہے اس کا؟ شوہر کہاں ہے' کیا کام کرتا ہے؟ یہ اس سے دور اس حال میں کس حساب میں یہاں نظر آ رہی ہے۔“

”سیپریشن ہو چکی ہے۔ ماں باپ بہت غریب۔“

”یعنی کوئی بھی خاتون اس حال میں اس حویلی میں آرام سے قیام کر سکتی ہیں۔ حد ہو گئی۔ نکاح نامہ پلّو میں باندھے پھر رہی ہیں محترمہ...... مجھے یاد آیا۔ غالباً انہی کو ہری پور ساتھ لے جانے کے لیے آپ کہہ رہی تھیں۔ اس وقت میں بہت ٹینس تھا۔ میں نے اس کیس پر توجہ نہیں دی تھی۔ مگر مجھے آپ سے اس قسم کی حماقت کی امید نہیں تھی۔“

وہ مشرقی شوہر ہونے کی حیثیت سے یہ حق محفوظ رکھتے تھے کہ جب موڈ ہو بیوی کو جاہل ہونے کا احساس ضرور دلائیں۔ اعلا تعلیم یافتہ عورت کا شوہر تو بہت بے تاب رہتا ہے کہ کسی طرح ثابت کر دے کہ بیوی کا شعور اور ڈگریاں سب بے کار ہیں' وہ جاہل ہے اس لیے کہ عورت ہے۔

احساس توہین سے چند گھڑیاں لب بستہ رہ کر گزریں۔

”کیا نام بتایا ہے اس نے اپنے بچے کے باپ کا؟“ یاور علی خان کی آنکھوں سے فکر مندی جھلک رہی تھی۔

”لال خان۔ معمولی پڑھا ہوا کاروباری آدمی ہے۔ ٹھیک ٹھاک پیسے والا ہے۔“ ماہین ناراض سے انداز میں گویا ہوئی۔

”وہ پیسے والا ہے' اور یہ یہاں اس حال میں جھک مار رہی ہے۔ کوئی سر پیر ہے اس اسٹوری کا؟“ یاور علی بُری طرح جھلا گئے۔

”بتایا تو ہے سیپریشن ہو گئی ہے۔“ ماہین نے سابقہ انداز میں جواب دیا۔

”اور ہاں...... ایک پوائنٹ تو مس ہو رہا ہے۔ حویلی کا پوچھتی کیوں آئی ہے۔ کیا حویلی میں اس کا کوئی رشتے دار ملازم ہے۔“ یاور علی خان ایک دھیان سے چونکے۔

”غلطی ہو گئی مجھ سے۔ ذرا سا بھی اعتماد نہیں ہے مجھ پر۔ کٹہرے میں آ کھڑی ہوں جیسے۔ نوکروں سے کہیں' وہ اُسے دھکّے دے کر حویلی سے باہر نکال دیں' جیسے کہ آپ کے ہاں کا دستور ہے۔“ اب ماہین کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

”اس قسم کی ہمدردیاں گلے پڑ جاتی ہیں۔ کیوں نہیں سمجھ میں آتی یہ بات آپ کو؟“ یاور علی خاں سیلف کنٹرول کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

”فیوڈل لارڈز ہمارے سسٹم میں ہر قانون و بندش سے آزاد ہوتے ہیں۔ کوئی آپ کا کیا بگاڑ سکتا ہے؟ اگر کچھ بگڑے گا تو اسی بے چاری کا بگڑے گا۔“ ماہین نے تلخ انداز میں جواب دیا۔

”فیوڈل لارڈز کی کوئی ریپوٹیشن بھی ہوتی ہے۔“ یاور علی خان نے مزید دلیل دی۔

”ہونہہ۔ ریپوٹیشن؟ کن پوائنٹ پر جیسی چاہے ریپوٹیشن بنوالیں۔“ ماہین کا موڈ تو گویا ہمیشہ کے لیے آف ہو چکا تھا۔

”میں بہرحال کہہ چکا ہوں' اب یہ لڑکی ایک دن بھی یہاں نہیں رُکے گی' اور آئندہ کوئی لڑکی یا عورت بابا صاحب سے

ملے بغیر ملازم نہیں ہوگی۔ حویلی میں ملازم رکھنے یا نکالنے میں حویلی کی کوئی عورت حصہ نہیں لے گی۔“

”ایک قانون اور بنالیں کہ آئندہ حویلی کے مرد باہر سے شادی کر کے عورتیں حویلی میں نہیں لائیں گے۔ اپنے فرسودہ کزن میرج سسٹم پر اٹل ہو جائیں گے' اور اس سے کبھی نہیں ہٹیں گے۔“ ماہین نے ان کی بات کاٹ کر ٹکڑا لگایا تھا۔

یاور علی خان سگریٹ سُلگا رہے تھے' انہوں نے شعلے سے نگاہ ہٹا کر ماہین کی سمت دیکھا تھا۔ ایسے کہ نگاہ میں کوئی جستجو تھی۔

”جب میں نے آپ سے شادی کی تھی' تو سوچا تھا ایک فریش اور کوائیٹ ینگ لڑکی مجھے اندر سے اتنا سیراب کر دے گی' کہ سارے ملال مٹ جائیں گے' اور خوشیاں رنگ بن کر مجھ پر برسیں گی۔“

”سب کچھ اپنا ہی سوچا تھا۔ اس ”کوائیٹ ینگ“ لڑکی کا بھی کبھی سوچا ہوتا۔“ ماہین نے بمشکل آنسو پیے۔

”عرصے سے حیرت میں تو ہوں۔ گہرے رنگوں میں ملبوس گرم جوش سی لڑکی کا ہاتھ جب میرے ہاتھ میں آتا ہے تو برف کیوں ہو جاتا ہے' اسے میری کمزوری کا پتا ہے کہ میں سوئے ہوئے بندے کو جگانا پسند نہیں کرتا۔ اس لیے وہ نو بجے سے ہی پڑ کر سو جاتی ہے؟“

گویا چارج شیٹ کھل گئی تھی۔

ماہین سر جھکائے سُن رہی تھی۔

”ایک بیوی میں اُس طرح کی کمی سب سے بڑی کمی ہوتی ہے۔ میں ان بیس سالوں میں آپ جتنے قد والی ایک ڈمی بھی اپنے بیڈ روم میں سجا سکتا تھا۔“

”مجھے یاد آ رہا ہے کہ بالو کے موضوع پر ہماری پہلے بھی بات چیت ہوئی تھی' مگر تب آپ نے ایسا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔ اب کہاں کا غصہ کہاں نکالا جا رہا ہے' جس بات پر غصہ ہے وہی بات کیجیے ناں۔“ ماہین نے خفگی بھرے لہجے میں کہا تھا۔

”اب اندر غصے کے جذبات کے علاوہ دوسرے جذبات رہے کہاں ہیں۔ آج تو یوں بھی گیم کا فائنل ہے۔“ وہ تلخ لہجے میں کہہ کر کش لگانے لگے۔

ماہین نے چونک کر ان کی صورت دیکھی۔

”گیم...... کون سا گیم؟“ اس کی نظر میں سوال تھا۔

”بابا صاحب خیر آباد سے واپس آ گئے ہیں۔ آرام کر رہے ہیں۔ روشی کا معاملہ آج فائنل ہو جائے گا۔ اگر وہ باری کے لیے کوئی لچک یا نرمی ظاہر کریں گے تو ان سے بھی اس موضوع پر دوبارہ کبھی بات نہیں ہوگی۔ پھر کورٹ ہی میں معاملہ نمٹے گا۔ رہی اس لڑکی کی بات' کیا نام ہے اس کا۔ مجھے اگر علم ہوتا کہ آپ نے ایسی لڑکی کو پناہ دی ہے' جو ماں بننے والی ہے تو میں بہت پہلے ری ایکٹ کر چکا ہوتا۔ یہ بات آپ کو میرے علم میں لانا چاہیے تھی۔ مگر آپ تو مجھ سے ہر بات چھپانے کی عادی ہیں۔ کیسی احمقانہ پارٹنر شپ ہے ہماری۔ اعتبار و اعتماد کی کس قدر کمی ہے۔“

انہوں نے سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے جھاڑ چھپاڑ کی۔

''میں آپ کو یقین دلانے کی مزید کوشش ہرگز نہیں کروں گی' کہ روشی کے کیس میں جتنے لاعلم آپ تھے' اتنی ہی میں تھی۔ البتہ اتنا علم ضرور تھا کہ وہ نعیم سے شادی پر رضامند نہیں ہے۔''

''جو ہو چکا ہوتا ہے' میں اس پر زیادہ غور نہیں کرتا۔ جو کرنے کا ارادہ ہوتا ہے میری ساری اٹینشن اس پر ہوتی ہے۔'' یاور علی خاں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''پتا ہے مجھے۔'' ماہین بڑبڑائی۔

''مگر یہ آپ کی بیٹی کا معاملہ ہے۔ انسان خود کو جانتا ہو تو اپنی اولاد کا بھی ٹھیک اندازہ لگا سکتا ہے۔ دنیا کو سمجھنے کا دعوا نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اپنی اولاد کو آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کو جانے بغیر آپ کورٹ میں جائیں گے تو یہ بہت بڑی چُوک ہوگی۔'' ماہین نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''اتنا نادان میں بھی نہیں ہوں۔ اسے سیٹ کرلوں گا' پھر کورٹ میں جاؤں گا۔ اس لیے کہ یہ ایک مضبوط پلاننگ ہے۔ بارؔی کی بیک بھی بہت مضبوط ہے۔ میں سب سمجھ رہا ہوں۔'' یاور علی خان نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''مثلاً۔ کیا سمجھ رہے ہیں؟'' ماہین نے گرم لوہے پر چوٹ لگانے کی کوشش کی۔

''میں اس موضوع پر آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ بھابی بیگم کی تاکید ہے' ان کا کہنا ہے۔ آیندہ ماہین اپنے بیڈروم سے باہر نہ سوئے۔ آپ نے انہیں کچھ نہیں بتایا تو کیا خیال ہے' وہ اتنا بھی نہیں سمجھتیں کہ میں بیڈروم میں موجود ہوں' اور آپ بیڈروم چھوڑ کر کہیں اور رات گزاریں۔

میں آپ کی ناراضگی سے خائف نہیں ہوں۔ مگر معاملے کی تہ تک پہنچنے سے پہلے آپ سے بگاڑ بھی نہیں چاہتا۔ بہتر ہے کہ اس موضوع پر ہماری بات نہ ہو۔ یہ ہم دونوں کے لیے ہی اچھا نہیں ہے۔''

یاور علی خان خشک لہجے میں بات کر رہے تھے۔

''بات تو میرا خیال ہے مجھ سے ہی ہوگی آپ نہیں کریں گے تو باباصاحب کریں گے۔ مگر میرے ہاتھ صاف ہیں۔ مجھے مطلق اسی بات کی پروا نہیں کہ کوئی مجھ سے اس موضوع پر بات کرتا ہے یا نہیں۔''

ماہین نے بھی قطعی انداز میں بات کی۔

''میرا آپ سے خود بات کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ میں اس معاملے میں سرے سے آپ کو انوالو ہی نہیں کرنا چاہتا۔''

''انوالو تو آپ مجھے کر چکے ہیں' یہ کہہ کر کہ میں اس پلاننگ میں شامل ہوں۔'' ماہین نے بُرا مان کر کہا۔

''بات آگے بڑھے گی تو ثابت ہو جائے گا کہ آپ شامل ہیں یا نہیں۔ اس سے پہلے میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ اسٹاپ دِس ٹاپک۔''

یاور علی خان اُٹھ کر میز کی طرف بڑھے جیسے کچھ تلاش کرنا چاہتے ہوں۔

''لیکن اگر یہ ثابت ہوگیا کہ میں اس معاملے میں شامل نہیں ہوں تو آپ کو مجھ سے معذرت کرنا پڑے گی۔'' ماہین نے

بڑی ہی سے کہا۔

''یہ طے ہے۔'' یاور علی خان نے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

''ایک مرتبہ پھر کوئی بڑا نقصان ہو سکتا ہے' آپ کو ہر قدم بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا ہوگا۔ آپ کی ایک ہی بیٹی ہے۔'' ماہین بولے بنا نہ رہ سکی۔

''اگر دس بھی ہوتیں تو میرا طریقہ کار اور ردِعمل یہی ہوتا۔ مگر ''ایک مرتبہ پھر۔'' آپ کا کیا مطلب ہے؟'' وہ مڑ کر سوالیہ انداز میں اس کی سمت دیکھ رہے تھے۔

''اس پر آپ غور کریں گے۔ میں نے جو کہا ہے' بقائمی ہوش و حواس کہا ہے۔'' وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور یاور علی خان کی ست دیکھے بنا باہر نکل گئی۔ یاور علی خان گہرے تفکر میں ڈوبے نظر آ رہے تھے۔

''تم لوگ اس بے چاری سے اب کام نہیں لیا کرو۔ بڑی لمّاں یا خالہ نے تم لوگوں سے کچھ نہیں کہا۔ اتنے سارے کپڑے لے کر اوپر جا رہی تھی۔ میں نے اس سے لے لیے۔ دیکھو ناں یہ تو زیادتی ہے۔''

وہ اپنی دھن میں بولتے ہوئے کچن میں داخل ہوئی۔ بارؔی چائے کا کپ سامنے رکھے کیک کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بناتے ہوئے جانے کس سوچ میں گم تھا' اس کی آواز پر چونک پڑا۔

''بالو کی بات کر رہی ہیں آپ بی بی! میں نے سرسوتی سے کہا تھا کہ بے چاری کے بچہ ہونے والا ہے' اس سے کام نہ کراؤ۔ مگر بی بی! وہ خود بھی تو باز نہیں آتی۔'' کلو نے صفائی پیش کی۔

''لاحول ولاقوۃ۔'' روشی' بارؔی کے سامنے اتنی کھلی بات پر جیسے گڑ کر رہ گئی۔

''ایک تو تجھے بات کرنے کا ڈھنگ جانے کب آئے گا۔'' وہ جھلا کر یہی کہہ سکی۔

کلو احمقوں کی طرح اس کی شکل دیکھنے لگی کہ ٹھیک تو بات کہی ہے' پھر اعتراض کیا معنی؟۔

''میں اوپر اپنے کمرے میں جا رہا ہوں میری چائے وہیں پہنچا دو۔'' وہ کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔ روشی نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

''اور آیندہ میرا کھانا وقت پر باباصاحب کے ساتھ ہوگا' اور چائے میرے کمرے میں اور ناشتا بھی۔ کچن میں آنے کی وجہ یہ ہوتی تھی' کہ کھانے پینے میں میرا ٹائم مقرر نہیں تھا۔ مگر اب میں نے سیٹ کر لیا ہے۔ ماما کو بھی میری وجہ سے بہت پریشانی ہوتی تھی۔ اگر میں پڑھنے کے لیے باہر چلا گیا تو تم لوگ اور زیزی فیل کرو گے۔'' وہ تکلفاً مسکرایا اور باہر نکل گیا۔

روشی حیران پریشان اس کے الفاظ پر غور کرتی رہ گئی۔ کلو اور سرسوتی جانے کیا باتیں کر رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ''پڑھائی کے لیے باہر'' بس یہی بازگشت تھی۔

''آپ چائے پئیں گی بی بی؟'' کلو نے اس کے کھڑے ہونے کی یہی وجہ اخذ کی۔

''جہنم میں گئی چائے۔'' وہ جھنجلاتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی۔

چند منٹوں کے بعد وہ اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ دو چار مرتبہ دستک دینے کے بعد دروازہ کھل گیا۔

''مائی گاڈ......سامنے روشی کو دیکھ کر گویا وہ چکرا گیا۔

''آپ کو اب اس طرح نہیں آنا چاہیے۔'' اس نے پہلے سامنے پھر زینے کی سمت دیکھتے ہوئے دبی آواز میں کہا۔

''پھر کس طرح آنا چاہیے۔ گھوڑے پر بیٹھ کر یا ہیلی کاپٹر میں؟'' وہ اس کے سرد مہر انداز پر چڑ کر بولی۔

''آپ سمجھتی کیوں نہیں۔ کس قدر ٹینشن ہے ماحول میں۔ ہماری وجہ سے۔ بات کو کسی واضح سمت رُخ تو کرنے دیں۔ مزید الجھن پیدا ہو سکتی ہے۔ اب تو سب اُلجھے ہوئے ہیں۔ مزید الجھنوں کے دم خم نہیں ہیں' ان میں کیا کر سکتے ہیں اب۔'' روشی کی عادت تھی کہ جب کسی مسئلے میں اُلجھتی تھی تو ہر مصلحت بالائے طاق رکھ دیتی تھی۔

''یہ صرف آپ کا خیال ہو سکتا ہے۔'' بارّی دروازے میں ڈٹا ہوا تھا۔ اس کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ کسی طور پر اسے کمرے میں آنے نہیں دے گا۔

''ہاں ظاہر ہے اس لیے کہ میں آنسٹ (Honest) ہوں۔ جو آنسٹ ہوتا ہے' اسی کے پاس اسٹرینتھ بھی ہوتی ہے اور Will بھی اسی کی ہوتی ہے۔ تم تو پڑھائی کے بہانے یہاں سے فرار ہونے کے چکر میں ہو۔ صرف پاپا سے ایک سٹنگ ہوئی ہے اور تمہاری ''ہارس پاور'' ہوا ہو گئی ہے۔

مگر میں تمہیں بتا دوں کہ میں تم سے بہت اچھی طرح نمٹ لوں گی۔ کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔'' اس کا چہرا یکدم سرخ ہو گیا۔

''مجھے ٹھیک ٹھیک اندازہ ہے کہ میں بُری طرح گرفتار بلا ہوں۔ میں فی الحال کہیں فرار نہیں ہو رہا' آپ غم نہ کریں۔ اب پلیز آپ مزید یہاں نہ کھڑی ہوں۔ کیس اور مشکل ہو سکتا ہے۔ سمجھیں آپ۔''

''اب کیا مشکل۔ اچھا ہے بات کھل گئی۔ میرا تو دم گھٹنے لگا تھا۔ اتنا بہادر شو کرنے کی ضرورت کیا تھی' جب ابھی سے تھر تھر کانپ رہے ہو۔ میں کاکا جان کے ہاں اس لیے تو نہیں گئی تھی۔ تم انکار کر سکتے تھے۔ کیوں نہیں کیا؟۔ میں کبھی اس بات پر یقین نہیں کر سکتی کہ کاکا جان کسی کے ساتھ اس طرح کی زبردستی کر سکتے ہیں۔''

''آپ نے ٹھیک کہا۔ کیا میں اپنے کمرے کا دروازہ بند کر سکتا ہوں؟'' بارّی نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ ہر قیمت پر وہاں سے اُسے ہٹانا چاہتا تھا۔

اسی لمحے سرسوتی زینے کی طرف سے نمودار ہوئی۔

''تساں نوں بڑے خان بلاساں۔'' وہ بارّی سے مخاطب تھی۔

روشی سرسوتی کی آواز پر بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''اکیلے ہیں یا اور کوئی بھی ہے اُن کے پاس۔؟'' اس کے چہرے پر سنجیدگی کے نشان ظاہر تھے۔ سوال میں تفکر کا عکس بھی تھا۔

''جی۔ یاور خاناں ہیں۔ بس۔''

روشی نے چونک کر بارّی کی سمت دیکھا۔ پریشانی اس کے چہرے سے جھلکنے لگی۔

بارّی نے ہاتھ پیچھے کر کے دروازہ بند کر دیا۔

''چلو تم آ رہا ہوں۔'' اس نے سرسوتی کو تو روانہ کیا۔

آپ بھی چلیں۔ آرام کریں۔ اور دعا کریں۔ کہ ہماری اگلی باتیں کمرے سے باہر نہ ہوں بلکہ کمرے کے اندر رہوں۔''

بالآخر اس کا فکر سے گھبرایا ہوا چہرا دیکھ کر بارّی کا دل موم ہو ہی گیا۔ وہ بہت مبہم سا مسکرا رہا تھا۔

''بابا صاحب تمہارے ساتھ جانے کا کیا بابی ہیو کریں۔ میں بھی چلوں؟'' وہ فکرمندی سے بارّی کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''آپ توپوں میں گولے ڈالیں گی۔ کیوں پریشان ہوتی ہیں' یہ تو ایک دن پیش آنا ہی تھا جس دن خیر سے نکاح نامہ پر دستخط کیے تھے' سر پر کفن باندھ کر کیے تھے۔

مگر......روشانے......حویلی میں ایک پاگل سی لڑکی ہے جس کا دل بہت بے ایمان ہے۔ اس لڑکی میں جیت جانے کے سارے گٹس موجود ہیں۔''

''بارّی......! وہاں دونوں ہیں پپا بھی اور بابا صاحب بھی۔'' اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔

''وہاں اور دوسرے بھی ہو سکتے ہیں۔ آ سکتے ہیں۔ مثلاً بڑے ابا۔ اد۔ اکا۔ مصور۔ بصیر چچا۔ اور دوسرے مگر بات تو کرنا ہے ناں۔'' وہ نارمل تھا۔

''وہ تمہیں پزل کر دیں گے۔'' روشی درحقیقت بہت پریشان تھی۔

''ابھی تک تو صرف ایک ہستی ہی ہمیں پزل کر سکی ہے۔'' وہ مُسکرایا اور آگے بڑھا۔ ''بارّی''۔ اس نے جاتے ہوئے بارّی کو آواز دی۔

''اوہ۔ جانے دیں مجھے۔ ''اُدھر'' جائیں گے تو ''اِدھر'' آئیں گے۔'' وہ بہت پُرسکون لہجے میں اس سے شرارت کر رہا تھا۔

''کاکا جان کو فون کر دوں۔'' بارّی کی آنکھوں میں جانے کیا تھا کہ اس کی نظریں خود بخود جھک گئی تھیں۔

''حد ہو گئی۔ ویسے تو بڑی توپ چیز بنتی ہیں۔ بندے کے دم خم کا ٹھیک اندازہ ہمیشہ کرائسس میں ہوتا ہے۔ پول کھل رہی ہے آپ کی۔'' وہ آگے بڑھتے ہوئے گویا ہوا۔

''مجھے تو تمہاری فکر ہے کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ ہو۔ یہ لوگ بہت سخت ہیں۔'' وہ بے ساختہ بولی۔

''ایسی بے موقع بات کرتی ہیں کہ بندہ انجوائے بھی نہیں کر سکتا۔ سپاہی محاذ پر جا رہا ہو اور کوئی اسے عید کا چاند دکھا کر کہے کہ کل عید ہے۔ ایسی ہی مضحکہ خیز سچویشن ہے یہ۔'' وہ بولتے بولتے زینے کے پہلے موڑ پر غائب ہو گیا۔

روشی اب اس دھن میں تھی کہ کس طرح بابا صاحب کے کمرے میں ہونے والی گفتگو خود اپنے کانوں سے سنے۔

''السلام علیکم!'' چرر کی آواز سے دروازہ وا ہوا اور باری اندر داخل ہوا۔

بابا صاحب نے اشارے سے جواب دیا۔ یاور علی خان نے اتنی زحمت بھی نہیں کی۔ کمرے میں کچھ دیر معنی خیز سی خاموشی چھائی رہی۔

''باری۔!'' بابا صاحب کی آواز میں عجیب سی لرزش تھی۔

''جی خان۔'' وہ ہنوز کھڑا ہوا تھا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' انہوں نے مقابل پڑی کرسی کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ باری اِدھر اُدھر دیکھے بنا خاموشی سے بیٹھ گیا۔

''محرم راز ہو حویلی کے تمہاری عمر کے کتنے وارث ہیں۔ ہماری حویلی ہیں؟ کسی پر اتنا اعتماد و اعتبار نہیں کیا گیا۔ یہ اعزاز تمہیں اس لیے دیا گیا تھا کہ ذمہ داری اور فرض شناسی کا جوہر جو تمہارا خاصا ہے۔ بہت بچپن میں ہم نے اسے جانچ لیا تھا۔ اور ہماری جانچ تمہاری بڑھتی عمر کے ساتھ ثابت ہوتی گئی۔

مگر یہ کیا کر دیا۔ ہمیں یقین نہیں آ رہا۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ یاور ہم سے خواب میں مخاطب ہوئے تھے۔

کیا ہم نے جو سُنا ہے درست سُنا ہے؟''

ولاور علی خان دُکھ کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ چند لمحوں کے لیے ماحول میں سکوت سا چھا گیا۔

''آپ نے جو جانچ میری کی تھی' وہ بھی صحیح ہے' اور جو سُنا ہے وہ بھی درست ہے۔'' باری اتنا کہہ کر چُپ ہو گیا۔

''ہمیں یقین کیوں نہیں آ رہا؟'' ولاور علی خان نے بڑی بے بسی سے یاور علی خان کی سمت دیکھا تھا۔

''کیسے آ سکتا ہے۔ کوئی معمولی دُکھ ہوتا ہے' جب اعتبار ٹوٹتا ہے۔ اور سانپ آستین میں سے نکلتا ہے۔'' یاور علی خان کے لہجے میں بلا کی تلخی تھی۔

''اگر آپ اجازت دیں تو کچھ عرض کروں۔'' باری نے بابا صاحب کی سمت دیکھا۔ جواب میں خاموشی چھائی رہی۔

''حویلی کی چہار دیواری کے اندر جو قانون اور ضابطے ہیں۔ ان کے حساب سے یہ نہایت سنگین جرم ہے۔ لیکن بحیثیت انسان میرے تمام حقوق اسی طرح محفوظ ہیں۔ جیسے کہ دوسرے انسانوں کے' اگر آپ نے بچپن ہی میں میرے ایک پاؤں میں بیڑی ڈال دی ہوتی تو میں کتاب اٹھانے کے بجائے تیشہ اُٹھا لیتا۔ کہ اس وقت تو مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میں کون ہوں' اور میرا باپ کون ہے۔ مگر آپ نے تو میرے ہاتھ میں کتاب دی تھی۔ کتاب سے تو انسان کی ''میں'' کا آغاز ہوتا ہے۔ میں نے اپنی ''میں'' استعمال کرنے کی جرأت کی ہے خان۔ اگر چند فیصد بھی یہ یقین ہو جاتا کہ آپ اور یاور خان تھوڑے سے ٹینشن کے بعد مان جائیں گے تو میں وقت کا صبر سے انتظار کرتا۔ لیکن مجھے اور کا کا جان کو بہت اچھی طرح پتا تھا۔ کہ آپ لوگ قیامت تک رضامند نہیں ہوں گے۔ اس لیے۔''

''اس لیے تم نے ہمیشہ کے لیے داغ لگا دیا۔'' یاور علی خان نے ٹکرا گیا۔

''بات تو ہماری سمجھ میں آ گئی ہے۔ تیمور کی وہ باتیں جو پچھلی ملاقات میں سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔ اب سمجھ میں آ گئی

ہیں۔

کیا تمہیں ناز اور تیمور نے پریشرائز کیا تھا؟'' بابا صاحب نے ایک اُچٹتی نگاہ یاور علی خان پر ڈال کر یوں پوچھا جیسے ان کے سامنے نام لے کر گناہ ہو گئے ہوں۔

''ایک جوان' صحت مند' باشعور انسان پر جبر و دباؤ۔ اس کی سب سے بڑی توہین ہے خان! اس لیے کہ اس عمل سے وہ ناپید ثابت ہو جاتا ہے' مائنس ہو جاتا ہے۔ میں یہ بات اپنے ساتھ پسند نہیں کر سکتا' اور نہ ہی کسی اور کے ساتھ۔

بات صرف اتنی ہے کہ اُدھر روشانے یاور علی خان کے ہونے کو تسلیم کیا گیا۔ ورنہ مجھ میں ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی کہ وہ لوگ روشی بی بی کے لیے مجھے پریشرائز کرتے۔ جب کہ آل ریڈی ایک بیسٹ پروپوزل موجود تھا۔''

باری بہت اعتماد اور ٹھہرے ٹھہرے انداز میں کلام کر رہا تھا۔ پیش ہونے کی تیاری تو اسی دن سے شروع ہو گئی تھی' جس دن نکاح ہوا تھا۔ اس دن سے اندر ایک کار راز تخلیق ہو چکا تھا۔ جب تک جاگتا تھا چوکھی لڑتا رہتا تھا۔

''ہم تو صرف یہ سُننا چاہتے ہیں کہ تم یہ اعتراف کرو کہ تم نے ایک بھیانک جرم کا ارتکاب کیا ہے' اور تمہیں اپنی غلطی پر سخت ندامت ہے۔ واقعہ بہت بڑا ہے' ہماری استطاعت و حوصلے سے بہت زیادہ ہے' مگر اس واقعے سے پہلے جو انداز تمہارا ہمارے ساتھ رہا ہے' وہ ہمیں فیصلہ کن حالت میں آنے سے روک رہا ہے۔ تم میں ایسی کوئی خامی نہیں تھی' کہ ہم تمہیں یکلخت نظر انداز کر دیتے۔ تم قابل غور ہو سکتے تھے۔ مگر یاور روشانے کے سرپرست ہیں۔ اس کے باپ ہیں انہیں یہ رشتہ اے ٹو زیڈ نامنظور ہے۔ ہم اس کمرے میں ہمیشہ کے لیے یہ واقعہ بھلا دینا چاہتے ہیں۔ کسی بھیانک خواب کی طرح۔ امید ہے تم ہماری بات سمجھ چکے ہو۔''

دلاور علی خان سارا ماضی ان گھڑیوں میں استعمال کر رہے تھے۔ سارے تجربات کا نچوڑ یہ تھا کہ وہ انتہائی دھیمے انداز میں اس سے ہم کلام تھے۔

''اس واقعے میں سرائے کے مکین بھی شامل ہیں۔ ان کی غیر موجودگی میں' میں کوئی بات کرنا نہیں چاہتا۔ بات سمٹے یا پھیلے۔ میں ان کی موجودگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''مگر میں سرائے کے مکینوں کو اپنی بیٹی کے معاملات میں مداخلت کی اجازت کسی طور نہیں دوں گا۔ اپنی بیٹی کا معاملہ نمٹانے کے لیے میں اکیلا کافی ہوں' آئندہ میرے سامنے سرائے کے ذکر سے پرہیز کیا جائے۔'' یاور علی خان نے ناگوار لہجے میں اتنی دیر میں پہلی مرتبہ لب کشائی کی۔

''یہ واقعہ آپ سب کے لیے جتنا بڑا ہے میرے لیے بھی اتنی ہی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔ میں اس وقت کوئی بات نہیں کرنا چاہتا بلکہ آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ سب کچھ غور کریں کچھ سوچیں' یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔'' باری بہت محتاط میں انداز بات کر رہا تھا۔

''ہمیں کچھ نہیں سوچنا نہ غور کرنا ہے۔ بات یہاں ختم کرنا ہے' یا کورٹ میں' صرف اس کا جواب دو؟'' یاور علی خان نے غضب ناک انداز میں دریافت کیا۔

''بات کیسے ختم ہو سکتی ہے۔ اس کیس کا اہم فریق ہماری میٹنگ میں شامل نہیں ہے۔'' بارِی کے انداز پر کوئی اثر نہیں ہوا' وہ بدستور تھا۔

''بارِی۔ مجھے دُکھ نہ دو۔ میں تمہارے ساتھ بُرا نہیں کرنا چاہتا۔'' بابا صاحب کے انداز میں شکستگی تھی۔

''دُکھ کی بات تو میرے لیے ہے۔ آپ کی عزّت افزائی صرف ایک غلام کے لیے تھی۔ یہ احساس کس قدر اذیت ناک ہے۔ میرے دُکھ کی کوئی حد نہیں۔''

''بابا صاحب! مجھے الجھنا نہیں ہے۔ فیصلہ سننا ہے۔ یاور علی خان نے خفگی بھرے انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔

''دراصل میرے ذہن میں اس طرح سے کبھی نہیں آیا تھا کہ مجھے تنہا اس موضوع پر آپ سے اور خان سے بات کرنا پڑے گی۔ میں چاہتا بھی نہیں تھا کہ اس کیس پر آپ سے براہ راست بات کروں۔ کاکا جان کی ایڈوائس تھی کہ میں ان کی اجازت کے بغیر کسی سے کوئی بات نہ کروں' اس لیے آپ لوگ اس وقت مجھ پر بگڑیں' ناراض ہوں' حتیٰ کہ کوئی سزا بھی سُنا ڈالیں۔ تب بھی میں کوئی فیصلہ آپ کو نہیں سُنا سکتا۔ البتہ اس کارنر سے میں آپ کو اطمینان دلا دینا چاہتا ہوں۔ کہ میری جانب سے کوئی گستاخانہ جملہ نہیں آئے گا۔''

وہ پُرسکون لہجے میں اپنی بات کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''سن لیا بابا صاحب؟ اب بھی آپ کو کوئی شک ہے کہ یہ پلاننگ نہیں ہے۔ کتنی واضح بات ہوئی ہے۔'' یاور علی خان نے اپنا خیال درست نکل آنے پر باپ کی سمت فخریہ انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''بارِی! ہمیں تم سے یہ امید نہیں تھی۔ تمہیں انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔ پھر گھوڑا دوڑانا بتایا۔ تمہیں اپنے دل میں وہ مقام دیا۔ جس کا تصور بھی ایک بے نام ونشان انسان نہیں کر سکتا۔'' دلاور علی خان کی آواز میں عجیب سی شکستگی تھی۔

''میں بے نام ونشان نہیں ہوں خان! ۔ مہمندی سرداروں میں کسی نمبر پر میرا بھی نام ہے' میرا نشان تو اتنا گہرا تھا کہ آپ نہ چاہتے ہوئے بھی حویلی میں مجھے جگہ دینے پر مجبور ہوئے۔ میں نے کتنی مرتبہ آپ سے اپنے قبیلے والوں سے ملنے کی اجازت مانگی۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ وہاں میری جان کو خطرہ ہے' اور آپ مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ مجھے کھونا نہیں چاہتے۔'' وہ آہستہ آواز میں بولتے بولتے رُکا اور قمیض کی جیب میں کچھ ٹٹولنے لگا۔ پھر ایک کارڈ نکال کر بابا صاحب کے سامنے کیا۔ ''یہ میرے والد عبدالعلی مہمندی کے محکمے کا کارڈ ہے۔ ایک مرتبہ کاکا جان کے ہاں کاغذات سمیٹتے ہوئے ہاتھ لگا تھا۔ ان کی لائبریری میں۔ اس وقت میں نائنتھ کلاس میں تھا۔

اکثر ایسا ہوا ہے کہ مجھے خود اپنے بے نشان ہونے کا گمان ہونے لگا۔ اس لمحے میں یہ کارڈ نکال کر دیکھ لیا کرتا ہوں۔ اور میرا اعتماد بحال ہو جاتا ہے۔''

وہ بڑے اعتماد سے کہہ رہا تھا۔

''ایک کرپٹ آدمی کا دوست بھی کرپٹ تھا۔ تمہارے باپ نے بھی کسی کی لڑکی کو بہکایا تھا۔ خون کی وہی تاثیر تم تک پہنچی۔'' یاور علی خان نے تلخی سے ٹکڑا لگایا۔

کمرے کی فضا مہیب سی محسوس ہونے لگی جیسے وہاں بھوت ناچ رہے ہیں' ایسا سناٹا جو کسی طور ٹوٹتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ دلاور علی خان کے لب ایک دوسرے میں اس طرح پیوست تھے' گویا اب انہیں کھولنے کا کوئی ارادہ نہ ہو۔ سر بھی تھوڑا خمیدہ تھا۔ بارِی کا چہرا سُرخ ہو رہا تھا۔ جذبات میں تلاطم برپا تھا کہ الفاظ ترتیب دینا ایک مرحلہ بن چکا تھا۔

''یہ کرپشن اسی وقت ختم کر دی جاتی تو کیا بہتر تھا۔ حویلی میں مجھے رکھنے کا فیصلہ کس کا تھا۔ مجھے خبر نہیں۔ لیکن یہ طے ہے کہ فیصلہ اتھارٹی ہی نے کیا ہوگا۔ مجھے انسان ہونے کا احساس دیا گیا۔ اگر نہ دیا جاتا' تو محرم راز نہ بنایا جاتا۔''

''ان تمام احسانات کا قرض ہی تو چکایا ہے تم نے۔'' یاور علی خان کا حرف حرف زہریلا تھا۔

''کرپٹ تو میں اس وقت ثابت ہوتا۔ جب اپنی من مانی کر کے یہاں سے جا چکا تھا۔ یا ہم سرائے سے اِدھر واپس نہ آئے ہوتے۔ ہماری کورٹ میرج نہیں ہے۔'' بارِی کا انداز بہت دوٹوک اور بے حد سنجیدہ تھا۔

''تمہارے مفادات اسی حویلی سے مشروط ہیں۔ یاور علی خان کے صرف دو بچے ہیں' اور جو کچھ میرا ہے' یقیناً وہ سب ان دونوں بچوں کا ہے۔'' یاور علی خان پھر تلخ لہجے میں گویا ہوئے۔

''مجھے اندازہ تھا کہ مجھے یہ سب بھی سُننا ہوگا۔ بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ۔ آپ مجھے اجازت دیجیے۔ میں سرائے جانا چاہتا ہوں۔ اصولاً تو مجھے وہیں ہونا چاہیے تھا۔ میرا اگر حقیقی ٹھکانا ہونا چاہیے تو وہ جگہ سرائے ہے۔ کیونکہ وہاں میرے باپ کا دوست ہے۔''

''تمہاری روشانے سے شادی کے متعلق بات چیت کتنا عرصہ قبل ہوئی تھی' کیا اس کی منگنی سے پہلے۔ یا کراچی میں جب اس نے خودکشی کی کوشش کی تھی۔ اس سے بھی پہلے۔''

دلاور علی خان کی خاموشی بھی بالآخر ٹوٹ گئی۔ شاید اتنی دیر سے وہ کڑیاں ملا رہے تھے۔

''شادی یا نکاح کے موضوع پر ہماری براہِ راست کبھی بات نہیں ہوئی نہ واضح اور نہ ہی اشارتاً یہ ٹاپک اتنا حساس ہے کہ میں آپ کے اطمینان کی خاطر حلف بھی اٹھا سکتا ہوں۔'' بارِی کا انداز ہنوز پُراعتماد تھا۔

دلاور علی خان اور یاور علی خان دونوں ہی بُری طرح چونک پڑے۔ وہ تو اپنے حساب سے جانے ان کی کتنی خفیہ بات چیت کا ریکارڈ بنائے ہوئے تھے' کہ لَو میرج کا مرحلہ تو بہت سے مراحل طے کرنے کے بعد ہی آتا ہے۔

''شاید ابھی تم حلف اُٹھانے کا مطلب نہیں جانتے۔'' بابا صاحب نے ابرو اُٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔

''میں کیونکہ ملزم ہوں' اس لیے ہر زاویے سے شک کرنا آپ کا حق ہے۔'' بارِی نے سنجیدگی سے کہا۔

''کتنی آفر ہے تیمور کی طرف سے؟'' یاور علی خان نے پہلو بدل کر طنزیہ پوچھا۔

بارِی۔ خاموش بیٹھا کچھ سوچتا رہا۔

''خان۔! بہترین کھانا' بہترین لباس یہاں مجھے ہمیشہ ملا ہے۔ مرسیڈیز' لینڈ کروزر' پجارو' ضرورت کے تحت استعمال کرتا رہا ہوں۔ لاکھوں کا کیش یہاں وہاں لے کر گیا ہوں۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں ایک کروڑ کی ڈیلنگ حال ہی میں میرے ذریعے ہوئی۔ وہ کون سی مادی اٹریکشن ہے' جسے میں نے چھو کر محسوس نہ کیا ہو۔ یہ تمام چیزیں تو آل ریڈی مجھے حاصل تھیں۔

بلکہ نکاح کے بعد تو خطرے میں پڑ گئی ہیں۔ آپ اِدھر اُدھر ذہن دوڑانے کے بجائے حقیقت پر غور کرنے کی کوشش کیجئے۔
آپ سے درخواست کر رہا ہوں میں۔"

بارؔی نے بڑی ہمت کر کے یاور علی خان کو مشورہ دیا۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

نہیں ان چیزوں کے کبھی نہ کبھی چھن جانے کا امکان تھا مگر اب تم نے مستقل طور پر اپنے بینیفٹس محفوظ کرنے کا اہتمام کرنے کی کوشش کی تھی۔" یاور علی خان نے پھر طنز کا تیر چھوڑا۔

"میرا پروگرام یہ ہے کہ مجھے سب کچھ برداشت کرنا ہے جسے اپنی عزت بنایا ہے' اس کی عزت کی خاطر ہر طرح کی توہین پر ضبط کرنا ہے۔ میں تو "اس" کا نام تک ان کرائسس میں استعمال کرنا پسند نہیں کروں گا' سامنے لا کر بٹھانا تو دُور کی بات۔"

زندگی میں پہلی بار بارؔی نے روشانے کے لئے لفظ "اُس" استعمال کیا تھا۔ انداز میں استحقاق کی آمیزش تھی۔

"آپ اسے کورٹ میں لے جا سکتے ہیں۔ اس کا تماشا بن سکتا ہے مگر میں خود کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے اس کو کبھی آپ کے سامنے بھی نہیں بلواؤں گا۔ حقیقی رشتوں کا میل ملاپ عمر بھر کا۔ وقتی کرائسس میں وہ الفاظ منہ سے نکل جاتے ہیں کہ پھر جب بھی سامنا ہوتا ہے' وہ جملے شرمسار کر دیتے ہیں۔ یہ واقعہ اپنے منطقی انجام تک تو لازماً پہنچے گا۔ احتیاط کے راستوں سے گزر کر پہنچے تو بہت ہی عمدہ ہے۔"

بابا صاحب نے جیسے دم بخود ہو کر اس کی صورت دیکھی تھی۔ اتنی پختگی' اتنا ٹھہراؤ اور دُور اندیشی۔ حقیقت کی تاثیر یہ ہے کہ موثر بہر حال ہوتی ہے۔ ان کی تجربات سے لبالب عمر اس کے سکون کے سامنے بچکانہ محسوس ہو رہی تھی۔

"میرا خیال ہے یاور بیٹے! مجھے آگے بات کرنے دو۔"

"مجھے نہیں کرنی آگے بات۔ کسی سازشی سے۔" یاور علی خان نے خراب موڈ کے سبب باپ کی بات ہی کاٹ دی۔

''میں اُس طرف کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ ادھر حویلی ہی میں۔ بڑے نقصان کے بعد تو مزید نقصان کا حوصلہ نہیں ہوتا بیٹے۔''

''باری!'' دلاور علی خان۔ بات کرتے کرتے اس کی سمت متوجہ ہوئے۔

''جی خان؟'' اس کی نگاہ میں اُلجھن تھی۔

''ایسا ہے کہ فی الحال تم سرائے شفٹ ہو جاؤ۔ باقی باتیں ہم تم سے بعد میں کریں گے۔'' ان کا انداز حکمیہ اور فیصلہ کن تھا۔ یاور علی خان بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گئے۔

باری اُٹھ کھڑا ہوا۔ یوں محسوس ہوا' گویا قید سے رہا ہوا ہو۔

''خدا حافظ۔'' اس نے جیسے بہت دُکھ سے کہا تھا۔

یاور علی خان کی آنکھوں کی سرخی بڑھ رہی تھی۔ وہ سوالیہ انداز میں بلکہ شکایتی انداز میں باپ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ باری کمرے سے باہر جا چکا تھا۔

.....

روشی جی بھر کر خواہش کے باوجود اندر ہونے والی گفتگو نہ سُن سکی تھی کہ دروازے سے کان لگا کر کھڑی ہوتی تو دوسرے کمرے کے مکین آتے جاتے اسے دیکھتے اور لازماً اس سے کھڑے ہونے کی وجہ دریافت کرتے اور یہ بھی ممکن تھا کوئی اسے ''کی ہول'' سے کان لگائے دیکھ بھی لیتا۔ اگر وہ پیچھے کی طرف جاتی تو کوئی فائدہ نہیں تھا کہ دونوں کھڑکیاں ایئر ٹائٹ تھیں جو لازماً صبح کے وقت ہی کھلتی تھیں۔

وہ بے بسی سے تڑپ کر رہ گئی۔ سرسوتی سے پتا چلا تھا کہ ماہین اوپر بھائی بیگم کے پاس ہے۔ وہاں اسے مطلع کرنے بھی نہیں جا سکتی تھی۔

ایک ایک گھڑی وہ جیسے کانٹوں پر چلی تھی۔

دروازہ کھلا اور گویا اس کا دل بند ہوا تھا۔ وہ زینے کے چکر کی بناوٹ میں کھڑی ہوئی تھی۔ صرف باری باہر آیا تھا اور اس نے باہر آتے ہی دروازہ دوبارہ بند کر دیا تھا۔ اس نے بہت غور سے باری کی شکل دیکھی۔ بظاہر تو کچھ بھی نظر نہ آیا۔ سوائے اس کے کہ کسی گہری سوچ کے سائے کی جھلک تھی۔

وہ بڑی تیزی سے اس کے سامنے آئی تھی۔

''خیریت ہے ناں؟''

''اوہ!'' وہ دھیان سے چونک پڑا۔ ''فی الحال تو خیریت ہے لیکن اگر آپ نے بیچ راہ میں خیریت پوچھنے کا سلسلہ ترک نہ کیا تو ''خیریت'' کو سنگین خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔''

وہ رُکے بغیر آگے بڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ بھی تیز تیز اس کے پیچھے چل پڑی تھی۔

''کیا کھو گیا ہے تمہارا' کیا ڈھونڈنے جا رہے ہو؟ بات تو سُنو میری۔ کیا کہہ رہے تھے بابا صاحب۔''

وہ پیچھے پیچھے پوچھتی جا رہی تھی۔ ''میرا دم اٹکا ہوا ہے۔ تمہیں کوئی فکر ہی نہیں ہے۔'' اب اسے غصہ آ گیا تھا۔

باری ٹھہر گیا پھر اس کی طرف پلٹا۔

''ہم اُجڈ قبائلی لوگ ہیں۔ عورت کو استعمال کر کے اپنے لیے آسانیاں پیدا کرنا بہت شرم کی بات سمجھتے ہیں۔ جو کچھ ہوگا' آپ کے سامنے آ جائے گا۔ فی الحال میں بابا صاحب کے حکم پر سرائے جا رہا ہوں۔ اور میرے خیال میں یہ بہت بہتر ہے۔ کاکا جان کو پتا چل جانا چاہیے کہ بات مکمل چکی ہے۔ اب آپ جائیں۔ آپ نے پہلے ہی اپنی بہادری دکھا کر مجھے شرمندہ کیا ہوا ہے۔'' وہ اتنا کہہ کر تیزی سے زینہ چڑھنے لگا۔

وہ ہکا بکا اسے زینہ چڑھتے دیکھ رہی تھی۔

''خیریت۔ کیا پتھروں نے پتھر کر دیا ہے؟'' شبنو جانے کہاں سے نکل آئی تھی۔ ایک نگاہ زینے پر ڈال کر انہوں نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا تھا۔

روشی ایک دم چونک پڑی۔ اس نے خالی خالی نگاہوں سے شبنو کی سمت دیکھا۔

''شاید آپ کو احساس نہیں کہ آپ کے سوال کا جواب نہیں ہوتا۔ مگر کیا کریں ذوق سوال سے آپ پیچھا نہیں چھڑا سکتیں۔'' وہ تلخی سے مسکرا کر گول کمرے کی سمت بڑھ گئی۔

شبنو اس کی جانب دیکھنے کے بجائے زینے کی سمت دیکھ رہی تھیں۔

.....

روشی نے کلو کے ہاتھ ماہین کو میسج بھیجا تھا ''میں آپ کے پاس نہیں آ سکتی۔ آپ میرے کمرے میں آ جائیں بہت ضروری بات ہے۔''

ماہین تو پیغام ملتے ہی لشتم پشتم دوڑی آئی تھی کہ آج کل تو اس کے لیے ہر پیغام ہی بہت اہم تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو روشی کو بے قراری سے ادھر اُدھر ٹہلتے پایا۔ اس نے تشویش بھری نظروں سے اس کی سمت دیکھا اور ہاتھ پیچھے کر کے دروازہ بند کر دیا۔

''خالہ! آپ کہاں تھیں۔ اتنے اہم وقت پر غائب۔ بابا صاحب اور پپا نے باری کو بلایا تھا۔ پتا نہیں اس سے کیا کہا ہے کہ وہ حویلی سے جا رہا ہے۔'' وہ جلدی جلدی بولی۔

''حویلی سے جا رہا ہے۔ کہاں؟'' زمین ماہین کے پیروں تلے کھسکنے لگی۔

''سرائے۔ کاکا جان کے پاس۔'' وہ بہت پریشان تھی۔

''اوہ۔ یہ تو بہت اچھا ہوا۔ ایکچوئیلی وہ سامان بھی تیمور علی خان کا ہے۔'' ماہین نے طمانیت بھرا سانس لیا۔

''جی۔ کیا مطلب؟'' روشی کی حیرت بجا تھی۔ ماہین کا جملہ اس کے لیے مبہم تھا۔

''وہ تو ہمیشہ سے حویلی ہی میں ہے۔ کاکا جان سے اس کا کیا تعلق؟'' اس کے حلق میں الفاظ پھنسنے لگے۔ ''اس کے ماں باپ کون ہیں؟ کہاں ہیں؟'' یہ سوال تو اسے کبھی کبھی بہت ڈسٹرب کرتا تھا۔

اس نے عجیب ڈرے ڈرے انداز میں ماہین کی صورت دیکھی تھی۔ ''تیمور علی خان کا سامان۔''

''مطلب یہ کہ وہ ان کے دوست کا بیٹا ہے۔ اس موضوع پر میں اس سے زیادہ بات نہیں کر سکتی۔ تمہاری ذہنی اُلجھن کو دیکھتے ہوئے اس کی پوزیشن کچھ کلیئر کی ہے۔ یہ اور بات کہ تمہیں اس طرح کی معلومات سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' ماہین نے بے نیازی سے کہا اور اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''یہاں تو شاید یہ بات کسی کو نہیں پتا۔ آپ کو کیسے پتا چلی؟'' روشی نے حیرانی سے سوال کیا۔ ''یہاں تو وہ یوں سمجھا جاتا ہے کہ جیسے بابا صاحب اسے منڈی سے خرید کر لائے تھے۔ اور کاکا جان کا دوست تو لازماً انہی کے اسٹیٹس کا ہو سکتا ہے۔ واٹس اے پزل؟'' روشی سرتاپا سوال ہو رہی تھی۔

''میں نے کہا ناں۔ میں اس موضوع پر فی الحال تم سے کوئی بات نہیں کر سکتی۔ لیکن بہر حال یہ بہت اچھا ہوا کہ وہ سرائے جا رہا ہے۔ یہ بہت اچھی خبر سنائی تم نے۔ میں عجیب سا سکون محسوس کر رہی ہوں۔'' ماہین کے انداز میں بہت سکون تھا۔

''لیکن خالہ! یہ بھی تو پتا چلے کہ بابا صاحب نے اس سے کیا معاملہ کیا ہے۔ اسی سے تو آئیڈیا ہوگا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ سمجھیں ناں آپ؟''

''سمجھ لیں گے ہم۔ جب بات بڑوں تک پہنچ ہی گئی ہے تو اب یہ تمہاری دردِ سری نہیں رہی۔ میں جا رہی ہوں اس کے پاس۔ تمہیں اُلجھنے کی ضرورت نہیں۔'' ماہین نے پاؤں نیچے کر کے سلیپر پہنے۔

روشی خاموش رہی مگر فکر مندی اس کے چہرے سے مترشح تھی۔

ماہین باہر آ کر سیدھی باری کے کمرے کی سمت بڑھی۔ دروازے پر دستک دی اور جواب کا انتظار کیے بغیر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

باری سوٹ کیس پر جھکا ہوا تھا۔ چونک کر پلٹا تھا۔ ماہین کو دیکھ کر خفیف سے انداز میں مسکرایا۔

''ہیلو جنٹلمین۔ کہاں کی تیاری ہے؟'' وہ بھی جواباً مسکرائی۔

''اپنے لیگلی فادر کے پاس۔'' اس نے مسکرا کر کہا اور سوٹ کیس میں چیزیں رکھنے لگا۔

''یہ کیا ہوتا ہے؟'' وہ بیڈ پر بکھرے سامان پر نظریں دوڑا رہی تھی۔

''غالباً باپ کا دوست ہوتا ہے۔'' وہ شرارت سے مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

''ابھی ہم قانون کے ''بچے طالب علم'' ہیں مگر تمہاری اپروچ ٹھیک ٹھاک ہے۔ تمہارا خوشگوار موڈ بتا رہا ہے کہ بابا صاحب سے بڑے اچھے لطیفے سن کر آ رہے ہو۔ ایک آدھ ہمیں بھی سناؤ۔'' وہ ایک طرف پڑی لیدر چیئر پر بیٹھ گئی۔

باری نے ایک نگاہ اس کے چہرے پر دوڑائی اور یکدم سنجیدہ ہو گیا۔ ''غالباً آپ کو ہیڈ لائن مل گئی ہیں۔ خان لطیفے سناتے ہیں نہ سنتے ہیں۔ وہ تو تعزیرات دریا بستی و سرائے مجریہ ایکٹ انیس سو ولاں اور فلاں سناتے ہیں۔''

''یا اللہ! تمہارے تو ایک ایک خلیے میں وکالت سما گئی ہے۔ بہت برائٹ فیوچر نظر آ رہا ہے۔'' ماہین نے سر تھما کر کہا۔

''اب یہ بتاؤ۔ تم پر اُن کے مجریہ قوانین میں سے کون سی دفعہ لگی ہے۔ جو یہ پیکنگ ہو رہی ہے؟'' وہ اصل بات کی

طرف آئی۔

''بے دخلی کی دفعہ نمبر اے بی سی۔'' وہ مسکراتے ہوئے کپڑے تہہ کرنے لگا۔

''ہاں یہاں کے آئین کے پہلے صفحے پر بے دخلی کے قانون کی تشریح ہے۔'' ماہین نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ نے یہاں کا آئین اتنی جلدی کیسے اسٹڈی کر لیا۔ حیرت ہے۔'' اس نے جلدی جلدی کپڑے سوٹ کیس میں ٹھونسے۔

''اپنی اپنی ریڈنگ پاور ہے۔ دل بڑا ہے تو داد دو۔ سوال نہ کرو۔'' ماہین نے بڑے انداز سے کہا۔

''او کے۔'' باری بے ساختہ ہنس دیا۔ ''بعض اوقات وقت کی کمی کے سبب جان بوجھ کر انجان بننا پڑتا ہے سو اس وقت اسی قسم کی صورت حال ہے۔''

''تمہارا اطمینان دیکھ کر رشک پیدا ہو رہا ہے۔ اتنا اعتماد ہے اپنی ذہانت پر؟'' ماہین نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ذہانت پر نہیں اللہ پر۔ نصر اللہ نہ ہو تو ذہانت کی ایسی تیسی ہو جاتی ہے۔''

''ماشاء اللہ کلین شیو مولانا بھی ہو۔ ہمیں اپنے داماد کی اس اضافی خوبی پر دلی مسرت ہوئی۔'' ماہین۔ خاصی دیر کی گھٹن کے بعد کھلکھلائی تھی۔

باری بھی جھینپ کر مسکرا دیا تھا۔

''وقت سفر ایسے نیک شُبھ بڑی تقویت کا باعث ہوتے ہیں۔'' اس نے شریر انداز میں کہتے ہوئے سوٹ کیس بند کر دیا۔

''سرائے میں سب سے تمہاری اسی طرح دوستی ہے جس طرح حویلی میں ہے؟'' ماہین نے اچانک اس سے غیر متوقع سوال کر دیا۔

باری چند لمحوں کے لیے ساکت سا ہو گیا تھا۔ ہونٹ بھینچ کر اس نے ماہین کی سمت دیکھا تھا۔

''جی۔ اسپیشلی۔ خان کے بچوں سے۔'' اس سے جھوٹ نہ بولا گیا۔

''کتنے بچے ہیں خان کے؟'' ماہین جیسے کسی گہری نیند سے جاگی۔

''دو۔ یہ تو معلوم ہونا چاہیے تھا آپ کو۔ کیا میرا امتحان لے رہی ہیں؟'' اس نے اس سے نظریں چُراتے ہوئے سوال کیا۔

''اب اتنی بھی سولڈ انفارمیشن نہیں ہیں میرے پاس۔'' ماہین نے قدرے افسردگی سے جواب دیا۔ ''کیا نام ہے ان کے اور کتنی عمریں ہیں؟'' اس نے موقعے سے فائدہ اُٹھایا۔

''ٹیپو یعنی منصور علی خان عمر بارہ سال۔ ضوفشاں عمر آٹھ یا نو سال۔''

''کون سی بیوی کے بچے ہیں؟'' ماہین نے بڑے اعتماد سے سوال کیا تھا۔

باری نے چونک کر اس کی صورت دیکھی تھی۔ لیکن اُس طرف اس طرز کی نگاہ تھی کہ اس کی نگاہیں جھک گئیں۔

''بیٹا ان کی فارنر بیوی کا ہے اور بیٹی۔'' وہ کہتے کہتے رُک گیا۔

''زندہ درگور بیوی۔'' ماہین نے طنزیہ انداز میں اس کا ادھورا جملہ مکمل کر دیا۔

''چلو خیر۔ بہت خوشی ہوئی یہ جان کر کہ ان کا کسی سے تو کوئی تعلق ہے۔'' وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔'' تم پہنچو۔ ہم بھی آ رہے ہیں سرائے۔''

اگرچہ باری ٹھٹکا تھا مگر اس نے چہرے سے کچھ ظاہر ہونے نہیں دیا تھا۔ اور خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہا تھا۔

''باری!''

''جی!''

''جب تم وہاں جاتے ہو تو کیسا محسوس کرتے ہو؟'' ماہین نے گہری سوچ میں ڈوبے ڈوبے اس سے یونہی پوچھ لیا تھا۔

''کچھ بھی نہیں میرا تو وہاں کوئی ضروری کام ہوتا ہے تو وہاں جاتا ہوں۔ خان سے ملنا ہوتا ہے اور بس۔''

''خیر اور بس تو نہیں۔ وہ تو عنقریب ہم خود ہی دیکھ لیں گے۔'' وہ باری کو وارڈ روب چھانتے ہوئے بغور دیکھ رہی تھی۔

''چھوڑو ان سب باتوں کو مجھے راز کی بات بتاؤ کہ اتنے بڑے واقعے سے ہو گزرنے کے بعد پھر بڑے خان سے ملنے کے بعد تم پر تو کوئی اثر ہی دکھائی نہیں دیتا۔ حالانکہ مجھے اندازہ ہے کہ انہوں نے کس انداز میں تم سے بات کی ہوگی۔ اس کا ثبوت بھی یہ ہے کہ تم حویلی سے جا رہے ہو۔ اگر تم اس وجہ سے خود کو نارمل ظاہر کر رہے ہو اور حقائق کو مجھ سے اور روشی سے چھپا رہے ہو کہ ہم پریشان ہوں گی تو میری حد تک یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ مجھ سے چھپاؤ گے تو خود مشکل میں پھنس جاؤ گے۔ میں تو تمہاری مقدور بھر ہیلپ بھی کر سکتی ہوں۔ اس لیے کہ اگر نکاح میں روشی کی ماں کی مرضی اور موجودگی ثابت نہ ہوتی تو ہم بھی اس فعل پر روشی کو شاباشی نہیں دے سکتے تھے۔ مگر اب تو میرا فرض بنتا ہے کہ میں اس کی ہیلپ کروں اور تم ہو کہ ہنوز ''پراسرار بندے'' بنے ہوئے ہو۔ بتاؤ مجھے کیا بات ہوئی ہے؟''

وہ بالآخر اصل ٹارگٹ پر جم گئی تھی۔ باری کو امید نہیں تھی کہ وہ یہ ٹرن لے گی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ بہل گئی ہے اس کے کچھ ظاہر نہ کرنے سے۔

وہ باتھ روم کی طرف بڑھ چکا تھا شیونگ کی چیزیں اُٹھانے کی غرض سے۔ مگر ماہین کا حرف حرف اس نے بغور سُنا تھا۔

''کچھ بھی نہیں۔ بہر حال اتنا نہیں ہوا جتنا کہ ہونا چاہیے تھا۔ کہ خان کا اعتبار ریزہ ریزہ ہوا ہے۔ اصل میں میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ تیمور خاناں نے کہا تھا کہ وہ اسٹیپ بائی اسٹیپ آگے بڑھیں گے۔ فرسٹ نعیم سے منگنی توڑنے کے لیے بڑے خان سے بات ہوگی پھر اس کے بعد وہ اس کیس پر بات کریں گے کہ اس میں روشی اور روشی کی۔'' وہ بولتے بولتے یکدم رُک گیا۔

''ہاں ہاں۔ ٹھیک ہے' میں سمجھ رہی ہوں۔ روشی اور روشی کی ممی کی پسند اور انوالومنٹ ہے۔''

''کیوں کہ ابھی تک تیمور خاناں کا اسٹیٹ منٹ بڑے خان کے سامنے نہیں آیا۔ اس لیے بڑے خان بہت دُکھ میں ہیں اور مجھ سے اس قدر ناراض کہ ان سے بولا بھی نہیں گیا۔ اصولی سی بات ہے۔ میں اپنے حساب میں درست ہوں تو وہ اپنے لحاظ سے ٹھیک ہیں۔ یہ المیہ صرف فیوڈل سسٹم کا نہیں ہے۔ لوئر مڈل حتیٰ کہ لوئر میں بھی مل سکتا ہے۔ ہم جس پر خرچ کرتے ہیں'

سب سے پہلے اس کا وہ پاسپورٹ ضبط کرتے ہیں جس پر اس کی شناخت بحیثیت انسان ہوتی ہے۔ اور تمام انسانی حقوق صرف انہی کے لیے مختص ہوتے ہیں جو خرچ کرنے کی پاور رکھتے ہیں۔ اور ہمارے ہاں تو چٹکی بھر نمک کا خمیازہ نسل در نسل بھگتنا ہوتا ہے۔ ایک نمک کی خاطر پورا کا پورا انسان گروی ہوتا ہے۔ اس کی وفا کا معیار یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تمام فطری حقوق سے دستبرداری کا مظاہرہ کرے۔

اس لحاظ سے تو وہ اپنی جگہ درست ہیں۔ تیمور خاناں نے میرے انسان ہونے کو تسلیم کیا ہے۔ یا کوئی اور بات ہے مجھے نہیں معلوم لیکن انہوں نے مجھے محسوس یہی کرایا ہے کہ میں ان سے الگ نہیں ہوں۔ بنیادی چیز یہی ہے۔ اصلی تعلق میرا تیمور خاناں سے ہے۔ لیکن بڑے خان نے بھی مجھ سے بہت محبت کی ہے۔ اور محض ان کی محبت کی وجہ سے ہی شروع سے حویلی میں ہوں۔ تیمور خان کو تو میں بہت فاصلے پر محسوس کیا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے' بڑے خان مجھے خود اپنی گود میں اُٹھا کر گھوڑے پر بٹھاتے تھے۔ میری باتوں پر ہنستے تھے۔ خوش ہوتے تھے۔ غلام سے تو مالک اتنا بے تکلف نہیں ہوتا۔ اب بھی مجھے یقین ہے کہ بڑے خان واقعی میں مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ وگرنہ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو جانے کیا کچھ ہو چکا ہوتا۔ انہوں نے نرمی سے پیش آ کر یاور خاناں کے غصے کو بڑھا دیا ہے۔''

باری ماہین کے مقابل بیٹھ کر بہت تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار کر رہا تھا۔ شاید پہلی بار۔ اسی میں ماہین کے بہت سے سوالات کے جواب بھی موجود تھے۔ وہ بہت غور سے سُن رہی تھی۔

''اور حقیقت یہ ہے کہ اندر کی لڑائی سے میرے ''کاز'' کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔'' وہ مسکرایا اس جملے سے واضح تھا کہ وہ جانتا ہے ماہین کہاں تک اپروچ رکھتی ہے۔

''باری! جی تو چاہ رہا ہے' میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔ بلکہ روشی کو بھی ساتھ لے چلوں۔ ہمارا حویلی میں کیا کام مگر صرف روشی کی خاطر مجھے بہت محتاط ہونا پڑ رہا ہے۔ یاور علی خان کی صف میں کھڑے ہو کر مجھے روشی کی جنگ لڑنا ہے۔ جو ظلم اس کے ساتھ ہوا ہے جب گہرائی میں سوچنے لگتی ہوں تو ایسا لگتا ہے دُکھ سے دل بند ہو جائے گا۔''

''میں جانتا تھا کہ رات کے پچھلے پہر آپ حویلی کے پچھواڑے ہوتی ہیں۔ میں جان کر انجان بنا رہا کہ شاید آپ کی وجہ سے وہ بدگمانی کی دوزخ ٹھنڈی ہو جائے جس کی تپش سے بے گناہ وگناہ گار ایک ساتھ جھلس رہے ہیں۔'' باری نے ماہین کو جملہ مکمل کرنے نہیں دیا۔

''میں نے بہتر سمجھا کہ جاتے جاتے آپ کو بتا دوں۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''باری! تیاری رکھنا۔ مجھے خدشہ نہیں یقین ہے' یاور صاحب کیس ضرور کریں گے۔''

''اللہ نہ کرے۔ اللہ سے دعا کریں کہ اب حویلی میں مزید تماشے نہ ہوں۔'' باری نے بے ساختہ ٹکڑا لگایا تھا۔

''آمین۔ ثم آمین۔'' ماہین نے ایک ایک حرف پر زور دے کر کہا۔

''ویسے دوسری پارٹی بہت مضبوط ہے۔ اس نے حویلی کے در و دیوار ہلا دیے ہیں۔ جارحانہ جنگ کرنے والوں کو دفاعی جنگ پر مجبور کر دیا ہے۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''ہوں۔تو یہ وجہ ہے کہ مسکراہٹ ساتھ نہیں چھوڑتی۔وہ فیصلہ کن' انتہا پسند اور پُر اعتماد لوگوں کی اولاد ہے۔فارمولا تو مٹی کا سیم ہی ہوگا۔اولاد تو آئینہ ہوتی ہے۔اگر اس آئینے میں اپنی صورت اچھی محسوس نہ ہو تو یہ جھنجلاہٹ کا نہیں غور کرنے کا نام ہوتا ہے۔قرآن میں واضح لکھا ہے کہ اللہ کی سنت تبدیل نہیں ہوتی۔ریسرچ کہتی ہے ہر شے اپنی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ کئی پشتوں کے بعد کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے' وہ اپنے پچھلے کسی دادا کی شکل پر ہوتا ہے نہ ماں کی شکل کا نہ باپ کی شکل کا۔لوگ تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ اپنے فلاں دادا پر گیا ہے۔کتنے تعجب کی بات ہے' لوگ صورت پر تو تبصرہ کرتے ہیں' عادات کی مماثلت پر کم توجہ دیتے ہیں۔اب یہاں المیہ یہ ہے کہ باپ دادا سے مماثلت رکھنے والا بچہ۔لڑکا نہیں ہے لڑکی ہے۔اب یہ اُس کی مصلحت ہے۔کیوں؟'' ماہین بہت سنجیدہ تھی۔

''اختلاف کے لیے اپنے پاس کوئی دلیل نہیں پاتا۔آپ کے پاس تفکر کرنے والا ذہن ہے۔آپ نے ضرور اس طرف غور کیا ہوگا۔'' باری نے خوبصورت انداز میں اتفاق کیا۔

''ہمیں تو لوگوں کی بہادری نے شرمندہ کر کے رکھ دیا ہے۔کوشش کر رہے ہیں مداوا کر سکیں اپنی کسی کوتاہی کا۔'' اس نے اُٹھ کر سوٹ کیس لاک کیا۔

''ابھی چلے جاؤ گے؟'' ماہین نے پوچھا۔

''شیور۔'' وہ ہاتھوں سے اپنے بال سیٹ کرنے لگا۔

''بہت میچور ہو باری۔اللہ تمہیں ہمت دے۔اور خدا کرے کہ یہ معاملہ باعزت طریقے سے خوشگوار انجام سے ہمکنار ہو۔'' ماہین اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہاں اب تو یہی دعا کر رہے ہیں کہ' ہمکنار کر یا بے کنار کر۔'' وہ ہنس دیا اور وزنی سوٹ کس کھینچ کر نیچے رکھا۔

''کوئی پیغام تو نہیں دینا اُس طرف؟'' باری نے سُوٹ کیس اُٹھا کر اس کا وزن جانچتے ہوئے پوچھا۔

''نو تھینکس۔اب ہم خود ہی پہنچیں گے۔اچھا میں بھی چلتی ہوں۔روشی میرا انتظار کر رہی ہوگی۔'' ماہین نے سر پر دوپٹا درست کیا۔

باری کسی خیال میں کھو گیا تھا۔

''بس ایک بات ہے' پسند فرمائیں تو پہنچا دیجیے گا۔کہ کوشش میں کسر نہیں ہوگی لیکن جو نتیجہ سامنے آئے' اُسے قبول کر لیں اور مزید کوئی ایسا قدم نہ اُٹھائیں جو حویلی والوں کے لیے نا قابل برداشت سزا ہو۔کسی کے اعمال کی باز پُرس کر کے سزا تجویز کرنے والے ہم کون ہوتے ہیں۔بحیثیت انسان ہم اپنے حق کے لیے صرف جدو جہد کر سکتے ہیں۔بس۔''

''خدا حافظ'' وہ سوٹ کیس اُٹھا کر باہر نکل گیا۔ماہین لب بستہ سی کھڑی تھی۔

....

اتنی لمبی ڈرائیور کے بعد تو چُور چُور ہونا فطری سی بات تھی۔کچھ اندر کی اکھاڑ پچھاڑ سے بھی اعصاب شل تھے۔اس نے ملازمین سے بھی کوئی بات چیت نہیں کی۔ان میں سے ایک کو سوٹ کیس اپنے کمرے میں پہنچانے کا کہہ کر تیزی سے زینہ

چڑھ گیا تھا۔

وہ غسل کر کے تھکن اتارنے کے موڈ میں تھا۔اس کا کمرا صاف سُتھرا تھا' ہمیشہ کی طرح جیسے اس کی آمد کا منتظر ہو۔دریا بستی میں اس کا بیڈروم بہت سادہ اور عام سا تھا جبکہ سرائے کی چھوٹی حویلی میں اس کی خواب گاہ نہایت پُرشکوہ تھی۔اکثر اس کے علم میں لائے بغیر یہاں تبدیلیاں بھی کر دی جاتی تھیں جو اتنی خوبصورت ہوتی تھیں کہ قدم اندر رکھتے ہی محسوسات خوشگوار ہو جاتے تھے۔خواب گاہ کی ایک چابی ہمیشہ اس کے پاس ہوتی تھی۔جب کبھی آدھی رات کو وہ یہاں آتا تھا تو صرف ایک آدھ ملازم ہی کو اس کی آمد کی خبر ہو پاتی تھی۔وہ گیٹ کے اندر داخل ہو کر اور گاڑی پورٹیکو میں پہنچا کر سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھ جاتا تھا۔دن چڑھے گھر کے مکینوں کو اطلاع ملتی تھی کہ باری آیا ہوا ہے۔

آج اتنی رات نہیں ہوئی تھی تقریباً تمام ملازمین نے اسے دیکھ لیا تھا۔اس کا سوٹ کیس کمرے میں پہنچ چکا تھا مگر یہاں وارڈروب میں بھی اس کے کپڑے موجود تھے۔وہ شب خوابی کا لباس نکال کر فوراً ہی باتھ روم میں چلا گیا تھا۔

نہانے دھونے سے طبیعت میں کچھ تازگی کا احساس بیدار ہوا تھا۔وہ تولیہ گلے میں لٹکا کر بکھرے بھیگے بالوں کے ساتھ سُوٹ کیس کھول کر کارپٹ پر دوزانو بیٹھا اپنی پڑھنے لکھنے کی چیزیں نکال کر ایک طرف ڈھیر کرتا جا رہا تھا۔کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''کون؟ آ جاؤ۔''

دروازہ کھلا اور سرائے کی بہت پرانی اور بوڑھی ملازمہ اندر داخل ہوئی۔

''سلام خان!''

''ہوں۔والسلام۔خیریت کیسے آئی ہو بے بے؟'' وہ مصروف انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''سمندر خان دسیا سی تُسی آئے ہو۔میں کیا روٹی پائی پچھ لواں۔'' ملازمہ نے ادب ومحبت سے جواب دیا۔

''بھوک نہیں مجھے۔بس ایک گلاس گرم دودھ پہنچا دینا۔'' وہ ہنوز اپنے کام میں مصروف تھا۔

''چنگا جی۔'' وہ مزید کچھ بولے بغیر واپس پلٹ گئی۔

اسے گئے پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ دروازے پر پھر دستک ہوئی۔اس نے جھنجلا کر دروازے کی سمت دیکھا اتنی جلدی دودھ لے آئی۔یہاں سے کچن تک پہنچنے ہی میں پانچ منٹ لگ جاتے تھے۔

''ہاں بھئی۔آ جاؤ۔'' سُوٹ کیس کا سارا سامان کارپٹ پر بکھر چکا تھا۔

''اس مرتبہ لگتا ہے قیام طویل ہوگا۔مگر کیسے ہوگا۔ہم تو ابھی تک تمہیں بھاگتا دوڑتا دیکھتے رہے ہیں۔اور ماشاءاللہ کہتے رہے ہیں۔''

نازنین کی آواز پر وہ ایک دم سرو قد کھڑا ہو گیا۔

''السلام علیک۔'' وہ قدرے جھینپ سا گیا تھا۔

''میں سمجھا۔کوئی ملازم ہے۔'' اُس نے وضاحت کی۔

"بے بے ہی نے مجھے بتایا کہ تم بہت سارا سامان بڑے سے "ٹیچی" میں لائے ہو۔ اور کھانا کھانے سے انکار کر رہے ہو۔ کیا راستے میں کھا لیا تھا؟ جس وقت وہاں سے چلے ہو گے تو شام ہو گی۔ اور رات کے کھانے کا وقت بھی نہیں ہو گا۔" نازنین دروازے ہی میں کھڑی تھی۔

"کھایا تو نہیں ہے مگر بھوک نہیں ہے۔ دودھ پی لوں گا۔ اب تو یوں بھی سونے کا وقت ہے۔ خان سو گئے؟"

"مجھے کیا پتا۔ دو دن سے نہیں دیکھا انہیں۔" اس کا موڈ یکلخت بدل گیا۔

"شکار پر گئے ہوئے ہیں؟" وہ اس کے انداز سے اُلجھن میں پڑ گیا۔

"خدا معلوم۔" وہ ناگواری سے گویا ہوئی۔

باری خاموش سا ہو گیا۔ اسے ماحول میں ٹینشن سا محسوس ہوا تھا۔

"اور کیا خیر خبر ہے۔ تمہارا سامان دیکھ کر عجیب عجیب سے وہم آ رہے ہیں۔ روشی، ماہین وہیں ہیں یا ہری پور چلی گئی ہیں؟" وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

"وہیں ہیں۔ شاید کل پرسوں چلی جائیں۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دے رہا تھا۔

وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ براؤن ویلوٹ کے گاؤن میں وہ اسے بہت زیادہ سفید محسوس ہوئی۔ بال کھلے ہوئے تھے۔ چہرے پر اضمحلال واضح تھا۔

"بابا صاحب نے تمہیں طویل قیام کی اجازت کیسے دے دی؟ تم تو راستے میں ہی ہوتے ہو اور ان کے فون آنا شروع ہو جاتے ہیں۔" اس کے انداز میں ایک کھٹک سی تھی۔

"کبھی کبھی وہ بھی ہوتا ہے جو کبھی نہیں ہوا ہوتا۔ اب کی بار ایسے بھی سہی۔" وہ ہنس دیا۔

"سچ سچ بتاؤ۔ کچھ ہوا تو نہیں؟" وہ ہنوز ایک جگہ ٹھہری ہوئی تھی۔

"نہیں بھابی! کچھ نہیں ہوا۔ آپ زیادہ زور نہ دیا کریں ذہن پر۔ آپ کی طبیعت یوں بھی سیٹ نہیں رہتی۔"

نازنین کچھ سوچ کر بے ساختہ مسکرا دی۔ "تمہارے منہ سے بھابی سننے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔ ابھی تم بولنا ہی سیکھ رہے تھے کہ مجھے سب کی دیکھا دیکھی بھابی کہنا شروع کر دیا تھا۔ بچوں میں تو کوئی بھی مجھے بھابی نہیں کہتا تھا علاوہ تمہارے۔ جب تم بھابی کہتے تھے تو سب بہت ہنستے تھے۔ کہ اسے منع کرو۔ لوگ کہیں گے تمہاری ساس کے ابھی تک بچے پیدا ہو رہے ہیں۔ مگر بھی تم باز نہیں آئے۔ حالانکہ میں تو کسی رشتے سے بھی تمہاری بھابی نہیں ہو سکتی۔"

وہ جانے کتنے عرصے بعد مسکرا رہی تھی۔

"کیا کریں۔ اب تو عادت ہو چکی ہے۔" باری نے مجبوری ظاہر کی۔

"چلو خیر۔ یہ تو طے ہے کہ تم اتنے سارے سامان کے ساتھ آنے کی وجہ تو بتاؤ گے نہیں۔ تم سے مزید بات بے کار ہے۔ میں چلتی ہوں۔ بے بے سے دودھ کے لیے کہہ دوں گی۔"

"جی۔ رات خاصی ہو رہی ہے۔ آپ بھی سو جائیں۔" باری نے جلدی سے کہا۔

"باری۔" وہ جاتے جاتے پلٹی۔

"جی؟"

"اپنے کاکا جان سے کہنا، وہ مجھے دُکھ نہ دیا کریں۔ میرے ساتھ مہمان جیسا برتاؤ کریں۔ تمہاری تو وہ بہت سنتے ہیں۔ سچ کل بھی مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔"

وہ خودکلامی کے انداز میں کہتی ہوئی باہر چلی گئی۔ باری چند ثانیے کے لیے ساکت سا بیٹھا رہ گیا۔

....

دو دن بعد تیمور علی خان اپنے بیڈروم میں داخل ہوئے تھے اور نازنین سے کوئی بات کیے بغیر کپڑے وارڈروب سے نکال کر باتھ روم میں چلے گئے تھے۔ نازنین بیڈ پر کروٹ کے بل لیٹی خاموشی سے ان کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتی رہی۔ اس نے خود بھی انہیں مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سوچوں کی یلغار سے یوں بھی اعصاب اتنے شل تھے کہ نگاہ کرنے سے بھی تھکن ہوتی تھی۔

وہ تقریباً بیس منٹ بعد باتھ روم سے باہر آئے تھے اور باتھ کے بعد کے اعمال سرانجام دے رہے تھے۔ اسی دم فون کی بیل خوبصورت سُروں میں بجنے لگی۔ بیل کی آواز بھی کم کی ہوئی تھی، اس وجہ سے کمرے میں معمولی سا ارتعاش ہوا۔

تیمور علی خان نے ریسیور اُٹھا لیا تھا۔

"السلام علیکم۔ جی خیریت ہے۔ بچے ابھی گھر پر ہی ہیں۔"

وہ بولتے بولتے بیڈ پر بیٹھنے کی جگہ تلاش کرنے لگے۔ نازنین بالکل سرے ہی پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے تیمور علی خان کا مدعا جان لیا تھا اور پیچھے کھسک گئی تھی۔ تیمور علی خان بیٹھ گئے۔

"جی۔ کب۔ آج۔ نہیں میری ملاقات نہیں ہوئی۔" انہوں نے ایک نگاہ نازنین پر ڈالتے ہوئے فون پر مخاطب کو جواب دیا۔

"دراصل ہم خیر آباد سے ابھی تھوڑی دیر ہوئی واپس آئے ہیں۔ ہوں پہنچ گیا ہو گا اپنے کمرے میں ہو گا۔ خیریت؟"

نازنین خاموش لیٹی ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ نوٹ کر رہی تھی۔ وہ فون کرنے والے کی طرف مکمل طور پر متوجہ تھے۔

"اوہ!" ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"آپ کی خفگی بالکل بجا ہے برحق ہے۔ لیکن آپ کو تمام صورت حال معلوم نہیں۔ آپ ہمیں موقع دیں کہ ہم کچھ گوش گزار کر سکیں۔" ان کی آواز سے ان کے اندر کی تبدیلی عیاں تھی۔

"ہم فون پر نہیں بتا سکتے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ فی الحال حویلی پہنچنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ ہو سکے تو آپ ہر صورت انہیں کورٹ پہنچنے سے روکیں۔ ان کا کیس بہت کمزور ہو گا۔"

"ہم بتا رہے ہیں ناں آپ کو۔ دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو روشی کو شوٹ کر دیا جائے یا جاگیر میں مزید تماشا کیا جائے۔"

ان کے لہجے سے برہمی جھلکنے لگی۔

''وہ کیس پہلی پیشی پر ہی ہار جائیں گے۔ اور یہ شکست ان سے برداشت نہیں ہوگی اور جو کچھ ہوگا اس کا سب سے زیادہ دُکھ آپ ہی کو ہوگا۔'' وہ بدستور خفگی بھرے لہجے میں کلام کر رہے تھے۔

نازنین اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کا چہرا مزید سفید پڑ چکا تھا۔ وہ بے تابی سے فون بند ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

''آپ ان کے ہری پور روانہ ہوتے ہی ہمیں مطلع کیجیے ہم پہلی فرصت میں حاضر ہوں گے۔''

''بابا صاحب! مزید کرائسس کی ہمارے ہاں گنجائش نہیں۔ فار گاڈ سیک۔ اپنے اصولوں سے نظر ہٹا کر فطری اصولوں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ہمارے خود ساختہ اصول کسی وقتی مصلحت سے پیدا ہوتے ہیں جبکہ فطری اصول کا فارمولا بیلنس ہوتا ہے اور اس سے ہی کرائسس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ آپ خود کو ٹینس ہونے سے بچایئے۔ ہرگز نہیں' یہ سب ہماری انگریزی سوچ کی اختراع نہیں۔ انگریزوں کا خدا بھی وہی ہے جو ہمارا ہے۔ ہم نے کہا ناں' ہم خود حاضر ہوں گے۔ خدا حافظ۔''

تیمور علی خان ریسور ہاتھ میں تھام کر جانے کیا سوچنے لگے۔

''روشی کو کچھ ہوا تو پوری حویلی کو عدالت میں کھڑا کرا دوں گی' یہ بھی کہہ دیجیے اُدھر۔ اس کی صورت مجھ سے مختلف ہے۔ اس کی قسمت بھی مجھ سے مختلف ہونا چاہیے۔ نازنین کا حویلی میں کوئی نہیں تھا مگر روشانے حویلی ہی کی ایک اینٹ ہے۔''

''کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ہم حویلی میں پولیس بھیج کر روشی کو یہاں بلوا سکتے ہیں مگر بابا صاحب کی موجودگی میں ہم پروپر چینل سے کام کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو قائل کر کے وقت کی نزاکت کا احساس دلا کر۔ اُس وقت کی نزاکت کا جب یہ اقدام کیا گیا تھا۔''

''آپ کی ہم سے ناراضگی اس کیس پر اثر انداز تو نہیں ہوگی؟'' ان کی بات کے اختتام پر نازنین سے فوراً ٹکڑا لگایا تھا۔

''لاحول ولا قوۃ۔ جس بات پر ناراضگی جائز تھی جب وہاں نہیں ہوئی تو۔ جی تو یہی چاہتا ہے' واقعی آپ سے بات نہ کریں۔ مگر اب تو فطرت ہمیں ایکسپلائٹ کر رہی ہے۔''

وہ شانے سے تولیہ اُٹھا کر بال خشک کرنے لگے۔

''باری کب پہنچا کچھ پتا ہے؟'' وہ پوچھ رہے تھے۔

''گیارہ بجے سے پہلے پہنچ گیا تھا۔ وہ تو میں پہلے ہی کھٹک گئی تھی کہ اتنا سامان لے کر تو وہ کبھی نہیں آیا۔ اب بابا صاحب کے فون سے میرا خدشہ درست ثابت ہو رہا ہے۔ کیا ہوا ہے؟'' وہ ان کی طرف بغور دیکھ رہی تھی۔

''وہی جو ایک روز ہونا ہی تھا۔ روشی کے والد صاحب کو پتا چل گیا ہے۔ روشی کے نکاح کا۔ اب وہ ہم پر مقدمہ دائر کرنے والے ہیں۔ ڈی سی صاحب اس گمان میں ہیں کہ عدالتیں ان کی جیب میں ہیں۔ ہوسکتا ہے مگر بیٹی ان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔''

''مگر وہ گھبریں گے تو۔'' نازنین نے پریشانی ظاہر کی۔

''تو پھر اپنے آپ گھریں گے۔ اس مرتبہ حساب کتاب دوسرا ہے۔ مقابل کوئی اور نہیں انہی کا آئنہ ہے۔ ہم نے

تو انجانے میں ان کے ساتھ بھلائی کی ہے۔ روشی کا وہ موڈ اور انداز جو ہم نے دیکھا تھا۔ انہوں نے نہیں دیکھا۔ وہ تو احمقانہ حد تک بہادر ہے۔ وہ خود کو بھی نقصان پہنچا سکتی تھی۔ انہیں زیادتیوں کی عادت ہے' ان کے ہاتھوں ایک اور زیادتی ہونے والی ہے۔ اگر باری کا مسئلہ نہ ہوتا تو ہمیں پھر بھی ایک امید ہوتی کہ بابا صاحب کی مداخلت سے یہ معاملہ نمٹ سکتا ہے مگر ڈی سی صاحب کی صاحبزادی کے لیے باری کو ووٹ وہ بھی نہیں دے سکتے تھے کیونکہ اس کا باپ ہمارا دوست تھا۔ حویلی میں اس کو اس قدر آزادی اسی بیس پر ملی ہوئی تھی کہ سب کو یقین تھا حویلی کی کسی لڑکی کے لیے اس کا پرپوزل نہیں دیا جا سکتا کہ وہ سرداروں کی اولاد نہیں ایک ملازمہ کی گود میں اس گھر میں داخل ہوا تھا۔ مگر ہم نے کبھی اسے ملازمہ سے ریلیٹڈ محسوس نہیں کیا۔

''میرے سامنے نام نہ لیا کریں' نہ ذکر کیا کریں اُس جہنمی کا۔'' نازنین نے تڑپ کر ان کی بات کاٹ دی۔

''تاریخ کی کتاب میں روشن باب کے ساتھ ساتھ سیاہ واقعات کا باب بھی ہوتا ہے اور عموماً ایک ہی جلد میں ہوتا ہے۔'' تیمور علی خان نے تلخی سے کہا۔

''مگر میں نے کچھ دیکھا نہ سوچا اگر سوچا تو صرف یہی کہ میری بیٹی کو خوشی ملنا چاہیے۔ اسی لیے میں نے آپ پر دباؤ ڈالا۔ اپنے ظالمانہ فیصلوں کی تلافی کرنے کی کوشش کی۔ اور یہ بھی کہا کہ باری مجھے ہمیشہ سے پسند ہے وہ اتنا بیلنس' میچور اور اسمارٹ ہے کہ مجھے ہمیشہ اسے دیکھ کر خیال آتا تھا کہ کاش روشی کی شادی اس سے ہوسکتی۔ میری بیٹی کو ایسا ہی پارٹنر ملنا چاہیے۔ تیمور۔ دیکھیں۔ اب میرے بچوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونا چاہیے۔ اگر خدانخواستہ روشی کو کسی قسم کا نقصان پہنچا تو میں تمام مصلحتیں بالائے طاق رکھ دوں گی اور یاور علی خان کے حلق میں اٹک جاؤں گی۔ تہس نہس کر دوں گی سب کچھ۔'' مارے جذب کے اس کا چہرا تمتمانے لگا۔

''ایزی۔ ایزی۔ آپ اتنا کانشس نہ ہوں۔ ہمیں اندازہ ہے کہ نیکسٹ کیا کرنا ہے۔'' تیمور علی خان نے تسلی دی۔ اور اس کے قریب آ کھڑے ہوئے۔

''ضوفی کا موڈ کیسا ہے؟ یہ بتائیں آپ۔''

''بچے اپنی ماں سے زیادہ دیر موڈ آف نہیں کرتے۔ آپ خوامخواہ اتنا اموشنل ہو گئے تھے۔ بالکل بھی سوٹ نہیں کرتا آپ کو۔ کتنی اذیت ناک گزری ہیں یہ پچھلی راتیں۔'' نازنین کی آواز بھرا گئی۔

''کتنی پیاری' کتنی انوسنٹ ہے ہماری بیٹی۔ ہم اس پر ٹارچر برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمیں علم ہے آپ ٹیپو کو بھی ٹارچر نہیں کریں گی' ایک حساب سے ہمارا خیال کیا جائے گا۔ اس کے کیس میں آپ بہت۔ کانشس ہوں گی۔ ضوفی کو ٹوٹلی اپنی ملکیت سمجھتے ہوئے جیسا چاہیں گی سلوک کر ڈالیں گی۔ مگر ضوفی بھی ٹیپو کی طرح صرف ہماری بیٹی ہے۔ آپ نے خود پر ظلم کرنے' خود کو سزا دینے کے لیے جو دوزخ اپنے چاروں طرف بھڑکائی تھی۔ اس میں ہمت کر کے قدم ہم نے رکھا تھا۔ خواہ اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ ہم اس اذیت ناک احساس سے نجات چاہتے تھے کہ ہمیں بہت بے دردی سے استعمال کیا گیا ہے۔ ہمیں کسی طرح کا کوئی تو ریلیف چاہیے تھا۔ کہ جس محبت پر اعتماد کر کے ہم لندن واپس پہنچے تھے۔ اور سچ بیانی سے کام لیا تھا۔ پہلے ہی مرحلے میں وہ جڑ سے اکھڑ گئی تھی۔ دوسرے لوگوں کے الزامات سے ایسی اذیت نہیں پہنچی تھی جتنی اس الزام سے پہنچی کہ

فیوڈل لارڈز ہوتے ہی عیاش ہیں۔ بہت سمجھایا تھا اس امید پر کہ غصّے اور ناراضگی کی ڈھول کے نیچے محبت کا آئینہ تو ہے۔ صرف ایک ایسا رشتہ جو محض کاغذ پر تھا۔ رقابت کا یہ حال تھا۔ کہ نازنین احمد وہاں لندن میں ہمارے بیڈروم میں ہر وقت موجود ہوتی تھی۔

ہم۔ زندہ وجود، ہیڈ ٹو ٹو۔ اس کے پاس موجود۔ اس کی فل اپروچ میں اور اسے ہمارے ہونے کا یقین نہیں تھا۔ کیسا مقام حیرت ہے۔ محبت کے اس سراب سے گزرنے کے بعد تو ہم بالکل خالی ہاتھ تھے۔ دولت' جاگیر' بیٹا۔ پھر بھی خالی ہونے کا اذیت ناک احساس۔ واپس آئے تو ایک خالی وجود کے خالی پن کو اس طرح محسوس کیا جیسا کہ محسوس کرنا چاہیے تھا۔ وہ خالی وجود جو خود ساختہ مقبرے میں قید تھا۔ جسے اپنے نقصانات گننے کے دوران کبھی ہمارے نقصانات گننے کا خیال نہ آیا۔ پھر وہ ضوفی پر اپنا حق جتائے تو ہمیں کیسے غصہ نہ آئے۔''

نازنین حیرت سے تیمور علی خان کو دیکھ رہی تھی۔ ایسا اور اتنا تو وہ کبھی نہیں بولے تھے۔ بڑی سے بڑی بات پر ان کے ہاں خاموشی ملتی تھی۔ جتنی بڑی بات' اتنی گہری خاموشی۔

''یقین کریں' ہم نے تو کبھی آپ سے کچھ نہیں چاہا۔ بس اتنا ہی چاہا تھا کہ دُکھ دینے والے کے گرد ہمیشہ کے لیے ایک آگ بھڑکا دوں مگر آپ لندن میں اپنے پارٹنر کے ساتھ خوش رہیں۔ میں تو مر کے نکلی تھی ناں اس حویلی سے یہ اور بات کہ والدین سے خط و کتابت یہاں آ کر بھی کچھ عرصہ جاری رکھی۔ اپنی موت کا پیغام بھی خود بھجوایا اور پھر بابا صاحب کو مطلع کیا۔ پابند کیا۔ مجبور کیا۔

تو اس میں حیرت کیا۔ یاور علی خان نے تو میرے وجود سے روح اسی دن کھینچ لی تھی۔ جس دن۔'' وہ یکدم خاموش ہو کر آنسو پینے لگی۔

''مگر ہم نے تو آپ کو زندہ وجود تسلیم کیا۔ جو آپ کا حق بنتا تھا' وہ دینا چاہا۔ ورنہ لیزا کے سامنے آپ کے وجود کا ذکر ہی کیوں کرتے تو آپ نے خود کو بے روح دوسروں سے تسلیم کروایا تھا ہم سے نہیں۔ مردے نکاح نامے پر دستخط نہیں کرتے۔''

تیمور علی خان کے لہجے سے تلخی ٹپکنے لگی۔

نازنین۔ چند ثانیے کو خاموش سی ہو کر رہ گئی۔

''نکاح کے وقت جو سوچ آپ کی تھی' وہ صرف آپ کی تھی ہماری نہیں۔ جو کچھ ہوا' جن حالات میں ہوا۔ اس کے لیے ہم نے عرصے تک اپنا مائنڈ میک اپ کیا ہے۔ اب کیا سوچتی ہیں۔ آپ کیا کرنا چاہتی ہیں ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ رہا روشی کا معاملہ۔ اس کی آپ فکر نہ کریں۔ ہم فیس بھی کریں گے ہینڈل بھی کریں گے۔ ہم جلد ہی حویلی پہنچیں گے۔ مگر اب آپ کو احساس ہو جانا چاہیے کہ انسان فرض کر لینے سے نہیں مرتا۔ آپ زندہ ہیں۔ انہی کرائسس میں یہ حقیقت بھی سامنے آ سکتی ہے۔ اس کے بارے میں سوچا ہے؟''

تیمور علی خان بالوں میں برش کرتے ہوئے سوال کر رہے تھے۔

''تھینکس گاڈ۔ جھوٹ بس سچ ہوا ہی چاہتا ہے۔ میرا جواب اب ماہین کی ذمہ داری ہوگی' وہ بچوں کو ہینڈل کر لے گی۔

مجھے یقین ہے' وہ ان کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو جائے گی کہ ان کی ماں کے کردار پر کوئی داغ نہیں۔ ایک طالع آزمانے کچھ اپنی سی کوشش کی تھی مگر منہ کی کھائی ہے۔

میرے پاس چھت بھی ہے اور ایک بہت حساس' ذمے دار لائف پارٹنر بھی۔ کہ میرے آنسو زمین پر نہیں اُس کے دامن پر گرتے رہے ہیں۔ وہ نہ ہوتا تو احساس تذلیل سے میں پاگل ہو کر گلیوں کی خاک چھانتی۔ میں اتنی مطمئن تو ضرور ہو گئی کہ مجھے اوروں کی عزت افزائی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ میں اس خواب کے ساتھ اس گھر میں آئی تھی کہ آپ لندن میں وقت گزاریں گے اور میں روشی اور جواد کے ساتھ رہوں گی اور یہ کہ امّاں جی اور بابا صاحب کی موجودگی میں بچے مجھ سے کوئی نہیں چھین سکے گا۔ مگر کسی نے بھی کچھ نہیں کیا۔'' اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ ''تو پھر جیتے جی میں نے مر جانا ہی بہتر جانا۔ کہ کس منہ سے بچوں کا سامنا کروں گی۔ ایسی شرمناک باتیں سُنیں گے تو نفسیاتی طور پر تباہ ہو جائیں گے۔ ڈھیروں کزنز کی موجودگی میں ان کی گردنیں جھکی رہیں گی۔ یہ سب اُس شخص کو سوچنا چاہیے تھا مگر مجھے سوچنا پڑا' آپ علاج کے لیے مجھے امریکہ جانے پر زور دے رہے ہیں' جبکہ مشکل کو آسانی میں۔ ڈھلتے دیکھ کر میں خوشی سے سرشار رہتی ہوں۔''

''یہ تو خودکشی ہے۔ خود غرضی ہے۔ ضوفی کی خاطر بھی آپ کے اندر جینے کی امنگ بیدار نہیں ہوتی؟'' تیمور علی خان فاصلے پر پڑی کرسی پر بیٹھ چکے تھے۔

''روشانے اور جواد کے باپ سے بہت بہتر ضوفی کا باپ ہے۔ میرے بغیر وہ پرورش ہو سکتے ہیں تو پھر ضوفی تو زیادہ بہتر ماحول میں ہے۔''

''آپ ان دلائل سے خود کو بہلا سکتی ہیں۔ مگر ہم اسے صرف آپ کی خود غرضی کہیں گے۔'' وہ اُٹھے اور بیڈ کی دراز سے سگار نکالنے لگے۔

''اتنی بڑی بڑی باتیں سُنی ہیں۔ یہ تو بڑا معصوم سا الزام ہے۔'' نازنین پر گویا کوئی اثر نہیں ہوا۔

''ماہین بھی کسی روز بس یہاں پہنچنے والی ہیں۔ اس طرف کچھ سوچا؟''

انہیں معلوم تھا کہ یہ موضوع کبھی مکمل نہیں ہوگا لہٰذا انہوں نے موضوع ہی بدل دیا۔

''بے چاری ماہین۔ کیا عمر ہے اور کیا جوکھم۔ جتنی دیر جاگتی رہتی ہوں' یہی سوچتی رہتی ہوں۔ سینے میں اذیّت کی لہریں اُٹھتی رہتی ہیں۔ کیا دیکھا تھا اس نے۔ کیا جاگیر؟ مگر دل نہیں مانتا۔ بس ایک بات ہی ہے جس پر دل گواہی دیتا ہے۔ اس شخص کے اندر ایک انتقام کی آگ روشن تھی۔ بیس سال سے کہ میں نے اس الزام کو سچ کر دکھایا تھا۔ میں نے تو اس لیے کیا تھا کہ اس نے ناحق میری چادر تار تار کی تھی مگر اُس نے میری بہن کو گھیر کر بیس سال پُرانا قرض چکانے کی کوشش کی ہے۔ اس شخص کے اندر جذبات صرف ایک شکل میں ہیں اور وہ ہے انتقام۔''

''کیا فائدہ ان باتوں کو بار بار دہرانے کا۔'' تیمور علی خان سگار سلگا چکے تھے۔ انہوں نے پھر گفتگو کا موڈ تبدیل کرنے کی کوشش کی۔

''کتنی پیاری آواز ہے اس کی۔ خود کتنی پیاری ہوگی۔ جانے کون ہے وہ جس نے اسے بھید دیا ہے۔ کون ہے حویلی میں

اس کا ہمدرد۔ مگر یہ ہمدرد اُس وقت کہاں تھا جب ڈی سی صاحب اس سے شادی کر رہے تھے۔ جیسے ہی یہ خیال آتا ہے۔ کیسے ہاتھ ملتی ہوں۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ بھی مجھے لعن طعن کرنے آ رہی ہو؟'' ایک نیا خدشہ بیدار ہوا۔

''مائی گڈنیس۔ ایسا کچھ فیل نہیں کیا ہم نے۔ وہ جتنا ہمیں اپنا سمجھ رہی تھیں' ہم انہیں نہیں سمجھ رہے تھے۔ شی از اے ویل میچور پرسنالٹی۔''

تیمور علی خان نے اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔

''پتا نہیں میرے احساسات کہاں جا سوئے ہیں۔ کچھ بھی تو نہیں جاگتا اندر۔'' اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

....

''اوہ۔ نو۔'' مونا کے حلق سے چیخ نکلی تھی۔ ''تم نے خود سنا؟'' روبی سونی سے دریافت کر رہی تھی۔

''بڑی امی' بصیر چچا کی کی دلہن سے باتیں کر رہی تھیں۔ اوپر لاؤنج میں۔ سچی میری تو ٹانگیں کانپنے لگیں۔''

''مائی گاڈ۔ یہ نہیں پتا چلا کہ یہ عظیم واقعہ کب ہوا۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حویلی میں روشی ہمارے ساتھ ہوتی ہے۔ اکیلی کہیں بھی نہیں جاتی۔ ہری پور میں باری نہیں ہوتا۔'' مونا نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

''اوفوہ۔ پوری بات تو سنیں مونا باجی!'' سونی جھنجلا گئی۔

''کاکا جان کے ہاں نہیں گئی تھی روشی؟ اس نے سوالیہ انداز میں یاد دلایا۔

''ہوں۔ ہوں۔'' بیک وقت کئی آوازوں نے تائید کی۔

''ان دنوں کی بات ہے۔'' سونی نے بات مکمل کی۔

''لیکن۔ ایسا کیوں ہوا۔ کاکا جان نے حصہ کیوں لیا وہ تو یاور ماموں سے نہیں ملتے پھر روشی۔'' لالی نے ایک اور نکتہ اُٹھایا۔

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں نے نکاح کر کے کاکا جان کے ہاں پناہ حاصل کی ہو۔'' حنا کی سوچ ایک اور انداز میں ظاہر ہوئی۔

''لو نکاح بھی قتل کے برابر ہو گیا کہ مفروروں کو پناہ کی تلاش ہوئی۔'' تانیہ کو اس خیال پر سب سے زیادہ اعتراض ہوا۔

''ہائے نی۔ میں تھا مر جاواں۔ اڑیے کوئی چاپڑی نے مُیں۔''

مریم نے شوخی کے پردے میں اپنی حیرت ظاہر کی۔ اور زور سے سینے پر ہاتھ مار کر کہا تھا۔

''اچھا اسی لیے وہ نعیم کا ذکر تک سُننا پسند نہیں کرتی تھی۔ اب سب کو اس کے موڈ کی ریزن سمجھ آنے لگیں۔

''اوہ۔ مجھے تو چکر آ رہے ہیں۔'' نازک طبع مونا نے سر تھام لیا۔

''گلو آپا کہاں ہیں۔ انہیں بھی تو پتا چلنا چاہیے۔'' حنا نے معاً گلو کی غیر حاضری کی طرف متوجہ کیا۔

''بے بی پاسیبل۔ انہیں آل ریڈی پتا ہو۔ گھر کی خواتین انہیں راز داری کے معاملات میں شامل رکھتی ہوں۔ کیوں

زری آپی۔ کہیں آپ کو بھی تو پہلے سب خبر نہیں تھی۔'' بیہ نے پوچھا۔

''مائی گڈنیس۔ میں تو ابھی تک حیرت سے پتھر بنی ہوئی ہوں۔ الزام لگانے سے پہلے صورت دیکھو۔'' زری نے بدگمانی پر دہائی دی۔

اسی دم گلو اندر داخل ہوئیں۔ بغل میں دھاگے کا گولہ تھا۔ دھڑا دھڑ کروشیا کی بُنائی ہو رہی تھی۔ ان سب کا انداز پست دیکھ کر وہ ٹھٹکیں کہ اکٹھی تو اکثر ہی نظر آتی تھیں۔ مگر آج تو ایک دوسرے میں یوں گھسی بیٹھی تھیں کہ جیسے شہد کی مکھیاں چھتے پر ورکنگ آور میں دکھائی دیتی ہیں۔ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتی ہوئیں۔''

''اب آ رہی ہیں جب خبر بھی پُرانی ہو گئی۔'' حنا نے ان میں تھرل دوڑانے کی کوشش کی۔

''چلو۔ اب کوئی تازہ خبر آئے تو جلدی بلوا لینا۔'' وہ ہنستی ہوئی دُور صوفے پر جا بیٹھیں۔

''نکاح کے بعد تو گویا امریکہ ہی دریافت ہو گیا۔ کولمبس کے سارے تجسس ہی ختم ہو گئے۔'' لالی کو گلو میں اشتیاق نہ پا کر سخت مایوسی ہوئی۔

''آپ تھیں کہاں صبح سے؟'' تانیہ نے غیر حاضری کی طوالت کا اندازہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

''ماہین مامی کراچی جا رہی ہیں۔ ان کی ہیلپ کر رہی تھی پیکنگ میں۔ اس سے پہلے اپنی امی کا ہاتھ بٹا رہی تھی اور اس سے بھی پہلے روشن خالہ کے ساتھ کپڑے کٹوا رہی تھی اور۔''

''بس۔ بس۔ ہمیں پتا ہے اس سے پہلے آپ حکومت کا ہاتھ بٹا رہی تھیں۔ کیا کہنے آپ کی سرکاری' نیم سرکاری' اور غیر سرکاری مصروفیات کے۔'' مونا نے چڑ کر بہن کو ٹوکا۔ ''مگر کسی کام کی نہیں آپ کی مصروفیات۔ ناک کے نیچے سے اونٹ چُرا لے گئے لوگ۔'' جانے کون سی متروک لغت سے محاورہ نکالا گیا تھا۔

''اتنا چھوٹا سا اونٹ تھا؟'' وہ مسکرائیں۔

''روشی بھی جا رہی ہے ممانی کے ساتھ؟'' بیہ نے پوچھا۔

''نہیں' وہ ماموں کے ساتھ ہری پور جا رہی ہے۔'' گلو نے جواب دیا۔

''ممانی کے ساتھ کیوں نہیں جا رہی؟ اب کون سا اس کے ایگزام ہو رہے ہیں۔ یا رخصت ہونے سے پہلے ابا جی کی خدمت کا حق ادا کرنے کا ارادہ ہے۔''

''آپ کے ذہن میں یقیناً آیا ہو گا کہ نعیم کے ساتھ رخصت ہونے والی ہیں محترمہ۔ جی نہیں انہیں باری صاحب ظالم سماج سے دُور لے جانے والے ہیں۔'' مونا کو گلو تک بات پہنچانے کی بہت جلدی تھی۔

''بھئی' لڑکی کو کسی نہ کسی کے ساتھ رخصت تو ہونا ہی پڑتا ہے۔ نعیم نہ سہی باری سہی۔'' گلو نے ایک اور پھندا قابو کرتے ہوئے بہت رسانیت سے جواب دیا۔

''دیکھا' ہم تو پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ آپا کو پتا ہو گا۔ انہیں بڑا اعتبار حاصل ہے حویلی میں' پہلی فرصت میں ہمراز بنایا جاتا ہے۔''

''اچھا۔ کب سے پتا ہے آپ کو؟'' تقریباً سب ہی خجل سے نظر آنے لگی تھیں۔

''آج ہی پتا چلا ہے۔'' ان کے چہرے پر قدرے سنجیدگی نظر آنے لگی۔

''آپ کو حیرت نہیں ہوئی؟'' حنا نے تعجب سے پوچھا۔

''حیرت نہیں دُکھ۔ کہ اتنا پیار کرتی ہے روشی مجھ سے اور اس نے اتنی اہم خبر اپنی زندگی کا اہم واقعہ مجھ سے چھپایا۔'' گلو نے دُکھ بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''ایسی باتیں تو کبھی چھپتی نہیں ہیں۔ ہم تو برس ہا پہلے جانتے تھے کہ ایسا کچھ ہوگا۔''

شینو ہمیشہ کی طرح بولتی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔ کن سوئیاں لینے کی عادت میں اتنی پختہ تھیں کہ اندر داخل ہونے سے پہلے ہی بہت کچھ سُن لیا کرتی تھیں۔

''فرشتوں سے راہ و رسم ہوگی آپ کی۔ ہم نے تو کبھی کوئی ایسی بات نہیں دیکھی۔''

روبی کو ان کا یہ جملہ محض نمبر بنانے کی ایک فضول سی کوشش محسوس ہوا۔

''یاور ماموں سخت غصّے میں ہیں۔ باری سرائے جا چکا ہے۔ کاکا جان آنے والے ہیں۔'' مونا نے خصوصی بلٹن نشر کیا۔

''کاکا جان کی انوالومنٹ کے معنی سمجھ میں نہیں آ رہے۔'' زری نے گلو کی سمت دیکھا۔

''میرے اللہ! اتنی بڑی بات روشی کب سے پیٹ میں لیے پھر رہی تھی' اس کا پیٹ بھی نہیں پھولا۔ اگر ہمارا نکاح ہو جاتا تو ہمیں تو ہر ایک کو بتانے کو جلدی ہوتی کہ اب ہم نتھے بیل نہیں رہے۔''

''گائے۔'' تانیہ نے روبی کے جملے میں گرہ لگائی۔ تذکیر و تانیث کی خامی پر متوجہ کیا۔

''اے۔ ذرا ہمت کرو۔ روشی کو تو بُلا کر لاؤ۔ اس کی کھنچائی کرتے ہیں۔ پھر تو وہ ہری پوری چلی جائے گی۔'' مریم نے کہا۔

''شاید وہ آئے نہیں۔ تو؟'' حنا نے سوال کیا۔

''تو پھر ہم چلیں گے اس کے کمرے میں۔'' بیبہ نے فوری حل دیا۔

''اس بے چاری کا کیا قصور۔ باری نے اسے کیسے پٹا لیا۔ اسے بابا صاحب کا خوف بھی محسوس نہیں ہوا۔'' سونی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

''اسے خدا کا خوف نہیں آیا۔ تم بابا صاحب کی بات کر رہی ہو۔ جس تھالی میں کھانا اس میں چھید کرنا۔'' شینو کے لہجے کی تلخی آج بہت بڑھی ہوئی تھی۔

''یہ کون سے رحمانی یا انسانی قانون میں لکھا ہے کہ نکاح کرنے سے تھالی میں چھید ہو جاتے ہیں۔'' مونا نے تنگ کر پوچھا۔

''نکاح کرنے سے نہیں۔ نکاح کرنے کے طریقۂ کار سے۔'' شینو بھلا ہارنے والی تھیں۔

''نان سنس۔ روبی بتا رہی تھی۔ کاکا جان نے خود نکاح پڑھوایا ہے۔'' زری نے جواب دیا۔

''ظاہر ہے' وہ بے چارے کیا کرتے۔ دونوں نے انہیں بھی دھمکی دی ہوگی کوئی۔ بے چارے ایکسپلائٹ ہو گئے ہوں گے۔''

''کاکا جان نہ ایکسپلائٹ کرتے ہیں نہ ہوتے ہیں۔ اطلاعاً عرض ہے۔ وہ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ اور دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب دونوں نے نکاح ہی کرنا تھا یعنی خود اپنے زورِ بازو پر تو سرائے جا کر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ کہیں بھی کر سکتے تھے۔ اہمیت تو اس پوائنٹ کی ہی ہونا چاہیے کہ نکاح سرائے میں کیوں ہوا؟'' لالی بہت دُور کی کوڑی لائی تھی۔

اور یہ نکتہ ایسا تھا کہ چند لمحوں کے لیے گہرا سکوت طاری ہو گیا جیسے سب کچھ سوچنے لگی ہوں۔

''کاکا جان اتنا رسکی کام کیسے کر سکتے ہیں۔ آل ریڈی ان کے تعلقات یاور ماموں سے خراب ہیں۔ خیر ہمیں کیا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ باری ایسا چھپا رستم نکلا۔ رہتے تو وہ دُشمنوں کی طرح تھے۔ روشی کو تو اس کی ہر بات بُری لگتی تھی۔''

''یہ بھی ایک انداز ہو کرتا ہے۔'' شینو ہنسیں۔ آج تو سر سے پاؤں تک زہر سے نیلی ہو رہی تھیں۔

''کچھ بھی ہے۔ ہے دغا بازی۔ روشی نے ہم سے اتنی اہم بات چھپائی۔''

''خطرے بھی تو بہت ہیں۔ اس لیے چھپائی ہوگی۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ یاور ماموں اس نکاح کو رخصتی کے انجام تک پہنچنے دیں۔'' شینو نے مضبوط پیش گوئی کی۔

''اللہ نہ کرے۔ باری سے کسی کی کیا دشمنی۔ اتنا اچھا تو ہے۔'' بیبہ نے معصومیت سے کہا۔

اسی وقت ماہین اندر داخل ہوئی۔ ''اچھا بھئی ہم تو چلے۔ روشی کا خیال رکھنا۔ ویسے تو وہ بھی رات کو ہری پور چلی جائے گی۔''

زرد لپلک کے پھولوں والے ریڈ سوٹ میں ملبوس ماہین گہرے رنگوں کے باوجود بہت بجھی بجھی محسوس ہوئی۔

''واپسی کب ہوگی؟'' وہ سب کھڑی ہو گئیں۔

''دیکھو۔'' وہ زبردستی مسکرائی تھی۔ ''کوئی اہم میٹنگ ہو رہی تھی۔'' وہ اتنے قریب قریب بیٹھی تھیں کہ دیکھنے والا یہی محسوس کرتا کہ وہ چپکے چپکے کوئی بات کر رہی ہیں۔

''روشی آپ کے ساتھ نہیں جا رہی؟'' تانیہ نے پوچھا۔

''نہیں۔ اس کے پپا کی مرضی نہیں۔ خیر۔ بہت مزا آتا ہے جب یہاں آتی ہوں تم لوگوں سے باتیں ہوتی ہیں۔ جو دیر تک یاد آتی ہیں۔''

اچانک بالو سیاہ بڑی سی چادر لپیٹے ماہین کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ ''بی بی۔ خان کہہ رہے ہیں کہ جلدی کریں۔''

''یاور ماموں آپ کو کراچی چھوڑنے جا رہے ہیں؟'' گلو نے پوچھا۔

''ایئرپورٹ تک جا رہے ہیں۔ بالو جا رہی ہے میرے ساتھ۔'' ماہین نے بتایا۔ ''کراچی میں اس کی ماں کا بھی گھر ہے۔ اسے اس کی ماں کے پاس چھوڑ کر آؤں گی۔ سفر سے انسان کو بہت عقلیں آتی ہیں۔ اسے ایک سفر نے بہت عقلمند بنا دیا ہے۔''

ماہین مسکرا کر بالو کی سمت دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

تمام لڑکیاں ماہین کو باہر تک خدا حافظ کہنے آئیں۔

....

روشی اوندھی لیٹی جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ دروازے پر بڑے زور کی دستک ہوئی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ ماہین کے چلے جانے سے ایک تو خود کو بہت تنہا اور غیر محفوظ سا محسوس کر رہی تھی۔ کہیں بابا صاحب کا بلاوا تو نہیں آ گیا۔ وہ لرزتی ٹانگوں کے ساتھ دروازے تک آئی اور دروازہ کھول دیا۔

"اوہ!" ان سب کو سامنے پا کر اس نے گہرا سانس لیا۔ اور ایک طرف ہو گئی۔

"پھر کہیں جانے کا پروگرام ہے؟" وہ ان کو ایک ساتھ دیکھ کر یہی کچھ سمجھی۔

"ہاں۔ پیا گھر جانا ہے۔" روبی تیزی سے بولی۔

وہ دل ہی دل میں حیران سی ایک کونے میں جا بیٹھی۔

"میدان مار کر کونے میں چھپی بیٹھی ہو۔" گلو نے ایک دھپ لگائی۔ اور بیٹھ گئیں۔

اس نے حیرت سے باری باری سب کو دیکھا۔ کچھ کچھ سمجھ میں تو آیا۔ مگر وہم کو یقین کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔ خود کو بہلایا کہ کوئی اور بات ہوگی۔

"آخر اسے حویلی سے بے دخل کروا کر ہی دم لیا۔" مونا نے ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔ روشی کے سینے میں عجیب سی دھکڑ پکڑ ہونے لگی۔

"دونوں نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ پہلے تم سرائے پہنچو پھر وہ۔ اور پھر نکاح ہو جائے۔ مگر یہ کاکا جان پر کون سی جادو کی چھڑی گھمائی کہ بھاگ کر قاضی کو پکڑ لائے۔" زری نے بھی جھاڑ جھپاڑ میں شرکت کی۔

"خیر جب یہ ہو ہی گیا تھا تو واپس آنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہاں سیاسی پناہ کی درخواست کیوں نہیں دی؟" روبی نے ایک فاش غلطی کی طرف متوجہ کیا۔

"سماجی پناہ کی۔" لالی نے تصحیح کی۔

"چلو وہی۔ اب دریا کیسے پار ہوگا۔ تمہارے پاس کچا گھڑا بھی نہیں۔ حشر نشر کر دیں گے یاور ماموں۔" مریم نے امکانی نتیجے سے خبردار کیا۔

روشی سر جھکائے سب کی سن رہی تھی۔ مگر خاموش تھی۔

"تم تو پاگل ہو۔ سب سیٹ کر لیں گے۔ سیٹ ہو جائیں گے۔ وہ بے چارا تو مفت میں مارا گیا۔ کیا ہو گیا تھا تمہیں۔ اتنا بے خوف کر دیا تھا تمہیں اس نے۔ کیا خواب دکھائے تھے۔ ایسا لگتا تو نہیں تھا۔" زری نے پھر کہا۔

"ہائے اللہ کتنی رونق تھی اس سے حویلی میں۔" مونا کو گم گشتہ رونقیں یاد آنے لگیں۔

"کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ تم لوگ تو مسلسل تاریک پہلو پیش کیے جا رہی ہو۔" گلو نے روشی کے چہرے پر نظر ڈال کر ان

سب کو ٹوک دیا۔

"ہے تو سچ بہت اچھا۔ جب بن ٹھن کر کچہری جاتا ہے تو چاروں طرف بہار نظر آنے لگتی ہے۔" روبی نے حصہ لیا۔

"ہوں تو تم بھی خاص اینگل سے اسے دیکھتی رہی ہو۔" ثانیہ نے روبی کو گھورا۔

"لو بتاؤ۔ جو اچھا ہوتا ہے، سب ہی کو اچھا لگتا ہے۔ ہمارے ساتھ تو اس کا بی ہیویر ہمیشہ ایسا رہا جیسے کہ ہمارا "ماموں" ہو۔" روبی چڑ کر بولی۔

"واہ رے۔ تقویٰ۔ اپنا بھی بھائی نہیں بتایا۔ سیدھے سیدھے اپنی ماں کا بنا دیا لو بھئی ان کے ہاں تو شروع سے کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔"

بیہ ہنس ہنس کر لوٹ گئی۔ وہ سب بھی ہنسنے لگیں۔

"مگر ہمیں تو گلو آپا سے بھی بڑی والی آپا محسوس ہوتا رہا ہے۔ اسے ہم اپنی ہی کوئی کمی سمجھیں گے، وہ تو "پورا" ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" گلو نے گویا سر پیٹ لیا۔

"یہ تو تم لوگوں کو شروع سے جو محسوس ہوا ہے، وہ بتایا ہے۔ اب روشی سے پوچھتے ہیں کہ شروع سے اسے کیا محسوس ہوتا تھا۔" ثانیہ نے ٹوکا۔

"لو یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ اسے شروع سے جو لگا ہوگا اسی پر تو فائنل کیا ہے۔"

بیہ نے لطیف نکتہ اٹھایا۔ بے ساختہ قہقہے گونجے تھے۔

روشی ہنوز خاموش بیٹھی تھی۔

"لوگ تمہارے احساسات کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ تم بھی تو کچھ بولو۔" گلو نے اسے ٹہوکا دیا۔

روشی نے گلو کے شانے سے سر ٹکا دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ "خاموش ہو جائیں آپ لوگ۔ سب کی سب شنو آپا بن گئی ہیں۔"

وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ سب کی سب ایک دم شرمساری ہو کر ایک دوسرے سے نگاہ چراتے لگیں۔

"ارے تم تو مذاق کر رہے تھے۔ سچ ہمیں تو کوئی اعتراض نہیں۔ واقعی وہ تو بہت اچھا ہے۔ بلکہ ہم تو حیرت سے فوت ہونے کے قریب ہیں، یہ اتنا بڑا کام کیسے ہو گیا؟"

گلو نے اس کے بالوں پر بوسہ دیتے ہوئے چمکارا۔

"سچ ہم تو نکاح کی کہانی تمہاری زبانی سننے آئے تھے۔ اور تمہاری میچورٹی کو سراہنے آئے تھے کہ کسی حرکت سے بھید نہیں دیا کہ تم دونوں کے بیچ کوئی خاص رشتہ قائم ہو چکا ہے۔ واہ بھئی واہ۔"

"اچھا یہ بتاؤ۔ بابا صاحب نے تو تمہیں نہیں بلوایا ابھی تک؟" گلو نے پوچھا۔

روشی نے نفی میں سر ہلایا۔

"بلائیں گے تو خیر ضرور۔" مریم نے وثوق سے کہا۔

''ظاہر ہے' ڈانٹ ڈپٹ کے لیے بلائیں گے۔ فیصلہ تو انہی کے پاس محفوظ ہے۔'' لالی نے کہا' ''ان کے حساب سے تو یہ ایک قیامت ہے۔''

''کوئی محفوظ نہیں ہے۔ فیصلہ بس ہو چکا۔ ایک بڑی سیدھی سی بات تھی جو ان سب نے مل کر اُلجھا دی۔ زیادہ سے زیادہ شوٹ کر دیں گے۔'' روشی نے آنسو پونچھتے ہوئے قطعی انداز میں کہا۔

''بُری بات۔ اچھا چھوڑو۔ یہ بتاؤ' یہ سب ہوا کیسے۔ آئیڈیا کس کا تھا؟'' گلو نے اپنے آنچل سے اس کی آنکھیں پونچھیں۔

مگر روشی کے چہرے سے ظاہر تھا کہ اس کا کچھ بتانے کا موڈ نہیں ہے۔

....

''بی بی! ہوائی جہاز میں تو مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ میں تو بس کلمہ پڑھتی رہی۔ اتنا تیز اُڑتا ہے مگر پتا تو نہیں چلتا۔ توبہ اللہ۔'' بالو' ماہین کے سر میں تیل ڈالتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''لو پتا بھی نہیں چلا کراچی آ گیا۔ اتنی دیر میں تو کورنگی سے اورنگی پہنچتے ہیں ویگن میں۔''

ماہین مسکرا دی۔ ''میں تو سمجھ رہی تھی تجھے مزا آئے گا۔ مگر تیری تو جان سُولی پر لٹکی ہوئی تھی۔''

''تو بی بی! جہاز بھی تو آسمان سے لٹکا ہوتا ہے۔'' وہ سادگی سے بولی۔

ماہین نے بہت لطف محسوس کیا۔

''بی بی! اتنے بڑے گھر میں صرف نوکر رہتے ہیں۔''

''ہاں زیادہ تر۔ دو تین مہینے کے لیے میرے بھائی آتے ہیں۔ یہ جو بڑی بی ہیں۔ یہ پاکستانی نہیں ہیں' یہ امی کی خاص ملازمہ تھیں یوگنڈا میں۔ نعمان بھائی انہیں یہاں لے آئے۔ گھر کے مالک کی طرح دیکھ بھال کرتی ہیں۔ بلکہ میری تو پرورش ہی ان کے ہاتھوں میں ہوئی ہے۔ وہ جو لڑکا ہے۔ وہ یہیں کا ہے۔ ایک عورت صبح کو آتی ہے' وہ رات تک رہتی ہے۔ دیکھو کیسا چمک رہا ہے گھر۔''

''نام کیا ہے ان بڑی بی کا؟''

''ڈائنا!'' ماہین نے بتایا۔

''جیسے ڈائنا ہوتا ہے۔ لو بتاؤ۔ کہاں ڈائن کہاں ڈائنا۔'' بالو اپنی نکتہ رسی پر خود ہی ہنسی۔

ماہین بھی مسکرا دی۔ ''بھئی' وہ ڈائنا نہیں ہے ڈیانا ہے۔ گیارہ بج گئے' مائی گاڈ۔ اچھا تم جا کر سو جاؤ۔ میں ایک ضروری فون کر لوں۔'' وہ ہڑبڑا کر کارپٹ سے اُٹھی۔

''کہاں۔ اپنے سسرال کریں گی۔؟'' بالو نے تیل کی بوتل کا ڈھکنا لگاتے ہوئے پوچھا۔

''سسرال بھی سمجھ لو اور میکہ بھی۔'' وہ دوپٹا اُٹھا کر فون کی سمت بڑھی۔ دل میں ایک عجیب سی دھکڑ پکڑ شروع ہو چکی تھی۔

اتنا لیٹ فون وہ جان بوجھ کر کر رہی تھی تا کہ تیمور علی خان گھر سے باہر گئے ہوئے ہوں تو واپس آ جائیں۔ گیارہ کا ٹائم بھی کچھ

اتنا زیادہ نہیں تھا۔ اب بھی خدشہ تھا کہ شاید وہ نہ ملیں۔ کہ اسے یقین تھا نازنین اس سے کسی طور بات نہیں کرے گی۔

اس نے دھڑکتے دل سے نمبر ڈائل کیا۔ دو تین مرتبہ کی بیل کے بعد ریسیور اُٹھایا گیا تھا۔

''ہیلو!'' تیمور علی خان کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔ ماہین نے طمانیت کا سانس بھرا۔

''السلام علیکم۔ ماہین فرام کراچی۔''

''والسلام۔ کراچی پہنچ گئیں۔ خیریت۔ اکیلی یا روشی بھی ساتھ ہے؟''

اس مرتبہ تو تیمور علی خان بالکل اپنے اپنے سے محسوس ہوئے۔ ایسا تپاک تھا گویا اس کے فون ہی کا انتظار کر رہے تھے۔

''جی بالکل اکیلی' سب وہیں چھوڑ آئی ہوں۔'' وہ بولی۔

''کیا مطلب؟'' تیمور علی خان کے لہجے سے یوں محسوس ہوا جیسے انہیں دھچکا لگا ہو۔

''آپ تک پہنچنے کے لیے 'شارٹ کٹ' اختیار کیا ہے۔'' وہ ہنسی۔

''یہ شارٹ کٹ ہے؟'' تیمور علی خان اس جملے سے محظوظ ہوئے تھے۔

''چلیں ٹھیک ہے۔ آپ کے حساب سے یہ بہتر اقدام ہوگا۔ اب یہ بتایئے کب پہنچ رہی ہیں۔ ہم منتظر ہیں۔''

''واقعی۔ بہت خوشی ہوئی یہ سُن کر۔ آپ یہ بتائیں ان کو بھی لے آئے ہیں راہ پر باتوں باتوں میں۔'' وہ اس مرتبہ کھل کر ہنسی۔

''یہ بہت اجنبی زبان کی کتاب ہے۔ بیس سال سے اٹک اٹک کر پڑھ رہے ہیں۔'' تیمور علی خان بہت دلچسپ پیرائے میں جواب دے رہے تھے۔

''بہت خوب آپ کنفرم ڈیٹ ہمیں دیجئے گا کل صبح تک۔ کیونکہ کل سہ پہر ہم بڑی حویلی جا رہے ہیں۔ بابا صاحب نے بلایا ہے۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ کس سلسلے میں۔''

''جی۔ جی۔ بلکہ جتنا جلد پہنچ سکتے ہیں پہنچ جائیں۔''

''جی۔ ماہین ہیں۔ بات کریں گی؟'' تیمور علی خان ماہین کے بجائے کسی اور کی سمت متوجہ تھے غالباً نازنین کی طرف۔

ماہین کا دل چھلانگیں مارنے لگا۔ بلکہ اس کے سارے وجود پر لرزش سی طاری ہو گئی جو اس کی جذباتی کیفیت کی غماز تھی۔

اس کی ایک ایک حس سماعت بن گئی۔

''ہیلو!'' ایک نرمی اور احتیاط تھی آواز میں۔

''السلام علیکم۔'' ماہین کو خود پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔

''وسلام۔ کیسی ہو؟'' آواز بہت دھیمی تھی۔

''میں تو ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟'' وہ بہت اشتیاق اور خوشی سے کلام کر رہی تھی۔

''ٹھیک ہوں میں بھی۔ کب آ رہی ہو ادھر؟'' اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب چکی تھی۔

''آپ کو بھلا میرے آنے سے کیا دلچسپی؟ آپ تو تمام جذباتی تقاضے' یک انتقام کے عوض رہن رکھ چکی ہیں۔''

ماہین کی آواز بھی بھرا گئی۔ دوسری طرف سے سسکیوں کی آواز سُنائی دی پھر فون بند ہوگیا۔ ماہین نے بھی تھکے تھکے انداز میں ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

بالو کمرے سے جا چکی تھی۔ ماہین انگلیوں کی پوروں سے آنسو پونچھتے ہوئے کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

روشی نے بہت چھوٹا سا سوٹ کیس پیک کیا تھا۔ وہ بہت بجھی بجھی تھی۔ کلو نے اسے یاور علی خان کا پیغام پہنچا دیا تھا کہ وہ ٹھیک ساڑھے دس بجے پورچ میں پہنچ جائے۔

ابھی دس بج کر بیس منٹ ہوئے تھے۔ وہ اپنے کمرے سے نکل آئی۔ اس کے قدم گلو اور مونا کے مشترکہ بیڈروم کی طرف اُٹھ رہے تھے۔

اس نے دروازہ تھپتھپایا۔

دروازہ مونا نے کھولا۔ گلو نماز پڑھ رہی تھیں۔

''آؤ روشی! ہم تمہارے پاس آنے ہی والے تھے۔ روبی وغیرہ بھی نماز پڑھ رہی ہیں۔'' مونا اسے لیے اپنے بیڈ تک آئی۔

''مجھے آپ سے ایک بات کرنا ہے مونا جی!'' روشی نے بہت آہستہ آہستہ آواز میں کہا۔ وہ نماز پڑھتی ہوئی گلو کا بھی جائزہ لے رہی تھی۔

''ہوں۔ کہو۔'' مونا نے بھی اس کا انداز دیکھ کر سرگوشی میں کہا۔

''اگر ہو سکے تو آپ باری سے فون پر رابطہ کیجئے گا۔ اسے کہیے گا کہ اگر اس نے ہار مان لی۔ تو میرے باپ دادا بھی ہمیشہ کے لیے مجھے کھو دیں گے۔ پپا بہت کچھ کر ڈالیں گے۔ وہ سب کچھ کرنے کی کوشش کریں گے جس سے وہ فتح مندی کا ٹائٹل جیت سکیں۔''

''جس کے ساتھ اتنا بڑا قدم اُٹھایا ہے۔ کمال ہے اسے نہیں جانتیں۔ اس کے پاس برداشت اور ذہانت کے بڑے مؤثر ہتھیار ہیں۔ اس کی فریش ذہانت تھکی ہوئی ذہانتوں کے مقابل ہے اسے ملنے 'زور دینے' تاکید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

گلو سلام پھیر کر کیونکہ اس کی سمت متوجہ تھیں۔ فوراً ٹکڑا لگا کر اگلی رکعتوں کے لیے کھڑی ہوگئی تھیں۔

''آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ تم فکر نہ کرو۔ مفت کے اندیشے مت پالو۔ چلو باقی سب سے مل لو۔''

''اوہ!'' وہ وال کلاک پر نظر ڈال کر ایک دم ہوش میں آئی۔ ''بہت تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔'' وہ مونا کے ساتھ باہر آگئی۔

گلو کے بے نیاز انداز اور پُر اعتماد جملے نے گویا اس میں نئی روح پھونک دی تھی۔

''جلدی جلدی سب کو خدا حافظ کہا اور پورچ میں آگئی۔ سامان ڈکی میں رکھا جا چکا تھا۔ یاور علی خان پچھلی سیٹ پر فروکش تھے۔ وہ ڈرائیور کے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ عالم تاب اور رئیسہ بیگم وہاں موجود تھیں۔ اس نے شیشہ نیچے کر کے الوادعی انداز میں ہاتھ ہلایا۔ عالم تاب کا انداز انتہائی سرد جبکہ رئیسہ بیگم کا معمول کے مطابق تھا۔

گاڑی پورچ سے باہر نکل گئی مگر وہ عالم تاب کے انداز پر ہی غور کر رہی تھی۔

''گلاس اوپر کرو۔'' یاور علی خان کا انداز حکمیہ اور بہت روڈ تھا۔ اس نے گھبرا کر جلدی سے شیشہ اوپر کر دیا۔ وہ اس کے برابر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کا سارا اعتماد ہوا ہو رہا تھا۔

یا اللہ ڈھائی تین گھنٹے پپا کے برابر میں بیٹھ کر کیسے کٹیں گے۔ یہ تو ہے کہ اس وقت وہ پرسنل بات چیت سے گریز کریں گے کہ ڈرائیور ساتھ ہے۔ اس پر اپنی خفگی کا اظہار بھی نہیں کریں گے۔ حتیٰ کہ شاید اس سے سرے سے بات بھی نہ کریں مگر اسے برابر میں بیٹھے ہوئے باپ سے ایک نفسیاتی اور فطری خوف محسوس ہو رہا تھا۔

آدھا گھنٹہ تو اس نے مسلسل اپنے دل کی دھک دھک اپنے کانوں سے سُنی۔ بالآخر اس نے خود ہی خاموشی کو توڑا۔

''پپا۔ رئیسہ پھوپھو نے کافی کا فلاسک بھی رکھا ہے۔ آپ کافی پئیں گے؟''

''نو تھینکس۔''

انہوں نے جیب سے گولڈن ہاف فریم کی نظر کی عینک ناک پر ٹکائی اور لیدر کی فائل کھول کر اپنے زانوؤں پر رکھی پھر جیب سے پنسل ٹارچ نکالی قلم فائل کی جیب سے کھینچا اور پنسل ٹارچ فائل پر ڈال کر مطالعہ کرنے لگے۔ گاڑی کی مدھم روشنی میں غالباً وہ احتیاط کے ضمن میں پنسل ٹارچ استعمال کر رہے تھے۔ اس لمحے وہ اسے اتنے اجنبی اور دور محسوس ہوئے کہ زندگی میں کبھی محسوس نہیں ہوئے تھے انتہا درجے کی غیریت تھی۔ اس نے سیٹ کی بیک سے پشت ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ اس کے رخساروں پر پھسلتے ہوئے آنسوؤں کے قطرے اجنبیت کے مہیب اندھیرے میں وہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

تیمور علی خان تو صبح دس بجے ہی بڑی حویلی پہنچ چکے تھے مگر بابا صاحب کہیں گئے ہوئے تھے۔ عالم تاب کی خواب گاہ میں وہ بڑے بھائی 'بصیر علی خان' عالم تاب اور رئیسہ بیگم کے ہمراہ بیٹھے تھے۔ وہ چاروں تیمور علی خان سے اس حیرت ناک واقعے پر گفتگو کر رہے تھے۔

''تمہیں تو اس معاملے میں پڑنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ کم ہوئی ہے تمہارے ساتھ؟'' بڑے ابا سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

''ہم کسی ایک فرد کے لیے کچھ نہیں کر رہے تھے۔ ہمارے سامنے ساری حویلی کا سوال تھا۔'' تیمور علی خان نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔ ''وہ بے وقوف لڑکی بہت کچھ کرنے کے درپے تھی۔ ہم نے تو بہت سے الزام اپنے سر لے کر بہت سے لوگوں کو ریلیف دیا ہے۔ ان میں وہ بھی شامل ہیں جن سے قیامت تک کسی بھلائی کی ہمیں امید نہیں۔

اور پھر اصولاً غیر فطری و غیر انسانی طرز عمل مشکلات ہی پیدا کرتا ہے۔ مسائل حل نہیں کرتا۔ اگر ہم اسے یہاں پہنچا دیتے اور وہ بعد میں کہیں اور چلی جاتی تو اس نقصان کو تلافی کیونکر ممکن ہوتی۔ ہم جان چکے تھے کہ وہ اپنے فیصلے پر بہت مضبوط ہے۔ اسے سمجھایا نہیں جا سکتا۔''

''بڑی حویلی میں صرف یاور علی خان نہیں رہتے۔ اور بہت سے لوگ بھی ہیں جن کی محنت سے بڑی حویلی کا بھرم قائم ہے۔ ضد کے جواب میں ضد یہ کوئی دانائی تو نہیں۔ تمہیں چاہیے تھا کہ تم بابا صاحب سے رابطہ کرتے تمہیں اپنے سر مصیبت مول لینے کی کیا ضرورت تھی۔'' بصیر علی خان نے بھی اپنی دیرپا خاموشی توڑی۔

''بصیر ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' رئیسہ بیگم نے جلدی سے یوں کہا جیسے وہ بھی یہی کہنا چاہ رہی تھیں۔

''یہ صرف ہمارا فیصلہ نہیں تھا۔ اس کی ماں بھی موجود ہے۔ جو ہمیشہ سے اپنے بچوں کو اپنے ساتھ رکھنے کی خواہش مند تھی۔ بچوں کے چھین لیے جانے پر جس نے ساری دُنیا چھوڑ دی۔ روشانے کی ماں زندہ ہے' اس حقیقت کو کیوں بھول جاتے ہیں آپ لوگ۔'' وہ زچ ہو کر گویا ہوئے۔

''ٹھیک۔ تو پھر تمہیں چاہیے تھا کہ اسے سرائے میں روک لیتے' اسے واپس حویلی میں بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' بڑے ابا نے اپنا خیال پیش کیا۔

''مجھے ہمیشہ اس لڑکی کی سرکشی سے خوف آتا تھا۔ میں بابا صاحب سے کہا کرتی تھی کہ یاور سے کہیں' وہ روشی کو اپنے ساتھ رکھا کریں۔ اپنی نگرانی میں اس کی پرورش کریں مگر وہ ہمیشہ ٹال دیتے تھے۔''

عالم تاب نے اپنی سنہری چوڑیوں کو ہاتھ سے اِدھر اُدھر کرتے ہوئے ناگوار لہجے میں کہا۔

''بھائی بیگم! اس طرح کے کیسز میں تو بچے کامپلیکس کا شکار ہو ہی جاتے ہیں۔'' بصیر علی خان نے سمجھایا۔ ''ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ انہیں یہ انتہائی قدم نہیں اُٹھانا چاہیے تھا۔''

''جب وہ خود کو ہمیشہ کے لیے پس منظر میں لے جا چکی ہے تو اسے ایکٹو ہونے کا کیا حق پہنچتا۔ بچے اس کے بغیر ہی بہت سے اہم مرحلوں سے گزرے ہیں۔'' بڑے ابا نے خاصے تند لہجے میں کہا۔

''اس نے بہت سے فیصلے دیوانہ وار کیے ہیں اور ایسے فیصلے ہمیشہ دُکھ پہنچاتے ہیں۔ گناہ گار و بے گناہ سب لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔'' رئیسہ بیگم کا لہجہ تلخ تھا۔ تیمور علی خان نے بہن کا چہرا بغور دیکھا۔

''اب ان باتوں کا مطلب بی بی جان؟ جلے ہوئے زخموں کی راکھ پر بیٹھ کر تعمیرِ نو کی منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ صرف ماتم نہیں۔''

''یاور بھائی رات اسے ساتھ لے گئے ہیں۔ تعمیرِ نو کے سارے منصوبے خاک میں ملے سمجھو۔'' بصیر علی خان نے اپنی دانست میں حقیقت کی جانب توجہ دلائی۔

''ہمارے لیے یہ اطمینان کافی ہے کہ وہ انہی کی اولاد ہے۔ اتنی آسان نہیں ہوگی ان کے لیے۔ محض وقت ضائع کریں گے۔ ہم نے ایک نگاہ میں اسے تول لیا تھا اور وہ اپنی اولاد کو نہیں سمجھ سکتے۔'' تیمور علی خان کے لہجے میں تلخی تھی اور استہزا بھی۔

''یہ تو اسے شہہ دینے والی بات ہوئی۔ یوں کہو اس راستے تم نے بھی اپنی کبھی کی بھڑاس نکال لی ہے۔''

رئیسہ بیگم ایک کل کی لڑکی کو اتنی اہمیت دینے پر بھائی پر برس پڑیں۔ تیمور علی خان نے ایک نگاہ بہن پر ضرور ڈالی مگر خاموش رہے۔

''یاور کو سمجھایا نہیں جا سکتا۔ مقدمے بازی ہوگی' ایک تماشا بنے گا۔ حاصل نہ وصول۔'' بڑے ابا کسی گہری سوچ سے باہر آئے۔

''یہ منطق ہماری سمجھ میں آج تک نہیں آئی کہ انہیں سمجھانا سب ناممکن کیوں سمجھتے ہیں۔ اور ہمیں سمجھانے کو سارا زمانہ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ زیادتی در زیادتی کر گزریں' کوئی انہیں کچھ نہ کہہ سکے۔ ہم نے یہ قدم اسی اسپرٹ کے تحت ہی اٹھایا ہے

کہ ان کے ہاتھوں زیادتی کا سلسلہ اب رُک جائے۔ ہمیں اس بچی سے اپنی اولاد ہی کی طرح ہمدردی ہے جو والدین کی فطری محبت سے محروم رہی ہے۔ دوسروں کی زیادتی کا براہِ راست شکار ہوئی ہے۔ ہم اس بچی کی زندگی کا اگلا موڑ خوشگوار دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم سب کچھ فیس کریں گے مگر اس بچی کا دل ہمیشہ کے لیے اداس نہیں کریں گے۔ نہ ہم خوفزدہ ہیں۔ نہ ہار ماننے کے موڈ میں ہیں۔''

''تم نے جس معاشرے میں پرورش پائی ہے حویلی کا ماحول اس سے یکسر اُلٹ ہے۔ ہمارے ہاں لڑکیوں کو اتنی ذہنی آزادی دینے کا رواج نہیں۔'' بڑے ابا نے دوٹوک انداز میں قطع کلامی کی۔

''پہلے تو ہمیں یہ طے کر لینا چاہیے کہ ہمارا ضابطۂ حیات مذہب کے تحت ہونا چاہیے۔ یا اپنے بنائے ہوئے۔ رواجوں کے مطابق۔ دو کشتیوں میں سوار ہو کر کتنی دُور تک سفر کیا جا سکتا ہے۔''

''مذہب لڑکیوں کے گھر سے فرار ہونے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔'' عالم تاب جیسے تڑپ کر بولیں۔

''وہ فرار نہیں ہوئی تھی۔ ہمارے پاس آئی تھی۔ شادی کرنے کی نیت سے نہیں صرف اس خیال سے کہ اس کی شادی جو زبردستی کی جا رہی ہے' اسے روک دیا جائے اور ہم اس کی نظر میں شاید اس قابل تھے کہ اس کے خیالات بابا صاحب تک پہنچا دیں اور شادی رکوا دیں۔''

''تو پھر تمہیں یہی کرنا چاہیے تھا۔ تم بابا صاحب سے بات کرتے ناں۔'' رئیسہ بیگم نے فوراً ان کی بات پکڑی۔

''مگر ہم تصویر کا دوسرا رُخ بھی تو دیکھ رہے تھے کہ وہ شادی کیوں کرنا نہیں چاہتی۔ اور پھر ہمیں اپنے طور پر پتا چل گیا کہ وہ علیم الدین کے ہاں شادی پر کیوں رضامند نہیں ہے۔ اور اصل پیچیدگی تو یہیں سے شروع ہوتی ہے۔''

''اپنے طور سے کیا مطلب؟'' بصیر علی خان نے چونک کر بھائی کی شکل دیکھی۔

''ہم وضاحت سے معذور ہیں مگر بات کا اعتبار کیا جائے۔'' تیمور علی خان جز بز ہو گئے۔

''ہمارے ہاں اس قسم کی آزادی لڑکیوں کو نہیں دی جاتی۔'' عالم تاب ناگوار لہجے میں گویا ہوئیں۔

''وہ کسی قسم کی معیوب حرکت میں ملوث نہیں پائی گئی۔'' تیمور علی خان نے بے ساختہ انداز مین دفاع کیا۔

''یہ کیا کم معیوب حرکت ہے کہ وہ بلا اجازت حویلی سے نکل کھڑی ہوئی اور پیچھے پیچھے وہ چل دیا۔'' عالم تاب سابقہ انداز میں گویا ہوئیں۔

''اسے بابا صاحب نے کام سے بھیجا تھا۔ اسے روشی کے وہاں موجود ہونے کا علم نہیں تھا۔ یہ بات ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔'' تیمور علی خان مضبوط لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''وہ یاور علی خان کی بیٹی ہے۔ اس کے معاملے میں تم نے مداخلت کر کے بہت بُرا کیا۔ کاش یہ بات تمہاری سمجھ میں آ سکتی۔'' بڑے ابا زچ انداز میں کہہ رہے تھے۔

''وہ ہماری بھی کچھ لگتی ہے۔ ہم اس کے وجود کی حقیقت تسلیم کرتے ہیں۔ جبکہ دوسرے اسے اپنے اپنے حصے کی دُھول میں لپیٹ رہے ہیں' صرف اپنا اپنا سوچ رہے ہیں۔ یہ انتہائی ظلم ہے۔ ہمیں اپنے اقدام پر رتی برابر افسوس نہیں ہے۔''

تیمور علی خان نے بڑی جرأت سے جواب دیا۔

''تم نے برسوں پہلے بھی ایک صحیح قدم اٹھایا تھا۔اس کے زخم تمہیں آج بھی تنگ کرتے ہیں گے۔'' رئیسہ بیگم تلخی سے گویا ہوئیں۔

''اسی سبب تو اب دوسروں کو زخم خوردہ دیکھنے کے خواہش مند نہیں ہیں۔زخم کھایا ہے تو زخم کی سمجھ آئی ہے' اس کا ذائقہ پتا چلا ہے۔'' تیمور علی خان کا سکون کمال تھا۔

''تمہارے پاس اپنے دُکھ کیا کم تھے جو اُدھار مانگنے نکل کھڑے ہوئے۔میرے چاند جیسے بھائی میرے راج دلارے۔ میرے کلیجے کی ٹھنڈک۔میری آنکھوں کے نور۔''

رئیسہ بیگم بے تابی سے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور تیمور علی خان کا سر اپنے سینے سے لگا کر ان کے سر پر بوسہ دیتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

''تم سے تلخ بات کرتی ہوں تو احساس گناہ سے مر مر جاتی ہوں۔غصہ تو اس بات پر آتا ہے کہ تمہیں اپنے آپ پر رحم کیوں نہیں آتا۔؟'' وہ زار و قطار رو رہی تھیں۔

''تم مجھ سے اتنے چھوٹے ہو کہ تمہارا لڑکھڑا کے چلنا بھی یاد ہے۔جب اونچے پورے ہو کر میرے سامنے آئے تو میں نے نظر بھر کر دیکھنا چھوڑ دیا۔اور دعائیں مانگتی تھی کہ اللہ تمہیں نظر بد سے بچائے۔میرے شیر جیسے بھائی کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔میرا بھائی قدم قدم پر سکھ پائے۔مگر۔'' وہ بلک رہی تھیں۔

تیمور علی خان نے انہیں تھام کر اپنے پہلو میں بٹھالیا۔اور جیب سے رومال نکال کر ان کے آنسو پونچھنے لگے۔

''پلیز۔بی بی جان اوہ بھی ہماری اپنی ہے۔خیر خواہی کے یہی جذبات اس کے لیے بھی ہونا چاہئیں۔''

''میری جان! مجھے تو اس وقت تمہاری پڑی ہوئی ہے۔تمہاری نا آسودگی کے احساس سے میرا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔''

وہ تیمور علی خان کے شانے سے پیشانی ٹکا کر پھر رونے لگیں۔سب دم بخود سے انداز میں دونوں بہن' بھائی کو دیکھ رہے تھے۔

''آپ ہماری فکر نہ کریں۔ہم بہت خوش ہیں۔مت پریشان ہوا کریں۔آپ روتی ہیں تو ہم بہت گلٹی فیل کرتے ہیں۔ اب تو ہم بالکل سیٹ ہیں۔ہمارا مقصدِ حیات ہمارے بچے ہیں۔بالآخر انسان کا نصب العین اس کی اولاد ہی ہوتی ہے۔ باقی سب کچھ تو سنگ میل کی طرح راہ میں آتا ہے۔اوپیٹلی اب ہم سیٹ ہیں' بزی بزی' ٹری یوزفل (مفید) ہو گئی ہے لائف۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں کہہ رہے تھے۔وہ بہت کوشش کرتے تھے کہ ان کی گفتگو میں انگریزی شامل نہ ہو مگر ایک عرصہ دیارِ غیر میں گزارنے......کی وجہ سے ان کا مخصوص اندازِ گفتگو پختہ ہو چکا تھا۔وہ بہن کو بہت دلسوزی سے سمجھا رہے تھے' بہلا رہے تھے۔

اسی دم ماما ٹلی اجازت لے کر اندر داخل ہوئی۔

''چھوٹے خان کو بابا صاحب بُلا رہے ہیں۔وہ کہہ رہے ہیں کہ وہ دیر سے انتظار کر رہے ہیں۔'' ماما ایک مشینی انداز میں

پیغام پہنچا کر معمول کی طرح پلٹ گئی۔

بڑے ابا اور بصیر علی خان بھی تیمور علی خان کے ساتھ ہی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

عالم تاب اور رئیسہ بیگم اپنی جگہ بیٹھی ہوئی تھیں۔تیمور علی خان نے ایک طرف ہو کر پہلے بڑے بھائیوں کو گزرنے کا راستہ دیا۔یہ بھائیوں کی جذباتی وابستگی ہی تھی کہ وہ تیمور علی خان کو باپ کے سامنے تنہا نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔

تینوں بابا صاحب کی خواب گاہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے تینوں کے چہرے پر باری باری نظر دوڑائی تھی۔اُلجھن ان کے چہرے سے واضح تھی۔وہ شملہ اُتار کر اپنا سر سہلانے لگے تھے۔تینوں کے سلام کا جواب بھی انہوں نے اشارے سے دیا تھا۔

''آؤ بیٹھو۔بہت بے تابی سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔'' ان کے لہجے میں کوئی خاص کیفیت نہیں تھی معمول کا انداز تھا۔

''اندازہ تو ہوگا تمہیں کہ کیوں بُلایا ہے؟'' انہوں نے اچٹتی سی نظر بیٹے پر ڈالی۔

''جی!'' تیمور علی خان جی کہہ کر خاموش ہو گئے۔وہ اور بصیر علی خان خاصے فاصلے پر تھے جبکہ بڑے بھائی باپ کے پہلو میں بیٹھ گئے تھے۔

''جو کچھ ہو چکا اس کی تفصیل دُہرانا بے معنی ہے۔ہم کس صدمے سے گزر رہے ہیں۔یہ بتانا بھی ضروری نہیں۔بات تو بس یہ ہے کہ اس مسئلے کا کیا حال نکالا جائے۔تمہیں بُرا بھلا کہنے سے اگر مسئلہ حل ہو سکتا تو بُرا بھلا ہی کہہ لیتے۔یہ کیا کر دیا تیمور؟'' وہ بڑے تسلسل سے بولتے بولتے یکدم خاموش ہو گئے۔

''مسئلہ تو یہی ہے بابا صاحب کہ حویلی میں مسئلے تو پیدا ہوتے ہیں مگر ان مسئلوں کا کوئی پراپر سلوشن نہیں نکالا جاتا بلکہ مسئلے کے جواب میں نیا مسئلہ پیدا کر دیا جاتا ہے۔روشانے کی شادی ہونا تھی' اس کی ماں کی پسند سے ہو گئی بس۔'' تیمور علی خان کا انداز قطعی دوٹوک اور پُرسکون تھا۔

''اور بس نہیں۔روشانے کا باپ زندہ ہے الحمدللہ اور موجود ہے۔'' بابا صاحب کے لہجے میں ناراضگی تھی۔

''اگر اس نکاح میں پوائنٹ آف آبجیکشن یہ ہے کہ اس کی ماں نے اس کیس میں حصہ لیا اس کے باوجود کہ اس نے بیٹی کی پرورش میں حصہ نہیں لیا تو یہ بالکل فضول ہے۔اگر ماں نے اس کی پرورش میں حصہ نہیں لیا تو اس کے باپ......نے بھی اس کے گرون اَپ ہونے تک لاتعلقی اختیار رکھی۔اس کی پرورش' بڑی بی بی جان نے کی ہے۔اگر پرورش کرنیوالے کی پوزیشن ڈسکس ہو رہی ہے اور صرف اس کا رول ہی امپورٹنٹ ہے تو پھر بڑی بی بی جان کے علاوہ اس کیس میں کسی کو حصہ نہیں لینا چاہیے۔''

''ہمارے موجود ہوتے ہوئے کوئی بھی امپورٹنٹ نہیں ہے۔یہ ہمارے خاندان کا مسئلہ ہے جس کی باگ دوڑ ہمارے ہاتھ میں ہے۔علیم الدین کے ہاں رشتہ ہم نے طے کیا تھا' یاور سے مشورہ تک نہیں مانگا تھا۔صرف اطلاع دی تھی۔اور اس نے تسلیم کیا تھا' اس نے ہمیں ایک لمحے کے لیے بھی احساس نہیں دلایا تھا کہ وہ روشانے کے باپ کی حیثیت سے صرف خود کو

فیصلہ کرنے کا مستحق سمجھتا ہے۔ اور وہ جسے ہم نے بیٹے کو قربان گاہ پر چڑھا کر خاندانی تحفظ دیا' اس نے اتنی زحمت بھی نہیں کی کہ ہم سے اس موضوع پر بات چیت کرتی۔ آج وہ خود کو مکمل فیوڈل لیڈی سمجھ کر فیصلے کر رہی ہے جیسے سب مر چکے ہوں۔ اس کا کوئی بڑا سر پر موجود نہ ہو۔"

باباصاحب کے انداز سے غیض و غضب جھلکنے لگا۔

"یہ فیصلہ کن پوزیشن شاید ہم نے انہیں دی ہے' ان کا کوئی قصور نہیں۔ وہ تو ایک مٹی کے کھلونے جیسی پوزیشن کے ساتھ ہمارے حوالے کی گئی تھیں۔ ہم چاہتے تو توڑ کر رکھ دیے۔ افسوس و ہمدردی کے سارے رشتے ڈسکنیکٹ ہو چکے تھے اُن سے۔ مگر بیس سال کی طویل رفاقت کوئی معنی رکھتی ہے۔ انہوں نے تو جی بھر کے ہم نے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ ان کی ہم سے کبھی کوئی ڈیمانڈ نہیں رہی۔ مگر ہم جانتے ہیں' وہ ان دونوں بچوں کے لیے کتنا روئی ہیں جنہیں محض اتفاقاً ان سے دُور کیا گیا۔ انہوں نے پہلی بار ہم سے کچھ مانگا' وہ بھی اپنی ذات کے لیے نہیں اپنی بیٹی کے لیے۔ جو ماں خود ظلم کا شکار ہوئی ہو' وہ اپنی اولاد کے ساتھ زیادتی کے احساس ہی سے پاگل ہو جاتی ہے۔"

"مگر تم نے ہم سے تو کچھ کہا ہوتا۔" باباصاحب نے بات کاٹ دی۔

"اگر کوئی اچھا امکان نظر آتا تو ہم پہلی فرصت میں آپ سے بات کرتے۔ باباصاحب! بارِیؔ۔ عبدالعلی مہندی کی اولاد ہے۔ ہمارے دوست کا بیٹا۔ اور ہمارے بھائی کا تو یہ حال ہے کہ سرائے سے گزر کر آنے والی ہوا میں سانس لینا بھی پسند نہ کریں۔" تیمور علی خان کا لہجہ تلخ ہونے لگا۔

"یہ غلط ہے۔ یاور' باری کے لیے بہت نرم گوشہ رکھتے تھے۔" باباصاحب نے اختلاف کیا۔

"مگر کسی معتبر انسانی رشتے کے حوالے سے نہیں ایک غلام کی اندھی تابعداری اور ایفی شنسی کی وجہ سے۔" تیمور علی خان نے فوراً کہا۔

"اتنے پڑھے لکھے' روشن دماغ غلام بھلا کہیں ملتے ہیں۔" تیمور علی خان نے بھی بہت خفی سی ناراضگی کا مظاہرہ کیا۔

"یہ تو تم ہمیں الزام دے رہے ہو' ہم نے اس سے بہت محبت کی ہے۔ اسے اپنے ساتھ بٹھایا ہے۔ کھانا کھلایا ہے۔ وہ کہیں سے واپس آیا تو یہ تک نہیں پوچھا کہ کہاں سے آیا ہے۔" باباصاحب کے غصّے نے دُکھ کی جگہ لے لی۔

"جب وہ اتنا معتبر اور معتمد ہے تو پھر جھگڑا کیا معنی؟" تیمور علی خان نے فوراً کہا۔

"جھگڑا یہ ہے کہ خاندانی لوگوں کے ہاں نکاح' بیاہ اس طرح نہیں ہوتے۔"

باباصاحب نے تائید طلب نظروں سے بڑے بیٹے کی سمت دیکھا۔ جن کی غیر جانبداری مسلّم تھی۔

مگر خاندانی لوگوں کے ہاں سچویشن اس طرح کی ہو کہ جیسے کہ ہماری اور روشائے کی ممی کی ہے تو پینٹ فارمولے کرش ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سی عجیب و غریب باتیں کبھی بھی سامنے آ سکتی ہیں۔" تیمور علی خان کی حاضر دماغی عروج پر تھی۔

"تیمور! تمہیں احساس ہے کہ ہم کس عظیم دُکھ سے دوچار ہیں۔؟" باباصاحب کی آواز سے شکستگی سی ٹپکنے لگی۔

"تم نے تو ہمارا جلال' ہماری آن' ہمارا اعتماد مٹی کر دیا۔ اتنی محبتوں کے جواب میں یہ حق بنتا تھا ہمارا؟ یاور کو ہم سمجھا سکتے

ہیں نہ بہلا سکتے ہیں۔ البتہ تم سے کچھ اچھی امیدیں تھیں۔"

"باباصاحب! معذرت کے ساتھ جب پہلی بے اُصولی ہو جاتی ہے تو پھر اصول کی بات مذاق بن جاتی ہے۔ ایک نسل جو مقدر کے طے شدہ دُکھوں سے گزرتی یہاں تک آ پہنچی ہے۔ اسے اپنی نئی نسل کی خوشی کا اہتمام کرنے کی پاداش میں دُکھوں کی عظیم انتہا تک لے جانا کون سی اصول پرستی ہے۔ اصل سے اصول وضع ہوتے ہیں۔ اصل کے معنی حقیقت اور فطرت کے ہیں۔ محض اپنے اندیشوں کے سبب حقیقت کو مسخ کرنا اور اس طرح کے فیصلے کرنا جو انسانوں کو زندہ درگور کر ڈالیں۔ یہ فطرت کا' حقیقت کا کون سا رُخ ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ کسی بھی قسم کے نقصان سے بچا جائے۔ دُکھوں کا سلسلہ روکنے کی اوّلیتی کوشش کی جائے۔"

بصیر علی خان نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے بالآخر خاموشی توڑ ڈالی۔

باباصاحب نے چونک کر بصیر علی خان کی سمت دیکھا۔

"یاور بھائی نے جو کیا اس کا ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔ ایک بہت اچھی' کارآمد شاندار باشعور خاتون ضائع ہو گئی کہ انہوں نے اپنی ذات مائینس کر دی مگر آپ کی وجہ سے' تیمور کی وجہ سے وہ ہولناک تباہی سے بچ گئیں۔ انہیں کچھ ریلیف ملا۔ مگر یہ فیکٹ ہے کہ وہ موجود ہیں۔ ان کے کان اپنی اولاد کے مسائل کی طرف لگے رہتے ہیں۔ ایک جیتا جاگتا انسان وش واش نہیں ہو سکتا۔ حد درجہ دُکھ اُٹھانے والی خاتون ان سے کوئی اچھی امید نہیں کر سکتی تھی۔ ان کے فیصلے کو ماضی کے تناظر میں دیکھا جائے۔"

بصیر علی خان نے کسی منجھے ہوئے وکیل کی طرح تیمور کے حق میں دلائل دیے۔

تیمور علی خان بھی جیسے یکسر احساس تنہائی سے باہر نکل آئے۔

"وہ اپنی بیٹی کو لے کر جا چکا ہے۔"

بڑے ابا نے گویا اطلاع دی اور یوں ظاہر کیا جیسے وہ سب لاحاصل بحث کر رہے ہوں۔

"سو واٹ۔ اب وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ وہ کیس ہے جس میں ان کی سیٹ بھی ان کی کوئی مدد نہیں کرے گی۔" تیمور علی خان نے اطمینان سے کہا۔

مگر ایک لاحاصل رسّہ کشی تو شروع ہو گئی۔" بڑے ابا مزید گویا ہوئے۔

"وہ نہیں مانے گا تیمور!" باباصاحب بھی تھکے تھکے انداز میں گویا ہوئے۔

"اب ان کے نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اگر وہ کورٹ میں جا سکتے ہیں تو ہم بھی ڈائریکٹ آئی جی سے بات کر سکتے ہیں۔"

تیمور علی خان کا انداز بھی دوٹوک تھا۔

"کچھ خوف خدا کرو۔ اپنے باپ کی عزت کا احساس کرو۔"

باباصاحب آزردگی سے کہہ رہے تھے۔ جوان اور فیصلہ کن اولاد کے سامنے ایک باپ کا آخری ہتھیار یہی ہوتا ہے۔

''آپ ابھی بے بس نہیں ہیں۔ فیصلہ کن پوزیشن میں ہیں۔ آپ انہیں کہیے کہ وہ رخصتی کی تیاری کریں بلکہ انہیں تاریخ دیں۔'' تیمور علی خان نے بحث سمیٹی۔

''کاش یہ اتنا آسان ہوتا۔ وہ ہمیشہ کے لیے حویلی تو چھوڑ سکتا ہے مگر۔'' وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئے۔

''تو چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ جذباتی وابستگی کی حس تو یوں بھی نہیں ہے ان میں' کچھ فرق نہیں پڑے گا ان پر۔'' تیمور علی خان کے لہجے میں بلا کی بے رحمی تھی۔

''یہ تم کہہ سکتے ہو۔ بالآخر اولاد ہے ہماری۔ اس نے تو خود کو تنہا کر لیا ہے۔'' بابا صاحب دُکھ سے کہہ رہے تھے۔

''وہ صرف نیکٹو سوچتے ہیں۔ گنجائش نہیں چھوڑتے۔ ایک کم عمر اور عملی لڑکی کو بھی وہ استعمال کر گئے۔ حد ہوتی ہے سنگدلی کی۔ ایک کو ٹارچر دینے کے لیے دوسرے کو استعمال کرتے ہیں۔ قدرت نے روشانے کی صورت میں انہیں بہت جواب دیا ہے۔ اس کارنر سے ہم بھی ریلیکس فیل کر رہے ہیں۔ آخر ہم بھی انسان ہی ہیں۔''

تیمور علی خان بہت سفاکی سے کہہ رہے تھے۔

''تو کیا تم نے اس کی بیٹی کو استعمال نہیں کیا۔ بھید تو پھر یوں کھلتا ہے۔''

بابا صاحب نے مشکوک نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔

''نیچرلی ایسا ہوا ہے اور ہم حیران ہو گئے ہیں۔ ماہین سے البتہ ہمیں ہمدردی ہے اور آپ سے گلہ ہے۔ یہ مزاحمت جو آپ روشانے کے لیے کر رہے ہیں۔ ماہین کے لیے کرنا چاہیے تھی۔'' تیمور علی خان شاکی نظر آئے۔

''ہم تو اس کی بنجر و ویران زندگی پر افسردہ تھے۔ سوچا تھا' وہ زندگی میں حصہ لینا چاہتا ہے تو ہم دیوار کیوں بنیں۔ پھر اس میں ماہین کی اپنی خواہش کا سب سے اہم رول ہے۔''

بابا صاحب تو جیسے آج بیٹوں کے سامنے نہیں خود اپنے ضمیر کی عدالت میں جواب دے رہے تھے۔ جانے کہاں جا سویا تھا ان کا طنطنہ۔

''بہر حال آپ انہیں قائل کیجیے کہ اپنے اسٹیٹس کا خیال کیجیے اور کورٹ میں جانے کا خیال چھوڑ دیجیے۔ ہم قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں' روشانے ان کے خلاف ہی بولے گی۔ وہ پہلی پیشی ہی میں ہار جائیں گے۔ خواہ وہ کتنا ہی پریشرائز کر کے روشانے کو کورٹ میں لے جائیں۔''

''ہمیں اندازہ ہے۔ مگر وہ روشانے کو رخصت نہیں کرے گا۔ یہ بھی طے ہے۔''

''وہ ہم کرا لیں گے۔'' تیمور علی خان نے تیزی سے ٹکڑا لگایا۔

''ابھی بات کھلی نہیں ہے۔ اندر ہی یہ قصہ ختم ہو سکتا ہے۔ تم اپنی جان کو مشکل میں کیوں ڈالتے ہو۔'' بابا صاحب نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''یہ قصہ ختم نہیں کرنا چاہتے۔ کچھ لوگوں کی پوری زندگی کی خوشیاں اس قصے پر ڈپینڈ کر رہی ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجیے۔ کہ آپ اب کچھ نہیں کر سکتے۔ اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں۔''

''اگلے ہفتے کی کوئی تاریخ لے لیں ان سے۔ آٹھ دن بعد ورنہ ہم خود لے آئیں گے۔ اب وہ ان کی کسٹڈی سے نکل چکی ہے۔ اور دوسرے شخص کی کسٹڈی میں آ گئی ہے جس نے قانونی اور شرعی طور سے یعنی پراپر چینل سے اس کی ذمے داری قبول کی ہے۔ اب ہمیں اجازت دیجیے۔''

تیمور علی خان قطعی انداز میں اپنی بات کہہ کر اُٹھے کھڑے ہوئے۔

''اگر مزید کوئی گڑبڑ ہوئی تو ہم مرتے دم تک تم دونوں کی صورت نہیں دیکھیں گے۔''

بابا صاحب نے شملہ اُٹھا کر سر پر جمایا اور پائپ (حقے کا) اُٹھا کر منہ میں دبا لیا اور اپنا فیصلہ بھی سُنا دیا۔

تیمور علی خان ایک ثانیے کو ساکت سے کھڑے رہ گئے۔ پھر نگاہ اُٹھا کر دونوں بھائیوں کی سمت دیکھا۔

''انشاء اللہ کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی۔ اگر صرف باری کا مسئلہ ہوتا تو شاید ہم بھی سیلفش ہو جاتے۔ مگر ہماری اپنی بچی کا دل بھی تو ہمارے سینے میں دھڑک رہا ہے۔''

تیمور علی خان کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ دلاور علی خان مبہوت سے ہو کر ان کی صورت دیکھنے لگے۔

''ہمیں خوشی ہے کہ تمہارا سینہ اتنا فراخ اور دل اتنا بڑا ہے۔ کاش تم تھوڑی سی گنجائش بھائی کے لیے بھی رکھتے۔'' وہ مغموم آواز میں کہہ رہے تھے۔

''ہم انسان ہیں بابا صاحب! خدا نہیں ہے۔ ہم سے اتنی ڈیمانڈ کیجیے جو بطور انسان ہماری رینج میں ہو۔''

''خدا حافظ۔'' انہوں نے بھائیوں سے مصافحہ کیا۔

''دوپہر کا کھانا کھا کر چلے جاتے۔'' بصیر علی خان نے کہا۔

''بہت ضروری کام ہے۔ تین بجے تک نوشہرہ پہنچنا تھا۔ ایکچوئیلی لیٹ ہو گئے ہیں۔''

وہ بہت تیزی سے باہر نکل گئے تھے۔

ماہین کی فلائٹ پشاور کے لیے شام کی تھی۔ وہ گاڑی خود ڈرائیو کر کے بالو کو اس کے گھر پہنچانے جا رہی تھی۔ بالو اسے گاڑی چلاتا دیکھ کر بہت خوش ہو رہی تھی۔ اور بہت حیرت سے اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہی تھی۔ ساتھ ساتھ راستہ بھی بتا رہی تھی۔

''جب میں روڈ پہ گاڑی چلاتی ہوئی عورتوں کو دیکھتی تھی تو وہ مجھے بہت اچھی بھی لگتی تھیں اور عجیب بھی۔ مجھے کیا پتا تھا ایک دن میں بھی ایک خوبصورت کار میں بیٹھوں گی جسے ایک عورت چلا رہی ہو گی۔ میں سوچتی تھی کار چلانے والی عورت بہت مغرور ہوتی ہو گی۔ مگر آپ تو اتنی بڑی حویلی میں رہتی ہیں اور بالکل بھی مغرور نہیں ہیں اور پھر خوبصورت بھی تو ہیں۔

''اچھا!'' ماہین بے ساختہ ہنس پڑی۔ ''یعنی حد ہو گئی۔ مجھے تم بتا رہی ہو کہ میں خوبصورت ہوں۔ میرے میاں نے تو ہنی مون پیریڈ میں بھی مجھے احساس نہیں دلایا کہ میں خوبصورت ہوں۔ اور جب تک اپنے میاں سے پتا نہ چلے کہ کتنے خوبصورت ہیں' یقین نہیں آتا کہ ہم خوبصورت ہیں۔''

وہ پُر مزاح انداز میں کہہ رہی تھی۔

''میرا میاں تو میری تعریف میں زمین آسمان ایک کر دیتا تھا۔ وہ میری تعریف کرتا تھا تو مجھے زمانے بھر کا جھوٹا لگتا تھا۔ میں کہاں کی خوبصورت ہوں۔'' بالو نے سُلگ کر کہا۔ ''بہت غصہ آتا تھا مجھے۔''

''اسے تو لگتی ہوگی۔'' ماہین مسکرا دی۔

''بے کار۔ سب رام کرنے کے چونچلے ہیں۔'' بالو کا یکدم موڈ آف ہو گیا۔

ماہین بھی خاموش ہی ہو گئی۔ گاڑی مناسب رفتار سے گامزن تھی۔ بالو نے ایک مصروف سڑک سے ٹرن لینے کو کہا۔ اور ایک کشادہ سی سڑک کے سامنے بنے اپارٹمنٹس کے سامنے رکوا دی۔

ماہین کو حیرت سی ہوئی کہ یہ تو بتا رہی تھی کہ بہت مفلوک الحال قسم کے مزدور کی بیٹی ہے۔ یہ تو ٹھیک ٹھاک قسم کا رہائشی علاقہ ہے۔ بہرحال وہ کچھ بولی نہیں اور انجن بند کر کے نیچے اُتر آئی اور گاڑی لاک کر دی۔ بالو چل پڑی تھی۔ اس نے بھی تقلید میں قدم بڑھا دیے۔

اس نے گراؤنڈ فلور پر بنے دائیں طرف کے اپارٹمنٹ کی بیل رنگ کی۔ مگر دروازہ نہ کھلا۔ دو تین مرتبہ پھر بجائی تب کہیں جا کر دروازہ کھلا۔ کھولنے والا جتنی تیزی سے آگے آیا تھا اس سے زیادہ تیزی سے پیچھے ہٹا تھا۔ ماہین فاصلے پر کھڑی بغور یہ سب دیکھ رہی تھی۔

''السلام علیکم۔ آپ کی حویلی سے مہمان ساتھ لائی ہوں۔ اتنی حیرت سے کیا دیکھ رہے ہیں۔ اندر آنے کو کہتے۔'' بالو کے انداز میں بلا کا اعتماد تھا۔

عارف کو تو جیسے یہ سُن کر سکتہ ہی ہو گیا۔ ماہین بھی اُلجھ کر بالو کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''یہ عارف ہیں ماہین بی بی۔'' بالو نے بتایا۔

ماہین بُری طرح چونک پڑی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بالو اسے عارف سے ملوائے گی۔ ششدر سی کھڑی رہ گئی۔

اس کی آواز پر عارف جیسے کسی دھیان سے چونکا۔

''آیئے۔ پلیز اندر تشریف لایئے۔'' اس نے جلدی سے ایک طرف ہو کر راستہ دیا۔ ماہین جیسے بادلِ نخواستہ آگے بڑھی۔ بالو البتہ بہت ایکسائٹڈ نظر آ رہی تھی۔

''یہ ماہین بی بی ہیں۔ یاور خاناں کی بیگم۔'' بالو نے اندر داخل ہو کر باضابطہ تعارف کرایا۔

''ان کی بیگم کا نام تو'' عارف کچھ بولتے بولتے رُک گیا۔

''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں ان کی دوسری بیگم ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔'' ماہین نے جلدی سے ہاتھ اُٹھا کر اسے جیسے آگے بولنے سے باز رکھا۔

عارف نے ایک معنی خیز نگاہ اس پر ڈالی۔

یارب غم عشق کیا بلا ہے
ہر شخص کا تجربہ نیا ہے

وہ کرسیاں ان کی سمت کھسکاتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔ ماہین نے نظر اُٹھا کر ایک باذوق مگر بے حال انسان کا جائزہ لیا۔ مگر خاموش رہی۔

''یہاں کیوں آئی ہو مجھے لے کر۔'' اس نے بیٹھتے ہوئے سرگوشی میں بالو سے دریافت کیا۔

''ان سے ملانے۔'' اس نے جواب دیا۔

''مگر میں نے تو تم سے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی تھی۔'' وہ ناراضگی سے گویا ہوئی۔

''میں نے سوچا آپ انہیں دیکھ لیں۔ شاید آپ کچھ کر سکیں میرے لیے۔''

عارف ایک بغلی دروازے میں غائب ہو چکا تھا۔ بالو پھر بھی بہت آہستگی سے کہہ رہی تھی۔

''وہ تو اب اپنا بھی نہیں ہے۔ تمہارا کیا خاک ہوگا۔ تان سین۔'' ماہین نے ناراضگی سے کہا۔ ''کیوں لائی ہو مجھے اس کے پاس۔ تمہاری عقل میں ابھی تک میری بات نہیں آئی۔''

''میں بے ٹھکانا ہو گئی ہوں بی بی! مجھے ٹھکانا دلوا دیں۔ میری ماں میرا جینا حرام کر دے گی۔ میں یہی سوچ کر آپ کے ساتھ کراچی آئی تھی۔ آپ کو میری ماں کا پتا نہیں۔''

''مائیں۔ سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ صرف اپنی اولاد پر ہی تو حکمرانی ہوتی ہے ان کی' جو چاہتی ہیں کہہ لیتی ہیں مگر محبت بھی خالص صورت میں یہیں ہوتی ہے۔ خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں خود بھی تمہاری خیر خبر لیتی رہوں گی۔''

''آپ اس سے بات تو کر کے دیکھیں۔'' بالو نے ہچکچاتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

''تیری جانے اس سے کتنی باتیں' ملاقاتیں ہوئی ہیں مگر تو ابھی بھی نہیں سمجھی۔ اور میں ایک نظر میں اسے جان گئی ہوں۔ اس کا دل برباد ہے۔ جس کا دل برباد ہوا سے گھر آباد کرنے سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ جس کا یہ سودائی ہے اسے تو دیکھ آئی ہے۔ جاگیردار جانے کیسے بچ گئے۔ کیا شیشے میں رنگ بھرے تھے قدرت نے اس کا دماغ ایسے ہی خراب نہیں ہے۔ مجبور ہے بے چارا۔ چل اُٹھ اپنے گھر نے چل۔ مجھے تین بجے ایئرپورٹ پہنچنا ہے۔''

''بی بی! ایک دفعہ کی کوشش میں کیا حرج ہے۔'' بالو کے لہجے سے یاسیت ٹپکنے لگی۔

''بیگم صاحب ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابی!'' عارف دو کولڈ ڈرنکس ہاتھوں میں تھامے اندر داخل ہوا۔

بالو نے اس کے منہ سے بھابی سُن کر وہ اذیت محسوس کی جس کی تشریح وہ الفاظ میں کبھی نہیں کر سکتی تھی۔ گویا اس نے ان کی باتیں سُن لی تھیں۔

''ابھی تو مرض میں ذرہ بھر افاقہ نہیں ابھی تو حالت بدستور ہے۔ ابھی تو ہم اپنے قابل بھی نہیں۔

شکست خواب گزشتہ پہ نوحہ خواں ہوں میں
پھر اس کے بعد ہی محفل شیشہ خواب

بس ایک خواب مسلسل میں رہ کر زندگی کٹ رہی ہے اب تو۔ ایک ماں تھی جو کبھی کبھی وہ حقیقت حال میں گھسیٹ لاتی تھی۔ وہ بھی اپنی بہشت میں واپس ہوئی۔

بالو نے چونک کر اس کی صورت دیکھی' وہ اسے بوتل تھما رہا تھا۔

ماہین اس کی ذہنی اڑان بھانپ کر بالو کی حماقت پر جی بھر کر سر پیٹ لینا چاہتی تھی۔

''کس قدر خوار کرتی ہیں خود کو یہ بسی بسائی لڑکیاں۔ کہاں وہ ایک کلاسیکل ذہن کا مس فٹ انسان۔ کہاں یہ جس کی سمجھ میں اس کی سیدھی بات بھی مشکل سے آئے۔

اپنی ذات پر حکومت کرنے والا سوداء۔ تقاضوں سے ماورا۔

کہاں یہ۔ جسے آسائش بھی چاہیے اور خوش شکل اظہار محبت کرنے والا جیون ساتھی بھی۔ اور یہ دونوں حالتوں میں مکمل مایوس کرنے والا۔

اس نے جلدی جلدی دو تین گھونٹ بھرے اور بوتل تپائی پر رکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلو بابو! جلدی کرو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' اس کا اتنا بے ساختہ اور قطعی انداز تھا... کہ بالو ہڑبڑا کر کھڑی ہوگئی۔

''بہت اچھا ہوا۔ آپ انہیں مل گئیں۔ وہ کو بہت چلا گیا ہے۔ مگر میں اسے سمجھا سکتا ہوں۔ آپ انہیں سمجھا لیجئے' ابھی کوئی لکھائی پڑھائی نہیں ہوئی ہے۔ میں کیونکہ بے ایمان نہیں ہوں' اس لیے میری آواز میں طاقت ہے۔ میں اسے گریبان سے پکڑ کر بھی لاسکتا ہوں۔''

''کیا صورت بہت زیادہ اچھی ہو تب ہی کسی کی محبت ملتی ہے؟'' بالو بھرائی ہوئی آواز میں کہتے ہوئے چادر ٹھیک کر رہی تھی۔

''یہی سوال لال خان آپ سے کرے تو آپ کیا جواب دیں گی بھابی؟''

عارف نے سوال کیا مگر اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ ماہین نے توصیفی نظروں سے عارف کو دیکھا۔ کیا برجستگی تھی۔

''یہ جو ہم کسی پر ایک بار مر مٹ جانے والے لوگ ہوتے ہیں ناں بھابی! بہت پارسا ہوتے ہیں۔ بہت مغرور بنا دیتا ہے ہمیں عشق۔ اپنی دیانت داری پر خود کو شاباش دیتے رہتے ہیں۔ اس کا نشہ ہے۔ اور لوگوں کو اس گھر میں وحشت و ویرانی محسوس ہوتی ہے۔ کوئی ہم سے پوچھے کیا رونق لگی رہتی ہے ادھر۔

کبھی وہ لال کپڑوں میں اس کرسی پر ہوتی ہے۔

کبھی گہرے ہرے لباس میں ادھر باورچی خانے میں۔

میں سو جاتا ہوں اور وہ میرے گھر میں گھومتی ہے۔ میں آنکھیں موندے اُس کی چوڑیوں کی چھن چھن سُنتا رہتا ہوں۔

صبح آنکھ کھلتی ہے تو وہ پودوں کو پانی دیتے ہوئے بہت خوبصورت گیت گنگنا رہی ہوتی ہے۔

کبھی کبھی وہ روتی بھی بہت ہے۔ آدھی رات کو ایک دم میرے چہرے پر اس کے آنسو گرتے ہیں۔ میری آنکھیں پٹ سے کھل جاتی ہیں۔

ایک رات وہ بہت بلک بلک کر رو رہی تھی۔ میں اس کے سامنے دامن پھیلا کر اس طرح بیٹھ گیا جیسے نماز کے وقت بیٹھتے ہیں۔ میرا سارا دامن بھیگ گیا۔ اور پھر میں گھنٹوں پریشان رہا کہ کہیں یہ سُوکھ نہ جائے۔

بیگم صاحبہ۔ برسوں ہوگئے' کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ میرے ساتھ نہ ہو۔''

ماہین کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو رواں ہوگئے۔ اس نے جلدی سے چہرا موڑ کر گلاسز آنکھوں پر چڑھا لیے۔

''آؤ بالو!'' اس نے ہکا بکا کھڑی بالو کو متوجہ کیا۔ وہ کشاں کشاں حیران پریشان ماہین کے پیچھے چل پڑی۔

''خدا حافظ عارف!'' ماہین نے بھی کسی خواب کی کیفیت میں باہر نکلتے ہوئے کہا تھا۔

''یہ بڑے خاص' بڑے نایاب لوگ ہوتے ہیں۔ ان کی زیارت کی جاتی ہے۔ ملاقات نہیں کی جاتی ابھی یہ اور اُڑان بھرے گا۔ اور پھر اپنے اصل کی جانب بہت خالص ہو کر بہت نکھر کر پہنچے گا۔ ان ایمان دار لوگوں کی دُنیا میں مخل نہیں ہوتے۔''

''یہ کوئی بزرگ تو نہیں ہے۔'' بالو نے گُم صم کیفیت سے باہر آ کر قدرے تلخی سے کہا۔

''مٹی بڑی زرخیز ہے۔ تو یہ کہ توفیق ملنے کی دیر ہے۔ یہ راستہ تیری منزل کی طرف نہیں ہوتا۔ چل تو مجھے اپنے گھر کا پتا بتا۔''

''لے چلو۔ بی بی! گھر۔ میری ہڈیوں کا سُرمہ بنا دے گی ماں۔'' بالو دل گرفتہ انداز میں گویا ہوئی۔

''کچھ نہیں کہے گی۔ میں جو ساتھ جا رہی ہوں۔ وہ تو اتنی پریشان ہوگی کہ جانے کتنی منتیں مان کر بیٹھی تیری راہ دیکھتی ہوگی۔ ماں کی سمجھ اس وقت اچھی طرح آتی ہے جب عورت خود ماں بن جاتی ہے۔ سارے خوف نکال پھینک آگے کی سوچ۔ یہ بتا لال خان نے تجھے تین طلاقیں دی تھیں یا کاغذ پر کچھ لکھ کر دیا تھا؟''

ماہین خاصی تیز ڈرائیو کر رہی تھی۔

''اس کا اب کیا ذکر؟'' بالو ناگواری سے بولی۔

''اسی کا تو ذکر رہ گیا ہے اب تیری زندگی میں۔ سائے کے پیچھے دوڑ رہی ہے ہوش نہیں ہے۔

جب کسی کے دل میں مطربہ جیسی عورت بس جاتی ہے پھر اس دل میں کوئی اور نہیں بستا۔ وہ تو ہر آن' ہر لمحے اس کے ساتھ جی رہا ہے۔ نہ اس کا گھر خالی ہے نہ دل۔

تیرے ساتھ معاملہ دوسرا ہے۔ تیرے دل پر اب ایک بچہ قبضہ جمائے گا۔ پھر تو جاگ جائے گی۔

اگر یہ بچہ بھی تجھے نہ جگا سکا تو تیرا دل وہ نہیں جو محبت کے لیے خاص ہوتا ہے۔ اور جب دل خاص نہیں تو ''واردات'' بھی خاص نہیں۔

پھر وقت اور حالات تجھے خود بخود سب کچھ بھلانے پر مجبور کر دیں گے۔ مطربہ کا عارف بھی تجھے یاد نہیں رہے گا۔ ہوا دراصل کچھ یوں ہے کہ طبیعت لال خان سے۔ بیزار تھی۔ بس اس کا ردِعمل ہوا ہے۔ قریب ترین عارف ہی تھا۔''

ماہین خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔

''جی؟'' بالو ٹھیک سے سُن نہیں پائی۔

"کچھ نہیں۔اب کس طرف جانا ہے اورنگی ٹاؤن تو آ گیا۔" ماہین نے سر جھٹک کر جیسے خیالات کی یلغار سے جان چھڑاتے ہوئے پوچھا۔

"مین مارکیٹ کی طرف۔چاند بابو کے ہوٹل کے پیچھے۔" بالو پتا سمجھانے لگی مگر اس کا انداز بہت دلگرفتہ سا تھا۔

ماہین کی گاڑی گلی میں داخل ہوئی تو کھیل کود میں مگن ڈھیروں بچوں نے گاڑی کو گھیر لیا۔انہی میں بالو کا بھائی بھی تھا۔جو بالو کو گاڑی میں دیکھ کر ماں کو خبر دینے دوڑ گیا تھا۔

ماہین نے گاڑی لاک کر کے بچوں کے "اجتماع" پر ایک تشویش بھری نظر دوڑائی۔

"یہ گاڑی کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچائیں گے۔" اس نے فکرمندی سے بالو کی طرف دیکھتے ہوئے گلاسز اُتار دیے۔

"نہیں بی بی! گاڑی اچھی ہے اس لیے شوق سے دیکھ رہے ہیں۔آپ فکر نہ کریں' میں اپنے بھائی سے کہہ دوں گی کہ گاڑی کا دھیان رکھے۔"

بالو یکدم بہت مضمحل نظر آنے لگی تھی۔تھکی تھکی اور شکست خوردہ سی۔

وہ ماہین سے آگے چلتے ہوئے اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ گئی تھی۔بدرنگ لوہے کے دروازے پر اس نے ہچکچاتے ہوئے ہاتھ رکھا تھا اور دباؤ ڈالتے ہوئے پلٹ کر ماہین کی سمت دیکھا تھا۔

دونوں آگے پیچھے اندر داخل ہوئیں۔ماں کو اطلاع مل گئی تھی' وہ حیرت سے گم بالو کے بجائے ماہین کی سمت متوجہ تھی سکتے کی سی کیفیت میں۔ایسے سناٹے میں گھر گئی تھی جو گھٹا چھانے کے بعد پہلی بوند پڑنے سے پہلے ہوتا ہے۔

اس کا باپ نظر نہیں آیا' دوسرے بہن بھائی ماں کے اردگرد اس طرح کھڑے ہو کر دونوں کو دیکھ رہے تھے۔جیسے چیل کی آواز سن کر چوزے مرغی کے پاس دوڑتے ہوئے پہنچتے ہیں۔

"السلام علیکم اماں۔" بالو کی آواز نہایت پست تھی۔

بالو کی ماں آناً فاناً گہری نیند سے جاگ گئی۔اس نے شاید بالو کا سلام سنا نہیں تھا۔مگر خود اس نے ماہین کو حیرت چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے سلام کیا۔

"کہاں سے لائی ہیں آپ اس منحوس کو؟"

وہ ایک کونے سے موڑھا اُٹھا کر ماہین کی طرف بڑھی۔تمام حسیات کے بیدار ہوتے ہی منفی مثبت بھی اجاگر ہونے لگا۔

"ایسے نہ کہیں۔بگڑی بات کو بنانے ہی سے زندگی میں سہولت آتی ہے۔آگ پر آگ ڈالنے سے تو آنچ ہی تیز ہوتی ہے۔ہو جاتی ہے انسان سے غلطی۔آپ اس کی ماں ہیں۔"

"نہیں ہوں میں اس کرموں جلی کی ماں۔ایسے گھر میں بیاہ کر گئی تھی کہ سارے محلے میں ہماری عزت بن گئی تھی۔ناشکری' بدنصیب۔"

بالو کی ماں کی آواز بلند ہونے لگی۔

ماہین موڑھے پر بیٹھنے کے بجائے اس کی ماں کی طرف از خود بڑھی اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ میرے پاس آ گئی تھی۔اور بالکل خیریت رہی۔اگر اب آپ نے سختی کی تو اس کے سامنے صرف سمندر ہے' اس لیے کہ اب یہ میرے پاس بھی نہیں آ سکتی۔اب یہ اس حال میں ہے کہ سوائے آپ کے کوئی اس کا خیال نہیں رکھ سکتا۔بیٹی ہے یہ آپ کی۔لوگ تو غیروں کو معاف کر دیتے ہیں۔یہ تو آپ کا اپنا خون ہے۔آپ اس کے ابا کو عارف کے پاس بھیجئے۔لال خان کویت چلا گیا ہے۔عارف خود اسے سمجھائے گا۔یا تو لال خان خود پاکستان آ جائے گا یا پھر عارف کوشش کر کے اسے لال خان کے پاس بھجوا دے گا۔مگر اس وقت آپ اس کا خیال کیجئے۔یہ اپنے شوہر کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔"

"بیگم صاحبہ!" بالو کی ماں نے کچھ بولنے کی کوشش کی۔

"میں خود بھی عارف سے ملوں گی۔وقت نکال کر۔اور یہاں بھی آؤں گی۔اس کا حال احوال معلوم کرنے۔"

"اس سے غلطی ہوئی۔آپ کو بھی پتا ہے' مجھے بھی پتا ہے۔میں پھر بھی اس کا بھلا چاہتی ہوں۔کیا آپ نہیں چاہتیں۔بیٹی ہے یہ آپ کی۔میرا خیال ہے پندرہ بیس دن باقی ہیں۔"

ماہین نے افلاس سے اٹے گھر پر ایک نگاہ ڈالی اور پرس کھول کر ہزار کے پانچ نوٹ نکال کر اس کی ماں کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

"یہ بالو کے ہیں۔وقت قریب ہے' ضرورت ہوگی۔"

"آپ بیٹھئے تو سہی بیگم صاحبہ۔"

تنگدستی کے تھپیڑوں سے ہلکان عورت کے چہرے پر یکدم زندگی دوڑنے لگی۔اس کا انداز و لہجہ یکدم بدل گیا۔کچھ ماہین کی شائستگی' کچھ مالی امداد کا فوری اثر تھا۔

"مجھے جلدی ہے۔دوسرے شہر جانا ہے۔کچھ دنوں بعد کراچی آؤں گی تو بالو کی خیریت معلوم کرنے ضرور آؤں گی۔اب یہ گھر سے باہر جب بھی جائے گی آپ کے ساتھ جائے گی۔آپ لوگ لال خان سے رابطہ کرنے کی کوشش کریں۔اور جتنی جلد ہو سکے کریں۔"

پھر وہ بالو کی طرف پلٹی۔

"دکھ سہنے والے دکھ دینے والوں سے کبھی نہ کبھی یہ ضرور سننا چاہتے ہیں کہ دکھ دینے والے شرمندہ ہیں۔اپنی غلطی پر شرمسار ہیں۔اپنی ماں سے معافی مانگو۔ماں کو دکھ دینے کے بعد جھولیاں خالی ہو جاتی ہیں۔ہر شے سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔بے وقوف مذاق نہیں ہے۔ماں ہے یہ تیری۔"

ماہین نے بالو کو اس کی ماں کی طرف دھکیلا۔

بالو کی ماں' بالو کے بجائے ماہین کے گلے سے لگ کر بُری طرح رونے لگی۔

"بیگم صاحبہ۔مجھے نہیں پتا پیٹ بھر روٹی کھا کر کیسا لگتا ہے۔مجھے نہیں پتا۔بے فکر ہو کر نیا کپڑا کیسے خریدتے ہیں۔یہ پیسے والے کے گھر میں گئی تو مجھے یہ لگا کہ میں رج گئی ہوں۔کھاتی یہ اور پیٹ میرا بھر جاتا۔پہنتی یہ اور مست میں ہوتی۔چھلنی کر دیا ہے اس نے مجھے اندر سے۔"

وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ ماہین کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

وہ اس کی پُشت تھپتھپا کر تسلی دینے لگی۔

....

ماہین نے چونکہ۔ تیمور علی خان کو فکس کر دیا تھا اس لیے مطمئن انداز میں سفر تمام ہوا تھا۔ وہ صرف ایک چھوٹا سا سُوٹ کیس ہمراہ لائی تھی اس لیے اسے کسی ٹرالی کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی۔ وہ سُوٹ کیس اُٹھا کر باہر آ گئی تھی۔ دروازے سے باہر نکلتے ہوئے اس نے متجسس نظریں ریلنگ تھامے ہوئے منتظر لوگوں پر دوڑائیں تو عین سامنے تیمور علی خان کو پایا۔ دل میں عجیب سا سکون در آیا۔ وہ قریب آئی تو تیمور علی خان کا سلام آیا۔ وہ مسکرا دی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' تیمور علی خان نے سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''ٹھیک ہوں۔ بہت خوش ہوں۔''

اس نے تیمور علی خان کے سراپے پر نظر دوڑاتے ہوئے جواب دیا۔ سیاہ شلوار قمیض آف وہائٹ ویسٹ کوٹ۔ سیاہ چمکدار پشاوری چپل۔ آنکھوں پر سیاہ گلاسز گھنی سیاہ مونچھیں وہ ایک قبائلی سردار کی تصویر نظر آ رہے تھے۔

''فلائٹ ایکوریٹ ٹائم پر آ گئی۔'' انہوں نے اطراف پر نگاہ ڈال کر گلاسز اُتار دیے۔ اور جیب میں اٹکا لیے۔ سورج سُرخ ہو چکا تھا۔ اس کا احساس شاید انہیں اب ہوا تھا۔

''گھر کتنی دیر میں پہنچ جائیں گے؟'' ماہین نے ریسٹ واچ دیکھتے ہوئے پوچھا اور ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ وہ پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

شاندار لینڈ کروزر کا پچھلا دروازہ کھول کر سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر رکھ دیا اور اگلا دروازہ کھول کر ماہین کو اشارے سے بیٹھنے کے لیے کہا۔

''بس سمجھیے گھر پہنچ گئے۔'' وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے گویا ہوئے۔

''کوئی مسئلہ تو نہیں ہے ناں؟'' ماہین نے جانے کس خیال کے تحت پوچھا۔

''ڈونٹ کیئر۔'' وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے بڑی مشاقی سے گاڑیوں کے ہجوم میں سے باہر لا رہے تھے۔

''انہیں پتا ہے میری آمد کا۔'' ماہین نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔ ہم نے جان بوجھ کر نہیں بتایا۔''

''کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔

''بابا صاحب سے ملاقات ہوگئی؟'' بالآخر ماہین ہی نہیں پہل کی۔

''جی۔'' بڑا مختصر جواب آیا۔

مختصر ترین جواب اس وقت بہت پزل کرتا ہے جب کوئی تفصیلی بات کرنے کے موڈ میں ہوتا ہے۔ تب یوں محسوس ہوتا ہے گویا دوسرا فریق گفتگو کرنے سے باز رکھنا چاہتا ہے۔ کچھ دیر کے لیے وہ خاموش ہوگئی کہ شاید وہ خود ہی کچھ بات کریں۔

''پھر کچھ طے ہوا؟'' اس سے رہا نہ گیا پھر سوال کر بیٹھی۔

''نپولین کو واٹرلو میں شکست ضرور ہوئی تھی مگر ایک فاتح کی حیثیت سے اس کا نام آج تک نہیں دُھندلایا۔ ہمیں اس کا ایک جملہ ہمیشہ سے بہت اٹریکٹ کرتا ہے۔ کہ ''جسے ہارنے کا ڈر ہے وہ ضرور ہارے گا۔'' کیونکہ ہمیں ہارنے کا ڈر نہیں ہے اس لیے ہمیں کوئی اور ڈر بھی نہیں ہے۔ ابھی کچھ پروسیڈ نہیں ہوا ہے۔ مگر سب کچھ اوپن ہوگیا ہے۔ یہ بھی بہت ہے۔''

''مگر آپ کے لیے بہت مشکل وقت ہوگا۔ جب بابا صاحب سے بات کر رہے ہوں گے۔'' ماہین نے ان کے خاموش ہوتے ہی پھر سوال کیا۔

''اب تو کوئی مشکل مشکل نہیں رہی۔'' تیمور علی خان کے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''بہت ناراض ہو رہے ہوں گے بابا صاحب؟'' ماہین کا اپنا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔

''بہت ناخلف ہیں ان کے بیٹے۔ یعنی ہم سب۔ بہت تھک گئے ہیں بابا صاحب۔'' تیمور علی خان کی اپنی آواز میں بھی شکستگی در آئی۔

''روشی چلی گئی ہری پور؟'' معاً اسے دھیان آیا۔

''جی۔ چلتے چلتے یہ خبر بھی سُنی ہے کہ روشی کے والد صاحب کی پوسٹنگ ہو رہی ہے۔ ایڈ اے کمشنر۔''

ماہین نے چونک کر ان کی سمت دیکھا۔ ''مجھ سے تو انہوں نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی۔ کس شہر میں؟''

''اسلام آباد۔''

''اچھا۔'' اسے عجیب عجیب وسوسے آنے لگے۔ وہ گم صم سی ہوگئی۔

''غالباً ہاٹ آرڈرز ہیں۔ جیسے کہ عموماً ایمرجنسیز میں ہوا کرتا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ فون پر بات کر لیجیے گا۔''

کتنی شارپ حسیات تھیں تیمور علی خان کی۔ وہ فوراً ہی ماہین کی پریشانی سمجھ گئے تھے۔

''نہیں۔ میں سوچ رہی تھی۔ روشی کو مسئلہ ہوگا۔ نئے گھر کی سیٹنگ آسان کام نہیں ہوتا۔'' اس نے جلدی سے بات بنائی۔

''آپ مجھے یہ بتائیں۔ بابا صاحب نے کس طرح کا ری ایکٹ کیا آپ سے۔ گنجائش رکھ کے بات کی ہے یا پریشانی بڑھ گئی ہے۔''

ماہین نے اپنی کیفیت پر قابو پا کر جلدی سے سابقہ موضوع چھیڑ دیا۔

''روشی کو ہم خیال بنائے بغیر وہ کورٹ میں کیسے جائیں گے۔ اور وہ احمقانہ حد تک ضدی اور جذباتی ہے۔ یہ گیم وہ نہیں کھیل سکیں گے۔ انشاء اللہ آپ کو شاید علم ہو جب آپ پہلی بار بڑی حویلی آئی تھیں اور اسے زبردستی کراچی بھیج دیا گیا تھا تو اس نے سوسائیڈ کی کوشش کی تھی۔ اتنی معمولی سی بات پر۔ اس کیس میں تو اس کے سارے انٹرسٹ پلس ہوگئے ہیں۔''

تیمور علی خان نے گاڑی ایک طویل شاہراہ پر ڈال دی۔

''ہوں۔ محسوس تو میں نے بھی کیا تھا کہ روشی کو کانشسلی مجھ سے دُور رکھا جا رہا ہے۔ سمجھ نہیں پائی تھی میں۔ شاید اس کی

وجہ یہ ہوگی کہ میں ناز بجو سے متعلق بہت سارے کراس کوئسچن کروں گی۔ کہیں روشی کو کچھ محسوس نہ ہو جائے۔ یعنی میں تو گھر واپس چلی جاؤں اور وہ حویلی والوں کی جان عذاب میں کر دے۔

اگر ایسے ہی خدشات تھے تو یاور علی خان نے مجھے عمر بھر کے لیے اپنے گھر لانے کی کوشش کیوں کی۔ اس طرح تو سب کچھ اوپن ہونے کا خطرہ زیادہ تھا۔"

ماہین اُلجھی۔

"جب مرد نکاح کے عوض عورت پر اختیار حاصل کر لیتا ہے۔ تو پھر سارے خطرے عورت کے لیے رہ جاتے ہیں۔ ان کے خطرات کی حد وہاں تک تھی جہاں تک آپ ان کی دسترس سے دُور تھیں۔ "اب" کرلیں جو کچھ کرنا ہے۔"

تیمور علی خان بے ساختگی سے دھیمے انداز مین ہنس دیے۔

ماہین کے لبوں پر بھی خفت آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اتنا تو خیر میں اندازہ کر سکتی ہوں۔ کہ وہ یاور علی خان کی بیٹی ہے۔ مگر میں تو بابا صاحب کی طرف سے کی جانے والی کسی مزاحمت کی بات کر رہی تھی۔"

"وہ ہمارے کسی بھی کیس میں نہیں ہوئے۔ پتا نہیں ہماری لک ہے یا واقعی وہ ہم سے بہت بلکہ سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے صرف ایک بار ہم پر جبر کیا۔ اور پھر اس کے بعد تو انہوں نے مدّتوں ہم سے نگاہ نہیں ملائی۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ بہت مجبور تھے۔ مگر شاید انہوں نے ابھی تک خود کو معاف نہیں کیا۔

آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ ہم کس لیے ہیں؟"

ماہین کو ان کے اس جملے سے اتنی تقویت محسوس ہوئی کہ باہر کے نظاروں کی خوبصورتی دھیان میں آنے لگی۔

....

باہر ٹرک کھڑے تھے۔ سامان لادا جا رہا تھا۔ روشی تھک کے چُور ہو چکی تھی۔ ملازم سے چائے کا کہہ کر وہ لاؤنج میں آ بیٹھی۔ اس درجہ بوریت تھی کہ مر جانے کو جی چاہتا تھا۔ یاور علی خان اسے صبح سے نظر نہیں آئے تھے۔ ملازموں ہی سے اسے پوسٹنگ اور پیکنگ کی اطلاع ملی تھی۔

اسے ہر قدم پر ماہین یاد آ رہی تھی۔ خالہ ہوتیں تو وہ آرام سے پڑی سوتی رہتی۔ "انہیں تو یوں بھی گھر کی مصروفیت بہت اچھی لگتی ہے۔ ملازم کی لائی ہوئی مرچیں تک انہیں پسند نہیں آتیں۔ چادر اوڑھ کر خود کریانہ اسٹور جا پہنچتی ہیں۔ وہ تو بہت خوش ہوتیں اس اُٹھا پٹخ سے۔ ابھی جانا رہ گیا تھا کراچی۔ میں تو کچھ نہیں کروں گی اسلام آباد جا کر۔ بندھا پڑا رہے گا سامان۔ خود کریں گی آ کر۔ وہ کوفت بھرے انداز میں پاؤں کرسی پر رکھے بیٹھی تھی۔ آتے جاتے کسی ملازم نے کسی وجہ سے اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی تو اس نے جھلا کر ہاتھ ہلا دیا۔

"پپا سے بولو جو بولنا ہے۔"

پھر کسی نے اس سے کلام کرنے کی جرأت ہی نہیں کی۔ ملازم چائے کے ساتھ یاور علی خان کا پیغام بھی لایا تھا کہ اپنے بیڈ

روم میں بلا رہے ہیں۔ پیغام سُن کر اس کا دل تو دھڑکا تھا مگر بظاہر خشک انداز میں بولی تھی۔

"کہہ دینا چائے پی کر آتی ہوں۔"

جتنی دیر چائے پیتی رہی ادھیڑ بُن ہوتی رہی۔ یہ کہیں گے تو وہ کہوں گی۔ وہ کہیں گے تو یہ کہوں گی۔ خالہ آپ نے اچھا نہیں کیا ایسے موسم میں اکیلا چھوڑ گئی ہیں۔ پندرہ بیس منٹ بعد جب اس نے بیڈ روم کا دروازہ تھپتھپایا۔ تو ہتھیلیوں میں پسینہ اُتر آیا تھا۔

"یس!" اجازت ملتے ہی وہ اندر داخل ہو گئی۔ مخصوص قسم کی خوشبو نے اس کا خیر مقدم کیا۔

"جی پپا۔ آپ نے بلایا؟" اس نے بنداے۔سی کی جانب دیکھا یوں محسوس ہوا گویا مئی کے دن آ گئے ہوں۔

"ہوں۔ کوئی زیادہ لمبی چوڑی بات نہیں ہے۔ یہ کچھ پیپرز ہیں ان پر سائن کرنا ہیں۔"

وہ میز کے نزدیک جا کھڑے ہوئے۔ جہاں ایک فائل رکھی تھی۔

"کس چیز کے پیپرز ہیں؟" اس نے گھبرا کر ان کی سمت دیکھا۔

بلیک پینٹ اور آف وہائٹ شرٹ و بلیک ٹائی جس میں لگی قیمتی ٹائی پن کر جگمگاہٹ کا عکس ان کے چہرے تک پہنچ رہا تھا کے ساتھ وہ نہایت معتدل متوازن، مہذب اور اسمارٹ نظر آ رہے تھے۔ مگر روشی کو محض ایک بے شناخت سائے کی طرح محسوس ہوئے۔

"پڑھ سکتی ہو۔" وہ ایک طرف ہو گئے گویا اسے قریب آنے کا عندیہ دیا۔

وہ بھی بے اختیار ٹیبل کے پاس آ گئی، بڑی بے تابی اور خوف کی کیفیت میں اس نے فائل کھولی یاور علی خان اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھ چکے تھے۔

روشی نے فائل کھولی اور یوں بدک کر پیچھے ہٹی گویا بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

"میں اس پر سائن نہیں کر سکتی پپا۔ ہاں اگر آپ کہیں تو میں زہر کھا سکتی ہوں، خود کو شُوٹ کر سکتی ہوں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میں اپنے باپ کے گھر میں ہوں۔ ایسا لگ رہا ہے کہ اسٹیٹ ڈن ہوٹ میں مجھے کڈنیپ کیا گیا ہے اور گن پوائنٹ پر اپنے مطالبات تسلیم کرائے جا رہے ہوں۔ نہ بڑی بی بی جان ہیں یہاں جو ایک بار مجھے ڈانٹتی ہیں تو بعد میں دس بار میری پیشانی پر کس کرتی ہیں۔ نہ جواد بھائی ہیں جن سے میں لڑ بھی لیتی ہوں اور بہت سارے پیسے بھی مانگ لیتی ہوں۔

اگر آپ ہیں سو واٹ؟ زندگی میں کبھی لگا ہی نہیں کہ آپ میرے پپا ہیں۔ آپ حویلی آئے تھے تو بی بی جان کہتی تھیں۔ تمہارے پپا آئے ہیں سلام کر آؤ۔ بس میں آپ کو سلام کر آتی تھی۔ میرے اور آپ کے بیچ صرف "سلام" ہے۔ آپ کو احساس دلایا گیا کہ میں خوش ہوں۔ مگر آپ کیوں میری خوشی کا احساس کریں گے۔ آپ کے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھا ہوا جیسے ایک ریوالور ہوں میں۔ پیکڈ ایمونیشن جسے آپ خود کو ڈیفینڈ کرنے کے لیے جب چاہے استعمال کریں۔"

"شٹ اَپ۔" پوری قوت کے ساتھ انہوں نے اس کے رخسار پر طمانچہ رسید کیا تھا۔ "جانتا ہوں مین کس کی زبان بول

رہی ہو۔"

روشی رخسار پر ہاتھ رکھے دم بخود کھڑی ہوگئی۔"پپ۔پپّا۔"

"روشانے۔میں خود کو شوٹ کرلوں گا۔تمہارے اور کسی اور کے سامنے نہیں کہ مجھے بلیم کیا جائے۔ایموشنلی بلیک میل کر رہا ہوں۔تم میری اولاد ہو'وہی کرو گی جو میں کہوں گا۔"

"آپ کو یقین ہوگا کہ میں آپ کی اولاد ہوں مگر مجھے یقین نہیں کہ آپ میرے والد ہیں۔آپ دونوں بھائیوں کی جنگ ہے تو آپ مجھے کیوں استعمال کر رہے ہیں۔کھل کر ایک دوسرے سے کیوں نہیں لڑتے۔میں ایک ادھوری ذات ہوں۔ نہ ماں کے معنی جانتی ہوں نہ باپ کے۔باری بھی مجھ جیسا ہے۔ہم میں بہت سی باتیں کامن ہیں۔ہم انڈراسٹینڈ کر سکتے ہیں ایک دوسرے کو۔

جب آپ اٹھارہ سال تک بُھلائے رکھتے ہیں کہ آپ کی کوئی بیٹی بھی ہے تو باقی زندگی بھلائے رکھنے میں کیا حرج ہے۔"

اس نے وحشت بھرے انداز میں جھپٹ کر فائل سے کاغذ نوچے اور پرزے پرزے کر دیے۔اور منہ ہاتھوں سے ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"پپّا۔میری آپ سے کوئی جنگ نہیں ہے۔مجھے صرف ایک بار خوش ہو لینے دیں۔پپّا مجھے فیوڈل سسٹم کا پارٹ نہیں بننا۔مجھے اپنے کمشنر باپ پر فخر نہیں کرنا۔مجھے تو بس خوشی کا اعتبار چاہیے۔آپ یہ سب نہ کریں۔میں آپ سے پرامس کرتی ہوں کہ میں دونوں حویلیوں میں زندگی بھر قدم نہیں رکھوں گی۔

کیا ہوا تھا آپ کے ساتھ کہ آپ کے سینے میں دل نہیں رہا۔آپ مجھے ہی نہیں سب کو ایک مہمان جیسے کیوں محسوس ہوتے ہیں؟ آپ اپنے کیوں نہیں لگتے؟"

یاور علی خان پشت پر ہاتھ باندھے ہوئے اپنے ہونٹ چبا رہے تھے جیسے ان کی سمجھ جواب دے گئی ہو۔روشی بے ساختہ ان کے سینے سے لگ گئی تھی۔اور بُری طرح رو رہی تھی۔

"پپّا۔پلیز پپّا۔یقین کریں مجھے کسی نے استعمال نہیں کیا' پریشرائز نہیں کیا۔اگر آپ کہیں گے تو میں زندگی بھر کسی سے نہیں ملوں گی۔جب ماں باپ کے بغیر رہ سکتی ہوں تو ہر رشتے کے بغیر رہ سکتی ہوں۔کاکا جان سے بھی نہیں ملوں گی کبھی۔پپّا کسی طرح سے تو مجھے یقین دلائیں کہ میں آپ کی بیٹی ہوں۔"

اس کے آنسو یاور علی خان کا گریبان بھگو رہے تھے۔

اس کا ایک جملہ ان کی ہستی تہس نہس کر رہا تھا۔

"کیا ہوا تھا آپ کے ساتھ کہ آپ کے سینے میں دل نہیں رہا؟"

وہ ان کی بیٹی تھی۔طمانچہ کھا کر انہی کے سینے سے لگی رو رہی تھی۔

"روشانے! تم نے غلط جگہ کمٹ منٹ کی ہے۔" بالآخر انہوں نے آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ان کی

آنکھوں کی سُرخی گہری ہونے لگی۔

"ٹھیک ہے۔لیکن۔آج کے بعد نہ تم بڑی حویلی جاؤ گی نہ چھوٹی حویلی۔وہ یہیں آئے گا۔ہمارے ساتھ رہے گا۔اور جب تمہارے شایان شان ریزیڈنسی کا بندوبست کرنے میں کامیاب ہو جائے گا تو تمہیں اس کے ساتھ جانے کی اجازت ہوگی۔لیکن دونوں حویلیوں سے رابطہ وہ بھی نہیں رکھے گا۔اسے میری بیٹی کی وجہ سے اونچی مسند ملی ہے۔اسے صرف مجھ سے تعلق رکھنا ہوگا۔اگر اس کے قبیلے والے اس کی سرداری کا حق تسلیم کریں اور سردار بنانا چاہیں تو تمہیں میرا گھر چھوڑنے کی اجازت ہوگی۔تم اس کے ساتھ اس کے قبیلے جا سکتی ہو مگر دریا بستی یا سرائے نہیں۔"

جانے کون کون سی مصلحتیں انہیں کس کس پیش بندی پر مجبور کر رہی تھیں۔

روشی ایک دم ان سے دُور ہٹ کر بے یقینی سے دیکھنے لگی۔جیسے سماعت کا دھوکا ہوا ہو۔وہ کچھ کہہ رہے ہوں۔وہ کچھ اور سمجھ رہی ہو۔

"میرا خیال ہے مجھے کبھی اپنی بات دُہرانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔اب تم جا سکتی ہو۔بی ایزی۔بی ہپی۔"

وہ چیئر پر دوبارہ بیٹھ گئے۔اور کاغذ کے ٹکڑے سمیٹنے لگے۔روشی کو یوں محسوس ہوا کہ اس نے باپ کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ایک حُزن' ایک شکستگی اُن کے چہرے سے آشکار تھی۔

....

وہ حویلی میں داخل ہوئے تو باری کو منتظر پایا۔

وہ ماہین کو سامنے پا کر بہت خوش دلی سے مسکرایا۔

"السلام علیکم۔بہادر خواتین بہت اٹریکٹو ہوتی ہیں۔مگر میڈل دینے کی پوزیشن نہیں ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"یہ ہمیں بتانے کی بات نہیں ہے۔جب میڈل دینے کی پوزیشن میں آؤ تو پہلے اُدھر میڈل دینا۔واہ صاحب کیا ٹھاٹھ ہیں۔"

ماہین اندر کی اکھاڑ پچھاڑ کے برعکس خود کو بہت فریش ظاہر کر رہی تھی۔اس کی نظریں سامنے بالکونیوں پر یوں پڑ رہی تھیں گویا وہ کسی بالکنی میں کھڑی اس کو نظر آ جائے گی۔

"اللہ کا شکر ہے جی۔کرم ہے اس مالک کا۔" اسی لمحے تیمور علی خان اس کے قریب آ گئے۔"ہمیں علم ہے پارٹنر سے ٹھیک ٹھاک فرینڈ شپ ہے۔سو نائس۔ٹھیک ہو پارٹنر۔خیریت رہی۔" وہ باری کی سمت متوجہ ہوئے۔

"جی۔بالکل خیریت رہی۔" وہ چاہتے ہوئے بھی ان سے "خیریت" نہ پوچھ سکا۔

"اب ایسا ہے کہ اس وقت بڑا اموشنلی پیریڈ ہے۔ہم اسٹڈی میں جاتے ہیں' تم انہیں اپنی "بھابی" کا ٹھکانا دکھاؤ۔آپ چلیں کچھ دیر بعد آپ سے ملاقات ہوگی۔"

"بھابی؟" وہ حیران ہو کر تیمور علی خان کی سمت دیکھنے لگی۔

"بھئی یہ "انہیں" بھابی کہتے ہیں۔بہت کوشش کی مگر کچھ بات بنی نہیں۔"

”بہت خوب۔اب یہ ساس کو بھابی کہا کریں گے۔“

ماہین‘ باری کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ دل کی جو کیفیت تھی‘ وہ خود بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔سارے وجود پر ایک لرزش سی تھی۔ جانے وہ کس طرح ملیں گی جہاں باری کے قدم ٹھہرے تھے۔ باری نے منقش سیاہ آبنوسی چمکتے ہوئے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور خود اشارے سے اسے اندر جانے کا کہہ کر واپس پلٹ گیا۔

ماہین نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازے کا ہینڈل گھمایا اور سر آگے کر کے بہت احتیاط سے اندر جھانکا۔جسم و جان کو معطر کرنے والی ایک دل پذیر خوشبو نے اس کا سواگت کیا۔

دستک سُن کر نازنین دروازے ہی کی سمت متوجہ تھی۔ ماہین کو دیکھ کر ایک دم بجلی کی سی تیزی سے بیڈ سے اُتر آئی۔ ماہین اندر داخل ہو چکی تھی۔

”السلام علیکم!“ ماہین نے بانہیں پھیلا دیں۔

کھلتے ہوئے زرد رنگ کے لباس میں ملبوس اپنی دراز بھیگی ہوئی زلفوں کے ساتھ ماہین کو اس حیرت میں مبتلا کر رہی تھی۔ جو غیر معمولی حُسن کے نظارے کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔اس کا ہاتھ سینے پر رکھا ہوا تھا۔وہ اپنی جگہ پتھرا کر رہ گئی تھی۔ ماہین کی کُھلی بانہوں کی جانب اس کی توجہ نہیں تھی۔

ماہین مزید آگے بڑھی اور خود نازنین کو گلے سے لگا لیا۔

”آپ اگر کسی پتھر سے ڈھلی ہیں تو کیا ہوا۔ہم پتھر سے نہیں ڈھلے۔کبھی کسی لمحے دھیان بھی نہیں آیا ہوگا کہ کسی باپ کی زندگی اولاد کی جواں مرگی کی اطلاع پا کر کس کربِ مسلسل سے گزرتی ہے۔ایسا چاند جیسا روپ کسی کو سونپتے ہوئے وہ جس اذیت سے گزرے ہوں گے۔“ وہ بہت تھا ان کے لیے۔ کتنی بے رحم ہیں۔ بجّو آپ؟“ ماہین کے سارے بند ٹوٹ گئے تھے۔

نازنین نے لفظ بجّو پر عجیب سی دھڑکن کا ترانہ سُنا۔شاہین اور جبین اسے بجّو کہا کرتی تھیں۔اس نے تو اپنے ہوش میں مجھے دیکھا تک نہیں۔

اس نے بہت محبت سے ماہین کے گرد اپنے بازو کا حلقہ مضبوط کیا۔اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

”بس کرو ماہین۔میری جان! یقین کرو نروز اتنے ویک ہو گئے ہیں۔کہ زندہ انسانوں کی طرح کوشش کے باوجود ری ایکٹ نہیں کر پاتی۔“

نازنین کی سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگی۔ پسینے سے اس کا چہرا بھیگ گیا۔

ماہین ایک دم گھبرا گئی۔اور جلدی سے اپنی آنکھیں پونچھ ڈالیں۔اور اسے تھام کر بیڈ تک لائی اور آہستگی سے لٹا دیا۔اور سرہانے رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا اور اس کا سر اونچا کر کے لبوں سے لگا دیا۔نازنین ایک سانس میں پی گئی اور تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

ماہین نے اپنے آنچل سے اس کے چہرے کا پسینہ پونچھا۔

”آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے بجّو؟“ وہ اس کا ہاتھ تھام کر بہت فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

”ہاں۔بس ایسی ہی رہتی ہے۔“ وہ نحیف سی آواز میں کہہ رہی تھی۔

”ماہین۔ بہت دنوں تک اندر گھمسان کا رن رہا۔تمہاری شادی کی خبر تو جیسے ہمیں لے ہی ڈوبی۔مگر پھر آہستہ آہستہ قدرت کی حکمت سمجھ میں آنے لگی۔میرے بچوں کو تم سے بہت تقویت رہے گی۔سب سے بڑھ کر تم انہیں سمجھا سکو گی۔انہیں قائل کر لو گی کہ ان کی ماں ہرگز بُری عورت نہیں تھی۔جب وہ میچور ہو جائیں گے اور حقیقت ان کے سامنے آئے گی جو کہ ایک دن آئے گی ضرور۔تو تم مجھے مکمل ڈیفینڈ کر سکو گی۔ یقین کرو اب میرے اندر کوئی جنگ نہیں ہے۔ بہت پُرسکون ہوں میں۔ دیکھو اب کچھ ہو جائے حویلی سے ناتا نہ توڑنا۔ ورنہ میرے بچوں کے سر ہمیشہ کے لیے جھک جائیں گے۔ہو سکتا ہے‘ وہ شخص تمہارے حق میں بُرا نہ ہو۔ضروری تو نہیں کہ ایک ماں کی کوکھ سے جنم لینے والے بچوں کی قسمت بھی ایک جیسی ہو۔کیوں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟

دو بچے بڑی حویلی میں ہیں اور دو ادھر ہیں۔اور میری امانت ہیں تمہارے پاس۔“

وہ بولتے بولتے خاموش ہو گئی اور آنکھیں موند لیں۔

”کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔خدا نہ کرے کہ آپ کو کچھ ہو۔“ ماہین بہت پریشان ہو گئی۔

”جو ہونا تھا ہو چکا۔تیمور علاج کے لیے ہمیں نیویارک لے کر تو جا رہے ہیں اور ہم پہلی بار ان کا دل رکھ رہے ہیں کہ وہ بھی کیا یاد کریں گے۔“ نازنین کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ نظر آئی۔

ماہین تو جیسے سب کچھ بھول گئی۔حواس باختہ سی ہو کر نازنین کی صورت دیکھنے لگی۔

”آپ کو کیا ہوا ہے۔بجو؟“

”کاش یہ ضوفشاں کی پیدائش سے پہلے ہو جاتا۔“ نازنین کی آنکھیں ہنوز بند تھیں۔

اسی دم دروازے پر دستک ہوئی اور ساتھ ہی کھل گیا۔تیمور علی خان اندر داخل ہوئے۔ وہ بہت محتاط انداز میں داخل ہوئے تھے مگر کمرے کی صورت حال بھانپ کر تیزی سے آگے بڑھے۔

”کیا ہوا۔ مائی گڈنیس۔آئی ایم سوری۔ہمیں بالکل دھیان نہیں رہا کہ آپ کو کسی قسم کا سرپرائز نہیں دینا چاہیے۔“ وہ اسٹول گھسیٹ کر نازنین کے قریب بیٹھ گئے اور اس کی کلائی تھام کر نبض چیک کی۔ پیشانی چھو کر دیکھی۔

”یہ کہتے ہیں کہ مجھے کوئی خطرناک بیماری نہیں۔اور ہائی پوٹینسیز کی دوائیں کھلاتے ہیں۔ میں اندر سے دیمک۔کھائی لکڑی کی طرح کھوکھلی ہو چکی ہوں۔کیا مجھے اندازہ نہیں کہ ہر صبح زندگی سے کتنی دُور جا پہنچتی ہوں۔یعنی حد ہو گئی۔“

وہ تیمور علی خان کے چہرے پر نظر ڈال کر دھیرے سے ہنس پڑی۔

ماہین نے تشویش بھری نظروں سے تیمور علی خان کی طرف دیکھا۔وہ نظر چرا گئے اور ماہین کا دل بیٹھنے لگا۔

”بات سُنیں۔کیوں پریشان ہوتے ہیں‘ دُنیا میں بہت سارے لوگ ایسے بھی ہیں کہ ان کی دل پسند بیویاں انہیں بہ تقضائے الٰہی چھوڑ جاتی ہیں اور وہ زندہ رہتے ہیں۔ہمارے پاپا کی مثال سامنے ہے۔کیوں ماہین! اور ہم پر تو دل پسند ہونے

کا بھی الزام نہیں۔ آپ کے احسانات نے اس قدر زیر بار کیا ہوا ہے کہ بتا نہیں سکتے۔

ماہین! میری جان دل کا کھلنا کائنات کی سب سے بڑی سرمستی ہے۔ میری بیٹی کا دل بجھنا نہیں چاہیے۔ اس میں Will تو ہے مگر ہے تو بچی۔ اس کا دل کھل گیا۔ ناں تو سمجھ میں کامیاب ہوگئی۔ کتنی پیاری ہے میری بیٹی۔ اس کے دل میں میری تصویر اس طرح سجانا کہ جب اسے میرا دھیان آئے تو وہ دل سے میری بخشش کی دعا کرے۔ جواد کو تو میں نے دیکھا ہی نہیں۔ اپنے باپ اور چچاؤں ہی پر ہوگا۔ چھوٹا سا تھا تو سب کہتے تھے بابا صاحب جیسا ہے۔ میرا بیٹا۔ ماہین۔ میں نے سنا ہے وہ اپنی عمر سے زیادہ سنجیدہ ہے۔ بہت کم گو ہے۔

جوانی وہ ہے جو پوری بہار دیکھے کبھی سرنگوں نہ ہو۔ پارساماں کا جوان بیٹا تو اصل میں جوان ہوتا ہے اسے بتا دینا اللہ کی قسم میں بے گناہ ہوں۔''

نازنین تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔

''مائی گاڈ!'' تیمور علی خان بری طرح سے پریشان ہوگئے۔

''نجو! اس طرح نہ کریں۔ آپ کو تیمور خاں پر رحم نہیں آتا؟'' ماہین کی آواز بھرا گئی۔

''ارے۔ ہمارا بس چلے تو چوک پر ان کا مجسمہ نصب کرادیں۔ بہت دکھ دیے ہیں انہیں ہم نے۔'' وہ اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

''آپ انہیں سنبھالیے۔ ہم ڈاکٹر کو فون کرتے ہیں۔'' تیمور علی خان فون کی طرف بڑھے تو فون کی بیل بج اٹھی۔

تیمور علی خان نے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو''

''السلام علیکم۔ جی ہم ہی ہیں۔''

''جی؟۔ ابھی آیا تھا؟''

''جی۔ جی اور کچھ نہیں کہا؟''

''جی ہم سمجھ گئے۔ ٹھیک ہے۔ خدا حافظ۔''

انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ اور پلٹ کر ماہین کی سمت دیکھا۔

''بابا صاحب کا فون تھا۔'' ان کے انداز میں عجیب سی ہچکچاہٹ تھی۔ ماہین تو ان کے انداز ہی سے کچھ محسوس کر چکی تھی۔

''ہری پور سے فون آیا ہے بابا صاحب کے پاس۔ کہ باری سے کہیں، وہ کراچی سے آپ کو لے کر اسلام آباد پہنچ جائے۔''

''مجھے۔ باری۔'' وہ حیرت سے اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔ پھر قدرے خجل ہوکر نازنین کی سمت دیکھا اور دوبارہ بیٹھ گئی۔

تیمور علی خان نے اشارے سے اسے خاموش رہنے کی تاکید کی۔ اور مڑ کر فون ڈائل کرنے لگے۔

نازنین نے ماہین کا چہرا دیکھا اور مسکرا دی۔

''میں سب جانتی ہوں۔ سب سمجھتی ہوں۔ جب آپ سب میرا خیال کرتے ہیں تو میں اپنے آپ سے پوچھتی ہوں کیا میں اس قابل ہوں کہ میرا خیال رکھا جائے۔ یہ شخص بہت بلند، بہت عظیم ہے۔ ماہین! ان کی بہت عزت کرنا۔ انہوں نے تمہاری بہن کو سائبان دیا۔ عزت دی۔ اور ایک بہت پیاری گڑیا سی بیٹی ہے ہماری۔ مجھے امکان اچھا نظر آیا ہے کہ صرف تمہیں نہیں باری کو بھی بلایا ہے۔ بہت سمجھدار ہے باری۔ وہ مجھے ہمیشہ سے اچھا لگتا ہے۔

اگر میں نیویارک چلی جاؤں تو دلہن بنی روشی کی تصویریں ضرور بھیجنا۔''

نازنین کی طبیعت ایک دم سنبھلتی محسوس ہوئی۔

''چپ کیوں ہو ماہین؟'' نازنین کے انداز میں بلا کی اپنائیت تھی۔

''کچھ نہیں نجو۔ بہت کچھ سوچ کر آئی تھی کہ آپ سے یہ کہوں گی، وہ کہوں گی۔ مگر۔'' اس نے دکھ سے نازنین کی طرف دیکھا۔

''مجھے علم ہے تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ ظلم کے جواب میں ظلم کیا ہے۔ مگر انجام کو بھی تو پہنچ گئے ہیں۔ بیس سال زندہ دوزخ میں جلنے کے لیے کم تو نہیں ہیں۔'' وہ بہت کرب سے بولی۔

''سچ ہے نجو۔ ہم تو خالی ہوگئے ہیں۔ کچھ کہنے کو رہا ہی نہیں۔'' ماہین نے بہت دکھ سے کہا۔

''ہمیں تو یہ آہستہ خرامی سے واپسی کا سفر بہت پسند آرہا ہے۔ مگر یہ۔'' اس نے گردن گھما کر تیمور علی خان کی جانب دیکھا اور خاموش ہوگئی۔

''ہاں بس۔ آپ تو بس ہمیشہ اپنے لیے ہی سوچیں گی۔'' ماہین کہے بنا رہ نہ سکی۔ نازنین نے ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔

''سہارا ہوا سننے میں اور سہنے میں بہت فرق ہے ماہین! لطف یہ ہے کہ نہ سننے والے غلط ہیں اور نہ سہنے والے۔ اپنے اپنے مورچوں پر اپنے اپنے حساب سے جنگ جاری ہے۔ مجھے اب کسی بات کی پرواہ نہیں۔ صرف یہی خواہش ہے کہ میرے بچے جب بھی یہ داستان سنیں تو انہیں یہ یقین رہے کہ ان کی ماں غلط عورت نہیں تھی۔''

تیمور علی خان دوبارہ ان کی جانب آچکے تھے۔ اور فکر مندی سے نازنین کی جانب دیکھ رہے تھے ان کے انداز میں اپنائیت کا جو واضح تاثر تھا، وہ ماہین کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ان کی کشادہ، چمکدار سیاہ بھونرے جیسی آنکھوں میں جو تشویش تھی وہ ان کی ذات کو بہت معتبر بنا رہی تھی۔

''آپ باتیں کریں۔ ہم ابھی آتے ہیں۔'' وہ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد گویا ہوئے اور باہر چلے گئے۔

''نجو! حقیقت یہ ہے کہ تیمور علی خان شاید بنے ہی آپ کے لیے تھے۔ آپ تو دیکھنے کی 'چیز' ہیں۔ اور بیس سال سے بس وہی آپ کو دیکھ رہے ہیں۔''

ماہین نے ماحول کی اداس کیفیت مٹانے کی کوشش میں ہلکی پھلکی بات کی۔

''اچھا۔'' نازنین اداسی سے ہنس پڑی۔ ''پتا نہیں انہوں نے کبھی ہمیں دیکھا بھی ہے یا ہمیں کسی دوسرے کے عکس میں

قید کر کے دیکھتے رہے ہیں۔مگر یقین کرو ماہین۔ہم نے انہیں آج تک نظر بھر کر نہیں دیکھا۔شرمندگی سے نظریں نہیں اُٹھتیں ان کے روبرو۔کوئی ایک قرض ہو۔ہمارے ذمے ان کا تو کہیں۔''

اس نے پھر نقاہت بھرے انداز میں آنکھیں موندلیں۔

''ماہین۔روشی کے پپا کو ابھی بھید نہیں دینا کہ تم سب احوال سے واقف ہو چکی ہو۔کہیں وہ جواز از در جواز کا سلسلہ شروع نہ کر دیں اور کچھ ہو نہ جائے۔مجھے تمہاری موجودگی کا یقین چاہیے۔تم مجھے خود غرض کہہ سکتی ہو۔مجھے ہر قیمت پر تمہاری موجودگی چاہیے۔اپنے لیے بھی' اپنے بچوں کے لیے بھی۔حالانکہ غلط ہوا تھا مگر اب صحیح ہو گیا ہے۔پلیز ماہین۔ہر قسم کی جذباتیت سے پرہیز کرنا۔سمجھ رہی ہو ناں میری بات؟''

''جی بجو۔بس اب تو ویلفیئر شپ کا ٹوکن ہے ہمارے پاس۔فی الحال تو زندگی کا مقصد یہی ہے۔'' وہ اداسی سے مسکرائی۔

''کسی مطربہ کی آمد سے پہلے وہ شخص بہت اچھا تھا۔خدانخواستہ تمہاری راہ میں کوئی مطربہ' کوئی زیتون بانو نہیں ہے۔تم اسے اپنے حق میں اچھا کر سکتی ہو۔راستے ہی میں بدل نہ ہو جانا۔اللہ سے دعا ہے' وہ شخص تمہیں نہال کر دے۔''

نازنین کی آواز بھرّا گئی۔

ماہین نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھام لیے۔اس کا اپنا دل بھر آیا تھا۔

وہ باری کے ساتھ وہیں سے اسلام آباد روانہ ہو گئی۔فون پر ایڈریس وغیرہ لے لیا تھا۔انہیں اپنی آمد کی اطلاع اس لیے نہیں دی تھی کہ اگر وہ خود لینے آ گئے تو پتا چل جائے گا کہ وہ پشاور سے آ رہی ہے۔اور پھر وضاحت در وضاحت کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

یوں بھی حواس پر عجیب سی تھکن طاری ہو رہی تھی۔تیمور علی خان نے اسے بتایا تھا کہ نازنین معدے کے کینسر میں مبتلا ہے۔اور انتہائی اسٹیج پر ہے۔السر کی شکایت تھی جو بگڑ کر کینسر میں تبدیل ہو گئی ہے۔

بس اتنی ذرا سی دیر کی بات تھی۔ہمارے اور ان کے بیچ۔کیا خواب سا رشتہ رہا ہے۔یقین نہیں آتا۔تصویروں میں جو دیکھا تھا وہ کچھ بھی نہیں تھا۔کیسی حسین تصویر' کیسی سنگین تقدیر۔

''باری!'' اس نے باری کی سمت دیکھا۔جو اپنی اُلجھن کو اخبار میں مدغم کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

''تم کب سے اس اسرار' اس راز میں شریک ہو؟'' اس نے باری کی سوالیہ نظروں کے جواب میں سوال کیا۔

''شروع سے۔پہلی مرتبہ بڑے خان کے ساتھ بھابی سے ملنے سرائے آیا تھا۔پھر جب تک لالاں جی زندہ رہیں' ان کے ساتھ آ کر رہا کرتا تھا۔لالاں جی بھابی سے بہت پیار کرتی تھیں۔'' وہ افسردگی سے کہہ رہا تھا۔

''جب میں چھوٹا تھا تو بھابی مجھ سے روشی اور جواد کی باتیں کیا کرتی تھیں۔کہتی تھیں روشی کا خیال رکھا کرو۔''

''تم نے کہا ہو گا آپ فکر نہ کریں۔میرا ہمیشہ کے لیے خیال رکھنے کا پروگرام ہے۔'' ماہین نے برجستگی سے ٹکڑا لگایا۔

باری جھینپ کر مسکرا دیا۔

''تم اتنے چھوٹے تھے۔بڑی حویلی میں باتیں پہنچا سکتے تھے۔اتنا اعتبار کیسے کر لیا تمہارا ان سب نے؟'' ماہین کو حیرت ہوئی۔

''جب بڑے خان مجھے پہلی بار سرائے لے کر گئے تو انہوں نے مجھ سے کہا تھا۔باری تم اچھے ہو' اس لیے ہمیں پسند ہو۔ہم نے تمہارا کمرا سجایا ہے۔تمہیں اپنے گھوڑے دے دیے ہیں۔لیکن اگر تم نے بڑی حویلی کے بچوں کو سرائے کی کہانیاں سنائیں تو ہم تم سے سب کچھ واپس لے لیں گے۔اور تمہیں ہاسٹل بھجوا دیں گے۔وہاں گھوڑے نہیں ہوتے۔

پھر جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا تو تنبیہ اور تاکید کے انداز بھی بدلتے گئے۔اور بات سمجھ میں آتی گئی تو تنبیہ و تاکید کی ضرورت ہی نہیں رہی۔شاید آپ کو یقین نہ آئے بڑے خان نے سب کچھ مجھے خود بتایا ہے۔ان کی آنکھوں میں آج تک کسی نے آنسو نہیں دیکھے۔مگر میں نے ان کی بھیگی آنکھیں کئی بار دیکھی ہیں۔مطربہ کے لیے انہوں نے مجھے مخصوص کیا تھا۔اس سے پہلے ماما بلی اس کی دیکھ بھال کرتی تھی۔حویلی میں اور کسی کو اس طرف جانے کی اجازت نہیں تھی۔''

''تم سے مطربہ نے کبھی تمہارے باپ کے متعلق بات کی؟'' ماہین نے اچانک پوچھ لیا۔

باری ایک دم خاموش ہو گیا۔اور اخبار رول کرنے لگا۔

''آپ کو اندازہ ہے کہ یاور خان نے کس موڈ میں ہمیں اسلام آباد بلایا ہو گا؟'' اس نے بہت خوبصورتی سے موضوع ہی بدل دیا۔

ماہین نے گہری سانس کھینچی۔اور آنکھیں بند کر لیں۔''ہمیں بھی چلاتے ہو باری؟ خیر مرضی ہے تمہاری۔سوچ تو میں بھی رہی ہوں کہ مجھے تو جب چاہے کال کر سکتے ہیں۔مگر ساتھ میں تمہیں طلب کیا ہے اللہ خیر کرے۔روشی بالکل اکیلی ہے۔نہ جانے کیا مسئلہ ہے؟ تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہے۔ہو سکتا ہے' وہ اپنی مرضی کا فیصلہ تم سے کرانا چاہیں۔اس طرف بھی سوچا۔'' ماہین نے توجہ دلائی۔

''جی سوچا ہے۔لیکن جو طے ہے' اسے تو کوئی بھی نہیں بدل سکتا۔آپ میری طرف سے اطمینان رکھیں۔اگر بات کسی طرح نہ بنی تو میں روشانے کو لے کر اپنے قبیلے میں واپس چلا جاؤں گا۔'' وہ کن انکھیوں سے ماہین کی سمت دیکھ کر بڑے شریر لہجے میں گویا ہوا۔

''ہوں۔یعنی ہمارے سامنے ہماری لڑکی کو اُڑانے کی بات۔'' وہ مصنوعی خفگی سے گویا ہوئی۔

باری ہنس دیا۔''جب فیس کرنا ہے تو پھر پہلے سے خود کو کیا اُلجھانا۔'' وہ سنجیدہ ہو گیا۔

''ہوں۔'' ماہین گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

....

''توبہ خالہ! میں تو شل ہو گئی۔صرف سامان کو دیکھ دیکھ کر۔پتا نہیں لوگ کس طرح اتنے بڑے' بڑے گھر آنا فاناً سیٹ کر لیتے ہیں۔میں نے تو کہہ دیا تھا ملازموں سے' مجھے مفت میں پریشان کرنے کی ضرورت نہیں' گھر کی مالکن آئیں گی تو انہی کا سر کھانا۔''

روشی ماہین کے گلے میں بانہیں ڈالے لاپروائی سے اپنی کہے جا رہی تھی۔

"گھرداری کا شوق نہیں۔ بس گھر بسانے کا شوق ہے۔ تمہارے بچوں کو تو بارہ مہینے نزلہ وزکام رہا کرے گا۔ گرمیوں میں پانی کے ٹب میں کھیلتے رہیں گے۔ لقاں جان پڑی سو رہی ہوں گی۔ سردیوں میں گرم کپڑے اتار کر گھومیں گے۔ تو والدہ کو ہوش نہیں ہوگا۔

بتاؤ۔ میرے انتظار میں سارا کام پھیلا رکھا ہے۔" اس نے ہنس کر روشی کے چپت رسید کی۔

"لیکن خالہ! گھر میں میرے علاوہ دوسرے لوگ بھی تو ہوں گے جو بچوں کا خیال رکھیں گے۔ کم از کم ناک تو پونچھ ہی دیا کریں گے۔" وہ کھلکھلائی۔

باری اچانک دونوں ہاتھوں میں سوٹ کیس اٹھائے ان کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ گیا۔

"اوہ۔ آپ کے ساتھ۔؟" روشی بری طرح گڑبڑا کر ماہین کی سمت دیکھ رہی تھی۔

"جی میرے ساتھ۔" ماہین نے مسکراہٹ ضبط کی۔

"پپا نے کہا تھا یا خود۔ آپ۔" روشی کی حالت ہی بدل چکی تھی۔ خوشی بھی تھی اور الجھن بھی۔

"مجھے یقین ہے پپا نے بلایا ہے۔ فیصلہ ہو گیا ہے خالہ!" روشی اسے لے کر لاؤنج کی طرف بڑھی۔

"کیسا فیصلہ؟" ماہین کچھ سمجھی نہیں۔

"پپا نے کہا ہے۔ باری ہمارے ساتھ رہے گا۔ نہ سرائے جائے گا نہ دریا بستی۔ اگر چاہے تو اپنے دادا کے پاس جا سکتا ہے اپنا حق مانگنے۔"

وہ تفصیل سے اپنے اور یاور علی خان کے مابین ہونے والی گفتگو ماہین کے سامنے دہرانے لگی۔

ماہین بہت توجہ سے سن رہی تھی۔

"اور اگر باری نے اس پابندی کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا؟" ماہین نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے فکرمندی سے روشانے کا چہرہ دیکھا۔

"تو خالہ! آپ سمجھانا۔ ناں۔" روشی ایک دم پریشان سی نظر آئی۔

"بعض اوقات مرد بہت سمجھدار ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی سمجھ کے بجائے موڈ سے کام لیتا ہے۔" ماہین سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تمہارے پپا۔ ابھی تک نہیں آئے۔" ماہین نے رسٹ واچ دیکھی۔

"نہیں۔ فون آیا تھا دو مرتبہ۔ ایک مرتبہ پوچھا تھا کہ میں نے کھانا کھا لیا یا نہیں۔ دوسری مرتبہ تاکید تھی کہ سیٹنگ وغیرہ تمہاری خالہ کر لیں گی الجھنے کی ضرورت نہیں۔" اپنی بات کے اختتام پر وہ ماہین کی صورت دیکھ کر کھلکھلا اٹھی۔

"ہوں۔ خالہ نے ٹینڈر بھرا ہے ناں تمہارے والد محترم کا گھر سجانے کا؟"

"وہ تو بھرا ہے۔ اس میں کیا شک ہے۔" روشی پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ماشاءاللہ۔" ماہین نے دل ہی دل میں کہا۔ اس کے انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔

"چلو اٹھو۔ دیکھو۔ باری کیا کر رہا ہے کہاں بیٹھا ہے۔ گھر تو ایسا ہو رہا ہے جیسے آفت زدگان کے لیے امدادی سامان آ یا رکھا ہو۔"

"میں نہیں جا رہی۔ آپ ہی دیکھ لیں۔" روشی فطری حیا کے عکس میں ماہین کے دل میں اتر گئی۔ اس کی نظریں بھی جھک گئی تھیں۔

"اچھا چلو۔ چائے تو بنواؤ۔ میں دیکھتی ہوں۔" ماہین اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں پہلے اپنے بیڈروم کا جائزہ تو لے لوں۔"

"اس کی آپ فکر نہ کریں۔ وہ تو پپا نے اپنی نگرانی میں سیٹ کرا لیا تھا۔ بہت خوبصورت بیڈروم سیٹ لیا ہے آپ کے لیے۔" روشی نے اس کا اشتیاق بڑھا دیا۔

"چلو جلدی سے میرے ساتھ۔" ماہین نے بھی بہت مسرت اور اشتیاق کا مظاہرہ کیا۔ روشی اسے لے کر اوپر ٹیرس سے ملحق خواب گاہ میں آ گئی۔

طبیعت واقعی خوش ہو گئی۔ وہائٹ و گولڈن کا بہت دلکش امتزاج تھا۔ روشی اسے کمرے میں چھوڑ کر چائے کی غرض سے فوراً باہر نکل گئی تھی۔

ماہین۔ وارڈ روب کے دروازے کھول کر جائزہ لینے میں مصروف تھی کہ یاور علی خان نے اندر قدم رکھا۔ غالباً ان کو اطلاع دی جا چکی تھی۔ اسی لیے ان کا انداز نارمل رہا۔

ماہین ان کے قریب چلی آئی۔

"السلام علیکم!" اس نے کوٹ ان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے بہت دوستانہ موڈ میں سلام کیا۔

یاور علی خان نے اپنی پوری حسیات کے ساتھ اس کے اندر ہونے والی کسی عظیم تبدیلی کو محسوس کیا۔

"وسلام۔ انفارم کیوں نہیں کیا۔"

"بس یونہی۔ دیکھنا تھا کہ آپ اچانک ہمیں سامنے پا کر کیسا ریسپونس کریں گے۔"

سیاہ جارجٹ کی پلین ساڑی اور سرخ فل آستین ہائی نیک بلاؤز تراشیدہ کھلے ہوئے بالوں میں گلاب کی ادھ کھلی کلی۔ سرخ چمکدار لپ اسٹک۔ ایک ایک چیز اس کے پرجوش اور بھرپور موڈ کا مظہر تھی۔ وہ کوٹ تھامتے ہوئے ان کے بہت نزدیک آ کھڑی ہوئی تھی۔

"خیریت۔ میرا مطلب ہے خیریت تو ہے ناں؟" انہوں نے اس کے سراپے پر معنی خیز نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ وہ مسکراہٹ جو صرف اپنے پارٹنر کے لیے مخصوص ہوا کرتی ہے ان کے لبوں پر نظر آئی۔ ماہین بھی حیا آمیز انداز میں مسکرا دی۔

"اتنے دنوں بعد آپ سے ملاقات ہونا تھی۔ آپ کے لئے تیار ہوئے ہیں۔"

وہ وارڈ روب کی طرف کوٹ لٹکانے کی غرض سے بڑھتے ہوئے بڑے ناز سے گویا ہوئی۔

''مائی گڈنیس۔ جلدی سے کام بتادیجئے۔'' وہ صوفے پر بیٹھ کر شوز اُتارنے لگے۔

''کیا سارے بیوروکریٹس' ٹیکنو کریٹس اتنے ہی شکی ہوتے ہیں؟ دراصل کرپشن بھی تو بہت بڑھ گیا ہے ناں۔'' ماہین ان کے برابر بیٹھ گئی۔

''شک بھی بلاوجہ نہیں ہوتے۔ جو شے وجود نہیں رکھتی' محسوس بھی نہیں ہوتی۔ خیال میں بھی نہیں آسکتی۔'' یاور علی خان بہت سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

''چلیں چھوڑیں۔ اتنے دنوں بعد ملاقات ہوئی ہے۔ اپنی باتیں کریں' بحث کے لیے تو عمر پڑی ہوئی ہے۔

باری سے ملاقات ہوئی۔ آپ کی؟''

''نہیں۔''

''آپ نے بات سنبھال لی۔ بہت اچھا کیا۔ مجھے خوشی ہے اور میں تھینک فل بھی ہوں۔ اب میرے اور آپ کے بیچ کوئی ٹینشن نہیں آنا چاہیے۔ چاہے مجھ سے حماقتیں سرزد ہو جائیں یا میں آپ کو تنگ کروں۔ ہر صورت میں ہتھیار آپ کو ڈالنا ہیں۔ آپ کو مجھے منانا ہے۔ آپ کو میرا خیال رکھنا ہے۔ ساری دُنیا چھوڑ دی ہے آپ کے پیچھے۔ آپ کا فرض ہے کہ میرا اور میرے دل کا خیال رکھیں۔''

بے پایاں اعتماد نے اسے یاور علی خان پر غالب کر دیا تھا۔ اور اس بار تو وہ واقعی ساری کشتیاں جلا کر فیصلہ کن پوزیشن میں ادھر داخل ہوئی تھی۔

ایک نصب العین' ایک مقصدِ حیات کا تعین کر کے۔ اپنی ذات کی نفی کر کے۔

''بہت خوب۔ سب کام تو ہمیں کرنا ہیں آپ کو پھر کیا کرنا ہے۔'' وہ اپنی حیرت کو چھپانے میں ٹھیک ٹھاک کامیاب تھے۔

''وہ بھی بتادیں گے۔''

''ماہین!''

''جی؟'' وہ ان کی یکلخت بدلتی آواز پر چونک گئی۔

''وہ کیا اُلجھن تھی جو اب سلجھ گئی ہے؟'' یاور علی خان کا سوال اپنی جگہ جائز تھا۔

''کچھ نہیں۔ سر۔ غوطہ لگا کر اپنی ذات سے باہر اُبھر آئے ہیں۔ حساب کتاب کی دُنیا تو بہت چھوٹی سی ہے۔ بڑے کاموں کی طرف توجہ دینا چاہیے۔''

اس نے دونوں ہاتھ ان کے شانے پر رکھ دیے پھر ان پر اپنا سر ٹکا دیا۔ آنکھوں میں نمی اُتر آئی تھی۔

جس شخص سے بندھن توڑنے کے لیے اس نے کئی راتیں اعصابی جنگ میں گزار دی تھیں۔ آج اسی شخص سے اس طرح کے اظہار کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔ حالانکہ اپنی بہن کے خون کے چھینٹے اسی دامن پر نظر آ رہے تھے۔ مگر اسی بہن کی خاطر اپنی ذات کی نفی کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔

''میرا خیال ہے اس سنڈے کو ڈنر رکھ لیتے ہیں۔ چھ دن باقی ہیں۔ بابا صاحب اور جواد کو بھی بلا لیتے ہیں۔ روشی کی رخصتی بس جلدی کر دیتے ہیں۔''

''صرف جواد اور بابا صاحب کو اور دوسرے لوگ۔'' ماہین نے چونک کر سر اُٹھایا۔

''باری کے وہ لوگ کچھ نہیں لگتے ہیں۔ مگر روشی کے تو لگتے ہیں۔'' ماہین نے اعتراض کیا۔

''شادی کے بعد روشی کی انوالومنٹ بھی ختم ہو جائے گی ان لوگوں سے۔'' یاور علی خان سے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

''آپ باری کے سرائے میں آمد و رفت پر پابندی لگا دیں مگر بڑی حویلی سے ان کا ناتا کیوں توڑنا چاہتے ہیں؟ وہ سب روشی کے اپنے ہیں۔ سب نے روشی کی پرورش میں حصہ لیا ہے۔ وہ سب اس سے بہت پیار کرتے ہیں۔'' ماہین نے جرح کی۔

''کچھ مصلحتیں ہیں' میں نہیں چاہتا' وہ آئندہ زندگی میں ڈسٹرب ہو۔''

''کیا ہیں وہ مصلحتیں۔ مجھے بتائیں۔ اعتبار کریں مجھ پر۔'' ماہین نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا۔

یاور علی خان اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ''آپ کو کیا کسی کو بھی نہیں بتائی جا سکتیں۔''

''پہلے مجھے آپ پر غصہ آتا تھا۔ مگر اب ترس آتا ہے۔ اس لیے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آپ نے پلاننگ نہیں کی بلکہ آپ پلاننگ کا شکار ہوئے ہیں۔'' مارے جذبات کے ماہین کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

شرٹ کے بٹن کھولتے کھولتے یاور علی خان کے ہاتھ ساکت ہو گئے۔ انہوں نے ایک دم پلٹ کر ماہین کی سمت دیکھا جو تاسف سے ہونٹ چبا رہی تھی۔

''صاف صاف بات کریں مجھ سے۔'' انہوں نے اسے بازوؤں سے تھام کر جھٹکے سے اپنے مقابل کھڑا کیا۔ ماہین خاموشی سے ہونٹ چباتی رہی۔

''کیا کہہ رہا ہوں میں؟''

''مجھ سے کچھ نہ پوچھیے۔ بس اتنا بتا دیتی ہوں آپ کو کہ بہت مشکل ہے کہ وہ زندہ بچیں۔ کچھ نہیں بچا ان میں۔ پھینک دیجیے سارے اندیشوں کی چادر' تار کر۔'' یاور علی خان نے اس کے بازو چھوڑ دیے۔

''غصے کی حالت میں دل گواہی کے فرض سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ مگر بیس سالوں میں کسی رات کے سناٹے میں یہ ضرور بولا ہوگا۔ مجھے یقین ہے'' ماہین ان کے شانے پر دھیرے سے ہاتھ رکھ کر ان کا چہرا دیکھ رہی تھی۔

یاور علی خان دم بخود سے کھڑے تھے۔ جیسے ان کے حواس معطل ہو گئے ہوں۔

وہ ایک ٹک ماہین کا چہرا دیکھ رہے تھے۔

''یہ فطرت ہے۔ اگر کہیں کچھ ہوتا ہے تو کبھی نہ کبھی سامنے ضرور آتا ہے۔ اس میں حیرت کیا۔'' ماہین نظریں جھکا کر کہہ رہی تھی۔

دونوں کے مابین ایک گہری اور بے معنی خاموشی چھا گئی۔

''میں نے بُرا کیا تھا ماہین۔ تو انہوں نے بہت بُرا کیا تھا۔'' وہ دوبارہ بٹن کھولتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئے۔ لہجے میں بلا کی تھکن تھی جیسے میلوں پیدل چل کر آئے ہوں۔

''دو افراد جو بیک وقت غصّے کی حالت میں ہوں تو دونوں سے بُرا ہی ہوتا ہے۔ میں آپ سے اس موضوع پر کوئی تفصیلی بات نہیں کرنا چاہتی۔ میں تو اب آپ کے ساتھ ہوں' ہمیشہ کے لیے۔ دم بہ دم' ہم قدم۔ میری تو اتنی گزارش ہے کہ رابطے توڑنے کی روایت اب ختم کیجیے۔ بچے مجبور ہیں۔ ہر بات کے اچھے بُرے پہلو پرکھ سکتے ہیں۔

آپ نے بابا صاحب کو بھی بلیم کیا۔ جن کے ایکٹو ہوئے بغیر یہ سب ہو ہی نہیں سکتا تھا جس پر آپ کو اعتراض ہے؟''

ماہین نے ایک اور پتّا پھینکا۔

''جو بھنور میں ہوتا ہے' ہاتھ پاؤں مارنا اس کا حق بھی ہوتا ہے اور مجبوری بھی۔ تیمور نے بابا صاحب کی بات کیوں مانی' وہ بے اختیار کبھی نہیں تھا۔'' یاور علی خان کے لہجے میں زہر امنڈنے لگا۔

''آپ نے بھی تو روشی کی بات مانی ہے۔ حالانکہ آپ نے تو نہ ماننے کی گویا قسم اُٹھالی تھی۔'' بڑا برجستہ جواب آیا۔''کچھ ایسا ہو جاتا ہے کہ بات مانے بغیر چارہ نہیں رہتا۔''

''اچھا چلیں چھوڑیں۔ میں پرامس کرتی ہوں کہ یہ موضوع کبھی ریپیٹ نہیں کروں گی۔ مگر آپ بھی میری ایک بات مان لیجیے۔ رابطے توڑنے کی عادت چھوڑ دیجیے۔ ہر مسئلے کا ایک ہی حل نہیں ہے کہ رابطہ توڑ دیا جائے۔

اس سارے کیس میں اگر نا قابلِ تلافی نقصان۔ کسی کو پہنچا ہے تو وہ ہیں تیمور علی خان۔''

''نہیں۔ ہمارا بھی بہت بڑا نقصان ہوا ہے۔ ہمارا ایک بہت عزیز چھوٹا بھائی تھا۔ جسے ہم کھو چکے۔'' یاور علی خان نے فوراً ماہین کی بات کاٹ دی۔ بلا کا کرب تھا ان کے لہجے میں۔

ماہین چپ ہوگئی۔ اسے احساس تھا کہ یہ وہ کیس ہے جس میں دو سگے بھائیوں کی غیرت کا سوال ہے۔ اور وہ کبھی ایک دوسرے سے ہاتھ نہیں ملا سکتے۔

وہ اپنی جگہ سے اُٹھی۔ اور یاور علی خان کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئی۔

''بہت سے نقصانات واقعی نا قابلِ تلافی ہوتے ہیں۔ مگر جلے ہوئے خیموں کی راکھ پر تعمیرِ نو کے خاکے کھینچنا بھی عین فطرت ہے۔ اب تو ساری توجہ کا مرکز آپ کے اپنے بچے ہونا چاہئیں۔ آپ کی بہترین صلاحیت اپنے بچوں کی خوشی اور تحفظ میں صرف ہونا چاہیے۔'' وہ بہت ملائمت سے کہہ رہی تھی۔

یاور علی خان خاصی دیر سر جھکائے خاموشی سے سوچتے رہے۔ ماہین نے انہیں ڈسٹرب نہیں کیا۔ پھر ایک خواب کی سی کیفیت میں گویا ہوئے۔

''ماہین! آپ کا دل بہت وسیع ہے یا کوئی مصلحت ہے۔ اگر مصلحت بھی ہے تو آپ کے حوصلے کی مظہر ہے' دونوں صورتوں میں' میں آپ کو ایڈ مائر کرتا ہوں۔''

وہ مسکرا دی۔ ''خدا کرے آپ کی آنکھوں کی سُرخی اب ختم ہو جائے۔ حالانکہ بہت جچتی ہے آپ پر۔'' وہ ان کے شانے

سے ٹک گئی۔

''مصلحتیں محبتیں کب بنتی ہیں۔ یہ بڑا غور طلب سوال ہے۔'' وہ اپنے مخصوص پُر تکلف انداز میں رسمی سا مُسکرائے۔

''جب انسان ذات کے چھوٹے دائرے سے نکل کر گردش کرتا ہوا بڑا دائرے میں آ جاتا ہے تو اس دائرے کا نام مقصدِ حیات ہے۔ چھوٹے دائرے میں انسان تنہا ہوتا ہے اور بڑے دائرے میں ساری کائنات اس کی ہم رکاب ہوتی ہے۔''

وہ آنکھیں موندے بہت کرب آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔

....

ماہین اور یاور علی خان کسی سرکاری ڈنر کے سلسلے میں جیسے ہی گھر سے باہر نکلے۔ روشی' باری کو ڈھونڈتی ہوئی سارے گھر میں چکراتی پھری۔ ملازم سے پتا چلا کہ ''صاحب'' لان میں ہیں۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی لان میں آئی تھی۔

''یہاں بیٹھے ہوئے ہو۔'' وہ پھولی ہوئی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے گویا ہوئی۔

''گھر تو آپ ہی کے والد محترم کا ہے۔ حکم کیجیے کہاں بیٹھوں؟ آپ کہیں تو راول ڈیم کے کنارے ڈور ڈال کر بیٹھ جاؤں۔ اگر وہاں مچھلیاں پائی جاتی ہوں۔''

وہ بہت انہماک سے نوٹ بک میں کچھ لکھ رہا تھا۔ اس کی مداخلت پر چونک پڑا تھا۔

''تمہیں ہر وقت مذاق کی پڑی رہتی ہے۔ دیکھو سب کچھ ٹھیک جا رہا ہے۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو تمہاری طرف سے ہوگی۔ اب کیا سب کچھ میں ہی کیے جاؤں؟''

''خیر سب کچھ آپ اکیلی تو نہیں کر سکتیں۔ یہ بتائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''بس اسی آپ جناب میں لگے رہنا کچھ کرنا کرانا نہیں۔ بس جو پپّا کہیں تو تم کہنا ٹھیک ہے۔ او۔کے۔''

''یعنی وہ کہیں کہ آپ سے دستبردار ہو جاؤں تو میں کہوں او کے۔'' وہ بہت دلچسپی سے اس کا سراپا دیکھ رہا تھا۔

روشی نے گھور کر اس کی سمت دیکھا۔

''کہہ کر تو دیکھو او کے۔''

''لیجیے۔ آپ ہی تو کہہ رہی ہیں۔''

''دیکھو۔ اب میں تم سے پپّا کے یا خالہ کے سامنے بات نہیں کر سکتی۔''

''کیوں؟'' وہ شرارت سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

''تم نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ پپّا نے تمہیں کیوں بُلایا ہے؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

''انتظار کر رہا ہوں ان کا۔ فکر کرنے سے کیا حاصل۔ جو ہونا ہے' وہ تو ہونا ہے۔' وہ زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔

روشی چڑ گئی۔ ''تمہیں تو کوئی جستجو ہی نہیں۔ حالانکہ تمہیں فکرمند ہونا چاہیے تھا۔''

''اچھا۔ مجھے اکٹھا ہی بتا دیجیے کہ مجھے اور کیا کیا ہونا چاہیے۔'' وہ شریر لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''تمہیں مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا کہ پپّا نے مجھ سے کیا بات کی۔ کیا معاملہ ہوا؟''

''وہ تو آپ کے چہرے پر لکھا ہوا ہے کہ کیا معاملہ ہوا ہے۔ میں آپ کی خالہ کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابھی کچھ دیر قبل۔ اور دیکھ رہا تھا' آپ پاؤں رکھتی کہیں ہیں اور پڑتا کہیں ہے۔ خوشی سے حالت غیر ہے۔ مگر یہ بتایئے آپ' اتنی خوش کیوں ہیں؟'' وہ بڑی سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''مجھ سے تو کسی نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے کسی خوشی کا سراغ ملتا ہے۔ یاور خاناں نے بھی مجھ سے کوئی خاص بات نہیں کی۔ بس میری خیر خیریت پوچھی اور کچھ کاغذات پر سائن کرنے کو کہا۔''

''کسی قسم کا غذات پر؟'' روشی ایک دم حواس باختہ ہوگئی۔

''پتا نہیں۔ میں نے پڑھنے کی کوشش کی تو ڈانٹ کر کہنے لگے' پڑھو مت۔ صرف سائن کرو۔ تمہیں اسی لی بلایا ہے۔'' وہ بہت سنجیدگی سے بتا رہا تھا۔

''تت۔ تم نے کر دیے؟'' روشی کا چہرا دُھلے لٹھے کی طرح سفید پڑ گیا۔

''تو پھر کیا کرتا۔'' باری نے بلا کی مجبوری ظاہر کی۔

روشی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''اس سے پہلے کا کا جان نے اپنے گھر میں سائن کرنے کو کہا تھا تو کر دیے تھے۔ یہاں پر یاور خاناں نے کہا تو ان کی بات مان لی۔ ہمیں تو سب کی ماننا ہے۔''

روشی کا ایک ہاتھ ہونٹوں پر دوسرا دل پر تھا۔ وہ گنگ سی کیفیت میں کھڑی تھی۔

''میرا خیال ہے' یاور خاناں نے اسی لیے بُلایا تھا مجھے۔'' وہ خیال آرائی کرنے لگا۔ مگر نظریں جُھکی ہوئی تھیں۔

''تم نے سائن کر دیے؟''

''جی۔''

روشی کی ٹانگیں بے جان ہوگئیں۔ وہ بمشکل گھاس پر بیٹھ گئی۔

''پپا اس طرح نہیں کر سکتے۔ وہ تو بہت کلیئر فیس کرتے ہیں۔ مگر وہ بہت مایوس ہوں گئے۔'' وہ دم بخود سی کیفیت میں خود کلامی میں مبتلا تھی۔

''آپ کیوں پریشان ہیں؟'' وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

''اس لیے کہ تم پریشان نہیں ہو۔ بزدل' مصلحت کوش' دنیاوی آسائش کے لالچی۔ تم جیسے فضول انسان کے لیے میں نے اپنے پپا سے ٹکر لی۔''

''واقعی۔ مگر آپ کو ان سے یہ بدسلوکی نہیں کرنا چاہیے تھی۔'' وہ معصوم سے انداز میں حیرت و تاسّف کا اظہار کر رہا تھا۔

روشی نے نوٹ بک بیچ سے اُٹھا کر پُرزے پُرزے کر دی۔ پھر دونوں ہاتھوں میں چہرا چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

''میں آج ہی سرائے چلی جاؤں گی۔ نہ تمہاری صورت دیکھوں گی نہ پپا اور بابا صاحب سے کبھی ملوں گی۔ سب نے مل کر میرا تماشا بنایا ہے۔''

وہ اس بُری طرح روئی کہ باری گھبرا گیا۔

''اور تمہارا تو جینا حرام کر دوں گی۔'' اس نے روتے روتے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا جیسے چکر آ رہے ہوں۔

''اوہ۔ مائی گاڈ۔ روشانے۔ پلیز۔ اٹ از اے جوک۔ اونلی جوک۔''

وہ اس کے قریب ہوگیا۔ وہ تیورا کر اس کی بانہوں میں آ رہی۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا کہ شاید کوئی ملازم نظر آ جائے اور وہ اس سے پانی منگا لے۔

وہ اسے اُٹھا کر اندر بھی نہیں لے جا سکتا تھا کہ اندر دو ملازم کام میں مصروف تھے۔ ان کے دیکھنے کے بعد ''واقعہ'' بہت مشہور ہونا تھا۔ خود کو لعنت ملامت کرنے لگا۔

''محترمہ! ہار گئے آپ سے۔'' وہ اس کے رخسار تھپتھپائے ہوئے کہہ رہا تھا۔

اسی دم ملازم کی نگاہ اس گوشے پر پڑی تھی۔ وہ ڈسٹ بن جھاڑنے کی نیت سے باہر کا رُخ کر رہا تھا۔ باقاعدہ جست لگا کر ان تک آیا تھا۔

''کی ہوا بی بی کو؟ سانپ تو نہیں ڈس لیا۔ ادھر بہت سانپ نکلتے ہیں۔''

وہ روشی کو تشویش بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

''صاحب کو فون کر دیں؟''

''بھاگ کر ایک گلاس پانی لاؤ۔ سانپ وانپ نے نہیں ڈسا خدانخواستہ۔ جلدی۔ ہری اَپ۔''

ملازم تیزی سے اندر چلا گیا۔

باری تشویش بھرے انداز میں اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ عجیب سی شرمندگی اُس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔

ملازم پانی لے کر آیا تو اس نے چھینٹے کے انداز میں اس سے گلاس لے لیا۔

''روشانے!'' وہ پانی کے چھینٹے بھی مار رہا تھا اور آواز بھی دے رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد روشی نے آنکھیں کھول دیں اور باری کو خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی جیسے کچھ سمجھ نہ پا رہی ہو۔

''اوہ۔ تھینکس گاڈ!'' باری نے سکون کا سانس لیا۔ اور ملازم کو وہاں سے جانے کا اشارا کیا۔ وہ فوراً ہی پلٹ گیا۔

''خود موت کا کھیل کھلتی ہیں اور دُنیا کو آزمائش میں ڈالتی ہیں۔ دوسرا کوئی مذاق بھی نہیں کر سکتا۔ اُٹھیے پلیز۔ یاور خاناں آ گئے تو مشکل ہو جائے گی۔''

روشی اسے پٹر پٹر گھورتی رہی مگر کوئی حرکت نہیں کی۔

''پلیز۔ گیٹ اَپ۔ اٹ واز اونلی اے جوک۔ کیا میں آپ سے مذاق بھی نہیں کر سکتا؟'' اس نے ایک طرف پڑا دوپٹا اُٹھا کر روشی پر یونہی ڈال دیا۔

اور روشی جیسے حواسوں میں واپس آ گئی۔

''مذاق۔ جوک۔ نان سنس۔ مجھ سے ہر طرح کا مذاق کر لینا۔ مگر یہ والا نہیں۔ ساری پونجی اس جوئے میں لگا دی ہے۔

اگر کسی سرمایہ دار کو اس کا ٹوٹل سرمایہ ڈوبنے کی خبر مذاق میں بھی دی جائے تو اس کا ہارٹ فیل ہوسکتا ہے۔

میرا ہارٹ فیل بھی ہوسکتا تھا۔

وہ بمشکل اُٹھ کر بیٹھ گئی اور دوپٹا درست کرنے لگی۔

''کیا سمجھوں اسے اور کیا کہوں اسے۔'' باری بہت قدر دانی کے ساتھ مسکرایا۔

''اللہ تمہیں توفیق تو دے۔ جان نکال دی لے کے۔'' اس کی آواز بھرّا گئی۔

''دل چاہ رہا ہے' عمر بھر بات نہ کروں تم سے۔'' وہ آنکھیں پونچھنے لگی۔

''بہت مشکل ہو جائے گی۔ بچے عموماً ماں ہی کے ذریعے اپنی بات باپ تک پہنچاتے ہیں۔ ان کے لیے درحقیقت مسئلہ ہو جائے گا۔ یہ بھی سوچ لیں۔''

روشی کی پلکوں پر جیسے منوں بوجھ آ پڑا۔ اسے باری سے اس طرح کے مذاق کی امید نہیں تھی۔ وہ جس حیثیت میں اس سے قریب تھا' وہ بڑی مضبوط تھی۔

''تم مجھے اتنا تنگ کیوں کرتے ہو؟'' اس نے جلدی سے بات کا رُخ پھیرا۔

''کسی اور کو کرنے لگا تو آپ پھر اموشنل ہو جائیں گی۔ اگر اجازت ہو تو۔''

روشی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی نظریں ہنوز جھکی ہوئی تھیں۔

''پپا جو کہیں مان لینا۔ کوئی گڑبڑ مت کر دینا۔ پپا کہہ رہے ہیں اگر تم اپنے قبیلے واپس جانا ہو تو جا سکتے ہیں۔ تم کہہ دینا ٹھیک ہے۔''

''مگر میں اپنے قبیلے کیوں جاؤں۔ میری تمنا ہے' کچھ دن تو آپ کے ساتھ پریشانی میں گزریں۔ قبیلے واپس گئے تو وہاں آپ اکیلی رہ جائیں گی۔ آپ کو تو جیولری پہننے کا بہت شوق ہے۔ ہمارے ہاں بیوہ عورت جیولری نہیں پہن سکتی۔ سفید کپڑے پہنتی ہے۔ اگر سردار کے بیٹے کی ماں ہو تو بیٹے کے جوان ہونے تک موتی کھدر پہنتی ہے۔ اور مکمل پردے میں حکومت کرتی ہے۔ دوسری شادی نہیں کرتی۔''

روشی آنکھیں پھاڑ کر اس کو دیکھنے لگی۔ ''بیوہ؟''

''کتنے بے رحم ہو باری!'' اس نے باری کو سر سے پاؤں تک بھیگی نظروں سے دیکھا۔

''کہتی رہیے۔ ایک دن آپ کے سارے اُدھار چکائیں گے تو آپ کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ کام اپنے وقت پر کرتے ہیں۔ جیسے صبح اُٹھ کر وقت پر نماز پڑھتے ہیں۔ پھر سب سے پہلے سُست اور بیمار گھوڑوں کی خیریت دریافت کرتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ اسٹڈی کرتے ہیں۔ پھر ناشتے کا وقت ہو جاتا ہے۔''

''اچھا بس بس۔ زیادہ پنکچوئلٹی کا رعب جھاڑنے کی ضرورت نہیں۔ باری پلیز' پپا سے بحث نہیں کرنا۔ پلیز۔ دیکھو' یہ سب آسان نہیں تھا۔ بہت مشکل سے ہوا ہے۔'' وہ جانے کے لیے قدم بڑھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

یہ کون بولا ہے عدمؔ اتنی چاہ سے
احساس برتری سے خدا ہو گیا ہوں میں

وہ بڑی بے ساختگی سے گنگنایا تھا۔

''روشانے! آپ نے تو مجھے اپنی تلاش پر لگا دیا ہے۔ میں خود میں وہ ہنر ڈھونڈتا ہوں جس کے سبب فوقیت کی دستار ہاتھ لگتی ہے۔''

وہ نوٹ بک کے ٹکڑے سمیٹتے ہوئے خود کلامی سے دوچار تھا۔

....

ڈنر میں اگرچہ ایک ہنگامہ تھا۔ سارے شہر کی کریم جمع تھی مگر ماہین کے اندر جو گھمسان کا رن پڑا تھا اس سبب ایک مستقل بے کلی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ رسٹ واچ پر نظر ڈال کر یاور علی خان کے سمت دیکھ لیتی تھی۔ جو ہوم منسٹر کے ساتھ بات چیت میں اتنے مصروف تھے کہ انہیں شاید یہ بھی یاد نہیں تھا کہ ماہین ان کے ساتھ ہے۔

ماہین کے اندر ایک اکھاڑ پچھاڑ تھی کہ مدھم نہیں پڑ رہی تھی۔ پہلی بار بے پناہ اپنائیت کے اظہار کے بعد اندر ہولناک جنگ چھڑ گئی تھی۔

غائب دماغی کا یہ حال تھا کہ خالی پلیٹ لے کر وہ گوشے میں کھڑی ہو گئی تھی اور خالی الذہن کیفیت میں لوگوں کو دیکھ رہی تھی جو کھانے کے مقابلے کے پارٹی سپرٹ دکھائی دے رہے تھے۔ اگر میزبان کی نظر اس پر نہ پڑتی تو شاید اور دیر تک اسی طرح کھڑی رہتی۔ یاور علی خان اسے گہری دُھند میں نظر آ رہے تھے۔ اور سفید لبادے میں نازنین ان کے آگے بادل کی طرح اُڑتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

وہ دو چار نوالے زہر مار کر کے پھر گوشے میں جا بیٹھی۔ یاور علی خان کی اچانک ہی اس پر نظر پڑ گئی۔ تھی۔ وہ پلیٹ ہاتھ میں تھامے ہوئے اس کے قریب چلے آئے۔

''کھانا نہیں کھا رہیں آپ؟''۔

''کھا چکی ہوں۔'' اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

''کیا بات ہے۔ طبیعت ٹھیک ہے؟'' انہوں نے کچھ محسوس کیا۔

''ٹھیک ہے۔ گھر کتنی دیر مین چلیں گے؟''

''دس پندرہ منٹ میں چلتے ہیں۔ آپ باسط رضوی کی بیگم سے ملیں۔ انہیں آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ سبب تو مجھے بھی نہیں معلوم؟ آیئے۔''

''پلیز۔ اس وقت میں کسی سے نہیں ملوں گی۔ بس گھر چلیں۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔''

اس نے کسی مصلحت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے جواب دیا۔

یاور علی خان نے ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر کی اور پلیٹ واپس رکھنے ٹیبل کی طرف بڑھ گئے۔

گاڑی میں بھی وہ آنکھیں موندے پشت بیک سے لگائے گم صم رہی۔ یاورعلی خان نے بھی اسے مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی۔

گھر آ کر ماہین نے بہت عجلت میں شب خوابی کا لباس تبدیل کیا تھا اور بیڈ پر چلی گئی تھی۔ یاورعلی خان اس کی کیفیت نوٹ تو کر رہے تھے مگر خاموش تھے۔ خیالات کی یورش تو ان پر بھی تھی۔ مگر بیس سال کی بے چکی مشقت نے انہیں ایک مستقل شکل میں ڈھال دیا تھا۔

لباس تبدیل کرنے کے بعد وہ اسٹڈی کے دروازے کی طرف بڑھے جو بیڈروم ہی کے ایک کونے میں کھلتا تھا۔ پھر قدرے مڑ کر ماہین کی سمت دیکھا جو کروٹ کے بل بلینکٹ تانے سونے کی تیاری میں تھی۔

''سفر سے واقعی تھکن ہو جاتی ہے۔ شام کو آپ نے حیران کر دیا تھا۔ اب قدرے پریشانی ہے۔ آپ سے بہت سی باتیں کرنا ہیں۔ چلیں آج آپ آرام کریں۔ کل سہی۔''

وہ اسٹڈی میں چلے گئے اور جاتے جاتے بیڈروم کی لائٹ آف کر گئے۔ ماہین کو بالکل اندھیرے میں سونے کی عادت تھی جبکہ یاورعلی خان نائٹ بلب کی روشنی میں سونے کے عادی تھے۔ مگر ماہین کی خاطر سب سے پہلے انہوں نے اپنی یہ عادت ترک کی تھی۔ ایک وقت وہ بھی تھا' وہ گھپ اندھیرے میں سونا چاہتے تھے اور نازنین ہلکی روشنی پر اصرار کرتی تھی۔ اور آج انہیں گھپ اندھیرے سے وحشت ہوتی تھی اور نیند بہت دیر میں آتی تھی۔

ماہین نے ان کے آخری جملے سنے تھے مگر یوں ظاہر کیا گویا پڑی سو رہی ہے۔ اس شخص کو چھو کر اپنے پن کا احساس دلا کر تو گویا وہ کسی امتحان سے دوچار ہو گئی تھی۔

یہ۔ جو مجھے محض اپنی بیس سال کی دہکتی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اپنے گھر میں گھیر کر لایا ہے۔ میں کس دل سے اس سے محبت کروں۔ بہت بڑا دل کر کے شام کو اس کے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ مگر حوصلہ پھر ٹوٹ رہا ہے۔

سب سے مضبوط لوگ وہ ہوتے ہیں جو روحانی راستوں پر چلنے کی لگن رکھتے ہیں۔ ان بڑے لوگوں کو بھی کسی پیر طریقت کا دامن تھامنا پڑتا ہے۔ جو ان وسعتِ افلاک کے حامل قلوب کو مزید وسعت کی طرف لے جاتا ہے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ نے بیس سال اپنے مرشد کے ہاں پانی بھرا تھا اور بیسویں سال ان کے مرشد نے پوچھا تھا۔ لڑکے تیرا نام کیا ہے؟ آتش پُرشوق قلب میں نہ دہک رہی ہوتی تو اصولی جواب یہ بنتا کہ بیس سال میں آج نام پوچھ رہے ہیں' مگر روشنی وہدایت کے خواستگار ہجر گزیدہ نے اپنے ظرف و تابعداری سے اپنے روشن مستقبل کا پتا دیا اور مؤدبانہ عرض کیا۔ معین الدین۔

بیس سال بے نام رہنے والے راہ نما کی نظر التفات کا انتظار کرتے ہیں۔ اور شرح صدر کی خاطر بیس سال صرف پانی بھرتے ہیں۔ میں' محدود' مجبور' کمزور بیس سال تو بڑی بات' نجو! میرے پاس تو ریاضت کی بیس گھڑیاں بھی نہیں۔ کتنے جوش میں آپ کی خاطر' آپ کا مان رکھنے پھر پلٹ آئی تھی۔ مگر چور چور ہو رہی ہوں۔ دل بڑا کرنے کے لیے اور اتنا بڑا کرنے کے لیے وہ مرشد کہاں کہاں سے لاؤں کہ شرح صدر کا مرحلہ طے ہو۔ ظرف و وسعت تک رسائی ہو۔

ان حالات میں عام سے دل کام نہیں کر سکتے۔ فیل ہو سکتے ہیں۔ یاورعلی خان اپنا سوچتے ہیں۔ آپ اپنا سوچ رہی ہیں۔ اور میرا کون سوچے۔

اس نے پھر کروٹ بدلی۔

''یاورعلی خان آپ تو اتنی بے دردی سے مجھے روند رہے ہیں۔ کہ حیرت سے میرے احساس پر برف جم رہی ہے۔ نجو۔ بہت مشکل ہے وعدہ ایفاء کرنا۔ کتنا بے حس انسان ہے۔ اس انکشاف کے بعد کہ میں سب حقیقت جان چکی ہوں۔ مجھے ڈنر میں لے جاتا ہے۔ کچھ گلٹی فیل نہیں کرتا۔ کیا صرف ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم بگاڑ پھیلانے والوں کو ریلیف دیں۔ کیوں۔ کس حساب میں؟''

وہ بے چین ہو کر اُٹھ بیٹھی۔ اور بستر سے نیچے اُتر آئی۔ اس کے قدم اسٹڈی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

اس نے دروازے پر آہستہ سے دباؤ ڈالا تو وہ کُھل گیا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت کا ایک جھٹکا سا لگا۔ یاورعلی خان صوفہ کم بیڈ پر دراز تھے۔ ٹیبل لیمپ کی ہلکی روشنی میں ان کی انگلیوں میں سُلگتا ہوا سگریٹ صاف نظر آ رہا تھا۔ ٹیبل پر نہ کوئی کتاب اوندھی تھی نہ کوئی فائل موجود تھی ہر شے اسی طرح اپنی جگہ ٹکی تھی جس طرح چھونے سے قبل ہوتی ہے۔

یعنی وہ اپنی ''جنگ'' اس مورچے میں لڑ رہے تھے۔ وہی اندرونی جنگ جس سے بڑی کوئی جنگ نہیں ہوتی۔ بغیر بارود کی جنگ' مگر سب سے ہولناک آتشزدگی اسی جنگ میں ہوتی ہے۔ سب کچھ خاکستر ہو جاتا ہے۔ حوصلہ' عزم۔ جوش' امید۔ سب کچھ۔

وہ ننگے پاؤں تھی اور پاؤں کے نیچے کارپٹ تھا۔ یاورعلی خان کو اس کی آمد کا پتا نہیں چل سکا کہ بیڈروم میں بھی اندھیرا تھا۔ روشنی ہوتی تو دروازہ کھلنے پر اندر آتی۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی ان کے قریب آئی۔

''اُٹھیے یاورعلی خان۔ کچھ حساب کتاب کی باتیں کرتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی بھی تھی اور وحشت و بے کلی بھی۔

یاورعلی خان کے عین سر پر کوئی دھماکا ہوا تھا۔ جانے خیال کے کس پاتال سے ان کو لوٹنا پڑا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنی گہری سُرخ آنکھوں سے ماہین کا چہرا پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جو ماہین شام کو تھی' وہ اب یکسر الٹ نظر آ رہی تھی۔ اجنبی۔ بالکل انجان وغیرہ۔

''کیا ہوا؟ طبیعت ٹھیک ہے ناں۔''

''نہیں' بہت خراب ہے۔ یقیناً اب آپ علاج کا مشورہ دیں گے۔ مگر یہ وہ خرابی نہیں جو میڈیسن کی محتاج ہو۔ کل آپ کتنے ہی مصروف ہوں۔ خواہ پرائم منسٹر سے اپائنٹمنٹ ہو' آپ کو ہر صورت میرے ساتھ وریا بستی جانا ہے۔ مجھے کچھ نہیں پتا۔ صرف آپ کی ''ہاں'' میں وہ تاثیر ہے کہ میں سو جاؤں گی اور آپ کو مزید ڈسٹرب نہیں کروں گی۔''

وہ بے بسی سے اشک پیتے ہوئے ہم کلام تھی۔

یاورعلی خان نے کچھ سوچتے ہوئے ایک گہرا کش لیا اور ماہین کا ہاتھ تھام کر زبردستی بٹھا دیا۔ ''ہوا کیا ہے۔ کچھ پتا تو

چلے؟''

''کچھ نہیں ہوا۔بس آپ کو میرے ساتھ کل ہر صورت چلنا ہے ورنہ میری شریان پھٹ جائے گی۔''اس کی آواز بھرا گئی۔

''آپ تو بہت خوش واپس آئی تھیں۔اور اتنا بہت کچھ جان کر بھی بہت ایزی تھیں۔پھر اچانک کیا ہوا ہے؟''ان کی تشویش بجا تھی۔

''آپ میرے ساتھ کل چل رہے ہیں یا نہیں؟''وہ اسی انداز میں مُصر تھی۔

''ٹھیک ہے چلتے ہیں۔کس وقت؟''انہوں نے جیسے کچھ سوچ لیا۔

''جب آپ کی مرضی۔مگر کل۔''

''ٹھیک ہے پھر صبح ہی چلتے ہیں ارلی مارننگ۔شام ساڑھے چھ بجے یہاں بہت اہم میٹنگ ہے۔پانچ ساڑھے پانچ بجے تک واپس آجائیں گے۔زیادہ ریزرکنے والی تو کوئی بات نہیں؟''وہ پوچھ بھی رہے تھے اور اُلجھ بھی رہے تھے۔

''نہیں' وہاں پہنچنے کے بعد تو صرف دس منٹ آپ مجھے دے دیجئے گا۔''ماہین کو قدرے قرار سا آیا۔

''او۔کے۔''یاورعلی خان صوفہ کم بیڈ سے نیچے اُتر آئے۔''چلیں آئیں آرام کریں۔''

انہوں نے ماہین کو بازو سے پکڑ کر اُٹھایا اور اپنے بازو کے گھیرے میں تھام لیا۔

وہ بغیر کسی مزاحمت کے ان کے ہمراہ بیڈ تک آئی اور سرہانے سے پانی اُٹھا کر ایک سانس میں پی گئی۔

....

راستے بھر تو کوئی بات نہیں ہوسکی۔عام سی بات چیت کے سوا کہ ڈرائیور ہمراہ تھا۔مگر ایک دوسرے کی اُلجھن انہوں نے سارے راستے محسوس کی تھی۔

حویلی میں بغیر اطلاع کی آمد نے عجیب چہل پہل کردی تھی۔یاورعلی خان کے تو معمولات میں شامل تھا کہ حویلی میں کسی بھی وقت ان کی آمد متوقع کی جاسکتی تھی۔مگر ماہین کو ابھی چند روز ہی ہوئے تھے خیال تھا کہ شفٹنگ کی وجہ سے۔اس مرتبہ دیر ہوسکتی ہے۔کچھ حویلی میں یوں بھی کھلبلی تھی کہ روشی اور باری کا معاملہ طے ہوئے یا نہ ہونے کی طرف بھی ہر وقت کا دھیان تھا۔سب نے یہی خیال کیا کہ کوئی بات ہوئی ہے اور وہ دونوں بابا صاحب کے پاس آئے ہیں۔دیر تک خواتین کچھ جاننے کے شوق میں اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں مگر جب اس نے روشی سے متعلق کوئی بات کی نہ ذکر کیا تو اُلجھ کر اپنے اپنے کاموں میں معروف ہوگئیں۔

دوپہر کے بارہ بج رہے تھے۔لنچ میں پورا ایک گھنٹہ باقی تھا۔وہ ہال سے اُٹھ کر اپنے بیڈروم میں چلی آئی۔

''کہاں ہیں آپ؟''بابا صاحب سے بھی ملنے نہیں گیا کہ پہلے یہ تو پتا چلے کہ آپ مجھے یہاں کیوں لائی ہیں؟''

''بھابی بیگم' بی بی جان وغیرہ باتیں کر رہی تھیں۔مجھے تو ورنہ آپ سے زیادہ بے چینی اور جلدی ہے چلیے۔آیئے میر ساتھ۔''

''کہاں۔بابا صاحب کے پاس؟''یاورعلی خان نے اخبارات اُٹھا کر ٹیبل پر جماتے ہوئے اس کی صورت دیکھی۔

''آپ آیئے تو سہی۔''وہ کچھ جھنجلا گئی۔یاورعلی خان اس کے ہمراہ کمرے سے باہر آگئے۔وہ انہیں لے کر طویل راہداری میں چل پڑی۔

احاطے میں قدم رکھتے ہی یاورعلی خان نے اس کا بازو تھام کر ٹھہرالیا۔

''کیوں لے جارہی ہیں مجھے اس کے پاس۔مجھے اس کی صورت سے نفرت ہے۔نہ کرتی وہ مجھے باخبر۔بے خبری کے ساتھ زندگی کا احساس تو تھا۔میری سب سے بڑی دُشمن صرف یہ ہے۔''

''یہ تو آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔حقیقتاً وہی آپ کی سب سے بڑی دشمن ہے اور اس کے بعد اپنے دشمن آپ خود ہیں۔اس کے علاوہ آپ کا تیسرا دشمن اس روئے زمین پر شاید ہی ہو۔

میں کسی وجہ سے آپ کو وہاں لے جارہی ہوں۔آپ کو چلنا ہوگا۔''اس کے انداز میں ضد کی انتہا تھی۔

یاورعلی خان نے سوچتے ہوئے اس کی جانب دیکھا پھر گہری سانس لے کر ساتھ چل پڑے۔پُراسرار سے کمروں کی قطار شروع ہوئی تو ایک کمرے سے جھومر نکل آئی۔

یاورعلی خان کو دیکھ کر وہ دم بخود سی کھڑی رہ گئی پھر جلدی سے سر پر آنچل ڈال کر سلام کیا۔اور ماہین کی سمت سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''جھومر! اس کے کمرے کی چابی کس کے پاس ہے؟''

''کمرا تو کھلا ہوا ہے چھوٹی دُلہن! وہ بہت بیمار ہے' ٹانگیں ماری گئی ہیں بے چاری کی۔چل [illegible] نہیں سکتی۔''

جھومر نے یاورعلی خان کی موجودگی کے سبب بہت محتاط لہجے میں جواب دیا۔ماہین نے یاورعلی خان کا بازو یوں تھام رکھا تھا جیسے خدشہ ہو کہ وہ موقع پاتے ہی کہیں نکل جائیں گے۔

دو کمرے کراس کر کے وہ اس کی کوٹھڑی کے سامنے آئے۔جھومر اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑی دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

یاورعلی خان کے چہرے سے ظاہر تھا کہ بہت مجبوری میں وہ یہاں تک آئے ہیں۔اگر ماہین کے رویے نے ان کے ذہن میں سوالات پیدا نہ کیے ہوتے تو شاید وہ کسی قیمت پر یہاں نہ آتے۔

ماہین نے اندر قدم رکھا۔اب اس نے یاورعلی خان کا بازو چھوڑ کر ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔یہ ایک نفسیاتی کیفیت تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس وقت اس کی سب سے بڑی خواہش یاورعلی خان کی موجودگی ہے۔

ماہین سے زیادہ یاورعلی خان اسے دیکھ کر شاکڈ ہوئے تھے۔بان کی چارپائی پر ہڈیوں کا پنجر پڑا ہوا تھا۔رنگ بھی اُڑ چکے تھے اور خوشبوئیں بھی۔

مطربہ کی اعصابی قوت اس حد تک جواب دے گئی تھی کہ وہ حیرت و جوش جیسے جذبوں کا اظہار کرنے کے قابل بھی نہیں رہی تھی۔اس نے پیشانی تک ہاتھ لے جا کر سلام کیا۔

"کیا تم بات کر سکتی ہو مطربہ؟" سلام کے جواب میں ماہین نے عجلت بھرے انداز میں سوال کیا۔

"بات کریں گی آپ؟" وہ سوال ماہین سے کر رہی تھی اور نظریں یاور علی خان پر تھیں۔ آواز بے حد کمزور و نحیف تھی۔ لڑکھڑاتی ہوئی۔

"بس اتنا کہو کہ تم نے میری معصوم بہن کو برباد کیا ہے۔ تیمور علی خان کا غصہ میری بہن پر اُتار رہا ہے۔ تم شیطانیہ ہو۔ جس کے قلب میں تھوڑی سی سختی پاتی ہو۔ اُسی کو بہکاتی ہو۔"

ماہین کی آواز رندھ گئی۔ اس نے یاور علی خان کو بھی ساتھ لپیٹ دیا تھا۔

"ان کا خیال ہے کہ بابا صاحب کے کہنے پر یا تشدد کروانے پر تم ایسا کہہ بیٹھی ہو۔ ان کا خیال ہے میری بہن اصل میں مجرم ہے۔ ان کے ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ سی آئی اے سینٹر میں "ہاتھی" سے بھی کہلوا لیتے ہیں کہ میں "شیر" ہوں۔"

زمانے بھر کی تلخی ماہین کے لہجے میں اُتر آئی تھی۔

مطربہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر یاور علی خان کی طرف دیکھا۔

"یاور خاناں!" اس کی نحیف آواز پر آنسو غالب آ گئے۔ "مم۔ میں گنہگار ہوں۔ دل خالی تھا مگر عزت تھی حویلی میں۔ مگر۔ میں نے ناشکری کی۔ ناقدری کی۔" وہ تھک کر یکلخت خاموش ہو گئی۔ ہاتھ ہنوز جُڑے ہوئے تھے۔ آنکھیں بند تھیں۔ گوشوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"تیمور خاناں سے کہیے گا۔ ہماری طرح انہیں کوئی نہیں چاہے گا۔ کتنی آگ تھی میرے عشق میں کہ ہر طرف آگ لگ گئی۔ جو سامنے آیا جل گیا۔"

وہ پھر خاموش ہو گئی۔ اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

"چھوٹی بی بی جان کو ایک غزل سنائی تھی۔

ع

شعلہ سا جل بُجھا ہوں ہوائیں مجھے نہ دو۔

انہوں نے اپنا بہت خوبصورت سُوٹ انعام میں دیا تھا۔ اور اب تو واقعی جل بجھی۔ خواب کی طرح کبھی کبھی شعر بھی بہت سچے ہوتے ہیں۔ تیمور خاناں سے کہیے گا۔"

یاور علی خان اس کی بات سنے بغیر یکلخت کوٹھری سے باہر نکل گئے۔ لامحالہ ماہین بھی ان کے پیچھے لپکی۔

راہ میں پھر جھومر کھڑی تھی۔

"اگر میں اسے تین ٹائم دوا نہ کھلاتی تو یہ آج آپ کو زمین کے اوپر نہ ملتی۔" جھومر نے اپنی کارکردگی کا ذکر کرنا ضروری سمجھا۔

"میں تمہاری شکرگزار ہوں جھومر! میں تمہیں حویلی کے پچھواڑے سے نکال کر اپنے گھر لے جاؤں گی۔ آئندہ یہاں کسی انسان کو نہیں رکھا جائے گا۔"

"اب مجھے کہیں نہیں جانا۔ پھر پائی حویلیوں' محلول ہے۔ دل تو آباد نہیں ہو سکا۔ بوڑھی نانی کی خدمت کر کے ہی کچھ

سکون ملے گا۔

ہم عورتیں واقعی بہت جذباتی ہوتی ہیں۔ جاگتے میں خواب دیکھتی ہیں اور جب قدرت کی طرف سے چار چوٹ کی پڑتی ہے تو سب دل ول دھرے رہ جاتے ہیں۔ دُنیا کی حسین ترین عورت تو وہ ہے جسے مرد کا اعتبار و پیار ملتا ہے۔ بچے ملتے ہیں۔ چار دیواری ملتی ہے۔ سارے ملنے والے اس کے آگے پیچھے پھرتے ہیں۔ محلّے میں سوگ ہو یا خوشی جائے تو لوگ اس کے لیے جگہ بنانے کو بھاگے پھریں۔ بس عورت تو وہی حسین و پری چہرا ہوتی ہے۔ ماں کہتی تھی کہ بیٹی سے ڈر نہیں لگتا' اس کے نصیب سے ڈر لگتا ہے۔ ٹھیک ہی تو کہتی تھی۔"

جھومر پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

یاور علی خان جا چکے تھے۔ ماہین نے قدم بڑھانے سے قبل جھومر کی طرف دیکھا۔

"تم بہت سمجھدار ہو جھومر۔ تم نے بروقت سوچا اور اچھا سوچا۔ بہت اچھے امکان کا دروازہ تمہارے لیے ہمیشہ کھلا رہے گا۔ اچھا خدا حافظ پھر بات ہو گی تم سے۔"

وہ یاور علی خان کی طرف سے فکرمند تھی اس لیے تیزی سے سیدھی اپنے بیڈروم میں آئی تھی۔

یاور علی خان وہاں نہیں تھے۔ وہ گھبرا کر باہر آئی' کلّو سے پوچھا۔

اس نے بتایا' لنچ کے لیے مردانے میں جا چکے ہیں اور بڑی بیگم آپ کو بھی بلا رہی ہیں۔

ماہین نے ایک گہرا سکون کا سانس لیا تھا۔

....

یاور علی خان بالکل خاموش تھے۔ مطربہ سمیت کسی موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی۔ یوں لگتا تھا وہ کچھ بولنا نہیں چاہتے۔ ڈھائی بجے انہوں نے ماہین سے صرف اتنا کہا تھا کہ اب چلنا چاہیے۔ روشی کے سلسلے میں وہ بابا صاحب سے سب باتیں کہہ سُن چکے ہیں۔ بابا صاحب کو ان کی کسی شرط پر اعتراض نہیں ہے۔ مگر لگتا ہے وہ بہت افسردہ ہیں۔

ماہین کے پاس ان کی کسی بات کا جواب نہیں تھا۔ اس لیے کہ وہ فیصلہ کن حالت میں تھے۔ پونے چھ بجے وہ اسلام آباد پہنچ گئے تھے اور آتے ہی یاور علی خان تیار ہو کر میٹنگ میں چلے گئے تھے۔ باری بھی نظر نہیں آیا۔ روشی کو کچن میں مصروف دیکھ کر وہ آرام کرنے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ اسے یاور علی خان کی واپسی کا انتظار تھا۔

احساسات یوں ہو رہے تھے' گویا کوئی بہت بڑا مسئلہ منطقی حل کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اس نے کپڑے نکال کر شاور لینے کا ارادہ کیا کہ پھر دیر تک سونے کا ارادہ تھا۔ رات بھر بھی سو نہیں پائی تھی۔ اور سارا دن سفر میں کٹ گیا تھا۔

شاور لینے کے بعد باہر آئی تو مغرب کی اذانیں ہو چکی تھیں۔ اس نے پہلے عصر کی قضاء اور پھر مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر پڑ کر سو رہی۔ جانے کیا وقت تھا جب تیز روشنی کے سبب آنکھ مکمل کھل گئی تھی۔ گہری نیند سے اچانک بیداری پھر تیز روشنی چند لمحوں تک تو کچھ سمجھ ہی نہ پائی۔

کچھ دیر بعد منظر واضح ہوا تو سامنے یاور علی خان کو پایا' وہ کوٹ اُتار رہے تھے۔

''کھانا کھالیا؟'' وہ ماہین سے پوچھ رہے تھے۔

''نہیں۔آپ نے کھالیا؟''

''ہوں۔'' بہت مختصر جواب آیا۔

''تو پھر کھالیں۔شاید روشی بھی آپ کا انتظار کر رہی ہو۔''

''ہوں کھالوں گی۔'' اس نے وال کلاک کی سمت دیکھا۔رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

''میرا خیال ہے' بہت تھک گئی ہیں۔ویسے آپ نے بہت زحمت کی۔جب انسان کبھی کسی واقعے پر بہت سوچتا ہے تو حقائق روشن ہو ہی جاتے ہیں۔یہ اور بات ہے۔بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔نہ تاوان ادا ہو سکتے ہیں نہ کفارے۔''

وہ کوٹ اور ٹائی صوفے پر ڈالتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''یعنی آپ کا مطلب ہے کہ آپ آل ریڈی سب کچھ جان چکے تھے۔جب ہی تو میں حیران ہو رہی تھی کہ آپ نہ چونکے نہ پزل ہوئے۔لیکن جب حقائق روشن ہو چکے تھے۔تو مجھے انتقام کی بھینٹ چڑھانے اور استعمال کرنے کی کیا لوجک تھی؟'' وہ ایک دم تلخ ہو گئی۔

یاور علی خان بُری طرح چونک گئے۔''انتقام؟ کیا مطلب ہے آپ کا؟''

''یہی کہ آپ نے میری بہن کو ذہنی ٹارچر پہنچانے کے لیے مجھ سے شادی کی۔''

''ایبسولوٹلی نان سنس۔'' وہ شرٹ کے بٹن کھولتے کھولتے ایک دم ٹھٹک گئے۔

''تو پھر آپ کو ایک اور قربانی دینا چاہیے تھی۔سنگِ میل کی طرح مجھ سے صرف نظر کر کے گزر جانا چاہیے تھا۔کیوں ٹھہرے۔رُکے پھر کیوں۔کیا آپ کو احساس نہیں تھا کہ میری آپ سے شادی اُدھر کتنی بڑی شاکنگ نیوز ہوگی؟ وہ کتنی بڑی ذہنی اذیت میں مبتلا ہو جائیں گی؟'' ماہین جیسے پھٹ پڑی۔

''آپ یہ سب سوچنے میں حق بجانب ہیں۔لیکن آپ سے شادی کی ریزن یہ نہیں ہے۔تشنگی کے جس موڑ پر مجھے تنہا کیا گیا تھا۔اس موڑ پر صرف آپ کھڑی ہوئی ملیں۔شاید خواہش خواہش ہی رہتی مگر آپ کی توجہ سے توجہ ہٹ جانا کوئی آسان بات نہیں تھی میرے لیے۔

فائلوں' کتابوں میں مستقل پناہ نہیں ملتی۔چھاؤں کی طلب پر تو ان کا سب سے زیادہ حق ہوتا ہے جو دھوپ میں بہت چلے ہوں۔

آپ مجھے ڈس اپائنٹ کر سکتی تھیں۔میں آپ کو بلیم نہیں کر رہا ہوں۔چاہے جانے کی خواہش ہر ذی نفس میں موجود ہوتی ہے۔ایک خوبصورت' اسمارٹ' ویل ایجوکیٹڈ لڑکی ہر معقول انسان کو انسپائر کر سکتی ہے۔اور عالم دیوانگی میں تو ایسی لڑکی بہت اٹریکٹ کرتی ہے جبکہ وہ ڈس اپائنٹ بھی نہ کر رہی ہو۔پھر کوئی مصلحت اتنا دم نہیں رکھتی کہ دیوانگی کے اس مقام پر مزاحمت کر سکے۔البتہ نکاح کے بعد بہت سوچا تھا کہ کچھ ٹھیک نہیں ہوا۔

انتہا میں نے نہیں کی تھی۔انتہا آگے والوں نے کی تھی۔حویلی کے بے ڈھب اصولوں نے کی تھی۔تیمور کو اپنی بات منوانے میں کبھی دشواری نہیں ہوئی۔اسے یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''سب نے جو کیا وہ غلط کیا۔سب پر اس کلیش کی کچھ نہ کچھ ذمہ داری ضرور پڑتی ہے۔سوائے آپ کے۔کیا مذاق ہے یہ؟'' ماہین جو زیر اثر آ رہی تھی پھر ہتھے سے اُکھڑ گئی۔

یاور علی خان نے شرٹ اُتار کر صوفے پر ڈال دی۔ماہین نے نظریں موڑ لیں۔

''جس کے ذہن میں جو آئے وہ کہہ سکتا ہے اس کا رائٹ بنتا ہے۔مگر اب حاصل کیا ہے؟ اب مجھے آپ کا سوچنا ہے۔روشی اور جواد کا سوچنا ہے۔آپ کے پاس کیا ہونا چاہیے' اب زیر غور صرف یہ بات ہے۔اور بس۔آپ کے لیے آپ کی ذاتی ریزیڈنسی ہونا چاہیے۔آپ کا اپنا ایک بچہ ہونا چاہیے۔آپ کے مستقل قسم کے کمفرٹس کا بندوبست ہونا چاہیے۔روشی اور جواد تو جاگیر میں غیر متنازعہ حصے دار ہیں۔ان کے بینی فٹس تو دُور تک سیکیور ہیں۔''

ماہین نے ان کی طرف حیرت وصدمے سے دیکھا۔

''یاور صاحب! کوئی موت کی دہلیز پر آ پہنچا ہے۔ایک مرتبہ تو اعتراف جُرم ان تک پہنچا دیجئے۔''

''کتنا بہتر ہوا گر ایک وقت میں صرف ایک فرد کا دماغ ماؤف ہو۔کیا آپ کی تسلی کے لئے یہ بات کافی نہیں کہ احساس جرم آپ تک تو پہنچا۔دوسری طرف اس کے معنی اپنی اہمیت کھو چکے ہیں۔اب آپ مجھے کسی فعل کے لیے مجبور نہیں کریں گی۔''

وہ بہت نڈھال اور شکستہ آواز میں کہتے ہوئے وارڈ روب سے شب خوابی کا ڈریس نکال رہے تھے۔

''فی الحال سمجھوتے کی راہ تو چلیں۔کیا معلوم کسی موڑ پر محبت دوبارہ آ کھڑی ہو۔''

''جب حقائق روشن ہو گئے تھے۔تیمور علی خان سے اس قدر نفرت کیا معنی؟ کہ ان کے دوست کا بیٹا بھی آپ کی ناپسندیدگی کی زد پر آ گیا۔''

ڈریسنگ کی سمت بڑھتے قدم رُک گئے۔یاور علی خان نے پلٹ کر اس کی سمت دیکھا۔

''یہ نفرت نہیں ہے اعلیٰ درجے کی ذلت آمیز بے بسی ہے۔اس ڈس ٹینس میں بہت ریلیف ہے۔میں نے کمال کیا تھا۔اس نے حد کر دی۔اپنے دُکھ کی انتہا کبھی کسی کو نہیں بتائی اور نہ بتانے کا ارادہ ہے۔پلیز اسٹاپ دس ٹاپک فار ایور۔''

''سب سے اہم ذمہ داری تو بابا صاحب پر عائد ہوتی ہے۔'' ماہین کہے بنا رہ نہ سکی۔

یاور علی خان نے اپنی بات کے پکے ہونے کا ثبوت دیا اور خاموشی سے ڈریسنگ میں چلے گئے۔

واپس آئے تو ماہین بے آواز اشک بہا رہی تھی۔

''آپ کو قریب پاتی ہوں تو وحشت ہونے لگتی ہے۔وہ مر رہی ہیں۔''

''جب قضائے الٰہی سے کسی کا پیارا بچھڑتا ہے تو لوگ اللہ پر اظہار ناراضگی کر بیٹھتے ہیں...... آپ حق بجانب ہیں۔تب ہی تو کہہ رہا ہوں کہ بات اسی بیڈ روم میں ختم کر دیں۔''احساس جُرم'' کا ان تک نہ پہنچنا بہتر ہے۔ممکن ہے زندگی کی ضمانت بن جائے۔ورنہ دوسری صورت میں واقعی کچھ ہو جائے گا۔جایئے آپ کھانا کھایئے۔''

''اتنی برداشت' اتنی میچورٹی۔ کاش بہت پہلے ہوتی۔ مگر عظیم دُکھ ہی تو عظیم دانائی عطا کرتے ہیں۔ اگر یوں نہ ہوتو کہیں بھی کوئی بگاڑ نہ ہو' انتشار نہ ہو۔''

اس نے دوپٹے سے آنکھیں صاف کیں اور سلیپر پاؤں میں ڈال کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

یاور علی خان آئینے کے سامنے کھڑے بالوں میں برش چلا رہے تھے۔

''کیسا مذاق بن گئی ہے۔ میری زندگی۔'' وہ یہ کہہ کر باہر نکل آئی۔

....

غلام محمد کا انتظار کرتے کرتے عورت کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ سب بچے ادھر اُدھر پڑے سو رہے تھے۔ دور برآمدے میں بالو دوپٹا چہرے پر ڈالے جانے سو رہی تھی کہ جاگ رہی تھی۔

بارہ بجے سے کچھ پہلے غلام محمد گھر میں داخل ہوا۔

بالو کی ماں بڑی سُرعت سے اُٹھی۔

''اتنی دیر لگا دی۔ کہاں رہ گئے تھے۔ ایک تو حالات ایسے ہیں کہ ہول ہول کر آدھی ہوگئی۔ مل گیا تھا عارف۔ بات ہوئی اس کی لال خان سے؟''۔

غلام محمد نے کاندھے سے چار خانے والا رومال پلنگ پر ڈال کر ہاتھ اُٹھایا جیسے کہہ رہا ہو صبر تو کر' دم تو لینے دے۔

''ایک گلاس پانی پلا دے۔'' وہ پلنگ پر بیٹھ گیا۔

بالو کی ماں بڑی پُھرتی سے پانی لائی۔ اس کی ایک ایک حرکت سے اضطراب و بے چینی واضح تھی۔

غلام محمد نے پانی پی کر گلاس اسے واپس تھمایا۔ اور دونوں ہاتھ پلنگ کی پٹی پر جما کر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ جیسے کسی گہری سوچ میں ہو۔

''اب بتا بھی دو' عارف ملا یا نہیں؟'' وہ اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔

''ملا تھا۔'' غلام محمد اتنا کہہ کر خاموش ہوگیا۔

''یا اللہ۔ پورا کیوں نہیں بول رہے؟ جواب کیا ملا؟'' بالو کی ماں کا ضبط جواب دے گیا۔

''وہ نہ بسانے کا اب اسے۔ کہتا ہے عورت اعتبار کی ہوتی ہے۔ اسے واپس لا کر اپنی عمر بھر کی نیندیں گنوا دوں۔ جیسے ہر وقت چوری کا دھڑکا لگا رہے' جیسے بے دروازوں کا گھر ہو اور لٹنے کا خطرہ کسی پل سونے نہ دے۔ مان لے بالو کی ماں۔ ہمارے نصیب اچھے نہیں۔ ایک ذرا دیر کو بھولی بھٹکی روشنی اس گھر میں آئی تھی بس۔''

غلام محمد ایک دم یوں خاموش ہوگیا جیسے اپنے دُکھ پر نوحہ خوانی کرنے لگا ہو۔

بالو کی ماں سناٹے میں رہ گئی تھی۔ اسے ایک گمان سا تھا کہ کسی نہ کسی طرح عارف' لال خان کو آمادہ کر ہی لے گا۔

''عارف کہہ رہا تھا لال خان نے بچے کی ذمے داری قبول کر لی ہے۔ مہینے کے مہینے اس کا خرچہ بھیج دیا کرے گا۔ وہ یہ بھی کہہ رہا تھا۔ اگر بالو کی دوسری شادی ہوگئی تو وہ اپنے بچے کو آ کر لے جائے گا۔ اسے بھی اپنے ساتھ باہر لے جائے گا۔''

عارف خود کر لے اس سے نکاح۔''

بالو کی ماں گم صم کیفیت سے فوراً باہر آ گئی۔ ''دوسری شادی؟'' تو تم کہو ناں ...

دور بالو کے ساکت وجود میں تھوڑی سی حرکت ہوئی۔

ہی سنا

''دماغ خراب ہے تیرا۔ ایسا ہمدرد بھی نہیں کہ عمر بھر کی ذلت کا سودا کر لے' تاکہ لال خان کہے کہ ہاں دوست

(صحیح) نہیں ہے۔ پرلے درجے کی بے وقوف عورت۔'' غلام محمد کے کمزور اعصاب چیخ چیخ گئے۔ ''بیٹی کے برابر سونا بھی تول کر دے گی تو بھی نہیں کرنے کا وہ۔ وہ اور قسم کا مرد ہے۔ کوئی نہیں سمجھ سکتا اسے۔ اگلی چار دن میں پھوٹ لی تھی اس کے گھر سے

(غلام محمد نے عارف کی بیوی کی بابت اشارا دیا۔) اسے نہیں چاہیے گھر والی۔''

بالو کی ماں دکھ سے چور کافی دیر تک ایک ہی زاویے سے بیٹھی رہی۔

''کیسی عزت آئی تھی اس گھر میں۔ کیسی پاس کی بات لگتی ہے۔ جیسے پلک لگی ہو پھر آنکھ کھل گئی ہو۔ گھڑی دو گھڑی کی بات لگتی ہے۔ آہ۔''

اُس نے سرد آہ بھی کھینچی اور ہاتھ بھی ملے۔ دونوں کے درمیان ایک گہری خاموشی چھا گئی۔

''ہزار دو ہزار تو بھیجا ہی کرے گا مہینے کے مہینے۔''

ہار مان کر بالو کی ماں نے جیسے خود کو دوسری سمت سے بہلانے کی کوشش کی۔

غلام محمد نے کوئی جواب دیا۔ وہ عظیم فلسفی کی طرح اپنی قسمت پر بہت توجہ سے غور کر رہا تھا۔

....

روشی مایوں بیٹھ چکی تھی۔ دریا بستی سے تمام خواتین و لڑکیاں آئی تھیں۔ کراچی سے روشن آرا بھی آ گئی تھیں۔ سب اپنی اپنی حیرت چھپائے خوشی میں حصہ دار تھے۔ بابا صاحب کے بارے میں پتا چلا تھا وہ صرف بارات ڈنر میں شریک ہوں گے۔

حویلی میں صرف شینو تھیں' وہ کیوں نہیں آئیں۔ کسی کے پاس جواب نہیں تھا۔

باری تو صبح ہوتے ہی جانے کدھر غائب ہو جاتا تھا۔ لڑکیوں کے ہاتھ میں ہی نہیں لگ رہا تھا۔ رات میں جانے کب آتا تھا۔ سب سے بڑھ کر تو تزمین اس کے کان کھینچنے کے لیے بے تاب تھیں۔ صرف پہلے روز اس کی جھلک سی دیکھنے کو ملی تھی۔

سب نے مل کر روشی کے تو تقریباً چھکے چُھڑا رکھے تھے۔

''اس مسٹری چیمپئن سے پوچھو وہ کہاں اور کب پایا جاتا ہے۔'' زری نے روشی کی طرف سب کو لگا دیا۔ اسے قسمیں کھانا پڑ گئیں کہ اسے نہیں پتا۔

ماہین نے بھی لاعلمی کا مظاہرہ کیا اور ساتھ ہی اندازے سے یہ بھی کہہ دیا کہ ''ممکن ہے خیر آباد چلا جاتا ہو۔ وہاں موسم کے پھل اتارے جا رہے ہیں۔''

''ہو سکتا ہے اُسے شرم دیر سے آئی ہو۔ شکر ہے ہنستا مسکراتا بروقت ہے۔''

''دیکھو روشی! یہ کیا کہہ رہی ہے اُسے۔''

روبی نے تانیہ کی شکایت کی۔ روشی کو تو فرصت ہی نہیں تھی۔ اس کے سامنے رنگوں کی سرزمین تھی۔ روشی کے سائے تھے۔ مایوں بظاہر بیٹھی تھی مگر ہڈی کو چین نہیں تھا۔ تزئین کے پُرزور اصرار کے باوجود اس نے ابٹن نہیں لگوایا تھا۔ یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا۔

''بی بی جان! اس میں عجیب سی اسمیل آتی ہے۔ میں ماسک لگا لوں گی۔ بالکل ''اسمیل فری'' ہے۔''

''بتاؤ۔ خالص چنبیلی کے تیل میں اسے عجیب ہی اسمیل آتی ہے۔ بچوں میں سے سچ مچ اسمیل آئے گی تو اُٹھا کر پھینک دے گی۔'' وہ بہت بے مزا ہو گئی تھیں۔

اتنے ہنگامے میں ماہین کے اُلجھے اُلجھے انداز کسی نے نوٹ نہیں کیے۔ ان چار پانچ دنوں میں اس نے دو مرتبہ سرائے فون کر کے نازنین کی خیریت دریافت کی تھی اور گھر میں برپا ہونے والے خوشگوار ہنگامے کی بھنک بھی نہیں دی تھی۔ کہ زخموں کے ٹانکے نئے سرے سے ادھڑنے لگیں گے۔

پرسوں روشی کی رخصتی تھی اور آج رات گیارہ بجے نازنین نیویارک جا رہی تھی۔ لڑکیاں کھانے کے بعد پھر ڈھولک بجانے بیٹھ گئی تھیں۔ وہ بڑی بے سکون اور بے کل بے کل سی اوپر ٹیرس میں آ کھڑی ہوئی۔ اور روڈ پر رواں ٹریفک پر خالی خالی نظریں دوڑانے لگی۔

''واہ بجو! آپ کی بیٹی کے پاس میں ہوں' میری خوشبو ہے۔ آپ ہیں تو اس کے قریب۔'' اس کی آنکھیں دُھندلانے لگی تھیں۔

جانے کب تک وہ بے خبری کی کیفیت میں کھڑی رہی تھی۔ یونہی خود بخود محسوس ہوا تھا کہ جیسے اس کے علاوہ بھی وہاں دوسرا کوئی موجود ہے۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ یاور علی خان کھڑے کش لگا رہے تھے۔

اسے متوجہ پا کر انہوں نے سگریٹ منہ سے نکال لیا۔

''آیئے۔ میرے ساتھ۔'' وہ پلٹ گئے۔ اور ماہین کسی معمول کی طرح ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

وہ نیچے آ کر پورچ کی سمت بڑھ رہے تھے۔ اگلا دروازہ کھول کر ماہین کو اشارے سے بیٹھنے کے لیے کہا۔ خود دوسری طرف سے گھوم کر آئے اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

ماہین نے ان سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔

چوکیدار نے گیٹ وا کیا اور یاور علی خان تیزی سے گاڑی نکال لے گئے۔

صرف دس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ اسلام آباد ایئرپورٹ پر موجود تھے۔ دس منٹوں میں بھی ان کے درمیان خاموشی حائل تھی۔ مگر ایئرپورٹ پر نظر پڑتے ہی اس نے بے تحاشا چونک کر یاور علی خان کی سمت دیکھا تھا۔ جواب میں انہوں نے ایک کارڈ اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

''اگر سیکورٹی کی وجہ سے کوئی پرابلم ہو تو یہ کارڈ دکھا دیجئے گا۔ آپ جایئے' میں ویٹ کر رہا ہوں۔''

''آ۔ آپ۔ کو کیسے معلوم ہوا؟ کہ......؟'' وہ اٹکنے لگی۔

''آپ جایئے پھر آپ کے پاس وقت نہیں رہے گا۔'' یہ سنتے ہی ماہین بہت عجلت میں اندر کی سمت بڑھی۔ مسافر لاؤنج میں پہنچ چکے تھے۔ اس نے ریسپشن سے رجوع کیا۔ اور کارڈ دکھایا۔ اسے تسلی دی گئی کہ ابھی اناؤنسمنٹ کراتے ہیں۔ مسز نازنین تیمور علی خان ادھر آ کر آپ سے مل لیں گی۔''

ماہین ریلنگ سے ٹیک لگا کر بے چینی سے انتظار کرنے لگی۔

تقریباً تین چار منٹ بعد نازنین اور تیمور علی خان باہر آتے دکھائی دیئے۔ شیشے کا دروازہ وا ہونے سے قبل ہی اس نے نازنین کا جائزہ لے لیا تھا۔ کاہی سبز سوٹ میں ملبوس جس پر تیز زرد رنگ کے ریشم سے کام بنا ہوا تھا۔ پہنے ہوئے تھے۔ تیز زرد رنگ کا دوپٹا سینے اور بازوؤں پر پھیلا ہوا تھا۔ جس پر کاسنی سبز رنگ کی ریشمی بیل لگی ہوئی تھی۔ کمال کی جامہ زیب دکھائی دے رہی تھی۔ بال سادہ چوٹی کی شکل میں بنے ہوئے تھے۔ تیز سُرخ لپ اسٹک نے چہرے کو مزید نمایاں اور روشن کر دیا تھا۔ دائیں ہاتھ میں سبز اور زرد رنگ کی بہت کم چوڑیاں تھیں اور بائیں کلائی پر چمکتے ڈائل گولڈن ریسٹ واچ تھی۔ خطرناک بیماری کا عکس کسی طور کہیں سے نمایاں نہیں تھا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم رکھتی باہر آئی تھی۔ سامنے ماہین کو دیکھ کر خوشی اس کی آنکھوں میں جھلملائی تھی وہ بڑی وارفتگی سے اس کی سمت بڑھی۔ اور اسے گلے سے لگا لیا۔

''مائی گاڈ۔ یہ تو بالکل غیر متوقع ہے' میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ بالکل۔ بہت اچھا کیا۔ کوئی تو اپنا وقت رخصت سامنے ہو کہ آخری تصویر آنکھوں میں بسی رہے۔''

''خدا نہ کرے بجو! اللہ کرے آپ صحت کی خوشخبری بہت جلد سنیں۔'' ماہین نے تڑپ کر اسے زور سے بھینچ لیا۔ ''کتنی ... مل رہی ہیں۔ سب آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ خدا کرے یہ تابندگی میں تمام عمر دیکھوں۔ آمین۔''

''کیا کروں گی صحت پا کر۔'' وہ افسردہ سے انداز میں مسکرائی۔

''بہت سے لوگ اب بھی آپ کی ضرورت بہت شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔ یہ کفران ہے۔'' وہ سمجھانے لگی۔

''ڈرائیور کے ساتھ آئی ہو؟ روشی اور جواد کیسے ہیں؟''

''جواد بھی آج آ رہا ہے اسلام آباد۔ روشی ٹھیک ہے۔'' اس نے جلدی سے جواب دیا۔

''اچھا اپنے کسی کام سے آ رہا ہے یا ویسے ہی تم لوگوں کے ساتھ ویک اینڈ گزارنے؟'' نازنین کے لہجے سے زندگی جھلکنے لگی۔ ''میں نے سنا ہے۔ میرا بیٹا بہت گریس فل اور ذہین ہے۔ ماشاء اللہ۔ تم کیا آ گئی ہو ان لوگوں کے پاس۔ میری جان کو سکون مل گیا ہے۔ ان کی زندگی میں بہت سے موڑ آئیں گے۔ اچھے فیصلوں میں ان کی ہیلپ کرنا۔ آئی ول تھینک فل ٹو یو۔''

اس نے ایک مرتبہ پھر گرم جوشی سے ماہین کو گلے سے لگایا۔ کافی دیر دونوں سے خاموشی سے ایک دوسرے کو محسوس کیا۔ پھر بچھڑنے کا لمحہ آن پہنچا۔ نازنین بہت دُکھ سے اس پر ایک نگاہ ڈال کر واپس ہوئی تھی۔ وہ اندر داخل ہوئی تو ماہین کی نظر

تیمور علی خان پر پڑی۔ غالباً وہ نازنین کو بلانے کی غرض سے وہاں تک آئے تھے۔ شیشے کے پیچھے کھڑے ہوئے تیمور علی خان نازنین کے ساتھ بہت ہم آہنگ نظر آرہے تھے۔

''آپ تو انہی کی ہیں بخو جن کے ساتھ اجنبی بن کر بیس سال گزارے ہیں۔''

تیمور علی خان نے الوداعی انداز میں الٹے ہاتھ کی انگلیوں کو حرکت دی اور نازنین کے ساتھ اندر غائب ہو گئے۔

ماہین جانے کس خیال میں گم ریلنگ تھامے کھڑی رہ گئی۔ کسی بچے کے رونے کی آواز سن کر گویا ہوش میں آئی تھی۔ اور بہت عجلت بھرے انداز میں پارکنگ لاٹ کی طرف آئی تھی۔

یاور علی خان اپنی طرف کا دروازہ کھولے۔ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ماہین نے کوئی بات کیے بغیر کارڈان کی سمت بڑھا دیا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

انہوں نے فوراً ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

ماہین نے مدھم روشنی میں ایک نگاہ ان کے چہرے پر کی۔ آنکھیں نیم وا۔ ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے۔ جانے کیوں کوئی عام سی بات کرنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی۔ اس نے سیٹ کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

....

ڈنر کا انتظام بہت محدود پیمانے پر تھا۔ جتنے افراد حویلی کے تھے' اتنے ہی باہر کے تھے۔ باری تو صبح ہی سے گرفتار ہو چکا تھا۔ جی بھر کے کان کھینچے گئے تھے۔

مختلف زاویوں سے انٹرویو لیا گیا تھا۔ بال کی کھال نکالی گئی تھی۔ وہ تو عالم تاب کی بروقت۔ مداخلت نے اس کی جان چھڑائی تھی۔

ڈھولک پر ''مسٹر فراڈیے'' باقاعدہ اسے سامنے بٹھا کر گایا گیا۔

واہ بھئی اہ تو کتنا سیٹ اے۔ مسٹر فراڈیے۔

یہ گردان جاری تھی کہ عالم تاب آگئی تھیں۔ اور یوں اس کی جان چھوٹی تھی۔

''کاکا جان کے بعد یہ دوسری ''محبت زندہ باد ہے۔'' روبی نے اہم نکتے کی طرف ان سب کو متوجہ کیا تھا۔

روشی دلہن بنی باری۔ کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ وہ سب انہیں گھیرے کھڑی تھیں۔ تصاویر کا سلسلہ جاری تھا۔

''اللہ روشی کتنی پیاری لگ رہی ہے۔'' بیہ نے بہت سرخوشی کی کیفیت میں کہا تھا۔

''باری! دیکھو تو تم تو ماش کے آٹے کی طرح اینٹھے بیٹھے ہو۔ آج بیوٹی پارلر کی کارگزاری کی داد تم بھی دو۔'' مونا نے باری کو تنگ کیا۔

مرتا ہوں سادگی پہ کہ فطرت کا حُسن ہے
میرے لیے نہ خود کو سنوارا کرے کوئی

باری نے بڑی شریر مسکراہٹ کے ساتھ ایک لوہار کی کے مصداق جواب دیا تھا۔

''آ۔ اُو'' ایک ہاؤ ہکار مچ گئی۔

''بی بی جان! باری کو دیکھیں روشی کو تنگ کر رہا ہے۔'' لالی نے شرارتاً شکایت لگائی۔

''باری! سچی تم نے روشی کو نہیں دیکھا؟'' مریم نے یوں کہا جیسے اسے نہ دیکھنے پر بہت افسوس ہو رہا ہو۔

''لو صرف انہی کو تو دیکھا ہے اور تو کوئی نظر نہیں آیا۔'' حنا نے ٹکڑا لگایا۔

ماہین نزدیک ہی کھانے کا انتظام دیکھ رہی تھی۔ شوخ و شنگ جملے اس کے کانوں میں بھی پہنچ رہے تھے۔ وہ ان کے درمیان جانے کا ارادہ کر رہی تھی کہ فون آنے کی اطلاع آئی۔ وہ متعجب کرتی جلدی سے لابی میں آئی۔ شاید نعمان بھائی یا شاید سمندر پار سے۔

''ہیلو۔!'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ دوسری طرف مترنم آواز اور شستہ انگریزی میں کوئی موصوفہ کہہ رہی تھیں۔ پلیز ویٹ فار جسٹ اے منٹ۔ مسٹر تیمور علی خان آن لائن۔''

ماہین کا دل بڑی تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اللہ کرے خیریت کی خبر ہو۔

''ہیلو! السلام علیکم۔ تیمور علی خان فرام یو۔ ایس۔ اے۔''

''وعلیکم السلام کیسے ہیں۔ بجو کی طبیعت کیسی ہے؟۔'' اس کی آواز میں لرزش آگئی تھی۔

''ٹھیک ہیں۔ پہلا چیک اپ آج یعنی ابھی کچھ دیر پہلے ہوا ہے۔ اچھی خبر یہ ہے کہ نائنٹی پرسینٹ امید ہے' آپ دُعا کریں۔ ہم آپ کو اس لیے بھی فون کر رہے ہیں کہ اب آپ پاکستان میں ہمارا انتظار نہ کیجئے گا۔ ہم یہاں دو ماں کے لیے ہیں' پھر لندن چلے جائیں گے' اور وہیں سیٹل ہوں گے۔''

ہمارا خیال ہے یہ ہم سب کے لیے بہت بہتر ہے۔ ان کا ایٹ موسفیئر چینج کرنا اب بہت ضروری ہو گیا ہے۔ البتہ بچوں کو لینے ہم دو تین ماہ کے اندر پاکستان آئیں گے' ہم سے مطلب صرف ہم۔ امید ہے حوصلہ افزا خبر آپ کے لیے بھی بہت بڑی خوشخبری ہے۔''

''جی بہت زیادہ۔ بیان سے باہر ہے۔ آپ کی اس وقت رئیل فیلنگ کیا ہے؟ واقعی آپ خوش ہیں؟''

''ایزا اے انسان واقعی یہ بہت اچھی خبر ہے۔ آپ ہماری طرف سے بے فکر رہیں۔'' تیمور علی خان بہت سکون سے بات کر رہے تھے۔

آپ کے لیے ایک شعر ہے۔

پست حوصلے والے تیرا ساتھ کیا دیں گے
زندگی اِدھر آ جا ہم تجھے گزاریں گے

''اس میں آپ کا ''ہم'' بھی موجود ہے۔'' ماہین ہنس پڑی تھی۔

''سو نائس۔ تھینکس۔ اور آپ کیسی ہیں۔ کیا کر رہی ہیں۔''

''کچھ نہیں۔ اچھی مصروفیت تھی۔'' اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

''آپ بجو کا خیال رکھیے گا۔ وہ وہاں جا کر آپ سے خفا تو نہیں ہوئیں' لڑیں تو نہیں؟

ع اُسے میری چُپ نے رُلا دیا جسے گفتگو میں کمال تھا

ماہین کو خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ اسے گمان بھی نہیں تھا کہ تیمور علی خان شاعری بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ تیمور علی خان نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ اور وہ ریسیور ہاتھ میں تھامے ہنوز ایک ہی زاویے سے کھڑی تھی۔

''بات تو پھر یہ ہوئی بجو کہ ازل سے ہمارے درمیان طویل فاصلے طے ہیں۔''

وہ ریسور رکھ کر دوبارہ لان میں آئی تو منظر ہنوز وہی تھا۔ روشی کے چہرے پر پاپابی کے وہ رنگ تھے کہ دل سے مسافت و تھکن کی دھول اُترنے لگی۔

یاور علی خان مین گیٹ پر تنہا ہی کسی جوڑے کا استقبال کر رہے تھے۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی ان کے پہلو میں جا کھڑی ہوئی۔

☆--☆